لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ

سچی علم پرستی

"اس وقت طلبہ کی جو جماعت آپ کے سامنے ہے، یہ وہ جماعت ہے جس نے دین کو دنیا پر ترجیح دی ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جس نے بہترین سامانِ آرائش و آسائش کو محض احکام الٰہی کی پابندی اور سچّے ہندوستانی کی حیثیت سے چھوڑ دیا ہے یہ وہ جماعت ہے جس نے ہر طرح کی تکالیف برداشت کی ہیں۔ بھوک پیاس کی سختی جھیلی ہے اور جاڑے کی طویل راتیں زمین پر گذاری ہیں اور اب تک گذار رہی ہے۔ ہندوستان میں علم کو علم کے لیے نہیں بلکہ معیشت کے لیے حاصل کیا جاتا ہے یہ بڑی بڑی تعلیمی عمارتیں جو انگریزی تعلیم کی نوآبادیاں ہیں کس مخلوق سے بھری ہوئی ہیں۔ مشتاقانِ علم اور شیفتگانِ حقیقت سے؟ نہیں ایک مٹھی گیہوں اور ایک پیالہ چاولوں کے پرستاروں سے جن کو یقین دلایا گیا ہے کہ بلا حصولِ تعلیم کے وہ اپنی غذا حاصل نہیں کر سکتے علم کی اس عام توہین و تذلیل کی تاریکی میں سچّی علم پرستی کی ایک روشنی برابر چمکتی رہی ہے یہ ہندوستان کے طالبین علم کی وہ جماعتیں ہیں جو اسلام کے مذہبی علوم مختلف عربی مدرسوں میں حاصل کر رہی ہیں۔ یہ جذبہ بجز علم پرستی اور رضائے الٰہی کے اور کوئی دنیاوی غرض نہیں رکھتا ہندوستان بھر میں علم کو علم کے لیے اگر کوئی پڑھنے والی جماعت ہے تو وہ عربی مدارس ہی کی جماعت ہے۔"

(مولانا ابوالکلام آزادؒ)

فی شمارہ ۵ روپے | سالانہ سو روپئے | ۱۱؍ جنوری ۱۹۹۵ء

اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل وحفاظت میں

حدیث کا بنیادی کردار

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

(چوتھی آخری قسط)

انکار حدیث کے نئے محرکات وعوامل

مغربی نومسلم فاضل محمد اسد (LEOPOLD WEISS) نے سنت سے دامن چھڑانے اور حدیث کا انکار کرنے کا حقیقی سبب (جس کے داعی اس دور میں پھر اس کا بیڑا اٹھائے ہیں) نئی نسل کی نفسیات اور مغربی تہذیب کا غلبہ اور طاقت سے مکمل واقفیت کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ مغربی تہذیب کی قدروں اور پیمانوں، اور اس کے طرز زندگی اور فیشن، اور سنت نبوی میں کبھی گٹھ جوڑ نہیں ہوسکتا، اور اس زندگی کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت اور آپ کی ذات پر مکمل اعتماد اور سنت کے مراجع اور ماخذ پر پورے یقین اور اطمینان پر مبنی ہو، مغربی تہذیب کی تعظیم وتقدیس اور اس کو علم انسانی کی آخری دریافت سمجھنے کے تصور کے ساتھ جمع نہیں کیا جاسکتا، غالباً بعض اسلامی ممالک کے حکام اور سیاسی لیڈران کے سنت پر حملہ اور انکار حدیث کا یہی سبب ہے، محمد اسد لکھتے ہیں:-

"آج جب کہ اسلامی ممالک میں مغربی تہذیب کا اثر ونفوذ بہت بڑھ چکا ہے، ہم ان لوگوں کے تعجب انگیز رویہ میں جن کو "روشن خیال مسلمان" کہا جاتا ہے، ایک اور سبب پاتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا، اور زندگی میں مغربی تہذیب کو اختیار کرنا ناممکن ہے، پھر موجودہ مسلمان نسل اس کے لئے تیار ہے کہ ہر مغربی چیز کو عزت کی نگاہ سے دیکھے، اور باہر سے آنے والے ہر تمدن کی اس لئے پرستش کرے کہ وہ باہر سے آیا ہے، اور طاقتور اور چمکدار ہے، مادی اعتبار سے یہ افرنگ پرستی ہی اس واقعہ کا سب سے بڑا سبب ہے کہ آج احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت کا پورا نظام نہیں پا رہا ہے، سنت نبوی ان تمام سیاسی افکار کی کھلی اور سخت تردید کرتی ہے، جن پر مغربی تمدن کی عمارت کھڑی ہے، اس لئے وہ لوگ جن کی نگاہوں کو مغربی تہذیب وتمدن خیرہ کرچکا ہے، وہ اس مشکل سے اپنے کو اس طرح نکالتے ہیں کہ حدیث وسنت کا بالکلیہ یہ کہہ کر انکار کردیں کہ سنت نبوی کا اتباع مسلمانوں پر ضروری نہیں، کیونکہ اس کی بنیاد ان احادیث پر ہے، جو قابل اعتبار نہیں ہیں، اور اس مختصر عدالتی فیصلے کے بعد قرآن کریم کی تعلیمات کی تحریف کرنا اور مغربی تہذیب وتمدن کی روح سے انھیں ہم آہنگ کرنا بہت آسان ہوجاتا ہے۔"[۱]

جو لوگ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ امت اسلامیہ کو اس حیات بخش، اور ہدایت وقوت عطا کرنے والے صاف وشفاف سرچشمہ سے (حدیث کے حجت ہونے اور اس کی قدر ومنزلت میں شکوک اور شبہات پیدا کرنے کے ذریعہ) محروم کردیں اور اس پر سے امت کا اعتماد اٹھ جائے، وہ اس عظیم نقصان سے شاید ناواقف ہیں، جو اس امت کو پہونچا رہے ہیں، وہ شاید نہیں جانتے کہ اپنی اس نامحمود کوشش سے وہ اس امت کو اپنی میراث سے محروم، اپنے آغاز سے بے تعلق، اپنی اصل سے سرگشتہ وحیران بنا رہے ہیں، اور وہ معاملہ کر رہے ہیں، جو یہودیت ومسیحیت کے دشمنوں نے، یا انقلاب زمانہ نے ان مذاہب کے ساتھ کیا، اگر وہ باہوش وحواس یہ کام انجام دے رہے ہیں تو اس امت اور اس دین کا ان سے بڑھ کر کوئی دشمن نہیں، کیونکہ اس کے بعد نئے سرے سے پھر اس دینی ذوق کو وجود بخشنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہ جاتا، وہ ذوق جو صحابہ کرامؓ کا امتیاز تھا، اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی براہ راست صحبت یا اس حدیث پاک کے واسطے کے بغیر (جو اس عہد کی سچی تصویر، اس عہد کی کیفیات سے مملو، اور اس کی عطر بیزیوں سے معطر ہے) پیدا نہیں کیا جاسکتا۔

فاضل مصنف محمد اسد نے اپنی کتاب میں جس کا عنوان ہے "اسلام دوراہے پر" اسلام دشمنی کے حقیقی اسباب اور اس سازش کی خطرناکی جو مسلم معاشرہ کو اس بے بدل قوت سے محروم، اور اس بے نظیر خزانہ سے خالی کردینا چاہتی ہے، بڑی اچھی تشخیص کی ہے، وہ کہتے ہیں:-

"سنت نبوی ہی وہ آہنی ڈھانچہ ہے، جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے، اگر آپ کسی عمارت کا ڈھانچہ ہٹا دیں تو کیا آپ کو اس پر تعجب ہوگا کہ عمارت اس طرح ٹوٹ جائے، جس طرح کاغذ کا گھروندا۔"[۲]

انکار حدیث کا اثر اور اتباع سنت کی ضرورت اور اس کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:-

"لیکن یہ اعلی مقام جو اسلام کو اس حیثیت سے حاصل ہے کہ وہ ایک اخلاقی، عملی، انفرادی، اور اجتماعی نظام ہے، اس طریقے سے (یعنی حدیث اور اتباع سنت کی ضرورت کے انکار سے) ٹوٹ کر اور بکھر کر رہ جائے گا۔"[۳]

حدیث کے حجت، اور یقینی طور پر قابل اعتبار

باقی صفحہ ۳ پر

پندرہ روزہ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

شمارہ نمبر ۵ | ۱۰ر جنوری ۱۹۹۵ء مطابق ۸ر شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ | جلد نمبر ۳۲

سرپرست
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی
مولانا محمد واضح رشید ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبد العزیز ندوی
مولانا محمد رضوان ندوی
مولانا ہارون رشید ندوی

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ـــــــ

زر تعاون

سالانہ ـــــــ ۱۰۰ روپے
فی شمارہ ـــــــ ۵ روپے
ـــــــ بیرونی ممالک فضائی ڈاک ـــــــ
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک
۲۵ ڈالر ـــــــ
ـــــــ بیرونی ممالک بحری ڈاک ـــــــ
بحری ڈاک جملہ ـــــــ ۱۰ ڈالر

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ـــــــ مینیجر

مینیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ
یوپی 226007
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔
اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ـــــــ

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کا پی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/- روپے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیرجات کالی کالم فی سینٹی میٹر R.20/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakis)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

(مولانا سید) محمد رابع حسنی ندوی

مدارس عربیہ اسلامیہ کا کام و مقام

جہاں مسلمانوں کو اکثریتی پوزیشن حاصل نہ ہونے کی بنا پر حکومتی سطح پر اپنے ملی مفاد کی خبرگیری کا موقع حاصل نہ ہو اور ملک کے سیکولر یا غیر اسلامی ہونے کی بنا پر مسلمانوں کے ملی مفادات کا حکومتی سہارا نہ ہو ان کی ملی انجمنیں اور ان کی عوامی سطح کی دینی درسگاہیں اور ان کی اپنی قائم کردہ تربیت گاہیں وہاں کمی کو پورا کرتی ہیں اور ملت کی ضرورت کا مداوا کرتی ہیں اور مسلمانوں کو اپنی دینی و ملی ضرورت کے لئے انہی سے رہنمائی اور علاج فراہم ہوتا ہے۔

تعلیم و تربیت کا کام ملک و ملت کے لئے ضرورت کے افراد تیار کرنے کا ہے، اسی لئے دنیا کی متمدن قومیں اس پر نہ صرف یہ کہ توجہ دیتی ہیں بلکہ اس پر اپنے بجٹ کا خاصا حصہ صرف کرتی ہیں لیکن غیر مسلم حکومتوں میں جمہوری اور سیکولر نظام کی وجہ سے مسلمانوں کے ملی رہنماؤں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ رائج نظام تعلیم و تربیت میں جو جگہ ملی اور دینی حصہ کی خالی ہو اس کو وہ اپنے نظام تعلیم و تربیت سے پر کریں، الحمد للہ ہمارے دینی عربی مدارس اس خلا کو بہت اچھے طریقہ سے پورا کر رہے ہیں چنانچہ ملک کے مروجہ نظام تعلیم و تربیت سے ٹکرائے بغیر وہ نتائج حاصل کئے جا رہے ہیں جو مکمل طور پر مروجہ نظام تعلیم سے بھی حاصل نہیں ہوتے، اخلاق و کردار کی تعلیم انسانیت اور نیک خصوصیات پر افراد کی تربیت، ایک جگہ کے رہنے والوں کے درمیان ان کے سیاسی یا مذہبی اختلافات کے باوجود ایسی یگانگت پیدا کرنا جیسی ایک ہی قوم کے اندر ہوتی ہے اور ملک کے لئے اور ملک والوں کے لئے اپنی خیر خواہی اور صلاحیتوں کا استعمال سکھانا، یہ وہ کام ہیں جو بغیر اخلاقی و دینی تعلیم کے نہیں انجام پا سکتے یہی وہ اخلاقی و دینی تعلیم ہے جو ہمارے مدارس انجام دیتے ہیں ہمارے مدارس کے لوگ اگرچہ اپنے اسلامی دینی عقائد و اعمال پر سختی سے قائم رہے، لیکن دین سے ان کی یہ وفاداری ان کے ملک کے مشترک ڈھانچہ کو غیر ملکیوں سے چھڑانے اور ملک کی ترقیات کو بڑھانے کے کام سے مانع نہیں بنی، ہمارے مدارس سے نکلے ہوئے مذہبی و اسلامی قائدین نے اپنے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ شانہ بشانہ جنگ آزادی میں شرکت کی اور آزادی ملنے پر جب قیادت کا وقت آیا تو اقلیت میں ہونے کے باعث ان کو ان کا خاطر خواہ حصہ بھی نہیں ملا، مگر ان کا مقصد قوم کی اچھی تعمیر اور مذہب و اخلاق کی خدمت تھی لہٰذا وہ بددل نہیں ہوئے بلکہ اخلاص کے ساتھ تعمیرات میں لگ گئے اور چونکہ ملت اسلامیہ کے کام تمام ملت اسلامیہ کی خواہ ہندوستان میں ہو خواہ دنیا کے مختلف حصوں میں ہو، مشترک ذمہ داری ہے۔ لہٰذا وہ ایک جگہ انجام دی جائے تو دوسری جگہ کی ملت اسلامیہ کو بھی فائدہ پہونچتا ہے، یہی وہ پہلو ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کی غیر مسلم اکثریت کے ایک تنگ ذہنیت والے طبقہ کو بدگمانی شروع ہوئی اور وہ اس قدر بڑھی کہ ہمارے یہ مدرسے نگاہوں میں کھٹکنے لگے، اور ان کے افراد کے جزئیات تک کی گرفت اور چھان بین ہونے لگی حالانکہ ان مدارس کے ذمہ داروں اور ان کے تحت استفادہ کرنے والوں نے اختیار کئے ہوئے طول طویل نصاب سے کب اس بات کی فرصت ہے کہ وہ کسی غیر مناسب مصروفیت میں لگیں۔

جتنے مدارس اسلامیہ جن میں ندوۃ العلماء بھی ہے وہ مدرسے ہیں جن کے سابق ذمہ داروں نے آزادی کی جنگ کے رہنماؤں کے ساتھ باہم دوستی و محبت نباہی اور مذہبی امور میں اپنے اسلام پر جمے رہتے ہوئے وطنی تعلق کی بنا پر غیر مسلم حضرات کے ساتھ اخوت کا معاملہ رکھا، اور اب ان کے موجودہ اختلافات بھی دینی مفاد کو ملکی مفاد سے ٹکرانے نہیں دیتے، یہی لوگ آج غیر مسلم اکثریت کے بعض رہنماؤں کی طرف سے شک و شبہ کی نظر سے دیکھے جانے لگے ہیں جو کہ ایک نہایت غیر صحت مندانہ علامت ہے، یہ شک و شبہ ملک کے انسانی اور اخلاقی خلا کو پر کرنے میں مدد دینے کے بجائے ملک میں آپسی انتشار اور مضبوط و کمزور کے مابین کشمکش اور لڑائی کو جنم دینے والی بات ہے اس سے ملک کو اور خود اکثریت کو کیا نقصان پہونچے گا اس کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

ہندوستان کے دینی وملی اداروں نے ملک کو کیا دیا ہے یہ کوئی مخفی بات نہیں ہے دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور دارالعلوم ندوۃ العلماء نے ملک کو سیکڑوں سماجی خدمت گذار، صحافی وادیب، محقق اور علم کی ترویج کرنے والے اور ملک کے قومی وتنظیمی ذمہ داریوں کی جگہیں پُر کرنے والے دیئے، ان سے ملک کی ضرورت کا جو خلا پر ہوا وہ ہرگز ہرگز ناقدری کے لائق نہیں اس کی ناقدری کرنا حقیقت میں ملک کی بدخواہی ہے، تعجب ہے کہ ہمارے ملک کی وزارت داخلہ یہ کھلی ہوئی بات نہیں سمجھتی اور اس کے تحقیقاتی شعبے اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ ایسے امن دوست سنجیدہ، فائدہ مند اور ٹھوس عملی مشغولیت رکھنے والوں کو انھوں نے بدامنی پیدا کرنے والے سمجھنا شروع کیا ہے اور اپنی اس غلط سمجھ کو نہایت غیر جمہوری طریقے سے بروئے کار لانے کی کوشش کرتے ہیں، ان مدارس خاص طور پر ندوۃ العلماء ....کی تعلیمی وتربیتی فضا میں رہنے والے اس وقت کی تعداد میں ملک کی یونیورسٹیوں میں پروفیسر، ریڈر اور سربراہان شعبہ ہیں، اکیڈمیوں اور علمی تحقیقی اداروں کے ذمہ دار بلکہ ان کے قائم کرنے والے ہیں، ادب وصحافت میں جگہ جگہ اہم جگہوں کو پر کئے ہوئے ہیں، حکومت کے قائم کردہ متعدد حساس جگہوں میں بھی کام کر رہے ہیں، خود حکومت کی طرف سے ان کی قابلیت ؟ اہلیت کا اعتراف ہوتا رہتا ہے، ان مدارس اور خاص طور پر چند ندوۃ العلماء کو عربی فارسی میں نمایاں قابلیت کے انعام صدر جمہوریہ سے مل چکے ہیں، ملک کے باہر جو ندوی فضلاء جاتے ہیں ان کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے اور متعدد باوقار منصبوں پر فائز ہوتے ہیں، اور باہر کے جو طلبا ندوہ سے پڑھ کر اپنے ملک گئے ہیں ان میں متعدد اہم مناصب پر فائز ہوئے ہیں اور انھوں نے وہاں متعدد تعلیم گاہیں کالج اسکول قائم کئے اور علم کی ترویج میں مشغولیت اختیار کر رکھی ہے۔

اس وقت ندوۃ العلماء کے سربراہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ ہیں جن کی شخصیت کا وزن اور ان کی علمی وادبی قابلیت کو ملک کے اندر اور ملک کے باہر تسلیم کیا جاتا ہے انھوں نے اپنے اخلاقی دینی اور سماجی رہنمائی کا جو اثر ڈالا ہے اس کو ملک اور بیرون ملک کے صرف ممتاز اہل علم ہی نہیں بلکہ سربراہان حکومت تک سراہتے ہیں۔ پھر ان کی خدمت انسانیت کی تحریک پیام انسانیت نے جو قدردانی حاصل کی ہے اور ملک کے سنجیدہ باشندوں میں خواہ وہ کسی فرقے کے ہوں جو تائید وقدر حاصل کی ہے وہ ندوۃ العلماء کے متعلق حسن ظن پیدا کرنے کے لئے بالکل کافی ہے۔

اس سب کے بعد مدارس عربیہ اسلامیہ سے کسی بدگمانی اور بدگمانی کے نتیجہ میں بدسلوکی کا کوئی جواز نہیں رہتا، اور اگر اس کا جواز کوئی سمجھتا ہے تو قوم وطن کے ساتھ اس کی خیر خواہی قابل اعتماد نہیں کہی جاسکتی، ہمارے سنجیدہ اور قوم ووطن کے خیرخواہ لوگوں کو اس صورت حال پر غور کرنا چاہئے اور اس کی درستگی کے لئے تدابیر سوچنی چاہئیں، جہاں تک ہمارے ذمہ داران مدارس عربیہ اسلامیہ کا تعلق ہے انھوں نے اس طرف قدم اٹھایا ہے اور سنجیدہ وجمہوری طریقے سے وہ جو کرنا مناسب ہے وہ کر رہے ہیں۔

نعت

حکیم عزیز الرحمن اعظمی

گروہِ مذنباں منزل بہ منزل
چلا تو بہ کناں منزل بہ منزل

درود مؤمناں منزل بہ منزل
سلام عاشقاں منزل بہ منزل

رہی وردِ زباں منزل بہ منزل
حدیثِ جانِ جاں منزل بہ منزل

دوائے دردِ جاں منزل بہ منزل
شفائے جاوداں منزل بہ منزل

نظر میں قبۂ شاہِ امم ہے
گلِ باغ جناں منزل بہ منزل

وہ ابر عافیت پھر بڑھ رہا ہے
برائے کشت جاں منزل بہ منزل

زبوں سے بھی زبوں تر ہو چکا ہے
یہ حالِ ہندیاں منزل بہ منزل

مرے آقا بلالیں آرزو ہے
مجھے اپنے یہاں منزل بہ منزل

ہزاروں بار لاکھوں بار رحمت
بر آں شاہ جہاں منزل بہ منزل

جبیں کا ایک حصہ ہو چکا ہے
خیالِ آستاں منزل بہ منزل

خدائے مہرباں منزل بہ منزل
رہا رحمت فشاں منزل بہ منزل

دینی مدارس

اور

ہندوستان کے لئے ان کا باعث افتخار ہونا

ایک تاریخی جائزہ، اور ان کے ساتھ سلوک و معاملہ کا ایک دیانتدارانہ محاسبہ

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

اس دردمندانہ مضمون کا محرک وہ شب خون اور کردار کشی کی وہ ناپاک مہم ہے جو ادھر کچھ عرصہ سے دینی عربی مدارس کے خلاف چلائی جا رہی ہے۔ اس مضمون کو دیگر زبانوں میں منتقل کر کے غیر مسلموں تک پہونچانے کی ضرورت ہے۔ (ادارہ)

فضلائے مدارس عربیہ کی چند امتیازی خصوصیات

قدیم دینی نظام تعلیم اور عام طور پر جو دینی یا عربی مدارس کہلاتے ہیں، وہ بعض ایسی خصوصیات کے مالک اور محافظ ہیں، جو جدید تعلیمی نظاموں (EDUCATIONAL SYSTEMS) میں (ان کی افادیت اور ضرورت کا انکار کئے بغیر) مفقود یا بہت نایاب ہیں، اور ان کی بنا پر بدلے ہوئے زمانہ اور ترقی یافتہ جدید دور اور ایک نوخیز و ترقی پذیر معاشرہ میں ان کی قدر و قیمت اور ضرورت و افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، یہاں بہت اختصار کے ساتھ چند خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جن کی عملی مثالیں اور واقعات ہندوستان کی علمی و دینی تاریخ کے ہزارہا صفحات میں بکھرے ہوئے ہیں۔

۱۔ ان میں سے ایک بڑا امتیاز و شعار (خصوصیت و علامت) پڑھانے والوں اور پڑھنے والوں کا اخلاص (SINCERITY) اور ایثار (SACRIFICE) ہے، چونکہ تعلیم و تعلم کا آخری ثواب اور استاد و معلم کی دینی فضیلت طلبہ کے ذہن پر نقش ہوتی ہے، اور ان کا عقیدہ اور جزو ایمان بن چکی ہوتی ہے، اس لئے ان میں (اگر سب نہیں تو ایک بڑی تعداد) محض خدا کی خوشنودی اور اجر و ثواب کے حاصل کرنے کے لئے تعلیم و تعلم میں مشغول ہوتی ہے، اور اس کو افضل عبادت و اعلیٰ سعادت سمجھتی ہے، اساتذہ میں بہت سے حضرات زہد و قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، اور اپنے علمی امتیاز اور کمال فن کی بنا پر اپنے ملک یا دوسرے ملکوں میں جو فوائد و مواقع حاصل کر سکتے ہیں، ان سے آنکھ بند کر کے اپنے ملک اور مدرسہ میں قناعت و ایثار کی زندگی گذارتے ہیں، اور اپنے فن اور طلبہ کی خدمت کرتے ہیں کسی زمانہ میں بھی اقتصادیات اور معیار زندگی کتنی ہی اہمیت حاصل کر لے، اس ایثار و قربانی اور قناعت کی تحقیر اور اس کی قدر و قیمت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ دوسری خصوصیت درس میں انہماک ہے، مدارس عربیہ کے اساتذہ کو درس و تدریس میں اس درجہ استغراق و انہماک رہا کرتا تھا اور اس کا نمونہ اب بھی دیکھا جا سکتا ہے) جس کا تصور بھی واقعات اور مثالوں کے بغیر مشکل ہے، اور ان کا اس مختصر مضمون میں پیش کرنا اور بھی دشوار تر ہے، پڑھنا اور پڑھانا، مطالعہ اور محنت ان کی روح کی غذا اور ان کی عبادت اور وظیفہ بن گیا تھا اساتذہ کے تمام اوقات (بشری ضرورتوں اور قلیل راحت کے علاوہ) پڑھنے پڑھانے میں گھرے رہتے تھے، یہاں تک کہ بعض حضرات کھانے کے وقت اور چلتے پھرتے بھی پڑھاتے تھے۔

۳۔ تیسری خصوصیت طلبہ سے تعلق ہے ان اساتذہ کو اپنے شاگردوں اور طالب علموں سے ایسا گہرا اور شدید تعلق ہوتا تھا جس کی مثال اس زمانہ اور جدید نظام تعلیم میں ملنی مشکل ہے اساتذہ طلبہ کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے اکثر اوقات ان کے متکفل ہوتے تھے، اور ان کو خورد و نوش میں شریک کرتے تھے

۴۔ اسی طرح طلبہ کا اساتذہ سے ایسا تعلق تھا، جس کے سلسلہ میں تاریخ و سوانح حیات میں ایسے واقعات ملتے ہیں، جن کا یقین کرنا اس زمانہ

میں مشکل ہے، اور جن کی نقل و تقلید بھی اس زمانہ میں دینی و علمی حیثیت سے نہ ضروری ہے نہ ممکن، پھر بھی خالص مادّی اور لادینی (SECULAR) تعلیم گاہوں کے مقابلہ میں اب بھی مدارس دینیہ عربیہ کو اس سلسلہ میں کھلا امتیاز حاصل ہے۔

۵۔ ان دینی اور عربی مدارس کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ ان کے فضلاء اور سند یافتہ لوگوں نے اپنے وقت کے غلط رجحان، کسی خطرناک فتنہ، یہاں تک کہ سلطنتوں (اور وہ عام طور پر مسلم سلطنتیں ہوتی تھیں) کی غلط سیاست اور ناجائز قوانین اور سرپرستیوں کا دلیرانہ اور بعض اوقات سرفروشانہ مقابلہ کیا، اور بعض اوقات اس میں جانیں دے دیں، اور بعض اوقات سلطنتوں اور ملک و معاشرہ کا رخ بدل دیا، اور کسی قیمت پر بھی وہ حکومت کے ہاتھوں، یا اہلِ دولت اور اہلِ اثر کے ہاتھوں بکے نہیں۔[۵]

۶۔ اس تعلیم و تربیت، حق پسندی، اخلاقی جرأت اور ضمیر کی آزادی و بیداری کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے مقابلہ کی پہلی صدا اسی دینی طبقہ اور علماء کے حلقے سے بلند ہوئی، اس نے سب سے پہلے اس خطرہ کو محسوس کیا اور انگریزی اقتدار کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا۔[۶] انگریز مورخین نے صاف طور پر اس کا اظہار کیا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں (جس کو وہ غدر (MUNITY) کے لقب سے یاد کرتے ہیں) سید احمد صاحب کی جماعت مجاہدین کی چنگاریاں ہی کام کر رہی تھیں، اسی بنا پر اس جنگ آزادی میں سب سے بڑی قربانیاں اسی جماعت کے افراد و خاندان، بالخصوص خاندان صادق پور پٹنہ نے دیں، ان کی جائدادیں ضبط ہوئیں، مکانات یہاں تک کہ مقابر تک منہدم کئے گئے، اور بعض نامی گرامی افراد (مولانا یحییٰ علی صاحب، مولانا احمد اللہ صاحب، مولانا عبدالرحیم صاحب) جزیرۂ انڈمان اور کالا پانی بھیج دیئے گئے، اور وہیں اول الذکر دونوں افراد کی وفات ہوئی۔[۷]

اسی کا نتیجہ تھا کہ جب بیسویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی میں ہندوستان کی آزادی کا صور پھونکا گیا، اور آزادی کی تحریک اور تحریک خلافت وجود میں آئی تو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ قربانیاں طبقۂ علماء کے افراد اور فضلائے مدارس نے دیں، مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی (جو شیخ الہند کے لقب سے معروف ہیں) اور ان کے ساتھ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، مولانا عزیز گل صاحب، مولوی وحید احمد اور حکیم نصرت حسین کوڑی کو ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء) کو مصر پھر مالٹا بھیج دیا گیا، جہاں وہ تین سال دو مہینے رہے، اور حکیم نصرت حسین صاحب کا وہیں انتقال ہوا، واپسی پر بھی وہ آخر وقت تک آزادی کی جدوجہد اور اس تحریک و دعوت میں نہ صرف شریک بلکہ پیش پیش رہے، جہاں تک مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کا تعلق ہے، وہ اتنے بار جیل گئے کہ کسی سیاسی قائد کو اس کا اتفاق کم ہی ہوا ہوگا۔

اس تحریک آزادی میں حضرت شیخ الہند اور ان کے اہلِ عقیدت و ارادت کے علاوہ کثیر التعداد علماء اور فضلائے مدارس شریک تھے، جن میں مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا احمد علی صاحب لاہوری، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا عبدالحلیم صدیقی اور کثیر التعداد علماء اس گروہ میں شامل تھے، مولانا ابوالکلام آزاد معروفِ عوام و خواص ہیں، اور وہ نہ صرف جنگ آزادی کے ایک قائد و رہنما بلکہ انڈین نیشنل کانگریس کے اعلیٰ دماغ اور مفکر اعظم ہیں، ان کے علاوہ بھی عام طور پر فضلائے مدارس، علمائے دین، یہاں تک کہ خالص علمی و تحقیقی کام کرنے والے حضرات بھی تحریک آزادی وطن سے ہمدردی اور دلچسپی رکھنے والے اور فکری طور پر ان سے ہم آہنگ تھے، جن میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود علی ندوی (ناظم دارالمصنفین) مولانا معین الدین اجمیری اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب بہاری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، اور ہندوستان کی تاریخ آزادی کا کوئی مؤرخ ان کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

ان فضلاء و طلبائے مدارس عربیہ کی ایک خصوصیت (جس کو اس صدی کے اخلاقی طور پر بر سر انحطاط معاشرہ اور بے اصولی کے دور میں بے قیمت اور حقیر نہیں سمجھا جا سکتا) ان کے ان اخلاقی اصول، دینی تعلیمات، اور تہذیب و آداب کی پابندی ہے، جو وہ قرآن و حدیث، سیرت نبوی، اور علمائے سلف کے تذکروں سے سیکھتے، اپنے اساتذہ میں اس کا نمونہ دیکھتے اور ان سے اس کی تاکید و تعلیم پاتے ہیں، اور جس کی اس بگڑے ہوئے (CORRUPT) معاشرہ میں بڑی ضرورت ہے، اور جس کو کردار سازی (CHARACTER BUILDING) سے تعبیر کر سکتے ہیں، جس کی ہمارے معاشرہ میں عام طور پر اور جدید دانش گاہوں میں خاص طور پر کمی نظر آتی ہے۔

مشہور و ممتاز ترین دینی و علمی درسگاہیں

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی پر ملک میں خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں میں تیزی کے ساتھ احساسِ شکست، احساس کمتری

یک عام مایوسی پھیلتی جارہی تھی، دصرف
انوں میں بلکہ پورے ملک میں جدید مغربی
م تعلیم اور فلسفۂ زندگی و تمدن کا ثمبلا بحر
ستا جارہا تھا، اور اس سے اخلاق معاشرت
، ایک انتشار اور سیاسی غلامی کے ساتھ ذہنی
ی پیدا ہورہی تھی، جس کا اثر اخلاق ومعاشرت
ں پوری قوت کے ساتھ ظاہر ہورہا تھا، اور
انی سے یہ اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ اگر یہی صورت
باقی رہی تو ہندوستان کی آبادی بالخصوص
لیم یافتہ طبقہ (جس کے ہاتھ میں زمام قیادت
عنانِ فکر رہتی ہے) اس مغربی قارورہ میں
بل ہوکر رہ جائے گا۔

اس تاثر کا مقابلہ کرنے کے لئے یونیورسٹیاں
ں نہیں تھیں، جو مغربی نظام تعلیم ہی کی مقلد،
شہ چیں بلکہ پیرو تھیں۔

اس صورتِ حال کے مقابلہ میں جری
ردور بیں علماء نے ایسے دینی مدارس کا قیام
روری سمجھا جو سیاسی زوال کے بعد (کم سے کم)
سلمانوں کو دینی و اخلاقی زوال سے محفوظ رکھیں،
ر ان میں داعیانہ روح اور رضا کارانہ خدمت
ر اشاعتِ علم کا جذبہ ہو، اور جو حکومت کی
انت و سرپرستی کے بغیر اس ملک میں مسلمانوں
ا دینی خدمت اور رہنمائی اور علم کی اشاعت
حفاظت کا فرض انجام دے سکیں۔

ر العلوم دیوبند اور دوسرے مرکزی دینی مدارس

ان مدارس میں دار العلوم دیوبند کو
ولیت اور خاص اہمیت حاصل ہے، دار العلوم
یوبند سے اس کی سو سالہ تاریخ میں تحصیل علم
رکے نکلنے والوں کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ
ہے، فارغین میں افغانستان، پاکستان نیز وہ
فاسا، قازان، روس، آذربائیجان، مغرب
اقصیٰ، ایشیائے کوچک، تبت، چین، جزائر بحر الہند
وغیرہ دوسرے ملکوں کے طلبہ شامل ہیں، ہندستانی
مسلمانوں کی دینی زندگی پر دار العلوم دیوبند کے
فضلاء کی اصلاحی کوششوں کے نمایاں اثرات
رونما ہوئے، متعدد فضلاء نے سیاسی میدان
اور وطن عزیز کے دفاع کے سلسلہ میں بھی کارنامے
نمایاں انجام دیئے، اور حق گوئی و بے باکی میں
علمائے سلف کی یاد تازہ کردی۔

دار العلوم دیوبند کے بعد سہارن پور کے
مدرسہ مظاہر علوم کا نمبر ہے، یہاں سے بھی بڑی
تعداد میں علماء اور علم دین کے مخلص وخدمت
گذار فارغ ہوکر نکلے ہیں، جنھوں نے خاص طور
پر فنِ حدیث کی بڑی خدمت کی ہے، متعدد
کتب حدیث کی شرحیں ان کے قلم سے نکلی ہیں،
جن کی وجہ سے ممالک عربیہ میں بھی اس کی شہرت
ہوئی ہے، اور وہاں کے ماہرینِ فن بھی ان کو بڑی
وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں[۹]۔

ہندوستان میں درس نظامی کے دوسرے
مدارس بھی ہیں، جن میں قدیم نصاب کے مطابق
تعلیم دی جاتی ہے، جماعت اہلِ حدیث کے بھی
متعدد مدارس ہیں، جو حدیث و سنت کی تدریس
وتحقیق کا کام کرتے ہیں، فرقہ اثنا عشری (شیعہ فرقہ)
کے بھی مدارس ہیں، جن میں لکھنؤ کے بعض مدارس
(سلطان المدارس، ناظمیہ، مدرسۃ الواعظین)
ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، جنوبی ہند میں بھی کثیر التعداد
وسیع وعظیم درسگاہیں ہیں، یو۔پی، بہار، گجرات
دکن (خاص طور پر حیدرآباد) کرناٹک اور مالابار
کیرالا میں متعدد شاندار مدارس اور دینی وعلمی
ادارے ہیں[۱۰]۔

دار العلوم ندوۃ العلماء

ندوۃ العلماء کی فکری تحریک سنہ ۱۳۱۱ھ
مطابق سنہ ۱۸۹۲ء میں وجود میں آئی، اس کے بانی
مولانا سید محمد علی مونگیریؒ تھے[۱۱]، اس کی رہنمائی
ان کے بعد عرصہ تک علامہ شبلیؒ، ان کے نامور شاگرد
و تلامذہ خاص طور پر علامہ سید سلیمان ندویؒ
اور ہندوستان کے ممتاز علماء اور اہلِ فکر و نظر
نے کی جو نظامت اور معتمدی کے منصب پر فائز
رہے[۱۲]۔

اس تحریک کی بنیاد اس نظریہ اور اصول پر
تھی کہ نصابِ تعلیم ایک تغیر و ترقی پذیر ذریعۂ تعلیم
و تربیت ہے، جس کو زمانہ کی تبدیلیوں اور تقاضوں
کے مطابق (دینی روح و مقاصد، بنیادی عقائد
اور اساسی علوم کی حفاظت کے ساتھ) بدلتے اور
ترقی کرتے رہنا چاہئے، وہ ان کے نزدیک ایک
جامد، متحجر (FOSSILIZED) نصاب ہونے
کے بجائے، ایک زندہ اور نامی جسم کی طرح زندگی
ترقی، اور وسعت کی صلاحیتوں سے بھرپور ہے،
دوسرے الفاظ میں دین ایک ابدی حقیقت
ہے، جس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں،
لیکن علم ایک پھلنے پھولنے والا درخت ہے، جس
کا نشو و نما برابر جاری رہے گا، اسلام ان کے نزدیک
ایک عالمگیر اور جاوداں دین اور زندگی ہے، اس
لئے ذہن انسانی کے ارتقاء و تنزل، اور تغیرات
کی مختلف منزلوں سے اس کا سابقہ پڑنا، اور ان
بدلے ہوئے حالات و تصورات و افکار میں رہنمائی
کا فرض انجام دینا، اور پیدا ہونے والے شکوک
و شبہات کو رفع کرنا ایک قدرتی امر ہے، اس کے لئے
اس ذریعہ تعلیم کی بھی (جو اسلام کے نمائندوں اور
اس کے شارحین کو تیار کرتا ہے) اپنے دائرہ کو
برابر وسیع کرتے رہنے اور اپنی صلاحیت و زندگی
کا ثبوت دیتے رہنے کی ضرورت ہے۔

اس احساس اور حقیقت بینی کی بنا پر ندوۃ العلماء
کے ذمہ داروں اور رہنماؤں نے ان یونانی علوم

(منطق وفلسفہ) کے اس حصہ کو کم اور بقدر ضرورت رکھا اور اس علم کلام میں بھی حذف و اضافہ سے کام لیا، جو علمی حقائق کے بجائے یونان کی دیومالا (GREEK MYTHOLOGY) پر مبنی تھا اس کے بجائے جدید علوم میں سے جغرافیہ، تاریخ ریاضی اور جدید کتابوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے انگریزی کی محدود تعلیم داخل نصاب کی، محض کتب تفسیر پر اکتفا کرنے کے بجائے متن قرآن کو داخل نصاب کیا

ایک بڑا انقلابی قدم یہ اٹھایا کہ عربی زبان کو (جس کی قدیم نصاب میں نمائندہ اور ذریعہ تعلیم نثر و نظم کے چند مجموعے تھے، جو تصنع و تکلفات سے مملو اور محض مشکل الفاظ کے سمجھنے اور یاد کرنے کا ذریعہ تھے) ایک زندہ و رواں، تقریر و تحریر اور دعوت و تاثیر کی قابلیت پیدا کرنے والی زبان کی طرح تعلیم دینے کا انتظام کیا، جس سے وہ افراد تیار ہو سکیں، جو خود اہل زبان کو متاثر کرنے اور عالم عربی کے (عصر جدید اور مغربی اقتدار سے پیدا ہونے والے فتنوں اور تحریکات) کا مقابلہ کرنے اور اور دین حنیف کی دعوت دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں، چنانچہ اس کے متعدد فضلاء نے قومیت عربیہ کی زبردست تحریک، جس کے بانی عیسائی عرب تھے، اور جس کا مقصد عربوں کو جاہلیت اولیٰ کی طرف واپس لانا تھا، جس میں کفر و ایمان، اسلام اور عیسائیت کا کوئی فرق نہیں تھا اور جس کے طاقتور داعی "البعث العربی" کی تحریک، اور جس کے بڑے حامی و سرپرست ماضی قریب میں صدر جمہوریہ مصر جمال عبدالناصر، انور السادات اور شام کی بعث پارٹی تھی، طاقتور اور نہایت مؤثر مقابلہ کیا، جس کا اعتراف اسلامی الفکر عرب فضلاء اور قائدین نے کیا ہے[13]

ندوۃ العلماء کی تحریک کے رہنماؤں اور اس درسگاہ کے متعدد فضلاء نے اسلامی ثقافت کی نشر و اشاعت سیرت نبوی کی تحریر و تدوین اسلام کے کارناموں اور اس کی تعلیمات کو جدید علمی اور ادبی اسلوب میں پیش کرنے میں اہم کردار ادا کیا، علامہ شبلی نعمانی کی علمی و ادبی تحریرات، اسی طرح ان کے شاگرد رشید و جانشین مولانا سید سلیمان ندویؒ کی خدمات اور ان کے علمی کارناموں سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا" موقر اور عالمی شہرت رکھنے والے ادارہ دار المصنفین اعظم گڈھ، اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام دار العلوم ندوۃ العلماء نے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ اور اہل فکر کو متاثر کرنے والا ایسا اسلامی لٹریچر تیار کیا جس کی مثال بہت سے خالص اسلامی اور عرب ملکوں میں بھی مشکل سے ملے گی[14]

اس کے نصاب کے لئے تیار کی ہوئی بعض کتابیں خالص عرب ملکوں کے اسکولوں، کالجوں اور بعض یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہیں، جو نہ صرف دار العلوم ندوۃ العلماء، یہاں کے مدارس عربیہ، بلکہ ہندوستان کے لئے ایک فخر کی بات ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کی ان خصوصیات اور کارگذاریوں سے خود ہندوستان کا عالم اسلامی اور ممالک عربیہ میں اچھا تعارف ہوا اس کے کارناموں کا اعتراف کیا گیا، اور اس کے فضلاء کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا، شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم (ڈاکٹر سر محمد اقبال) نے اپنی بالغ نظری سے اس حقیقت کو دیکھا اور اس کا اعتراف کیا، وہ لکھتے ہیں:۔

> "میرا ایک مدت سے عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالک اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے، دماغی اعتبار سے ان کی بہت مدد کر سکتے ہیں کیا عجب ہے کہ اسلامی ہند کی نگاہوں میں ندوہ علی گڈھ سے زیادہ کامیاب ثابت ہو"[15]

خود ممتاز ترین فضلائے عرب نے بھی وقتاً فوقتاً اس کے امتیاز کا اعتراف کیا، یہاں پر چند تاثرات و بیانات درج کئے جاتے ہیں۔

علامہ عبدالعزیز ثعالبی تیونسی جو اپنے ملک کے بڑے سیاسی رہنما، عربی کے بڑے فاضل و ادیب تھے ۱۹۳۲ء میں ہندوستان آئے تو انھوں نے دار العلوم میں اپنی تقریر میں کہا۔

> "حضرات! عالم اسلامی میں ہندوستانی مسلمانوں کو ایک خاص درجہ حاصل ہے اگر آپ اپنی تنظیم کرلیں، تو تمام عالم اسلامی کی بہبودی اور ترقی کا مرکز آپ بن سکتے ہیں، پھر آپ اپنی طاقت سے ایک بار دنیا کا نقشہ پلٹ سکتے ہیں"[16]

عالمی شہرت اور اہمیت کے مالک شیخ الازہر الاستاذ الاکبر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے بھی اس کا اعتراف و اظہار اپنے اس خطبۂ صدارت میں کیا جو ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن منعقدہ ۱۹۷۵ء (۳۱ر اکتوبر۔ ۲ر نومبر ۱۹۷۵ء) کے موقع پر پڑھا۔

> "آج پورا عالم اسلام ندوہ کی قابل تحسین و آفریں مساعی کا احساس رکھتا ہے، اور نشر و اشاعت کی ان کوششوں اور خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو یہاں انجام دی جارہی ہیں، ان علماء کے کام اور مقام کا بھی اس کو احساس ہے جو غور و فکر میں مشغول ہیں، اور راہ خدا میں ہر طرح کی کوشش کر رہے ہیں"[17]

پچاسی سالہ جشن کے حوالہ سے اس حقیقت کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ علمی و بین الاقوامی سطح پر ہندوستان کی قریبی پچھلی تاریخ میں کسی اجلاس میں بیرونی دنیا کے اتنے فضلاء، خاص طور پر عالم اسلام کے اتنے ممتاز علماء، اہل فکر و نظر، خطباء اور ذمہ داران مدارس و جامعات پہلے کبھی ہندوستان نہیں آئے صرف بیرونی مندوبین کی

تعداد (جس میں عرب ممالک کے علاوہ روس وایران کے مندوب بھی تھے) ۱۷ تھی، یہ یاد رہے کہ یہ جشن اس وقت ہوا جب ہندوستان میں ایمرجنسی نافذ تھی۔

ندوۃ العلماء کو عالم عربی میں جس نظر دیکھا جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے ہندوستان کا جو وقار و احترام ہے، اس کے سمجھنے کے لئے عصر حاضر کے ممتاز ترین عرب ادیب و انشاء پرداز علامہ شیخ علی الطنطاوی (سابق جج اپیلنگ کورٹ دمشق و پروفیسر بغداد یونیورسٹی، حال مقیم حجاز) کا یہ تأثر کفایت کرتا ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"ندوہ ایک معتدل اور جامع راستہ پر چلنے والا ادارہ ہے، یہ راستہ نہ اپنی منزل سے منحرف ہوا ہے، اور نہ اس نے اس مستقیم راستہ کو چھوڑا ہے یہ قدیم مدارس جامع ازہر وغیرہ اور جدید جامعات (یونیورسٹیاں) کے درمیان ایک معتدل اور جامع راستہ ہے، جس میں نہ قدیم مدارس کا جمود ہے نہ جدید جامعات کی جدت پسندی، اس نے ان دونوں کے درمیان راستہ اختیار کیا ہے اور اس میں کامیاب ہوا ہے۔

میں ایک مرتبہ ٹیلی ویژن پر انٹرویو دے رہا تھا، مجھ سے ٹیلی ویژن کے نمائندہ نے سوال کیا کہ وہ کون سا مقام ہے جس میں آپ اپنی زندگی کے بقیہ ایام صرف کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں اگر اپنے شہر (دمشق) کو واپس نہ ہو سکا اور یہاں بیت اللہ کے جوار میں بھی رہنا نصیب نہ ہوا تو میں لکھنؤ کو ترجیح دوں گا، اور یہ کہ میں ندوۃ العلماء کی درسگاہ میں قیام کروں، جو ایک پُر فضا محل و مقام بھی ہے، اور وہاں علماء کی صحبت بھی میسر ہے[19]

ہندوستان کے فخر و مسرت کے لئے یہ بات بھی کافی ہے کہ یہاں کی ایک تعلیم گاہ اور عربی درسگاہ (دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی تالیف کردہ عربی زبان و ادب کی کتابیں ترقی یافتہ عرب ممالک کے متعدد اسکولوں اور کالجوں میں داخل نصاب ہیں، اور یہاں کے بعض فضلاء اور عالمی (INTERNATIONAL) اسلامی و عربی ادب کی تنظیمات اور انجمنوں کے صدر و سکریٹری ہیں۔[20]

تحریک "پیام انسانیت"

"پیام انسانیت" کی تحریک جو وقت کا اہم ترین تقاضہ اور ملک کو (جو وطن و مسکن بھی تھا، اور ایک بلند مرتبہ تہذیب، انسان دوستی، اور روحانی و اخلاقی دعوتوں کا صدیوں سے مرکز چلا آرہا تھا) "خودکشی" اور غیبی سزاؤں کا مستحق بننے سے بچانے کا ایک کامیاب اور مؤثر ذریعہ بھی تھا، جس کے بغیر اس ملک میں نہ امن و امان اور اعتدال کی زندگی گذاری جاسکتی تھی، نہ کوئی تعمیری، اصلاحی، علمی و دعوتی کام سکون سے کیا جاسکتا تھا، فرقہ وارانہ منافرت، دولت کی حد سے بڑھی ہوئی ہوس، جان و مال، عزت و آبرو کی بے قیمتی، مذہبی و اخلاقی تعلیم کے فقدان، اور پریس اور ذرائع ابلاغ کی اشتعال انگیزی نے اس ملک کو ایک میدان جنگ میں تبدیل کردیا تھا، جس میں کسی وقت بھی باہمی جنگ کے شعلے بھڑک سکتے تھے، اور کمزوروں پر یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں پر بے رحمانہ طریقے سے ہاتھ اٹھایا جاسکتا تھا، اور اٹھایا جاتا تھا، ضرورت تھی اور وقت کا اہم ترین تقاضہ تھا کہ کسی بڑی اصلاحی یا سیاسی تنظیم، یا روحانی و تعلیمی مرکز سے انسانیت کے احترام، جان و عزت و آبرو کی قیمت شناسی اور محبت و شرافت، قدر و اعتراف اور حفاظت باہمی کے ساتھ زندگی گذارنے اور ملک کا نام روشن کرنے کی تحریک شروع ہو، جس سے یہ ملک نہ صرف اپنی حفاظت، نیک نامی بلکہ دنیا اور متحارب ملکوں کو امن و مصالحت باہمی کا پیام دے سکے اور عالمی سطح پر ایک بلند کردار ادا کرسکے۔

لیکن مدت دراز سے اور تقریباً تقسیم ملک کے بعد سے اس بارے میں ہر طرف خاموشی تھی، اور اور اس کوشش یا احساس نے کسی تحریک اور دعوت کی شکل نہیں اختیار کی تھی، جس میں مذہبی جذبہ، خدا کی رضا جوئی کی طاقت و برکت بھی شامل ہو، اور انسانی جان اور عزت و آبرو کی قدر شناسی، اور سچی حب الوطنی کا جوہر بھی۔

توفیق الٰہی اور علم دین (جو احساس ذمہ داری اور خدا کے سامنے جواب دہی کا خوف پیدا کرتا ہے) کی کرشمہ سازی تھی کہ یہ تحریک ایک ایسے ادارہ سے شروع ہوئی جس کا کام پڑھنا پڑھانا، علمی ادبی اور تحقیقی کام انجام دینا اور اپنے دینی بھائیوں کو نصیحت کرنا اور تعلیم دینا تھا، ندوۃ العلماء سے تعلق رکھنے والے چند افراد نے ۱۹۷۴ء میں "تحریک پیام انسانیت" کے نام سے ایک تحریک اور جدوجہد کا آغاز کیا، اس سے کچھ پہلے ہی جمشید پور، راوڑ کیلا اور رانچی میں زبردست فرقہ وارانہ فساد ہوا تھا، اس کے علاوہ بھی جا بجا نسل کشی اور برادر دشمنی کے واقعات پیش آرہے تھے، رشوت کا بازار گرم تھا، روزمرہ کی زندگی بھی غیر محفوظ ہوتی چلی جارہی تھی، ندوۃ العلماء کے چند ذمہ داروں اور وہاں کے فضلاء نے "پیام انسانیت" کے نام سے یہ کام شروع کیا، ملک کے دورے کئے اور ہندوستان کے تقریباً تمام اہم اور مرکزی مقامات میں جلسے کئے، جن میں اس خیال اور تحریک کے ترجمان مسلمان مقررین کے علاوہ اکثریت فرقہ کے دانشوران و ہمدرد انسانیت بھی

شریک ہوئے، اور مؤثر تقریریں کیں، اور نہ صرف ان مقامات پر بلکہ دور دور ان کا اچھا رد عمل اور تاثر ہوا، اب بھی یہ تحریک اس نام سے چل رہی ہے اور اس میں کی ہوئی تقریروں اور پڑھے ہوئے مقالات کا ایک بڑا ذخیرہ اردو، ہندی، انگریزی اور بعض علاقائی زبانوں میں شائع ہو چکا ہے[۱۲]۔

ایک افسوس ناک حادثہ اور ملک کے لئے باعثِ شرمندگی واقعہ

لیکن آخر میں بڑی شرمندگی اور قلق کے ساتھ لکھا جا رہا ہے کہ ۲۱ر ۲۲ر نومبر ۱۹۹۴ء کی درمیانی شب میں اس عالمی شہرت و اعزاز کے ادارہ اور مرکز میں نصف شب (۲ بجے رات) کو ذمہ داروں کے علم و اطلاع کے بغیر (جو وہاں موجود تھے[۱۳]) مرکزی پولیس اور انٹلی جنس بیورو (آئی۔بی) کے ایک سیکشن نے ریاستی پولیس کے چند افراد کو ساتھ لے کر (جو یو، پی کی حکومت کے ذمہ داروں کی اطلاع کے بغیر شامل ہو گئے تھے) زبردستی دار العلوم کے احاطے میں داخل ہو کر چھاپہ مارا، ان کو ایک ایسے طالب علم کی تلاش تھی جس کے کسی کاغذ پر بظاہر ہوسٹل دار العلوم ندوۃ العلماء کا نام لکھا تھا محض اس خیال سے کہ ایسا کوئی شخص وہاں ہوگا مسلح چھاپہ مارا، وہاں اس کا کوئی نشان نہیں ملا اور کچھ ثابت نہیں ہوا تو انھوں نے ہوسٹل کی تلاشی لی، اور وہاں گولیاں کے کئی ہوائی فائر کئے جن سے دو طالب علم زخمی ہوئے، سات طالب علموں کو ان کے شبانہ لباس میں موسم سرما کی سرد رات میں پکڑ کر لے گئے لیکن ان سے کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی، نہ ان کا کسی تشدد پسند مخالف حکومت تنظیم سے تعلق نکلا، پھر ریاستی حکومت کے ذمہ داروں (بالخصوص وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو جی کی مداخلت اور حکم سے) وہ چھوڑ دیئے گئے، اور یہ تفتیشی اقدام بالکل بے نتیجہ اور ناکام ثابت ہوا، افسوس ہے کہ اس اقدام کی وجہ سے جو ایک بین الاقوامی شہرت رکھنے والے اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جانے والے عالمی ادارہ میں پیش آیا تھا، ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر ملک بدنام ہوا اور ایسا احتجاج کیا گیا جس کی مثال اہم حوادث پر بھی سالہا سال سے نہیں ملتی ہے، ممالک عربیہ کے متعدد ذمہ داروں نے بھی اس پر احتجاج کیا، کثرت سے احتجاجی خطوط، فیکس اور تار آئے، اور ٹیلی فون کے پیغامات کی تو کوئی گنتی نہیں۔

خدا کرے ہندوستان کی سیکولر اور جمہوری حکومت ان اقدامات میں احتیاط اور دور اندیشی سے کام لے، تعلیم گاہوں، بالخصوص ان مدارس دینیہ عربیہ کا احترام اور ان کی قدر کرے، جن خصوصیات، خدمات قربانیوں اور کارناموں کا ذکر تفصیل سے اس مختصر رسالہ میں کیا گیا ہے، اور جو ملک کا ایک بیش قیمت سرمایہ نسل جدید کی ایک اہم ضرورت اور بیرونی دنیا میں ہندوستان کے لئے سرمایۂ عزت و افتخار ہے، بلکہ قابلِ رشک اور حیرت آور اور لائقِ تقلید اور قابلِ تحسین کارنامہ ہے۔

---

[۱] اس ایثار و قناعت بلکہ قربانی کے چند واقعات اور مثالوں کے لیے مصنف کی کتاب "ہندوستانی مسلمان" (تاریخی جائزہ) ملاحظہ ہو ص۱۱۸ تا ص۱۲۰، مطبوعہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام (اردو۔ انگریزی اور ہندی ایڈیشن)۔

[۲] اور اب بھی مدارس عربیہ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

[۳] اس کی عملی مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص۱۲۱ تا ۱۲۳

[۴] ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص۱۲۳ تا ۱۲۴۔

[۵] اس کی دلچسپ ترمثالوں کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ چہارم و حصہ پنجم اور اس کا انگریزی ترجمہ۔ (SAVOURS OF ISLAMIC SPRIT) (۱۷ x ۱۱۱ و ۱۵۷)

[۶] ملاحظہ ہو حضرت سید احمد شہیدؒ متوفی ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء کا خط مہاراجہ گوالیار اور ان کے افسر نواح کے نام جس میں انھوں نے انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے خلاف متحدہ جنگ اور صف آرائی کی دعوت دی ہے (سیرت سید احمد شہیدؒ جلد اول ص۲۹۲ تا ۲۹۴) انھوں نے نواب امیر خاں (بعد میں والی ریاست ٹونک) کی رفاقت ترک کر دی جب انھوں نے انگریزوں سے مصالحت کر لی، (سیرت سید احمد شہیدؒ جلد اول ص۱۴۶ تا ۱۴۷)۔

[۷] ملاحظہ ہو کتاب "کالا پانی" (از مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری) ان حضرات کے علاوہ مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی اور مفتی مظہر کریم صاحب دریابادی کو بھی انڈمان میں جلا وطنی کی سزا دی گئی، اور یہ سب تعلیمی حلقہ اور مدارس کے لوگ تھے، ملاحظہ ہو تذکرہ صادقہ (تالیف مولانا عبد الرحیم صاحب صادقپوری، و مقدمہ از مولانا ابو الکلام آزاد)۔

[۸] اس کا مقابلہ سب سے زیادہ مشہور و نامور شاعر لسان العصر سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی نے کیا، جو مغربی تہذیب کے سب سے بڑے ناقد اور پورے مشرق میں اس پر سب سے بڑے صاحب نظر اور طنز نگار تھے، مصر میں بھی ان کا تعارف (راقم کے قلم سے) اور ان کے کلام کے ترجمہ پر ایک کتاب "الحضارة الغربية الوافدة واثرها في الجيل المثقف" کے نام سے دار الصحوة القاهرة کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

[۹] ان میں خاص طور پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی (متوفی ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء) قابل ذکر ہیں جن کی شروح حدیث اور علمی رسائل مصر، شام و حجاز میں بڑی وقعت اور عقیدت سے پڑھے جاتے ہیں، اور ان کا بلند الفاظ میں اعتراف کیا جاتا ہے۔

[۱۰] اس کے لئے ان مدارس عربیہ کی مکمل فہرست پیش کرنی مشکل ہے، بطور نمونہ ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "ہندوستانی مسلمان" ص۱۳۴ تا ۱۳۶

[۱۱] مولانا کے حالات و سوانح کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، از سید محمد الحسنیؒ شائع کردہ ندوۃ العلماء۔ منصب نظامت کے ذمہ داروں کا

ہندوستان کے نامور مصنف، مؤرخ وادیب اور عربی میں ہندوستان کی تاریخ اور شخصیات کے سب سے بڑے مؤرخ اور سوانح نگار مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی صاحبؒ اور ان کے فرزند گرامی قدر مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ کا ذکر کافی ہوگا، جو ایک طرف علماء راسخین میں تھے، دوسری طرف علوم جدیدہ کے ماہرین اور ممتاز فضلاء میں تھے۔

۱۲؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ ندوۃ العلماء" (اول) شائع کردہ دفتر نظامت ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

۱۳؎ اس کا نمونہ جواں سال ادیب وانشاپرداز سید محمد الحسنی مرحوم کی تحریریں، اور "البعث" اور "الرائد" کے پرچے ہیں، جن کے مضامین سے خود قومیت عربیہ کے داعی مضطرب اور پریشان ہوئے، اور صاحب حمیت وانصاف عرب فضلاء نے ان کی طاقت وبلاغت کا اعتراف کیا۔

۱۴؎ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی متعدد کتابوں کا ترجمہ ترکی، فارسی، انڈونیشی، فرنچ، جرمن، روسی اور اب حال میں اسپینی زبان میں بھی شروع ہوگئے، اس کی بعض کتابوں کے (جس کے اردو میں چار پانچ ایڈیشن نکلے ہوں گے) عرب ملکوں میں ۱۵-۱۵ اور ۲۰-۲۰ ایڈیشن نکلے۔

۱۵؎ "اقبال نامہ" ص۱۶۹، کتاب موسوم "اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں" میں "اسلامی ہند" کے بجائے اسلامی ہند کی آئندہ نسلوں کے لفظ آئے ہیں ص۱۸۸

۱۶؎ "تاریخ ندوۃ العلماء" حصہ دوم ص۲۸۰

۱۷؎ ملاحظہ ہو "روداد چمن" ص۱۲۵

۱۸؎ علامہ طنطاوی دمشق چھوٹنے کے بعد جو سیاسی وجوہ سے تھا، مکہ معظمہ میں مقیم ہیں۔

۱۹؎ مقدمہ کتاب "فی مسیرۃ الحیاۃ" ص۱۳

۲۰؎ جیسے رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ اور (CENTRE OF ISLAMIC STUDIES, OX-FORD UNIVERSITY)

۲۱؎ یہ رسائل ومقالات "دفتر پیام انسانیت" دارالعلوم ندوۃ العلماء یا "مجلس تحقیقات ونشریات اسلام" پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے طلب کئے جاسکتے ہیں، پونہ سے بھی اس کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کی گئی ہے، انیس چشتی صاحب ۴۲۵ کیداری روڈ-پونہ ۴۱۱۰۰۱ سے یہ لٹریچر مل سکتا ہے۔

۲۲؎ جن میں دارالعلوم کے مہتمم مولوی سید محمد رابع ندوی نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب ندوی اور معتمد تعلیم ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی لوراقامت گاہوں کے متعدد نگراں حضرات شامل ہیں۔

(بقیہ)
نقصان ملک کا ہوا........

ہونے والی علمائے کرام کی تصنیفات کی قدردانی اور عزت کے بارے میں بتایا انھوں نے اپنے والد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کی جو ندوہ کے ناظم اعلیٰ بھی رہے ہیں مشہور کتاب نزہۃ الخواطر کا ذکر کیا جس میں ہندستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد سے جس نے بھی اگر کوئی قابل ذکر کارنامہ کیا اس کا ذکر ہے اور مجموعی طور پر ساڑھے چار ہزار شخصیات کا ذکر ہے انھوں نے بتایا کہ اس کتاب کی ساری دنیا میں قدر ہے ندوہ کی عالم اسلام میں اتنی قدر ہے کہ بعض ملکوں میں لوگ اپنی اولاد کا نام "ندوی" رکھتے ہیں۔ انھوں نے ہندوستان کی آزادی کی جنگ کے ضمن میں سید احمد شہیدؒ کا ذکر کیا مولانا علی میاں نے ندوہ کے ۸۵ سالہ تعلیمی جشن کا ذکر کیا جس میں معرکے عظیم اسلامی مرکز جامعہ ازہر کے شیخ سمیت (۷۱) ممتاز علماء کرام اور مختلف سربراہان مملکت کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ اس تقریب میں روس کے بھی علماء آئے تھے۔ ندوہ کے ذریعہ سے ہندستان متعدد ملکوں میں قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور جب ندوہ میں پولیس کا چھاپہ پڑا تو ساری دنیا سے جو تشویش کے پیغامات آئے ہیں وہ اپنی جگہ پر ایک ریکارڈ ہے۔

مولانا علی میاں نے بتایا کہ یہ وہ ادارہ ہے کہ جس کے بارے میں موتی لال نہرو نے کہا تھا کہ ہندستان اس ادارے سے بڑا کام لے سکتا ہے۔

مولانا علی میاں نے کہا کہ غلطی ہونا تو انسانی فطرت ہے لیکن اس کا اقرار کرلینا اور تلافی کی کوشش کرنا انسان کی وہ خوبی ہے جس پر دنیا کا نظام چل رہا ہے ورنہ وہ کب کے ختم ہوگئی ہوتی انھوں نے کہا کہ اللہ نے انسان کو ہی یہ تحفہ عطا کیا ہے۔ جانوروں اور سانپ اور بچھو کو نہیں کہ وہ اگر غلطی کرے تو اس کا اعتراف کرنے کی اخلاقی جرأت بھی کرے اور اسی لیے میں اس واقعہ کو جو ندوہ میں ہوا کچھ نہیں کہتا۔ لیکن ایسی نکتہ چینی جو کچھ جانے بغیر کی جائے غلط ہے۔

مولانا علی میاں نے بعض اخباروں اور سیاسی حلقوں میں کی جانے والی نکتہ چینی کے ضمن میں کہا کہ یہاں آکر یہاں کے مقاصد کو سمجھنا چاہیئے تھا ورنہ ہماری ہر بات پر صرف شک ہی ہوتا رہے گا۔ بغیر تحقیق کئے غلط باتیں کرنا صرف اسی ادارے اور ایک فرقہ کے لیے نہیں پورے ملک اور ملک کے کاز کے لیے غلط ہے یہ سلسلہ اگر چلا تو ملک خطرے میں پڑ جائے گا کوئی کہاں تک تصحیح اور تردید کرتا رہے گا۔

اس سے قبل ندوہ کے پرنسپل مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے کہا کہ ندوہ ایک کھلا ہوا ادارہ ہے یہاں کے طلباء نہ صرف اپنے ملک بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی نمایاں مقامات پر پہنچے۔ ندوہ نے ملک کی خدمت کی ہے اور جو طلباء آتے ہیں ان کے بارے میں چھان بین کی جاتی ہے ہر احتیاط برتی جاتی ہے۔ پھر بھی پریس اور سیاست کے بعض حلقوں کی تحریروں اور بیانوں سے غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں۔ اس ادارے میں صرف ادبی اور دینی کام ہوتا ہے۔

مولانا سلمان ندوی نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ غلط پروپگنڈے سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں وہ دور ہوں۔

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں

نذر الحفیظ ندوی ازہری

۵/ جنوری ۱۹۹۵ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں تحفظ مدارس کمیٹی کا جو اہم مشاورتی جلسہ ہوا تھا اس کی رپورٹ قارئین تعمیر حیات کی خدمت میں پیش ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء پر آئی بی اور یو، پی پولیس کے چھاپے سے پورے ملک میں بے چینی اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہوگئی۔۔۔ بیرونی ممالک میں ندوہ کی جو شہرت و عزت اور مقبولیت ہے اس کی بنا پر بکثرت ٹیلی فون، فیکس اور ٹیلی گرام و خطوط آئے، اخبارات نے بھی تفصیل سے خبریں شائع کیں، اندرون ملک تمام اخبارات و رسائل نے عموماً اس اقدام اور غیر انسانی کارروائی کی مذمت کی اور فکر مندی و تشویش کا اظہار کیا، باوجودیکہ یہ حادثہ بڑا دردناک تھا، اتنا المناک اور خوف و دہشت میں مبتلا کرنے والا کہ اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ سکینۂ الٰہی کا ایسا نزول اور رحمت الٰہی اور نصرت خداوندی کا ایسا کھلا ہوا ظہور تھا کہ ہر کس و ناکس کو اللہ تعالیٰ کے ارحم الراحمین ہونے کا یقین کامل ہوگیا، ہر لمحہ مدد غیبی شامل رہی، ان نعمتوں کا شمار نہیں کیا جاسکتا جو اس واقعہ کے بعد ہوئیں، اللہ کے جن مقبول و محبوب اور مخلص بندوں نے اس دار العلوم کو قائم کیا تھا اور انھوں نے اس کی بقاء و حفاظت کے لئے جو دعائیں کی تھیں اور جس طرح انھوں نے خون جگر سے اس چمن کی آبیاری کی تھی، پھر اللہ کے ایک محبوب و مقبول بندے کی رہنمائی و سرپرستی کا جو اعزاز اس ادارہ کو حاصل ہے، اور اس دار العلوم کے طلبہ و اساتذہ نے اس حادثۂ فاجعہ پر جس طرح صبر و ضبط سے کام لیا اور اپنے رب رحیم و کریم ہی کی طرف انھوں نے رجوع کیا، ان سب کا قدرتی نتیجہ یہ سامنے آنا ہی چاہئے تھا کہ اس ملک میں دین مبین کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو منظور ہے، اور اس نے نئے راستے کھول دیئے ہیں اور اپنے بندوں کے دلوں کو اس مقصد جلیل و اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مسخر فرمادیا ہے، اور اللہ تعالیٰ۔۔۔ ۔۔اس سرزمین پر اسلام کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔

اس دردناک واقعے نے ندوہ کے ذمہ داروں کو مشتعل کردیا تھا، اس سے کہیں زیادہ عوام میں اشتعال تھا۔ لیکن مجددی مسلک کے داعی نے جو حکیمانہ طرز عمل اختیار کیا وہی اس دار العلوم کا مسلک رہا ہے، اس کا نصاب تعلیم و تربیت اسی طرح کے افراد تیار کرتا اور ایسا ہی متوازن و معتدل ذہن مادی کرتا ہے، ندوی مصنفین کی کتابیں بھی اسی مسلک کی تشریح کرتی ہیں۔

اس ہولناک واقعے کے بعد مسائل سے نمٹنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ افراط و تفریط سے پاک اور خلوص پر مبنی تھا، بصورت دیگر اس مسئلہ کو سڑکوں پر لانے سے خدانخواستہ وہی سانحہ پیش آتا جو بابری مسجد کے قضیہ میں پیش آیا تھا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے ۳۰ر نومبر کے جلسہ میں اس قضیہ کو حل کرنے کے طریقۂ کار کے متعلق جو بحث و مباحثے ہوئے ان سے دو نقطۂ نظر سامنے آئے، اس کو بنیاد بنا کر فسادی میڈیا نے شاہ سرخیوں سے "مسلم پرسنل لا بورڈ میں اختلاف و تقسیم" اپنے اخباروں میں شائع کردیا، اسی کا ترجمہ ملت اور دین کا درد رکھنے والوں نے اپنے اخبارات و رسائل میں شائع کرکے تشفی حاصل کرلی کہ جب ہم ملت میں نہیں ہیں تو ملت بھی نہیں، لیکن ان حضرات کی خوشی اس وقت کافور ہوگئی جب بغیر کسی شور و ہنگامہ اور اشتعال کے بورڈ کی بنائی ہوئی کمیٹی نے اعتدال و توازن اور حکیمانہ اسلوب سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی طرف قدم اٹھائے، ۷ر دسمبر کو فوری طور پر ندوۃ العلماء میں ایک نشست رکھی گئی، اس میں دار العلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمان صاحب کے خصوصی نمائندہ مولانا حبیب الرحمان صاحب اور مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی اور سہارنپور سے مولانا محمد اللہ خاں اور احمد ارہ ہاپڑ سے مولانا گلزار صاحب شریک ہوئے۔ اس کمیٹی میں مزید توسیع کردی گئی، اس نشست میں ۵ر جنوری ۱۹۹۵ء کو ایک مشاورتی جلسے کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔

اس فیصلے کے مطابق ۵ر جنوری کو شبلی لائبریری کے زیریں ہال میں ٹھیک ساڑھے دس بجے صبح مشاورتی جلسہ کا تلاوت کلام پاک سے آغاز ہوا، جلسے کے کنوینر مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے جلسہ کی غرض و غایت بیان کی۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے شرکاء جلسہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مسئلہ صرف ندوہ کا نہیں بلکہ تمام عربی مدارس کا ہے، دشمن کا منصوبہ بہت بھیانک اور اس کے عزائم خطرناک ہیں اس لئے ہم سب کو متفقہ طور پر ان کا مقابلہ کرنا چاہئے، مولانا نے کہا کہ یہ مدارس کھلی ہوئی کتاب کی طرح رہے ہیں، یہ آج سے نہیں ایک صدی سے زائد سے کردار سازی

انجام کررہے ہیں۔ ان مدارس کے پڑھنے پڑھانے والوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں، اس وقت بھی حکومت کے اندر ایسے لوگ ہیں جو ان قربانیوں سے واقف ہیں، لیکن ان سب کے باوجود حکومت کا معاملہ ان مدارس کے ساتھ بہت تکلیف دہ ہی نہیں انتہائی اہانت آمیز ہے جو ناقابل برداشت ہے، مولانا نے اس سانحہ سے نمٹنے کے طریقۂ کار کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ملک وملت کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے کے بارے میں اپنا ایک مخصوص حکیمانہ اسلوب رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے اسلوب کے مطابق قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے جو کچھ کرنا تھا وہ انھوں نے کیا۔ مولانا محمد رابع صاحب نے سیاسی جماعتوں کی طرح اس مسئلہ کو سڑکوں پر لانے اور شور شرابہ کا راستہ اختیار کرنے کے مضر اثرات ونتائج سے خبردار کیا۔

جلسہ کے کنوینر مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے اس جلسہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ گذشتہ نشست میں یہ بات طے کی گئی تھی کہ ایک میٹنگ ایسی بھی رکھی جائے جس میں حکام اور سیکولر مزاج جماعتوں اور ہندی وانگریزی اخبارات کے نمائندوں کو مدعو کیا جائے۔ چنانچہ دسمبر کے تیسرے ہفتہ میں دوپہر کے کھانے پر ایک میٹنگ رکھی گئی جس میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے علاوہ تمام سیاسی پارٹیوں، پولیس کے اعلیٰ افسران اور ہندی وانگریزی اخبارات کے صحافیوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ جلسہ بہت مفید اور اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔

دارالعلوم دیوبند (وقف) کے سربراہ مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نے اختصار کے ساتھ لیکن بڑی صراحت سے اس مسئلہ کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی، انھوں نے دینی مدارس کے تاریخی اور تعمیری کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے ہندوستان کے اسلامی معاشرہ پر ان کے گہرے اثرات کا تجزیہ کیا اور بتایا کہ پورے ملک کی رہنمائی تین طرح کی درس گاہیں کررہی تھیں۔ ایک ولی اللّٰہی مکتب فکر، دوسرے لکھنؤ، تیسرے خیرآباد ورامپور کے مدارس۔ ان تینوں کے خاتمے کے بعد حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ادراک کرلیا کہ مسلمانوں کے دینی نقصانات کی تلافی اسی طرح ممکن ہے جب مدارس قائم کئے جائیں چنانچہ وہ دیوبند قائم ہوا جو تینوں مدارس کی خصوصیت کا جامع تھا، دیوبند کے مدرسے نے وسعت اختیار کی، پھر تو بڑے پیمانے پر عربی مدارس قائم ہوئے، انگریزوں نے ان مدارس کی اہمیت کو سمجھ لیا، اس وقت بھی صورت حال یہی ہے کہ ان عربی مدارس کو ختم کرنے کی ناپاک سازشیں کی جارہی ہیں۔ مولانا سالم صاحب نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے معتدل حکیمانہ اسلوب اختیار کرنا چاہئے نہ کہ اس مسئلہ کو سیاسی جماعتوں اور انجمنوں کو دیکر سڑکوں پر لایا جائے، اس سے مسئلہ سلجھنے کے بجائے اور الجھ کر رہ جائے گا اور ہمیں نقصان اٹھانا پڑے گا۔ صدر جلسہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا محمد سالم صاحب کے اس معتدل ومتوازن تقریر پر اپنی پسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ میں ان کی تقریر اور تجویز سے پوری طرح متفق ہوں۔

مدرسہ شاہی مرادآباد کے مہتمم مولانا سید رشید الدین صاحب نے بڑی ٹھوس اور سنجیدہ تقریر کی، انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے اس ملک میں تاریخی کردار، ان کے علماء کی قربانی اور ایثار کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ ۱۸۵۷ء کے موقع پر پچپن ہزار علماء اور دولاکھ مسلمانوں کو پھانسی دی گئی تھی، مولانا نے فرمایا کہ حیرت کی بات ہے کہ کیسے ان مدارس پر حملے کئے جارہے ہیں جب کہ یہ مدارس انسان سازی اور کردار سازی جیسے اہم کاموں میں لگے ہوئے ہیں اچھے انسان اگر یہ مدارس تیار نہ کریں تو یہ ملک مجرموں کا اڈہ بن جائے، انگریزوں کی طرح یہ حکومت بھی چاہتی ہے کہ مدارس کا وجود باقی نہ رہے حالانکہ ان کا وجود ملک کے لئے بہت ضروری ہے۔ مولانا رشید الدین صاحب نے سابق صدر جمہوریہ راجیندر پرساد کے دورۂ دیوبند کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے جب اس درسگاہ کو دیکھا تو کہا کہ اس طرح کے مدارس کثرت سے اس ملک میں قائم کرنے چاہئیں کہ ان کے وجود سے ہمارے ملک میں امن وشانتی اور امانت ودیانت باقی ہے۔ مولانا نے اس بات پر زور دیکر کہا کہ جو لوگ چاہتے ہیں کہ یہ ملک اندلس بن جائے وہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ ان کے یہ ارادے پورے نہ ہوں گے۔ مدرسہ شاہی کے مہتمم صاحب نے مزید فرمایا کہ ہمارے مدارس اور ان سے نکلنے والے اس ملک سے کچھ لیتے نہیں بلکہ اس کو دیتے ہیں۔ ان کی دینی خدمت کا اجر اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے۔ کوئی حکومت نہیں دے سکتی۔

جلسہ سے دارالعلوم حیدرآباد کے مشہور عالم وواعظ مولانا حمید الدین عاقل حسامی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے عالم مولانا حفظ الرحمان، مولانا مرغوب الرحمان صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ذاتی نمائندہ اور مدیر رسالہ دارالعلوم مولانا حبیب الرحمان صاحب کے علاوہ نائب ناظم ندوۃ العلماء مولانا معین اللہ صاحب ندوی نے بھی خطاب کیا۔

مولانا عاقل حسامی صاحب نے ندوہ کے واقعہ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ عجیب وغریب بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

ہم اگر کراٹے بھی اپنے یہاں کے لڑکوں کو سکھاتے ہیں جو ایک قسم کی ورزش اور کھیل ہے، تو اس پر ہماری گرفت ہو جاتی ہے، اور بہتیوں سال

وجواب سے فرصت نہیں ملتی ۔مولانا نے فرمایا کہ جو لوگ ملک کے لئے باعث رونق اور اس کے لئے آبرو وعزت ہیں ان ہی پر چھاپہ مارا جاتا ہے، جو لوگ برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا سبب ہیں اور جن کی وجہ سے زلزلے اور طاعون رک جاتے ہیں ان ہی لوگوں کو پریشان کیا جاتا ہے۔ مولانا عاقل صاحب نے مولانا محمد سالم کے نکات کی تائید اور ان کی حمایت کی۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے بھی مولانا محمد سالم صاحب کے اٹھائے ہوئے نکتے کی تائید کی اور سیاسی چپقلش سے اس تحریک کو بچانے کی حمایت کی، لیکن اس کے ساتھ انھوں نے کہا کہ سیکولر مزاج لوگوں کے سامنے مدارس کے کردار کو واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

نائب ناظم ندوۃ العلماء محمد معین اللہ صاحب ندوی نے اپنی تقریر میں مدارس کے خلاف حکومت کے اقدامات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے اسباب ومحرکات کا پتہ لگانے کی ضرورت ہے انھوں نے فرمایا کہ ہم نے دین کی دعوت کو غیر مسلم بھائیوں تک پہنچانے کے معاملہ میں کوتاہیاں کی ہیں۔ مولانا نے تجویز پیش کی کہ غیر مسلموں کے قلم سے اسلام اور مسلمانوں کے موضوع پر جو کتابیں اور مضامین لکھے ہیں انھیں مختصر جاذب نظر رسالوں کی شکل میں انگریزی و ہندی اور مقامی زبانوں میں شائع کرکے پھیلایا جائے، اس طرح ان کی غلط فہمیاں دور کی جائیں۔ یہ بنیادی اور دیرپا حل ہے اور اس کے نتائج بھی دور رس ہوں گے۔ مولانا نے اس پر بھی زور دیا کہ دینی مدارس کی کارکردگی کو مزید بہتر اور نافع بنانے اور خود مسلمان عوام اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ تک پہونچانے کی شدید ضرورت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی مدارس کی خصوصیات اور ان کی اہمیت سے ناواقف ہے، اس لئے بڑے پیمانے پر ذہن سازی اور غلط فہمی کے ازالے کی ضرورت ہے۔

جلسے کے اختتام پر صدر جلسہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایک طاقتور اور الہامی تقریر فرمائی جس میں انھوں نے مسائل ومشکلات کو حل کرنے کی شاہ کلید (اخلاص واحتساب) کو اختیار کرنے اور چپہ چپہ پر مدارس دینیہ قائم کرنے اور اپنی اسلامیت پر ہر قیمت پر برقرار رہنے کی دعوت دی۔ (یہ تقریر انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں پیش کی جائیگی)

اس مشاورتی جلسہ کی دوسری اور آخری عمومی نشست بعد مغرب ہوئی جس میں تجاویز سنائی گئیں۔ اس کے بعد صدر جلسہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مختصر اور پر مغز داعیانہ اور پیامی تقریر اور دعا پر یہ جلسہ ختم ہوا۔

اس جلسہ کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ پہلی بار ایک اسٹیج پر ہندوستان کے چار چوٹی کے دینی مدارس کے نمائندے پہلو بہ پہلو موجود تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، مولانا رشید الدین حمیدی صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی، ذاتی نمائندہ مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف)، مولانا حفظ الرحمٰن مدرسہ مظاہر علوم (جدید) سہارنپور، مولانا یامین الحسن صاحب (مدرسہ مظاہر علوم وقف) سہارنپور، مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا حمید الدین عاقل حسامی دارالعلوم حیدرآباد۔

ان مرکزی شخصیتوں کے علاوہ اترپردیش، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، کرناٹک، مہاراشٹر، گجرات اور بہار سے ساٹھ سے زائد نمائندے شریک جلسہ ہوئے۔

دوسری امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ جلسہ میں شریک تمام مقررین کی تقریروں میں حیرت انگیز حد تک مکمل اتفاق اور اتحاد تھا۔ اسی بناء پر تجاویز پر بھی اظہار رائے میں مکمل ہم آہنگی ویکسانیت تھی یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور شرکاء جلسہ کے اخلاص اور میر کارواں کی خوئے دلنوازی، سوز دروں اور روشن ضمیری کی بدولت حاصل ہوئے۔

مشاورتی جلسہ سے قبل تحفظ مدارس کیلئے شامل حضرات کی خصوصی نشستیں منعقد ہوئیں ان حضرات نے بحث ومناقشہ کے بعد انتہائی اور معتدل تجویزیں مرتب کیں جو آخری نشست میں منظوری کے لئے پیش کی گئیں۔

تجاویز کمیٹی میں مندرجہ ذیل حضرات شریک تھے۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء)۔

مولانا محمد سالم قاسمی (مہتمم دارالعلوم دیوبند وقف)۔

مولانا مرغوب الرحمٰن (مہتمم دارالعلوم دیوبند) ذاتی نمائندہ مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی۔

مدرسہ مظاہر علوم (وقف) کے نمائندہ

〃 〃 (جدید) کے نمائندہ

مولانا سید رشید الدین حمیدی (مہتمم جامعہ مراد آباد)۔

مولانا حمید الدین عاقل حسامی (دارالعلوم حیدرآباد۔)

مولانا محمد عبداللہ مغیثی (مہتمم جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ) کے ذاتی نمائندہ مولانا گلزار صاحب

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی۔

〃 سید سلمان الحسینی ندوی (کنوینر)

عبدالمنان ایڈوکیٹ (مشیر قانون مسلم پرسنل بورڈ)۔

:تجاویز:

۱:۔ مدارس اسلامیہ کا یہ مشاورتی اجتماع مدارس اسلامیہ کے سلسلہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ کی قرارداد کی مکمل تائید کرتا ہے۔ اور اس کی تاکید کرتا ہے کہ مدارس اسلامیہ اپنی صفوں میں مکمل اتحاد برقرار

رکھتے ہوئے تجاویز اور قراردادوں کو عمل میں لانے کی کوشش کریں۔

۲:۔ یہ اجتماع تجویز کرتا ہے کہ ہر صوبہ اور صوبہ کے ہر ضلع میں مدارس کے ذمہ دار اپنی میٹنگ منعقد کریں، اور اپنے صوبوں اور اضلاع میں تحفظ مدارس کی ذیلی کمیٹیاں بنائیں جن میں مدارس کے نمائندوں کے علاوہ بعض سماجی کارکنوں اور قانونی مشیروں کو بھی شامل کیا جائے، اور ان کے ذریعہ مرکزی کمیٹی کی تجاویز و قراردادوں کو روبہ عمل لایا جائے۔

۳:۔ مدارس دینیہ کے ذمہ داروں کی طرف سے دانشوروں، سیکولر مزاج کے غیر مسلموں، پریس کے نمائندوں اور سیاسی پارٹیوں اور انتظامیہ کے ذمہ داروں کو مشترک پروگراموں میں دعوت دی جائے اور ان کے سامنے مدارس کے اغراض و مقاصد، ان کی افادیت، تاریخی کردار اور خدمات پیش کئے جائیں اور ان کو حقائق سے روشناس کرایا جائے، اور اس سلسلہ میں پمفلٹس اور فولڈرس بھی شائع کئے جائیں۔

۴:۔ یہ اجتماع اپنی اس رائے کا بھی اظہار کرتا ہے کہ مدارس میں طلباء کے داخلے کے سلسلہ میں حکومت کی کسی بیجا مداخلت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح کی کسی مداخلت کے خلاف مدارس کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ قانونی چارہ جوئی کریں۔

۵:۔ واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ندوۃ العلماء دیوبند اور دیگر مدارس میں کی گئی پولیس کارروائی بے بنیاد تھی اور اس کے ذریعہ مدارس کے انتظامیہ اساتذہ، اور طلبہ کو بلا وجہ دہشت زدہ کیا گیا ان کی کردار کشی کی گئی اور ان کا وقار مجروح کیا گیا اور بنیادی حقوق کی پامالی کی گئی اور اس طرح ان مدارس کے روشن اور تابناک ماضی، جہاد آزادی میں ان کے بانیوں اور فرزندوں کی قربانیوں پر بھی پانی پھیرنے کی کوشش کی گئی۔ لہٰذا ہم حکومت سے سوال کرتے ہیں کہ بتایا جائے کہ آخر اس کارروائی کے پس پشت کیا مقاصد کارفرما تھے؟ اور حکومت کی مدارس کے خلاف اس کارروائی سے مسلم اقلیت کے دلوں پر جو گہرے گھاؤ لگے ہیں ان کو مندمل کرنے کے لیے وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔

۶:۔ یہ اجتماع محسوس کرتا ہے کہ مسلمان اس ملک میں تقسیم کے بعد سے آج تک محرومی اور مظلومیت کی زندگی گذار رہے ہیں اور جن فسطائی عناصر اور پارٹیوں کے ہاتھ اس ظلم سے رنگے ہوئے ہیں وہ "مسلمانوں کی منھ بھرائی" کا جھوٹا اور عیارانہ پروپیگنڈہ پوری ڈھٹائی اور بے شرمی سے کرتے ہیں، لہٰذا سیکولر پریس، اور تمام سیکولر پارٹیوں اور افراد سے ہماری اپیل ہے کہ وہ حق و صداقت کی آواز لوگوں تک پہونچائیں اور حقیقت کی جرأت مندانہ ترجمانی کرکے ملک کو تعصب اور منافرت سے پاک کریں۔

۷:۔ مدارس اسلامیہ کا یہ مشاورتی اجتماع مرکزی اور ریاستی حکومت سے اس کا بھی مطالبہ کرتا ہے کہ جن لوگوں کو شک وشبہہ کا نشانہ بنایا جاتا ہے ان کو مکمل اور منصفانہ تحقیق سے پہلے مجرم قرار نہ دیا جائے اور تمام بے گناہ افراد کو نہ صرف رہا کیا جائے بلکہ ان سے متعلق بے بنیاد ریکارڈ کو بھی ختم کیا جائے اور ان کی بے گناہی کا اعلان کیا جائے تاکہ آئندہ بھی ان کو پریشان نہ کیا جا سکے۔

نصائح ودعائیں

بزم نغ تقریب الوداعی برائے درجہ ہشتم معہد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بابتہ سال ۱۴۱۴-۱۵ھ / ۱۹۹۴-۹۵ء

ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی

پہلے کرکے حمد باری بھیج کر پھر میں درود — اب مخاطب اپنے بچوں سے ہوں ہوتا یا ودود
اے عزیزو اور پیارو علم دیں کے طالبو — اپنے اک استاد کی باتوں کو دل سے تو سنو
عمر چھوٹی ہے تمہاری پر سمجھ رکھتے ہو تم — پھر نہ کوتاہی ہو اس میں جو کہ کر سکتے ہو تم
میں نہیں کہتا تہجد یا پڑھو اشراق تم — پر فرائض کا حساب اپنا کرو بے باق تم
گر تہجد کی تمہیں توفیق مل جائے تو خوب — فضل باری سے اگر اشراق پڑھ پاؤ تو خوب
کرتے رہنا تم تلاوت یومیہ قرآن کی — اور درود اپنے نبی پر مانگ کے ایمان کی
درمیاں خوف و رجا کے ہو تمہاری زندگی — دل میں ہو الفت نبی کی اور انھیں کی پیروی
بات ہر اپنانا ہے تم کو رسول اللہ کی — ہے یہی تعلیم سن لو بس کتاب اللہ کی
مار کھا کر رولے ہو گے یا کبھی کچھ کھو کے تم — چند آنسو اب بہانا ڈر سے رب کے روکے تم
ہاں جماعت سے ادا کرنا ہمیشہ تم نماز — ساتھ کے کچھ نفلوں کی بھی توفیق دے دے کارساز
کہہ گیا میں وعظ آخر جس کا مجھ کو حق نہیں — ہوں گنہ گار ہوں دبا خود اس کا مجھ کو حق نہیں
پر دعا کا حق ہے مجھ کو اپنے بچوں کے لئے — ہوں اٹھاتا ہاتھ دل سے اپنے بچوں کے لئے
دل کے ان ٹکڑوں کو یارب اپنا کر لیجے ضرور — عاجزی پیدا ہو ان میں دور ہو کبر و غرور

اور نہ رکھ محروم مجھ کو بھی تو میرے اے خدا
اپنے عاصی بندہ کو بھی بخش دیجے اے خدا

نقصان ندوہ کا ہوا کہ ملک کا ہوا؟

تحفظ مدارس کمیٹی کی تجویز کے مطابق دسمبر کے آخر میں دارالعلوم میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا اس میں سیکولر مزاج سیاسی پارٹیوں، اعلیٰ حکام اور میڈیا کے سامنے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جو خطاب کیا اس کی اخباری رپورٹ روزنامہ قومی آواز کے شکریہ کے ساتھ پیش ہے۔

۱۰۴ سالہ پرانی اسلامی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سربراہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے آج ملک کے سیاسی رہنماؤں اور ذرائع ابلاغ کے ذمہ داروں پر زور دیا کہ وہ اس مزاج کو بدلیں کہ کان میں جو بات پڑے اس کے بارے میں پوری تحقیق کے بغیر اخباروں میں چھاپ دی جائے یا سوچے سمجھے بغیر اس پر تنقید شروع کر دی جائے کیوں کہ یہ بات پورے ملک کے لیے غلط ہے اور ملک کے لیے خطرے کا باعث بن سکتی ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی یہاں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شبلی کتب خانہ کے ہال میں ممتاز سیاسی رہنماؤں اور صحافیوں سے گفتگو کر رہے تھے جس کا اہتمام آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تحفظ مدارس کمیٹی کے کنوینر مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے ندوہ کے پرنسپل مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور بورڈ کے قانونی مشیر مسٹر عبدالمنان ایڈوکیٹ کے تعاون سے اس مقصد کے تحت کیا تھا کہ ندوہ میں پولیس اور انٹلی جنس بیورو کے ایک چھاپے سے جس کا نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلا تھا، بعض اخباری اور سیاسی حلقوں میں جو شکوک اور غلط فہمیاں پیدا ہوگئی تھیں ان کو دور کیا جائے اور بتایا جائے کہ اس واقعہ ندوہ کی اتنی توہین نہیں ہوئی ہے جتنی ساری دنیا میں ہندوستان کی ہوئی ہے اور دنیا کے علمی حلقوں میں یہ تاثر پیدا ہوا ہے کہ ہندوستان میں علم کی اور تعلیمی اداروں کی کوئی قدر نہیں ہے۔

اس موقع پر حکومت اتر پردیش کے سینئر کابینی رکن اور وزیر پارلیمانی امور اور سماج وادی پارٹی کے لیڈر مسٹر بینی پرشاد ورما اور قومی سطح کے سیاسی لیڈر مسٹر نرائن دت تیواری جو یوپی کانگریس کمیٹی (ت) کے صدر بھی ہیں ڈاکٹر زیڈ احمد جو ہندستان کیمونسٹ پارٹی کے لیڈر ہیں، جنتادل لیڈر کنور ریوتی رمن سنگھ، مارکسی کیمونسٹ پارٹی کے اسسٹنٹ سکریٹری مسٹر رام سمیر یادو، سماج وادی پارٹی کے لیڈر مسٹر ہیرالال یادو، کانگریس کے لیڈر مسٹر جگد مبیکا پال قومی مورچہ کے مسٹر ظفریاب جیلانی کے علاوہ مسٹر ایس پی رانا، مسٹر ڈی پی بورا، ڈاکٹر داؤ جی گپتا، یوپی مائنارٹیز کمیشن کے چیئرمین مسٹر احمد حسن وغیرہ جیسی شخصیات کے علاوہ متعدد صحافیوں نے شرکت کی۔

مسٹر بینی پرشاد ورمانے ندوہ کے واقعہ کی مذمت کی اور اسے ملک میں اس فرقہ وارانہ ماحول کا نتیجہ بتاتے ہوئے واقعہ کے لیے سیاسی لوگوں کو ذمہ دار قرار دیا۔ وزیر پارلیمانی امور مسٹر ورمانے ندوہ کے واقعہ کو "شرمناک" قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہم کو اس گنگا جمنی تہذیب کو قائم رکھنا ہوگا جس کو بنانے میں لکھنؤ کا حصہ بھی ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو ملک بھی ختم ہو جائے گا۔

ممتاز قومی رہنما مسٹر نرائن دت تیواری نے مولانا علی میاں سے مخاطب ہوکر کہا کہ آپ یہ خیال دل سے نکال دیجئے کہ اس ملک کو اس عظیم الشان ادارے اور آپ کی ذات گرامی پر کوئی شک ہے انھوں نے کہا کہ دھرم، ذات پات، علاقہ اور زبان کے بھید بھاؤ سے اوپر اٹھنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ملک کے ذمہ داروں کا ایسا کوئی ضابطہ اخلاق ہونا چاہیے کہ تعلیمی اداروں میں اس قسم کی بات نہ ہو جو یہاں ہوئی انھوں نے کہا کہ ہم کو امید ہے کہ آئندہ ملک میں کسی بھی تعلیمی ادارے کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی اور یہ بات سیاسی نہیں ہے کیونکہ ملک میں مختلف ریاستوں میں مختلف پارٹیوں کی حکومت ہے انھوں نے کہا کہ آج ہم کو یہاں بلا کر کھلے پن کا جو ثبوت دیا گیا اس کی ہم قدر کرتے ہیں۔ ہمیں آج یہ معلوم ہوا کہ یہ ادارہ کتنی عظیم خدمات انجام دے رہا ہے یقیناً اس ادارے پر سارے ملک کو فخر کرنا چاہیئے مسٹر تیواری نے مولانا علی میاں کے اس جملے کو پوری تقریر کا نچوڑ بتایا۔ کہ غیر ملک کے پھولوں سے مقابلے میں اپنے ملک کے کانٹوں سے بھی محبت ہوتی ہے تیواری جی نے مولانا کے اس بیان کی بھی قدر کی کہ ہم خود اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ ملک کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے انھوں نے کہا کہ ندوہ میں جو واقعہ ہوا اس طریقے سے ہم متفق نہیں ہیں۔ انھوں نے مولانا علی میاں کے پیام انسانیت کی تحریک کو خاص طور سے سراہا۔

ڈاکٹر زیڈ احمد نے شکایت کی کہ اس قسم کی نشست پہلے کیوں نہیں کی گئی پیام انسانیت کے لیے اتنا بڑا کام ہو رہا ہے اس کی تشہیر بھی ضروری ہے انھوں نے ندوہ کے واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ تعلیمی اداروں میں اس قسم کی مداخلت غلط ہے اور اس کے لیے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں جو برتنا چاہیئے۔ انھوں نے کہا کہ اس واقعہ کا کوئی نہ کوئی تو ذمہ دار ہوگا اس لیے معاملے کی تحقیقات کر کے قصوروار کو سزا دینا چاہیئے انھوں نے یقین دلایا کہ ایسی بدتمیزی اور شرارت کے خلاف لڑا جائیگا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے وابستہ رہنے والے علماء کرام ان کے علمی کارناموں اور ساری دنیا میں ندوہ سے شائع

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

[illegible]

باخبر حضرات کو یہ بتانا تو قطعاً غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معیاری اور آئیڈیل پہلا وہ مدرسہ ہے جس کی بنیاد و اساس خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں انہی کی بابرکت مسجد کے اندر "صفہ" پر رکھی گئی تھی، اور ایک جلیل القدر داعی اور مورخ و مفکر (حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ) کے الفاظ میں "صحیح النسب اور عالی قدر مدرسہ وہی ہے جس کا شجرۂ نسب صفۂ نبوی پر جاکر ختم ہو" اس بنا پر معیاری تعلیم کے لئے ہی نہیں، معیاری معلم و متعلم کے لئے بھی اسی مدرسہ کو اسوہ (آئیڈیل) سمجھنا ہوگا۔ اس سے جو مدرسہ اور معلم و متعلم جتنا قریب ہوگا، اتنا ہی بلند مرتبہ پانے کا مستحق بنے گا۔ اسی طرح کردار سازی اور کردار میں جو درسگاہ اور اس کے وابستگان اس مدرسہ سے جتنے مشابہ ہوں گے اتنے ہی وہ کامیاب قرار دیئے جائیں گے۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ سب سے اولین مدرسہ اور اس کے معلم کامل (صلی اللہ علیہ وسلم) نیز متعلمین کے کردار کا مختصر ترین ہی سہی۔ تذکرہ کریں، اس کے بعد "صحیح النسب" مدارس اور ان میں ڈھلنے اور پلنے والوں کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ان کا کردار سازی میں کتنا حصہ ہے؟ (بلکہ زیادہ صحیح تعبیر شاید یہ ہو کہ کردار سازی صرف انہی کا حصہ ہے اور کسی کا اس میں گویا کوئی حصہ نہیں ہے)۔

اولین معلم صلی اللہ علیہ وسلم جسے خود خالق نے "إنك لعلى خلق عظيم" کی سند دی ہو اور جس کے شمائل و خصائل سب ہی حمید اور جس کی کاملیت کا اعتراف اس کے ہم نشین نے ان الفاظ میں کیا ہو ؎

وأحسن منك لم تر قط عيني
وأجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرءاً من كل عيب
كأنك قد خلقت كما تشاء[1]

اور ایسے واضح و درخشن بھی ہوں کہ دشمن بھی ان الفاظ میں اعتراف کرنے پر مجبور ہو کہ: "کوئی شخص سیرت نبوی کے تعلق نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو، کیونکہ یہاں دن کی پوری روشنی ہے"۔[2] ایسی ذات گرامی کی حیات طیبہ کا بیان.... اہل علم حضرات کے سامنے اور اتنے مختصر وقت میں جرأت بیجا اور بحر ناپیدا کنار میں شناوری کی طفلانہ کوشش کے سوا اور کسی عنوان کا مستحق نہ ہوگا۔

اسی طرح "مدرسۂ اولیٰ" کے تمام متعلمین کے کردار پر مختصر روشنی ڈالنا بھی کسی مقالہ کا نہیں ضخیم کتاب کا موضوع ہے۔ "مالا يدرك كله لا يترك كله" کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اس بابرکت درسگاہ کے صرف ایک نمونہ (حضرت ابو ہریرہؓ) کی ہلکی سی جھلک دکھلانے پر اکتفا کرنا ہی ہے۔ ان کا تحصیل علم میں انہماک کا یہ حال تھا کہ وہ معلم انسانیت کے گویا سایہ بن گئے تھے کہ جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تھے یہ بھی جاتے اور اکتساب علم کا جذبہ انھیں اتنے قریب رہنے پر آمادہ کرتا کہ "فكانت يده مع رسول الله صلى الله عليه وسلم" (ان کا ہاتھ اللہ کے رسول کے ہاتھ سے ملا رہتا) والی کیفیت ہو جاتی۔[3]

صحبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حفظ احادیث کا ان کے کردار و عمل پر جو اثر پڑنا چاہئے تھا وہ بھی ظاہر ہوا کہ ابن جوزی جیسے متشدد ناقد محدث، ابو عثمان النہدی سے نقل کرتے ہیں "تضيفت أبا هريرة سبعاً فكان هو وامرأته وخادمه يعتقبون الليل اثلاثاً يصلي هذا ويوقظ هذا ويصلي هذا ثم يوقظ هذا"۔[4] (ترجمہ: میں ابوہریرہؓ کا سات دن تک مسلسل مہمان رہا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی بیوی، خادم اور خود انھوں نے رات کو تین حصوں میں اس طرح تقسیم کر لیا ہے کہ پوری رات کوئی نہ کوئی نماز میں مشغول رہتا ہے)۔

اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذوق عبادت کی تسکین اس پر بھی نہیں ہوتی تھی اس لئے ہر روز (جیسا کہ ابن سعد نے نقل کیا ہے) بارہ ہزار مرتبہ تسبیح پڑھتے اور "اسبح بقدر ذنبي" (میں اپنے گناہوں کے بقدر تسبیح پڑھتا ہوں) کے الفاظ میں مؤمنانہ تواضع اور خشیت کا اظہار فرماتے۔[5] حق گوئی و بے باکی اس درجہ کی تھی کہ اپنے زمانہ کے سخت اور جابر ترین حکمراں مروان کو بھی برملا ٹوک دیتے تھے بلکہ عواقب سے بے خوف ہو کر سرزنش تک کر ڈالتے۔ اسی طرح کے واقعات تاریخ ہی میں نہیں احادیث صحیحہ کی معتبر ترین کتابوں، بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں[6] باایں ہمہ خوف آخرت کا یہ حال تھا کہ ابن جوزی ناقل ہیں "إن أبا هريرة بكى في مرضه فقيل له ما يبكيك قال أما أنه ما أبكي على دنياكم هذه ولكن أبكي على بعد سفري وقلة زادي" (ترجمہ: ابوہریرہؓ مرض وفات میں رویا کرتے تھے ان سے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں دنیا چھوٹنے

پر نہیں روتا، بلکہ سفر کی طوالت اور سامان کی قلت پر روتا ہوں)۔ ۵ے

یہ ہے وہ نمونہ جو پہلے معیاری مدرسہ نے پیش کیا۔ اب آیئے دیکھیں کہ اس درسگاہ کی نسل کہاں کہاں تک پہونچی اور کیسی پھلی پھولی اور کس طرح کے نمونے پیش کئے۔ اس مقصد کے لئے "اسلام کے مرکز" اور "مہبطِ وحی" سے ہٹ کر نظر ڈالیں اور جائزہ لیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ ہم جب اس مقدس سرزمین سے دور رہنے والے "فقیہِ عراق" اور "رجل من ابناءِ فارس" کو دیکھتے ہیں تو ٹھیک اسی معیار پر پاتے ہیں جو مدرسۂ اولیٰ نے پیش کیا تھا۔ اس موقع پر پہلے یہ ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ امتیازات اور بنیادی اوصاف کون سے ہیں جن کا اس معیار پر ٹھیک اترنے والوں کے اندر پایا جانا ضروری ہے انھیں جان لینے کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ پھر اس کے بعد لوگوں کا جانچنا، اور اللہ کا کوئی باتوفیق بندہ وہ بلند مرتبہ حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے منزل تک پہونچنا آسان ہو جائے گا۔ اسی کے ساتھ "کردار" جیسے ذو معنی اور ایک حد تک مبہم لفظ کا مفہوم بھی متعین ہو جائے گا۔

اس بارے میں سب سے زیادہ جامع مختصر اور بلیغ کلام امام غزالیؒ کی معرکۃ الآرا تصنیف "احیاء علوم الدین" میں ملتا ہے۔ موصوف نے یہ پانچ اوصاف ضروری بتائے ہیں۔ عبادت، زہد، علم، تفقہ، اخلاص، اور اس میں سے ہر وصف کی تشریح و تفصیل بھی کی ہے ۲ے مگر اس وقت ان اوصاف خمسہ میں سے علم و تفقہ کو چھوڑ کر باقی تین وصفوں کی روشنی میں ہی معیاری افراد اور کردار کا جائزہ لینے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ علم و تفقہ کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ اس کا اس مختصر وقت میں جائزہ لینا ناممکن ہوگا)۔

اگرچہ کہنے کو تو یہ تین اوصاف ہیں لیکن سارے عملی کمالات ان تین ہی میں سما جاتے ہیں، بلکہ اصلاً دو ہی وصفوں میں۔ تیسرے وصف "اخلاص" سے ان سب کی تکمیل ہوتی ہے۔ جب ہم تاریخ کے جھروکے سے ساڑھے بارہ سو سال پیچھے کی طرف جھانکتے ہیں تو ہمیں ایک ایسی عجمی قدآور شخصیت نظر آتی ہے جس کی عظمت کے سامنے عجم ہی نہیں، عرب بھی جھکا جھکا سا نظر آتا ہے۔ کہ خالص عربی النسل فرمانروا اس کو نجح ہی نہیں چیف جسٹس بنانے پر اصرار کر رہا ہے۔ مگر اس کی طرف سے "عنقا را بلند است آشیانہ" کی صدا کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں ملتا ۹ے جس کی نظر میں دنیا واقعی مچھر کے پر کی طرح حقیر تھی۔ اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر امام نے اگر یہ اطلاع دی کہ "عرضت علیہ الدنیا بحذافیرھا ففر منھا" ۱ے (یعنی دنیا ان پر پوری رعنائیوں کے ساتھ پیش ہوئی مگر انھوں نے دامن بچا لیا) تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے۔ اس کے لذیذ تذکرہ کا خاتمہ، اندلس کے علماء کا خاتم جسے کہا گیا اسی کے بیان پر کیا جاتا ہے۔ "قال عیسی بن یونس لا تتکلمن فی أبی حنیفۃ بسوء ولا تصدقن أحدا یسیئ القول فیہ فانی واللہ ما رأیت افضل منہ ولا أورع منہ ولا أفقہ منہ"[11] (ترجمہ: امام ابو حنیفہ کے بارے میں کوئی نازیبا کلمہ ہرگز نہ نکالنا، اگر کوئی شخص ان کی طرف کوئی نامناسب بات منسوب کرے تو ہرگز اس کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ افضل متقی اور فقیہ کوئی نہیں دیکھا)۔

عرب و عجم کے دو نمونے دیکھ لینے کے بعد اب ذرا اس سرزمین کے علمی گلستانوں اور ان میں کھلنے والے پھولوں اور پھلنے والے درختوں کی بھی تھوڑی سیر کر لیں۔ جس میں مدتوں کے بعد اسلام کی بہار آئی اور علوم دینیہ کی کھیتی لہلہائی، پھر تو جس طرح فصل بہار کے موقع پر پھولوں کا شمار نا ممکن ہوتا ہے۔ اسی طرح علم و عرفان کے ان ازہار کی گنتی بھی ممکن نہیں، جو چمنستان ہند میں کھلے، ان میں سے بس چند کی نکہت سے مشامِ جان کو آج کی محفل میں معطر و آسودہ کرنا مقصود ہے۔

گیارہویں صدی ہجری میں مولانا نور الحق (ابن شیخ عبدالحق محدث دہلوی) کے ایک مشہور شاگرد سید محمد مبارک نامی بڑے جلیل القدر عالم بلگرام میں گذرے ہیں، ان کی خودداری اور غیرتِ ایمانی ہی کا نہیں حمیتِ علمی کا ایک حال ان ہی کے شاگرد اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:۔

"محدث ممدوح وضو کرنے کے لئے اٹھے ہی تھے کہ اچانک گر پڑے، ایک گھنٹہ بے ہوش رہے افاقہ ہو جانے کے بعد جب سعادت مند شاگرد نے سبب دریافت کیا تو بہت رد و قدح کے بعد بمشکل بتایا کہ تین دن سے منہ میں کھیل بھی اڑ کر نہیں گئی ہے۔ ظاہر ہے جب شاگرد کو یہ حال معلوم ہوا تو ان کا دل بھر آنا ہی چاہئے تھا۔ فوراً اپنے گھر گئے اور عمدہ و مرغوب کھانے کا خوان سجا کر لائے۔ استاذ نے اپنے تلمیذ کی اس سعادت مندی پر بہت خوشی کا اظہار کیا، مگر اس کے بعد پھر کیا ہوا وہ ہی سننے کی بات ہے! شاگرد کی دل شکنی بھی گوارہ نہ تھی۔ دلداری کرنے کے لئے کہا، ناگوارِ خاطر نہ ہو تو ایک بات کہوں۔ شاگرد کے لئے سننے کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا، فرمایا" باصطلاحِ فقرا ایں طعام را طعامِ اشراف گویند، ہر چند نزد فقہاء اکلِ آں جائز است و در شرع بعد از سہ روز میتہ حلال، اما در طریقۂ فقرا اکلِ طعامِ اشراف جائز نیست" ۱۲ے اس کو سن کر شاگرد نے کیا کیا؟ اس کا تعلق استاذ سے نہیں شاگرد کی کمال ادب شناسی اور ذہنی سلامتی سے ہے

کرشاگرد نے بغیر کسی اصرار اور ردوکد کے کھانا سامنے سے اٹھایا اور لے کر چلے گئے، اور کچھ دیر بعد کھانا لے کر پھر لوٹے۔ استاد کے سامنے اسے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "حالا ایں طعام بے توقع حضرت آوردہ ام طعام اشراف نماند" [۱۲]

اور یہ فقر و فاقہ نیز عسرت والی زندگی کی عادت حق گوئی و بے باکی کے علاوہ جود و سخا اور عجز و انکسار کے لئے بھی بہت بڑا ہتھیار ہے اور یہ ہتھیار صرف مدارسِ عربیہ ہی کے سلاح خانوں میں رہا اور وہیں سے ملتا یا مل سکتا ہے۔ (عصری درسگاہیں تو جان بوجھ کر زبردستی اسے چھین لینے کی کوشش کرتی ہیں) کیونکہ جو عسرت کی زندگی کا عادی ہو وہ کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں "سلطانوں" کی طرف سے وظائف سے معزول اور معاشی فارغ البالی سے محروم بھی کر دیا جائے تو اس کے لئے زندگی وبالِ دوش نہیں بن سکتی۔ یہ وہ نکتہ ہے جو اس طریق کے راہ نوردوں بلکہ راہ نماؤں نے سمجھ لیا تھا۔

یہی وہ سبق تھا جو علوم دینیہ کے رسمی اسباق کے ساتھ مدارس میں پڑھایا جاتا رہا، حق کی خاطر دنیوی ہر مفاد کو ٹھکرا دینے کا جذبہ اسی تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتا تھا جو مدارس میں دی جاتی ہے، اور اسی کے ساتھ عجز و انکسار، نیز خدمتِ خلق جیسی صفات انہی مدارس کے مستفیدین کا طرۂ امتیاز رہی ہیں۔ یہ صفات یونہی اتفاقی طور پر پیدا نہیں ہو جاتی تھیں، بلکہ ان کے لئے مختلف موثر تدابیر اختیار کی جاتی تھیں، مثلاً بانی دار العلوم دیوبند حضرت نانوتویؒ کے بارے میں "ارواحِ ثلاثہ" میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی جوتے اٹھوا لیا کرتے تھے۔ اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھا لیا کرتے تھے۔" [۱۳]

اگرچہ مدارس عربیہ پر یہ اعتراض بار بار کیا گیا، اور آج بھی کیا جاتا ہے کہ اس سے طلبہ کی خودی اور عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے۔ لیکن مولانا گیلانیؒ کے الفاظ میں "یہ ان کی طرف سے کہا جاتا ہے جن کے اندر ہی میں نہیں باہر بھی اپنا کچھ باقی نہیں، چہرہ سے، پیشانی سے، گریبانوں سے، ٹانگوں سے الغرض ہر جگہ سے جہاں اس کا امکان تھا اپنی خودی کو بوجھ بوجھ کر دوسروں کو بھرا گیا ہے۔" مگر ہم جب (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب) مشہور مقولہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" کو سامنے رکھ کر جانچتے ہیں تو مدارس عربیہ کے نظام کے تحت تعلیم و تربیت پانے والوں کی طرف سے خودی اور خودداری نیز عزتِ نفس کی خاطر قربانیاں دینے کی ایسی اور اتنی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ دوسرا کوئی نظام تعلیم و تربیت ان کے ہم پلہ کیا اس کا عشرِ عشیر بھی پیش نہیں کر سکا، اور شاید نہیں کر سکتا۔ دیکھئے حضرت نانوتویؒ کا نواب رامپور کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دینا اور نواب صاحب کی طرف سے اشتیاقِ ملاقات کا پیغام ملنے پر یہ جواب دینا کہ "ملاقات کا شوق تو آپ کو ہو اور جاؤں میں۔" [۱۴]

اور آج جب کہ بڑی تنخواہوں کے لالچ میں لوگ اپنے ادارے ہی نہیں، ملک چھوڑ چھوڑ کر جا رہے ہیں، اور تنخواہیں بڑھوانے کے لئے زبانی اصرار ہی نہیں، اسٹرائکیں اور مظاہرے کر رہے ہیں، مگر اس نظام تعلیم و تربیت نے ایک نہیں ہزاروں اس طرح کے نمونے پیش کئے، مثلاً مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ نے ۳۰ روپئے کے مشاہرہ کو چھوڑ کر دس گنی تنخواہ پر یعنی تین سو روپئے ملازمت کی پیش کش پر جانا اور محسن ادارے اور محسنوں کے سائے سے جدا ہونا گوارہ نہیں کیا، چمنستانِ علم کے گلِ سرسبد (حضرت شیخ الہندؒ) کی تنخواہ میں جب اضافہ کیا گیا تو اس پر خوشی کے بجائے ناپسندیدگی کا اظہار اس طرح فرمایا "مجھ سے انہی کا حق ادا ہونا مشکل ہے۔" [۱۵]

ان حضرات کا مدرسہ کی رقم اور عوامی چندہ کے خرچ کے بارے میں احتیاط کا یہ حال تھا کہ آج کے جیسے بے احتیاطی کے دور میں اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ مثلاً حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ اگر بضرورت کبھی مدرسہ کے دوات و قلم سے کوئی اپنا خط لکھ لیتے تو فوراً ایک آنہ مدرسہ کے خزانہ میں داخل کر دیتے، اور فرماتے کہ "یہ بیت المال کی چیز ہے ہم کو اس پر تصرف جائز نہیں" اور اس سے بھی عجیب تر واقعہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا ہے (جو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مدت العمر بلا تنخواہ درس دیتے رہے) وہ یہ کہ سردی کے موسم میں سالن کے برتن کو مدرسہ کی مسجد کے حمام کے سامنے (اندر نہیں بلکہ باہر) رکھوا دیتے تھے، اس کی تپش سے وہ گرم ہو جاتا تھا تو یہ فرما کر دو تین روپئے ہر ماہ چندہ کے طور پر دیتے کہ مدرسہ کی آگ سے استفادہ ہوا ہے۔" [۱۶]

ان اکابر کا مفوضہ فرائض کی انجام دہی اور احساسِ ذمہ داری میں یہ حال تھا کہ آج (یعنی ذمہ داریوں سے لاپرواہی، تن آسانی اور غفلت بھرے زمانہ کی وبا کے زمانہ میں) اس کا باور کرنا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ اختصار کے پیش نظر اس کی صرف ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے۔

استاذ العلماء حضرت مولانا اعزاز علیؒ جو اُسی مادرِ علمی کے لائق ترین فرزند بھی تھے جہاں انھوں نے نصف صدی سے زیادہ مسندِ درس بچھائے، جنہیں ان کے "تلامیذ شفیق ترین باپ" بجا طور پر سمجھتے تھے اور جن پر فنِ تدریس کا کمال گویا ختم سمجھا جاتا ہے۔ ان کا درس دینے میں پابندیٔ اوقات کے لحاظ سے یہ حال تھا کہ "سردی ہو یا گرمی، جاڑا ہو یا برسات، بیماری ہو یا تندرستی، شادی ہو یا غمی،

بہر حال سبق ہونا چاہئے۔" ابھی درس کا وقت شروع ہونے میں دس منٹ باقی ہیں، مگر مولانا کا اضطراب نہ پوچھئے! مدرسہ کے گھنٹے پر چوٹ پڑی اور مولانا نے درس گاہ کی طرف عجلت کے ساتھ قدم بڑھانا شروع کر دیا۔ گھنٹہ بجانے والا ابھی بجانے سے فارغ نہیں ہوا کہ درس گاہ پہونچ گئے۔ پورے ساٹھ منٹ، بلامبالغہ سبق ہوا۔ چھ چھ گھنٹے مسلسل اسی بشاشت اور نشاط سے درس دیا۔ اور سنئے وہ سخت بیمار ہوتے ہیں۔ معالجین اور متعلقین کا اصرار ہوتا ہے کہ اس وقت سبق نہ پڑھائیے، مگر وہ نہیں مانتے، بلکہ فرماتے ہیں کہ "اسی میں میرے لئے شفا ہے" اور سب سے بڑھ کر تو یہ واقعہ ہے کہ مولانا اپنی اہلیہ محترمہ کی تدفین سے فارغ ہو کر عصر کے قریب لوٹے تو مغرب کے بعد شمائل ترمذی پڑھانے کے لئے درس گاہ میں موجود تھے۔[19]

یہ واقعات کسی دور کے تماشائی نے نہیں، ہمہ وقت حاضری دینے والے مولانا کے شاگرد (مولانا انظر شاہ کشمیری) نے بیان کئے ہیں۔

اس موقع پر یہ بھی عرض کر لینے کی اجازت دیجئے کہ اپنے شاندار ماضی، یعنی عالی قدر اور برگزیدہ اسلاف کے کارناموں کی بنا پر اگرچہ ہمیں پورا حق ہے کہ زمانہ کو مخاطب بنا کر، بلکہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرزدق کی زبان میں کہیں :- ؎

اولئك آبائي فجئني بمثلهم

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی سوچیں کہ آج ان ہی اسلاف کے نام لینے والوں میں سے اکثریت کی (اور اکثریت بھی کیسی؟ غالباً سو میں ننانوے[99]) کی جو حالت ہے، اسے سامنے رکھتے ہوئے کیا زمانہ ہماری قدردانیوں کے لئے سرو قد محض اس وجہ سے کھڑا ہو جائے گا اور زمام کار صرف اس بنیاد پر ہمارے ہاتھوں میں دے دے گا کہ ہم "پدرم سلطان بود" کا نعرہ بہت زور سے لگاتے یا لگا سکتے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے، اور اندازہ ہے کہ یقیناً ... سبھی کا جواب نفی میں ہی ہوگا، تو شاید اپنی ہی نہیں، ... سب کی طرف سے یہ سوال پیش کرنے کا مجاز ٹھہرایا جاؤں گا کہ انہی گلستانوں میں ایسے پھول کھلنے اور انہی باغوں میں ایسے پھل اترنے اب اس قدر کم کیوں ہو گئے؟ (یہ نہیں کہتا کہ بند ہو گئے) کہ "غیر" ہی نہیں، اپنے بھی اس قسم کے سوال کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔

اگر اس موقع پر اس امر کا جائزہ لینے، اور اداروں کی روز افزوں کثرت کے باوجود بے ثمری یا کم ثمری کا علاج ڈھونڈنے میں ہم سب کامیاب ہو گئے تو اکیلا یہی کام اس مجلس کی عظیم ترین کامرانی قرار پانے کا مستحق ہوگا۔

اگرچہ راقم کے اختیار کردہ موضوع "اسلاف کے طریقۂ درس و تربیت" کا تقاضہ آج کے مدارسِ عربیہ کی بے ثمری یا کم ثمری کا علاج ڈھونڈنا نہیں ہے، لیکن یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس اجتماع کا خاص مقصد۔ جیسا کہ راقم سمجھا ہے۔ یہی ہے کہ یہ مدارس پھر وہی برگ و بار دینے لگیں جن کی ایک جھلک گذشتہ اوراق میں دیکھی جا چکی ہے۔ مزید چند باتیں اس سے متعلق گذارش کرنا غالباً بے محل نہ ہوگا۔

دینی فکر و ذہن کے حاملین میں سے کوئی بھی، امام دار الہجرہ (مالک، علیہ الرحمہ) کے اس حکیمانہ بلکہ الہامی مقولہ "لن يصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها" کی افادیت اور تاثیر سے انکار کی جرأت نہیں کرے گا۔ بنا بریں مدارس کی اصلاح کی فکر کرنے والوں کو انہیں ہتھیاروں سے لیس ہونا پڑے گا، جن سے ہمارے اسلاف (اول هذه الامة) مسلح تھے۔ ان میں بنیادی حیثیت کے حامل ہیں "تقویٰ" (تقوے کے صرف معروف معنی ہی نہیں بلکہ اس کا وسیع مفہوم مراد ہے، یعنی خدا کی نافرمانی سے اور ہر اس چیز سے پرہیز کرنا جو مقصد کے لئے مضرت رساں ہو) "صبر" یعنی جن کاموں سے مقصد بر آری کی امید ہو ان پر جی جان کھپا دینا، کسی مرحلہ میں بھی ہمت نہ ہارنا۔ "احسان" یعنی ہر کام میں اس کا لحاظ رکھنا کہ بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام پائے۔

دراصل یہ تینوں اجزاء۔ تقویٰ، صبر، احسان اس کارگر نسخہ کے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی حضرت یوسف علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے ادا کرایا، کہ جو خود اس نسخہ کی کیمیا اثری بلکہ سحر انگیزی کا براہ راست تجربہ کر چکے تھے کہ اندھے کنویں اور غلامی کی ذلت سے نکل کر تختِ حکومت پر متمکن ہو گئے تھے۔ اس نسخہ کی تاثیر کے دوامی ہونے کے لئے تنہا یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی باقی رہنے والی کتاب میں ذکر فرما کر اسے بقائے دوام عطا کر دیا ہے۔ (انه من يتق ويصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين) اور اس پر عمل کرنے کے نتائج گذشتہ اوراق میں ذکر کردہ واقعات کے اندر دیکھے جا سکتے ہیں کہ اس سے انسان ان تمام صفات حمیدہ کا حامل بن جاتا ہے جن سے متصف ہونے پر "کامل انسان" کہلانے کا مستحق ٹھہرایا جائے یعنی استغنا، حق گوئی و بے باکی، علمی تبحر، زہد و تقویٰ، فرض شناسی اور اخلاص، جو شاہ کلید ہے۔

بتانے کی ضرورت نہیں کہ مدارس کی اصلاح میں "معلمین" کا حصہ سب سے زیادہ ہے کہ وہ اپنے متعلمین کے لئے نمونہ بنتے ہیں۔ ان کے بعد مقصد کو اہمیت حاصل ہے کہ مدارس میں پڑھنے اور پڑھانے والوں کا مقصد اللہ کی رضا اور اخروی نجات ہو۔ درحقیقت آج اس مقصد سے طلبا عموماً عاری ہوتے ہیں، ان کے سامنے بس جیسے تیسے امتحان پاس کر لینا۔ پھر اس کے نتیجہ میں حاصل شدہ سند سے دنیاوی ترقیوں کے زینے طے کرنا ہوتا ہے کہئے دیکھئے کہ بڑے مدارس کی سندوں کی مادی قیمتوں کے بڑھ جانے سے مقصد کو بڑا

نقصان پہنچا ہے۔ اور ان سندوں کو بعض یونیورسٹیوں کے اپنے یہاں اونچے درجوں میں داخلہ کے لئے قبول کر لینے سے بظاہر لگتا ہے کہ ان مدارس کی قدر افزائی کی گئی۔ لیکن درحقیقت ان کو شدید نقصان پہنچانے کی آسان راہ شعوری یا غیر شعوری طور سے نکالی گئی ہے۔ اس لئے راقم کے خیال میں مدارس کے غیر خواہوں کو درخت کی جڑ کھودنے اور ڈالیوں کو پانی دینے والی اس خطرناک حکمتِ عملی کا تدارک کرنے کی فکر سب سے پہلے کرنی چاہئے۔ اور طلبہ کے اندر مقصدی لگن اور حصولِ علم کا ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے۔ اس طرح کی مثالیں پیش کرنا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ محض علم کو مقصد بنانے والے بھی بڑے سے بڑے دنیاوی اعزاز اور مادی نعمتوں سے بھی۔ مالا مال ہوئے۔ اس کے ثبوت کے لئے ماضی میں ملا عبدالحکیم[۱۸] سیالکوٹیؒ اور مرتضیٰ زبیدی (صاحب تاج العروس) کی قدردانیوں کو ہی نہیں آج کے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا مصطفیٰ اعظمی قاسمی کے نام پیش کئے جاسکتے ہیں، جنھیں اپنے وقت کے سب سے بڑے عالمی اعزاز (شاہ فیصل ایوارڈ) سے نوازا گیا۔

کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے؎

"کسبِ کمال کن عزیزِ جہاں شوی"

(یہ مقالہ "مدارس کنونشن" دہلی۔ منعقدہ ۲۳-۲۵ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کے لئے لکھا گیا)۔

۱ے دیوان سیدنا حسانؓ۔ قافیہ الف صا۱
اشعار کا مفہوم۔ آپ سے بہتر کسی آنکھ نے کسی اور کو نہیں دیکھا (آپ سے بہتر کوئی ہے ہی نہیں) آپ سے زیادہ جمیل کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے گویا کہ آپ نے جیسا چاہا ویسے پیدا کر دیئے گئے۔

۲ے لائف آف محمد، باسورتھ اسمتھ ص۱۰۸ بحوالہ تدوین حدیث، ص۵۵ للفاضل الگیلانیؒ

۳ے الاستیعاب" للحافظ ابن عبدالبر ج۲ ص۲۹۱

۴ے صفۃ الصفوۃ ج۱ ص۱۸۸ ر ۱۸۹

۵ے السنۃ ومکانتہا ص۲۷۶ للدکتور مصطفیٰ سباعیؒ

۶ے مثال کے طور پر دیکھئے صحیح بخاری ج۱ ص۱۳۱ وصحیح مسلم ج۱ ص۲۹۰ وج۲ ص۵۲۔ یہیں سے اس پروپگنڈہ کی تغلیط بھی ہو جاتی ہے کہ اس زمانہ میں زبانوں پر تالے چڑھا دیئے گئے تھے۔

۷ے صفۃ الصفوۃ ج۱ ص۱۸۹ ۸ے دیکھئے احیاء العلوم ج۱ ص۲۲ تا ۲۸ ۹ے مقدمہ ہدایہ اخیرین ص۶ از علامہ فرنگی محلی۔ ۱۰ے احیاء العلوم ص۲۵

۱۱ے "الاستقصار" للحافظ ابن عبدالبر بحوالہ فتح الملہم ج۱ ص۷ ۱۲ے آثر الکرام۔ بحوالہ "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" للفاضل الگیلانی ص۳۷-۴۰ ج۱-۲

ع مفہوم یہ ہے کہ "میری تین دن کے فاقہ سے اس وقت حالت یہ ہے کہ فتوے کی رو سے تو مردار کھانا بھی جائز ہے مگر تقویٰ کی رو سے تمہارا لایا ہوا یہ کھانا بھی استعمال کر درست نہیں، کیونکہ یہ "طعام اشراف" ہے (یعنی مجھے لالچ ہو گیا تھا کہ تم کھانا لاؤ گے)۔

۱۳ے ارواح ثلاثہ ص۲۶۶

س ۵ اب تو آپ کی توقع کے برخلاف کھانا آیا ہے (اس لئے طعام اشراف نہیں رہا)۔

۱۴ے مشائخ دیوبند ص۱۵ ۱۵ے مشائخ دیوبند ص۲۴

۱۶ے سوانح قاسمی ج۱ ص۵۳۷

اس زمانہ میں "ایک آنہ" کی وہ قیمت تھی جو آج تقریباً پانچ روپئے کی ہے۔

۱۷ے الاکابر کا تقویٰ ص۳۸

اس زمانہ میں شاید دو تین روپیہ مدرسہ کے ماہانہ کھانے کی فیس ہوگی۔

۱۸-۱۹ے تذکرۃ الاعزاز ص۶۲ تا ۶۴

ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کو شاہجہانی دورِ حکومت میں سونے میں دو بار تولا گیا تھا اور علامہ مرتضیٰ زبیدی (دراصل ہندی بلگرامی) کی مشہور کتاب "تاج العروس" (شرح "القاموس") کے نسخے سونے کے بھاؤ خریدے گئے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا گیلانی کی مشہور کتاب "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" ج۱ ص۲۴۴ و "نزہۃ الخواطر" ج۷ (تذکرہ مرتضیٰ زبیدیؒ)

گمراہی کا خطرہ

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی بانی جماعت تبلیغ نے تبلیغی کام کے سلسلہ میں فرمایا کہ "اس سلسلہ کا ایک اصول یہ ہے کہ آزادروی اور خود رائی نہ ہو بلکہ اپنے کو ان بڑوں کے مشوروں کا پابند رکھو جن پر دین کے بارے میں ان اکابر مرحومین نے اعتماد ظاہر کیا جن کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق معلوم و مسلم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کا عام معیار یہی تھا کہ وہ انہی اکابر پر زیادہ اعتماد کرتے تھے جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص اعتماد فرماتے تھے اور پھر بعد میں وہ حضرات زیادہ قابل اعتماد سمجھے گئے، جن پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اعتماد فرمایا تھا۔ دین میں اعتماد کے لیے بہت تیقظ کے ساتھ انتخاب ضروری ہے ورنہ بڑی گمراہیوں کا بھی خطرہ ہے

(ملفوظات مولانا محمد الیاس ص۱۲۰) انتخاب سید محمود حسن ندوی

ماہ شعبان کی فضیلت و برکت

شمس الحق ندوی

شعبان المعظم کا مہینہ بڑی خیر و برکت کا مہینہ ہے ہمیں اس خیر و برکت کے مہینہ سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئیے اور حتی المقدور اعمال خیر میں کوشاں رہنا چاہئیے، ذکر و تلاوت کا اہتمام کرنا چاہئیے ایسا نہ ہو کہ جب مہینہ ختم ہو تو اس طرح کوتاہی و غفلت کے سوا ہمارے ہاتھ کچھ اور نہ لگے۔ ایسا کرنے والے شخص نے اپنی عمر کے قیمتی وقت کو ضائع کر دیا۔ وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے جس نے اس مہینہ میں رضائے الٰہی کی خاطر اخلاص و لگن کے ساتھ اعمال خیر کیئے

شعبان کا مہینہ ذکر و تلاوت کے اہتمام کا مہینہ ہے اس کے بعد رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوجاتا ہے جو عبادت کا موسم بہار ہے۔

شعبان ہی کے مہینہ میں شق القمر کا معجزہ پیش آیا تھا اس مہینہ کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں عمل صالح بارگاہ ایزدی میں پہونچایا جاتا ہے۔ یہ مہینہ رجب و رمضان دو مبارک مہینوں کے درمیان پڑتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعبان میرا مہینہ ہے اس مہینہ میں بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کو پہونچائے جاتے ہیں اس ماہ میں جو بندہ بھی تین روزے رکھتا ہے اور افطار کے وقت مجھ پر تین مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں رزق میں برکت ہوتی ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار کرے گا اور جب تک جنت میں وہ داخل ہو جائے اونٹنی پر سے نہ اترے گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی اور مہینہ میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا، ایک روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا، آپ پورے شعبان روزہ رکھتے تھے یا شعبان کے چند دنوں کو چھوڑ کر باقی پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے (متفق علیہ)

شعبان المعظم کی پندرہویں شب میں موت کا دن متعین اور رزق تقسیم ہوتا ہے سارے عالم پر رحمت خداوندی سایہ فگن ہوتی ہے۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ۝

(دخان ـ ۴تا۷)

ترجمہ: اسی رات میں تمام حکمت کے کام کئے جاتے ہیں (یعنی) ہمارے یہاں حکم ہو کر، بے شک ہم ہی پیغمبر کو بھیجتے ہیں (یہ) پروردگار کی رحمت ہے، وہ تو سننے والا جاننے والا ہے، جو کہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک ہے بشرطیکہ تم لوگ یقین کرنے والے ہو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس نے پانچ راتوں کو (ذکر و تلاوت اور نفل) سے زندہ رکھا جنت اس کے لیے ضروری ہوگی، یوم ترویہ کی رات یوم عرفہ کی رات، یوم نحر کی رات، یوم عید الفطر کی رات اور شعبان المعظم کی پندرھویں رات۔

ایسے مبارک مہینہ کی خیر و برکت حاصل کرنے میں سستی اور کوتاہی نہ برتنی چاہئیے محض لہو و لعب اور آرزوؤں میں الجھ کر نہ رہ جانا چاہئیے۔ ہماری زندگیوں کا انجام موت ہے، جتنے دن رات اعزہ و اقربا کے درمیان گذار رہے ہیں، وہ قبر سے ہم کو قریب کرتے جا رہے ہیں اور ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ دنیاوی مسائل و منافع میں الجھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مستقبل اور معیار زندگی بنانا چاہتے ہیں، مال و دولت کی آس میں لیل و نہار گزرتے جاتے ہیں حلال و حرام کی تمیز بھی باقی نہیں رہ گئی۔

زندگی کی بھلائی و بہتری تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ہے، آخرت تمہارے لیے دنیا سے بہتر ہے۔ "وللآخرة خير لك من الاولى"؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق ۲،۳)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت) پیدا کریگا، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و گمان) بھی نہ ہو، اور جو خدا پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔ خدا اپنے کام کو جو وہ کرنا چاہتا ہے پورا کر دیتا ہے۔ خدا نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

اور جانتے بوجھتے ہوئے حقیقت سے انحراف بڑی ستم ظریفی ہے۔ آخرت کی حقیقتیں سامنے آکر رہیں گی، قرآن کا ارشاد ہے:

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ

يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝ (تکاثر)

ترجمہ:۔ دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائیگا پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائیگا دیکھو اگر تم جانتے (یعنی) علم الیقین (رکھتے تو غفلت نہ کرتے) تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے پھر اس کو (ایسا) دیکھو گے (کہ) عین الیقین آجائیگا پھر اس روز تم سے (شکر) نعمت کے بارے میں پرسش ہوگی۔

جب حقیقت حال یہ ہے تو ہمیں آخرت کیلئے کوشاں رہنا چاہیئے، کامیاب وہی ہوتا ہے جو فکر و کوشش کرتا ہے جو آخرت کا فکرمند ہوتا ہے وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتا ہے، جو شخص اعمال خیر کے بابرکت دنوں کا اہتمام کرتا ہے وہ خوف و خطرات سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔

اطاعت خداوندی جس طرح اچھے عمل کرنے میں ہے اسی طرح سے برے اعمال سے بچنا یہ بھی عین عبادت و اطاعت ہے ظلم و ستم سے بہت بچنا چاہیئے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن جائے گا۔ کہ راہ چلنا دشوار ہو جائے گا، اپنے ماحول و معاشرہ کنبہ و خاندان کی صحیح اسلامی تعلیم و تربیت کی فکر کرنی چاہیئے اور ان کی صحیح رہنمائی کرنی چاہیئے اور ہر آن و ہر لمحہ خدا کا خوف اور پاس و لحاظ کرنا چاہیئے۔ کہ تقویٰ بہترین زادِ راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَٰقَوْمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ

(سورہ مومن ۔ ۳۹)

ترجمہ! بھائیو! یہ دنیا کی زندگی (چند روزہ) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

کہاں شعبان المعظم کے فضائل و برکات جو اوپر ذکر ہوئے اور کہاں ہماری یہ غفلت کہ اس کی برکات سے فائدہ اٹھانے کا ذرا بھی اہتمام نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس اس کی پندرہویں رات میں جو ذکر و تلاوت دعا و استغفار کی رات ہوتی ہے اسکو چھوڑ کر دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی رات بھر پٹاخے داغتے ہیں اور ہزاروں ہزار روپیوں کے ضائع کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی آواز سے مریضوں اور سونے والوں کو تکلیف پہونچاتے ہیں اور ذکر و استغفار میں مشغول لوگوں کی یکسوئی میں خلل ڈالتے ہیں یہ تو وہ بات ہوئی جس کو ہر ایک محسوس کرتا ہے اور اس سے ہم دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے سزاوار اور گنہگار ہوتے ہیں فضول خرچی اور بلا کسی فائدہ کے روپیہ ضائع کرنے کا گناہ کبیرہ الگ کہ اللہ تعالیٰ اسراف و تبذیر کرنے والوں کو شیطان کا بھائی بنایا ہے۔

فرمایا:

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ

(بنی اسرائیل: ۲۷)

ترجمہ: فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں۔

الٰہی کیا بھرا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ نے پنجاب کے ایک باخدا بزرگ مولانا غلام رسول جن کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بجلی کا اثر اور جن کی صحبت کیمیا اور پارس کی تاثیر رکھتی تھی ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"بڑے عاشق تھے، ع دلا غافل نہ ہو یک دم" یہ انہیں کے اشعار ہیں، پنجابی تھے، ان کی اردو بھی ایسی ہی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ان کے بڑے دردناک اشعار ہیں صحبت میں یہ اثر تھا کہ جو ایک دفعہ پاس بیٹھ جاتا، ساری عمر اس کی تہجد بھی ناغہ نہ ہوتی چہ جائیکہ (فرض) نماز ہندوؤں میں جہاں وعظ کر دیتے سب کے سب مسلمان ہو جاتے، ایک دفعہ استنجے کے لئے ہاتھ میں ڈھیلا لئے کھڑے تھے، کچھ ہندو عورتیں قضائے حاجت کے لئے بستی کے باہر جنگل کو جا رہی تھیں ڈھیلا زور سے زمین پر پھینکا اور فرمایا "الا اللہ" وہ سب ہندو عورتیں لآ الٰہ الا اللہ، لآ الٰہ الا اللہ، پڑھنے لگیں اور گھر تک پڑھتی گئیں اور مسلمان ہو گئیں، ایک شخص مسجد میں مکان کے اوپر سے کوڑا پھینک دیتا تھا، ایک دفعہ لوگوں نے مولانا سے کہا کہ فلاں شخص ہمیشہ مسجد میں مکان کے اوپر سے کوڑا پھینکتا ہے، فرمایا کہ اب کی پھینکے تو مجھے دکھانا، دکھایا بھی آپ نے فرمایا کب تک پھینکتا رہے گا؟ وہ وہیں سے نیچے کود پڑا اور تائب ہوا، جو ہندو یا عیسائی ایک دفعہ وعظ سن لیتا تھا مسلمان ہو جاتا تھا، اس واسطے انگریزوں نے زبان بندی کر دی تھی اور وعظ سے روک دیا تھا۔

ماخوذ از:۔ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی، دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

مسلمانوں کو دہشت گردی کا مسلسل الزام دینا بہت بڑے فتنہ کا پیش خیمہ

(گورباچوف)

سابق سوویت یونین کے آخری صدر گورباچوف نے یورپ اور یورپ کے ذرائع ابلاغ کو اسلام اور مغرب کے درمیان ٹکراؤ کی فضا پیدا کرنے سے خبردار کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت دنیا کے امن وسلامتی کے لئے اسلام اور مسلمانوں کو خطرہ بتانے کی جو مہم چلی ہوئی ہے دراصل اس کے پیچھے ان شرپسند عناصر کا ہاتھ ہے جو یورپ کے ذرائع ابلاغ اور پالیسی ساز اداروں پر قابض ہیں۔

انھوں نے مزید کہا کہ میڈیا اور بعض مغربی سیاست دانوں کے لئے اپنے افکار ونظریات اور عزائم کی تکمیل کے لئے عوام کی تائید حاصل کرنے کی غرض سے کسی خارجی دشمن کا ہوا کھڑا کرنا ایک محبوب مشغلہ اور پسندیدہ عمل بنا ہوا ہے، انھوں نے اس سیاست کو تمام مذاہب وادیان کے ماننے والوں کے درمیان باہمی میل جول اور آپسی تعلق و تعاون کے لئے سنگین خطرہ قرار دیا۔ انھوں نے خبردار کیا کہ اسلام کو دشمن بنا کر پیش کرنے کی سیاست سے دنیا دینی اور مذہبی متحارب کیمپوں میں بٹ جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا مشرق ومغرب کے درمیان سرد جنگ کے خاتمے کے بعد ایک بار پھر ایسی جنگ میں داخل ہوگی۔ جس میں ایک طرف اسلام ہوگا اور دوسری طرف یورپ۔ گورباچوف نے جو اپنے عرب امارات کے دورہ کے موقع پر کثیر الاشاعت انٹرنیشنل ہفت روزہ "المسلمون" سے گفتگو کر رہے تھے، کہا انسانی تہذیب وتمدن کے

(باقی صفحہ [illegible] پر)

«جورباتشوف» في تصريح خاص:

اتهام المسلمين بالإرهاب بوادر فتنة كبرى

دبي - دريد البيك

AL-Muslimoon

السنة العاشرة

العدد (515)

الجمعة 14 رجب

1415

16 ديسمبر 1994

Volume 10

Issue No (515)

Friday

14th Rajab 415

16th

December 1994

حذر «ميخائيل جورباتشوف» - الرئيس الأخير لما كان يعرف باسم الاتحاد السوفييتي - الغرب وأجهزة الإعلام التابعة للدول الغربية من افتعال المواجهة بين الغرب والمسلمين. وقال ان ما يتم الترويج له من خطورة المسلمين على السلام والاستقرار الدوليين هو من وحي قوى مشبوهة تسيطر على الإعلام ومراكز صناعة القرار في الغرب.

وقال يحلو لبعض الإعلاميين ورجال السياسة ايجاد عدو خارجي لحشد تأييد العامة من الناس لمشاريعهم وأفكارهم وأكد على خطورة هذه السياسة على السلام والتعاون بين الشعوب من كل الأديان. وأكد ان سياسة استعداء الإسلام ستقسم العالم الى جبهات دينية مما يعني الانتقال من حالة الحرب الباردة بين الشرق والغرب الى مواجهة قد تكون بين العالم الإسلامي والغرب. وأكد «جورباتشوف» لـ«المسلمون» خلال زيارته لدولة الإمارات العربية المتحدة ان الإسلام لم يكن في يوم من الأيام خطرا على الحضارة الغربية وان المسلمين لعبوا دورا مهما في اغناء التراث الانساني والعلوم الانسانية بما قدموه من علوم ومعارف للغرب ابان ازدهار حضارتهم.

وقال «جورباتشوف» ان تصوير الإسلام على انه محرض للإرهاب وان الجماعات الإرهابية هي نتاج التشدد الديني الذي يزدهر في اوساط المجتمعات الإسلامية هو قول فيه مجافاة للحقيقة والواقع وان الدين الإسلامي دين سلام وان تعاليمه تؤكد على التعاون بين الشعوب والأفراد وان البشرية تدين للإسلام بفترات مزدهرة من تاريخها حيث سادت القيم الحقيقية لهذا الدين العظيم فانعكس ذلك على التقدم والرخاء البشري.

وادان «جورباتشوف» محاولات لصق تهمة الإرهاب بالمسلمين من قبل بعض السياسيين الغربيين تساندهم في ذلك وسائل الإعلام الغربية. وقال ان هذا النهج يحمل في احشائه بوادر فتنة كبرى ستدفع بعجلة التاريخ الانساني الى الوراء. وتساءل «جورباتشوف» عن الهدف من الصاق تهمة الإرهاب بالمسلمين في الوقت الذي تتعرض فيه جماعات اسلامية في اوروبا الغربية وفي اماكن كثيرة من العالم الى اضطهاد. وقال انه لا يمكن انكار وجود بعض الجماعات التي تتبنى العنف والحروب وان ذلك لا يبرر تعميم صفة الإرهاب على الشعوب التي تنتمي اليها هذه الجماعات ■

دنیا قلت آبادی کے خطرہ میں

ایک امریکی رسالے کا انکشاف

ترجمہ ـــــــ محمد الیاس

اقوام متحدہ کے ادارہ آبادی کے ذمہ داروں کو ایک رپورٹ نے ششدر کر دیا جس کو ایک امریکی رسالہ (نیو فیڈ بسٹ) نے شائع کیا ہے۔

متنبہ کیا کہ دنیا میں ایک طرف شرح پیدائش میں کمی کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے دوسری طرف عمر میں اضافہ کا رجحان پایا جاتا ہے خواہ صنعتی ممالک ہوں یا ایشیائی، خاص طور سے چین جس نے تحدید نسل پر شدت سے عمل کیا اور ایک خاندان میں صرف ایک کی قید لگائی ہے وہاں پر نئی نسل کی تعداد میں گذشتہ تیس سالوں میں زبردست کمی آئی ہے اور عمر رسیدہ کی تعداد میں جن کی عمریں ۸۰ سے بھی تجاوز کر گئی ہیں کافی اضافہ ہوگیا ہے۔

رپورٹ میں عالمی مردم شماری کے رجحانات کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ۱۹۹۲ء کے سروے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام یورپی بلاک میں (جرمنی، فرانس، اٹلی، ڈنمارک، برطانیہ، ہالینڈ، بلجیم، اسپین، لکسمبرگ) ۱۹۶۴ء سے ۱۹۹۲ء کے درمیان میں شرح پیدائش گھٹ کر ۵۰ فیصد رہ گئی ہے جبکہ جرمنی اور اٹلی میں جو کثرت آبادی میں مشہور تھے یہ تناسب گھٹ کر ۴۰، ۴۵ کے درمیان ہوگیا ہے۔

یہ بھی پیشین گوئی کی گئی ہے کہ ۲۰۲۰ء تک یورپ کی ۲۰ فیصد آبادی کی عمریں ساٹھ سال سے زیادہ ہو جائیں گی اسی طرح جرمنی میں بھی جہاں شرح پیدائش اوسطاً فی عورت ۱٫۳ ہوگئی ہے ۲۰۳۰ء تک ۴۰ فیصد آبادی کی عمریں ۶۰ سال سے زائد ہو جائیں گی۔

رپورٹ کے مطابق اٹلی کے بعض علاقوں میں شرح پیدائش گھٹ کر اوسطاً فی عورت ایک بچہ سے بھی کم ہوگئی ہے جیسا کہ جنوری ۱۹۹۲ء میں دیکھنے میں آیا اور یہ تعداد صحیح تناسب کو برقرار رکھنے کے لیے بہت کم ہے اور سابق سوویت بلاک میں بہ نسبت ۱۹۸۹ء کے مشرقی جرمنی میں شرح پیدائش گھٹ کر ۵۰ فیصد ہوگئی ہے اسی طرح یورپ کے مشرقی ممالک بھی اسی بحران سے دوچار ہیں ۱۹۹۲ء میں یوکرین میں شرح پیدائش اوسطاً فی عورت ۱٫۷ بچہ ہے۔ ایک طویل مدت میں یہ لطف راز رہا۔

۱۹۹۲ء روس کی آبادی دوسری عالمی جنگ کے بعد پہلی مرتبہ ۷۰ ہزار سے زائد گھٹ گئی، جہاں کہ آبادی ۱۴۸٫۷ ملین تھی اور ہر سال تقریباً ۱۹۶ ہزار کی تعداد میں آبادی کم ہو رہی ہے ۱۹۹۳ء میں شرح پیدائش صرف گیارہ فیصدی رہ گئی ہے۔ یہاں پر ۱۰۰ نومولود بچوں کے مقابلہ میں ۲۰۱ اسقاط کے کیس پائے گئے جبکہ ۱۹۸۵ء میں ۱۶۶ کیس تھے۔

جہاں تک ایشیا کا تعلق ہے تو اس کی شرح پیدائش میں ۵۰ فیصد سے زائد کمی آگئی، ساٹھویں دہائی سے یہاں پر ۲۲ فیصد عورتوں پر تحدید نسل کا عمل کیا گیا، اور سری لنکا میں ان کی تعداد ۲۵ فیصد ہے۔

جاپان میں گذشتہ سال کے جائزہ کے مطابق شرح پیدائش کا تناسب اوسطاً ہر ہزار پر ۸٫۹ تھا جو کہ دنیا میں سب سے کم ہے جاپان میں عمر رسیدہ کا تناسب ۲۰۲۵ء تک بڑھ کر ۵۰ فیصد کے قریب ہو جائے گا جہاں پر ہر دو کام کرنے والے جوانوں کو ایک بوڑھے کی کفالت کرنی ہوگی۔

چین کی شرح پیدائش اوسطاً فی عورت ۱٫۸ یا ۱٫۹ بچہ ہے یہ تناسب ۱۹۹۰ء کے تناسب سے کہیں کم ہے جبکہ ۱۹۹۰ء میں فی عورت ۲٫۳ تھی اسی طرح چین میں بانجھ عورتوں کا تناسب ۲۸ فیصد ہوگیا ہے، چینی مردوں کا تناسب جو عمر درازی کی وجہ سے مکمل نا اہل ہو چکے ہیں یا نا اہل تو نہیں ہوئے لیکن ضبط تولید کے طریقوں کو بکثرت استعمال کرتے ہیں ۱۹۹۲ء میں ۸۳٫۴ ہوگیا ہے شمالی امریکہ میں آخری سالوں میں باہر سے ہجرت کر کے آنیوالوں کی تعداد ۲۵ فیصد تھی، امریکہ اور کنیڈا میں شرح پیدائش ۴۰ فیصد گھٹ گئی ہے۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء کے درمیانی مدت میں پیدائش کا تناسب فی عورت ۸٫۱ تھا۔

کینڈا میں پیدائش کا تناسب ۱٫۷ پر رک گیا ہے اور یہ تعداد شرح پیدائش ۲۰ فیصد سے کم ہے۔

کینڈا میں بانجھ عورتوں کا تناسب ۴۴ فیصد ہوگیا ہے جن کی تعداد ۱۸ اور ۴۹ کے درمیان ہے امریکہ میں یہ تعداد ۲۸ فیصد تک پہنچ گیا ہے۔

بانجھ پن کا تناسب تمام علاقوں میں بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے جس میں برازیل ۲۷ فیصد، پناما اور سلفادور ۴۲ فیصد پر رک گیا ہے۔ اخیر میں رپورٹ نے یہ نعرہ دیا ہے کہ پیدائش کا تناسب شمالی افریقہ میں بہت گھٹ گیا ہے، یہاں تک کہ جنوبی صحرائے افریقہ جہاں کی شرح پیدائش ۲-۴ کے درمیان تھی بڑی تیزی سے گھٹنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر کینیا جہاں کی شرح پیدائش بہت تھی اور ۱۹۹۰ء میں عام طور پر کام کرنے کی عمر کو پہونچنے والوں کی جو تعداد تھی اس وبا کی وجہ سے ۲۰۰۵ء میں بہت گھٹ جائے گی۔

محمد طارق ندوی

س:۔ ایک شخص آئے دن بذریعہ ٹرین یا بس سفر کرتا ہے، اکثر دوران سفر دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے کبھی قبلہ درست نہیں، رکوع سجود کے لئے مناسب جگہ نہیں ایسے حالات میں کیا یہ ممکن ہے کہ مذکورہ شخص منزل مقصود پہنچکر فرض سے سبکدوش ہو، خواہ قضا ہی کرنا پڑے۔

جواب:۔ نمازیں دوران سفر ان کے اوقات ہی کے اندر پڑھنا از روئے شرع مطلوب ہے جس حد تک قدرت ہو شرائط نماز اور فرائض نماز پوری کرے، گھر جاکر نمازوں کی قضا کرنے پر عند اللہ ماخوذ ہوگا۔

س:۔ ظہر کی نماز پڑھانے کے لئے امام کو سنت پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:۔ امام کو چاہیئے کہ ظہر کی سنتیں پڑھ کر نماز پڑھائے فرض نماز پڑھانے کے پہلے سنتوں کا پڑھنا واجب تو نہیں ہے مگر مسنون ضرور ہے۔

س:۔ زید کی حالت بہت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے نماز قضا ہوتی رہتی تھی۔ اب انتقال ہوگیا ہے، زید کی کوئی وصیت نمازوں کے سلسلہ میں نہیں ہے، ایسی صورت میں جو نماز قضا ہوگئی ہے کیا وارثین اس کا فدیہ دے سکتے ہیں؟

جواب:۔ میت کی طرف سے نمازوں کا فدیہ وجوباً نہیں دیا جائے گا۔ اور نہ اس کی طرف سے قضا کی جائے گی۔ اگر وارثین اپنی طرف سے فدیہ دیدیں تو امید ہے کہ کفارہ ادا ہو جائے گا۔

س:۔ ایک لاولد شخص کو اگر لیڈی ڈاکٹر اسپتال سے بچہ فراہم کردے تو اس کی پرورش کرکے بچہ بنالینا کیسا ہے؟

جواب:۔ اگر لیڈی ڈاکٹر، غیر کا بچہ بغیر اس کی رضامندی کے کسی طریقہ سے ایک شخص کو فراہم کردے تو اس کے لیے اس بچہ کا لینا شرعاً ناجائز ہوگا۔ البتہ اگر لیڈی ڈاکٹر جائز طریقہ پر جس کا بچہ ہے اس کی مرضی سے لیکر مذکور شخص کے حوالہ کردے اور وہ اس کی دیکھ ریکھ کرکے اسے منہ بولا بچہ بنالے تو درست ہے۔

س:۔ قبرستان کی زمین پر مسجد کا ایک حصہ تعمیر کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں۔ اس میں نماز ادا کرنا کیسا ہے۔

جواب:۔ قبرستان کی زمین کو مسجد میں شامل کرنا درست نہیں ہے، ایسی صورت میں نماز مع الکراہت درست ہوگی۔

س:۔ کیا نابالغ اذان دے سکتا ہے۔

جواب:۔ نابالغ اگر سمجھدار ہے اور اذان کی ادائیگی پوری صحت کے ساتھ کررہا ہے تو اذان ہوجائیگی

س:۔ داڑھی منڈوانے والے کی اذان اور اقامت کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب:۔ داڑھی منڈوانے والے کا اذان اور اقامت کہنا مکروہ ہے۔

س:۔ شدید مجبوری کے باعث کسی کی نمازیں چھوٹ گئیں اور اس کا انتقال ہوگیا اب مرحوم کی قضا نمازوں کے کفارہ کی کیا صورت ہوگی؟

جواب:۔ ہر نماز کی طرف سے اگر ورثا تقریباً ایک کلو سات سو گرام گیہوں یا تین کلو چار سو گرام جو یا اس کی قیمت اپنی خوشی سے نکال دیں تو عند اللہ قبولیت کی اور میت کی طرف سے کفارہ ہوجانے کی امید ہے!

س:۔ یہ مشہور ہے کہ جمعہ یا رمضان میں مرنے والے مسلمانوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا۔

جواب:۔ جمعہ کے دن یا رمضان کے مہینہ میں اگر کسی مسلمان کا انتقال ہوجائے تب اس سے حساب وکتاب لیا جائے گا۔ قبر میں سوال وجواب ہوگا۔ یہ غلط مشہور ہے کہ قبر میں اس سے سوال وجواب نہیں ہوگا۔

دنیا کی خبریں

سعید اشرف ندوی

جرمنی کے شہر بون میں اسلام کے خلاف مغرب کے بے بنیاد پروپگنڈہ کا جواب دینے کے لیے ایک اسلامک سینٹر تقریباً ۲۵ ہزار مربع میٹر اور ۲۰ ملین جرمن مارک کی لاگت سے تیار کیا جائے گا۔ یہ سینٹر دعوتی کام کے ساتھ اسلامی اور مغربی دنیا کے درمیان رابطے کا کام بھی دیگا، اس بات کا فیصلہ یورپ میں اسلامی اتحاد کے لیے منعقدہ کانفرنس میں کیا گیا کہ اسلامک سینٹر یورپ میں مسلم پارلیمنٹ کا کردار ادا کرے گا۔ اور تمام یورپی ممالک کے مسلمانوں کو ان کی تعداد کے تناسب سے نمائندگی دی جائے گی۔ یہ کانفرنس جس میں یورپی ممالک کے کم و بیش ۲۵۰ مسلم مندوبین نے شرکت کی، کانفرنس سوئزرلینڈ کے شہر باسل میں منعقد ہوئی، قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کانفرنس کا ڈیکریشن اس ہال میں جاری کیا گیا جس میں یہودی لیڈر تھیوڈر ہرزل نے تقریباً سو سال قبل صہیونی تحریک کی بنیاد رکھی تھی۔

● پاکستان کے شہر کراچی میں مسلم خواتین نے اپنا ایک بڑا جلسہ کیا۔ یہ جلسہ کراچی کی موجودہ صورتحال کے پیش نظر کیا گیا۔ مگر یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے انوکھا تھا، جلسے میں شریک تمام عورتیں باپردہ تھیں اور مطالبہ کر رہی تھیں کہ قیام امن کی خاطر اسلامی نظام کو رائج کیا جائے، اکثر عورتیں اپنے ہاتھ میں تختیاں لیئے ہوئے تھیں جس پر یہ عبارت اویزاں تھی "امن کی ضمانت اسلامی نظام ہے" خواتین کا کہنا تھا کہ امن و امان کے قیام اور ملک کے تمام مسائل کا حل اسلامی نظام میں ہے۔

● افریقی ملک کینیا کے مسلمانوں نے اسلامک کونسل کے نام سے ایک مشاورتی تنظیم قائم کی ہے اس سلسلے میں دارالحکومت نیروبی میں مسلم علماء اور سرکردہ مسلم شخصیات اسلامی عدالتوں کے ججوں نے شرکت کی۔ اجلاس میں طے پایا کہ کینیا کے ۶۰ لاکھ مسلمانوں کے مفادات ، ومسائل کے حل اور دیکھ بھال کے معاملے میں اس کونسل کو سرکار ، حیثیت حاصل ہوگی۔ کینیا کے ڈھائی کروڑ آبادی میں مسلمانوں کا تناسب تقریباً ۲۴ فیصد ہے

● جرمنی کی فضائی کمپنی نے برطانوی مصنف ملعون سلمان رشدی کو اپنی پروازوں میں سفر کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہے، فضائی کمپنی کے ترجمان کے مطابق ہمارے جہاز صرف اس وقت پرواز کرتے ہیں جب مسافروں کی حفاظت کی ضمانت دے دی جائے واضح رہے کہ برطانیہ فضائی کمپنی نے بھی حفاظتی نقطۂ نظر سے سلمان رشدی کو بطور مسافر شامل نہ کرنے کے سلسلے میں پابندی عائد کر رکھی ہے۔ کیوں کہ ان کے جان کا خطرہ اب بھی باقی ہے۔

● برطانیہ کی حزب مخالف لیبر پارٹی کے امور داخلہ کے ترجمان نے بی بی سی ٹیلی ویژن پر ایک انٹرویو میں بتایا کہ لیبر پارٹی اگلے عام انتخابات میں برسر اقتدار آنے کے بعد برطانیہ میں بادشاہت کے کردار میں ہمہ گیر اصلاحات کرے گی۔ اور شاہی خاندان میں مراعات حاصل کرنے والے افراد کی تعداد میں جو اس وقت چالیس ہے بیس تک تخفیف کر دے گی اور اسی کے ساتھ شاہی خاندان کے افراد کے فرائض بھی کم کر دیئے جائیں گے۔ اس اعلان کے بعد برطانیہ میں بادشاہت کا مستقبل خطرے میں پڑ گیا ہے۔

● پیرس میں ایڈز کا مقابلہ کرنے کیلئے پہلی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی اس کانفرنس کا اہتمام اقوام متحدہ کی صحت تنظیم نے کیا تھا۔ ۴۲ ملکوں کے وزراء اعظم، ۱۷ ملکوں کے وزرائے صحت اور دوسرے ۱۳ ملکوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ کانفرنس کے حوالہ سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ سعودی عرب میں ایڈز کا کوئی مریض نہیں ہے وہاں بھی ایک کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے شہزادہ سعود نے کہا کہ ایڈز کا مقابلہ اسلامی اصولوں پر مبنی صحت تعلیم کے ذریعہ ہی ممکن ہے، واضح رہے کہ یہ مرض زیادہ تر مغربی ممالک میں پایا جاتا ہے کیونکہ ان ملکوں میں ہم جنسی عصمت فروشی اور منشیات عام ہے ان لعنتوں سے اکثر مسلم ملکوں کے معاشرے تقریباً محفوظ ہیں۔

دعائے مغفرت

قومی آواز کے سابق چیف ایڈیٹر جناب عشرت علی صدیقی کی والدہ کا ۳۱ دسمبر ۱۹۹۴ء کو شام ۴ بجے انتقال ہوگیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مرحومہ ایک دیندار اور مخیر خاتون تھیں انھوں نے ۹۰ برس کی عمر پائی، مرحومہ کے لڑکے جناب عشرت علی صدیقی کا تعلق حضرت مولانا ناظم ہے سے ہے۔ ادارہ تعمیر حیات پسماندگان سے اظہار تعزیت کرتا ہے اور قارئین سے دعا کی درخواست ہے اللہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے

(بقیہ)
حدیث کا بنیادی کردار

ہونے کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور سنت کے انکار کی دعوت دینے کے مختلف دوروں میں، مختلف پیمانوں پر، اور مختلف مذہبی، سیاسی اور شخصی اغراض ومقاصد سے، اور شریعت اسلامی کی تقید، اور دینی پابندی کی ذمہ داری سے فرار کی خاطر ناعاقبت اندیشانہ کوششوں کے باوجود ہمیشہ سنت کا علم بلند رہا اور اس کی دعوت جاری رہی، اسلامی معاشرہ کا خمیر حدیث پاک سے تیار ہوا ہے، اور اس کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکی ہے، اور اس طرح اس کا جزو بن چکی ہے کہ اس کو اسلامی معاشرہ کے جسم سے الگ کرنا اور محض قرآن کی بنیاد پر کوئی نیا مکمل معاشرہ قائم کرنا ممکن نہیں، خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ"[5] (اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ وضاحت کے ساتھ ان لوگوں کے لئے اس کو بیان کر دیں۔

حدیث نبوی کے ساتھ ہمیشہ مطالعہ، فہم وتحقیق اور اس کے مراجع وماخذ کی نشر واشاعت اور اس کے مخطوطات ونوادر کی تحقیق وطباعت وغیرہ جیسی مختلف شکلوں میں اہتمام کیا جاتا رہا، اور اسلامی معاشرہ کا محاسبہ وجائزہ، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، ونہی عن المنکر، بدعتوں اور خرافات کی تردید، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید، عقائدی، فکری اور تہذیبی ارتداد اور مغربی تمدن کو اپنی تمام خرابیوں وکمزوریوں، اور اسلامی زندگی کے مخالف عادات اور قوانین کے ساتھ اختیار کر لینے پر سخت نکیر کا سلسلہ ہمیشہ جوش وخروش سے اس بنیاد پر قائم رہا کہ سنت کو فیصلہ کن حیثیت حاصل رہی، اور احادیث نبویہ کو قرآن کے بعد دوسرا بنیادی ماخذ یقین کیا جاتا رہا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہر دور میں حق ثابت ہوتی رہی "لا تزال طائفۃ من أمتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم حتی یأتی أمر اللہ وھم کذلک"[6] (میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے)

حدیث کی حجیت میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والے، اور انکار سنت کا علم بلند کرنے والے اس "چراغ مصطفوی" کو اپنی کمزور پھونکوں سے بجھانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں "يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ"[7]

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

---

[1] ملاحظہ ہو (ISLAM AT THE CROSS ROADS)
[2] "اسلام دوراہے پر"۔ [3] "اسلام دوراہے پر"۔
[4] تفصیل کے لئے کتاب "السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی" کا دوسرا باب ملاحظہ ہو جو مختلف ادوار میں سنت کے بارے میں پیدا کئے جانے والے شبہات کے بیان میں ہے ص ۱۲۳ تا ۱۵۳۔ [5] النحل۔ ۴۴
[6] عن ثوبان ومعاویہ رضی اللہ عنہما، علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی متعدد اسانید وشواہد ہیں۔ [7] الصف۔ ۸

مذکورہ مضمون پمفلٹ کی شکل میں موجود ہے خواہش مند حضرات ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں۔
منیجر مجلس تحقیقات ونشریات پوسٹ بکس ۱۱۹ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(بقیہ)
مسلمانوں کی دہشت گردی

لئے اسلام اور مسلمان کبھی بھی خطرہ نہیں ہے بلکہ انسانی تمدن اور انسانی علوم وفنون کی حفاظت وترقی میں انھوں نے نہایت اہم رول ادا کیا ہے، یورپ کو یہ احسان کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں علم وتہذیب کی روشنی دی ہے۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے گورباچوف نے کہا، یہ کہنا کہ اسلام دہشت گردی کی ہمت افزائی کرتا ہے، اور دہشت گرد جماعتیں اس دینی شدت پسندی کا شاخسانہ ہیں جو مسلم معاشروں میں فروغ پا رہی ہے، ایسا کہنا حقیقت اور انصاف کے سراسر خلاف ہے۔ انھوں نے کہا، اسلام صلح وآشتی کا دین ہے، اس کی تعلیمات قوموں اور افراد کے مابین یگانگت وبھائی چارگی پر زور دیتی ہیں، انسانیت کی تاریخ میں وہ دن بہت مبارک تھے جب اسلام کی قدریں غالب تھیں اس کے نتیجہ میں خوشحالی امن وسلامتی، تہذیب وتمدن اور علم وفن کے قافلوں نے صدیوں کی مسافت طے کی۔

گورباچوف نے ان کوششوں کی مذمت کی جو اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی غرض سے بعض مغربی لیڈروں جن کو میڈیا کا پورا تعاون حاصل ہے، کی طرف سے ہو رہی ہیں۔ انھوں نے اسے ایک خطرناک سیاست قرار دیتے ہوئے کہا اس سے عظیم فتنہ جنم لے گا۔ اور انسانی تاریخ پیچھے چلی جائے گی۔ انھوں نے سوال کیا کہ مسلمانوں کو کس منہ سے دہشت گرد کہا جا رہا ہے جب کہ خود یورپ اور مسیحی دنیا کے بہت سے ممالک میں دہشت گردی ایک مسئلہ بنتی جا رہی ہے، انھوں نے کہا روزانہ نئی نئی دہشت گرد تنظیموں کا انکشاف ہوتا ہے۔ جن کا تعلق مختلف مذاہب اور مختلف ممالک سے ہوتا ہے لیکن کیا ان کی وجہ سے ان قوموں کو بھی دہشت گرد قرار دیا جائے گا جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔

ا۔ ع۔ ن

پندرہ روزہ

تعمیر حیات

[illegible]

۵ جنوری ۱۹۹۵ء مطابق ۳ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ

جلد نمبر ۳۲

شمارہ نمبر ۶

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

[illegible]

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ——— ۵ روپے

——— بیرونی ممالک ہوائی ڈاک ———

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

——— ۲۵ ڈالر

——— بیرونی ممالک بحری ڈاک ———

بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں سہولت اور جلدی ہوتی ہے ——— منیجر

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر 93 ندوۃ العلماء لکھنؤ

ٹیلیفون 326687

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں۔

پرنٹر پبلشر [illegible] نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اشاریہ

اداریہ

پولیس چھاپے کے بعد

پولیس کے حملہ یا چھاپہ کے بعد متعدد قسم کے ردّعمل سامنے آئے، ملک کے تمام مسلمانوں نے عموماً اور شہر لکھنؤ کے مسلمانوں نے خصوصیت کے ساتھ اپنی دینی حمیت اور غیرت ملّی کا ثبوت دیا، ندوہ کے ذمہ داروں کے کسی ادنیٰ اشارہ کے بغیر انھوں نے ملک کے رواج کے مطابق حکومت کے خلاف اپنے غم وغصہ کا اظہار کیا، جامعہ ملیہ اور بڑی مرکزی درسگاہوں سے لیکر قصبات میں قائم شدہ چھوٹے چھوٹے مدارس نے بھی اس کو اپنا معاملہ سمجھا، بزرگانِ دین جو اس دور میں مسلّمہ طور پر یادگار سلف اہل اللہ میں شمار ہوتے ہیں، ان سب نے اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ندوہ کے ذمہ داروں کو اظہار شفقت و ہمدردی کے خطوط لکھے، ملک کے چوٹی کے دانشوروں، دیدہ ور سیاستدانوں، اور پختہ کار صحافیوں نے ندوہ کی حکمت عملی کی تعریف کی، اور مرکزی سراغ رسانی کے رویّہ کو نامناسب قرار دیا، ندوہ نے بیرون ممالک کوئی خبر نہیں بھیجی، اور نہ اندرون ملک کسی طرح کی تحریک کی، صرف ندوہ کے سرپرست اور ناظم حضرت مولانا کے تعلق سے عالم اسلام میں اس کی گونج سنائی دی گئی۔

اگر اس مقصد کے لیے کوئی کنونشن بلایا جاتا، جلسہ جلوس کا طریق کار اپنایا جاتا، نعروں اور بلند بانگ دعووں سے بھرپور تقریریں کی جاتیں، تجویزیں پاس کی جاتیں، اور سفارشات مرتب کی جاتیں، اس وقت بھی اس سے زیادہ نہ ہوتا، جو بغیر کسی سیاسی داؤ پیچ کے محض اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے ہوگیا۔ اور اس کے ساتھ تحفظ مدارس کے لیے خاموش مگر طاقتور انداز میں کام کرنے کے راستے نکل آئے۔ اور اب اسی حادثہ اور اس کے نتائج کے طفیل محکمۂ سراغرسانی کے لیے آسان نہیں رہا، کہ بغیر یقینی ثبوت کے فراہم کے ہوئے محض غلط رپورٹ پر اس طرح کا اقدام کرے۔ جس طرح ندوہ کے سلسلہ میں کیا،

دوسرا ردّعمل بھاجپا اور دوسری مسلم دشمن تنظیموں کی طرف سے ظاہر ہوا، وہ اپنی دوکان سیاست سجانے کے لیے بے تاب تھے، ان کے سازشی تصور میں ندوہ کے اندر اسلحہ تھا، طلباء نے گولیاں بھی چلائیں، جس کے جواب میں پولیس کو اپنی مدافعت کرنا پڑی، ملک کی سالمیت کے دشمن، قومی دھارے کے مخالف سرگرم عناصر کو پکڑ لیا گیا، مگر یہ سیاست بھی کامیاب نہیں ہوئی، سیاست کہیئے یا چالبازی یہ تھی کہ بابری مسجد کی طرح اس کو بھی ایک ہندو مسلم مسئلہ بنا دیا جائے، تاکہ ہندو ووٹ بینک مکمل طور پر بی۔ جے۔ پی اور اس کی ہمنوا پارٹیوں کے قبضہ میں آجائے بہرحال انھوں نے جو کیا اس کی توقع بھی تھی بلکہ انھوں نے ہماری توقع واندیشہ سے کم کیا، اگرچہ ابھی تک ان کا غصہ فرو نہیں ہوا ہے، مسلسل ایسے مراسلات اخباروں میں شائع ہو رہے ہیں جس سے ان کے بگڑے ہوئے تیور اور بپھری ہوئی آنکھوں کا عکس نظر آرہا ہے۔

یہ بھی ایک منجانب اللہ انتظام تھا کہ ہم ہر طرف سے حاصل ہونے والی تحسین وتائید سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں، اور اپنے اصلی سرمایۂ حیات سے غافل نہ رہیں، جو نہ صرف ہمارا بلکہ تمام اہل مدارس اسلامیہ کا سرمایہ ہے اور جس سے ہمیں زندگی کا خون ملتا ہے وہ ہے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع وانابت اور استغفار ودعا کی کثرت۔

لله ما أخذ وله ما أعطى ولا حول ولا قوة إلا بالله۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بلاغت نظام اپنے اندر ایک ایسا اثر انگیز ادبی مواد رکھتا ہے جس میں طاقتور انسانی جذبہ اور رقیق انسانی تاثر کی تصویر کشی اور ادبی رعنائی و برنائی پائی جاتی ہے اور جذبہ و تاثر کے یہ نقوش خاص طور پر آپ کی ان احادیث اور کلام میں زیادہ نمایاں ہیں جو فطری انسانی جذبات اور نفسیاتی حالات و کیفیات پر مشتمل ہے۔

یہ ادیبانہ طرز اور مؤثر و دلکش اسلوب ادبی دائرے میں بحث و نظر کے مستحق ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے فنی خصائص کے ذریعہ ان شریفانہ اغراض و مقاصد کی بھی خدمت کرتے ہیں جن کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانی دنیا میں بعثت ہوئی یعنی دعوت و تربیت اور ان سے متعلق امور میں بھی ان سے بڑی مدد ملتی ہے اسی لیے ادب نبوی کا یہ پہلو اس کا مستحق ہے کہ کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دلچسپی رکھنے والے ادبا و محققین خاص طور سے اس کی طرف توجہ کریں اور اس میں دلچسپی لیں کیونکہ یہ زندگی کے ایک اہم پہلو کی نمائندگی کرتا اور اسے دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اس پہلو کے بعض حصے اپنے پرائیویٹ اور نجی واقعات سے متعلق آپ کے اظہار خیال کے موقعہ پر اور آپ کے ساتھ پیش آنے والے مخصوص نفسیاتی نوعیت کے حامل معاملات میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ مؤثر اور والہانہ انداز میں آپ کی دعاؤں میں نمایاں ہیں۔

جہاں تک اجتماعی و معاشرتی مواقع کی بات ہے جو بعض بعض وقت جذباتی کیفیت کے حامل ہوتے ہیں تو آپ کی حیات طیبہ میں لوگوں کے ساتھ آپ کے اظہار رائے و اظہار تاثر کے مواقع پر اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں ملتی ہے، جو آپ نے وفد عبد القیس کی آمد کے موقع پر فرمایا تھا۔ عبد القیس ربیعہ کا ایک قبیلہ ہے اور ربیعہ قبیلہ کے اور آپ کے قبیلہ کے درمیان کشمکش اور چشمک مشہور و معروف رہی ہے اس چشمک کی موجودگی میں اس بات کا پورا احتمال تھا کہ ارکان وفد کے دلوں میں اگر ان کے ساتھ توجہ میں کمی، استقبال میں رواداری سے کام لیا گیا تو آزردگی پیدا ہو جائے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیفیت و نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا تدارک فرمایا، اور وفد کا استقبال ایسے جملہ سے کیا جو اس مورچل سے اچھی طرح عہدہ برآ ہو سکے، آپ نے فرمایا: "مرحباً بالقوم غیر خزایا ولا ندامیٰ" آیئے آپ لوگ آپ کو خوش آمدید ہے۔ آپ کو یہاں آکر نہ ناقدری کا احساس ہوگا و کمتری کا اور نہ آپ کو یہاں آکر کوئی افسوس ہوگا۔ اس طرح آپ نے ارکان وفد کے قلوب میں یہ اطمینان و اعتماد پیدا کیا کہ وہ معزز اور محترم ہیں ان کی آمد دوسروں کے لیے باعث مسرت ہے، ایسا نہیں ہے جیسا کہ پہلے تھا کہ غیر ہونے کے باعث کوئی توجہ و ہمدردی نہیں ملتی تھی۔

لہٰذا وہ اپنے آپ کو بے وطن اور دیار غیر میں تازہ وارد نہ سمجھیں اور غربت و بے توجہی کا احساس نہ کریں جس کا اہل عرب کے ایک قبیلے والے دوسرے قبیلے میں جا کر احساس کرتے تھے، ان کے لیے ایسا بھی نہیں کہ بعد میں وہ نادم ہوں کہ وہ ایسے شخص کے پاس گئے جس نے ان کا اکرام و احترام نہیں کیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت و طاقت کی ایسی پوزیشن میں تھے کہ آپ ان کے لیے صرف معمولی اہتمام ظاہر کرنے پر اکتفا فرما سکتے تھے اور کسی ایسے شخص یا وفد کی طرف سے جو آپ سے لینے اور فائدہ اٹھانے کے لیے آ رہا ہو۔ غیر معمولی حساسیت کی کوئی پرواہ نہ کرتے کیونکہ وہ لوگ طالب تھے اور آپ مطلوب وہ طلب و سوال کی پوزیشن میں تھے اور آپ عطا و بخشش کے مقام پر فائز تھے۔

ایک دوسری مثال بزرگ ایرانی صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لیے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ "سلمان منا أهل البيت۔ (سلمان ہم میں سے ہیں جیسے گھر کے افراد ہوتے ہیں۔) یہ جملہ اپنے اندر جہاں مکارم اخلاق کا ایک خوبصورت اور حسین مفہوم رکھتا ہے۔ وہیں دوسری جانب ایسی لفظی تعبیر پر مشتمل ہے جس سے اطمینان و اعتماد کا اشارہ ملتا ہے وہ لفظی تعبیر خاص طور پر "منا أهل البيت" کا کلمہ ہے اور پورا جملہ ادب نبوی کا شاہکار ہے۔ نیز اس جذباتی کیفیت سے بھی تعلق ہے۔ جو ان جیسے حالات میں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو سکتی ہے کیوں کہ حضرت سلمانؓ عرب نہ تھے، بلکہ ایرانی تھے اور ایرانیوں اور عربوں کے درمیان نسلی تعصب بڑھا ہوا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں نازک نفسیاتی جذبہ و کیفیت کی ایک مثال ہم اس وقت پاتے ہیں جب آپ نے اپنے محبوب چچا حضرت حمزہ

حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے صدمہ سے دوچار ہوتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے ساتھ لیا تعلق تھا، جس میں خاندانی وحدت وقرب سنی کا تعلق اور چچا بھتیجے کی محبت نے جذباتی ارتباط وہم آہنگی پیدا کردی تھی ایک طرف تو وہ آپ کے دودھ شریک اور ہمعمر تھے تو دوسری طرف آپ کے مشفق چچا تھے آپ کے ساتھ ان کی محبت وشفقت کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے جب یہ سنا کہ ابوجہل نے برسرعام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری کی ہے آپ کو ایذا پہونچائی ہے۔ اور سخت وسست کہا ہے تو انھیں سخت طیش آیا اور ان کا جوش غضب اپنی انتہا کو پہونچ گیا۔ اور انھوں نے عزیزترین بھتیجے کا انتقام لینے کے لیے ابوجہل کے ساتھ نہایت درشت معاملہ کیا اور ایسی چوٹ لگائی کہ اسے زخمی کردیا اور بھتیجے سے اپنا تعلق ثابت کرنے کے لیے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اعلان کردیا پھر اسکو نبھایا اور تاحیات اسلام اور پیغمبر اسلام کے لیے سینہ سپر رہے اور اپنی جوانمردی وشجاعت سے آپؐ کی مدد کرتے رہے حضرت حمزہؓ قریش کے ممتاز اور بہادر ترین نوجوانوں میں سے ایک تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے تعلق کی وجہ سے ان سے محبت فرماتے تھے، اور ان کو اپنا قوت بازو وسہارا، حامی ومددگار اور رفیق وانیس پاتے تھے،

یہی عظیم ومحبوب چچا غزوۂ احد میں اسلام کے لیے کارہائے نمایاں انجام دینے کے بعد جام شہادت نوش کرتے ہیں۔ دشمن ان کے جسم کی کاٹ پیٹ کردیتا ہے۔ ان کی نعش کے ساتھ اہانت کا معاملہ کرتا ہے اور ان کی شکل وصورت بگاڑ دیتا ہے اب اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حادثہ کا کتنا اثر ہوا ہوگا۔ اور آپؐ کے قلب اطہر کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی؟ جب کہ رقت ونرمی اور شفقت ومحبت آپؐ کے خمیر میں شامل تھی۔ اور یہ موقع آپؐ کی تکلیف اور احساس درد کے اعتبار سے سخت ترین موقعوں میں سے تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس دردناک واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی تلاش میں نکلے، چنانچہ آپؐ نے انہیں بر ساق نالہ (وادی) کے اندر اس حال میں پایا کہ انکا پیٹ چاک کرکے جگر نکال لیا گیا تھا اور ان کی لاش کا مثلہ کردیا گیا تھا۔ بایں طور کہ ان کی ناک اور دونوں کان کاٹ دیئے گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت حمزہؓ کی لاش پر پہونچے تو آپؐ نے فرمایا: میرے لیے اس حادثہ سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں۔ میرے دل کو تکلیف وغصہ اتنا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا، نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر مجھے (اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا) کا خیال نہ ہوتا کہ اس بات سے انھیں رنج ہوگا۔ اور میرے بعد یہ چیز سنت بن جائے گی۔ تو میں انھیں (حمزہؓ کو) یوں ہی بے گوروکفن چھوڑ دیتا، یہاں تک کہ انھیں درندے اور پرندے کھا لیتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی بھی لڑائی میں قریش پر غلبہ عطا فرمایا تو میں انکے تیسؔ آدمیوں سے بدلہ لوں گا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت تأثر کی وجہ سے یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔ لیکن چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے معاملۂ انتقام کے خلاف تھا اس لیے آپ نے اس پر عمل نہیں فرمایا، صرف اپنے الفاظ میں مقدار تأثر کا اظہار کیا تھا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر غزوۂ احد میں فتح وکامرانی حاصل کرلینے کے بعد بنی الاشہل سے تعلق رکھنے والے قبیلۂ انصار کے گھروں میں سے ایک گھر پر ہوا اور وہاں آپؐ نے نوحہ کرنے والیوں کا اپنے مقتولین پر گریہ وبکا اور نوحہ سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمہائے مبارک اشک آلود ہوگئیں اور آپؐ رو پڑے، پھر آپؐ نے درد بھرے لہجہ میں فرمایا: لکن حمزۃ لا بواکی لہ" لیکن حمزہؓ کے لیے رونے والے نہیں ہیں۔ چونکہ مہاجرین اپنے اپنے خاندانوں کے افراد کو مکہ میں چھوڑ کر آئے تھے لہٰذا مدینہ میں ان کے افراد خاندان گنے چنے تھے پردیس میں وطن جیسے اہل قرابت کی ہمدردی کہاں ہوسکتی ہے؟ چنانچہ حضرت حمزہؓ کے اہل خاندان بھی کم تھے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کے لیے غریب الوطنی کا اندازہ دیکھکر یہ ارشاد فرمایا، سوچنے کی بات ہے کہ رنج والم کے جذبات سے بھرے یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے، حالانکہ آپؐ نبی ہیں اور بشریت کی لغزش کلامی اور خلاف اولیٰ باتوں سے پاک ہیں، لیکن خوں چکاں مصیبت کے احساس نے آپؐ کو بے تاب کردیا۔ اس جملہ سے آپ کے رنجیدہ اور زخمی قلب کی تصویر کشی ہوتی ہے۔ ادھر انصار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احساس رنج اور آپ کے ارشاد گرامی کہ "لکن حمزۃ لا بواکی لہ" کا علم ہوا تو انھوں نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کی طرف نسبت کرکے اظہار غم کریں۔ بس پھر کیا تھا، ہر طرف حضرت حمزہؓ کے نام سے اظہار غم ہونے لگا۔ اور نالہ وغم کے الفاظ بلند ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان عورتوں کے مسجد کے دروازہ پر پہونچکر حضرت حمزہؓ کی شہادت پر اظہار غم کرتے سنا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ انصار پر رحم فرمائے۔ انھوں نے غمخواری میں دیر نہیں کی۔ عورتوں سے کہو کہ واپس چلی جائیں"۔

اور ابن کثیر کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے عورتوں سے فرمایا: تم لوگ واپس جاؤ، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، اللہ تعالیٰ کی قسم بہت ہو، تم نے اپنی طرف سے غمخواری کا حق ادا کردیا، اور

فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا تھا، اور نہ ہی میں اسے رونے کو پسند کرتا ہوں۔ اور پھر آپ نے اس سے منع فرمادیا۔

حضرت حمزہؓ کا قاتل حبشہ کا رہنے والا وحشی نامی ایک غلام تھا، اور اس نے یہ سب اپنی آزادی کے حصول کے لیے کیا تھا کیونکہ اس کے آقا ہی نے اسے اس کام پر آمادہ کیا تھا اور اس کے نتیجہ میں اسے آزادی دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وحشی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈر سے فرار ہوگیا تھا اور ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا، لیکن اسلام بلاد عرب میں تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اور اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ وحشی فرار سے تنگ ہوگیا اور اس کے لیے کوئی جائے فرار نہیں رہی تو لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اسلام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجائے۔ پھر آپ اس سے کوئی مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔ حضرت وحشی فرماتے ہیں کہ میں چلکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری آمد کا علم نہیں ہوا تھا۔ آپ اس وقت چونکے جب مجھے اپنے سرہانے کھڑا اور شہادت پڑھتا ہوا پایا، جب آپ نے مجھے دیکھا تو دریافت فرمایا: کیا تم وحشی ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں اے اللہ کے رسولؐ! فرمایا: بیٹھ جاؤ اور بتاؤ کہ تم نے حمزہؓ کو کس طرح شہید کیا تھا؟ وحشی کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے سامنے حضرت حمزہؓ کی شہادت کا منظر بیان کیا۔ اور جب اپنی بات سے فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے کو ایسا رکھو کہ تمہارے چہرے پر میری نظر نہ پڑے، اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب آپ نے مجھے دیکھا تو پوچھا: کیا تم وحشی ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: تم نے ہی حمزہؓ کو قتل کیا تھا؟ عرض کیا: آپ کو جو اطلاع پہونچی ہے صحیح ہے۔ تب آپ نے فرمایا: کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے دور رکھ سکتے ہو؟ وحشی کہتے ہیں کہ چنانچہ اس کے بعد سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھکر کترا جاتا تھا، اور جہاں آپ ہوتے وہاں نہیں جاتا تھا تاکہ آپ مجھے نہ دیکھ سکیں۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا غالباً اس خیال سے کہا کہ حضرت حمزہؓ کے قاتل کو دیکھ کر دل بیتاب ہوگا اور حضرت حمزہؓ کی شہادت کو یاد کرکے آپ کا غم تازہ ہوجائے گا اور حضرت وحشی ایک امتحان میں ان کو دیکھ کر ان سے دوری کا احساس ہوگا جو حضرت وحشی کے لیے دینی نقصان کا سبب بن سکتا ہے حضرت وحشی کو جو دینی نقصان ہوسکتا تھا اس سے محفوظ رکھنے کے لیے کہا ہو نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اس دردناک واقعہ کے ذمہ دار شخص کے تئیں اسکا سامنا ہونے اور اس واقعہ کو یاد کرنے سے پیدا ہونے والی نفسیاتی کیفیت کے اثر سے پہنچ سکتی تھیں!

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں حکیمانہ اور شیریں جذبہ اور نازک احساس کی ایک اہم مثال ہم آپ کی اس تقریر میں پاتے ہیں جو آپ نے غزوۂ حنین کے بعد جعرانہ کے مقام پر انصار کے سامنے فرمائی تھی۔ انصار رضی اللہ عنہم وہ قوم ہیں جنہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ ہجرت کے موقع پر آپ کا شاندار استقبال کیا اور آپ کی آپ کے قرابت داروں اور آپ کے مہاجر متبعین کی ضیافت اور مہمان نوازی کی۔ اور آپ کو جتنا استقبال محبت اور اکرام وہ کر سکتے تھے، انھوں نے کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام باتوں کا اعتراف بھی تھا، اور آپ ان کے ساتھ شفقت اور نرمی کا معاملہ فرماتے تھے اور اسی لیے انصار کے دل میں ایک خاص جذبہ پیدا ہونا فطری امر تھا جب انھوں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم کی تقسیم میں انصار کا حصہ اہل مکہ اور دوسروں کے حصہ سے بہت کم رکھا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے اس احساس کی خبر پہونچی تو آپؐ نے اس صورتحال کا خاتمہ ایک ایسے معجزانہ بلیغ خطاب کے ذریعہ کیا جو دنیا کے بہترین فنی اور ادبی شہپاروں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے آپ نے انصار کو ایک احاطہ میں جمع فرمایا اور ان کے سامنے ایک بلیغ نفسیاتی اسلوب میں تقریر فرمائی جس میں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیال اور ناراضگی کی پوری رعایت تھی۔

آپؐ نے اپنی اس تقریر میں ان کے سامنے مادی ساز و سامان کی حقارت اور بے وقعتی ظاہر کی جو ان کے اندر اس حساسیت کے ظہور کا سبب بنا تھا اور ان کی نظر اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام پر مبذول کرائی جو اس نے اپنے نبیؐ کی نصرت و حمایت اور ان میں اس عظیم رسولؐ کی بعثت، اور اس گمراہی سے نکال کر جو ان کے ضیاع و بربادی، اور ذلت و پستی کا سبب تھی۔ انہیں راہ ہدایت پر گامزن کرنے کے واسطہ سے ان پر فرمایا تھا۔ اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دلوں میں سابقہ احساس کے برعکس اس کے مخالف احساس پیدا فرمایا۔ جو سامان دنیا کی بے وقعتی اور ایمانی ثروت کی عظمت کا احساس تھا۔ اور آپؐ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ ایسی مؤثر تعبیر استعمال فرمائی کہ خود آپؐ نے اپنی زبان مبارک سے اور کلام معجز نظام سے ان کی نمائندگی فرمائی، اور اپنی مقدس ذات کو ان کے زمرہ میں شمار فرمایا۔

چنانچہ سب سے پہلے آپؐ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا:

"یا معشر الأنصار، ما هذه القالة التي بلغتني عنكم وجِدة وجدتموها علي في أنفسكم، أما

آتیتکم ضلالاً فهداکم الله بی، وعالة فاغناکم الله بی، واعداء فألف الله بین قلوبکم، قالوا: لله المن والفضل فقال، ألا تجیبونی یامعشر الأنصار، قالوا: بماذا نجیبك یارسول الله! الله المن والفضل، قال: والله لو قلتم لصدقتم ولصدقتکم، أتیتنا مکذبا فصدقناك، ومخذولاً فنصرناك، وطریداً فآویناك، وعائلاً فواسیناك

ترجمہ :-

اے گروہ انصار یہ کیسی چہ میگوئیاں ہیں جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہیں اور یہ کیسی ناراضگی اور خفگی ہے جو تم میرے خلاف اپنے دلوں میں پا رہے ہو، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب میں تمہارے پاس آیا تو تم گمراہ تھے راہ راست سے بھٹکے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہیں ہدایت دی تم اس وقت فقیر و محتاج تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہیں مالدار بنایا، تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، اور تمہارے قلوب میں ایک دوسرے کی محبت پیدا فرمادی، انصار نے عرض کیا: ہمیں اس کا اعتراف ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے، لیکن آپ نے ارشاد فرمایا: اے گروہ انصار! تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! ہم آپ کو کیا جواب دیں، آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ حقیقت ہے، بلکہ ہم اس سے گئے گزرے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، آپ نے فرمایا نہیں، اگر تم یہ کہو تو سچ کہو گے اور میں تمہاری تصدیق کروں گا کہ آپ کا ہمارے پاس جھٹلائے ہوئے آئے تو ہم نے آپ کی تصدیق کی لوگوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تو ہم تے آپ کی مدد کی، آپ کو دھتکارا اور جلاوطن کیا گیا تو ہم نے آپ کو پناہ دی، آپ محتاج و مفلس تھے، تو ہم نے اپنے مال میں آپ کو حصہ دیا۔

ملاحظہ فرمائیے، انصار کے ساتھ عتاب و خفگی اور ان کے قلوب کی اصلاح و درستگی کے موقع پر اس نرمی و ملاطفت کا کیا اثر ہوا ہوگا۔ آپ نے خود کو ان کے اندر شامل فرمایا اور ان کے احساسات و جذبات کا ایک جزو بن گئے اور اس کے ذریعہ آپ نے غیریت اور دوئی کی ان نفسیات پر اثر ڈالا اور اس پر روک لگائی جو ان کے اندر پیدا ہو چکی تھیں، یا پیدا ہونے کے قریب تھیں۔ اور جب آپ نے دیکھ لیا کہ قلوب مکمل ہم آہنگی اور موافقت کے لیئے تیار ہو چکے ہیں۔ تو آپ نے انکے حساس قلب کے تار پر محبت بھری پُر اثر ضرب لگائی، اور فرمایا :۔

یامعشر الأنصار أوجدتم علی فی لعاعة من الدنیا تألفت بها قوما لیسلموا، ووکلتکم إلی إسلامکم اماترضون یامعشر الأنصار أن یذهب الناس بالشاة والبعیر إلی رحالهم وترجعون برسول الله صلی الله علیه وسلم إلی رحالکم والله لولا الهجرة لکنت امرأ من الأنصار، ولوسلك الناس شعبا وادیا وسلکت الأنصار شعبا وادیا لسلکت شعب الأنصار وادیها، الأنصار شعار والناس دثار، اللهم ارحم الأنصار، وأبناء الأنصار وابناء ابناء الأنصار۔

اے گروہ انصار! کیا تم مجھ پر دنیا کی معمولی اور حقیر شئی کے بارے میں ناراض اور خفا ہو جس کے ذریعہ میں نے کچھ لوگوں کی تالیف قلب کی تاکہ وہ اسلام لائیں۔ اور تمہیں میں نے تمہارے اسلام کے حوالہ کیا اور تمہارے اسلام پر اعتماد کیا اے گروہ انصار کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ اور لوگ تو بکریاں اور اونٹ لیکر اپنے گھروں کو واپس جائیں اور تم خود اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لیکر اپنے گھروں کو واپس جاؤ، خدا کی قسم اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا اور اگر لوگ ایک راستہ اور وادی پر چلیں اور انصار دوسرے راستہ اور وادی پر چلیں تو میں انصار کے ہی راستہ اور ان کی وادی پر چلوں گا۔ انصار میرے بہت قریبی ہیں اور دوسروں کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ انصار کی حیثیت بدن سے متصل اور چپکے رہنے والے کپڑے کی ہے جو کسی حال میں بدن سے جدا نہیں ہوتا۔ اور دوسروں کی حیثیت اس کے اوپر پہنے ہوئے کپڑوں کی ہے جو ضرورت نہ رہنے پر بدن سے الگ کر دیا جاتا ہے۔

اے اللہ! تو انصار پر، انصار کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔

اللہ اکبر! ان جملوں کا کتنا زبردست اثر ہوگا۔ یہ ایسے جملے ہیں جو پتھروں کو موم کر دیں، اور ان سے پانی ابلنے لگے، تو بھلا ہمارے بزرگ انصار ان سے کیوں متاثر نہ ہوتے، چنانچہ ان پر یہ اثر ہوا کہ ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے، ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور وہ چلا اٹھے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اور حصہ پر راضی ہیں۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حدیث، خطبہ اور دعا کی اپنی مختلف قسموں کے ساتھ شعوری، جذباتی اور نفسیاتی کیفیات کا حامل ہے

(باقی صفحہ 16 پر)

بہار کے اس موسم میں

شمس الحق ندوی

یہ ماہ مبارک کا موسم بہار ہے، بھوک، پیاس، صبر و تحمل، غیر ضروری باتوں سے اجتناب و احتراز، اپنی زندگی کے بیتے ہوئے دنوں کا احتساب و جائزہ، جو کھو چکے اس پہ ندامت و افسوس، ندامت کے آنسو بہانے اور توبہ و استغفار کے پانی سے دھونے کا یہی سنہرا موقع ہے، جب باران رحمت و مغفرت کی جھڑی لگی ہوئی ہے اور جہنم سے نجات و آزادی کا بھی اعلان ہے حدیث پاک کے مطابق

"یا باغی الخیر اقبل و یا باغی الشر ادبر"

(اے خیر و بھلائی کے طلب کرنے والے خیر کی طلب میں لگ جا اور اے برائی کے کرنے اور چاہنے والے تو پیچھے ہٹ جا، برائی سے باز آ۔)

کی صدا گونج رہی ہے۔

یہ ذکر و تلاوت اور داد و دہش کا مہینہ ہے اب تک جو بھول چوک ہو چکی ہو اس پر شرمساری اور آہ و زاری، یہی اس ماہ مبارک کی قدر دانی ہے، کوتاہی اور گناہ کی مختلف شکلیں ہیں، دین کے کسی حکم کو توڑنا بھی گناہ ہے، فرد کا فرد کی حق تلفی کرنا، حق مارنا یہ بھی جرم و گناہ ہے، اپنے فرائض و ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا یہ بھی گناہ ہے لیکن فرد یا جماعت کا کچھ ایسے کام کرنا جس سے امت کے اتحاد و طاقت کو نقصان پہونچتا ہو، یہ گناہ عظیم ہے، اس وقت جب کہ ماہ مبارک کی برکات سے ہمارے قلوب کو یک گونہ یکسوئی اور رضائے مولی کی تلاش و جستجو کا شوق و جذبہ حاصل ہے خدا کے نام پر بھوک پیاس، ذکر و تلاوت، تراویح و تہجد نے قلوب کو نرم کر دیا ہے۔

ہم ہر پہلو سے اپنی زندگی کا جائزہ لیں، اپنے دینی کاموں اور سرگرمیوں پر بھی نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اس میں کتنا حصہ خدا کی رضامندی اور دین کی سربلندی کا ہے اور کتنا نام و نمود اور ہوس اور خود نمائی کا ہے یا اپنے سطحی اغراض و مقاصد کا ہے جو دین کے رنگ میں خالص دنیا ہے، ان مبارک گھڑیوں میں اپنے حالات و اعمال، نیتوں اور ارادوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر اس رخ کو متعین کر لینا جس میں خدا کی رضامندی ہے، امت کا مفاد عام اور زندگی کا پیغام مضمر ہے، عین دانش مندی ہے اور جائزہ کے بعد حقیقت آشنا ہونے کے بعد یہ سوچنا کہ لوگ کیا کہیں گے اگر ہم پیچھے ہٹے اور اپنی رائے بدلی تو ہماری توہین ہوگی، بڑی ناسمجھی و نادانی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عبداللہ ابن قیس رض کو ہدایت دیتے ہوئے لکھا تھا۔

"ولا یمنعک قضاء قضیتہ الیوم فراجعت فیہ نفسک وھدیت فیہ لرشدک أن ترجع عنہ فإن الحق قدیم ومراجعۃ الحق خیر من التمادی فی الباطل۔"

ایسا معاملہ جس کا آج تم نے فیصلہ دے دیا لیکن دوبارہ غور و فکر کے بعد صحیح صورت حال اور حق بات سمجھ میں آگئی تو اب کل کے غلط فیصلہ پہ قائم نہ رہو بلکہ اس کو رد کر دو کہ حق دائمی اور قدیم ہے اور حق کو اپنا لینا باطل میں پڑے رہنے سے بہتر ہے۔

یہ حکم نامہ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا لیکن یہ ایسی اصولی بات ہے جو ہر طالب حق کے لئے سنگ میل اور منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے اگر ہم غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے کہ اب تک جو سمجھا تھا وہ غلط تھا تو پھر یہ نہ سوچنا چاہئے کہ اگر اب ہم اپنی رائے بدلیں گے تو لوگ ہم کو کیا کہیں گے، خدا کے یہاں لوگوں کے کہنے نہ کہنے کا اثر نہ ہوگا بلکہ وہاں تو معاملہ حق ہی کے حق میں ہوگا، باطل رد کر دیا جائے گا اور یہ وہ وقت ہوگا جب تلافی کا موقع ہاتھ سے جا چکا ہوگا، ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک شخص جب حقیقت پسندی سے کام لیتا ہے تو اس کا ضمیر آواز دیتا ہے کہ تمہاری رائے اور فیصلہ غلط ہے، تم جس کی رائے کو غلط سمجھ رہے تھے اس کی رائے صحیح ہے مگر یہ شخص صرف اس وجہ سے اپنی رائے سے رجوع نہیں کرتا کہ اس کی انا کو ٹھیس لگے گی، حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو خدا کی رضا کی خاطر جھکے گا خدا اس کو اٹھائے گا، بلند کرے گا۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

"من تواضع للہ رفعہ اللہ"

دینی و ملی مسائل میں نظریاتی و فکری اختلاف کا بھی یہی صورت ہے کہ اگر ہمارا کوئی فکر و نظریہ غلط ثابت ہو جاتا ہے اور ہم حقیقت آشنا ہو جاتے ہیں تو پھر اخلاص کا اور خدا کی رضا جوئی اور قوم و ملت کے مفاد کا تقاضا ہے کہ ہم بلا پس و پیش اپنے فکر و نظریہ

کی غلطی تسلیم کرکے دوسرے کے صحیح فکر و نظریہ کو مان لیں کہ دینِ اسلام کی یہی اصل روح ہے جس طرح غلط کام کرنا قوم و ملت کے مفاد کے خلاف کوئی اقدام کرنا جرم و گناہ ہے، اسی طرح غلط کام کرنے والے اور ایسا اقدام کرنے والے کی تائید و حمایت بھی گناہ ہے جس سے دین و ملت کو نقصان پہونچ رہا ہو، اگر ہم کبھی ناواقفیت و نادانی سے ایسی غلطی میں مبتلا ہو جائیں اور پھر حقیقت سمجھ میں آ جائے تو فوراً اس سے باز آ جانا چاہئے، غلط بات کی تاویل لوگوں کو تو دھوکا دے سکتی ہے لیکن وہ دن آ کے رہے گا جب ساری تاویلات و ملمع سازی کا رنگ و روغن اتر جائے گا اور حقیقت اپنے اصل روپ میں سامنے کر دی جائے گی۔

دنیا کا فنا ہونا اور قیامت کا آنا یقینی ہے کب آئے گی اس کو اللہ تعالیٰ نے نہیں بتلایا تاکہ ہر انسان کو اس کے عمل کا بدلہ دے اور بدلہ ویسا ہی ہوگا جیسا عمل ہوگا "الجزاء من جنس العمل"، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو کھول کر بیان کر دیا فرمایا:

"إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ" (طٰہٰ)

قیامت یقیناً آنے والی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تاکہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلہ پائے۔

رمضان المبارک میں اگر بھوک پیاس، صبر و ضبط، حلم و بردباری اور طبیعت کی ناگواری کو جھیلنا اس لئے ہے کہ کہیں ہمارا روزہ نہ خراب ہو جائے تو اس کی مشق ہے کہ مسلمان حق پر قائم رہے اور حق کی خاطر ہر دشواری بلکہ کبھی ذلت و خواری تک کو گوارہ کر لے لیکن حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی خصوصاً ہمارے لئے اسوۂ کاملہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ جھیل لیا لیکن حق کی جو صدا لگائی تھی اس سے پیچھے نہیں ہٹے، مکی زندگی کا سب سے نازک اور کٹھن وقت وہ تھا جب کفارِ قریش نے آپ کے چچا ابو طالب سے آخری شکایت کی کہ "آپ اپنے بھتیجے کو روکئے ورنہ پھر ہم ان سے اور آپ سے سمجھ لیں گے اور ابو طالب نے فرمایا بھتیجے! ذرا اپنی جان کا بھی خیال کرو اور میری جان کا بھی، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو اٹھا نہ سکوں۔"

چچا کی باتیں سن کر آپ کی آنکھیں پر نم ہو گئیں کہ رہا سہا سہارا بھی ٹوٹ گیا۔ لیکن آپ کے عزم و ارادہ میں کوئی ادنیٰ کمزوری نہیں پیدا ہوئی بلکہ بہت کھل کر کہا:

"چچا جان! اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کرے، یا میں اس راستہ میں ہلاک ہو جاؤں تب بھی میں باز نہ آؤں گا۔"

مصر کے مشہور صاحبِ قلم اور ادیب نقاد استاذ محمود العقاد نے مکی زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے مکی زندگی کو اسلام کی اہم خصوصیات کی دلیل کے طور پر اس طرح بیان کیا ہے۔

آپ کی مکی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ "بڑھتے ہوئے قدم کو پیچھے نہ ہٹانا چاہئے، چاہے وہ آگے نہ بڑھ سکے، حق پر جمے رہنا چاہئے نفس اس کی مخالفت کا کتنا ہی شیدائی ہو، غلط کو غلط ہی سمجھنا خواہ اس کو حکومت و تسلط ہی کیوں نہ حاصل ہو، باطل کے مقابلہ میں ڈٹے رہنا چاہئے اس کو غلبہ و قبولِ عام ہی کیوں نہ حاصل ہو، لوگوں کو خیر کی دعوت دیتے رہنا گو اس کے جواب میں تکلیف و ایذا ہی سے کیوں نہ دوچار ہونا پڑے، فرض کو فرض سمجھ کر ادا کرتے رہنا، چاہے اس کا نتیجہ سامنے نہ آئے، پوری کو ذمہ داری سمجھ کر انجام دیتے رہنا چاہے اس کا کوئی بڑا فائدہ نہ دکھائی دے، مردِ مومن کا انہی صفات پر قائم رہنا ہی اس کا طرۂ امتیاز اور تمغۂ جواں مردی ہے چاہے اس کے گرد و پیش کی ہر ہر شئی اس کو بہیں ڈالنا چاہتی ہو۔"

اگر ہم صحیح معنوں میں مسلمان ہیں اور حقیقت اسلام نہ صرف یہ کہ ہمارے دل میں اتر گئی ہے بلکہ رگ و ریشہ میں رچ بس گئی ہے تو ہمارا بھی یہی کردار و کیریکٹر ہونا چاہئے کہ حالات خواہ کتنے ہی مخالف ہوں ہم اپنی اسلامیت پر مومنانہ صفات و کردار پر قائم رہیں، اگر ہم اپنی ناتجربہ کاری، کم علمی یا غلط ماحول سے متاثر ہو کر کوئی غلط کام کر چکے ہوں تو حقیقت عیاں ہونے کے بعد فوراً اس سے رجوع کر لیں اور حق کی طرف لوٹ آئیں۔

عام زندگی اور معاشرہ میں، گھر اور خاندان میں مدرسہ اور خانقاہ میں جہاں بھی کسی کی کوئی حق تلفی ہو تو فوراً اسلامی تعلیمات کے آئینہ میں اپنی تصویر دیکھ کر اس کو درست کر لیں۔ اگر ہم کسی مل یا فیکٹری یا کارخانے کے مالک ہیں، کچھ مزدور اور ورکر ہمارے ماتحت ہیں تو ان کے بھی حقوق کا خیال رکھیں، ہم جہاں رہتے ہیں وہاں کچھ اور لوگ بھی رہتے ہیں، ان میں مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی، ان کے ساتھ ہمارا سلوک و برتاؤ وہی ہونا چاہئے جو اللہ کے رسولؐ نے بتایا بلکہ برت کر دکھایا ہے، ہم دنیا کی دوسری قوموں کے لئے نمونہ اور روشنی تھے ہمارے اخلاق و معاملات سے متاثر ہو کر دوسری قومیں اسلام لاتی تھیں مگر اب اس حال کو پہنچ گئے ہیں کہ میر درد کا یہ شعر بڑے درد کے ساتھ پڑھنا پڑتا ہے ۔

ہر چند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول
منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

فضائل و مسائل

رمضان المبارک

ماہ رمضان کی فضیلت و عظمت

رمضان شریف اسلام میں ایک نہایت ہی مقدس اور برگزیدہ مہینہ ہے اس کی سب سے بڑی اور بنیادی عبادت روزہ ہے جو نفس کو مانجھنے اور صاف کرنے میں خاص اثر رکھتا ہے، اس مبارک مہینے میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے۔

رمضان شریف کا خاص مشغلہ تلاوت قرآن حکیم اور اپنے اوقات کو یاد خداوندی سے بھرپور رکھنا ہے، روزہ میں جھوٹ، غیبت، چغل خوری وغیرہ معاصی روزہ کو کالعدم اور روزہ دار کو قریب بہ ہلاک کر دیتے ہیں جس سے بچنا ضروری ہے۔

روزہ میں نیت کی ضرورت

روزہ میں نیت شرط ہے (نیت کے معنی دل کے ارادہ کے ہیں) اگر روزے کا ارادہ نہیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہیں ہوگا۔

رمضان کے روزے کی نیت نصف دن شرعی سے پہلے تک کر سکتا ہے بشرطیکہ صبح صادق کے ہونے کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو، اور کوئی کام جو روزہ کا مفسد ہو نہ کیا ہو اس کے بعد اگر نیت کرے گا تو معتبر نہ ہوگی۔ زبان سے نیت کرنی فرض نہیں لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ سحری کھانا کھا کر اس طرح نیت کر لیا کرے۔

"بِصَومِ غَدٍ نَوَيتُ مِن شَهرِ رَمَضَانَ"

اگر افطار کے وقت ہی اگلے روزے کی نیت کرلی تب بھی جائز ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ صبح صادق ہونے سے پہلے تک کھانا پینا وغیرہ بلاشبہ درست ہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

جن چیزوں سے روزہ نہیں جاتا

بھول کر کھانا پینا روزہ کو نہیں توڑتا، بلا اختیار حلق میں گرد و غبار یا مکھی مچھر چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، آٹا پیسنے والے تمباکو کوٹنے والے کے حلق میں جو آٹا وغیرہ اڑ کر جاتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کان میں پانی چلا جائے یا خود بخود قے آئے یا خواب میں غسل کی حاجت ہو جائے یا قے آ کر خود بخود لوٹ جائے ان سب باتوں سے روزہ نہیں جاتا، اور کچھ خلل نہیں آتا، آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں جاتا، خوشبو سونگھنے سے کچھ خلل نہیں آتا، بلغم یا تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر قصداً قے کی مگر تھوڑی سی (یعنی منہ بھرے کم) تو روزہ نہیں جاتا، تھوڑی سی قے آئی اور قصداً لوٹا کر نگل گیا تو اس میں اختلاف ہے، اگر روزہ میں کوئی بھول کر کھا پی رہا ہے اور قوی و تندرست ہے تو اس کو یاد دلا دینا ضروری ہے، اگر ضعیف و ناتواں ہے تو نہ یاد دلانا درست ہے، اگر خود بخود یا مسواک وغیرہ کرنے سے دانتوں سے خون نکلے لیکن حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آتا، اگر خواب میں یا صحبت کرنے سے رات کو غسل کی حاجت ہوئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہ کیا تو روزے میں خلل نہیں آتا، اگر دن کو سوتے ہوئے غسل کی حاجت ہوگئی تو روزہ میں ذرا بھی نقصان نہیں آتا۔ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن دماغ اور معدہ میں اگر براہ راست کوئی دوا وغیرہ پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

جن چیزوں سے قضا واجب ہوتی ہے

کان یا ناک میں دوا ڈالنا قصداً منہ بھر قے کرنا، منہ بھر قے آئی تھی اس کو نگل جانا یا کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا یہ سب چیزیں روزے کو توڑنے والی ہیں مگر صرف قضا آئے گی کفارہ واجب نہیں۔ کنکر یا لوہے، تانبے وغیرہ کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں، یا رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھائی تو اس روزے کی قضا واجب ہوگی۔ دن باقی تھا غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا روزہ کھول لیا تو صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں، جان بوجھ کر بدن چھونے کے صحبت کرنا، کھانا پینا، روزہ کو توڑتا ہے اور قضا بھی آتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے، اس کی طاقت نہ ہو تو ۶۰ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا۔

جن چیزوں سے روزہ مکروہ ہوتا ہے اور جن چیزوں سے مکروہ نہیں ہوتا

بلا ضرورت کسی شے کو چبانا، نمک وغیرہ کا ذائقہ چکھ کر تھوک دینا مکروہ ہے،

قصداً منہ میں تھوک اکٹھا کر کے نگل جانا مکروہ ہے، تمام دن ناپاک رہنا سخت گناہ ہے اور روزہ مکروہ ہو جاتا ہے، فصد کرانا پچھنے لگوانا روزہ میں مکروہ ہے، غیبت، بدگوئی، لڑائی جھگڑا روزے کو مکروہ کر دیتے ہیں اور ثواب بہت کم رہ جاتا ہے، مسواک کرنا، سر یا مونچھوں پر تیل لگانا مکروہ نہیں، اگر بیوی کو اپنے خاوند یا نوکر کو اپنے آقا کے غصہ کا اندیشہ ہو تو کھانے کا نمک چکھ کر تھوک دینا مکروہ نہیں، آنکھ میں دوا ڈالنا مکروہ نہیں۔

روزہ نہ رکھنے کی اجازت

اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو رمضان میں روزے نہ رکھے، تندرست ہو جانے پر قضا کرے، اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہے تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے، پھر قضا رکھے، حاملہ کو اگر بچے یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے، اپنے یا غیر کے بچے کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ضرر ہو تو قضا کر لینا جائز ہے۔ ہمارے نواح کے ۳۶ کوس یعنی ۴۸ میل (۷۷ کلومیٹر) کا سفر یا اس سے زیادہ سفر شرعی کہلاتا ہے، یعنی ایسے سفر میں مسافر کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے واپس آنے کے بعد قضا کرے اگر کوئی مسافر دوپہر سے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور اب تک کچھ کھایا پیا نہیں تو اس پر واجب ہے کہ روزہ پورا کرے کیونکہ اب سفر کا عذر باقی نہیں رہا، اگر کوئی شخص کسی تیز سواری یا ریل میں تین گھنٹے میں ۷۷ کلومیٹر پہنچ جائے گا تو اس کے لئے بھی سفر رخصت یعنی نماز کا قصر اور افطار کی اجازت حاصل ہو جائے گی، بہت بوڑھا ضعیف جس کو روزہ میں نہایت شدید تکلیف ہوتی ہے روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر (وزن انگریزی) یا ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم ایک مسکین کو دے لیکن اگر کبھی طاقت آ جائے گی تو قضا ضروری ہوگی، عورت کو اپنے نسوانی عذر یعنی حیض کے ایام میں روزہ رکھنا جائز نہیں، اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے روز تک کا خون آئے جب خون بند ہو جاوے روزہ رکھنا چاہئے اور رمضان شریف کے بعد ان دنوں کے روزوں کی قضا ضروری ہے جن دنوں یہ عذر رہا ہے، جن لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے ان کو بلا تکلف سب کے سامنے کھانا پینا نہیں چاہئے بلکہ تعظیم رمضان المبارک لازم ہے۔

روزہ توڑنا اور اس کی قضا:

فرض روزے کو بلا کسی شدید تکلیف اور قوی عذر کے توڑنا جائز نہیں لیکن اگر سخت بیمار ہو گیا کہ اگر روزہ نہ توڑے تو جان کا اندیشہ غالب ہے، یا بیماری بڑھ جانے کا احتمال قوی ہے یا ایسی شدید پیاس لگی ہے کہ مر جائے گا تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے، اگر کسی عذر سے روزے قضا ہو گئے ہوں تو جب عذر جاتا رہے تو جلد ادا کر لینا چاہئے، کیونکہ زندگی کا بھروسہ نہیں کیا خبر موت آ جائے اور فرض ذمہ رہے، خلاصہ بیمار کو مرض سے صحت پانے کے بعد اور مسافر کو سفر سے آنے کے بعد جلد ادا کر لینا چاہئے۔ قضا رکھنے میں اختیار ہے کہ متواتر (یعنی لگاتار رکھے) یا جدا جدا متفرق، اگر قضا رکھنے کا وقت پایا لیکن بغیر ادا کئے مر گیا تو مناسب ہے کہ وارث ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم صدقہ کریں اور اگر مال چھوڑ گیا ہے اور روزہ کی وصیت کر گیا ہے تو ادا کرنا لازم اور واجب ہے۔

سحری کھانے کا بیان اور فضیلت

روزے کے لئے سحری کھانا مسنون ہے اور باعث ثواب ہے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "سحری کھایا کرو کہ اس میں برکت ہوتی ہے" یہ ضروری نہیں کہ پیٹ بھر کر کھائے بلکہ ایک دو لقمہ یا چھوارے کا ٹکڑا یا دو چار دانے چبائے تب بھی ثواب پائے گا، افضل اور بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصے میں صبح صادق ہونے سے ذرا پہلے کھائے اور اگر دیر ہو گئی اور گمان غالب یہ ہے کہ صبح ہو گئی اور کچھ کھا لیا تو شام تک رکنا اور پھر قضا رکھنا لازم ہے اور اگر کسی مرغ یا مؤذن نے صبح صادق سے پہلے اذان دے دی تو سحر کھانے کی ممانعت نہیں جب تک صبح صادق نہ ہو جائے بلا تکلف کھاؤ پیو۔

افطار

آفتاب غروب ہو جانے کے بعد افطار میں دیر نہ کرنی چاہئے البتہ جس روز ابر ہو تو احتیاط کے لیے دیر کرنا بہتر ہے، کھجور یا خرما سے افطار کرنا مسنون اور باعث ثواب ہے اور یہ نہ ہو تو پانی بہتر ہے، آگ کی پکی ہوئی چیز خلاً روٹی چاول کھیر وغیرہ سے افطار کرنے سے ہرگز کراہت اور نقصان روزہ میں نہیں آتا۔

البتہ بہتر یہ ہے کہ کوئی پھل وغیرہ دوسری چیز ہو اور خرما و کھجور وغیرہ سب سے افضل ہے اگر کسی دوسرے کی دی ہوئی چیز سے روزہ افطار کرو گے تو ثواب ہرگز کم نہ ہو گا، اس کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ثواب عطا فرمائے گا پھر تم اس کو واپس کر کے کیوں بخیل کہلاتے ہو، البتہ یہ طعام اور مشتبہ ہو تو ہرگز قبول نہ کرو، یہ حدیث دقیقہ سے ثابت ہے اگر روزہ افطار کر سکا اور کھانے

(باقی ص ۲۸ پر)

مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ

کسب دنیا کا حکم

اسلام نے ایک مسلمان پراتنے حقوق اللہ اور حقوق العباد عائد کردیئے ہیں کہ ترک دنیا کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی مثلاً انفاق فی سبیل اللہ صدقہ وخیرات، اہل وعیال، اعزہ واقربا، غربا ومساکین اور قوم وملت کے حقوق کی ادائیگی، اور ان کی امداد واعانت کسب دنیا کے بغیر ناممکن ہے، اس لئے دین اور آخرت کی فکر کے ساتھ کسب دنیا بھی ضروری ہے:

"وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا"

(قصص - ۸)

خدا نے تم کو جو کچھ دے رکھا ہے اس میں دار آخرت کی بھی فکر کرتے رہو، اور دنیا سے تمہارا جو حصہ ہے اس کو فراموش نہ کرو۔

طلب معاش کا حکم:-

"فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ" (جمعہ - ۲)

خدا کے فضل (معاش) کی تلاش کے لئے زمین پر پھیل جاؤ۔

"وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ" (بنی اسرائیل - ۱)

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا رات کی نشانی کو ماند کردیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا، تاکہ تم اپنے رب کا فضل (معاش) تلاش کرو، اور تاکہ برسوں کی گنتی، اور حساب کو جانو۔

"رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا"

(بنی اسرائیل - ۲)

تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں جہازوں کو چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو، وہ تم پر مہربان ہے۔

حتی کہ حج کے ایام میں بھی تجارت وغیرہ کے ذریعہ کسب معاش کی اجازت ہے۔

"لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ" (البقرہ - ۲۵)

(حج کے ایام میں) اپنے رب کا فضل (حصول معاش) حاصل کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

حدیثوں میں کسب معاش اور دنیاوی جدوجہد کے اس سے زیادہ صریح احکام ہیں:

"اعمل لدنیاك كانك تعیش ابداً واعمل لآخرتك كانك تموت غداً"[1]

اپنی دنیا کے لئے اس طرح کام کرو گویا تم کو ہمیشہ دنیا میں رہنا ہے، اور اپنی آخرت کے لئے اس طرح کام کرو گویا تم کو کل ہی مرنا ہے۔

"اعمل عمل امرئ یظن ان لن یموت ابداً واحذر حذر امرئ یخشی ان یموت غداً"[2]

اس آدمی کی طرح دنیاوی کاموں کو مستعدی سے انجام دو، جو یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کبھی نہیں مرنا ہے اور اس آدمی کی طرح خوف واحتیاط کرو جس کو اندیشہ ہے کہ کل ہی مرجائے گا۔

"اعظم الناس هماً المومن الذی یهتم بامر دنیاه وامر آخرته"[3]

سب سے زیادہ عالی ہمت وہ ہے جو اپنی دنیا اور آخرت دونوں کے معاملے میں پوری توجہ سے کام لے۔

"اجملوا فی طلب الدنیا فان کلا میسر لما خلق له"[4]

دنیا کی طلب خوبی کے ساتھ کرو جس کا جو حصہ مقرر ہو چکا ہے، وہ ضرور ملے گا۔

"طلب الحلال فریضة بعد الفریضة طلب الحلال واجب علی کل مسلم"[5]

مذہبی فرائض کی ادائیگی کے بعد رزق حلال کی طلب فرض ہے، حلال روزی کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔

"والذی نفسی بیده لان یاخذ احدکم حبله فیحطب علی ظهره خیر له من ان یاتی رجلا فیساله اعطاه او منعه"

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ بات کہ تم میں سے کوئی شخص رسی لے اور لکڑی کا گٹھا باندھ کر اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے اس کے لئے اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی کے پاس جاکر سوال کرے اور وہ اس کو دے یا نہ دے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک انصاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کچھ مانگا، آپ نے ان سے پوچھا تمہارے گھر میں کوئی چیز ہے، انھوں نے کہا ہاں ایک ٹاٹ ہے

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

عورت کی آزادی کے لئے عورت کی غلامی ناگزیر

:- جعفر مسعود حسنی ندوی :-

یورپ وامریکہ میں عورت کی آزادی کی تحریک چلانے والے بڑے زور وشور سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ عورت کا اپنی صلاحیتوں کو گھر کی چہار دیواری تک محدود رکھنا، گھریلو مسائل میں اپنے کو الجھا دینا، اپنی توانائی کا بڑا حصہ خاندانی معاملات نمٹانے میں صرف کردینا کھانا پکانے، بچوں کی نگہداشت کرنے، گھر کی صفائی ستھرائی کا اہتمام کرنے کو اپنی زندگی کا حقیقی مقصد سمجھ لینا اور پھر اس دائرہ سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا یہ وہ بنیادی اسباب ہیں جن کی وجہ سے ہمارا موجودہ معاشرہ ترقی کے وہ مراحل طے نہیں کر پاتا جو اب تک اس کو طے کرلینا چاہیئے تھے، ترقی کی راہ میں مردوں کی جو خدمات ہیں اگر اتنی ہی خدمات عورتوں کی بھی ہوتیں اور عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ معاشرہ کی ترقی کے لئے کوشاں نظر آتیں، اور گھر سے نکل کر دفتروں، ہسپتالوں، ریلوے اسٹیشنوں، ہوائی اڈوں اور دوسری ان تمام جگہوں پر جہاں زیادہ تر کام کرنے والے مرد ہی دکھائی دیتے ہیں ان کا ساتھ دیتیں تو ترقی کی رفتار اس سے کہیں زیادہ تیز ہوتی جتنی کہ آج ہے۔

یہ ہے وہ بات جو مغربی حلقہ سے بڑے زور وشور سے کہی جارہی ہے، لیکن اس کا جواب بھی اسی حلقہ کی بعض ان خواتین نے دیا ہے جنھوں نے اس تحریک کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے گھر سے ناطہ توڑا، بچوں کو آیا کے حوالہ کیا، اپنی نسوانیت کا گلا گھونٹا، ممتا کو پاؤں تلے روندا، اور آزادی حاصل کرنے اور ترقی کی راہ طے کرنے کے لئے سب کچھ کر گذرنے کا عہد کیا، لیکن آزادی کی ان دلدادہ خواتین کو آزادی کے شوق نے مزید غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا اور ترقی کی راہ پر گامزن ان بیگمات کو ان کی ترقی پسندی نے کچھ اور پیچھے ڈھکیل دیا، پہلے تو وہ صرف شوہر کی غلام تھیں لیکن اب انھوں نے اپنی گردنوں میں طوق ڈالا اپنی متنوع خواہشات کی غلامی کا، اپنے باس کی ماتحتی کا، گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے فیشن کو اپنانے کا، مردوں کو اپنے سے برتر سمجھنے، ان کے اشاروں پر ناچنے، ان کے کہنے پر اپنے کو ہلاکت میں ڈالتے اور ان کی محفلوں کو رونق بخشنے اور ان کی خوشی کی خاطر اپنی عصمت وعفت تک قربان کردینے کا۔

ترقی کی یہ راہ جو ان کے دشمنوں نے ان کو دکھلائی تھی اپنانے سے پہلے وہ شوہر کے مقام سے آشنا تھیں، گھر کی اہمیت سے آگاہ تھیں، مرد اور عورت کے درمیان جو فرق ہے اس کو سمجھتی تھیں بچوں کی تربیت کے طریقوں سے واقف تھیں، گھر کو آراستہ کرنا ان کا مشغلہ تھا، کھانا پکانے کا ان کو سلیقہ تھا، سینے پرونے میں ان کو مہارت تھی، اپنی عزت وآبرو کی حفاظت انھیں کرنا آتی تھی، نفع ونقصان کی انھیں تمیز تھی، خیر خواہ اور بدخواہ کی انھیں پہچان تھی، زندگی کے مختلف میدانوں میں سے بعض میں انھیں مردوں پر سبقت حاصل تھی اور ان میدانوں میں ان کی مہارت مردوں کو بھی تسلیم تھی۔

آزادی کے پُرفریب نعرہ سے دھوکہ کھانے والی عورت کے احساسات کی ترجمانی اس خط سے بہتر نہیں ہو سکتی جو مشہور فلم اداکارہ "مارلین مونرو" نے اپنی اس سہیلی کو لکھا ہے جو اس کی ظاہری ترقی کو دیکھ کر ارادہ کررہی تھی فلمی دنیا میں آنے کا، یہ خط "مارلین مونرو" کی خودکشی کے بعد اس کے سامان کی تلاشی کے دوران دستیاب ہوا تھا۔

"مارلین مونرو اپنی سہیلی کو مخاطب کرکے لکھتی ہے "میری ظاہری چمک دمک اور ٹھاٹ باٹ دیکھ کر تم دھوکہ مت کھاؤ، اس دنیا میں مجھ سے زیادہ محروم اور بدنصیب عورت شاید ہی کوئی ہو! میری تمنا تھی ماں بننے کی لیکن میں محروم رہی، میری آرزو تھی کہ میرے گھر کے آنگن میں ایک شور ہو بچوں کی ہنگامہ آرائی کا لیکن گھر کی ویرانی مجھے ڈستی رہی، میں ایک شریفانہ زندگی گذارنا چاہتی تھی جس میں شوہر کی محبت ہو اور والدین کی شفقت ہو، بھائی بہنوں کی پُرلطف گفتگو ہو، لیکن میری یہ آرزو پوری نہ ہوسکی، اب میں اس دنیا سے رخصت ہو رہی ہوں، کیونکہ یہ دنیا مجھے کاٹ کھا رہی ہے، اور جاتے جاتے میں تم کو یہ نصیحت کرنا چاہتی ہوں کہ آزادی کی اس دنیا میں کبھی قدم نہ رکھنا اور ایک سادہ، پُرسکون، مطمئن، پاک اور گھریلو زندگی گذارنے کی کوشش کرنا، عورت کی یہی سب سے بڑی کامیابی بلکہ یہی اس کی معراج ہے۔

آزادی کے نعرہ کی قلعی اس رپورٹ سے اور کھل جاتی ہے جو "سویٹزرلینڈ" کی ایک خاتون جج "بربھوار اولف ہامر" نے مشرق وسطی کے اپنے دورہ کے بعد پیش کی ہے، یہ دورہ انھوں نے اقوام متحدہ کے خرچ پر مشرقی خواتین کے حالات کا جائزہ لینے

کے لئے کیا تھا، رپورٹ میں وہ لکھتی ہیں۔

"مغرب میں عورت کی آزادی ایک خیالی چیز ہے، کیونکہ مغرب نے حقیقت کی دنیا میں کبھی عورت کو مرد کے مساوی حقوق نہیں دیئے ہیں، مغرب نے اگر کچھ کیا ہے تو صرف یہ کیا ہے کہ عورت کو اس کی نسوانی خصوصیات سے آزاد کر کے اس کو ایک ایسی مخلوق بنا دیا ہے جو مرد کے قریب تو ضرور ہو گئی ہے"

عورت کی آزادی پر جو تبصرہ امریکی مزاح نگار "آرٹ لوکوالڈ" نے امریکہ سے شائع ہونے والے ایک اخبار "ہیرالڈ ٹربیون" میں کیا ہے وہ ترقی پسند اور آزادی کی دلدادہ خواتین کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

"ہر آزاد عورت کے پیچھے ایک غلام عورت نظر آتی ہے جو اس کے بدلے اس کا کام کاج سنبھالتی ہے"

"لوکوالڈ" نے یہ بات اس انٹرویو کے بعد کہی جو انھوں نے ایک خاتون وکیل سے جو ایک عدالت سے منسلک تھیں لیا تھا، اور جس میں ان خاتون نے یہ اعتراف کیا تھا کہ اگر ان کے گھر میں خادمہ نہ ہوتی جو ان کی عدم موجودگی میں گھر سنبھالتی ہے، بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہے، کھانے وغیرہ کا نظم کرتی ہے، گھر کو صاف کر کے اس کو رہنے کے قابل بناتی ہے تو وہ باہر کام نہیں کر سکتی تھیں، ان محترمہ وکیل صاحبہ نے بعد میں اس کا بھی اقرار کیا کہ وہ بڑی محنت سے کمائی ہوئی رقم میں سے جس کے لئے انھوں نے بچوں کو چھوڑا، گھر کے آرام کو چھوڑا، شوہر کی عنایات کو چھوڑا، آدھی رقم اپنی اس خادمہ کو تنخواہ کے طور پر دیتی ہیں۔ "لوکوالڈ" نے وکیل صاحبہ کے اس اعتراف پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ سے گفتگو کرنے سے پہلے میرا خیال یہ تھا کہ آزاد عورت آزادی کے اپنے تجربہ میں کامیاب رہی ہے اور اس تجربہ کی دعوت دوسری عورتوں کو بھی دی جا سکتی ہے، لیکن آپ کی گفتگو نے میری یہ رائے بدل دی، اور آزادی کی جو تصویر میرے ذہن میں بنی تھی، وہ بالکل الٹ گئی، اور اب میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اگر "جوانیتا" (خاتون وکیل کی خادمہ) کی خدمات آپ کو حاصل نہ ہوتیں تو آپ کبھی آزاد نہ ہو سکتی تھیں گویا کہ اگر یہ کہا جائے کہ ایک عورت کی آزادی کے لئے دوسری عورت کا غلام بننا ضروری ہے تو غلط نہ ہوگا۔ (بہ شکریہ "اردو اخبار")

عورت کی آزادی پر یہ تبصرے کسی عالم دین کے نہیں بلکہ برطانیہ کی مشہور اداکارہ "مارلین مونرو" سویڈن کی معروف خاتون جج اور امریکہ کے چوٹی کے مزاح نگار "ارٹ لوکوالڈ" کے ہیں، جنھوں نے آزادی کی اسی دنیا میں آنکھ کھولی، اسی دنیا میں پرورش پائی، اسی دنیا کی دوسروں کو دعوت دی، لیکن بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچے جس نتیجہ کا اعلان چودہ سو سال قبل ایک نبی امی کی زبان سے ہو چکا تھا۔

کاش کہ ہماری بہنیں آزادی کا زخم کھائی ہوئی ان خواتین سے سبق حاصل کریں، اور اس آزادی کے خلاف جو درحقیقت ان کو پھر سے غلام بنانے کی کوشش ہے آواز اٹھائیں اور اپنی دوسری بہنوں کو اس کے نقصانات سے واقف کرانے کی پوری کوشش کریں۔

(بقیہ)

کلام رسول

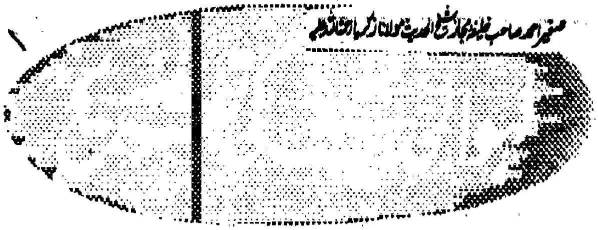
جس کی چند مثالیں "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور آپ کی نظروں سے گذریں۔

جو شخص کلام نبوی پر اس حیثیت سے نظر ڈالتا ہے وہ اس میں مختلف مؤثر نمونے اور بہت سے ایسے نفسیاتی پرتو پاتا ہے جن میں ایک ایسے انسان کی تصویر ہوتی ہے جو اپنی انسانی زندگی کے ہر ناحیہ میں سچا اور راست دل ہے اس میں ایک نبی کی بلندی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی ورسالت سے سرفراز فرمایا ہے۔ ایک ایسے انسان کی رقت قلبی ہے جس نے سب کے ساتھ محبت، سب کے ساتھ بھلائی اور سب کے لیے طلب خیر کے جذبہ پر نشوونما پائی ہو۔ ایک ایسے انسان کی سادگی ہے جو اپنے اہل وعیال اور متعلقین کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اور ایک ایسے رسول کی عالی حوصلگی اور بلند ہمتی ہے جس نے اپنا پیغام پہونچانے اور اپنی امانت ادا کرنے کا پختہ عزم کر رکھا ہو۔ چنانچہ نہ وہ اکتاتا ہے نہ تھکتا ہے، نہ بحث ومباحثہ کرتا ہے اور نہ بیہودہ باتیں کرتا ہے بلکہ اپنی کامیابی کے لیے مسلسل جد وجہد اور پیہم کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لعلك باخع نفسك أن لا يكونوا مؤمنين۔ شاید آپ اس غم میں اپنی جان دے ڈالیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔

صدق الله العظيم وصدق رسوله النبي الكريم وصلى الله على نبينا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين۔

ان کو جو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

صفیر احمد صاحب خلیفہ مجاز شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ



اولیائے امت کے ٹی وی کے متعلق ارشادات

مفکر اسلام مورخ مبصر اور عارف باللہ حضرت مولانا سید علی میاں ندوی دامت برکاتہم جو عالمی سطح پر ایک بزرگ شخصیت ہیں خصوصاً عرب و عجم میں۔ تاریخ اور عربی ادب پر بھی ان کا ایک اپنا مقام ہے اور علوم باطنیہ کے ساتھ ساتھ اللہ نے علوم ظاہریہ میں بھی عظیم مرتبہ عطا فرمایا ہے انہوں نے ایک تقریر مسجد زہرہ جدہ میں کی تھی جس کا اقتباس مضمون کی مناسبت سے ناظرین کے فائدہ کے لئے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

میرے بھائیو! ایک تو یہ کہ دین کے کامل ہونے کا پہلو آپ اپنے ذہن میں رکھیں، اس میں عقائد بھی ہیں، ایک ایسا عقیدہ جو شرط ہے اسلام کے لئے اس سے انحراف ارتداد کے مترادف ہے، عبادات و فرائض کی پابندی کیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ یہاں رہیں، اس کے باوجود نماز کی پابندی نہ ہو، اس سے بڑھ کر بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے، پھر اس کے ساتھ آپ کی تہذیب و معاشرت بھی اسلامی ہو، یہ نہیں کہ آپ رہیں سرزمین مقدس میں اور آپ کے گھروں میں ہر وقت ٹی وی چل رہا ہو، نمازوں کے اوقات میں لڑکے وہ دیکھ رہے ہوں۔ "ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله" الآیۃ (اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو بے ہودہ حکایتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو بے سمجھے خدا کے راستے سے گمراہ کریں۔ (سورۂ لقمان)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے صرف نام بدل گیا ... ویڈیو اور ٹی وی کا۔ قرآن تو عربی زبان میں ہے اس میں انگریزی کا لفظ کیسے آتا عقل کی بات نہیں تھی لیکن قرآن کا اعجاز معلوم ہوتا ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جو کتاب نکلی، اگر میں مسجد میں بیٹھ کر کہوں کہ اس میں ٹی وی اور ویڈیو کا ذکر ہے تو میں غلط نہیں کہوں گا، اس لئے کہ قرآن میں کہا گیا "من يشتري لهو الحديث" جو لوگ عربی کی بلاغت سے واقف ہیں اور اس کی زبان کا صحیح ذوق رکھتے ہیں اہل زبان کی طرح اور محض اللہ کا شکر و انعام ہے کہ ہمیں اسی حجاز و یمن کا فیض پہنچا ہے کہ ہم اس قابل ہوئے ہمارے استاد عرب تھے، ہم نے ساری عربی عربوں سے پڑھی الحمد للہ تو ہم "لهو الحديث" کا لطف لے رہے ہیں، ہمارا عربی کا ذوق لہو الحدیث کے دائرے کی وسعت کو دیکھ رہا ہے، میں اس لفظ کا ترجمہ نہیں کر سکتا حالانکہ لکھنؤ کا رہنے والا ہوں میں اقرار کرتا ہوں کہ میں لہو الحدیث کے ترجمہ کا حق ادا نہیں کر سکتا...... اس کے معنی ہیں باتوں کا کھیل، اب بتایئے...... ٹی وی اور ویڈیو پھر میں کیا ہے، اگر یہ ہوتا کہ بہت سے لوگ ہیں جو کھیل کو پسند کرتے ہیں، کھیل خریدتے ہیں تو اس میں ویڈیو اور ٹی وی نہ آتا...... مگر باتوں کا کھیل کہا گیا، یہ وہ ہے جو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ قرن اول، قرن ثانی، قرن ثالث، قرن رابع اور پانچویں، چھٹی ساتویں آٹھویں یہاں تک کہ میں کہوں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ذہن بھی یہاں تک نہیں گیا ہوگا، (یعنی ویڈیو اور ٹی وی کی طرف) یہ قرآن کا معجزہ ہے حدیث کا لہو باتوں کا کھیل، اور وہ کیا ہے، یہ ویڈیو کا پروگرام ٹی وی کی بولتی تصویریں، یہ ویڈیو، یہ ریکارڈ جو سنے جاتے ہیں سب لہو الحدیث ہیں، آج سے چودہ سو برس پہلے جب یہ سب چیزیں ایجاد ہونا تو درکنار، کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اس وقت اللہ کی کتاب نے کہہ دیا، بہت سے لوگ ہیں جو لہو الحدیث خریدتے ہیں۔ (اندرسہ قرآن کا مطالبہ مکمل اطاعت و سپردگی)

۲۔ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی میاں صاحب ندوی دامت برکاتہم کی قرآن فہمی اور سخن شناسی پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے معروف عالم فقیہ اور صاحب قلم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدفیوضہم خلیفہ مجاز قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ آیت شریفہ:

"ومن الناس من يشتري لهو الحديث" کے الفاظ موجودہ دور کے آلات لہو مثلاً ٹی وی، وی سی آر اور ویڈیو وغیرہ جو بعبارۃ النص شامل ہیں اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی جو عربی و اردو دونوں زبانوں کے نامور ادیب اور سخن شناس ہیں ان کی شہادت کے بعد مزید کسی شہادت کی حاجت باقی نہیں رہ جاتی۔

۱۔ راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے لہو کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے: ما يشغل الانسان عما يعنيه لہو وہ تمام چیزیں ہیں جو آدمی کو لائق اہتمام چیزوں سے غافل کریں۔

۲۔ لہو الحدیث کی تفسیر بعض اکابر نے گانا کے ساتھ فرمائی ہے۔ بعض نے طبلہ کے ساتھ بعض نے باطل الحدیث کے ساتھ اور بعض نے کل ما الهاك عن ذكر الله کے ساتھ ان اقوال پر کچھ تعارض نہیں، کیونکہ آیت شریفہ کے الفاظ ان تمام چیزوں کو شامل ہیں۔

ٹی وی اور ویڈیو وغیرہ نے مسلمانوں کے ایک ایک گھر کو سینما ہال میں تبدیل کر دیا ہے اور جو گندگی فحش کے خاص مراکز میں پائی جاتی تھی اسے پورے معاشرے میں پھیلا دیا ہے۔ اس لئے ان چیزوں کو ام الخبائث کہنا صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۔ حکیم الامت الشاہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی فاروقی رحمہ اللہ کے خلیفہ راشد حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم (ہردوئی بھارت) جن کے زیر تربیت و سرپرستی درجنوں مدارس گلشن نبوی کی آبیاری میں مشغول ہیں فرماتے ہیں کہ:۔

آج کل ہمارے دکاندار حضرات ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو آمدنی میں زیادتی کا سبب سمجھتے ہیں حالانکہ دن بھر جتنے لوگ اس دوکان پر لگنے اور عورتوں کی تصاویر دیکھنے کا الگ الگ گناہ کرتے ہیں وہ سب جمع کر کے اس دوکاندار کی گردن پر جب ڈالا جائے گا تب اس کو اپنی آمدنی کا حال معلوم ہوگا۔ زبان سے کہتے ہیں کہ رزق خدا دیتا ہے اور پھر گناہ کر کے خدا کی ناراضگی سے رزق بڑھا رہے ہیں۔

(مجالس ابرار۔ ص ۵۷)

ب:۔ "جب نامحرم کی تصویر کی اصل دیکھنا حرام ہے تو نقل دیکھنا کیسے جائز ہوگا۔ بس ٹیلی ویژن کا مسئلہ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ مردوں کے لئے نامحرم عورتوں کو دیکھنا بالکل حرام ہے۔"

(مجالس الابرار صفحہ ۱۳۳ حصہ ۲)

علمائے امت کے فتاوی اور آراء نیز دیگر عبرت آموز واقعات اہل یورپ کی رپورٹس اور اس کے شریعت مطہرہ کی روشنی میں ناجائز ہونے کی تفصیل کے لئے رسالہ (۱) ٹی وی اور ویڈیو کے شرعی احکام۔ (۲) فلم، ٹی وی، وی سی آر، ایک شرعی جائزہ۔ (۳) "ٹی وی کا زہر" ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

ماخوذ از:۔ ٹی وی کی تباہ کاریاں

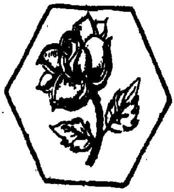
غزل

ڈاکٹر محمد حسین فطرت

احساس مرا دوڑے گلشن کی بہاروں تک
وجدان مرا لپکے کوئل کی پکاروں تک
گلشن کی بہاروں سے گلشن کے شراروں تک
پہنچی ہے نظر کس کی دل سوز نظاروں تک
کیا ہوگا ذرا سوچیں شعلوں کے تماشائی
یہ آگ اگر پہنچے دامن کے کناروں تک
ہے شاعری کیا میری میں تم کو بتاتا ہوں
دلچسپ سفر ہے یہ پھولوں سے بہاروں تک
بے سوز ائمہ ہیں بے روح نمازیں ہیں
افسردگی چھائی ہے منبر سے مناروں تک
سوچو تو ہر اک منظر اک دفتر عبرت ہے
انساں کی نظر جائے بوسیدہ مزاروں تک
فطرت کے ترنم کا ادراک بھلا کس کو
ہے گونج حقائق کی احساس کے تاروں تک
توقیر مآبوں کا احساس انا ٹوٹے
لازم ہے کوئی جھنڈا عظمت کے مناروں تک

(بقیہ) مطالعہ کی میز پر

وخطابت اور علوم ماں کے پیٹ سے سیکھ کر نہیں آتا، سب کچھ اسی عالم اسباب میں سیکھتا ہے، کچھ چیزیں باقاعدہ ناصرف اساتذہ سے سیکھتا ہے اور بہت سی چیزیں غیر شعوری طور پر ماحول سے سیکھتا ہے، جلسوں کی نظامت اور فن خطابت سیکھنے کے لئے بھی باقاعدہ درجے نہیں لگتے دیکھ اور سن کر ہی ایک طالب علم ان دونوں باتوں میں کمال پیدا کرتا ہے۔ مذکورہ کتاب بھی نظامت وخطابت سیکھنے کا بہترین ذریعہ ہے جس میں تین مختلف جلسوں میں کی گئی مثالی نظامتیں اور تقریباً گیارہ اہم دینی موضوعات پر نمونہ کی تقریریں ہیں یہ کتاب دینی مدارس کے طلبہ کے لئے بے حد مفید ہے۔



سکونِ قلب

عابدہ پروین حمنہ

آج ہر شخص مضطرب اور بے چین نظر آتا ہے جسے دیکھو کوئی روزگار کی، کوئی عزیز و اقارب کی، کوئی دوست احباب کی شکایت کر رہا ہے۔ تو کوئی حالات کے تلے دبا کراہ رہا ہے اور کوئی معاشرے کو کوس رہا ہے، کسی کو سکون قلب نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دور حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ نہ جمہوریت ہے، نہ حقوق کی پامالی ہے اور نہ معاشی مسائل بلکہ سب سے بڑا مسئلہ دل کے سکون اور اطمینان کا فقدان ہے حالانکہ آج کے انسان کو راحت و آسائش کے وہ لوازمات میسر ہیں جن کے بارے میں ہمارے آباؤ اجداد سوچ بھی نہیں سکتے تھے، یہ فراٹے بھرتی کاریں، دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کرنے والے ہوائی جہاز، نرم گداز گدیلے، فریج، ایئرکنڈیشنڈ وغیرہ۔ ہمارے آباؤ اجداد نے تو ان کو خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا لیکن ہمارے مقابلے میں وہ زیادہ پرسکون زندگی گزارتے تھے، ہم راحت کے تمام اسباب کے باوجود مضطرب اور پریشان ہیں بلکہ یہاں تو حالت یہ ہے کہ جس کے پاس زیادہ سامان آسائش ہے وہ اسی قدر زیادہ بے اطمینان ہے۔

بے شمار لوگوں نے سکون قلب کے لیے مختلف تصورات قائم کیے جو سب غلط ثابت ہوئے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سکون قلب اقتدار میں مضمر ہے لیکن حصول اقتدار کے بعد پتہ چلا کہ یہاں تو ایک پل کا سکون نہیں، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سکون دولت کی کثرت میں ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ثروت والوں کا یہ حال ہے کہ انہیں کاروباری اور دوسری پریشانیوں سے نیند نہیں آتی اور خواب آور گولیاں کھائے بغیر سو نہیں سکتے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اطمینان قلب منشیات کے استعمال سے ملتا ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ منشیات نے کتنے گھرانوں کو تباہ کر دیا ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ جنسی خواہشات پوری ہو جائیں تو اس سے سکون ملتا ہے، یورپ میں یہ کاروبار عام ہے بلکہ اسے قانونی تحفظ حاصل ہے لیکن ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہر تین منٹ میں ایک قتل ہوتا ہے، ہر تیرہ سیکنڈ میں ایک زنا بالجبر ہوتا ہے، ہر اکیاسی سیکنڈ میں کوئی زبردست ڈاکہ پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اطمینان قلب کو مادی چیزوں میں تلاش کرتے ہیں لیکن یہ روحانی چیزوں میں ملتا ہے۔ آج انسان سکون قلب کے لیے جنگلوں میں پہاڑوں میں صحراؤں میں مارا مارا پھرتا ہے۔ کبھی ٹیلی وژن کا سہارا لیتا ہے تو کبھی وی سی آر کا، کبھی ریڈیو کا تو کبھی ٹیپ ریکارڈ کا، لیکن اطمینان ہے کہ پھر بھی نہیں ملتا۔

سکون قلب کے لیے پہلا کام حقوق اللہ کی ادائیگی ہے۔ اگر فرائض عبادات کو ادا کریں تو ڈپریشن، ذہنی دباؤ، اعصابی کھنچاؤ اور بے اطمینانی کا کوئی جواز نہیں اگر پھر بھی قلبی اضطراب ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتا تو ہم یقیناً حقوق العباد میں کوتاہی کر رہے ہیں اگر ہم دوسرے لوگوں کی تکالیف کا خیال کریں اور ان کے حقوق کا خیال رکھیں، ناجائز طریقے سے ان کا مال نہ ہتھیائیں۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ رشوت، ملاوٹ، دھوکہ کریں، ناجائز کام کریں۔ اور لوگوں کے حق ماریں، بدعنوانی، بلیک مارکیٹنگ ہماری سرشت ہو اور پھر بھی چاہتے ہیں کہ اطمینان قلب نصیب ہو۔ اطمینان قلب لوگوں کو دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ نہ کہ ان کا مال و حق ہتھیانے سے۔ ہم کتنے پاگل ہیں انگاروں پر بیٹھ کر چاہتے ہیں کہ ٹھنڈک نصیب ہو، گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر چاہتے ہیں کہ مشام جاں کو معطر کرنے والی دلنواز خوشبو آئے اور کانٹوں کے بستر پر بیٹھ کر چاہتے ہیں کہ چبھن بھی نہ ہو۔

اطمینان قلب کے لیے نسخہ اکسیر ذکر الٰہی ہے ہم اپنے پیارے خالق کو روزانہ کتنا یاد کرتے ہیں، ہر کوئی اپنے گریبان میں دیکھے۔ ذکر الٰہی دل کی غذا ہے۔ ذکر الٰہی روح کی غذا ہے۔ اپنے دل اور روح کو ہم روزانہ کتنی خوراک دیتے ہیں۔ جب یہ بیمار ہو جائے تو کیا علاج تجویز کرتے ہیں؟ ہمیں تو ہر وقت جسم کو خوراک بہم پہنچانے کی فکر ہے، بیمار ہو جائے تو ہسپتالوں کا رخ کرتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں سوچتے کہ جب دل خوش نہیں ہوگا تو جسمانی بیماری کیا چیز ہے۔ ذکر الٰہی کا مفہوم کچھ اس طرح ہے۔

آپ بس میں بیٹھے ہیں کھڑکی سے باہر دیکھتے ہیں مختلف عمارات اور قدرتی مناظر آپ کی آنکھوں کے سامنے آتے جاتے ہیں۔ آپ ان مناظر کو دیکھ کر تصور کرتے ہیں کہ ان کا خالق کتنا عظیم ہے۔ پھر آپ سوچتے ہیں کہ یہ سب چیزیں فانی ہیں اور ان کا خالق باقی رہے گا کائنات کا حسن آپ کو پھر اپنی طرف متوجہ کرتا ہے آپ سوچتے ہیں ہمارے رب نے یہ سب کچھ بیکار پیدا نہیں کیا ان کے پیچھے کوئی مقصد ضرور کار فرما ہے۔ بس میں بیٹھے ہوئے معذور اور معذور فرد کی طرف دیکھتے ہیں آپ کا دل پسیج جاتا ہے۔ اس کی صحت کے لیے دعا کرتے ہیں، توبہ و استغفار کرتے ہیں اور اللہ کا شکر بھی ادا کرتے ہیں۔ آپ کچھ دیکھتے دیکھتے ہیں کوئی زنگ آپ کو [illegible]

ایک مطالعہ

تاریخ دعوت و عزیمت

پروفیسر وصی احمد صدیقی

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہٗ کی کتاب سیرتِ تاریخ دعوت و عزیمت علمی حلقوں میں بہت معروف رہی ہے، مولانا نے اپنی ملت کے روحانی وارثوں کے نام اور کام کو ایک لوح سیمیں پر ثبت کیا ہے اور زمین کے یہ ستارے اپنی چمک سے آسمان کے تاروں سے کہیں زیادہ منوّر نظر آرہے ہیں یہ سروشِ غیبی کی آوازیں اور ادب سے سُننے کے مستحق۔ زندگی کی تفسیر کے لئے اپنی تسکینِ قلب کے لیے، اپنی ہمت برقرار رکھنے کے لیے کتاب میں بیان کردہ ان باکمالوں کے حالاتِ زندگی اور کارناموں کا مطالعہ بہت کافی ہے، ان میں ایسے واقعات کا ذکر بھی ہے، جنھیں اکثر لوگ جانتے ہیں لیکن کتاب میں ان کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ قاری پر ایسے راز یکایک فاش ہوگئے ہیں جن سے وہ اب تک آگاہ نہ تھا، یہ انگارے بجھے نہ تھے مگر تاریخ کے خاکستر میں دب گئے تھے۔ انھیں مولانا نے کرید کرید کر نکالا ہے اور پھونک پھونک کر پھر روشن کیا ہے۔

جیسے سمندری جہازوں کا قطب نما ہوتا ہے جہاز کا کوئی رُخ ہو وہ ایک ہی سمت اشارہ کرے گا۔ اور جہاز کی رہبری کرے گا۔ ایسے ہی مولانا کی تحریر کا مقناطیس ہے، اس کا رُخ ہمیشہ خدا کی طرف رہتا ہے سوانح اور تاریخ کے اس کتاب میں حضرت مولانا نے عقائد کی عقلی تصدیق کرنے کی کوشش نہیں کی ہے اور روحانی امور کو مادّی صداقت کی طرح بیان نہیں کیا ہے، مذہب کو ریاضی اور سائنس کی ایک شاخ کی طرح نہیں برتا شاید یہی وجہ ہے کہ کوئی مضمون پڑھتے وقت آپ دیکھیں گے کہ جو کچھ آپ پڑھ رہے ہیں وہ آپ کے ذہن سے اترتا نہیں بلکہ زندہ رہتا ہے۔ صورت اور معنی ہیئت اور مضمون۔ صورت اور مفہوم بحیثیت مجموعی پوری کیفیت کے درمیاں ایک توازن اور روحانی ہم آہنگی ہوتی ہے۔ پڑھنے والا ایک عجیب خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوتا ہے کہ مضمون کو کس طرح خانوں میں بانٹے۔ اتنا حصہ نفسیاتی بصیرت۔ اتنا حصہ تاریخی صداقت۔ اتنا حصہ صوتی خوشگواری اور اتنا حصہ مصنّف کی شخصیت ہے، حضرت مولانا کا بیان زندگی اور تاریخ کے ادراک میں کسی نقطۂ انجام کو قبول نہیں کرتا بلکہ مسلسل اپنے دائرۂ نظر کو وسیع سے وسیع تر بناتا چلا جاتا ہے۔ ان عظیم شخصیتوں کا بیان اس طرح ہے کہ ان کے احساسات میں عظمت جذبات میں نیکی۔ استدلال میں صداقت اور کارناموں میں حُسن نظر آتا ہے ان کے اور ایک عامی کے درمیان محبت کا تعلق ہوتا ہے۔ یہ وہ مقدس سلسلہ ہے جو عوام کے نفوس کو ان عظیم نفوس کے ساتھ متعلق کرتا ہے۔ جن سے ایک مقناطیس کی طرح لہریں اٹھ اٹھ کر لوگوں کے روحانی زندگیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کرتی ہیں یہ وہ مبارک لوگ ہیں جنھوں نے مذہب کی تجدید کے ساتھ معاشرے کی تجدید بھی کی ہے وہ جذبات جو اس کتاب کے مطالعہ سے پیدا ہوتے ہیں دل کو ایسی نرمی اور دماغ کو ایسی بالیدگی بخشتے ہیں جو انسان کو پہلے سے زیادہ دیندار اور دانا بنا دیتے ہیں۔ بھولے بسرے پیمانوں اور زور زبردستی سے توڑے ہوتے رشتوں کے باوجود نوعِ انسان کی وسیع سلطنت کو مذہبی جذبے اور اتحاد کے سرِ رشتے میں مربوط کرتے ہیں

ان سلسلۂ واقعات کے بیان میں حضرت مولانا نے ہر سچائی کی گواہی دی ہے۔ ہر خوشی کی بات کو چار چاند لگایا ہے اور ہر غم میں معنی پیدا کئے ہیں

تاریخ پر یہ مجبوری عائد ہے کہ وہ واقعات اور انسانی افعال کو من وعن بیان کرے مورخ اس بات کا مجاز نہیں کہ اخلاقی ہدایت یا عبرت کے خاطر نیکی کو نیکوتر اور بدی کو بد تر بنا کر دکھائے مگر مولانا کے یہ ممدوح کائنات کے ایک افضل اخلاقی نظام کو فرور پیش کرتے ہیں۔ یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان پاکیزہ روحوں کی پاک بینی کی تقلید کی جائے۔

ایک اچھے مضمون میں ایک مکمل وحدت ہوتی ہے اس کو پڑھنے کے بعد قاری کو فنی مہارت کا لطف بھی احساس۔ بصیرت میں اضافہ اور ایسے جذبات اور واردات کے شناخت کا لطف آتا ہے جو خود اس کے اندر موجود ہیں۔ اس کتاب کو پڑھ کر ایک بیتاب خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے کہ اے کاش ماضی کے دور دراز سایے مستقبل کا آئینہ ہو جائیں۔

دین کے تجدید اور اصلاح کرنے والی مبارک ہستیوں کے ساتھ ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جو مسلمان کے ایمانی بصیرت کے محافظ ہوتے۔ جن کے کارناموں نے ساری دنیا میں مسلمانوں کی ایک مرتبہ پھر دھاک جمادی ان میں حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ جیسے مجاہدین

اور جاں فروش سپہ سالاروں کی طرح ایک نام دوسرے ناموں کے ساتھ نظر آتا ہے، جس کی عظمت کے آگے ساری مسیحی دنیا نے گھٹنے ٹیک دیئے جس کی بے مثال سماحت اور نرم دل نے اُسے مغربی ناول نویسوں کے لیے مرکزی کردار کی فراہمی کی۔ میرا مطلب سلطان صلاح الدین ایوبی سے ہے ان کے حالات کے بیان میں وہ لوگ بھی آگئے جو ناکام مجاہد اور ہزیمت نصیب غازی رہے اور جن کی شہادت ہی ان کا انعام رہی۔

سب سے آخر میں مولانا روم اور ان کی مثنوی کا بیان ہے۔ یہ اکیلے شاعر ہیں جو اس فہرست میں آئے صرف اس لیئے کہ اُن کی مثنوی کو "ہست قرآں در زبان پہلوی" کہا گیا ہے۔ ان کی مثنوی ہمیشہ میرے ذہن میں ملٹن کی جنتِ گمشدہ کا خیال لاتی ہے۔ انسان کی پہلی حکم عدولی سے ملٹن کی نظم شروع ہوتی۔

کوئی شک نہیں یہ بے مثال نظم ہے اور دونوں کا تقابلی مطالعہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے سینٹ پال کی عیسائیت اور مذہب اسلام کا مقابلہ۔ ایکطرف ملٹن نے ابلیس کو جوش عمل اور شاہانہ شان و شوکت کا مجسمہ دکھایا اور اُسے خراج عقیدت پیش کیا دوسری طرف مولانا روم نے فرمایا زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است مولانا روم کے عشق کے نکتہ کو جس طرح حضرت مولانا نے واضح کیا ہے میں اس کا بیان آگے کروں گا مگر علامہ اقبال کا خیال آتا ہے جو پیر رومی کے مرید تھے لیکن ابلیس کے لیے نرم گوشہ دل میں رکھتے تھے جنھوں نے جاوید نامہ میں خود مولانا روم کی زبان سے اُسے خواجہ اہل فراق کا خطاب دلایا ہے۔ مولانا روم کی مثنوی دانتے کی بھی یاد دلاتی ہے جو بیٹیا اور محبت کا جانشین دالانتھا اپنی محبوبہ بیٹرس کو جنت کی ایک مقدس ہستی بنا دینے اور اُس کے عشق اور روحانی محبت کی درجہ بدرجہ ترقی کے قدم بہ قدم اپنے کو عرش نیاز و زندگی کے پائے تک پہنچا دینے

کی داستان شاعری کا ایک بے حد شاندار کارنامہ ہے طربیہ خداوندی کا وہ حصہ ہے جو بہشت سے تعلق رکھتا ہے۔ محبت کی شان میں ایک حمدیہ ترانہ ہے یہی لفظ محبت مولانا روم کے زبان میں اپنے خاص معنوں کے ساتھ عشق ہوگیا ہے ورنہ اُس سے پہلے کے صوفی شاعروں مثلاً عطار اور سنائی نے اس لفظ کا استعمال کم کیا ہے۔

اس کتاب کا دیباچہ خود ایک بے مثال علمی اور تحقیقاتی کام ہے اور دوسرے مصنفین اس دیباچہ کے حوالے سے اظہار حاصل کرسکتے ہیں۔ اس نمونہ کا دیباچہ اپنی کتاب کے لیے ابن خلدون نے لکھا تھا جس نے یورپ کے علمی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا تھا اور جس نے فلسفۂ تاریخ کو ایک سائنٹفک مضمون کی حیثیت سے پیش کیا تھا مگر وہ دیباچہ اس علم کے مبادیات اور اصولوں سے معاملہ رکھتا ہے کوئی شک نہیں ابن خلدون نے اپنے نتائج کا استنباط بڑی ذہانت سے کیا ہے۔ مگر مذاہب کا تقابلی مطالعہ اور خاص طور پر مسلمانوں کے عروج اور انحطاط سے اپنا معاملہ نہیں رکھا ہے۔

کتاب کے مقدمے میں حضرت مولانا نے تجدید کی ضرورت اور تاریخ اسلام میں ان کا تسلسل بیان کیا ہے۔ ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔ کہ اللہ کا دین مکمل ہے مگر زندگی متحرک اور تغیر پذیر ہے اور اسلام کے ابدی عقائد و حقائق ایسے ہیں کہ وہ ہر دور میں دنیا کی رہنمائی کرسکتے ہیں۔ ہماری امت کو جو زمانہ دیا گیا ہے وہ سب سے زیادہ انقلابات سے بھرے ماحول کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر دور میں ایسے اشخاص پیدا ہوتے رہے جو دین کی تعلیمات کو زندگی میں منتقل کرتے رہے۔

اسلام نے اپنے سامنے حریفوں کو شکست دی۔ باطنیت، صلیبیوں کے حملے اور تاتاریوں کی یورش علاوہ اسلام کے کسی اور دین کو بالکل توڑ دیتے لیکن اسلام اُسے برداشت کرگیا۔ تحریفات، بدعات، مشرکانہ رسوم، نفس پرستی الحاد اور لادینیت کا اسلام پر بار بار حملہ ہوا مگر ہر دور میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے اسلام کی مدافعت کی۔ دوسرے مذاہب کی تاریخ میں ایسی شخصیتوں کی بڑی کمی رہی ہے سینٹ پال نے عیسائیت کے ساتھ منفی کام کیا۔ تحریف کے ساتھ بہت سے بدعہ رسوم کو اس سے وابستہ کردیا صدیاں پر صدیاں گذرتی گئیں مگر کوئی مصلح عیسائیوں میں نہیں پیدا ہوا۔ پندرھویں صدی میں مارٹن لوتھر نے تھوڑی سی اصلاح کی کوشش کی مگر معاملات اتنا بگڑ چکے تھے کہ عیسائی مفکرین عیسائیت کے مستقبل سے خود مایوس ہوگئے۔

ہندو مذہب میں بھی یہی ہوا، وہ ایک غیر عملی مذہب بن کر رہ گیا۔ بہت جلد اُس نے اپنا اثر کھو دیا اور گوتم بدھ کی آمد ہوئی۔ انھوں نے ترکِ دنیا۔ تہذیب نفس اور خواہشات سے مقابلہ کا نیا مذہب دیا لیکن جلد ہی مورتیاں اور رسوم پھر اس پر حملہ آور ہوئے۔ بانیِ مذہب کے سادہ اور بلند اخلاقی درس الہٰیاتی موشگافیوں کے انبار کے نیچے دب گئے۔ پھر شنکر آچاریہ نے اس مذہب کو اپنے ملک سے بیدخل کردیا۔

مذہب کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام کی تاریخ میں کوئی مختصر مدت ایسی نہیں پائی جاتی جب اسلام کی دعوت بالکل بند ہوچکی ہو ایسے طاقتور اشخاص پیدا ہوتے رہے جو ہر فتنہ کا مقابلہ کرتے رہے۔ قدریت۔ جہمیت، اعتزال۔ خلق قرآن۔ وحدت الوجود اپنے وقت کے اہم عقائد تھے لیکن اسلام نے اُن پر فتح پائی اور اب ان کی تفصیل صرف تاریخ عقائد میں محفوظ ہے۔

تجدید انقلاب، دعوت و اصلاح اسلام کی تاریخ ہی کی طرح مسلسل ہے، یہ تاریخ زیادہ تر اُن کتابوں میں محفوظ ہے جس میں شاگردوں اور مریدان خاص نے اساتذہ اور شیوخ کے نصائح، ملفوظات حقائق اور معارف قلم بند کئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ مجدّدین اور مصلحین کے مکتوبات اور مواعظ کے مجموعے ہیں۔ دعوت و عزیمت اس امت کے ہر دور میں اپنا کام کرتی رہی۔

یہ کتاب اُن لوگوں کا بیان ہے جنھوں نے جاہلیت اور مادیت کا مقابلہ کیا۔ امت میں ایمانی روح پیدا کی۔ دین کے ماخذ اور اس کی تعبیرات پر اعتماد کو از سرِ نو استوار کیا۔ امت کو نئے فتنوں میں پڑنے سے باز رکھا۔ اجتہاد کا دروازہ کھولا معاشرہ میں احتساب کا فرض ادا کیا۔ اور ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی۔

آیئے اب ہم ان اہم شخصیتوں۔ ان کے زمانے اور ان کے کارناموں کا حال پڑھیں

کتاب کی ابتدا پہلی صدی کے اصلاحی کوششوں کے بیان سے شروع ہوتی ہے جس کے اولین مصلح اور مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تھے۔ بنی امیہ کے دور میں ایسا لگتا تھا کہ وہ جاہلی رجحانات جو خلافتِ راشدہ کے اثر سے دب گئے تھے پھر لوٹ آئے ہیں اور اہلِ حکومت کی بیدینی زندگی سے پوری اسلامی سوسائٹی متاثر ہو رہی ہے۔ بنی امیہ کی حکومت ایسی مستحکم تھی کہ اس کو شکست دینا ناممکن نظر آتا تھا مگر خود انہیں میں سے ایک شخص معجزہ کی طرح سامنے آئی وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی تھی سلیمان بن عبدالملک کے یہ جانشین حضرت عمر فاروقؓ کے جانشین نظر آنے لگے ان کی زاہدانہ زندگی تقویٰ اور احتیاط کافی معروف باتیں ہیں جن کا بیان غیر ضروری ہے، جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے حکومت کا نقطۂ نظر بدل دیا اُن کا تاریخی جملہ ہے۔

محمدؐ دنیا میں ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ تحصیلدار بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ ساری مدت خلافت وہ اس اصول پر گامزن رہے اور ملک مصالح و منافع پر ہمیشہ دین و اخلاق کو ترجیح دی معلوم ہوا کہ یہ نقصان کا سودا نہ تھا۔ انھوں نے اسلامی نظام مالیات اور طرز حکومت کی تشریح کی اور حکام کو دعوت و تبلیغ کی ترغیب دی۔ انھوں نے خود فرائض اور سنن کی تشریح کی اُنکے خطوط اور فرامین پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکے قالب میں خالص اسلامی ذہن اور اسلامی روح کارفرما تھی۔ تقریباً ہر فرمان میں قرآن پاک کی آیتیں تحریر فرمائیں۔ اور لکھا کہ میں تم لوگوں کو اس قرآن اور اس پر عمل نہ کرنے کے نتائج بد سے ڈرتا ہوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مدت خلافت بہت مختصر رہی۔

اب دوسری صدی کی اصلاحی کوششوں کا بیان ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد حکومت پھر اُسی ڈگر پر آگئی تھی جو ان سے پہلے تھی بلکہ اپنی خرابیوں میں کچھ اور بڑھ گئی وہ خطرہ جس کا سرکار دوعالم نے اظہار کیا تھا یعنی مجھے تمہارے بارے میں فقر و افلاس کا خطرہ نہیں تھی مجھے جو کچھ خطرہ ہے وہ اس بات کا کہ دنیا کی تم پر ایسی [illegible] اور فراخی ہو جیسے تم سے پہلے لوگوں پر ہوئی تھی اور تم بھی آپس میں ایک دوسرے سے مقابلہ شروع کردو اور تم کو بھی اس طرح ہلاک کردے جیسے اُنکوں کو ہلاک کیا تھا یہ خطرہ پیش آگیا۔ اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ مخلص اور سرفروش بندے میدان میں آئے انھوں نے امت کے ایمانی اور روحانی تسلسل کو قائم رکھا۔ اُس دور کے ایمانی دعوت کے سب سے بڑے علمدار حضرت حسن بصریؒ سامنے آئے۔ ان کی شخصیت بڑی جامع دل آویز اور بڑی کشش تھی۔ وہ بلند پایہ مفسر اور مستند محدث تھے اور دین میں پورا تبحر اور گہری بصیرت رکھتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ فصیح البیان مقرر تھے ان کی جامعیت کا یہ عالم تھا کہ ان کی مجلس میں مختلف قسم کے لوگ جمع ہوتے تھے۔ کوئی حدیث حاصل کر رہا ہے کوئی تفسیر میں استفادہ کر رہا ہے۔ کوئی فقہ کا درس لے رہا ہے کوئی مقدمات کے فیصلہ کرنے اور قضا کے فوائد سیکھ رہا ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ ایک بحرِ ذخار ہیں جو موجیں لے رہا ہے اور ایک روشن چراغ ہیں جو مجلس کو پرنور کر رہا ہے پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں ان کے کارنامے اور حکام اور   کے روبرو پوری فصاحت اور پرشکوہ الفاظ میں اظہار حق کے واقعات بھلانے کی چیز نہیں۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری کا کلام انبیاء کے طرز کلام سے بڑی مناسبت رکھتا ہے اسی طرح ان کا طرزِ زندگی صحابہ کرام کے طرز زندگی سے بہت مشابہ تھا۔ ایک غیر مسلم فلسفی (ثابت بن قرہ) کا مقولہ ہے کہ امتِ محمدیہ کی جن ممتاز ترین شخصیتوں پر دوسری اُمتوں کو رشک آنا چاہیئے اُن میں حسن بصریؒ بھی ہیں۔

حسن بصریؒ کے مواعظ دورِ صحابہ کی قوت اور سادگی کا نمونہ ہیں جن میں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی اہمیت ایمان و عمل کی تلقین اور فریبِ نفس کی مذمت ملتی ہے اردو میں ترجمہ زبان کی خوبی کو ویسا ہی قائم نہیں رکھ سکتا ہے لیکن اُس کے دل کو چھونے والی کیفیت ختم نہیں ہوتی۔

"ہائے افسوس! لوگوں کو امیدوں اور خیالی منصوبوں نے غارت کیا۔ زبانی باتیں ہیں۔ مگر عمل کا نام نہیں۔ علم ہے مگر صبر نہیں ایمان ہے مگر یقین سے خالی۔ آنے جانے والوں کا شور ہے مگر ایک بندہ خدا ایسا نظر نہیں آتا جس سے دل لگے، موشیں (اولین) کے مکان میں حبیب خدا کی

یہ پکار پہونچی تو انھوں نے اسی وقت اُس کی تصدیق کی اور اس پر لبیک کہا۔ اس کا یقین اُنکے دل کی گہرائی میں اُتر گیا۔ اُن کا دل۔ ان کا بدن اوران کی نگاہیں خدا کی عظمت اور ہیبت میں جھک گئیں۔"

حضرت حسن بصریؒ حق گوئی۔ اخلاقی جرأت اور شجاعت میں بھی ممتاز تھے انھوں نے خلیفۂ وقت یزید بن عبد الملک پر بر ملا تنقید کی حجاج کی سفاکی مشہور رہے مگر ان کی زبان اُس کے زمانہ میں بھی اظہار حق سے باز نہیں آئی۔ انھوں نے نفاق اور منافقین کی نشاندہی کی۔ انھوں نے فرمایا کہ اس امت پر کیسے کیسے منافقین غالب آگئے ہیں جو پرلے درجے کے خود غرض ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ کی وفات کے بائیس برس بعد خلافت بنی امیہ کا خاتمہ ہوا اور خلافت عباسیہ کا آغاز ہوا۔ حضرت مولانا نے لکھا ہے کہ خلافت ایسی قومی اور نسلی بنیادوں پر قائم ہوگئی تھی کہ اُس کے مقابلہ میں کوئی آواز اور کوئی تحریک اس وقت تک موثر نہیں ہوسکتی تھی جب تک کہ اس کو شرافتِ نسب اور علو خاندان کی سند حاصل نہ ہوسکی اسی لیے خلافت اموی اور خلافت عباسی کے خلاف جنھوں نے علمِ جہاد بلند کیا ان کا تعلق اہلبیت سے تھا۔ زید بن علی بن الحسین نے ہشام بن عبدالملک کے مقابلہ میں علم جہاد بلند کیا اور شہید ہوئے۔ حضرت محمد ذو النفس الزکیہ نے مدینہ طیبہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ نے کوفہ میں منصور کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ دونوں حضرات شہید ہوئے ان کی کوششیں ناکامیاب ہوئیں۔ لیکن اسلامی تاریخ کی آبرو انھیں جواں مردوں سے قائم ہے۔

(جاری)

رمضان المبارک

- صدق دل سے تمام گناہوں سے توبہ کریں اور کثرت سے توبہ و استغفار کا اہتمام کریں۔
- روزہ رکھنے کا پورا احترام کریں۔ بلا عذر شرعی ترک نہ کریں۔
- نماز تراویح ذوق و شوق کے ساتھ پڑھیں کم از کم ایک ختم قرآن کا تراویح میں اہتمام کریں،
- نماز با جماعت کا مکمل اہتمام کریں۔
- اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد کے نوافل کا معمول بنائیں۔
- روزہ میں آنکھ، کان، ناک، زبان، دل و دماغ اور تمام اعضا کو ہر گناہ سے بہت ہی بچائیں۔
- صدقہ و خیرات کی کثرت کریں۔
- روزہ دار ملازم اور خادم کے اوقاتِ کار میں تخفیف کریں اور اس پر کام کا زیادہ بوجھ نہ ڈالیں
- حسب استطاعت مسافروں اور مجبوروں کے افطار و سحر کا انتظام کریں۔
- غصہ اور لڑائی جھگڑے سے بالکل پرہیز کریں، اس کے لیے کوئی آمادہ نظر آئے تو خوبی سے بات کو ختم کر دیں۔
- مستند دینی کتابوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مطالعہ کریں۔
- بُرے خیالات سے اپنے ذہن کو حتی الامکان فارغ رکھ کر اپنی اصلاح کی طرف زیادہ توجہ دیں اور آخرت کی فکر پیدا کریں۔
- تلاوت قرآن کریم اور ذکر و تسبیح جس قدر ہوسکے معمول بنائیں
- چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے لا الٰہ الا اللہ کا ورد رکھیں۔
- جنت الفردوس طلب کریں، عذاب دوزخ سے پناہ مانگیں، اور ملک و ملت کی صلاح و فلاح کی دعا کریں۔

(بقیہ) سکون قلب

آپ اس کے احترام میں اٹھ جاتے ہیں اور اپنی سیٹ پر اسے بٹھاتے ہیں اس طریقے سے آپ صبح و شام سفر کرتے ہیں

"زندگی بھی ایک سفر ہے" آپ کا یہ سارا سفر ذکر اللہ ہے اگرچہ آپ کے ہاتھ میں تسبیح نہیں، آپکی زبان پر اللہ اللہ کے الفاظ نہیں۔ لیکن آپ کا دل عظمت خداوندی سے لبریز ہے تو آپ ذکر الٰہی میں مشغول ہیں۔

کہنے کا مدعا یہ ہے کہ ہر وقت ہر کام میں اللہ کی عظمت کو یاد کر لیا کریں۔ جب ہم رشوت لینے دینے لگیں، جب نا قابل کی سفارش کرنے لگیں، جب دوسرے کے مال و جائداد پر قبضہ جتانے لگیں۔ یا چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری کے وقت اللہ کی عظمت کا تصور کر لیا کریں۔ اس ہستی کو دل کے نہاں خانے سے نکالنے کی زبردستی کوشش نہ کریں۔ یہ تو اس کا گھر ہے۔ ہم اس کو گھر (دل) سے نکال کر کبھی مطمئن نہ ہوں گے۔

نماز تراویح میں حفاظ کرام کی عجلت

مولانا اشرف علی تھانویؒ

بعض لوگ تراویح سے جلد فارغ ہونے کے لیے اس قدر عجلت کرتے ہیں کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بھی نہیں پڑھتے اور التحیات کے بعد درود شریف تو کوئی اللہ کا بندہ پڑھتا ہوگا اور التحیات بھی بہت تیز پڑھتے ہیں۔ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود صرف قرآن خوانی کو سمجھتے ہیں اور نماز کو مقصود نہیں جانتے ورنہ اس کے اجزاء میں یہ کتر بیونت نہ کرتے اور قرآن کریم بھی اس تیزی سے پڑھتے ہیں کہ بجز غفور اور شکور کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا پڑھا۔ غرض یہ خواہش ہوتی ہے کہ جلدی سے خلاصی ہو جائے۔

ایک سررشتہ دار اور ایک ان کے نائب دونوں ایک کچہری میں تھے۔ انگریز ان کو نماز کے وقت اجازت دیدیتا تھا کہ تم نماز پڑھ آؤ۔ سررشتہ دار صاحب تو نمازی تھے وہ نماز خشوع و خضوع کے ساتھ اطمینان سے پڑھ کر آتے تھے اور نائب صاحب بے نمازی تھے وہ تھوڑی سی دیر میں واپس آجاتے تھے، صاحب نے ایک روز پوچھا کہ تم بہت جلدی واپس آجاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم نماز نہیں پڑھتا ہے۔ کہا کہ سررشتہ دار صاحب نئے نمازی ہیں، نماز ان کو آتی نہیں وہ سوچ سوچ کر نماز پڑھتے ہیں اور مجھ کو نماز کی خوب مشق ہے۔ پرانا نمازی ہوں اس لیے جلدی پڑھ کر واپس آجاتا ہوں۔

مولانا محمد یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہماری نماز کی مثال ایسی ہے جیسی کہ گھڑی کی کہ اس کو کوکنے کی ضرورت تو ہوتی ہے مگر جب ایک مرتبہ کوک دی تو پورے چوبیس گھنٹے بعد بند ہوگی، اس طرح ہماری نماز ہے کہ شروع کر دی تو مشین کی طرح تمام ارکان ادا ہو رہے ہیں، السلام علیکم ہی پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ خصوصاً تراویح کا تو بہت ہی ناس کرتے ہیں حالانکہ نماز کی ہیئت اور اس کے تمام احکام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور قلب کی بہت ہی رعایت رکھی گئی ہے۔ چنانچہ ہر چار رکعت پڑھنے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنے کا قاعدہ ہے وہ اسی لیے ہے کہ جو تکان ہوگئی ہے اس سے سکون ہو جائے اور نشاط عود کر آئے تاکہ آئندہ چار رکعت اطمینان سے ادا ہوں۔ اب بعض حفاظ تو بالکل بیٹھتے ہی نہیں اور جو بیٹھتے ہیں وہ ٹالا سا چھوڑ دیتے ہیں آجکل لوگ دو طرح سے ظلم کرتے ہیں، بعض تو یہ کرتے ہیں کہ تین تین چار چار پارے پڑھتے ہیں، اور بعضے تو بڑھتے ہیں سوا ہی، مگر بہت آہستہ رفتار سے پڑھتے ہیں۔ رمضان میں ان حفاظ کی عملداری ہوتی ہے جس طرح چاہتے ہیں بیچارے مقتدیوں کو دق کرتے ہیں تو سط کی رعایت ہر حال میں ہونی چاہئے نہ اتنی طویل ہو کہ گرانی ہونے لگے، نہ اس قدر تعجیل ہو کہ قرآن اور نماز کے حقوق بھی فوت ہو جائیں۔

صدقِ احساس کی دولت

صدقِ احساس کی دولت مرے مولیٰ دیدے
غمِ امروز بھلا دے، غمِ فردا دے دے

دھن کچھ ایسی ہو فراموش ہو اپنی ہستی
دلِ دیوانہ و سودائی و شیدا دے دے

اپنے میخانے سے اور دستِ کرم سے اپنے
دونوں ہاتھوں میں مرے ساغر و مینا دیدے

کھول دے میرے لئے علم حقیقت کے در
دلِ دانا، دلِ بینا، دلِ شنوا دیدے

قول میں رنگِ عمل بھر کے بنا دے رنگیں
لبِ خاموش بنا کر دلِ گویا دے دے

دلِ بے تاب ملے دیدۂ پُر آب ملے
تپِ آتش مجھے دیدے، نمِ دریا دیدے

دردِ دل سینہ میں رہ رہ کے ٹھہر جاتا ہے
جو نہ ٹھہرے مجھے وہ دردِ خدایا دے دے

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

رمضان کے مسائل

س:۔ آج کل تراویح کی نماز ایک ہی رات میں ادا کی جاتی ہے، جسے شبینہ کہتے ہیں اس میں کچھ لوگ کھڑے ہو کر امام کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں تو کچھ لوگ بیٹھ کر نفل پڑھتے ہیں تو کچھ لوگ کھانے پینے میں مصروف رہتے ہیں کیا شبینہ کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے۔

ج:۔ شبینہ کا مروجہ طریقہ کراہت سے خالی نہیں ہے کچھ لوگ تو جماعت میں شریک ہیں اور کچھ کھانے پینے میں لگے ہیں اس طرح جماعت اور تراویح دونوں کے احترام کے خلاف عمل ہوتا ہے، البتہ اگر سارے مقتدی چست اور صحتمند ہوں اور جماعت کے ساتھ نشاط کے ساتھ نماز تراویح ادا کریں اور حافظ بھی صاف اور واضح الفاظ میں قرآن پڑھے تو ایسی صورت میں شبینہ درست ہو سکتا ہے۔

س:۔ آج کل رمضان میں لوگ رواداری کے طور پر ہندوؤں اور لادین افراد و سیاسی لیڈروں کو افطار کے موقع پر بلاتے ہیں اور اس موقع پر علماء اور دیندار طبقہ کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور نماز چھوڑ کر وہ لوگ ماڈرن طرز پر کھڑے ہو کر افطار کرتے ہیں کیا یہ طریقہ درست ہے؟

ج:۔ اس طرح کی افطار پارٹی جن سے سیاسی و دنیوی اغراض وابستہ ہوں اور اس کا مقصد اللہ کی رضا نہ ہو بلکہ مقصود شہرت و ناموری ہو ساتھ ہی اس میں روزہ کا احترام بھی نہ کیا جائے اور کھانے کے اسلامی آداب کو بھی ملحوظ نہ رکھا جائے اور پھر نماز کا چھوڑنا اس پر مستزاد، تو ایسی پارٹیوں کا انعقاد شرعاً درست نہیں ہے رواداری کے لیے مذہب کی روح اور اس کے احترام کے خلاف عمل کرنا سخت گناہ کا کام ہے اس سے مکمل احتراز لازم ہے۔

س:۔ میری طبیعت خراب رہتی ہے اور عمر بھی تقریباً ۷۰ سال سے اوپر ہو چکی ہے، نیز آپریشن ہونے کی وجہ سے میں اس بار رمضان میں صرف تین روزے ہی رکھ سکا اور بقیہ روزوں کا فدیہ ادا کیا ہے، ابھی کمزوری برقرار ہے، کیا قضا روزے رکھنا ہے یا ادا کیا ہوا فدیہ کافی ہوگا؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں چونکہ سائل کافی عمر رسیدہ ہیں اس لیے اگر ضعف و ضعیفی کی وجہ سے قضا پر قادر نہیں ہیں تو ان کا ادا کیا ہوا فدیہ کافی ہوگا۔

• وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی المریض إذا تحقق الیاس من الصحة فعلیه الفدیة لکل یوم من المریض۔ (رد المحتار ۲/۴۲۶)

س:۔ بعض لوگ رات میں دیر سے کھانا کھاتے ہیں اور سحری کے وقت بیدار نہیں ہوتے ہیں یوں ہی روزہ رکھ لیتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

ج:۔ روزہ کے لیے سحری کھانا مستحب ہے، بغیر سحری کھائے روزہ رکھنا جائز ہے البتہ استحباب کے خلاف ہے۔

س:۔ انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، قضا لازم ہوگی یا کفارہ؟

ج:۔ انجکشن لگوانے سے چونکہ دوا کا جوف و دماغ، معدہ میں نہیں پہنچتی ہے اس لیے روزہ نہیں ٹوٹتا لہٰذا نہ قضا لازم ہے نہ کفارہ۔

س:۔ داڑھی منڈوانے والے کی شہادت رویت ہلال میں جبکہ عرفاً وہ ثقہ ہو معتبر ہے یا نہیں؟

ج:۔ داڑھی منڈوانے والا اگرچہ عرفاً ثقہ اور قابل اعتماد ہو مگر اس کی گواہی شرعاً غیر مقبول ہے لہٰذا رویت ہلال میں اس کی شہادت غیر مقبول ہوگی۔

س:۔ آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ آنکھ میں سرمہ ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا آنکھ میں ڈالی ہوئی دوا اور سرمہ کا رنگ و مزا کبھی حلق اور تھوک میں جو محسوس ہوتا ہے تو وہ مسامات میں ہو کر پہنچا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

س:۔ کیا روزہ دار کسی چیز کا مزہ چکھ سکتا ہے یا اس کو چبا سکتا ہے؟

ج:۔ کسی چیز کا مزہ چکھنا یا اس کو چبانا مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ کسی عذر کی وجہ سے نہ ہو مثلاً کوئی عورت اپنے شوہر کے لیے کھانا پکاتی ہو اور اس کی بدمزاجی سے یہ خوف ہو کہ اگر نمک درست نہیں ہوگا تو وہ خفا ہوگا۔ تو چکھنا درست ہے۔ اسی طرح کوئی چھوٹا بچہ ہو اور کوئی چیز اس کو کھلانا ہو اور اس کا بدل نہ ہو تو ایسی صورت میں چبا کر بچے کو دینے کی اجازت ہے بشرطیکہ حلق کے نیچے اس کا اثر نہ جائے۔

س:۔ بھول کر کھا پی لینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں دوسرے لوگوں کو یاد دلانا چاہیے یا نہیں؟ (باقی ص۳۰ پر)

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

نام کتاب: تذکرۂ اکابر
مرتب: مولانا نظام الدین صاحب قاسمی
سائز: ۲۲×۱۸/۸
صفحات: ۲۴۸
کتابت، طباعت اور کاغذ: مناسب
قیمت: چالیس روپیہ
ملنے کے پتے: جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا ضلع دھولیہ (مہاراشٹر) ۴۲۵۴۱۵
مولانا نظام الدین خاں قاسمی، قاسمی محلہ، راجو پٹی سیتامڑھی (بہار) ۸۴۳۳۰۱

بزرگوں کے حالات معلوم کرنے اور پڑھنے کو کس کا جی نہیں چاہتا ہے مگر ایک مشغول آدمی خاص طور سے تدریس و تصنیف میں مشغول آدمی بزرگوں پر لکھی گئی ضخیم کتابیں نہ پڑھ پا کر افسوس کرتا ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جناب مولانا نظام الدین صاحب کو کہ انھوں نے یہ کتاب لکھ کر بہتوں کی مشکل حل کر دی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر دور حاضر تک تقریباً سو بزرگوں کے تذکرے اس طرح جمع کر دیئے ہیں کہ ہر تذکرہ پانچ منٹ سے زیادہ وقت نہ لگے اور ساری ضروری باتیں معلوم ہو جائیں اور بڑی اہم بات یہ ہے کہ کوئی تفصیل دیکھنا چاہے تو تذکرے کے آخر میں مآخذ بھی درج ہیں، اسلوب اور زبان کے اعتبار سے بھی کتاب اچھوتی ہے۔

زندہ لوگوں میں درج ذیل حضرات کے تذکرے ہیں:۔

مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، مولانا عبدالحلیم جونپوری، مولانا رضا اجمیری، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، مولانا انعام الحسن کاندھلوی، مولانا اسرار الحق ہردوئی، مولانا قاری صدیق احمد باندوی، مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی، مولانا سید اسعد مدنی، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا شیخ محمد یونس جونپوری، مولانا غلام محمد وستانوی۔ اللہ ان سب کی عمریں دراز فرمائے اور امت کو ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بزرگوں کے حالات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب بہت ہی ضروری ہے اور چاہئے کہ ہر لائبریری میں یہ کتاب موجود ہو۔

کتاب کا نام "تذکرۂ اکابر" کے بجائے "تذکرۂ اکابر ہند" ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔

"حمزہ کا نذ" ۲۴ صفحات پر مشتمل ایک منظوم کتابچہ ہے جسے منجھے ہوئے شاعر مائل خیر آبادی نے بچوں کی زبان میں تصنیف فرمایا ہے، یہ مسلم نوجوانوں کے لئے "آہا جیسے جوشیلے رجزیہ کلام کا نعم البدل ہے موجودہ تہذیب کے نوجوانوں خاص کر دیہات کے نوجوانوں کے لئے خاصے کی چیز ہے جب کہ اردو زبان کی ناز برداری کرنے والوں کے ذہنوں پر بھی بار ہے۔

۱۱۴ اشعار پر مشتمل پوری نظم میں دو اہم واقعات دکھلائے گئے ہیں، غزوۂ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں عتبہ کا مارا جانا اور حضرت حمزہؓ کا اسلام لانا، ترتیب یہی رکھی گئی ہے جب کہ حضرت حمزہ کے اسلام لانے کا بیان پہلے لانا چاہئے، اگلے اڈیشن میں اگر یہ ترتیب بدل دی جائے تو بہتر ہو، دو جگہوں پر کچھ سکتہ سا لگ رہا ہے۔ ص ۱۱ آخری شعر ہے

اُبھی کے آگے جگت چمپین گھٹنے ٹیکے سیس نوائے
گنگیا گنگیا کے کرے کھسا مد کھیں کا زبکار جائے

دوسرے مصرعہ میں "کے" زائد لگ رہا ہے، جگت چمپین موزوں تو ہے لیکن اگر وہ چمپین موزوں کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ جگت کے ساتھ تو سورما لانا بہتر ہوگا۔ اس لئے میرے نزدیک شعر یوں ہو تو زیادہ بہتر ہو ؎

اُبھی کے آگے جگت سورما گھٹنے ٹیکے سیس نوائے
گنگیا گنگیا کرے کھسامد کھیں کا ابکارہ رہ جائے

ص ۲۴ پر تیسرے شعر کا دوسرا مصرعہ یوں ہے ؎

کس کس جا پھر دکھاں تم آکو تو کچھ کہے ہے نائے

اس کو یوں کر دینا بہتر ہوگا۔

اچھا اب کس ہوئی جاؤ پیارے گم دیوانہ دور بھگائے
کس کس جا پھر دکھاں کو نہ کچھ کرے ہے نائے

کتاب کی قیمت چار روپیہ ہے ملنے کا پتہ مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر، دہلی ۱۱۰۰۰۶

نام کتاب: "نظامت اور خطابت۔ سیکھئے"
از:۔ شفیق احمد قاسمی۔
سائز: ۲۲×۱۸/۸ صفحات ۲۱۶، طباعت و کاغذ مناسب۔ قیمت چالیس روپئے، ملنے کا پتہ: پیغام بک ڈپو، اردو بازار۔ جلال پور ضلع فیض آباد۔

کوئی بھی انسان تہذیب و ثقافت، تحریر

(باقی صفحہ ۱۸ پر)



مدرسہ اسلامیہ مہیت مئو شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں سالانہ تعلیمی انعامی مقابلہ ۲۴ ہوتا ۲۶ جمادی الآخر منعقد ہوا۔ اعلان سنتے ہی طلباء میں خوشی اور جذبہ کی لہر دوڑ گئی طلباء نے مجوزہ عناوین پر تیاریاں شروع کردیں، معتمد حضرات کے پاس ساعیین کے ناموں کے لکھے جانے کی جلد تاریخ کا بھی اعلان کردیا گیا۔ الحمدللہ طلباء نے پورے جوش وخروش کے ساتھ مختلف پروگراموں کے لیے اپنے نام لکھوانا شروع کیے، ناموں کی فہرست دیکھکر فکر اور خطرہ پیدا ہوا کہ اس قلیل مدت میں یہ سارے پروگرام کیوں کر ہوسکیں گے آخرکار طلباء کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے تین دن میں پروگراموں کی نشستوں میں اضافہ کرکے سارے خواہشمند طلباء کو شرکت کا موقع دیدیا گیا، امسال پروگرام شروع ہونے کے دو تین روز قبل دارالعلوم اور معہد دارالعلوم کے اساتذہ کرام کو صدر اور حکم کے دعوت نامے پیش کردیئے گئے جن کو بفضلہ تعالیٰ اکثر حضرات نے قبول فرمالیا اور مقررہ اوقات پر تشریف لاکر طلباء اور اساتذہ کی حوصلہ افزائی فرمائی ہم ان سب حضرات کے مشکور ہیں یہ جلسے شرکاء کی کثرت کی وجہ سے آخری دن ۱۲ بجے رات تک جاری رہے۔

بتاریخ ۲۹ جمادی الثانی بروز دوشنبہ مدرسہ اسلامیہ مہیت مئو شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں انجمن الاصلاح کی جانب سے طلباء کے تقریری مظاہرے کے بعد ایک جلسہ تقسیم انعامات کے لیے بعد نماز مغرب منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم، مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب، مولانا سید واضح رشید صاحب ایڈیٹر الرائد، مولانا شمس الحق صاحب ندوی ناظم مدرسہ ہٰذا اور ماسٹر اطہر صاحب استاذ انگریزی دارالعلوم ندوۃ العلماء نے شرکت کی ان حضرات کے علاوہ دیگر مہمانان گرامی نے شرکت فرماکر طلبہ کی بہت افزائی فرمائی خصوصی مہمانوں میں بھوپال کے مہمان مستقیم ندوی اور ہارون ندوی شریک تھے جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد شکیل احمد (عالیہ اولیٰ) نے مولانا محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور معروف حمد

> الٰہی لا تعذبنی فانی
> مقرٌ بالذی قد کان منی

پڑھی۔ جلسہ کی خاص بات طلبہ مدرسہ اسلامیہ کا جوش وخروش تعمیری و ترقی میدان میں کامیابی کی تڑپ اور لگن تھی جس کا اظہار فرسٹ (اوّل) آنے والے طلبا نے تمام شرکاء مجلس کی موجودگی میں اپنے اپنے عنوان کے تحت کیا، بزم خطابت علیا میں پہلا انعام حاصل کرنے والے طالب علم محمد رضوان (عالیہ اولیٰ) نے نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز کے عنوان پر تقریر پیش کی، جن کی تقریر نگہ بلند اور سخن دلنوازی، جاں پرسوزی کا پورا پورا عکس موجود تھا

(عربی تقریر)

النادی العربی میں پہلا انعام حاصل کرنے والے طالب علم محمد نظیر الدین (ثانویہ خامسہ) نے مرقاب والہ میں الحاجۃ الی وحدۃ الامۃ المسلمۃ کے موضوع پر تقریر کی۔ اسی طرح انگریزی اور ہندی میں ترتیب وار۔ محمد فخر الدین (ثانویہ خامسہ) محمد ایان (ثانویہ خامسہ) نے اپنی اپنی تقریریں پیش کیں۔

اس کے بعد صدر جلسہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مہتمم دارالعلوم نے طلباء کو گرانقدر نصیحتوں سے نوازا، مولانا کی دانشورانہ اور دوراندیشانہ باتیں شرکاء مجلس کیلئے نقوش راہ کی حیثیت رکھتی ہیں، مولانا نے اختصار بیان طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ انسان کو ہمیشہ یہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ اسکی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہونچے، خواہ دوسرا شخص اور مفید کام کرے یا نہ کرے کیونکہ دوسروں کی نظیر کام کرنے یا نہ کرنے کے سلسلے میں پیش کرنا انسانی معاشرے کے ڈھانچے کو زبردست نقصان پہونچاتی ہے۔ اس نظیر سے انسانی معاشرہ ترقی کے بجائے تنزلی اور تعمیر کے بجائے تخریب کی راہ پر گامزن ہوجاتا ہے۔ آخر میں مولانا نے خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے تمام حصہ لینے والے طلباء کی عموماً اور انعام حاصل کرنے والے طلباء کی خصوصاً تعریف کی اور حوصلہ افزائی کے کلمات عالیہ سے نوازا، جس کا سلسلہ ساڑھے سات بجے رات تک چلا

پندرہ روزہ تعمیر حیات ایک تحریک ہے، اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں۔

(بقیہ)
رمضان کے مسائل

کی وجہ سے مغرب کی نماز و جماعت میں غروب کے بعد دس بارہ منٹ کی تاخیر کر دی جائے تو کچھ حرج نہیں اور افطار کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینا کافی ہے "اللّٰھم لک صمت وعلیٰ رزقک افطرت" اور افطار کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے "ذھب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللّٰہ تعالیٰ"۔

تراویح اور وتر

عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت تراویح بجماعت مسنون ہے، اگر حافظ بلا معاوضہ پڑھنے والا مل جائے تو تمام رمضان میں ایک قرآن مجید ختم کرنا چاہئے، اس قدر زیادہ پڑھنا مکروہ ہے جس سے اکثر مقتدیوں کو تکلیف ہو، اور تین دن سے کم میں ختم کرنا اچھا نہیں، اگر تراویح میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پوری چار رکعت پر سلام پھیرا تو ان چاروں کو دو کی جگہ شمار کرنا چاہئے، جس شخص کی دو یا چار رکعت تراویح کی رہ گئیں وہ امام کے ہمراہ جماعت وتر پڑھ لے اور پھر اپنی باقی تراویح ادا کرے تو درست ہے، جس شخص کو عشاء کے فرض با جماعت نہیں ملے وہ وتر کو امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے، جو حافظ روپیہ کی طمع میں قرآن شریف سناتا ہے اس سے بہتر وہ ہے جو "الم تر کیف" سے پڑھائے۔ اگر اجرت مقرر کر کے قرآن مجید سنایا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو، اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں سخت گناہ ہے، نابالغ کو تراویح میں بھی امام بنانا جائز نہیں، حدیث وفقہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔

دمِ رخصت

ندوۃ العلماء کی اس روایت کے مطابق کہ فارغ ہونے والے طلبہ کی وہ طلبہ جو اگلے سال فارغ ہوں گے الوداعی دعوت کرتے ہیں اور پھر ایک الوداعیہ جلسہ بھی منعقد ہوتا ہے جو عموماً ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارت میں ہوتا ہے اس موقع پر رخصت ہونے والے طلبہ اپنے تأثرات پیش کرتے ہیں اپنے ادارہ واساتذہ کرام کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور رخصت کرنے والے طلبہ اپنے تأثرات اظہار محبت وتعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد حضرت مولانا مدظلہ کی زریں نصیحتوں اور وصیتوں پر جلسہ کا اختتام ہوتا ہے، یہ نصائح انشاء اللہ ہم اگلے شمارہ میں پیش کریں گے، اس وقت ہم رخصت ہونے والے اور رخصت کرنے والے طلبہ کے منظوم تأثرات ہی کو پیش کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں ——— (ادارہ)

الوداع اے مادرِ علمی بہشتِ علم و فن
الوداع اے گلستانِ لالہ نسرین نسترن

جا رہا ہوں چھوڑ کر امروز تیرا باغ و بن — تا ابد رکھے خدا شاداب تیرا بانکپن
خطۂ ارض بنا ہے ریگزار و شعلہ زن — کوئے مسلم جل رہا ہے خشک ہے گنگ و جمن

جائیں گے لے کر ترا پیغام نکہت ہر چمن
اور پھر پھیلائیں گے دنیا میں اس کی ہر کرن

اے گلستانِ مورخی کے امیر کارواں — آپ کے اخلاص نے ندوے کو دی رعنائیاں
کل تلک جس انجمن سے تھے ہزاروں بدگماں — آج اسی گلشن کے ہیں توصیف سے رطب اللساں

بج رہی ہیں عالم اسلام میں شہنائیاں
ندوہ، ندوی کی صدائے گونجتا ہے آسماں

ہم اسی گلزار کے ہیں ذرہ اک ناتواں — جا رہے ہیں رزم میں کرنا عزم جواں
ہے دعا اللہ سے رکھے ہمیشہ کامراں — تاکہ مخلوق خدا ہو نیک نام و شادماں

جاتے جاتے شیشۂ دل چور ہے اے مہرباں
التجا ہے بس دعا کی اے امیر کارواں

یادِ یارانِ چمن جس دم ہمیں تڑپائے گی — بعث و دراکر کی زباں تعبیر بھی یاد آئے گی
مکتبۂ شبلی کی میز و مسند بھی ترسائے گی — گو دیری اعداف انہ ترا دھرا آئے گی

فرط غم ہر کر غم بھی اس دم بہت شرمائے گی
غیرت و بے چارگی پھولوں کو گرمائے گی

اشک آنکھوں سے بہانا فرض کی ہے والسیم — مرد میداں کے لبوں پر رہتا ہے ہر دم تبسم
جانے والے بھائیو! آنسو رہے بس عارضی — سنگ ہے وہ دل، نہ ہو جس میں نمی، سنجیدگی

یاد ہر لمحہ رہے جو شان ہے تابندگی
مادرِ علمی کہ پنہاں ہے اس میں ہر خوشی

الوداع کہتے ہیں تجھ کو مادرِ علمی سبھی — یعنی گلستانِ ثانیہ کے غنچہ و گل، لالہ کلی
خونفشاں آنکھیں ہیں سب کی چھلکا ہے فرط غم — شاد باد و بامراد و مادرِ علمی مری

ختم کر اب اشرفِ محزوں نوائے نغمگی
اس دعا کے ساتھ ہم سے ہو جہاں میں بندگی

(مشرف فردوسی ندوی)

رخصت ہونے والے طلبہ کے تاثرات

منجانب طلباء عالیہ ثانیہ شریعہ وادب
منجانب طلباء عالیہ اولی شریعہ وادب

الوداع ہمدم ہمارے ہم کلام و ہم زباں   الوداع اے زینت گلشن بہار بوستاں
الوداع اے فاضل ندوہ ، لئے صد خوبیاں   خوش سلیقہ اور خوش گفتار و خوش دل خوش بیاں
اس جدائی سے ہوا جاتا ہے ہر دل بے قرار
تیرے جانے سے نہ لٹ جائے چمن کی یہ بہار

الوداع ہم آج کہتے ہیں مگر اے مہرباں   کاش نظروں میں نہ ہوتا یہ جدائی کا سماں
تجھ کو کھو کر پائیں ہم ممکن ہے اب یہ پھر کہاں   دیت نئی کروٹ بدلتا ہے یہ ظالم آسماں
کیوں نہ روئیں اہل گلشن جا رہا ہے جانِ جاں
اب بتائیں گے کسے حالاتِ دل شا رازداں سے

تم جو آئے تھے تو کیا تھے ایک ننھی سی کرن   چھوڑ کر اپنا وطن گھر اپنا اپنی انجمن
کوششِ استادگاں اور التفاتِ بو الحسن   یہ وہ صیقل تھا بنایا جس نے صاحب فکر و فن
روشنی علم سے دامن کو ایسا بھر دیا
ایک نازک سی کرن کو ماہِ کامل کر دیا

گلستان ندوہ کے اے خوب سیرت بلبلو!   آج کیوں خاموش ہو کچھ تو کہو شورش کرو
اشکباں غم سے یوں دامن ہمارے مت بھرو   چشم نم سے یہ کہو فرقت میں اب اتنا نہ رو
بیت بازی خوش بیانی محفل شعر و سخن
یاد آئے گی تمہارے ساتھ کی ہر انجمن

جاتے جاتے کر لو ندوہ کی بہاروں کو سلام   ہر طرف ہر رہگذر اور مرغزاروں کو سلام
مسجد ذی شان اور اس کے مناروں کو سلام   خامشی پر مسلط ہے نظاروں کو سلام
تک رہی ہے یاس و حسرت سے ہر اک شئی آس پاس
گیٹ کے اس پار موجِ آب جو بھی ہے اداس

جا رہے ہو تم اس طرح ہم کو چھوڑ کر   آج کے بچھڑے نہ جانے کب ملیں کس موڑ پر
انقلاب زندگی سے ہے ملا کس کو مفر   کل جو ہوگا ماسوا اللہ کس کو ہے خبر
جاگتے رہنا گرہ میں باندھ رکھنا بات کو
گرگ مکاری سے حملہ کرتے ہیں بس رات کو

علیا اولی کے سبھی طلبا کی ہے بس یہ دعا   ہر طرح ہر حال میں خوش حال ہی رکھے خدا
علم دیں کی روشنی پھیلائیں ہر جانب سدا   تیرے دم سے ہو ہمیشہ قوم و ملت کا بھلا!!
کام ایسا ہو، ہے ہندوستاں جنت نشاں
بن کے رہبر ابن کے قائد بن کے میر کارواں

آگ نخوت کی جلا دیتی ہے خرمن علم و فن   دور رہنا اس سے یہ ہے دشمن ہر جان و تن
تم شمیم گل ہو، پھیلو اور مہکاؤ چمن   نقش پائے مصطفیٰ پر ہی سجاؤ انجمن
ہے دعا مند زکی تم مشفق رہو سب کے خلیل
ہو محافظ ہر جگہ ہر حال میں رب جلیل   پیش کردہ، محمد منذر کمرانی، ندوی

نتیجۂ فکر
خلیل احمد بیتاب گرامی

(بقیہ) اسلام میں معاشی جدوجہد

جس کا ایک حصہ ہم اوڑھتے اور ایک بچھاتے ہیں، ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ، وہ لے آئے، آپ نے ان کو ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ ان کو کون خریدتا ہے، ایک شخص نے کہا میں ایک درہم میں خریدتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا کوئی شخص اس سے زیادہ دیتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں دو درہم میں لیتا ہوں، آپ نے دونوں چیزیں اس شخص کو دے دیں اور دو درہم لے کر انصاری کو دیئے اور فرمایا کہ ایک درہم کا کھانے پینے کا سامان خرید کر اپنے گھر بھیج دو اور ایک درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ، وہ شخص کلہاڑی خرید کر لے آیا، آپ نے اپنے ہاتھ سے اس میں بینٹ لگا کر انصاری کو دیا، کہ جاؤ اس سے لکڑی کاٹ کر فروخت کرو، میں پندرہ دن تک تم کو نہ دیکھوں[۴] اس ارشاد پر انھوں نے پورا عمل کیا، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے، تو ان کے پاس دس[۵] درہم تھے، اس سے انھوں نے کپڑا اور کھانے پینے کا سامان خریدا، آپ نے فرمایا یہ تمہارے لئے اس سے کہیں بہتر ہے کہ بھیک مانگنے سے قیامت میں تمہارا چہرہ داغدار ہو جائے سوال کرنا صرف ایسے آدمی کے لئے جائز ہے، جو انتہائی افلاس میں مبتلا ہو، یا جس پر بڑا تاوان عائد ہو گیا ہو یا خونبہا۔[۶]

(ماخوذ از:۔ دین رحمت)

---

[۱] جامع صغیر جلد اول [۲] ابن ماجہ باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ۔ [۳] ایضاً، [۴] جامع صغیر۔ [۵] بخاری

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کیلئے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

بقیہ:۔ حکمت الٰہی اور ستر خدائی

بلکہ وہ باریکیاں معاصرین کے بارے میں بھی معلوم نہیں ہوتیں، اور یہ صرف حدیث شریف کا کارنامہ ہے، جس نے آپ کی حیات مبارکہ کی ایک ایک چیز ہمارے سامنے رکھ دی۔

قدیم امتوں اور دوسرے مذاہب کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے انبیاء کی تصویر بنالیا کرتے تھے اور ان کا مجسمہ تراش لیتے تھے اور موجودہ نسلوں کے سامنے پیش کرتے اور ان کی یاد تازہ کرتے رہیں۔ بت پرستی کا آغاز ہوا جس سے سب واقف ہیں اور وہ آفتیں نازل ہوئیں جن سے ہر امت دوچار ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت اور اس انسانیت پر بڑا فضل فرمایا کہ اس کے لئے انبیاء کی تصویر گری اور بت تراشی کو حرام کردیا۔ اور اس کے بدلہ میں حدیث نبوی کا وہ تحفہ عطا فرمایا جو بولتی چالتی تصویروں کا حسین مرقع ہے۔ جس سے آدمی اپنے نبی کو پہچان سکتا ہے اور آپ کی صحبت کی سعادت حاصل کرسکتا ہے۔ گویا کہ وہ مجلس میں حاضر ہوگیا اور آپ کی بات سن لی۔ ایک زمانہ آپ کے ساتھ گذار لیا۔ آپ کے افعال کا مشاہدہ اور آپ کی سیرت کا مطالعہ کرلیا، تو خدا محفوظ رکھے اس قیمتی اور عظیم نعمت کا ضائع ہوجانا ایک ایسا حادثہ ہے جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے اور ایسا خسارہ ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

حدیث مسلمانوں کی مستند زندگی کے معیار و میزان کی حیثیت سے

حدیث نبوی ایک ایسی صحیح میزان ہے جس میں ہر دور کے مصلحین و مجددین اس امت کے اعمال و عقائد، رجحانات و خیالات کو تول سکتے ہیں اور امت کے طویل تاریخی و عالمی سفر میں پیش آنے والے تغیرات اور انحرافات سے واقف ہوسکتے ہیں۔ اخلاق و اعمال میں کامل اعتدال و توازن اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک کہ قرآن و حدیث کو بیک وقت سامنے نہ رکھا جائے، اگر حدیث نبوی کا وہ ذخیرہ نہ ہوتا جو معتدل، کامل و متوازن زندگی کی صحیح نمائندگی کرتا ہے اور وہ حکیمانہ نبوی تعلیمات نہ ہوتیں اور یہ احکام نہ ہوتے جن کی پابندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے سے کرائی تو یہ امت افراط و تفریط کا شکار ہوکر رہ جاتی، اور اس کا توازن برقرار نہ رہتا اور وہ عملی مثال موجود نہ رہتی، جس کی اقتدا کرنے کی خدا تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ترغیب دی ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"۔[1]

(یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اسوۂ حسنہ ہے)

اور یہ فرماکر آپ کے اتباع کی دعوت دی ہے

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ"[2]

(آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا)۔

یہ ایک ایسا عملی نمونہ ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہے اور جس سے وہ زندگی اور قوت و اعتماد حاصل کرسکتا ہے اور یہ اطمینان کرسکتا ہے کہ دینی احکام کا زندگی پر نفاذ نہ صرف آسان بلکہ ایک امر واقعہ ہے۔

حدیث احتساب امت کا ایک طاقتور ذریعہ اور مصلحین و مجددین امت کی ایک تربیت گاہ

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی و قوت اور اثر انگیزی سے بھرپور ہے اور ہمیشہ اصلاح و تجدید کے کام، فساد اور خرابیوں اور بدعتوں کے خلاف صف آراء اور برسر جنگ ہونے اور معاشرہ کا احتساب کرنے پر ابھارتی رہی ہے۔ اور اس کے اثر سے ہر دور اور ہر ملک میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے، جنھوں نے اصلاح و تجدید کا جھنڈا بلند کیا، کفن بدوش ہوکر میدان میں آئے اور بدعتوں اور خرافات اور جاہلی عادتوں سے کھلی جنگ کی، اور دین خالص اور صحیح اسلام کی دعوت دی، اسی لئے حدیث نبوی امت اسلامیہ کے لئے ایک ناگزیر حقیقت اور اس کے وجود کے لئے ایک لازمی شرط ہے، اس کی حفاظت، ترتیب و تدوین، حفظ اور نشر و اشاعت کے بغیر امت کا یہ دینی و ذہنی، علمی و اخلاقی دوام و تسلسل برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ (جاری)

---

[1] الاحزاب۔۲۱۔ [2] سورہ آل عمران۔۳۱۔

(بقیہ) سوال وجواب

ج:۔ کسی شخص کو روزہ کا خیال نہ رہا اس بنا پر اس نے کچھ کھا پی لیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا خواہ فرض روزہ ہو یا نفل ایسی صورت میں اگر اس میں روزہ رکھنے کی بھرپور قوت ہو تو دیکھنے والوں کو یاد دلانا واجب ہے اور اگر اس میں قوت نہ ہو تو یاد دلانا ضروری نہیں ہے۔

س:۔ کیا سر میں تیل لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

ج:۔ سر میں تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

س:۔ کیا کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

ج:۔ کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۲ — شمارہ نمبر ۷

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۹۵ء

سرپرست
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی
مولانا محمود الحسن ازہر ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبد الرشید ندوی
مولانا محمد رضوان ندوی
مولانا ہارون رشید ندوی

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ——— ۵ روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک ———

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

۲۵ ڈالر ———

بیرونی ممالک بحری ڈاک ———

بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۰۰ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ———

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ——— مینجر

مینجر تعمیر حیات پوسٹ بکس 93 ندوۃ العلماء لکھنؤ یوپی 226007

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے شائع کیا

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰ روپے کے حساب سے زرضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

(مولانا سیّد) محمّد رابع حسنی ندوی

اور روحانی تربیت کا سالانہ نظام

رمضان المبارک کا مہینہ خیر و برکت کا مہینہ ہے، ایمان و عبادت کا مہینہ ہے، مسلمان کو مسلمان بن کر اور اپنے اعمال کو خدا کی خوشنودی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کا مہینہ ہے، دولت مند کو اپنی دولت مندی کے ذریعہ خدا کو راضی و خوش کرنے کا اور غریب کو اپنی غریبی کے باوجود نیک عمل کرنے کا مہینہ ہے، یہ مہینہ آتا ہے تو فضا کو پر نور بنا دیتا ہے، اہل ایمان میں مسرّت کی لہر دوڑا دیتا ہے، مسلمانوں کی صبح و مسا کو عجیب رونق سے پر رونق بنا دیتا ہے، بڑے عمر کے لوگ خلوص عمل کے ساتھ نیکی پر کاربند ہوتے ہیں، چھوٹی عمر کے افراد اس ماہ کی پر لذت افطاری سے سرور و لطف حاصل کرتے ہیں۔ اس کی قبل فجر کی سحریاں اور اس کے غروب شمس کی افطاریاں اس کی راتوں کا ذکر و عبادت، اس کے دنوں کی تلاوت سب اس ماہ کی رونق کو دوبالا بناتی ہیں، پھر ان سب باتوں پر حاصل ہونے والا اجر ہر مومن کے دل کو پر سرور بناتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر مخصوص اجر دینے کا وعدہ ہے۔

رمضان کا روزہ درحقیقت متنوع قسم کے اعمال کا مجموعہ ہے، اس میں مسلمان کو اپنے پروردگار کی رضا کی طلب میں اپنے نفس کو مارنا پڑتا ہے، اس میں آخرت کے اجر کے لئے اپنے مال کو صرف کرنے کا، اپنے پروردگار کی یاد کو دل میں جگانے کے لئے نماز و تلاوت کا خاص موقع ملتا ہے، اپنی زبان کو خوبی اور نیکی کا پابند بنانے کا ماحول ملتا ہے، اپنے وقت کو ستھرے اور پاکیزہ کام کے ساتھ وابستہ کرنے کا داعیہ ملتا ہے اور نیک عمل کی توفیق ہوتی ہے

رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیاطین قید سلاسل کر دیئے جاتے ہیں، شیاطین جن کا کام بس یہ ہے کہ وہ انسانوں کو اچھے کاموں سے برگشتہ بنائیں اور برے کاموں کے سبز باغ دکھائیں۔ اس ماہ میں اپنے اس ظالمانہ اور گندے کام سے روک دیئے جاتے ہیں، اس کے نتیجہ میں نیکی کرنے والوں کو نیکی کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور برائی اختیار کرنے والوں کو برائی کی طرف مائل ہونے میں اتنا داعیہ نہیں باقی رہتا جتنا غیر رمضان میں ہوتا ہے۔

ہر انسان نفس و نفسانیت سے بھی مرکب ہے، انسان کا نفس لذت کوش اور راحت طلب ہوتا ہے اس میں طمع کا مادہ بھی ہوتا ہے اور خود غرضی کا جذبہ بھی ہوتا ہے، زندگی کی بہت سی برائیوں کو اختیار کرنے میں انسان کا نفس محرک بنتا ہے اس میں شیطان کی کوشش پر ہی انحصار نہیں شیطان اس میں صرف بڑھاوا دیتا اور طاقت پہونچاتا ہے اور مزید بڑی برائیوں کی طرف مائل کرتا ہے اور ان میں معاونت کرتا ہے۔

رمضان میں جو برائیاں کی جاتی ہیں وہ اس لئے کم ہوتی ہیں کہ... وہ صرف نفس کے اثر سے ہوتی ہیں ان کو شیطان کا سہارا نہیں ملتا۔

لیکن انسانی نفس بعض انسانوں میں اور بعض موقعوں پر اتنا قوی اور موٹا ہو جاتا ہے کہ اس کو اپنے برے اقدامات کے لئے شیطان کے سہارے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوتی، یہ نفس رمضان کے مہینہ میں بھی اپنا کام کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے روزہ میں یہ بھی اثر رکھا ہے وہ نفس کو کمزور کر دے اور اس کو اس کے برے اثرات سے روکے اور اس کے اثر کو کم کر دے، کیونکہ روزہ درحقیقت نفس کے خراب اثر کو توڑنے کا عمل ہے، انسان کا پیٹ جب خالی ہوتا ہے اور پیاس کا احساس ہوتا ہے تو برائیوں کی طرف اس کا رجحان کمزور پڑ جاتا ہے، انسان میں بھرے پیٹ کے ساتھ... غلط کاموں کی طرف جو میلان ہوتا ہے وہ خالی پیٹ میں اور انسانی خواہش کی عدم تسکین کے موقع پر نہیں ہوتا، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو جس کو نفسانی خواہش زیادہ ہو تقاضے ہوں لیکن اس کے پاس ازدواجی زندگی اختیار کرنے کی مالی سکت نہ ہو روزے رکھنے کی تلقین فرمائی تاکہ وہ اپنی خواہش پر غالب آسکے اور اس کی خاطر غلط کام میں مبتلا نہ ہو جائے۔ روزہ کی ساخت اللہ تعالیٰ نے ایسی

بناتی ہے کہ وہ نیکیوں کی راہ بناتا ہے اور گناہوں کی راہ روکتا ہے لیکن روزہ کے اثرات اور اس کی نیک فضا اسی وقت اپنا عمل کرتی ہے جب روزہ کو اس کے آداب اور اس کی مقررہ احتیاط کے ساتھ رکھا جائے وہ خدا کے لئے ہو، اپنے کسی مادی یا خود غرضانہ مقصد کے لئے نہ ہو، روزہ میں جو باتیں ممنوع قرار دی گئی ہیں ان سے پورا پرہیز ہو، اور روزہ کی فضا کو قائم کرنے کے لئے جو اعمال بتلائے گئے ہیں وہ اختیار کئے جائیں۔

روزہ یوں ظاہر میں فجر کے وقت سے غروب آفتاب کے وقت تک کھانے پینے اور ازدواجی عمل سے بچنے کا نام ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ جھوٹ سے، غیبت سے اور زبان و ہاتھ کے دوسرے گناہوں سے پورا پرہیز کا نام بھی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی نے روزہ رکھا اور کھانے سے پرہیز کیا لیکن غیبت، جھوٹ جیسے کاموں سے پرہیز نہیں کیا تو اس کو کیا ضرورت تھی کہ وہ بھوکا پیاسا رہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسے شخص کا روزہ بیکار گیا، اسی لئے بعض ائمۂ فقہ کے یہاں جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن سب ائمہ کے نزدیک ایسا نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ روزہ کا ظاہری عمل تو انجام پا جاتا ہے کیونکہ اصل شرط پوری ہو گئی لیکن اس کا ثواب جاتا رہتا ہے کیونکہ اس کے آداب کا لحاظ نہیں کیا۔ روزہ کو اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کا موسم بنایا ہے اس میں جس قدر نیکی کرنے کی صورتیں بنتی ہیں دوسرے اعمال میں مشکل سے بنتی ہیں، اس میں ایک تو خود روزہ ایک بڑا عمل ہے، پھر اس میں نمازیں ہیں، تلاوت قرآن مجید ہے، غریبوں کی مدد ہے، اور بلا قید اور ہر وقت کھانے پینے سے روک ہے، اور زہد کی کیفیت اپنانے کا موقع ہے۔

پھر بطور مزید اس میں نیکی کرنے کا ثواب ستر گنا کر دیا گیا ہے، غیر رمضان میں کی جانے والی ایک نیکی اور رمضان میں کی جانے والی ایک نیکی کے ثواب میں ایک اور ستر کا فرق ہے۔

پھر رمضان میں روزے رکھنا چونکہ تمام مسلمانوں پر بیک وقت ضروری کیا گیا ہے اس لئے مسلمانوں کے معاشرہ میں اس پوری مدت میں ہر طرف ایک ہی فضا بن جاتی ہے اور وہ فضا نیکی کی، ہمدردی کی، نرم خوئی کی، اور آخرت طلبی کی، احتیاط و عبادت کی فضا ہوتی ہے۔

اسی لئے رمضان میں ان لوگوں کو جن کو بیماری یا سفر کے عذر کی وجہ سے روزہ موخر کرنے کی اجازت دی گئی ہے ان کو بھی یہ منع ہے کہ وہ برسر عام کھائیں ــــ ان کو حکم ہے کہ سب سے علاحدہ جگہ ایسا کریں تاکہ روزہ کی فضا متاثر نہ ہو۔

رمضان دراصل نفس کو قابو کرنے اور اس کی بری طاقت کو کمزور کرنے کا ایک سالانہ تربیتی نظام ہے اس نظام سے ہر مسلمان کو سال میں ایک مرتبہ گذرنا پڑتا ہے، ضرورت ہے کہ جس طرح ہم زندگی کی ضروریات کے لئے کسی بھی سالانہ تربیتی کیمپ یا تربیت گاہ میں وقت توجہ و عمل کے ساتھ گذارتے ہیں رمضان کے اس نظام میں بھی اس کے آداب اور احکام کے مطابق وقت گذارا کریں تاکہ ہم اس سالانہ تربیت گاہ سے پوری طرح کامیاب ہو کر اور ایک صالح اور سچے مسلمان بن کر نکلا کریں۔

روزہ کی افادیت اور عند اللہ اس کی اہمیت کی یہ بڑی دلیل ہے کہ اللہ نے دوسرے اعمال کے مقابلہ میں اس سے اپنی پسند زیادہ ظاہر کی ہے۔ حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بتایا گیا ہے کہ:

"عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة بعشر أمثالها إلى سبع مائة ضعف قال الله تعالى إلا الصوم فإنه لي وأنا أجزي به يدع شهوته وطعامه من أجلي" (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (روزہ کی فضیلت اور قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھایا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ، روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ اور بالاتر ہے، وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لئے ایک تحفہ ہے، اور میں ہی جس طرح چاہوں گا، اس کا اجر و ثواب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہش نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی اس قربانی اور نفس کشی کا صلہ دوں گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان اور اس کے روزوں کی قدر کی توفیق دے۔ آمین۔

قارئین کرام توجہ فرمائیں

عید الفطر کی تعطیل کی وجہ سے ۲۵ فروری و ۱۰ مارچ ۹۵ء شمارہ نمبر ۸، ۹ مشترکہ شائع ہوگا۔ جس کی قیمت مبلغ دس روپیہ ہوگی۔

منیجر

مولانا عبداللہ عباس ندوی

عمر آباد میں ایک شب و روز

جامعہ اسلامیہ عمر آباد کے نام سے کان آشنا تھے۔ عمری فضلا کی تحریریں بھی نظر سے گزری تھیں، لیکن قریب سے جاکر دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، یہ سعادت اب حاصل ہوئی شب ۳ر شعبان (۱۴۱۵ھ) کو بعد نماز عشا عمر آباد کی سرزمین پر قدم رکھا اور دوسرے روز شام کو مدراس واپس آیا، تقریب ملاقات یہ تھی کہ جامعہ کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت اور خطبہ تقسیم اسناد کے لئے مدعو کیا گیا تھا، جامعہ کو دیکھا، جامعہ کے منتظمین اور اساتذہ سے ملا، طلبہ کو دیکھا مجموعی تاثر کی ترجمانی شاید عربی کے ان دو شعروں سے ہو سکے۔

كانت محادثة الركبان تخبرنا
عن جعفر بن فلاح أطيب الخبر
حتى التقينا، فلا والله ما سمعت
أذني بأحسن مما قد رأى بصري

قافلوں سے جعفر بن فلاح کی تعریفیں سنا کرتا تھا لیکن جب ملا تو معلوم ہوا کہ کانوں نے جو سنا وہ بہت کم تھا، جو دیکھا وہ سنی سنائی باتوں سے بہت زیادہ ہے) [1]

مہمان نوازی، مدارات، اکرام ضیف میں کسی سے کوئی کمی نہیں تھی، کمی کا کیا سوال اس باب میں بہت وسعت اور فراخدلی سے کام لیا گیا لیکن جس بات نے مجھے متاثر کیا وہ یہ ہے کہ کسی سے تصنع اور ظاہرداری نہیں جھلکتی تھی، سچے، کھرے، اور مخلص مسلمان ہیں، اسلامی شعائر کا احترام کرتے ہیں، منتظم اعلیٰ سے لے کر مکتب و حفظ کے چھوٹے بچے تک سب کو ردو ریا سے پاک پایا مجھے ان کا یہ وصف بہت پسند آیا، پسند آنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ روش عام نہیں ہے، منتظمین کی وسعت قلبی کا ثبوت یہی کیا کم ہے کہ وہ اپنے جلسہ سالانہ کی صدارت اور تقسیم اسناد کے لئے تمام اسلامی مکاتب فکر کے نمائندوں کو باری باری بلاتے ہیں، انانیت و استکبار کے گنبد میں گم نہیں رہتے، اپنی خدمات کا ذکر اس طرح نہیں کرتے جس سے دوسروں کی تحقیر ہو، عقیدۂ توحید میں بے شک کوئی لچک نہیں رکھتے، کتاب و سنت کو اپنا اول و آخر سرمایہ سمجھتے ہیں لیکن فقہی مسائل اور فروعات میں انتہا پسند نہیں ہیں (جس کو عربی میں تطرف کہتے ہیں) اس جامعہ میں صرف اہل حدیث علما نہیں ہیں، حنفی المسلک مدرس بھی ہیں اور طلبہ بھی مسلمانوں کی انجمنوں، مدرسوں اور مختلف تنظیموں کی طرف سے جو رسائل شائع ہوتے ہیں وہ اکثر و بیشتر یہاں آتے ہیں اور طلبہ و اساتذہ پڑھتے ہیں، صحت بخش ہوائیں جدھر سے بھی آئیں اس کے لئے قلب و نظر کے دریچے کھلے رکھتے ہیں غالباً اسی وصف کو دیکھ کر کہ عقائد میں پختگی کے ساتھ فروعی مسائل میں وسعت قلبی کی نعمت ان حضرات کو حاصل ہے، ندوۃ کے سرخیل، اپنے وقت کے رازی و غزالی مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اس درسگاہ کے بارے میں کہا تھا کہ جنوبی ہند کا یہ ندوہ ہے۔

جلسہ استقبالیہ میں مولانا ابو البیان حماد صاحب نے معارف کے شذرات کا ایک اقتباس سنایا جو سید صاحب نے یہاں کے سب سے پہلے جلسۂ سالانہ کی صدارت اور تقسیم اسناد کے بعد واپس جاکر تحریر فرمایا تھا۔

اس جامعہ کے مؤسس کاکا محمد عمر صاحب تھے، صرف مدرسہ ہی نہیں بلکہ یہ قصبہ انہی کے نام سے موسوم ہے۔ موجودہ سکریٹری جنرل مرحوم کے پوتے کاکا محمد سعید صاحب ہیں، کاکا تاجروں کی ایک برادری ہے، یہ سب حضرات تجارتی کاروبار میں کامیاب و خوش حال ہیں، دینی خدمت دین ہی کے لئے کرتے رہیں۔ دنیاوی وجاہت و ثروت اللہ نے تجارت کے ذریعہ عطا کی ہے جس میں خیر و برکت روز افزوں ہے۔

مؤسس مدرسہ مرحوم کاکا محمد عمر صاحب کو جب اللہ تعالیٰ نے رزق میں برکت و وسعت عطا کی تو انھوں نے اپنی حیثیت کے مطابق ایک رہائشی مکان بنانے کا ارادہ کیا اور اسی مکان کے ساتھ میں ایک مسجد اور مدرسہ کی بنیاد بھی رکھ دی حسنات دنیا کے ساتھ حسنات آخرت کی فکر بھی ساتھ ساتھ رہی۔

۱۹۲۴ء میں اس مدرسہ کی بنیاد پڑی۔ ۱۹۳۳ء میں پہلی کھیپ تعلیم حاصل کرکے سند فضیلت کی مستحق قرار پائی جس کی صدارت سید صاحبؒ نے کی تھی، جس کا اوپر تذکرہ ہوا۔

جامعہ کے مہمان، کاکا محمد سعید صاحب کے ذاتی مہمان ہوتے ہیں، اس لئے اس یادگار

مکان میں رات گزارنے اور انھیں کی تعمیر کردہ مسجد میں (جو ماشاء اللہ حسین وشاندار ہے) نماز فجر ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

جامعہ کا حرم (CAMPUS) بہت وسیع آراضی میں قائم ہے، مدرسہ و کلیہ کی عمارتیں اور احاطے کے اندر کی سڑکیں اور سڑکوں کے کنارے خوبصورت پلاننگ کے ساتھ لگائے ہوئے درخت بہت حسین نظر آتے ہیں جیسے دو رویہ سنتری سروں پر چھتریاں لگائے کھڑے ہوں وقت کم تھا اور تعلیم کا دن نہیں تھا۔ اس لئے طرز تدریس پر کوئی رائے نہیں دے سکتا، البتہ حسن ظن کی بہت گنجائش ہے، درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ جن طلبہ کی تقریریں عربی، اردو اور تامل میں سنیں اور جن اساتذہ کرام سے ملا اس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ جس درخت کے یہ ثمر ہیں اس کی اصل اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء کی مصداق ہوگی۔

ایک قابل تقلید بات (مقلدوں اور غیر مقلدوں دونوں کے لئے) یہ نظر آئی کہ وقت کی یہ حضرات پوری پابندی کرتے ہیں۔ جلسہ تقسیم اسناد کا وقت دس بجے تھا، اور جیسے گھڑی کی سوئی نے دس بجنے کا اشارہ دیا ادھر ناظم جامعہ مولانا خلیل الرحمٰن اعظمی عمری نے جلسہ کی کارروائی شروع کردی، حالانکہ اچانک ایک ایسی بات پیش آگئی تھی کہ جلسہ اگر گھنٹہ بھر بھی دیر سے شروع ہوتا تو کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی۔ کاکا محمد سعید صاحب جامعہ کے سکریٹری جنرل ہی نہیں اس کے صدر اور سرپرست سب کچھ ہیں، کے ایک قریبی عزیز کا اسی شب انتقال ہوگیا جن کی تدفین میں شرکت ضروری تھی لیکن انھوں نے اپنے صاحبزادے کو جو ان کے معاون ہیں، اپنی جگہ متعین کرکے مرحوم عزیز کی تدفین کے لئے چلے گئے اور جلسہ کی کارروائی بغیر الامین العام کی موجودگی کے چلتی رہی۔ قاعۃ الاجتماع (ایڈوٹوریم) بہت وسیع ہے، سادہ اور حسین ہے، اور میرے اندازے کے مطابق ہزار سے زیادہ کرسیوں کی گنجائش ہوگی، گیلریوں اور شہ نشینوں (ہال کے دونوں جانب جو ملحقہ گیلریاں ہیں) اور بالکونی کے اوپر کی وسعت سب سامعین سے بھری تھی، مدراس، حیدرآباد، بنگلور اور مختلف شہروں کے آئے ہوئے مہمان تھے، ہمارے محترم جناب مقصود علی خاں صاحب چیف اڈیٹر سالار بنگلور، بھی تشریف لائے تھے، جن سے مل کر ایسا محسوس ہوا کہ سفر کی تھکن دور ہوگئی، مولانا شاہ صبغت اللہ بختیاری علیہ الرحمہ کے صاحبزادوں اور بھائیوں سے بھی ملاقات کی مسرت حاصل ہوئی، ایک بزرگ جواں سال جن کا لباس غلاف کعبہ ہم رنگ ہوتا ہے، اپنی درویشانہ شان کے ساتھ دکھائی دیئے اور اخلاق و کرم گستری کے ساتھ ملے، اور بھی بہت سے ندوی اعزہ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک دینی جشن تھا اور اسلامی ماحول، دور سے بھی اچھا لگا اور نزدیک سے بھی خوبصورت نظر آیا۔ یہ بات بھی قابل احترام دیکھی جس کی قدر کرنا چاہئے کہ جلسہ فوٹو، ویڈیو گرافی سے بالکل پاک تھا۔ اس عاجز کو صدر نشین میں جگہ دی گئی تھی اس لئے سب کو اور ہر طرف دیکھ رہا تھا کہیں سے بھی ایک کلک کی آواز نہیں سنائی دی۔

مجھے افسوس رہا کہ میں نے اپنا خطبہ تقسیم اسناد تحریراً نہیں پیش کیا، ریکارڈنگ بھی نہیں ہوئی، اس لئے اپنے حافظہ کی مدد سے انشاء اللہ آئندہ قلم بند کرنے کی کوشش کروں گا یوں کوئی اہمیت کی چیز بھی نہیں ہے۔

لے یہ دو شعر میں نے مخدوم و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی مدظلہ سے نصف صدی پہلے درس کے دوران سنے تھے، مولانا نے فرمایا تھا کہ مفتی امین الحسینی مرحوم جب ندوہ آئے تھے تو انھوں نے اس شعر سے اپنی تقریر کا آغاز کیا تھا، علامہ شکیب ارسلانی نے حاضر العالم الاسلامی کے حواشی میں اس کو نقل کیا ہے جب وہ سیدی احمد سنوسی سے ملے تھے اس کا ذکر کرتے ہوئے یہ شعر نقل کیا ہے۔

شمس الحق ندوی

مجھ کو رحمۃ للعالمینؐ سے شرم آئے گی

نگاہیں ایک دن بدر کے نقشہ پر پڑیں. بدر وہ جہاں حق و باطل کا پہلا معرکہ ہوا تھا: نگاہیں تھوڑی دیر کے لیے نقشہ پر جم کر رہ گئیں پہاڑوں کا لامتناہی سلسلہ اور انہیں جھلسے ہوئے پہاڑوں کے دامن میں وہ ریگ زار جو میدانِ کارزار بنا تھا حق و باطل کا مشرقی کنارے کی طرف نظر گئی تو "العدوۃ الدنیا" نظر آیا جو اسلامی لشکر کی جگہ تھی یہیں ٹوٹی پھوٹی چہار دیواری پر نظر پڑی جو اپنے دامن میں ان نفوس قدسیہ کو لیئے ہوئے ہے جو اللہ و رسولؐ کے عشق و محبت میں جان دینے کے لئے اس طرح شوق و وارفتگی کے ساتھ بڑھ رہے تھے جس طرح دودھ دینے والا جانور اپنے بچے کی طرف لپکتا ہے، جب دیر سے بچہ اس کی نگاہوں سے اوجھل رہا ہو. اس مشہد مقدس پر نظر پڑنا تھا کہ تصور و خیالات کی دنیا میں گم ہو گیا اس کی ایک ایک تصویر نگاہوں میں پھرنے لگی اور اپنے کھوٹے ایمان اور اللہ و رسولؐ سے محبت کے جھوٹے دعوے کو شرم و ندامت کے پانی میں غوطہ دینے لگی.

میں نے دیکھا کہ جھلسا ہوا صحرا ہے پانی کا دور دور پتہ نہیں، گرم ہواؤں کے جھکڑ چل رہے ہیں تین سو تیرہ مجاہد ستر اونٹ اور دو گھوڑے میدان میں ہیں، سب پیاسے ہیں اور گرم ہوائیں چل رہی ہیں ان مجاہدین کے قائد خود ساقی کوثر ہیں، یہ تصویر نگاہوں کے سامنے گذر رہی تھی کہ مجھے حفیظ جالندھری صاحب کے شاہنامہ کی وہ نظم یاد آگئی جو انہوں نے "صحرا کی دعا" کے عنوان سے لکھا ہے اس نظم نے دل کی کچھ اور ہی حالت کر دی ہونٹ یوں حرکت کرنے لگے ؎

یہ تشنہ لب جماعت جب یہاں پر رک گئی آکر
دعا کی دامن صحرا نے دونوں ہاتھ پھیلا کر
کہ اے صحرا کو آتش ناک چہرہ بخشنے والے
رُخِ خورشید کو کرنوں کا سہرا بخشنے والے
ازل کے دن سے اب تک بھاڑ میں بھنتا رہا ہوں میں
صدائے رعد و باراں دور سے سنتا رہا ہوں میں
ہوا ہوں جب سے پیدا جان پانی کو ترستی ہے
میرے سینے کے اوپر آگ کی بدلی برستی ہے
میں سمجھا تھا مقدر ہو چکی ہے دھوپ کی سختی
میری قسمت میں لکھی جا چکی ہے سوختہ بختی
بنا یا رفتہ رفتہ سخت میں نے بھی مزاج اپنا
لیا ہر آبلہ پا سے زبردستی خراج اپنا
خبر کیا تھی الٰہی ایک دن ایسا بھی آئیگا
کہ تیرا ساقیٔ کوثر یہاں تشریف لائے گا
اگر یہ بات پہلے سے مجھے معلوم ہو جاتی
میرے دل کی کدورت خود بخود معدوم ہو جاتی
خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آکے ٹھہریں گے
شہید آرام فرمائیں گے غازی آکے ٹھہریں گے
خبر کیا تھی ملے گی یہ سعادت میرے دامن کو
بنایا جائے گا فرش سعادت میرے دامن کو
خبر ہوتی تو میں شبنم کے قطرے جمع کر رکھتا
چھپا کر ایک گوشے میں مصفیٰ حوض بھر رکھتا
وہ پانی ان مقدس مہمانوں کو پلا دیتا
میں اپنی تشنگی دیدار حضرت سے بجھا لیتا
مرے سر پر سے گذرا نوح کے طوفان کا پانی
تاسف ہے کہ مجھ سے ہو گئی اسوقت نادانی
اگر رکھتا میں اس پانی کی تھوڑی سی خبرداری
تو ہو جاتا مری آنکھوں سے چشموں کی طرح جاری
یہ ستر اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے
مجاہد بھی وضو کرتے نہاتے غسل فرماتے
حضور ساقیٔ کوثر مری کچھ لاج رہ جاتی
مری عزت مری شرم عقیدت آج رہ جاتی
ترے محبوب کے پیارے قدم اس خاک پر آئے
الٰہی حکم دے سورج کو اب آتش نہ برسائے
اگر اب میرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی
تو مجھ کو رحمۃ للعالمینؐ سے شرم آئے گی
جلیل الشان مہمانوں کا صدقہ مہربانی کر
عطا بہر وضو ان کے لیے تھوڑا سا پانی کر
برائے چند ساعت ابر باراں بھیج دے یارب
بہاراں بھیج دے یارب بہاراں بھیج دے یارب
اگر اب میرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی
تو مجھ کو رحمۃ للعالمینؐ سے شرم آئے گی.

زبان اس شعر کو بار بار دہرانے لگی اور دل میں ایک دھڑکن و اضطراب پیدا کرنے لگی صحرا کو ساقیٔ کوثر سے شرم آئے گی اور ہم کو.... اس خیال کا آنا تھا کہ اپنا سیاہ اعمال نامہ کھلی کتاب کی طرح سامنے آگیا ان کی نماز عشق میدان کارزار میں ادا ہو رہی تھی ؎

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

اور ہماری نماز مسجد میں بھی مشکل سے ادا ہوتی ہے وہ ساقی کے چشم و ابرو کے اشارے پر گردن کٹانے گھر سے دور بال بچوں سے دور گردن کٹانے نکل آئے تھے اور شوق شہادت میں تلواروں کی دھار پر اپنی گردن رکھ دیتے تھے.

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

وہ وعدہ کے سچے عہد کے پکے، ہم وعدہ خلاف اور عہد کے کچے ہم قوال و مقتال، ہم الفاظ کے بادشاہ وہ صداقت کے شاہکار، ہم گفتار وہ کردار، ہم صورت وہ حقیقت، ہوائے گرم آنے سے صحرا کو شرم آئے گی اور ہمارا جب نبیؐ سے سامنا ہوگا. تو کیا منہ دکھائیں گے، شاید اسی تصور و احساس نے اقبالِ خوش نوا کو اپنے عشق رسولؐ اور اعتراف قصور کی بنا پر بارگاہِ خداوندی میں یہ عرض کرنے پر مجبور کیا.

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے من پذیر
یا اگر بینی حسابم نا گزیر
از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

سر ندامت سے جھکا ہوا تھا. اپنی ایک ایک کوتاہی یاد آرہی تھی کہ نعرۂ تکبیر کی صدا گونجی چونک گیا. نظر اٹھی تو تلواریں بجلی کی طرح چمک رہی تھیں خنجروں کی شپا شپ، اور برچھی بھالوں کی چھاچھق۔ گرزوں اور ڈھالوں کے ٹکراؤ سے شورِ محشر بپا ہوچکا تھا. صحابۂ کرام شوقِ شہادت میں ہتھیلی پر جان رکھ کر لشکر کفار میں گھس جاتے ہیں. اور جان کی ذرا پروا نہیں ہوتی میں نے دیکھا کہ ؎

اثر انداز تھا شوق شہادت جاں نثاروں پر
گلے بڑھ بڑھ کے رکھدیتے تھے تلواروں کی دھاروں پر

میں نے دیکھا کہ دو کمسن نوجوان حضرت عبد الرحمنؓ سے چپکے چپکے کچھ باتیں کر رہے ہیں. حضرت عبد الرحمن نے کچھ اشارہ کیا میں دیکھتا ہوں کہ وہ دونوں بجلی کی طرح ابو جہل پر جھپٹے اور آن کی آن میں اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا مگر قریش کا ریلا بڑے زوروں سے ان کی طرف بڑھا یہ کمسن سخت معرکہ سے دوچار ہوئے معوّذ شہید ہوگئے اور معاذ ابھی اپنا جو ہر دکھا رہے ہیں کہ اچانک شانہ پر ایک تلوار پڑتی ہے اور ہاتھ کٹ کر الگ نہیں ہوتا، بلکہ جھولنے لگتا ہے اور اس حال میں بھی وہ بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہے ہیں مگر لٹکتا ہوا ہاتھ رکاوٹ پیدا کر رہا ہے میں اس منظر کو دیکھکر حیران تھا کہ اچانک وہ ایک پاؤں سے کٹے ہوئے ہاتھ کو دبا کر نوچ ڈالتے ہیں. جو لڑنے میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے.

تصور و خیال کی دنیا سے باہر آیا تو وہی پہاڑوں کا سلسلہ سنسان مگر شہداء کے مرقد سے آباد میدان تھا

اثر انداز تھا رنگِ شہادت جانثاروں پر
گلے بڑھ بڑھ کے رکھ دیتے تھے تلواروں کی دھاروں پر

سوچ میں پڑ گیا کہ ہم کیسے مسلمان ہیں ہم کو تو مال و منال اور جاہ و منصب سے محبت ہے اللہ و رسول کا نام تو زبان کا چٹخارہ بن کر رہ گیا ہے دل پر کچھ تأثر و انفعال کی کیفیت طاری ہوگئی اور زبان یوں حرکت کرنے لگی :۔

" اللھم لا تجعل الدنیا اکبر ھمنا
ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ جھدنا

(میرے اللہ! تو دنیا ہی کو ہماری اصل فکر، مقصد علم اور مرکز جد و جہد نہ بنا)

دیر تک صحرا کے یہ الفاظ زبان پر جاری رہے ؎

اگر اب میرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی
تو مجھ کو رحمۃ للعالمیں سے شرم آئے گی

اور جی چاہا کہ نوجوان نسل کو شاہنامہ اسلام پڑھنے کا مشورہ دوں. جو جوش و حمیت اور ایمان و عزیمت کی زندہ جاوید تصویر پیش کرتا ہے.

(ماخوذ صداقت و عزیمت)

(بقیہ) مطالعہ کی میز پر

کے لوگ ہیں، اور جب تک وہ ہمارے مذہب میں رکاوٹ نہیں بنتے ہم بھی ان کے لئے ان کے مذہب کو برداشت کریں گے۔ ہمارے نزدیک ڈاکٹر اقبال کے شعر ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہیں ہندوستاں ہمارا

کا یہی مطلب ہے، یہ بات تسلیم ہے کہ جملہ مذاہب میں کچھ اخلاقی اقدار مشترک ہیں جن کے وجود سے ایک بہتر معاشرہ وجود میں آتا ہے لیکن ان اقدار کو ادب میں سمونا ضروری ہے تاکہ ادب کی راہ سے یہ اخلاقی اقدار معاشرہ میں جگہ پائیں اور معاشرہ کی اصلاح ہو لیکن اس کو مذہب کا نام نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ مذہب وہ ہے جو تہذیب انسانیت اور اصلاح معاشرہ کے ساتھ ساتھ انسان کی نجات کی ضمانت لے اور وہ وہی مذہب ہے جو انسانوں تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہونچا۔ کسی کو ننگا ناچتا دیکھ کر اگر اس سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ کپڑے پہن کر ناچو تو برائی میں کچھ کمی تو لائی گئی مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نہیں پہونچائی گئی، پس وہ مسلم ادبا جو بزعم خود مذہبی ادبا ہیں اور جنھوں نے ترقی پسند ادبا کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے، ان کی اصلاحات مفید ہیں لیکن اگر وہ مذکورہ مثال کی مصداق ہیں تو مذہبی نہیں کہی جاسکتی ہیں۔ بغیر کسی حوالے کے یہ بات میں نے اجمالی طور پر کہہ دی کہ مذکورہ مجموعہ میں اس طرح کی باتیں موجود ہیں۔

کئی جگہ ترکیب " دیار پورب" استعمال ہوئی ہے جو محل نظر ہے، ایک محاورہ سے کم از کم مجھے تو اتفاق نہیں اور وہ ہے " ہمارا دین وایمان " بطور محاورہ، مثلاً صفحہ ۸۹ تذکرۃ المصنفین تو ہمارا دین وایمان ہے"، اسی طرح اور جگہوں پر بھی یہ فقرہ بطور محاورہ استعمال ہوا ہے کتابت کی غلطیاں برائے نام ہیں جن کے ذکر کی ضرورت نہیں البتہ صفحہ ۸۸ پر نقاہت کا املا " ح " سے چھپ جانا زیادہ معیوب ہے۔

پھر میں دہراتا ہوں کہ یہ مجموعہ ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے خاصے کی چیز ہے۔

عالم اسلام

چیچن مجاہدین

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں ہے

نذر الحفیظ ندوی ازہری

یہ مقالہ دار عرفات رائے بریلی کی ماہانہ نشست میں ۲۶ جنوری کو پڑھا گیا تھا اب افادۂ عام کی غرض سے قارئین تعمیر حیات کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

پس منظر

جب سوویت روس یا دنیا کی دوسری بڑی طاقت اشتراکی روس کا شیرازہ بکھرنے لگا تو آبرو بچانے کی خاطر روسی دولت مشترکہ کا سوانگ رچایا گیا تاکہ روسی استعمار کی فوجی اور سیاسی گرفت ان تمام مسلم جمہوریتوں پہ باقی رہے اور انھیں جس اقتصادی بدحالی کے کگار پر کھڑا کر دیا گیا تھا، اس دولت مشترکہ میں ازبکستان، قزاقستان وترکمانستان جیسی ریاستیں تھیں، ان ریاستوں میں موجود سرگرم کمیونسٹ عناصر نے عجلت کے ساتھ روس سے معاہدے بھی کر لئے لیکن تاجکستان وآذربائیجان نے سب سے پہلے اور بعد میں چیچنیا نے روسی استعمار کے اس نئے جوئے کو اپنے کاندھوں سے اتار پھینکا۔ روس کو یہ اقدام اور خودسری پسند نہیں آئی، اس نے فوری طور پہ تاجکستان میں ایک فوجی انقلاب کی سازش رچا کر اشتراکی عناصر کو اقتدار پر براجمان کر دیا، انھوں نے اقتدار ملتے ہی دینی عناصر کے خلاف خوں ریزی شروع کر دی، راجدھانی دوشنبہ اور افغانستان کے حدود تک انسانی نسل کشی کا وہ بازار گرم کیا کہ مغربی دنیا نے بھی اس پر تنقید کی، دوسری ریاست آذربائیجان کے صدر ابوالفضل شیبی کے خلاف عیسائی اکثریت کے صوبے آرمینیا کو لا کھڑا کیا گیا مغربی طاقتوں اور ان کی میڈیا نے ہر طرح آرمینیا کا ساتھ دیا، غیر معمولی جاں فروشی کے باوجود نگونو رکارا باغ جیسے شہر پہ آرمینیا نے نہ صرف قبضہ کر لیا بلکہ مزید علاقوں پر اس کا عمل دخل ہو گیا مجموعی طور پہ آذربائیجان کے ۳۰٪ علاقوں پر آرمینیا قابض ہو چکا ہے۔ اس سے بڑھ کر المیہ یہ ہوا کہ روسی خفیہ پولیس کے جی۔ بی کے سابق سربراہ حیدر علیوف کو آذربائیجان پہ مسلط کر دیا گیا ہے، ان دونوں ریاستوں کو تنبیہ کر کے روس نے چیچنیا کو بھی سبق سکھانے کا ارادہ کر لیا جس نے نومبر ۱۹۹۱ء میں روس سے الگ ہو کر اپنی آزادی وخودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔

چیچنیا کا تعارف

عربی میں بلاد شیشان اور انگریزی میں چیچنیا کہا جاتا ہے۔ اس کا کل رقبہ صرف انیس ہزار مربع کیلو میٹر اور آبادی بارہ لاکھ چھتیس ہزار افراد پر مشتمل ہے، اس میں بارہ صوبے اور چار مرکزی شہر ہیں، عام طور پر اس کی تمام آبادیاں شمالی کوہ قاف کی پہاڑیوں پر ہیں، بعض پہاڑوں کی بلندی سطح سمندر سے ساڑھے چار ہزار میٹر تک پہنچ جاتی ہے، متعدد بڑی نہریں اور قیمتی جنگل ہیں۔ پٹرول، اس کی مصنوعات، مشنریز، الیکٹرک ساز وسامان، سمنٹ، گندم، مکئی، تمام پھل فروٹ، اور ہر طرح کی سبزیاں وافر مقدار میں ہوتی ہیں، بھیڑ بکریوں اور گائے بیل کی فراوانی ہے۔ چیچنیا کے شمال میں روسی شہر اسٹافرپول، جنوب میں جارجیا، مشرق میں داغستان، اور مغرب میں ارسیٹیا کے شہر ہیں، راجدھانی گروزنی کی تعمیر ۱۸۱۸ء ایک ایسے قلعے کے طور پہ کی گئی تھی جو روس کی حفاظت اور بقا کے لئے آہنی حصار کا کام دے۔

چیچنیا کے علاقہ میں خودمختاری کا نعرہ ۱۹۲۲ء میں دیا گیا تھا، جس کے بعد ۱۹۳۴ء میں انگوش کا علاقہ بھی خودمختاری کے حدود میں داخل ہو گیا، ۱۹۳۶ء یہ دونوں علاقے روسی اقتدار اعلیٰ کے دائرے میں رہتے ہوئے آزاد وخودمختار قرار پائے۔ لیکن دوسری جنگ کے دوران ۱۹۴۴ء میں اسٹالن جیسے جابر وظالم نے پوری چیچن قوم کو طاقت کے بل بوتے پر سائبیریا جلاوطن کر دیا اور الزام یہ لگایا کہ چیچنیا کے لوگ نازیوں کا تعاون کر رہے ہیں۔ پوری قوم کی جلاوطنی اس وقت ختم ہوئی جب ۱۹۵۷ء میں خروشچیف کے عہد میں چیچن عوام کو ان کے ملک واپس جانے کی اجازت دی گئی۔

جب اکتوبر ۱۹۹۱ء میں سوویت روسی اتحاد کو توڑنے کا اعلان کر دیا گیا تو چیچنیا کے قائد ورہنما نے بھی نومبر ۱۹۹۱ء میں خودمختار وآزاد مملکت کے قیام کا اعلان کر دیا، روسی صدر یلتسن نے اس صورت حال کو دیکھ کر ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا، روسی پارلیمنٹ نے جون ۱۹۹۱ء میں ہنگامی حالات کو ختم کرنے کا اعلان کیا، اس کے بعد ہی یہ اعلان کر دیا گیا کہ انگوش کا علاقہ چیچنیا سے الگ ہو کر اب وہ روس کے دولت مشترکہ میں شامل ہو گیا ہے۔

چیچنیا نے صرف خودمختاری کا ہی اعلان

نہیں کیا بلکہ عملاً عام انتخابات وہاں منعقد کئے گئے، جن میں عوام نے متفقہ طور پر سابق سوویت عہد کے فوجی جنرل جوہر دودائف کو اپنا صدر اور رہنما منتخب کر لیا۔

جوہر کا جوہر

جوہر دودائف چیچنیا میں ۱۹۴۴ء میں پیدا ہوئے ایسے وقت جبکہ ان کی پوری قوم سائبیریا جلاوطن کی جا رہی تھی۔ اسی کمسنی میں والدین انھیں سائبیریا لے گئے جہاں جلاوطنی کی حالت میں جوہر نے پرورش پائی۔ وہاں دیندار والدین نے ان کی ایسی تربیت کی کہ دینی عقیدہ و اخلاق ان کی شخصیت کے جز بن گئے۔ ۱۹۵۷ء میں جب جوہر اپنی قوم کے ساتھ واپس اپنے وطن آئے تو انھوں نے ۱۹۶۲ء میں فوجی پیشہ میں داخلہ کا فیصلہ کر لیا۔ ۱۹۶۹ء میں جوہر نے ہوابازی کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا، مزید ترقی انھیں اس وقت حاصل ہوئی جب انھوں نے فضائیہ کی ملٹری اکاڈمی میں داخلہ کر کے آخری امتحان بھی کامیابی سے پاس کر لیا۔ اس کے بعد ہی انھیں ترقی دے کر نیوکلیر ہتھیاروں سے لیس فضائی اسکواڈرن میں نائب، پھر ۱۹۸۹ء میں جنرل کے عہدہ پر ترقی دے دی گئی۔ جب ۱۹۹۱ء میں روسی فوج میں کمی کا اعلان کیا گیا تو جوہر کو بھی فوجی خدمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ جوہر کے جوہر کی قدر اس کی قوم نے اس وقت کی جب انھیں اسی سال اپنا سربراہ اور صدر بنا دیا۔

جوہر کی ذاتی زندگی پر ایک نظر

ایک انٹرویو میں جوہر نے بتایا کہ جب انھیں روسی فوج میں جنرل بنایا گیا تو انھوں نے مسلمان فوجیوں کو نماز کا عادی بنایا۔ انھوں نے کہا کہ مسلم علاقوں سے آئے ہوئے جوانوں کو یہ عام شکایت ہوا کرتی تھی کہ ان کے پاؤں میں تکلیف ہے۔ میں نے ان کو تلقین کی کہ تم پانچوں وقت وضو کر کے نماز ادا کیا کرو۔ انشاء اللہ یہ مرض دور ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ شکایتیں دور ہو گئیں۔ اسی طرح اس زمانے میں قرآن مجید اور دعاؤں کی کتابوں کا رکھنا جرم تھا۔ لیکن صریح سرکاری اور فوجی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فوجی جوانوں کو قرآن کی تلاوت کی اجازت دیتا تھا۔ بہت سے فوجی قرآن مجید ہمارے پاس امانت کے طور پر رکھواتے تھے کہ کہیں خفیہ پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ دعاؤں کا ہمیشہ میں نے التزام کیا، فضائی پرواز کے دوران تمام دعائیں پڑھتا تھا اور جب تک فضا میں رہتا وائرلیس کی گفتگو کے علاوہ دعاؤں سے میری زبان تر رہا کرتی تھی۔ جوہر نے بتایا کہ افغانستان پر روسی یورش کے دوران میرے اسکواڈرن کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ افغانستان پر پرواز کر کے جاسوسی کا کام انجام دے۔ میری مخالفت جنگ کے آغاز ہی سے ظاہر تھی۔ اس لئے جنگی مہم میرے سپرد نہیں کی گئی۔ جاسوسی کا کام بھی بعد میں مجھ سے لینا چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد مجھے افغانستان کی سرحدوں سے ہٹا کر فوجی چھاؤنی واپس کر دیا گیا۔

ملک کی تعمیر کے بارے میں جوہر کے عزائم اور پالیسی کا اندازہ اس انٹرویو سے ہوتا ہے جو انھوں نے ایک اخبار کو دیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ میری آخری تمنا ہے کہ اس ملک کو مکمل طور پر مسلمان دیکھوں۔ ایسا ملک جس کا دستور قرآن ہو اور اسلامی شریعت کی بالادستی رہے، غیر اسلامی قوانین کو ہم کلی طور پر مسترد کرتے ہیں۔ اب تک۔ جوہر نے کہا۔ ہم نے صدر بننے کے بعد کوئی قدم شریعت کے خلاف نہیں اٹھایا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اگرچہ ہماری قوم کو اسلام میں داخل ہوئے صرف چار سو سال کا عرصہ گذرا ہے اور تقریباً ستر سال تک ہم اشتراکیت کے آہنی شکنجوں میں کسے رہے، اور پوری دو نسلیں اسلام سے ناواقف ہیں لیکن اس قوم کے رگ و ریشہ میں اسلام کی محبت رچ بس گئی ہے۔ کلی طور پر اس کے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ ہمارے مصائب و مشکلات کا واحد حل اسلام ہے۔ اور ہماری قوم نے بغیر اسلامی قانون کی تنفیذ کے اسلام کے قوانین پر عمل شروع کر دیا ہے۔ تین سال پہلے تک کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں دسترخوان پر پانی کے بدلے شراب پیش نہ کی جاتی ہو اور یہ بات عام تھی۔ اب حال یہ ہے کہ شراب کا پینا لوگوں نے خود بخود چھوڑ دیا ہے، رمضان المبارک میں شراب کسی دوکان پر ملتی بھی نہیں ہے۔ ہم نے اسلامی مدارس کا جال بچھا دیا ہے۔ ایک اسلامی یونیورسٹی بھی قائم ہو چکی ہے، ہمارا عزم یہ ہے کہ اسلامی تعلیم سے ناآشنا عوام کو اسلامی تعلیمات سے آراستہ کریں، پھر اسلامی قوانین کی تنفیذ کریں۔ ہماری قوم اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لئے پوری طرح تیار ہے، روحانی پیاس بجھانے کے لئے وہ آمادہ ہے۔ اسی لئے ہمارے ملک میں آزادی کے بعد سے جرائم بالکل غائب ہو گئے۔ جوہر دودائف نے کہا کہ ہمارے ملک کے پاس جدید ترین ٹکنالوجی ہے اور پٹرول اور مشینری نیز غذائی اشیاء کی پیداوار بھی معقول تھی لیکن روسی حکمرانوں نے ہمارے اس خطہ کو افلاس کے گہرے غار میں ڈھکیل دیا تھا۔ ہم نے صرف تین سال کے اندر ایسی منصوبہ بندی کی کہ روسی و امریکی ہماری حیرت انگیز اقتصادی ترقی دیکھ کر بوکھلا گئے، اور ہمارے خلاف تین سال کی

خاموشی کے بعد جنگ پر آمادہ ہو گئے لیکن جوہر دودائف کے بقول روس نے جنگ کی ابتدا ایک ویسی غلطی کی ہے جو اس نے افغانستان میں کی تھی۔

روس نے ایک سال پہلے جوہر دودائف کے خلاف ایک فوجی مہم روانہ کی تھی تاکہ صدر کو قتل کرکے اقتدار ہیروئیں کے ایک سیاسی رہنما حبو لاتوف کو صدر بنا دیا جائے۔ اور چیچن مسلمانوں کو دوبارہ وہاں سے جلاوطن کردیا جائے تاکہ ہمیشہ کے لئے یہ قصہ ہی پاک ہو جائے، چنانچہ ۲۳ فروری ۱۹۹۴ء کو سب سے پہلے چیچنیا کے مختلف مقامات پر تخریبی دھماکے کا پروگرام تھا جو پہلے ہی مرحلے میں ناکام ہوگیا۔ اس مقصد کے لئے بیس چیچن نوجوانوں کو تربیت دی گئی، انھیں دھماکہ خیز اشیاء دی گئیں، لیکن ان جوانوں نے اپنے ملک کو نقصان پہونچانے کے بجائے روس کی اہم تنصیبات کو نشانہ بنایا۔ اس مرحلہ کی ناکامی کے بعد بیس ہیلی کاپٹر اور ایک ہزار کمانڈو ان کے ذریعہ گروزنی میں اتر کر صدارتی محل پر قبضہ کرلیں گے، لیکن اس سے پہلے صدر کی کار کو دوسری کار میں دھماکہ خیز اشیاء رکھ کر اڑا دیا جائے گا۔ صدر دودائف کی کار سے صرف پانچ میٹر کے فاصلے پر جس کار میں دھماکہ ہوا اس جگہ تین میٹر گہرا گڑھا ہو گیا معجزاتی طور پر صدر کی کار اچھل کر دور جا گری اور جوہر دودائف اور ان کے محافظ محفوظ رہے۔ اس تخریب کے بعد ہی حسبولاتوف کی آمد ہوتی اور وہ روس سے فوجی مداخلت کی درخواست کرتے لیکن "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" روسی تخریب کار گرفتار ہو گئے جس سے روسی حکومت بوکھلا گئی، وزیر دفاع نے بیس ہزار جدید ترین اسلحہ سے لیس فوج، دو سو ٹینک، پچاس جنگی ہوائی جہاز اور جدید ترین ہیلی کاپٹروں سے گروزنی پر اس دعوی کے ساتھ حملہ کردیا کہ دو گھنٹے میں چیچنیا پر قبضہ بحال ہو جائے گا لیکن پانچ ہفتے سے زائد ہو گئے یہ جنگ جاری ہے، جوہر دودائف نے جنگ کے چوتھے ہفتے میں یہ کہا کہ اصل جنگ اب شروع ہوئی ہے جبکہ روسی دعوے کے مطابق گروزنی کے صدارتی محل پر روسی پرچم لہرا دیا گیا ہے، جوہر دودائف نے یہ بھی کہا ہے کہ روس کو افغانستان میں دس سال لگ گئے اور وہ "بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے" کہتے ہوئے اس حال میں ماسکو آیا کہ روس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے۔ یہ جنگ تو سو سال سے زیادہ چل سکتی ہے، اور اس جنگ سے روس کے مزید ٹکڑے ہوں گے۔

جوہر دودائف کے اس دعوے کی صداقت کو پرکھنے کے لئے ہمیں چیچنیا کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنی ہوگی اس لئے کہ اس جنگ کو کوہ قاف کی دوسری جنگ سے اور جوہر دودائف کو شامل دودائف سے پکارا جا رہا ہے، یہاں ان دونوں جملوں کی کسی قدر وضاحت ضروری ہے۔

چیچنیا اپنی بلند اور دشوار گذار پہاڑیوں گھنے جنگلات کی وجہ سے سولہویں صدی تک فاتحوں اور غازیوں کی تاخت اور فوجی یورشوں سے بچا رہا، اس لئے یہاں کے باشندے بغیر کسی مذہب کے زندگی گذارتے رہے۔ لیکن سترھویں صدی کے آغاز میں پڑوسی علاقہ داغستان، جزیرہ نمائے قرم اور بخارا سے آئے ہوئے نقشبندی سلاسل کے بزرگ، داعیوں، اور علماء و مشائخ کے ذریعہ چیچنیا میں اسلام پھیلنے لگا۔ خاص طور سے نقشبندی سلسلے کے ممتاز داعی و مجاہد امام منصور کی دعوت جنگل کی آگ کی طرح سارے علاقہ میں پھیل گئی، یہ دعوت اتنی طاقتور تھی کہ شمالی کوہ قاف کے تمام باشندے کلی طور پر اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے، اور ایسے داخل ہوئے کہ اس دین کے لئے انھوں نے جان کی بازی لگادی ان کے اندر دینی غیرت وحمیت اتنی غیر معمولی تھی کہ چالیس سال تک شمالی کوہ قاف کے مسلمانوں نے روسی شہنشاہیت کا مقابلہ بڑی بے جگری سے کیا پھر روسی شہنشاہیت کے خاتمے کے بعد اشتراکیت کے دیو استبداد نے آزادی کی نیلم پری کو قید سلاسل میں مقید کرنے کی ستر سال تک کوشش کی حتی کہ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۵۷ء تک پوری قوم کو وطن سے بے وطن ہونا پڑا۔

شمالی کوہ قاف کے علاقوں میں بسنے والی مجاہد قوموں کی تفصیل اس طرح ہے:
(۱) چیچنیا (۲) داغستان (۳) انگوشش (۴) قبارطای (۵) شراکسہ (۶) ابخاز۔

امام منصور نے اٹھارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں بخارا میں تعلیم حاصل کی نقشبندی سلسلہ سے منسلک ہونے کے بعد اپنے علاقہ میں جاکر دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ ان کی زاہدانہ اور متقشف زندگی نے شمالی کوہ قاف کے لوگوں کو غیر معمولی حد تک متاثر کیا، چنانچہ بڑی تعداد میں ان کی دعوت پر لوگوں نے لبیک کہا۔ جب ۱۷۸۵ء میں کیتھرائن دوم (روسی ملکہ) نے شمالی کوہ قاف کے مسلمان علاقوں کو روسی مملکت میں ضم کرنے کے لئے روسی فوج بھیجی تو امام منصور نے اس کی مخالفت کی، اور اپنے جانباز مریدوں کو لے کر روسی فوجوں سے طویل جنگ شروع کردی یکے بعد دیگرے روس کی فوجی مہم ناکام ہوتی رہی اور روسی جنرل معرکہ کارزار میں قتل ہوتے رہے اس مقدس جہاد میں چیچن قوم کے علاوہ شراکسہ نوگانی مغل داغستان اور انگوشش کے مسلمان شامل ہوتے گئے، یہ معرکہ چالیس سال تک جاری رہا، یہاں تک کہ ایک ترک فوجی افسر کی خیانت کی بدولت امام منصور گرفتار کر لئے گئے،

روسی ملکہ نے امام منصور کو بچشم خود دیکھنے کی خواہش کی تو انھیں پا بجولاں روسی ملکہ کے دربار میں حاضر کیا گیا، ملکہ نے ایک نظر ان کو دیکھ کر حیرت ظاہر کی کہ ایسے دبلے پتلے کمزور ناتواں شخص نے کیسے اتنے عرصہ تک طاقتور روسی فوج کا مقابلہ کیا۔ بعد میں امام منصور کو محافظوں کے ذریعہ زہر دے کر مروا دیا گیا۔ امام منصور کے بعد دوسرے نقشبندی بزرگ محمد داغستانی نے انیسویں صدی کے آغاز میں مریدی تحریک کے ذریعہ روسی شہنشاہیت کا جینا دوبھر کر دیا، ان کے شاگرد رشید شیخ شامل داغستانی نے یہ معرکہ تقریباً انسٹھ سال تک جاری رکھا ۱۸۴۵ء میں صرف ایک معرکہ میں روسی فوجوں کی پندرہ ہزار تعداد اور سات بڑے جنرل کوہ قاف مجاہدین کے ساتھ تصادم میں ہلاک ہوئے، کوہ قاف کے مجاہدین کے کارناموں کا جب بھی ذکر کیا جاتا ہے چیچنیا کے مجاہدین اس میں شامل ہوتے ہیں، مغربی مورخین نے شمالی کوہ قاف کے مسلمان مجاہدین کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی دینی غیرت و حمیت اور شجاعت و جواں مردی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ آپ ان مجاہدین کی کمر توڑ کر رکھ دیں لیکن ان کی معنوی روح کو آپ ختم نہیں کر سکتے، سائبیریا میں چار لاکھ سے زائد چیچن عوام بھوک، سردی اور تعذیب سے ہلاک ہو گئے، لیکن ان کی معنوی روح اسی طرح بلند تھی۔

خود روسی کتابوں میں بھی شمالی کوہ قاف کے مسلمانوں کے اندر غیر معمولی اتحاد و ہم آہنگی، اخوت مردانگی کا جوہر دوسری قوموں سے کہیں زیادہ ہے۔ ہم روسیوں کو اکثر شمالی کوہ قاف کے مسلمانوں نے شکست دی ہے اور طویل عرصہ تک انھوں نے شدید جنگیں لڑی ہیں، ایک روسی جنرل نے اپنی کتاب "آزادی کی راہ" میں لکھا ہے کہ اگرچہ شمالی کوہ قاف کے لوگ چور ڈاکو ہیں لیکن وہ ایسی تلوار کی طرح ہیں جو ہمیشہ اپنی چمک دکھاتی ہے، میں نے معرکہ کارزار میں ان لوگوں کے جسموں کو تلواروں سے چھلنی اور جوڑ جوڑ کو کٹا ہوا دیکھا لیکن اس حالت میں بھی وہ اپنی تلوار استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

جیالوں اور جاں بازوں کی اس سرزمین نے جہاد کی جو تاریخ نورانی حروف سے لکھی ہے وہ غیر معمولی تابناک اور درخشاں ہے قدیم چیچن تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس قوم کا نسلی تعلق ایک افسانوی شخصیت "تورباولر نخشو" سے ہے جو آج سے ہزاروں سال پہلے پیدا ہوئی تھی۔ چیچن قوم آج بھی اپنے قومی گیت کو تازہ کرتی رہتی ہے "ہم لوگ فولاد کے اڑتے ہوئے شراروں کی طرح ہیں" "ہم تورباولر کی نسل سے ہیں، ہم اپنے بزرگوں کی میراث کے ہمیشہ امین و محافظ رہیں گے"

امام منصور اور امام شامل داغستانی کی فوجیں جب بھی صف آرا ہوا کرتی تھیں تو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے ہمیشہ لڑا کرتی تھیں۔ اس تلاوت کے ساتھ یہ نغمہ بھی ان کے لبوں پر ہوا کرتا تھا "بلند کوہساروں، سرسبز و شاداب مرغزاروں کا شکریہ، برف پوش وادیوں کے اور ہر جواں مرد مجاہد کے شکر گذار ہیں۔ یہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کے امان میں ہیں، جہاد کیجئے، اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے ساتھ ہے، حق آپ کا حامی و مددگار ہے حضرت محمد آپ کے لئے دعا گو ہیں، ان کی روح خوش ہے، آزادی آپ کا مقدر ہے۔ خلفائے راشدین آپ کے لئے نمونہ ہیں۔ اپنے کلمہ طیبہ کو بلند کیجئے، رحمن و رحیم کی دعوت پر لبیک کہئے۔

امریکی مصنف لینزی بلاک نے لکھا ہے کہ امام منصور اور امام شامل کی جو جنگ لڑی وہ اللہ اور شریعت اسلامی اور آزادی کے لئے لڑی تھی ان دونوں اماموں نے نقشبندی طریقے سے بیڑی چارج کرنے کا کام لیا، یہی وہ قوت تھی جس کی وجہ سے انھوں نے روسیوں کو ہمیشہ شکست دی ہے۔ روسی مورخ فاریف نے کوہ قاف کے مجاہدین کی تعریف کرتے ہوئے صراحت کے ساتھ اس کا اعتراف کیا ہے کہ روسی فوجوں کی اتنی بڑی تعداد شمالی کوہ قاف میں ہلاک ہوئی ہے کہ ہم اس فوج کے ذریعہ مصر سے جاپان تک کے ممالک کو فتح کر سکتے تھے۔ امام منصور اور امام شامل داغستانی کے علاوہ جن علماء و مشائخ نے سرفروشی کی تاریخ لکھی ہے ان میں شیخ مراد، شیخ شعیب، شیخ قاسم اور شیخ محمد کعب جیسے جیالے مجاہدین ہیں جو دینی مدارس کے تعلیم یافتہ اور نقشبندی سلاسل سے منسلک تھے، ایک محتاط اندازہ کے مطابق چالیس سے ساٹھ ہزار تک روسی فوجی شمالی کوہ قاف میں ہلاک ہوئے تھے امام شامل داغستانی کی قیادت میں جو جنگیں لڑی گئی تھیں ان کے صرف دو واقعے ہم درج کر رہے ہیں۔

ایک ماں نے اپنے دونوں جوان فرزندوں کی شہادت کی خبر سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ان مومنوں کو شہادت کے خلعت سے سرفراز کیا۔ پھر اس بیوہ خاتون نے اپنے آخری سہارا سولہ سالہ فرزند کو تلوار دیتے ہوئے یہ کہہ کر رخصت کیا، جاؤ میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میرے دل کے قرار، جاؤ، اپنے دین کی راہ میں وطن کی آزادی و سالمیت کے لئے اپنی جان قربان کر دو۔ تم کو یاد نہیں کہ تمہارے والد نے مجھ سے آخری لمحہ میں کہا تھا کہ میرے جسم میں کافروں کی گولی پیوست ہے، اس کو کسی طرح نکال دو، میں اس حالت میں اس دنیا سے اپنے رب کے حضور نہیں جانا چاہتا کہ میرے جسم میں کسی کافر کی گولی موجود ہو۔ میں پاک و صاف ہو کر اپنے رب کے حضور حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ میرے جگر کے ٹکڑے، جاؤ، تم کو خدا کے سپرد کیا

دہی ہمارا حامی وناصر اور ارحم الراحمین ہے۔

موجودہ جنگ اگرچہ روسیوں کے بقول ختم ہو چکی ہے اور کسی قیمت پر جوہر دودائف سے گفتگو نہیں ہو سکتی۔ لیکن جوہر دودائف اور ان کے رفقاء یہ کہتے ہیں کہ اصل جنگ تو اب شروع ہوئی ہے، اور یہ جنگ افغانستان کی جنگ سے بھی دوگنی مدت تک لڑی جائے گی۔ مندرجہ بالا پس منظر اور تاریخ کی روشنی میں جوہر دودائف کے دعوے میں وزن اور اعتبار ہے، اس لئے کہ دو گھنٹے کے بجائے یہ جنگ پانچ ہفتے تک کھنچ گئی، اور اس نے پچاس ہزار جدید ترین اسلحے سے لیس فوج اتاردی اور ہوائی طاقت اور جدید ترین میزائلوں کا اس نے استعمال کیا۔ جبکہ اس کے بالمقابل چیچن مجاہدین تقریباً نہتے اور ان کی تعداد بھی کم تھی تیسری طرف یہ جنگ صرف راجدھانی گروزنی تک محدود رہی، ابھی دوسرے مرکزی شہروں تک روس کی رسائی نہیں ہو سکی ہے۔ اس جنگ میں ایک محتاط اندازہ کے مطابق تیس ہزار روسی فوجی مارے گئے، ایک ہزار گرفتار اور تیس ہزار زخمی ہوئے، چیچن مجاہدین گروزنی خالی کرتے وقت روسی اسیروں کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اس جنگ میں دو بڑے روسی جنرل، ایک کرنل، چار ہوا باز مارے گئے، چھ ہیلی کوپٹر اور جدید ترین جنگی میزائلوں کی کثیر تعداد چیچن مجاہدین کے ہاتھ آئی۔ خود روسی فوجیوں نے میدان جنگ سے فرار ہوتے وقت یہ اسلحے چھوڑ دیئے، ایک خبر یہ بھی ہے کہ روسی فوجوں نے ڈالر کے بالمقابل بہت کم قیمت پر اپنے اسلحے چیچن مجاہدین کے ہاتھوں فروخت کر دیئے۔ روسی خفیہ ایجنسیوں نے یہ اطلاعات فراہم کی ہیں کہ شمالی کوہ قاف، ترکی، افغانستان کے مجاہدین چیچن مجاہدین کی مدد کر رہے ہیں۔ امریکی وزارت دفاع نے جو تجزیہ شائع کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روس کو اگرچہ جنگی ٹکنالوجی میں فوقیت حاصل ہے لیکن چیچن مجاہدین کی معنوی قوت اور حوصلے بلند ہیں، ان کو پہاڑی جنگ کا طویل تجربہ ہے، ان مجاہدین کے پاس جو جنگی ساز و سامان ہیں ان میں سٹنگر میزائل، شیراج میزائل، بمبار ہیلی کوپٹر اور ایک سو پچاس اعلیٰ درجہ کی توپیں اور پچاس ٹینک ہیں۔

مغربی ذرائع کا کہنا ہے کہ اس جنگ میں روس کو امریکہ نے پھنسایا ہے تاکہ اس کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہو جائے، دوسری خبر یہ بھی ہے کہ مافیا گروہ اور روسی فوج کے اندر غیر مطمئن عناصر نے ایٹمی اسلحہ پر ہاتھ صاف کرنے کے لئے روسیوں کو جنگ میں الجھا دیا ہے۔

سیاسی اور فوجی حکمت عملی دونوں اعتبار سے یہ جنگ روس کے لئے بڑے سنگین نتائج کی حامل ہوگی، روسی خفیہ ذرائع نے اطلاع دی ہے کہ اس جنگ میں دو ہزار سے زائد افغانی مجاہدین، چار سو انگوش مجاہدین، تین سو بالٹک اور دو دو سو روکرانیا اور ایک سو سرکشیا اور ایک سو تیس اباظہ مجاہدین نیز عرب، افغان اور پاکستان والجزائر کے مجاہدین جنگ کر رہے ہیں۔ ان عناصر کی شمولیت کی وجہ سے اس کے قوی احتمالات ہیں کہ جارجیا، ترکی، انگوزیا، تاجکستان، ازبکستان کے مجاہدین بھی اس جنگ میں شامل ہو جائیں، تازہ ترین روسی سروے کے مطابق ٦٥٪ روسیوں نے اس جنگ کی مخالفت کی ہے، صرف ١٩٪ نے حمایت کی ہے۔ مشہور روسی ادیب الیگزنڈر سولژنیتسن نے اس جنگ کی شدید مخالفت کی ہے اور چیچنیا کی آزادی کی حمایت کی ہے۔

شمالی کوہ قاف میں پیدا ہونے والے سابق روسی صدر گورباچوف نے یلتسن کو اس جنگ کی تباہی سے متنبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ چیچنیا میں روسی ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کے داخلہ کا مطلب کوہ قاف کی دوسری جنگ کا آغاز کے مرادف ہے میں نے وہاں برسوں زندگی گذاری ہے، اس پورے علاقہ اور وہاں کے باشندوں کے مزاج و طبائع سے اچھی طرح واقف ہوں، سیاسی گفتگو سب سے زیادہ انسب طریقہ ہے، اس گفتگو میں ہم کسی طرح جوہر دودائف کو نظر انداز نہیں کر سکتے، روس کے چیچنیا میں مداخلت کا مطلب تباہی و بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ روسی پارلیمنٹ میں دفاعی کمیٹی کے صدر کے فوجی مشیر مسٹر نائل ایزوگانو نے بھی یہی کہا ہے کہ چیچنیا میں روسی مداخلت روس کے لئے ایک سانحہ اور المیہ ہوگا، وہ ایسے دلدل میں پھنسے گا جہاں سے نکلنے کی کوشش میں اس کا وجود ہی غائب ہو جائے گا، اس لئے کہ چیچنیا کے ٢٥ ہزار مجاہدین سے لڑنا موت کے منہ میں جانے کے مرادف ہے۔ دوسری طرف جن عناصر نے روس کو افغانستان میں شکست دی تھی وہ پھر پوری دنیائے اسلام کے کونے کونے سے جمع ہو رہے ہیں اور جہاد کی جس روح اور جنگل کی جس آگ کو پھیلنے سے بچانے کے لئے روس و امریکہ نے مل کر افغانستان میں جنگ بند کی تھی، وہ خطرہ ہمارے سر پہ پھر کھڑا ہے، اور ہم خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہیں، تیسری طرف روس میں پھیلے ہوئے چیچن مجاہدین جو جوہر دودائف کے وفادار ہیں اور روسی تنصیبات کو ایک اشارے پہ تباہ کرنے سے ذرہ برابر بھی نہیں ہچکچائیں گے۔

ادھر سابق امریکی وزیر دفاع کے معاون مسٹر رچرڈ ڈاطیگ نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ چیچنیا کا مسئلہ امریکہ کے لئے گلے کی ہڈی بن گیا ہے، پٹرول کی وجہ سے امریکہ کا مفاد وابستہ ہے وہ جوہر دودائف کی اصل طاقت سے واقف ہے، اس لئے اس کی یہ اندرونی خواہش ہے کہ روس ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے تاکہ کبھی وہ اس علاقہ میں مداخلت کا خیال بھی نہ کر سکے۔

ایک مطالعہ

(دوسری قسط)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

بنی امیہ کا دور ختم ہوا اور خلافت عباسیہ نے اس کی جگہ لی۔ پایہ تخت دمشق سے بغداد منتقل ہوا اور عرب کے سوز دروں میں عجم کے حُسنِ طبیعت کی آمیزش ہوئی۔ اب ساری دنیا کا سامانِ عیش، اہلِ کمال صناع و مغنی۔ غلام اور باندیاں بغداد پہنچ گئے۔ خلیفہ کے دربار میں ابو نواس کے نغمے گونجنے لگے اور اُمرا اور رؤسا کے گھروں میں وہ محفلیں برپا ہونے لگیں جس کا بہترین نقشہ الف لیلہ کے قصوں میں نظر آتا ہے، شان و شوکت کے دور کے ساتھ اس کو رومانٹک دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ مال و دولت کی وہ فراوانی کہ ہارون الرشید بادل کے ٹکڑے کو دیکھ کر کہتا ہے کہ جہاں جی چاہے برس۔ تیری پیداوار کا خراج میرے پاس ہی آئے گا۔ مامون کی شادی جس شان و شوکت سے ہوئی اُس کا ذکر حضرت علی میاں نے کیا ہے اور اس سے اس عہد کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے لیکن بغداد علم و عمل، صلاح و تقوی اور دعوت و اصلاح کا بھی بہت بڑا مرکز بن گیا اس زمانہ کے طبقات اور تراجم کی کتابیں دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ بغداد میں علماء کے علاوہ اور کوئی بستا ہی نہ تھا۔ ابن سفیان ثوری فضیل بن عیاض جنید بغدادی، معروف کرخی اور بشر حافی اپنے اعمال و اخلاق خدا ترسی اور ایمانی کیفیات کے ساتھ سامنے آتے ہیں، فقہ اور حدیث کی تدوین ہوتی ہے متغیر زندگی اور متنوع حالات اس بات کے متقاضی ہوئے کہ زندگی کی ترجمانی کے لیے اجتہاد اور استنباط کیا جائے۔ احادیث کو جمع کرنے کے لیے محدثین نے اسلامی دنیا کا کونہ کونہ چھان ڈالا۔ ایک نیا علم اسماء الرجال وجود میں آیا۔ یہ علم محدثین کے تحقیقی ذوق اور احساسِ ذمہ داری کی روشن مثال ہے راویوں کے اخلاق و عادات، دیانت اور تقویٰ، علم اور حافظہ کی زبردست چھان بین کی اور کسی حدیث کو قبول کرنے میں کسی رو رعایت سے کام نہیں لیا۔

محدثین کی یہ جماعت حافظہ کی نہایت قوی تھی۔ امام بخاری جو سرخیلِ محدثین تھے اُن کے سامنے سو حدیثیں سند اور متن کو گڈمڈ کر کے رکھی گئیں اور انھوں نے اپنے حافظہ سے سب کی تصحیح کر دی، یہ قوت حافظہ صرف اللہ کی دین تھی ان حضرات کی کاوشوں سے احادیث کا ایسا سرمایہ جمع ہو گیا جو صحاحِ ستہ کے نام سے معروف ہے اسلام کا سارا خزانہ انھیں میں محفوظ ہے۔

اسلام اب عرب سے نکل کر شام، عراق، مصر و ایران تک پہنچ گیا تھا۔ اب معاشرت، تجارت انتظام ملکی وسیع اور پیچیدہ شکلیں اختیار کر گئے تھے، نئے حالات و مسائل میں اسلام کے اصول کی تطبیق کے لیے بڑی اعلیٰ ذہانت روحِ شریعت سے گہری واقفیت، قرآن و حدیث، لغت و قواعد پر کامل عبور رکھنے والوں کی ضرورت پیش آئی اور ائمہ اربعہ اپنے کمالات کے ساتھ سامنے آئے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، فقہ کے چار دبستانِ فکر کے امام ہوئے اور ان کی فقہ آج بھی عالم اسلام میں رائج ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے تن تنہا اتنا کام کیا جو بڑے بڑے علمی ادارے نہیں کر سکتے تھے، پھر ان کو ایسے لائق شاگرد اور جانشین ملے جنھوں نے اس ذخیرہ میں اضافہ کیا۔ ان سب حضرات کی کوششوں سے امت کی عملی اور معاملاتی زندگی میں ایک نظم اور وحدت پیدا ہو گئی۔

اسلام کا معاملہ کچھ فتنوں سے بھی پڑا۔ یونانی فلسفہ خیالات اور قیاسات کے مجموعے اور الفاظ کے طلسم کے ساتھ سامنے آیا۔ اب مسلمان عالموں کی فکر میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، رویتِ باری۔ مسئلہ عدل و تقدیر، جبر و اختیار اور ایسی بحثیں اور مسائل آنے لگے جو مسلمانوں کی قوت عمل کے لیے بیحد مضر تھے،

ان دینی فلسفیوں کے گروہ کی امامت معتزلہ کر رہے تھے۔ انھوں نے ان بحثوں کو ایمان کا معیار بنا دیا۔ ان کے مقابل وہ محدثین اور فقہاء تھے جو سلف کے مسلک کے قائل تھے۔ ہارون رشید کے دور تک معتزلہ نے عروج نہیں پایا لیکن اس کا بیٹا مامون یونانی فلسفہ اور عقلیت سے مرعوب تھا اُس نے اور اس کے قاضی القضاۃ ابن ابی داؤد نے معتزلہ کی بڑی ہمت افزائی کی بلکہ یہ لوگ اعتزال کے پر جوش داعی اور مبلغ ہو گئے، عقیدہ خلق قرآن معتزلہ کا شعار اور کفر و ایمان کا معیار بن گیا ان کے مقابلہ میں امام احمد بن حنبل سینہ سپر ہوئے۔

امام احمد بن حنبل نے حدیث کی طرف خصوصی توجہ کی تھی۔ طلب حدیث میں اُن کی بلند ہمتی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ جب انھوں نے مشہور محدث عبدالرزاق بن ہمام سے حدیث سننے کے لیے صنعاء یمن کا قصد کیا تو اُن سے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ملاقات ہوئی، اُن کے ہم درس نے اسے

حسنِ اتفاق گردانا اور حدیث کی سماعت کے لیے ان کے جائے قیام جانے کا ارادہ کیا تو امام حنبل اس پر رضامند نہیں ہوئے اور صنعا جاکر حدیث کی سماعت کی۔

حضرت امام حنبل کا حافظہ اتنا غیر معمولی تھا کہ ان کو دس لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ امام شافعی کے وہ بیحد معتقد تھے اور امام شافعی اُن کے۔ امام شافعی نے بغداد سے جاتے وقت فرمایا کہ میں بغداد چھوڑ کر جا رہا ہوں اس حالت میں کہ وہاں احمد بن حنبل سے بڑھ کر نہ کوئی متقی ہے نہ فقیہ۔

امام حنبل نے فتنۂ خلقِ قرآن میں اپنے سب دشمنوں کو حتّٰی کہ خلیفۂ وقت کو جس کے حکم سے اُن کو سخت ترین اذیت پہونچی تھی معاف کر دیا۔ انھوں نے فرمایا کہ صرف داعیِ بدعت کو معاف نہیں کرتا ہوں۔

مامون نے خلقِ قرآن کے مسئلہ پر اپنی پوری توجہ صرف کر دی تھی۔ اُس نے خلقِ قرآن کے عقیدہ سے اختلاف کرنے والوں کو سخت اذیت پہنچائی اور اپنے جانشین معتصم کی وصیت کی کہ وہ قرآن کے بارے میں اس کے مسلک اور عقیدہ پر قائم رہے قاضی ابن ابی داؤد کو بدستور اپنا مشیر اور وزیر بناتے رہے۔

معتصم نے حضرت امام پر ظلم کی انتہا کر دی۔ وہ کوڑے لگوائے جو انسان کے طاقتِ برداشت سے باہر تھے مگر امام یہی فرماتے تھے۔ میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنّت سے کچھ پیش کرو تو میں اس کو مان لوں۔ حضرت کعب بن مالکؓ کی طرح اپنے صعوبت کی داستان خود حضرت امام نے بیان کی ہے۔ انھوں نے اپنے وقت کی سب سے بڑی بادشاہی کا تنہا مقابلہ کیا۔ یہی اُن کے بقائے دوام کا اصل سبب ہے۔

آواز و خلیل ز تعمیر کعبہ نیست
مشہور شد ازاں کہ در آتش نکو نشست

اس امامِ سنّت نے انتقال کیا تو سارے اسلامی دنیا نے اُن کا ماتم کیا۔

معتصم اور واثق بھی انتقال کر گئے اور اُنکے ساتھ معتزلہ کا زور ٹوٹ گیا مگر علمی مباحثوں میں معتزلہ کا پلڑا بھاری رہتا۔ عوام الناس اور نوجوان طالب علم معتزلہ کے حُسنِ تقریر اور علمی موشگافیوں سے متاثر ہوئے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلک سلف کی بے توقیری اور اس کی طرف سے بے اعتمادی پیدا ہو رہی تھی۔ اب ایک ایسی شخصیت کی ضرورت پیش آ رہی تھی جس کی دماغی صلاحیتیں معتزلہ سے بلند ہوں اور شیخ ابوالحسن اشعری کی ذات میں امت کو یہ شخصیت مل گئی۔

یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ شیخ چالیس برس تک خود معتزلہ کے اعتقادات کی حمایت میں لگے رہے اور پھر اکدم ان کی طبیعت اس سے پھر گئی۔ پندرہ دن گھر میں معتکف رہے سولھویں دن جامع مسجد پہنچے اور منبر پر چڑھ کر اعتزال سے برأت کا اعلان کیا پھر ساری زندگی انھوں نے معتزلہ اور محدثین کے درمیان ایک معتدل مسلک اختیار کیا۔ وہ دین کی نصرت اور عقائد اسلامیہ کی حفاظت کے لیے عقل کی تحقیر ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ انھوں نے اپنے مسلک کی وضاحت اس طرح کی۔

قرآن مجید اور سنّتِ رسولؐ کو مضبوط پکڑا جائے، صحابہ اور تابعین اور ائمہ حدیث سے جو منقول ہے اس کو اختیار کیا جائے۔ جو امام احمد بن حنبل کے مسلک سے الگ ہے وہ ہم سے الگ ہے۔

شیخ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے کتاب و سنّت کے حقائق کو عقلی دلائل سے ثابت کیا وہ متشدد محدثین اور جامد حنابلہ کے اعتراضات کا ہدف بھی بن گئے۔

اشعریت خود ایک مکتبہ خیال بن گئی۔ مدرسہ نظامیہ بغداد نے اشعریت کو علمی وسعت اور استحکام بخشا اور اشعری مکتب خیال کے علماء تمام عالم اسلام۔ نظام تعلیم اور مذہبی زندگی پر حاوی ہو گئے۔

وقت گذرتا گیا اور اشعریت کے پیرو رفتہ رفتہ لکیر کے فقیر ہو گئے۔ ان میں علم اور بصیرت کی کمی آگئی اب علماء نے فلسفہ کی اصطلاحات اور فلسفیانہ طرز استدلال کو علم کلام میں داخل کر لیا یونانی فلسفہ سے مرعوب لوگوں نے الٰہیات کے دفتر پارینہ کو صحیفۂ آسمانی کی طرح قبول کر لیا۔ اخوان الصفا کے نام سے ایک خفیہ انجمن بغداد میں قائم ہوئی جس کا منشور یہ تھا۔ اسلامی شریعت جہالتوں اور گمراہیوں کی آمیزش سے گندی ہو گئی ہے۔ اس کو صرف فلسفہ کے ذریعہ سے دھویا اور پاک کیا جا سکتا ہے۔ اب صرف فلسفۂ یونان اور شریعت محمدی کے امتزاج سے کمال مطلوب حاصل ہو سکتا ہے۔

فلسفہ کے ساتھ ایک نیا فتنہ پیدا ہوا۔ یہ باطنیت کا فتنہ تھا باطنیت کے علمبرداروں نے سارا زور اس تبلیغ پر صرف کیا کہ ہر لفظ کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں ایک حقیقی اور باطنی۔ اس طرح قرآن اور حدیث کے کچھ ظاہر ہیں اور کچھ حقائق جہلا ظواہر کو جانتے ہیں اور عقلا حقائق کے عالم ہیں جو حقائق اور رموز کی بلند سطح تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ الفاظ شرعی کے متواتر معنی اور مفہوم کا انکار اور قرآن و حدیث کے ظاہر و باطن کی تقسیم ایسا حربہ تھا جس نے پورے نظام اسلامی کو مشکوک اور مجروح بنا دیا۔ ایران کی بہائیت اور ہندوستان کی قادیانیت اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ باطنیہ نے ایسی خفیہ تنظیمیں قائم کر لی تھیں جس سے اسلامی حکومتیں عرصہ تک پریشان رہیں۔ نظام الملک طوسی اور فخر الملک وغیرہ ان کے شکار ہو گئے۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اصفہان میں اگر کوئی شخص عصر تک اپنے گھر واپس نہیں جاتا تو سمجھ لیا

لیا جاتا ہے کہ وہ کسی باطنی کا شکار ہو گیا۔ انھوں نے دین کے اصول و نصوص اور قطعیات کی تاویل و تحریف اور عام الحاد کا دروازہ کھول دیا۔

فلسفہ اور باطنیت کے اسی تاخت کو روکنے کے لیے پانچویں صدی کے وسط میں اسلام نے ایک ایسی شخصیت پائی جس کی عالم اسلامی کی سخت ضرورت تھی یہ شخصیت امام غزالی کی تھی۔ امام غزالی کے متعلق اُن کے اُستاد امام الحرمین کی رائے تھی کہ غزالی بحر زخار ہے۔ درس سے فارغ ہونے کے بعد وہ نظام الملک کے دربار میں پہنچے نظام الملک نے اُن مدرسہ نظامیہ کی صدارت کے لیے انتخاب کیا۔ اُن کے درس۔ حسنِ تقریر اور تبحر علمی کی بغداد میں دھوم مچ گئی۔ ان کی مجلس درس مرجع خلائق بن گئی۔

ایک دن وہ اقلیم علم کی بادشاہی کو چھوڑ کر یقینی علم اور دولتِ باطن کی تلاش میں نکل گئے اس دور میں اپنے احساسات کو امام غزالی نے خود بیان کیا ہے۔ یہ بیان بہت دلچسپ اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ حاصل بیان یہ ہے کہ انھیں یقین ہو گیا کہ صوفیا ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں۔ ان کی سیرت بہترین سیرت۔ اُن کا طریق سب سے مستقیم اور اُن کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ اُن کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں۔

اللہ تعالیٰ کو امام غزالی سے بڑا عظیم الشان کام لینا تھا۔ وہ اس خلوت سے نکلے اور پھر درس و تدریس تالیف اور تصنیف پر لوٹے۔ اُن کا فیصلہ ہوا کہ عزیمت کا کام اور انبیاء علیہم السّلام کی نیابت وقت کا فریضہ اور افضل عبادت ہے۔ اس رجوع میں پہلی حالت کی بازگشت نہیں رہی۔ اپنی حالت کو امام صاحب نے بڑی رقیق القلبی کے ساتھ لکھا ہے۔

امام غزالی کا تجدیدی کام دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

۱۔ فلسفہ اور باطنیت کا مقابلہ۔
۲۔ زندگی اور معاشرت کا اسلامی جائزہ۔

انھوں نے مقاصد الفلاسفہ کے نام سے کتاب لکھی جس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اصل مذہب کا تصادم الٰہیات سے ہے پھر انھوں نے تہافت الفلاسفہ لکھی اُس کی تمہید میں لکھا کہ لوگوں نے سقراط و بقراط افلاطون اور ارسطو کے پُر ہیبت نام سُننے اور تقلیداً انکار مذہب کو اپنا شعار بنا لیا۔ امام غزالی نے ان کی غلطیاں دکھائیں اور ثابت کیا کہ اُن کے مسائل اور اصول اور بازیچۂ اطفال ہیں۔

فلسفہ کی یہ تنقید اور تحقیر علم کلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز تھا شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ نے اس کی تکمیل کی۔ سو برس تک اس کتاب کا جواب نہیں لکھا جا سکا پھر چھٹی صدی عیسوی میں ابن رشد نے اس کا جواب لکھا اور کوئی شک نہیں ابن رشد کی حمایت نے فلسفہ کو پھر نئی زندگی دیدی۔

امام غزالی نے فتنہ باطنیت کی طرف توجہ کی اور باطنیوں کی رد میں "المستظہری" تالیف کی۔ امام غزالی نے باطنیت کو علمی طور پر بے وقعت بنا دیا۔

پھر امام غزالی کا کارنامہ زندگی اور معاشرت کے اسلامی جائزہ میں نظر آتا ہے اور وہ کتاب لکھی جس سے اسلامی حلقے ہمیشہ بہت زیادہ متاثر رہے۔ یہ کتاب احیاء علوم الدین ہے یہ اسلام کی اعلا ترین تصنیفات میں ہے۔ یہ دس برس کے مجاہدات اور بادیہ پیمائی کی سوغات ہے۔

امام غزالی کے نزدیک دینی اور اخلاقی انحطاط کی سب سے بڑی ذمہ داری علماء پر ہے۔

انھوں نے فرمایا کہ مریض موجود ہیں اور طبیب مفقود۔ طبیب علماء ہیں جو خود بیمار ہیں اُن کا خیال تھا کہ علماء دنیا طلبی اور جاہ طلبی کے شکار ہو گئے ہیں عالم کا عالم فقہ کی جزئیات اور اختلافی مسائل میں مشغول تھا۔ سارے علوم اور خدمتِ دین کے شعبے نظر انداز ہو گئے تھے انھوں نے تفصیل کے ساتھ مناظرہ اور بحث و مجادلہ کے اخلاقی اور روحانی نقصانات و مفاسد بیان کیے۔ ان کا فیصلہ ہے کہ جس کو اپنے دین کی واقعی فکر ہو تبلیغ اور تعلیم خود اس کے لیے ایسا مشغلہ ہے کہ پھر اس کی نادر الوقوع جزئیات اور دور از کار تفصیلات اور موشگافی کی فرصت اُسے نہیں ہو سکتی۔

امام غزالی نے سلاطین سے کنارہ کشی اور انکے افعال اور مشاغل سے نفرت کی تبلیغ کی اس عہد میں اس نمونہ کی جرأت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ملک شاہ سلجوقی کے بیٹے سلطان سنجر سے انھوں نے کہا افسوس مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں اور تیرے گھوڑوں کی گردنیں طوق ہائے زریں کے بار سے۔

احیاء العلوم صرف تنقیدی کتاب نہیں ہے وہ اصلاح و تربیت کی ایک جامع اور مفصل کتاب ہے یہ کتاب عقائد و فقہ تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق تینوں شعبوں کی جامع ہے۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں یہ عام خصوصیت ہے کہ اس کے پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے۔ ہر فقرہ نشتر کی طرح دل میں چبھ جاتا ہے۔ ہر بات جادو کی طرح تاثیر کرتی ہے ہر لفظ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

امام غزالی کے علم اخلاص اور علوئے ہمت کا اعتراف موافق اور مخالف سب کو رہا ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اختلاف کے باوجود انکو اکابر مخلصین میں شمار کرتے ہیں۔

پانچویں صدی ہجری نے دینی عقلی اور ادبی علوم میں بڑے بڑے باکمال اور ائمہ فن پیدا کئے

(باقی ص ۲۷ پر)

علماء مسلمین کو ایک خاص امر کی طرف متوجہ کرنا ہے وہ یہ کہ اس زمانہ میں علماء کی طرف سے بدگمانی بلکہ بدتمیزی نہیں بلکہ مقابلہ اور تحقیر کی صورتیں بالعموم اختیار کی جارہی ہیں یہ امر دین کے لحاظ سے نہایت ہی سخت خطرناک ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ دنیا کی ہر جماعت میں جس طرح اچھوں میں برے بھی ہوتے ہیں علماء کی جماعت میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ جھوٹے سچوں میں شامل ہیں۔ اور علماء سوء علماء رشد میں مخلوط ہیں مگر پھر بھی دو امر ایسے لحاظ کے قابل ہیں اول یہ کہ جب تک کسی شخص کا علماء سوء میں سے ہونا محقق نہ ہو جائے اس پر ہرگز کوئی حکم نہ لگا دینا چاہیئے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔

ترجمہ:۔ اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد نہ کیا کر، کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی (بیان القرآن)

اور محض اس بدگمانی پر کہ کہنے والا شاید علماء سوء میں ہو اس کی بات کا بلا تحقیق رد کر دینا اور بھی زیادہ ظلم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اس قدر احتیاط فرمائی ہے کہ یہود توارات کے مضامین کو عربی میں نقل کرکے سناتے تھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ نہ انکی تصدیق کیا کرو نہ تکذیب بلکہ یہ کہہ دیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے سب پر ہمارا ایمان ہے یعنی یہ کہ کافروں کی نقل کے متعلق بھی بلا تحقیق تصدیق وتکذیب سے روک دیا۔ لیکن ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی شخص کسی قسم کی بات ہماری رائے کے خلاف کہتا ہے تو اس کی بات کی وقعت گرانے کے لیے کہنے والے کی ذات پر حملے کیے جاتے ہیں گو اس کا اہل حق ہونا بھی محقق ہو۔

دوسرا ضروری امر یہ ہے کہ علماء حقانی، علماء رشد علمائے خیر بھی بشریت سے خالی نہیں ہوتے معصوم ہونا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان ہے اسلئے ان کی لغزشوں ان کی کوتاہیوں ان کے قصوروں کی ذمہ داری انہیں پر عائد ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان کا معاملہ ہے سزا دیں یا معاف فرمائیں بلکہ اغلب یہ ہے کہ ان کی لغزشیں انشاء اللہ تعالیٰ معاف ہی ہو جاویں گی، اسلئے کہ کریم آقا اپنے اس غلام سے جو ذاتی کاروبار چھوڑ کر آقا کے کام میں مشغول ہو جائے اور ہمہ تن اسی میں لگا رہے اکثر تسامح اور درگذر کیا کرتا ہے، پھر اللہ جل وعلا کی برابر تو کوئی کریم ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن وہ بمقتضاء عدل گرفت بھی فرمائیں تو وہ انکا اپنا معاملہ ہے۔ ان امور کی وجہ سے علماء سے لوگوں کو بدگمان کرنا، نفرت دلانا، دور رکھنے کی کوشش کرنا لوگوں کے لیے بددینی کا سبب ہوگا اور ایسا کرنے والوں کے لیے وبالِ عظیم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِكْرَامُ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَيْرِ الْغَالِيْ فِيْهِ وَلَا الْجَافِيْ عَنْهُ وَاِكْرَامُ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ (ترغیب عن ابی داؤد)

ترجمہ:۔ تینوں اصحاب ذیل کا اعزاز اللہ تعالیٰ کا اعزاز ہے، ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا وہ حافظ قرآن جو افراط وتفریط سے خالی ہو، تیسرا منصف حاکم۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔

لَيْسَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ لَّمْ يُجِلَّ كَبِيْرَنَا وَلَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا (ترغیب عن احمد والحاکم وغیرہما)

ترجمہ:۔ وہ شخص جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے، ہمارے علماء کی قدر نہ کرے۔ وہ ہماری امت میں سے نہیں ہے، ایک اور حدیث میں وارد ہے

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ لَا يَسْتَخِفُّ بِهِمْ اِلَّا مُنَافِقٌ ذُو الشَّيْبَةِ فِي الْاِسْلَامِ وَذُو الْعِلْمِ وَاِمَامٌ مُّقْسِطٌ (ترغیب عن الطبرانی)

ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ ان کو خفیف سمجھنے والا منافق ہی ہو سکتا ہے (نہ کہ مسلمان) (وہ تین شخص یہ ہیں) ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم، تیسرا منصف حاکم۔

بعض روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مجھے اپنی امت پر سب چیزوں سے زیادہ تین چیزوں کا خوف ہے، ایک یہ کہ ان پر دنیاوی فتوحات زیادہ ہونے لگیں جس کی وجہ سے ایک دوسرے سے حسد پیدا ہونے لگے، دوسرے یہ کہ قرآن شریف آپس میں اس قدر عام ہو جائے کہ ہر شخص اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے حالانکہ اس کے معانی اور مطالب بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ بھی یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے (بیان القرآن) یعنی علم میں پختہ کار لوگ بھی تصدیق کے سوا آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتے تو پھر عوام کو چون وچرا کا کیا حق ہے، تیسرے یہ کہ علماء کی حق تلفی کی جائے اور ان کے ساتھ لاپرواہی کا معاملہ کیا جائے ترغیب میں اس حدیث کو بہ روایت طبرانی ذکر کیا ہے اور اس قسم کی روایات بکثرت حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

جس قسم کے الفاظ اس زمانہ میں علماء اور علوم دینیہ کے متعلق اکثر استعمال کیے جاتے ہیں فتاویٰ عالمگیری میں ان میں سے اکثر الفاظ کو الفاظ کفریہ میں شمار کیا ہے مگر لوگ اپنی ناواقفیت سے اس حکم سے غافل ہیں اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اس قسم کے الفاظ بالعموم استعمال کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کی جائے۔ بفرض اگر مان بھی لیا جاوے کہ علماء حقانی کا اس وقت وجود ہی نہیں رہا اور یہ سب جماعتیں جن پر علماء کا اطلاق کیا جاتا ہے علماء سوء ہی ہیں تب بھی آپ حضرات کی صرف ان علماء کو علماء سوء کہنے سے سبکدوشی نہیں ہو سکتی بلکہ ایسی حالت میں تمام دنیا پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ علماء حقانی کی ایک جماعت پیدا کی جائے، ان کو سکھایا جائے اس لیے کہ علماء کا وجود فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت اس کے لیے موجود ہے تو یہ فرض سب سے ساقط ہے ورنہ تمام دنیا گنہگار ہے۔

ایک عام اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ ان علماء کے اختلاف نے عوام کو تباہ و برباد کر دیا ہے ممکن ہے کہ کسی درجہ میں صحیح ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ علماء کا یہ اختلاف آج کا نہیں سو پچاس برس کا نہیں خیر القرون بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنے نعلین شریف بطور علامت کے دیکر اس اعلان کے لیے بھیجتے ہیں کہ جو شخص کلمہ گو ہو وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ راستہ میں حضرت عمرؓ ملتے ہیں اور معاملہ پوچھتے ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ اپنے آپ کو حضورؐ کا قاصد بتاتے ہیں لیکن پھر بھی حضرت عمرؓ اس زور سے اُن کے سینہ پر دونوں ہاتھ مارتے ہیں کہ وہ بیچارے سرینوں کے بل زمین پر گر پڑتے ہیں مگر نہ کوئی حضرت عمرؓ کے خلاف پوسٹر شائع ہوتا ہے نہ کوئی جلسہ ہو کر احتجاجی ریزولیوشن پاس ہوتا ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ میں ہزاروں مسئلے مختلف فیہا ہیں اور ائمہ اربعہ کے یہاں تو شاید فقہ کی کوئی جزئی ہو جو مختلف فیہ نہ ہو۔ چار رکعت نماز میں نیت باندھنے سے سلام پھیرنے تک تقریباً دو سو مسئلے ائمہ اربعہ کے یہاں مختلف فیہ ہیں جو مجھ کوتاہ نظر کی نگاہ سے بھی گذر چکے ہیں اور اس سے زائد نہ معلوم کتنے ہونگے مگر کبھی رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ دو تین مسئلوں کے سوا کانوں میں نہ پڑے ہوں گے، نہ اُن کے لیے اشتہارات و پوسٹر شائع ہوئے ہوں گے نہ جلسے اور مناظرے ہوتے دیکھے ہوں گے راز یہ ہے کہ عوام کے کان اُن مسائل سے آشنا نہیں ہیں۔ علماء میں اختلاف رحمت ہے اور بدیہی امر ہے جب بھی کوئی عالم کسی شرعی دلیل سے کوئی فتویٰ دے گا۔ دوسرے کے نزدیک اگر وہ حجت صحیح نہیں تو وہ شرعاً اختلاف کرنے پر مجبور ہے۔ اگر اختلاف نہ کرے تو مُداہن اور عاصی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگ کام نہ کرنے کے لیے اس لچر اور پوچ عذر کو حیلہ بناتے ہیں ورنہ ہمیشہ اطباء میں اختلاف ہوتا ہے، وکلاء کی رائے میں اختلاف ہوتا ہے، مگر کوئی شخص علاج کرانا نہیں چھوڑتا مقدمہ لڑانے سے نہیں رکتا، پھر کیا مصیبت ہے کہ دینی امور میں اختلاف علماء کو حیلہ بنایا جاتا ہے یقیناً سچے عمل کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ جس عالم کو وہ اچھا سمجھتا ہے، متبع سُنّت سمجھتا ہے اس کے قول پر عمل کرے اور دوسروں پر لغو حملے اور طعن و تشنیع سے باز رہے جس شخص کے ذہن کی رسائی دلائل کے سمجھنے اور ان میں ترجیح دینے تک نہیں ہے اس کا حق نہیں کہ ان میں دخل دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ علم کو ایسے لوگوں سے نقل کرنا جو اس کے اہل نہ ہوں اس کو ضائع کرنا ہے۔ مگر جہاں بد دینی کی یہ حد ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات پر لب کشائی ہر شخص کا حق سمجھا جاتا ہو وہاں ہمارے علماء کا کیا شمار ہے جس قدر الزامات رکھے جائیں کم ہیں۔

وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

(ماخوذ: فضائل اعمال)

رودادِ عزیمت

محمد حسین فطرت بھٹکلی

کبھی قفس کبھی مقتل میں لائے جاتے ہیں
ہزار طرح سے ہم آزمائے جاتے ہیں

عذاب ٹوٹا ہے ہم پر چمن پرستی کا
ہماری راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں

رہِ وفا سے محبت بخیر گذری ہے
ہوس کے پاؤں مگر ڈگمگائے جاتے ہیں

بہار جاتے ہی گلشن کے پھول مرجھائے
ہمارے زخم جگر مسکرائے جاتے ہیں

ہم آئینوں سے سبق زندگی کا لیتے ہیں
شکستہ ہو کے بھی جو جگمگائے جاتے ہیں

وہ ہم کو چوٹ لگا کر ہیں سخت حیرت میں
کہ چوٹ کھا کے بھی ہم مسکرائے جاتے ہیں

ہماری نغمہ سرائی کبھی نہیں جاتی
دفورِ رنج و الم میں بھی گائے جاتے ہیں

سلیقہ رکھتے ہیں گلشن میں خوشہ چینی کا
گلوں کے ساتھ ہی کانٹے بھی پائے جاتے ہیں

عجیب لوگ گدایانِ کوئے الفت ہیں
کہ تخت و تاج پہ ٹھوکر لگائے جاتے ہیں

تضاد اور تنوع سے حسن فطرت ہے
چمن میں پھول بھی کانٹے بھی پائے جاتے ہیں

صہیونی تحریک

اور دنیا پر اس کے خوفناک اثرات

ترجمہ:- محمد سلیم عالیہ ثالثہ شریعہ

دنیا میں جتنی بھی تخریبی اور غلط افکار پر مبنی تحریکیں ہیں اگر ان سب کا جائزہ لیا جائے تو ہر ایک کے پس پردہ صہیونی دماغ کارفرما نظر آئے گا۔

صہیونی تحریک اگر ایک طرف ایک سیاسی تحریک ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ یہودیوں کو چاروں طرف سے یکجا کیا جائے، ان کو دوسرے ملکوں سے سمیٹ کر فلسطین میں لاکر آباد کیا جائے اور وہاں ایک یہودی ملک کی بنیاد ڈالی جائے جو دین یہودیت کا علمبردار ہو، جس پر یہودی ثقافت وتہذیب کی چھاپ ہو بلکہ یہودی عنصر مکمل طور سے حاوی ہو۔ تو دوسری طرف یہ ایک دینی، فکری اور تمدنی تحریک بھی ہے، جس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ یہودی عنصر کو پوری دنیا پر غالب کیا جائے، ارض موعود کے پڑوسی ملکوں پر ظلم ڈھایا جائے اور دنیا کی فکری وتمدنی سلطنتوں کو "صہیون" کی طرف متوجہ کیا جائے۔

صہیونیت

یہ قدس میں واقع ایک "صہیون" نامی پہاڑ سے مشتق ہے، جس پر صہیونی ہیکل سلیمانی کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور ایک ملک کی داغ بیل ڈال کر قدس کو اس کا پایۂ تخت بنانا چاہتے ہیں۔

صہیونیت کی نسبت جبل "صہیون" کی طرف اس لئے کی جاتی ہے کہ یہ ان چار پہاڑوں میں سے ایک ہے جس سے یہودیت کی روحانی حکومت وابستہ ہے، تورات نے بہت ہی عظمت کے ساتھ جبل "صہیون" کا تذکرہ کیا ہے جہاں کہ ان کا معبود "یہود" رہتا ہے، اور ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اسی پر حضرت مسیح خدا کی مغفرت اور ان کے توبہ کی قبولیت کی خوش خبری دینے کے لئے ظاہر ہوں گے۔ تورات میں "صہیون" کا ذکر متعدد جگہوں پر آیا ہے:

(۱) "بایں طور کہ خداوند نے جبل صہیون کا انتخاب کیا اور اس کو اپنے لئے بحیثیت مسکن پسند فرمایا"

(۲) "اس لئے کہ لفظ صہیون سے شریعت مشتق ہے اور یورو شلم سے کلام رب"

(۳) "خوش خبری ہو اس کے تمام انتظار کرنے والوں کے لئے، کیونکہ جو قوم صہیون میں ہے وہ یوروشلم میں بود و باش اختیار کرے گی صہیونیت کی نسبت جبل "صہیون" کی طرف کی جاتی ہے، لیکن جب اس کی نسبت "عالیہ" کی طرف کی جائے تو اس سے زمانۂ قدیم کے عبرانیوں کی ایک بدبخت وبدکردار جماعت مراد ہوتی ہے۔

عالمی صہیونیت آج بھی اپنے اعمال و افعال اور مقاصد وعزائم میں ممتاز ومنفرد ہے اور ایک خاص قوت کے ساتھ پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہے۔

صہیونی اس وقت بھی مختلف ملکوں میں پائے جاتے ہیں اور ان کے لئے "طاہور خامس" کی ایک نئی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے ان کے پاس ہر طرح کے وسائل فراہم ہیں، نفس پرستی اور رشوت خوری ان کا شیوہ ہے، یہ بہت ہی متعصب اور تخریب پسند ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں اور پوری دنیا کو بغض وحسد کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

صہیونی تحریک کی تاریخ میں مؤرخین کا اختلاف ہے، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ صہیونی تحریک دین یہودیت سے پہلے کی ہے، ان کا کہنا ہے "یہودیت تیس صدی سے پہلے حضرت ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ کے زمانے میں ظاہر ہوئی جو کہ صرف ایک دینی ہی جماعت نہ تھی بلکہ ایک سیاسی تحریک بھی تھی، جس کی جڑیں مملکت "یہودا" کے زوال کے بعد چاروں طرف پھیل چکی تھیں، اسی وقت یہودیت اور صہیونیت میں باہم ارتباط ہو گیا تھا اور دونوں ایک سکے کے رخ کے مانند ہو گئی تھیں، یہودیوں نے اسی وقت سے اپنی حقیقت کو پوشیدہ رکھا اور وہ صہیونی تحریک کے نام پر عام انسانیت کی فلاح کا پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہو گئے تھے"

صہیونی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ "جب تک ام الکتاب تورات موجود رہے گی اور اس کتاب کو ماننے والی جماعت موجود رہے گی اس وقت تک یہ تحریک بھی باقی رہے گی" صہیونیت اپنی فریب دہی سے برابر یہ کوشش کرتی رہی ہے کہ وہ اپنی تاریخ میلاد کو ثابت کرے اور دنیا کے سامنے اپنے آپ کو قدیم بنا کر پیش کرے۔ نوعیان تفتشی نے صہیونیت کی تاریخ میلاد پر رائے زنی کی ہے چنانچہ وہ اس کو چھٹی صدی قبل مسیح یہودیوں کے قید وبند کی تاریخ سے وابستہ کرتے ہیں اس بنیاد پر صہیونیت ایک ہی چیز ہے، اور اس کے ایک دین اور تحریک ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ صہیونی تحریک اس وقت منظم طور پر رونما ہوئی جب مغربی ممالک پیدا ہوئے، اسی وجہ سے برطانیہ اور فرانس کے سیاست دانوں نے وسیع پیمانہ پر اس کو ترقی سے ہمکنار کیا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ موجودہ صہیونیت کی نسبت مشہور صحافی "تھیوڈور ہرٹزل" کی طرف کی جاتی ہے، جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ یہودی قیادت کو پوری دنیا پر مسلط کر دیا جائے، ہرٹزل نے پہلی عالمی صہیونی کانفرنس ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۸ء میں منعقد کی، اور اپنی جانب دنیا بھر کے یہودیوں کو کھینچنے میں کامیاب ہو گیا اور اسی طرح ان یہودی دانشوروں کو بھی جمع کرنے میں کامیاب ہوا جنھوں نے دنیا کی تاریخ میں "صہیونی دانشوروں کے پروٹوکول" کے نام سے خطرناک تجویزیں پاس کی تھیں جو آج بھی ان کی تحریف شدہ کتابوں میں پھیلی ہوئی ہیں یہی وہ وقت ہے کہ یہودیوں نے اپنی تنظیمات کو مستحکم کرنا شروع کر دیا اور اپنے تخریبی عزائم کی تکمیل کے لئے بہت ہی ہوشیاری و چالبازی کے ساتھ خفیہ طور پر متحرک ہو گئے۔

عالمی جنگ کے خاتمہ کے بعد "پولینڈ" عالمی صہیونی تحریک کا ایک اہم مرکز بن گیا جہاں پر روس اور پولینڈ کے یہودیوں میں یہ تحریک پروان چڑھی، اور انیسویں صدی میں مشرقی یورپ میں بھی اس کو کافی ترقی حاصل ہوئی جہاں کہ یہودیوں کی اکثریت تھی۔

مختصراً یہ کہ صہیونیت اپنی تاریخ اور اسباب و مقاصد کے اعتبار سے یہودی مسائل کے حل کا ایک واحد ذریعہ ہے، جس کو مذکورہ ممالک کے حکام اور عوام نے قائم کیا تھا، اور اس میں کچھ دوسرے لوگ بھی یہودیوں کی مدد اور ان کی نصرت کے لئے شریک ہو گئے تھے روس میں صہیونی تحریک کی بنیادیں کافی مضبوط تھیں خاص طور سے اس کے مغربی حصہ میں جو مشرقی یورپ میں شامل ہے۔

موجودہ صہیونیت اصل میں مشرقی یورپ کی ایک تحریک ہے، اس وجہ سے نہیں کہ اس کے قائدین وہاں سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ ہی اس لئے کہ وہاں یہودیوں کی اکثریت ہے، بلکہ اس کے دو مختلف اسباب ہیں۔

(۱) مشرقی یورپ کے یہودی دوسروں کے مقابلے میں زیادہ حساس ثابت ہوئے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے تھے، جس سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں نے اس تحریک کی داغ بیل ڈالی۔

(۲) صہیونیت کی اندرونی تنظیم و تربیت کی صلاحیت خاص طور سے مشرقی یورپ کے یہودیوں ہی میں ہوتی ہے۔

صہیونیت یہودیوں کے لئے عالمی سیاست کا راستہ ہموار کرتی ہے اور اسلام کو مٹانے اور اس کے سامنے دشواریاں کھڑی کرنے میں جدوجہد کرتی ہے، یہودیوں نے خود اس تحریک کی صفت بیان کی ہے کہ یہ ہندوؤں کے معبود "وشنو" کی طرح ہے جس کے ایک سو ہاتھ ہیں، چنانچہ آج دنیا کے اکثر سرکاری اداروں پر اسی کا تسلط ہے اور یہ اپنے مفاد میں بحسن و خوبی سرگرم عمل ہے۔

صہیونیت ایک ڈکٹیٹر، ظالم، ستم گر، انتہا پسند، حاسد دینی تحریک ہے جس کو انتہا پسند یہودی اختیار کرتے ہیں، اس کا منصوبہ ہے کہ عالمی سیاست پر قبضہ کیا جائے مکاری عام کی جائے اور دین یہود کے سلسلے میں شدت سے کام لیا جائے، یہی وجہ ہے کہ اس میں تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور اس پر سرکشی و انتہا پسندی کا رنگ غالب ہے۔

مذکورہ مقاصد کے تحت یہ تمام سیاسی نظاموں کو مٹانے اور پوری دنیا کو یہودیوں کے سامنے جھکانے کے لئے کوشاں ہے، اور اپنے افراد کو بناوٹی طور پر انسانیت کا ہمدرد ظاہر کرنے اور دین یہود کو سارے انسانوں میں رائج کرنے میں منہمک ہے، یہ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے خونریزی و سفّاکی، فکری و اجتماعی دہشت انگیزی اور انسانی اقدار کو پامال کرنے کا راستہ اختیار کرتی ہے۔

صہیونی نظریہ کی بنیاد اس بات پہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو روئے زمین پر خلیفہ مقرر کیا ہے اور انہی کو اس کا وارث بنایا ہے، اور اس وقت جتنی بھی حکومتیں قائم ہیں سب ان سے غصب کی گئی ہیں، نیز فلسطین میں اپنے کھوئے ہوئے حق کو حاصل کرنا اور وہاں اپنی حکومت قائم کرنا تمام یہودیوں کا فرض منصبی ہے۔

صہیونی تاریخ اور اس کی سازشوں کا علم رکھنے والا بخوبی جانتا ہوگا کہ صہیونیت کی ساری کوششیں دوسرے تمام مذاہب کو مٹانے پر صرف ہو رہی ہیں، یہود و نصاریٰ کے درمیان بذات خود سخت اختلافات ہیں جس کی بنیاد یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح دوبارہ آئیں لیکن وہ انہی کی قوم سے ہوں گے اور اگر ان کی قوم سے نہ ہوئے تو یہ ان سے اور ان کی دیانت و پاکیزگی کے خلاف برسرپیکار ہو جائیں گے۔ صہیونیوں کی یہ دشمنی صرف نصاریٰ ہی سے نہیں ہے بلکہ وہ اسلام کے خلاف بھی خار کھائے بیٹھے ہیں، صہیونی دانشوروں کے پروٹوکول اس طرح کی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں، جو یہودیوں کو غیر یہود سے نفرت و حقارت پر ابھارتے ہیں اور ان کو قتل و خوں ریزی اور فریب دہی و مکاری پر آمادہ کرتے ہیں۔

حکمارِ صہیون کے پروٹوکول میں یہودی نسل کو تمام نسلوں اور قوموں پر فائق ہونے کے نظریہ پر زور دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دنیا صرف یہودیوں کے لئے بنائی گئی ہے باقی ان کے علاوہ جتنے بھی انسان ہیں سب ان کے قیدی ہیں، اور دنیا پر حکومت کرنے کا حق صرف انہی کو ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صہیونی حکمار صہیون کے پروٹوکول میں ہی پر بھروسہ کرتے ہیں جو کہ ایک بہت ہی پوشیدہ اور خفیہ جگہ پر رکھا ہوا تھا اور اس کو صرف خاص خاص یہودی ہی جانتے تھے جو نہایت خاموشی اور منظم سازشوں کے ذریعہ اس کو روبہ عمل لاتے تھے۔ لیکن ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء میں ایک فرانسیسی نصرانی عورت اور ایک صہیونی لیڈر کے درمیان پیرس کے ماسونی مرکز میں ایک ملاقات ہوئی، جس میں اس عورت نے اچانک ان دستاویزوں کو دیکھ لیا اور اس کے بعض حصہ کو لے کر فرار ہوگئی، پھر یہ دستاویزیں روس میں اس وقت ظاہر ہوئیں جب ان کو "سرجین نیلوس" نے روسی زبان میں شائع کیا، ادھر ان دستاویزوں کے غائب ہوتے ہی متعصب، حاسد یہودی لیڈر "ہرتزل" نے یہ اعلان کیا کہ مقدس کتاب کی بعض وہ خفیہ دستاویزیں چوری ہو گئی ہیں جن کو میں نے عوام سے پوشیدہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا۔

دوبارہ "نیلوس" نے پھر اس کتاب کو اپنے مقدمہ اور تبصرہ کے ساتھ ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء میں شائع کیا، لیکن یہ ایڈیشن بہت ہی جلد ختم ہو گیا اس لئے کہ یہودی ہر طریقے سے اس نسخہ کو حاصل کرتے اور جلا دیتے تھے، چنانچہ پھر یہ کتاب ۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء میں طبع ہوئی اور اسی طرح ختم ہو گئی، لیکن جب ۱۳۳۵ھ میں منظر عام پر آئی تو دوسری قوموں نے بھی پروٹوکول کو اپنی زبانوں میں منتقل کیا، چنانچہ امریکہ میں انگریزی، جاپان میں جاپانی اور پولینڈ کا سولیسری اور اٹلی زبانوں میں بھی ترجمہ کیا گیا لیکن عالم عرب میں سب سے پہلے ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء میں اس کا عربی میں ترجمہ ہوا اور اس کے بعد برابر شائع ہوتا رہا ہے۔

"پروٹوکول" صہیونیوں کی ان تجاویز کو کہتے ہیں جن کو انھوں نے دنیا پر حکمرانی کے مقصد سے وضع کیا ہے اور اسی طرح "سانہدرین اعلیٰ" کے نام سے ان کی ایک کونسل بھی ہے جو دنیا کی تمام حکومتوں پر قابض ہونے کے لئے کوششیں کرتی ہے ذیل میں ہم "بال" کانفرنس کی بعض خفیہ قرار دادیں پیش کر رہے ہیں جو "حکمار صہیون کے پروٹوکول" کے نام سے موسوم ہیں اور ہمارے لئے ایک چیلنج ہیں۔

(۱) طاقت و قوت، دروغ گوئی اور الزام تراشی ہی ہمارے لئے پروانۂ راہ داری ہے، اور ہمارے یہاں جاسوسی و تخریبی کارروائی کوئی عیب نہیں بلکہ فضیلت کی بات ہے۔

(۲) قانون بنانا اور توڑنا، انتخابات میں دخل اندازی کرنا اور صحافت و ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اپنے نظریہ کو عام کرنا اور اس پر قابض رہنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

(۳) ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس وقت تک یہودی ظاہر کریں جب تک وہ گرہ نہ کھل جائے جس کو کمیونزم نے یہودیوں کے علاوہ اور دوسری قوموں کے ذہن و دماغ میں لگا رکھی ہے۔

(۴) آج ضرورت اس بات کی ہے کہ غیر یہود قوموں کے سامنے روٹیوں کے ٹکڑے ڈالے جائیں تاکہ وہ خاموش اور رضامند رہیں اور ذلت و حقارت کے ساتھ ہماری خدمت گذاری اور جی حضوری کرتے رہیں۔

(۵) ہمارے خطبا کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ان مشکلات کو بیان کریں جنھوں نے انسانیت کو تہ و بالا کر رکھا ہے اور پھر وہ ہماری خواہش کے مطابق ان کی تاویلیں کریں اور ان پر حاشیہ چڑھائیں تاکہ انسانیت ہمارے چمکدار اور صالح نظام کے سامنے جھک جائے۔

(۶) پوری کی پوری صحافت اور ذرائع ابلاغ ہمارے ماتحت ہو، اس لئے کہ ادب و صحافت ہی کسی نظریہ کے پیش کرنے کے لئے سب سے بڑی طاقت ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ہماری حکومت صحافت و ذرائع ابلاغ کے ایک بڑے حصہ کی مالک ہو۔

(۷) ہم نے صاحب بصیرت حکومتوں اور اندھے عوام کے درمیان ایک بہت ہی عمیق کنواں کھود رکھا ہے، جس کی وجہ سے یہ دونوں اپنے وجود سے غافل ہیں اور نابینا اور اس کی لاٹھی کے مانند ہیں۔

صہیونی تحریک کے اکثر رہنما ملحد اور بے دین ہیں لیکن تعجب ہے کہ صہیونی تحریک اپنا فکر یہودی بچوں کے ذہن و دماغ میں تحریف شدہ تورات و تلمود کی تعلیمات کے ذریعہ پیوست کر رہی ہے، تاکہ جدید یہودی نسل دیندار اور صہیونیوں کی اس فکر و خیال کے ساتھ ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی حکومت نیل سے فرات تک ہوگی، جیسا کہ تحریف شدہ تورات میں بھی وارد ہے "أرضك يا اسرائيل من النيل الى الفرات" اے بنی اسرائیل دریائے نیل سے فرات تک تمہاری ہی سرزمین ہے۔ یا سی طرح صہیونی تحریک کا یہ خیال کہ ہیکل سلیمانی اسی جگہ پر ہے جس پر مسجد اقصیٰ واقع ہے لہٰذا اس لئے ہر یہودی کا دینی فریضہ ہے کہ مسجد اقصیٰ و قبۃ الصخرہ کو منہدم کرنے کی کوشش کرے تاکہ دوبارہ ہیکل سلیمانی کو اسی جگہ پر تعمیر کیا جا سکے۔

اعتکاف کے مسائل

محمد طارق ندوی

س:۔ کوئی شخص رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف توڑ دے تو اس پر قضا لازم ہے یا نہیں؟

ج:۔ جس دن اعتکاف توڑ دیا ہو فقط اس دن کے اعتکاف کی قضا روزہ کے ساتھ ضروری ہے بقیہ دنوں کی قضا ضروری نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص رمضان کے بعد پورے عشرہ کی قضا مع الصوم کرلے تو بہتر ہے۔

س:۔ اگر کوئی شخص زبردستی معتکف سے باہر نکال دیا جائے تو اعتکاف برقرار رہے گا یا نہیں!

ج:۔ اگر کوئی شخص زبردستی اعتکاف کی جگہ سے باہر نکال دیا جائے تب بھی اعتکاف باقی نہ رہے گا مثلاً کسی جرم میں حاکم کی طرف سے وارنٹ جاری ہو سپاہی اس کو گرفتار کرلے جائے یا کسی کا قرض دار ہو اور وہ اس کو باہر پکڑ لے جائے یا کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے باہر نکلے اور قرض خواہ وہیں روک لے ان تمام صورتوں میں اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

س:۔ کیا اعتکاف کی حالت میں خاموش رہنا مکروہ ہے؟

ج:۔ حالت اعتکاف میں بالکل چپ رہنا مکروہ ہے معتکف کو چاہیئے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرے ذکر میں مشغول رہے یا کسی دینی کتاب کا مطالعہ کرے بالکل خاموش نہ بیٹھا رہے۔

س:۔ کیا معتکف اپنے گھر جاکر کھانا لا سکتا ہے؟

ج:۔ نہیں! اپنے گھر کھانا لانے نہیں جا سکتا ہے اس کا انتظام کرنا ہوگا۔

س:۔ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں اعتکاف کروں گا، کام پورا ہونے پر اس پر اعتکاف کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

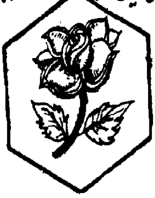
ج:۔ مذکورہ صورت میں اعتکاف کرنا واجب ہے نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

س:۔ رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

ج:۔ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرنا سنت کفایہ مؤکدہ ہے، اگر اہل محلہ میں سے کوئی بھی محلہ کی مسجد میں اعتکاف کرے تو سارے محلہ والوں کی طرف سے کافی ہوگا ورنہ سارے محلہ والے گنہگار ہوں گے۔

بقیہ تاریخ دعوت وعزیمت

اس صدی کے آخر میں علامہ ابو اسحٰق شیرازی، امام غزالی، ابوالوفا ابن عقیل، عبدالقاہر جرجانی، ابوزکریا تبریزی ابوالقاسم الحریری جیسے بلند و بالا اشخاص نظر آتے ہیں اس کارواں کے سرخیل حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں (جاری)





جامعہ سید احمد شہید میں داخلہ کے خواہش مندوں کو افسوس کے ساتھ مطلع کیا جاتا ہے کہ جامعہ سید احمد شہید احمد آباد کٹولی ملیح آباد لکھنؤ میں جگہ کی شدید قلت کی وجہ سے آئندہ سال ماہ شوال میں نئے داخلے نہیں لئے جا سکیں گے۔

جامعہ میں داخلہ کے تمام خواہش مند طلبا کو چاہئے کہ دوسرے ادارہ میں داخلہ کے لئے ابھی سے کوشش کریں۔

انتظامیہ کمیٹی نے یہ فیصلہ رہائش کی تنگی اور درجوں کی عمارت نامکمل ہونے کی وجہ سے کیا ہے، جامعہ سید احمد شہید اپنے تمام قدردانوں اور داخلہ کے متمنی عزیز طلبا کے ساتھ پوری ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہوئے داخلہ کی گنجائش نہ ہونے کی بنا پر معذرت پیش کرتا ہے۔

مہتمم
جامعہ سید احمد شہید

مطالعے کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

نام کتاب۔ "تجلیات رحمت عالم منظوم"
از: مولانا حکیم سید مصلح الدین ثاقب مرحوم
سائز ١٦×٢٤ سینٹی میٹر۔ صفحات ٢٤٠
مع سرورق، کتابت گھٹیا، طباعت وکاغذ معمولی
ہدیہ درج نہیں۔
ملنے کا پتہ:۔ ڈاکٹر سید رضوان اللہ کاظمی،
٢٢٢ پہاڑ پور، اعظم گڑھ ٢٧٦٠٠١۔

یہ کتاب محبان رسول کے لیے ایک نادر تحفہ ہے، ناشر نے کتاب کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا ہے، بہتر ہوتا کہ ان حصوں کو ابواب سے تعبیر کیا جاتا، پہلے حصہ میں شمن کے ٣٢ بند ہیں جن میں سے پندرہ میں باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ لائے گئے ہیں اور سترہ بند نعت شریف میں ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ نظم کئے گئے ہیں دوسرے حصہ میں "وجود مبارک"، "نعت میلاد" "ولادت باسعادت" پھر ایک تمہید کے بعد سراپا شروع ہوا ہے اور اللہ کے رسولؐ کے ایک ایک عضو کا منظوم بیان ہے۔ تیسرے حصہ میں معراج کا، چوتھے میں ہجرت کا اور پانچویں حصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا بیان، دوسرے حصہ سے پانچویں تک مخمس کے بند ہیں جن کا ہر پانچواں مصرعہ "فصل علیہ وبارک وسلم" ہے اسلوب بیان اس طرح ہے کہ پڑھتے وقت مجھ پر تو ایک حال طاری تھا۔ میں نے آزمانے کے لیے دوسروں کو سنایا۔ ان میں بعض مطلب بھی نہیں سمجھ رہے تھے مگر سب پر ایک کیفیت دیکھی، میں ہر محب رسولؐ کو اس کتاب کو پڑھ کر وجد وسرور سے محظوظ ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔ بطور نمونہ ایک بند ملاحظہ ہو۔

وہ رخسار تاباں کہ مہر درخشاں
وہ عارض کہ آئینۂ مہر انور
وہ رخسار تھے مصحف حق کے پرتو
مُحَسّن، مُسْتَہِل، مُبْتَرَق، مُنَوَّر
فَصَلِّ علیہ وبارِکْ وسَلِّم

مگر افسوس کہ اتنی اچھی کتاب میں غلطیاں بھی خاصی ہیں، ایک غلطی تو یہ ہوئی کہ صفحات نہیں چھاپے گئے، میرے سامنے جو کتاب ہے اس پر پنسل سے صفحات لکھے ہوئے ہیں۔ بعض مصرعے یا اشعار بحر سے یا وزن سے خارج ہیں میں پہلے کتاب سے مصرعہ یا شعر لکھوں گا۔ پھر اپنے نزدیک اصلاح شدہ مصرعہ یا شعر بریکٹ میں پیش کروں گا۔

ص ٢٢ "متکبر وخالق وباری وبر"
(وہی اکبرؔ وخالق وباریؔ وبر)
ص ٣٣ "بجلا حبیب کہ نامش محمدؐ"
(بجا حبیبت کہ نامش محمد)
ص ٩٠ "کہ ہو زیر عمامہ مسلم کے ٹوپی"
(کہ زیر عمامہ ہو مسلم کے ٹوپی)
ص ٩٠ "تو اس وقت تھا زیب راُس مبارک
سیہ رنگ کا اک عمامہ خوشتر"
[تو اس وقت بر زیب راُس مبارک
سیہ رنگ کا اک عمامہ تھا خوشتر]
ص ٩٥ "وہ مزمل پاک کی شان نزلت
ردائے مبارک نبی کے جسد پر"
[مزمّل کی سورت کی وہ شان نزلت
ردائے مبارک نبی کے جسد پر]
ص ١٠٥ " وہ قبل کھانے کے تسمیہ پڑھنا
وہ مابعد تحمید و تشنیہ اکثر"
[وہ ماقبل کھانے کے تسمیہ پڑھنا
وہ مابعد تحمید و تشنیہ اکثر]
ص ١٨٣ " معاویہ نے بھی جو پڑھا تھا خطبہ"
(پڑھا معاویہ نے جو منبر پہ خطبہ)
بعض الفاظ غلط تلفظ سے موزوں کیے گئے ہیں
جیسے ص ١٧٠ (خَیال)
" یہاں تک کہ اصحاب کو خَیال ہوتا"
(یہاں تک صحابہ کو ہوتا خیال)
ص ٢١٥ (ظُہر) نمازِ ظُہر کی جماعت کھڑی تھی"
(کھڑی ظُہر کی تھی جماعت وہاں پر)
بعض جگہ مضمون ہی غلط نظم کیا گیا ہے جیسے
ص ٦٦ پر مونچھوں کے بارہ میں:
منڈاتے جنھیں یا کترواتے حضرت
مزیّن ، محلّق ، مقصّر، مطہّر
میری نظر میں کسی روایت سے مونچھوں کا منڈوانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے
لہٰذا اس کو یوں کہا جاسکتا ہے۔
منڈاتے نہیں بس کترواتے حضرت
مزیّن ، مسوّی ، مقصّر، مطہّر۔
ص ٦٧ پر داڑھی کے بارہ میں ہے۔

وہ داڑھی جو اک مشت سے کم نہ ہوتی
کبھی بڑھ کے کچھ اور ہوتی سوا تر

اس سے ترشح ہوتا ہے کہ آپ کبھی کبھی داڑھی کتراتے تھے مگر ایک مشت سے کم نہ ہوتی جبکہ ایسی کوئی روایت میری نظر سے نہیں گذری اس کو یوں کہا جا سکتا ہے۔

وہ داڑھی ہمیشہ جو بھرپور رہتی
ہمارے لیے وہ نمونہ ہے بہتر

املے کی غلطیاں بھی ہیں، صفحات کے حوالے کے بغیر پہلے ہم کتاب کا لفظ پھر بریکٹ میں صحیح املا لکھ رہے ہیں۔ اسمائے حُسنہ (اسمائے حُسنیٰ) تواضع (تواضع) علیاں (علیا) خورد (خرد) بعضی چھوٹا ذکّی (مزکّی) کہولت (کہولت)

کتابت و طباعت کی غلطیاں چالیس سے متجاوز ہیں بعض محاورہ اور روز مرہ کی غلطیاں بھی نظر آئیں جیسے ص ۱۹ محمد علاء الدین صاحب سلمہ عموماً جس کو سلمہ لکھنا ہوتا ہے اس کے ساتھ صاحب نہیں لاتے۔ ص ۱۲ "وعدہ بھی کر دیا تھا" جبکہ "وعدہ کر لیا تھا" چاہیئے تھا۔

ص ۷۶ پر "داڑھی اطہر" یہ ترکیب صحیح نہیں ہے البتہ "داڑھی مبارک" بغیر اضافت کے بولتے ہیں۔ بعض غلطیاں قواعد کی بھی نظر آئیں جیسے ص ۱۲ "کنڈولنس میٹنگ کی گئیں" (کی گئی) چاہیئے ص ۴۳ "ان کی حلیہ کا" (ان کے حلیہ کا) حلیہ مذکر ہے۔ ص ۱۲۳ "جس اخلاق" (جن اخلاق) صحیح ہے۔

بعض غلطیاں معنی وعقیدہ یا حوالہ کے اعتبار سے ہیں ص ۱۳ پر جناب مولانا شاہد فاخری صاحب تقریظ میں یوں دعا فرماتے ہیں "اے اللہ انھیں اس کا اجر عطا فرما، اے سید رسل اس کو قبول فرما لے، اے غوث پاک اور خواجہ اجمیری روحانیت سید مصلح الدین کو دربارِ رسول میں پیش کر کے ان کو صلہ محبت کا حقدار بنا دے۔"

شاید شاہ صاحب کو آیت "ألیس اللہ بکاف عبدہ" یاد نہ رہی، شاید وہ حضور کی تعلیم "إذا سألت فاسأل اللہ" اور غوث پاک کی "صرف خدا سے سوال کرنے کی" آخری وصیت کو بھول گئے اور خواجہ اجمیری کی توحید کو نظر انداز کر گئے اور اپنے وجدان سے ایک نئی دعا ایجاد کی جسے اللہ نے سکھایا نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا۔

ص ۲۹ پر "لولاک لما خلقت الأفلاک" کو قرآن عظیم بتایا گیا ہے بہت بڑی غلطی ہے کتاب چھاپنے والوں پر واجب ہے کہ تمام غلطیاں دور کر کے بہتر طور پر دوبارہ چھاپیں اور اس سے پہلے اغلاط نامہ چھاپ کر کتاب سے منسلک کریں۔

نام کتاب:۔ قواعد عربی املاء و ترقیم
تالیف:۔ مولانا غیاث الدین صاحب مظاہری
مقام اشاعت:۔ دار القلم الہ آباد

کتاب کا موضوع خاص کر عربی املاء، حرکات واعراب، حروف کا وصل وفصل علامات استفہام اور طریقہ کتابت وغیرہ سے بحث کی گئی ہے جو کسی بھی عربی زبان سیکھنے والے طالب علم کے لئے نہایت مفید ہے۔

۵۶ صفحات پر مشتمل مختصر سے رسالہ میں تمام وہ ضروری معلومات آ گئی ہیں جن کا جاننا ضروری ہے۔ کتاب کا ہر سبق پر از معلومات ہے۔ خاصۃً ہمزہ کا بیان۔

یہ رسالہ فن رسم عثمانی کے لئے بھی معاون ہے۔ اس لئے تجوید و قرأت کا ذوق رکھنے والے طلباء کے لئے بھی مفید ہے۔

نام کتاب:۔ شعور و ادراک
مصنف:۔ محمد ایوب واقف
سائز:۔ $\frac{18 \times 22}{8}$، صفحات ۲۶۶
کاغذ، کتابت، طباعت:۔ مناسب
قیمت:۔ ۸۰ روپیہ
ملنے کے پتے:۔ دانش محل لکھنؤ، مکتبہ جامعہ دہلی، بمبئی۔

واقف صاحب کا شمار اچھے ادیبوں میں ہے ان کی یہ کتاب خشک نہیں بلکہ دلچسپ ادبی مضامین کا مجموعہ ہے جو بڑی معلومات پر مشتمل ہے۔ "خوشتر صاحب کا نایاب مرثیہ" "اندراوت اور اس کا مصنف"، "محمد قلی قطب شاہ"، "خواجہ احمد عباس"، "صباح الدین عبد الرحمٰن"، "منشی دیا نرائن نگم کا کالم رفتار زمانہ"، "یارو"، ایک منظوم افسانہ قرۃ العین حیدر، اردو ہندی مسئلہ جوش ملیح آبادی، اسے ہندوستانی نہیں کہتے، ستیا محل سے اندس کورٹ تک، یعنی سردار جعفری کے مکان سے عصمت چغتائی کے مکان تک، اختر الایمان سے دو ادبی ملاقاتیں۔ یہ ہیں وہ عناوین جن پر واقف صاحب نے علمی و ادبی انداز میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے، مذکورہ عناوین ادبا حضرات کے لئے ایک خاص کشش رکھتے ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب پڑھ کر ہر قاری محظوظ بھی ہوگا اور بہت حد تک مطمئن بھی، مگر چونکہ ہم اور ہمارا یہ پرچہ "تعمیر حیات" ایک بڑے دینی ادارہ سے متعلق اور دین کے ترجمان ہیں اس لئے ہم یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ ادب میں اور خاص طور سے اردو ادب میں اور اس میں بھی مسلم ادیبوں کے قلم وزبان سے نکلے ہوئے ادب میں مذہب کی حیثیت سے وہی مذہب دیکھنا چاہتے ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا مذہب ہے، یہ صحیح ہے کہ ہماری مخلوط معاشرت میں مختلف مذاہب

باقی ص ۱۰ پر

عالمی خبریں

مع تبصرہ

● حکومت بنگلہ دیش نے آئندہ تعلیمی سال سے چھٹی جماعت سے لیکر بارہویں جماعت تک طلبہ کیلئے قرآن کی تعلیم کو ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اگرچہ بائیں بازو کی سیاسی جماعتوں، ترقی پسند شاعروں اور ادیبوں کے ایک گروہ نے ملک کی سیکولر تعلیم میں اس اضافہ کے خلاف احتجاج کیا ہے، لیکن اسلام پسندوں کے مطالبات کو حکومت نے منظور کرکے قانونی شکل دیدی ہے

● پاکستان کی وفاقی وزارت قانون ایک ایسے بل پر غور کر رہی ہے جس کے تحت فائیو اسٹار ہوٹلوں میں شادی کرنے والے افراد کو کم از کم ۵ نادار مستحق بچیوں کی شادی کے ضروری خرچ کیلئے رقم پچیس ہزار روپے کھانے کے بل، کے ساتھ اضافی رقم جمع کرنی پڑے گی، جس سے غریب بچیوں کی شادی کی تیاری میں کام لیا جاسکے۔

● جدہ۔ اسلامی کانفرنس تنظیم کی جاری کردہ ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک اعشاریہ ۲ ارب ہے جو دنیا کی کل آبادی کا ۲۳ر۲ فیصد ہے، رپورٹ کے مطابق مختلف ممالک میں آباد مسلمان اقلیتوں کی تعداد ۳۸۹ ملین ہے، رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سنہ ۲۰۰۰ء میں جب دنیا کی آبادی ۶ ارب ہوجائیگی تو مسلمانوں کی تعداد ایک اعشاریہ چھ سو گیارہ ارب ہو جائے گی، اس طرح دنیا کا ہر چوتھا شخص مسلمان ہوگا۔

● اردن کے ولیعہد شہزادہ حسن نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرانس سے اپیل کی کہ وہ فرانس میں مسلم طالبات پر حجاب پہننے پر پابندی کو واپس لے لے۔ انھوں نے اس بات کو غلط قرار دیا کہ یہ بنیاد پرستی کی نشانی ہے اور کہا کہ بنیاد پرستی وہ ہے جب کسی شخص پر کوئی چیز جبراً نافذ کی جائے

● امریکہ میں غربت کی سطح میں بتدریج اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ محکمہ اعداد و شمار کے مطابق امریکہ میں جہاں سرمایہ کی سب سے زیادہ غیر متوازن تقسیم پائی جاتی ہے، ۱۵ر۱ فیصد عوام غربت کی سطح سے نیچے زندگی گذار رہے ہیں۔ امریکی لیبر سکریٹری کا کہنا ہے کہ بظاہر معیشت میں ترقی ہوئی ہے لیکن امریکیوں میں کوئی معاشی تبدیلی نظر نہیں آئی، چنانچہ لوگوں میں حد سے زیادہ مایوسی اور بےچینی پائی جاتی ہے۔

● پرتگال آف اسپین کے ایک جج نے سمایہ کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے اسے سر پر اسکارف اوڑھنے کی اجازت دیدی۔ خلیج کے ایک روزنامہ نے رائٹر کے حوالہ سے بتایا کہ سمایہ محمد جو کیتھولک ادارے میول یم کانونٹ میں پڑھتی ہے اس لئے اسکول سے خارج کر دیا گیا تھا کہ وہ سر پر اسکارف باندھتی ہے چنانچہ اس کے والدین نے عدالت سے رجوع کیا جس نے لڑکی کے اسکارف باندھنے کے حق میں فیصلہ دیا

> قرآنِ کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی، دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

تہیّہ یہ کریں اب راہ حق پر ہم کو چلنا ہے

خلیل پرتاپ گڈھی

ابھی جاپان میں جو حال ہی میں زلزلہ آیا
زمیں کانپی، ہوا نقصان اتنا، آسماں رویا

گئیں جانیں ہزاروں کی، ہزاروں ہو گئے بے گھر … خدا ہو مہرباں ان کے عزیزوں پر مکینوں پر
بھرم کچھ ان کی ٹیکنالوجی کا قائم نہ رہ پایا … خبر ہے، اب خدا کی ذات پر زیادہ یقیں آیا
جو دہلا دیتا ہے بھونچال کا معمولی سا جھٹکا … خدا جانے قیامت آئے گی تو حال کیا ہوگا
قیامت کی وضاحت سے ہر اک انسان عاری ہے … قیامت وہ ہے جو قرآن میں ارشاد باری ہے
قیامت کھڑکھڑانے والی شے، کیا ہے قیامت وہ … اے انساں! تجھے معلوم ہے، کیا ہے قیامت وہ
دہل جائیں گے دل، ہوگی عجب سی زندگی اس دن … پریشاں مثل پروانہ کے ہوگا آدمی اس دن
پہاڑوں کو بھی حاصل ہو نہ پائے گا سکوں اس دن … وہ ہوں گے جس طرح دھنکے ہوئے رنگین اون اس دن
وہاں پھر حشر کے میدان میں روزِ جزا ہوگا … لئے اعمال ہوگا ہر بشر، منصف خدا ہوگا
مزے میں ہوں گے پلا جن کی نیکی کا جھکا ہوگا … جو ہلکے پلّے والے ہیں، ٹھکانا "ہاوِیَہ" ہوگا
اے انساں! تجھے معلوم ہے، یہ ہاوِیَہ کیا ہے؟ … دہکتی آگ ہے، شعلہ جہاں ہر دم بھڑکتا ہے"
عبث ایّامِ رفتہ پر کفِ افسوس ملنا ہے … تہیّہ یہ کریں اب راہ حق پر ہم کو چلنا ہے
انا ہے دل میں جب تک، ہے سکونِ قلب ناممکن … یہ تصویریں ترقی کی الٹ دی جائیں گی اک دن
رضا حاصل اگر اللہ کی ہو، سربلندی ہے … جو عظمت سے ہو دل لبریز اس کی عقلمندی ہے
خدا پر ہو بھروسہ تو بلائیں ساری ٹل جائیں … دلوں سے ہر بدی اور وسوسے سارے نکل جائیں
خدا توفیق دے، ہم تیری ہی عظمت کے قائل ہوں … تری وحدانیت پر ہم یقیں کے ساتھ قائل ہوں
ترے محبوب کے ہیں امّتی، ایماں کی دولت دے … چلیں نقشِ قدم پر ان کے، ہم کو ایسی رغبت دے

کیا تھا آتشِ نمرود گلزارِ خلیل اک دن
بچانا ہاویہ سے، ماسوا تیرے نہیں ممکن

بقیہ:- حکمت الٰہی اور ستر خدائی

"آپ کو بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ملے اس کو قلمبند فرمالیں اس لئے کہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے"۔

خاص طور پر انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن انصاری کی صاحبزادی حضرت عمرۃ اور قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ کی مرویات کی طرف متوجہ کیا، پھر حضرت ابوبکر بن حزم ہی کو خط لکھنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ عمالِ حکومت کو بھی فرامین ارسال فرمائے کہ "جو بھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ملے اس کو جمع کرلو" اور صرف دوسروں کو آمادہ کر دینے کو بھی کافی نہیں سمجھا بلکہ علماء کے لئے وظائف جاری کئے تاکہ وہ نشر علم کے لئے فارغ ہو جائیں اور کسب مال کی مشقت ان کو نہ برداشت کرنی پڑے۔ محمد بن حکم فرماتے ہیں:

"حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یزید بن ابو مالک اور حارث بن محمد کو دیہاتوں میں بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو حدیث وسنت کی تعلیم دیں اور ان کے لئے وظائف جاری کئے تو یزید نے وظیفہ قبول کر لیا اور حارث نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجھے اس علم پر جو اللہ نے عطا فرمایا ہے اجرت لینا گوارہ نہیں حضرت عمرؒ کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا:

"یزید نے جو کیا اس میں کوئی حرج نہیں اور حارث جیسے لوگوں کو اللہ اور زیادہ کرے"۔[۵]

(جاری)

---

[۱] جیسا کہ بعض مذاہب اور سابقہ امتوں کے ساتھ ہوا کہ وحی الٰہی اور ان کے انبیاء وعلماء اور مصاحف کے شارحین کے کلام اس طرح ایک دوسرے سے مل گئے کہ تمیز کرنا مشکل ہو گیا اور یہیں سے اشتباہ اور تحریف کا دروازہ کھل گیا، تورات وتلمود کے ساتھ یہود کا یہی موقف رہا کہ تلمود کی جتنی تعظیم اور اس پر جتنا اعتقاد انھوں نے کیا وہ تورات کا نہیں کیا، تورات تو یہود کے ساتھ عملی اور واضح شکل میں پیش آیا، تلمود کے پاروں پر ہی انھوں نے تکیہ کر لیا اور اس میں مشغول ہو گئے اسی کی تلاوت کرتے، اسی سے استدلال کرتے، تلمود (اور جیمارہ) کا عمومی نام ہے، جو زبانی شریعت اور یہود کی دوسری رسوم ورواج کے ذکر پر مشتمل ہے تلمود کے نسخے (جس کی زیادہ سے زیادہ بارہ جلدیں ہیں) ان تفاسیر وحواشی پر مشتمل ہیں جو یہود کے علماء واحبار اور قائدین کے تحریر کردہ ہیں۔

[۲] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی بحوالہ جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۱۲۰

[۳] جامع بیان العلم جلد ۱۔ ص ۷۶

[۴] تاریخ اصفہان مصنفہ علامہ ابونعیم اصفہانی

[۵] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ مصنفہ ابن عبدالحکم ص ۱۶۷

نتیجہ امتحان سالانہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء بابت ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۵ء

نتیجہ سے متعلق تمام امور میں دفتر اہتمام کا ریکارڈ مستند قرار دیا جائے گا

درجہ ہفتم (الف)		محمد عارف اشتیاق	اوّل	محمد صادق	اوّل	محمد قمرالدین	اوّل	حسن جلیس	ناکام	خلیل الرحمٰن	مترقی
عظمت اللہ	اوّل	محمد مسعود عالم	〃	محی الدین	〃	ابو اللیث	〃	آفتاب عالم	〃	شرعت مطلوب	〃
مجیب الرحمٰن	〃	فیضان احمد	〃	محمد کلیم خاں	〃	فخر الدین	دوم	درجہ پنجم		محمد علیم	〃
محمد طارق کانپوری	〃	مقصود عالم	〃	محمد معزالدین	〃	محمد حلیم صدیقی	〃	سید ازہر حسین	اوّل	احمد حماد لاری	〃
محمد طارق بارہ بنکوی	〃	محمد فرقان	〃	سمیع احمد	〃	محمد عارف	〃	انس احمد	〃	نفیس عالم	〃
عمر راشد ضیار	〃	سید محمد حسن	مترقی	سلطان سیف اللہ	〃	محمد زبیر	〃	محمد زبیر ۲	〃	عبدالرحمٰن	ضمنی
احمد حسن	〃	ندیم احمد	〃	نورالدین خاں ۱	دوم	وحید الزماں	〃	محمد یونس	〃	محمد سعید	〃
خلیل احمد عباس	〃	عبدالقیوم	〃	برکات احمد	مترقی	توحید احمد	〃	طیب احمد	〃	محمد غیاث	〃
محمد زبیر	〃	محمد خالد اختر ہاشمی	〃	جاوید احمد صدیقی	〃	غضنفر علی	〃	ارشاد احمد	〃	درجہ چہارم	
آفتاب الدین	〃	محمد رئیس	〃	محمد نورالدین ۲	〃	محمد یونس حسن خاں	〃	محمد سلیم	〃	ہادی اعظم	اعلیٰ
انعام الرحمٰن	〃	عارف رازق	ضمنی	سید عارف ربانی	〃	محمد آصف خاں	〃	محمد عفان خاں	〃	رخسار احمد	〃
منصور عالم	〃	محمد سلمان	〃	حافظ محمد وسیم	ضمنی	محمد طلحہ	〃	ابرار الحق	〃	عبید الرحمٰن	〃
محمد طارق فاروقی	دوم	محمد شبلی	ناکام	محمد شمیم احمد	ناکام	شاہ انور	سوم	عبداللہ مسعود	〃	آفتاب عالم	〃
سید نوید اشرف	〃	محمد شجاعت علی	〃	محمد طیب	〃	نبیل حسین	مترقی	محمد فیضان خاں	〃	محمد اسلم	〃
محمد دانش	سوم	صلاح الدین	〃	رمضان علی	محفوظ	عبدالرحمٰن	〃	محمد محتشم خاں	〃	محمد طلحہ خاں	〃
فاروق اعظم	مترقی	عبدالرحیم	〃	درجہ ششم		محمد رئیس	〃	دلشاد احمد	〃	فضل باری	〃
سید حماد علی	ضمنی	خصوصی معہد		مسعود عبدالصبور	اول	عبداللہ	〃	محمد ناصر حسین	〃	نذر المبین	〃
درجہ ہفتم (ب)		وصی الرحمٰن	اول	وسیم احمد	〃	محمد جمیل	〃	کمال احمد خاں	〃	محمد شاکر	〃
شعبہ حسینی	اوّل	محمد نیر اعظم	〃	محمد عبداللہ	〃	محمد کاشف لاری	〃	بادشاہ عالم	〃	محمد ہارون	〃
محمد اشتیاق	〃	محمد رئیس	〃	مشاہد الاسلام	〃	محمد شعیب	〃	ابو البرکات	〃	محمد معظم	〃
محمد شہباز	〃	محمد کاشف شمسی	〃	محمد الیاس	〃	ابو الکلام	ضمنی	شاہد اقبال	〃	محمد عبدالودود عطار	〃
محمد صالح ظفر	〃	محمد شفیق	〃	محمد ہارون	〃	حبیب الرحمٰن	ناکام	طٰہٰ محمود	〃	محمد بلال مدنی	〃
خرم علی	〃	شرف الدین	〃	احمد حذیفہ لاری	〃	مختار حسن	〃	محمد نسیم	〃	محمد حنظلہ	دوم
عبید الرحمٰن	〃	سید راشد علی	〃	محمد فیصل	〃	محمد عرفان	〃	محمد زاہد صدیقی	〃	عبدالکریم	〃
جنید محمد اکبر	〃	محمد شجاعت علی	〃	فیروز احمد	〃	محمد سراج الدین	〃	شاہ فیصل	〃	محمد ساجد	〃
محمد معروف خاں	〃	شکیل احمد خاں	〃	محمد یامین	〃	محمد ظفر عقیل	ضمنی	ابوذر ۱	دوم	محمد اسماعیل	〃
محمد ندیم اختر	〃	عبید الرحمٰن	〃	محمد نعیم	〃	فدا حسین	ناکام	محمد ندیم	〃	علاء الدین	مترقی
عارف علی	〃	محمد ناصر الدین	〃	ذوالفقار علی	〃	واثق خاں	〃	محمد مہتاب عالم	ضمنی	محمد توصیف	〃

محمد خالد بھلہ — مشرقی
منصور احمد — ،،
محمد اسلام — ،،
رفیع اللہ خاں — ناکام
محمد خالد ۲ — ،،
شہاب الدین — ،،
عبدالرشید — ضمنی

درجہ سوم

بلال احمد — اوّل
محمد عزیز — ،،
محمد جسیم الدین — ،،
عاطف ندیم — ،،
محمد غفران — ،،
محمد مطلب حسین — ،،
محمد اسلم — ،،
محمد امان اللہ — ،،
ابوسعد — ،،
اختر جمال — ،،
محمد ساجد — ،،
محمد نعیم اللہ — ،،
افضال کاشف — ،،
سید محمد خالد — ،،
محمد ارقم — ،،
محمد شاداب — ،،
محمد فہد — ،،
اسعد صدیق صدیقی — ،،
محمد ناظم — ،،
عبدالنافع — مشرقی
محمد شعیب — ،،
فرقان عالم — ،،
محمد ثاقب — ضمنی
وسیم احمد — ،،

محمد عالم — ضمنی
محمد مزمل — ناکام
توقیر عالم — ،،
عادل رضوان — ،،
اشرف علی — ،،
ابوشحمہ — ،،
محمد فیض الحق — ،،
عبدالسلام — ،،
محمد عمران — ،،
محمد طیب — محفوظ

درجہ دوم

انصار احمد — اوّل
حامد عزیز — ،،
سید نور اشرف — ،،
محمد عاصم شبیر — ،،
محمد ازہر منیر — ،،
شکیل احمد — ،،
فوزان عالم — ،،
شرف الدین — ،،
انعام الحق — ،،
ازہر صدیق — ،،
محمد ریحان — ،،
محمد شاہنواز — ،،
محمد اعجاز — ،،
مظفر الحق — ،،
سید وقار علی — ،،
غفران احمد — ،،
محمد سعد — دوم
محمد علقمہ — ،،
محمد مستقیم — ،،
منہاج احمد — مشرقی
محمد قیصر — ،،

عبدالرحمن — مشرقی
صدر المبین — ،،
محمد سلمان — ،،
عزیز الرحمن — ناکام
جعفر علی — ،،
تبریز احمد — ،،
شمیم احمد — ،،

درجہ اوّل

محمد اعظم شرقی — اوّل
محمد مدثر — ،،
صباح الدین شوق — ،،
عبدالرحمن — ،،
ضیاء الحسن — ،،
امداد الحق — ،،
محمد اکرام — ،،
اسعد شکیل — ،،
زبیر احمد اعظمی — ،،
سید علی — ،،
محمد سلام — ،،
صلاح الدین — ،،
محمد آصف — ،،
محمد یوسف — دوم
محمد خالد — مشرقی
ابوالصفات ابوسعید — ،،
محمد صہیب — ،،
محمد عارف — ،،
محمد شعیب — ،،
محمد شاکر — ،،
محمد خالد بجلی — ،،
عبدالنعیم — ،،
محمد سہیل — ،،
شمس الدین — ،،

ظفیر عالم — مشرقی
زبیر احمد خاں — ،،

درجہ اطفال

احسان احمد — اوّل
محمد فاروق — ،،
محمد مقصود — ،،
محمد مبشر — ،،
نور عالم — ،،
محمد عامر — ،،
کلیم محمد یونس — ،،
ابوالحسن خاں — ،،
عبدالرحیم — ،،
محمد حفیظ — ،،
زبیر عالم — دوم
ارشد علی — مشرقی
محمد شمیم — ناکام
محمد سراج — ،،
الطاف حسین — ،،
محمد سلمان — ،،
ابوالفیض — ،،
فیضان — ،،
ابوالعاص — عمر کم
محمد طفیل — ،،
محمد عمر فاروق — ،،
سعید المبین — ،،

۱۳ر مارچ کو مدرسہ کھلے گا۔ اس سال نئے نظام کے تحت دیر سے آنے والے طلبہ کسی شاخ میں بھیجے جائیں گے۔ ۲۰ر ۲۱ر مارچ سے ضمنی امتحان لیے جائیں گے جو طالب علم ۲۰ر مارچ کو ۹ بجے حاضر نہ ہوگا اس کا ضمنی امتحان پھر نہ لیا جائے گا اور وہ ناکام رہے گا۔

ہارون الرشید
ناظر معہد

دعائے مغفرت

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شعبہ تعمیرات کے نگراں جناب محمد علی جعفری کے بڑے بھائی جناب سید شائق علی جعفری کا مختصر علالت کے بعد مورخہ ۲۵-۲۴ کی شب ۹ بجے لکھنؤ میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف نے ۹۲ سال کی عمر پائی۔

پسماندگان میں اہلیہ دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ مرحوم انڈسٹریل انٹر کالج لکھنؤ میں ٹیچر کی پوسٹ سے ریٹائر ہوئے تھے، لکھنؤ کی ریذیڈنسی میں جو شوکیس میں لکھنؤ کا نقشہ رکھا ہے وہ انھیں کی نگرانی میں بنا تھا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر محمود اختر فاروقی جامعہ ملیہ دہلی میں جو ڈرائنگ ماسٹر تھے جناب عبدالحی صاحب سکریٹری جامعہ ملیہ دہلی ایک ساتھ ایک ہی کمرے میں دہلی میں کافی عرصہ تک رہے۔

مرحوم عبادت گذار متقی پرہیزگار اور صوم وصلوۃ کے پابند تھے اور علماء کا بہت احترام کرتے تھے۔ نماز جنازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بعد نماز ظہر جناب مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی نے پڑھائی۔ ڈالی گنج قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵ فروری - ۱۰ مارچ ۱۹۹۵ء مطابق ۲۴ رمضان - ۸ شوال ۱۴۱۵ھ

شمارہ نمبر ۸-۹

جلد نمبر ۳۲

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی

مولانا محمود الازہار ندوی

مولانا سلمان حسینی ندوی

مولانا محمد خالد ندوی

مولانا عبد اللہ حسنی ندوی

مولانا محمد رضوان ندوی

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زر تعاون

سالانہ ــــــ ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ــــــ ۵ روپے

ــــ بیرونی ممالک فضائی ڈاک ــــ

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

ــــــ ۲۵ ڈالر

ــــ بیرونی ممالک بحری ڈاک ــــ

بحری ڈاک جملہ ــــ ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ــــــ

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ــــ مینجر

حامد

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس 93 ندوۃ العلماء لکھنؤ
226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ــــــ

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اس شمارے میں

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S. AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

(مولانا سید) محمد رابع حسنی ندوی

اللہ کی عید شیطان کا روزہ

مسلمانوں کو اسلام نے دو عیدیں عطا کی ہیں، ایک عید الفطر دوسری عید الاضحیٰ یہ دونوں عیدیں لاتہوار حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے پر اہل مدینہ کے تہواروں کو دیکھ کر مسلمانوں کو پروردگار عالم کے حکم سے ان کی ضرورت اور خصوصیات کا لحاظ رکھتے ہوئے بتائے تھے، اس وقت سے یہ مسلمانوں کے تہوار ہیں جن کو تمام دنیا کے مسلمان جو دنیا کے مختلف علاقوں اور ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنی زندگی کو اپنے رسول پاکؐ کے بتائے ہوئے طریقہ کا پابند مانتے ہیں، خوشی و مسرت کے دن کی حیثیت سے اختیار کرتے اور مناتے ہیں، دنیا کے تمام ملکوں اور قوموں میں اپنے اپنے حالات و خصوصیات کے لحاظ سے تہوار ہوتے ہیں، ہر قوم کے تہوار میں اس قوم کے مذہبی واقعات یا زراعتی موسموں کی تبدیلی کے ساتھ ایک ربط ملتا ہے، اور اس طرح ہر قوم کا تہوار اس کی اپنی مذہبی اور دنیاوی ثقافت کا مظہر ہوتا ہے، جس میں اس قوم کے قومی احساسات اور دینی تصورات کی جھلک ملتی ہے اسی لئے تہوار ایک ایسا موقع ہوتا ہے کہ اس میں قوم کے سب خاص و عام یکساں طریقے سے حصہ لیتے ہیں اور اس طریقہ سے ان تصورات سے اپنی وابستگی کا ثبوت دیتے ہیں، جو تہوار کے پس منظر میں ہوتے ہیں۔

مسلمانوں میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان کے مشترک دینی اور ملی تصورات کا مظہر ہیں، مسلمانوں کے مشترک تصورات خدائے واحد کی بندگی اور اس کی اطاعت کے احساس سے وابستہ ہیں، اس بندگی اور اطاعت کے احساس کو ان کی مسرت و خوشی کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے، چنانچہ مسلمانوں کی یہ عیدیں بیک وقت اطاعت خداوندی کا رمز اور سرور و شادمانی کا موقع ہیں، عید الفطر ایک ماہ کے روزوں کے اختتام پر آتی ہے اور عید الاضحیٰ خدا کے حضور میں نذرانہ بندگی پیش کرنے کی علامت کے طور پر انجام پاتی ہے اس طرح دونوں دن اطاعت خداوندی اور اس کے لئے اپنی مثالی کارکردگی کے انجام دینے پر پُر مسرت اظہار کے دن ہوتے ہیں۔

اسلام نے مسلمانوں کو دنیا و دین دونوں کو جمع کرنے کی تلقین کی ہے، دنیا کے وہ تقاضے جو انسانی فطرت کا نتیجہ ہیں، ان کو پورا کرنے کی نہ صرف یہ کہ اجازت دی گئی ہے بلکہ اگر ان کے پورا کرنے میں یہ احساس شامل رکھا جائے کہ ان کے پورا کرنے کی ہم کو ہمارے خدا نے اپنی خوشی کے ساتھ اجازت دی ہے اور ہمارے رسول برحق نے اس اجازت کو خدا کی مرضی کی اجازت بتایا ہے تو ان دنیاوی تقاضوں کو پورا کرنے میں بھی وہ ثواب ملتا ہے جو عبادت میں ملتا ہے، اس طرح ایک مسلمان کو خوشی منانے کی اجازت ملنے پر خوشی منانے پر بھی ثواب ملتا ہے، اس کو اپنی دنیوی ضرورت کو خدا کی اجازت کی بنا پر پورا کرنے پر بھی اجر ملتا ہے، چنانچہ عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ ان میں اچھا لباس زیب تن کرنا اور مسرت کا اظہار کرنا بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اجازت کو مدنظر رکھتے ہوئے کرنے پر ثواب ملتا ہے، پھر دونوں عیدوں کے پس منظر میں جو مذہبی محرک پایا جاتا ہے وہ ان دونوں عیدوں کو صرف ثواب کا موقع ہی نہیں بلکہ ان دنوں کو مجسم مذہبی موقع بنا دیتا ہے، اسی کو کہتے ہیں ہم خرما و ہم ثواب کہ ایک طرف تو اچھا لباس پہننا پسندیدہ کھانے کھانا، ایک دوسرے سے مسرت و لطف کا اظہار کرنا، جشن کی شکل میں سب کا عیدگاہ جانا، دوگانہ ادا کرنا اور واپس آنا اور عید کی مبارکباد دینا، ملنا اور پُر لطف طریقے سے کھانا کھانا، کھلانا ملتا ہے، دوسری طرف مذہبی طریقہ سے طہارت و صفائی کرنا مجوزہ طریقے سے اور دعاؤں کے ساتھ عیدگاہ جانا اور وہاں سب کا مل کر اپنے پروردگار کے سامنے سربسجود ہونا، امام و خطیب سے نصائح سننا، اللہ اکبر اللہ اکبر کا ورد کرنا اور اپنے پروردگار کا شکر بجا لانا ملتا ہے۔

عید الفطر میں اپنے پروردگار کا شکر کہ اس نے مہینہ بھر کے روزوں کا جو حکم دیا تھا اس حکم کو بجالانے کی توفیق ملی کسی نے اگر کچھ روزے چھوڑ دیئے تو اس لئے کہ اس کے پروردگار کی طرف سے اجازت ہے کہ بیمار رہا یا سفر پر ہو تو آئندہ کے لئے روزہ مؤخر کرتے ہوئے عام دنوں کی طرح کھا پی سکتے ہو، لیکن سر بازار نہیں بلکہ ذرا نظروں سے بچ کر تا کہ روزہ کی جو عمومی و مجموعی فضا ہے وہ خراب نہ ہو۔

ایک ماہ کی ایک خاص کارکردگی پوری کی ہے اس کا ثواب بھی ملے گا اور خوش ہو اور خوشی کا اظہار بھی کرو۔ اب رہ گئے وہ لوگ جو بلا عذر محض کوتاہی میں یہ فرض روزے نہیں انجام دے سکے ان کو عید الفطر یہ احساس دلاتی ہے کہ ان سے کوتاہی ہوئی کہ سب بھائی بند تو اچھی کارکردگی انجام دے کر سرخرو ہوئے، اور یہ اس سرخروئی سے رہ گئے اب یہ اپنے پروردگار سے عفو و معافی کے طالب ہوں، اور اس کی تلافی قضا کی صورت میں کریں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے پروردگار کی طرف سے عطا کئے ہوئے خوشی کے اس موقع میں شریک رہیں، خوشی کا دن ہے اور پروردگار کی طرف سے عطا کیا ہوا ہے اس کو لیں اور اس سے اپنے کو محروم نہ کریں۔

عید کا دن خوشی اور کھانے پینے کا دن خود پروردگار عالم کی طرف سے بنایا گیا ہے اس لئے اس کے بھی خلاف کرنے کی اجازت نہیں، عید کے دن کوئی روزہ رکھنا چاہے تو بذات خود روزہ رکھنا اچھا اور نیکی اور عبادت کا عمل ہے لیکن عید کے دن وہ حرام ہے کیونکہ جب پروردگار یہ کہتا ہے کہ کھاؤ پیو اور خوش ہو، ایسے میں بندہ کے لئے کیسے اس کی اجازت ہو سکتی ہے کہ نہیں ہم صبح سے شام تک کچھ نہیں کھائیں گے روزہ رکھیں گے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ عید کے دن شیطان روزہ رکھتا ہے، لیکن اس کا روزہ اپنے پروردگار کو خوش کرنے یا اس کے حکم کی اطاعت میں نہیں ہوتا وہ اس رنج و غم میں ہوتا ہے کہ کتنی کثرت سے آدمیوں نے اپنے پروردگار کی زبردست اطاعت کر دکھائی کہ پورے ایک مہینے دن میں بھوکے پیاسے رہے اور کتنے بشری تقاضوں کو دن کے حصہ میں روکے رکھے رہے، ایسی زبردست اطاعت اور کارکردگی انجام پاگئی لہٰذا اس افسوس میں شیطان کچھ کھاتا پیتا نہیں گویا روزہ رکھتا ہے اور خوشی کے اس موقع پر غم مناتا ہے۔

روزوں کی کارکردگی واقعی ایک اعلیٰ کارکردگی ہے جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر عمل کا اجر تو اس طرح دیا جائے گا جیسا مقرر کیا گیا ہے، لیکن روزہ کا اجر میں خود خاص طریقہ سے اپنی طرف سے دوں گا، لہٰذا شیطان کا عید کے دن روزہ رکھنا اور غم کرنا بجا ہے کہ اس کے شکار سے کتنے انسان نہ صرف یہ کہ بچ نکلے بلکہ اس کی تدبیر و کوشش کو برباد کر گئے اور روزہ داروں کی خوشی بھی بجا ہے کہ انھوں نے اپنے کو شیطان کے نرغے سے بچا لیا اور اپنے پروردگار کو راضی و خوش کیا، وہ اپنے پروردگار کی عظمت اور وحدانیت کا کلمہ پڑھتے ہوئے عید کے روز نماز کے لئے جاتے ہوئے یہ الفاظ ادا کرتے ہیں، "اللہ اکبر اللہ اکبر لا إلٰه إلا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے ہر طرح کی ستائش اور خوبی اسی کے لئے ہے اور اس طریقہ سے وہ شیطان کے روزے کو اور بھی سخت اور تکلیف کا روزہ بنا دیتے ہیں۔

(بقیہ) چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

جس کے اثرات اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ دعوتِ اسلامی کے مستقبل دین حق کے فروغ اور اسلام کی پیش قدمی میں بہت دور رس ثابت ہوئے اس کے بعد مسلمانوں کو آج تک جتنی فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں، اور ان کی جتنی سلطنتیں اور حکومتیں قائم ہوئیں وہ سب اسی "فتح مبین" کی رہین منت ہیں جو بدر کے میدان میں اس مٹھی بھر جماعت کو حاصل ہوئی، اور حق و باطل کی اس جنگ میں حق و صداقت کو فیصلہ کن کامیابی نصیب ہوئی۔

حق و باطل کا معرکہ دنیا میں کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ جب سے دنیا بنی ہے حق اور باطل کا معرکہ اسی طرح جاری ہے۔ علامہ اقبال نے اسی کی طرف سے اشارہ کیا ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی،

آج بھی وقت کا تقاضا ہے کہ اولوالعزمی کے ساتھ باطل کا راستہ روکا جائے، اور باطل کو مٹانے اور حق کو غالب کرنے کا ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ پہلے مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں اور پھر متحد ہو کر اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد کریں، اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین کو اپنا نصب العین قرار دیکر اپنی ساری صلاحیتیں اسی کیلئے صرف کر دیں خون کی سرخی سے چمن اسلام میں نئی بہاریں نئی زندگی اور نئی حرارت و حرکت پیدا کریں، نیز قرآن کا یہ اعلان ہماری زندگی کے عین مطابق ہو "وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين" (تم ہی غالب و سربلند رہوگے اگر تم ایمان رکھتے ہو) صحیح کہا ہے علامہ اقبال نے

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا۔

عید الفطر کا پیغام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد أن لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد أن سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وأصحابہ وذریاتہ وأزواجہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔ أما بعد!

فأعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ٥ وَإِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَإِنِّیْ قَرِیْبٌ أُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ

میرے بھائیو! دوستو، عزیزو اور بزرگو! میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی سورۂ بقرہ کی وہ آیتیں تلاوت کیں، جن کا تعلق رمضان المبارک سے ہے اور جن کی ابتدا ہوتی ہے:

"یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ٥

اور اسی میں یہ آیت ہے:
"شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْآنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ"

اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اس کا منشا اور ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، وَلَا یرید بکم العسر وہ تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ یہ ۳۰ یا ۲۹ دن کے جو روزے ہیں کوئی پہاڑ نہیں ہیں، یہ مسلسل چلتے ہیں اور جلد ختم ہو جاتے ہیں، اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:۔

ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم

اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو، اس پر کہ اللہ نے تم کو ہدایت دی، اللہ نے ہدایت کی جو نعمت تم کو عطا فرمائی ہے، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو "ولعلکم تشکرون" اور تاکہ تم شکر کرو۔

اللہ جل شانہٗ نے اس آیت میں عید کا بھی ذکر کر دیا، عید کا نام تو نہیں آیا لیکن عید کا مقصد اور عید کا وظیفہ، عید میں کرنے کا کام، یہ سب اس میں آگیا، کہ جب اللہ تعالیٰ رمضان میں روزہ کی توفیق دے، کہ رمضان آئے اور خیریت کے ساتھ، توفیق الٰہی کے ساتھ، دن کے روزوں کے ساتھ، رات کی عبادتوں کے ساتھ گذر جائے "ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم" اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اللہ نے ہدایت دی، ایمان واسلام کی دولت سے نوازا، اور پھر توفیق دی، اگر ان میں سے ایک چیز بھی نہ ہوتی تو کہاں کا رمضان اور کہاں کا روزہ دنیا میں پچاسوں قومیں ہیں، سیکڑوں قومیں ہیں وہ اتنا جانتی ہیں کہ رمضان کا مہینہ مسلمانوں میں آتا ہے.......... جیسے ہمارے یہاں مہینہ آتا ہے، انھیں پتہ بھی نہیں چلتا کہ کب رمضان آیا اور کب ختم ہوگیا، اور ان کے مہینوں اور رمضان میں کیا فرق ہے۔

تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی، ہم کو اسلام کی دولت سے نوازا جس نے ہمیں صحت دی، ایسی صحت جس سے روزہ رکھ سکیں، اور پھر اس کے بعد سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ توفیق دی، سب کا انحصار توفیق پر ہے ساری چیزیں جمع ہیں مگر توفیق نہیں تو کچھ نہیں یعنی روزہ رکھنے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے۔ عمر! تو اللہ کے فضل سے زندگی ہے، جوانی چاہئے، بلوغ چاہئے تو وہ بھی موجود ہے صحت چاہئے تو وہ بھی موجود ہے، اور روزے کے مسئلے معلوم ہونے چاہئیں تو وہ بھی معلوم ہیں، حکومت روکتی، قانون روکتا، یا ڈاکٹر ہی نے کہا ہوتا کہ تمہارے لئے روزہ رکھنا نامناسب ہے نقصان دہ ہے، تو یہ بھی نہیں ہے، پھر روزہ کیوں نہیں ہوتا ہے توفیق نہیں ہے۔

توفیق وہ چیز ہے جس کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہو سکتا، توفیق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا رحمت کا ارادہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کا اس کے دل میں یہ خیال اور جذبہ ڈال دینا کہ یہ کام کرنا ہے، تمام رکاوٹوں اور موانع کو ہٹا دینا ہے اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فیصلہ کرنا کہ یہ کام ہو، یہ شخص روزہ رکھے، نماز پڑھے ان سب کے مجموعے

کا نام توفیق ہے، اتنی لمبی جو ہم نے عبارت بیان کی وہ عربی کے قرآن مجید کے ایک لفظ میں آگیا ہے اس کا نام ہے "توفیق"۔

آپ دیکھیں گے، اپنے محلہ میں دیکھیں گے، کہ ماحول موجود، سارے اسباب موجود شرائط موجود، فضا موجود، لیکن روزہ نہیں اس لئے کہ توفیق نہیں، اب اللہ نے تم کو ساری چیزیں، اور ساتھ میں توفیق بھی عطا فرمائی، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو "ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم"

چنانچہ مسنون یہی ہے کہ عید آئے عید الفطر ہو تو آہستہ آہستہ تکبیر کہتا ہوا آئے، اور عید الاضحیٰ ہو تو ذرا بلند آواز سے "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" پکارتا ہوا آئے، اور مسنون یہ ہے کہ ایک راستہ سے آئے، اور دوسرے راستہ سے جائے، تاکہ ساری فضا اس سے معمور ہو جائے، اور وہاں کے رہنے والوں کے کانوں میں یہ فضا پڑ جائے، اور وہ زمین گواہی دے، اور جب تک عید کی نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے، یہ کہتا رہے "ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم ولعلکم تشکرون" تاکہ تم شکر کرو، کہ اللہ نے ہمیں توفیق دی، اللہ نے ہم سے روزے رکھوائے، کوئی بیماری وغیرہ کے باعث چھوٹ گیا تو اس کے لئے بھی نیت اچھی کی، اور دنیا میں جتنے بھی خوشی کے تہوار ہیں سب میں خوشی ہوتی ہے، یعنی اس میں جو فرائض ہوتے ہیں، روزمرہ کا جو معمول ہے، وہ بھی معاف ہو جاتا ہے لیکن اسلام تنہا مذہب ہے، کہ اس میں خوشی کے دن کام بڑھا دیا جاتا ہے، کام ایسا بھاری نہیں ہوتا کہ آدمی کہے کہ کام نہیں ہوتا، نہیں بلکہ کام ایسا مبارک ہوتا ہے، ترقی دینے والا ہوتا ہے اور معقول ہوتا ہے، اور انسانیت و شرافت کا ہوتا ہے، یہ جو دو رکعتیں آپ نے پڑھیں وہ روز کی نہیں ہوتیں، ہاں کوئی اشراق و چاشت پڑھے، جو فرض و واجب نہیں ہیں لیکن عید کی نماز بڑھا دی گئی، اور تہوار ... آپ دیکھیں گے تو اس میں عبادات معاف ہو جاتے ہیں، کوئی پوجا کرے یا نہ کرے چرچ جائے نہ جائے، کرسمس ہے چھٹی کا دن ہے اور یہاں تو کام بڑھا دیا گیا کہ فجر کی نماز پھر ظہر کی نماز درمیان میں دوگانہ اور بڑھا لیں، یہ ہے اسلام میں شکر کا طریقہ چھٹی نہیں ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

اس امت کو سبق یاد ہو گیا ہے الحمد للہ! ساری امتیں سبق بھلا بیٹھیں، بات یہ ہے کہ روئے زمین میں کوئی امت ایسی نہیں جس کو سبق یاد ہو، تنہا یہ امت ہے جس کو سبق یاد ہے، کچا پکا جیسا بھی ہو، تو جب اس کو سبق یاد ہوا چھٹی نہیں ملی سبق یاد کرنے والے لڑکے کو، مکتب میں پڑھنے والے کو چھٹی نہیں ہے، بلکہ اس کی ذمہ داریاں ہیں اور اس کو اپنی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے، اس سے اس میں اضافہ ہو گا کمی نہیں ہوگی۔

تو دو رکعت یہ، اور فطرہ الگ دینا پڑتا ہے، ہر وقت کی بات نہیں دوسرے ادیان کے تہواروں میں یہ نہیں بلکہ وہاں تو کھاؤ پیو، وہاں معاملہ یک طرفہ ہے اور یہاں لینے سے زیادہ دینا ہے، غریبوں کو فطرہ دو اللہ کے سامنے دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھو، اور پھر تکبیر پڑھو اور اللہ کا شکر ادا کرو "ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم ولعلکم تشکرون"

دنیا حقیقی عید سے محروم ہے

یہ ایسا تہوار ہے کہ امت کو اس میں چھٹی نہیں ملتی، اور اب ضرورت ہے کہ ہم مسلمان اپنے دین پر از سر نو قائم اور پختہ ہوں، اس دین کا ایسا مظاہرہ کریں اور دین کا ایسا نمونہ پیش کریں دنیا کے سامنے لائیں کہ دنیا کی بھی عید ہو جائے بہت دن سے دنیا کی عید نہیں ہوئی ہے، دنیا عید سے محروم ہے، دنیا حقیقی عید سے محروم ہے، یہ سب جعلی باتیں ہیں، کہاں کا کرسمس، اور کہاں کی ہولی دیوالی، لیکن دنیا کی حقیقی عید صدیوں سے نہیں ہوئی، اور پھر مسلمان مسلمان بن جائیں، دنیا کی عید ہو سکتی ہے، دنیا حقیقی عید کو ترس رہی ہے، نہ امن ہے نہ اخلاق ہیں، نہ انسانیت ہے، نہ شرافت ہے، نہ قدر شناسی ہے، نہ خدمت کا جذبہ ہے، نہ خدا کی یاد ہے، نہ خدا کی شناخت ہے اور نہ پہچان ہے، کچھ نہیں ہے، کہاں کا تہوار، سارے تہوار جو ہیں، یہ بچوں کے سے کھیل ہیں جیسے بچوں کی کوئی ذمہ داری نہیں، کھیلیں، کودیں، کھائیں پئیں اور خوش و خرم رہیں کچھ فکر نہیں، ایسی ہی دنیا کی قومیں بچوں کی طرح خوشیاں منا رہی ہیں، لیکن حقیقی خوشی نصیب نہیں، آج دنیا کو عالمی سطح پر ایک عید کی ضرورت ہے، وہ عید مسلمانوں کی کوشش سے ہی آسکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ مسلمان خود اپنی عید کا شکر صحیح طریقے سے ادا نہیں کر پاتے اور اس کے معنی صحیح طور پر نہیں سمجھتے، آپ جہاں رہیں ثابت کریں کہ آپ کوئی اور قوم ہیں، افسوس کہ اس کو آنکھ ترس رہی ہے، سب ایک جیسے، وہ بھی رشوت لیتے ہیں، ہم بھی رشوت لیتے ہیں وہ بھی سود کھاتے ہیں، ہم بھی سود کھاتے ہیں، وہ بھی پیسہ کا پجاری ہے، بھوکا اور شائق ہے، یہ بھی پیسہ کا بھوکا ہے، یہ بھی آرام طلب ہے، وہ بھی آرام طلب اس کو بھی کسی کی فکر نہیں کہ دنیا میں کیا گذر رہی ہے محلہ پڑوس میں کیا گذر رہی ہے۔ یہ بھی ایسا ہی، مسلمان ایسا نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ویجعل لکم فرقانا" تم حقیقی مسلمان ہو گے اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہیں شان امتیازی عطا

فرمائے گا، دور سے پہچانے جاؤگے۔

دیکھو مسلمان آرہا ہے، یہ حالت تھی قرون اولیٰ میں، کہ ملک کے ملک مسلمان ہوئے، مسلمانوں کو دیکھ کر، سمجھانے بجھانے میں، دلیل لانے مطمئن کرنے میں تو برسوں لگ جاتے ہیں، تو کیا بات ہے، مصر پورا کا پورا مسلمان ہوگیا، تہذیب بدل لی، رسم الخط بدل گیا، طور وطریق بدل گیا، اور اسی طرح کیا عراق پورا کا پورا مسلمان تھا، کیا شام پورا کا پورا مسلمان تھا سب دوسرے ادیان کے ماننے والے تھے، عیسائی تھے، یہودی تھے اور بت پرست، زبانیں جداگانہ تھیں، اور کلچر بھی الگ، تو گویا کہ سانچہ میں ڈھال دیا گیا ہو مشین سے ڈھلا ڈھلایا نکلا ہو، ہندوستان میں یہ نہیں ہوا، جو لوگ آئے ان کے اندر یہ روح نہیں تھی، جو عربوں میں تھی کہ وہ جہاں جاتے تھے، پورا کا پورا ملک مسلمان بنا دیتے تھے، ساتھ کھانا، ساتھ پینا، اونچ نیچ سب ختم، سب انسان ہیں، کوئی فرق نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے:۔

"إن أباكم واحد وإن ربكم واحد كلكم من آدم، وآدم من تراب، لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي إلا بالتقوى"۔

تمہارے باپ بھی ایک تھے، تمہارا رب بھی ایک، اب باپ بھی ایک، رب بھی ایک، الخ۔

چنانچہ جہاں عرب گئے، وہاں دین بدل لیا، تہذیب تبدیل کی، رسم الخط بدل گیا، لباس بدل گیا، زبان بدل گئی لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے یہاں ہندوستان میں ۸ سو سال حکومت کی مگر کوئی فرق نہیں ہوا، کوئی تبدیلی نہیں آئی، کیونکہ ہم میں مساوات نہیں، ہم میں اخوت نہیں، یہاں حاکم ومحکوم کا فرق، اور وہاں حاکم ومحکوم کا فرق نہیں رہا، اللہ ہمیں آپ کو توفیق دے کہ ہم جہاں جائیں اسلام کا نمونہ پیش کریں، کچھ تو اسلام کا نمونہ پیش کریں، ہماری نگاہیں نیچی ہوں، نامحرم پر نظر نہ پڑے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا"

ہم اس طرح چلیں کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، ہم راستے کے کانٹے ہٹائیں، ہم پانی کو ضائع ہونے سے بچائیں، ہم ہمسایہ کیا شہر میں کسی بھی رہنے والے کو تکلیف نہ ہونے دیں، ہم ضرورت پر مدد کرنے کو تیار رہیں، لوگ دیکھیں کہ پیسہ روپیہ ان کے نزدیک فیصلہ کن نہیں ہے، فیصلہ کن ارادۂ الٰہی ہے، فیصلہ کن حکم الٰہی ہے، یہ بڑی سے بڑی رقم چھوڑ سکتے ہیں، لاکھوں کی رقم پر لات مار سکتے ہیں ٹھوکر مار سکتے ہیں۔ مگر اصول کے خلاف، شریعت کے خلاف نہیں جا سکتے، یہ نمونہ آج دکھلانے کی ضرورت ہے، اللہ جل شانہٗ ہمیں اپنی جگہ پر بھی مسلمان بنائے، اور دوسروں کے لئے بھی ایسا پرکشش، جاذب نظر، قابلِ احترام مسلمان بنائے کہ لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچیں اور بڑھیں۔

(قسط) چیچنیا تاریخ کے آئینہ میں

روس اپنے تیل کی ضروریات کے لیے چیچنیا کا محتاج ہے جو بعض لوگوں کے اندازے کے مطابق قفقاز کا کویت ہے، اور ایوی ایشن فیول پر بھی جہاں سے روس کی تقریباً نوے فیصد ضروریات پوری ہوتی تھیں، روس دوبارہ اس اہم دولت پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ خاص طور پر اس صورتحال کے پیش نظر کہ کچھ عرصہ قبل صدر دودائیف نے صدر بورس یالسن کے نام ایک پیغام بھیجا تھا کہ اگر فوری طور پر ان کو تیل کی واجب الادا رقوم نہ بھیجی گئیں تو وہ پیٹرو کیمیکل مصنوعات کی ترسیل روک دیں گے۔

سوال یہ ہے کہ پھر وہ کیا قوت ہے جس نے چیچنیا کو روس سے ٹکر لینے پر آمادہ کیا ہے اس کا جواب بھی نیوز ویک کے اس مضمون کی ابتداء میں ہے جو یہ ہے کہ "درجنوں غازی" جنھوں نے لوکل ائمہ (مساجد) کے سامنے قسم کھائی ہے۔ روسی حملے کے مقابلہ کے لیے تیار ہیں۔ پچیس سال کے ایک کلاشنکوف بردار خنجر بکف نوجوان نائب عیدی گوف کا کہنا ہے کہ "اگر ہم جیتے تو خوشحال ہوں گے اور اگر مرتے ہیں تو ہم اللہ کے حضور میں ہوں گے اور خوش نصیب ہوں گے"۔ یہ ہے وہ قوت ایمانی جس کے بل بوتے پر چیچنیا کے عوام ایک بہت بڑی مغربی طاقت کا مقابلہ کر رہے ہیں ؂

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی۔

غزل

ایچ۔ اے اختر تھانوی

اب یہاں نہ آئیں گی بجلیاں جلانے کو
باغباں ہی کافی ہے آشیاں جلانے کو

نفرتوں کی چنگاری آپ بجھ گئی ہوتی
رہبری سے اٹھی ہیں آندھیاں جلانے کو

تیرگی زمانے کی اس سے مٹ نہیں سکتی
آپ کیوں نکلتے ہیں بستیاں جلانے کو

جانے آپ کا دامن اس میں کیوں نہیں جلتا
آپ جب نکلتے ہیں جھگیاں جلانے کو

کل کی داستاں اختر آؤ پھر سے دہرا دیں
کہہ رہی ہے دنیا پھر کشتیاں جلانے کو

عید الفطر

روح کی بیداری کا جشن

پروفیسر کفیل احمد

دنیا میں آباد مختلف قوموں کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن کو وہ اپنے قومی جشن کی یادگار سمجھ کر عزیز رکھتی ہیں۔ ان موقعوں پر حد سے تجاوز کی ہوئی شیفتگی، وارفتگی، غیر متوازن اظہار مسرت وشادمانی اور بے اعتدال جذبۂ نمود ونمائش کے جو مناظر دیکھنے میں آتے ہیں وہ اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ اسلام ہی دنیا کا وہ پہلا اور آخری دین ہے جو ہر لحاظ سے مکمل سچا اور شائستہ ہے اور جس کی بنیادیں طہارتِ نفس اور پاکیزگیٔ عمل پر استوار ہیں۔

مسلمانوں کا جشن اور ماتم، خوشی وغم سب کچھ خدا کے لئے تھا۔ (ترجمہ) کہہ دو میری نماز میری تمام عبادت، میرا مرنا، جینا جو کچھ ہے اللہ کے لئے ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور دوں کا جشن نشاط لذائذ دنیوی کے حصول اور انسانی خواہشات کی کامیابیوں میں تھا مگر ان کے ارادے مشیت الٰہی کے ماتحت اور خواہشیں رضائے الٰہی کی محکوم تھیں۔ ان کے لئے سب سے بڑا ماتم یہ تھا کہ دل سے اس کی یاد سے غافل اور زبان اس کے ذکر سے محروم ہو جائے اور سب سے بڑا جشن یہ تھا کہ سر اس کی تقدیس سے لذت یاب ہو۔ (ترجمہ) ہماری آیتوں پر وہ لوگ ایمان لائے ہیں کہ جب ان کو وہ یاد دلائی جاتی ہیں تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے ہیں۔ اور کسی طرح کا تکبر اور بڑائی نہیں کرتے۔ رات کو سوتے ہیں تو ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور امید وبیم کے عالم میں کروٹیں لے کر اپنے پروردگار سے دعا مانگتے رہتے ہیں۔

چنانچہ اسلام کے شیدائیوں کو بارگاہِ ایزدی سے اطاعت وشکر گزاری کے جشن کے لئے دو دن عطا ہوئے پہلا دن عید الفطر کا تھا۔ یہ اس ماہ مقدس کے اختتام کا افضال الٰہی کے دور جدید کا اولین یوم کا جشن تھا جس میں سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام سے ان کو مخاطب فرمایا۔

"رمضان شریف کا مہینہ جس میں قرآن کریم اول اول نازل کیا گیا۔"

عید کا جشن روح کی بیداری کا جشن ہے اس جشن روحانی کی ابتدا ۲ ہجری سے ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لانے کے دوسرے سال رمضان کے روزے فرض ہوئے اور چونکہ عید الفطر کا جشن روزوں سے متعلق ہے لہٰذا خود پہلی عید رسول مقبول اور جمال رسالتؐ کو دیکھنے والوں اور فیض پانے والوں نے ہجرت کے دوسرے سال ہی منائی اور ۲ ہجری سے آج ۱۴۱۵ ھ تک ساری دنیا میں مسلمان تاریخ عالم کے اس عظیم ترین یوم سعید کو خاص جذبہ کے ساتھ مناتے ہیں۔

عید الفطر ملت اسلامیہ کے لئے ضبط نفس استقامت طبع اور تزکیہ باطن کی اعلیٰ خصوصیات اور طبعی ضرورتوں اور جسمانی تقاضوں پر کامیابی کے ساتھ قابو پانے کی بے پایاں مسرتوں کے اظہار کا موثر ترین وسیلہ ہے۔ یہ مبارک اور مقدس دن ان کی روحانی خوشی کا مظہر ہے کہ انھوں نے ریاضت نفس، ترک لذت، غیر صحت مند مشاغل سے گریز اور فسق وفجور سے اجتناب کا جو سلسلہ پورے ماہ تک جاری رکھا وہ انھیں اب کبھی صراط مستقیم سے بھٹکنے نہ دے گا اور ان کی تمام تر روحانی اور جسمانی توانائیاں بنی نوع انسان کی بھلائی اور دین کی سربلندی کے لئے وقف رہیں گی۔

عید کا جشن، روزے، زکوٰۃ وہ سب کچھ ایک خصوصی نظام زندگی پالینے کی شاہراہیں بنائی گئی ہیں۔ ان میں بڑے سبق ہیں، بڑے پیام ہیں عظیم تاریخی واقعات کی یادیں پوشیدہ ہیں عید الفطر جو ہم مسلمانوں کا سب سے بڑا تہوار ہے وہ صرف رمضان المبارک میں روزوں سے فارغ ہونے کی خوشی کا نام نہیں بلکہ حق وباطل کی اولین آویزش غزوہ بدر ۲ ہجری میں اسلام کی پہلی عظیم فتح کی خوشی کی بھی یادگار رہے گا۔ اس مبارک اور مسعود مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک فطری قانون عطا فرمایا جس سے انسانیت نے استفادہ کر کے ایک ابدی شمع روشن کی۔

یہی وہ مہینہ تھا جس میں دنیا کے روحانی نظام پر ایک عظیم الشان انقلاب طاری ہوا اسی مہینہ میں وہ عجیب وغریب رات آئی تھی جس نے اس انقلاب عظیم کا ہمیشہ کے لئے ایک اندازہ صحیح کر کے فیصلہ کر دیا تھا؟ اسی لئے وہ لیلۃ القدر تھی، اس کی نسبت فرمایا گیا کہ وہ گزشتہ رسولوں کی جماعتوں کے ہزار مہینوں سے افضل ہے کیوں کہ ان مہینوں کے اندر دنیا کو جو کچھ دیا گیا وہ سب کچھ مع خدا کی نئی نعمتوں اور عطا کردہ فضلوں کے اس رات کے اندر بخش دیا گیا۔

(ترجمہ) قرآن کریم نازل کیا گیا تھا لیلۃ القدر میں اور تم جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا ہے وہ ایک ایسی رات ہے جو دنیا کے ہزاروں مہینوں پر افضلیت رکھتی ہے۔ (۱۹۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ عید کے دن غریبوں کو خوشحال اور غنی کرو چنانچہ ضمناً صدقہ فطر کی ادائگی صاحب استطاعت مسلمانوں پر واجب قرار دی گئی۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے خوشی کی وہ تقریب جس میں غریب، مساکین، مجبور اور نادار شریک نہ ہو سکیں خدا کی نظر میں ناپسندیدہ ہے۔ اسلامی مساوات کے نقیب اعظم دانائے ختم الرسلؐ کا فرمان ہے کہ روزوں کی عبادت اس وقت تک زمین و آسمان میں معلق اور بارگاہ ایزدی میں غیر مقبول رہتی ہے جب تک ہر وہ شخص صدقہ فطر ادا نہیں کر لیتا جو صاحب نصاب ہو۔

عید الفطر کے دن جب مسلمان ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور اپنے رب کے حضور دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے مخاطب ہوتے ہیں۔

(ترجمہ) میرے فرشتو! میرے بندے اور لونڈیاں میرے فرائض کو پورا کرنے کے بعد میرے حضور آموجود ہوئے اور مجھ سے چیخ چیخ کر دعائیں مانگ رہے ہیں۔ گواہ رہو، میری عزت و بزرگی فضل و کرم اور بلند مرتبے کی قسم! میں ان کی دعاؤں کو ضرور قبول کروں گا۔ پھر اللہ اپنے نیک بندوں کو فرماتے ہیں واپس جاؤ کہ میں نے تم کو معاف کر دیا۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اپنی تصنیف "غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں۔

"عید ان کی نہیں جنھوں نے عمدہ لباس سے اپنے آپ کو آراستہ کیا بلکہ عید تو ان کی ہے جو خدا کی وعید اور پکڑ سے ڈر گئے۔ عید ان کی نہیں جنھوں نے بہت سی خوشبوؤں کا استعمال کیا عید تو ان کی ہے جنھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اس پر قائم رہے، عید ان کی نہیں جنھوں نے بڑی بڑی دیگیں چڑھائیں اور بہت سے کھانے پکائے، عید تو ان کی ہے جنھوں نے مقدور حد تک نیک بننے کی کوشش کر کے سعادت حاصل کی۔ عید ان کی نہیں جو دنیاوی ذہنیت کے ساتھ نکلے بلکہ عید تو ان کی ہے جنھوں نے تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کی۔ عید ان کی نہیں جنھوں نے عمدہ عمدہ سواریوں پر سواری کی، عید تو ان کی ہے جنھوں نے گناہوں کو ترک کر دیا اور عید ان کی نہیں جنھوں نے اپنے مکانوں کو چراغاں سے آراستہ کیا بلکہ عید تو ان کی ہے جو دوزخ کے پل سے گزر گئے۔"

بقیہ:- ٹی۔ وی ویڈیو......

گھنٹہ بھر بیٹھنا پڑا ان سے بے تکلفی نہیں تھی انھوں نے ریڈیو کھول دیا اور اس وقت قرآن کی تعلیم کا پروگرام تھا۔ دس منٹ بعد درس حدیث اور پھر اخلاقیات۔ اب مجھ سے برداشت نہ ہوا تو میں نے کہا کہ اب تک میں قسم کھا سکتا تھا کہ ٹی وی نہیں دیکھا اب آپ نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا کم سے کم یہ ڈرامہ تو بند کر دیجئے میرے کہنے سے انھوں نے سوئچ آف کر دیا۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کس طرح لوگ ٹی وی وغیرہ کی طرف مائل ہوتے ہیں یا کرتے ہیں اور پھر ہمارا بگڑا ہوا مزاج اس کو کس طرح اپنے مقصد میں کھلم کھلا استعمال کرتا ہے۔ ہم خلوص کے ساتھ ایک کام کو شروع کرتے ہیں اور پھر اس کو شر کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ مغرب نے میڈیا کے ذریعہ ہمارا مزاج ہی بدل دیا ہے اور اب دعوتی اور دینی معلومات کے کیسٹ کافی تیار ہونے کے باوجود ہمارے گھروں میں غنا و سرود کے کیسٹوں کی اتنی بہتات ہے کہ افراد کو اس کے لیے فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ دعوتی کیسٹ سنیں اور اگر کسی بڑے بوڑھے نے ایسا کیسٹ لگا بھی دیا تو دوسرے اس کو فوراً بند کر دیں گے کہ اس میں تو کچھ بھی مزا نہیں ہے۔ تو محض ویڈیو اور کیسٹ کے جواز کے لیے فتویٰ حاصل کرنا بے سود ہے جب کہ ذوق ہی بگڑا ہوا ہے صرف مفتی کفایت اللہ صاحب نہیں دوسرے علماء بھی محض جواز میں اختلاف نہ کریں گے اصل مسئلہ تو اس کے استعمال کا ہے۔ خود میرے پاس دعوتی کیسٹ موجود ہیں لیکن خود میرے گھر میں وہ نہیں لگائے جا سکتے اب تو میرے یہاں ٹرانسسٹر بھی نہیں ہے پھر بھی میں دوسروں کو راغب کرتا ہوں کہ وہ لوگ لیں اور سنیں اس کے ساتھ تلاوت کے کیسٹ بھی دے دیتا ہوں تو تلاوت کے کیسٹ تو وہ سن لیتے ہیں کہ ابھی کچھ نہ کچھ ذوق باقی ہے مگر دعوتی سے صاف انکار کر رہے ہیں کہ یہ بے کار ہیں جو حضرات اس سلسلہ میں فتویٰ حاصل کرنا چاہتے ہیں ان سے صرف یہی کہنا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں جو ذرہ بھر خیال ہے کہ ویڈیو کیسٹ وغیرہ سے بچیں اس کو نکالنے کی کوشش نہ کریں اور دوسروں کو متوجہ کرنے کے لیے سبب نہ بنیں۔

ہمارا ذوق یہ ہو چکا ہے کہ ہم سب کچھ کرتے ہیں لیکن ذرا سی کسک دل میں ہوتی ہے "الذنب ماحک فی صدرک" تو اس کو دور کرنے کے لیے علماء سے جواز کا فتویٰ لے کر مطمئن ہو جاتے ہیں اب تو گناہ گناہ نہیں رہ گیا۔ جو لوگ سود کے مسائل میں علماء کو الجھاتے ہیں وہ اپنی اس حرکت سے سود خوری کو سند جواز دیتے ہیں اور لوگ کھل کر سود خوری میں مقابلہ کرتے ہیں "لا یتناھون عن منکر فعلوہ" کا مصداق بنتے ہیں۔ ہمارے علماء کتمان علم کے گناہ سے بچنے کے لیے ان مسائل کے علم کا اظہار کر دیتے ہیں جس سے قوم غلط فائدہ اٹھاتی ہے اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پہ استقامت بخشیں۔

جشنِ بہاراں

شمس الحق ندوی

ادھر رمضان المبارک کا چاند نکلا نہیں کہ بندۂ مومن کے دل کی دنیا میں شوق و سرمستی کی کچھ ایسی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں جن کا غیر رمضان میں تصور بھی محال ہوتا ہے۔ رمضان المبارک کے روزے شروع ہوئے اور مسجدیں نمازیوں کے لیے تنگ پڑنے لگیں سخت سے سخت اور لاپرواہ سے لاپرواہ لوگ بھی نمازوں کے پابند اور تلاوتِ کلام پاک کے شیدائی بن گئے۔ یہی پہچان ہے اس کی کہ رمضان قرآن شریف کا مہینہ ہے، کسی نے حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب بھوپالی سے سوال کیا کہ حضرت رمضان المبارک میں تو ہر کام اور ہر عبادت کی فضیلت ہے لیکن اس مہینے کی سب سے افضل عبادت کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا تلاوتِ کلام پاک' اس لیے کہ اس ماہِ مبارک کو نزولِ قرآن سے خصوصی مناسبت ہے چنانچہ دیکھنے میں آتا ہے اور کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا ہے کہ اس ماہِ مبارک میں تلاوتِ کلام پاک کی صداؤں سے فضا ہر وقت گونجتی رہتی ہے، یہ پورا مہینہ عجب روحانی بہار کا مہینہ ہوتا ہے چلتے پھرتے ہر حال میں لوگوں کے ہونٹ حرکت کرتے نظر آتے ہیں ذکر و استغفار اور کلمۂ طیبہ کے ورد سے زبانیں ہر وقت تر رہتی ہیں۔ دیکھئے ادھر سورج نے رخت سفر باندھنا شروع کیا اور ادھر افطاری کا خوان بچھا دیا گیا۔ جب سورج اپنی کرنوں کو سمیٹنے جا رہا ہے تو بندۂ مومن ہاتھ اٹھائے اپنے آقا سے سب کچھ مانگ لینا چاہتا ہے اس لیے کہ اس کو یہ بتایا گیا ہے کہ کہ اس وقت جو کچھ مانگا جاتا ہے وہ مل جاتا ہے ادھر افطار سے فارغ ہوئے ادھر تراویح کی تیاری شروع ہو گئی پھر دیر تک رکوع و سجود اور قرآن پاک کے سننے کا سلسلہ جاری رہتا ہے تراویح سے فارغ ہوئے کچھ سویا، آرام کیا اور پچھلے پہر پھر اٹھ گئے۔ نوافل اور سحری کی چہل پہل شروع ہو گئی، پورا مہینہ انھیں مبارک مشغولیتوں میں گذر جاتا ہے۔ کیسا روح پرور منظر ہوتا ہے ایک طرف تو ہاتھ اپنی حلال کمائی کی حلال روزی سے بھی کھنچ جاتے ہیں۔ دوسری طرف اللہ کے نادار اور غریب بندوں کو دینے اور ان کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے مٹھیاں کھل جاتی ہیں اس لیے کہ سب نے سُنا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ مبارک میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی و جواد ہو جاتے تھے بے تحاشہ خرچ کرتے اور لوگوں کی ضرورتیں پوری فرماتے تھے۔

پورا مہینہ انھیں مذکورہ کیفیات میں گذر گیا۔ اب جب عید کا چاند نکلا تو کیوں نہ بندوں پر دوگانۂ عید واجب کر دیا جاتا کہ بندے ان سعادتوں اور خدا کی توفیق کا شکرانہ ادا کرنے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں اور رمضان المبارک کی مبارک مشغولیتوں کا انعام حاصل کریں۔

دیکھئے کیسا دیدنی منظر ہے ماہِ شوال کی پہلی صبح روشن ہوئی اور مسلمان بوڑھا ہو کہ جوان، چھوٹے ہوں کہ بڑے امیر ہوں کہ غریب سب کے سب کس وقار و سنجیدگی کے ساتھ بلکہ ادب و خاکساری کے ساتھ شکرانہ ادا کرنے چل پڑے ہیں، نہ کہیں کھیل تماشہ ہے، نہ گانا بجانا بس زبان پر اور سب کی زبان پر ایک ہی زمزمہ جاری ہے:

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔"

اسی شوق و سرمستی کے ساتھ عیدگاہ پہنچتے ہیں، ادب سے بیٹھتے ہیں، ایک امام کے پیچھے دوگانہ ادا کرتے ہیں اور خطبہ سنتے ہیں پھر اسی وقار و متانت کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس ہوتے ہیں۔ گھر واپس آکر کھانا اور کھلانا، ایک دوسرے کو مبارکباد دینا، اور بشاشت سے ملنا، یہ ہے مسلمانوں کا سب سے بڑا اور مبارک تیوہار۔

دیکھا! یہ ہے آپ کا سب سے بڑا تیوہار جو سال میں صرف ایک بار آتا ہے۔ آپ نے خوشی میں نہ پٹاخے چھڑائے نہ دھماکے کئے، نہ کہیں چراغاں نظر آیا۔ نہ ریکارڈنگ کی کوئی صدا سُنائی دی، کیا ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ دوسری قومیں ہمیں کیا کہیں گی کہ مسلمانوں کا سالانہ اور سب سے بڑا تیوہار عید اور اس میں نہ کہیں گانا بجانا ہے نہ دھوم دھڑک، یہ خیال کیوں نہیں آیا آپ کے دل میں۔ اس لیے کہ رمضان المبارک میں جو روحانی غذا آپ کو ملی ہے اس نے آپ کو ان لغویات سے بلند اور بہت بلند کر دیا ہے۔ اسی طرح سے آپ اگر اپنے آپ کو اسلام اور قرآنی تعلیمات کے سانچے میں پورے طور پر

ڈھال لیں تو دیگر ان مواقع پر جہاں لاکھوں روپے اسراف و فضول خرچی میں ضائع ہوتے ہیں ان سے آپ اپنے آپ کو بچانے میں لطف و مسرت محسوس کریں اور دوسری قوموں کے مقابلہ کا تصور بھی نہ آئے اس لئے کہ آپ کا مقام اور آپ کے تیوہاروں کا مقام دوسری قوموں اور ان کے تیوہاروں سے بہت بلند ہے۔ آپ کو یاد نہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر چلے تو راستہ میں میلہ لگا ہوا تھا' تیوہار تھا' عبادت کا دن تھا مگر کھیل تماشوں اور گانے بجانے کی دھوم تھی۔ اوچھی اور ناشکری قوم نے فوراً موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر دیا کہ اے موسیٰؑ! ہمارے لئے بھی ایسا ہی خدا بنا دیجئے جیسا ان کا خدا ہے "یَا مُوسیٰ اجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ" کہ عبادت بھی ہو اور ناچ رنگ بھی ہو، ڈھول تاشہ بھی ہو اور خوب مزہ آئے۔ ان کے اس سوال پر حضرت موسیٰؑ نے نبوی جلال میں فرمایا "إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ إِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" (اعراف ۱۳۹-۱۳۸) موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ تم کو جو جشن نظر آ رہا ہے اس پر اور اس کے کرنے والوں پر جھاڑو پھر جانے والی ہے۔ اس کی خدا کے یہاں کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ تو محض شیطان کا رچایا ہوا کھیل ہے۔ کوئی حد ہے تمہاری نادانی کی؟

موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا اور قرآن کریم نے اس کو محفوظ کر دیا اب وہ قیامت تک مومنوں کے لئے تعلیم ہے کہ مومن بندوں کے جشن و تیوہار ایسے نہیں ہوتے جیسے باطل پرستوں اور لہو و لعب سے دلچسپی رکھنے والوں کے ہوتے ہیں' ان کا ہر ہر عمل اور ہر ہر کام قرآن کریم اور نبوی تعلیم کی روشنی میں ہوتا ہے وہ دوسروں کے لئے اسوہ اور نمونہ ہیں، دوسری قوموں کو اپنے لئے اسوہ اور نمونہ نہیں بناتے' وہ امام ہیں مقتدی نہیں ہیں۔ وہ منارۂ نور ہیں بھٹکا ہوا جہاز نہیں۔ جو سمندری موجوں کے اندھیرے میں ہچکولے کھا رہا ہے۔ ہم اپنے تمام قارئین کرام کو عید کی مبارک باد پیش کرتے ہیں اور یہ دعا کہ ہماری یہ عید ایسی مبارک و سعید عید ہو جو امت مسلمہ کو ذلت و نکبت کے راستوں سے ہٹا کر ان راہوں پر چلنے کا سبب بن جائے جو مومن کا اصل شیوہ اور مقام ہے۔

عید آئی ہر طرف......

اختر بستوی

عید آئی ہر طرف خوشیوں کے پیمانے چلے
اہل دانش میں بھی سرمستی کے افسانے چلے
بے خودی کے 'خانۂ عرفاں سے نذرانے چلے
ہوش کے بدلے میں لے کر جوش فرزانے چلے

پھر سجی ہے ہر گلی کوچے میں بزم انبساط
پھر وہی زندہ دلی ہے پھر وہی بزم نشاط
سب کے چہرے ہیں منور، سب کے دل ہیں شادکام
عید نے سب کو دیا ہے عیش و عشرت کا پیام

کر رہے ہیں سب بقدر استطاعت اہتمام
ہر طرف ہیں قہقہے، ہر سمت ہے اک دھوم دھام
آج دنیا بھول کر رنج و الم ہے شادماں
زندگی بھی عشرتوں کے ساز پہ ہے نغمہ خواں

جس طرف دیکھو مسرت کے ترانے ہیں رواں
کلفتوں کا مٹ گیا ہے دہر سے نام و نشاں
خلوت و جلوت میں ہیں بکھری ہوئی رعنائیاں
رقص کرتی ہیں امنگیں آرزوئیں ہیں جواں

ذہن و دل پر چھا گیا ہے عیش و عشرت کا فسوں
پا لیا ہے بزم طرب میں عقل نے جائے سکوں
صحن عالم رقص گاہِ خواہشات دل ہے آج
ساری دنیا انبساط و عیش کی قائل ہے آج

رونقِ جشن طرب میں زیست کا حاصل ہے آج
لوگ کہتے ہیں خیال رنج و غم باطل ہے آج
سب کے ہونٹوں پہ چمکتی ہے تبسم کی کرن
سب کے دل میں آج ہے شمع مسرت ضوفگن

عبید الرحمٰن غازیپوری

اسلام کی دعوت، وقت کا تقاضا ہے

اسلام سے پہلے اکثر و بیشتر مذاہب میں مذہب کا عام تصور یہ تھا کہ جس طرح انسان اپنی دنیا کی زندگی کو کامیابی سے گزارنے کے لئے بہت سے کام کرتا ہے، اسی طرح مذہب بھی انسانی زندگی کا ایک ضمیمہ ہے اور اس کا تعلق صرف اس رشتے سے ہے جو انسان اور اس کے معبود کے درمیان ہے، اس رشتے کو باقی رکھنے کے لئے چند مذہبی رسموں کا ادا کرنا کافی ہے تاکہ وہ بعد کی زندگی میں ذریعۂ نجات بن سکیں۔ دنیا کے کاموں میں انسان پورے طور پر آزاد ہے۔ اس کا تعلق اپنے نفس، دوسرے انسانوں اور دنیوی کاموں سے ایک الگ چیز ہے اور اس کا تعلق اپنے معبود سے ایک دوسری چیز، ان دونوں میں کوئی ربط وعلاقہ نہیں ہے۔ مذہب کے اس عام تصور کے علاوہ عیسائیوں اور یہودیوں کا ایک خاص طبقے میں مذہب کا تصور یہ تھا کہ جو انسان نجات کے بلند مرتبے حاصل کرنا چاہتا ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں کو چھوڑ دے، ان کا خیال یہ تھا کہ دنیوی زندگی میں دلچسپی لینے والا آخرت کے اونچے مدارج حاصل نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم نے اس قسم کی مذہبی زندگی کے لئے "رہبانیت" کا لفظ استعمال کیا ہے اور بتایا ہے کہ کچھ لوگ بلا وجہ خود کو ایسی غیر ضروری پابندیوں میں جکڑ لیتے ہیں جو خدا کی طرف سے ان پر لازم نہیں کی گئی تھیں۔ انسان اور اس کی فطرت کے خالق کو یہ بات معلوم نہ ہوتی تو اور کسے معلوم ہوتی کہ یہ کمزور اور ناتواں انسان اپنی زبان سے کچھ ہی کہا کرے، لیکن فطرت کے تقاضوں کو ٹھکرا کر وہ ایک کامیاب زندگی ہرگز ہرگز نہیں گزار سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں ہم کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی ہے جو فطرت انسانی سے ٹکراتی ہو، مذہب کا یہ غلط تصور انسانوں کو کسی زمانے میں بھی مذہب کی مفید تعلیمات سے صحیح طور پر روشناس نہ کرا سکا۔

مادیت کس طرح غالب آئی

مذہب کے حامیوں نے اعتدال ملحوظ نہ رکھا، اس لئے رہبانیت، تعصب، دنیوی ترقی اور لذات سے نفرت، غرض اسی قسم کی بہت سی باتوں کو مذہب کا ایک حصہ بنا دیا، اس کے برخلاف مذہب کو انسانی زندگی کا ضمیمہ کہنے والوں نے روحانیت کو جو کہ مذہب کا خاص جوہر تھی فنا کر دیا، اور مصلحت وقت کو دیکھ کر دنیا کے جس کام کو کرنا چاہا مذہبی جامہ پہنا کر کر ڈالا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مادیت غالب آ گئی، ہر قسم کے سیاسی ظلم و ستم ہوتے رہے، اقتصادی اور معاشرتی بے اعتدالیاں دل کھول کر کی گئیں اور مذہب ان سب باتوں کے ساتھ چلتا رہا، پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے، اور آج بھی اس متمدن دنیا میں یہی ہو رہا ہے اور اس قسم کے لوگوں کو جب کبھی کسی معاملے میں کوئی ناکامی ہوتی ہے تو وہ مذہب کو یہ کہہ کر بدنام کرنے لگتے ہیں کہ مذہبی پابندیوں کے ہوتے ہوئے دنیاوی ترقی مشکل ہے کیونکہ یہ ترقی کو روکنے والی ہے۔ پروفیسر محمد مجیب اپنی کتاب "دنیا کی کہانی" میں بڑے اچھے انداز میں یہ سمجھاتے ہوئے کہ اسلام انسان کو دنیاوی ترقی کی ترغیب دیتا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"اسلام نے پہلے مذہبوں کی طرح دین اور دنیا کو ایک دوسرے کا دشمن ٹھہرانے کی جگہ دین کو دنیاوی علم کا جوہر اور دنیا کو دین کا میدان عمل بتایا، مسلمانوں میں سارا علم کیا، خاص مذہبی علم بھی کبھی ایک فرقے یا طبقے یا ذات کے قبضے میں نہیں آیا، جو اسے اپنی جائداد سمجھتا اور دوسروں کو اس سے الگ رکھنے کی تدبیریں سوچتا۔ اس کے برخلاف یورپ میں ایک مذہبی علم ہی نہیں بلکہ سارا علم اور تعلیم حاصل کرنے کے تمام ذریعے صدیوں تک پادریوں کے ہاتھ میں رہے، ان کی تنگ نظری اور تعصب نے علم کو ترقی کرنے سے روکا اور عالموں کی قدم قدم پر مخالفت کی، اس لئے یورپ میں مذہب اور علم کے درمیان بڑی سخت لڑائی ہوئی اور روشن خیال آدمیوں کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ جب تک آدمی کے ذہن پر مذہب کا اثر ہو وہ علم حاصل نہیں کر سکتا اور حاصل بھی کرے تو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہے۔ یورپ والوں کے اس تعصب میں آج کل ہم لوگ بھی مبتلا ہو گئے ہیں، ہم نے بھی سمجھ لیا ہے کہ مذہب اور سائنس ایک دوسرے کی ضد ہیں، مذہب مشرق والوں کا حصہ ہے اور سائنس مغرب والوں کا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے اور اس کا اب تک رائج ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم نہ مذہب کو جیسا کہ چاہئے سمجھتے ہیں،

اور نہ سائنس کو۔" (دنیا کی کہانی صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۳)

اسلام میں عبادت کا مفہوم

اسلام کا مذہبی تصور یہ ہے کہ ایک انسان صبح سے شام تک جتنے کام کرتا ہے مثلاً کھانا، پینا، رہنا سہنا، تجارت زراعت، صنعت و حرفت، حکومت و سیاست، تعلیم و تعلّم، گھریلو زندگی میں عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک اور گھر سے باہر کی زندگی میں دوسرے انسانوں کے ساتھ برتاؤ، غرضیکہ اپنے تمام کاموں کو انجام دیتے وقت وہ اگر یہ نیت کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا جوئی کے لئے ہیں تو ان سب کا شمار عبادت میں ہوگا۔ عبادت کے اس وسیع مفہوم سے ناواقف ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ عبادت چند مخصوص اعمال کی ادائیگی کا نام ہے، جن کے ادا کرنے کے بعد انسان عبادت کے فرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے اور پھر اس کو اختیار ہے کہ دنیا کے دوسرے تمام کاموں میں وہ جو طریقہ چاہے اختیار کرے، پیغمبر اسلام نے جاہل عربوں کی بہت سی فضول رسموں کو چھڑا کر مذہب کا ایک ایسا فطری و عقلی تصور پیش کیا جس کا نام قرآن کریم میں اسلام بتایا گیا ہے۔

لغوی اعتبار سے اسلام نام ہے اس مذہب کا کہ جس میں اللہ کی مرضی اور اس کے حکم کو ہر چیز پر مقدم رکھ کر اس کی اطاعت کی جائے، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک بڑی آزمائش میں پورے اترنے اور سر تسلیم خم کر دینے کے بعد ہی مسلم کہلائے۔

پیغمبر اسلام نے اپنے قول اور عمل سے ثابت کر دیا کہ مذہب انسانی زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ہے اور انسانی دل و دماغ کو ایک ایسا نور بخشتا ہے جس کی مدد سے مذہبی تعلیمات پر عمل کرنے والا شخص "الصراط المستقیم" (سیدھے راستے) پر چلنے لگتا ہے اور حق و باطل میں آسانی سے فرق محسوس کرنے لگتا ہے۔ جب اسلام پوری زندگی کا لائحہ عمل اور پروگرام ہے تو یہ ضروری ہے کہ جس طرح وہ انسان کو ایک خالق کے احکام کی تعمیل کی طرف بلاتا ہے، اسی طرح یہ بتلائے کہ اس خالق کے احکام کی تعمیل کی طرف بلاتا ہے، اسی طرح یہ بھی بتائے کہ اس خالق کی تمام مخلوقات کے ساتھ انسان کا کیا برتاؤ ہونا چاہیئے تاکہ مخلوق کا رشتہ مخلوق سے بھی درست ہو کر ایک خالق سے بندھ جائے۔ اسلامی تعلیمات کا ذرا غور سے مطالعہ کرنے والا بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک پورے طور پر مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مخلوق سے برتاؤ نہ کرے اور زیادہ کھلے ہوئے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی نظریئے کے مطابق انسان کا تعلق خدا سے اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان کا تعلق انسان اور دوسری تمام مخلوقات سے درست نہ ہو جائے۔ لکھنے میں تو صرف یہ ایک سطر معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس میں انسان کی پوری اجتماعی زندگی آجاتی ہے جس کی تفصیل کے لئے غالباً سیکڑوں صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔ اسلام ایک خاص طریقۂ فکر اور ایک خاص طریقۂ عمل کا نام ہے اور ان دونوں سے مل کر اسلامی تہذیب و تمدن بنتا ہے، یہاں تمدن اور مذہب دو چیزیں الگ الگ نہیں ہیں، جو لوگ تمدن اسلام کا مطلب مسلمانوں کا تمدن سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ اس طرح سے اسلام کے صحیح خدوخال کبھی ان کے سامنے نہیں آسکتے۔

مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے ایک مقالے میں تمدن اسلام کا مطلب اس طرح واضح کیا ہے۔

"تمدن اسلام کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کسی ملک یا زمانے کی مسلمان آبادی نے اکٹھے ہو کر جغرافی، تاریخی، نسلی حالات کے ماتحت اپنے لئے کچھ دستور وضع کر لئے اور ان کا نام تمدن اسلام رکھ لیا، تمدن اسلام نام ہے اسلام کے تمدن کا، مسلمانوں کے تمدن کا نہیں۔"

اسی مقالے میں آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"تمدنِ اسلام صرف وہ تمدن و طرز زندگی ہے جو ثابت ہے قرآن پاک سے۔ اور سنتِ رسولؐ انام سے۔ اور یا پھر مستنبط ہوتا ہے انھیں دونوں سے، ائمہ مجتہدین و اکابر فقہاء کے قواعد و اصول سے۔"

اسلام کی غلط نمائندگی کا خراب اثر

اسلام کی صحیح تعلیمات سے اکثر مسلمان واقف نہیں، غیر مسلموں کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ تو اسلام ان باتوں کو سمجھتے ہیں جن کو مسلمان کرتے ہیں اور مسلمانوں کے کردار و گفتار سے ہی اسلامی تعلیمات کے اچھے یا برے، مفید یا غیر مفید ہونے کا اندازہ اور فیصلہ کرتے ہیں اور چاہئے بھی یہی تھا کہ مسلمان اسلام کی صحیح طور پر نمائندگی کرتے، اس کی تعلیمات سے صحیح واقفیت کے بعد ان پر عمل پیرا ہو کر بلا امتیاز مذہب و ملت تمام انسانوں بلکہ نسل انسانی کے لئے اپنے آپ کو مفید بناتے، اور اسلام کی قدر و منزلت لوگوں کی نگاہ میں بڑھاتے، مگر ہوا یہ کہ بہت سے غیر مسلموں کو یہ کہنا پڑا کہ جو اسلام مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے وہ تو ضرور قابل قدر ہے لیکن جو اسلام مسلمانوں میں نظر آتا ہے اس کو ہماری عقلیں قبول نہیں کرتیں۔

جب اسلام ایک ایسے طریقۂ فکر و عمل کا

نام ہے کہ جس میں انسان کو اپنے ہر کام میں خدا اور اس کے رسول کی مرضی کو مقدم رکھنا ضروری ہے تو اس کو سب سے پہلے یہ سمجھنا اور جاننا چاہئے کہ اس پر خالق کی طرف سے کیا ذمہ داریاں اور کیا کیا حقوق ہیں؟ اس کے بعد وہ ان لوگوں کے حقوق پہچانے جن سے اس کا واسطہ پڑتا رہتا ہے، وہ اس کے والدین اور بھائی بہن ہوں یا بیوی بچے یا اور نزدیک کے رشتہ دار، پڑوسی ہوں یا معاملہ دار، ہم مذہب ہوں یا غیر مذہب والے، دوست ہوں یا دشمن غرض ہر شخص کے ساتھ مناسب طور پر برتاؤ کرنا سیکھے، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انسانوں کے علاوہ حیوانوں اور کائنات کی ہر چیز سے استفادہ کرتے وقت اسلامی طریقۂ فکر و عمل کو پیش نظر رکھے کیونکہ اس کے دائرے میں فرد کی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملات سے لیکر جماعت کی زندگی کے بڑے سے بڑے معاملات آجاتے ہیں، وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ایک شخص کو کھانے پینے، وضع و قطع، پاکی و ناپاکی، دوسرے انسانوں سے تعلقات اور لین دین، غرض زندگی کے مختلف معاملات میں کن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ صراط مستقیم سے اس کا قدم نہ بہکنے پائے، اس کا فیصلہ بھی کرتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں کن کن باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے اور لوگوں سے تعلقات کن اصول کو سامنے رکھ کر پیدا کئے جائیں جن سے معیشت، معاملات، سیاست اور زندگی کے تمام شعبوں کو ترقی ہوتی رہی اور یہی اسلامی طریق فکر کا فیصلہ بھی کرتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کو انسان عقل کی مدد سے اپنے اور دوسرے انسانوں کے لئے مفید اور کارآمد بنائے، علم و تجربات کی روشنی میں ایجادات کرے تاکہ خالق کائنات کا حکیم و بصیر، علیم و خبیر ہونا اس پر پوری طرح منکشف ہو جائے۔ یہ ہے اسلام کا مذہبی تصور، جو انسان کی پوری زندگی کو خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، سیاسی ہو یا معاشی، گھیرے ہوئے ہے اور کسی قدم پر انسان ترقی میں روڑے نہیں اٹکاتا۔ کون نہیں جانتا کہ چھٹی صدی عیسوی یعنی زمانۂ جاہلیت کے مقابلے میں دنیا آج زندگی کے مختلف شعبوں میں کس قدر حیرت انگیز ترقی کر چکی ہے اور کر رہی ہے۔ لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ مذہب کا تصور ترقی یافتہ دماغوں میں آج بھی وہی ہے جو صدیوں پیشتر تھا۔ اسی غلط تصور نے لوگوں کو روحانیت سے دور کر کے مادیت کا پجاری بنا دیا ہے جس کے نتائج ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

مذہب اسلام دینی ترقی کے ساتھ ساتھ کس طرح دنیوی ترقی کی ضمانت کرتا ہے؟ اس کے جواب میں علامہ سید علی بلگرامی کی مشہور کتاب "تمدنِ عرب" کی چند سطریں کافی ہوں گی، جن کے پڑھنے سے صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ مشہور فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر لیبوکل کے اسلام کے بارے میں کیا تاثرات ہیں۔

"اسلام کا مکمل اور تمدنی اثر فی الواقع بے حد و بے پایاں ہے، زمانۂ جاہلیت میں عربستان کا ملک چھوٹے چھوٹے خود مختار صوبوں اور قبیلوں میں منقسم تھا، جو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑا کرتے تھے، ظہور پیغمبر اسلام سے ایک صدی کے اندر عربوں کا ملک دریائے سندھ سے اندلس تک پہنچ گیا اور ان تمام شہروں میں جہاں اسلامی پرچم جلوہ فگن تھا ایک حیرت انگیز ترقی نظر آتی تھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام وہ مذہب ہے جس کے اعتقادات کو مسائل علوم طبعی کے ساتھ پورا توافق ہے، اور ان اعتقادات کا خاصہ یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کو نرم کریں اور ہم میں نیکی اور انصاف اور دوسرے مذاہب کی رواداری پیدا کریں۔

اسلام اور اس کی تعلیمات کے بارے میں اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے علم تاریخ کے مبصر پروفیسر محمد مجیب لکھتے ہیں:-

"اسلام نے آدمی کو دنیا کی تمام نعمتوں کا حقدار مانا ہے مگر اعتدال پر بھی زور دیا ہے کہ یہ نعمتیں آدمی کو اپنا غلام نہ بنا لیں، علم حاصل کرنا، دنیا کی قدرتی دولت سے فائدہ اٹھانا اور زندگی کو ہر ممکن طریقے سے بہتر بنانا، یہ بھی ایسے کام ہیں جنھیں اسلام نے آدمیت کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور یہ سب ہے اس لئے کہ اسلام نے سمجھئے ایک ہی سانس میں انسان کو خدا کا بندہ بھی کہا ہے اور اسے دنیا کا بادشاہ بھی بنایا ہے، ایک ایسا بادشاہ جس کی شان فقیری میں ہے اور جس کی حکومت خدمت اور ایثار سے مستحکم اور مضبوط ہوتی ہے۔"

تہذیب تہذیب پکارنے والے شاید نہیں جانتے یا اگر جانتے ہیں تو قصداً نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ تہذیب کا لفظ انسانوں میں نفرت اور قومی عصبیت پیدا کرتا ہے، ان کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کی بجائے اور دور کر دیتا ہے کسی قدیم تہذیب کے مٹے ہوئے نشانات سے کسی ملک کی تعمیر نہیں ہو سکتی کیونکہ تہذیب میں ماحول کو بڑا دخل ہوتا ہے جو اس کو دوام اور ہمیشگی بخشنے نہیں دیتا۔ وہ خاص خاص حالات میں بڑھتی اور پلتی ہے اور قوم کے زوال کے ساتھ اس پر بھی زوال آجاتا ہے۔ تعمیر کے لئے تو صرف مذہب کی صحیح تعلیمات بنیاد بن سکتی ہیں۔ صحیح مذہب کی صحیح تعلیمات زندگی کے حدود کو متعین کر کے ان حدود کے اندر انسانی زندگی کو پھلنے پھولنے کا پورا پورا موقع دیتی ہیں۔ یونانیوں اور مصریوں کی وہ قدیم تہذیب کہ جس نے ان کو دنیا کی ترقی یافتہ

قوموں کی صف میں لاکھڑا کیا تھا، یہ ضروری نہیں ہے کہ آج بھی یونانی اور مصری لوگ اس کو زندہ کرکے مہذب قوموں کے امام بن جائیں۔

مذہب کے ہمہ گیر اصول

ہر آسمانی مذہب زندگی کے کچھ ہمہ گیر اصول رکھتا ہے جو ہر ملک و قوم اور زمانے کے لئے عام ہوتے ہیں، وہ باپ دادا کی اندھی تقلید کا بھی قائل نہیں ہوتا، اس کی تعلیمات عام انسانوں کی بھلائی چاہنے والی روح اپنے اندر رکھتی ہیں۔ صحیح اور سچے مذہب کی ایک بڑی پہچان یہ بھی ہے کہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے انسانوں کی سماجی زندگی کا معیار ہر اعتبار سے بلند ہوجاتا ہے، جس مذہب کی تعلیمات سے انسانوں میں باہم نفرت پھیلنے لگے اور تعلیمات پر عمل کے باوجود سماجی زندگی کا سدھار نہ ہوسکے اس کا شمار سچے مذاہب کی فہرست میں صحیح نہیں ہوسکتا۔ انسان خالق کائنات کا شاہکار ہے اور اس شاہکار کی فلاح اور ترقی کے لئے جو جو طریقے مفید ہوسکتے تھے وہ سب اس کو بتا دیئے گئے اور کہہ دیا گیا کہ اگر وہ ان بتائی باتوں پر عمل کرے گا تو اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی سکھ اور چین سے گزر جائے گی، خالق کائنات کو یہ بات پسند ہے کہ یہ دنیا اچھائی اور اچھے لوگوں سے آباد رہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ کوئی آسمانی مذہب اس قسم کی باتیں بتائے کہ جن سے انس و محبت کی بجائے نفرت و عداوت کی بو آتی ہو۔

اسلام کو انسانی جماعت کا مذہب قرار دیتے ہوئے بڑے دلکش انداز میں پروفیسر محمد مجیب لکھتے ہیں:

"اسلام ایک لمبے سلسلے کی آخری کڑی ہے وہ اپنے آپ کو اتنا ہی پرانا بتاتا ہے جتنا کہ آدمی اور اس کی انسانیت اور اتنا ہی تازہ جتنی کہ آج کی امنگیں، وہ اپنا رشتہ ہر قوم سے اور ہر قوم کے دینی رہنماؤں سے جوڑتا ہے، انسان کی فطرت اور اس کی عقل اسلام کی زمین ہے، انسان کا دل اور اس کے حوصلے اسلام کا آسمان، اس کی نظر کسی ایک زمانے کسی ایک حالت پر نہیں ہے بلکہ پچھلے اور آگے کے ہر زمانے اور ہر حالت پر وہ الگ الگ آدمیوں ہی کا نہیں، قوموں اور سماجوں کا مذہب ہے اور الگ الگ سماجوں ہی کا نہیں، پوری انسانی جماعت کا مذہب ہے۔ اسلام نے تاریخ سے قوت بھی حاصل کی اور سبق بھی لیا، اور یہی وجہ ہے کہ ہم اس میں نہ وہ انتہا پسندی دیکھتے ہیں جو انسانی زندگی کو کاٹ کر دین اور دنیا کے نام سے دو ٹکڑے کر دیتی ہے اور جذبۂ دینی کو شخصی مذاق اور رجحان کی سوکھی روٹی پر پالتی ہے، نہ روحانیت سے وہ بدگمانی پاتے ہیں جو عقل اور تجربے کے سوا ہدایت کے اور تمام ذریعوں کو چھوڑنے سے ترقی کے ہر رستے کو ایک بند گلی بنا لیتی ہے۔"

قرآن کریم نے اپنی تعلیمات کے بڑے مقصد یعنی انسانوں کی سماجی زندگی کے سدھار کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت جگہ عام انسانوں کو خطاب کیا ہے اور معمولی باتوں میں بھی اعتدال ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے، سب جانتے ہیں کہ کھانا پینا انسانی زندگی کے لئے کس قدر ضروری ہے لیکن اگر اس میں بھی اعتدال سے کام نہ لیا جائے تو تباہی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اسلام نے کھانے پینے کا ایک مختصر اور جامع قانون بنا دیا، وہ یہ ہے:-

"خوب کھاؤ پیو اور حد سے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو" (بیان القرآن)

اسراف کا مفہوم

اسراف نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مقرر کی ہوئی حد سے آگے نہ بڑھو، جس کھانے یا پینے کی چیز سے کسی فرد یا سماج کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اس کا شمار اسراف میں ہوگا مذہب اسلام نے جن چیزوں کے کھانے کی اجازت دی ہے ان کو نہ کھانا اور جن کے نہ کھانے کا حکم دیا ہے ان کو کھانا، یہ بھی اسراف ہے یعنی حلال کو حرام کر دینا اور حرام کو حلال کر دینا، خدائی قانون کی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔ کوئی شخص جائز و ناجائز کی تمیز کئے بغیر دوسروں کا مال کھانے لگے، اس کو بھی اسراف کہا جائے گا، کوئی شخص "خوب کھاؤ پیو" کا غلط مطلب سمجھ کر اتنا کھا پی جائے کہ بیمار ہوجائے یا مر جائے تو اسراف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ انسان اتنا کھائے کہ مر جائے یا بیمار ہوجائے اور سماج اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اپنی ہی دولت کوئی شخص کھانے پینے یا دوسروں کو کھلانے میں اتنی بیدردی سے صرف کرے کہ چند دنوں کے بعد فاقے کی نوبت آجائے، اس کا شمار بھی اسراف میں ہوگا، کفایت شعاری کے خیال سے اتنا کم خرچ کیا جائے کہ اہل و عیال کا پیٹ نہ بھرے اور وہ بھوکے رہ جائیں۔ ایسا کرنا یقیناً خدائی قانون کی حد سے بڑھ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس قسم کے بہت سے کلی اصول بتائے گئے ہیں اور عمل کرنے والوں کو میانہ روی اور حدود اعتدال سے آگے نہ بڑھنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ وہ ان پر عمل کرکے سماج کے بہتر افراد بن سکیں، مذہب اسلام کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کی آسمانی کتاب کا ایک بڑا حصہ

ان فضائل وآداب پر مشتمل ہے کہ جن پر عمل کرکے ایک انسان صحیح معنی میں انسان بن سکتا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ایک مضمون "مذہب یا تہذیب کس کی دعوت صحیح ہے؟" کا کچھ اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ مذہب کو چھوڑ کر محض تہذیب کے سہارے انسان ایک کامیاب زندگی نہیں گزار سکتا" اور اسلامی نقطۂ نظر سے مذہب اور تہذیب دو چیزیں الگ الگ نہیں ہیں۔

"دعوت اور جدوجہد کی چیز دراصل صحیح اور غیر فانی مذہب ہے۔ جس کو اللہ کے پیغمبر ہر ملک اور ہر دور میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری اور دائمی طور پر لے کر آئے، انھوں نے اس کے ذریعے سے انسانوں کو دنیا اور آخرت کی فلاح کا پیغام دیا، خالق سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا، توحید خالص کا سبق پڑھایا، حساب کتاب کی اخروی زندگی کا منتظر بنایا، نیکی اور بدی کے معین حدود بتائے، اور اخلاق ومعاشرت وحقوق باہمی کے وہ بے خطا اصول وضوابط عطا کئے جن پر ہر دور میں حیات انسانی کی تنظیم ہوسکتی ہے اور مدنیت صالحہ وجود میں آئی ہے، ان کے احکام پر عمل کرنے سے خود بخود ایک زندگی پیدا ہوتی ہے جو افراط وتفریط اور ہر طرح کی بے اعتدالیوں سے پاک ہوتی ہے، ایک معاشرہ قائم ہوتا ہے جو امن وسکون، اطمینانِ قلب، اشتراک وتعاون اور اعتدال وتوازن کا بہترین نمونہ ہوتا ہے، اس کی بنیادیں ٹھوس لیکن اس کی فضا وسیع ہے، اس میں فولاد کی طرح بیک وقت صلابت اور لچک دونوں موجود ہیں، یہ وہ زندگی اور معاشرہ ہے جس پر کسی قوم ونسل کی چھاپ اور کسی قومیت اور وطنیت کا ٹھپہ نہیں یہ انسانیت کی دولت مشترکہ ہے جس میں کسی قوم اور ملک کی اجارہ داری نہیں، اس سے نہ چین کو انکار ہوسکتا ہے نہ ہندوستان کو عار، نہ ایران کے لئے وحشت کی کوئی وجہ ہے، نہ یورپ کے لئے گریز کی کوئی راہ، پرامن اور کامل زندگی کے لئے اس کے سوا کوئی نمونہ ہی نہیں۔

آپ کا جی چاہے تو آپ اس زندگی کو بھی تہذیب کہہ سکتے ہیں جو ان عقائد واحکام سے وجود میں آئی ہے لیکن آپ اس کو عربی تہذیب یا ایرانی تمدن نہیں کہہ سکتے، اس کو کسی ملک اور قوم اور اس کے طرز تعمیر اور فنون لطیفہ سے دلچسپی نہیں اور وہ کسی قومی تمدن یا ملکی تہذیب کی نمائندہ اور وکیل نہیں، ہر ملک میں اس کا تجربہ کیا جاسکتا ہے اور ہر قوم اس کو اپنا سکتی ہے، مٹ جانے والے تمدنوں پر اس کی بنیاد نہیں، ایمانیات وعقائد اور غیر متبدل حقائق پر اس کی بنیاد ہے جو نبی دنیا میں لے کر آئے اس لئے اس کے مٹنے اور دوبارہ زندہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے

حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسم افلاطوں

اس کے لئے علاحدہ دعوت واحیاء کی ضرورت نہیں، اسلام کی دعوت اس کی دعوت ہے اور یہ دعوت ہر وقت زندہ وتابندہ ہے" (ماہنامہ الفرقان نومبر ۱۹۷۹ء)

قارئین کرام توجہ فرمائیں

عید الفطر کی تعطیل کی وجہ سے ۲۵ فروری و ۱۰ مارچ ۱۹۹۵ء کا شمارہ ۹، ۱۰ مشترکہ شائع ہورہا ہے جسکی قیمت ۱۰ روپیے ہے نیز تعطیل کی وجہ سے خطوط کے جوابات ودیگر دفتری کارروائی تاخیر سے ہوگی (منیجر)

ٹی وی ویڈیو اور تبلیغ اسلام

مولانا محبوب الرحمٰن ازہری

دور حاضر میں الیکٹرانک میڈیا کا استعمال ذرائع ابلاغ میں یقیناً بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے اور اس کے ذریعہ سے مغرب نے اسلام کے خلاف کافی زہر پھیلا رکھا ہے اس حقیقت سے آنکھیں بند کرنا خود فریبی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے ساتھ ہی ذہن میں یہ بھی رکھا جائے کہ ہمارے اسلامی معاشرہ کی فضا اتنی مسموم ہو چکی ہے کہ ہم اب آیات قرآنیہ اور احادیث کو صرف قصۂ پارینہ ہی نہیں تصور کرتے بلکہ تفریحاً بھی اس طرف متوجہ نہیں ہوتے بلکہ جب ایسا موقع آتا ہے تو ہم سوئچ آف کر دیتے ہیں اور لہو ولعب میں لگ جاتے ہیں ہم اس کو (تلاوت وغیرہ) صرف ذریعہ بناتے ہیں اصل مقصد (نغمہ وسرود) تک پہونچنے کے لیے۔ ہم سب اس بات سے واقف ہیں کہ گھر کے افراد ریڈیو ٹی وی وغیرہ کی طلب میں بھی حکمت پیش کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے قرآن سنیں گے اور خبریں معلوم ہو سکیں گی اور اور جب وہ گھر میں داخل ہو جائے تو پھر اس کا مصرف صرف نغمہ وسرود، لہو ولعب پر کان لگانا اور اس سے محظوظ ہونا رہ جاتا ہے اگر کبھی ہنگامی حالات ہوں تو خبروں کی طرف توجہ کی جاتی ہے ورنہ اس سے بھی بے خبر ہو جاتے ہیں۔ انیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں مکہ معظمہ میں تھا اور سعودی حکومت کو حجاز میں داخل ہوئے صرف ایک دہائی گزری تھی اور شاہ عبدالعزیز کا عہد حکومت تھا۔ حجاز میں ریڈیو تو کیا فوٹو گراف رکھنا بھی جرم تھا اور جس کے یہاں فوٹو گراف ملتا تھا اس کو کوڑے لگائے جاتے تھے اور فوٹو گراف کو توڑ پھوڑ کر جلا دیا جاتا تھا۔ لوگ چوری چھپے مصر سے ریکارڈ لاتے تھے جو اس وقت کے مشہور گانے کے ہوتے تھے اور ان کو گھروں میں بند کمروں میں لے جاتے تھے اور بہت مخصوص احباب کو دعوت دیتے تھے۔ اور جب ریڈیو پہونچا تو اس وقت کی مشہور مصری مغنیہ ام کلثوم کو سننے کے لیے احباب کا مجمع ہوتا تھا ہر ماہ ایک مخصوص شب میں اس کا پروگرام مقرر تھا میرا حجازیوں سے تعلق تھا تو مجھے بھی حاضری کا موقع ملتا تھا اگرچہ میرا ذوق غنا وسرود سے بالکل عاری ہے اور اپنی زندگی میں کبھی بھی مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہوئی بلکہ غنا کے ساتھ مضمون (شعر) میرے پلے ہی نہیں پڑتا پھر بھی احباب کی خاطر جاتا تھا اور نیند کے بہانے دو گھنٹے کے بعد بھاگ آتا تھا یہ مجلسیں یقیناً پوشیدہ ہوتی تھیں اور اظہار سے بچا جاتا تھا ورنہ سزا کا اندیشہ تھا۔ یہ حالت تھی حجازی ذوق کی اور لوگ اس کی تسکین کے لیے کوشاں رہے مگر شاہ عبدالعزیز کا دور تھا اور کوئی لہو ولعب کے لیے زبان نہیں کھول سکتا تھا۔ یاروں کی کوششوں سے راستہ نکالا گیا۔ کہ خاص وقت پر جب کہ مصر سے قرأت نشر ہو رہی تھی شاہ کے برابر والے کمرہ میں ریڈیو کھول دیا گیا اور تلاوت کی آواز پر فوراً ہی شاہ دوزانو ہو گئے اور استغراق کے ساتھ سننے لگے (واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا) پر فوراً عمل پیرا ہو گئے۔ ختم ہونے کے بعد پوچھا کون قاری صاحب ہیں ان کو ہمارے سامنے لاؤ تو لوگوں نے کچھ معذرت کے بعد ظاہر کیا کہ یہ قاری یہاں نہیں مصر میں ہیں ان کا شوق دیکھ کر بتلایا گیا کہ ایک آلہ ہے جو دور کی آواز کو دوسرے علاقوں میں پہونچاتا ہے۔ شاہ نے کہا کہ ایسا آلہ تو ہمارے لیے ضرور ہونا چاہیے اس کو منگوایا جائے لوگوں نے کہا اس کی اجازت نہیں ہے شاہ نے جوش میں کہا اس کو کون روک سکتا ہے؟ اور فوراً اس کی درآمد کے احکام جاری کر دیئے گئے۔ اب کیا تھا کھلم کھلا ریڈیو آنے لگے اور حجازیوں کا ذوق شعر ونغمہ سیر ہونے لگا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ شر کو خیر کے توسط سے کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اب بھی ٹی وی پر عربوں کو مقامی وعظ ونصیحت سے کہیں زیادہ مصری فلمیں اور ڈراموں کا شوق ہے بلکہ اب تو امریکی فلمیں (جن میں فحش فلمیں بھی شامل ہیں) ٹی وی پر دیکھی جاتی ہیں اور شب بیداری عام معمول ہو گئی ہے دو بجے تین بجے رات کو سوتے ہیں۔

میں خود سخت مخالف تھا اور مجھے بہت چارہ ڈالا گیا کہ ٹی وی دیکھوں پاکستان میں میرے عزیز تھے اتفاق سے رمضان کا مہینہ تھا مجھ سے برابر اصرار کیا جاتا کہ قرآن سنوں وغیرہ میں انکار کرتا رہا یہاں تک کہ ختم قرآن کے دن تو مجھے انکار کرنے پر طعن بھی کیا گیا بہر حال میں اس پر قائم رہا کیونکہ شاہ عبدالعزیز کا واقعہ میرے ذہن میں تھا۔ اور بعد میں ایک ضرورت سے لاہور جانا ہوا وہاں مجھے ایک عزیز کے یہاں

(باقی ص۔۔ پر)

عید کے دن یاد رکھنے کی باتیں

ڈاکٹر عبدالحئی صاحب

عیدین کے اعمالِ مسنونہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں عیدوں میں غسل کرنا ثابت ہے۔ حضرت خالدؓ بن سعدؓ سے مروی ہے کہ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ عید الفطر، یوم النحر، یوم عرفہ میں غسل فرمایا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن خوبصورت اور عمدہ لباس زیب تن فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سبز و سرخ دھاری دار چادر شریف اوڑھتے تھے یہ چادر یمن کی ہوتی تھی جسے بُرد یمانی کہا جاتا ہے وہ یہی چادر ہے عید کے لیے زیب و زینت کرنا مستحب ہے مگر لباس مشروع ہو۔ (مدارج النبوۃ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ روز عید الفطر عیدگاہ جانے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرماتے تھے۔ ان کی تعداد طاق ہوتی تھی۔ یعنی تین، پانچ، سات وغیرہ (بخاری، طبرانی)

عید الاضحیٰ کے دن نماز سے واپس آنے سے پہلے کچھ نہ کھاتے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ عید الفطر کو بغیر کچھ کھائے نہ نکلتے اور عید الاضحیٰ کو بغیر کچھ کھائے نکلتے جب تک کہ نماز عید نہ پڑھ لیتے اور قربانی نہ کر لیتے نہ کھاتے۔ پھر اپنی قربانی کے گوشت میں سے کچھ تناول فرماتے۔ (جامع ترمذی، ابن ماجہ، مدارج النبوۃ)

عیدگاہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ نماز عید عیدگاہ (میدان) میں ادا فرماتے تھے (مسلم، بخاری)

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید کے لیے میدان میں نکلنا مسجد میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس فضل و شرف کے جو آپ کی مسجد شریف کو حاصل ہے، نماز عید کے لیے عیدگاہ (میدان) میں باہر تشریف لے جاتے تھے لیکن اگر کوئی عذر لاحق ہو تو جائز ہے۔ (ابوداؤد، مدارج النبوۃ)

عیدین میں بکثرت تکبیر کہنا سنت ہے۔ (طبرانی)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اپنی عیدوں کو بکثرت تکبیر سے مزین کرو۔ (طبرانی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تک پاپیادہ تشریف لے جاتے (سنن ابن ماجہ)

اور اس پر عمل کرنا سنت ہے بعض علما نے مستحب کہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید الفطر میں تاخیر فرماتے اور نماز عید الاضحیٰ کو جلد تر پڑھتے۔ (مدارج النبوۃ، مسند شافعی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عیدگاہ میں پہنچ جاتے تو فوراً نماز شروع فرما دیتے نہ اذان، نہ اقامت، اور نہ الصلوٰۃ جامعہ وغیرہ کی ندا، کچھ نہ ہوتا۔

تکبیرات عیدین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں اختلاف ہے اور مذہب حنفیہ میں مختار یہ ہے کہ تین تکبیریں رکعت اول میں قرأت سے پہلے اور تین تکبیریں دوسری رکعت میں قرأت کے بعد ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے اور جب نماز سے فارغ ہوتے تو کھڑے ہو کر خطبہ فرماتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس راہ سے عیدگاہ تشریف لے جاتے اس راہ سے واپس تشریف نہ لاتے بلکہ دوسرے راستے سے تشریف لاتے۔ (بخاری، ترمذی، مدارج النبوۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتباع سنت کی شدت کے باعث طلوع شمس سے قبل گھر سے نہ نکلتے اور گھر سے نکلتے ہی عیدگاہ تک تکبیر کہتے رہتے۔ (ابوداؤد، زاد المعاد)

اور آپؐ اور آپؐ کے صحابہ جب عیدگاہ میں پہنچتے تو نماز عید سے قبل کوئی (نفل وغیرہ) نہ پڑھتے اور نہ بعد میں پڑھتے اور خطبے سے پہلے نماز شروع کرتے۔ اس طرح آپ عیدین میں دو رکعتیں ادا کرتے۔

پہلی رکعت میں تکبیریں ختم فرما لیتے تو قرأت شروع فرماتے، سورۂ فاتحہ پھر اس کے بعد سورہ ق والقرآن المجید ایک رکعت میں پڑھتے اور دوسری رکعت میں اقتربت الساعۃ وانشق القمر پڑھتے، بسااوقات آپ دو رکعتوں میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ہل اتاک حدیث الغاشیۃ پڑھتے (زاد المعاد) لیکن یہ سورتیں متعین نہیں دوسری بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

خوشی منانا:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سال میں دو دن خوشی

منایا کرتے تھے اب اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر تم کو دو دن عطا فرمائے ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور ارشاد فرمایا کہ یہ ایام کھانے پینے اور باہم خوشی کا لطف اٹھانے اور حق کو یاد کرنے کے ہیں
(شرح معانی الآثار)

تذکیر و موعظت:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز مکمل فرمالیتے تو فارغ ہونے کے بعد لوگوں کے مقابل کھڑے ہوجاتے لوگ صفوں میں بیٹھے ہوتے تو آپ ان کے سامنے وعظ کہتے، وصیت کرتے اور امر و نہی فرماتے اور اگر لشکر بھیجنا چاہتے تو اسی وقت بھیجتے یا کسی بات کا حکم کرنا ہوتا تو حکم فرماتے، عیدگاہ میں کوئی منبر نہ تھا۔ (جس پر چڑھ کر وعظ فرماتے ہوں) نہ مدینہ کا منبر یہاں لایا جاتا بلکہ آپ زمین پر کھڑے ہوکر تقریر کرتے (زاد المعاد)

نیز مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے دن نویں تاریخ فجر کی نماز سے لیکر ایام تشریق کے آخری دن (تیرھویں تاریخ) کی نماز عصر تک اس طرح تکبیریں کہتے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ
اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ
وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ (زاد المعاد)

نمازِ عید کی ترکیب:- نماز اس طرح شروع کرے کہ قبلے کی طرف منہ کرکے امام کی اقتدا میں اللہ اکبر کہتے ہوئے رفع یدین کرے اور ہاتھ باندھ لے۔ پہلی رکعت میں سبحانک اللّٰھم پڑھنے کے بعد قرأت سے پہلے ہاتھ کانوں تک اٹھا کر اللہ اکبر کہے اور ہاتھ چھوڑ دے، دوسری بار پھر کانوں تک ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے اور ہاتھ چھوڑ دے، تیسری بار بھی اسی طرح ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے۔ اور پھر ہاتھ باندھ لے اور قرأت شروع کرے۔ باقی پوری رکعت تمام نمازوں کی طرح ادا کرے دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرأت کے بعد امام کی اقتدا میں تین تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرے اور ہاتھ چھوڑ دے۔ چوتھی بار جب امام اللہ اکبر کہے تو تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلا جائے اس کے بعد باقی نماز عام نمازوں کی طرح پوری کرے۔ (بہشتی گوہر)

عید کی نماز بغیر اذان و اقامت کے صرف دو رکعت ہے۔ (مسلم)

عیدگاہ میں نماز سے پہلے یا بعد میں نفلوں کا پڑھنا منع ہے۔

جس کی نماز با جماعت فوت ہوجائے وہ اکیلا نماز عید نہیں پڑھ سکتا۔ اس کے لیے جماعت شرط ہے۔ البتہ اگر کئی آدمی ہوں تو دوسری جماعت کرلینا واجب ہے۔ (بہشتی گوہر)

عید کا خطبہ

بعد نماز دو خطبے پڑھے اور دونوں خطبوں کے درمیان اتنی دیر بیٹھے جتنی دیر جمعہ کے خطبے میں ہوتی ہے۔

خطبے میں تکبیر:

عیدین کے خطبے میں پہلے تکبیر سے شروع کرے اول خطبے میں نو مرتبہ اللہ اکبر کہے۔ دوسرے میں سات مرتبہ (بہشتی گوہر)

عید الفطر میں راستہ میں چلتے وقت آہستہ تکبیر کہنا مسنون ہے اور عید الاضحیٰ میں آواز بلند کہنا چاہئے۔ (بہشتی گوہر)

صدقۂ فطر کا وجوب

ہر مسلمان عاقل آزاد (ہر مرد و عورت) پر واجب ہے جبکہ وہ مالک نصاب ہو یا مساوی مالک نصاب ہو خواہ نقدی کی شکل میں یا ضرورت سے زیادہ سامان کی شکل میں ہو یا مال تجارت ہو، رہائش کے مکان سے زائد مکان ہو اپنی طرف سے اور اپنے ان نابالغ بچوں کی طرف سے جو اس کے زیر کفالت ہوں۔ نصف صاع یعنی پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت ادا کریں۔ صدقۂ فطر نماز عید الفطر سے پہلے ادا کرنا سنت ہے۔
(بہشتی گوہر)

صدقۂ فطر:- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا کہ مکہ مکرمہ کے گلی کوچوں میں منادی کردیں کہ صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام چھوٹا ہو یا بڑا دو مُد (تقریباً دو سیر) گیہوں یا اس کے سوا ایک صاع (ساڑھے تین سیر سے کچھ زیادہ) غلہ کا۔

شوال کے چھ روزے:-

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال کے چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہوگا۔ (صحیح مسلم، معارف الحدیث)

دعائے مغفرت

مدرسہ دین اسلام (جواہر نگر ڈالی گنج) کے رکن جناب حاجی محمد رفیع اللہ صاحب کا یکم فروری ۱۹۹۵ء کو بعد نماز تراویح حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے علماء کا بہت احترام کرتے تھے مرحوم کی تدفین بارہ بنکی موضع سہال کے قبرستان میں ہوئی۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

عید کے مسائل

س:۔ نماز عیدین سے قبل نوافل پڑھنا کیسا ہے؟

ج:۔ نماز عیدین سے قبل نوافل عیدگاہ میں جاکر پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے البتہ جانے سے پہلے اور گھر واپس آکر پڑھنے میں اختلاف ہے لیکن مفتی بہ قول یہ ہے کہ جانے سے پہلے گھر میں بھی نہ پڑھے ہاں واپس آکر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

س:۔ اگر کوئی شخص عیدین کی نماز میں ایسے وقت شریک ہو کہ امام تکبیروں سے فراغت حاصل کرچکا ہے تو اب وہ کیا کرے؟

ج:۔ اگر کوئی شخص عیدین کی نماز میں قیام میں آکر شریک ہو تو فوراً نیت باندھ کر تکبیر کہہ لے۔ اگرچہ امام قرأت شروع کرچکا ہو اور اگر رکوع میں شریک ہوا ہو اور غالب گمان ہو کہ تکبیروں سے فراغت کے بعد امام کا رکوع مل جائے گا تو نیت باندھ کر تکبیر کہہ لے اس کے بعد رکوع میں جائے ورنہ نیت باندھنے کے بعد رکوع میں چلا جائے اور وہاں بجائے تسبیح کے تکبیریں کہے لیکن حالت رکوع میں تکبیریں کہتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے اور پوری تکبیریں کہنے سے پہلے امام سر اٹھالے تو یہ بھی کھڑا ہو جائے بقیہ تکبیریں اس کے لیے معاف ہیں۔

س:۔ اگر کسی کی ایک رکعت عیدین کی نماز میں چھوٹ جائے تو وہ جب اس کو ادا کرے گا تو کس طرح ادا کرے؟

ج:۔ اگر کسی کی ایک رکعت عیدین کی نماز میں چھوٹ جائے تو جب وہ اس کو ادا کرے گا تو پہلے قرأت کرے اس کے بعد تکبیر کہے۔

س: نماز عیدین کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرنا کیسا ہے؟

ج:۔ ملاقات کے وقت سلام، مصافحہ اور معانقہ مشروع ہے، بس اگر اسی وقت کسی سے ملاقات ہو تو اس سے سلام مصافحہ اور معانقہ کیا جاسکتا ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ لوگ گھر سے آتے ہیں عیدگاہ میں پہلے مل چکے ہوتے ہیں پھر بھی نماز کے بعد سلام، مصافحہ اور معانقہ کرتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو غلط سمجھتے ہیں اس التزام کی وجہ سے کتب فقہ میں مذکور ہے کہ نماز کے بعد سلام، مصافحہ اور معانقہ ممنوع ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ بدعت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین سے اور ان کے بعد ائمہ دین اور اسلاف امت سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

س:۔ کیا نماز عید کا شہر سے باہر جاکر میدان میں ادا کرنا مسنون ہے؟

ج:۔ ہاں یہ مسنون ہے کہ نماز شہر سے باہر نکل کر میدان میں ادا کی جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر نکل کر میدان میں عید کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے اگر بارش ہوتی تو مسجد میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عید کے روز بارش ہو رہی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مسجد ہی میں عید کی نماز پڑھائی۔ (ابوداؤد، نسائی)

س:۔ کیا عیدگاہ پیدل جانا مسنون ہے؟

ج:۔ ہاں! عیدگاہ پیدل جانا مسنون ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدل ہی جایا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ پیدل جایا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ)

حمد

نسیم نورانی

جلوہ ترا خدایا کون و مکاں میں پایا
معبود تو خدایا معبود تو خدایا
ہر شاخ ہر شجر میں برگ و گل و ثمر میں
تیرا ہی جلوہ میں نے ہر گلستاں میں پایا
معبود تو خدایا معبود تو خدایا
ہر انجمن میں تو ہے ہر اک چمن میں تو ہے
صحن حرم میں دیکھا کوئے بتاں میں پایا
معبود تو خدایا معبود تو خدایا
وسعت فلک کی دیکھی پستی زمیں کی دیکھی
جاری کرم کا دریا سارے جہاں میں پایا
معبود تو خدایا معبود تو خدایا
توصیف کر نہ پائی اب تک زباں میری
یہ حوصلہ نہ میں نے اپنی زباں میں پایا
معبود تو خدایا معبود تو خدایا
کوشش نسیم کی تھی اک حمد پاک لکھے
ناکام خود کو اس نے اس امتحاں میں پایا
معبود تو خدایا معبود تو خدایا

ایک مطالعہ

تاریخ دعوت و عزیمت جلد

قسط سوم

پروفیسر وصی احمد صدیقی

حضرت مولانا نے اب تک جن بزرگوں کا حال بیان کیا ہے وہ یقیناً اپنے زمانہ کی مایہ ناز ہستیاں ہیں اور جن کو ہم بڑی آسانی سے چاند اور ستاروں سے تشبیہ دے سکتے ہیں مگر ان چاند ستاروں کی روشنی سے صرف اہل علم کے در و دیوار روشن ہو رہے ہیں. معتزلہ۔ خلق قرآن۔ اشعریت۔ فلسفۂ یونان باطنیت اور اس نمونہ کی دوسری باتیں صرف خواص کے علم کی چیزیں ہیں۔ حضرت مولانا کے طرز بیان نے جسے فلسفیانہ انشاء کہا جا سکتا ہے. ان حقائق کو جذبات سے ملا کر ایک ایسی شکل دیدی ہے جو دل میں درد کرتی ہے اور اس طرح انھوں نے ایک عامی کا تعلق ان خواص سے پیدا کر دیا ہے. یہ تفرات جیتے جاگتے انسان نظر آنے لگے ہیں اور ان کے آنسو فرشتوں کے نہیں بلکہ انسان کے آنسو لگتے ہیں. اس تصنیف کی افادیت اس بات سے بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور اس کے لکھنے والے مورخ اور سوانح نگار کی بے مثال ہنرمندی سامنے آتی ہے. مگر اب حضرت مولانا ایک ایسی ہستی کے خوش آمدید کے لیے اپنی آغوش وا کر رہے ہیں جو علم اور روحانیت دونوں کے مرکز بھی ہیں اور محیط بھی.

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہ گزر میں خاک نہیں (غالب)

اب حضرت مولانا کی عبارت کے انداز اور لب و لہجہ میں ہلکا سا فرق آ گیا ہے اور آہنگ میں ایک بے حد تازگی اور غنائی تاثر پیدا ہو گیا ہے حضرت مولانا شیخ عبدالقادر جیلانی کے ذکر پر آتے ہیں اور پڑھنے والے کو ایک آشنا بستی کا سفر کراتے ہیں.

ہر طالب علم نے اپنے بچپن میں وہ قصہ ضرور پڑھا ہوگا جس میں ڈاکوؤں نے ایک قافلہ کو لوٹتے وقت ایک بچہ سے پوچھا تھا کہ تمھارے پاس کیا ہے اور اُس نے کہا چالیس درہم جو اس کی صدری میں اس کی ماں نے سی دیئے تھے اور جسے ڈاکو تلاشی لینے میں پا نہیں سکے تھے یہ پوچھنے پر کہ تم نے کیوں یہ بات بتائی اُس نے جواب دیا کہ میری ماں نے کہا تھا کہ کبھی جھوٹ نہ بولنا. یہ قصہ حضرت مولانا نے بیان نہیں کیا ہے. مگر خود اپنے بچپن کی یاد میں میں نے اسے بیان کر دیا ہے۔ معافی طلبی کے ساتھ.

جب تک یہ کتاب نہیں پڑھی تھی حضرت شیخ کو ایک بے مثال روحانی شخصیت. ایک ولی کامل کی حیثیت سے جانتا رہا. یہ علم میں نہ تھا کہ حضرت ایک زبردست محدث۔ فقیہ اور معلم بھی تھے اور راہ طریقت کے یہ زبردست رہنما شریعت کے ماہر کامل تھے ظاہر ہے طریقت تو شریعت ہی کا ایک حصہ ہے. حضرت شیخ کے مواعظ از دل خیزد بر دل ریزد کی بین مثال ہیں. کہیں خطیبانہ انداز نہیں. حقائق کے بیان میں گہرے جذبات کا ایک سیلاب بہتا ہے جو حضرت کے باطنی تقاضوں اور فکری زاویوں سے بھرپور ہوتا ہے اور جذبہ کے بیان میں رگ جاں کو چھونے والے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے.

حضرت شیخ کی کرامات کی کثرت پر مورخین کو اتفاق ہے. یہ حد تواتر کو پہونچ گئی تھیں۔ مولانا نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ کی سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی تھی. کسی شخص کی آپ سے بڑھ کر دین کی وجہ سے تعظیم ہوتے نہیں دیکھی گئی کوئی حضرت شیخ سے بڑھ کر فراخ حوصلہ۔ کریم النفس رقیق القلب اور محبت و تعلق کا پاس کرنے والا نہ تھا. آپ مستجاب الدعوات تھے.

آپ کی اثر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ ہر مجلس میں لاکھوں یہودی اور عیسائی اسلام قبول کرتے تھے اور بے شمار گناہ گار توبہ کرتے تھے. حضرت شیخ کی تمنا تھی کہ صحراؤں اور جنگلوں میں رہیں۔ نہ مخلوق انھیں دیکھے اور نہ وہ اُسے دیکھیں. لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع مقصود تھا. آپ بے مثال ذہین تھے۔ تین طلاقوں کے سلسلے میں آپ کے کچھ نکات ذہانت اور ذکاوت کی بہترین مثالیں ہیں. ایک مرتبہ خواب میں حضرت نے دیکھا کہ ایک عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی اور اس میں ایک صورت نظر آئی۔ اس نے کہا اے عبدالقادر میں تمہارا رب ہوں میں نے تمہارے لیے سب محرمات حلال کر دیئے. حضرت نے فرمایا دور ہو مردود اور وہ صورت دھواں بن گئی اور ایک آواز آئی اے عبدالقادر خدا نے تم کو تمہارے علم اور تفقہ کی وجہ سے بچا لیا ورنہ اس طرح میں

ستر صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ توحید کے سلسلے میں حضرت نے ایک وعظ میں فرمایا کہ بندہ اپنے مالک اور آقا کے فضل کے سوا نہ کچھ دیکھتا سنتا ہے نہ کچھ سوچتا سمجھتا ہے۔ اگر دیکھتا ہے تو اس کی صنعت، سنتا ہے تو اس کا کلام اور جانتا ہے تو اس کے علم سے۔

حضرت شیخ نے مسلمانوں کے باہمی افتراق۔ خانہ جنگی اور دشمنی کو اپنی آنکھ سے دیکھا ان کے سوزِ دروں نے ان کو پوری ہمت وطاقت اور اخلاص کے ساتھ وعظ وارشاد۔ دعوت و تربیت۔ اصلاح نفوس اور تزکیہ قلب کی طرف متوجہ کیا۔ حضرت شیخ کے مواعظ دلوں پر بجلی کا اثر کرتے تھے اور وہ تاثیر آج بھی آپ کے کلام میں موجود ہے۔ آپ کے کلام میں بیک وقت شوکت وعظمت بھی ہے اور دل آویزی اور حلاوت بھی فرماتے ہیں: "اس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے۔ اس کے سامنے رہو جو تمھارے سامنے رہتا ہے۔ اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے۔ اس کی بات مانو جو تم کو بلاتا ہے اپنا ہاتھ اسے دو جو تم کو گرنے سے سنبھال لے گا۔"

"بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوا اللہ سے پاک بنایا اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے اور توحید و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہے۔"

شکستہ دلوں کی تسکین اس طرح حضرت نے فرمائی ہے۔

"اے خالی ہاتھ فقیر۔ اے وہ جس سے وہ تمام دنیا برگشتہ ہے۔ اے گمنام۔ اے بھوکے پیاسے ننگے جگر جھلسے ہوئے۔ اے ہر مسجد و خرابات سے نکالے گئے ہر در سے پھٹکارے ہوئے۔ اے وہ کہ ہر مراد سے محروم خاک پر پڑا ہے۔ مت کہہ کہ خدا نے مجھے محتاج کر دیا۔ دنیا کو مجھ سے پھیر دیا۔ مجھے پامال کر دیا۔ چھوڑ دیا اے فقیر خدا نے یہ برتاؤ تیرے ساتھ اس لیے کیا کہ تیری سرشت مثیل ریگ زمین کی طرح بے ریت ہے اور رحمتِ حق کی بارشیں تجھ پر ہو رہی ہیں۔ صبر و رضا۔ علم و ایمان اور توحید کے انوار ترے گرداگرد ہیں۔ تیرے ایمان کا درخت اپنی جگہ پر مضبوط ہے۔"

شیخ نے فرمایا۔

"دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز۔ جیب میں رکھنی جائز۔ کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز باقی قلب میں رکھنا جائز نہیں۔ دروازہ پر اس کا کھڑا ہونا جائز باقی دروازوں سے آگے گھسنا نہ جائز ہے نہ تیرے لیے عزت ہے۔"

دین کے لیے حضرت کی دلسوزی اور فکر مندی

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے بہ پے گر رہی ہیں اور اس کی بنیاد بکھری جا رہی ہے۔ اے باشندگان زمیں آؤ اور جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کر دیں اور جو ڈھ گیا ہے اس کو درست کریں۔ یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی۔ اے سورج۔ اے چاند اور اے دن تم سب آؤ۔"

حضرت کا وجود اس مادیت زدہ زمانے میں اسلام کا ایک زندہ معجزہ تھا۔ اور ایک بڑی تائید الٰہی۔

ایک طویل مدت تک دنیا کو اپنے کمالاتِ ظاہری و باطنی سے مستفید کر کے اور عالم اسلام میں روحانیت اور رجوع الی اللہ کا عالمگیر ذوق پیدا کر کے ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی رضی اللہ عنہ وارضاہ

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کے بعد حضرت مولانا ایک یگانۂ روزگار مفسر محدث۔ مصنف اور خطیب کے حالاتِ زندگی اور کارناموں کو بیان کرتے ہیں جن کا اسم گرامی عبدالرحمن ابن جوزی ہے تاریخ اسلام ایک دلچسپ قصہ سناتی ہے کہ علامہ ابن جوزی نے اپنے ہاتھ سے مرویاتِ حدیث کی اتنی کتابت کی کہ قلم کی اتنی کترن اور برادہ جمع ہو گیا تھا کہ ان کی وصیت کے مطابق انتقال کے بعد ان کے غسل کا پانی اسی کو جلا کر گرم کیا گیا تھا اور پھر بھی وہ بچ رہا تھا۔ ان کا محبوب مشغلہ ہر فن کی کتابیں پڑھنا تھا۔ صید الخاطر میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی نئی کتاب نظر پڑ جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دفینہ ہاتھ آگیا۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے شمار کیا تو ابن جوزی کی تالیف ہزار تک پہنچیں۔ علامہ نے فرمایا ہے کہ ہر حدیث کے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ صحیح ہے یا حسن یا محال۔ ان کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ چشم بینا اور دلِ بیدار رکھتے تھے اور تعلق مع اللہ کو سرمایہ زندگی سمجھتے تھے ان کی خاص صفت ان کی عالی ہمتی تھی۔ کسبِ کمالات اور جامعیت کا شوق تھا۔ ان کی رائے تھی کہ انسان سب سے بڑی ابتلا اس کی بلند ہمتی ہے لیکن خود ان کی عالی ہمتی کا عجیب معاملہ تھا۔ وہ علم کا وہ درجہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں تک ان کو یقین تھا۔ پہنچ نہیں سکیں گے ان کا جی چاہتا تھا کہ ان میں بشر حافی کی احتیاط اور معروف کرخی کا زہد جمع ہو جائے جو تصانیف کے مطالعہ۔ عامۃ الناس اور بندگان خدا کو تعلیم وافادہ اور ان کے ساتھ رہنے سہنے کے مشاغل کے ساتھ مشکل تھا۔

علامہ ابن جوزی کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کے انقلاب انگیز مواعظ اور مجالس درس

ہیں۔ اپنے مجالس وعظ میں بدعات اور منکرات میں کھل کر تردید کی۔

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے ان کی تصنیفات بے شمار ہیں جن میں خاص کتاب الموضوعات ہے جس میں انھوں نے ان حدیثوں کی حقیقت بیان کی ہے جس سے اس زمانہ کے اہل ہوئی یا ضعیف الحلم متصوفین استدلال کرتے تھے۔ دوسری تلبیس ابلیس ہے جو ان کی نقاد طبیعت اور سلفی ذوق کا نمونہ ہے۔ اپنے زمانہ کے اُن علماء پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" ان کا سارا انہماک فقہ کے مسائل اور جزئیات میں ہے۔ انھوں نے اپنے فن میں اُن چیزوں کو شامل نہیں کیا ہے۔ جن سے قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے مثلاً قرآن مجید کی تلاوت۔ حدیث اور سیرت کی سماعت اور صحابہ کرام کے حالات کا مطالعہ اور بیان سب جانتے ہیں کہ محض ازالہ نجاست۔ اور ماء متغیر کے مسائل کے بار بار دہرانے سے قلوب میں نرمی اور خشیت نہیں پیدا ہو سکتی۔

ابن جوزی نے عوام کی اور دولت مندوں کی ذہنیت پر بہت صحیح تبصرہ کیا ہے۔ عوام کو خلاف شرع کام کرنے والے پیروں اور گانے بجانے والے صوفیوں سے عقیدت ہوتی ہے۔ علامہ نے ان کا مغنیات سے مقابلہ کیا ہے۔ اُنکو شیطان نے یہ بھی جُل دے رکھا ہے کہ مجلس وعظ میں حاضری اور گریہ و بکا اُن کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ اسی طرح دولت مندوں کے نیک کام کا مقصد ریا اور شہرت ہوتی ہے۔

صید الخاطر میں علامہ نے اپنے قلبی تأثرات بے تکلف خیالات۔ زندگی کے تجربات اور منتشر افکار و حوادث قلمبند کیئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے واقعات اور روز مرہ کے مشاہدات سے بڑے بڑے نتائج نکالے ہیں۔ علامہ کی فصاحت و بلاغت اور حسن خطابت پر مورخین کا اتفاق ہے انھوں نے اپنی ساری صلاحیتوں اور خدا کی بخشی ہوئی طاقتوں کو اصلاح پر لگا دیا۔ ان کا انتقال بغداد کی تاریخ میں ایک یادگار دن تھا۔ ہر طرف غم کے آثار اور گریہ کی آوازیں بلند تھیں۔

اب اس کتاب میں جید علماء اور مشائخ کے بیان میں آخری ذکر شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کا آتا ہے جو ساتویں صدی کے نادرۂ روزگار شخصیت تھے جن کے متعلق شیخ جمال الدین بن الحاجب کا قول ہے کہ فقہ میں اُن کا پایہ امام غزالی سے بلند ہے ان کی وجہ سے بدعات کا ازالہ ہوا۔ جو بے حد رائج ہو گئی تھیں۔

شیخ عزالدین حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کسی بادشاہ یا امیر کے دربار میں جانے کو سخت ناپسند کرتے تھے سلطان الملک اشرف نے اپنے مرض الموت میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی، شیخ نے فرمایا کہ عیادت افضل عبادت ہے۔ تشریف لے گئے۔ سلطان نے اپنے گذشتہ قصوروں کی معافی چاہی فرمایا کہ روزانہ سونے سے پہلے اللہ کے بندوں کو اپنی طرف سے معاف کر دیتا ہوں، جس نے معاف کیا اور صلح جوئی کی پس اُس کا اجر اللہ سے وابستہ ہے

الملک الاشرف کے جانشین نے فرنگیوں سے دوستانہ تعلق پیدا کیا شیخ کی طبیعت پر بادشاہ کی اس بے حمیتی کا بُرا اثر ہوا اور انھوں نے بادشاہ کے لیے خطبہ میں دعا ترک کر دی۔ شیخ ایک عرصہ تک گرفتار رہے پھر وہ دمشق سے بیت المقدس منتقل کر دیئے گئے بادشاہ کی ایما پر ایک امیر نے کہا کہ آپ بادشاہ سے ذرا نیاز مندانہ مل لیں اور ہاتھ کو بوسہ دیدیں تو آپ کے سارے عہدے آپ کو واپس مل جائیں گے۔ شیخ نے جواب دیا۔ ارے نادان میں تو اس کا بھی روادار نہیں کہ بادشاہ میرے ہاتھ کو بوسہ دے۔ لوگو تم کسی اور عالم میں ہو اور میں کسی اور عالم میں۔

مصری افواج آئیں بادشاہ کو شکست ہوئی۔ فرنگی افواج قتل و غارت ہوئیں اور شیخ صحیح و سلامت مصر روانہ ہوئے۔ فرنگی فوجیں ایک مرتبہ منصورہ پہنچ گئیں شیخ نے مسلمانوں کے ساتھ جہاد کیا۔ اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

تاتاری جب مصر کا رُخ کر رہے تھے تو شیخ نے بادشاہ کو ہمت دلائی۔ فرمایا کہ تم اپنی بیگمات کے زیورات اور امرا اپنی بیگمات کے زیورات حاضر کریں اس سے سکّے ڈھلوائے جائیں اور وہ لشکر میں تقسیم ہوں جنگ کے مصارف پورے ہوئے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ان کے عظمت اور رعب و داب کی ایک انتہائی مثال ہے کہ انھوں نے امرائے سلطنت کا نیلام کیا اور قیمت وصول کر کے مصارف خیر میں لگائے۔ شیخ اپنے علم و فضل۔ وقار و ہیبت کے ساتھ بڑے کریم النفس۔ فیاض اور مخیر تھے۔ اُن کی اہلیہ نے ایک زیور دیا کہ بیچ کر ایک باغ خریدیں۔ انھوں نے ساری رقم خیرات کر دی۔ اہلیہ نے فرمایا جزاک اللہ۔

شیخ کی وفات ۸۳ سال کی عمر میں ہوئی۔ اُمرائے دربار۔ ارکان سلطنت۔ افواج شاہی جنازہ میں شریک ہوئیں۔ سلطان نے خود کاندھا دیا اور دفن میں شریک ہوا۔

علماء اور مشائخ کے ذکر کے بعد اب اُن مجاہدین کا ذکر آتا ہے جن کے نام ہی سے واقعہ معراج ذہن میں آجاتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف۔ اب سلطان نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوّبی سامنے آتے ہیں۔ بچپنے میں مجھے تاریخی ناولیں پڑھنے کا بہت شوق تھا ان میں بہت سی ناولیں صلیبی جنگوں سے متعلق تھیں اسی زمانے سے سلطان صلاح الدین ایوّبی ایک بے مثال شجاع مجاہد اور ایک بے حد رحم دل

انسان کی شکل میں ذہن میں بسے رہے دنیا کی تاریخ میں ایسے سپہ سالاروں کی مثالیں کم ملیں گی جن میں یہ صفات اکٹھی ہوں. خاص طور پر عیسائی تاریخ میں جہاں کسی جرنل کا فتح یا نامفتوحین کے قتل عام اور انتہائی غیر انسانی سلوک سے وابستہ رہا ہے.

یورپ کے مورخین اور خاص طور پر تاریخی ناولیں لکھنے والے جیسے والٹر اسکاٹ وغیرہ کو داد دی جائے گی کہ سلطان کی عظمت کے سامنے انھوں نے گھٹنے ٹیکے. اور ہمیشہ انھیں ایک زبردست جرنل. ایک بہادر ہیرو اور ایک انتہائی نیک دل اور شریف آدمی کی حیثیت سے پیش کیا. شاید یہ اُن کی مجبوری بھی تھی کیوں کہ وہ واقعاتی شہادت کو جھٹلا نہیں سکے.

میں نے ابھی جس عیسائی تاریخ کا ذکر کیا ہے خود بیت المقدس اُس کا گواہ ہے ۱۰۹۹ء میں جب عیسائیوں نے یروشلم فتح کیا اس کے بعد کیا گزری اس کا ذکر ایک ذمہ دار مسیحی مورخ اس طرح کرتا ہے.

• ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر میں سوار ہو کر گئے گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے. بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیواروں سے دے مارا گیا. یہودی کُل کے کُل اپنے ہیکل میں زندہ جلا دیئے گئے.

یہ وہ زمانہ تھا جب مسیحیوں کے حوصلے اتنے بڑھ چکے تھے کہ ریجی نالڈ والی کرک نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا. اور روضۂ اطہر کے متعلق اہانت آمیز کلموں اور ارادوں کا اظہار کیا سلجوقی سلطنت موت کرب میں ہاتھ پیر مار رہی تھی اس وقت عالم اسلام کے افق پر ایک ستارہ طلوع ہوا. عماد الدین زنگی نے عراق اور شام میں اپنی طاقت مستحکم کی اور الرہا پر قبضہ کر کے فرات کی وادی کو عیسائیوں سے محفوظ کر دیا. یہ ایک غلام کے ہاتھ سے شہید ہوئے ان کا بیٹا نورالدین زنگی سلطانِ شام بیت المقدس کی بازیافت کے لیے اپنے کو مامور من اللہ سمجھتا تھا. اس نے طرابلس کے ڈیوک کو دیگر مشہور و معروف نائٹوں کے ساتھ گرفتار کیا. فلسطین کے پورے علاقے کو صلیبیوں سے صاف کر دیا.

بیت المقدس کی بازیافت اس کے سپہ سالار صلاح الدین ایوبی کی قسمت میں تھی ابن جوزی نے لکھا ہے کہ نورالدین زنگی نے کچھ اوپر پچاس شہر کفار کے قبضہ سے آزاد کیے. ابنِ خلکان نے لکھا ہے کہ نورالدین زنگی ایک مصنف. زاہد. عابد. متقی اور پابند شریعت سلطان تھے. جہاد فی سبیل اللہ کا خاص اہتمام رکھتے تھے. بڑے بڑے مدارس تعمیر کروائے.

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد نورالدین سے بہتر سیرت رکھنے والا اور اُن سے زیادہ عادل سلطان میرے نظر سے نہیں گزرا.

حصن الاکراد کے معرکے میں عیسائیوں کے اچانک حملہ کر دینے سے انھیں شکست ہوئی لیکن انھوں نے اسلامی ریاستوں کے امرا اور حکام کو پر اثر خطوط لکھے. لوگوں میں جوش جہاد پیدا ہوا اور انھوں نے عیسائیوں کی متحدہ طاقتوں کو شکست دے کر حارم پر قبضہ کر لیا.

سلطان صلاح الدین ایوبی کو ان کی مرضی کے خلاف نورالدین زنگی نے مصر بھیجا تھا سلطان کے معتمدِ خاص قاضی بہاء الدین نے لکھا ہے کہ.

سلطان نے ان سے کہا کہ. بہت سی باتیں جن کو انسان ناپسند کرتا ہے اُس میں خیر ہوتی ہے یہ بھی فرمایا کہ جب خدا نے مجھے مصر دیا تو میں سمجھا کہ فلسطین بھی مجھے اللہ دینے والا ہے.

مختلف جنگی انتظامات کے بعد حطین کی فیصلہ کن جنگ ہوئی اور جس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی مسیحی لشکر کے چیدہ جواں مرد قید کر لیے گئے. گائی یروشلم کا بادشاہ. اس کا بھائی شیطان ریجی نالڈ. ہمفری. تقریباً فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کی قید میں تھے.

ایک انگریز مورخ کے زبان سے آپ وہ واقعہ سُنیں جو سلطان کی غیر معمولی شرافت اور بے پناہ دینی حمیت کی آئینہ دار ہے.

سلطان نے اپنا خیمہ لڑائی کے میدان میں نصب کرایا. قیدی سامنے لائے گئے. بادشاہ گائی اور ریجی نالڈ دونوں اندر آئے. سلطان نے بادشاہ یروشلم کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور اسے پیاسا دیکھ کر برف میں سرد کیا ہوا پانی کا کٹورا دیا. بادشاہ نے پانی پیا اور کٹورا ریجی نالڈ کو دیدیا. سلطان ناخوش ہوا اور ترجمان سے کہا بادشاہ سے کہو میں نے اس شخص کو پانی نہیں دیا ہے. ریجی نالڈ جب خیمہ میں داخل ہوا تھا کھڑا تھا. سلطان نے اُس سے کہا سُن میں نے تجھے قتل کرنے کی قسم دو مرتبہ کھائی تھی. ایک مرتبہ جب تو نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر حملہ کرنا چاہا. دوسری مرتبہ جب تو نے دھوکے اور دغا بازی سے حاجیوں کے قافلہ پر حملہ کیا. دیکھ میں انتقام لیتا ہوں تلوار نکالی اور اپنے ہاتھ سے قتل کیا.

بادشاہ گائی لرز گیا سلطان نے اطمینان دلایا کہ بادشاہوں کا یہ دستور نہیں کہ بادشاہ کو قتل کریں. اس شخص نے بار بار عہد شکنیاں کی تھیں. اب جو کچھ گزر گیا گزر گیا.

حطین کی فتح کے بعد وہ مبارک موقع جلد آ گیا جس کی سلطان کو بے حد آرزو تھی. یعنی بیت المقدس کی فتح. اسی سال ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو سلطان بیت المقدس میں داخل ہوئے یہ وہی تاریخ تھی جس تاریخ کو آنحضرت صلعم کو معراج ہوئی تھی ۹۰ برس بعد یہ قبلۂ اول

سلام کی تولیت میں آیا۔ نورالدین زنگی مرحوم نے بڑے اہتمام اور بڑے صرف سے منبر بنوایا تھا۔ سلطان نے حلب سے یہ منبر منگوایا اور اسکو مسجد اقصٰی میں نصب کیا۔

سلطان نے اس موقع پر مفتوحین کے لیے جس عالی ظرفی۔ دریا دلی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ صلیبیوں کی وحشیانہ حرکتوں کا یہ عجیب کنٹراسٹ تھا۔ سرکار دو عالمؐ کے اس امتی نے فتح مکہ کے دن حضور کے اُس برتاؤ کی یاد دلا دی جو مغلوب دشمنوں کے ساتھ اس ذاتِ پاک نے رکھا تھا۔

بیت المقدس کی فتح اور حطین کی ذلت آمیز شکست سے یورپ میں غیض و غضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ سارا یورپ شام کے چھوٹے سے ملک پر ابل پڑا۔ یورپ کے تمام مشہور جنگ آزما بادشاہ اور سپہ سالار قیصر۔ فریڈرک۔ رچرڈ۔ انگلستان کے بادشاہ۔ فرانس۔ صقلیہ۔ آسٹریا۔ برگنڈی اپنی آہن فوجوں کے ساتھ اُمنڈ آئے۔ اس بہادر نے اکیلے ان کا مقابلہ کیا۔ پانچ برس کی خون آشام جنگوں کے بعد رملہ پر صلح ہوئی۔ ایسی صلح جس میں ساحل مکہ کی مختصر سی پٹی کے علاوہ ساری مملکت سلطان کے زیرنگیں تھی۔

یہ بہادر ستاون سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اُن کی موت کا حال قاضی بہاؤالدین نے لکھا ہے ایسی موت جو اللہ کے کسی مقبول بندے کی ہوسکتی ہے۔

سلطان کا دوسرا کارنامہ عبیدی حکومت کا زوال تھا۔ سنّت کا فروغ ہوا۔ جا بجا مدارس قائم ہوئے۔ اور اسلام کی ذلت کا دور بھی ختم ہوا۔ تاریخ اسلام صلاح الدین کے کارناموں کو فراموش نہیں کرسکتی۔

جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

(جاری)

اعلان

مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ لکھنؤ

(شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء)

میں جدید داخلے ۱۱ رشوال سے ۲۰ رشوال ۱۴۱۵ھ تک جاری ہوں گے۔ مدرسہ میں اطفال تا پنجم عربی درجات۔ عالیہ اولیٰ اور شعبہ حفظ و قرأت قائم ہیں۔

طالب علم کے ماہانہ مصارف (جس میں تعلیمی فیس، طعام فیس، بجلی وغیرہ شامل ہیں) دو سو روپیہ ہیں۔

ناظم مدرسہ

(مولانا) سید اسحاق حسینی ندوی

(بقیہ)

اسلام کا کردار ....

اسی تمدن کے علمبرداروں کا یہ حال ہے کہ انھوں نے امریکہ میں سیاہ فام انسانوں کا اس بنیاد پر قتل عام کیا کہ وہ ان کی جنس سے نہیں تھے، اسی طرح ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے ذریعہ انسانی بستیوں اور گل و گلزار شہروں کو خاک کے ڈھیر میں تبدیل کردیا جاتا ہے، کہیں مسلسل جنگ و پیکار کے شعلے بھڑکتے ہیں کہیں کسی فریق کو بلکہ اقلیت کو قربانی کا بکرا بنایا جاتا ہے۔ کہیں اہل سیاست کی چالبازیوں کے فسانے ہیں جس کے نتیجہ میں نہ جانے کتنی انسانی جانیں مفت ضائع ہوتی ہیں۔ کہیں تو مسلمانوں کو بالکلیہ مٹانے کی گھناؤنی سازشیں رچی جارہی ہیں، کہیں مسلمانوں کی عبادت گاہوں کا مسئلہ ہے۔ کیا ان واضح حقائق کے بعد بھی یہ سمجھا جائے گا کہ دور جدید کے لوگوں کو انسانی جانوں سے پیار اور محبت ہے؟۔

اعلان ملکیت و دیگر تفصیلات فارم نمبر ۴ رول نمبر ۸

مقام اشاعت:۔ مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء۔ بادشاہ باغ۔ لکھنؤ

مدت اشاعت:۔ پندرہ روزہ

مدیر مسئول:۔ شمس الحق ندوی

قومیت:۔ ہندوستانی

پتہ:۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

پرنٹر پبلشر کا نام:۔ شاہد حسین

قومیت:۔ ہندوستانی

پتہ:۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مالک کا نام:۔ مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

میں شاہد حسین تصدیق کرتا ہوں کہ متذکرہ بالا امور میرے علم و یقین سے صحیح ہیں۔

چیچنیا تاریخ کے آئینہ میں ماضی و حال

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

ایک ہفتہ سے قوقاز کے چھوٹے سے مسلمان ملک چیچنیا پر روسیوں کی بمباری جاری ہے، اس چھوٹی سی مسلمان مملکت کے پایۂ تخت گروزنی اور اس کی بھی امن پسند سویلین آبادی اس وحشیانہ مسلسل بمباری کا نشانہ ہے جس کے بارے میں ہم اخباروں میں پڑھ رہے ہیں اور ٹیلی ویژن پر اس ظالمانہ و بہیمانہ جارحیت کے آثار تباہ شدہ مکانات و عمارات اور زخمی و مردہ انسانوں کی شکل میں دیکھ رہے ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی مظلومیت پر کفِ افسوس مل رہے اور ان کی بربادی پر کڑھ رہے ہیں۔

آخر یہ چیچن کون ہیں؟ ان کی تاریخ کیا ہے....؟ ان کا کردار کیا ہے....؟ اس سب کے بارے میں ہماری معلومات تقریباً صفر ہیں۔ ہماری صحافت میں جو چند مضامین شائع ہوئے ہیں ان سے ان سوالات کا پورا جواب نہیں ملتا، کیوں کہ ان میں زیادہ تر حالیہ واقعات اور سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ زیر نظر مضمون میں کوشش کی گئی ہے کہ چیچنیا کی اسلامی تاریخ اور اس کی مجاہدانہ تحریک و کردار کو کسی قدر تفصیل سے پیش کیا جائے۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدی سے جو یورپین استعمار اسلامی ممالک پر مسلط ہوا تھا اس نے ہم کو ہماری تاریخ سے غافل کر دیا ہے، ہم سے بیشتر لوگ عام لوگ نہیں بلکہ وہ جن کو تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے یورپ و امریکہ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے بارے میں تفصیلی علم رکھتے ہیں، لیکن مغرب کے ثقافتی استعمار کی وجہ سے جو ہنوز قائم ہے، اپنے ہم مذہب مسلمان ممالک کی تاریخ سے بڑی حد تک ناواقف ہیں اور مزید افسوس اس بات کا ہے کہ مسلم ممالک کی اعلیٰ تنظیم او آئی سی نے بھی اس بارے میں افسوسناک غفلت سے کام لیا ہے اور عمومی سطح پر دنیا کے مختلف مسلم ممالک کی تاریخ اور ان کے روابط کو متعارف کرانے کی کوشش نہیں کی ہے۔

بھلا ہو اس تازہ روسی جارحیت کا کہ اس نے کم از کم ہم کو جھنجھوڑ کر بیدار کیا اور اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی طرف متوجہ کیا، جس طرح تین سال قبل ہم پہلی مرتبہ بوسنہ وہرسک (بوسنیا ہرزیگوینا) کی اسلامی شخصیت سے واقف ہوئے ورنہ اس سے قبل ہم صرف یوگوسلاویہ کو جانتے تھے اور اس سے قطعاً ناواقف تھے کہ اس یوگوسلاویہ کے اندر ایک قدیم مسلم ملک بوسنیا بھی ہے، یہی نہیں ہم قدیم وسیع و عریض اسلامی ملک ترکستان (قدیم ماوراءالنہر) کو بھی بھول چکے تھے جو اسلامی تہذیب وعلوم کا ایک بڑا مرکز رہا تھا۔ اور ستر سالہ روسی تسلط کی وجہ سے ہم اس کو سوویت روس کا ایک حصہ سمجھتے تھے، لیکن بھلا ہو جہاد افغانستان اور افغانیوں کی قربانی کا جنہوں نے سوویت یونین کو شکست وریخت سے دوچار کیا اور اس ہی کے نتیجے میں دوبارہ ترکستان کو حیات نو ملی۔ دنیا کے نقشہ میں وسطی ایشیا کی پانچ مسلمان جمہوریتیں نمایاں ہوئیں، بوسنیا کا اسلامی تشخص نمودار ہوا۔ اور اب آخر میں چیچنیا کی اسلامی حیثیت ہمارے سامنے نمودار ہوئی ہے جس کے بارے میں ہم متجسس ہیں، اور جس کے لیے ہمارے دل دھڑک رہے ہیں۔

میری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

مغرب کے ثقافتی استعمار کی ستم ظریفی یہ ہے کہ اگر چہ ہم ان گزشتہ ہفتہ دو ہفتوں میں چیچنیا کی اسلامی حیثیت سے واقف ہوئے ہیں، لیکن ابھی تک ہمارے بعض صحافی اس کو روس کا ایک علاقہ سمجھ رہے ہیں جہاں مسلمانوں کی ایک آبادی ان کی جارحیت کا شکار ہوئی ہے تو سب سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے ذہنوں کو اس بارے میں صاف کریں اور اس حقیقت سے واقف ہوں کہ جغرافیائی، نسلی، تہذیبی اور دینی غرض کسی اعتبار سے چیچنیا روس کا کوئی حصہ نہیں، نہ قوقاز کے دوسرے علاقے جن کو روس نے بزور اپنے روسی فیڈریشن کی اکائیاں بنا رکھا ہے، کسی بھی اعتبار سے اس کا کوئی جزو ہیں۔

قف قازیا قوقاز (کاکیشیا) جس کو عربی ماخذ میں قف قاس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کو ایک عام آدمی بھی کوہ قاف کے نام سے جانتا ہے اور ایشیا کا حصہ ہے۔ یہاں قدیم زمانے سے جو اقوام آباد ہیں ان کا روس سے کوئی تعلق نہیں، اس انتہائی بلند پہاڑ کے جنوبی اور شمالی علاقوں میں مختلف جنگجو قبائل آباد ہیں جن کا ذکر گیارہ بارہ سو سال قبل لکھی ہوئی عربی جغرافیہ کی کتابوں میں موجود ہے اور ان میں قدیم ترین ماخذ خلافت عباسیہ کے ایک اہم عہدہ دار اور مصنف ابن خرداذبہ (وفات ۳۰۰ھ) کی کتاب "المسالک والممالک" ہے انہی قبائل میں سے آوار، لازر، بلکاز، آلان، انگش، ایدیگی، چرکس (عربی سرکش) وغیرہ کے ساتھ چیچن (عربی شاشان) بھی ایک قبیلہ کا نام ہے، جس کے نام پر روسی کمیونسٹوں نے روسی انقلاب (۱۹۱۷ء) کے بعد سن ۱۹۳۴ء میں ایک داخلی طور پر خود مختار جمہوریت چیچنیا انگوشیا تشکیل دی اور اس طرح چیچنیا کا نام وجود میں آیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مشہور لبنانی مورخ وزعیم امیر شکیب ارسلان کے قول کے مطابق انقلاب روس سے قبل شمالی وجنوبی قوقاز وسیع علاقہ گرجستان (جورجیا) داغستان (عرب طاغستان) اور ملک چرکس (عربی شرکس) کے نام سے موسوم تھا لیکن روس نے جس طرح ماوراء النہر یا ترکستان میں وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی غرض سے وہاں ازبکستان، ترکمانستان تاجکستان وغیرہ کی پانچ جمہوریتوں کو جنم دیا اسی طرح انھوں نے قوقاز یا قف قاسیا میں جورجیا، داغستان چیچنیا، انگوشیا، کباردیا، بلکاریا، کرلچای، ادیگا، اوستی نیا الشمالیہ اور اوستی نیا جنوبیہ کی آٹھ خود مختار اور نیم خود مختار جمہوریتوں کو قائم کیا۔ ان میں سے گرجستان یا جورجیا وجنوبی اوستی نیا کے علاوہ باقی سب چھوٹی چھوٹی جمہوریتوں میں مسلمان غالب اکثریت میں ہیں یہ قدیم سے اسلامی تہذیب کے حامل ہیں، اور اگرچہ نسلی اعتبار سے ان میں قدرے اختلاف ہے لیکن ان میں ترکی لسانی اثرات نمایاں ہیں خاص طور پر مغربی قوقاز کی جمہوریتوں میں جو طویل زمانہ تک عثمانی سلطنت کا حصہ رہی ہیں۔

اس لیے امریکی انتظامیہ کا یہ کہنا کہ چیچنیا اٹھارہویں صدی کے وسط سے روس کا ایک حصہ ہے اور اس لیے یہ حقیقتاً روس کا ایک داخلی معاملہ ہے (نیوز ویک ۲۶ر دسمبر) تاریخ کے ساتھ ایک مذاق اور مغربی سامراجی ذہن کی عکاسی ہے، دانستہ طور پر تاریخی حقائق سے منھ موڑنے کی امریکن پالیسی کی حد یہ ہے کہ امریکی حکومت نے اپنے اس بیان میں چیچنیا کے مسئلہ کو لاس اینجلس کے فسادات سے تشبیہ دی ہے اس میں ہماری امریکہ نواز حکومت کے لیے ایک تازیانہ عبرت ہے۔

چیچنیا کی اسلامی تاریخ

چیچنیا سے متصل قوقاز کا جنوبی علاقہ یعنی موجودہ جورجیا وارمینیا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں یعنی سن ۱۸ھ سے ۲۴ھ تک مسلمانوں کے زیر سایہ آچکا تھا۔ یہی نہیں بلکہ چیچنیا سے مشرق میں متصل شمالی قوقاز کا وہ علاقہ جو تقریباً دو سو سال سے داغستان (یعنی کوہستان، داغ یا طاغ بہ معنی کوہ) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کا مشہور شہر دربند (عربی باب الابواب) بھی دو صحابیوں حضرت سراقہ بن عمر اور حضرت سلمان بن ربیعہ الباہلی کی مشترکہ کوششوں سے اسلام کے زیر نگیں ہو گیا تھا (یہی وہ علاقہ ہے جہاں ان دنوں روسی ظالمانہ حملے کے بعد چیچنیا کے بوڑھے اور عورتیں وبچے پناہ لے رہے ہیں اور جس کی حدود کو بند کرنے میں روسی حکومت اب تک ناکام رہی ہے) اس علاقہ قوقاز کی فتح میں بعض دوسرے صحابہ کرام یعنی عبدالرحمن بن ربیعہ، بکیر بن عبداللہ اللیثی حبیب بن مسلمہ، حذیفہ بن اسید کا ذکر بھی عربی تواریخ میں آتا ہے، ان میں سے بہت سے صحابہ باب الابواب یا دربند میں مدفون ہیں، یہ قدیم شہر داغستان کے مشرقی حصہ میں بحر خزر یا کیسپین کے کنارے آج بھی آباد ہے۔ اس کے بعد سے یہ علاقہ خلافت راشدہ اور پھر اموی عباسی خلافت کے زیر نگیں رہا۔ حضرت عثمانؓ اور پھر اموی عہد میں خلیفہ اموی ہشام بن عبدالملک کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کے ہاتھوں سن ۱۰۵ھ میں یہاں مزید فتوحات ہوئیں، ہزارہا عرب خاندان یہاں آباد ہوئے اس کے بعد سے عربی زبان یہاں عام ہو گئی، جس کے آثار روسی انقلاب تک وہاں نمایاں تھے۔ روسیوں نے اور خاص طور پر کمیونسٹوں نے وہاں جس طرح عربی اور ترکی زبانوں کو مٹانے کی کوشش کی ہے یہ الگ داستان ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قدیم اسلامی تواریخ جیسے بلاذری کی فتوح البلدان اور تاریخ طبری وغیرہ میں اس علاقہ کی فتوحات کا ذکر ارمینیہ کی فتوحات کے ضمن میں آتا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت ایران کے شمال اور ترکی مغرب میں ارمینیہ کی وسیع عیسائی مملکت قائم تھی اور قوقاز کے کچھ پہاڑی علاقے اس کے تابع تھے اور مغربی وشمالی سمت میں کچھ علاقے بیزنطینی سلطنت کے تابع تھے، بحر کیسپین یا خزر کے مغربی سواحل پر مملکت خزر تھی اس کے علاوہ شمالی قوقاز میں چھوٹی چھوٹی قبائلی ریاستیں تھیں جن کا ذکر یہاں باعث طوالت ہوگا۔ لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر قبائلی ریاستیں صلح کے ذریعہ خلافت اسلامی کی باج گذار ہو گئی تھیں اور داخلی طور پر آزاد تھیں، شمالی قوقاز کے علاقہ میں قوموق (KOMOK) پہلا قبیلہ تھا جس نے خود ہی اسلام قبول کیا۔

سن ۲۴۷ھ تک قوقاز کا یہ علاقہ عباسی خلافت کے تابع تھا پھر اس کے بعد سن ۴۶۴ھ تک مشرقی قوقاز میں ایک مسلمان خاندان بنی سناج کی حکومت رہی پھر بیزنطینی حکومت کے تعاون سے عیسائیوں نے گرجستان (جورجیا) پر تفلیس تک سن ۴۱۱ھ میں قبضہ کر لیا لیکن اس صدی میں سلجوقی سلطان الپ ارسلان نے سن ۴۶۹ھ میں دوبارہ گرجستان کو اپنی اسلامی حکومت کے تابع کر لیا پھر منگولوں یا تاتاریوں کی تاخت وتاراج کے زمانہ میں قوقاز کا جنوبی علاقہ تاتاریوں کی مسلمان ایرانی سلطنت ایل خانیوں کے تابع ہو گیا جبکہ شمالی قوقاز مسلمان تاتاریوں کی دوسری شاخ یعنی طلائی قبیلہ (GOLDEN HORD) کا باج گزار تھا کہ جنوبی روس اور یوکرائن میں ان کی حکومت قائم تھی جن کا پایہ تخت دریائے دونگا کے کنارے سرائے کا شہر تھا اس وقت موسکو کی چھوٹی سی ریاست سرائے میں قائم استراخاں کی اس عظیم مسلمان حکومت کو سالانہ خراج پیش کرتی تھی اور اس کے رحم وکرم پر قائم تھی اس کے بعد چودھویں صدی عیسوی میں یہ علاقہ تیمور لنگ کے زیر اثر آیا جس کا موسکو پر حملہ مشہور ہے، اس کے بعد یہ علاقہ ترکمانی سلطنت کے بانی اوزون حسن کے زیر تسلط رہا جس نے تیمور لنگ کی وفات کے بعد مغربی وسطی ایشیا میں اپنی طاقتور حکومت قائم کی تھی اور جو ترکی کے سلطان محمد الفاتح کا معاصر تھا پھر اس کے

کے عہد میں سلطنت کی کمزوری کے سبب قفقاز
، علاقہ کو کریمیا کے مسلمان خانوں کے زیر اثر
لیے ترکی حدود سے متصل سلطنت عثمانیہ کا تابع

اس طرح قوقاز کے وسیع علاقہ میں عربی تاتاری
، اثرات نمایاں رہے جس سے وہاں کے اصلی
ے کافی متاثر ہوئے، خاص طور پر وہاں عربی
، اسلامی ثقافت کا گہرا اثر رہا۔ مشرقی قوقاز
مستان میں کیمونسٹوں کے تسلط سے قبل تک
فارسی بولی اور سمجھی جاتی تھی جبکہ مغربی قوقاز میں
بان دوسری ملکی زبان تھی۔
سولہویں صدی کے اواخر میں روس کی بڑھتی
لاقت نے بحر کیپین کے شمال میں استراخان کی
، سلطنت پر قبضہ کرنے کے بعد شمالی قوقاز میں
ن شروع کی، سترہویں صدی کا نصف اول
، کی شمالی قوقاز میں پیش قدمی کا زمانہ ہے لیکن
کمرانوں اور ترکی و ایران کے دباؤ کے باعث
س میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہو سکی
و بار بار پسپائی کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک
روس پیٹر اعظم (۱۶۷۲ء، ۱۷۲۵ء) کے زمانہ میں
ں نے ایک لاکھ فوج سے شمالی قوقاز پر حملہ کیا
نہ ایران اور ترکی کی عثمانی سلطنت کے انحطاط
. زبردست روسی افواج نے ۱۷۲۲ء میں
نان کے پایہ تخت دربند اور اس کے بعد
ر قبضہ کر لیا لیکن وہ مقبوضات کو زیادہ دن
اپنے ہاتھوں میں نہ رکھ سکے کہ نادر شاہ درانی
لکی پر ۱۷۳۵ء میں انکو اپنے ان مقبوضات
ستبردار ہونا پڑا اور روس نے ۱۷۳۹ء میں
رہ بلغراد کے تحت شمالی قوقاز کی آزادی کو
کر لیا۔ اب بھی عثمانی سلطنت میں اتنا دم خم تھا
، نے روس کی شمالی قوقاز میں پیش قدمی کو
تے ہوئے کریمیا کے بحیرۂ ازوف اور بحر اسود میں
روسی بحریہ کے داخلے کو ممنوع قرار دیا۔
لیکن سن ۱۷۷۴ء کا ترکی و روس کا معاہدہ
کوچک کینارجی ایک نقطہ انعطاف (TURNING POINT) تھا۔ سلطنت عثمانیہ جس پر یورپی
طاقتوں کا مغرب و مشرق دونوں طرف سے سخت
دباؤ تھا۔ جو تین سو سال سے ان یورپی طاقتوں سے
مقابلہ کرتے کرتے تھک گئی تھی اس نے مجبور ہو کر
اس معاہدے کے تحت کریمیا پر اپنے قبضہ سے
دستبرداری کرتے ہوئے اس کو ایک آزاد مملکت
تسلیم کر لیا تھا۔ اس طرح کریمیا اور اس کے ساتھ
شمالی قوقاز دونوں ہی اب بڑھتی ہوئی روسی طاقت
کے رحم و کرم پر تھے جس نے مختلف حیلوں کے ذریعہ
صرف دس سال بعد ہی سن ۱۷۸۳ء میں کریمیا پر
قبضہ کر لیا۔ اور چونکہ شمالی قفقاز کریمیا کی جنوبی
حدود میں آتا تھا۔ اس لیے روس نے قانونی طور پر
قفقاز میں مداخلت کا دعویٰ شروع کر دیا اور
بالفعل یہ مداخلت انتہائی سفاکانہ طور پر شروع
بھی کر دی اور اس درمیان یعنی ۱۷۷۸ء میں شمالی
قفقاز میں کئی ہزار طوغانی قبائل کا قتل کرایا یہ وہ
انداز سیاست اور توسیع پسندی تھا جس کا اولین
مظاہرہ ایوان دہشت پسند (IVAN THE TERROR) زار روس
کے عہد میں استراخان پر قبضہ کے دوران ہوا تھا۔
اور جس پر بعد کے تمام زار اور پھر کیمونسٹ حکمران
خاص طور پر اسٹالن کار بند رہے اور جس کا مظاہرہ
اب بورس یالسن نے چیچن کی امن پسند ریاست پر
وحشیانہ بمباری کر کے کیا ہے۔
بہر حال روس کی اس نئی سامراجی پالیسی
اور عسکری قوت کے مظاہرے نے جہاں قفقاز
کے باشندوں میں بحیرہ خزر سے لیکر بحر اسود تک
بے چینی پھیلا دی وہاں ان میں روسیوں کے مقابلہ
کے لیے ایک نئی تحریک جہاد کا بھی آغاز ہوا جس سے
ہمارے یہاں کے لوگ بڑی حد تک بے خبر ہیں۔

قفقاز کی تحریک جہاد

اس تحریک جہاد کو منظم کرنے اور اس کی اولین
قیادت کا سہرا چیچنیا ہی کے ایک دینی رہنما اور
نقشبندی سلسلہ تصوف کے ایک مرشد شیخ منصور
کے سر ہے جن کو شمالی قفقاز کے لوگوں نے ۱۷۸۵ء
میں اس تحریک جہاد کا پہلا امام مقرر کیا اگرچہ بعد کو
اس تحریک جہاد کی امامت جو تحریک مریدین کے
نام سے مشہور ہے داغستان کے علماء و شیوخ کے حصہ میں
آئی۔ یہاں ایک اہم سوال یہ ہے کہ آخر اس دوران
قفقاز کے حکمرانوں کا کیا دور تھا...؟ اور وہ حکمران
کون تھے؟ اس کی کچھ تفاصیل ہم امیر شکیب ارسلان
کی مشہور و بےنظیر عربی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" (۴ جلدیں)
سے معلوم ہوتی ہے جو درحقیقت ایک امریکی مصنف
(LOTHROP SLODDORD) کی عالم اسلام پر ایک
کتاب پر انتہائی تفصیلی اضافوں اور تصحیحات کے
بعد ایک نئی کتاب ہو گئی ہے" اس کے مطابق شمالی
قفقاز پر دو بڑے قبیلوں قوموق (KOMOK)
اور قافیاں کے امرا کی حکومت تھی جن کے لقب
علی الترتیب شامکال اور عصمی تھے جو داغستان
اور دوسرے علاقوں پر سولہویں صدی سے اٹھارہویں
صدی عیسوی تک حکمرانی کرتے تھے، ان حکمرانوں نے
شروع میں روس کے قدم قفقاز میں نہیں جمنے دیئے
ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا خاص طور پر شامکال حکمرانوں
نے جو سترہویں صدی میں سلطنت عثمانیہ کے تابع
ہو گئے تھے، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شمالی قفقاز
میں چیچنیا سے ملحق داغستان ہی ایک وسیع اور منظم
ریاست کا علاقہ تھا۔ اور چیچنیا اس ہی کا ایک حصہ تھا
اس کے ساتھ شمالی قفقاز کے مختلف قبائلی حکمران
ایک طرف عثمانی سلطنت اور دوسری طرف حکومت
ایران کے دست نگر تھے لیکن اٹھارہویں صدی کے

اواخر میں جب یہ دونوں بڑی مسلمان سلطنتیں کمزوری کا شکار ہوئیں تو روس کے مقابلہ میں قفقاز کی حفاظت کی ذمہ داری ان لوکل چھوٹے حکمرانوں پر پڑی۔

انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ان حکمرانوں نے باہمی اتحاد کے ذریعہ روس کے مقابلہ کی کوشش کی اور روس کو کافی نقصانات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ لیکن بالآخران کی ہمت جلد ہی جواب دے گئی کہ ان کے دل جذبۂ جہاد سے معمور نہیں تھے۔ سو انھوں نے روس کی تبعیت قبول کرلی یا بعض کو روسیوں نے فوجی افسر بنا کر موسکو بھیج دیا یہی وہ وقت تھا جب وہاں کے علماء و شیوخ نے عوام میں جذبہ جہاد کو بیدار کیا جو انکی قیادت میں اپنے ان کم ہمت وجاہ پسند حکمرانوں اور روسیوں کے خلاف کھڑے ہوگئے شمالی قفقاز میں وہ طویل تحریک جہاد شروع ہوئی جو تقریباً سو سال تک نشیب و فراز کے مراحل میں جاری رہی۔

اس تحریک جہاد کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ یہ اس نقشبندی سلسلہ تصوف کی قیادت میں برپا ہوئی، جس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے جہاں وسطی ایشیا اور قفقاز میں اعلانیہ اور پوشیدہ طور پر مسلمانوں کے دلوں میں شعلہ اسلام کو فروزاں رکھا وہاں طلب اقتدار سے دور رہتے ہوئے مسلمانوں کی سیاسی وعسکری رہنمائی بھی کی۔ اس نقشبندی سلسلہ کی ایک برگزیدہ اور مشہور ترین ہستی ہمارے برصغیر میں مجدد الف ثانیؒ تھے جن کے فکری اور قلمی جہاد اور عملی اقدامات نے اکبری الحاد و بے دینی سے برصغیر کو محفوظ کیا۔ اور جو اسلام کی فکری و سیاسی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

قفقاز میں تحریک جہاد یا تحریک مریدین کے پہلے امام شیخ منصور نے شروع میں بڑی کامیابیاں حاصل کیں، انھوں نے شمالی قفقاز کے وسطی علاقے (جس میں چیچنیا بھی آتا ہے) میں ولادی قوقاز کے شہر سے لیکر موزدوک تک کے سارے روسی قلعے اپنے حملوں سے برباد کرائے پھر جب روس کی ملکہ کیتھرین دوئم نے ۱۷۸۷ء میں ترکی کے خلاف اعلان جنگ کیا تو انھوں نے شمالی قفقاز کے مغربی علاقہ یعنی سرکیشیا کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور ترکوں کے ساتھ روس کے خلاف جنگ میں حصہ لیا، جب بحر اسود کے اس علاقہ میں ترکوں کو ۱۷۹۱ء میں شکست ہوئی تو روسیوں نے شیخ کو گرفتار کرکے سینٹ پیٹرز برگ بھیج دیا اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

شیخ منصور کی گرفتاری اور انتقال سے یہ تحریک جہاد ختم نہیں ہوئی بلکہ اس نے مزید زور پکڑنا شروع کیا کہ ان کے شمالی قفقاز کے دفاع کے لیے لوگوں نے ایک عالم دین غازی محمد کو اپنا امام مقرر کیا۔ روسیوں کی پیش قدمی، بے پناہ طاقت کے ساتھ جاری تھی وہ اٹھارہویں صدی کے آخری عشرے اور انیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں نہ صرف شمالی قفقاز بلکہ جنوبی ارمینیہ گرجستان (جورجیا) بلکہ اور نیچے آذربائی جان پر قابض ہو چکے تھے، غازی محمد گوریلا جنگ میں سن ۱۸۳۲ء میں شہید ہوگئے۔ اب ان کی جگہ حمزہ بیگ امام منتخب ہوئے، دو سال تک ان کی قیادت میں شمالی قفقاز کے مجاہدین روسیوں سے لڑتے رہے، اور پھر آخر وہ بھی شہید ہوگئے اور اب آخر میں اس تحریک جہاد کی قیادت ایک ایسے امام کے ہاتھوں میں آئی جو نہ صرف قفقاز بلکہ عالم اسلام کا ایک عظیم اور مشہور مجاہد تھا۔ یعنی شیخ شامل اور جن کا طویل جہاد اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ شیخ شامل کی شخصیت اور انکا جہاد ایک مستقل مضمون کا طالب ہے جو یہاں ممکن نہیں کہ اتنا کہنا کافی ہے کہ آج بھی شیخ شامل کا نام شمالی قفقاز میں زندہ ہے، اور چیچنیا میں روس کے خلاف موجودہ تحریک مقاومت وآزادی انہی کے جہاد کی صدائے بازگشت ہے خواہ اس کا اعلان نہیں کیا جائے۔

انیسویں صدی کا نصف اول جہاں یورپ کی سامراجی قوتوں، فرانس، برطانیہ اور روس کا عالم اسلام پر سخت دباؤ اور یلغار کا زمانہ ہے وہاں یہ ان جہادی تحریکوں کا بھی زمانہ ہے جو الجزائر، ہندوستان اور شمالی قفقاز میں برپا ہوئیں۔ شیخ شامل امیر عبدالقادر الجزائری کے معاصر ہیں جنھوں نے فرانس کے خلاف الجزائر میں دس سال تک جہاد کیا۔ روس کے خلاف شیخ شامل کا جہاد تقریباً ۲۵ سال تک جاری رہا وہ اگرچہ داغستان کے ایک گاؤں "گمرو" کے باشندے تھے لیکن ان کی قیادت میں پورا شمالی قفقاز روس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بیسیوں معرکوں میں انھوں نے روسیوں کو شکست دی۔ ان سے تمام پہاڑی قلعے خالی کروائے بلکہ جنوبی حصے سے ان کو بالکل نکال دیا دس سال کے مسلسل جہاد کے بعد ان کو سب سے بڑی فتح ۱۸۴۳ء میں حاصل ہوئی جب انھوں نے روسیوں کو شکست دے کر ہزاروں روسی فوجیوں کو قید کرلیا ۵ توپیں اور بہت سا روسیوں کا اسلحہ ان کے قبضہ میں آیا دلچسپ بات یہ ہے کہ روسیوں نے بھی اس کے بعد داغستان میں مسلمانوں کے خلاف مقدس جنگ کا اعلان کیا۔ ان کے شاعروں نے ان جنگی معرکوں کے بارے میں نظمیں لکھیں روس کی سیکڑوں گنا عظیم طاقت نے اپنا سارا زور شمالی قفقاز میں لگا یا، نئی افواج کے ساتھ حملے کئے جس کے مقابلہ میں شیخ شامل اور مجاہدین کو پسپا ہونا پڑا۔ لیکن وہ مزید دس سال تک مغربی پہاڑی علاقوں میں لڑتے رہے آخر کار اسلحہ کی کمیابی اور ہزاروں مجاہدین کی شہادت کے بعد ان کو ۱۸۵۹ء میں ہتھیار ڈالنا پڑے، روسیوں نے بھی اس عظیم و شریف مجاہد کا احترام کیا عزت سے ان کو روس میں رکھا اور پھر ان کو ۱۸۷۰ء میں حج کی اجازت دی حج کے بعد وہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے کہ فروری ۱۸۷۱ء میں انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

شیخ شامل کی وفات کے بعد بھی یہ تحریک جہاد

کسی نہ کسی صورت میں وہاں جاری رہی اور یہ سلسلہ
ان کے رفیق عزیز شیخ کامل کی قیادت میں ۱۸۹۵ء
تک جاری رہا لیکن اب چونکہ روس نے اس علاقہ
کے سابق امیروں کو کٹھ پتلی حکمرانوں کی حیثیت سے
لا بٹھایا پھر ۱۸۷۷ء میں مجاہدین قفقاز نے روس
و ترکی کی جنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تو موق
(KOMOK) کے قلعہ پر قبضہ کر لیا جو بدلتے ہوئے
سیاسی و عسکری احوال کے سبب برقرار نہ رہ سکا
کہ اب روسیوں نے قفقاز کو براہ راست اپنے حکم
میں لے لیا۔

کمیونسٹ انقلاب اور قفقاز و چیچنیا

یہ موضوع بھی شیخ شامل کے جہاد کی طرح ایک مستقل مضمون کا متقاضی ہے۔ یہاں مختصراً اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس انقلاب کے ساتھ ہی وسطی ایشیاء اور قفقاز کے محکوم مسلمانوں میں آزادی و اتحاد کی ایک نئی لہر دوڑ گئی تھی، بانیان انقلاب کے وعدوں کی روشنی میں ان کو یقین ہو چلا تھا کہ اب ان کو زار روس کی شہنشاہیت سے نجات ملے گی۔ اور ان کو آزادی میسر ہوگی، فروری ۱۹۱۷ء کے پہلے اشتراکی انقلاب سے لیکر اکتوبر ۱۹۱۷ء تک قفقاز کے مسلمانوں نے مختلف بڑی کانفرنسیں منعقد کیں، اور متحدہ شمالی قفقاز کے نام سے ایک مرکزی مجلس عاملہ کی تشکیل کی اور پھر نومبر میں اس مجلس کو عارضی حکومت کا نام دیکر روس سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ اب روسی کمیونسٹوں کی دورخی سیاست کا ظہور ہوا۔ کہ وہ روسی آبادکار جو زار روس کے زمانہ میں قفقاز میں آباد کر دیئے گئے تھے اور انھوں نے اشتراکیت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ قفقاز مسلمانوں کی اس عارضی حکومت کے خلاف کھڑے ہو گئے، جنوری ۱۹۱۸ء میں کمیونسٹوں نے شمالی قفقاز کے بعض شہروں پر قبضہ کر لیا اور وہ تیرک کی علیحدہ سوویت" کی حکومت قائم کر لی اور پھر دو ماہ بعد بھاری اسلحہ کے ساتھ شمالی قفقاز اور داغستان کے حریت پسندوں کے مرکز تیرک قلعہ (ولادی قوقاز) پر حملہ کر دیا۔ اب صورتحال یہ تھی کہ شمالی قفقاز کی روسی بستیوں پر کمیونسٹ قابض تھے، جبکہ حریت پسند مسلمانوں کی عارضی حکومت اپنے علاقوں پر قائم تھی۔

دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کی فتح کے بعد انگریزوں نے قفقاز پر قبضہ کر لیا اور پھر یہ علاقہ اہل قفقاز کے بجائے سفید روس کے انقلابیوں کے سپرد کر دیا تھا۔ سفید روس کی کیونسٹ حکومت نے اب بڑے پیمانے پر فوج کشی شروع کی اور حریت پسندوں کے مراکز کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ اس دوران شمالی قفقاز کی عارضی حکومت نے ترکی سے تعاون حاصل کرنے کے لیے مذاکرات شروع کر دیئے۔ ترکی کے شہر ترابزون میں منعقدان مذاکرات میں گرجستان (جورجیا) ارمینیہ اور آذربائیجان کے نمائندے بھی شریک تھے۔ اگرچہ مذاکرات میں پورے قفقاز کے وفاق کی تجویز ارمینیہ اور گرجستان کی مخالفت کی وجہ سے ناکام رہی لیکن اس کے نتیجہ میں شمالی قفقاز کے نمائندوں نے ۱۱ مئی ۱۹۱۸ء کو متحدہ جمہوریت شمالی قفقاز کا اعلان کر دیا عبدالمجید چر ئے اس کے صدر اور داغستان کے حیدر بامات اس کے وزیر خارجہ مقرر ہوئے اس کے دو ہفتہ بعد گرجستان، ارمینیہ، اور آذربائیجان نے بھی روس سے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ عثمانی سلطنت نے قفقاز کی ان تمام ریاستوں کی آزادی کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا جرمنی نے ان کی عملاً DEFACTO ان کی آزادی کو تسلیم کیا۔ اس سلسلہ میں ترکی کے نمائندے امیر شکیب ارسلان کے جرمن حکومت سے مذاکرات کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکے۔ آزادی کے اعلان کے ساتھ شمالی قفقاز نے وفد نے استنبول میں ترکی سے تحائف کے معاہدے پر دستخط کئے سفید روس کی کیونسٹ حکومت نے اس آزاد حکومت کو سختی سے کچلنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن داغستان کے حریت پسند مجاہدین نے کیونسٹوں کے حملے پسپا کرتے ہوئے ان کے تین ڈویژن تباہ کر دیئے۔ داغستان و شمالی قفقاز کی آزاد حکومت اور کیونسٹ روسیوں میں جنگ جاری تھی، انور پاشا کے بھائی نوری پاشا کی قیادت میں ایک فوج "قفقاز اسلام اوردو" یعنی قفقاز کی اسلامی فوج کے نام سے تیار کی گئی جس کی کمک کے لیے ترکی سے فوج کا ایک ڈویژن قفقاز پہونچا، اس فوج نے ستمبر ۱۹۱۸ء میں باکو اور دوسرے ماہ دربند کو فتح کر کے روسیوں کو وہاں سے نکال دیا شمالی قفقاز جمہوریت کے صدر عبدالمجید چر ئے فاتحانہ دربند میں داخل ہوئے، وہاں سات ستاروں کا نئی اسلامی جمہوریت کا پرچم لہرایا گیا۔ لیکن افسوس کہ ترکی جو ان دنوں جرمنی کے ساتھ دوسری جنگ عظیم میں شامل تھا شکست سے دوچار ہوا، ۳۰ اکتوبر کو جنگ بندی کے معاہدہ پر دستخط کرنے کے بعد وہ اپنی فوج کو قفقاز سے واپس بلانے پر مجبور ہو گیا۔
اس کے باوجود شمالی قفقاز کے حریت پسندوں نے روس کے خلاف اپنی جنگ آزادی جاری رکھی جو تقریباً تین سال تک جاری رہی پہلے دو سال سفید روسیوں کے خلاف اور اس کی پسپائی کے بعد بالشویک یا سرخ کیونسٹوں کے خلاف دونوں نے شمالی قفقاز کے ان حریت پسندوں کی آزاد حکومت کو تسلیم کرنے کے وعدے کئے، جو ایک فریب تھا۔ یہ حریت پسند اس دھوکہ میں نہیں آئے اور انھوں نے اپنی سرفروشانہ جنگ جاری رکھی، وہ انہی روسیوں کے اسلحہ پر قبضہ کرتے تھے یا پھر دست بدست تلواروں اور بندوقوں سے لڑتے تھے۔ وہاں کی عورتوں نے بھی اس جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ اس جنگ آزادی میں داغستان کے مفتی نجم الدین غوتسو اور چیچن قبیلہ کے حاجی اوزدن کے نام نمایاں ہیں اور چیچن انگش قبائل نے بہادری کے بڑے جوہر دکھائے

ان علماء ومشائخ فوجی قائدین محمد البلو کانی، سید امین اور درویش محمد الندی کے نام بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سن ۱۹۲۰ء میں کمیونسٹ روسیوں کے ساتھ بڑی خونریز جنگیں ہوئیں جس میں حریت پسندوں کو بڑی کامیابیاں ہوئیں لیکن روس نے لاکھوں کی تعداد میں اپنی فوج یہاں جھونک دی۔ سن ۱۹۲۱ء میں روس کا ارمینیہ، گرجستان (جورجیا) اور آذربائیجان پر قبضہ دوبارہ قائم ہوگیا۔ اب شمالی قفقاز ہر طرف سے گھر گیا تھا۔ حریت پسندوں کے لاکھوں افراد قتل ہوگئے تھے، ان کے پاس ہتھیار تقریباً ختم ہو چکے تھے مجبوراً سن ۱۹۲۱ء کے وسط میں ان کی یہ مسلح مدافعت ختم ہوگئی۔ ہزاروں قفقازی ترکی اور وہاں سے مصر و حجاز ہجرت کر گئے۔ روسیوں نے شمالی قفقاز کے ممتاز کمانڈروں کو مختلف طریقوں سے قتل کرا دیا اور شمالی قفقاز پر کمیونسٹ روس کا اقتدار مسلط ہوگیا جو زار روس کی شہنشاہیت کا تسلسل تھا بلکہ کینہ پروری اور دینی عداوت میں ان کے دور سے بدتر تھا۔ یہ ایک تاریک رات تھی جو قفقاز کے ایشیائی قدیم مسلمانوں پر طاری ہوگئی تھی۔

روس جانتا تھا کہ وہ متحدہ قفقاز کو کبھی اپنے قبضہ میں نہیں رکھ سکتا، اس لیے اس نے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی سیاست پر عمل کیا اور سن ۱۹۲۴ء میں شمالی قفقاز کی چھ چھوٹی چھوٹی نیم خود مختار جمہوریتوں میں تقسیم کر دیا جس کا ذکر اوپر ہوا، اور اس طرح "چیچنیا" کا ظہور عمل میں آیا جہاں آج تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔

چیچنیا انگش جمہوریہ:

شمالی قفقاز پر کمیونسٹ روسیوں نے قبضہ کے بعد وہاں لاکھوں کی تعداد میں روسیوں کو آباد کیا، اس کے نتیجہ میں یہاں مسلمانوں کا تناسب پہلے جو نوے فیصد تھا ۱۹۷۰ء کی مردم شماری کے مطابق گھٹ کر ۶۶٫۵ فیصد رہ گیا، اس کے پایۂ تخت گروزنی کی آبادی اس وقت ۴ لاکھ ہے، کمیونسٹ روس نے یہاں عربی خط ختم کر کے روسی رسم الخط جاری کیا اور وسطی ایشیا کی طرح ان پر روسی زبان مسلط کر دی، لادینیت کی منظم طریقہ پر ترویج کی گئی، صنعتوں میں روسی آبادکاروں کو بھر دیا گیا، یہ سرسبز و شاداب اور تیل کی دولت سے مالا مال ملک روس کے لیے سونے کی ایک چڑیا بن گیا، لیکن روس اپنے سارے جبروت اور لادینیت کے پرچار کے باوجود اس علاقہ کے لوگوں کے دلوں سے جذبۂ حریت و آزادی کو نہ مٹا سکا اور نہ ان کو دین اسلام کی دولت سے محروم کر سکا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران جب جرمنی کریمیا پر قابض ہوگیا تھا تو چیچنیا کے مسلمان باشندوں نے روس سے اپنی آزادی کی امید میں جرمنوں کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ اس جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد چنگیز و ہلاکو سے زیادہ سفاک اسٹالن نے چیچنیا کی تمام مسلم آبادی کو جو کئی لاکھ پر مشتمل تھی، سائبیریا اور کازاخستان کے برفانی اور صحرائی علاقوں میں جلاوطن کر دیا جہاں وہ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۵۷ء تک رہے۔ اسٹالن کی موت کے بعد سوویت پریسیڈیم نے خروشچیف کے عہد میں اس فیصلہ کو غلط قرار دیتے ہوئے چیچن لوگوں کو اپنے وطن واپس آنے کی اجازت دی، اور یہ لوگ وطن واپس آئے۔

اسے اسلام کا معجزہ کہیئے یا چیچنیا کے ان مظلوم جلاوطن مسلمانوں کی خوش نصیبی کہ ان کے لیے یہ جلاوطنی اسلامی عقیدے میں پختگی کا سبب بن گئی، پیرس میں مقیم ایک روسی پروفیسر الیگزینڈر بینگسن نے اپنی کتاب "روس کے مسلمان" میں اس کی بعض تفصیلات بیان کی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ چیچن جمہوریہ اس علاقہ قفقاز میں اسلام کا مضبوط ترین قلعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسٹالن نے اس پر بدترین مظالم ڈھائے، وہاں کی ساری مساجد مسمار کر دیں، وہاں کی پوری مسلمان آبادی کو سائبیریا وغیرہ کے دور دراز علاقوں میں جلاوطن کر دیا لیکن اس جلاوطنی میں صوفی سلسلوں کے ذریعہ اسلام سے ان کی روحانی وابستگی اور پختہ ہوگئی۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۷۰ء میں ایک اندازے کے مطابق چیچنیا کے آدھے مسلمان نقشبندی طریقۂ تصوف سے منسلک پائے گئے یہی نہیں ان جلاوطن چیچن (شاشان) مسلمانوں کے اثر سے کازاخستان اور کرغیزیا کے مسلمانوں میں بھی قادری سلسلۂ تصوف پھیلنے لگا جو اسلام میں ان کی پختگی کا سبب بنا۔ حقیقت یہ ہے کہ خود چیچنیا میں اسلام سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں نقشبندی اور قادری سلسلۂ تصوف کے ترکی مسلمانوں کے ذریعہ پھیلا تھا، اب جب یہ جلاوطن چیچن انگش باشندے جلاوطنی کی نئی سرزمین میں پہنچے تو انھوں نے وہاں وہ صوفی اخویات BROTHERHOODS قائم رکھیں جو کونتا (حجی) القادریہ کے نام سے پہلے ان کے ملک میں قائم تھیں، قادری "اخویات" نے اس سلسلہ میں کازاخستان میں بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ جہاں "نور اخویہ" کے نام سے ۱۹۵۵ء میں ایک نئی صوفی یا روحانی تنظیم قائم ہوئی جس کے رہنما شیخ اویسی حجی زاغیف تھے، روسی ادب میں اس صوفی تنظیم کو CAP BROTHERHOOD کا نام دیا گیا، کیونکہ وہ اللہ کے ذکر کے اونی ٹوپیاں پہنتے تھے، ان کے اثر سے کازاخستان میں تصوف کا سلسلہ پھیلنے لگا اور یہ خانقاہی تصوف عوامی تنظیم بن گئی، یہاں تک کہ چیچنیا انگوشیا میں ان کی تعداد مذکورہ بالا روسی فرنچ مصنف کے لاکھ اور ایک لاکھ اسی ہزار کے مابین تھی۔ اور یہ اَمر حیرت کا مقام ہے کیونکہ اس مصنف کمیونسٹ انقلاب ۱۹۱۷ء سے پہلے چیچنیا میں ۴ ہزار مرید اور ۳۸ مرشد یا رہنما تھے، ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان کے قومیت کا تصور دینی قومیت یعنی ملیت کا ہے

کوئی تصور نہیں۔

ان چیچن باشندوں کی اپنی وطن واپسی کے بعد حکومت نے گروزنی میں ان کو صرف ایک مسجد بنانے کی اجازت دی ۱۹۸۰ء میں قریب کے گاؤں میں مساجد کھولنے کی اجازت ملی شمالی قفقاز کی اس مسلمان قوم کی معاصر تاریخ پر علامہ اقبال کا یہ شعر ہے ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

جتنا ہی روسیوں نے ان کے یہاں اسلام کو مٹانے کی کوشش کی اتنی ہی شدت سے ان کے یہاں ابھرا اور اس کے عظیم ترین مظہر سن ۱۹۹۱ء کے بعد کے واقعات ہیں اس ملک کے نام نہاد روشن خیال سیکولر طبقہ کیلئے بڑے ہونا چاہئیں کہ چیچنیا سب سے پہلی سوویت روس جمہوریہ تھی جس نے افغانستان میں روس کی شکست نومبر ۱۹۹۱ء میں روس کی شکست وریخت کے اوائل میں اپنی آزادی کا اعلان کیا، پھر ماسکو ریڈیو کے مطابق سن ۱۹۹۲ء کو چیچنیا کے صدر دودائیف نے پارلیمنٹ کے اندر حکومت کے تمام نامزد وزراء اور اعلیٰ ترین عہدیداروں کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ حکومت کی ذمہ داری ہے اس وقت جو حلف لیں وہ قرآن کریم اٹھا کر ہو اور اس مضمون میں یہ الفاظ شامل کئے گئے کہ " اگر میں اس حلف کی خلاف ورزی کروں تو مجھ پر خدا اور عوام کی پھٹکار ہو۔

اس کے بعد صدر دودائیف نے قدم بہ قدم اپنی اس جمہوریہ کے لیے وہ سیاسی اور انتظامی و مالی اقدامات کئے جس سے اس نو آزاد ملک کو استحکام حاصل ہو ان اقدامات کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے مجلہ وسطی ایشیا انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کا تازہ شمارہ اس کے لیے کافی ہوگا۔ ہاں اتنا کہنا ضروری ہے کہ اپنی اس مطلقہ آزاد جمہوریہ کا نام انھوں نے پارلیمنٹ کے فیصلہ سے " اچکیریہ " قرار دیا اور فروری ۱۹۹۲ء میں روسی کرنسی روبل کی جگہ نئی چیچن کرنسی متعارف کرائی ایک روبل کی مالیت کی نئی کرنسی کو سوم SOM کا نام دیا گیا اور دس روبل کے مساوی کرنسی نوٹ کا نام "تیوم" (TYUM) رکھا گیا، گیارہ مارچ ۱۹۹۲ء کو پارلیمنٹ کے ایک نئے قانون کے مطابق چیچن زبان کے لیے روسی رسم الخط کے بجائے لاطینی رسم الخط اختیار کیا گیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ماسکو کی حکومت نے چیچنیا کے اعلان آزادی کو کس طرح برداشت کیا اور اب تین سال کے بعد بورس یالسن نے اس بات کے خلاف یہ کارروائی کیوں شروع کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ افغانستان میں ذلت آمیز شکست کے بعد روسی افواج میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ ایک ایسے علاقے میں جنگ کریں جس نے ۲۵ سال تک امام شامل کی قیادت میں زار شاہی روس کے خلاف گوریلا جنگ لڑی تھی اور جس میں ایک اندازے کے مطابق تین لاکھ روسی فوج کام آئے تھے، مالی طور پر انتہائی بدحال بلکہ نقیر سکڑی ہوئی نئی روسی حکومت کے خزانہ میں بھی اتنی سکت نہ تھی کہ ایک نئی جنگ کے مصارف برداشت کرسکے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ روس نے خوشدلی سے چیچنیا کی آزادی کو تسلیم کرلیا تھا، یا اس کو دوبارہ اپنے قابو میں کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا تھا۔ جب ماسکو کی حکومت امریکی مالی امداد کی وجہ سے ۹۲ء میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہوسکی اور اس کی اقتصادی حالت بہتر ہوئی تو اس نے کسی فوجی کارروائی سے قبل داخلی منافرت و بغاوت اور مالی رشوت کا طریقہ اپنایا۔ اس مقصد کے لیے اس نے حزب مخالف کے لیڈر عمر اختر خانوف کو اپنا آلۂ کار بنایا جس کے دماغ سے ابھی کمیونزم کی بو نہیں نکلی تھی، لندن کے مجلہ "اکانوسٹ" (۲۴ ستمبر ۹۴ء) کی رپورٹ کے مطابق ان عمر اختر خانوف کو ماسکو نے دس بلین روبل کی خطیر رقم دی تاکہ وہ اسکو صدر دودائیف کی حکومت کے خلاف استعمال کریں اور اس کو غیر مستحکم کرکے ملک میں بے چینی پھیلائیں بورس یالسن نے چیچنیا کی آزاد مملکت کے خلاف اور بھی بہت سے اقتصادی حربے استعمال کئے جن میں سرفہرست تیل کی صنعت تھی جو تقریباً تمام تر روسیوں کے ہاتھ میں تھی اور روسی انجینئروں کی واپسی کے سبب اس صنعت کو بڑا نقصان پہونچایا گیا، اسپیئر پارٹس روس سے نہ آنے کے سبب اور ماہرین کی ماسکو واپسی کے سبب بہت سی فیکٹریاں اور کارخانے بند ہوگئے، اسپتالوں میں آلات جراحی اور دوائیں جو روس سے آتی تھیں ناپید ہوگئیں وغیرہ وغیرہ، ان سب اقتصادی پابندیوں کا مقصد یہ تھا کہ بغیر کسی فوجی کارروائی کے چیچنیا دوبارہ روس کی غلامی اختیار کرلے مگر ماسکو اپنے ناپاک اور غیر جمہوری مقصد میں ناکام رہا۔

حزب مخالف کے ذریعہ عوامی بہبود کے نعروں کی بنیاد پر بے چینی پھیلانے اور خانہ جنگی برپا کرنے کی کوششیں بھی ناکام ہوئیں، ٹیلی ویژن اور ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ کی کوشش حزب مخالف کی طرف سے کی گئی، اس کو ستمبر ۹۴ء میں ناکام بنادیا گیا ہے۔ انہیں چیچنیا کی افواج نے حزب مخالف کی مسلح ملیشیا سے جس کو ماسکو سے ہتھیار سپلائی کئے گئے، ارگون (ARGON) کا علاقہ کولا بازانوف دلم گذار کرالیا اور اسی طرح اس نے روسی ایجنٹوں کو ایک اور شہر ٹولسٹوی یورت سے مار بھگایا۔

اپنی پے درپے ان ناکامیوں نے صدر یالسن کو بوکھلا دیا۔ اور اب دسمبر ۹۴ء کے آخری عشرہ میں انھوں نے وہ ظالمانہ فوجی اقدام کیا ہے جو عالمی ضمیر کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے اور جس پر امریکہ کے سوائے سبھی نے ماسکو حکومت کی مذمت کی ہے اب تقریباً سب کو معلوم ہوچکا ہے کہ

(باقی ص ____ پر)

ایک صالح معاشرہ کی تشکیل میں

اسلام کا کردار

ڈاکٹر ابراہیم سلیمان عیسیٰ استاذ جامعۃ الازہر
ترجمہ: محمد احمد

اگر ظہور اسلام سے پہلے کی آسمانی تعلیمات اور مابعد کے ادیان و مذاہب، افکار و تصورات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان مذاہب کے مقابلہ میں اسلام جامع اور ہمہ گیر مذہب ہے اس کا زمانی و مکانی رقبہ اتنا وسیع ہے کہ پوری دنیا کو محیط ہے، اور وہ ایک ایسا نسخۂ کیمیا ہے کہ جس کے دامن میں عام بنی نوع انسان کی مشکلات کا حل اور ان کے درد کا درماں موجود ہے۔

اسلام کی یہی وہ امتیازی اور نرالی شان ہے کہ جس کے گھنیرے سائے میں اور اس کے اصول، قوانین اور احکام کی بالادستی کی صورت میں اسلامی معاشرے نے ترقی کی اور عروج کی منزلیں طے کیں چنانچہ تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ جب روئے زمین کے دیگر اور تمام معاشرے جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ٹھوکریں کھا رہے تھے اس وقت بھی اسلامی معاشرہ، انسانی تہذیب و تمدن کی شمع فروزاں کئے ہوئے تھا اور اس کی خیر و برکت اور فیض و کرم کی چھینٹوں سے انسانیت سیراب اور نہال ہو رہی تھی، اپنے عہد اقتدار میں اسلام انسانی معاشرہ کو صحیح ڈگر پر چلانے کی ڈیوٹی انجام دیتا رہا۔ مگر اس کے دشمن اس کے خلاف سازشوں میں مشغول رہے، اور اس کے ہاتھ سے اقتدار چھیننے کی کوشش کرتے رہے، اور اس کے نظام میں مداخلت کرتے رہے، اور انسانوں کے ذہنوں میں اس کے خلاف شکوک و شبہات اور نفرت اور حسد کی آگ بھڑکاتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسانیت اسلام کی قیادت اور رہنمائی سے محروم ہو کر طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئی۔ جس کا لامتناہی سلسلہ آج تک جاری ہے۔

ہم جب دنیا پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں اور اس کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ کرۂ ارض کے جن علاقوں اور خطوں میں اسلام کے عطر بیز جھونکے نہیں پہونچے وہاں انسانیت پر کیا گذری اور انسانی قدروں کو کس طرح پامال کیا گیا۔

موجودہ دور میں بھی اگرچہ اسلام اقتدار میں نہیں ہے، خیر و شر میں تمیز کرنے والی جماعت اور انسان کو احترام سے دیکھنے والی جماعت، دنیا صرف ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اسلام کی تعلیمات کو مشعل راہ بناتے ہیں، یہ خیر و شر میں تمیز کرنے والے نہ رہیں تو دنیا لوٹ کھسوٹ کا شکار ہو جائے۔ اس کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے، لوگ اپنی کج روی سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام سمجھ بیٹھیں گے۔ متضاد نظریات جنم لیں گے، انسان ایسے گورکھ دھندے میں حیران سرگرداں ہو کر اس کی سمجھ ہی میں کچھ نہ آئے کہ کیا کرے، کیا نہ کرے۔ ایسے نازک وقت میں معاشرے کو خرابی سے نہ کوئی قانون بچا سکتا ہے اور نہ کوئی نظام۔ عجیب بے راہ روی کا بازار گرم ہوگا، کوئی کسی کی بات ماننے اور سننے کے لئے تیار نہ ہوگا، اور اگر کوئی خیر خواہ معاشرے کی اصلاح کی کوشش بھی کرے تو یہ کہہ کر اس کی کوششوں کو ٹھکرا دیا جائے گا کہ کیا تم نہیں جانتے یہ حریت اور آزادی کا دور ہے اسلام صرف خیر و شر میں تمیز کرنا ہی نہیں سکھاتا بلکہ وہ خیر کو خیر اور شر کو شر کہنے کی دعوت دیتا ہے اور اس کو انسانی فرض قرار دیتا ہے، خیر کی طاقت اگر کمزور ہو جائے اور شر کو روکنے کی یا اس کے خلاف آواز اٹھانے کی صلاحیت اور قوت ختم ہو جائے تو انسانی معاشرہ جانوروں کا لبادہ اوڑھ لے گا، اور ایک قدم اس سے بھی آگے ہوگا۔ وہ اپنی توانائیوں کو بے محل صرف کرے گا، اور اپنی علمی اور فکری قوتوں کو غلط طریقے پر استعمال کر کے دنیا کے اندر معاشرے کے اندر فساد اور بگاڑ برپا کرے گا، اور ظاہر ہے کہ یہ صورت حال اسی وقت پیش آ سکتی ہے جب کہ اسلام کی لہلہاتی کھیتی خشک ہو جائے۔ اس لئے کہ مذہب اسلام ہی تنہا اور واحد وہ مذہب ہے جس کا سرچشمہ وحی ربانی ہے اور جو آج تک انحراف اور بے راہ روی سے محفوظ اور پاک ہے وہ ایسا معتدل اور متوازن نظام حیات رکھتا ہے کہ انسانیت اس کے سائے میں امن و چین، سکون و اطمینان کی زندگی بسر کر سکتی ہے، اور اگر یہ نہ ہو تو دنیا کا سارا سرمایہ مٹ جائے، برباد ہو جائے۔

صحیح طرز پر زندگی گذارنے کے لئے انسان کو بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ان میں پانچ چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

(١) دین (٢) عقل (٣) مال (٤) نفس (٥) نسل۔ اب ہم کو دیکھنا ہے کہ اسلام اور غیر اسلام کا ان کے بارے میں کیا نقطۂ نظر ہے، اسلام نے کس طرح ان کی حفاظت کی تاکید کی ہے، اور غیر اسلام نے کس طرح ان کو پامال کیا ہے۔

اسلام کی رواداری

جب مسلمانوں نے اندلس فتح کیا تو انھوں نے مظلوموں کو ظالموں سے آزاد کرایا، علم و تمدن کو عام کیا، غیر مسلموں کے ساتھ انصاف کیا، اور ان کو

اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دی۔ ہم نے مصر اور شام جیسے ملک فتح کئے جہاں کثرت سے عیسائی آباد تھے، تاریخ گواہ ہے کہ ہم نے کبھی بھی ان کو اپنا دین بدلنے پر مجبور نہیں کیا، پھر جائے کہ ہمارے ہاتھوں ان کا قتل عام ہوا ہو، یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان ملکوں میں ان کی خاصی تعداد اپنے پورے تشخصات کے ساتھ باقی اور موجود ہے۔ ہم نے صدیوں ہندوستان پر حکومت کی لیکن یہاں بھی کوئی جبر و تشدد کا معاملہ نہیں کیا گیا، غیر مسلموں کے ساتھ پوری رواداری برتی گئی، اور ان کو نظام حکومت میں شریک کیا گیا اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آج ہندوستان میں مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں۔

یہ اسلام اور مسلمانوں کی رواداری کی شاندار اور تابناک تاریخ ہے اس کے برعکس تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ برطانیہ کے ایک شاہ نے اپنی لاکھوں رعایا کو محض اس بنیاد پر تہ تیغ کروا دیا کہ ان لوگوں نے کسی مذہبی مسئلہ میں اختلاف کیا تھا اسی پر بس نہیں بلکہ اس جابر بادشاہ کی سلطنت کا یہ قانون تھا کہ اگر ہرطقی عقیدہ کا کوئی فرد کسی جرم کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو رجم کیا جائے۔ اس کے ساتھ احسان کی صورت صرف یہ تھی کہ آگ میں جلانے کے بجائے تلوار سے قتل کیا جائے۔ اسی طرح اگر ہرطقی کی کسی عورت سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو اس کے ساتھ بھی وہی وحشیانہ سلوک اور برتاؤ کیا جاتا۔ اسی طرح عیسائیت کے فرقۂ پروٹسٹنٹ نے انسانی خون کو پانی کی طرح جس بے دردی کے ساتھ بہایا ہے یہ سب اس بات کی واضح شہادتیں ہیں، اسلام کی حکمرانی میں دنیا نمونۂ جنت بن سکتی ہے، اور یہ کوئی محض دعویٰ نہیں ہے بلکہ اس کے تاریخی شواہد موجود ہیں اور اس کی شہادت انصاف پسند مؤرخین بھی دیتے ہیں اور وہ بھی اسلام کے عدل و انصاف اور اس کی رواداری کا اعتراف کرتے ہیں، چنانچہ پادری عیشو بایا (متوفی ۶۵۶ھ) کا بیان ہے: "لوگو! تم اس سے بخوبی واقف ہو کہ جب اہل عرب دنیا پر حاکم تھے تو ہم عیسائیوں کے ساتھ ان کا معاملہ اور برتاؤ کیا عادلانہ اور منصفانہ تھا۔"

اسی طرح انطاکیہ کا پادری مکاریوس کہتا ہے کہ خدا ترکوں کی حکومت کو سدا سرسبز و شاداب رکھے، یہ کتنے اچھے لوگ ہیں کہ ہم سے بس اتنا ہی ٹیکس وصول کرتے ہیں جتنا کہ مقرر ہو چکا ہے، اور وہ اپنے عیسائی اور یہودی رعایا سے کوئی تعرض نہیں کرتے۔" مشہور مورخ آرنلڈ کہتا ہے کہ اٹلی کے اندر ایک ایسی قوم تھی جو ہمیشہ اس امید میں رہتی تھی کہ شاید اس کو بھی ترکوں کے عدل و انصاف اور ان کی رواداری کی نعمت حاصل ہو، کیونکہ مسیحی حکومت کے زیر سایہ رہتے رہتے اس کو اس کا تجربہ ہو چکا تھا کہ کسی بھی عیسائی حکومت کے سائے میں اس کو مذہبی آزادی اور رواداری حاصل نہیں ہو سکتی۔

یہی مورخ مزید کہتا ہے کہ پندرہویں صدی ہجری کے اختتام پر جب اسپین میں یہودیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گئے اور ان کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا، تو جس سرزمین نے اپنے دامن میں ان کو پناہ دی وہ ترکی کی سرزمین تھی۔

سولہویں صدی عیسوی کا ایک مورخ رقمطراز کہتا ہے کہ "ترکی اپنی تند خوئی اور درشت مزاجی کے باوجود ایسے حکمران تھے کہ جنھوں نے اپنے ملک کے تمام عیسائیوں کو اس کی کھلی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے دینی شعائر و رسومات ادا کریں۔ حد یہ کہ قسطنطنیہ جو ان کا پایۂ تخت تھا وہاں بھی عیسائیوں کو یہ حقوق حاصل تھے۔

یہی مورخ آگے اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ ایک طرف تو مسلمانوں کی یہ رواداری ہے جبکہ دوسری طرف یہ ہے کہ میں نے اسپین میں بارہ سال گذارے وہاں ہم عیسائیوں کے بالجبر جلسوں میں شرکت پر مجبور کیا جاتا، اس پر بس نہیں بلکہ صورت حال اس سے بھی خطرناک تھی کہ ہماری زندگی اور ہماری نسلیں معرض خطر میں تھیں۔

یہ عیسائی مصنفین کی واضح شہادتیں ہیں جو ہمارے دور کے اسلام دشمن مصنفین اور مفکرین کے لئے باعث عبرت اور چشم کشا ہیں۔

اور جو صاحب انصاف یہ چاہتا ہے کہ وہ اسلامی تاریخ کے حقائق سے واقف ہو تو اس کو مشہور مؤرخ پروفیسر آرنلڈ کی شہرہ آفاق کتاب PREACHING OF ISLAM کا مطالعہ کرنا چاہئے اس کتاب کے اندر ایسی ہزاروں مثالیں ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے ماننے والوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے کبھی بھی زور و زبردستی کا طریقہ نہیں اپنایا۔ اس لئے کہ ان کے سامنے یہ مسلمہ اصول ہے "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ"۔

موجودہ دور کو مذہبی آزادی کے دور سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو معاملہ بالکل اس کے برعکس نظر آتا ہے کہ یہی مذہبی آزادی کا نعرہ لگانے والے، اس کی راہ میں کانٹے بچھاتے ہیں اس پر سیاسی پہرے بٹھاتے ہیں، اور ابھی ماضی قریب میں روس میں کمیونزم نظام نے اپنی رعایا کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، ان تمام باتوں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ بغیر اسلام کے نہ کسی کا دین محفوظ رہ سکتا ہے اور نہ کسی کی عقل پوری آزادی کے ساتھ اپنا کام کر سکتی ہے، اس وقت بڑے زور و شور کے ساتھ یہ صدا بلند کی جارہی ہے کہ یہ دور عقلیت کا دور ہے، انسانی عقل کے عروج و کمال کا دور ہے مگر مندرجہ ذیل باتوں کی وجہ سے یہ دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے:-

ا۔ دنیا میں اس وقت اکثر بیشتر نظام پہلے

حکومت کی بنیاد سیکولرازم پر ہے، اور سیکولرازم کی اساس ہی اس پر قائم ہے کہ دین کو زندگی سے بے دخل کر دیا جائے، اور اس کا رشتہ منقطع کر دیا جائے۔ مگر اس نظریہ کے علمبرداروں کا کہنا ہے کہ یہ زندگی کے اندر علم کے استعمال کا ایک انداز اور طریقہ ہے، لیکن ان دعویٰ کرنے والوں کو اتنا بھی شعور نہیں ہے کہ اس کا نام علم ہرگز نہیں ہے، اور بالفرض اگر ہم ان کا دعویٰ تسلیم بھی کر لیں تو علم اور ان کے عمل کے درمیان زبردست تضاد نظر آتا ہے مثال کے طور پر علم کہتا ہے کہ شراب، سگریٹ نوشی صحت کے لئے مضر اور نقصان دہ ہیں لیکن ان کا فلسفہ کہتا ہے کہ نہیں یہ مضر نہیں ہیں، اسی طرح علم کی نگاہ میں زنا نوع انسانی کے لئے ایک گھناؤنا اور شرمناک عمل ہے، لیکن ان کی عقل کا فیصلہ اور فتویٰ اس کے جواز کے بارے میں ہے، اسی طرح علم مرد اور عورت کو دو الگ الگ صنف قرار دیتا ہے لیکن ان لوگوں کی نگاہ میں دونوں یکساں ہیں

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس دور عقلیت میں جھوٹ اور بے سروپا باتوں کو پھیلانے اور جرائم کے لئے جواز فراہم کرنے کے بارے میں میڈیا کا جو کردار ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کی سیاست صرف جھوٹ اور فریب، مکاری اور عیاری کا ایک پلندا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس معاشرہ اور ماحول میں اس طرح کی اخلاقی بیماری اور وبا عام ہو اور عقل انسانی کی غذا صرف جھوٹ اور غلط خیالات ہوں تو کیا ایسے معاشرہ میں عقل کے بچاؤ اور اس کے محفوظ رہنے کی کوئی توقع کی جاسکتی ہے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ دو صورتوں میں عقل کی بڑی حق تلفی اور اس کا بڑا زیاں ہوتا ہے، پہلی صورت یہ ہے کہ جب اس پر کوئی ایسا مخصوص فکر و نظریہ مسلط کر دیا جائے کہ اس کے بارے میں اس کو چوں و چرا کرنے کا ذرہ برابر بھی حق نہ ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ زبان کو شتر بے مہار کی طرح ایسا آزاد چھوڑ دیا جائے کہ بغیر غور و فکر کے جو چاہے کہے اور جس کی چاہے عزت و آبرو اتارے، اور یہ صورتیں وہیں پائی جاسکتی ہیں جہاں اسلام کا دخل اور اس کا اقتدار نہ ہو، جیسے کہ اشتراکی معاشرہ آپ کے سامنے ہے، اس معاشرہ میں غور و فکر کرنا، عقل کو استعمال کرنا گویا کسی جرم عظیم کا ارتکاب کرنا ہے، اس کے برعکس دوسرے ایسے معاشرے ہیں کہ وہاں زبان کو اتنی آزادی حاصل ہے کہ جو چاہے کہے خواہ وہ عقل اور اخلاقی اصول کے سراسر خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

عقل کے ساتھ اسی غلط موقف کا نتیجہ ہے کہ اس وقت دنیا کے اندر ذہانت کا تناسب گھٹتا جارہا ہے اور عقلی و دماغی امراض کا تناسب روز افزوں ہے۔ ویل کارنیجی کہتا ہے کہ ہمارے یہاں اسپتالوں میں جو مریض ایڈمیٹ ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جو اعصابی اور دماغی امراض کے شکار ہیں۔"

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر اسلام نہ ہو تو عقل انسانی کا کیا حشر ہو اور جہاں جہاں اس وقت اسلام کی حکمرانی نہیں ہے وہاں کس غلط طریقے سے اس کا استعمال ہو رہا ہے۔ اور کس طرح اس کو پامال کیا جارہا ہے، اوپر کی تفصیل خود اس بات پر شاہد ہے۔

لیکن اس کے برعکس جہاں اسلام کی جلوہ سامانی اور اس کی فرماں روائی ہے وہاں عقل کی حفاظت اور اس کو کارگر اور مفید بنانے کا کتنا اہتمام ہے، اور خود اسلام کی نگاہ میں اس کی کیا قدر و قیمت ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے شراب کو اس لئے حرام قرار دیا کہ اس سے عقل کے اندر فتور پیدا ہوتا ہے اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، اور یہی عقل ہی وہ شے ہے جس کے ذریعہ خداوند قدوس نے انسانوں کو جانوروں سے ممتاز قرار دیا، اور اسی بنیاد پر انسان کو احکام الٰہی کا پابند اور مکلف بنایا جاتا ہے اور اگر عقل کے اندر خیر و شر کے مابین امتیاز اور فرق کرنے کا مادہ نہ ہو تو انسان جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اور آج اسلام کے علاوہ دوسری سوسائٹیوں میں یہی ہو رہا ہے کہ ان کے اندر سے خیر و شر کے امتیاز کا مادہ بالکل مفقود ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے وہ عقلی گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔

انسانی جان کی قیمت

اسلام کی نگاہ میں انسانی جان کی کیا قدر و قیمت ہے اس کا اندازہ قرآن مجید کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے۔" أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا"

(سورۃ المائدہ)

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔

ہمارا دور جس کو تمدن کا دور کہا جاتا ہے اس میں انسانی جان کو ضائع کرنے کی ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انسانیت کی نگاہ مارے شرم کے جھک جاتی ہے، روس میں کمیونزم نظام کو نافذ کرنے کے لئے ایک کروڑ نوے لاکھ انسانوں کو تہ تیغ کیا گیا، تقریباً بیس لاکھ افراد پر دردناک سزاؤں کے کوڑے برسائے گئے اور چار ملین لوگوں کو قید و بند اور جلاوطنی کی زندگی گذارنے پر مجبور کیا گیا۔

باقی ص ۲۵ پر

(طلبہ کا صفحہ)

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

رسال الدین احمد متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے جبکہ پوری انسانیت توحید و ہدایت کی روشنی سے محروم ہو چکی تھی۔ خدا کو بھلا کر کفر و شرک، جرم و عصیان اور ضلالت و جہالت کی تاریک وادیوں میں بھٹک رہی تھی۔ تو افق عرب پر نبوت محمدی کا آفتاب طلوع ہوا اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی رفیع الشان اور عظیم المرتبت شخصیت کو ایک اعلیٰ و ارفع مقصد اور ایک زندہ جاوید پیغام دیکر مبعوث فرمایا۔ وہ یہ کہ آپؐ خدا کے حکم و توفیق سے تمام دنیا کے لوگوں کو خواہ عرب ہوں یا عجم، کالے ہوں یا گورے، مزدور ہوں یا سرمایہ دار بادشاہ ہوں یا رعایا۔ سب کو جہالت و اوہام اور خدا فراموشی کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں سے نکال کر معرفت و بصیرت اور ایمان و ایقان کی روشنی میں لا کھڑا کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ قرآن عزیز نے صراحت فرمائی ہے۔

"لتخرج الناس من الظلمٰت إلى النور باذن ربهم إلى صراط العزيز الحميد"

(ابراہیم : ۱)

ترجمہ:۔ (تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں، ان کے پروردگار کے حکم سے، یعنی (خدائے) غالب و ستودہ صفات کی راہ کی طرف۔)

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکم ہوتا ہے کہ معبودانِ باطل کی خدائی سے علانیہ انکار، اور خدائے واحد کی طرف دعوت و تبلیغ کا بر ملا اظہار و اعلان فرما دیں۔ ارشاد ہوا۔

"فاصدع بما تؤمر و أعرض عن المشركين"

یعنی (جو حکم آپ کو خدا کی طرف سے ملا ہے وہ لوگوں کو سنا دو، اور مشرکین کا ذرا خیال نہ کرو۔)

یہاں سے حق و باطل کے درمیان معرکے کا بازار گرم اور نور و ظلمت کے تصادم کا آغاز ہو جاتا ہے اور یہ ایک ازلی دستور و ابدی حقیقت ہے کہ جب بھی حق کی طاقت سامنے آتی ہے اور حق کی روشنی پورے عالم کو منور کرنے لگتی ہے تو باطل اپنے آلات سے لیس ہوکر میدان میں آجاتا ہے پھر حق و باطل میں کشمکش اور ان کی طاقتوں میں ٹکر ہوتی ہے۔ بالآخر باطل طاقتوں کو منہ کی کھانی پڑتی ہے اور شکست خوردہ ہوکر خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہیں۔

اور اعلان ہوتا ہے: "جاء الحق وزهق الباطل، إن الباطل كان زهوقاً"۔

حق و صداقت کی روشنی اپنا کرشمہ دکھاتی ہے اسلام کا زندہ جاوید اور نفع بخش پیام ہر چہار دانگ عالم میں پھیلنے لگتا ہے۔ خدائی اصول بھی یہی ہے "فأما الزبد فيذهب جفاء وأما ما ينفع الناس فيمكث في الأرض" (کہ جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز لوگوں کو نفع پہونچانے والی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے)

لیکن طاغوتی طاقتوں اور باطل قوتوں سے نبرد آزما ہونے اور کلمۂ حق کو غالب و سربلند کرنے کے لیے ایسے مردانِ کار درکار ہوتے ہیں جن کے اندر زبردست اخلاقی قوت، روحانی طاقت یعنی اللہ کی ذات پر پختہ ایمان و یقین ہو۔ اس کی دعوت کی سچائی پر راسخ اعتقاد رکھتے ہوں، نیز اسکی ترقی و پیش قدمی کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات و مصائب، اور سخت ترین حالات میں ثابت قدمی و مضبوطی سے ڈٹے رہنے کے بے پناہ حوصلے سے معمور ہوں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امت کے اولین افراد میں ایسے ہی طاقتور نفوس اور پاکیزہ و پاکباز افراد کو پیدا فرمایا جو اس بار امانت اور پیغام ربانی کے تحمل و اشاعت کے اہل ثابت ہوئے جس کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کیلئے نازل کیا تھا اور اس امت پر اس کی دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ڈالی تھی، نیز اس راہ کے پُرخطر ماحول، دشوار گزار مرحلوں، سخت ترین رکاوٹوں اور دشمنانِ اسلام کے طعن و تشنیع اور اذیتوں کو صبر و ثبات اور عزم و استقلال سے برداشت کرنے، اور ابتلاء و آزمائش سے دوچار ہونے کا مکلف بھی بنایا تھا۔ جس کا صاف طور پر یوں اعلان بھی فرما دیا تھا:۔

"لتبلون في أموالكم وأنفسكم ولتسمعن من الذين أوتوا الكتٰب من قبلكم ومن الذين أشركوا أذى كثيرًا، وإن تصبروا وتتقوا فإن ذلك من عزم الأمور" (آل عمران : ۱۸۶)

ترجمہ: (مسلمانو!) تمھیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی، اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنوگے اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہوگے تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔

"یہ خطاب مسلمانوں کو ہے کہ آئندہ بھی جان اور مال میں تمہاری آزمائش ہوگی اور ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں گی، قتل کیا جانا، زخمی ہونا، قید و بند کی تکلیف اٹھانا، بیمار پڑنا، اموال کا تلف ہونا، اقارب کا چھوٹنا۔ اس طرح کی سختیاں پیش آئیں گی، نیز اہل کتاب اور مشرکین کی زبانوں سے بہت جگر خراش، دلآزار باتیں سننا پڑیں گی، ان سب کا علاج صبر اور تقویٰ ہے۔ اگر صبر و استقلال اور پرہیزگاری سے ان سختیوں کا مقابلہ کروگے تو یہ بڑی ہمت اور اولوالعزمی کا کام ہوگا جس کی تاکید حق تعالیٰ نے فرمادی" (تفسیر عثمانی)

چنانچہ حضرت بلال، عمار، خباب و سمیہ اور حضرت ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے سب سے پہلے حق کی دعوت کو قبول کیا، اللہ پر ایمان لائے اور رسالت محمدی کی تصدیق کی، جس کے نتیجہ میں کفار و مشرکین مکہ کے ظلم و ستم اور تشدد و جبر و استبداد کا نشانہ بھی بنے مشکلات و مصائب کی سختیاں بھی برداشت کیں، مال و متاع سے بھی ہاتھ دھونے پڑے گھروں سے بے گھر کئے گئے، طرح طرح کی آزمائشوں اور ایذاؤں سے دوچار ہوئے تپتی ہوئی ریت اور سلگتی ہوئی چٹانوں پر لٹائے گئے، ان کے جسموں کو تیروں سے چھلنی اور لوہے کی گرم سلاخوں سے داغا گیا۔

لیکن یہ حق کے شیدائی اپنے دین و ایمان پر عزیمت و استقلال اور دعوت و عقیدے پر پختگی کے ساتھ ثابت قدم رہے، انتہائی خطرناک مواقع اور حوصلہ شکن مظالم بھی ان کے ایمان و یقین کو متزلزل کرنے میں ناکام رہے۔ اس لیے کہ انھوں نے اللہ کے وعدوں پر مکمل اعتماد کیا تھا۔ اس کے رسول کی اتباع میں نصرت و کامیابی اور نجات و ہدایت کو مضمر جانا تھا، جس کی وجہ سے راہ حق پر قائم و دائم رہنے کے لیے کسی طرح کی جانی، مالی بیش بہا قربانیاں سے دریغ نہ کرتے۔

انھوں نے عالی ہمتی، حق پسندی، اولوالعزمی و ثابت قدمی، جرأت و بے خوفی اور خلوص و بے غرضی کا وہ بے مثال مظاہرہ کیا کہ پوری انسانیت کے لیے شمع ہدایت بن گئے۔ اور پیہم جد و جہد مسلسل کوشش اور ہمت و پامردی کی وہ مشعلیں روشن کیں کہ اس امت کی بقا و ارتقا کے لیے دلیل راہ قرار پائے۔ (اصحابی کالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم) جانبازی سرفروشی اور دین سے محبت و فدائیت کا وہ ثبوت دیا کہ رہتی دنیا تک کیلئے معیار حق اور نمونۂ تقلید ٹھہرے۔ آسمان ہدایت کے یہ روشن ستارے، تسلیم و رضا کے خوگر، اطاعت و عبادت کے شیدائی اور حق و صداقت کے علمبردار ہی دراصل اولین اینٹیں ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوئی۔

پھر جب دعوت حق پر لبیک کہنے والوں پر مکہ میں مشرکین نے عرصۂ حیات تنگ کردیا۔ اور مسلمانوں پر ان کے ظلم و ستم حد سے گذرنے لگے اور حالات روز بروز سنگین سے سنگین تر ہوتے چلے گئے، تیرہ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے سخت زہرہ گداز مظالم کے مقابلہ میں بے مثال صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے رہنے کے باوجود مصائب و مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا رہا تو پہلے کچھ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، مگر جو مکہ میں رہ گئے تھے وہ ابھی تک ظلم کی چکی میں پس رہے تھے۔

اس کے بعد جب انصار کے قبیلے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرلی، آپ کے اور مسلمانوں کی حمایت و مدد کا عہد کرلیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جتھیں بنا بنا کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دیدی اور مسلمان بھی اپنے جان اور ایمان کے سوا ہر چیز کو چھوڑ کر زندگی بھر کی کمائی ہوئی پونجی سے ہاتھ دھو کر دعوت و عقیدے کی خاطر ہر عزیز و محبوب اور ہر مانوس و مرغوب شے کو ترک کرکے صرف اس لیے کہ اللہ کا دین باقی رہے اور غالب و سربلند ہو۔ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔

وہ خدا پرست تھے جو سب کو چھوڑ کر اپنے رب اور اپنے مالک حقیقی سے رشتہ جوڑ چکے تھے وہی ان کا محبوب حقیقی اور معبود برحق تھا اسی کی رضا ان کا مطمح نظر تھی وہ اپنے محبوب حقیقی کے محبوب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردینا اپنا نصب العین بنا چکے تھے۔ یہاں تک کہ بحکم خداوندی حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس طرح تقدیر الٰہی نے مدینہ کو اسلام کا اولین مرکز قرار دیا۔

مکہ مکرمہ میں غلبۂ کفار اور دیگر مصالح کی وجہ سے جہاد کی اجازت نہ ہوئی تھی۔ اب مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں اپنا مرکز قائم ہوچکا تھا صحابۂ کرامؓ کی صحیح معنیٰ میں ایمانی تربیت ہوچکی تھی اور مسلمانوں کی قلیل سی جمعیت ایک مستقل مرکز پر جمع ہوگئی اور مدینہ "دارالاسلام" بن گیا تھا تو مظلوم مسلمانوں کو اپنی جماعت اور مذہب کی حفاظت و مدافعت کے لیے ظالموں کے مقابلہ پر تلوار اٹھانے کی اجازت ہوئی۔ اور اس سلسلہ کی پہلی آیت نازل ہوئی:۔

○ اُذن للذین یقاتلون بأنھم

ظلموا.....ان اللہ لقوی عزیز" (الحج ۴۰۔۳۹)
ترجمہ: (اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ جاری ہے کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اللہ یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے "ہمارا رب اللہ ہے" اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ سب مسمار کر ڈالی جائیں اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے، اللہ بہت طاقتور اور زبردست ہے"

دراصل حق امن وامان کے ساتھ اشاعت و ترقی کا حق مانگتا ہے اور باطل اس کو اس حق سے محروم کرنے کے لیے جنگ کی فضا پیدا کر دیتا ہے اور حق کو مجبور کرتا ہے کہ وہ تلوار لیکر باطل کے ساتھ نبرد آزماں ہوجائے، یہاں بھی ایسا ہوا کہ بدر کا عظیم الشان معرکہ اور حق و باطل کی تاریخ ساز جنگ پیش آئی جس نے فیصلہ کر دیا کہ زندہ رہنے۔ پھلنے، پھولنے اور پھیلنے کا حق کس کو حاصل ہے۔ آیا باطل پرستوں کو جو مال و دولت پر اترلتے ہوئے، کثرت تعداد کے فخر سے چور ہوکر اور جنگی ساز وسامان سے لیس ہو کر حق کی آواز کو دبانے کے لئے آئے تھے؟ یا حق و صداقت کے ان علمبرداروں کو جن کے قائد صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سال تک مکہ مکرمہ کے بھٹی جیسے ماحول میں انھیں رکھا تھا اور وہ تپ کر کندن اور خالص سونا بن کر مدینہ منورہ پہونچے تھے جنھیں بشارت مل گئی تھی کہ وہ حق پر ہیں اور حق کے لیے کوشاں ہیں اور جنھیں دنیا ہی میں اللہ پاک نے "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کی نوید سنا دی تھی جن کا مقابلہ ایک اور تین کے تناسب سے تھا لیکن اللہ کی مدد کھلے بندوں ان کے ساتھ تھی؟

یہ ایک فیصلہ کن لڑائی اور سخت آزمائش تھی، جس پر پوری نسل انسانی کی قسمت کا انحصار تھا جس میں امت اسلامیہ کی تقدیر اور دعوت کے مستقبل کا فیصلہ ہوا

(باقی ص ۶ پر)

جناب مولانا علاء الدین صاحب ندوی رح

جناب مولانا علاء الدین صاحب ندویؒ کا ۲۲ر جنوری ۱۹۹۵ء کو انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا علاء الدین صاحب مونگیر کے مردم خیز علاقے کے رہنے والے تھے، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کر کے ۸ سال کی عمر میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر آگئے اور تعلیم کی تکمیل دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مدرسہ عالیہ کلکتہ میں کی اور ندوہ سے عالمیت کر کے دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور وہاں موقوف علیہ دورۂ حدیث اور تکمیل تفسیر کیا اور حضرت مدنیؒ کے انتقال کے بعد دارالعلوم سے چلے آئے، اور پھر رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے اور تعلیم و تدریس سے منسلک ہوگئے اور پندرہ سال تک جامعہ رحمانی مونگیر میں مدرس رہے مگر حالات نے کروٹ لی اور آپ نے تدریس چھوڑ دیا اور گھر پر قیام پذیر ہوگئے۔

اسی دوران مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ کو بورڈ کے کاموں کے لئے ضرورت پڑی تو مولانا کی نظر انتخاب مولانا علاء الدین صاحب پر پڑی اور آپ کو بورڈ کے مختلف کاموں سے منسلک کر دیا، اسی دوران اہل تعلق کی کوششوں سے آپ رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے جزائر فیجی مبعوث بن کر گئے فیجی میں دو تین ماہ رہنے کے بعد آپ کو ایسے عوارض لاحق ہوگئے کہ آپ کو جلد واپس آنا پڑا، اور مختلف معالجوں سے رجوع کرنے کے بعد آپ شفایاب نہ ہو سکے اور دن بدن صحت گرتی چلی گئی اور بالآخر ۲۲ر جنوری ۱۹۹۵ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

مولانا علاء الدین کا ذوق خالص علمی اور ادبی تھا مطالعہ ان کا شیوہ تھا اور جب بھی ندوہ آتے تو کتب خانہ جاتے اور اپنے ذوق سے متعلق کتابوں کو حاصل کرتے اور مطالعہ کرتے اور اپنے اسی ذوق کی وجہ سے اپنے ملنے جلنے والوں میں متعارف تھے اور ان سے ہمیشہ دریافت کرتے رہتے تھے کہ کوئی نئی کتاب آئی ہو تو مطالعہ کے لئے دیں۔

مولانا کی پیدائش ۱۹۳۰ء میں مونگیر جیسے مردم خیز علاقے کے اس حصہ میں ہوئی جو بعد میں کھگڑیا کے نام سے موسوم ہوا۔

مولانا علاء الدین صاحب درس و تدریس اور مطالعہ سے خاصی دلچسپی رکھتے تھے اور آپ کے اس ذوق و شوق کا اثر آپ کی اولاد پر بھی پڑا، آپ نے اپنی اولادوں کو بھی علم سے آراستہ کیا اور سب نے دارالعلوم ندوۃ العلماء، دارالعلوم دیوبند اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے خوشہ چینی کی اور سب الحمدللہ حافظ و عالم ہیں اور تعلیم و تدریس سے منسلک ہیں۔

آپ کے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ آٹھ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کے ساتھ خصوصی رحم و کرم کرے، آمین۔

طب و صحت

روغن زیتون۔ ایک غذا ایک دوا

حکیم الحسن علی خاں ندوی۔ سینا دوا خانہ، بھوپال

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے انسان کو گوناگوں نعمتیں عطا فرمائی ہیں جن پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، روغن زیتون بھی اس ذات عالی کی بخشیدہ نعمتوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے، قدیم زمانہ سے اس کی افادیت مسلم رہی ہے، غذا کے ساتھ وہ ایک حیات بخش دوا کا درجہ رکھتا ہے۔

زیتون کا تیل ایک روغن ہے جسے زیتون کے درخت کے پختہ پھل سے دبا کر نکالا جاتا ہے، اس کی زیادہ تر پیداوار شمالی افریقہ، جنوبی یورپ، آسٹریلیا اور ایشیا میں ہوتی ہے، اس کی اصل جائے پیدائش فلسطین، ایشیائے کوچک اور یونان ہے، ہندوستان، افغانستان اور بلوچستان کے بعض علاقوں میں بھی اسے لگایا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سترہ سو سال قبل "باک" کے نام سے، قدیم مصر میں زیتون کا درخت معلوم و مشہور تھا، قدیم یونانیوں اور رومیوں کو بھی اس کا علم بخوبی تھا، البتہ قدیم ہندوؤں کے یہاں اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ آسمانی کتابوں تورات اور انجیل میں بھی زیتون کا تذکرہ ہے۔

قرآن کریم میں بھی اس کا تذکرہ کئی جگہ ہے، سورہ انعام آیت نمبر ۹۹ اور آیت نمبر ۱۴۲، سورہ نحل آیت نمبر ۱۱، سورہ مومنون آیت نمبر ۲۰، سورہ نور آیت نمبر ۳۵، اور سورہ التین آیت نمبر ۱ تا ۳ میں زیتون کا ذکر آیا ہے، سورۂ المومنون میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"وشجرة تخرج من طور سيناء تنبت بالدهن وصبغ للآكلين" آیت ۲۰

اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے وہ اگتا ہے تیل لیے ہوئے اور کھانے والوں کے لیے سالن لیے ہوئے۔

زیتون کا تیل بطور سالن آج تک استعمال کیا جاتا ہے، قرآن کریم میں اس درخت کا ذکر بطور خاص اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس میں بہت سے فوائد ہیں، دوسرے درختوں کے مقابلہ میں اسے ایک خاص شرف و منزلت حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ سورۂ "التین" میں اس کی قسم کھائی گئی ہے، جبل طور کی طرف اس کی نسبت کرنا بھی اس کی فضیلت بیان کرنے اور اس کی برکت ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

احادیث نبویہ میں بھی زیتون کا تذکرہ ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روغن زیتون کھانے اور لگانے کی ترغیب دی ہے۔

امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "روغن زیتون کھاؤ اور اس کو لگاؤ، اس لیے کہ یہ ایک مبارک درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔"

ابن ماجہ نے بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "زیتون کا تیل بطور سالن استعمال کرو اور اس کا تیل لگاؤ، اس لیے کہ یہ ایک مبارک درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔"

روغن زیتون ہلکے زرد رنگ کا کسی قدر سبزی مائل ہوتا ہے، اس میں خفیف بو بھی ہوتی ہے، اس کا وزن ۹۱۴ء سے ۹۱۹ء ہوتا ہے، وہ ۳۲ درجہ فارن ہائٹ کی حرارت پر جم جاتا ہے۔

روغن زیتون کا استعمال اندرونی و بیرونی دونوں طرح کیا جاتا ہے، بیرونی طور پر اس کی مالش سے جلد ملائم اور چکنی ہو جاتی ہے، اس کے استعمال سے کسی قسم کی خراش وغیرہ نہیں پڑتی، یہی وجہ ہے کہ خشک جلدی امراض فالج اور وجع مفاصل میں جبکہ جوڑ سخت ہو گئے ہوں اس کی مالش کی جاتی ہے، اکزیما اور پھنسیوں وغیرہ پر اس کو لگانے سے کھرنڈ وغیرہ نرم ہو کر آسانی کے ساتھ علاحدہ ہو جاتا ہے، سرخ بخار، چیچک، سیتلا وغیرہ میں جب مریض کے جسم سے چھلکے یا بھسی جھڑنا شروع ہو تو روغن زیتون میں چار پانچ فیصدی کاربالک ایسڈ ملا کر مالش کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ ویسے ہی جسم پر روغن زیتون کی مالش کرنے سے اس کا کچھ حصہ خون میں جذب ہو کر غذائیت بخشتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اطباء کمزور بچوں کی صحیح پرورش کے لیے اس کی مالش تجویز کرتے ہیں جس سے بہت مفید نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

اندرونی طور پر روغن زیتون کا استعمال خصوصیت سے مری اور معدہ کی سوزش اور درد میں کیا جاتا ہے۔ اس روغن کا اندرونی

استعمال اس لیے بھی کیا جاتا ہے کہ اس کا ایک حصہ اعضاء میں جذب ہو کر جسم کی پرورش میں مدد دیتا ہے۔ اسی لیے اطباء لاغر وکمزور کر دینے والے امراض میں اس کے استعمال کا مشورہ دیتے ہیں، شاید اس کی یہی بڑی خصوصیت ہے کہ آج تک بہت سے ممالک میں اسے بطور غذا استعمال کیا جاتا ہے اور قرآن و حدیث میں اس کو کھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

روغنِ زیتون کو اندرونی طور پر خفیف ملیّن کی حیثیت سے بھی استعمال کیا جاتا ہے، یہ ایک سے دو اونس کی مقدار میں خفیف ملیّن ہے، اس سے اجابت بافراغت ہو جاتی ہے۔

روغن زیتون بواسیر، شقاق المقعد اور قروح المقعد میں بھی ایک فائدہ بخش دوا ہے، روغن زیتون کا استعمال صفراوی پتھری کے تحلیل کرنے کے لیے بھی کیا جاتا ہے، یہ اس وجہ سے کہ اس کے بعض اجزاء صفرا کے ساتھ خارج ہوتے ہیں، جگر کے درد کے وہ دورے جو صفراوی پتھری کی وجہ سے ہوتے ہیں اس کے استعمال سے موقوف ہو جاتے ہیں، لیکن اس مقصد کے لیے اسے زیادہ عرصہ تک استعمال کیا جاتا ہے، اس روغن کے استعمال سے صفرا رقیق ہو کر خارج ہوتا ہے اور صفراوی پتھری بھی نکل جاتی ہے۔

قدیم اطباء نے اپنی طبی تصنیفات میں روغن زیتون کے بے انتہا فوائد تحریر کیے ہیں اور مختلف بیماریوں کے علاج میں اسے سودمند بتلایا ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، روغن زیتون کے اس درجہ مفید ہونے کی وجہ سے ہی قدیم زمانے سے مصری، یونانی اور بابلی اقوام زیتون کو اپنے دیوتاؤں کا بخشا ہوا عطیہ گمان کرتے تھے، ان کے یہاں مذہبی رسم و رواج میں زیتون کے تیل کا بڑا عمل دخل تھا، دیوی دیوتاؤں کے لیے جو قربانی دی جاتی تھی اس پر زیتون کا تیل چھڑکا جاتا تھا، کیونکہ ان کے نزدیک یہ ایک مقدس تیل تھا اور قربانی میں تقدس پیدا کرنے کے لیے اس کا استعمال ناگزیر تھا ہمارے لیے اس کی افادیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ رب العلمین نے اس کا تذکرہ اپنی کتاب میں اور رحمۃ للعالمین نے اس کی ترغیب اپنے ارشاد میں دی ہے۔

آگئی پھر عید دامن میں لئے خوشیاں ہزار

خلیل پرتاپ گڈھی

آگئی پھر عید دامن میں لئے خوشیاں ہزار — کس قدر بشاش ہے سرشار ہے ہر روزہ دار
چاند ہوا انتیس کا گرچہ بفضلِ کردگار — چاند کی شب اور بھی ہو جاتی ہے باغ و بہار
ہر کلی گل بن گئی ہر گل ہوا ہے مشک بار — آگئی ہے اس طرح صحنِ گلستاں میں بہار
ہے نئے کپڑوں میں ہی ملبوس ہر خورد و کلاں — ہے فضا ساری معطر کیف پرور دل بہار
پالنے والے کی عظمت کے ہی گن گاتے ہوئے — عیدگاہوں کی طرف سب جاتے ہیں دیوانہ وار
بے اذاں صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں چھوٹے بڑے — بے اقامت پڑھتے ہیں شکرانۂ پروردگار
بعد شکرانہ کے دل ہوتا ہے کتنا مطمئن — روزہ داروں کو تھا اس سچّی خوشی کا انتظار
سنتے ہیں پھر خطبہ رب کی عظمت و تعریف کا — مژدہ یہ کانوں سے ٹکراتا ہے ان کے بار بار
خلد میں اللہ کی رحمت سے اور اعزاز سے — جائے گا ریّان کے دروازہ سے ہر روزہ دار
ملتے ہیں اپنے پرائے سے گلے کچھ اس طرح — صاف دل سے، دور کرکے ذہن سے ہر انتشار
بڑھ گیا ہے دل میں کھانے اور کھلانے کا جو شوق — ہر طرف ہر گھر میں ہے کیسی سویّوں کی بہار
جس کو ہے توفیق جتنی خوش ہے وہ اس سے سوا — زینتِ خانہ بھی دولت لٹا دی بے شمار
دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں یہ کپڑے زرق برق — درمیانی راستہ اے کاش کرتے اختیار
ماسوا اللہ جن کا آسرا کوئی نہیں! — ہم کریں کچھ اور تاکہ وہ نہ ہوں یوں سوگوار
ان کی دلجوئی کی خاطر ہے ضروری بس یہی — بانٹ لیں ہم ان کے غم دے کر مسرت اور پیار
خرچ بیجا سے گریزاں ہوں جہاں تک بن پڑے — کیونکہ یہ خالق کو بھی ہے ناپسند و ناگوار
بھائیو! کچھ قدر کرنا سیکھ لو اس وقت کی — اڑ رہا ہے جو ہوا کے گھوڑے پر ہو کر سوار
یہ نسیم جانفزا بھی ہے ہوائے تند بھی — قدر کرے وقت کی جو، ہے نہایت ہوشیار

وقت کا ہے یہ تقاضا ہوش میں آؤ خلیل
حشر کے دن تا نہ ہو مالک کے آگے شرمسار

پندرہ روزہ تعمیر حیات ایک تحریک ہے، اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں۔

بقیہ: مطالعہ حدیث کی بنیادی باتیں

صحیح علوم دینیہ اور متوازن صاف ستھری فکر کو ان ہی کتابوں سے اخذ کرتے رہے ہیں اور ان ہی کی احادیث سے استدلال کرتے رہے ہیں اور دینی و اصلاحی دعوتوں شرک و بدعات کے مقابلوں اور اس کی تردید میں ان ہی کتب پر ان کا اعتماد رہا ہے اور کوئی بھی وہ شخص جو امت کو دین خالص اور مکمل اسلام کی طرف لیجانا چاہتا ہو اور اس کو حیات نبوی اور اسوہ کاملہ سے اس کو جوڑنا چاہتا ہو وہ ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، اور وہ شخص بھی ان سے مستغنی نہیں ہوسکتا جو رفتار زمانہ میں پیدا ہونے والے نت نئے مسائل کے لئے احکام شرعیہ کا متلاشی ہو۔

صحاح ستہ کے مصنفین کا مختصر تعارف اور ان کی خصوصیات و امتیازات

سید الحفاظ حضرت امام بخاریؒ

ان اصحاب صحاح میں سب سے امتیازی مقام شیخ الاسلام امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل ابن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ بخاریؒ کو حاصل ہے جو ولاءً جعفی ہیں۔ حفاظ حدیث کے امام اور الجامع الصحیح اور اس کے علاوہ دیگر کتب کے مصنف ہیں۔

شوال ۱۹۴ھ میں ولادت ہوئی، یتیمی میں پرورش پائی ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی اور وہاں کے شیوخ سے احادیث حاصل کرلینے کے بعد ۲۱۰ھ میں والدہ محترمہ اور بھائی کے ساتھ مکہ، بصرہ اور کوفہ کا سفر کیا اور وہاں کے شیوخ حدیث سے اخذ فیض کیا، پھر شام عسقلان حمص اور دمشق کا سفر کیا اور وہاں ائمہ حدیث سے احادیث کا سماع کیا، نو عمری ہی میں مہارت حاصل کرلی اور تصنیف و تالیف کا کام بھی شروع کردیا اور مسند درس کو بھی زینت بخشی، ذہانت، علم اور تقوی و عبادت میں امتیازی شان رکھتے تھے، امام ترمذی اور بڑے بڑے ائمہ فن نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے احادیث بیان کیں۔

امام بخاریؒ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے احادیث لکھی ہیں۔ محمد بن حمزویہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ حفظ ہیں۔

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ "روئے زمین پر امام بخاری سے بڑھ کر حدیث کا علم رکھنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے۔"

عید الفطر کی شب کو ۲۵۶ھ میں علم کا یہ آفتاب غروب ہوا۔

فن حدیث میں امام کا مقام اور عبقریت

اس سلسلہ میں امام بخاریؒ کا سب سے تعجب خیز واقعہ وہ ہے جس کو امام ابو احمد بن عدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے بغداد کے متعدد مشائخ سے سنا کہ جب امام بخاری بغداد تشریف لائے تو وہاں کے محدثین کو اس کی اطلاع ہوئی وہ سب جمع ہوئے اور امام بخاری کے حفظ کا امتحان لینا چاہا اس کا طریقہ انھوں نے یہ اپنایا کہ سو حدیثیں لیں اور ان کے متون و اسانید کو الٹ پلٹ دیا، ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث کی سند سے اور سند کو کسی دوسری حدیث کے متن سے ملا دیا، دس اشخاص کو اس کا ذمہ دار بنایا گیا، ان میں سے ہر ایک کو دس دس حدیثیں سپرد کی گئیں اور یہ طے ہوا کہ جب امام بخاری مجلس میں حاضر ہوں تو ان میں ہر ایک احادیث کو پیش کرے، مجلس کا وقت مقرر ہوا۔ تمام لوگ وقت پر حاضر ہوئے، خراسان اور بغداد کے بہت سے دوسرے حضرات بھی ہجوم کر گئے۔ جب مجلس جم گئی۔ سب اطمینان سے بیٹھ گئے تو ان دس میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور ان مقلوبہ احادیث میں سے ایک حدیث کو سنا کر اس کے بارے میں امام بخاریؒ سے سوال کیا، امام نے فرمایا کہ میں واقف نہیں ہوں۔ ایک ایک کرکے ساری حدیثیں انھوں نے پیش کر دیں اور امام ہر حدیث کے بارے میں فرماتے کہ میں اس کا علم نہیں رکھتا جو علماء وہاں موجود تھے وہ ایک دوسرے کو اشارہ کرتے اور کہتے کہ یہ سمجھ گئے اور جو حقیقت سے بے خبر تھے وہ امام بخاری کی کم علمی و قلت حفظ کا فیصلہ کرنے لگے، اس کے بعد دوسرے صاحب کھڑے ہوئے اور انھوں نے بھی حدیث سنا کر اس کے بارے میں سوال کیا مگر امام ہر ایک کا جواب یہی دیتے میں نہیں جانتا۔ جب سارے حضرات سوالات سے فارغ ہوگئے تو امام پہلے صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ آپ نے پہلی حدیث یوں سنائی وہ صحیح اس طرح ہے، دوسری حدیث آپ نے اس طرح سنائی وہ صحیح یوں ہے ایک ایک کرکے دسوں حدیثیں آپ نے سنا دیں اور ہر متن حدیث کو اس کی سند کے ساتھ اور ہر سند کو اس کے متن کے ساتھ پیش کر دیا۔ دوسرے حضرات کے ساتھ بھی امام صاحب نے یہی معاملہ کیا اس واقعہ سے لوگوں نے امام صاحب کے فضل و کمال اور قوت حفظ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو

بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حیرت اس پر نہیں ہے کہ امام صاحب نے احادیث مقلوبہ کو صحیح کرکے سنادیا اس لئے کہ وہ حافظ حدیث تھے، حیرت ان کی اس قوت حفظ پر ہے کہ انھوں نے لوگوں نے احادیث میں جو قلب کیا تھا ان احادیث مقلوبہ کو بھی امام صاحب نے دہرادیا۔ جب کہ آپ نے صرف ایک مرتبہ سنی تھیں۔

صحیح بخاری کی خصوصیات و امتیازات امت میں اس کی مقبولیت، اس کی شروح و حلقہائے درس کی کثرت

جب ہم عالم اسلام کے کتب خانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں کوئی بھی بشری تصنیف ہم کو ایسی نہیں ملتی جس کی اتنی کثرت سے شروح و تعلیقات لکھی گئی ہوں اور امت نے اس کا اس قدر اہتمام کیا ہو جتنا امام بخاری کی صحیح کے ساتھ کیا گیا جو کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب تسلیم کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسا علمی میدان ہے کہ زمانہ قدیم سے علماء و مولفین کے اہتمام و تلقی بالقبول کا اس سے اندازہ ہوتا ہے اور یہ کسی بھی علمی کارنامہ کو ناپنے کا ایک پیمانہ رہا ہے جس کتاب کی سب سے زیادہ شروح و تعلیقات ہوں وہ اپنی قدر و منزلت میں سب سے بلند و بالا اور سب سے زیادہ معروف و مشہور سمجھی جاتی ہے اور جس کی شروح و تعلیقات کم ہوں مخمول الذکر ہو اور اس کی شہرت بھی نہ ہو وہ کتابوں کے ڈھیر میں رہ جاتی ہے نہ کسی کو اس کی طرف توجہ ہوتی ہے اور نہ کوئی اس کے ساتھ اعتنا کرتا ہے۔ جب یہ پیمانہ ٹھہرا اور یہی ایک پیمانہ ہے جس سے زمانہ ماضی کے علمی تاریخ میں کسی کتاب کی کامیابی کا اندازہ کیا جاتا تھا، اور کسی علمی مجلس کی صدارت پر فائز ہونے کی یہی ایک دلیل تھی تو ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اس میدان میں صحیح بخاری کو سب سے بڑی اہمیت حاصل ہے، اور وہ اسلامی کتب خانہ جس کا منبع و سرچشمہ قرآن مجید اور دعوت اسلامی ہے۔ اور وہ اپنی وسعت مکانی کے اعتبار سے مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے جب کہ وسعت زمانی کے لحاظ سے کم سے کم قرن اول سے لے کر تیرہویں صدی ہجری تک کے زمانے پر محیط ہے۔ اس میں صحیح بخاری کو امامت و صدارت کا شرف حاصل ہے۔

اس کی شروح و تعلیقات کی تعداد ایک سو اکیس (۱۲۱) ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے۔ اس لئے کہ اس تعداد کی بنیاد حلیبی کی کشف الظنون طاش کبری زادہ کی مفتاح السعادہ، اتحاف النبلاء الدیباج المذہب، نیل الابتہاج ان مشہور کتابوں کے مقدمات جو میسر آسکے علامہ عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء کی الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند اور اپنی بعض انفرادی تحقیقات پر ہے، جبکہ اس میں شک نہیں کہ عالم اسلام جغرافیہ دانوں کے تخیلات سے وسیع تر اور اسلام کی علمی تاریخ مؤرخین کی دسترس سے بڑھ کر ہے اور بہت سے ایسے گوشے ہیں جن پر نہ کسی کی نگاہ پڑ سکی اور نہ سورج کی کرنیں اس کو روشن کرسکیں۔

علامہ ابن حجرؒ کی تصنیف فتح الباری جو تیرہ جلدوں اور ایک مبسوط مقدمہ پر مشتمل ہے اور خود مستقل علوم حدیث کا ایک کتب خانہ ہے، ایک ایسی کتاب ہے کہ دوسرے مذاہب و ملتوں کے کتب خانہ ایسی کتاب پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس امت کو اس علمی کارنامے پر فخر کرنے کا حق ہے، اور یہ حق ہے کہ اس امت کی علمی کوششوں فکری سلامت روی و پختگی اپنے نبی کے آثار سے عشق اور ان میں آخری حد تک گہرائی و گیرائی پر اس کتاب کو ایک کھلی ہوئی دلیل کے طور پر دوسرے مذاہب و فلسفوں کے علماء، اور تمدنوں اور ثقافتوں کے علمبرداروں کے سامنے پیش کرے یہ کتاب بخاری کی دوسری شروح کے علاوہ ہے جن میں سرفہرست علامہ بدر الدین عینی کی عمدۃ القاری ہے جو بجائے خود نحو و عربیت علوم بلاغت، احکام فقہیہ اور فوائد حدیث کا ایک بھرپور کتب خانہ ہے [۱۵]۔

پھر کثرت شروح و تعلیقات کے اس پیمانہ کے اس کتاب کے درس و تدریس کی کثرت اور اس پر زور، اس کی نشر و اشاعت اور حفظ پر منافست، اس کی روایت و نقل پر جذبہ مسابقت نسل در نسل اس کا منتقل ہونا، شاگرد کا استاد سے اور ایک طبقہ کا دوسرے طبقہ سے اس کو اخذ کرنا کہ کوئی زمانہ اس سے خالی نہ ہو، کسی زمانہ میں اس میں فتور نہ آیا ہو۔ کبھی اس کی روایت منقطع نہ ہوئی ہو کبھی اس کی تدریس کا سلسلہ بند نہ ہوا ہو، اور تحریف و تلبیس کرنے والوں کا کبھی اس پر بس نہ چل سکا ہو، یہ ایسی خصوصیات ہیں کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری کو اس میں انفرادیت حاصل ہے، مؤلف سے اس کتاب کو نوے ہزار حفاظ حدیث اور رواۃ نے اخذ کیا اور اس کی نقل و روایت کا سلسلہ چل پڑا جو آج تک بلا انقطاع جاری ہے یہ کتاب اپنی شہرت، صحت نقل، اور مؤلف کی طرف نسبت میں حد تواتر کو پہونچ چکی ہے۔ اس میں وہی شک و شبہ کرسکتا ہے جو متواترات اور الٰہی حقائق علمیہ کا انکار کرتا ہو جو ضرورۃ ثابت ہوچکے ہوں آج بھی یہ کتاب عالم اسلام کے علمی حلقوں میں اہتمام و توجہ اور درس و تدریس اور غور و فکر کا محور ہے [۱۶]

صحیح بخاری کے ابواب و تراجم کی خصوصیات اور اس کی باریکیاں

فن حدیث سے اشتغال رکھنے والوں کے نزدیک خواہ وہ درس و تدریس سے متعلق

ہوں یا تصنیف و تالیف اور شرح و تحقیق میں مشغول ہوں، یہ بات طے شدہ ہے اس کتاب میں سب سے زیادہ دقیق بحث ابواب و تراجم کی ہے، اور اس میں بڑی وسعتیں اور گہرائیاں ہیں۔ حتیٰ کہ علماء و محدثین میں یہ مشہور ہے کہ بخاری کا تفقہ تراجم بخاری سے ظاہر ہے۔ اور یہ اس کتاب کا ایسا شعار بن گئے ہیں کہ ان سے یہ دوسری کتب صحاح سے (ان کی قدر و قیمت کے اعتراف کے ساتھ) ممتاز ہے اور اس طرح سے یہ علماء کی ذہانت، ان کی علمی حس، غور و فکر میں گہرائی، فہم کتاب پر غور حل مشکلات اور مصنف کتاب کے اغراض و مقاصد تک رسائی کا ایک ایسا پیمانہ بن گئے ہیں کہ جب تک کہ کوئی مصنف یا مدرس اس سلسلہ کی اہم معلومات نہ رکھتا ہو اور اس کے پاس کچھ ایسی توجیہات یا کہا جا سکتا ہے کہ ایسی چابی نہ ہو جس کے ذریعہ وہ اس کے مقفل ابواب کو کھول سکے۔ اور اس کی گہرائیوں میں جا سکے اس وقت اس کی مہارت علمی و تدریسی تفوق و امتیاز، شروح و حواشی اور اقوال ائمہ و محدثین پر عبور اور اس کی تدریس پر مزاولت و ممارست کی گواہی نہیں دی جا سکتی۔ اس لئے علماء نے ہر زمانہ میں اس کا خاص اہتمام کیا اور اس میدان میں اپنی توانائیاں اور تمام تر علمی صلاحیتیں نچوڑ کر رکھ دی، کوئی ایسا ادیب یا لغوی ہمارے علم میں نہیں کہ جس نے کسی شعر کی گہرائی تک جانے کے لئے اس کی حقیقت تک رسائی کے لئے اور شاعر کے مطالب و مفاہیم کو سمجھنے کے لئے اتنی غامر فرسائی کی ہو جتنی صحیح بخاری کے شراح اور اس کا درس دینے والوں نے مؤلف کتاب کے مقاصد و مطالب کو سمجھنے کے لئے کی۔

علمی تاریخ سے طویل اشتغال کے باوجود ہم علماء و حکماء کی کسی کتاب کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس فن کے ماہرین نے اس قدر اس پر اپنی توجہ دی ہو، اس کی باریکیوں میں گئے ہوں، اس کی مشکلات کو حل کیا ہو، حتیٰ کہ بال کی کھال نکالی ہو جتنا محدثین نے صحیح بخاری کے ساتھ کیا اور یہ صرف مصنف کتاب کے اخلاص، فن حدیث کے لئے منقطع ہو جانے، اس کے لئے جہد مسلسل کرنے اور اپنے آپ کو فنا کر دینے کا نتیجہ تھا[۱۷]

ان ابواب و تراجم میں غموض کی وجہ مصنف کتاب کے مختلف انواع اور عمیق اغراض و مقاصد ان کی ذہانت و ذکاوت، فہم حدیث میں تعمق وسعت اور کتاب کو زیادہ سے زیادہ جتنا ممکن ہو سکے مفید بنانے کی خواہش و کوشش ہے، ان کی مثال اس شہد کی مکھی کی ہے جو پھول کے آخری قطرہ کو بھی چوس لیتی ہے پھر لوگوں کے لئے اس کو صاف و شفاف شہد میں تبدیل کر دیتی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ

اصحاب صحاح ستہ میں دوسرا نام حافظ حدیث حجۃ الاسلام امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری کا ہے آپ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی ۲۱۸ھ میں پہلی مرتبہ حدیث کا سماع کیا جن لوگوں سے احادیث سنیں ان میں امام احمد بن حنبل اور دوسرے ائمہ فن ہیں، احمد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوزرعہ اور ابوحاتم کو دیکھا ہے کہ وہ امام مسلم کو معرفت حدیث صحیح کے سلسلہ میں اپنے زمانے کے مشائخ پر فوقیت دیتے تھے، ابوقریش کہتے ہیں کہ دنیا میں چار حافظ حدیث ہیں، ان میں امام مسلم کو بھی شمار کیا، محمد بن ماسرجسی کہتے ہیں کہ میں نے امام مسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے صحیح کو تین لاکھ سنی ہوئی حدیثوں سے منتخب کیا ہے، ابن شرقی کہتے ہیں۔ میں نے امام کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنی اس کتاب میں جس میں احادیث صحیحہ مرفوعہ ہیں، جس حدیث کو لیا دلیل کے ساتھ لیا اور جس کو ترک کیا دلیل کے ساتھ کیا امام مسلم کی وفات رجب ۲۶۱ھ میں ہوئی[۱۸]

صحیح مسلم کے بعض وہ امتیازات و خصوصیات ہیں جن میں وہ دوسرے علمی کاموں اور فنی کوششوں سے فائق ہے۔ جبکہ یہ حضرات جنھوں نے یہ علمی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ زمانے کے لحاظ سے ایک دوسرے کے معاصر ہیں۔

جہد و اخلاص بھی سب میں موجود ہے اور اساتذۂ فن بھی ان کے مشترک ہیں، اب ہم اس کتاب کے بعض اہم امتیازات کا ذکر کرتے ہیں[۱۹]۔

(۱) اس کتاب سے استفادہ بہت آسان ہے اس لئے کہ امام نے ایک باب سے متعلق احادیث کو ایک ہی جگہ جمع کیا ہے، پھر حدیث کے ان مختلف طرق کو جو ان کی شرط پر تھے ذکر کر دیا ہے، حدیث کے الفاظ کے فروق کو بھی ایک جگہ واضح کر دیا ہے، اس لئے طالب حدیث کے لئے اس کی مختلف شکلوں میں غور و فکر اور اس سے نتائج اخذ کرنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے اور ان تمام طرق و اسانید پر اعتماد ہو جاتا ہے جن کو امام مسلم نے بیان فرمایا ہے۔

(۲) جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ امام اس کے مختلف طرق کو اور مختلف الفاظ کو ایک جگہ ذکر کرتے ہیں اسی طرح ایک حدیث کو بھی ایک ہی جگہ ذکر کرتے ہیں خواہ وہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو، اس کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر کے مختلف ابواب میں شاذ و نادر ہی ذکر کرتے ہیں۔

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ خطبۂ کتاب کے بعد ہی انھوں نے احادیث صحاح کا ذکر شروع کر دیا ہے اور کتاب کو اسی کے لئے خالص رکھا ہے اس میں اقوال تابعین و تبع تابعین اور مسالک فقہاء کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی احادیث کے استنباط وغیرہ کو اس میں شامل کیا ہے۔

(۴) ضبط کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے، اگر

متن حدیث میں یا راوی کی صفت میں یا اس کے نسب ونسبت وغیرہ میں معمولی فرق بھی ہوتا ہے، تو وہ اس کو واضح فرما دیتے ہیں مثلاً حدثنا فلاں وفلاں (واللفظ لفلاں) مجھ سے فلاں فلاں نے بیان کیا مگر الفاظ فلاں کے ہیں۔

(۵) پانچویں خصوصیت اس کی یہ ہے کہ صرف صحیح احادیث ہی کو انھوں نے ذکر کیا ہے اس سلسلہ میں کتب صحاح میں بخاری کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ ۲۰؎ (جاری)

۱؎ جامع بیان العلم وفضلہ وما ینبغی فی روایتہ وحملہ ابن عبد البر جلد اول ص۷۲۔

۲؎ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم۔

۳؎ تقیید العلم ص ۵

۴؎ کتاب العلل امام ترمذی۔

۵؎ جامع بیان العلم جلد اول ص۷۱

۶؎ صحیح مسلم۔

۷؎ وہ مجموعے آپؐ کے عہد مبارک میں مدون ہوئے تھے ان کا ذکر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے صحیفہ ہمام ابن منبہ کے مقدمہ میں تفصیل سے کیا ہے جو اردو میں حیدر آباد سے ۱۳۷۴ھ میں طبع ہوا۔

۸؎ اس صحیفہ کے مخطوطے دمشق کے مکتبہ ظاہریہ، شہر یونیورسٹی کے مکتبہ برلین ترکی کی انقرہ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہیں اور یہ "المجمع العلمی العربی" دمشق کے چار شماروں میں قسط وار ۱۳۷۲ھ میں شائع بھی ہوا ہے۔ پھر کتابی شکل میں بھی طبع ہوا۔ اس کی نشر و اشاعت اور تحقیق میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدر آبادی حال مقیم پیرس کی مساعی کو دخل ہے۔

۹؎ اس فہرست میں امام ابو حنیفہؒ کا نام نامی بھی شامل ہے جن کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی اور جنھوں نے فن حدیث میں باقاعدہ کتاب تصنیف کی جو کتاب الآثار کے نام سے موسوم ہے بعض حضرات اس کو امام محمد یا امام ابو یوسفؒ کی تصنیف سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت یہ امام صاحب کی تصنیف ہے، جن سے ان دو حضرات کی روایتیں بہت مشہور ہیں۔

۱۰؎ ابوبکر ربیع ابن صبیح سعدی کے بارے میں علامہ چلپی کشف الظنون میں فرماتے ہیں کہ انھوں نے اسلام میں پہلی تصنیف کی، اہل بصرہ کے جو لوگ عبد الملک بن شہاب مسمعی کے ساتھ جہاد کے لئے سندھ آئے تھے، ان میں یہ بھی شامل تھے، سرزمین ہندستان میں ساحل پر باربد میں ان کی وفات ہوگئی، الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام مصنفہ علامہ عبد الحی حسنیؒ (جلد اول) باربد، بھاڈبھوت کا معرب ہے جو گجرات میں واقع بھروچ کا ایک قریہ ہے، اور نربدہ ندی کے کنارے واقع ہے، رجال الہند والسند الی القرن السابع مصنفہ قاضی اطہر مبارک پوری۔

۱۱؎ پہلی اور دوسری صدی میں تدوین حدیث کی کوششوں کا ذکر مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اپنی قیمتی کتاب "تدوین حدیث" (جو اردو میں ہے) اور ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی نے السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی (عربی) میں کیا ہے۔ ان موضوع پر ان کتابوں کو ملاحظہ کیا جائے۔

۱۲؎ ان کتب ستہ میں امام مالک کی موطا کو شامل کیا جاتا ہے اس کے بارے میں تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

۱۳؎ حجۃ اللہ البالغۃ جلد اول ص۱۰۶

۱۴؎ تذکرۃ الحفاظ جلد دوم ص۵۵۵-۵۵۶ چوتھا ایڈیشن، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد۔

۱۵؎ ان شروحات میں فتح الباری اور عمدۃ القاری کے علاوہ، قسطلانی کی ارشاد الساری جو دس جلدوں میں ہے اور کرمانی کی شرح جو نو جلدوں میں شائع ہوئی ہے ایک مقام رکھتی ہے۔

۱۶؎ اس کی مفید شروح میں لامع الدراری علی الجامع الصحیح للامام البخاری بھی ہے جو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا درس ہے اور اس کو مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نے مرتب کیا، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے مفید حواشی اور مقدمہ ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے فیض تلامذہ نے بھی ان کے درس بخاری کے افادات وتحقیقات کو جمع کیا ہے۔ ان میں مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی بھی ہیں اپنی مرتب کردہ کتاب کا نام انھوں نے فیض الباری رکھا اور وہ چار جلدوں میں شائع ہوئی، یہاں یہ بھی ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، برادر معظم مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی صاحبؒ نے بھی شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے درس بخاری کو عربی میں قلمبند کیا تھا اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اس پر نظر ثانی فرمائی اور پسند فرمایا لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ محفوظ نہ رہ سکا، مولانا عبد الرحمٰن صاحب کا مرتب کردہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا درس بخاری بھی اس سلسلہ میں ممتاز ہے مگر ابھی اس کا ابتدائی حصہ فضل الباری کے نام سے شائع ہوا ہے، بخاری کی تعلیقات میں علامہ سندھی اور مولانا احمد علی سہارنپوری کے حواشی مشہور ومعروف ہیں۔

۱۷؎ اس موضوع پر نئی تصنیفات میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی الابواب والتراجم للبخاری ہے، اس پر راقم سطور کا مقدمہ بھی ہے، جو مصنف کی خواہش وفرمائش پر تحریر کیا گیا تھا۔ اور ایک رسالہ تراجم بخاری کی شرح میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کا بھی ہے۔

۱۸؎ تذکرۃ الحفاظ للذہبی۔

۱۹؎ اس سلسلہ میں ہم نے ڈاکٹر خلیل ابراہیم ملا خاطر استاد حدیث جامعۃ الامام کی کتاب "مکانۃ الصحیحین" سے استفادہ کیا ہے۔

۲۰؎ مکانۃ الصحیحین ص۹۰-۹۳۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ صحیح مسلم کی بہت سی شروح وتعلیقات ہیں ان میں امام نووی کی شرح اپنی خصوصیات اور امتیازات کی وجہ سے اہمیت رکھتی ہیں جس کی وجہ شارح کا اخلاص وللٰہیت شرح حدیث میں ان کا سہل اسلوب ان کا اعتدال اور قارئین میں حدیث کا ذوق ومناسبت پیدا کر دینے کی وہ خدا داد صلاحیت ہے جس کا راقم کو زمانہ طالب علمی اور تدریس کے ابتدائی دور میں تجربہ ہو چکا ہے۔

نتیجہ امتحان سالانہ دار العلوم ندوۃ العلماء بابت ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۵ء

نتیجہ سے متعلق تمام امور میں دفتر اہتمام کا ریکارڈ مستند قرار دیا جائے گا

درجہ ہشتم معہد		محمد عامر	پاس	محمد سفیان فتحپوری	پاس	شاہد پرویز	پاس	محمد اظہر اعظمی	پاس	محمد سہیل اختر	پاس
محمد احتشام الدین	پاس	محمد سمیر بیگ	〃	اسد اللہ صدیقی	〃	محمد اکرم	•	ذیشان احمد	〃	جمیل احمد خاں	•
محمد عمران	〃	عبدالمعید	مترقی	آفتاب عالم	•	محمد یعقوب خاں	〃	فضیل عامر	•	محمد راشد	〃
رضا علی	•	محمد ذکاء اللہ	〃	محمد عمران	〃	عبدالرحیم	〃	محمد اظہار عالم	〃	نثار	•
فخر الاسلام	〃	نفیس احمد	•	محمد طارق چودھری	•	محمد روح اللہ	•	محمد ساجد	〃	حفظ الرحمٰن	〃
سید محمد طاہر	〃	محمد آصف	•	رضوان احمد	مترقی	عبدالحنان	〃	سمیع اللہ	•	ضیاء الرحمٰن	〃
محمد اعظم	•	محمد تعظیم	•	محمد ارشد عالم	پاس	محمد سعید	〃	محمد اعظم حسین	〃	محمد اعظم	•
چودھری منیر احمد	〃	محمد واجد عمر	•	محمد تنویر عالم	•	نشاط عالم	〃	محمد شمس الہدیٰ	•	محمد مطلوب عالم	•
محمد جان نثار اختر	•	سید محمد احسن	•	کعب اللہ	•	عبدالرحمٰن	•	محمد جنید انصاری	〃	فیض الحق	〃
منت اللہ صدیقی	〃	محمد محمد یونس (اکمال السنہ مطلوب)		محمد شمیم	•	مکین اشرف	•	محمد فیضان حلیم	•	رافت محمود	•
اشرف علی	〃	دلنواز عالم	ضمنی	محمد صلاح الدین	〃	معین احمد	•	محمد اظہار انصاری	•	سہیل اختر	•
نظام الدین	〃	غلام مجتبیٰ (صرف و نحو)	موقوف	محمد شاہ نواز خاں	مترقی	محمد شوکت	•	محمد سلیم	•	فاتح اقبال	•
اختر الزماں	〃	فضل کریم	فیل	محمد شفیع	•	حبیب الرحمٰن	مترقی	محمد عمر فاروقی	•	توحید عالم	•
شفقت عالم	〃	محمد الطاف	〃	محمد زبیر (صوت، القراءۃ)	ضمنی	ارشاد علی	〃	احمد الیاس	•	انوار	•
محمد علی ہاشمی	•	**اعدادیہ**		منظر احمد (انگریزی، الموسنۃ)	•	محمد محمود الحق	ضمنی	محمد صدیق	•	خلیق احمد	〃
محمد طارق ایوبی	〃	محمد خالد قمری	پاس	منظر الحق	فیل	محمد عیسیٰ (القراءۃ - صرف)	فیل	محمد مرشد	مترقی	محمد عمر	〃
سید محمد غزالی اشرف	•	شمس الدین	•	سراج احمد	•	معراج احمد	•	محمد ذکاء اللہ	•	محمد عدنان عارف	•
شعیب احسن	•	محمد قمر الزماں	•	عبدالجاوید	〃	محمد داؤد	•	محمد شکیل احمد	〃	محمد ابرار الحق	〃
محمد زبیر	•	محمد فیضان	•	محمد عادل	•	**ثانویہ رابعہ "ب"**		رفیع الدین	•	سید سفیان	مترقی
محمد شاکر	•	محمد امین خاں	•	**ثانویہ رابعہ "الف"**		محمد رضاء اللہ	پاس	انعام الحسن	•	سید محمد عبدالحمید	〃
ندیم احمد	•	خلیل الرحمٰن	•	محمد اشتیاق	پاس	محمد واثق الخیر	•	محمد عمران	ضمنی	محمد ریحان	〃
سید محمد عرفان	〃	محمد ناصر پاشا	•	محمد شمیم خاں	•	محمد خالد	〃	قاضی ابراہیم صدیقی (تخصص فقہ، تخصص تعبیر)	•	سید محمد مسعود	•
محمد ندیم خاں	•	حمید علی	•	محمد سلطان	•	ابو ریحان	〃	اسا محمد	موقوف	معراج الدین	موقوف
محمد اسعد	•	فقیہ الدین	•	زبیر احمد	•	غفران ساجد	〃	محمد عقیل	فیل	محمد ادریس خاں	•
محمد علی	•	محمد شاہد	•	زین العابدین	•	عطاء الرحمٰن	•	**ثانویہ خامسہ "الف"**		محمد جاوید	•
جاوید احمد خاں	•	محمد منتظر	•	محمد ایوب	•	محمد شعیب	•	عطاء الرحمٰن	پاس	اظہر الدین	•
وقار احمد	•	منور علی	•	مشکور العارفین	•	ذکی احمد	•	جمال ناصر	•	عزیر عالم	•
وسیم احمد	•	واجد علی	•	محمد ظفر	•	مجاہد الاسلام	•	عبید احمد	•	ابو ریحان	•

ثانویہ خامسہ ب		مقصود الرحمن	پاس	نبی احمد	پاس	محمد عیسیٰ	پاس	عبدالمنان لبستوی	پاس	محمد ضیاء اللہ	پاس
ندا الہدیٰ	پاس	مشتاق احمد بن شفیع	"	ریاض احمد	"	وقار احمد	"	ابوعبیدہ ایوب	"	محمد رضوان خاں	"
محمد محفوظ الرحمن	"	مقصود احمد	"	نظام الدین	"	طارق عبداللہ	"	نجی اللہ	"	محمد خورشید انور	"
عبدالرحیم	"	غفران احمد	"	عبدالمقیت	"	محمد الیاس	"	قمر علی صفر علی	"	شمشاد عالم	"
سید محبوب الحق	"	ندیم احمد کشمیری	"	محمد رضاء الحق	"	عبدالرحمن	"	محمد طٰہٰ یوسف	"	ادیب الرحمن	"
محمد یعقوب	"	ملک محمد احمد	"	محمد حمزہ بیگ	"	محمد خالد	"	محمد اسماعیل	"	محمد حلیم	"
نجیب الحسن	"	مقبول احمد	"	سید ایوب علی	"	محمد ارشد عالم	"	سید احمد	"	عبدالباری	"
محمد حقیق	"	سید خطیب اشرف	"	محمد شمیم	"	محمد یونس	"	محمد محمود باشا	"	عبدالحی	"
محمد وقار الدین	"	شہاب الدین	"	محمد ارشد بن محمد ایوب	"	حقیق اللہ	"	سمیر احمد	"	محمد عزیر عالم	"
عارف قاضی	"	ریحان احمد	مترقی	نجیب الرحمن	"	خورشید عالم چمپارنی	"	سعید الرحمن	"	فروغ احمد جامی	"
امیر الحسن	"	عبدالواسع	"	محمد مرشد عالم	"	سہیل احمد	"	زبیر احمد	"	محمد عمران الحق	"
محمد جواد الحسن	"	محمد ضمیر الدین نحو	ضمنی	مہدی حسن خاں	"	اسرار احمد	"	محمد گوہر عالم	"	محمد فرقان رشید	"
محمد عثمان اختر	"	معاذ ابوسعید نحو	"	برکت اللہ خاں	"	مقبول احمد	"	محمد مصلح الدین	"	محمد توفیق	"
محمد عامر اعظمی	"	محمود عالم نحو تعبیر	"	محمد عتیق	"	قیصر فیاض	"	جمیل احمد عباس	"	محمد حیدر خاں	"
معز الحق	"	محمد مسلم نحو	"	اسرار احمد	"	محمد موسیٰ	"	فیروز خاں	"	محمود احمد	"
عبدالکبیر	"	اعجاز احمد نحو	"	محمد ابوالحسنات	"	محمد شریف بیگ	"	محمد آصف انگریزی	ضمنی	معراج احمد	"
محمد رضوان سیوانی Rs.230/-	مطالبہ	وجیہ الدین نحو	"	معاذ احمد	"	معصوم رضا	محفوظ	محمد محسن	موقوف	انور حسن خاں	"
محمد جنید	پاس	عبدالاحد میرٹھی نحو	"	محمد زاہد	"	محمد ضیاء الحق	"	ندر الاسلام	"	محمد شبیر بشیر	"
محمد امجد حسین	مترقی	شیث محمد نحو	"	محمد ارشد بن محمد معروف	"	محمد شبلی	"	**عالیہ ثانیہ "ب"**		محمد جہانگیر عالم	"
جنید عالم	"	نصر الامین نحو	"	محفوظ الرحمن	"	محمد عمران	پاس	محمد حمزہ اعظمی	پاس	سیف الرحمن	"
منہاج الدین	"	مشتاق احمد	محفوظ	محمد ذوالقرنین	"	محمد اکبر علی	"	ساجد علی	"	ضیاء الرحمن	"
محمد فیصل نحو تعبیر	ضمنی	محمد سلیم	موقوف	شفیع الرحمن	"	محمد عابد حسین	"	ظفر عالم	"	عبدالمعید	"
عرفان احمد	محفوظ	فرحان الدین	محفوظ	محمد شہباز عالم	"	محب اللہ	"	محمد شعیب اختر	"	محمد وقاص	"
عبدالرحمن	موقوف	جاوید حسین	موقوف	کمال احمد	"	معین الدین	"	شمشیر علی	"	محمد مستقیم	"
عالیہ اولیٰ "ب"		نہال احمد	"	ارشد علی	"	محمد نجم الحق	"	محمد شمس الدین	"	محمد سلیم محمود	"
عطاء الرحمن اعظمی	پاس	نظام الرحمن	فیل	سید عمران حسن	"	محمد زکریا	"	عثمان حسن	"	محمد امجد بھٹکلی	"
مفیض الرحمن	"	محمد ندیم خاں	"	نوشاد احمد	"	ابوذر اعظمی	"	محمد عبداللہ	"	محمد کلیم خاں	"
سماء الدین ذیشان	"	**عالیہ اولیٰ "الف"**		جاوید عالم	"	محفوظ الرحمن	"	نیاز احمد	"	عبدالرحیم	"
سبحان اللہ	"	محمد سیف الاسلام	پاس	نظر الاسلام	مترقی	اکمل حسین صدیقی	"	محمد عثمان ہارونی	"	محمد انوار الحق	"
محمد عمران انصاری	"	محمد نعمت اللہ	"	**عالیہ ثانیہ "الف"**		فضل الدین	"	حافظ محمد احمد	"	وقار احمد	"
سید اشرف الحق	"	محمد شفیق	"	فیض احمد	پاس	محمد منور حسین	"	محمد زین العابدین	"	محمد عرفان خاں	"
صاحب عالم	"	نہال احمد	"	عقیل احمد	"	محمد شائق	"	عبدالمعید خاں	"	عبدالقادر خاں	"

کفایت اللہ خاں	پاس	محمد اسامہ صدیقی	پاس	میزان الرحمن	پاس	سعید احمد	پاس	فرید احمد (تفسیر، حدیث)	ضمنی	محمد قیصر صدیقی	پاس
شمشاد احمد	"	محمد فاروق	"	محمد تفضل حق	"	علی مرتضیٰ	"	عطاء اللہ خاں	پاس	فضیل احمد	"
محمد فضیل	"	محمد ارشد	"	محمد صلاح الدین	"	محمد قاسم	"	زبیر احمد	"	سمیع احمد	"
محمد شاکر	"	اظہار احمد	"	نسیم اختر	"	مظفر نعیم	"	محمد شتیق	"	بلال اکبر خاں	"
محمد ریحان	"	رضی اللہ مکی	"	زبیر احسن	"	عبد السبحان	"	محمد ابرار	"	محمد سمیع الزماں	"
قاضی انعام اللہ	"	محمد فیضان نگرامی	"	محمد اسرار الحق	"	شعیب عالم	"	عرفان احمد خاں	"	عبد القیوم	"
سبحان عالم	مترقی	محمد قاسم	"	سید فیصل علی جعفری	"	شرافت علی الباندوی	"	جمال عارف	"	مجیب الرحمن	"
محمد ابو طلحہ	"	سید ریحان احمد	"	محمد نعیم اعظمی	"	ہلال جمیل	"	سید اکرام الدین	"	محمد لسان اللہ	"
فردوس عالم انصاری	"	انور قیوم	"	عبد الواحد	مترقی	خورشید عالم	"	عبد الغفار	"	محمد شعیب	"
محمد عتیق	"	شعیب احمد خاں	"	حبیب احمد (ادب، مطالعہ)	ضمنی	احمد اسامہ سلاری	"	اختر عالم	"	محمد افضل حسین	"
انصار عالم	پاس	محمد نوشاد عالم	"	افضال احمد (مطالعہ)	"	غلام صابر	"	محمد لئیق	"	ابو بکر صدیقی	"
عبد الصمد	"	احرار الہدیٰ شمس	"	محمد عارف حسین	"	انیس احمد	"	امتیاز عالم	"	بلال احمد	"
										محمد عبد المعروف	"
محمد مرتضیٰ عارف	ضمنی	محمد نور عالم	"	عالیہ ثالثہ شریعہ (الف) (ادب، اعربی)		محمد فہیم خاں	"	عزیز احمد	"	مسیح الدین خاں	"
ابو البشر (ادب)	"	سید محمد جاوید احمد	"	رضوان اختر	پاس	مطیع الحق	"	عبد الودود	ضمنی	محمد قطب الدین	"
شکیل احمد (ادب، تعبیر)	موقوف	ابو الحسن	"	محمد ضیاء الحق	غیر حاضر	محمد مجاہد عالم	"	محمد محمود (حدیث)	محفوظ	محمد رضوان نسیم	"
عالیہ ثانیہ (ج)		محمد یاسر عرفات	"	عامر حسین	پاس	مختار احمد	"	حنیف الرحمان	فیل	جمال الجلیل	"
محمد شفیق	پاس	ارشاد عالم	"	محمد افضل حسین	"	زبیر احمد	"	عالیہ ثالثہ شریعہ (ب)		محمد ہاشم	"
عبد الجبار	"	عبد اللہ	"	جاوید احمد	"	سجاد حسین	"	عبد القدیر	پاس	محمد زکریا	"
رضی اللہ خاں	"	افتخار احمد اعظمی	"	سید احمد جعفری	"	محمد نوشاد عالم	"	محمد لطف اللہ	"	نوشاد عالم	"
محمد اطہر	"	سید محمد سلمان الحسنی	"	محمد ثاقب	"	محمد نسیم	"	رفاقت حسین	"	شفیق الرحمان	"
محمد فہیم الدین	"	مظہر الاسلام	"	محمد نیر اقبال	حقی	محمد منور	"	منہاج حسن فریدی	"	غلام ربانی	"
محمد مصلح الدین	"	مناظر منعم رحمانی	"	محمد اعظم	پاس	سیف اللہ	"	محمد راشد اعظمی	"	جلیل الرحمان	"
اشتیاق احمد	"	قمر الدین	"	محمد جناح ربانی	"	محمد سلیم الدین	"	رضوان حارث	"	محمد اشتیاق احمد	"
سید احمد	"	محمد راشد	"	نثار الاسلام	"	سراج احمد	"	حمایت اللہ	"	حقیق الدین	"
صفی اللہ پرویز	"	افضال احمد	"	محمد شبلی	"	عبد الماجد	"	محمد اظہر	"	عبد السلام	"
مسیح اللہ	"	ابو الدرداء ایوب	"	مشیر احمد	"	محمد مفتاح الحق	"	محمد ثناء اللہ	"	محمد عادل حسین	مترقی
محمد عدنان	"	محمد تنویر عالم	"	محمد محی الدین	"	ارشد حسین	"	محمد ہارون الرشید	"	محمد انیس	پاس
نسیم اختر	"	عبد الرحیم	"	نعمت اللہ	"	عبد الرزاق	"	عبد الرزاق	"	محمد منصور	"
محمد طارق	"	ثناء اللہ	"	جمیل الرحمان	"	محمد نظام الدین	"	محمد انصار	"	محمد امین	"
امجد کمالی	"	محمد مرشد خاں	"	محمد عثمان کریمی	"	صدر الدین	"	سید عبد القادر	"	محمد مبین	"
محمد عابد حسین	"	زبید احمد خاں	"	محب اللہ	"	محمد صابر عالم	"	منور حسن	"	عبد الرحمن اناوی	"
محمد مجیب اللہ	"	محمد ساجد خالد	"	محمد سخاوت حسین	"	سہیل احمد	"	محمد یونس دہلوی	"	محمد شہزاد الکرام	"
						منور حسین	"				

کمال الدین	پاس
عرفان احمد	مترقی
رضوان اللہ	〃
عبدالمعید نیپالی	〃
محمد یوسف مطالعہ	ضمنی
محمد ریاض الدین	مطالب
ظفر محمد	موقوف
محمد اکرم حسین	〃
ضیاء الدین	〃
عالیہ ثالثہ خرلیعہ	"ج"
عبدالمعید	پاس
تقی احمد	〃
محمد شاہجہاں	〃
محمد سلیم	〃
عبدالواحد	〃
عبدالغنی	〃
محمد ضیاء الحق	〃
رضوان اللہ خاں	〃
عیاض احمد	〃
عبدالاحد	〃
محمد شفیق عالم	〃
محمد یحییٰ	〃
محمد اقبال	〃
صلاح الدین	〃
محمد سیف الدین	〃
ابوالکلام	〃
رضی احمد	〃
محمد اکرام الحق	〃
نعیم اختر آزاد	〃
مظہر الحق	〃
محمد اکرم نواز	〃
محمد رضوان عالم	〃

نسیم احمد	پاس
حمید اللہ	〃
محمد ظفر امام	〃
ممتاز احمد	〃
محمد ساجد	〃
عتیق الرحمٰن	〃
دلنواز انجم	〃
عبدالقادر	〃
قاضی زید احمد	〃
عبدالعلیم	〃
سراج الدین	〃
عبدالمبین خاں	〃
عبیداللہ	〃
مسعود الحسن	〃
نفیس الرحمٰن	〃
نفیس احمد	〃
ذاکر حسین	〃
محمد مبین	〃
عبدالمنان	〃
محمد اسعد اعظمی	مترقی
نورالعین	〃
محمد نفیس	〃
محمد ندیم اختر	〃
محمد مرتضیٰ انصاری	〃
مشتاق احمد	〃
محمد زبیر	〃
محمد یوسف جنگلی	〃
محمد مکرم حسین	〃
زبیر احمد بہرائچی	ضمنی
صبیح الدین مشکوٰۃ (مشکوٰۃ مطالعہ)	〃
فیروز احمد مطالعہ	〃
فیروز عالم نیپالی	〃

محمد خالد صدیقی مشکوٰۃ	ضمنی
محمد نور اللہ مطالعہ	〃
غلام جیلانی مطالعہ	〃
سید ہدایت اللہ بختیاری مشکوٰۃ مطالعہ	〃
نذیر احمد مطالعہ	〃
شاہد مصطفیٰ	موقوف
محمد عارف اندوری مطالعہ	ضمنی
قمر الزماں	ناکام
محمد مقبول حسین	〃
عالیہ ثالثہ فرلیعہ	"ع"
سعد کے دی	پاس
موسیٰ	〃
یحییٰ بن محمد	〃
سید محمد اقبال	〃
حسن بن محمود	〃
عبدالجبار امین	〃
منظور ملک	〃
ہشام الدین	〃
سراج الشہاب الدین	〃
عمران امین	〃
عبدالمنیر	مترقی
حسن بن اسحاق	ضمنی
کمال زورکی مطالعہ	〃
عبدالحکیم مشکوٰۃ، نحو، مطالعہ	〃
سعید بن مسعود مطالعہ	〃
ندیم بن یوسف مشکوٰۃ، مطالعہ	〃
عالیہ ثالثہ (الف ب)	
محمد وسیم بستوی	پاس
محمد رضوان گونڈوی	〃
محمد یوسف صدیقی	〃
محمد آصف	〃
محمد سعید	〃

محمد عارف	پاس
عتیق الرحمٰن	〃
ضیاء الدین	〃
محمد حسن	〃
اعجاز احمد	〃
محمد سلیم	〃
محمد یحییٰ	〃
شکیل الرحمٰن	〃
محمود احمد	〃
محمد نور الہدیٰ	〃
محمد ساجد بستوی	〃
محمد ظفر	〃
محمد ناصر الدین	〃
محمد بشیر	〃
حبیب الرحمٰن	〃
ضیاء الرحمٰن	〃
محمد عبیداللہ	〃
حقیق اللہ	〃
محمد ظفر کیفی	〃
محمد فاروق	〃
محمد محی الدین	〃
محمد تصدق حسین	〃
رضوان احمد	〃
رضوان اللہ	〃
سید فضل اللہ بختیاری	〃
عبدالرحمٰن برمی	مطالبہ
عبدالرزاق (۳۶)	مطالبہ
محمد مظہر	〃
عبدالرزاق (۵۵)	مترقی
نفیس احمد	〃
محمد سلمان نحو	ضمنی
محمد احتشام الحق نحو بلاغت	〃

نجم الظفر	موقوف
محمد خاں	〃
محمد انور	پاس
مختار احمد	موقوف
عقیل احمد	ناکام
عالیہ رابعہ شریعہ (الف)	
محمد نسیم قمر	پاس
محمد سیف اللہ خالد	〃
عبداللہ نیپالی	〃
محمد سلیم	〃
محمد شکیل احمد	〃
عبدالودود شعیب	〃
صفدر علی	〃
محمد وصی اللہ	〃
محمد مرغوب عالم	〃
خلیق الزماں	〃
محمد ہاشم	〃
محمد شمیم اختر	〃
عبدالباسط	〃
محمد ادریس	〃
محمد نظر الباری	〃
ابوہمایوں کبیر	〃
انتظار احمد	〃
محمد ارمان	〃
محمد عمر	〃
شبیر احمد	〃
انوار الاسلام صدیقی	〃
محمد ظفر عالم	〃
محمد ضیاء الدین	〃
محمد مرتضیٰ علی	〃
عبدالمنان	〃
عبدالعزیز	〃

حبیب اللہ	پاس
احمد کلیم گوہر	〃
مسعود الحسن	〃
محمد ازہر اعظمی تفسیر	ضمنی
محمد طہٰ اطہر	پاس
نعمان احمد نیپالی	〃
محمد معراج احمد	〃
مجاہد الاسلام	〃
غلام سرور	〃
محمد متین الدین	〃
عبدالمقیت قاضیا	〃
محمد شاہد	〃
ذاکر حسین	〃
محمد مقبول حسین	〃
ایاز الحق	〃
عزیز الرحمٰن رشید	〃
شہزاد عالم	〃
عطاء الرحمٰن	〃
شیخ محمد سعید حسن	〃
انیس الرحمٰن	〃
محمد محسن	〃
سید علی حسن	〃
عرفان احمد اعظمی	〃
محمد منیر الدین انجم	〃
عبدالصمد	〃
محمد موسیٰ انصاری	〃
عقیل احمد	〃
اخلاق احمد	〃
خورشید عالم لکھنوی	〃
محمد اسلم	〃
محمد مختار نیپالی	〃
محمد مسعود عالم	〃
الیاس احمد	〃

عبدالقدوس	فنی تفسیر	سعید الرحمن	پاس	محمد طاہر بن مرتضیٰ حسین	پاس	معین الدین	پاس	محمد زاہد	پاس	محمد اعجاز	پاس
محمد محفوظ	"	احمد علی	"	محمد ضیاء الحق بستی پور	"	محمد شعیب	"	صدر عالم نیپالی	"	نور الزماں خاں	"
عبدالباقی بنارسی	"	محمد صبیح الدین	"	عتیق احمد	"	محمد لطف الرحمن	نامکمل	محمد صبیح اللہ	"	امیر حمزہ	"
محمد اسرائیل	"	نثار احمد	"	محمد طاہر نور الزماں	"	**عالیہ رابعہ شریعہ (ج)**		محمد افضال اقرار	"	امجد علی	"
محمد عقیل اختر صدیقی	فنی تفسیر	محمد شمیم قیصر	پاس	محمد عمر خاں	"	محمد ضیاء الحق	پاس	منیر احمد شریف	"	واعظ الدین خاں	"
سعد احمد		مسرور العارفین	"	محمد نور اللہ حیدری	"	مقبول احمد	"	محمد سالم غازی آبادی	"	امیر الاسلام	"
محمد ضیاء	النقد الادبی	محمد تنویر عالم	پاس	نعمت اللہ اطیعوا اللہ	"	محمد طارق اقبال	"	ایم. ڈی. اینچ قلندر	"	عبید القادر	النقد
منور حسین	فنی تفسیر	محمد صدر عالم	"	فرخ شہاب	"	محمد شمیم رانچوی	"	شیخ عبدالرحمن	"	محمد سعید	پاس
محمد عقیل	"	محمد طارق	"	محمد عشرت خاں	"	اظہار علی	"	محمد سلمان خاں	"	سراج الدین	[illegible]
مزمل حسین	"	خورشید عالم سیتاپوری	"	محمد وصی اللہ	"	انیس احمد	"	ناصر علی	"	محمد مرشد عالم	فنی تف
[illegible]	اعمال السنة مطلوب	پرویز احمد	"	نصیر احمد محمد علی	"	ملک انور کمال	"	رفیق احمد	"	سراج احمد	"
محمد جان حق	"	اظہر امام	پاس	محمد ذاکر حسین	"	محمد مجاہد الاسلام	"	صغیر احمد	"	محمد نسیم	"
حسین احمد	موقوف	مختار احمد	"	قاضی عطاء اللہ	"	امیر الدین	"	محمد سہیم الدین	"	عبدالعلی	"
محمد حبیب الرحمن	"	محمد سلمان اختر	"	محمد عارف شامو	"	محمد ابو الہلال تواب	"	سفیان اختر	"	محمد مشتاق	"
محمد آصف	محفوظ	اظہر حسین	"	یار محمد	"	محمد مبین نیپالی	"	مہتاب احمد	"	عبدالمجید علی	موقو
محمد سجاد عالم	موقوف	محمد عمران	"	معین الدین	"	شمس الہدیٰ	"	اشراق احمد	"	محمد ذہین	"
عقیل احمد	"	شکیل احمد اعظمی	"	ظفر احمد	"	علی احمد	"	رسال الدین	"	محمد ضیاء اللہ رحمانی	نامکمل
مجاہد اعظم	"	محمد عمر بن عین الحق	"	محمد طیب	"	ذاکر حسین جمشید	"	محمد شہباز عالم	"	عبدالرحیم	"
محمد سالم	"	محمد فیضان عالم	"	محمد حبیب الرحمن	"	محمد اسلم جاوید	"	سید محمد طٰہٰ	"	**عالیہ رابعہ شریعہ (ع)**	
جاوید عالم	"	محمد فیضان	"	عبدالقادر	منتسب	عبدالاحد	"	ہارون یونس	"	رمضان	پاس
محمد صادق عالم	"	محمد انور عالم	"	عبدالرحمن	فنی تفسیر	لیاقت احمد	"	سید زبیر حسنی	"	شاہجہاں ایم ایم	"
عبدالودود	"	عیاض انور	"	شرافت حسین	النقد الادبی	محمد ہاشم اعظمی	"	محمد غفران	"	فضل الدین آر. اے	"
عالیہ رابعہ شریعہ (ب)		محمد الیاس	"	ظہیر احمد	"	محمد اسلم	"	محمد انظر	"	محصون	"
محمد عابد حسین	پاس	محمد اخلاق الرحمن	"	خورشید عالم	"	محمد شمیم اعجاز	"	محمد محمود کیرانوی	"	محمد بصیری	"
عارف جمال	"	محمد ابراہیم علی	"	محمد ضیاء الدین	ترمذی	احمد حسن	"	محمد عارف کاشی پوری	"	نور الدین	"
مسرور احمد	"	محمد فصیح الدین	"	عبدالباقی پورنوی	النقد	عتیق الرحمن	"	عبدالرشید	"	ایم کے منصور (اعمال السنة مطلوب)	
سہیل احمد	"	محمد اسرائیل	"	غلام محمد ڈار	تفسیر	خاطر الزماں	"	عبدالعلیم	"	عارفین	"
سراج الدین	"	محمد نسیم فتحپوری	"	فرید احمد	بیضاوی	محمد منصور یحییٰ	"	اشفاق احمد	"	موسیٰ بن صالح	"
خورشید اختر	"	افتخار احمد	"	عبدالمتین	موقوف	عبدالسلام خاں	"	محمد مسعود عالم نعمانی	"	بخاری بن یوسف	"
محمد ناصر	"	عطاء الرحمن رؤف	"	محی الدین	"	محمد نور اللہ حبیب	"	سید جاوید اشرف	"	ہارون الرشید	"
فیاض عالم	"	امانت علی	"	حافظ سید فاروق علی	"	محمد انیس الرحمن	"	محمد سعید بھوپالی	1300	عبدالمجید	"
محمد اکبر علی	"	نوشاد احمد صدیقی	"	عثمان الحسن	"	عبدالرشید	"	محمد شعیب ہردوئی	پاس	عارف بن مروان	"
		محمد شاہد	"	صابر حسین	"	محمد صلاح الدین	"	محمد یٰسین	"		

نام	
براہیم بن عبداللہ	مطلوب
امیر بن حسین	"
وزی	"
شکری	"
حسب اللہ	ضمنی ادب/ابلاغ
سید کویا کٹی	" ادب اسلامی
محمد بشیر بی ٹی	" انگریزی
عبدالرحیم	پاس

عالیہ العلیا (ادب)

نام	
اسلام الحق	پاس
محمد مذکر	"
محمد حسن بدرالدین	"
ابوالکلام (ادب)	ضمنی
ایوب انصاری	پاس
محمد فاروق	"
غفران احمد	"
محمود خاں	"
عبدالستار	"
محمد شفاء الدین	"
عمیر احمد ہدایت اللہ	"
محمد ظاہر الحق	"
محمد ابرار خاں	"
انعام اللہ	"
محمد مرتضیٰ	"
عبدالرحمن	"
ریاض احمد	"
محمد سراج الدین انصاری	"
افضال الحق	"
محمد شبلی خاں	"
میاں نظام الدین	"
رضوان احمد	ضمنی حدیث
محمد مرتضیٰ رامپوری	اعمال السنة مطلوب

نام	
عبدالرزاق	موقوف
فیروز احمد	"
معین الدین	"

علیا اولیٰ شریعہ

نام	
رحمت اللہ	پاس
محمد مبشر الحق	"
محمد مدثر الحق	"
محمد اقبال	"
محمد اکبر علی	"
نوشاد عالم	"
محمد خالد سیف اللہ	"
اختر الاسلام	"
منظور احمد	"
شبیر انصاری	"
محمد منذر	"
شاہد حسین	"
امتیاز احمد طیبی	"
عبدالسلام	"
محمد فضل الرحمن	"
فیاض احمد ذکی	"
تنویر احمد	"
وسیم حیات	"
محمد خالد ریاض	"
محمد شفیق	"
محمد مبین سلیم	"
ذکی نور عظیم	"
یار محمد خاں	"
سید عبدالعظیم	"
محمد نورالحق	"
عبداللہ	"
محمد افضل بشکلی	"
محمد جاوید اختر	"

نام	
محمد ابراہیم	پاس
عبدالمتین	"
محمد مرسلین	"
محمد سرور عالم	"
لطف الرحمن	"
محمد شعیب	"
عبداللہ بن عبدالرحمن	"
محمد طاہر	"
نجم الہدیٰ	"
سید جاوید حسین	"
انیس الرحمن	"
محمد یونس	"
محمد میاں	"
محمد جسیم الدین	"
محمد آصف اقبال	"
محمد اکبر ابراہیم	"
محمد اسلم عزیز	"
محمد مشتاق	"
محمد وجیہ الحق	"
محمد ابوالبقاء	"
محمد حفظ الرحمن	"
نسیم اختر	م.
محمد ابرار خاں	"
محمد قمر الزماں	"
محمد حسنین	"
اقرار الدین	"
فضل الرحمن	"
محمد الیاس انہونوی	"
محمد قسیم	"
شیخ ابرار احمد	"
محمد عظمت	"
عرفان الحق	"
نذیر احمد	"

نام	
محمد ضیاء الہدیٰ	پاس
محمد امان اللہ	"
نسیم احمد	"
سرفراز احمد	"
محمد عامر صدیقی	"
محمد عامر ظفر	"
محمد مقصود عالم	"
محمد عطاء اللہ	"
محمد طیب	"
محمد شفیق الرحمن	مترقی
محمد اسلام	"
محمد حسنین	"
مرزا یونس بیگ	"
عمران خاں	"
شیخ زکریا	"
محمد ہارون الرشید	"
عتیق الرحمن	"
رضوان احمد رشید (مادۂ اختصاص)	اعمال السنة
محمد فیصل منظور	مطلوب اعمال السنة
عبدالحئی اسمٰعیل	"
ذاکر حسین (مادۂ اختصاص مطلوب)	
مشتاق عالم ۔ ہدایہ و اختصاص	ضمنی
محمد شاہد خاں	ضمنی مطالعہ
حبیب الرحمن ۔ مادۂ اختصاص	ضمنی
محمد عبدالرقیب ۔ ضمنی ہدایہ و مطالعہ	
طاہر جلال لاری " " و اختصاص	
ظہیر احمد	موقوف
مشتاق احمد صدیقی	"
محمد مسعود عالم ۔ اعمال السنة مطلوب	

علیا اولیٰ (ادب)

نام	
عبدالمنان	پاس
حبیب السبحان	"
کفایت اللہ	"

نام	
حبیب اللہ اشہر	پاس
محمد فاروق	"
محمد غطریف	"
عبدالغنی	"
زین العابدین	"
عبدالبر	"
محمد اختر صدیقی	"
محمد عرفان احمد	"
عبدالوحید	"
شہاب الدین	"
محمد عمیر خاں	"
ہشام الحق	"
محمد صدیق	"
مشتاق احمد	"
شاہنواز عالم خاں	"
ابوالاعلیٰ	"
محمد حبیب الرحمن	منتسب
محمد غلام ربانی	"
محمد اشرف	مترقی
محمد کلیم اللہ	"
محمد امیر حسن	"
عبداللطیف	"
انصار الحق	"
محمد عامر	"
محمد مصعب ضمنی	اعجاز القرآن
محمد ریاض الدین "	"
امین بن احمد ۔ ضمنی المفصل	اسرار البلاغة
محمد سیف اللہ مجید "	اسرار البلاغة
تفضل جمیل ۔ ضمنی ۔	مطالعہ

(دبلوم)

نام	
مدثر احمد	ناکمل

علیا ثانیہ شریعہ

نام	
عبدالرحمن ۔ مادۂ اختصاص حجۃ اللہ	ضمنی
عبدالمتین ۔ حجۃ اللہ البالغہ	ضمنی
اشتیاق احمد ۔ ضمنی حجۃ اللہ البالغہ	
ابواللیث ۔ ضمنی ۔ حجۃ اللہ البالغہ	
جنید احمد ۔ "	بخاری شریف
مستقیم عالم ۔ ضمنی حجۃ اللہ و	بخاری شریف
محمد سلمان الدین ۔ " " و	بخاری شریف
خلیق خاں ۔ ضمنی	حجۃ اللہ
محمد ذاکر حسین ۔ "	"
محمد اسرائیل ۔ "	"
برہان الدین ۔ " حجۃ اللہ	بخاری شریف
محمد منیر قمر ۔ " "	بخاری شریف
نجم الاسلام ۔ " "	" "
محمد حامد ۔ " " و	نصوص الادبیہ
ابوالحسن نظام الدین ۔ ضمنی	حجۃ اللہ
محمد ظفر الحسن ۔ ضمنی حجۃ اللہ و	نصوص الادبیہ
محمد احمد ۔/455	مطالبہ
حفظ الرحمن	فیل

خصوصی ثالث

نام	
مسعود اختر	پاس
عبدالصمد	"
محمد بدری بن محمد	"
سید اکبر بن نور	"
عثمان بن ذوالکفل	"
سلیمان بن بخاری	"
عبدالسلام	"
حیدر علی	"
عبدالحفیظ	"
سید محمد کویا	"
سید ابرار احمد	"
شافعی: حلان	"

نعمت بن ابراہیم — پاس
محمد اشرف حسین — محفوظ
محمد شمیم — مترقی
عبدالناصر — ״
فرقان احمد — موقوف
عبداللہ۔ تفسیر، بلاغت — ضمنی
مصباح الحسن — مطالعہ
عدنان بن ہانا۔ تفسیر — ضمنی
الوین نتو یخ۔ ״ — ״
کمال الدین — پاس
بدیع الزماں۔ تفسیر، مشکوٰۃ، فقہ — ضمنی
فاروق بن یوسف — فیل

خصوصی اول

عبدالسعید — پاس
محمد نظیر خاں — ״
محمد نعیم — ״
محمد مقیم الدین — ״
محمد عابد متین — ״
محمد دباج الدین — ״
محمد مجیب الرحمن — ״
شکیر محمد — ״
جمال حسن — ״
سالم بن قاسم — ״
عیسٰی بن محمد زین — ״
انور سادات — ״
محمد ایوب خاں — ״
فیروز مصطفیٰ — ״
رفیق بن ابراہیم — ״
عدنان بن ابراہیم — ״
رمضان بن محمد — ״
حسین بن محمد — ״
نور محمد — ״

ارشد سفیان — پاس
ذاکر بن یوسف — ״
محمد نورالحق۔ مطالعہ ۶۰/۶۵ — محفوظ

خصوصی ثانی

یحیٰی بن عبدالعظیم — پاس
سید فضل حسین — ״
عبدالرحیم خاں — ״
محمد ایوب — ״
انضال الرحمن — ״
محمد فیروز احمد — ״
محمد راشد — ״
محمد اطہر — ״
غازی معین الاسلام — ״
سید عبدالرحمن — ״
خلیل احمد — ״
محبوب عالم — ״
موسیٰ علی — ״
سعید بن جونت — ״
شافعی بن محمد — ״
محمد نورالدین — ״
سید نیاز اندرابی — ״
سید محمد غوث کفیل — ״
مطلب بن عبدالرحمن — مترقی
محمد ساجد خاں — موقوف
محمد حفظ الرحمن — پاس

شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
مدرسہ اسلامیہ بہیت مئو (عالیہ اولیٰ)

محمد سلیم — کامیاب
محمد رئیس — ״
انیس الرحمن — ״
محمد مسعود سالک — غیر حاضر
نفاط احمد صدیقی — کامیاب

اقبال احمد صدیقی۔ ضمنی شذور الذہب
محمد عبداللہ — کامیاب
محب الدین — ״
محمد اکبر حسن — ״
محمد سالم اشرف — ״
محیط عالم — ״
نثار احمد — مترقی
محمد شاہد علی — کامیاب
خالد سیف اللہ — ״
عبدالحمید — ״
محمد عبید الرحمن — ״
شکیل احمد — ״
شمیم احمد — ״
غیاث الدین — ״
عبدالماجد — ״
محمد یونس خاں التعبیر — ضمنی
صلاح الدین — کامیاب
محمد رضوان — ״
محمد عبدالقادر صدیقی۔ شذور الذہب انگریزی — ضمنی

مدرسہ چشمۂ فیض ململ، مدھوبنی

محمد تنویر عالم — کامیاب
محمد رضاء الرحمن — ״
حسیب الرحمن — ״
انعام الرحمن۔ شذور الذہب — ضمنی
محمد عاصم علی — کامیاب
فیاض احمد۔ مختارات، انگریزی — ضمنی
مسعود الرحمن مختارات، شذور الذہب — ضمنی

مدرسہ عربیہ [illegible] العلوم اورنگ آباد

عبدالرحیم — ناکام
محمد یوسف۔ شذور الذہب انگریزی — ضمنی

عبدالقیوم۔ شذور الذہب انگریزی — ضمنی

مدرسہ دارالتعلیم والصنعت جاجموکانپور

شمیم احمد — کامیاب
آفتاب عالم — ״
محمد اسامہ — ״
شاہد حسین — ״
صابر عالم — ״
محمد توصیف عالم — ״
محمد سہیل اختر — ״

مدرسہ اسلامیہ احسانیہ گوپالگنج (بہار)

محمد اصغر — کامیاب
نظر الباری — ״
نجم الحسن — ״
جاوید احمد — ״
محمد زبیر عثمانی — ״
محمد ثانی عثمانی — ״

مدرسہ حضرت عمر فاروق رضی کسیا
(پڈرونہ)

احمد ندیم — کامیاب
ناصر الدین — ״
ذاکر حسین — ״
کمال الدین — ״
عبداللہ۔ شذور الذہب مختارات — ضمنی
اکرام الحق — کامیاب
فاروق عالم۔ انگریزی مختارات — ضمنی
محمد نظام الدین — ناکام

مدرسہ اصلاح المسلمین
کریم گنج سیتامڑھی،

محمد اشرف — کامیاب

محمد اسلم — کامیاب
محمد قمر عالم شذور الذہب — ضمنی
محمد مظہر الحق — کامیاب

دارالعلوم بوجگاؤں

کوکب الباری — پاس
محمد انیس الرحمن — ״
محمد عمیر طاہر — ״
وصی احمد — ״

جامعہ اسلامیہ عربیہ بھدوہی

محمد افروز عالم — پاس
محمد صفی اللہ — ״
محمد منہاج اختر — ״
نیاض احمد — ״
محمد معین الحق — ״
محمد ارشد عالم — ״
محمد اسلام الحق — ״
طارق حسیب — ״

مدرسہ فیض الاسلام پھلت
(مظفر نگر) (عالیہ اولیٰ)

خلیق الرحمن — پاس
عبدالباطن — ״
عزیز الرحمن — ״
عبدالقدوس — ״

عالیہ ثانیہ

ابوالفضل — ״
محمد عالم — ״
عبدالغفار — ״

مدرسہ ضیاء العلوم میدانپور
رائے بریلی (عالیہ اولیٰ)

محمد ابراہیم — پاس
رحمت اللہ — مترقی
عبدالرزاق — پاس
سراج احمد — ״
نظام الرحمن — ״
محمد اظہار — ״
علی میاں — ״
محمد انظر — ״
محمد مبین — ״
شمس الدین — ״
محمد طالب — ״
عمر نعمان — مترقی
محمد غزالی — پاس
عبدالجبار — ״
محمد راشد — ״
محمد عاصم اقبال — ״
محمد الیاس — ״
محمد ندیم اشرف — ״
محمد مسعود — ״
محمد شاکر — ״
محمد اسحاق — ״
عبدالسبحان — ״
محمد ایوب — ״

مدرسہ مدینۃ العلوم سنبھل

عبدالجبار — پاس
ارشد جمال نعیم — ״
اسرار احمد سرتاج — ״
فیروز عالم — ״

جامعہ سید احمد شہید۔ کٹولی

محمد فضیل احمد — پاس

اعجاز احمد	پاس
محمد طالب حسن	"
محمد افتخار احمد	"

دار العلوم جلیلیہ فرقانیہ جرول بہرائچ

محمد رضوان	"
عبید الرحمن	"
محمد اعظم	"
محمد وزیر عالم	"
ابو طلحہ	"
محمد حلیم	"
شبیر احمد	"
شمیم اختر	"
محمد عرفان	"
محمد منیر — انشاء و اعمال السنۃ	ضمنی
عابد علی خاں	پاس
محمد شفیق عالم	"
ابو الکلام	"
نظر الحسن	"
زبیر عالم	"
محمد نبیع انور — تشند الذہب، انگریزی	ضمنی

مدرسہ مظہر الاسلام بلوچپورہ لکھنؤ

محمد ذکوان	پاس
محمد کفایت اللہ	"
افتخار ندیم	"
محمد تشکیل	"
عتیق الرحمن	"
نثار احمد	"
محمد اسعد	"
مختار علی	"
محمد شمشاد عالم — ریاض الصالحین و تشند الذہب	ضمنی

اقبال حیدر	موقوف
محمد سرفراز عالم	فیل

مدرسہ نور الاسلام سنسری نیپال

(عالیہ ثالثہ شریعہ)

عبد الرحمن	پاس
اسلم انصاری	"
ابو الحسن	"
محمد محی الدین انصاری	ثیم ضمنی انگریزی
محمد عثمان	پاس
محمد سجاد عالم	"
فیروز عالم	"
محمد محی الدین — مشکوٰۃ	ضمنی
سہیل احمد	پاس
محمد نور الزماں	"

مدرسہ عالیہ عرفانیہ چوک لکھنؤ

(عالیہ ثانیہ)

محمد عرفان	پاس
محمد ارشاد	"
ابو الکلام	"
محمد شمیم مقصود	"
رفیق احمد	"
محمد تبریز عالم	"
محمد سالکین عالم	"
محمد سہیل احمد	"
محمد نوشاد عالم	"
اسرار الحق صدیقی	"
محمد مظفر عالم	"
مطیع الرحمن	مترقی
آفتاب احمد	پاس
انور پرویز	"

محمد اسلم	"
محمد احتشام الحسن	"
محمد منور عالم	غیر حاضر
حشمت اللہ — مختارات	ضمنی
محمد کلام الدین	مترقی

مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر رائے بریلی

(عالیہ ثانیہ)

محمد رئیس	پاس
عظمت علی	"
ہدایت اللہ	موقوف
جنید اختر	پاس
عبد الوحید	"
محمد اخلاق	"
محمد شاہد بیگ	"
محمد مستقیم	"
محمد ادریس	"
محمد عمار	"
محمد محبوب خاں	"
مرزا عبد القیوم	"
حفظ الرحمن	"
محفوظ الرحمن	"
محمد افضل امام فاروقی	"
عبد القدوس	"
محمد تفضل حسین	"
محمد انظر علی	"
جمال احمد	"
محمد فاروق	"
محمد عمران	"
محمد شاہد ملک احمد	"
محمد یوسف جمیل	موقوف
احتشام احمد صدیقی	پاس

محمد عادل	پاس
عبد الحلیم	"
اکبر صادق	"

جامعہ اسلامیہ قلندر پور اعظم گڑھ

(عالیہ ثانیہ)

محمد اسلم	پاس
محمد انور عالم	"
محمد ذکی اسلم	"
نور نبی — مختارات	ضمنی
محمد مصطفیٰ کمال	پاس
بلال احمد	"
محمد زین الدین	"
رستم علی	غیر حاضر
شعیب احمد	پاس
محمد آفاق عالم	"
شاہ فیصل	"

دار العلوم العربیہ الاسلامیہ جودھپور

محمد صابر	پاس
عبد الرحمن زکریا	"
آفاق اختر	"
عبد الرحمن ثابت	"
محمد عارف عاصم	"
ریاض احمد	"
محمد آصف انور	"
شعیب عالم	"
محمد شمیم	"
محمد وجیہ القمر	"
عبد اللہ فرید	"
محمد عالمگیر	"

اعلان

سالانہ امتحان کے نتائج شائع کئے جارہے ہیں، کسی بھی فرق کی صورت میں دفتر دار العلوم کا رکارڈ اصل تسلیم کیا جائے گا۔

دار العلوم نئے تعلیمی سال کے لئے ۸ر شوال کو کھلے گا، طلبا اپنی آمد میں تاخیر سے گریز کریں تاکہ ان کو دار الاقاموں اور کتب خانہ کے معاملات میں دشواری نہ ہو۔

جن طلبا کے نتیجے محفوظ، موقوف یا نامکمل ہیں، اور جو طلبا ضمنی ہیں وہ بہرحال ۲۰ر شوال سے دیر نہ کریں تاکہ وہ اپنے معاملات کو وقت کے اندر سمجھ سکیں، اور ان کے سلسلہ میں جو ضروری کارروائی ہو وہ کی جاسکے۔

(مولانا محمد رابع ندوی)
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

دعائے مغفرت

مدرسہ اسلامیہ احسانیہ سمرا (سیوان بہار) کے صدر مدرس مولانا ظہیر احمد صاحب ندوی کے خسر کا مورخہ ۴ر فروری ۱۹۹۵ء کو انتقال ہوگیا

انا للہ وانا الیہ راجعون ؕ

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۵ مارچ ۱۹۹۵ء مطابق ۲۳ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ

جلد نمبر ۳۲ شمارہ نمبر ۱۰

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ——— ۵ روپے

— بیرونی ممالک فضائی ڈاک —

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

——— ۲۵ ڈالر

— بیرونی ممالک بحری ڈاک —

بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۰۰ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ———

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ——— مینجر

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یو۔پی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

پرنٹر پبلشر شاہ حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/= روپئے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R. 20/=
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH K.S.A.

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P O.Box No. 12525
DUBAI - U.A.E.

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 Pakistan-

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 - U.S.A.

اداریہ

اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ

آنے والے پاؤں پاؤں چل کر آئیں گے، کمزور اور نڈھال اونٹنیاں جن کو ہموار راستے پر بھی دو گام چلنا مشکل ہو ان کو اگر نشیبی راستے سے نکل کر چڑھائی کا راستہ طے کرنا پڑے ان پر سوار ہو کر پہونچیں گے۔ آپ صرف ایک آواز دے دیجئے "اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ" (لوگوں میں حج کا اعلان کر دو)۔

یہ حکم آج سے صدیوں نہیں بلکہ ہزاروں برس پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا تھا، اور اس حکم کے ساتھ یہ پیش گوئی بھی کر دی گئی تھی کہ آپ کی آواز صدا بصحرا نہیں ہوگی، بندگان خدا اس حکم کی تعمیل اس طرح کریں گے کہ جس سے جس طرح بن پڑے گا رواں دواں، افتاں و خیزاں، یا پیادہ چل کر، سواریوں پر، اگر سواری کے جانور کمزور ہوئے تو اسی کمزور جانور کی پیٹھ پر سوار ہو کر آئیں گے، کونے کونے سے کھنچ کر آنے والے آئیں گے۔

اس ندائے ابراہیمی میں کیا بلا کی قوت اور قیامت کا زور تھا آج عرفات کے میدان میں انسانوں کا طوفان امڈتے ہوئے سیلاب کی شکل میں نظر آرہا ہے، جو بڑھتا ہی جا رہا ہے کم ہونے کو نہیں آتا، ایک بے سلی ہوئی چادر شانوں پر پڑی ہے اور ایک تہمد باندھے ننگے سر سیکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں آنے والے آگئے ہیں، موسم کوئی ہو، سرد ہوائیں چل رہی ہوں، یا گرم لو کے جھونکے چل رہے ہوں، پانی برس رہا ہو یا برف کے اولے پڑ رہے ہوں، کسی کو تن بدن کا ہوش نہیں۔ افریقہ کے کالے، یورپ کے گورے، چین جاپان کے پیلے، ایشیا کے گندم رنگ سب ہی تو یہاں جمع ہیں ضعیف ناتواں بوڑھے بھی اور تنومند جوان بھی، فقیر و بدحال بھی اور امیر و خوشحال بھی، نہ کسی کے سر پر دستار فضیلت ہے نہ لبادۂ مشیخت۔ برہنہ سر صرف غریب نادار نہیں بلکہ صاحب جاہ و تاجدار بھی ہیں۔ "لبیک اللّٰھم لبیک" حاضر ہیں مولیٰ ہم حاضر ہیں۔ تو نے "اَذِّنْ" کہہ کر حکم دیا تھا، ہم نے سن لیا، تو نے پکارا ہم نے تعمیل کی، تو نے بلایا ہم آگئے ہم حاضر ہیں مولیٰ! تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں۔ بڑائی صرف تیری بڑائی ہے، حمد و ثنا کا سزاوار، عظمت و کبریائی کے اعتراف کا حقدار صرف تو ہے۔

قرآن پاک کی الہامی و اعجازی زبان میں یہ پیشین گوئی اس طرح بیان کی گئی تھی کہ آپ لوگوں میں حج کی فرضیت کا اعلان کر دیں (اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ) یہ ندا سن کر (يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ) لوگ آپ کے پاس چل کر آجائیں گے، اور نڈھال اور کمزور جانوروں پر دور دراز کے نشیبی وادیوں سے چڑھائی طے کر کے لوگ آجائیں گے۔

آیت کریمہ کا مفہوم واضح ہے کہ خواہ کتنی بھی مشقت کا سامنا ہو لوگ مشقتیں برداشت کر کے آتے رہیں گے۔ اس ارشاد قرآنی کے گواہ وہ حجاج کے قافلے ہیں جو کسی زمانے میں (اسلام سے پہلے) اونٹوں اور خچروں پر سوار ہو کر آیا کرتے تھے، پہاڑیوں اور وادیوں کو طے کر کے صحرائی زمینوں اور سمندر کے کنارے گرم ریت پر چل کر آیا کرتے تھے، پانی کی قلت ہی نہیں بلکہ نایابی کا سامنا کرنا موت کو دعوت دینے سے کم نہ تھا مگر آواز دینے والے کی آواز میں قوت ہی ایسی تھی جو ان کو ہر طرح کے گرم و سرد برداشت کرنے کا حوصلہ دیا کرتی تھی۔ وہ زمانہ بھی چشم فلک نے دیکھا ہے جب حجاج کرام کے قافلے لوٹ لئے جایا کرتے تھے، سمندری راستے آنے والی کشتیوں کو قزاق لوٹ لیا کرتے تھے، ایسا بھی ہوا ہے کہ بادبانی کشتیاں سمندر کے اندرونی پہاڑوں سے ٹکرا کر غرق ہو گئیں۔ جنگ کے زمانے میں ان کو قصداً غرق بھی کیا گیا ہے، جاوا، سوماترا، برصغیر ہند سے لوگ پانچ اور چھ ماہ کی مدت میں بادبانی کشتیوں پر سفر کر کے حج کے لئے جایا کرتے تھے، کھانے پکانے کا سامان خود کرنا پڑتا تھا۔ آندھیوں اور طوفانوں میں کشتیاں الٹ جایا کرتی تھیں۔

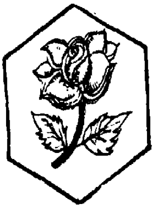
جب انجن اور بھاپ سے چلنے والے جہاز چلنے لگے تو سمندری قزاقوں کی جگہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے انگریزوں نے سنبھالی، ان مشرقی ممالک سے جانے والوں کے لئے ایک شرط لگادی کہ جزیرہ کامران میں قرنطینہ ہوگا، اس جزیرہ میں بے بس حجاج اتارے جاتے، ان کے کپڑے جو جسم پر ہوتے اور جو بکسوں میں بند ہوتے سب کو بھٹی میں ڈالا جاتا تذلیل و توہین کی نئی نئی شکلیں نکالی جاتیں، آج بھی اس جزیرہ میں ان حجاج کا ایک قبرستان آباد ہے جن کے مکین ان سختیوں کی تاب نہ لاکر جان جانِ آفریں کو سپرد کرگئے لے مغرب اقصیٰ اور عرب ممالک کے قافلے جو خشکی کے راستے سے اونٹوں پر آیا کرتے تھے ان کو صحرائی راستوں کی ہولناک سختیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا یہ خود جزیرۂ عرب بے آب وگیاہ صحرا تھا، فاقہ کی شدت سے مجبور ہوکر قبیلے کے قبیلے لوٹ مار پر اتر آئے تھے، حجاج کے قافلے دن دھاڑے لوٹے جایا کرتے تھے، غرض کون سی سختی اور مشقت تھی جو ان حجاج کو برداشت نہیں کرنا پڑی، مگر ان سب کو جانتے ہوئے ندائے ابراہیمی پر لبیک کہنے والے کم نہیں ہوئے۔

آج بیشک سفر حج آسان ہوگیا ہے، مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں طے ہوتی ہے کھانے پینے کی کمی نہیں بلکہ آرام و آسائش کے وہ سامان قدم قدم پر موجود ہیں جن کا تصور بھی پہلے محال تھا، لیکن ان جسمانی سختیوں سے بڑھ کر دشوار ترین مرحلہ آگیا ہے، پہلے امتحان صرف جسمانی شدتوں کا تھا اب روحِ حج پر براہ راست حملے ہو رہے ہیں بیت اللہ کا شوق، میدان عرفات کی دعاؤں پر یقین، سفر حج کو سفر عشق باور کرنا، مشاعرِ حج کا احترام، اس دیارِ پاک کے ایک ایک کنکر کو ہیرے جواہرات سے زیادہ قیمتی سمجھنا، اب خواب وخیال کی باتیں ہوگئیں، پھر ابلیسی مشن پوری قوت کے ساتھ کارفرما ہے کہ حاجی حج کو جائے مگر روحِ حج اس کے بدن سے نکال دو" حج کو ایک سیاسی دنگل بنادیا جائے، منیٰ اور عرفات کے اس عالمی اجتماع کو سیاسی جوڑ توڑ کے لئے استعمال کیا جائے، یہاں خونریزیاں ہوں، جنگیں ہوں، سازشیں ہوں، اور ان کی تشہیر کی جائے، گروہی اور ملکی پروپگنڈوں کے لئے اس کا استحصال کیا جائے۔

غرض سختیاں پہلے بھی تھیں اور اب بھی سمجھنے والوں کے لئے سختیاں کم نہیں ہیں، پہلے سر سے کفن باندھ کر (مجازی نہیں حقیقی معنوں میں) حاجی گھر سے نکلتا تھا، اور اب اس کو اپنے ایمان کی خیر منانا پڑتی ہے، پہلے قزاقوں کا حملہ اس کے مال ومتاع پر تھا، اب اس کی روح پر ہے، پہلے حاجی اپنے گناہوں کو معاف کراکے بخشش کا یقین لئے واپس آیا کرتا تھا اور اب یہ عالم ہے کہ اس کا سراپا بتاتا ہے کہ وہ زبانِ حال سے کہہ رہا ہے، روح بے لاش جسم ہے مدفن۔

لیکن یہ بھی ظلم ہوگا بلکہ عربی محاورہ کے مطابق اسراف فی الظلم ہوگا کہ یہ سمجھا جائے کہ اس انبوہ بے کراں میں انسان نہیں رہے، اب بھی گئی گزری حالت میں بھی ہزاروں اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جن کو اللہ کے گھر کی تڑپ وہاں لے جایا کرتی ہے، اور وہی ہماری ملت کا لعل شب چراغ ہیں۔ جس طرح پہلے ہلاک ہوجانے اور بچ کر آنے والے بچ جایا کرتے تھے اسی طرح اللہ کے بندے بہت سے ایسے ہیں جو اپنے سینوں میں عشق کی آگ دبائے جاتے ہیں اور وہ اپنے عقل وضمیر کے لحاظ سے بھی حاضری کا اعلان کرتے ہیں۔ دعا یہی ہے کہ یہ آگ سرد نہ ہو، یہ شعلہ بجھنے نہ پائے۔

قرآنِ کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی، دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔



کہتے ہیں کرتے نہیں!

حضرت شقیق بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ آدمی چار چیزوں میں زبان سے تو میری موافقت کرتے ہیں اور عمل سے مخالفت کرتے ہیں (۱) وہ کہتے ہیں کہ ہم خداتعالیٰ کے بندے (اور غلام) ہیں اور کام آزاد لوگوں کے سے کرتے ہیں۔ (۲) یہ کہتے ہیں کہ خداتعالیٰ شانہٗ ہماری روزی کا ذمہ دار ہے لیکن ان کے دلوں کو (اس کی ذمہ داری پر) اس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا جب تک دنیا کی کوئی چیز ان کے پاس نہ ہو۔ (۳) یہ کہتے ہیں کہ آخرت دنیا سے افضل ہے لیکن دنیا کے مال جمع کرنے کی فکر میں ہر وقت لگے رہتے ہیں (آخرت کا کچھ بھی فکر نہیں۔ (۴) کہتے ہیں کہ موت یقینی چیز ہے آکر رہے گی لیکن اعمال ایسے لوگوں کے سے کرتے ہیں جن کو کبھی مرنا ہی نہ ہو۔ (ترغیب)

حج بیت اللہ جذبۂ عشق کی تسکین کیلئے ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

"وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ۝ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ۝"

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہونچی ہوں گی تاکہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تاکہ ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں۔ پس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ، پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور چاہئے کہ (اس) قدیم گھر کا طواف کریں۔

اسلام توحید کا دین ہے اس میں وساطت ووکالت کی ضرورت نہیں

اسلام توحید خالص کا دین ہے، وہ خدا اور بندہ کے درمیان کسی وساطت اور "ایجنسی" کا قائل نہیں، وہ کسی ایسی محسوس اور مادی چیز کا روادار نہیں جس کو انسان اپنے فکر و خیال میں معبود کی طرح بسا کر اپنی ساری توجہ اور ہمت و قوت اس پر مرکوز کر دے اور اس کے دامن سے وابستہ ہو جائے اس میں نہ تو واسطوں کی گنجائش ہے نہ مظاہر کی، نہ تصویروں کی نہ بتوں کی، نہ یہاں پادری اور پروہت کے قسم کا کوئی طبقہ پایا جاتا ہے، نہ کاہنوں اور مجاوروں کے طرز کی کوئی جماعت، اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے،

"وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝"

اور جب آپ سے میرے بندے میرے باب میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس (لوگوں کو) چاہئے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

"فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی ؕ"

سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کی عبادت کرتے رہئے، یاد رکھو عبادت خالص اللہ ہی کے لئے ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور شرکا تجویز کر رکھے ہیں (کہ) ہم تو ان کی پرستش بس اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں۔

اس کے علاوہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو خیال کی پاکی، فکر کی بلندی، نیت و ارادہ کی صفائی و درستی، غیر سے بے تعلقی، اور عمل میں اخلاص کے اس معیار اور فکر و عقیدہ کی اس سطح پر ہے جس سے بہتر معیار اور بلند سطح ناقابل تصور ہے، دنیا کے تمام مذاہب، فلسفے، دینی اور عقلی نظام اور پوری انسانیت مل کر بھی آج تک اس جیسی کوئی چیز پیش کرنے سے قاصر رہی اور اس معیار کے قریب بھی اس کی رسائی نہ ہو سکی، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنا جو وصف بیان کیا ہے اس پر کوئی اضافہ ناممکن ہے۔

"لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝"

کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور وہی (ہر بات کا) سننے والا ہے (ہر چیز کا) دیکھنے والا ہے۔

ایک مشہود کی ضرورت جو شوق و تعظیم کا مرکز بن سکے

لیکن فطرت انسانی، فطرت انسانی ہی ہے، ایک ایسی چیز کی جستجو اور آرزو ہر بشر کی سرشت میں داخل ہے جس کو وہ اپنی ان مادی آنکھوں سے دیکھ سکے اس کے ذریعہ اپنے جذبۂ شوق کی تسکین کر سکے، اور قرب و وصال اور تعظیم و تسلیم کے اس شدید تقاضے کی آسودگی کا سامان کر سکے جو ہمیشہ سے اس کے خمیر میں ہے۔

شعائر اللہ اور ان کی حکمت

اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی ظاہری اور محسوس چیزیں مقرر کی ہیں جو اس کی ذات اقدس کے ساتھ کچھ خصوصیت رکھتی ہیں، اسی کی طرف منسوب ہیں، اسی کی کہلائی جاتی ہیں اور ان پر اس کی رحمت کی اس قدر تجلی اور عنایت کی ایسی نظر ہے کہ ان کو دیکھ کر ہی خدا یاد آتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے ساتھ بہت سے ایسے واقعات، معاملات اور اعمال و احوال وابستہ ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ

کی نشانیاں اور اس کے مقامات، اس کا دین توحید اور اس کے رسولوں کا جہاد اور صبر یاد دلاتے ہیں، ان چیزوں کا نام اس نے "شعائر اللہ" رکھا، ان کی تعظیم اپنی تعظیم قرار دی اور ان میں کوتاہی اپنے حق میں کوتاہی کے مرادف بتایا، اور انسانوں کو اس کی اجازت بلکہ دعوت دی کہ اس کے ذریعہ وہ اپنی پوشیدہ دستور محبت اور مشاہدہ و قرب کے فطری جذبہ کو تسکین دیں اور اپنی آسودگی کا سامان کریں۔ ارشاد ہے:۔

"ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝"

یہ بات ہو چکی اور جو کوئی (دین) خدا کی یادگاروں کا ادب رکھے گا سو یہ (ادب) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

"ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۝"

یہ بات ہو چکی اور جو کوئی بھی اللہ کے محترم احکام کا ادب کرے گا سو یہ اس کے حق میں اس کے پروردگار کے پاس بہتر ہوگا۔

انسان کی فطرت میں عشق و محبت کا عنصر

انسان نہ صرف عقل محض ہے نہ مجبور محض، جو کسی قانون اور طاقت کے سامنے بے دست و پا ہو، نہ وہ ایسا مشینی پرزہ ہے جو کسی خاص قانون اور پہلے سے مقرر کردہ نقشہ کے مطابق ایک دائرہ میں گردش کرتا رہتا ہے، وہ عقل بھی ہے دل بھی، ایمان بھی ہے اور وجدان بھی، اطاعت بھی ہے اور محبت بھی، اور اسی میں اس کی عظمت و شرافت، اس کی طاقت و عبقریت، ذہانت و دقیقہ رسی، امتیازانہ برتری اور ایثار و قربانی کا راز پوشیدہ ہے اسی کی بدولت اس نے دشوار سے دشوار مسئلہ پر قابو پایا، محیر العقول کارنامے انجام دیے، خارق عادت باتیں اس سے صادر ہوئیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی وجہ سے وہ "امانت" اس کے حوالہ کی گئی جس سے آسمان، زمین اور پہاڑ سب معذرت کر چکے تھے، اس شہپر کی مدد سے اس نے ان بلندیوں پر اپنا نشیمن بنایا جہاں مقرب فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں، حیوانات، نباتات اور جمادات کا کیا ذکر ہے؟

اس انسان کا اپنے رب کے ساتھ رشتہ محض قانونی اور عقلی رشتہ نہیں، جس کا دائرہ صرف واجبات ادا کرنے، احکام کی تعمیل کرنے ٹیکس دینے اور اس کے بدلہ میں کچھ حقوق حاصل کرنے تک محدود ہو، یہ محبت اور پاکیزہ جذبات کا بھی رشتہ ہے، یہ ایسا رشتہ ہے جس پر ذوق و شوق اور عشق و قربانی اور دل سوزی و بے قراری کا غلبہ ہونا چاہئے، اور یہ عنصر اس رشتہ میں اس طرح جاری و ساری ہونا چاہئے کہ کوئی عمل اس کے اثر سے خالی نہ رہنے پائے، دین اس سے منع نہیں کرتا بلکہ اس کی دعوت دیتا ہے، اس جذبہ کو غذا پہونچاتا اور اس کو مزید قوت بخشتا ہے قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:۔

"وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ۝" ۵۵

اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔

"قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝"

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جنھیں تم پسند کرتے ہو، یہ سب تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوئے تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہونچاتا۔

وہ اپنے رسولوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی محبت و خلوص اور ان کے شوق و فنائیت کو خاص طریقہ پر نمایاں کرتا ہے اور اس کی طرف خصوصیت سے متوجہ کرتا ہے، یحییٰ علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ:

"وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَحَنَانًا مِنْ لَدُنَّا وَزَكَاةً ۝ وَكَانَ تَقِيًّا ۝"

اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں سمجھ دے دی تھی اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا پورا قصہ اسی محبت کی تصویر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے اپنے جگر کے ٹکڑے اور محبوب فرزند کی محبت کے گلے پر کس طرح چھری پھیری اور جب تک خدا نے ان کے صدق و اخلاص اور صبر و قربانی کو دیکھ نہ لیا انھوں نے چھری گلے سے نہ ہٹائی۔

"يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝"

اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا ہم مخلص کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بے شک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان۔

حضرت ابراہیم کی تعریف میں آتا ہے:۔

"اِنَّ اِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيبٌ"[۱۲]

بیشک ابراہیم بڑے حلیم بڑے دردمند بڑے نرم دل تھے۔

صفات ہی کے علم سے محبت پیدا ہوتی ہے اور اسی لئے قرآن مجید اس پر بہت زور دیتا ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے صفات و افعال اور اس کے انعامات کا اتنی کثرت سے ذکر اور اس کے اعادہ و تکرار اور اس قدر شرح و بسط کے ساتھ بیان کا اصل راز یہی ہے، اس لئے کہ صفات ہی محبت و شوق کا سرچشمہ ہیں، اسی بات کو بعض ائمہ اسلام[۱۳] "نفی مجمل اور اثبات مفصل" سے تعبیر کیا ہے یہی اثبات ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کریمہ کا بیان اور اس کے دلائل و شواہد کا ذکر) جس سے انسان کے ذوق و شوق کو غذا ملتی ہے اور محبت جوش مارنے لگتی ہے، اگر نفی رہبر عقل ہے تو اثبات رہبر دل[۱۴]، اگر اللہ کی یہ صفات عالیہ اور اسماء حسنیٰ ہمارے سامنے نہ ہوتے جن سے قرآن و حدیث بھرا ہوا ہے اور جن پر عشاق و محبین ہمیشہ اپنا سر دھنتے رہے، عارفین ان کے ترانے گاتے رہے، ذاکرین ان کی تسبیح میں مشغول رہے اور ان کا کلمہ پڑھتے رہے اور اہل معرفت و حقیقت زندگی بھر اس سمندر کے تہ نشین موتی چنتے رہے، تو یہ دین ایک چوبی یا آہنی نظام اور قانون کی طرح ہو جاتا جس کی دلوں میں کوئی جگہ نہ ہوتی، یہ نہ ان میں کوئی جذبہ اور گرمجوشی پیدا کر سکتا، نہ ان کے دلوں کو گرم اور آنکھوں کو نم کرنے کی صلاحیت رکھتا، نہ اس سے دعا میں انابت و رقت کی کیفیت پیدا ہوتی، نہ دل میں سرفروشی کا جوش، نہ سر میں اس کا سودا، اس کے بغیر خدا اور بندہ کا تعلق ایک مردہ اور محدود تعلق ہے جس میں نہ کوئی زندگی ہے نہ روح، نہ لچک، نہ وسعت، زندگی ایک ایسی خشک، سخت اور بے جان چیز ہے جو لذت آرزو، متاع شوق اور جنون و شوریدگی کی دولت سے بالکل تہی دامن اور محروم ہے۔

اگر انسانیت سے یہ دولت چھین لی جائے تو زندگی اور موت اور انسان اور جمادات میں آخر کیا فرق باقی رہ جائے گا؟

اس ساغر کی کیا قیمت جو کبھی چھلک نہ پائے

دل کی اس آنچ کو کچھ کم کرنے اور روح کی پیاس بجھانے کے لئے ایک مسلمان کو اس کی ضرورت تھی کہ اس کے دل کا ساغر اور نگاہوں کا پیمانہ چھلک چھلک جائے، اس جام کی کیا قیمت جو بھرے لیکن چھلک نہ پائے، یہی نہیں اس کو اس کی بھی ضرورت تھی کہ یہ جام چھلک کر بہنے لگے اور دوری و مہجوری کی آگ میں جلے ہوئے دل کو سیراب کر دے، وہ جام کیا جام ہے جو بھر کر چھلک تو جائے لیکن چھلک کر بہہ نہ پائے؟

حج بیت اللہ جذبۂ عشق کی تسکین کیلئے ہے

امام غزالیؒ نے اپنی نادرۂ روزگار ذہانت اور شریعت کے گہرے مطالعہ سے اس نکتہ کو خوب سمجھا تھا کہ محبت و شوق ایک زندہ اور سلیم الطبع انسان کی حقیقی ضرورت ہے، وہ اس کی تسکین کے لئے ہمیشہ طلب و جستجو میں رہتا ہے، بیت اللہ اور اس کے ساتھ جتنے شعائر اللہ اور حج کے مناسک و مقامات ہیں وہ اس کی اس سچی اور حقیقی ضرورت کو اچھی طرح پورا کر سکتے ہیں اور ان سے اس کو پوری تسکین اور تسلی حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْقَائِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ○ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ ○ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○"[۱۵]

اور (وہ وقت یاد دلائیے) جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ بتادی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک رکھنا طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہونچی ہوں گی، تاکہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تا کہ ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں۔ ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں۔ پس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور چاہئے کہ (اس) قدیم گھر کا طواف کریں۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:۔

"اگر اللہ تعالیٰ سے لقا کا شوق ہے تو مسلمان اس کے وسائل و اسباب اختیار کرنے پر لامحالہ مجبور ہوگا، عاشق اور محب ہر اس چیز کا مشتاق ہوتا ہے جس کی اضافت اس کے محبوب کی طرف ہو، کعبہ کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف ہے اس لئے مسلمان کو قدرتی طور پر اس کا سب سے زیادہ مشتاق ہونا چاہئے علاوہ اس اجر و ثواب کی طلب و احتیاج کے جس کا وعدہ اس سے کیا گیا ہے"[۱۶]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی اسی نکتہ کو حج کی بنیادی حکمت بتلاتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"کبھی کبھی انسان کو اپنے رب کی طرف غایت

درجہ اشتیاق ہوتاہے اور محبت جوش مارتی ہے اور وہ اس شوق کی تسکین کے لئے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سامان صرف حج ہے[۱]

یہ ہو سکتا تھا کہ وہ اس شوق و محبت اور ان جذبات و کیفیات کی تسکین ان نمازوں کے ذریعہ کرلیتا جو وہ دن میں کئی بار پڑھتا ہے وہ نماز میں اپنے بیمار دل کو چھلکنے دیتا اور محبت و عشق کی اس تپش و بیقراری اور دل سوزی پر اپنے آنسوؤں کے کچھ چھینٹے ڈال لیتا، لیکن اشک کے یہ چند قطرے تھوڑی دیر کے لئے اس کے دل کو گرم اور آنکھوں کو نم ضرور کر سکتے ہیں، اس کی تشنگی کو دور نہیں کر سکتے، ان میں محبت کی اس تیز آنچ کو کم کرنے کی طاقت نہیں جو بعض وقت اس کے سینہ میں بھٹی کی طرح سلگتی ہے اور اس کو کسی پہلو چین نہیں لینے دیتے۔

مادیت کے قفس لی ریں سے کائنات کی بیکراں وسعتوں میں

اسی طرح اس کو روح کی پیاس بجھانے، سوزش دل کو آرام پہونچانے نفس کی سرکشی کو لگام لگانے، اور اپنی مرغوبات و عادات کی "وثنیت" کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے میں رمضان سے بھی مدد مل سکتی تھی، اس لئے کہ اس وقت خلوئے معدہ اور احتیاط و پرہیز کی وجہ سے اس کی روح کو غذا ملتی ہے اور صفائی قلب نصیب ہوتی ہے لیکن یہ بھی چند گنی چنی گھڑیاں ہیں جو اکثر ایسی چیزوں سے گھری رہتی ہیں جن سے روزہ کا اثر برابر کمزور ہوتا رہتا ہے، اس کے چاروں نفیس و مرغن کھانوں انواع و اقسام کے ذائقوں، اور راحت طلبی اور شکم پری کا ایسا ماحول بن جاتا ہے جو اس کو یکسو نہیں ہونے دیتا اس کا معاشرہ (جو انکار و بغاوت اور غفلت و معصیت کا علمبردار بن چکا ہے) چاروں طرف سے اس کو اس طرح گھیرے میں رکھتا ہے جس طرح کوئی چھوٹا سا جزیرہ متلاطم و غضبناک سمندر میں گھرا ہوا ہو۔

ان تمام باتوں کی وجہ سے اس کو ایک ایسی جرأت مندانہ بلکہ رندانہ و قلندرانہ جست کی ضرورت تھی جو اس کے طوق و سلاسل کو پاش پاش کر کے رکھ دے، اور اس کو ایک ہی چھلانگ میں اپنے قدیم، تنگ و تاریک اور شکستہ و بوسیدہ قیدخانہ سے آزاد کردے، اور اس قدیم و فرسودہ، پامال اور پابزنجیر مصنوعی اور مشینی، مادی اور حسابی دنیا سے نکال کر ایک بالکل نو دریافت، آزاد و بے کراں اور وسیع و لامحدود عالم میں پہونچا دے، جہاں محبت کی فرماں روائی اور شوق کی حکمرانی ہے، یہاں پہونچ کر وہ ہر قسم کی غلامی سے آزاد اور ہر نوع کی وثنیت و بت پرستی سے پاک ہو جاتا ہے، رنگ و نسل اور ملک و وطن کی مصنوعی حد بندیاں اور رقبہ کی پیمائشیں اس کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، وہ وحدت الوہیت، وحدت رزاقیت، وحدت انسانیت، وحدت عقیدہ، وحدت دعوت اور وحدت مقصد کا قائل ہوتا ہے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ ایک آواز ہو کر خدا کی حمد کا ترانہ گاتا ہے اور یہ نعرہ لگاتا ہے:

"لبیک اللّٰھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، إن الحمد والنعمۃ لک والملک، لاشریک لک۔

اے میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں، اور حکومت و بادشاہت بھی تیرا ہی حق ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

مسلمان کو ان نمازوں کے بعد بھی جن کو وہ روزانہ پابندی کے ساتھ پڑھتا ہے، اس رمضان کے بعد بھی جس میں وہ ہر سال روزے رکھتا ہے، اور اس زکوٰۃ کے بعد بھی جو مالک نصاب ہونے اور سال گذرنے پر وہ ادا کرتا ہے، ایک ایسی فصل یا ایسے موسم کی ضرورت تھی جس کو ہم عشق و محبت کی فصل اور جنون و شوریدگی کا موسم بہار کہہ سکتے ہیں، اور اہل جنوں، اور اہل وفا کی قبلہ گاہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

(ماخوذ از ارکان اربعہ) ——

۱ سورہ حج آیت (۲۷، ۲۸، ۲۹)

۲ سوائے انبیاء مرسلین کے، اس معنی میں کہ وہ تبلیغ و رسالت، اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی پاکی کے بیان اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی میں خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ضروری واسطہ ہیں اور اسی پر ایمان کا انحصار ہے۔

۳ سورہ بقرہ۔ ۱۸۶ ۴ سورہ زمر۔ ۳ ۵ سورہ شوریٰ ۱۱

۶ اس پر تفصیلی بحث حجۃ اللہ البالغہ کی جلد اول میں "شعائر اللہ" کے عنوان سے ملاحظہ کی جائے۔ ۷ سورہ حج۔ ۳۲

۸ ایضاً۔ ۳۰ ۹ سورہ بقرہ۔ ۱۶۵ ۱۰ سورہ توبہ۔ ۲۴

۱۱ سورہ مریم۔ ۱۲، ۱۳ ۱۲ سورہ صافات۔ ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶

۱۳ سورہ ہود۔ ۷۵ ۱۴ شیخ الاسلام ابن تیمیہ مراد ہیں۔

۱۵ جہاں نفی ہے کہ خدا ایسا نہیں ہے، وہاں لیس کمثلہ شیئ پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن جہاں اثبات ہے کہ خدا ایسا ہے ایسا ہے، وہاں بڑی تفصیل اور تکرار و اعادہ سے کام لیا گیا ہے ملاحظہ ہو سورہ حشر کا آخری رکوع ۱۶ سورہ حج ۲۶۔۲۷۔۲۸۔۲۹

۱۷ احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۴۳ ۱۸ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۹

(بقیہ) سوال و جواب

س:۔ زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

ج:۔ ادا کی جا سکتی ہے حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زکوٰۃ سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی ادا کرنے کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے انھیں اجازت دے دی۔

مولانا سید واضح رشید ندوی

آزمودہ حکمت عملی

ترجمہ:۔ محمد وصاف عالم ندوی

اس دنیائے دوں میں انسانی زندگی گوناگوں حوادث و مشکلات سے دوچار ہوتی رہتی ہے اور اس کی شدت و خفت کا انحصار جس طرح زمانہ حالات اور ماحول پر ہے اسی طرح انسانی مزاج و صلاحیت اور اس کی قوت تحمل اور اس سے نبرد آزما ہونے کے لیے اختیار کردہ مسائل و تدابیر مزید حکمت افزائش اور اس کے مقابلہ کے لیے اختیار کردہ حکمت عملی پر منحصر ہے ــــ کوئی زمانہ مصائب و مشکلات سے کبھی خالی نہیں رہا اور نہ ہی کسی فرد کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔ زندگی ایک بحر بیکراں ہے جس میں کبھی حوادث و مشکلات کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی ہوتی ہیں اور کبھی پرسکون ہو جاتی ہے اور مد و جزر کا یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل نظر صاحب عزم و ارادہ ایمان و یقین کے پیکر اور خود اعتمادی کے جوہر سے آراستہ افراد زندگی کے اس مد و جزر سے نہ خوف کھاتے اور نہ بہت مطمئن رہتے ہیں، باہمت افراد کے لیے یہی مشکلات ترقیوں کا زینہ بلندیوں کے حصول کا محرک اور انقلاب کا محور ثابت ہوتی ہیں اور جد و جہد کے نئے میدان کا انکشاف کرتی ہیں اور فکر و عمل کے لیے نئے دریچے وا کرتی ہیں۔

اسلامی تاریخ ان جیسی آزمائشوں کٹھنائیوں اور چیلنجوں سے پر ہے اور عموماً یہی مشکلات اسلام مسلمانوں کے پھلنے پھولنے کا محرک ثابت ہوئی ہیں ترشی و سختی تطہیر و تزکیہ اور صیقل کا کام کرتی ہے اور آسائش زندگانی اور خوشحالی کی وجہ سے ذہن و دماغ میں جو جمود و خمود طاری ہو جاتا ہے اس سے چھوٹ جاتا ہے قوموں کی تاریخ بتاتی ہے کہ بہت زیادہ اطمینان اور بے فکری، تساہلی اور کاہلی کو جنم دیتی ہے، اکثر قوموں کا زوال ان کے تمدنی و تہذیبی جلوہ آفرینیوں کے بعد ہی شروع ہوا ہے جبکہ کتنی ہی اسلامی حکومتیں عین آزمائشی لمحات کسمپرسی کے حالات میں قائم ہوئیں اور جد و جہد و قربانی کے لہو سے مستحکم ہوئیں اور صدیاں قائم رہیں ــــ مسلمانوں نے حالت بیچارگی میں نئے وسائل و ذرائع حاصل کئے اور معزز بن کر ابھرے اور صاحب ثروت اور وسائل و قوت رکھنے والی بہت سی قوموں پر غالب آتے جبکہ اس کے برعکس انھوں نے قوت اور اطمینان اور غلبہ کی حالت میں اپنے ملک کھوئے، اور دشمن ان پر غالب آیا، صحرا میں خیموں میں رہکر بڑے متمدن ملک فتح کئے، اور شاندار محلات میں رہکر ذلت کا سامنا کرنا پڑا، مسلمانوں نے عزت و بلندی حاصل کی جبکہ انھوں نے اپنی صفوں کو متحد کیا اور اپنے افتراق و انتشار کو دور کر لیا اور ایمان و یقین کو اپنا شعار بنایا اس قسم کے واقعات و حالات اور انقلابات مسلمانوں کے ساتھ مختلف ادوار میں پیش آتے رہے ہیں یہ سب محض ذاتی شعور اور حساس و بیدار، صاحب بصیرت قیادت کا وجود ایمانی فراست اور طریقۂ اسلام میں کامل اعتماد کی رہین منت ہے ــــ ماضی میں متعدد موقعوں پر مسلمان مسائل و مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں اور پوری کامیابی کے ساتھ اس دلدل سے باہر نکلے ہیں عصر حاضر کے شدائد و محن کی طرح ان گذشتہ مصائب و مسائل سے سخت تر نہیں کہے جا سکتے ہیں جن میں مسلمان مبتلا ہوئے اور کامیاب ہو کر نکلے۔

عصر حاضر کے مسائل پر اگر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے ان میں مسلسل پیچیدگی میں اضافہ ہو رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کی مسلم قیادت ماضی کی اسلامی قیادت سے یکسر مختلف ہے اس کی حکمت عملی اور مسائل کو حل کرنے کا طریقہ مسلمانوں کے آزمودہ طریقہ حکمت عملی سے مختلف ہے آج کی سیاست کا پورا انحصار ردعمل پر ہے اور تمام مسائل چاہے وہ ملکی ہوں یا بین الاقوامی ان میں اسی سلبیت کی چھاپ نظر آتی ہے اور یہ پالیسی ہنگامے اور دنگے اور تشدد تو کرا سکتی ہے جو ایک شعلہ کے مانند ہے جو جلد ہی بھڑک کر بجھ جاتا ہے، لیکن اس طریقہ میں حالات کو بدلنے کی طاقت نہیں۔ یہ اس طوفان کے مانند ہے جس کی بلاخیزی تخریب کاری ویرانی کا سبب تو بن سکتا ہے لیکن اس سے تعمیر کی امید نہیں کی جا سکتی۔

مسلمانوں میں اس قسم کے رجحانات پیدا ہونے کا سبب واقعی یہ ہے کہ ان کی نشو و نما ایسے ماحول میں ہوتی ہے جو مغرب زدگی کے جراثیم سے ملوث ہے اور جہاں مغربی افکار و خیالات جاری و ساری ہیں فکر و نظر کی تعین میں ایسی ہی مغربی سیاسی تحریکات ہمیشہ دخیل رہی ہیں جو سراسر ردعمل کی بنیادوں پر قائم ہیں مسلمان اس وقت اسلامی مزاج اور مغربی تجربات کی چکی کے دو پاٹ کے درمیان گھرے ہوتے ہیں، ان کی ایک اسلامی سوسائٹی میں پرورش و پرداخت ہونے

گی وجہ سے اسلامی خیالات کے حامل تو ہیں لیکن اپنے مقاصد کی یافت اور تمناؤں کے حصول کے لیے مغربی پیمانوں اور مغربی طریقۂ کار کو آزمایا کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی کوششیں اس طرح نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتیں جس طرح اسلامی طریقۂ کار پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس کا ظہور ہوتا ہے۔

عالم اسلام کی مشکلات دن بدن گمبھیر اور پیچیدہ تر ہوتی جارہی ہیں کیونکہ مسلمان اپنے مشکلات کو حل کرنے کے سلسلے میں بجائے تدبر سے کام لینے کے حد سے زیادہ جذباتیت اور تلون مزاجی سے کام لیتے ہیں اور اسی تدبر و تفکر سے دوری کی وجہ سے شک و ارتیاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بغیر کسی انتظار و تردد کے فوراً ایک نیا قدم اٹھا لیتے ہیں اور پھر اختلافِ فکر و نظر کی وجہ سے کشاکش کی فضا قائم ہوتی ہے اور خسارہ اور جان و مال کے اتلاف کا سبب بنتی ہے مسلمانوں کی شخصیت بھی مجروح ہوتی ہے اور یہ سب محض انتہاپسند۔ اور جذباتی طریقہ کار کی وجہ سے ہوتا ہے صلیبی جنگوں کے بارے میں ایک تجزیہ نگار نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کو شکست قیادت میں افتراق اور مسلمانوں کو فتح قیادت پر اتفاق کی وجہ سے ہوئی، موجودہ دور میں مسلمانوں میں سب سے بڑی کمی قیادت پر بے اعتمادی اور افتراق ہے۔ یہ بات ہر قضیہ ہر مسئلہ میں دیکھی جاسکتی ہے چاہے وہ سیاسی مسئلہ ہو یا معاشرتی یا کوئی مذہبی اور طبقاتی اور انھیں انتہاپسندانہ موقف (جو غیر دانشمندانہ قیادت کا تحفہ ہے) کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے سطحی قسم کے مسئلوں میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہتا ہے۔ بسا اوقات خود مختلف مسلم جماعتوں اور فرقوں کے درمیان یہ کشمکش پوری شدت سے دیکھنے میں آئی ہے۔

اس وقت پاکستان اور کچھ دنوں قبل افغانستان اور بنگلا دیش اور دیگر اسلامی ملکوں میں جو کچھ رونما ہوا وہ اس کی بدترین مثال قرار دی جاسکتی ہے۔

خود مسلمانوں نے ایک دوسرے کے گھروں کو ڈھانے اور ان کی املاک کو تباہ کرنے اور اپنے ہاتھوں سے اپنی قوت کو زائل کرنے کے بدترین نمونے پیش کیے بلکہ بعض ملکوں میں حالات کی سنگینی کیا کہیے کہ مسلمانوں نے مسلمانوں کی مسجدوں، مدرسوں پر دھاوا بول دیا اور ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے بے گناہ لوگوں حتیٰ کہ بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے دریغ نہ کیا ـــ اس وقت مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ایک مصیبت سے ان کی گلو خلاصی نہیں ہوئی کہ دوسری مصیبت آن پڑتی ہے اور ابھی ایک ملک کا المناک حادثہ ختم نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے ملک میں یہی خونی ڈرامہ شروع ہو جاتا ہے۔ آج صومال کی قحط سالی، یمن کی خانہ جنگی اور افغانستان کی برادر کشی اور پاکستان کی فرقہ وارانہ جنون اور بنگلا دیش کی جذباتیت نے پورے عالم اسلام کو فکری اور ذہنی طور سے مشغول کر رکھا ہے۔

یہ نام نہاد کشت و خون خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے اور انتہائی بے دردی سے ملکوں کی املاک تباہ کی جارہی ہیں اور سیاسی فسادات ملک میں شعلوں کی مانند بھڑک رہے ہیں اور یہ تمام مظاہر دنیا کے سامنے صرف ایک تصویر پیش کر رہے ہیں کہ مسلمان خود اپنے مسائل حل کرنے سے عاجز ہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ دنیا کے پیچیدہ ترین مسائل سے عہدہ برآ ہوسکیں اور ان کا حل پیش کر سکیں۔

اسلام دیگر مذاہب سے یکسر مختلف ہے انسانیت کی اصلاح و فلاح کے سلسلہ میں ہر مذہب اور ہر قوم کا ایک مخصوص لائحہ عمل اور زاویۂ نظر ہوتا ہے اس کی ایک شناخت ہوتی ہے ان کا ایک محدود زمانہ ہوتا ہے اور ایک محدود دائرہ میں اپنا عمل و کردار پیش کرتا ہے (لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ ایک کامل و مستقل دین ہے۔ اس کے تمام شعبہائے حیات مضبوط، مستحکم بنیادوں میں قائم ہیں وہ ہمہ گیر بھی ہے اور مربوط بھی) یورپ میں جنم لینے والی مختلف سیاسی اور فلاحی تحریکات کا ہے۔ عارضی اور مختلف ماحول کی پیداوار ہیں اور بعض افراد کی تفکیر اور ان کے ذاتی تجربہ اور رجحان کا نتیجہ ہیں۔ وہ اپنا دائرہ مختلف حادثات اور انقلابات کا ردعمل ہیں جبکہ دعوت اسلامی کا طریقۂ کار اسلامی تعلیمات سے ماخوذ اور اسلامی سیرت و اخلاق سے مربوط ہے یہ ایک ایسا جادہ مستقیم ہے کہ اس سے ذرا بھی کجروی کے نتائج بھیانک انداز میں رونما ہوتے ہیں اور مبہم ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

اسلامی طریقہ کار کی اسپرٹ تعلیمات اسلام وابستہ ہے اور ایک مومن کی نظر اسلامی اخلاقیات کی آخری نقطہ پر ہوتی ہے۔ اور خطرات سے نبرد آزما ہونے اور مشکلات کا سامنا کرنے میں ہمیشہ اسلامی خطوط پر اس کے قدم جمے رہتے ہیں اسلام ایک کامل دین مستقل عقیدہ، صبر و تحمل اور افہام و تفہیم کا نام ہے۔ لہٰذا داعیان اسلام کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کی نمائندگی کے لیے ایک حسین آئیڈیل کی شکل میں سامنے آئیں اور یہ سمجھ کر آئیں کہ انھیں اس راستہ میں ناگوار باتیں اور تکلیفیں بھی برداشت کرنی ہوں گی۔ اور الفت و محبت، عفو و درگذر کا پیامبر بننا ہوگا برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا ہوگا تب کہیں جاکر ظالموں جابروں اور قسی القلب لوگوں کے دل نرم پڑیں گے اور ان کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔

اس وقت مسلمان دنیا کے مختلف ملکوں میں آزمائشوں سے گذر رہے ہیں۔ ظالموں، جابروں کی بربریت دن بدن بڑھتی جارہی ہے دین حنیف کے تئیں ان کی عداوت و جسارت میں شدت آتی جارہی ہے

(باقی صفحہ ۲ پر)

روانڈا
قتل عام میں چرچ کے ذمہ دار [illegible]

ترجمہ: کرنل محسن شمسی

لیگالی، روانڈا

ایک مرتبہ پھر اتوار کو عبادت کرنے والوں
بھیڑ لگالی کی سڑکوں پر چرچ کی طرف گامزن ہے
ٹیبل فروخت کرنے والوں نے اپنی میزیں گولیوں
سے مسخ چرچ کے داخلی دروازوں کے سامنے
بچھادی ہیں۔ خون کے دھبے دیواروں اور بنچوں
سے رگڑ کر مٹا دیے گئے ہیں اور گانے کی آواز
ارخ آسمان کی طرف ہے۔

لیکن زندگی نہ تو روانڈا کے چرچ میں اور
نہ ہی روانڈا کی بقیہ سوسائٹی میں معمول پر آئی ہے۔
تقریباً پوری قوم قتل عام میں ملوث تھی
نہ کہ صرف نیم فوجی مسلح دستے بلکہ دیہاتی بھی جن
کو اپنے پڑوسیوں کو جن میں زیادہ تر مذہبی لوگ
تھے، زراعت کے اوزاروں سے قتل کرنے پر
مجبور کیا گیا اور ایک ایسے ملک میں جہاں قتال
سے قبل رومن کیتھولک آبادی کا ۶۰٪ تھے جو
افریقہ میں کسی اور ملک سے زیادہ تناسب تھا
وہاں اب چرچ کے ہاتھ بھی خون آلود ہیں۔

ہزاروں نے بھاگ کر چرچ میں پناہ لی
یہ لوگوں نے تو قاتلوں کو سیکڑوں ڈالر چرچ
تک پہونچانے کے دیئے جہاں پہونچا کر ان کے
ٹکڑے کر دیئے گئے۔ بہت سے بچ جانے والے
سوچ رہے ہیں کہ ان کو چرچ جانے والوں نے
دھوکا دیا اور قتال کیا، روز ہی لوگ ساتھ
ساتھ چرچ جاتے تھے لیکن جب نسل کشی کا بازار
گرم ہوا تو ہاتھ میں چھرے لے کر ایک نے دوسرے
مسیحی کا کام تمام کر دیا، میرا تو اب چرچ سے ایمان
اٹھ گیا اب تو میں گھر پر ہی عبادت کروں گا۔ یہ
الفاظ ہیں جوسیف کامیا کے جو ایک توت سی ہے۔

چرچ کے رہنما بھی اس سے مستثنیٰ نہیں،
نسل کشی کو جانچ کرنے والے اور توت سی گورنمنٹ
چلانے والے بعض ہوتو پادریوں پر الزام لگاتے
ہیں کہ انھوں نے قاتلوں کا ساتھ دیا لیکن ان کے
بڑے مصلحت آمیز خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

لگالی میں یونائیڈ نیشن کا حقوق انسانی
کا سنٹر اس بات کا دعوا کرتا ہے کہ اس بات کے
پختہ ثبوت ہیں کہ تقریباً ایک درجن پادریوں
PERESH نے خود قتل کا ارتکاب کیا اور
دوسروں پر الزام ہے کہ انھوں نے قتل کرنے والے
گروہوں کی نگرانی کی SUPERVISEL
کم از کم دو پادری اور دو راہبائیں (NUNS)
بھی اب جیل میں ہیں اس نسل کشی سے قبل بہت
سے لوگ خدا پر ایمان رکھتے تھے مگر اب وہ کہتے
ہیں کہ وہ لوگ جو وعظ کہتے تھے اور مذہب کی
دعوت دیتے تھے قاتل ہیں۔ بشپ اور آرچ بشپ
یہ قتل عام روک سکتے تھے مگر وہ بولے تک نہیں"
یہ بات ایمینول انسٹدن وا نے جو کہ ایک توت سی
واعظ (خطیب) ہیں بچ کر یروندی پہونچنے کے
بعد بتائی۔

اب واعظ (خطیب) گھوم پھر کر اپنے ہم پیشہ
مرے ہوئے ساتھیوں کے چرچ میں (SEVICES)
وعظ کرتے ہیں اتوار کو لگالی کے SUINTE
FANIELLE چرچ میں (موزوں) بیان موضوع
معافی تھا اور وعظ میں ان واپس آئے ہوئے توت سی
لوگوں کو مخاطب کیا گیا تھا جو گذشتہ حکومت کے
زوال کے بعد دوسرے لوگوں کے ساتھ واپس
آئے کہ وہ مکانوں یا کاروں کی چوری نہ کریں اور
وہاں کے مقیم لوگوں سے یہ تھی کہ وہ آنے والوں
کو عزت دیں" میں معاف کرنا تو چاہتی ہوں اگر نہ
کروں تو میں بھی ان کی ہی طرح ہو جاؤں گی"۔
یہ الفاظ CHNSEINE KAU YAU LOW
.... نے خطبہ سننے کے بعد کہے ان کا خاوند
اس وقت مار اگیا تھا جب کہ ایک پادری نے اس
کو قاتلوں سے چھپانے سے انکار کر دیا تھا۔

روانڈا کے چرچ میں سیاسی عنصر اس
وقت سے موجود تھا جب سو سال قبل یورپ سے
آئے ہوئے مشنری اپنے ساتھ کیتھولک مذہب
شروع میں پادریوں نے بلجیم انتظامیہ کے ساتھ
مل کر توت سی اقلیت والوں کو زبردستی "ہوتو"
لوگوں کو اسکول کی رسائی سے روک کے بڑھا وا دیا
اور ماضی قریب میں "ہوتو" صدر کو چرچ کے لوگوں
نے تعاون دیا اور اس کی موت سے گذشتہ اپریل
میں نسل کشی کی آگ بھڑک اٹھی۔

متوفی آرچ بشپ ونسنٹ سنجی یوموا
جو کہ ایک "ہوتو" تھا اور مرحوم پریسیڈنٹ کا دوست
تھا اور جو خود مارا گیا، حکومت کی سینٹرل کمیٹی کے
۱۹۷۵ء سے ۱۹۹۰ء تک ممبر تھا اس وقت پوپ
نے ان کو مستعفی ہونے کا حکم دیا انھوں نے حکومت
کے حامیوں کو چرچ کے اعلا مقام تک پہونچا دیا۔
"وہ سیاست داں زیادہ تھا اور چرچ کا آدمی
کم" ایک توت سی پریسٹ DIDAS
RZENDAKA نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ گذشتہ
حکومت کی بہیمانہ پالیسی پر DIDAL REZ

جیسے بدھسٹوں کی خاموشی عام لوگوں کے خوف و ہراس کا باعث تھی اور یہ خاموشی شاید عقل مندی تھی کیونکہ گذشتہ حکومت کی نسلی کوٹہ کی پالیسی پر (تعلیم اور حکومت میں نوکریوں کی) اعتراض کرنے والے پرلینٹ سب سے پہلے قتل کئے گئے۔ کل ملا کر ۱۰۵ پرلینٹ اور ۱۳۰ نن جن میں جو تھائی منصب یافتہ تھے قتل کئے گئے ان میں کچھ ایسے ہوتو بھی تھے جو ٹوتسی لوگوں کو بچا رہے تھے۔

یہ قتل یک طرفہ نہ تھے۔ گذشتہ جون کو جب کہ جو باغی سپاہی روانڈا میں آئے اور اب جن کی حکومت ہے انھوں نے ایک آرچ بشپ کو مار ڈالا چار بشپ اور آٹھ پرلینٹ بھی قتل سے نہ بچ سکے دوسرے ہوتو پرلینٹ بھاگ گئے اور ان کا خیال ہے کہ اگر وہ واپس آئے تو ان کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔ پچھلے اگست کو ۲۵ ہوتو پرلینٹ نے گوما سے جو کہ دائرے کے بارڈر پر ہے۔

موجودہ حکومت کے فوجی جرائم کی عدالتوں کے منصوبہ پر پوپ کو احتجاجاً لکھا کہ "غیر فوجی مرنے والے ہوتو کی تعداد نسلی جھگڑوں میں مرنے والے توتسی لوگوں سے کہیں زیادہ ہے۔"

اب اس بات پر زور ہے کہ صفائی کی جائے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مقدمہ کے ساتھ ساتھ قاتل پادری چرچ میں جلسۂ عام میں اعتراف گناہ کریں نہیں تو ان کو EXCOMMONACATE سزا کے طور پر چرچ کی برادری سے باہر کر دیا جائے۔ ایک جماعت والے کمرے کے باہر جہاں ہوتو سپاہیوں نے سات پرلینٹ اور دس مارے تھے ایک توتسی پرلینٹ نے کہا کہ میں مرے ہوئے اور ملک بدر کی جگہ پر دوسرے بلائے جانے کے خلاف ہوں ان سے کہا کہ ہم کو آرچ بشپ کی ضرورت نہیں۔ بشپ بے کار ہیں انھوں نے ہماری کوئی مدد نہیں کی۔ ہم کو جلد بازی میں لوگوں کا متبادل نہیں چاہئے، سارے ہی چرچ کو خمیازہ بھگتنا چاہئے۔"

روانڈا کے نئے لیڈروں کو بھلانے اور معاف کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کگالی KIGALI سے ۵۰ کلومیٹر پر ایک جگہ ہے NTARAMA وہاں دو آدمی چرچ پر پہرا دے رہے ہیں لان پر مردہ انسانی کھوپڑیوں کی قطاریں لمبی گھاس سے جھانکتی نظر آ رہی ہیں اور چرچ کی دیوار کے چھید سے جو کہ گرنیڈ پھینکنے سے بنا تھا ایک دہشت انگیز منظر نظر آ رہا ہے۔ سیکڑوں انسانی ہڈیاں اپنے کپڑوں میں لپٹی خون سے رنگی چرچ کی بنچوں کی قطاروں کے درمیان پھیلی ہوئی ہیں۔ نئی حکومت ان کو ایسے ہی ایک یادگار کے طور پر چھوڑ دینا چاہتی ہے۔

(اکونامسٹ ۱۴۔۲۰ جنوری ۱۹۹۶ء)

(بقیہ) فہم حدیث

چنانچہ احادیث موقوفہ اور مقطوعہ اس تعریف سے خارج ہو جاتی ہیں اس لیے حافظ عراقی نے "فتح المغیث شرح الفیۃ العراقی" میں احاطۂ تعریف میں اسے بھی لانے کے لیے "أو إلی صحابی أو إلی من دونہ" کا اضافہ کیا ہے اس تقیید سے آثار موقوفہ اور مقطوعہ دونوں علم حدیث کی تعریف میں شامل ہو جاتے ہیں بلکہ اس تعریف کی رو سے علم حدیث کے ساتھ علم تاریخ کی بھی شمولیت ہو جاتی ہے، اور شاید حافظ عراقی کا مقصود بھی یہی رہا ہو۔ اور ممکن ہے کہ کشاف اصطلاحات الفنون میں "جملۃ الاخبار المرویات للحدیث" کہنا حافظ عراقی کی تعریف ہی صدائے بازگشت ہو۔ (جاری)

پندرہ روزہ تعمیر حیات ایک تحریک ہے، اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں۔

اصلاح معاشرہ

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کراچی

دین کی حقیقت تسلیم و رضا

ذیل میں مولانا محمد تقی عثمانی چیف جسٹس پاکستان کا مضمون ھدیۂ ناظرین ہے مولانا عالم جلیل مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند ھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو علم کے ساتھ ساتھ وسعت فکر و نظر کی دولت سے نوازا ہے مولانا موصوف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے فکر سے بڑی مناسبت رکھتے ھیں ان کے مختلف ملکوں کے سفر ھوتے رہتے ھیں اس لیے موجودہ حالات و تقاضوں پر بھی مولانا کی نظر ہے مولانا نے ذیل کے مضمون میں غلو فی الدین اور غیر معتدل دینداری کے ماحول کو ذھن میں رکھکر یہ مضمون تحریر فرمایا ہے جس سے صحیح دینی روح اور دین کا مطالبہ سامنے آتا ہے افادۂ عام کی غرض سے ہم یہ مضمون ھدیۂ ناظرین کر رہے ھیں۔

(ادارہ)

خطبہ مسنونہ کے بعد

امّا بعد! عَنْ أَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيْمًا صَحِيْحًا (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب یکتب للمسافر مثل ماکان یعمل فی الاقامۃ، حدیث نمبر ۲۹۹۶)

بیماری اور سفر میں نیک اعمال کا لکھا جانا

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلۂ صحابہ اور فقہاء صحابہ میں سے ہیں اور ان حضرات میں سے ہیں جنھوں نے دو مرتبہ ہجرت فرمائی۔ ایک مرتبہ حبشہ کی طرف اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ کی طرف، وہ روایت کرتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کی حالت میں ہوتا ہے تو عبادات اور نیک اعمال صحت کی حالت میں یا اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا، جب بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ چھوٹ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ وہ سارے اعمال اس کے نامۂ اعمال میں لکھتے رہتے ہیں۔ باوجود یہ کہ وہ بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ اعمال نہیں کر پا رہا ہے اس لیے کہ اگر وہ تندرست ہوتا یا اپنے گھر میں ہوتا تو یہ اعمال کرتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی بڑی تسلی اور نعمت کی بات بتادی کہ بیماری میں معذوری اور مجبوری کی وجہ سے جب معمولات چھوٹ رہے ہیں تو اس پر بہت صدمہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ اگر تندرست ہوتا تو یہ کام کرلیتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو لکھ رہے ہیں

نماز کسی حالت میں معاف نہیں

لیکن اس کا تعلق صرف نفلی عبادت سے ہے جو عبادات فرض ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے جو تخفیف و آسانی فرما دی، اس تخفیف کے ساتھ ان کو انجام دینا ہی ہے۔ مثلاً نماز ہے، انسان کتنا ہی بیمار ہو بستر مرگ پر ہو اور مرنے کے قریب ہو تب بھی نماز ساقط نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آسانی تو فرما دی کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر پڑھ لو، بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھ لو، وضو نہیں کر سکتے تو تیمم کر لو، اگر کپڑا پاک رکھنا بالکل ممکن نہیں تو اسی حالت میں پڑھ لو۔ لیکن نماز کسی حالت میں معاف نہیں۔ جب تک انسان کے دم میں دم ہے، ہاں! اگر کوئی بے ہوش ہو جائے یا غشی طاری ہو جائے اور اس حالت میں چھ نمازوں کا وقت گزر جائے تو اس وقت نماز معاف ہو جاتی ہے۔ لیکن جب تک ہوش میں ہے اور دم میں دم ہے اس وقت تک نماز معاف نہیں۔

بیماری میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان بیمار ہوا اور اب کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے۔ بیٹھ کر پڑھنے کی قدرت نہیں

لیٹ کر پڑھ رہا ہے۔ ایسے موقع پر بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ دل تنگ کرتے رہتے ہیں کہ اس حالت میں اب کھڑے ہو کر پڑھنے کا موقع نہیں مل رہا ہے اور بیٹھ کر پڑھنے کا بھی موقع نہیں مل رہا ہے لیٹے لیٹے نماز پڑھ رہا ہوں پتہ نہیں کہ وضو بھی ٹھیک ہو رہا ہے یا نہیں تیمم بھی صحیح ہو رہا ہے یا نہیں۔ ان چیزوں میں پریشان رہتے ہیں حالانکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تسلی کر رہے ہیں کہ جب تم مجبوری کی وجہ سے ان چیزوں کو چھوڑ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے نامۂ اعمال میں لکھ رہے ہیں جو تندرستی کی حالت میں تم کیا کرتے تھے

اپنی پسند کو چھوڑ دو

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰی رُخَصُہٗ کَمَا یُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰی عَزَائِمُہٗ"

(مجمع الزوائد، جلد ۳ صفحہ ۱۶۲)

"یعنی جس طرح عزیمت جو اعلیٰ درجے کا کام ہے اس پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اسی طرح اگر مجبوری کی وجہ سے اگر رخصت پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی پسند کرتے ہیں۔" لہٰذا اپنی پسند کی فکر نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو جو حالت پسند ہے وہی حالت مطلوب ہے۔

آسانی اختیار کرنا سنت ہے

بعض لوگوں کی طبیعت سخت کوشی کی ہوتی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مشقت کا کام کریں بلکہ مشقت ڈھونڈتے ہیں، اس لیے ڈھونڈتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں زیادہ ثواب ہے چونکہ بہت سے بزرگوں سے بھی اس قسم کی باتیں منقول ہیں، لہٰذا ان کی شان میں کوئی گستاخی کا کلمہ نہیں کہنا چاہئے۔ لیکن سنت کا طریقہ وہ نہیں سنت کا طریقہ یہ ہے جو حدیث میں منقول ہے کہ "مَا خُیِّرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ اَمْرَیْنِ قَطُّ اِلَّا اَخَذَ اَیْسَرَہُمَا"

(صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر ۶۱۲۶)

"جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ اس میں سے آسان تر کو اختیار فرماتے۔"

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آسانی اختیار کرنا۔ معاذ اللہ تن آسانی کے لیے تھا؟ اور کیا مشقت اور تکلیف سے بچنے کے لیے یا دنیاوی راحت اور آرام حاصل کرنے کے لیے تھا؟ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ تن آسانی اور راحت و آرام حاصل کرنے کے لیے آسان راستہ اختیار فرماتے تھے۔ لہٰذا اس کی وجہ وہی ہے کہ آسان راستہ اختیار کرنے میں عبدیت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری نہیں ہے بلکہ شکستگی ہے میں تو عاجز بندہ ہوں، ناکارہ ہوں، میں تو آسان راستہ اختیار کرتا ہوں۔ یہ بندگی کا اظہار ہے۔ اور اگر مشکل راستہ اختیار کیا تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری جتاتا ہے۔

دین "اتباع" کا نام ہے

دین کی ساری بنیاد یہ ہے کہ کسی خاص عمل کا نام دین نہیں۔ کسی خاص شوق کا نام دین نہیں۔ اپنے معمولات پورے کرنے کا نام دین نہیں۔ اپنی عادت پوری کرنے کا نام دین نہیں۔ دین نام ہے ان کے اتباع کا۔ وہ جیسا کہیں ویسا کرنے کا نام دین ہے۔ ان کو جو چیز پسند ہے اس کو اختیار کرنے کا نام دین ہے اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دینے کا نام دین ہے۔ وہ جیسا کرا رہے ہیں وہی بہتر ہے۔ یہ جو صدمہ اور حسرت ہوتی رہتی ہے کہ ہم تو بیمار ہو گئے اس واسطے کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھی جا رہی ہے لیٹ کر پڑھ رہے ہیں۔ یہ صدمہ کرنے کی بات نہیں ارے اللہ تعالیٰ کو وہی پسند ہے اور جب یہی پسند ہے تو اس وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ یہ کرو اور ان کو ویسا ہی کرنا پسند ہے اگرچہ اس وقت تم کو زبردستی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا پسند ہے لیکن اپنی تجویز کو فنا کر دینے اور اللہ جل جلالہٗ نے جیسا مقدر کر دیا اس پر راضی رہنے کا نام بندگی ہے۔ اپنی طرف سے تجویز کرنا کہ یوں ہوتا تو یوں کر لیتا یہ کوئی بندگی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری مت دکھاؤ

جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندہ تھوڑا سا ہائے ہائے کرے تو ہائے ہائے کرو۔ ایک بزرگ دوسرے بزرگ کے پاس عیادت کے لیے گئے تو دیکھا کہ وہ بزرگ بڑی سخت تکلیف میں ہیں لیکن بجائے کراہنے کے "اللہ اللہ" اور "الحمد للہ" "الحمد للہ" کا ورد کر رہے ہیں ان بزرگ نے فرمایا: بھائی! یہ تمہارا "الحمد للہ" کرنا بڑا مبارکباد ہے۔ لیکن یہ موقع اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا ہے۔ کہ "یا اللہ! مجھے عافیت عطا فرما دیجئے" اس وقت میں "الحمد للہ" کہنا، یہ اللہ کے سامنے بہادری دکھانا ہے کہ اللہ میاں! آپ تو مجھے بیمار کر رہے ہیں لیکن میں اتنا بہادر ہوں کہ میری زبان پر کبھی آہ نہیں آئے گی۔ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری دکھانا یہ کوئی بندگی نہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے شکستگی دکھانا بندگی ہے وہ جب چاہ رہے ہیں کہ بندہ تھوڑا سا ہائے ہائے کر کے پکارے تو عاجز اور بے بس بن کر اللہ میاں کو پکارو کیسے پکارو؟ جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے پکارا تھا کہ: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (سورۃ الانبیاء ۸۳) پیغمبر سے زیادہ کون بہادر ہوگا۔ اتنی زبردست بیماری اور اتنی زبردست تکلیف، لیکن اللہ میاں کو پکار رہے ہیں کہ "مَسَّنِیَ الضُّرُّ"

(اے اللہ! مجھے تکلیف پہنچ گئی ہے۔ "وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ" لہٰذا جب وہ چاہ رہے ہیں کہ ان کو پکارا جائے اور آدمی تھوڑا سا کراہ لے تو پھر کراہنے میں ہی مزہ ہے۔ وہ جیسا کہیں اسی کے کرنے میں مزہ ہے۔ اللہ میاں کے سامنے اتنا ضبط بھی اچھا نہیں، یہ بھی بندگی کے خلاف ہے۔

انسان کا اعلیٰ ترین مقام یاد رکھو! انسان کا اعلیٰ ترین مقام، جس سے اونچا مقام کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ وہ "عبدیت" اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے اوصاف بیان فرمائے، فرمایا کہ:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (سورۃ الاحزاب: ۴۵، ۴۶)

"اے نبی ہم نے بیشک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں۔ اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں۔ اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔"

یعنی ہم نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی اور سراج منیر بنا کر بھیجا۔ دیکھئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے اوصاف ذکر فرمائے۔ لیکن جہاں معراج کا ذکر آیا اور اپنے پاس بلانے کا ذکر فرمایا وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "عبد" کا لفظ ذکر کیا۔ فرمایا "سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ" (سورۃ بنی اسرائیل) "یعنی وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندوں کو لے گیا" یہاں "شاہد" "مبشر" اور "سراج منیر" کے الفاظ نہیں لائے بلکہ صرف ایک لفظ "عبد" لائے۔ یہ بتلانے کے لیے کہ انسان کا سب سے اونچا مقام عبدیت کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی، شکستگی اور عاجزی کا مقام ہے۔

توڑنا ہے حسن کا پندار کیا؟ ہمارے بڑے بھائی تھے محمد ذکی کیفی مرحوم۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ شعر بہت اچھے کہا کرتے تھے انھوں نے ایک بہت اچھا شعر کہا ہے۔ لوگ اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھتے اسی بات کو انھوں نے بڑے خوبصورت پیرائے میں کہا ہے۔ کہتے ہیں۔

اس قدر بھی ضبط غم اچھا نہیں
توڑنا ہے حسن کا پندار کیا؟
(کیفیات: ذکی کیفی: ۱۴۱)

یہ جو غم کو اتنا ضبط کر رہے ہو کہ منہ سے "آہ" بھی نہ نکلے "کراہ" بھی نہ نکلے۔ تو کیا تم اس کے پندار کو توڑنا چاہتے ہو جو تمھیں اس غم میں مبتلا کر رہا ہے؟ اس کا پندار توڑنا مقصود ہے؟ اس کے آگے بہادری دکھانا چاہتے ہو؟ یہ بندہ کا کام نہیں بندہ کا کام تو یہ ہے کہ جب اس نے ایک تکلیف دی تو اس تکلیف کا مقتضا یہ ہے کہ اس تکلیف کے ازالے کے لیے اس کو پکارا جائے۔ اگر اس نے غم دیا ہے تو اس غم کا اظہار شرعی حدود میں رہ کر کیا جائے، جیسا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، کہ جب بچے کا انتقال ہو گیا تو فرمایا:

اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ
"اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی پر بڑے غمگین ہیں"
(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّا بِكَ لَمَحْزُوْنُوْنَ حدیث نمبر ۱۳۰۳)

بات یہ ہے کہ جس حالت میں اللہ تعالیٰ رکھتے ہیں وہی حالت پسندیدہ ہے جب وہ چاہ رہے ہیں کہ لیٹ کر نماز پڑھو تو پھر لیٹ کر ہی نماز پڑھو اس وقت لیٹ کر پڑھنے ہی میں وہ ثواب اور وہ اجر ہے جو عام حالت میں کھڑے ہو کر پڑھنے میں ہے۔

رمضان کا دن لوٹ آئے گا ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات نقل فرماتے تھے کہ ایک شخص رمضان میں بیمار ہو گیا اور بیماری کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیا اب اس کو غم ہو رہا ہے کہ رمضان کا روزہ چھوٹ گیا۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ غم کرنے کی کوئی بات نہیں، یہ دیکھو کہ تم روزہ کس کے لیے رکھ رہے ہو؟ اگر یہ روزہ اپنی ذات کے لیے رکھ رہے ہو اپنی خوشی کے لیے اور اپنا شوق پورا کرنے کے لیے روزہ رکھ رہے ہو تو بیشک اس پہ صدمہ کرو کہ بیماری آگئی اور روزہ چھوٹ گیا لیکن اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے روزہ رکھ رہے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ بیماری میں روزہ چھوڑ دو۔ تو مقصود پھر بھی حاصل ہے۔ اسلئے کہ حدیث شریف میں ہے لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ (صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ، حدیث نمبر ۱۹۴۶) "سفر کی حالت میں کہ جب کہ شدید مشقت ہو۔ اس وقت روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں ہے"

لیکن قضا کرنے کے بعد جب عام دنوں میں روزہ رکھو گے تو اس میں وہ تمام انوار و برکات حاصل ہوں گے جو رمضان کے مہینے میں حاصل ہوتے تھے۔ گویا کہ اس شخص کے حق میں رمضان کا دن لوٹ آئے گا اور رمضان کے دن روزہ رکھنے میں جو فائدہ حاصل ہوتا وہ فائدہ اس دن قضا کرنے میں ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر شرعی عذر کی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں۔ مثلاً بیماری ہے۔ سفر ہے۔ یا خواتین کی طبعی مجبوری ہے اس کی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں (باقی ص ۱۳ پر)

اعمال حج

مولانا عبدالرشید ندوی

مولانا عبدالرشید صاحب ندوی مقیم ریاض نے حج کے سلسلہ کے اعمال کو مختصر طور پر بہت خوبی کے ساتھ جمع کردیا ہے جو ہر حاجی کے لئے گائڈ بک کی حیثیت رکھتا ہے موسم حج کی مناسبت سے مضمون ہدیۂ ناظرین ہے امید ہے حجاج کرام کو بڑی رہنمائی ملے گی۔

مختصر اعمال حج

۸ ذی الحجہ:۔ (۱) بعد نماز فجر منیٰ کے لئے روانگی۔ (۲) منیٰ میں قیام اور پانچ نمازوں کی ادائیگی (ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر)

۹ ذی الحجہ:۔ (۱) بعد نماز فجر عرفات کے لئے روانگی (۲) ظہر، عصر دونوں نمازوں کی ایک ساتھ باجماعت ادائیگی (۳) غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ کے لئے روانگی۔

۹ و ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی شب:۔ (۱) مزدلفہ پہونچ کر مغرب وعشاء دونوں نمازوں کی ایک ساتھ ادائیگی (۲) مزدلفہ میں قیام اور ذکر واذکار میں مشغول رہنا (۳) رمی جمار کے لئے منیٰ یا مزدلفہ سے کنکریاں چننا (۴) نماز فجر کے بعد منیٰ کے لئے روانگی۔

۱۰ ذی الحجہ:۔ (۱) منیٰ پہونچ کر جمرہ عقبہ (بڑے شیطان) کو سات کنکریاں مارنا (۲) متمتع اور قارن کے لئے قربانی کرنا (۳) قربانی کے بعد حلق یا قصر کرنا (حلق افضل ہے) (۴) طواف افاضہ (زیارت) کرنا (۵) سعی کرنا اگر پہلے نہ کیا ہو۔

۱۱ ذی الحجہ:۔ (۱) زوال کے بعد تینوں شیطان کو سات سات کنکریاں مارنا، ابتداء جمرہ اولیٰ (چھوٹے شیطان) سے کرنا (۲) طواف افاضہ (زیارت) کرنا اگر دس ذی الحجہ کو نہ کیا ہو۔

۱۲ ذی الحجہ:۔ (۱) زوال کے بعد تینوں شیطان کو سات سات کنکریاں مارنا، ابتداء جمرہ اولیٰ (چھوٹے شیطان) سے کرنا (۲) طواف زیارت کرنا اگر دس ذی الحجہ کو نہ کیا ہو (۳) غروب آفتاب سے پہلے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہونا، اگر کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی تو ۱۳ کو منیٰ میں قیام کرنا ضروری ہے۔

۱۳ ذی الحجہ:۔ (۱) اگر منیٰ میں کسی وجہ سے ٹھہر گیا ہو تو زوال کے بعد تینوں شیطان کو سات سات کنکریاں مارنا، اور پھر مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہونا۔

نوٹ:۔ وطن لوٹنے سے پہلے طواف وداع کرنا واجب ہے، اگر خواتین حیض ونفاس کی حالت میں ہوں تو ان پر طواف وداع واجب نہیں ہے۔

حج کی قسمیں

حج کی تین قسمیں ہیں (۱) افراد (۲) قران۔ (۳) تمتع۔

(۱) افراد یعنی صرف حج کی نیت کرنا۔

(۲) قران یعنی حج کی نیت کرتے وقت ایک ساتھ عمرہ اور حج دونوں کی نیت کرنا۔

(۳) تمتع یعنی پہلے عمرہ کی نیت کرنا، پھر ۸ ذی الحجہ کو احرام باندھ کر حج کی نیت کرنا۔

قران اور تمتع میں بنیادی فرق یہ ہے کہ قران کرنے والا عمرہ کرنے کے بعد احرام سے باہر نہیں نکلے گا یعنی طواف اور سعی کرنے کے بعد نہ تو بال کٹوائے گا اور نہ احرام اتارے گا، اور احرام کی تمام پابندیوں کا مکلف رہے، پھر ۸ ذی الحجہ کو اسی احرام میں منیٰ کے لئے روانہ ہوجائے گا۔

اور تمتع کرنے والا عمرہ کرنے کے بعد یعنی طواف اور سعی کرنے کے بعد بال کٹوائے گا اور احرام بھی اتار دے گا، اور اب اس پر احرام کی کوئی پابندی باقی نہیں رہے گی، پھر ۸ ذی الحجہ کو اپنی قیام گاہ سے یا حرم شریف سے دوبارہ احرام باندھے گا اور پھر حج کے لئے منیٰ روانہ ہوجائے گا۔

نوٹ:۔ قران اور تمتع دونوں میں قربانی کرنا واجب ہے، یہ قربانی اس قربانی کے علاوہ ہے جو اس پر صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے واجب ہے۔ بعض لوگ پورے سر کے بال کٹوانے کے بجائے دوسرے لوگوں کی دیکھا دیکھی قینچی سے دو چار پور کے برابر جگہ جگہ سے بال کٹوا دیتے ہیں یہ غلط ہے، البتہ عورت صرف ایک یا دو پور کے برابر اپنے بال کٹوائے گی، اگر کسی شخص نے بغیر بال کٹوائے ہوئے کپڑے پہن لئے تو اس پر ایک دم واجب ہے۔

احرام باندھنے کا طریقہ

احرام میقات سے باندھنا ضروری ہے، جو لوگ جدہ سے احرام باندھتے ہیں ان کا احرام صحیح نہیں ہوتا، اگر کسی نے اپنی کسی مجبوری یا معذوری کی وجہ سے جدہ سے احرام باندھا ہے، یا اپنی کسی ضرورت سے جدہ آیا ہے، اور اب حج یا عمرہ کرنا چاہتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

جو لوگ جدہ ہی میں رہتے ہیں، وہ لوگ جدہ ہی سے احرام باندھیں گے، ان کے لئے میقات سے احرام باندھنے کی پابندی نہیں ہے، جس طرح مکہ مکرمہ میں رہنے والے مکہ مکرمہ ہی سے احرام باندھتے ہیں، ان کو میقات جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

احرام باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے غسل کرے پھر اپنے جسم پر خوشبو لگائے (احرام میں خوشبو لگانا منع ہے) پھر احرام باندھ کر دو رکعت نماز پڑھے، نماز پڑھتے وقت احرام سر سے اوڑھے رہے، نماز کے بعد سر کھول دے، اور پھر حسب ارادہ صرف حج یا قران، تمتع کی نیت کرے، اگر صرف حج کی نیت ہو تو اس طرح کہے "اللهم لبيك حجا" اور قران کے لئے اس طرح کہے "اللهم لبيك عمرة وحجا" اور تمتع کے لئے فی الحال صرف عمرہ کی نیت اس طرح کرے "اللهم لبيك عمرة" پھر جب ۸ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے تو اس طرح کہے "اللهم لبيك حجا"۔

عربی زبان ہی میں نیت کرنا ضروری نہیں ہے اگر چاہے تو اپنی زبان میں نیت کے الفاظ کہہ کر تلبیہ پڑھنا شروع کر دے، احرام باندھنے کے بعد کثرت سے تلبیہ پڑھے، تلبیہ یہ ہے "لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك، والملك لا شريك لك" مرد بلند آواز سے تلبیہ کہیں گے، اور عورتیں آہستہ آواز سے تلبیہ پڑھیں گی۔

نوٹ:۔ احرام کے لئے غسل کرنا، خوشبو لگانا، دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے لیکن اگر کسی نے ان چیزوں کے بغیر احرام باندھ کر نیت کر لی جب بھی احرام صحیح ہو جائے گا، لیکن اگر ناپاک ہے تو غسل کرنا اور اگر معذور ہے تو تیمم کرنا ضروری ہے۔

احرام کی پابندیاں

عمرہ یا حج کا احرام باندھنے کے بعد محرم کے لئے مندرجہ ذیل چیزوں سے بچنا ضروری ہے۔

۱۔ مرد کوئی سلا ہوا کپڑا نہ پہنے، مثلاً کرتا، قمیص، شرٹ، پائجامہ، پتلون، بنیائن، نیکر، انڈر ویئر وغیرہ، البتہ اگر احرام بیچ سے سلا ہوا ہے یا لنگی سلی ہوئی ہے تو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے، عورت کے لئے کوئی احرام نہیں ہے، جو کپڑے پہنے ہوئے ہے ان ہی کپڑوں میں عمرہ یا حج کی نیت کرے، البتہ اپنے چہرہ کو کسی چیز سے نہ ڈھانپے، نامحرم سے پردہ کے لئے اگر ممکن ہو تو کسی چیز کی آڑ کرلے۔

۲۔ کوئی خوشبو نہ جسم پر لگائے اور نہ احرام میں لگائے، نہ کھانے پینے میں کوئی خوشبو استعمال کرے، پہلے کی خوشبو کا اگر کوئی اثر باقی ہے تو کوئی حرج نہیں۔

۳۔ اپنے ناخن یا جسم کے کسی حصے کے بال نہ کاٹے، اگر خود سے ناخن ٹوٹ جائے یا بال گر جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۴۔ اپنے چہرہ اور سر پر نہ تو کوئی کپڑا ڈالے اور نہ کسی چیز سے ڈھانکے، البتہ چھت یا خیمہ، چھتری یا درخت کے نیچے بیٹھنا، لیٹنا اور سونا جائز ہے، سر پر کوئی سامان اٹھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

۵۔ اپنے قول و فعل سے کسی کو تکلیف نہ پہونچائے اور نہ کسی کو تکلیف پہونچانے کا سبب بنے۔

۶۔ نہ کسی کو شادی کا پیغام دے، اور نہ کسی کی شادی کا سبب بنے، اسی طرح نہ تو جماع سے متعلق کوئی گفتگو کرے اور نہ جماع کرے، اگر کسی نے وقوف عرفہ سے پہلے جماع کر لیا تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا اور آئندہ سال اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا، اور اگر وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو اس پر ایک اونٹ ذبح کرنا واجب ہے، اور اگر رمی کرنے کے بعد جماع کیا تو ایک بکری ذبح کرنا واجب ہے۔

اب ۸ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ تک ترتیب وار اعمال حج درج کئے جا رہے ہیں، ایک بات ذہن میں رہے کہ اگر کسی کو عربی دعائیں یاد نہیں ہیں تو کتابوں میں دیکھ کر بغیر سمجھے بوجھے دعائیں پڑھنے، یا غلط سلط زبانی عربی دعائیں پڑھنے سے بہتر یہی ہے کہ اپنی زبان میں جو چاہے دعا مانگے، حج میں کوئی مسنون دعا منقول نہیں ہے۔

۸ ذی الحجہ

۱۔ فجر کی نماز پڑھ کر منیٰ کے لئے روانہ ہو جائے

۲۔ منیٰ میں پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب عشاء اور نویں ذی الحجہ کی فجر پڑھے۔

۹ ذی الحجہ

۱۔ نماز فجر پڑھ کر عرفات کے لئے روانہ ہو جائے۔

۲۔ ظہر کے وقت میں، ظہر عصر دونوں نمازیں ایک ساتھ باجماعت پڑھے۔

۳۔ عرفات میں سورج ڈوبنے تک ٹھہرے لیکن یہ اطمینان کرلے کہ وہ عرفات کے حدود کے اندر ہی ہے، اور نوافل، ذکر و تلاوت اور دعا میں مشغول رہے۔

۴۔ سورج ڈوبنے کے بعد عرفات سے مزدلفہ کے لئے نکلے۔

۵۔ اگر کوئی سورج ڈوبنے سے پہلے عرفات سے باہر نکل گیا تو اس پر ایک دم (ایک جانور کی قربانی) واجب ہے۔

۶۔ آج عرفات میں سورج ڈوبنے کے بعد مغرب کی نماز نہ پڑھے، بلکہ مزدلفہ کے لئے روانہ ہو جائے اور نہ راستہ میں کہیں پڑھے، مزدلفہ

پہنچ کر دونوں مغرب وعشاء کی دونوں نمازیں ایک وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھے، خواہ رش کی وجہ سے یا پیدل چلنے کی وجہ سے تاخیر ہی کیوں نہ ہو جائے، اگر کوئی حاجی مغرب کی نماز مزدلفہ کے علاوہ کہیں اور پڑھے گا تو اس کی یہ نماز صحیح نہ ہوگی، اور مغرب کی نماز مزدلفہ میں دوبارہ پڑھنا ہوگی، مزدلفہ پہونچ کر یہ اطمینان کرلے کہ وہ مزدلفہ کے اندر ہی ہے۔

۷۔ فجر کی نماز مزدلفہ ہی میں پڑھے، اور جب خوب روشنی پھیل جائے تو منیٰ کے لئے نکلے، صبح صادق سے پہلے کسی حال میں مزدلفہ سے باہر نہ نکلے، اگر کوئی شخص بغیر عذر صبح صادق سے پہلے مزدلفہ سے باہر نکل گیا تو اس پر ایک دم واجب ہے، البتہ صرف عورتوں، بوڑھوں یا معذور افراد اور ان کے ہمراہیوں کو اس کی اجازت ہے کہ رش اور پریشانی سے بچنے کے لئے آدھی رات کے بعد منیٰ کے لئے روانہ ہو جائیں، منیٰ میں دو راتیں گذارنا سنت ہے۔

۱۰ رذی الحجہ

۱۔ منیٰ پہونچنے کے بعد سب سے پہلے جمرہ عقبہ کو (سب سے بڑا شیطان جو حرم شریف کی طرف ہے) سات کنکریاں مارے، اور ہر بار اللہ اکبر کہے، باقی دو شیطانوں کو آج کنکریاں نہیں ماری جائیں گی، یہ کنکریاں مزدلفہ ہی سے چن لے، یا پھر منیٰ سے لے لے، چنے کے برابر یا اس سے بڑی ہوں لیکن اتنی بڑی نہ ہوں کہ اگر کسی کے سر یا بدن میں لگ جائے تو زخمی کر دے، جمرات (شیطانوں) کے پاس سے کنکریاں اٹھانا منع ہے، ۱۰ رذی الحجہ کو کنکری مارنے کا وقت سورج نکلنے کے بعد سے سورج ڈوبنے تک ہے، اگر کوئی شخص کسی وجہ سے مغرب سے پہلے کنکریاں نہیں مار سکا تو صبح صادق سے پہلے پہلے ضرور مار لے، بیمار یا بوڑھے اور کمزور افراد کنکریاں مارنے میں کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنا سکتے ہیں، وکیل پہلے اپنی طرف سے کنکریاں مارے گا بعد میں دوسرے کی طرف سے مارے گا۔

۲۔ اگر تمتع یا قران کی نیت کی ہے تو پہلے قربانی کرے، قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے عزیزوں کو بھی کھلا سکتا ہے (البتہ دم والی قربانی خود نہیں کھا سکتا، اس کا پورا گوشت غریبوں میں تقسیم کر دے) آج کل کوپن کے ذریعے جو قربانی ہوتی ہے اس میں بھی حصہ لے سکتا ہے لیکن اس بات کا خیال رکھے کہ قربانی کا جو وقت وہ لوگ بتائیں اس سے پہلے بال نہ کٹوائے۔

۳۔ سر کے بال منڈائے یا کترائے، منڈانا افضل ہے، البتہ عورت نہ تو سر کے بال منڈائے گی اور نہ کترائے گی، بلکہ اس کے لئے صرف ایک یا دو پورے برابر بال کٹوانا کافی ہے،، بال کٹوانے کے بعد اب چاہے تو احرام اتار دے اور اپنے کپڑے پہن لے اب اس کے لئے احرام کی تمام پابندیاں ختم ہو گئیں صرف بیوی کے پاس جانے کی پابندی باقی ہے، حاجی اپنے بال خود بھی کاٹ سکتا ہے۔

۴۔ اگر موقع ہو تو آج ہی مکہ مکرمہ جا کر پہلے طواف زیارت (طواف افاضہ) کرے، پھر سعی کرے، طواف اور سعی کے بعد بیوی کے پاس جانے کی پابندی بھی ختم ہو جائے گی، طواف اور سعی میں کسی خاص دعا کا پڑھنا ضروری نہیں ہے، اپنی زبان میں جو دعا چاہے مانگے، اور اگر عربی دعائیں پڑھنا چاہتا ہے تو قرآن کی دعائیں یا حدیث سے ثابت شدہ دعائیں پڑھے۔

افضل یہ ہے کہ تینوں کام ترتیب وار کرے، یعنی پہلے کنکری مارے، پھر قربانی کرے، پھر سر کے بال کٹوائے، اور سب سے آخر میں طواف زیارت کرے، لیکن اگر کسی مجبوری یا دشواری کی وجہ سے یہ ترتیب باقی نہ رہے تو کوئی حرج نہیں۔

۱۱ رذی الحجہ

۱۔ اگر کوئی ۱۰ رذی الحجہ کو طواف زیارت نہیں کر سکا تھا تو آج صبح مکہ مکرمہ جا کر طواف اور سعی کرلے۔

۲۔ تینوں جمرات (شیطانوں) کو سات سات کنکریاں مارے۔

سب سے پہلے چھوٹے شیطان کو کنکریاں مارے جو مسجد خیف کی طرف ہے اور منیٰ سے مکہ آتے ہوئے پہلے نمبر پہ ہے، پھر درمیانی شیطان کو مارے، پھر سب سے بڑے شیطان کو مارے۔

کنکریاں مارنے کا وقت ۱۱ر اور ۱۲ رذی الحجہ کو زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور سورج ڈوبنے تک رہتا ہے، غروب شمس سے صبح صادق تک کا وقت مکروہ ہے، البتہ معذور افراد یا عورتوں کو رش کی وجہ سے رات میں رمی کرنے کی اجازت ہے۔

نوٹ:۔ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے بعض علماء نے زوال سے پہلے بھی کنکریاں مارنے کی اجازت دے دی ہے، لیکن افضل وقت زوال کے بعد ہی کا ہے۔

۱۲ رذی الحجہ

۱۔ اگر ابھی تک طواف زیارت اور سعی نہیں کی ہے تو آج طواف زیارت اور سعی کرلے۔

۲۔ زوال کے بعد تینوں جمرات کو سات سات کنکریاں مارے۔

جب اپنے وطن جانے کا ارادہ ہو تو طواف وداع کرے، طواف وداع کرنا واجب ہے، صرف حیض اور نفاس والی عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

بعض غلط فہمیاں

۱۔ بعض لوگ اپنے والدین یا کسی عزیز و رشتہ دار کی طرف سے حج کرتے ہیں (باقی صفحہ ۲۹ پر)

ایک مطالعہ

چوتھی آخری قسط

پروفیسر وصی احمد صدیقی

پیرِ رومی مرشدِ روشن ضمیر
کاروانِ عشق و مستی را امیر
منزلش برتر ز ماہ و آفتاب
خیمہ را از کہکشاں سازد طناب
نورِ قرآن درمیانِ سینہ اش
جامِ جم شرمندہ از آئینہ اش
از نئے آں نے نوازِ پاک زاد
باز شورے در نہادِ من فتاد (اقبال)

اب اس شاعر کا ذکر آتا ہے جس کے حریم باطن میں صرف اللہ تخت نشین ہے اور جس کی مثنوی نے دلوں میں دینی و غیبی حقائق کی وقعت علوم انبیا کی عظمت۔ عالمِ غیب کی وسعت اور قلب روح ایمان و وجدان کی اہمیت کا نقش قائم کردیا عالم اسلام کے افکار اور ادبیات پر اس مثنوی نے انتہائی گہرا اور دیرپا اثر ڈالا۔ چھ صدیوں سے اسلام کے عقلی، علمی، اور ادبی حلقے اس کے نغموں سے گونج رہے ہیں، ہر دور میں شاعروں کو نئے مضامین نیا اسلوب اور نئی زبان ملتی رہی معلمین اور متکلمین کو اپنے زمانے کے سوالات اور شبہات کو حل کرنے کے لیے اس سے نئے نئے دلائل دل نشین مثالیں ملتی رہیں۔ اہلِ سلوک و معرفت کو اس سے عارفانہ مضامین اور محبت کا پیغام ملتا رہا۔ اس نے عالم اسلام کے فکری تعطل علمی اور ادبی جمود اور تقلیدی ادب پر کاری ضرب لگائی اور اسلام کے کاروان ادب کو دوبارہ متحرک اور سرگرم سفر کردیا۔

مثنوی کا بیشتر حصہ رمزی حکایتوں کی صورت میں ہے۔ ان حکایتوں کے نتائج ان کو افکار میں تبدیل کردیتے ہیں ان افکار کا تعلق مذہب۔ اخلاق اور معاشرت سے ہوتا ہے۔ یہ خالص ایجابی شاعری ہے پڑھنے والے ان سلسلۂ واقعات اور اس مجموعۂ جذبات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کسی شاعر کے کلام میں حسن اور نیکی کی اتنی وافر مقدار نظر نہیں آتی۔ افکار کا رابطۂ زمانی اور تمثیلوں کی خیال افروزی جو اثر ڈالتی ہے وہ استدلالی منطق کے بس کی بات نہیں۔

اس مثنوی میں فرضی باتوں میں حقیقت کی جھلکیاں اور آشنا حقیقتوں میں افسانوں کی سی دلچسپیاں ملیں گی۔ کسی کلیدی لفظ یا ترکیب کے ذریعے ایک پوری عبارت کے معنوں کی طلسم کشائی ہوتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ شاعرانہ علامات یا تو استعارے ہوتے ہیں یا استعاروں سے پیدا ہوتے ہیں ان سب کے ساتھ الفاظ کی موسیقی اور ان کی آہنگی تو اتراگ فردوس گوش ہوتا ہے

زبان کے محاکاتی اور ہیئتی تعبیری اور تضمینی پہلوؤں کے درمیان جو توازن ہے اس کی نظیر صرف غزل گو شعرا میں ملے گی۔ وہ بھی بالکل چنے ہوئے شاعر جیسے حافظ اور سعدی۔ درس و تلقین فلسفہ و حکمت کو افسانہ و حکایت کے پیرایہ میں بیان کرنا کچھ مولانا روم ہی کا کمال ہے۔ بہت سے لوگ اس کو خالص حکایت سے لطف اندوز ہونے کے لیے پڑھیں گے انھیں راستہ کی دلچسپیوں نے آمادہ بہ سفر کیا ہے۔ منزل کی کشش نے نہیں مگر وہ منزل پر پہنچ جائیں گے غیر شعوری طور پر مثنوی کی ابتدا صوفیانہ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی شاعرانہ بھی ہے۔ صوفیانہ عرفان میں خارجی چیزیں عشق کے وسیلہ سے روح کے اندر داخل ہوتی ہیں۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

بانسری کے نغمے جہاں عام انسانوں کو انبساط اور اہتزاز بخشتے ہیں۔ وہیں ان روحوں کو نالیدہ کردیتے ہیں جو حساس ہوتی ہیں ان کی موسیقی اور زیر و بم جدائی کا احساس پیدا کرتی ہے اسی نالۂ نے میں اقبال نے سر درے محسوس کیا ہے اور اس کی اصل کو نے نواز کا دل قرار دیا ہے۔

اس چھوٹے سے مضمون میں میں نے مولانا روم کے حالاتِ زندگی کو بیان نہیں کیا ہے مولانا شمس تبریز سے غیر معمولی الفت ان کی مفارقت میں مولانا کی شوریدگی اور بیتابی صلاح الدین زرکوب اور حسام الدین چلپی کے اثرات۔ ان کے انتخاب کا سبب۔ مولانا کے علمی مشاغل اخلاق و خصوصیات۔ ریاضت و مجاہدہ۔ زہد و قناعت فیاضی اور ایثار بے نفسی اور فنائیت کسبِ حلال غرض بہت سی باتیں ایسی رہ گئی ہیں جن کو حضرت مولانا نے کافی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ میں نے ان کو نہیں دہرایا ہے اور اپنی ساری توجہ مثنوی پر رکھی ہے۔ حضرت مولانا نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس عجمی صحیفہ کی تفسیر ہے اور سہل ممتنع ہیں۔

مولانا روم کے ظاہری علم نے اس آگ کو دبا رکھا تھا جو مولانا کے باطن میں فروزاں تھی۔ مولانا شمس تبریز نے اس آتش بے دود کو برآمد کردیا اور سراپا سوز و ساز بن گئے

شعلہ ہا آخر زِ ہر مویم دمید
از رگِ اندیشہ ام آتش چکید (اقبال)

ہمدم و ہمراز کے بغیر ان کا جینا محال تھا شمس تبریز کے بعد جب تک ان کو صلاح الدین زرکوب اور ان کے بعد حسام الدین چلپی نہیں مل گئے ان کی بیقرار طبیعت کو سکون نہیں ہوا۔

شمع را تنہا طپیدن سہل نیست

یہ آتشِ سوزاں ان کو سماع کی طرف لے جاتی تھی اور وہ اُس سے قوت اور غذا حاصل کرتے تھے

پس غذائے عاشقاں آمد سماع
کہ ازو باشد خیالِ اجتماع

وہ عقل پر تنقید کرتے ہیں کہ عالمِ غیب کے حقائق اور انبیاء کے علوم و معارف کے بارہ میں عقل بھی کوتاہ اور نارسا ہے۔ دریائے شور کا رہنے والا آبِ شیریں کا کیا اندازہ کر سکتا ہے۔

اے کہ اندر چشمۂ شور است جات
تو چہ دانی شط و جیحون و فرات

پھر وہ ایک سیدھی اور عام فہم بات کہتے ہیں کہ اگر عقل دینی حقائق و معارف کے ادراک کے لیے کافی ہوتی تو اہلِ منطق، استدلال اور ائمہ کلام سب سے بڑے عارف اور دین کے محرمِ اسرار ہوتے۔

فخرِ رازی رازدارِ دیں بدے

انسانوں کے ساختہ پرداختہ علوم علمِ حقیقی کے لیے حجاب اور سالک کے لیے انتشار و اضطراب کا موجب ہیں۔

حکمتِ دنیا فزاید ظن و شک
حکمتِ دینی بُرد فوقِ فلک

استدلال سے دینی حقائق ثابت کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے لکڑی کے پاؤں سے چلنا

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

فلسفی دنیا کے علوم سے باخبر، بڑا وسیع النظر، صدہا چیزوں سے آشنا مگر اپنے سے ناآشنا ہے۔

صد ہزاراں فضل دارد از علوم
جانِ خود را می نداند ایں ظلوم

ساتویں صدی میں علم کلام اور عقلیت کی سرد ہوا نے دل کی انگیٹھیاں بجھا دی تھیں، مولانا روم نے عشق کی دعوت دی اور محبت کی کرامت اور کرشمہ سازیاں بیاں کیں۔

از محبت دردہا صافی شود
وز محبت دردہا شافی شود
از محبت سنگ روغن می شود
بے محبت موم آہن می شود
از محبت مردہ زندہ می شود
وز محبت شاہ بندہ می شود

عشق کا جس نے ایک مرتبہ مزہ چکھ لیا اس نے پھر کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

باد عالم عشق را بیگانگی
اندرو ہفتاد و دو دیوانگی

مولانا روم جب فقرِ جسور اور عشقِ غیور کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان پر بے خودی طاری ہو جاتی ہے۔

ملکِ دنیا تن پرستاں را حلال
ما غلامِ ملکِ بے زوال

یہ عشق اگر گناہ ہے تو ایسا گناہ ہے کہ طاعتیں اُس کے سامنے ہیچ ہیں۔

زیں گنہ بہتر نہ باشد طاعتے
سالہا نسبت بدیں دم ساعتے

عاشقی آدمی کی میراث اور زیرکی و چالاکی شیطان کا سرمایہ ہے۔

داند آں کو نیک بخت و محرم است
زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر خدا نے تم کو محبوب نہیں بنایا ہے تو تم عاشق بن کر زندگی کا لطف حاصل کرو

تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش
ہمچو او با گریہ و آشوب باش

عشق کی یہ دولت کسی مردہ اور ناپائدار محبوب کے لائق نہیں۔ زندہ عشق کو زندہ محبوب چاہیئے۔

عشق بر مردہ نہ باشد پائدار
عشق را بر حیٔ جاں افزاز دار

حسن کی اس بارگاہِ عالی میں عشق کو اپنی نارسائی کا شکوہ نہیں ہونا چاہیئے۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
با کریماں کارہا دشوار نیست

برسوں کا مریض جب عشق کے ہاتھوں اپنے روحانی امراض سے شفا پاتا ہے تو سرور اور بے خودی کے عالم میں کہہ بیٹھتا ہے۔

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

یہ عشق تو دل کی گرمی کے بغیر ممکن نہیں۔ مولانا روم نے دل کی عظمت اور وسعت کی طرف متوجہ کیا اس دل میں کیسی دنیا آباد ہے جس میں صرف بہار ہی بہار ہے۔ یہ ایک باغ ہے اس کی رعنائی اور تازگی میں کبھی فرق نہیں آتا یہ دل وہ دل نہیں ہے جو محبت کی لذت سے ناآشنا یقیں کی دولت سے محروم۔ ذوق و شوق سے خالی ہے اور خواہشاتِ نفس کی آماجگاہ ہے مولانا جس دل کا ذکر کر رہے ہیں اس کی بلندی کے سامنے آسماں پست اور جس کی وسعت کے آگے سارے عالم کی وسعت گرد ہے دونوں دلوں کے فرق کو واضح کرتے ہوئے مولانا تسکین دیتے ہیں کہ دل بہرحال دل ہے اور خدا کے یہاں کوئی دل مردود نہیں۔

ہیچ قلبے پیشِ او مردود نیست
زانکہ قصدش از خریدن سود نیست

عجمی تصوف نے فنائیت انکارِ ذات اور خودکشی کی تلقین اتنے جوش اور قوت سے کی تھی کہ خود فکری اور خودشناسی ایک اخلاقی جرم اور مانعِ ترقی سمجھی جانے لگی۔

انسان کو اپنی ترقی انسانیت میں نہیں بلکہ ترکِ انسانیت میں نظر آنے لگی، مولانا روم نے انسان کی بلندی کا ترانہ اس جوش سے بلند کیا کہ وہ اپنے مقام سے آگاہ ہوگیا۔

احسن التقویم در والتین خوال
کہ گرامی گوہراست لے دوست جاں
احسن التقویم از فکرت بروں
احسن التقویم از عرشش فزوں

وہ فرماتے ہیں کہ انسان خلاصہ کائنات اور مجموعہ اوصافِ عالم ہے۔

آفتابے در یکے ذرہ نہاں
ناگہاں آں ذرہ بکشاید دہاں
ذرہ ذرہ گرد افلاک و زمیں
پیش آں خورشید چوں جست از کمیں

انسان آفرینشِ عالم کا مقصود اور تمام کائنات کا محور ہے۔ اس سے اس عالم کا رنگ و بو اور زندگی کی آبرو ہے۔ اس کی اطاعت تمام موجودات پر فرض ہے۔

اس رفعت و بلندی کے بعد خدا کے سوا انسان کا اور کون خریدار ہوسکتا ہے اور کون اس کی قیمت لگا سکتا ہے۔ ~~اے غلامت عقل وتدبیرات~~

اے غلامت عقل وتدبیرات وہوش
تو چرائی خویش را ارزاں فروخت

لیکن یہ ان انسانوں کا تذکرہ ہے جو جوہرِ انسانیت سے آراستہ اور حقیقت انسانیت سے آشنا ہیں یہ حقیقی انسان کمیاب اور عنقا صفت ہیں۔ مولانا روم کو انسان کی تلاش تھی۔

زیں شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دام و دد ملولم وانسانم آرزوست
زیں ہمرہانِ ست عناصر دلم گرفت
شیر خدا ورستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آں کہ یافت می نشود آنم آرزوست

دعوتِ عمل

مولانا کا تصوف اور ان کی تلقین تعطل بے عملی اور رہبانیت کا مبلغ نہیں۔ وہ عملی جد و جہد کسب اور اجتماعی زندگی کے داعی اور مبلغ ہیں، وہ رہبانیت اور ترک دنیا کو اسلام کی روح کے منافی اور تعلیمات نبوت کا مخالف سمجھتے ہیں ان کے نزدیک اگر اجتماعی زندگی مطلوب نہ ہوتی تو جمعہ وجماعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کیوں ہوتی۔

از ترہب نہی فرمود آں رسول
بدعتے چوں در گرفتی اے فضول
جمعہ شرط است وجماعت در نماز
امر معروف و ز منکر احتراز

مولانا نے توکل کا شرعی مفہوم بیان کیا اور کسب کی ترغیب دی اعقلها وتوکل علی اللہ،

گفت پیغمبر بہ آواز بلند
با توکل زانوے اشتر بہ بند
رمز الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل در کسب کاہل مشو

فرماتے ہیں سعی و عمل اور کسب وجہد عین خدا کی مرضی اور فطرت کا اشارہ ہے اور تعطل اور ترکِ دنیا منشائے الٰہی کے خلاف اور کفرانِ نعمت ہے۔ جد وجہد اور سعی و عمل سنتِ انبیاء اور طریقہِ اولیا ہے۔ پھر وہ یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ مال و اولاد دنیا نہیں ہے جس کی شریعت میں مذمت ہے اور جو خدا کی رحمت سے دور رہے وہ غفلت کی زندگی ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند وزن
مال را گر بہر دیں باشد حمول
نعم مالٌ صالحٌ گفت آں رسول

عقائد اور علم کلام

مولانا روم نے صرف باطنی احساسات۔ وجدان اور روح سے کام لینے اور عشق کی دعوت دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کلامی مسائل ومشکلات کو اپنے مخصوص انداز میں حل کرنے اور دل نشین کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مولانا کے یہاں ایسا شرح صدر اور اطمینان قلب پیدا ہوتا ہے جو علم کلام کے پورے کتبخانہ سے نہیں پیدا ہوتا۔ وہ کائنات سے خالق کائنات کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔

دست پنہاں وقلم بیں خط گزار
اسپ در جولاں و ناپیدا سوار
تیر پیدا بیں و ناپیدا کماں
جانہا پیدا و پنہاں جانِ جاں

انبیاء کا تعارف وہ خود انکی زبان سے کراتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وہ طبیبانِ الٰہی اور معالجین قلوب ہیں۔

ما طبیباں نیم شاگردانِ حق
بحر قلزم دید ما را فانفلق

پیغمبر کی ہر ادا بتاتی ہے کہ وہ پیغمبر ہے وہ خود اپنی نبوت کی دلیل ہوتا ہے۔

درد دل ہر کس کہ دانش را مزہ است
رود آواز پیغمبر معجزہ است

معجزہ موجب ایمان نہیں۔ یہ تو مغلوب اور لاجواب کرنے کے لیے ہے۔

موجب ایماں نباشد معجزات
بوئے جنسیت کند جذب صفات

مولانا کے نزدیک موت حقیقی زندگی کا پیش خیمہ اور انسان کی ترقی کا زینہ ہے۔

شاہ جاں جسم را ویراں کند
بعد ویرانش آباداں کند

ترقی کے مدارج عالیہ کے لیے فنا اور نیستی ضروری ہے۔ کسی نے تختی دھلائے بغیر اور بر لائے نقش مٹائے بغیر تختی لکھی ہے۔

دو رہا اول بشو بے وقوف
آنکہے بڑبوسے نویسد او حروف

دراصل موت موت نہیں بلکہ زندگی کی تمہید ہے اور مرنے کا دن مومن کے لیے شام غم نہیں بلکہ صبح امید ہے۔

آزمودن مرگ من در زندگی است
چوں رہیدیں زندگی پایندگیست

جبر واختیار کی بحث علم کلام کی مشکل ترین بحثوں میں سے ہے مولانا فرماتے ہیں کہ اگر انسان مجبور محض ہوتا تو وہ خدا کی طرف سے امر ونہی کا مخاطب کیوں بنتا۔

جبر پس گوید کہ امر ونہی راست
اختیارے نیست ایں جملہ خطا است
جملہ قرآں امر و نہی است و وعید
امر کردن سنگ مرمر را کہ دید

مولانا اعتراف کرتے ہیں کہ اسباب کی ایک حقیقت ہے اور عقل ومعلومات، اسباب ومسببات کا ایک سلسلہ ہے جس کا انکار نہ ممکن ہے نہ معقول البتہ خرق عادت ممکن ہے

بیشتر احوال بر سنت رود
گاہ قدرت خارق سنت شود

اختتام پر حضرت مولانا نے لکھا ہے کہ مثنوی کے مضامین یکسر تنقید سے بالاتر اور ہر قسم کی لغزش اور خطا سے مبرا نہیں۔ بہت سے فاسد العقیدہ صوفیوں اور اہل ہوی نے اس سے کبھی کبھی غلط فائدہ بھی اٹھایا ہے۔ بہر حال یہ ایک انسان کا کلام ہے جو معصوم نہ تھا۔ اور جس کے مضامین میں اس کے قلبی واردات اور خارجی تاثرات کو بھی دخل ہے۔ اس سب کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے وقت کا ایک بڑا علمی کارنامہ اور اسلام کی عقلی برتری اور اس کے غیر فانی زندگی کا ثبوت ہے۔

مضمون ختم ہوتا ہے۔ تاریخ دعوت وعزیمت کی پہلی جلد تمام ہوئی۔ اس ناچیز مضمون نگار کو اقرار ہے کہ وہ اس گلشن سے صرف چند کلیاں چن سکا۔ پڑھنے والوں کو میرا مشورہ ہے کہ وہ ان چند کلیوں پر قناعت نہ کریں۔ گلشن کی خوب سیر کریں پھول چنیں اور دل شاد بھریں۔ اور باغبان کے درازی عمر کی دعا کریں۔

(بقیہ)

آزمودہ حکمت عملی

اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کا غبار کثیف ہوتا جا رہا ہے اور دین رحمت کی داعیوں کو تشدد اور دہشت کا داعی قرار دیا جا رہا ہے۔ اور خدا کی زمین تمام تر وسعتوں کے باوجود مسلمانوں کے لیے تنگ ہو کر رہ گئی ہے اور انھیں اپنے ملکوں اور وطنوں سے نکالا جا رہا ہے۔ دینی ذہن رکھنے والوں کے خلاف کھلی کارروائیاں ہو رہی ہیں یا مدارس اور دینی تربیت گاہوں کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دیا جا رہا ہے۔ اور اسلامی شخصیات پر پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں۔

انسانی تاریخ کا یہ ایک عجوبہ ہے کہ اسلام کو انسانیت کے لیے آج خطرہ باور کرایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو انتشار وافتراق پریشانی ومجبوری کا مصدر گردانا جا رہا ہے، لیکن کیا یہ نئے حالات ہیں اور کیا تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی اور کیا مسلمانوں کو ایسے حالات کا سامنا پہلے نہیں کرنا پڑا؟

اسلام کے ابتدائے آفرینش لیکر آج تک اعدائے اسلام نے دعوت اسلامی کی راہ میں سنگ گراں بن کر سامنے آنے کی کوشش کی ہے اور اس کے لیے بڑی بڑی حکومتوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ تاریخ اسلام ایسے المیوں سے بھری پڑی ہے، تباہی اور سفاکی کی داستانوں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کئی بار ایسا محسوس ہوا کہ اب اسلام اور مسلمان باقی نہیں رہیں گے۔ یا بعض علاقہ اس دولت سے محروم ہو جائیں گے۔ لیکن اسلام حیرت انگیز طور پر ان تمام شکنجوں سے آزاد رہا ہے اور اس نے دلوں کو شکار کیا ہے اور بڑی بڑی تند خو جنگجو قوموں کو مات دی اور اپنی مشکلات پر قابو پایا ہے اور اپنی کٹھنائیوں سے بے داغ نکل آئے اور دنیا کے ایک بڑے حصہ پر اپنی فتحمندیوں کا علم لہرایا ہے۔" اس تابناک تاریخ کے باوجود آج مسلمان اپنی مشکلات کو حل کرنے سے آخر عاجز کیوں ہیں مسلمانوں کی تاریخ کا ایک اہم سبق یہ ہے

جب مسلمان کسی شدید آزمائش اور خطرات میں مبتلا ہوئے ہیں اور جب معلوم ہوتا ہے کہ اب ان کے لیے کوئی نجات کا راستہ نہیں ہے تب ہی ان کے تابناک عہد کی ابتدا ہوئی ہے، اور خدا کی نصرت آتی ہے اور ان کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، مگر اس کی شرط یہ ہے کہ ان کا عقیدہ اور عمل نصرت کے شرائط کو پورا کرتا ہو، اور وہ اس کے مطابق طریقہ کار اختیار کریں۔

دعائے مغفرت

تعمیر حیات کے قدرداں جناب ماسٹر افتخار احمد صاحب (اعظم گڑھ) کا بھی جاتے ہوئے جبل پور ریلوے اسٹیشن پر حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے ۴۰ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ؛

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

فہم حدیث اور درایت

مولانا محمد خالد ندوی

حدیث وہ پاکیزہ علم ہے جس کا براہ راست تعلق نبی آخر الزماں سید الاولین والآخرین کی زندگی کے مختلف گوشوں اور آپکی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے معجز بیان ان شہ پاروں سے ہے جس کی نظیر عربی ادب کی تاریخ میں اس وافر مقدار اور مستند حوالوں سے نہیں ملتی اور ظاہر ہے کہ جس ذات پاک پر قرآن کریم جیسی معجزانہ اور علوم وفنون کا گنجینہ جیسی کتاب نازل کی گئی ہو. جو اس کی گفتگو اعجازی شان سے خالی ہو، وہ خود علوم وفنون کا سرچشمہ نہ ہونا ممکن ہے ؟[1]

حدیث کے لغوی اور اصطلاحی معنی

لغت عربی کے امام علامہ جوہری نے صحاح میں حدیث کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں "الحدیث الکلام قلیلہ وکثیرہ وجمعہ أحادیث" یہ حدیث کے لغوی معنی ہیں جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ہر قسم کے کلام کو حدیث کہہ سکتے ہیں. لیکن اصلاً حدیث جب بولتے ہیں تو اس کا عام طور پر اطلاق اس لغوی مفہوم پر نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا اطلاق عموماً اس مفہوم پر ہوتا ہے جو حدیث کے اصطلاحی معنی کو متضمن ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تائیدات وحوالے کے مجموعے کا نام ہے[2]

[1] علوم حدیث ص۲۵ [2] ایضاً

لغوی اور اصطلاحی معنی میں ربط :-

اس مفہوم کو ذرا اور وسعت کے ساتھ بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور اس میں لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں باہم مناسبت کی نشاندہی بھی کی جا سکتی ہے لہٰذا حدیث کی تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں.

قرآن کریم دین الٰہی کی آخری اور مکمل کتاب ہے جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی اور آپکو اس کا مبلغ ومعلم بنا کر دنیا میں مبعوث کیا گیا، چنانچہ آپ نے اس کتاب مقدس کو اول سے آخر تک لوگوں کو سنایا، لکھوایا، یاد کرایا، اور خوبی سمجھایا اور خود اس کے جملہ احکام وتعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امت کو دکھایا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ حقیقت میں قرآن مجید کی قولی اور عملی تفسیر ہے اور آپ کے ان ہی اقوال اعمال اور احوال کا نام حدیث ہے[3]

مذکورہ مجموعہ پر حدیث کا اطلاق حقیقت میں کوئی خود ساختہ اصطلاح نہیں بلکہ قرآن پاک وحدیث سے اس کی تائید وتوثیق ہوتی ہے. بلکہ اس سے یہ مفہوم مستنبط ہے وہ یوں کہ قرآن کریم میں دین کو نعمت قرار دیا گیا ہے اور اس نعمت کی ترویج واشاعت کو تحدیث سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے "واذکروا نعمة الله علیکم وما انزل علیکم من الکتاب والحکمة یعظکم بہ (البقرہ ۲۹۴)

[3] ابن ماجہ اور علم حدیث ص۱۲۸

ترجمہ: "اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو اور جو تم پر کتاب وحکمت کو نازل فرمایا کہ تم کو اس کے ذریعہ نصیحت فرمائے"

اور تکمیل دین کے سلسلہ میں فرمایا گیا.

• الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (المائدۃ ۱۴)

ترجمہ! آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی.

ملاحظہ فرمائیے ان دونوں آیتوں میں قرآن کریم نے دین کو نعمت کہا ہے. اور سورۂ والضحیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نعمت کے بیان کرنے کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے.

وأما بنعمة ربك فحدث. اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے. بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تحدیث نعمت کو حدیث کہتے ہیں[4]

علامہ ابن حجر نے حدیث کو قدیم کی ضد قرار دیا ہے. اس طرح کلام رسول کو کلام ربانی سے متمایز کرنے کی کوشش کی ہے. حافظ سخاویؒ نے فتح المغیث میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے. لیکن وجہ تسمیہ سے یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے زیادہ بہتر اور لطیف توجیہہ وہی معلوم ہوتی ہے جسکو پہلے ذکر کیا گیا ہے. ہر چند کہ بعض حضرات اس توجیہہ پر بھی نکتہ بعد الوقوع کا الزام عائد کرتے ہیں. لیکن قرآن پاک پر غور کرنے سے اس الزام کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی کیونکہ متعدد مقامات پر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اقوال واعمال و احوال کیلئے "حدیث" ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے چنانچہ سورہ الذاریات میں حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کا تذکرہ اس طرح شروع ہوتا ہے.

هل أتاك حديث ضيف ابراهيم

[4] ابن ماجہ اور علم حدیث ص۱۲۹

المکرمین (الذاریات ٢٤)

کیا حضرت ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات آپ تک پہونچی۔

اور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں دو مقامات پر یوں آیا ہے۔

هل أتاك حديث موسى

(طه ١٤، النازعات ١٤)

حضرت موسیٰ کی بات آپ کو معلوم ہوئی۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کے پہلے بھی قرآن مجید میں "حدیث" کا لفظ موجود ہے۔

وإذ أسر النبي إلى بعض أزواجه حديثا (التحریم ٣)

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض بیویوں سے رازدارانہ گفتگو کی۔

اسی طرح حدیث کا ماخذ خود کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے جس میں خود آپ نے اپنے اقوال وافعال کیلئے لفظ "حدیث" استعمال فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے حدثوا عني ولا حرج[1] اسی طرح من حفظ على أمتي أربعين حديثا[2]

یہ حدیث سنداً ضعیف ہے لیکن حافظ سخاویؒ نے المقاصد الحسنہ میں اسکی تحقیق کی ہے چنانچہ متعدد طرق کی بنیاد پر یہ حدیث "حسن لغیرہ" کے درجہ تک پہونچ جاتی ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی اس کے نظائر ملتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال کیلئے لفظ حدیث کا استعمال زمانہ مابعد کی اصطلاح نہیں ہے۔

حدیث کے مترادفات | حدیث کے مفہوم میں چند اور الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی روایت، اثر، خبر اور سنت۔ صحیح یہ ہے کہ علماء حدیث کے نزدیک یہ سب الفاظ مرادف ہیں، بعض حضرات نے معمولی فرق بھی کیا ہے۔ روایت کا اطلاق تو بالاتفاق حدیث کے لغوی مفہوم پر ہوتا ہے البتہ حدیث خبر سنت اور اثر کے مابین کچھ معنوی تفریق کا پتہ چلتا ہے۔

إن الحديث اسم للمرفوع والاثر اسم للموقوف على الصحابة والتابعين

مرفوع روایت حدیث ہے اور صحابہ وتابعین پر موقوف روایت کو اثر کہا جاتا ہے۔

امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں فقہائے خراسان کی تعریف کو قبول کیا ہے جبکہ امام نووی نے شرح مسلم (ج ١ ص ٦٣) میں لکھا ہے کہ جمہور خلف وسلف کے نزدیک حدیث واثر میں کوئی فرق نہیں ہے علامہ عبد الحی فرنگی محلی نے "ظفر الامانی" (ص ٥١) میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

اسی طرح سنت کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے صرف عمل کا نام ہے، حالانکہ امام ترمذیؒ، امام ابوداؤد، امام نسائیؒ، ابن ماجہؒ، بیہقیؒ، دارقطنیؒ اور دارمیؒ نے اپنی کتاب کو السنن کے نام سے یاد کیا ہے، حالانکہ ان میں قولی احادیث بکثرت موجود ہیں، اسی طرح حدیث کی مشہور کتاب منتقی الاخبار نے کلام سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم میں لفظ خبر کو حدیث کا مرادف قرار دیا ہے۔ لہٰذا محدثین کا یہ طرز عمل بتلاتا ہے کہ محقق بات یہ ہے کہ عام استعمال میں یہ تمام الفاظ مرادف ہیں اور ایک دوسرے کی جگہ بکثرت استعمال کیا جاتا ہے، اس نوع کیلئے "انہار السکن" مولفہ مولانا ظفر احمد عثمانی کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔

علم حدیث | حدیث کی صحیح معرفت کیلئے علم حدیث سے اشتغال ضروری ہے بغیر اس علم کے حدیث کا نہ صحیح مقام متعین کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی صحیح احکام کی معرفت ہوسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس طرف بڑی توجہ صرف کی اور اپنی زندگی کے بیش قیمت لمحات اس علم کی مشاغلی میں لگا دیئے ہیں اور اس کے متعلقات پر ایسی تفصیلات درج فرمائی ہیں کہ اس فن کو بھی علوم قرآن جیسی وسعت حاصل ہوگئی ہے چنانچہ علوم حدیث کی تعداد کی بابت علامہ ابن ملقن سے منقول ہے کہ دو سو سے زائد ہیں مشہور محققین میں حاکم نے پچاس، امام نووی اور علامہ ابن صلاح نے ٦٥، علامہ سیوطی نے ٩٣ ذکر کئے ہیں۔

اور ابن حبان اور ابو حاتم نے صرف حدیث ضعیف کے تحت ٤٩ علوم کا تذکرہ کیا ہے جبکہ مناوی نے ١٢٩ اقسام کو عقلاً ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس اختلاف کی اصل بنیاد تحریر وتقریر میں اختصار ہے کہ بعض حضرات نے بہت سی احادیث کو ضمناً لیا ہے۔ اور بعض نے مستقل علوم وفنون کی حیثیت سے شمار کیا ہے[3]

لیکن اصولی طور پر دیکھا جائے تو اس فن کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن الاکفانیؒ نے ارشاد القاصد میں لکھا ہے کہ علم حدیث کی ابتداً دو قسمیں ہیں۔ (١) علم روایۃ الحدیث (٢) علم درایۃ الحدیث

علم حدیث کی تعریف | علامہ بدر الدین عینیؒ نے ان دو قسموں کی توضیح وتحقیق سے قبل علم حدیث کی تعریف ان الفاظ میں عمدۃ القاری کے اندر کی ہے "علم يعرف به اقوال رسول الله صلى الله عليه وسلم وافعاله واحواله"۔

اور حافظ سخاویؒ نے فتح المغیث میں اس کو یوں بیان کیا ہے۔

"معرفة ما اضيف إلى النبي صلى الله عليه وسلم قولا له أو فعلا أو تقريرا أو صفة"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قول، فعل، تائید اور وصف کی نسبت کی معرفت کو علم حدیث کہا جاتا ہے۔ (باقی ص ١٣ پر)

[1] صحیح مسلم ج ٢ ص ٤١٤ کتاب الزہد [2] مشکوٰۃ کتاب العلم ج ١ ص ٣٦

[3] علوم حدیث ص ٢٥

سوال و جواب

ندوی

س:۔ ایک مسجد کے امام صاحب پینٹ کر رہے تھے کہ اتنے میں اذان ہوگئی، انھوں نے ہاتھوں سے پینٹ صاف کر کے وضو کیا اور امامت کی، امامت کے اختتام پر ان کی نظر اپنے ہاتھوں پر پڑی تو ایک یا دو پینٹ کے چھینٹے نظر آئے انھوں نے مقتدیوں سے کہا "میرے ہاتھ پر پینٹ کے چھینٹے باقی رہ گئے ہیں، چونکہ ان چھینٹوں کے نیچے پانی نہیں پہونچا لہٰذا میرا وضو نامکمل ہوا نماز درست نہیں ہوئی آپ حضرات کسی اور کو امام بنا کر نماز کو دہرالیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا حقیقۃً نماز صحیح ہوئی تھی یا نہیں؟

ج:۔ دریافت کردہ صورت میں امام کا قول درست ہے فی الواقع نماز نہیں ہوئی، نماز کا اعادہ واجب تھا کیونکہ اگر بال کے برابر بھی حصہ وضو کرتے وقت خشک رہ جائے تو وہ وضو نہیں ہوتا ہے مذکورہ صورت میں چونکہ پینٹ لگا ہوا تھا اور پینٹ میں پانی اندر جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اس لئے وضو نہیں ہوا اور اس وضو سے پڑھائی ہوئی نماز بھی درست نہیں ہوئی۔

س:۔ شادی بیاہ اور دیگر بہت سے موقعوں پر ویڈیو فلم لیتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

ج:۔ ویڈیو فلم بنانا بہت سی قباحتوں کی وجہ سے اور جاندار کی تصویر کھینچنے کی شرعاً ممانعت نیز بے پردگی کی بنا پر شرعاً درست نہیں ہے۔

س:۔ ایک غیر مسلم السلام علیکم کہتا ہے تو کیا اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہہ سکتے ہیں؟

ج:۔ نہیں! بلکہ اس کے جواب میں السّلامُ علیٰ مَنِ اتَّبَعَ الہُدیٰ (سلامتی اس پر جو ہدایت قبول کرلے) کہنا چاہئے۔

س:۔ کیا کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاسکتا ہے؟

ج:۔ نہیں! غیر مسلم کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں ہے۔

س:۔ ایک شخص کہتا ہے کہ ایک مسلمان کمیونسٹ بھی ہوسکتا ہے؟

ج:۔ اسلام اور کمیونزم الگ الگ نظام ہیں، اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اس کو مکمل طریقہ پر ماننے والا مسلمان ہوتا ہے اس لئے کوئی مسلمان کمیونسٹ نہیں ہوسکتا ہے اور نہ کوئی کمیونسٹ مسلمان رہ سکتا ہے۔

س:۔ اگر کسی مشترک مال میں دو یا دو سے زائد آدمی شریک ہوں اور ان سب کا مال ملاکر نصاب کو پہونچ رہا ہو اور اس پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

ج:۔ اگر کسی مال میں دو یا دو سے زائد آدمی شریک ہوں تو ان میں سے کسی پر زکوٰۃ اس وقت تک واجب نہیں ہوگی جبتک ان میں سے ہر ایک کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو اور اس پر سال گزر جائے۔

س:۔ ایک غیر مسلم نے سوال کیا کہ قرآن میں اکثر مقامات پر یہ آیا ہے کہ خدا تعالیٰ رحمان و رحیم ہے تو پھر آخر کیوں خدا نے جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا؟ کیا یہ بے رحمی نہیں ہے؟

ج:۔ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملک ہے وہی حقیقی حاکم ہے تمام انسانوں کو اسی کے حکم کے تابع ہوکر زندگی گزارنی چاہئے کیونکہ اس نے ہم پر انعام و اکرام کی بارش کر رکھی ہے اس کے انعامات میں سے غلہ، سبزی اور حلال جانور کا گوشت ہے جو انسانی غذا ہے، حلال جانور کے ذبح یا قربانی کرنے کا حکم دینا دراصل ہم پر انعام و اکرام ہے اگر وہ اس کی اجازت نہ دیتا تو ہم اپنی اہم ترین غذائیت سے محروم ہو جاتے اس کا یہ حکم ہرگز اس کے رحمان و رحیم ہونے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہر شی کو اس نے ایک مدت خاص کے لئے پیدا کیا ہے جب اس کی وہ مدت خاص پوری ہوجاتی ہے تو اس کو موت کے آغوش میں سلا دیتا ہے کبھی موت کو کسی جلاد پر ذبح و قتل کے ذریعہ طاری کرتا ہے اور کبھی کسی مرض کے ذریعہ اب بہر حال یہ سب اسباب موت ہیں الغرض ایک حقیقی مصور کی یہ مختلف تصاویر ہیں وہ اپنی بنائی ہوئی تصویر کو جس طرح چاہتا ہے مٹا دیتا ہے یا کسی کو حکم دیتا کہ وہ اس کو چاک کردے، کیا یہ مصور کی بے رحمی کہی جائے گی اگر وہ ابتدا ہی سے نہ تصویر کشی کرتا تو یہ اس کا ظلم ہوتا یا بے رحمی ہوتی؟ اس طرح بعد کا یہ عمل بھی بے رحمی نہیں کہا جاسکتا ہے۔

س:۔ کیا زکوٰۃ فرض ہوجانے کے بعد اس کا جلد از جلد ادا کرنا شرعاً مطلوب ہے؟

ج:۔ ہاں! زکوٰۃ فرض ہوجانے کے بعد اس کا جلد از جلد ادا کرنا شرعاً مطلوب ہے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے "کوئی زکوٰۃ کسی مال سے نہیں ملتی مگر اسے ہلاک کردیتی ہے" (یعنی جب کسی مال پر زکوٰۃ واجب ہوجائے تو اسے جلد از جلد ادا کردینا چاہئے) بخاری (باقی صفحہ...)

ایک ندوی فرزند کی وفات

ادارہ

رمضان المبارک کی انتیسویں شب میں ایک ندوی فرزند، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے سرگرم اور مخلص کارکن مولوی محمد غیاث الدین ندوی کا حرکت قلب بند ہونے سے اپنے وطن بارا عیدگاہ (پورنیہ) میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

انتقال کے وقت مرحوم کی عمر اڑتالیس سال تھی۔ پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ تین لڑکیاں اور پانچ لڑکے ہیں۔ جن میں دو لڑکیاں شادی شدہ اور باقی بچے کم عمر اور زیر تعلیم ہیں۔

مولوی محمد غیاث الدین کے والد ماجد منشی بشیر الدین صاحب اگرچہ بارا عیدگاہ پورنیہ کے رہنے والے تھے، لیکن نیپالی مسلمانوں میں دینی تعلیم کی صبح پھوٹنے میں انھوں نے بنیادی کردار ادا کیا، ان کی انتھک کوششوں اور ایثار وقربانیوں سے جلیاپور نیپال میں مدرسہ نور الاسلام قائم ہوا جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کا بڑا ملحقہ مدرسہ ہے، اس درسگاہ سے سیکڑوں طلبہ اب تک ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم سے تکمیل کرکے نیپال اور پورنیہ کے چپہ چپہ پر سرگرم عمل ہیں۔

مولانا بشیر الدین صاحب نے اپنے تینوں فرزندوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء بھیجا۔ ان میں سب سے بڑے فرزند مولوی محمد غیاث الدین ندوی تھے، دوسرے مولوی محمد ضیاء الدین ندوی مدرسہ نور الاسلام جلیاپور میں مدرس ہیں اور تیسرے مولوی حیاء الدین ندوی مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی میں تدریس کی ذمہ داری پر مقرر ہیں۔

مولوی غیاث الدین ندوی پورنیہ کے مشہور قصبہ بارا عیدگاہ میں ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گھر پر، اس کے بعد نور الاسلام میں انھوں نے تعلیم حاصل کی جہاں ان کے والد صاحب پڑھاتے تھے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم آئے، جہاں اچھے نمبروں سے انھوں نے عالمیت اور فضیلت کے مراحل مکمل کئے، پھر یہیں اپنے مرشد ومربی حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حکم سے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام سے ۱۹۶۸ء میں وابستہ ہوگئے، یہ ایسی وابستگی تھی کہ ستائیس سال تک مسلسل اس ادارہ سے وابستہ رہے اور مرکر ہی اس سے جدا ہوئے اس دور میں وہ یک در گیر ومحکم گیر کی عملی مثال تھے۔

مرحوم پندرہ روپئے ماہوار پر مجلس میں ملازم ہوئے تھے۔ جبکہ اس سے کہیں زیادہ تنخواہ پر ان کو نیپال کے مدرسہ میں بلایا جارہا تھا لیکن انھوں نے اپنے مرشد ومربی اور سرپرست اور صدر مجلس کے حکم وایماء پر اسی ادارہ سے وابستگی جاری رکھی۔ تقرری کے وقت مجلس ابتدائی حالت میں تھی، اس نے اپنے صدر کی توجہ اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (سکریٹری مجلس) کے مشوروں اور رہنمائی میں اور اپنے دو مخلص کارکنوں مولوی محمد غیاث الدین ندوی اور مولوی سید محمد غفران ندوی کی انتھک کوششوں کی بدولت ایسی ترقی کی کہ اس کا شمار ہندو پاک کے صف اول کے دعوتی ونشریاتی اداروں میں ہونے لگا، اس کی مطبوعات نے اعلیٰ اور معیاری طباعت کے کئی انعامات حاصل کئے، مجلس کی مطبوعات کی طلب میں اضافہ ہوگیا، اور وہ ایک تنگ کمرے سے ایک شاندار دو منزلہ عمارت میں منتقل ہوگئی۔

مجلس کی کتابوں کی کتابت کے مرحلے سے لیکر طباعت اور ترسیل کے سارے مراحل کو انجام دینے میں مولوی محمد غیاث الدین صاحب اپنے رفیق مولوی سید محمد غفران کی مدد سے انجام دیتے مجلس کی تمام مطبوعات کے انڈکس (اشاریے) بڑی دیدہ ریزی اور محنت وتوجہ سے تیار کرتے، اس میں ان کو بڑی مہارت ہوگئی تھی۔

۱۹۶۷ء کے بعد سے حضرت مولانا دامت برکاتہم کی جو تصنیف بھی شائع ہوئی ہے، اس کی کتابت، تصحیح، طباعت، تجلید اور ترسیل سب میں مولوی محمد غیاث الدین صاحب بذات خود دلچسپی لیتے۔ کاتبوں کے پاس خود ہی جاتے، پریس والوں سے معاملہ کرتے اور ہر ممکن کوشش کرتے کہ کم خرچ اور لاگت پر اچھی اور معیاری طباعت ہو۔ مجلس کی مالی ترقی کی فکر اور اس کو فائدہ پہونچانے کے لئے ہر وقت فکر مند رہا کرتے۔ مجلس کے مفاد اور اس کے وجود سے مرحوم کو جذباتی حد تک تعلق ہوگیا تھا۔ اپنے بڑوں سے بھی وہ اس مسئلہ پر کبھی کبھی الجھ جاتے، لیکن یہ حضرات مرحوم کے غایت درجہ کے اخلاص وتعلق کی قدر کرتے اور غیر معمولی شفقت کا برتاؤ ان کے ساتھ کیا کرتے۔

اس حادثہ کا سب سے زیادہ اثر صدر مجلس حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی پر ہوا۔ مولوی سید محمد غفران صاحب تو ان کے قوت بازو تھے۔ نہ صرف مجلس اپنے ایک مخلص اور سرگرم کارکن سے محروم ہوگئی بلکہ ندوۃ العلماء اپنے

ایک فعال کارکن اور اچھے فرزند محروم ہوگیا

مرحوم مولوی محمد غیاث الدین بڑے خوش اوقات اور اپنے معمولات کے بڑے پابند تھے، ۱۹۸۲ء میں ریاض سعودی عرب میں منعقد کتابوں کی عالمی نمائش میں مجلس کی طرف سے شریک ہوئے تھے اس موقع پر مرحوم عمرہ وزیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے۔

ادھر تین سال سے مرحوم کی والدہ صاحبہ پر فالج کا حملہ ہوا تھا، ان کی خدمت کے لیے مرحوم نے اپنے کو وقف کر دیا تھا۔ بار بار اپنے وطن کا سفر کرتے، اپنی راحت وآرام کو قربان کر کے والدہ کی خدمت کے لئے اپنے گھر والوں کو وطن بھیج دیا، بالآخر گذشتہ سال ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا، جس کا ان کے دل ودماغ پر غیر معمولی اثر پڑا۔

مرحوم پر نقرس کے بھی شدید حملے ہوئے، اس کی تیز دواؤں کا اثر قلب پر بھی ہوا، گذشتہ سال ایک جان لیوا دورہ پڑا لیکن بروقت طبی امداد سے سنبھل گئے، حکیمی علاج سے فائدہ ہوا۔ اس بیماری کے باوجود مرحوم مجلس کے کاموں میں اسی طرح سرگرم عمل رہے جیسے پہلے رہا کرتے تھے۔ حضرت مولانا مدظلہ کے عربی مضامین اور خطوط کو ٹائپ کرتے، ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر مجلس سے اہتمام سے شائع ہو جائے، شب وروز اس کی تصحیح اور تفسیری مصادر ومراجع سے وہ رجوع کرنے میں اپنے رفیق مولوی اسید محمد غفران صاحب کے ساتھ مشغول رہا کرتے تھے، فجر بعد سے لے کر بارہ بجے تک، پھر بعد مغرب وعشاء تا گیارہ بارہ بجے اس مبارک کام میں وہ لگے رہتے۔

رمضان المبارک کی تعطیل گذارنے مرحوم اپنے وطن گئے ہوئے تھے، وطن جاتے ہوئے لکھنؤ اسٹیشن ہی پر دوسرا قلبی دورہ پڑا جس میں وہ بالکل بے ہوش ہوگئے، لیکن زندگی کے دن باقی تھے کہ بچ گئے، اسی حال میں انھوں نے اتنا طویل سفر کیا، پورے رمضان المبارک کا ایک ایک لمحہ مرحوم نے وصول کیا۔ پندرہ سے ۱۸ پارہ تک تلاوت روزآنہ کا معمول تھا، تہجد کے پابند وہ طالب علمی ہی کے دور سے تھے۔ پورے ماہ تراویح ادا کرنے مسجد جاتے رہے۔ ۲۷ رمضان کو انھیں ہلکی سی تکلیف ہوئی، ۲۸ گذر کر شب میں انھوں نے تراویح گھر ہی پر ادا کی، مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا۔ گیارہ بجے کے قریب آرام کرنے کے لئے لیٹے تو دس منٹ کے بعد ہی تکلیف شروع ہوئی، آدھے گھنٹے کے اندر ہی وہ اس طرح اپنے خالق ومالک کے حضور حاضر ہوگئے کہ گھر والوں کو بھی احساس نہ ہوسکا۔

دوسرے دن نماز جنازہ ان کے رفیق وہمدم مولوی محمد ایوب نیپالی ندوی نے پڑھائی، لوگوں کا بیان ہے کہ عرصہ سے کسی کی نماز جنازہ میں اتنی بڑی تعداد دیکھنے میں نہیں آئی، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔

قارئین اور تمام اہل تعلق سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

(بقیہ) احمالِ حج

اور اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہی حج بدل ہے، یہ غلط ہے، بلکہ حج بدل یہ ہے کہ کسی شخص پر حج فرض ہو اور وہ اپنی بیماری یا کسی معذوری کی وجہ سے حج نہ کر سکتا ہو، اور یہ شخص اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو اپنے خرچ پر حج کرائے، یہ حج بدل ہے، حج بدل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ حج کرانے والا جہاں مقیم ہے وہیں سے حج بدل کرنے والا سفر شروع کرے، یہ حج کرنے والے کا اپنا حج نہیں کہلائے گا بلکہ حج بدل کہلائے گا، یہ الگ بات ہے دونوں کو پورا پورا ثواب ملے گا۔

سعودی عرب میں مقیم کوئی شخص اگر اپنے خرچ پر نفل حج کرے اور نیت اپنے کسی عزیز کے حج کی کرے تو یہ حج بدل نہ ہوگا، بلکہ کرنے والے کا اپنا حج ہوگا، البتہ کسی دوسرے کی نیت کرنے کی وجہ سے ثواب دونوں کو ملے گا۔

۲۔ ریاض یا سعودی عرب کے دوسرے شہروں سے رمضان کے آخری دنوں میں عمرہ کے لئے آنے والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ شوال کا ایک دن بھی مکہ مکرمہ میں رک گئے یا مکہ میں انھوں نے چاند دیکھ لیا تو ان پر حج فرض ہو جائے گا، اسی لئے وہ لوگ ۲۹ رمضان ہی کو مکہ مکرمہ سے نکل جانا ضروری سمجھتے ہیں، اور اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں، یہ بات غلط ہے۔

۳۔ بعض لوگوں پر حج فرض ہو جاتا ہے لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک لڑکیوں کی شادی نہ کر دی جائے اس وقت تک حج کرنا درست نہیں، یہ خیال بھی غلط ہے، حج فرض ہوتے ہی فوراً کرنا چاہئے، اگر کسی وجہ سے بعد میں حج نہ کر سکا تو حج نہ کرنے کا گناہ ہوگا۔

ان کا جو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

بقیہ مطالعہ حدیث کی بنیادی باتیں

(۱) ایسی خصوصیت

ہے کہ کتب حدیث وسنن میں امام ترمذی کو اس میں انفرادیت حاصل ہے اسی لئے اختلافی مسائل میں بھی سب سے زیادہ قدیم اور قابل اعتماد ماخذ ہے، خاص طور پر ان مسالک کے علم میں جن پر عمل متروک ہوگیا امام اوزاعی، امام ثوری، اسحاق بن راہویہ وغیرہ کے مسالک فقہیہ کا ایک بڑا حصہ اسی کتاب سے معلوم ہوتا ہے امام شافعی کا قدیم مسلک بھی انھوں نے متاخرین کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

اور شاید حدیث حسان کا سب سے بنیادی ماخذ بھی کتاب جامع ہے اس میں احادیث کا وہ ذخیرہ ہے کہ نہ اس کی قدر وقیمت کم کی جا سکتی ہے اور نہ اس سے استغنا برتا جا سکتا ہے، وہ کبار محدثین جن پر اس سلسلہ میں اعتماد کیا جاتا ہے، ہمارے علم میں ان میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ اس نے اس پہلو کا اتنا اہتمام کیا ہو جتنا امام ترمذی نے کیا۔

امام ابوعمرو عثمان بن صلاح اپنی کتاب "علوم الحدیث" میں فرماتے ہیں، ابوعیسیٰ ترمذی کی کتاب حدیث حسن کے علم کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے امام ترمذی نے ہی اس نام کی طرف متوجہ کیا اور اپنی جامع میں اس کا کثرت سے ذکر کیا [۱]

پھر انھوں نے علم رجال اور علم جرح و تعدیل کی طرف خصوصی توجہ کی، اور فن رجال و اسانید میں بعض ایسے انفرادی طریقے اختیار کیے کہ ان کی قدر وہی کر سکتا ہے اور اسی کا ذہن وہاں تک جا سکتا ہے، جو علوم حدیث اور اس کے مختلف طرق پر گہری نگاہ اور وسیع ذہن رکھتا ہو، یہ چند خصوصیات کا ذکر تھا اس کے علاوہ بہت سے علوم وفنون ہیں جو کتاب کی زینت ہیں [۲]

امام ابن ماجہ صاحب السنن

حافظ کبیر مفسر ابوعبداللہ محمد بن یزید ربعی ابن ماجہ قزوینی، کتاب السنن، کتاب التفسیر اور کتاب التاریخ کے مصنف ہیں، ۲۰۹ھ میں ولادت ہوئی اپنے زمانے کے محدثین کبار اور حفاظ حدیث سے سماع کیا، ابویعلی خلیلی کہتے ہیں۔ ابن ماجہ بڑے ثقہ اور متفق علیہ شخصیت ہیں، حدیث کے بڑے عالم و حافظ ہیں اور اس میں حجت ہیں۔ ایران، عراق، مکہ، شام اور مصر کا سفر کیا، ان کی سنن میں بعض ایسی احادیث بھی ہیں جو متفق علیہ احادیث صحیحہ کے مرتبہ کی نہیں ہیں، جیسا دوسری کتب صحاح وسنن کا معاملہ ہے۔

آپ کی وفات ۲۲ر رمضان المبارک ۲۷۳ھ میں ہوئی امام کے شاگرد ابوالحسن القطان فرماتے ہیں کہ سنن میں ڈیڑھ ہزار ابواب اور چار ہزار حدیثیں ہیں [۳]۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ حدیث قاضی امام احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر خراسانی سنن کے مصنف ہیں ۲۱۵ھ میں ولادت ہوئی۔ خراسان، عراق، حجاز، مصر و شام اور جزیرہ کا سفر کیا، قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راہویہ، ہشام بن عمار اور ان جیسے دوسرے ائمہ فن سے احادیث کا سماع کیا، فن میں ممتاز ہونے، اتقان و تدبر پیدا کیا، اور علوم اسناد میں انفرادیت حاصل کی، مصر میں سکونت اختیار کی،

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب وحق میں کتاب الخصائص تحریر کی اس لئے کہ اس وقت نواصب کی کثرت ہوگئی تھی۔ پھر اس کے بعد فضائل صحابہ پر کتاب تصنیف کی، ان کے زمانے کے مشائخ ان کے زہد و عبادت اور محنت کشی کا ذکر کرتے ہیں، امیر مصر کے ساتھ جہاد میں نکلے اور ایک قول کے مطابق دمشق میں خارجیوں کے ہاتھوں شعبان ۳۰۳ھ میں شہادت ہوئی۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ صفا ومروہ کے درمیان مکہ میں تدفین ہوئی۔

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

اصحاب صحاح ستہ کے ذکر کے بعد ہم ائمہ اربعہ میں سے فقیہ امت شیخ الاسلام امام مالک بن انس کا عطر بیز ذکر کرتے ہیں، جو موطا کے مصنف ہیں اور ان کی جلالت شان اور علو مرتبت پر امت کا اتفاق ہے وہ اگرچہ زمانہ اور وطن کے اعتبار سے اصحاب صحاح سے متقدم ہیں اور دوسرے فضائل و کمالات اور مقبولیت و محبوبیت میں فائق ہیں، لیکن صحاح ستہ کے ساتھ امت کے شغف و اشتغال، تحقیق و تدریس اور صحاح کے نام سے اس کے موسوم ہونے کے اعتبار سے ہم نے صحاح اور اصحاب صحاح کا ذکر موطا اور صاحب موطا فقیہ امت امام دار الہجرہ کے ذکر سے پہلے کیا ہے یہ ضروری نہیں کہ بعد میں جس کا ذکر کیا جائے اور اس کی طرف بعد میں توجہ دلائی جائے وہ مرتبہ جلالت قدر میں بھی متاخر ہے۔

امام کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی، امام زہریؒ، امام نافع، عبداللہ بن دینار، ابن المنکدر اور ان جیسے دوسرے کبار حفاظ و محدثین سے احادیث کا سماع کیا امام شافعیؒ فرماتے ہیں جب علماء کا ذکر آئے تو مالک ان میں ستارہ ہیں اور فرماتے ہیں کہ کوئی علمی کتاب روئے زمین پر ایسی نہیں ہے جو موطا سے زیادہ صحیح ہو، وہیب فرماتے ہیں کہ مالک محدثین کے امام ہیں امام شافعی سے یہ منقول ہے کہ اگر مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم جاتا رہتا۔

(جاری)

---

[۱] متاخرین کی مفید ترین شرح میں علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰ اپریل ۱۹۹۵ء مطابق ۹ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ

جلد نمبر ۳۲ — شمارہ نمبر ۱۱

زرتعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ——— ۵ روپے

—— بیرونی ممالک فضائی ڈاک ——

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

——— ۲۵ ڈالر

—— بیرونی ممالک بحری ڈاک ——

بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ———

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ——— مینجر

حامد

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر 93 ندوۃ العلماء لکھنؤ یوپی 226007

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔ اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

پرنٹر پبلشر شاہ حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے شائع کیا

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۲/۵۰ روپے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

روحانی تربیت کا خدائی نظام

شمس الحق ندوی

رمضان المبارک میں مسلمانوں کو مردوں اور عورتوں سب کو جو عاقل و بالغ ہوں بیمار اور بہت زیادہ بوڑھے نہ ہوں کہ بھوک ذرا دیر بھی نہ برداشت کر سکیں روزہ رکھنے کا حکم تھا۔ اس روزہ سے مقصود صرف بھوکا رہنا نہ تھا بلکہ اس سے ایک خاص روحانی تربیت مقصود تھی کہ جس طرح بندہ نے زندگی کے سارے مشاغل و ہنگاموں کے ساتھ پورا ایک مہینہ ہر قسم کی احتیاط کے ساتھ گذار لیا۔ غیبت و بدکلامی سے پرہیز کیا کسی کو ظلم و ستم کا نشانہ بنانے، کسی کا حق مارنے اور دھوکا دینے سے احتیاط کیا۔ غریبوں اور محتاجوں کی ضرورت پوری کرنے میں حوصلہ مندی دکھائی ناچ گانے اور دیگر فحش کاموں سے بچا اگر وہ ہمت سے کام لے اور تھوڑے سے عزم کا مظاہرہ کرے تو پوری زندگی اسی طرح گذار سکتا ہے اور دنیا کی دیگر بے لگام قوموں کے درمیان ایک ایسے مثالی اور دلکش انسانی سماج و معاشرہ کا نمونہ پیش کر سکتا ہے جس کا ہر فرد دوسرے فرد کا ہمدرد و بہی خواہ ہوتا ہے۔ رات کے اندھیروں میں بھی گھروں کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور سب کچھ محفوظ رہتا ہے، نہ چوری ہے نہ ڈاکہ، بلکہ اس سماج کا ہر فرد سپاہی و چوکیدار ہے، جب ہر فرد سپاہی و چوکیدار کا رول ادا کرے تو چوری و ڈاکہ کی ہمت کون کرے گا۔ اس نمونہ کی بستی میں اگر کوئی ایک بیمار پڑے تو پورا محلہ اس مریض کے لیے فکر مند نظر آتا ہے، کوئی فقر و بدحالی سے دوچار ہو تو ہر ایک رات کے اندھیرے میں چپکے سے اس کی مدد کو حاضر، سفر میں ہو تو پورے محلہ کے لوگ اس کے گھر بار اور بال بچوں کے ہر کام کو انجام دینے کے لیے تیار، غرض یہ کہ ہر ایک دوسرے کا ہمدرد و خیر خواہ۔ ہر چہار طرف محبت و خوش اخلاقی اور سکون و اطمینان کا ماحول[1]

رمضان گذر جاتا ہے تو سال بھر کے بعد آتا ہے جو مشق و تربیت ہوئی تھی۔ اگر مختلف طریقوں سے اس کو تازہ نہ کیا جاتا ہے تو انسان جس میں بھول و غفلت کا مادہ ہے۔ الانسان مرکب من الخطاء والنسیان۔ دنیا کے جھمیلوں میں جہاں طرح طرح کے ......خطرات کبھی جاہ و منصب کی شکل میں کبھی شہرت و ناموری کی صورت میں، کبھی حرام و حلال کی تمیز کے بغیر بے تحاشا مال و دولت جمع کرنے کی حرص و ہوس کی شکل میں سامنے آکر رمضان المبارک کی تربیت کے اثر کو کمزور کرنے لگتے ہیں، لہٰذا دوسرے عنوان اور دوسری صورت میں اس تربیت کو باقی رکھنے کا خدائی انتظام کیا جاتا ہے۔

جو حج و قربانی کی صورت میں رمضان المبارک کے صرف سوا دو ماہ کے بعد آجاتا ہے۔ حج اگرچہ ہر مسلمان نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہر ایک کو ہر سال اس کا مکلف بنایا گیا۔ لیکن اس سے عشق و سرمستی کی ایک فضا ضرور قائم ہو جاتی ہے ـــــ جو مسلمان حج کو نہیں جا سکے۔ اب ان میں جو صاحب نصاب ہیں ان پر قربانی فرض کر کے اور حج کے دس دنوں میں پہلی ذی الحجہ سے دسویں ذی الحجہ تک جب تک اپنی قربانی نہ کر لیں۔ حاجیوں کی مشابہت و مماثلت اپنانے اور اس یاد کو دیار حرم سے دور رہتے ہوئے بھی تازہ کرنے کے لیے بال کٹوانے ناخن ترشوانے سے رکے رہتے ہیں۔ جو مسلمان قربانی کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے ان کے لیے ان دس دنوں کی خیر و برکت روزہ اور نوافل کے ذریعہ حاصل کرنے کے لیے رحمت خداوندی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

---

[1] یہ کوئی خیالی بات نہیں بلکہ عہد نبوی کا معاشرہ ایسا ہی تھا۔

قربانی میں بظاہر تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ایک جانور ذبح کر رہا ہے لیکن حقیقت قربانی کچھ اور ہی ہے جو بندۂ مومن کی تربیت کے لیے اپنے اندر بڑے رموز واسرار کی حامل ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح و قربان کر دینے کا جو حکم ملا تھا وہ جسمانی قربانی سے بڑھ کر رمز تھا بڑی روحانی قربانی کا انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ اپنی اولاد عزیز ہوتی ہے حتی کہ ایک وقت اس کی زندگی کی ساری تگ و دو اولاد ہی کے لیے مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اپنے لخت جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری چلا دینا رمز تھا اس کا کہ ان کی پوری زندگی احکام خداوندی کی تعمیل کے لیے وقف ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ہرے بھرے اور شاداب وسدا بہار ملک شام کو چھوڑ کر مکہ کی بے آب وگیاہ سرزمین میں آباد ہوئے اور اللہ کا نام بلند کرنے اور اس کے گھر کو بندوں کی جبینوں سے آباد کرنے کے لیے وہیں رہ پڑے اور ان کی اولاد بعثت نبوی تک وہیں آباد رہی حتیٰ کہ نبوت کا بدر کامل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں وہیں چمکا اور ساری دنیا کو چمکا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ قربانی آنے والی نسلوں کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی تھی لہٰذا اس یاد کو زندہ رکھنے کے لیے جانور کی قربانی فرض کر دی گئی کہ جب بندۂ مومن قربانی کرے تو وہ ذبح عظیم اس کے سامنے تازہ ہو جائے۔ جو حضرت اسمٰعیل نے اپنی پوری زندگی کو اللہ کے نام پر اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزار کر پیش کی کہ ہر بندۂ مومن اس نمونۂ کامل کو تازہ کر کے اس کو نمونہ بنا کر اللہ کے نام کو روشن کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دے۔ اگر جاہ و منصب کی طلب اس کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہو تو اس کو خیرباد کہے۔ شہرت ونمود کا شوق اس راہ میں حارج ہو رہا ہو تو اسے بھی چھوڑ دے مال و دولت کی طلب ولالچ اس راہ میں رکاوٹ بن رہی ہو بلکہ اس زبردست قربانی کو داغ لگا رہی ہو تو اس سے بھی ہاتھ جھاڑ لے۔

آج اگر ہم اس آئینہ میں اپنی تصویر دیکھنا چاہیں تو ہماری صورت بہت بگڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ عوام تو عوام خواص کا یہ حال ہے کہ اپنی انا کے لیے اپنی شہرت وناموری کو بچانے یا اس کو حاصل کرنے کے لیے اسی طرح حصول مال وزر اور شان وشوکت کے لیے اگر ملت کے بڑے سے بڑے مفاد کو قربان کر دینا پڑے تو اس میں باک نہیں ہوتا کہاں وہ روحانی قربانی کہ جس کے لیے سب کچھ قربان کر دیا گیا۔ اور کہاں یہ عالم کہ چند روزہ زندگی کے مفاد وناموری کے لیے اس بڑی قربانی ہی کو قربان کر دیا جائے اس سیاق میں اگر ہم اپنی عید قرباں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ جانور کی شکل میں مادی وجسمانی قربانی تو ہم کرتے ہیں مگر روحانی قربانی کا خیال تک نہیں آتا۔ کتنا افسوسناک ہے ہمارا یہ حال کہ جانور کی قربانی تو سال میں ایک بار کرتے ہیں اور معنوی وروحانی قربانی کو ہمہ وقت قربان کرتے رہتے ہیں پھر قربانی کے وہ فوائد کہاں سے حاصل ہوں جن کے لیے جانور کی یہ قربانی فرض کی گئی ہے۔

ہم نے قربانی کی صورت کو تو اپنایا ہے مگر اس کی حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے اسی لیے ہم اپنے ہر منصوبہ میں ناکام بلکہ دوسروں کے غلام بے دام بنے ہوئے ہیں یا بن جاتے ہیں۔

نعت

ڈاکٹر طفیلؔ احمد مدنی

تمہیں کو ابتدا لکھوں، تمہیں کو انتہا لکھوں
سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ آخر تم کو کیا لکھوں

امین وصادق وپیغمبر صدق و صفا لکھوں
نبیؐ ذوالکرم لکھوں محمدؐ مصطفیٰ لکھوں

کبھی شمس الضحیٰ لکھوں کبھی بدر الدجیٰ لکھوں
الٰہی کس طرح شرح جمال مصطفیٰ لکھوں

رسولؐ محترم لکھوں امام الانبیا لکھوں
خدا معلوم کیا دل چاہتا ہے تم کو کیا لکھوں

قلم رکتا نہیں مذکورہ اوصاف فضائل پر
یہی جی چاہتا ہے تم کو محبوب خدا لکھوں

بنا کر رحمت للعالمیں جب رب نے بھیجا ہے
تو واجب ہے کہ تم کو رحمت ارض وسما لکھوں

شفاعت کا کیا ہے تم نے وعدہ اپنی امت سے
تو پھر کیسے نہ تم کو شافع روز جزا لکھوں

محبت کا تقاضا ہے عقیدت کی بھی خواہش ہے
تمہارے نام نامی کو میں ہر غم کی دوا لکھوں

قلم چلتا رہے یوں ہی مسلسل ان کی مدحت میں
کبھی نعت نبیؐ لکھوں کبھی رب کی ثنا لکھوں

سمجھ کچھ کام دیتی ہے نہ اب ہوش وخرد اپنی
پریشاں ہوں کہ کیسے اپنے دل کا مدعا لکھوں

اسے پہونچا دے جا کر رسول اللہؐ کے در تک
میں ان کی مدح میں جو کچھ بھی اے باد صبا لکھوں

کوئی حد ہی نہیں ہے ان کے اوصاف وفضائل کی
کہاں تک ان کو چن چن کر طفیلؔ بے نوا لکھوں

طفیلؔ ایسی کہاں قسمت کہ یہ اعزاز حاصل ہو
جو خود کو میں سگِ کوئے محمدؐ مصطفیٰ لکھوں

دو روزے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

جمعۃ الوداع کے موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہم کی ۱۴۱۵ھ تقریر جو ۲۳ رمضان المبارک کو بعد نماز جمعہ مسجد شاہ علم اللہ تکیہ رائے بریلی میں مجمع کثیر کے سامنے جو مختلف شہروں اور اس پاس کے گاؤں و قصبات سے اکٹھا ہوا تھا۔ فرمائی۔ حضرت مولانا مدظلہم کی نظر ثانی کے بعد نذر قارئین ہے۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"

میرے بھائیو!

سب سے پہلے تو آپ کو رمضان المبارک کی سعادت ملنے اور رمضان المبارک میں روزے رکھنے اور اس کام کے لیے توفیق الٰہی پر مبارکباد دیتا ہوں، یہ معمولی نعمت نہیں ہے اس کےلیے اللہ تعالیٰ نے بڑے وعدے فرمائے ہیں، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بشارتیں سنائی ہیں، آپ نے فرمایا "من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ" کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی لالچ میں تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہوگئے۔ اور یہ بظاہر آخری جمعہ ہے جمعۃ الوداع ہے اس کے بعد جو روزے باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور شب قدر کی دولت و نعمت بھی عطا فرمائے، ہماری اور آپ کی عاجزانہ دعاؤں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، جو اس مہینہ میں کی گئیں۔

اب میں آپ کے سامنے بظاہر ایک نئی بات کہنے والا ہوں لیکن وہ نئی بات نہیں ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ماخوذ ہے، اور قرآن مجید پر مبنی ہے لیکن بہت سے بھائیوں کے لیے نئی ہوگی، اور نئی چیز کی ذرا قدر ہوتی ہے اور اس سے آدمی کا ذہن ذرا تازہ، بیدار اور متوجہ ہوجاتا ہے وہ یہ کہ "روزے دو طرح کے ہیں، ایک چھوٹا روزہ ایک بڑا روزہ"

چھوٹے روزے کی تحقیر نہیں صرف زمانی اور وقتی لحاظ سے کہہ رہا ہوں کہ چھوٹا روزہ کتنا ہی بڑا ہو، ۱۳ گھنٹے، ۱۴ گھنٹہ کا روزہ ہوگا، بعض ملکوں میں جہاں دن اس زمانہ میں بڑا ہوتا ہے اس سے کچھ زیادہ۔ یہ وہ روزہ ہے جو بلوغ پر مسلمان پر فرض ہوجاتا ہے، وہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک قائم رہتا ہے اس روزہ کا ایک قانونی ضابطہ اور اس کے کچھ شرعی احکام ہیں جو آپ کو معلوم ہیں آپ جانتے ہیں کہ اس روزہ میں آدمی کھا پی نہیں سکتا اور ان تعلقات و معاملات کا لطف نہیں حاصل کر سکتا جن کی اور دنوں میں اجازت ہے یہ روزہ چاہے ۲۹ دن کا ہو یا ۳۰ دن کا ہو اس میں محدود پابندیاں ہیں، رمضان کے اس روزے سے لوگ واقف اور اس کے قوانین و احکام پر عامل ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ غور کریں کہ اس روزے کے علاوہ اور کونسا روزہ ہے جو اپنے وقت اور رقبہ میں اس سے بڑا ہے، گرمی کے روزے اور بڑے ہوتے ہیں اور اس روزے کے علاوہ اور کونسا بڑا روزہ ہوگا، کیا شش عید[1] کا روزہ بتانے والا ہوں، یا پندرھویں شعبان کا؟ کونسا روزہ بتانے والا ہوں،

بڑا روزہ ہے اسلام کا روزہ، اسلام خود ایک روزہ ہے اور یہ سب روزے اور عیدین بھی بلکہ روزہ، نماز، یہاں تک جنت بھی جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا وہ سب اس کے طفیل ہی ہے، اصل بڑا روزہ اسلام کا روزہ ہے، وہ کب ختم ہوتا ہے، کب شروع ہوتا ہے یہ بھی سن لیجئے۔

جو خوش قسمت انسان مسلمان گھر میں پیدا ہوا، اور وہ شروع سے کلمہ گو ہے، اس پر بلوغ کے بعد ہی یہ طویل و مسلسل روزہ فرض ہوجاتا ہے اور جو اسلام لائے کلمہ پڑھے یہ روزہ اس پر اسلام قبول کرنے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔

---

[1] عید کے بعد چھ دن روزہ رکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔

اور یہ روزہ کب ختم ہوگا۔ یہ بھی سن لیجئے، رمضان کا روزہ اور نفلی روزہ تو غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے، مگر اسلام کا یہ روزہ تو آفتاب عمر کے غروب ہونے پر ختم ہوگا۔

رمضان کے روزہ و نفلی روزہ کا افطار کیلئے آپ عمدہ سے عمدہ مشروب اور لذیذ سے لذیذ غذا سے افطار کرسکتے ہیں۔ زیادہ مشروبات اور ماکولات کا نام سن کر آپ کے منہ میں پانی آجائے گا اور شوق پیدا ہوجائے گا اس لیے میں ان کا نام نہیں لیتا، وہ روزہ زمزم سے کھلتا ہے۔ وہ روزہ ٹھنڈے پانی سے کھلتا ہے، یا دوسرے مشروبات سے یا کھجور وغیرہ سے کھلتا ہے اور زندگی کا یہ طویل و مسلسل روزہ کس سے کھلے گا، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ محبوب رب العالمین شفیع المذنبین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے جام طہور، جام کوثر سے کھلے گا، اگر وہ روزہ پکا ہے اور اس روزے کے آپ نے شرائط پورے کردیئے ہیں اور محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے ہم دنیا سے کلمہ پڑھتے ہوئے گئے، ہماری روح اس حال میں نکلی، کہ ہماری زبان پر کلمہ تھا اور ہم "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہہ رہے تھے اور ہمارے دل میں نور ایمان تھا ہمارے دماغ میں اللہ سے ملاقات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کا شوق تھا، تو وہ روزہ اس وقت ختم ہوتا ہے، اس کا افطار کیا ہے اس کی ضیافت کیا ہے؟ وہ ہے جس ضیافت پر آدمی اپنی جان دے دے اور اللہ کے بندوں نے جان دی ہے اللہ کے سیکڑوں اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے اس شوق میں جان دی ہے، کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہو، اللہ کے رسول کے سامنے ہم جب ہوں تو وہ ہم سے خوش ہوں، راضی ہوں، جہاد کے واقعات، غزوات اور جنگوں کے واقعات پڑھئے لوگوں نے خوشی خوشی جانیں دیں، بلکہ ایسا شوق تھا کہ ایک بچہ اُحد کی جنگ کے موقع پر آیا اس نے کہا یا رسول اللہ مجھے بھی جہاد کرنے کی اجازت دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابھی تم چھوٹے ہو۔ اس نے کہا نہیں چھوٹا نہیں، میں لڑ سکتا ہوں، اس نے بڑی خوشامد کی، کسی نے سفارش بھی کی، تو آپ نے اجازت دے دی، دوسرے صاحبزادے آئے جو ذرا چھوٹے تھے، کہنے لگے آپ نے انھیں اجازت دی تھی، مجھے بھی اجازت دے دیجئے، آپ نے فرمایا تم ابھی بچہ ہو، اس نے عرض کیا، کہ آپ ہماری کشتی کرا کر دیکھ لیجئے اگر میں اس کو پچھاڑ دوں تو مجھ کو اجازت دے دیجئے، یہ بچوں کا شوق تھا، کشتی ہوئی، اس نے واقعی پچھاڑ دیا۔ اور آپ نے ان کو بھی اجازت دے دی، اور وہ شہید بھی ہوئے۔ اور ابوجہل کو دیکھ کر دونوں بھائیوں نے حضرت عبدالرحمان بن عوف سے کہا کہ ہمیں ابوجہل کو دکھائیے، ہم نے سُنا ہے کہ اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے، میں یہ شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں، ابوجہل کے بتلانے پر دونوں لپک پڑے اور اس کا کام تمام کردیا

اس چھوٹے روزہ کا حکم اور اس کی پابندیاں سب کو معلوم ہیں، سب روزہ دار کھانے پینے سے اور ان تمام چیزوں سے بچتے ہیں جو ممنوع ہیں، لیکن اس بڑے روزہ کا خیال بہت کم لوگوں کو ہے حالانکہ یہ روزہ ہم لوگوں کو اس بڑے روزہ کے طفیل ہی ملا ہے۔ اس بڑے روزہ کی برکت سے ملا ہے، یوں سمجھئے کہ اس بڑے روزہ کے انعام میں ملا ہے، اور عید بھی اسی روزے کے طفیل میں ملی ہے اگر اسلام نہ ہوتا تو نماز ہوتی، نہ روزہ ہوتا، اور دیکھ لیجئے جہاں اسلام نہیں وہاں نہ نماز ہے نہ روزہ، نہ کلمہ ہے نہ اللہ پر یقین ہے نہ اس کے واحد ہونے کا یقین ہے، نہ حشر کا نہ روز قیامت کا، نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا، یہ سب دولت ایمان ہم کو اسلام کے طفیل ملی ہے ہم گنا بھی نہیں سکتے کہ کیا کیا دولتیں ہم کو ملی ہیں یہ سب اسلام کے طفیل میں ملی ہیں، اسلام کے طفیل میں آدمیت ملی ہے، انسانیت ملی ہے، عزت ملی ہے طاقت ملی ہے، روحانیت ملی ہے اور مرنے کے بعد قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت ملے گی، اس کا تو پوچھنا ہی کیا" وما لا عین رأت ولا اذن سمعت، ولا خطر علی قلب بشر" نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں اس کا خیال گزرا۔ تو اس (طویل و مسلسل) روزے کا لوگوں کو کم خیال آتا ہے۔ اب ہم آپ کو بتاتے ہیں معلوم نہیں پھر کبھی ہماری آپ کی ملاقات ہو یا نہ ہو اور ہمیں کچھ کہنے سننے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ بڑے کام کی بات آپ سے کہہ رہا ہوں، کہ اس روزہ (رمضان کے روزہ یا نفلی) میں پانی پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کھانا کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یہ روزہ ٹوٹ جائے تو ساٹھ روزے رکھنے چاہئیں، تب ان کی قضا ہوگی، لیکن وہ روزہ جو اسلام کا روزہ ہے اس کا بہت کم لوگوں کو خیال ہے، ہم بتلاتے ہیں کہ اس میں کیا کیا چیزیں منع ہیں، اس میں کھانے پینے کی محدود چیزیں جو حرام ہیں منع ہیں، اس میں شرک منع ہے، سب سے بدتر چیز جو اللہ کو ناپسند ہے وہ یہ ہے، اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے "إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء"، قرآن مجید میں صاف آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا، باقی جس کو چاہے گا معاف فرمادے گا۔

شرک کیا ہے آپ سن لیجئے، اس کو سب برا سمجھتے ہیں آپ بھی برا سمجھتے ہوں گے عقیدہ یہ جو ہے کہ یہ خیال کرے کہ کارخانۂ عالم اللہ کا بنایا ہوا ہے اور وہی چلا رہا ہے "ألا له الخلق والأمر" اسی کا کام ہے پیدا کرنا، اسی کا کام ہے جلانا، اسی کو مانتے ہیں کہ خالق ارض وسموات اور کائنات چلانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن چلانے کے بارے میں بہت سے بھائی ایسے ہیں جن کے دل میں اور کبھی ان کے دماغ میں یہ بات پورے طور سے جذب نہیں ہوتی ہے۔ اس نے اپنی جگہ نہیں بنائی ہے۔ وہ ایسا سمجھتے ہیں کہ کارخانۂ عالم تو اللہ نے بنایا۔ "کُن فیکون" کہدیا بس بن گئی لیکن چلانے میں دوسری ہستیاں شریک ہیں جیسے کوئی بادشاہ اپنی مرضی سے کوئی کام کسی کے سپرد کر دے کوئی بات کسی کے ذمہ کر دے، بھائی تم خیرات بانٹا کرو، تم دیکھو کھانے پینے کا خیال رکھنا، غلہ پہنچا دو کچھ پہنچا دو جس کی ضرورت ہو، کوئی بیمار ہو اس کو شفا دے دو، کسی کے اولاد نہیں ہے اس کو اولاد عطا کر دو، کوئی کسی مصیبت میں گرفتار ہے، اس کی خلاصی کر دو، کسی کا مقدمہ جتادو وغیرہ وغیرہ

اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کے ذمہ کچھ کارخانہ کر دیئے ہیں تو اس میں اللہ کی شان کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی، ان کی قبولیت اور بزرگی کی وجہ سے اور اپنے ارادہ سے سپرد کیا ہے اور جب چاہے گا لے لے گا۔

لیکن ایسا نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرا ہی کام ہے پیدا کرنا، اور میرا ہی کام ہے جلانا، اور حکم دینا، "ألا له الخلق والأمر"

یہ دنیا تاج محل نہیں ہے، کہ شاہجہاں بنا کر چلے گئے، اب اس کے بعد کوئی چاہے دیوار پر کچھ لکھ دے، دھبہ لگا دے، کھونچا لگا دے، کوئی حصہ توڑ دے، وہ کچھ نہیں کر سکتے، ان کے بس میں کچھ نہیں، اور شاہجہاں کیا تھا کتنے سے بڑا بادشاہ اور حکمراں رہو۔

لیکن وہ کارخانہ یعنی کارخانۂ عالم پورے طور سے اسی کے قبضہ اور اختیار میں ہے، وہی خالق کائنات ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور وجود بخشنے والا ہے، اور وہی حکمراں سیاہ سپید کرنے والا، جلانے مارنے والا، روزی اور اولاد دینے والا ہے "انما أمره اذا أراد شيئا أن يقول له كن فيكون" اولاد دینا روزی دینا، قسمت اچھی بری کرنا، سرانا جانا، اور کسی کو عزت دینا، کسی کی آئی ہوئی بلا کو ٹال دینا، یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے اور ہمیشہ سے ہمیشہ رہے گا۔ اس دنیا کا ایک پتہ بھی اور ایک ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر ہل نہیں سکتا، پوری باگ ڈور عنان حکومت، اور کنجی اس کے ہاتھ میں ہے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ توحید کامل ہونی چاہئے، اولاد وہی دے سکتا ہے، روزی وہی دے سکتا ہے، عزت وہی دے سکتا ہے، جلانا مارنا اسی کا کام ہے، یہ نہ کسی ولی کے قبضہ میں ہے، نہ کسی قطب کے قبضہ میں ہے، نہ کسی غوث کے قبضہ میں ہے، نہ کسی ابدال کے قبضہ میں ہے، ایک بات یہاں سے یہ لیکر جائیے اور یہ وہ جگہ[1] ہے، جہاں خاص طور پر اس چیز کی دعوت دی گئی اور پورے ہندستان میں پہونچی، پہلے عقیدۂ توحید کو جانچئے، کہ آپ اللہ ہی کو مسبب الاسباب سمجھتے ہیں اور خالق ورازق سمجھتے ہیں۔

ایک بات تو یہ، اور اس کے بعد دوسری بات قیامت کا یقین وآخرت کا یقین ہے، اور اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری پیغمبر ماننا، خاتم النبیین، سید المرسلین، شفیع المذنبین کا محبوب رب العالمین ماننا، اور یہ ماننا کہ شریعت انہی کی چل رہی ہے اور قیامت تک چلے گی، اور آخرت میں کام آئے گی۔ قیامت تک کسی کی شریعت نہیں چلے گی، اگر کوئی آپؐ کے بعد نئی شریعت لے کر آئے تو وہ کذاب اور دجال ہے، ملحد ہے دین کا باغی ہے، اور واجب القتل ہے، شریعت شریعتِ محمدی ہے اور وہی قیامت تک چلے گی، اور ہر جگہ چلے گی، اور اس پر جو چلے گا وہی فلاح یاب ہوگا، اور سرخرو ہوگا۔

آپؐ حبیب خدا ہیں، جو آپؐ سے محبت کرے خدا اس سے محبت کرتا ہے اور آپؐ نے فرمایا "لا يؤمن احدكم حتى أكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين" یہ مرتبہ اور کسی بزرگ، ولی کیا چیز، کسی نبی اور رسول کو بھی نہیں ملا، یہ مرتبہ خدا نے آپ کے لیے رکھا تھا، ایک تو یہ کہ آپ پر ایمان بھی ہو، عقیدہ بھی ہو، محبت بھی ہو، اور شفاعت کا شوق بھی ہو اور اہتمام اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ آپ میں شریعت پر چلنے کا اہتمام بھی ہو، کہ آپ بلا جھجھک آپ کے اندر جذبہ اور جستجو اس بات کی پیدا ہو

---

[1] دائرہ شاہ علم اللہؒ کی مسجد جو حضرت سید احمد شہیدؒ کی دعوت توحید وجہاد کا سب سے پہلے مرکز بنی، اور وہیں سے سارے ہندوستان میں یہ دعوت پھیلی۔

کہ مسئلہ بتائیے اور اہل علم و فضل کے پاس جائیے۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں میں یہ بات پورے طور پر نہیں ہے۔ شادی بیاہ کس طریقہ پر ہو، حضور صلعم اور صحابہؓ کا کیا طریقۂ کار تھا۔ خوشی کا اظہار اور غم کا اظہار بھی شریعت و سنّت کے مطابق ہونا چاہیئے ماتم کرنا، گانا، بجانا، یہ تزک و احتشام، دھوم دھام، اور شادیوں میں وہ سب کام کرنا، چاہے سود لیکر اور زمینیں بیچ کر، رشوت لے کر ہو، بس جس سے نام ہو، ہماری حیثیت عرفی بلند ہو، لوگوں میں اونچے سمجھے جائیں اور یہ جہیز کا مطالبہ اور نہ دینے پر نازیبا سلوک، کہ گردن شرم سے جھک جائے، کیسی بری بات ہے یہ سب شریعت کے خلاف ہے، اللہ کو ناپسند ہے سب میں ہم پابند ہیں شریعت کے، صرف نماز و روزہ میں ہی پابند نہیں ہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں پابند ہیں، ہر چیز میں ہمارے لیے نمونہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اللہ تعالے فرماتا ہے، "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔

(عمران : ۳۱)

تو ایک بات یہ ہے کہ شریعت اسلامی پر عمل ہو اور شریعت کو آپ سمجھیں، کہ وہ پوری زندگی میں نافذ ہے، پوری زندگی پر اس کا سایہ ہے، پوری زندگی اس کے ماتحت ہونی چاہیئے۔ یہ نہیں کہ بس نماز و روزہ شریعت کے مطابق ہوں، اس کے لیے مسئلہ پوچھیں، اور نکاح و طلاق، تجارت اور کاروبار میں آزاد ہیں، لاٹری بھی چل رہی ہے، جوا بھی چل رہا ہے، ٹیلی ویژن بھی دن رات چل رہا ہے (لہو الحدیث کی بہترین تشریح ہے) اسراف اور فضول خرچی بھی چل رہی ہے نمود و نمائش بھی جاری ہے، ہمسایہ قوم کی نقالی بھی چل رہی ہے

ایک بات تو یہ ہے کہ اس کے بعد روزہ میں جیسے غیبت منع ہے ایسے ہی اس روزہ میں بھی غیبت منع ہے اسی طرح جھوٹ بولنا، فحش بکنا، رشوت لینا اور رشوت دینا، سود خوری اسراف اور فضول خرچی ممنوع ہے، تو آپ یہ سمجھ کر جائیں کہ یہ روزہ تو انشاء اللہ اب جو ۵-۶ دن باقی ہیں اگلے جمعہ کو شاید عید ہو جائے یا اس کے بعد ہو، اگر ۳۰ کا رمضان ہوا، اس کے بعد ہم آزاد ہیں ہرگز نہیں، ہم آزاد نہیں ہیں، وہ روزہ برابر چلتا رہے گا وہ روزہ اب بھی ہے، بلکہ وہ اس روزہ پر بھی سایہ فگن ہے، اور یہ روزہ اس روزہ کا جزو ہے جو آپ رکھ رہے ہیں، وہ روزہ چلتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے،

سب سے بڑی چیز اور تمنا کرنے کی ہے، بلکہ جس کے لیے جان کی بازی لگا دینا اور جس کے لیے جان فدا کر دینا جسے کہتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ ہے، ہماری آزادی، غریبی، مفلسی، دوستی، دشمنی، کامیابی اور ناکامی، یہ سب گذر جائے گی، بس خاتمہ ایمان پر فرمائے، اولیاء اللہ کو اس کی بڑی فکر تھی، ان کے حالات پڑھئے، جن کا نام لینے سے ایمان تازہ ہوتا ہے ان کو یہ فکر ہوتی تھی بلکہ دوسروں سے دعا کراتے تھے، کہ خاتمہ بخیر ہو۔ سب کے دل سے یہ لگی ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے خاتمہ بخیر فرمایا ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ یہاں سے رمضان ختم ہونے کے بعد آپ یہ نہ سمجھیں کہ چھٹی ہو گئی اب ہم آزاد ہیں، جو چاہیں کریں ہرگز ایسا نہیں، آپ آزاد بالکل نہیں ہیں آپ کے گلے میں اسلام کا طوق پڑا ہوا ہے آپ کی تختی، آپ کے شناختی کارڈ پر لکھا ہے کہ آپ مسلمان ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس روزہ کا حساب ہوگا۔ اور اس روزہ کا بھی حساب و کتاب ہوگا۔ ہم نے آپ کے سامنے آیت پڑھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، چاہے کوئی تبدیلی لانا چاہے، سلطنت کہے، بادشاہ کہے، کہ ایسا کرو، اور وہ کرنا چاہے۔ بڑے سے بڑا مسلمان اور علم کا دعوا کرنے والا کہے، کچھ ہونے کو نہیں جو چیز حرام ہے قیامت تک حرام رہے گی دنیا میں کسی کو اجازت نہیں اور نہ اس کے لیے مجال ہے کہ اس میں ترمیم کرے، شریعت میں اب کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی، وہ چیزیں جو حرام ہیں حرام ہی رہیں گی،

یہاں سے آپ ارادہ کر کے جائیے کہ اگر کسی کی جائداد آپ کے قبضہ میں ہے اور آپ کی نہیں ہے تو اس روزہ کا تقاضا ہے کہ آپ اس جائداد کو چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ اس پر بڑا خوش ہوگا۔ آپ اللہ کے خوف سے ایسا کریں اور کہیں کہ لو اپنی جائداد، اپنا ترکہ یہ تمہیں مبارک ہو۔ اب ہم نے توبہ کی ہے تم جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، دل آزاری کرنا، گالی بکنا، ناجائز، حرام ذرائع آمدنی، رشوت وغیرہ جن سے پیسے ملتے ہیں، حرام ہی ہیں، اور قیامت تک ناجائز ہی رہیں گی، اسی طرح سود ہے، کہ بعض لوگ اس دور پر فتن میں

اس کے جواز کی شکلیں نکال رہے ہیں کس قدر افسوسناک بات ہے جس چیز کو شریعت و دین نے حرام قرار دے دیا قیامت حرام رہی ہے گی۔

کوشش یہ کیجئے کہ آپ کا روزہ صحیح طریقہ پر اس کا افطار ہو، شاہ غلام علی صاحب مجددی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کے کبار مشائخ میں تھے۔ نواب میر خاں نے جوان کے مرید تھے ارادہ کیا جب انھوں نے سُنا کہ حضرت کے یہاں پانسو پانسو آدمی رہتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں اور آپ ہی کو ان کی ضروریات پوری کرنا پڑتی ہیں، کوئی آمدنی نہیں کوئی جائداد نہیں تو انھوں نے ایک بڑی رقم پیش کرنی چاہی اور کہا کہ حضرت اس کو قبول فرمالیں، فرمایا کہ فقیر نے روزہ رکھا تھا اور جب آفتاب ڈوبنے لگے تو کوئی روزہ نہیں توڑتا۔ اب میرا آفتاب عمر ڈوبنے کے قریب ہے۔ اب کوئی جتنا کہے کہ یہ چیزیں لے لو، یہ دوا کھالو، میں روزہ نہیں کھولوں گا، کہ تمام دن روزہ رکھا اور اب جب افطار کا وقت قریب ہے تو توڑ دوں"

ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ اسلام کا روزہ ہے، ساری عمر کا روزہ ہے کبھی نہیں ٹوٹ سکتا، جو چیزیں حرام ہیں، حرام ہیں، غلط ہیں، غلط ہیں، عقیدہ خالص ہونا چاہیئے۔

سمجھ لیجئے، نہ کوئی قسمت بُری بھلی بنا سکتا ہے نہ کوئی آئی ہوئی بلا کو ٹال سکتا ہے، نہ اولاد دے سکتا ہے، نہ نوکری دلا سکتا ہے کہ آپ کسی اور سے مانگیں، جو کچھ مانگنا ہو اسی سے مانگیں جو سمیع و مجیب ہے، وہ فرماتا ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ" خدا تعالیٰ فرماتا ہے اپنے رسول صلعم سے کہ بندہ تجھ سے میرے بارے میں پوچھے تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ دُعا کرے،

بس آپ یہاں سے بڑے روزے کا خیال لیکر جایئے، خوش ہوئیے، اللہ کا شکر ادا کیجئے، یہ روزہ تو ختم ہو رہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اور رمضان نصیب کرے مگر زندگی کا کوئی اعتبار نہیں صحت کا اعتبار نہیں، ہاں وہ مسلسل وطویل روزہ رہے گا۔ وہ روزہ مبارک ہو، اس روزہ کا خیال رکھئے، وہ روزہ نہ توڑیئے گا، وہ روزہ اگر ٹوٹا تو سب کچھ ٹوٹ گیا، سب کچھ بگڑ گیا،

بس یہی دو روزے ہیں، ایک روزہ ہے قریب المیعاد، وہ ہے رمضان کا روزہ اور دن بھر کا روزہ ہے ایک روزہ وہ ہے جو زندگی کے ساتھ رہے گا۔ اور مسلمان کے لیے جب سے وہ بالغ ہوا، اس دن تک جب تک سانس اور جان میں جان ہے اور وہ شخص جس نے اسلام قبول کیا اس کا بھی جب تک بدن میں اس کے جان اور روح ہے اس وقت تک باقی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ ہم اس روزے کو برقرار رکھیں، اس روزے کی حفاظت کریں اور قدر کریں، اور اس روزے پر جئیں اور مریں۔

ربنا توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین،

ایمانی انقلاب کی ضرورت

مولانا محمد الحسنی مرحوم

ترجمہ: محمد انیس [redacted] ہری

دین ایک ایسا من گھڑت، بے سروپا افسانہ قدیم لبادہ اور نئی نسل کے لئے ایک ایسا اُلفٹ لباس ہے جو نہ تو شخصی و پرسنل زندگی میں اپنا مقام رکھتا ہے اور نہ ہی اخلاقی و معاشرتی اور سماجی زندگی میں اس کا کوئی اثر ہے بلکہ یہ تہذیب و تمدن کا دشمن علوم و آداب کا مخالف اور پیچھے کی طرف لے جانے والا ایک طریقہ کار ہے، جب کہ عصری علوم و فنون اور جدید تہذیب و ثقافت آگے بڑھاتی اور اصل زندگی کا پیغام دیتی ہیں۔

یہ اور ان جیسے بہت سے افکار و خیالات ہمارے موجودہ دور کے نوجوانوں خاص کر پڑھے لکھے اور دانشور طبقے کے ذہن میں سمائے ہوئے ہیں، ایسا کیوں؟ دراصل اس کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے، اس لئے کہ ہم نے نئی نسل کو اسلامی رنگ میں رنگنے، اسلامی سانچہ میں ڈھالنے اور اسلامی طریقہ پر ان کی تربیت کرنے، خدا پر پختہ یقین اور دین سے وابستگی پیدا کرنے کے بجائے انھیں ہر قسم کے خطرات کا نشانہ اور ہر نوع کے غاصبوں کا لقمۂ تر بننے کے لئے چھوڑ دیا ہے، حالانکہ دینی اور فکری تربیت از حد ضروری اور غیر معمولی کام ہے، ہم کو اس کے بارے میں پوری سنجیدگی سے سوچنا چاہئے اور تمام ملی ضروریات پر اس کو مقدم رکھنا چاہئے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نوجوانوں میں خیر و صلاح کی تمام تر صلاحیتیں موجود ہیں، اگر ہم نے اس پہلو پر دھیان نہیں دیا تو قیامت کے دن خدا کے روبرو ہمیں اس کے بارے میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔

اس سلسلہ میں ہم پر سب سے پہلے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ یہ کہ ہم نئی نسل کی ایسی تربیت کریں جس سے اللہ پر ایمان و یقین، اس سے عشق و محبت اور دین سے وابستگی پر فخر اس کے دل و دماغ میں رچ بس جائے، ابتدائی تعلیمی مرحلے سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک تربیت کا یہ انداز اختیار کیا جائے اور جاہلانہ طرز تعلیم سے پرہیز کیا جائے، ایسے ہی بعض اصلاحی اسباق و محاضرات جس کو مدرس ہفتہ میں ایک بار یا مہینہ میں ایک مرتبہ پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں مسلسل پیش کئے جائیں، اس طرح نصاب تعلیم و تربیت کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور اس کو ایک ایسی نئی شکل دی جائے جس میں جدید تربیت کا مذکورہ اسلوب غالب ہو، اور ایک ایک جز میں یہی طرز داخل ہو، اس لئے کہ ایمان باللہ صرف لمبی چوڑی گفتگو اور بھاری بھرکم الفاظ و معنی کا نام نہیں، بلکہ یہ ہر مومن کا مقصدِ اول و آخر ہے اسی پر مرنا جینا ہے۔

ایمان باللہ وہ حد فاصل ہے جو ملت اسلامیہ (جس کے وجود کا مقصد اللہ کی رضا و معرفت کا حصول ہے) کو اقوام عالم کی دیگر مادہ پرست، ہوس پرست ملتوں سے ممتاز کرتا ہے، اللہ پر کامل ایمان ہی مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے اس کے لئے ان کی زندگی کا مقصد متعین کیا، ان کے طور طریقہ اور ان کی نشست و برخاست، چال ڈھال کو شان امتیازی عطا کی، اس لئے کہ مسلم قوم ہی وہ منتخب جماعت ہے، جس کو اللہ نے اس لیے بھیجا ہے، کہ وہ تمام انسانوں کو مخلوق پرستی سے نکال کر ایک اور یکتا خدا کی پرستش میں داخل کرے، دنیا کی تنگیوں، الجھنوں اور طوائف الملوکی سے نکال کر اسلام کی فراخی و وسعت اور امن و امان کی راہ پر گامزن کرے، مختلف مذاہب کے ظلم و زیادتی اور بے اعتدالی و ناانصافی سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف سے ہمکنار کرے، خودکشی پر آمادہ انسانیت کی دست گیری کرے، مادیت اور شہوت پرستی کے دلدل سے اٹھا کر اللہ کی رحمت و کرم فرمائی کا مستحق بنائے، گھٹیا مادی لذتوں سے چھٹکارہ دلا کر ایمان کی حلاوت و محبت کی چاشنی کا ذوق پیدا کرے، اور ان کو زندگی کی حقیقت سے آشنا اور اس کے لطف سے آگاہ کرے جو تمام تر مادی وسائل اور اسباب عیش و عشرت کے باوجود بے مزہ اور غیر اطمینان بخش ہو کر رہ گئی ہے۔

یہ ایمان باللہ حقیقی معنوں میں ہمارے اندر ایک اصلاحی انقلاب چاہتا ہے، وہ یہ کہ ہم اپنی فکر کو صحیح رخ دیں، نصاب تعلیم، تربیت کے طریقکار اور تعلیمی پالیسیوں پر نظر ثانی کریں اور اصلاح عمل کو بہتر بنانے کے لئے ٹھوس اور مثبت قدم اٹھائیں ہمارے اپنے اعلا اسلامی اصول و ضوابط ہیں جن پر ہمارا عقیدہ ہے اور جو ہمارے لئے دستور و قانون ہیں ہماری اپنی غفلت پر مغرب کی جانب سے جو تعلیمی پالیسیاں ہمارے نہج میں داخل ہو گئی ہیں ان منصوبوں اور اسکیموں کو یکسر صفحۂ قرطاس سے حرف غلط کی طرح نکال باہر کریں تب یہ اصلاحی انقلاب ہمارے مقاصد میں کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہو گا اور پھر نئی نسل ایسے ماحول میں پرورش پائے گی جس میں اسلام کی محبت اس کے اخلاق و اقدار و قوانین کی اہمیت

پیدا ہو، قوت ومادیت پرستی اور کمزوروں پر زور آوری سے بیزاری فسق وفجور کی دعوت سے نفرت اور اس کے نتائج بد اور اس کی خرابیوں سے گھن آتی ہو، انسانی عزت وناموس کی پامالی اور سطحیت کی ناپسندیدگی وناگواری کا احساس بھی ہو۔

اگر کچھ فریب خوردہ لوگوں کو اس کا اندیشہ ہو کہ کہیں ان پر رجعت پسندی کا الزام ہوگا اور اس خطرہ کو مول لیتے ڈرتے ہوں کہ انھیں ترقی پسند ممالک (اقوام متحدہ) کی تنظیموں میں رسوائی ہوگی تو وہ آنکھیں کھولیں اور خوب اچھی طرح کان کھول کے سن لیں اور جان لیں کہ یہ مغربی تہذیب جس کے ہم دلدادہ بنے ہوئے ہیں اور اس کی خوشہ چینی اور عامیانہ تقلید پر فخر کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسی تہذیب کے مرکز جہاں پر وہ پیدا ہوئی، پلی، بڑھی، پروان چڑھی وہیں کے چوٹی کے مفکرین کا کہنا ہے کہ یہ تہذیب مفلوج، بے دست وپا اور بے حقیقت ہے، ہارورڈ یونیورسٹی کے شعبہ علوم العمران وتہذیب وتمدن کے ایک ڈائرکٹر نے اپنے ایک مقالہ جس کا عنوان (SOCIAL AND CULTURAL DYNAMICS) ہے میں لکھا ہے کہ یہ نیا دور جس کے ہم متمنی اور خواہاں ہیں اس کی حالت زار اس موجودہ پر آشوب اور فتنہ وفساد کے دور سے بدتر ہوگی، اس لئے کہ اس میں اقدار وپیمانے یکسر بدل جائیں گے اشیاء کی ضخامت وکثرت حقیقی قدر وقیمت کی جگہ لے لے گی موٹاپا طبعی حسن وجمال کی جگہ اور بیکار بیٹھنا ہی کمال سمجھا جائے گا عام سطح کی گھٹیا چیزیں عام فن بن جائے گی ظاہری ٹیپ ٹاپ، باطنی قدروں پر غالب آجائے گی، سطحیت عبقریت پر تقلید تخلیقی قوت پر، بے بنیاد خبریں حقیقی واقعات پر غالب آجائیں گی، انتشار پھیلانے والی قوت، بصیرت افروز ومثبت افکار وخیالات کی جگہ لے لے گی۔

کاسۂ گدائی لے کر مغرب کی طرف تہذیب کا دست سوال دراز کرنا وہ جس کی کشتی خود بھنور میں پھنسی ہوئی ہو اس کا سہارا لے کر نجات کی امید کرنا جو غرق تو کر سکتی ہے لیکن ساحل سے ہمکنار نہیں کر سکتی ایک زندہ قوم کا کام نہیں، جب ہم کو سب کچھ معلوم ہے تو ہم کو اپنی فکر، تعلیم اور اصلاحی امور میں مغرب کی کورانہ تقلید کو ٹھکرا دینا چاہئے اہل اسلام اپنے تجربات ومشاہدات کے مطابق آزادانہ منصوبہ اور لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے، ایمان ہی ہماری بنیاد اور سہارا ہے وہی ہماری قوت کا سرچشمہ ہے، ہر وہ تعلیم وتربیت جس کی اساس ایمان اور اپنی ذاتی اساس وبنیاد کے علاوہ ہو وہ الٹی سمت لے جانے والی ہوگی اور ایسی حالت میں ہم ایسی قوت حقیقی حاصل نہیں کر سکتے جس سے ہم حقائق کا مقابلہ کر سکیں۔ اور نہ ہی وہ تعلیم ہمیں ایسی طاقت بخشے گی جو اس دنیا میں ہمیں اپنے مقام تک پہونچا سکے اور ہماری کھوئی ہوئی قدر ومنزلت کو بحال کرے یعنی ہمارا وہ مقام جس کی نشان دہی قرآن پاک ان الفاظ میں کرتا ہے "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ" ترجمہ: "اب دنیا میں بہترین گروہ تم ہو، جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

اگر ہم اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم تعلیم تہذیب وتمدن کے میدان میں اہل مغرب سے سبقت لے جا سکتے ہیں یا اس کے فلسفہ کے باقی ماندہ اور اس کے افکار کی تلچھٹ کو لے کر اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں، تو یہ خام خیالی، دھوکا اور جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، البتہ تہذیب وثقافت اور فکری میدان میں ہم مغرب سے صرف ایمان باللہ کی صورت میں غالب آسکتے ہیں وہ ایمان باللہ جس کی طاقت نے مغرب کا دیوالیہ نکال دیا جو اب اخلاقی قدروں سے عاری ہے یہی ہمارا سب سے بڑا ہتھیار اور حربہ ہے جس کے ذریعہ ہم تاریخ کا دھارا بدل سکتے ہیں بھٹکتی ہوئی انسانیت کی رہنمائی کر سکتے ہیں خائن، عہد شکن اور پاپی لوگوں سے حکومت کی باگ ڈور لے کر ایسے ایمان والے ہاتھ میں دے سکتے ہیں جنھوں نے سخت ترین اور مشکل ترین حالات میں قیادت کا فریضہ انجام دیا ہے، اور جنھوں نے سمندر کے تلاطم میں بھی انسانیت کی ڈگمگاتی کشتی کو امن وامان کے ساحل مراد سے لگا دیا ہے، یہ طاقت ایمان باللہ میں مضمر ہے، اللہ پر ایمان اس کے وعدے مدد اور اس کے رسول پر ایمان ہو اس ایمان کے لئے ہمیں اور کہیں جانے کی ضرورت نہیں بلکہ ان مغربی افکار وخیالات اور اس کی تہذیب وتمدن کو اکھاڑ کر پھینک دیں جن کو ہم نے اپنے نظام تعلیم وتربیت میں بغیر کسی نفع ونقصان کی تحقیق کے، بغیر جانچ پڑتال اور حقیقت کے بجائے صورت کو داخل کر لیا ہے جیسا کہ ہم نے آلات اور ٹکنالوجی سامان کو لے لیا لیکن ان کے اصل فنون وجوہر کا پتہ نہ لگا سکے، ہم آلات اور فلسفات کے درمیان فرق نہیں کر پائے نہ ہی وسائل ومقاصد میں تمیز کر پائے اور ہم علوم طبعیہ (جس کا علم عقائد ورجحانات سے خالی ہوا کرتا ہے) اور علوم العمران وفلسفہ اجتماعیات (جس میں مغربی مادیت کے افکار ورجحانات کا غلبہ ہوا کرتا ہے) کے درمیان بھی فرق نہیں کر پاتے بلکہ ہم نے علم وفن کو کم لیا اور اس کی ثقافت وافکار کو زیادہ لیا۔

اگر ہم مغرب کی فکری وذہنی غلامی سے آزاد ہونا چاہتے ہیں تو ہم کو اپنے تعلیمی وتربیتی نظام کا نیا جائزہ لے کر اس کو نئے رنگ اور نئے قالب میں ڈھالنا پڑے گا جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان اس کے وعدہ اور نصرت کا یقین نئی نسلوں کے دلوں میں بحال کر دے اور ان کو حق کا پرستار

(باقی ص ۲۹ پر)

قربانی کی اصل روح

یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کرتے ہوئے خواب میں دیکھا تھا شریعت میں خواب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا نام رویائے تمثیلی اور دوسرے کا نام رویائے حقیقی ہے رویائے حقیقی میں اصل حقیقت بے پردہ نظر آتی ہے اور وہی مقصود ہوتی ہے، جیسے کسی نے خواب میں دیکھا کہ فلاں شخص مرگیا ہے اور وہ واقعی مرگیا تھا، یہ رویائے حقیقی ہے، رویائے تمثیلی یہ ہے کہ مقصود اس واقعہ سے ملتی جلتی کوئی مشابہ چیز ہو جیسے حضرت یوسفؑ نے قحط کو سوکھی بالوں اور دبلی گایوں کی صورت میں دیکھا، امام خطابی معالم السنن میں کہتے ہیں،

وبعض الرویا مثل یضرب لیتأول علی الوجہ الذی یجب ان یصرف الیہ معنی التعبیر فی مثلہ وبعض الرویاء لا یحتاج الی ذالک بل یاتی کالمشاھدۃ،

(فتح الباری مصر جلد ۱۲ ص ۴۰۲)

ترجمہ:۔ بعض خواب تمثیلی ہوتے ہیں جس کو اس مثالی صورت میں اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ اس طریقہ پر اس کی تعبیر کی جائے

جس طریقہ پر ایسے خواب کی تعبیر پھیری جاتی ہے اور بعض خواب اس کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ بن کر سامنے آتے ہیں،

اس بناپر ہم کو غور کرنا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو اپنے بیٹے کو قربانی کرتے ہوئے خواب میں دیکھا تو یہ خواب تمثیلی تھا یا حقیقی تھا۔ اس گرہ کے کھلنے سے وفدیناہ بذبح عظیم کے معنی بھی کھل جائیں گے،

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو جو خواب میں دکھایا تھا وہ تمثیلی تھا یعنی یہ کہ وہ اپنے بیٹے کو قربانی کر رہے ہیں اس کے معنی یہ تھے کہ وہ اس کو ہمیشہ کے لیے خدا کی راہ میں خانہ کعبہ کی خدمت گذاری اور دین حنیف کی تبلیغ کے لیے خدا کی راہ میں قربان کردیں، حضرت ابراہیمؑ نے فداکاری کے سچے جوش میں اس خواب کو حقیقی سمجھا اور چلے اپنے اکلوتے بیٹے کو خدا کی راہ میں واقعی جسمانی طور سے قربانی کرنے، مکہ کے پاس پہنچکر بیٹے کو قربان گاہ پر چڑھا کر چاہا ہی تھا کہ اس کے گلے پر چھری پھیردیں کہ بارگاہ قدس سے ندا آئی۔ قد صدقت الرویاء اے ابراہیمؑ تونے اپنا خواب سچ کر دکھایا اور اب خداوند حق نے حضرت ابراہیمؑ کو وحی سے مطلع فرمایا کہ یہ خواب حقیقی نہیں بلکہ تمثیلی تھا اور حضرت اسماعیلؑ کی جسمانی قربانی نہیں بلکہ روحانی قربانی مقصود ہے، اور یہ جانور کی جسمانی قربانی اس روحانی قربانی کی تمثیل ہے۔ اب غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ "ذبح عظیم" جس کو دیکر حضرت اسماعیلؑ جسمانی قربانی سے بچ جاتے ہیں، وہ آن کی روحانی قربانی ہے۔

روحانی قربانی جسمانی قربانی کے مقابلہ میں یقیناً ذبح عظیم ہے جسمانی قربانی کی تکلیف تو ایک لمحہ کی بات ہے، مگر روحانی قربانی تو کسی امر حق کی خاطر ساری زندگی کی جیتے جی کی قربانی ہے جس میں مر کر نہیں بلکہ جی کر حق کی راہ میں ہر تکلیف اور مصیبت کو انگیز کرنا اور ہر وقت موت کے لیے آمادہ رہنا ہے،

حضرت اسماعیلؑ نے اس کی خاطر ملک شام کے سبزہ زار کو چھوڑا، وہاں کے عیش و آرام کو خیرباد کہا۔ عزیز و اقارب کو ترک کیا۔ اور ایک لق و دق صحرا میں تن تنہا رہنا گوارا کیا، وہاں خدا کے نام کا ایک گھر بنایا، اور اس کو آنے جانے والے مسافروں اور سوداگری کے قافلوں کے لیے مرکزی گزرگاہ ٹھہرایا اور اس طرح دین حق کی تبلیغ، اور خانۂ خدا کی پاسبانی کے لیے نہ صرف اپنی زندگی تک بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور تک جو ربنا وابعث فیھم کی ابراہیمی دعا، کی قبولیت کا زمانہ تھا، اپنی پوری نسل کو صحرائے بے آب و دانہ میں گذار دینے کا حکم دیا، یہ تھی وہ عظیم الشان قربانی جو حضرت اسمٰعیلؑ کی جسمانی قربانی کی تمثیل میں حضرت ابراہیمؑ کو دکھائی گئی اور آج کے دن تک یہ روحانی قربانی ملت ابراہیمی کی حقیقت اور نسل اسماعیلی کی شریعت ہے اور جانور کی جسمانی قربانی اس حقیقت کا مجاز ہے، اور اسلام میں جہاد اس مجاز کی حقیقت ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگا، کہ وہ ذبح عظیم کا فدیہ جس کے بدلہ میں حضرت اسماعیلؑ کی قربانی معاف کی گئی، ان کی وہ روحانی قربانی ہے جو نسلاً بعد نسل ان پر فرض ہوئی اور اس کی جسمانی تمثیل جانور کی قربانی کی شکل میں ظاہر ہوئی اور اسی لیے یہ ہر سال کے جشن قربانی میں حضرت اسماعیلؑ کے جسمانی اور روحانی فرزندوں پر واجب ہے۔

جہاد اور شہادت جن کی فضیلتوں میں اسلام کا سارا دفتر لبریز ہے، وہ اسی "ذبح عظیم" کی تفسیریں ہیں جو مسلمان اس ذبح عظیم کا منظر پیش کرتا ہے، (باقی صـ۲۹ پر)

افریقہ میں اسلام

ڈاکٹر حبیب الحق ندوی

پروفیسر مولانا حبیب الحق صاحب ندوی صدر شعبہ عربی، فارسی و اردو ڈربن یونیورسٹی نے ۷ رمضان المبارک کو بعد نماز ظہر دار عرفات میں "جنوبی افریقہ میں اسلامی کلچر کا مستقبل" کے عنوان سے ایک محاضرہ پیش کیا اس کی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ ——— (ادارہ)

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطٰنِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ٥
"إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللهِ الإِسلامُ وَمَن يَبْتَغِ غَيرَ الإِسلامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنهُ، وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الخَاسِرِينَ ٥ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُسلِمُونَ ٥

جناب رابع صاحب اور دیگر رفقاء کرام میں حقیر طالب علم ہوں، تمام مطالعہ کے بعد مجھے صرف اتنا معلوم ہوگیا کہ کچھ معلوم نہ ہوا" معلوم شد ہیچ کہ معلوم نہ شد" اس حقیقت کے بعد کوئی شخص اپنے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ بہت بڑا عالم ہے یا دانشور، بہر حال علم کے میدان میں قدم رکھنا بذات خود ایک ہمت کا کام ہے، خداوند کریم ہمیں توفیق دے کہ ہم مزید خدمت کر سکیں۔

عزیزان گرامی قدر! یہ رمضان کا مہینہ ہے قانون اسلامی کے ظہور اور عروج کا مہینہ ہے اور اسلامی کلچر کے نفاذ کا مہینہ ہے، اسلامی تشکیل اسی مہینے میں ہوئی قرآن اساس ہے بنیاد ہے اور اصل سرچشمہ ہے اسلامی کلچر کا، دنیا کے ہر خطے میں جو اسلامی کلچر پھیلا وہ قرآن کی بدولت، جہاں جہاں قرآن گیا اسلامی کلچر ساتھ ساتھ گیا اس لئے یہ مہینہ اسلامی کلچر کی تشکیل کا ہے اور ان رہنما اصولوں کے قوانین و قواعد کا کانسٹی ٹیوشن کا ہے جو امت مسلمہ کو ابد الآباد تک کے لئے دیا گیا، اس سے پہلے کہ ہم اسلامی کلچر کی طرف آگے بڑھیں دو چار باتیں عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کلچر اور تہذیب کیا ہے۔

میرے محاضرہ کا عنوان ہے "جنوبی افریقہ میں اسلامی کلچر کا مستقبل" یہ عنوان تمام اقلیات پر محیط ہے کیونکہ جو مسائل جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کو درپیش ہیں وہی مسائل کم وبیش ہندستان کے مسلمانوں کو درپیش ہیں، امریکہ، یورپ، آسٹریلیا کوئی بھی دنیا کا ملک ہو سب کو درپیش ہیں، اس لئے بہت ہی توجہ کی ضرورت ہے کہ مسلم اقلیات کے کلچر کے تحفظ کے کیا اسباب ممکن ہیں۔

میں نے جیسا کہ عرض کیا کہ کلچر ایک مبسوط اصطلاح ہے، جس کو انگریزی میں کمپرہنسیو COMPER HEN-SIVE یا ہونسک کہتے ہیں۔ اس کی دو شاخیں ہیں یا دو بازو ہیں، ایک مادی تہذیب اور دوسری روحانی تہذیب، کسی امت، کسی قوم اور کسی کمیونٹی COMMUNITY کا ارتقاء، عروج وزوال کا پیمانہ یہی دونوں تہذیبیں ہیں، ایک کو ہم میٹیریل سویلائیزیشن MATERIAL CIVILIZATION مادی تہذیب کہتے ہیں اور ایک کو ہم اسپریچول سویلائیزیشن SPRETUAL CIVILIZATION روحانی تہذیب کہتے ہیں۔ چنانچہ کلچر محیط ہے ان دونوں اصطلاحات پر یعنی روحانی تہذیب اور مادی تہذیب، اکثر ہم لوگ مغالطہ کرتے ہیں اس لئے بہت ہی دھوکہ کھاتے ہیں، جب ہم کلچر کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے مراد یہ دونوں ترازو کے پلڑے ہیں جن پر کسی امت کے ارتقاء اور زوال کو تولا جا سکتا ہے، اسلامی کلچر، قرآنی کلچر ان دونوں کو مساوی طور پر پیش نظر رکھتا ہے، بغیر روحانی ارتقاء کے مادی ارتقاء لاحاصل ہے۔ انسان زندہ ہے روح کی بدولت، یورپ کے اندر جو الحادی تحریکات اٹھتی ہیں وہ طوفان صرف ہند و پاک میں نہیں آتا، امریکہ، یورپ تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے اثرات جنوبی افریقہ پر بھی مرتب ہوتے ہیں، جنوبی افریقہ ان تمام الحادی تحریکات سے مبرا نہیں اس مختصر مقدمہ توحید میں اپنی توجہ افریقہ پر مبذول کروں گا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ "ان الدین عند الله الاسلام" اسلام کا دین، کلچر قرآن وسنت کے سوا کچھ نہیں، اس کے علاوہ "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل" غیر مقبول ہے، اگر آپ نے کوئی کلچر چاہے وہ روسی کلچر ہو، اشتراکی کلچر ہو، وجودی کلچر ہو آپ نے کسی کو تسلیم کیا غیر مقبول ہے۔ بدنصیبی یہ ہے کہ اس مہینے میں قرآن کا کیمپ لگا تھا، قرآنی کیمپ کے اندر ایک امت کو بلایا گیا تھا "تَعَالَوا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللهَ" آج امت مسلمہ کا زوال محض اس لئے کہ ہم نے قرآن کے کیمپ سے نکل کر دوسر

کے کیمپ میں پناہ لی، نتیجہ یہ ہے کہ آج ذلت و رسوائی ہمارے پیچھے ہے۔

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

آج دنیا کے بڑے بڑے دماغ اس مسئلہ پر سوچ رہے ہیں کہ امت کے زوال کا سبب کیا ہے، مقالات سیمینار، تالیف کتب، سب جاری ہیں لیکن اصل کا پتہ نہیں۔ "العودہ الی القرآن" واپس آؤ قرآن کے کیمپ میں، آج مغربی اقوام کو سب سے بڑا خطرہ ہے۔

میرے عزیز دوستو! میں... چالیس سال سے ان ہی یوروپین کے ساتھ وقت گزار رہا ہوں، ان کو سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ اب اسلامی امت میں جو بیداری پیدا ہوئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ امت پھر قرآن کے کیمپ واپس آجائے اور جس دن یہ امت قرآن کے کیمپ واپس آجائے۔ ان کی خیر نہ ہوگی۔ یہی وہ سازش ہے جس کے پیچھے سارا یوروپ اور یہود متحد ہیں اور مسلمانوں کو ختم کرنے کی سازش کررہے ہیں۔ میں نے آج کے محاضرے کو چند حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا حصہ اس سے بحث کرتا ہے کہ اسلام کی آمد جنوبی افریقہ میں کیسے ہوئی اور امت مسلمہ کی تشکیل کیسے عمل میں آئی۔ دوسرا حصہ جو میری گفتگو کا ہوگا وہ ہے مسلمانوں کی مشکلات کیا کیا ہیں اور دعوت کے سنہرے موقع کو ہم نے کیسے جنوبی افریقہ میں ضائع کیا، یقین مانئے آج سارا ساؤتھ افریقہ مسلمان ہوتا لیکن ہم نے دعوت کے اس عمل کو اختیار نہیں کیا جو امت مسلمہ کی ایک طاقت تھی اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم وہاں کمزور ہیں۔

مسلم اقلیات میں اسلامی کلچر کے تحفظ سے متعلق میری اپنی چند معروضات ہیں جو میں پیش کروں گا ایک بہت اہم بات ہے کہ یہودی دل و دماغ کس طرح کام کررہا ہے اور خاص کر مسلم تجارت یہودیوں کے پنجے اور چنگل میں ہے اس طرح سے وہ پورے جنوبی افریقہ پر حاوی، قابض اور مسلط ہیں۔ عائلی قوانین کے سلسلہ میں جو جد و جہد جاری ہے اس میں اس فقیر کی جو خدمات ہیں اس پر ذرا گفتگو کروں گا اور وزیر قانون کا جو خط خادم کے نام آیا ہے وہ بھی میرے پاس ہے اس کو میں پڑھ کر سناؤں گا۔ اب آپ یہ سنیں کہ اسلام جنوبی افریقہ میں کہاں سے آیا اور کس طرح سے آیا۔ حضرات — ! یہ ہے جنوبی افریقہ، ادھر اٹلانٹک ہے بحر اوقیانوس اور ادھر انڈین اوشن، یہ چھوٹا سا وہ حصہ ہے جس کو اللہ رب العزت نے دنیا کی دولت سے نوازا ہے، A WORLD IN ONE COUNTRY IS S. AFRICA...... اگر ساری دنیا کسی ایک ملک میں جمع ہوگئی ہے تو وہ ساؤتھ افریقہ ہے، یہ برابر تمام اخبارات میں بھی آرہا ہے کہ اللہ نے کوئی ایسی معدنیات، کوئی ایسی دولت نہیں چھوڑی جو یہاں نہ ہو، اسلام کیسے یہاں آیا۔ یہ سب سے اہم چیز ہے، پہلی چیز یہ دیکھئے کہ یہ برطانیہ ہے، یہ فرانس ہے، یہ ہالینڈ ہے، یہ وہ تمام استعماری قوتیں ہیں جنھوں نے INDUSTRIAL REVOLUTION کے بعد آلات اور اسلحہ جات کی ایجاد کے بعد تمام مڈل ایسٹ انڈیا، ملیشیا، انڈونیشیا سب پر قبضہ کیا اور قبضہ کرنے کے بعد ان کی تسخیر کا وہ سارا حربہ استعمال کیا جو ممکن تھا۔ یہ ڈچ ہے، ہندوستان کی تاریخ پڑھنے والے بھی جانتے ہیں کہ ڈچ، انگلینڈ اور فرانس میں استعماری رقابت کس قدر تیز تھی، بہرحال انگریز یعنی انگلش، برطانیہ اور ڈچ ان دونوں نے ہادیش تک اپنے قدم بڑھائے، چنانچہ دونوں میں رقابت کا جذبہ جاری رہا، اس درجہ آپس میں لڑتے بھی رہے اور قبضہ کرتے رہے ہالینڈ (ڈچ) ان لوگوں نے ملیشیا اور انڈونیشیا پر قبضہ کیا۔ یہ ہے ملیشیا اور یہیں پر انڈونیشیا کے آئرلینڈ میں، بٹالین حکومت قائم کی، ظاہر ہے جب آپ ان ممالک پر قبضہ کریں گے تو وہاں کے بادشاہوں کو، شہزادوں کو، حکمرانوں کو گرفتار کریں گے، یہ ایک عام سی بات ہے۔ چنانچہ مسلمانوں پر ایسا ایک روز بد آیا۔ یہ مسلمانوں کے اپنے اعمال کا نتیجہ تھا۔ ڈچ نے ان لوگوں کو گرفتار کیا، ملیشیا کے لوگوں کو، وہاں جو چھوٹے چھوٹے سلاطین تھے ان کو اور انڈونیشیا کے لوگوں کو گرفتار کرکے سیدھے یہاں لائے، جنوبی افریقہ کے کیمپ میں جو کالے پانی کا کام دے رہا تھا۔ تاکہ وہ یہاں سے بھاگ نہ سکیں، آپ یقین جانئے بادشاہوں کو سلاطین کو وہ یہاں پابہ زنجیر لائے ہیں ابھی میں آپ کو کیپ میں لے جارہا ہوں، یہ بالکل ڈوبا ہوا ہے اٹلانٹک میں، اس لئے یہ حصہ بہت سرد ہے ڈربن کے مقابلہ میں جہاں ہم ہیں وہاں ابھی آتے ہیں آپ کے سامنے جو مسلمان یہاں آپ سے آئے، انڈونیشیا، ملیشیا سے انھوں نے عربی اور فارسی کی خدمت کی راجہ تمبورا، اور شیخ یوسف یہ لوگ یہاں لائے گئے تھے، راجہ تمبورا سلطان تھے۔ ان کو جیل میں رکھا گیا انھوں نے اپنے حافظے سے قرآن کریم کو مکمل طور پر لکھا اور گورنر جنرل کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ قرآن کی پہلی خدمت ہوئی، اس کے بعد ان مسلمانوں نے سب سے زیادہ جس چیز کی خدمت کی وہ اسلامی شریعت ہے، وقت اتنا نہیں ہے کہ ہم طوالت میں جائیں۔ لیکن ہم اتنا کہیں گے کہ ۱۶۹۴ء یعنی چار سو سال قبل یہ سلسلہ شروع ہوا، ابھی ابھی ۱۹۹۴ء میں چار سو سالہ جشن منایا گیا اسلام کی آمد، اسلام کے ظہور اور اسلام کے کلچر کی تشکیل کا جس کا افتتاح ابھی خود منڈیلا صاحب نے کیا۔ جو لوگ یہاں آئے ظاہر ہے وہ لوگ جیل میں تھے، غلام تھے یہ سلیو کہے جاتے تھے اور ان کے آخری نام ان انگریزوں کے ناموں پر رکھے گئے جن کے یہ غلام تھے۔ مثال کے طور پر

(باقی ص۳۱ پر)

فضیلت قربانی اور عشرہ ذی الحجہ

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی

ذی الحجہ کے یہ دس دن جو یکم ذی الحجہ سے ۱۰ ذی الحجہ تک ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایک عجیب خصوصیت اور فضیلت بخشی ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ فضیلت کا یہ سلسلہ رمضان المبارک سے شروع ہو رہا ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبادتوں کے درمیان عجیب وغریب ترتیب رکھی ہے کہ سب سے پہلے رمضان لائے اور اس میں روزے فرض فرما دیئے اور پھر رمضان المبارک ختم ہونے پر فوراً حج کے مہینے شروع ہو جاتے ہیں روزے کی عظیم الشان عبادت سے فراغت ہوئی تو فوراً اگلے دن سے حج کی عبادت کی تمہید شروع ہو گئی اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے حج کے تین مہینے ہیں، شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ، اگرچہ حج کے مخصوص ارکان تو ذی الحجہ ہی میں ادا ہوتے ہیں لیکن حج کے لیے احرام باندھنا شوال سے جائز اور مستحب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص حج کو جانا چاہے تو اس کے لیے شوال کی پہلی تاریخ سے حج کا احرام باندھ کر نکلنا جائز ہے اس تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں، پہلے زمانے میں حج پر جانے کے لیے کافی وقت لگتا تھا اور بعض اوقات دو دو تین تین مہینے وہاں پہنچنے میں لگ جاتے تھے، اس لیے شوال کا مہینہ آتے ہی لوگ سفر کی تیاری شروع کر دیتے تھے گویا کہ روزے کی عبادت ختم ہوتے ہی حج کی عبادت شروع ہو گئی اور پھر یہ حج کی عبادت اس پہلے عشرہ میں انجام پا جاتی ہے اس لیے کہ حج کا سب سے بڑا رکن جو "وقوف عرفہ" ہے ۹ ذی الحجہ کو انجام پاتا ہے۔

"قربانی" شکر کا نذرانہ ہے

اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے پورے کرنے کی اور حج کے ارکان پورے کرنے کی توفیق عطا فرما دی اور یہ دو عظیم الشان عبادتیں تکمیل کو پہنچ گئیں اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ضروری قرار دیا کہ مسلمان ان عبادتوں کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کریں جس کا نام "قربانی" ہے لہٰذا ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے، یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عید الفطر کو اس وقت رکھا جب روزے کی عبادت کی تکمیل ہو رہی تھی اور عید الاضحیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رکھا جب حج کی عظیم الشان عبادت کی تکمیل ہو رہی ہے لیکن عید الفطر میں خوشی کا آغاز صدقۃ الفطر سے کرو اور عید الاضحیٰ کے موقع پر خوشی کا آغاز اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کر کے کرو

دس راتوں کی قسم

عشرہ جو یکم ذی الحجہ سے شروع ہوا اور دس ذی الحجہ پر جس کی انتہا ہوگی، یہ سال کے بارہ مہینوں میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور پارہ عم میں سورۃ فجر کی ابتدائی آیات ہیں" اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے، اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا یقین دلانے کے لیے قسم کھانے کی ضرورت نہیں لیکن کسی چیز پر اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا اس چیز کی عزت اور حرمت پر دلالت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ فجر میں جن دس راتوں کی قسم کھائی ہے اس کے بارے میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ اس سے ان دس راتوں کی عزت، عظمت اور حرمت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

دس ایام کی فضیلت

اور خود نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ارشاد میں واضح طور پر ان دس ایام کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے یہاں تک فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت کے اعمال کسی دوسرے دن میں اتنے محبوب نہیں جتنے ان دس دنوں میں محبوب ہیں، خواہ وہ عبادت نفلی نماز ہو، ذکر یا تسبیح ہو، یا صدقہ خیرات ہو اور یہ بھی فرمایا کہ اگر ان ایام میں کوئی شخص ایک دن روزہ رکھے تو ایک روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ یعنی ایک روزے کا ثواب بڑھا کر ایک سال کے روزوں کے ثواب کے برابر کر دیا جاتا ہے اور فرمایا ان دس راتوں میں ایک رات لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے، یعنی اگر ان راتوں میں سے کسی بھی ایک رات میں عبادت کی توفیق ہو گئی تو گویا کہ اس کو لیلۃ القدر میں عبادت کی توفیق ہو گئی۔

ان ایام کی دو خاص عبادتیں

ان دنوں کی اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوگی کہ وہ عبادتیں جو سال بھر کے دوسرے دنوں میں انجام نہیں دی جا سکتیں۔ ان کی انجام دہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کو منتخب فرمایا ہے، مثلاً حج ایک ایسی عبادت ہے جو ان دنوں کے علاوہ دوسرے دنوں میں انجام نہیں دی جا سکتی اور دوسری عبادت

کا یہ حال ہے کہ فرائض کے علاوہ جب چاہے..... نفلی عبادت کرسکتا ہے۔ مثلاً نماز پانچ وقت کی فرض ہے، لیکن ان کے علاوہ جب چاہے نفلی نماز پڑھنے کی اجازت ہے، رمضان میں روزہ فرض ہے لیکن نفلی روزہ جب چاہے رکھیں، زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے، لیکن نفلی صدقہ جب چاہے ادا کردے، لیکن دو عبادتیں ایسی ہیں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر فرمادیا ہے ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں اگر ان عبادتوں کو کیا جائے گا تو وہ عبادت ہی نہیں شمار ہوگی۔ ان میں سے ایک عبادت حج ہے، حج کے ارکان مثلاً عرفات میں جاکر ٹھہرنا، مزدلفہ میں رات گزارنا، جمرات کی رمی کرنا وغیرہ۔ یہ ارکان واعمال ایسے ہیں کہ اگر انہی دنوں میں ان کو انجام دیا جائے تو عبادت ہے اور دنوں میں اگر کوئی شخص عرفات میں دس دن ٹھہرے تو یہ کوئی عبادت نہیں، دوسرے دنوں میں کوئی شخص مزدلفہ میں جاکر دس راتیں گزارے تو یہ کوئی عبادت نہیں، جمرات سال بھر کے بارہ مہینے منیٰ میں کھڑے ہیں، لیکن عام دنوں میں کوئی شخص جاکر ان کو کنکریاں ماردے تو یہ کوئی عبادت نہیں تو حج جیسی اہم عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان ہی دنوں کو مقرر فرمادیا کہ اگر بیت اللہ کا حج ان دنوں میں انجام دوگے تو عبادت ہوگی اور اس پر ثواب ملے گا۔

دوسری عبادت قربانی ہے، قربانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کے تین دن یعنی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ مقرر فرمادیے ہیں، اگر ان دنوں کے علاوہ کوئی شخص قربانی کی عبادت کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا البتہ اگر کوئی شخص صدقہ کرنا چاہے تو بکرا ذبح کرکے اس کا گوشت صدقہ کرسکتا ہے، لیکن یہ قربانی کی عبادت ان تین دنوں کے سوا کسی اور دن میں انجام نہیں پاسکتی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس زمانے کو یہ امتیاز بخشا ہے اسی وجہ سے علماء کرام نے ان احادیث کی روشنی میں یہ لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے دن وہ عشرہ ذی الحجہ کے دن ہیں، ان میں عبادتوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان دنوں میں اپنی خصوصی رحمتیں نازل فرماتے ہیں، لیکن کچھ چیزیں خاص طور پر شارع کی طرف سے ان دنوں میں مقرر کردی گئی ہیں۔

بال اور ناخن کاٹنے کا حکم

ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی جو حکم سب سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہوجاتا ہے وہ ایک عجیب وغریب حکم ہے۔ وہ یہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کسی کو قربانی کرنی ہو تو جس وقت وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھے اس کے بعد اس کے لئے بال کاٹنا اور ناخن کاٹنا درست نہیں۔ چونکہ یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اس واسطے اس عمل کو مستحب قرار دیا گیا ہے کہ آدمی اپنے ناخن اور بال اس وقت تک نہ کاٹے جب تک قربانی نہ کرے

ان کے ساتھ تھوڑی سی شباہت اختیار کرلو

بظاہر یہ حکم عجیب وغریب معلوم ہوا ہے کہ چاند دیکھ کر بال اور ناخن کاٹنے سے منع کردیا گیا ہے، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ان دنوں میں اللہ تعالیٰ نے حج کی عظیم الشان عبادت مقرر فرمائی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد الحمد للہ اس وقت اس عبادت سے بہرہ ور ہورہی ہے اس وقت وہاں یہ حال ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کے اندر ایک ایسا مقناطیس لگا ہوا ہے جو چاروں طرف سے فرزندانِ توحید کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے، ہر طرف سے ہزاروں افراد اطراف عالم سے وہاں پہونچ رہے ہیں اور بیت اللہ کے ارد گرد جمع ہورہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو حج بیت اللہ کی ادائیگی کی یہ سعادت بخشی ہے، ان حضرات کے لئے یہ حکم ہے کہ جب وہ بیت اللہ شریف کی طرف جائیں تو وہ بیت اللہ کی وردی یعنی احرام پہن کر جائیں اور پھر احرام میں شریعت نے بہت سی پابندیاں عائد کردیں مثلاً یہ کہ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے خوشبو نہیں لگا سکتے، منہ نہیں ڈھانپ سکتے وغیرہ، ان میں سے ایک پابندی یہ ہے بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اور ان لوگوں پر جو بیت اللہ کے پاس حاضر نہیں ہیں اور حج بیت اللہ کی عبادت میں شریک نہیں ہیں۔

اللہ کے کرم کو متوجہ فرمانے اور ان کی رحمت کا مستحق بنانے کے لئے یہ فرمادیا کہ ان حجاج بیت اللہ کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت اختیار کرلو اور جس طرح وہ بال نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو، جس طرح وہ ناخن نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو، یہ ان اللہ کے بندوں کے ساتھ شباہت پیدا کردی جو اس وقت حج بیت اللہ کی عظیم سعادت سے بہرہ اندوز ہورہے ہیں۔

اللہ کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے

حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں بہانے ڈھونڈتی ہیں۔ جب ہمیں یہ حکم دیا کہ ان کی مشابہت اختیار کرلو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان پر جو رحمتیں نازل فرمانا منظور ہے اس کا کچھ حصہ تمہیں بھی عطا فرمانا چاہتے ہیں تاکہ جس وقت عرفات کے میدان میں ان اللہ کے بندوں پر رحمت کی بارشیں برسیں، اس کی بدلی کا کوئی ٹکڑا ہم پر بھی رحمت برسادے تو یہ شباہت پیدا کرنا بھی بڑی نعمت ہے۔ اسی پر خواجہ مجذوبؒ صاحب کا یہ شعر ہے۔

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کے آیا ہوں

تھوڑے سے دھیان اور توجہ کی ضرورت ہے

ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ فرماتے تھے کیا اللہ تبارک

د تعالیٰ اس بنا پر محروم فرمادیں گے کہ ایک شخص کے پاس جانے کے لئے پیسے نہیں ہیں؟ کیا اس واسطے اس کو عرفات کی رحمتوں سے محروم فرمادیں گے کہ اس کو حالات نے جانے کی اجازت نہیں دی اور اس واسطے وہ نہیں جاسکا ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اور آپ کو بھی اس رحمت میں شامل فرمانا چاہتے ہیں البتہ تھوڑی سی توجہ اور دھیان کی بات ہے۔ بس تھوڑی سی توجہ کر لو کہ میں تھوڑی سی شباہت پیدا کر رہا ہوں اور اپنی صورت تھوڑی سی ان جیسی بنا رہا ہوں۔ تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی اس رحمت میں شامل فرمادیں گے۔

یوم عرفہ کا روزہ

دوسری چیز یہ ہے کہ یہ ایام اتنی فضیلت والے ہیں کہ ان ایام میں ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ ایک مسلمان جتنے بھی ان دنوں میں نیک اعمال اور عبادات کرسکتا ہے وہ ضرور کرے اور ۹ ذی الحجہ کا دن عرفہ کا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حجاج کے لئے حج کا عظیم الشان رکن یعنی وقوف عرفہ تجویز فرمایا اور ہمارے لئے خاص اس نویں تاریخ کو نفلی روزہ مقرر فرمایا اور اس روزے کے بارے میں نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ کے دن جو شخص روزہ رکھے تو مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے یہ امید ہے کہ اس کے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں

یہاں یہ بات بھی عرض کردوں کہ بعض لوگ جو دین کا کما حقہ علم نہیں رکھتے تو اس قسم کی جو حدیثیں آتی ہیں کہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف ہوگئے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہوگئے تو بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک سال پہلے کے گناہ تو معاف کر ہی دیئے اور ایک سال آئندہ کے بھی گناہ معاف فرمادیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سال بھر کے لئے چھٹی ہو گئی جو چاہیں کریں۔ سب گناہ معاف ہیں تو خوب سمجھ لیجئے جن جن اعمال کے بارے میں نبی کریمؐ نے یہ فرمایا کہ یہ گناہوں کو معاف کرنے والے اعمال ہیں مثلاً وضو کرنے میں ہر عضو کے دھوتے وقت اس عضو کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نماز پڑھنے کے لئے جب انسان مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ رمضان کے روزوں کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھئے اس قسم کی تمام احادیث میں گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہوتے ہیں اور جہاں تک کبیرہ گناہوں کا تعلق ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ ویسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی کے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے بخش دیں وہ الگ بات ہے لیکن قانون یہ ہے کہ جب تک توبہ نہیں کرے گا معاف نہیں ہوں گے اور پھر توبہ سے بھی وہ گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق عباد سے ہے مثلاً کسی کا حق دبالیا ہے، کسی کا حق مار لیا ہے، کسی کی حق تلفی کر لی ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ جب تک صاحب حق کو اس کا حق ادا نہ کردے یا اس سے معاف نہ کرالے اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے۔ لہٰذا تمام فضیلت والی احادیث جن میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے وہ صغیرہ گناہوں کی معافی سے متعلق ہے۔

تکبیر تشریق

ان ایام میں تیسرا عمل تکبیر تشریق ہے جو عرفہ کے دن کی نماز فجر سے شروع ہوکر ۱۳ تاریخ کی عصر تک جاری رہتی ہے اور یہ تکبیر ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ وہ تکبیر یہ ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر و للہ الحمد۔ پڑھنا اور آہستہ آواز سے پڑھنا خلاف سنت ہے۔

(بقیہ) فہم حدیث

.... یہ تمام قرینے خود روایت کے متعلق ہیں۔ کبھی قرائن راوی کے متعلق ہوتے ہیں۔ جبکہ راوی ایسی حدیث بیان کرے جو کسی اور نے بیان کی ہو اور خود راوی اس سے ملا تک نہ ہو۔ یا ایسی حدیث ہو جس کو صرف ایک راوی بیان کرتا ہو۔ حالانکہ وہ معاملہ ایسا ہو کہ اس سے اوروں کو بھی واقفیت ہونی چاہئے تھی ان سب چیزوں کی تصریح خطیب بغدادیؒ نے الکفایہ کے ابتداء میں کی ہے۔

علامہ ابن جوزی کی یہ بات جو روایت عقل کے خلاف ہو وہ موضوع ہے صحیح نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ اس صورت میں ہر شخص کسی نہ کسی روایت کو خلاف عقل ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور مطابق عقل اور خلاف عقل کی تعیین بہت مشکل ہو جائے گی اس لئے کہ عقل کی کوئی حد معین نہیں ہے لیکن اس امر کا قطعی فیصلہ کرنا بہر حال مشکل ہے کیونکہ عام تصور یہ ہے کہ جس روایت کے رواۃ ثقہ ہوں اور سلسلۂ روایت کہیں سے منقطع نہ ہو اس روایت کو ہر صورت میں قبول کیا جائے خواہ وہ درایت و عقل کے خلاف کیوں نہ ہو

(جاری)

ایک اور
یورپین سفیر اسلام کے آغوش میں

ترجمہ: ——— سید حسن حسنی

رسٹاکہولم کے ٹیکنولوجی کے ایک اعلیٰ ادارہ میں جہاں اسٹوکہولم کے رابطہ اسلامیہ کی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تقریباً سو ڈیڑھ سو مسلم نمائندے شریک ہوئے جو غیر عرب تھے، مجھے ایک ایسے صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جن کے سر کے بال پوری طرح سفید ہو چکے تھے۔ کمزور جسم کے، ٹھنڈے مزاج کے تھے، ان کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ غور کرنا پڑتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، ان کا اسم گرامی (محمد قنوت برنسطردم) تھا، ان کی عمر ستر سال سے تجاوز کر چکی تھی، وہ مغرب اقصیٰ میں سویڈن کے سفیر رہ چکے تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ وہ کانفرنس میں عربی زبان میں لکچر دیں گے میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا کہ میں ان سے کچھ گفتگو کروں، سب سے پہلے میں نے ان کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں سوال کیا؟ سابق سفیر نے جواب دیا: اس سلسلہ میں میں دو مرحلوں سے گذرا ہوں پہلے مرحلہ کی مدت نو سال ہے اس دور میں میں مغربی معاشرہ میں زندگی گذار رہا تھا، اس زمانہ میں میں نے اس کا مطالعہ کیا کہ اسلامی دینی شعائر کس طرح ادا کیے جاتے ہیں، اس مطالعے کے دوران مجھ میں اس دین سے قریب ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ میں اسلام سے واقفیت حاصل کرتا رہا، ۱۹۷۰ء میں رمضان کے مہینہ میں میں نے اپنے آپ کو عملی طور پر آزمانا چاہا کہ کیا میں روزہ برداشت کر سکتا ہوں، یہی تجربہ اسلام سے میرے قریب ہونے کا سبب بنا، مجھے اسلام سے اور مسلمانوں سے انس محسوس ہونے لگا، میں نے اپنی پوری قابلیت اس میں صرف کرنا چاہی کہ میں اس مسلم ملک کی صحیح ترجمانی کروں جہاں میں اپنے ملک کی نمائندگی کر رہا تھا، اور غلط فہمیاں دور کروں میں نے رمضان کے پورے روزے رکھے، میں نے روزے کے فوائد جسمانی اور روحانی اعتبار سے محسوس کئے، یہ اسلام کی پہلی گرفت تھی اور اسلام سے قریب ہونے کا پہلا ذریعہ، میں نے وضو اور نماز کا مشاہدہ کیا، اذان کی آواز مجھے بڑی بھلی معلوم ہوئی اور مجھے اس کی طرف کشش محسوس ہوئی، نماز کے طریقہ نے مجھے بہت متاثر کیا۔

دوسرا مرحلہ
(تبدیلی کی ابتداء قرآن کا مطالعہ)

میں نے قرآن کا انگریزی اور فرانسیسی ترجمہ حاصل کر لیا، میں نے سورہ فلق کی تفسیر پڑھی اور وہی میرے لیے تبدیلی کا ذریعہ بنی جس نے دین کے سمجھنے میں میری مشکلوں کو آسان کر دیا، (ومن شر ما خلق) کے ترجمہ پر میں رکا، میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو کیونکر پیدا کیا اور کیونکر شر کو پیدا کیا؟

اور مجھے اطمینان ہو گیا کہ زندگی متضاد اشیاء کا نام ہے وہ مجموعہ ہے نور اور ظلمت کا، خیر و شر کا، حق و باطل کا اور اللہ عز و جل نے ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی ہم کو آزادی دی ہے۔

تین سال بعد میں ایک شدید مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ریٹائر ہو گیا اور میرا آپریشن کیا گیا اس دوران میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے بہت زیادہ قریب ہو گیا۔ میں آسمان کی طرف دیکھتا اور اللہ تعالیٰ سے قرب محسوس کرتا تھا، مجھے محسوس ہوتا تھا کہ کوئی ذات عالی میری حفاظت کر رہی ہے اور میں محفوظ ہوں، میں نے ان سے پوچھا، آپ کا اب کیا مشغلہ ہے،

سفیر محترم نے فرمایا:۔ میں ایک اہم پروگرام پر کام کر رہا ہوں اور وہ قریب الختم ہے، یعنی قرآن کے معانی کا ترجمہ سویڈن کی زبان میں۔

انھوں نے فرمایا میں نے ۱۹۸۲ء میں اسلام قبول کرتے ہی قرآن کا اس نیت سے مطالعہ شروع کر دیا تھا اور ڈھائی سال سے یعنی ۱۹۹۲ء سے قرآن کا ترجمہ لکھنا شروع کر دیا ہے، میں نے قرآن کے سات مختلف ترجمے پڑھے، میں عربی میں پڑھ تو سکتا ہوں، لیکن میں عربی زبان میں لکھنے کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ میں انگریزی، سویڈی، فرانسیسی اور اسپینی زبان میں مہارت رکھتا ہوں۔

اس کے ساتھ میں پرتگالی، جرمنی، روسی اور تھوڑی بہت اطالوی، البانوی زبان میں گفتگو کر سکتا ہوں، انھوں نے فرمایا کہ دو ترجموں سے میں متاثر ہوا ہوں۔

پہلا ترجمہ: عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ۔

دوسرا:۔ مدام ماسون کا فرانسیسی ترجمہ جن کا اسی سال انتقال ہو گیا، اور اسی طرح مجھ کو محمد اسد کی تفسیر نے بھی متاثر کیا۔ اور میں نے ان کے تفسیری نوٹس سے فائدہ اٹھایا ہے۔

عربی تفسیروں میں ابن کثیر اور صابونی کی تفسیر سے میں نے استفادہ کیا۔ اس طرح سید قطب کی فی ظلال القرآن سے بھی استفادہ کیا۔

محمد قنوت نے فرمایا تقریباً ۸۰ فیصد ترجمہ کا کام مکمل ہو چکا ہے جو عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ کی طرح ۱۵۰۰ صفحوں پر مشتمل ہے۔

اس کام پر جو مصارف آرہے ہیں وہ الجوئنگ میں ہی برداشت کر رہا ہوں اس لیے کہ مجھے اب تک اس کام کے لیے کوئی امداد نہیں ملی ہے، کویت کی وزارت اوقاف اور ریاض کے ندوۃ الشباب سے امداد کی درخواست کرنے کا میرا ارادہ ہے

مغرب میں اسلام کا مستقبل

کانفرنس کے موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے جس میں ہم شریک تھے میں نے ان سے یورپ میں اسلام کے مستقبل کے بارے میں سوال کیا کہ ان کا اس سلسلہ میں کیا ارادہ ہے؟

انھوں نے کہا:۔ یورپ میں اسلام باقی رہے گا۔ بلکہ وہ اللہ کے حکم سے پھیلے گا۔ انھوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔ "إنك لا تهدي من أحببت ولكن الله يهدي من يشاء"۔ میں نے ان دشواریوں کے بارے میں سوال کیا جن کا اسلامی تنظیمیں یورپ میں سامنا کر رہی ہیں؟

انھوں نے کہا:۔ کہ وہ بہتر انداز سے کام کر رہی ہیں بیشک دشواریوں کا سامنا ہے لیکن وہ بڑے جذبے اور پورے نشاط کے ساتھ کام کر رہی ہیں اور عنقریب وہ اللہ کے حکم سے کامیاب ہوں گی۔ دشواریوں کی تفصیل بتاتے ہوئے انھوں نے کہا دشواریاں دو قسم کی ہیں،

۱۔ اسلام کے خلاف صلیبی جنگوں کے وقت جو برا تاثر قائم ہوا وہ بڑی رکاوٹ ہے اسی طرح اسلام اور اس کے حقیقی پیغام سے ناواقفیت ایک رکاوٹ ہے۔

انھوں نے مزید کہا کہ یہ لوگ نہ عیسائیت پر عمل کر رہے ہیں اور نہ اسلام پر وہ محض قدیم تاثر پر عمل کر رہے ہیں، میں نے ان سے سوال کیا: اس کا کیا حل ہے؟

انھوں نے کہا:۔ کہ ہم اپنی طرف سے صحیح مثال پیش کریں اور تمام لوگوں کے لیے اچھا نمونہ ثابت ہوں۔

سویڈن میں بڑی تعداد میں لوگ دین کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں، اس کی ضرورت ہے کہ ان کو حقیقی اسلام سے واقف کرایا جائے اور ان میں اسلام کے مطالعہ کا جذبہ پیدا کیا جائے اور اس سے واقفیت کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ اس کے لیے یہ کانفرنسیں بہترین ذریعہ ہیں ان کا دائرہ اور وسیع کرنا چاہیئے، تاکہ جو لوگ فہم سلیم رکھتے ہیں وہ اس سے فائدہ اٹھائیں، رہا مادی اور سیکولر ذہن رکھنے والوں کا معاملہ تو ہمیں چاہیئے کہ علمی انداز سے اسلام کو ان کے سامنے بیان کر کے ان میں اسلام کے مطالعہ کا جذبہ پیدا کریں۔

میرا آخری سوال بوسنیا کے بارے میں تھا؟

انھوں نے کہا: کہ سویڈن میں میں نے بوسنیا کے پناہ گزینوں سے ملاقات کی اور میری حیرت اس وقت اور زیادہ ہوگئی جب انھوں نے کہا کہ وہ صرف نام کے مسلمان تھے۔

اور جنگ کی وجہ سے وہ حقیقی اسلام کی طرف واپس ہوگئے ہیں، اور انھوں نے اسلام پر عمل شروع کر دیا ہے۔

اخیر میں انھوں نے کہا کہ اسلام بوسنیا اور یورپ میں اب حقیقت بن گیا ہے اور وہ قائم رہے گا۔ انشاء اللہ۔

بشکریہ المجتمع کویت

۲۴ر جنوری ۱۹۹۵ء

ناشر حضرات توجہ دیں

جو ناشر حضرات اشاعتی ادارے یا ادیب و شاعر اپنی کتابیں تبصرہ کے لئے ہمیں روانہ کرتے ہیں وہ اس کا ضرور خیال رکھا کریں۔

(۱) کتاب زیادہ سے زیادہ ایک سال کے عرصہ کے دوران شائع ہوئی ہو، زیادہ پرانی کتابوں پر تبصرہ ممکن نہیں ہے۔

(۲) چند صفحات پر مشتمل پمفلٹ قسم کی کتابیں بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، نہ ہی تبصرہ نگار کے پاس وقت ہے اور نہ ہی تعمیر حیات کے صفحات میں اس کی گنجائش ہے۔

فہم حدیث اور درایت

مولانا محمد خالد ندوی

(۲)

روایت و درایت کی تعریف

۱۔ علم حدیث روایۃ کا مصداق روایات کو سن کر حسب موقع ان کو محفوظ کر کے نقل کرنا خواہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوں یا صحابہؓ اور تابعینؒ سے۔ ان مرویات کا تعلق قول و فعل سے ہو یا تائید اور جسمانی احوال سے خواہ انکی نقل و حکایت یادداشت کی مدد سے ہو یا بذریعہ تحریر و کتابت۔ لہٰذا کسی حدیث کے بارے میں یہ معلوم ہونا کہ وہ فلاں کتاب میں ہے فلاں سند اور فلاں الفاظ کے ساتھ مروی ہے یہ علم روایۃ الحدیث ہے۔

۲۔ اور اسی حدیث کے بارے میں تحقیق کے ساتھ یہ معلوم ہونا کہ وہ خبر واحد ہے یا مشہور، صحیح ہے یا ضعیف، متصل ہے یا منقطع اس کے رجال ثقہ ہیں یا غیر ثقہ نیز اس حدیث سے کیا کیا احکام مستنبط ہوتے ہیں اور کوئی تعارض تو نہیں۔ اگر ہے تو کیونکر رفع کیا جاسکتا ہے یہ سب باتیں علم درایۃ الحدیث سے متعلق ہیں۔[1]

تنبیہ:۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ اس کے مجموعہ کو مختلف عنوانوں سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً۔

۱۔ علم درایۃ الحدیث
۲۔ علوم الحدیث
۳۔ علم الحدیث
۴۔ علم اصول الحدیث
۵۔ علم مصطلح الحدیث۔

ان میں آخر کے دو یعنی علم اصول الحدیث یا علم مصطلح الحدیث کی تعبیر پہلی تینوں قسموں پر علی الاطلاق استعمال کرنا بہتر نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کا ظاہری مفہوم و موضوع محض وہ اصول و قواعد ہیں جن سے احادیث پر عمل کے حق میں مدد لی جاتی ہے اور یہی دونوں تعبیرات ان "اصول و قواعد" کے علم کے لیے معروف ہیں۔ لیکن بعض حضرات نے علم درایۃ الحدیث اور علم اصول الحدیث کو مرادف قرار دیا ہے چنانچہ علامہ عثمانیؒ نے مقدمہ فتح الملہم میں اور شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے "اوجز" کے مقدمہ میں اسی طرف رجحان ظاہر فرمایا ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ علم درایت حدیث کی تعریف میں استخراج معانی بھی آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت کے احکام کا استنباط بھی علم درایۃ الحدیث کا جز ہے۔ حالانکہ علم اصول حدیث میں استخراج معانی سے کوئی بحث نہیں کی جاتی۔ اس تجزیہ سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ اصلاً علم درایۃ الحدیث کی بھی دو شاخیں ہیں

۱۔ **علم اصول الحدیث**: جس میں روایت کی اسنادی حیثیت سے بحث کی جاتی ہے۔

۲۔ **علم فقہ الحدیث**:۔ جس میں کسی حدیث سے احکام و مسائل مستنبط کیے جاتے ہیں۔

حدیث کی کسوٹی

حدیث کو پرکھنے اور جانچنے کے لیے حقیقتاً یہی دو علوم فن روایت اور فن درایت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ فن روایت کے متعدد اقسام ہیں اصول حدیث، جرح و تعدیل۔ اسماء الرجال و علل وغیرہ، اور عام طور پر حدیث کے صحت و ضعف کو پہچاننے کے لیے محدثین ان ہی فنون سے کام لیتے ہیں۔ جبکہ درایت حدیث سے عام طور پر فقہی مسائل کے استخراج و استنباط سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ جس قدر اصول روایت پر محدثین نے توجہ دی ہے شاید فن درایت کو اس کا صحیح مقام اسی تناسب سے نہیں مل سکا ہے جس کا بہت سے اہل علم کو اعتراف بھی ہے چنانچہ ایک مشہور مدرسہ کے شیخ الحدیث نے ایک موقعہ پر جب مولانا تقی امینی صاحب صدر شعبۂ دینیات علیگڈھ مسلم یونیورسٹی سے اس سلسلہ پر سوال کیا۔ کہ حدیث کا روایتی معیار تو ہم لوگوں کے سامنے ہے اور مدارس میں اس پر کافی گفتگو بھی ہوتی ہے لیکن حدیث کا درایتی معیار کیا ہے۔ جس کی اس دور میں خاص طور سے ضرورت بیان کی جاتی ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا امینی یوں رقمطراز ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دین و شریعت سے متعلق جو کچھ منسوب ہو اسکو حدیث کہتے ہیں۔ اس نسبت کی صحت کو جانچنے کیلئے اہل علم نے ایک معیار مقرر کیا ہے جس کا نام درایتی معیار ہے۔ لغت میں درایت کے معنی معرفت کے ہیں۔

حدیث کی صحیح معرفت اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ راوی (حدیث نقل کرنے والا) اور مروی (حدیث) دونوں سے متعلق پوری معلومات ہوں یعنی راوی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کہاں اور کب پیدا ہوا اس کا حافظہ قوی تھا یا کمزور

---

[1] درس ترمذی صـ۲۳

نظر سطحی تھی یا گہری فقیہ تھا یا غیر فقیہ، جاہل تھا یا عالم اخلاق و کردار کیسے تھے؟ ذریعہ معاش اور مشاغل کیا تھے۔ روایت کرنے میں مقررہ شرطوں کا لحاظ کیا ہے یا نہیں؟

اسی طرح مروی حدیث کے بارے میں معلوم ہو کہ الفاظ، جملوں میں کسی قسم کی خامی و کمزوری یا مقررہ قواعد کی خلاف ورزی تو نہیں پائی جاتی ہے نیز معانی ومفہوم میں عقل، مشاہدہ تجربہ، زمانے کے طبعی تقاضے، مسلمہ اصول اور قرآنی تصریحات کی خلاف ورزی تو نہیں لازم آتی ہے، جن سے کسی طرح بھی شان نبوت پر حرف آئے یا فرمودات نبوی میں سطحیت ظاہر ہونیکا اندیشہ ہو۔ حدیث کے تنقیدی مطالعہ میں سردست اسی کو اہمیت دی جارہی ہے [1]

حدیث کی تنقید

حدیث کی تنقید کوئی آسان کام نہیں اور خصوصاً درایت حدیث کا باب تو بہت ہی عظیم ہے۔ بہت نازک ہے ہر کس و ناکس کی بات نہیں۔ زبان دراز کرے اور جو عقل میں آئے اس کو چلتا کرنے کی کوشش کرے بلکہ اس کے لیے علم، تجربہ عربیت اور دیگر علوم کی ضرورت ہوگی۔ مثلاً عربی زبان سے متعلق تمام ضروری علوم اصول فقہ اور بقدر ضرورت علوم قرآن بھی جیسے علم تفسیر سے واقفیت کے لیے اسی انداز کی جامعیت ضروری ہے، البتہ روایت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

اسانید کی جانچ

سنت کے علوم روایت اور اس کے اصول ماخذ سے متعلق علماء نے مفصل کتابیں لکھی ہیں اس لیے کہ یہ ایک عظیم الشان علم ہے جس کا جاننا نہایت ضروری ہے کیونکہ حجت ہونے کیلئے حدیث متصل الاسناد ہونا عام حالات میں اکثر ائمہ کے نزدیک ضروری ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ صحابہ کے دور ہی میں راویوں کی توثیق و تضعیف کے بارے میں بحث کلام کی ابتداء ہو گئی تھی چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبادہ بن الصامتؓ کے دور میں اس پر خصوصی توجہ دی گئی، تفصیلات کے لیے صحیح مسلم کا مقدمہ دیکھا جاسکتا ہے۔

تابعین میں سے سعید ابن مسیب (۹۳) شعبی (۱۰۴) ابن سیرین (۱۱۰) اور اعمش (۱۴۸) بھی اسی روش پر کاربند رہے بعد میں حضرت شعبہ (۱۶۰) کا طریق بھی ایسا ہی تھا اور امام مالک کی احتیاط اس بارے میں مسلم معروف ہے تیسری صدی ہجری میں اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ اور مستقل جرح و تعدیل کا فن وجود میں آیا۔

فن درایت:۔ فن روایت کی طرح فن درایت کی ابتدا بھی دور صحابہ کی مرہون منت ہے دورِ صحابہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو باقی رہتا ہے یا نہیں؟ حضرت ابوہریرہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان کیا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ پھر تو گرم پانی سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ کو ضعیف الروایۃ نہیں سمجھتے تھے لیکن چونکہ یہ روایت ان کے نزدیک خلاف عقل تھی اس لیے انھوں نے قبول نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ خیال کیا کہ سننے یا سمجھنے میں تسامح ہو گیا ہوگا۔

ایسے ہی حضرت عبداللہ بن عمر غسل جنابت وغیرہ میں عورتوں کو چوٹی کھولنے کا حکم دیتے تھے جب حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو فرمانے لگیں یا عجبا لابن عمر ھذا یامر النساء اذا اغتسلن ان ینقضن رؤسھن افلا یامرھن أن یحلقن رؤسھن"
(مسلم ج ۱ حکم ضفائر المغتسلة)

ظاہر ہے حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن عمر کے اس نقطۂ نظر کی تردید کی ہے کیونکہ مو کے لیے اس سلسلہ میں سر کے سارے بالوں کا تر کرنا ضروری ہے اگر ضفائر ہوں تو کھولنا ضروری ہے لہٰذا کیا وجہ ہے عورتیں اس حکم میں شامل نہ ہوں، حضرت عائشہ صرف اس کے خلاف روایت ہی نہیں سناتیں کہ لقد کنت أغتسل أنا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من إناء واحد ولا أزید علی أن أفرغ علی رأسی ثلاث افراغات (مسلم)، بلکہ درایۃً بھی اس نظریہ کی تردید کی کہ عورتوں کو اس غایت احتیاط میں سر کھلانے کا حکم کیوں نہیں دیتے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسی بنیاد پر علی الالتزام حلق پر عامل تھے۔ حضرت عائشہؓ نے گویا کہ اسکو خلاف عقل بتایا اور یہ بات حضرت عبداللہ بن عمر کے نزدیک بھی محقق تھی۔ لہٰذا اسی کے ذریعہ اولاً ان کے نظریہ کی تردید فرمادی اسی کو درایت کہتے ہیں۔

اسی باعث جب تدوین حدیث کا دور شروع ہوا تو ائمہ محققین نے جہاں روایت کے اصول وضع کئے وہاں باقاعدہ درایت کے اصول بھی وضع کئے چنانچہ علامہ ابن جوزی نے اس موقع پر لکھا ہے۔

جس حدیث کو دیکھو کہ وہ عقل یا اصول مسلمہ کے خلاف ہے تو جان لو کہ موضوع ہے۔ اس کی نسبت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا غیر معتبر اسی طرح سے وہ احادیث قابل اعتبار نہیں جو محسوسات و مشاہدات کے خلاف ہوں اور تاویل کی گنجائش نہ رکھتی ہوں یا وہ حدیث جس میں ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی یا معمولی کام پر بڑے اجر کا وعدہ ہو۔ یا وہ حدیث جس میں لغویت پائی جائے۔ مثلاً یہ حدیث کہ کدو ذبح کے بغیر نہ کھاؤ اسی لئے بعض محدثین نے لغویت کو اسکے راوی کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے۔ (باقی ص ۱۹ پر)

---

[1] مراسلات ص ۱۴ ۲۳ ۲۵

دنیائے اسلام

پروفیسر محمد یونس نگرامی ندوی

شیخ الازہر جادالحق علی جادالحق

شاہ فیصل ایوارڈ کے لئے نامزد

سعودی عرب کی راجدھانی ریاض میں اس سال کے شاہ فیصل ایوارڈ کے اعلانات کردیئے گئے ہیں۔ پوری اسلامی دنیا کے لئے شاہ فیصل ایوارڈ کی وہی اہمیت اور عظمت ہے جو نوبل پرائز کو حاصل ہے۔ اس سال سے ان انعامات کی مالی حیثیت میں بھی اضافہ کردیا ہے جو اب ڈیڑھ لاکھ ڈالر ہوا کرے گا۔ یہ انعامات ہر سال پانچ مختلف موضوعات پر دیئے جاتے ہیں اور ہر انعام کے ساتھ توصیفی سند اور ڈیڑھ لاکھ ڈالر بھی دیئے جائیں گے جو اب تک ۹۳ ہزار ڈالر دیئے جاتے تھے۔

ان انعامات کے لئے نامزدگی کا طریقہ یہ ہے کہ پوری دنیا کے علمی و تحقیقی اداروں اور شخصیات کی ترجیحات شاہ فیصل فاؤنڈیشن کو بھیجی جاتی ہیں اور ان کی بنیاد پر انعامات دیئے جانے کا فیصلہ ایک مخصوص کمیٹی کرتی ہے۔

شاہ فیصل کے بیٹے امیر خالد فیصل جو اس انعامی کمیٹی کے چیرمین ہیں انھوں نے یہاں میں اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سال کا اسلامی خدمات سے متعلق انعام شیخ الازہر جادالحق علی جادالحق کو دیا جائے گا جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں سے متعلق کاموں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا ہے۔ انھوں نے پوری دنیا کے مسلم سماج سے گہرے روابط رکھے ہیں اور غیر مسلم ملکوں میں مسلم اقلیتوں کے مفادات کی نگہبانی کے فرائض انجام دیئے ہیں انھوں نے جامع ازہر میں جس کے جامع ازہر میں جس کے وہ ریکٹر ہیں بہت ہی معنی خیز اصلاحات کی ہیں جس کی وجہ سے جامع ازہر کی دینی وفکری صلاحیت وکارکردگی میں اضافہ ہوا ہے۔ یہاں پر یہ تذکرہ ضروری ہے کہ کچھ سالوں پہلے اسلامی خدمات کا یہی انعام ہندوستان کے ممتاز عالم دین اور ندوۃ العلماء کے ناظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو دیا جا چکا تھا اور شاید یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مولانا نے اپنے مزاج و ذوق کے مطابق انعام پوری رقم اسی وقت بعض علمی، دینی، وثقافتی اداروں کے درمیان تقسیم کردی تھی۔ امیر خالد کے بیان کے مطابق مطالعہ اسلامی سے متعلق انعام اس سال کسی کو بھی نہیں دیا جائے گا کیونکہ کوئی بھی تحقیقی کتاب یا مقالہ کمیٹی کے قواعد وضوابط پر پورا نہیں اترا ہے۔ ادب عربی سے متعلق انعام تین ادیبوں کے درمیان تقسیم کردیا گیا ہے یہ ہیں مصر کے ڈاکٹر حمدی سید جنھوں نے عربی زبان وادب کے مشہور محقق اور صاحب طرز ادیب عباس محمود عقاد کے فن اور شخصیت پر دو جلدوں میں کتابیں لکھی ہیں دوسرے ادیب ہیں ڈاکٹر محمد ابوالانوار جنھوں نے مصر کے مشہور انشاء پرداز مصطفیٰ لطفی منفلوطی کی شخصیت اور فن پر تین جلدوں میں اپنی کتاب تیار کی ہے ڈاکٹر محمد ابوالانوار کا تعلق بھی مصر سے ہے ادب عربی سے متعلق انعام کی تیسری حقدار ایک خاتون ادیبہ پروفیسر سلمیٰ لطفی الحفار ہیں جنھوں نے عربی زبان وادب کے ان نصوص کو منظر عام پر لانے میں کامیابی حاصل کی ہے جو اب تک مختلف کتابوں میں مدفون اور زیر غبار تھے۔ طب سے متعلق شاہ فیصل انعام ڈاکٹر غریغوری انگلینڈ اور ڈاکٹر مارک امریکہ کے درمیان تقسیم ہوا ہے جبکہ سائنسی علوم وفنون میں تحقیق وامتیاز کے لئے ایوارڈ ڈاکٹر باری شارلس امریکہ کو دیا جائے گا، انعامات دیئے جانے کی تقریب ریاض میں منعقد کی جاتی ہے جس کی تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

اسرائیل اور امریکہ

امریکی صدر بل کلنٹن کی انتظامیہ نے آئندہ امریکی مالی سال ۱۹۹۶ء کا اجمالی بجٹ امریکی کانگریس کو مطالعہ اور منظوری کے لئے پیش کردیا ہے جو اکتوبر ۱۹۹۵ء سے شروع ہوگا۔ بجٹ کے عمومی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی تیاری میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ اسرائیلی مفادات کی پوری حفاظت ہوتی رہے اور ان ملکوں کی اعانت جاری رہے جو اسرائیل کے ساتھ معاہدہ امن پر دستخط کررہے ہیں چنانچہ بجٹ تجاویز میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل اور مصر کی امداد میں کوئی بھی کٹوتی نہیں کی جائے گی اور ۱۹۹۵ء میں امداد کی جو رقم ان ملکوں کو دی گئی تھی وہ ۱۹۹۶ء میں بھی ادا کی جائے گی، اسرائیل کو تین ملیار ڈالر اور مصر کو ۲،۱ ملیار ڈالر دیئے جائیں گے اور اردن کو مالی سال ۱۹۹۶ء میں اسرائیل کے ساتھ صلح کرلینے کے لئے انعام کے طور پر ۲۷۵ ملین ڈالر کے قرض معاف کردیئے جائیں گے۔ اردن سات سو ملین ڈالر امریکہ کا مقروض ہے

جس میں سے ۲۲۰ ملین ڈالر ۱۹۹۵ء کے امریکی مالی سال میں معاف کئے جاچکے ہیں بجٹ میں ۵،۲۴ ملیار ڈالر کی رقم مشرق وسطیٰ میں ان ملکوں کی اعانت کے لئے مختص کی گئی ہے جو مغربی ایشیا میں امن وسلامتی کی کوششوں میں مصروف ہیں یا دوسرے الفاظ میں جو ممالک اسرائیل کے ساتھ صلح کے معاہدوں پر دستخط کریں گے۔ وہ اس سخاوت اور دریادلی سے فائدہ اٹھائیں گے یہاں پر یہ بات باعث دلچسپی ہوگی کہ امریکہ نے اپنے آئندہ مالی سال ۹۶ء میں اقوام متحدہ کو دی جانے والی امداد میں غیر معمولی کمی کردی ہے اب یہ اعانت مالی سال ۹۶ء میں ۵۴۵ ملین ڈالر ہوگی جبکہ مالی سال ۹۵ء میں یہ رقم ۱،۰۳ ملیار ڈالر تھی۔ جبکہ دوسری طرف ۷۸۸ ملین ڈالر کی امداد مالی سال ۹۶ء میں روسی ملکوں کو دی جائے گی اور اس میں بھی سب سے بڑا حصہ روس کا ہوگا باوجودیکہ امریکا چیچنیا میں روسی جارحیت کی برابر مذمت کرتا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں روسی ملکوں کو امریکی امداد ۱۹۷ ملین ڈالر تھی۔

امریکہ اور صہیونی تحریک

یہ حقیقت اب کوئی راز نہیں ہے کہ صہیونیت کے اثرات یورپ میں عام طور پر اور امریکہ میں خاص طور پر بہت گہرے ہیں، امریکی کانگریس، وہائٹ ہاؤس، امریکی میڈیا، امریکی مالیاتی ادارے اور امریکہ کی دونوں ہی سیاسی جماعتوں میں صہیونیت کے ہمدرد موجود ہیں، امریکہ کے تین بڑے اخبارات واشنگٹن (۱) پوسٹ، نیویارک (۲) ٹائمز اور میامی (۳) ہیرالڈ پوری طرح صہیونیت کے قبضہ میں ہیں، کچھ دنوں پہلے صہیونی تحریک کے لیڈروں نے "اسلامی دہشت گردی اور اس کا مقابلہ" کے عنوان سے ایک مجلس مذاکرہ بلائی تھی جس میں تحریک کے سرکردہ لیڈروں کے علاوہ امریکہ کی بعض بااثر شخصیتوں نے بھی حصہ لیا جس میں ایک منصوبہ تیار کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ اسلامی بنیاد پرستی عالمی دہشت گردی اختیار کر رہی ہے جو مغربی ملکوں کے لئے باعث خطرہ ہے اور اس اسلامی بنیاد پرستی کے دینی اور سیاسی مقاصد میں جو امریکہ، مغربی دنیا اور اسرائیل کے لئے انتہائی خطرناک ہیں چنانچہ اس خطرہ اور بنیاد پرستی کے اثرات میونخ سے بونس آئرس نیویارک سے بنامارو سے استنبول لوکرپی سے لندن غزہ سے خلیل اور تل ابیب سے قدس تک دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان اسلامی انتہا پسندوں نے امریکی اور اسرائیلی شہریوں کو اپنی گولیوں اور بموں کا نشانہ بنایا ہے ان کے لیڈروں، عبادت گاہوں کو امریکہ لاطینی امریکہ، اور مشرق وسطیٰ میں نقصان پہونچایا ہے اور ان تمام سرگرمیوں کا مقصد مغربی دنیا، امریکہ اور اسرائیل کو نیچا دکھلانا ہے اس لئے اس اسلامی بنیاد پرستی کو مکمل طور سے ختم کردینا امن عالم کے لئے ضروری ہے ساتھ ہی ان ملکوں پر بھی نظر رکھنا چاہئے جو اس بنیاد پرستی کو ہوا دے رہے ہیں ان میں شام، لیبیا اور سوڈان شامل ہیں۔

ان صہیونی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۲۳ر جنوری ۹۵ء کو امریکی صدر بل کلنٹن نے اپنے ایک حکم کے ذریعہ ان تمام سیاسی تنظیموں کے بنک کھاتوں کو منجمد کردیا ہے جو امریکی نظر میں دہشت گردی کو تعاون دے رہی ہیں جن حضرات کی مغربی یورپ اور امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف میڈیا کی مہم پر نظر ہے وہ اس باریک حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اسرائیل اپنے اس نقطہ نظر کو منوا لینے میں کامیاب ہوگیا ہے کہ اسلامی بنیاد پرستی اور دہشت گردی سوویت یونین کے بکھراؤ کے بعد مغربی دنیا اور اسرائیل کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں، اور اسرائیل نے جس طرح مغربی ایشیا میں کمیونزم کے پھیلاؤ کو روکا ہے بالکل اسی طرح یہ اسرائیل ہی ہے جو اسلامی بنیاد پرستی اور دہشت گردی کو روک سکتا ہے اس لئے عالمی سیاست کا بنیادی تصور بھی اسرائیل ہی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یورپ یا امریکہ میں حکومت کی تبدیلیوں کے باوجود اسرائیل مغربی دنیا کا سب سے بڑا حلیف اور دوست بنا رہتا ہے۔

مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

پروفیسر وصی احمد صدیقی

نام رسالہ :۔ کاروانِ ادب
ناشر :۔ مرکزی دفتر رابطہ ادبِ اسلامی ندوۃ العلماء لکھنؤ
قیمت :۔ ۴۰ روپئے
سالانہ قیمت :۔ ۱۵۰ روپئے

رابطہ ادبِ اسلامی (عالمی) کا سہ ماہی اردو ترجمان کاروانِ ادب کے تین شمارے نظر کے سامنے ہیں۔ یہ شمارے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے زیر سرپرستی نکل رہے ہیں اور ان کے مدیر جناب مولانا محمد رابع حسنی ندوی ہیں۔ ظاہر ہے جن شماروں سے آسمان علم و ادب کے یہ آفتاب اور ماہتاب وابستہ ہوں ان کی درخشانی کے کیا کہنے۔ اپنے موضوعات کو ملا کر یہ نورٌ علیٰ نور کے مصداق ہو جاتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ میں اس اجمال کی تفصیل پیش کروں یہ بتا دوں کہ اسلامی ادب سے میں کیا سمجھتا ہوں، ادب جو کہ ایک آفاقی چیز ہے اس پر یہ صفت (اسلامی) لگانا اس کو محدود کرتا ہے یا اس کے برخلاف اپنے بیان کے لئے کچھ اور وسعت دیتا ہے۔

یورپ کے تنقید نگاروں جیسے فرانس کے براتینیر یا انگلستان کے میتھو آرنلڈ وغیرہ نے بہترین ادب کی جس طرح وضاحت کی ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ اس کے موضوعات موقر ہوں۔ اس کے اجزا میں ہم آہنگی ہو اور اس کی بلند پروازی عقل اور فہم کی رسائی سے بالا نہ ہو۔ لکھنے والا اپنے معاشرے کے آداب کا خیال رکھتا ہو۔ زندگی بڑی خوبصورت چیز ہے۔ ایک اچھا ادیب اسے فطرت کے مطابق بیان کرے گا۔ وہ یہ دیکھے گا کہ اس کا تخیل کہیں بے قابو تو نہیں ہو گیا ہے۔ اس کے جذبات اچھے ذوق کی خلاف ورزی تو نہیں کر رہے ہیں اور اچھا ذوق کہیں جذبہ کی شدت کو کم تو نہیں کر رہا ہے۔ وہ اپنے گرد و پیش کی عجیب و غریب باتوں اور چھوٹی چھوٹی جزئیات کو نظرانداز کر کے اس کی عمومی اور مستقل صفات کو ظاہر کرتا ہے اور ایک لطیف دلکشی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

میں اپنے تبصرہ کو کلاسیکل اور رومانی ادب کے وضاحت میں غیر ضروری طول نہیں دوں گا مگر میں ان کے دو شاندار نمائندوں کا ذکر ضرور کروں گا۔ افلاطون نے اپنے مثالی شہر میں گو شاعروں کو جگہ نہیں دی تھی مگر اس کے خیر کل اور عالم امثال کے تصور نے۔ اس کے مکالمات کی روح نے اس کو رومانیت کا بہترین نمائندہ بنا دیا۔ دانتے کلاسیکل شاعر تھا اس نے رومانی ادب کو نظرانداز کیا۔ اپنی معرکۃ الآرا کتاب طربیہ خداوندی میں ساری دنیاوی محبت کرنے والوں کی جگہ جہنم میں دیتا ہے چاہے وہ مصر کی کلوپطرہ ہو چاہے ٹرائے کی ہیلن لیکن اپنی محبوبہ بیٹرس کو موت کے بعد کے سفر میں بھی وہ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اس کے یہاں مجازی محبت کا کہیں ذکر نہیں۔ سر رابرٹ گیرسن کے قول کے مطابق وہ شروع سے آخر تک مجسم دینیات ہے یہ دو حضرات رومانی اور کلاسیکل ادب کے بہترین نمائندے ہیں۔

اچھا ادب کلاسیکل اور رومانی ادب کے امتزاج سے بنتا ہے۔ یہ دونوں اجزائے ترکیبی اپنی کمی اور زیادتی سے اپنی چھاپ تیار کرتے ہیں۔

بڑے مصنفین کی تخلیقات ہر زمانے اور ہر ملک کے لئے مستند ہوتی ہیں۔ یہ صرف گرد و پیش تک محدود نہیں ہوتیں۔ ان میں بڑی وسعت ہوتی ہے اور وہ اخلاقی ہونے کے ساتھ فطری اور حسین ہوتی ہیں اور شائستگی کے ساتھ توازن اور جامعیت کا مظہر ہوتی ہیں۔ جب فطرتِ انسانی کا روحانی پہلو اس کے جسمانی پہلو پر ترجیح پاتا ہے تو پھر یہ ادب صالح ادب قرار پاتا ہے۔ یہ روحانی پہلو مذہب کے ذریعے سے داخل ہوتا ہے اور ادب کو اور زیادہ وسعت دیتا ہے۔ اس کی تین مثالیں ملٹن کی جنّتِ گمشدہ۔ ورجل کی اینائڈ اور دانتے کی طربیہ خداوندی ہیں۔ مثنوی مولانا روم بھی اس زمرے میں آتی ہے۔ المانوی شاعر گوئٹے کی نظم "نغمۂ محمد" یہ بتاتی ہے کہ خالص مذہبی شاعری بھی کتنی حسین ہو سکتی ہے۔ اس سے متاثر ہو کر علامہ اقبال نے اپنی نظم جوئے خوش آب لکھی ہے جس کے چند شعر میں لکھتا ہوں۔

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ می رود
مانند کہکشاں بگریبانِ مرغزار
از سنگریزہ نغمہ کشاید خرام او
سیمائے او چو آئینہ بے رنگ بے غبار
در راہِ او بہار پری خانہ آفرید
نرگس دمید و لالہ دمید و سمن دمید

علامہ اقبال کی نظمیں تو غزل کی مٹھاس رکھتی ہیں اور سب کا پس منظر اسلام ہے چاہے وہ خضر راہ ہو

چاہے مسجد قرطبہ، چاہے ذوق و شوق۔ وہ اگلے زمانے کا خواب دیکھتے ہیں جس میں انھیں ماضی نظر آتا ہے۔

مذہب اسلام میں ایک مکمل فلسفہ زندگی ہے اس لئے جس ادب کے ساتھ لفظ اسلامی لگ رہا ہو اسے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے الفاظ میں خیر پسندی، اصلاح و تقویٰ، ضبط نفس اور صحیح رہنمائی کا آلہ اور ہتھیار ہونا چاہئے ان شماروں کی نگارشات انھیں پر مبنی ہیں۔ مولانا محمد رابع ندوی نے لکھا ہے کہ پورے عالم اسلامی میں یہ تصور عام رہا ہے کہ مذہب اور ادب، اسلام اور ادب میں کوئی جوڑ نہیں۔ اس تصور کے نتیجہ میں ادب کی وہ قدریں مشکوک ہوگئیں جن کی آبیاری اسلامی ذہن یا مذہبی تصور سے ہوتی ہے برصغیر کے مسلمانوں کا بڑا حصہ اس سے کم متاثر ہوا کیونکہ اردو زبان کے حاملین اور قارئین بالعموم مذہب سے وابستہ رہے ہیں۔ ظاہر ہے ان کی مراد حالی، شبلی اور نذیر احمد جیسے اعلیٰ مصنفین سے ہے۔ یہاں کسی اسلامی رجحان کے دفاع یا غیر اسلامی ادب کے مقابلے کی ضرورت نہ تھی لیکن دوسرے ممالک میں اسلامی خیال کے ادیبوں کے آگے آنے کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت مولانا نے جب ادب کی اسلامیت کے بارے میں اپنا طاقتور مقالہ دمشق کے زبان و ادب کی موقر ترین اکیڈمی میں پیش کیا تو اس کو بے حد سراہا گیا۔ عرب ادباء نے حضرت مولانا سے رہنمائی کی درخواست کی جس کے نتیجہ میں ادبی تنظیم رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل ہوئی۔ اس رابطہ نے اپنی جد وجہد کے لئے تین میدانوں کا انتخاب کیا۔ پہلا اسلامی ادب کا تعارف اور تشریح، دوسرا اسلامی رجحان رکھنے والے ادب کو تقویت دینا اور تیسرا اسلامی ادب کے ذخیرہ میں نئے اضافے کرنے کا میدان۔ اس تیسرے میدان کا قابل ذکر کام مذاکرات علمی کا منعقد کرنا ہے۔

کاروان ادب کا پہلا شمارہ مذاکرۂ علمی کے منتخب مقالات کا مجموعہ ہے۔ مقالات کے اس مجموعہ کا موضوع حمد، مناجات اور دعا ہے۔ یہ انتہائی علمی مقالات کا مجموعہ ہے اور موضوع کی یکسانیت کے باوجود ان میں بے حد تنوع ہے۔ سب سے پہلا مقالہ حضرت مولانا کا ہے جنھوں نے حمد و مناجات اور اس کے دینی اور ادبی قدر و قیمت پر خامہ فرسائی کی ہے۔ حضرت مولانا نے اس موضوع پر جہاں اور نکات بیان کئے ہیں وہاں سب سے زیادہ زور اس پر دیا ہے کہ ادب کا سب سے اہم عنصر صداقت اور خلوص ہے۔ اس کی جیسی نمود دعا اور مناجات میں پائی جاتی ہے ادب کے کسی اور صنف میں نہیں پائی جاتی۔ جب صاحب دعا صاحب درد بھی ہو اور اس کو اپنے درد دل کے اظہار پر اعلیٰ درجہ کی قدرت بھی ہو تو پھر اس کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ ادب کا معجزہ بن جاتے ہیں۔ حضرت مولانا نے اس کی بہترین مثالیں دی ہیں۔ طائف کے سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کے سامنے اپنی مظلومیت کا بیان اور پھر اس کی رضا اور خوشنودی کی التجا دنیا کے ادبی ذخیرہ کا سب سے گراں قدر نمونہ ہے۔ پورا مضمون عجیب کیفیت کا آئینہ دار ہے جس کا بیان بہت مشکل ہے۔ اس موضوع پر یعنی کلام نبوی پر "دعا اور مناجات کے شہ پارے" مولانا رابع حسنی ندوی کا مقالہ ہے جس کا عربی سے ترجمہ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی نے کیا ہے۔ ایسا شاندار علمی اور ساتھ ہی ساتھ دل کو چھونے والا مقالہ اس تبصرہ نگار نے بہت کم پڑھا ہے۔ مولانا محمد رابع صاحب نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں اور مناجاتیں ایسی جامع، طاقتور اور پُر اثر ہیں کہ جنھوں نے ادب کی طاقتور ترین صنف کا درجہ حاصل کرلیا۔ یہ دعائیں معنویت سے لبریز ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندرونی احساسات، ابلتے ہوئے جذبات اور اپنے رب کے حضور ان کی لجاجت اور انکساری کی عجیب و غریب بلیغانہ تصویر کشی کرتی ہے۔ سرکار دو عالم نے مانگے جانے والوں میں سب سے بہتر اور دینے والوں میں سب سے بہتر سے درخواست کی ہے کہ مجھے اپنی دعا میں ناکام نہ بنائیے۔ پورا مضمون ایسی ہی دعاؤں کے ذکر پر ہے اور پڑھنے والے کو رقت سے بھر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا حسنی کو جزائے خیر دے جنھوں نے ایسا انمول تحفہ پڑھنے والے کو دیا۔

فارسی زبان میں حمد و مناجات کی شاعری اور اس میں عبدالرحمٰن جامی کا مقام ڈاکٹر محمود الحسن عارف کا مقالہ ہے اور بے حد علمی ہے۔ ڈاکٹر شاہ اللہ عمری نے سعدی کے اشعار سے بڑے اچھے نتائج اخذ کئے ہیں۔ ان کا مقالہ پڑھنے والوں کو بہت مانوس لگے گا کیونکہ جو اشعار انھوں نے لکھے ہیں وہ مسلمان پڑھے لکھے گھرانوں میں تقریباً زبان زد رہے ہیں۔ پیر ہرات شیخ الاسلام عبداللہ انصاری سے عام لوگ واقف نہیں رہے ہیں۔ ان کی مناجاتوں کے ٹکڑے ترجمے کے ساتھ فاضل مقالہ نگار جناب ضیاء الحسن فاروقی نے پیش کئے ہیں۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ ان میں دلکش تشبیہوں اور خوبصورت استعاروں کا وہ نور ہے جس سے دلوں کی دنیا روشن ہوتی ہے کوئی شک نہیں پروفیسر صاحب نے بہت صحیح بات لکھی ہے۔

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی نے حمد و مناجات بیسویں صدی میں بڑا اچھا مقالہ لکھا ہے۔ مثالیں ظاہر ہے اردو سے لی گئی ہیں۔ اردو نعتیں اپنے سارے حسن کے ساتھ وہ اثر نہیں ڈالتیں جو فارسی کی نعتیں ڈالتی ہیں۔ اصل بات ہے کہ فارسی کے اعلیٰ نعت گو شعراء صحیح معنوں میں صاحب دل لوگ تھے۔ "بلغ العلیٰ بکمالہ" یا "مرحبا سید مکی مدنی العربی" لکھنے والے، جبہ و دستار کے ساتھ پیشِ یار رقص کرنے والے —

ایسی محفل میں شریک ہونے والے جہاں محمدؐ شمع محفل ہوں ان کی نظیر کہاں ملے گی۔ کوئی شک نہیں اردو شاعروں نے بھی اپنا دل نکال کر رکھ دیا مگر جذبہ کی شدت کا ایسا والہانہ بیان کچھ سعدی، قدسی، جامی خسرو وغیرہ ہی کا حصہ ہے۔

ڈاکٹر سید عبدالباری نے اردو مثنوی میں حمد و نعت پر اپنے مقالے میں بڑی اچھی مثالیں جمع کی ہیں اور ایک طرح سے ارتقائی منازل دکھائے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ عشق و محبت، صوفیانہ تصورات اور ہجر و وصال کے حقیقی مضامین کی سب سے سچی جھلک ہمارے بزرگوں کو یوسف زلیخا کے قصہ میں نظر آئی۔ خود کلام پاک میں احسن القصص کے نام سے یہ قصہ بیان ہوا ہے اور فارسی اور اردو کی کئی مثنویوں کا یہ مرکزی مضمون بنا۔ ڈاکٹر عبدالباری نے میر اثر، میر حسن، نواب مرزا شوق اور واجد علی شاہ کی مثنویوں سے حمد و نعت کے نمونے پیش کیے، مقالہ اپنے سائنٹفک انداز اور طرز بیان سے بہت دلچسپ ہوگیا ہے۔

مولانا عبیداللہ کوٹی ندوی نے کلام اقبال میں حمد و مناجات پر بڑا پُراثر مقالہ تحریر کیا ہے۔ سب سے آخر میں انھوں نے اقبال کے جو دو شعر نقل کیے ہیں وہ بڑی بڑی مناجاتوں پر بھاری ہیں۔

بپایاں چوں رسد ایں عالم پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا بہ پیش خواجہ مارا
حساب من زچشم او نہاں گیر

مولانا طیب عثمانی ندوی کا مقالہ حضرت کمالؒ کی مثنوی میں حمد و مناجات۔ ڈاکٹر محمد اقبال حسین ندوی کا مقالہ بہزاد لکھنوی کی حمد و مناجات کا تنقیدی مطالعہ۔ ڈاکٹر احتشام احمد ندوی کا مقالہ حمد و مناجات کا ارتقاء مالا بار میں۔ ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی کا مقالہ حمد و مناجات ہندی اردو ادب میں اور مولانا ضیاء الدین اصلاحی کا مقالہ بعض ہندو شعراء کی حمدیہ شاعری بڑے دلچسپ اور معلومات سے بھرے ہوئے مقالے ہیں اور لکھنے والوں کے تحقیقی جذبہ کے آئینہ دار ہیں۔

اردو میں بہت سی ایسی کتابیں موجود ہیں جس میں ہر زبان کی بہترین حمد و نعت کو جمع کیا گیا ہے مگر خود حمد و نعت پر ایسے گراں قدر مضامین کو اکٹھا کرنا رسالہ کے منتظمین کو یقیناً مبارکباد اور پڑھنے والوں کے شکریہ کا حقدار بناتا ہے۔

دوسرے شماروں کا ذکر انشاء اللہ پھر آئے گا۔

ایک قابل تقلید مثال

۸ر شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۰ر مارچ ۱۹۹۵ء لکھنؤ بلوچ پورہ میں ۳۰ لڑکوں اور لڑکیوں کا اجتماعی نکاح نہایت سادگی کے ساتھ ہوا۔ اس تقریب میں کوئی ظاہری سجاوٹ و چہل پہل تو قطعاً نہ تھی لیکن سنت کے طریقہ پر "ایسر النکاح اخفها مؤنة" کا روح پرور منظر تھا جو شادی بیاہ کی موجودہ رسموں اور گرانباری سے پریشان معاشرہ کو درس عبرت دے رہا تھا کہ جس دینی کام کو اللہ اور اللہ کے رسول نے اتنا آسان بنایا ہے تم نے اپنے ایجاد کردہ طریقوں اور نمود و شہرت کی طلب میں اس کو کتنا مشکل بنا لیا ہے کہ زندگی وبال بن گئی ہے۔ جن بچوں اور بچیوں کے نکاح ہوئے ان کے نام درج ذیل ہیں کاش ملت اسلامیہ کے افراد یہی آسان طریقہ اپناتے اور مصیبتوں سے نجات پاتے۔ (ادارہ)

محمد احرار قریشی	همراه	ہما بانو
محمد رضوان قریشی	〃	کہکشاں بانو
عین العارفین قریشی	〃	شکیلہ انجم
محمد عارف قریشی	〃	فرح ناز
محمد عزیز قریشی	〃	رضوانہ بانو
شہاب الدین قریشی	〃	عائشہ خاتون
محمد عتیق قریشی	〃	پھول بانو
نظر الدین قریشی	〃	سیما بانو

محمد شاہد بن قریشی	همراه	مینا خاتون
غلام محی الدین قریشی	〃	عرشی بیگم
محمد شکیل قریشی	〃	عاشقہ خاتون
جمیل احمد قریشی	〃	چاند بانو
محمد شبیر قریشی	〃	آصفہ پروین
محمد حلیم قریشی	〃	شائستہ بانو
محمد عمران قریشی	〃	شب نور
محمد فرقان قریشی	〃	نکہت پروین
محمد راشد قریشی	〃	نگار فاطمہ
محمد طارق قریشی	〃	آفرین بانو
محمد فہیم قریشی	〃	کنیز فاطمہ
محمد شریف قریشی	〃	شبینہ بانو
محمد اکرم قریشی	〃	تاج بانو
شاہ نواز قریشی	〃	سالمہ خاتون
محمد رہنما قریشی	〃	حنا کوثر
محمد فہیم قریشی	〃	عذرا بانو
محمد رضوان قریشی	〃	فہمینہ بانو
محمد رئیس قریشی	〃	فریدہ بانو
محمد عتیق قریشی	〃	فرزانہ بانو
محمد گلزار قریشی	〃	غوثیہ پروین
محمد صغیر قریشی	〃	قمر جہاں
محمد مشفق قریشی	〃	حما پروین

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

عیدالاضحیٰ کے چند مسائل

س:۔ قربانی کس پر واجب ہے؟

ج:۔ قربانی ہر اس مسلمان عاقل، بالغ، مقیم پر واجب ہے جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی (تقریباً ڈھائی سو گرام چاندی) یا اس کی قیمت کا مال حاجات اصلیہ سے زائد ہو۔

س:۔ کیا قربانی واجب ہونے کے لئے سال گذرنا شرط ہے؟

ج:۔ قربانی واجب ہونے کے لئے مال پر سال گذرنا شرط نہیں ہے۔

س:۔ ایک شخص قربانی کی استطاعت رکھتا ہے پھر بھی نہیں کرتا تو کیا اس پر کچھ وعید ہے؟

ج:۔ ہاں! اس کے لیے سخت وعید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قربانی کی استطاعت رکھتا ہے اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے (یعنی وہ خدا کے حضور میں حاضری کے لائق نہیں ہے)۔

س:۔ عیدالاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ عید کی نماز تک کھانے پینے سے رکا رہے، یہ حکم کس کے لئے ہے، جو قربانی کرنے والا ہے اس کے لئے یا سب کے لئے؟

ج:۔ یہ صرف قربانی کرنے والے کے لئے نہیں ہے بلکہ سب کے لئے مستحب ہے کہ روزہ دار کی طرح رہیں۔ اور عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد کھائیں، اور اگر خود قربانی کی ہے تو اپنی قربانی سے کھائیں۔

س:۔ ایک شخص پر قربانی واجب تھی لیکن اس نے قربانی نہیں کی یہاں تک کہ دن گذر گئے تو اب وہ کیا کرے؟

ج:۔ ایک بکری کی قیمت صدقہ کر دے اگر قربانی کے لئے جانور لے لیا ہے تو اس کو اختیار ہے، چاہے تو اس کو صدقہ کر دے، یا اس کی قیمت خیرات کر دے۔

س:۔ چرم قربانی خود استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ج:۔ خود استعمال کر سکتے ہیں، لیکن اگر اس کو فروخت کر دیا ہے تو اب قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے اس کو خود نہیں استعمال کر سکتے ہیں۔

س:۔ اگر بچہ صاحب نصاب ہو تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

ج:۔ بچہ پر قربانی واجب نہیں ہے، اگرچہ وہ صاحب نصاب ہو۔

س:۔ ایک شخص قربانی کا گوشت تقسیم نہیں کرتا بلکہ فریز میں رکھ کر کھاتا ہے، شرعاً اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

ج:۔ اس کا یہ عمل خلاف اولیٰ ہے، کیونکہ افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے میں تقسیم کرے، ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے رکھے، ایک حصہ احباب وغیرہ میں تقسیم کرے، ایک حصہ فقراء و مساکین میں تقسیم کرے۔

س:۔ کیا اس جانور کی قربانی کر سکتے ہیں جو صرف ایک آنکھ سے دیکھتا ہو، اسے دوسری آنکھ سے نہ دکھائی دیتا ہو؟

ج:۔ نہیں! ایسے جانور کی قربانی نہیں کر سکتے ہیں؟

س:۔ کیا اس جانور کی قربانی کر سکتے ہیں جس کے کان کٹے ہوں؟

ج:۔ نہیں! ایسے جانور کی قربانی نہیں کر سکتے ہیں جس کے کان کٹے ہوں۔

س:۔ کیا بیوی کی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے؟

ج:۔ واجب نہیں ہے۔

س:۔ ایک بکرا لنگڑاتا ہے تو کیا اس کی قربانی ہو سکتی ہے؟

ج:۔ اگر اتنا لنگڑاتا ہو کر خود مذبح تک نہ جا سکے، تو تو قربانی درست نہیں ہے۔

س:۔ ذبح کرتے وقت جانور کا رخ قبلہ کی طرف کرنا کیسا ہے؟

ج:۔ مسنون ہے۔ بغیر عذر قبلہ کی جانب منہ نہ کرنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

بقیہ:۔ ایمانی انقلاب کی ضرورت

باطل سے بیزار اور صف آرا کر دے، اللہ وحدہ لاشریک کے علاوہ ہر طاقت وطاغوت کی نفی کر دے مال و دولت، ظاہری شان و شوکت اور جاہ و مرتبت کی وقعت دلوں سے نکال دے، اگر ہم نے ایسا نہج تیار کر لیا تو یقیناً ہمارا نظام کامیابی کی منزلیں طے کرتا رہے گا اور ان لوگوں کا خواب جن کو اسلامی بیداری کھٹکتی ہے شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا اور پھر وہ اسلامی نسل تیار ہو گی جس کی اسلامی دنیا ہی نہیں بلکہ ساری دنیا عرصہ سے محتاج ہے۔

(بقیہ) قربانی کی اصل روح

بارگاہِ قدس سے وہ بقائے دوام، حیات جاویدہ اور "بل ھم احیاء" کے سرِ غلعت سے سرفراز ہوتا ہے۔ جنت کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں، اور خداوند تعالیٰ اپنے پاس کی روزی سے اس کو سیر فرماتا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(بشکریہ معارف مارچ ۱۹۳۶ء)

بقیہ مطالعہ حدیث کی بنیادی باتیں

بغوی کی مصابیح السنۃ ہے۔

کتب حدیث کی اس اہم اور قیمتی فہرست میں جو مقبول بھی ہوئیں اور ان کے درس وتدریس اور شروح وحواشی کا سلسلہ رہا مشکوٰۃ المصابیح بھی شامل ہے۔ جو شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی کی تصنیف ہے۔ جن کی وفات ۷۴۳ھ کے بعد ہوئی[5] یہ خاص طور پر ہندوستان میں نصاب درس میں بھی شامل کی گئی اور اس کی شروح وتعلیقات بھی لکھی گئیں۔

اس کی خصوصیات جاننے کے لئے اور اس کی قدر ومنزلت پہچاننے کے لئے ان کتابوں کو ملاحظہ کیا جائے جو تدوین حدیث کی تاریخ، تراجم اور علمی موسوعات کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ وہ علوم وفنون جو حدیث کی خدمت وحفاظت اور اس سے استفادہ کے لئے وجود میں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی احادیث کی حفاظت اور اس سے تشکک وارتیاب دور کرنے کے لئے ایسے علوم وفنون اور مساعی کے مختلف گوشوں کی طرف رہنمائی کی، اس کی طرف وہی توجہ کرسکتا تھا اور وہی اس سلسلہ میں محنتیں صرف کرسکتا تھا جو ان کے خلود وبقا، ان کی طرف سے دفاع اور ان سے انتفاع واستفادہ کو سہل ومیسور بنانے کا خواہاں ہو۔

اصول حدیث کا علم

اسی مبارک تحریک کا نتیجہ تھا کہ وہ اصول وقواعد منضبط ہوگئے، جن کو علماء نے وضع حدیث کے مقابلہ کے لئے تیار کیا تھا اس طرح سے اصول حدیث کا علم مدون ہوا، جس میں احادیث کی تصحیح کے لئے علمی قواعد وضع کئے گئے اور یہ تاریخ میں سب سے زیادہ صحیح قواعد تھے، جو روایات واخبار کے لئے منضبط ہوئے۔

علم اصول حدیث کا موضوع، احادیث صحیح، حسن اور ضعیف کی تقسیم پھر ان تینوں کی قسمیں، متن واسناد کے لئے مطلوبہ شرطوں کا بیان، روایات میں اگر علت واضطراب اور شذوذ آگیا ہو تو اس کی وضاحت، کن بنیادوں پر روایت رد کردی جاتی ہے اور کب توقف کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ کسی دوسری صورت سے تقویت ہو جائے، سماع حدیث کی کیفیت اور اس کے تحمل وضبط کا بیان محدث اور طالب حدیث کے آداب اور اس کے علاوہ دوسری متفرق بحثیں اور قواعد ہیں جو ابتدا کی تین صدیوں میں صرف علماء کے ذہنوں میں تھے یہاں تک کہ ان کے جمع وترتیب اور تصنیف وتدوین کا کام ہوا، جیساکہ دوسرے اسلامی علوم کا حال ہے کہ وہ تدریجاً مدون ہوئے ہیں[6]۔

اصول حدیث کی ان کتابوں میں جن سے اس فن کے مبادیات کے حصول میں فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اور ہندوستان کے نصاب درس میں ان کو شامل کیا گیا ہے، نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر اور اس کی شرح نزھۃ النظر ہے یہ دونوں کتابیں علامہ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی کے قلم سے ہیں۔

علم جرح وتعدیل

ان ہی مبارک مساعی کا نتیجہ جرح وتعدیل کا فن ہے، جس میں راوی کے حالات، اس کی امانت داری، عدالت وثقاہت اور ضبط اور اس کے برخلاف اس کے کذب وافتراء اور غفلت ونسیان سے بحث کی جاتی ہے، اس مبارک تحریک کے نتیجہ میں جو علوم وفنون وجود میں آئے ان میں یہ علم بڑا اہم اور قیمتی ہے تاریخ امم میں علم کو اس کی مثالیں نہیں ملتیں، اس علم کے وجود کا سبب بذات خود جانچنے پرکھنے اور جو معاصر نہ ہوتے ان کے بارے میں ان کے دیکھنے والوں سے دریافت کرتے اور اپنی رائے کا برملا بغیر کسی گناہ کے خوف کے اعلان کرتے، اس لئے کہ یہ اللہ کے دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا دفاع تھا جس میں وہ مشغول تھے۔ (جاری)

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ص ۲۰۷-۲۱۲ھ۔

[2] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے موطا کی دو شرحیں تحریر فرمائی ہیں۔ پہلی عربی میں ہے اس کا نام المسوّیٰ ہے دوسری فارسی میں اور اس کا نام المصفّیٰ ہے۔

[3] علامہ جلیل مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ نے اس پر بیش قیمت حواشی تحریر فرمائے ہیں جو علمیت اور تقابلی فقہی استدلالات سے بھرپور ہیں۔ اور طلباء اور مدرسین کے لئے بڑے قیمتی ہیں۔ اس کا نام مصنف نے "التعلیق الممجد" رکھا ہے یہ کتاب ڈاکٹر تقی الدین ندوی کی تحقیق وتعلیق اور راقم سطور اور شیخ ابوالفتاح ابوغدہ کے مقدموں کے ساتھ تین جلدوں میں دارالقلم دمشق سے شائع ہوئی۔

[4] اقتباس از مقدمہ کتاب اوجز المسالک بقلم راقم سطور۔

[5] مشکوٰۃ کی شروح میں سب سے زیادہ قدیم شرح خود مصنف مشکوٰۃ کے استاد امام شرف الدین بن محمد عبداللہ طیبی کی تصنیف کردہ ہے۔ جو گیارہ جلدوں میں ہے اس کے علاوہ سب سے زیادہ معروف ومتداول شرح امام ملا علی قاری کی مرقاۃ المفاتیح ہے یہ بھی گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے، اخیر دور کی شروح میں محدث جلیل مولانا عبیداللہ مبارکپوری کی مرقاۃ المفاتیح اہم اور ضخیم شرح ہے، جو دس جلدوں پر مشتمل ہے اور ابھی مکمل نہیں ہوئی اس کی تکمیل مولانا عبیداللہ صاحب کے فاضل صاحبزادہ مولانا عبدالرحمن صاحب کر رہے ہیں، کتب احادیث کی اس قیمتی فہرست میں اعلاء السنن بھی شامل ہے جو اکیس جلدوں پر مشتمل ہے یہ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب کی تصنیف ہے جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مشورہ اور نگرانی میں لکھی گئی یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس کو علم حدیث کا دائرۃ المعارف قرار دیا جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰ مئی ۱۹۹۵ء مطابق ۹ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

جلد نمبر ۳۲

شمارہ نمبر ۱۳

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی

مولانا محمود الازہار ندوی

مولانا سلمان حسینی ندوی

مولانا محمد خالد ندوی

مولانا عبد الرشتی ندوی

مولانا محمد رضوان ندوی

مولانا ... رشید ... ندوی

زرتعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ——— ۵ روپے

—— بیرونی ممالک فضائی ڈاک ——

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

——— ۲۵ ڈالر

—— بیرونی ممالک بحری ڈاک ——

بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ———

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن دپیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ——— مینجر

مینجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ ـ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/- روپئے کے حساب سے زرضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH - K.S.A.

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - UK.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

آزادیٔ گفتار کے پردے میں

دنیا میں صرف ایک اسلام ہی تو مذہب نہیں ہے، بدھ، کنفوشش، چینی، آریائی، آتش پرست، عیسائیت، موسویت (یہودیت) اور پھران سب کے اقسام وفروع، دس بیس ہوں تو ان کو شمار کیا جائے، صرف ہندوستان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں اتنے مذہب ہیں اور اتنی زبانیں بولی جاتی ہیں کہ گویا یہ ملک اُلسِنہ وادیان کا ایک جنگل ہے۔

لیکن کسی مذہب کو اپنے وجود وتشخص کو باقی رکھنے کے لئے کوئی قیمت ادا کرنا پڑی ہے؟ اس کے ماننے والے کو محض عقیدہ کی بنا پر جسمانی ایذاء، ذہنی وقلبی اذیت پہونچائی گئی ہے؟ ایسے لوگوں کی بستیاں جلا کر خاک سیاہ کی گئی ہیں جن کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ خدائے واحد کے عبادت گذار اور عبادت کا راستہ دکھانے والے کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں، اس عقیدہ کی بنا پر ان سے جنگیں لڑی گئی ہیں؟ ان کے خون سے دریاؤں کے رنگ بدلے گئے ہیں؟ ان کی مقدس کتاب کو نعوذ لاطائل ثابت کرنے کے لئے کوئی اکیڈمی قائم ہوئی ہے؟ یا کوئی رسالہ ماہوار یا سہ ماہی نکالا گیا ہے، کوئی کتاب ریسرچ اور تحقیق کے نام پر شائع کی گئی ہے جس کا مقصد ان کی مقدس کتاب یا "اوتار" کو باطل قرار دینا ہو؟

لیکن اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے درپے پورا یورپ ہے اور وہ بھی آج سے نہیں صدیوں سے یہ سلسلہ چل رہا ہے قرآن کے ترجمے کے نام پر کبھی تلخیص کے نام پر کبھی تحقیق وانکشاف کے نام پر سیکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور کوئی نسل ایسی نہیں جس نے مسیحیت کی بقا اسی میں مضمر نہ سمجھی ہو کہ اسلام کے خلاف عام انسانوں کے جذبات وافکار ابھارے جائیں، کوئی قرآن پر اپنے آپ کو اتھارٹی بتاتا ہے، کوئی سیرت نبوی کا ماہر بتایا جاتا ہے، کوئی احادیث نبویہ کو اپنا موضوع بناتا ہے اور سلسلہ ختم ہونے پر نہیں آتا، اڈنبرہ یونیورسٹی میں ایک خاص اسکالرشپ قرآن پر کام کرنے والوں کو نصف صدی سے دیا جا رہا ہے، بشرطیکہ اس کی تحقیق کی ابتداء اس مفروضہ سے ہو کہ "قرآن پیغمبر اسلام کی تصنیف ہے"۔ یہ کام صرف علمی سطح پر نہیں بلکہ سیاسی سطح پر بھی جاری ہے۔

کبھی آپ نے سنا ہے کہ کوئی فرد اپنے مذہب سے مرتد ہو کر، اس کی بدگوئی وبدزبانی کا ارتکاب کرے تو عصر حاضر کی بڑی حکومتیں اس کے لئے اپنی آغوش شفقت وا کر دیں، اس کو سروں پر بٹھائیں، اس کو بڑے بڑے ایوارڈ دیں، اس کی حفاظت پر اتنا خرچ کریں جتنا خود اپنے ملک کے وزیر اعظم کی سیکورٹی پر خرچ نہ کرتے ہوں۔

ان کی قدردانیوں کو دیکھ کر ہمیں احاطہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک کتّے پر ترس آتا ہے، اس احاطہ میں رہنے والے سب جانتے ہیں کہ جب اذان کی آواز بلند ہوتی ہے تو یہ بھونکنے اور رونے لگتا ہے، ادھر اللہ اکبر کی آواز آئی ادھر اس کے دل پر چوٹ پڑی۔ اشہد أن محمداً رسول اللہ کی آواز اس سے برداشت نہیں ہوتی، کئی بار اس کو چوکیداروں اور لڑکوں نے مار بھگایا مگر پھر کسی نہ کسی طرح آجاتا ہے۔ سوچتا ہوں کہ اگر اہل یورپ یہ سن لیں تو اس کو چارٹر ہوائی جہاز پر بٹھا کرلے جائیں۔ سویڈن کی حکومت تو زمرد کا گلوبند اور سونے کی زنجیر اس کی گردن میں ڈالے، برطانیہ اس کو سب سے بڑا قومی اعزاز دے، فرانس میں اس کے استقبال کے لئے عجائب خانے کے تمام نسلوں کے سگانِ ہنرمند جمع کرائے جائیں، اس کے حق خود ارادیت یا رونے اور بھونکنے کی آزادی کا حق بین الاقوامی سطح پر تسلیم کرایا جائے، اور اس کی وہ آؤ بھگت ہو کہ ہماری گلیوں کے دوسرے کتوں کی بھی رال ٹپکنے لگے۔

کبھی آپ نے غور کیا کہ کمیونزم کا ستر سالہ ڈرامہ جب ختم ہوا اور وسط یورپ کے ممالک آزاد ہوئے تو جن ممالک میں عیسائی ویہودی تھے وہاں کسی کی نکسیر بھی نہیں پھوٹی، انتقال حکومت کہیں آسانی سے کسی معمولی آدیزش کے بغیر تسلیم کر لیا گیا، مگر آذربائجان، بلقان کے ممالک بوسنیا ہرسک، چیچان

گیا دہی ہو رہا ہے جو بقول چرچل کے "ہماری جنگ ایک ایک درخت کے ایک ایک پتے پر جاری رہے گی۔ لاکھوں انسانی جانیں صرف اس جرم میں پامال کی گئیں کہ یہ وہ ممالک ہیں جن کے باشندے کبھی مسلمان تھے، موجودہ نسل کے دادا اور پردادا کا مذہب تھا، اور جہاں تک بوسنیا اور ہرسک کا تعلق ہے ان میں سے ۹۹ فیصد وہ لوگ ہیں جن کو معلوم بھی نہیں تھا، معلوم کرایا گیا کہ ان کے آبا و اجداد مسلمان تھے؟ ایسے سادہ اور دین سے ناواقف لوگوں سے خطرہ کیا تھا؟

کیا اس کے علاوہ بھی کوئی خوف ہے جس کو ہمیشہ تازہ و زندہ رہنے والی "الکتاب" میں بتادیا گیا تھا:۔

"وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ"

ان لوگوں نے ان مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے۔

مگر اہل یورپ کی منزل اس سے بھی بدتر ہے وہ ان لوگوں میں یہ عیب پاتے ہیں کہ ان کے آبا و اجداد مسلمان تھے اور ان کے خوف و دہشت کا محور صرف یہ ہے کہ ؎

ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

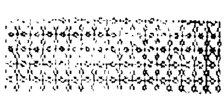
مذہبی رواداری کی قابل تقلید مثال

ارجنٹینی صدر کے نومسلم فرزند کی پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ اسلامی طریقے کے مطابق تجہیز و تدفین

انگلش عربی بین الاقوامی کثیر الاشاعت ہفت روزہ مسلم ورلڈ (العالم الاسلامی) کے تازہ شمارہ کے پہلے صفحہ پر یہ خبر چھپی ہے کہ ارجنٹینا کے صدر کے بڑے صاحبزادے کارلاس منعم جنھوں نے اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا کا ہیلی کاپٹر کے ایک حادثہ میں انتقال ہو گیا۔ اسلامی طریقہ پر تجہیز و تکفین کے بعد بوئنس ایرس میں مسلمانوں کے قبرستان میں اسلامی طریقہ کے مطابق انھیں دفن کیا گیا۔

ارجنٹینا کی تاریخ میں شاید پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ تجہیز و تدفین کی اسلامی رسم کی اس سطح سے اور اس اعزاز کے ساتھ ادائیگی عمل میں آئی ہے۔ اس موقع پر حکومت کے تمام اہلکار، وزراء، فوج اور پولیس کے عہدیداران، ممبران پارلیمنٹ اور حکومت کے نمائندے موجود تھے، قصر جمہوریت نے پہلی مرتبہ ایک سرکاری بیان جاری کیا جس میں کہا گیا ہے کہ جنازہ قصر جمہوریت سے پہلے اسلامک سینٹر لیجایا جائیگا۔ اور پھر وہاں سے مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کیا جائے گا اس بیان کو ملک کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے اہمیت کے ساتھ نشر کیا۔ اسی طرح پہلی مرتبہ صدارتی محل سرکاری سوگ کے دنوں میں قرآن کی تلاوت سے گونجتا رہا۔ خدا مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ (آمین)

عربی سے ترجمہ: آفتاب عالم ندوی



مولانا نجم الدین شکیب ندوی کا حادثۂ وفات

نجم الدین ندوی شکیب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ بھی رہے ... کے بعد کچھ دنوں تک دارالعلوم میں منسلک رہے اس میں حضرت ... صاحب ناظم ندوۃ العلماء کی زیر نگرانی ... سے متعارف کرانے کا کام بڑے سلیقہ کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے خطابت و تحریر دونوں کی صلاحیتوں سے نوازا تھا اور مرحوم نے ان سے خوب کام لیا بعد میں ایک کالج میں درس و تدریس کے کام پر مامور ہوئے وہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد ندوہ سے ایک عرصہ تک متعلق رہے کئی سال تک معہد دارالعلوم کے ناظر بھی رہے اور بڑی خوش اسلوبی سے اپنی ذمہ داری کو نباہا۔ وہ کتب خانہ دارالعلوم میں نائب ناظر بھی رہے یہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنے آبائی وطن تھلینڈی میں ایک اسکول چلانا شروع کیا جس میں جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ میں دینی ذوق و رجحان اور عقیدہ کی پختگی کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ مرحوم نے یہ کام ایسے وقت شروع کیا جب ان کی صحت تیزی کے ساتھ گرتی جا رہی تھی لہٰذا اس کام کو زیادہ دنوں تک نبھا نہ سکے ادھر کئی سال سے صاحب فراش تھے۔ نہایت ضعف و معذوری کے باوجود اپنے رفیق درس حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ جن سے مرحوم کو عقیدت کا تعلق تھا ملنے آیا کرتے تھے عرصہ سے لکھنؤ ہی میں مقیم تھے وصیت تھی کہ نماز جنازہ حضرت مولانا پڑھائیں مگر تقدیر کی بات مولانا مدظلہ اعظم گڈھ دارالمصنفین کے جلسہ میں تشریف لے گئے تھے چند گھنٹوں کا فرق ہوا اور ان کی وصیت پوری نہ ہو سکی نماز ظہر کے بعد ندوہ کے علماء، طلبا اور اہل تعلق کے تقریباً ڈھائی ہزار مجمع نے نماز جنازہ ادا کی۔ ندوہ کے گیٹ تک طلباء و اساتذہ نے جنازہ کو کاندھا دیا وہاں سے بس کے ذریعہ جنازہ آبائی وطن تھلینڈی لے جایا گیا۔ جہاں اہل وطن نے دوسری نماز جنازہ پڑھی اور تدفین عمل میں آئی مرحوم مولانا عبدالسلام صاحب ... مرحوم کے اعزہ میں تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو لڑکی ... چھوڑی ... صبر جمیل کی توفیق دے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے ﻪ سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے ... انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انسانی شرافت وعظمت کا اعلان

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اسلام کا نوع بشری پر ایک بڑا احسان، انسان کی شرافت وعظمت اور اس کے علوئے منزلت کا اعلان ہے۔ بعثتِ محمدی سے پہلے انسان ذلت ونکبت کی پستی میں گر چکا تھا۔ اور روئے زمین پر اس سے زیادہ ذلیل وحقیر چیز نہیں رہ گئی تھی، بعض مقدس حیوان اور اشجار جن سے اساطیری (LEGENDARY) روایات اور معتقدات وابستہ تھے وہ اپنے پرستاروں کے نزدیک زیادہ مکرّم ومحترم تھے۔ اور انسان کے مقابلے میں انھیں حفاظت کا زیادہ مستحق سمجھا جاتا تھا خواہ اس کے لیے معصوم کا خون ہی کیوں نہ بہانا پڑے ایسے شجر وحجر کے آگے انسان کا خون اور گوشت بھی بے تکلف اور ضمیر کی خلش کے بغیر پیش کر دیا جاتا تھا ہم نے اس کی مکروہ تصویریں اس بیسویں صدی میں ہندوستان جیسے بعض ترقی یافتہ ممالک میں بھی دیکھی ہیں۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کو اس کی شرافت وعظمت واپس کی اور اس کا کھویا ہوا وقار واعتبار بحال کیا، اور یہ اعلان کیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے قیمتی وجود اور گرانقدر جوہر ہے اور یہاں اس سے زیادہ باعظمت اور محبت وحفاظت کی مستحق کوئی اور شے نہیں، آپ نے انسان کا درجہ اتنا بلند کیا کہ وہ اللہ کا نائب وخلیفہ قرار پایا جس کے لیے اس نے دنیا پیدا کی اور اسے اپنے لیے پیدا کیا:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ - ۲۹)

ترجمہ: وہ وہی (خدا) ہے جس نے پیدا کیا تمھارے لیے جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب

قرآن نے اسے اشرف المخلوقات اور صدر کائنات بتایا!

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا

ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور ہم نے انھیں خشکی اور دریا دونوں میں سوار کیا۔ اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں عطا کیں، اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی (الاسراء - ۷۰)

اور اس ارشاد نبوی سے زیادہ انسان کی عزت وعظمت کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے:

الخلق عیال اللہ، فأحب الخلق الی اللہ من أحسن الی عیالہ[1]

خدا کی مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اللہ کو مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔

انسانی رفعت اور اس کی خدمت کے ذریعہ تقرب الٰہی حاصل کرنے کے سلسلہ میں یہ حدیث بہت بلیغ اور معنی خیز ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ:-

"اللہ تعالیٰ قیامت میں پوچھیں گے اے ابن آدم! میں بیمار پڑا۔ مگر تو نے میری عیادت نہیں کی؟ آدمی کہے گا یارب! آپ تو رب العالمین تھے۔ میں آپ کی عیادت کیسے کرتا؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تمھیں علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا مگر تم نے اس کی عیادت نہیں کی؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اگر تم اس کی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس پاتے۔

اے ابن آدم! میں نے تم سے کھانا مانگا تو تم نے مجھے کھلایا نہیں؟ آدمی کہے گا کہ بار الٰہا! آپ تو دنیا کے پالن ہار تھے میں آپ کو کیسے کھانا کھلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندہ نے تم سے کھانا مانگا مگر تم نے اسے کھانا نہیں دیا۔ اگر تم اسے کھلاتے تو مجھے..... اس کے پاس پالیتے، اے ابن آدم! میں نے تم سے پانی مانگا مگر تم نے مجھے پانی نہیں دیا؟ آدمی کہے گا خدایا! آپ تو رب العالمین ہیں، میں آپ کو پانی کیسے پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے فلاں بندہ نے تم سے پانی مانگا مگر تم نے اسے پانی نہیں دیا، اگر تم اسے پانی پلاتے تو مجھے اس کے قریب پاتے[2]

کیا انسانی رفعت وعظمت [illegible] سے زیادہ واضح اور صریح کسی اعلان کا تصور کیا جا سکتا ہے جیسے دین توحید نے پیش کیا ہے؟

---

[1] سنن بیہقی۔ [2] صحیح مسلم۔

اور دنیائے قدیم و جدید کے کسی دین و فلسفہ کے تحت انسان نے کبھی ایسی عظمت و منزلت حاصل کی ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدم زادوں (انسانوں) پر رحم کرنے کو اللہ کی رحمت کے نزول کی شرط لازم بتاتے ہوئے فرمایا:۔

الراحمون یرحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء[1]

رحم کرنے والے پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

وحدتِ انسانیت اور عظمتِ انسانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کے لیے جدوجہد سے پہلے دنیا کی سیاسی و اجتماعی حالت کا کچھ اندازہ کرنا ضروری ہے۔

آپؐ کی بعثت سے پہلے ایک ایک فرد کی مرضی پر ہزاروں انسانوں کی زندگیاں موقوف رہتی تھیں، کوئی بادشاہ اٹھتا اور ملکوں اور قوموں اور کھیتوں اور آبادیوں کو پامال کرتا چلا جاتا، اور راج ہٹ یا سیاسی تفوّق کی خاطر خشک و تر کو تہس نہس کرکے رکھ دیتا۔

سکندر اعظم (ALEXANDER THE GREAT) (۳۵۶ - ۳۲۴ ق م) آندھی پانی کی طرح اٹھتا ہے اور ایران، شام، ساحلی ممالک، مصر اور ترکستان کا بڑا حصہ زیر و زبر کرتا ہوا شمالی ہند پہونچ جاتا ہے۔ وہ فتح و تسخیر کے اس طویل سفر میں صدیوں کی قدیم اور ترقی یافتہ تہذیبوں اور تمدنوں کو خاک میں ملا دیتا ہے

جولیس سیزر (JULIUS CAESAR) (م ۴۴ ق م) اور دوسرے فاتحین اور فوجی قائدین جیسے قرطاجہ (CARTNAGE) کا ہنی بال (HANNIBAL) (۲۴۷ - ۱۸۲ ق م) اور دوسرے فوجی قائد اور کشورکشا انسانی آبادیوں میں اس طرح شکار کھیلتے ہیں، اور ہزاروں، لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارتے چلے جاتے ہیں جیسے مشاق و بے درد شکاری بلا امتیاز جنگلی جانوروں کا شکار کرتے ہیں۔

تباہ کاری اور انسانی زندگی و برگزیدگی کے ساتھ یہ کھلواڑ حضرت مسیح علیہ السّلام کے ظہور کے بعد بھی جاری رہی، چنانچہ ان کے بعد کے انسانیت پر ظلم ڈھانے والوں اور سنگ دلوں میں نیرو (NERO) (م ۶۸ء) جیسے لوگوں نے اپنے ہم وطنوں کو بھی اپنے ظلم کا نشانہ بنایا، اور اپنی ماں اور بیوی کو بھی نہیں بخشا، یہی شخص روما کی عظیم آتش زدگی کا بھی ذمہ دار ہے، جب روما آگ کے شعلوں میں جل رہا تھا تو وہ چین کی بانسری بجا رہا تھا[2]

یورپ کے وحشی قبائل یعنی مغربی و مشرقی گاتھ اور ونڈال وغیرہ جو بعثت محمدی سے ایک صدی قبل پانچویں صدی مسیحی میں سرگرم تھے، وہ دنیا کی بڑی بڑی اور متمدن راجدھانیوں کو تاراج کردیتے اور...... روئے زمین پر بڑے پیمانے پر خوف اور دہشت پھیلا دیتے تھے[3]

عربوں کی نظر میں انسانی زندگی کی قدر و قیمت اتنی کم تھی کہ جنگ اور خونریزی..... ان کے لیے ایک کھیل بن گئی تھی، اور معمولی سا واقعہ بھی جنگ کا محرک بن جاتا تھا، چنانچہ بنی وائل کے دو قبیلوں بکر و تغلب کے درمیان چالیس سال تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا جس میں پانی کی طرح خون بہا، بات صرف اتنی تھی کہ کلیب (رئیس معد) نے بسوس بنت منقذ کی اونٹنی کے تھن پر تیر مار دیا تھا، جس سے اس کا خون دودھ میں مل گیا تھا۔ اس کے باعث جساس بن مرہ نے کلیب کو قتل کردیا، اور بکر و تغلب میں جنگ چھڑ گئی۔ اس خانہ جنگی کے بارے میں کلیب کا بھائی المہلہل کہتا ہے:۔

"انسان فنا ہوگئے، مائیں بے اولاد ہوگئیں، بچے یتیم ہوگئے، آنسو رکنے کا نام نہیں لیتے، اور مردے بے کفن دفن پڑے ہیں۔"

اسی طرح داحس و غبراء کی جنگ کا سبب یہ ہوا کہ داحس جو قیس بن زہیر کا گھوڑا تھا، وہ قیس اور حذیفہ بن بدر کے درمیان مقابلہ میں آگے نکل گیا تھا، جس پر ایک اسدی نے حذیفہ کے کہنے پر گھوڑے کو چھیڑا اور اس کے چہرہ پر طمانچہ مارا اور اس وجہ سے وہ گھوڑا پچھڑ گیا۔

اس واقعہ کے بعد قتل و انتقام اور قبائلی جنگ، قید و بند اور قبیلوں کے ترک وطن کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا اور اس میں ہزاروں آدمی مارے گئے[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کے غزوات کی کل تعداد ستائیس[27] یا اٹھائیس[28] ہے اور سرایا کی تعداد ساٹھ[60] تک پہونچتی ہے ان میں جنگی تاریخوں کو دیکھتے ہوئے سب سے کم خون بہایا گیا۔ ان میں طرفین کے صرف ۱۰۱۸ آدمی مارے گئے، اور ان غزوات کا مقصد انسانی جانوں کی حفاظت، انسانی مفادات کا دفاع تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ اخلاقی آداب اور شریفانہ تعلیمات کی اس طرح پابند تھیں کہ نوعِ انسانی کے حق میں تعذیب کے بجائے تادیب

---

[1] سنن ابی داؤد۔ [2] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، ولیم لینگر (WILLIAM-L. LANGER) طبع ۱۹۶۴ء

[3] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: ولیم لینگر (WILLIAM L LANGER)

[4] ملاحظہ ہو "ایام العرب"

کا حکم رکھتی تھیں۔ ؎۱

اسلام ایمان اور اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ انسان کی عظمت و شرافت کا ایسا شعور پیدا کرتا ہے جس سے ایک مسلمان اس معاملہ میں بہت زود حس ہوجاتا ہے، وہ انسان کو کسی حال میں جانوروں کے درجہ میں نہیں اتارتا اور نہ وہ ان سے حیوانوں جیسا سلوک پسند کرتا ہے۔ اور نہ انھیں اپنے ذاتی تفوّق کے لیے غلام بناتا ہے۔ وہ اپنے اور دوسرے انسانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھتا کہ ان سے توہین آمیز سلوک کرے، یہاں انسانی مساوات اور احترام انسانیت کے سلسلہ میں بطور نمونہ صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے:۔

" حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ ان کے پاس مصر کے ایک قبطی نے فریاد کی، آپ نے دریافت فرمایا تو اس نے کہا عمرو بن العاص نے مصر میں گھوڑ دوڑ کرائی جس میں میرا گھوڑا آگے نکل گیا اور لوگوں نے اسے دیکھا بھی، مگر محمد بن عمرو بن العاص کہنے لگے کہ بخدا یہ میرا گھوڑا ہے، وہ جب قریب آئے تو میں نے انھیں پہچان کر کہا کہ نہیں بخدا یہ میرا گھوڑا ہے، اس پر وہ مجھے کوڑوں سے مارنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ جانتے نہیں کہ میں ابن الاکرمین (شریف زادہ) ہوں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ بیٹھو! پھر عمرو بن العاص کو لکھا کہ میرا خط دیکھتے ہی تم اور تمھارے بیٹے محمد حاضر ہوجائیں، راوی کہتا ہے کہ عمرو بن العاص نے اپنے بیٹے کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم نے کوئی جرم کیا ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا تو انھوں نے کہا تب کیوں عمر (رضی اللہ عنہ) نے تمھارے بارے میں لکھا ہے؟ اس کے بعد وہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوگئے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ ہی کے پاس تھے کہ عمرو بن العاص کو ایک لنگی اور چادر میں آتے دیکھا تو حضرت عمرؓ دیکھنے لگے کہ ان کا بیٹا بھی ساتھ ہے یا نہیں، جو ان کے پیچھے پیچھے آرہا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا مصری کہاں ہے؟ اس نے کہا ہاں میں یہاں ہوں، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دُرّہ لے کر ابن الاکرمین (شریف زادہ) کی خبر لو، راوی کہتا ہے کہ اس نے اسے اچھی طرح مارا، پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ عمرو کے سر پر بھی گھماؤ، کیونکہ انھیں کے برتے پر اس نے تمھیں مارا تھا۔ مصری کہنے لگا کہ میں مارنے والے کو مار چکا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم انھیں مارتے تو میں بیچ میں نہ پڑتا جب تک کہ تم ہی نہ انھیں چھوڑتے، پھر فرمایا عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنایا حالانکہ ان کی ماؤں نے تو انھیں آزاد جنا تھا؟ پھر مصری کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ اطمینان سے جاؤ اگر کوئی بات پیش آئے تو مجھے لکھنا۔ ؎۲

ماخوذ از: تہذیب و تمدن پر اسلام کے احسانات

؎۱ فوجوں کو روانہ کرتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے لیے حدیث و سیرت کی کتابیں ملاحظہ ہوں، تفصیل کے لیے دیکھیں راقم الحروف کی کتاب "نبی رحمت" حصہ دوم کا باب "غزوات پر ایک نظر" ص۱۱۵

؎۲ سیرت عمر بن الخطابؓ لابن الجوزی ص۸۶–۸۷

(بقیہ) یورپ خودکشی کی راہ پر

اسی طرح مسلمانوں میں یہ شعور بھی بیدار ہورہا ہے کہ وہ عالمی امت ہیں جن کے پاس صلاحیتیں، قدرتی ذخائر اور اہمیت کے حامل وہ مقامات ہیں جو عالمی سیاست پر اثر انداز ہوسکتے ہیں، اور وہ ایک ایسا عنصر ہیں جس سے بے نیازی ممکن نہیں۔ اس شعور کے پروان چڑھنے اور قوت ارادی، آزادی عمل اور خود اعتمادی کے پیدا ہوتے ہی مسلمانوں کی حالت یکسر تبدیل ہوجائے گی۔

(بقیہ) احمد آباد کا اجلاس

۲۔ جناب مفتی عبدالسلام صاحب نائب صدر
۳۔ ،، غلام محمد میمن ٹرودوی ،، ،،
۴۔ ،، مصطفیٰ صاحب اٹالین بیکری والے ،،
۵۔ ،، مولانا فضل الرحیم صاحب جے پوری ،،
(جامعہ ہدایت جے پور)
۶۔ ،، مولانا غلام محمد استانوی صاحب جنرل سکریٹری
(اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر)
۷۔ جناب ظفر بھائی سکریس والے نائب سکریٹری
۸۔ جناب مولانا حبیب احمد صاحب نائب سکریٹری
(جامعہ فیضان القرآن۔ احمد آباد)

دعائے مغفرت

● محمد خالد قمر متعلم امدادیہ کی والدہ ماجدہ کا صرف ۵۳ سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ واقعہ اچانک اور کم عمری میں پیش آیا اس لیے پسماندگان اور ان کے بچوں کے لیے بڑا سخت حادثہ ہے اللہ تعالیٰ صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

یورپ کامیابی یا خودکشی کی راہ پر؟

مولانا سید واضح رشید ندوی - ترجمہ: عبدالرب حقیق اللہ

کچھ عرصہ سے بعض یورپی ممالک کو قسطنطنیہ کے تھوڈکس چرچ (ORTHODOX CHURCH) بازیابی کی فکر لاحق ہے، اور اپنی اس خواہش کا ن یورپی ممالک نے ترکی سے اظہار بھی کیا ہے اور ںنے دباؤ بھی ڈالنا شروع کر دیا ہے، لیکن اس خلاف ترکی میں اور دوسرے مسلم ملکوں میں شدید عمل پیدا ہوا جس سے ان ملکوں کو یہ احساس ہوا یہ کوششیں اسلامی عناصر کی تقویت کا سبب یں گی، اور اس سے ترکی کے اسلامی برادری سے ابط میں قوت پیدا ہوگی اور وہاں کے نوجوانوں ں اسلامی حمیت اور اسلام سے وابستگی کا جذبہ ار ہو جائے گا، اور اس کا اثر پورے ایشیائی سلم ملکوں پر پڑے گا۔ ترکی اپنے جائے وقوع کے تبار سے یورپ کے دونوں حصوں کے درمیان یس مین اور پہرے دار کی حیثیت رکھتا ہے اس ۓ اس کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، اور اس میں سلامی جذبہ کا دوبارہ احیا یورپ کے لئے خطرہ باعث بن سکتا ہے، اس احساس کے بعد بازیابی یہ مہم مدھم پڑ گئی۔

جائے وقوع کی اس اہمیت اور افادیت وجہ سے یورپ ترکی کو اپنا ہموار رکھنا چاہتا ہے، رپ کی ہمیشہ یہ حکمت عملی رہی ہے کہ جو ممالک جغرافیائی رسیاسی لحاظ سے اسٹریٹجک (STRATEGIC) زیشن رکھتے ہیں ان پر اس کا کنٹرول رہے، مصر زمین کو یہی حیثیت حاصل رہی ہے، فلسطین بھی ان علاقوں میں شامل ہے، یہاں مغرب نے ایسا نظام قائم کر لیا ہے جو اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے اور اس کے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے، بعد مسافت کی بنا پر مغربی ملکوں نے اب خلیج میں اپنے ادارے قائم کرنے شروع کر دیئے ہیں، کیونکہ اس کی قوت خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو دور سے وہ اسرائیل کی حفاظت نہیں کر سکتا، اس لئے کہ وہ ایک ایسی عظیم آبادی کے بیچ گھرا ہوا ہے جو اسے غیر ملکی اور غاصب تصور کرتی ہے اور اس کی مملکت میں اپنے حق کی دعویدار ہے، اور خود اندرون ملک بھی ایک بڑی اکثریت ہے جو اپنے ملک کی بازیابی کے لئے بے قرار ہے، ان حفاظتی انتظامات کے ساتھ ساتھ اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اور اس کی سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے مغرب اس وقت فریقین کے درمیان دوستانہ تعلقات پیدا کرنے میں مصروف و سرگرم ہے، تاکہ اس کے اقتصادی اور دفاعی بوجھ میں کمی آ جائے اور جن بین الاقوامی ذمہ داریوں کا سامنا اسے کرنا پڑتا ہے اس میں کچھ تخفیف ہو جائے۔

یہ اہمیت کے حامل مقامات جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہے خواہ یہ بری ہوں یا بحری، اور یہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، بڑے ممالک کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ جن ممالک میں یہ مقامات موجود ہیں ان کے ساتھ اس کے خصوصی نوعیت کے روابط قائم رہیں، ان پر گذشتہ عہد میں برطانیہ اور فرانس اٹلی اور پرتگال کا قبضہ تھا، اب امریکہ ان سب مقامات پر اپنا کنٹرول چاہتا ہے۔ ان بڑے ممالک میں سے ہر ایک کے اپنے مقاصد ہیں اور ان کے مابین باہم رنجشیں بھی ہیں، اور کشمکش کے وہ پس منظر ہیں جن کے سبب طویل جنگیں ہوئیں، جن کی یاد ذہنوں سے محو ہونے والی نہیں، اگرچہ امریکہ کے علاوہ کوئی بھی ملک اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ تنہا ان مقامات پر مکمل تسلط حاصل کر لے، سوائے اس کے کہ وہ خود وہاں کی حکومتوں کا تعاون حاصل کرے، اور جب تک ان مقامات کی حکومتیں یورپ کے ساتھ تعاون اور اس کی تابعداری کرتی رہیں گی اس وقت تک وہاں سے یورپ کی بالواسطہ سیادت کے ختم ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ یورپی ممالک اسلامی بیداری سے خائف ہیں، کیونکہ اگر یہ بیداری زور پکڑتی ہے تو لامحالہ حاکم طبقہ پر بھی اس کے اثرات پڑے بغیر نہیں رہ سکتے، اسی لیے یورپی اخبارات اسلامی بیداری پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے رہتے ہیں، اور لکھتے رہتے ہیں کہ اگر اسلامی بیداری زور پکڑتی ہے اور حاکم طبقہ اس کے دائرہ میں آ جاتا ہے تو یورپ کے تجارتی، سیاسی اور دفاعی مفاد کو خطرہ لاحق ہو جائے گا، اپنے ان مفادات کے تحفظ ہی کے خیال سے یورپ، اسلامی بیداری کے خلاف جنگ پر آمادہ ہے، یورپ کے تبصرہ نگاروں کے جملہ تبصروں میں یہ تشویش بالکل نمایاں طور پر نظر آتی ہے، بعض تبصرہ نگار اس حد تک خوفزدہ ہیں کہ وہ جنگ کے بجائے اسلامی بیداری کے قائدین سے معاملہ کرنے کی دعوت دینے لگے ہیں اور ان کو اس کا احساس ہونے لگا ہے کہ اسلامی بیداری کی کھلی مخالفت سے بیداری میں قوت پیدا ہو رہی ہے، بعض یورپی قائدین بھی اب سودے بازی کی بات کرنے لگے ہیں۔ ابھی حال میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے کہ اسلامی بیداری کے خلاف بہت

شور مچانے سے اس رجحان میں اضافہ ہوا ہے، اور یہ جنگ اسلام پسندوں میں مزید قوت واستقلال پیدا کرنے کا سبب بنے گی، اور اس کشمکش کے نتیجہ میں اس رجحان کے رکھنے والے عناصر میں ٹرننگ حاصل کرنے اور اسلحہ کے استعمال، اور اپنے دفاع کے وسائل پر غور کرنے کا رجحان پیدا ہوگا، اور اپنے مخالفین کے خلاف غم وغصہ اور ان سے انتقام کے جذبہ میں اضافہ ہوگا۔

یورپ کے لئے سب سے زیادہ فکر کی بات یہ ہے کہ اسلامی بیداری کا مرکز اب خود یورپ ہے۔ بعض یورپی ممالک، مسلمانوں کو دہشت گردی یا اسلام پسندی کے الزام میں جلاوطن کرنے کے لئے جو ذرائع استعمال کر رہے ہیں، اس کے نتیجہ میں ان ملکوں کے اجتماعی اور تجارتی توازن کے بگڑ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے، اس لئے کہ اگر بڑی تعداد میں اسلامی عناصر کو نکالا جائے تو اقتصادی نظام افرا تفری کا شکار ہو جائے گا اور ایک ایسا خلا پیدا ہوگا جس سے کوئی کور چشم بغض پرور ہی چشم پوشی کر سکتا ہے، کیونکہ ان ممالک کی صنعتی زندگی کا دار ومدار بڑی تعداد میں غیر ملکی کارکنوں پر ہے، اور جو صنعتی وتمدنی ترقی ان ممالک کو حاصل ہوئی ہے وہ صرف وہاں کے اصلی باشندوں کے زور پر باقی نہیں رہ سکتی، اور یہ ممالک خواہ کتنی ہی دھمکی کیوں نہ دیں مگر وہ اس بڑی تعداد سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتے جس نے ان ملکوں میں بود و باش اختیار کر لی ہے، وہ وہاں کا ایک جزو لاینفک بن گئی ہے، وہاں کے باشندوں سے گھل مل چکی ہے اور اب اس کی حیثیت بالکل وہاں کے اصلی باشندوں کی سی ہے، مزید برآں اس کارروائی سے وہاں کے موجودہ نظام کے سلسلہ میں لوگوں کے تصورات اور پیمانے بدل جائیں گے، اور یہ عمل ان ممالک کے جمہوریت، سیکولرزم، حقوق انسانی، آزادی عقیدہ وعمل اور آزادی سلوک کے تمام دعووں کی حقیقت کو بے نقاب کر دے گا۔ یہ ممالک کس طرح اس بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ ترقی یافتہ اور متمدن ہیں، ان کے یہاں باشندوں کی سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں اور انھیں مکمل آزادی حاصل ہے؟ جب کہ وہیں پر بعض باشندوں کو ایک خاص طرز کے لباس خاص طرح کے کھانے ومشروب اور خاص نوع کے عقیدہ وعبادت کے اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اس سیاست کو اپناتے ہوئے یہ ممالک، دنیا کے پچاس سے بھی زائد سیاسی، جغرافیائی اور تجارتی اہمیت کے حامل ممالک سے دوستانہ تعلقات کیونکر قائم کر سکتے ہیں۔ یہ اہمیت کے حامل مقامات جو کہ بڑے ممالک کی زندگی کی ناگزیر ضرورتوں کے مالک ہیں، ان کے علاوہ عالم اسلامی کے ممالک، معدنیات، دھات، حیوانات، سمندر اور جنگلات کی ایک عظیم دولت سے مالا مال ہیں، مزید برآں ان کے پاس پیٹرول اور سونے کا وہ سرمایہ موجود ہے جس پر یورپ کی صنعت کا دار ومدار ہے۔

اس کے علاوہ موجودہ زندگی میں، تمام وسائل وآلات کی ایجادات کے باوجود، انسانی طاقت اپنا ایک وزن رکھتی ہے، اور یہ صنعت ودفاع دونوں میں فیصلہ کن اہمیت کی حامل ہے، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور وہ عددی اعتبار سے فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔

بین الاقوامی اسٹیجوں پر، مثلاً اقوام متحدہ اور اس کے مختلف اداروں میں مسلم ملکوں کی تعداد ترجیحی حیثیت رکھتی ہے، وہ اگر کوئی متحدہ موقف اختیار کریں تو وہ عالمی فیصلہ پر موثر ہو سکتا ہے، اگر مسلم ممالک پوری آزادی اور مکمل خود اعتمادی کے ساتھ اپنے اس حق کا استعمال کریں تو وہ عالمی سیاست پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

عصر حاضر میں یورپ کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کو خود ان کی قوتوں کے سرچشموں، ان کے وزن اور دنیا میں ان کے جائے وقوع کی اہمیت کے احساس سے غافل کر دیا ہے، اور وہ پوری تندہی کے ساتھ پیہم مسلمانوں کو اس احساس سے غافل رکھنے کے لئے کوشاں ہے، جیسا کہ اس نے مسلمانوں کو ان کی دینی تعلیمات سے دور کرنے کی انتھک کوششیں کیں، ان کو اپنے مذہب کی تعلیمات سے دور رکھا، قومیت اور لادینیت کی اشاعت کی اور بعض ملکوں میں ان پر الحاد کو لازم قرار دیا، اسلامی تحریکات کے نتیجہ میں مسلمانوں کے اندر دوبارہ دینی شعور بیدار ہو چکا ہے، مگر ابھی یہ صرف شعور ہے یہ عمل کا محتاج ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ عام زندگی اس شعور کے مطابق ہو، مغرب کی یہ پوری کوشش ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے دین پر عمل پیرا ہونے، اور دین کی تعلیمات کو زندگی میں نافذ کرنے سے باز رکھے، اس مقصد کے حصول کے لئے وہ دعوت کا کام کرنے والوں کو ان کی حکومتوں کے ساتھ اختلافات میں الجھانے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی فکر میں ہے تاکہ وہ دینی شعور کی اشاعت کے مشن کو جاری نہ رکھ سکیں۔ بعض حکام نے مغربی حاکموں کے ان فرامین کو قبول بھی کر لیا ہے، اور وہ بھی اسلامی ذہن سے اسی طرح خوفزدہ ہیں جیسے کہ مغرب کے حکام، ان حکام کا ذہن افہام وتفہیم اور اخوت وانسانیت کے جذبہ کے ساتھ تبادلہ خیالات کے ذریعہ بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور ان کو یورپ کے استعماری عزائم کی حقیقت سے واقف کرانا چاہئے تو آہستہ آہستہ یہ اختلافات ختم ہوتے جائیں گے۔

مسلمانوں میں یہ شعور پیدا ہو چکا ہے کہ اسلام کا نظام حیات سب سے بہتر نظام حیات ہے، اگر یہ شعور ان کی زندگیوں میں داخل ہو جائے تو وہ عنقریب ہی خیر الامم ہونے کا درجہ حاصل کر لیں گے،

(باقی ص ۹ پر)

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی

ہندوستان میں دعوتی کام کا ایک اسلوب

ہمارا ملک ہندوستان اس وقت سخت بحران میں مبتلا ہے، کیا ہندو، کیا مسلمان سبھی تیز رفتار زندگی میں جو اب عبارت ہے سخت مقابلے اور مسابقے کے رویے سے، بہے چلے جا رہے ہیں، اور اخلاقی و روحانی اقدار اس تیز روی میں کچل کر رہ گئی ہیں۔ اس صورت میں بحیثیت مسلمان ہمارا کیا فرض ہے، اور ہم کس طرح ملک وملّت کی تاریخ کے اس دور میں اپنا دعوتی و انسانی فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ اس سوال کے کئی پہلو ہیں، میں صرف ایک پہلو سے متعلق چند باتیں عرض کروں گا۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہم مسلمان کسی ملک کسی علاقے میں ہوں، خواہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں، انسانیت کے خدمت گزار اور عام انسانوں کی بھلائی کے خواستگار اور انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی زندگیوں میں اخلاقی و روحانی اقدار کو غالب رکھنے کے لئے کوشاں رہیں۔

زندگی کا کیا مقصد ہے، اس کی آخری منزل کہاں ہے، اور تاریخ کے بہاؤ میں انسان کا اصل موقف اور اصل رول کیا ہے؟ اسلام کا مطالبہ ہے کہ انسان ان سوالوں کو اہم سمجھے اور اپنے فکر و عمل سے، ہر قسم کی صورت حال میں، ان سوالوں کا جواب دیتا رہے۔

انسان کے اندر ہر وقت ایک کشمکش خیر و شر کی رہتی ہے، اور یہ کشمکش منعکس ہوتی رہتی ہے معاشرہ میں، جب کبھی شر غالب آجاتا ہے تو فتنہ و فساد اپنے مختلف روپ میں پھیل جاتا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کی حیثیت سے خیر امت ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے سہارے پکے ایمان و عقیدہ کے ساتھ، فتنہ و فساد کے مقابلے میں کھڑے ہو جائیں اور اصلاح حال کی ہر ممکن کوشش کریں، ضرورت ہو تو جان کی بازی لگا کر۔

لیکن معاشرہ میں اگر فتنہ و فساد نہ ہو، امن وسلامتی کی فضا ہو، تب بھی دعوت اسلامی کا کام جاری رہنا چاہئے۔ امن وسلامتی سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ زندگی کا کاروبار تو بہرحال چلتا رہتا ہے، لیکن معمول کی اس زندگی میں بھی مرد مسلماں کو اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے گہرے جذبے کے ساتھ اپنے اہل خاندان، دوستوں، ہمسایوں اور پورے معاشرہ کے سامنے جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہو سکتے ہیں، ایک اچھی اور صاف ستھری زندگی کا نمونہ پیش کرتے رہنے کا فریضہ ادا کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ عام انسانوں کے لئے منشائے الٰہی کا شاہد و حجت بن جائے، یعنی یہ ایک عمل ہے جو ہر حالت میں جاری رہنا چاہئے۔ فتنہ و فساد کی صورت میں اس عمل میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور غیر معمولی صورتحال کا سامنا ہوتا ہے۔ ایسے میں اس مرد مسلماں کا کام مشکل ہو جاتا ہے اور اس کی آزمائشیں بڑھ جاتی ہیں، لیکن اس کا دینی احساس، یہ احساس کہ وہ اسلام اور خیر امت کا ترجمان ہے، اسے وقت کے اس چیلنج کو قبول کرنے پر آمادہ کرتا ہے، اور تاریخ شاہد ہے کہ اس روشن ضمیر، غیور اور باہمت مرد مسلماں کے دینی جذبے اور صحیح فکر و شعور نے وقت کے دھارے کا رخ موڑ دیا ہے، حالات میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے اور اس کی شخصیت میں فکر و عمل کی کامل آہنگی سے کارگاہِ حیات کو حسن اور رونق ملی ہے۔

اس صورت حال کا سامنا ان علاقوں میں بھی مسلمانوں کو ہوتا ہے جہاں وہ اکثریت میں ہیں اور وہاں بھی جہاں اقلیت میں ہیں۔ یہاں ہم اقلیتی صورت حال کے تعلق سے کچھ کہیں گے۔

اسلام پوری انسانیت کا مذہب ہے، ہمیں یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ کہیں ہمارے رویے سے دوسرے یہ نہ محسوس کرنے لگیں کہ ہم اسلام کو ایک خاص جماعت ہی کا مذہب سمجھتے ہیں۔ یہ تو بعض ان قوموں کی خصوصیت بن گئی تھی جن تک مسلمانوں سے پہلے خدا کا پیغام پہونچا تھا۔ قرآن کریم میں ایسی گروہ بندیوں کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

ہمارے معاشرہ میں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو سیاسی اقتدار و حکومت کو اسلام کا بنیادی مقصد تصور کرتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ایسے خیال اور اس خیال کو عمل میں لانے کی کوشش سے اکثریت سے تصادم کی صورت پیدا ہو سکتی ہے ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ یہ اسلام کا بنیادی مقصد نہیں ہے، مسلمان خواہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں، ان کا فرض ہے، ایک فرد کی حیثیت سے بھی اور ایک جماعت کی حیثیت سے بھی کہ وہ اسلام کے پیغام کی اشاعت بہ طریقِ احسن کرتے رہیں۔ یہی وہ ذمہ داری ہے جسے ہم "دعوۃ" کا فریضہ کہتے ہیں۔ یہ ایک ذمہ داری اس لئے ہے کہ ہر مسلمان عالم انسانیت کے نام خدا کے آخری پیغام

کا حامل ہے۔

قرآن کریم کی تعلیم ہے کہ دین کے معاملہ میں جبر نہ کیا جائے۔ اس جبر یا دباؤ کی ہر صورت دعوۃ کی اصل روح سے متصادم ہوگی۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی دلوں کو بدل سکتے ہیں۔ ہمیں اس کا حق نہیں کہ اپنے کسی رویے سے اس کے اس اختیار مطلق میں دخل دیں۔ ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ اگر خدا چاہتا تو تمام نوع انسان کو مسلمان پیدا کرتا، لیکن اس کی مرضی ومصلحت یہ نہ تھی۔

کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج دعوت اسلامی کے پہلے مخاطب ہم مسلمان خود ہیں، اس لئے ہمیں، ہمہ وقت، خود احتسابی کے عمل سے اپنے آپ کو جانچتے رہنا چاہیے کہ کیا ہم ایسی اسلامی زندگی گذار رہے ہیں جو نمونے کی ہو اور جسے دیکھ کر انسانوں کے دل، خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو، زندگی کی اس طرز کی طرف کھنچیں، اور ان میں اسی طرح کی زندگی کی آرزو پیدا ہو۔..................

ہمارے صوفی بزرگوں کا، اللہ کی بے پایاں رحمت ان پر ہو، ہندوستان میں دعوۃ کا یہی اسلوب تھا اور اس کے نتائج حوصلہ افزا ثابت ہوئے تھے۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مجموعۂ ملفوظات میں ہے کہ ۷۱۱ھ کے رمضان المبارک کی چوتھی تاریخ کو ان کی مجلس میں ایک نوجوان حاضر ہوا اور ایک ہندو کو اپنے ساتھ لایا، اور عرض کیا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ جب وہ دونوں بیٹھ گئے تو اس نوجوان سے پوچھا گیا کہ تمہارے اس بھائی کا رجحان کچھ اسلام کی طرف بھی ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس کو اسی بات کے لئے مخدوم کی خدمت میں لایا ہوں کہ مخدوم کی نظر کی برکت سے مسلمان ہو جائے۔ حضرت شیخ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ کسی کے کہنے سے اس قوم کا دل نہیں بدلا کرتا، البتہ اگر کسی نیک اور صالح آدمی کی صحبت مل جائے تو امید ہوتی ہے کہ اس صحبت کی برکت سے مسلمان ہو جائے۔"

جہاں تک ہماری معلومات ہیں اور یقیناً وہ محدود ہیں، ہمارا یہ احساس ہے کہ مسلمانوں سے خاص طور پر اس بات کا حساب نہیں مانگا جائے گا کہ انھوں نے کتنی قوموں کو مفتوح بنایا یا انھوں نے کتنی اسلامی مملکتیں قائم کیں، یا انھوں نے کتنی شان وشوکت اور کتنا اقتدار وغلبہ حاصل کیا، ہاں، ان سے یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ انھوں نے توحید ورسالت کے تقاضوں کو اپنی اپنی زندگیوں میں اپنے اختیار سے، کہاں تک پورا کیا، صداقت، خیر وعدل، انسانیت، انصاف اور دوسرے معروفات کا حق کہاں تک ادا کیا اور کہاں تک باطل، بدی، کذب وفریب، انسان دشمنی اور دوسرے منکرات سے اپنے آپ کو باز اور محفوظ رکھا۔

سچی اور مثالی اسلامی زندگی گذارنے کی کوشش، اس طرح کہ مرد مسلماں کی شخصیت کا حسن دوسروں کے لئے باعث کشش بن جائے، اس کی بنیادی ذمہ داری ہے، اور یہ کوشش ایک مسلسل عمل ہے اس کی زندگی کے آخری لمحے تک۔ آج کے غیر مسلم کل کے مسلمان ہو سکتے ہیں، اس لئے ہمیں اپنی اس ذمہ داری کو، ہندوستان کے موجودہ حالات میں، جہاں وقتی طور پر ہم ظلم وناانصافی اور مصائب وآلام کا شکار ہیں، قرن اول کے مسلمانوں کی مکی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے، بہر صورت پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، یہ ایک مستقل محنت ہے، ایک مستقل جدوجہد، بلکہ یوں کہئے کہ آج کے ہندوستان میں سچی مثالی اسلامی زندگی گذارنے کا عزم ہی روح عزیمت اور اصل جہاد ہے۔

مسلمان کہیں اکثریت میں ہیں اور کہیں اقلیت میں، لیکن قرآنی تعلیمات کے مطابق زندگی کے بنیادی رہنما اصول سب کے لئے یکساں ہیں، اسلام صرف ان علاقوں کے لئے نہیں ہے جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں۔ اس لئے اقلیتی صورت حال میں ہمارا دعوتی اسلوب کیا ہو، اس پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔ اپنے ملک کی مثال کو سامنے رکھئے، جس کا عام معاشرہ مذہب بیزار نہیں ہے، جہاں مملکت وحکومت کا ڈھانچہ جمہوریت اور سیکولرزم کے غیر ملحدانہ اصول پر مبنی ہے جس کی رو سے اس کے شہریوں کو مذہبی آزادی، شعائر مذہب پر عمل کی اور اپنے عقیدہ وخیال کی اشاعت کی آزادی حاصل ہے۔ ملک کا یہ دستور جمہوری آزادیوں کی ایک فضا قائم کرتا ہے، اس لئے آج جبکہ اس دستور کو اپنے ہی ملک کے ناسمجھ لوگوں کی طرف سے خطرہ لاحق ہے، ہماری ذمہ داری بلکہ مذہبی ذمہ داری ہے کہ ہم اس دستور کے اولین محافظوں میں ہوں، اور وطن عزیز کے سمجھدار اور صاف ذہن عناصر کے ساتھ مل کر، پوری قوت سے جمہوریت دشمن طاقتوں کا مقابلہ کریں اور اپنے جمہوری سیکولر دستور کو زندہ اور فعال رکھیں۔

ہماری دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اس بات کو سمجھیں کہ تصادم کی ایک مستقل صورت خاص طور پر ہندوستان جیسے ملک میں دعوت اسلامی کے تہم بالشان کام کے لئے سخت ناموزوں اور ضرر رساں ہے۔ ایسا پہلے بھی تھا اور ایسا آج بھی ہے۔

تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم بہر قیمت اپنا ملی تشخص باقی وقائم رکھتے ہوئے اپنے ہم وطنوں کو بتائیں کہ مسلمان کی حیثیت سے ہم نہ صرف سبھی انسانوں کی روحانی واخلاقی فلاح وبہبود کے خلاف ہیں، بلکہ زندگی کے ان تمام شعبوں میں جن کا تعلق اس مادی دنیا سے ہے، ہم ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں جہاں ہماری دولت، ذرائع دولت اور خوشحالی مشترک ہے، وہیں ہمارا دکھ درد، بھوک، بیماری

جہالت اور غریبی، سب مشترک ہے، اس لئے سماج میں مسلمانوں کی طرف سے ویلفیر کا جو کام بھی ہوگا، بلا لحاظ مذہب وملت سب کے لئے ہوگا۔ اس سماجی رویے کی افادیت کو دعوت اسلامی کا کام کرنے والوں کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے بلکہ اچھے اور مفید سماجی کام کے موقع اور بہانے ڈھونڈتے رہنا چاہئے، دعوت اسلامی درحقیقت انسانیت کا پیغام ہے، سچی اسلامیت سچی انسانیت ہے۔

افسوس ہے کہ ملکی سطح پر ویلفیر کے سماجی کام کی ہمارے یہاں کوئی قابل ذکر روایت نہیں ہے، بنی نوع انسان کی خدمت کے جذبے کے ساتھ ہمارے یہاں کوئی ایسی سماجی فلاح وبہبود کی تحریک نہیں جو دوست تو دوست، دشمنوں کے دل کو بھی جیت لے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم اسے ضروری بھی سمجھتے ہیں؟

اب ہم اس دور کے ایک بڑے شیخ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح کے ایک مکتوب سے جو انھوں نے مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کے نام ۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ کو رقم فرمایا تھا ایک طویل اقتباس درج کرتے ہیں، اس سے آج کے ہندوستان میں دعوت اسلامی کے ایک اہم اور خاص پہلو کی ایک بڑے عالم باعمل اور وقت کے ایک بڑے صوفی شیخ کے مستند لفظوں میں بڑی خوبی سے وضاحت ہو جاتی ہے، کوئی ساٹھ برس پہلے اس مجاہد عالم اور شیخ وقت نے اپنے ایک عزیز مرید کو لکھا تھا:

"آپ کو معلوم ہے کہ صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ اور فتح عرب کا پیش خیمہ ہے، اور جس روز صلح حدیبیہ تمام وکمال کو پہونچی ہے اسی روز "انا فتحنا" الآیہ نازل ہوئی ہے جس پر حضرت عمر رض تعجب کرتے ہوئے استفسار فرماتے ہیں "یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے" آپس میں اختلاط کا ہونا، نفرت میں کمی آنا مسلمانوں کے اخلاق اور ان کی تعلیمات کا معائنہ کرنا، دلوں سے ہٹ اور ضد کا ہٹ جانا، یہی امور تھے جنھوں نے افلاذ اکباد قریش کو کھینچ کر صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان بناتے ہوئے مکہ سے مدینہ کو پہونچا دیا۔

"الغرض، اختلاط باعث عدم تنافر ہے اور وہ اقوام کو اسلام کی طرف لانے والا اور تنافر باعث ضد اور ہٹ ہے اور وہ اسلام کی ترقی میں سدراہ ہونے والا ہے، اور چونکہ اسلام تبلیغی مذہب ہے اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ جس قدر ہوسکے غیر کو اپنے میں مضم کرے، نہ یہ کہ ان کو دور کرے، اس لئے اگر ہمسایہ قومیں ہم سے نفرت کریں تو ہم کو ان سے ایسا نہ کرنا چاہئے، وہ ہم سے ظالمانہ برتاؤ کریں تو ہم کو ان کے ساتھ ظالمانہ غیر منصفانہ برتاؤ نہ کرنا چاہئے، اسلام پدر شفیق ہے، اسلام مادر مہربان ہے، اسلام ناصح خیر خواہ ہے، اسلام جاذب اقوام ہے اسلام ہمدرد بنی نوع انسان ہے، اس کو غیروں سے "وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا" پر کاربند ہونا شایاں نہیں، بلکہ اس کی غرض کے لئے سد یاجوج ہے۔ کفر نے کبھی اسلام سے عدل وانصاف نہیں کیا۔ مگر اسلام نے انصاف، عدل واحسان کو کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور نہ چھوڑنا مناسب تھا۔ اگر بعض دنیا دار بادشاہوں نے کوئی ظلم وستم کیا ہے تو وہ اس کے ذمہ دار ہیں، اسلام ان کا ذمہ دار نہیں۔"

اسی طرح ۱۹۴۵ء میں تقسیم ملک سے دو سال قبل علماء کی ایک مخصوص جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت شیخ نے فرمایا تھا (الفاظ ہمارے ہیں) کہ محبت اور احسان کا سلوک، عدل وانصاف اور باہمی ربط وتعلق، نوع انسان کی غیر مشروط خدمت، دعوت اسلامی کے بنیادی اصول ہیں۔ ان اصولوں پر جب بھی عمل ہوا، اسلام کے حق میں اس کے نتیجے اچھے نکلے۔ ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے مہتم بالشان کام کی زمین یہاں کی غیر مسلم آبادی ہی تو ہے۔ بے تعلقی اور نفرت کے جذبات سے اس کھیتی کی آبیاری نہیں ہوسکتی، ہمارے رسول ص کی عالمگیر رسالت کے سراسر منافی ہوگا یہ رویہ، محبت وخیر سگالی سے ہی ہم دوسروں کے دلوں کو جیت سکتے ہیں، اس ملک میں اشاعت اسلام کی راہ میں ہمارے اسلاف کی جدوجہد اور قربانیوں کی بنیاد اسی اصول پر تھی اور آج بھی یہاں دعوت اسلام کا یہی اسلوب نتیجہ خیز، کامیاب اور کارآمد ہوسکتا ہے۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے



تحفۂ

مخلصانہ نصیحت

حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ قدس سرہٗ

آدمی سے بشریت کی بنا پر گناہ سرزد ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے نفس کی وجہ سے صغیرہ یا کبیرہ کا مرتکب ہو جاتا ہے لیکن کسی دوسرے کو اس کی تحقیر و تذلیل کا حق نہیں پہنچتا یہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہیں بخش دیں اور جس کو چاہیں سزا دیں اور پکڑ لیں بڑے بڑے کبائر کے مرتکب کو بھی معاف فرما سکتے ہیں اور چھوٹی سے چھوٹی لغزش پر بھی گرفت فرما سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندوں کا معاملہ صرف مجھ ہی سے رہے اور لوگ اس میں اپنے مرتبہ سے زیادہ دخل نہ دیں اس لیے کسی کو نظر حقارت سے نہیں دیکھنا چاہئیے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو تم یہاں بُرا سمجھتے ہو اور آخرت میں چل کر دیکھو گے کہ وہ تم سے درجہ میں بڑے ہیں اس سلسلہ میں ہم لوگوں سے بہت کوتاہی ہو رہی ہے۔

حضرت مولانا تھانوی حیٰوۃ المسلمین میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کو کسی گناہ سے عار دلائے تو اس کو موت نہ آویگی جب تک وہ خود اس گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ یعنی عار دلانے کا یہ وبال ہے اور کسی خاص وجہ سے حکم اور ہو سکتا ہے۔ خیر خواہی سے نصیحت کرنے میں کچھ ڈر نہیں اس خیر خواہی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اس سے تنہائی میں کہے اور کسی پہ اس کو ظاہر نہ کرے اور یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کون خیر خواہی سے نصیحت کرتا ہے اور کس کا مقصود تحقیر و تذلیل ہے اور ایسے بہت کم لوگ ہیں جو خیر خواہی سے نصیحت کرتے ہوں اکثر ایسے مواقع میں تحقیر ہی ہوتی ہے۔

ایک صاحب لکھ رہے ہیں کہ یہاں پر دینی ماحول پیدا ہو گیا ہے اس سلسلہ میں یہ کہتا ہوں کہ خیر یہی کیا کم ہے کہ زبانوں پر اس قسم کی باتیں آنے لگیں یہ بھی غنیمت ہے مگر سنو اصل دینی ماحول یہ ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ اور کوئی کسی کو نہ ستاوے لیکن اب ہمارے مدرسوں میں اور دینی اداروں میں بھی دینی ماحول نہیں ہے معلوم نہیں لوگ کیا پڑھتے پڑھاتے ہیں کہ دینی ماحول نہیں پیدا ہوتا۔ آخر دینی ماحول نام کس چیز کا ہے؟ اسی کا تو ہے کہ علم ہو اور عمل ہو اور اسی کا تذکرہ ہو مگر اب دینی ماحول کا پیدا ہونا تو الگ رہا لوگ اس قسم کے الفاظ بھی زبان پر نہیں لاتے ورنہ ہمارے معلوم نہیں کتنے واعظ ہوتے ہیں اگر ان میں ان چیزوں کا تذکرہ ہی کیا جائے تو کم از کم لوگوں کی زبانوں پر اس کا ذکر تو آ ہی جائے گا۔ پھر دینی ماحول بھی پیدا ہو جائے گا۔ اور کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے گی حضرتؒ فرماتے تھے کہ ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

یعنی بہشت اس جگہ کا نام ہے جہاں کوئی تکلیف وایذا کی چیز نہ ہوگی۔ اور کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ سب سے بڑی چیز بہشت میں یہی ہوگی کہ وہاں کوئی آزار نہیں ہوگا اور کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اور سب سے بڑا عمل یہاں یہی ہے کہ کسی گنہگار کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے کسی بزرگ نے بہت عمدہ شعر فرمایا ہے کہ

گناہ آئینہ عفو و رحمت است اے شیخ!
مبیں بچشم حقارت گناہ گاراں را !!

سب سے بڑا خلق اللہ تعالیٰ کا عفو و رحمت ہے اور اس کا ظہور گناہ کے بعد ہی ہوتا ہے اسی کو فرما[تے] ہیں کہ اے شیخ! اللہ تعالیٰ کی عفو و رحمت کا آئینہ گنا[ہ] ہی ہے اس لیے گناہگاروں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو، کیوں کہ شان عفو و رحمت کے یہی مظہ[ر] ہیں اس شعر میں۔ اے شیخ کے ساتھ خطاب فرما کر اس بات کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں کہ تم شیخ ہو کر اتن[ا] بھی نہیں جانتے کہ گناہگاروں کو حقیر نہیں سمجھنا چا[ہئیے] پھر شیخ کیسے ہو؟۔

یہیں سے بہت سے لوگ منقطع ہو جاتے ہیں مگ[ر] اسکو سمجھتے بھی نہیں یہ بہت دشوار گذار گھاٹی ہے اس م[یں] اکثر نفس ضرور اپنا کام کر گزرتا ہے اور جہاں آ[پ] نے کچھ اوراد و وظائف شروع کیئے کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اس کا انجام بد بھی دیکھا ہے ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے کے متعلق کچھ کہتا ہے تھوڑے ہی دنوں کے بعد پکڑ گیا لوگوں نے کہا کہ دیکھو یہ شخص فلاں آدم[ی] کو کہتا تھا۔ اسی وجہ سے ایک بُری خصلت میں پکڑ گیا اور نکال دیا گیا۔ صوفیوں کے حق میں یہ چیز زہر قاتل ہے اس لیے انکو اپنے اخلاق کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ دوسروں کی فکر میں پڑنے کی ان کو کیا ضرورت ہے اگر وہ اپنی اصلاح کرلیں تو معلوم نہیں کتنے لوگوں کی اصلاح خود بخود ہو جائے مگر یہ لوگ اپنے نفس میں جلدی ہاتھ نہیں لگانا چاہتے اسی لیے میں برابر کہا کرتا ہوں کہ جب تک اپنے نفس کو نہیں مارو گے اور اپنے اخلاق بد کی اصلاح نہیں کرو گے۔ کوئی مرتبہ خدا کی کی درگاہ میں نہیں پا سکتے اگر نفس کا تحفہ وہاں لیکر جاؤ گے تو قبول نہیں ہوگا۔

(ماخوذ: وصیۃ العرفان: اپریل ۱۹۹۵ء)

شاہی میں درویشی کی جلوہ گری

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی صدر شعبۂ عربی، کالی کٹ یونیورسٹی

منصور کا دور حکومت اندلس کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے اس کے جاہ و جلال سے عیسائی حکومتیں لرزہ براندام رہتی تھیں، اس نے دشمنوں کو مغلوب کر دیا تھا اور ایک طویل عرصہ تک ۳۶۶ھ تا ۳۹۲ھ اس نے اندلس پر حکومت کی اس کے دور میں عدل وانصاف اسلامی قدروں کا احیاء، عوام کی بہبودی، امن وامان اور ہر طرف معاشی آسودگی نظر آتی تھی، سیاسی استقرار کے باعث کسی کو مجال نہ تھی کہ بغاوت کرسکے۔

عصر عباسی میں مشہور ہے کہ جب توفیل رومی بادشاہ نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے اور عموریہ شہر کے قلعہ میں ایک مسلمان عورت نے قید کی حالت میں عباسی خلیفہ معتصم باللہ کو مدد کے لیے پکارا اور کہا "وامعتصماہ" اے معتصم مدد کر جب خلیفہ تک یہ پیغام پہونچا تو وہ اپنے دربار میں تھا۔ فوراً وہیں بھرے دربار میں جواب دیا لبیک لبیک (میں حاضر ہوں) فوراً بڑے پیمانے پر لشکر تیار کیا عموریہ پہونچا۔ حملہ کرکے اس کو فتح کرلیا۔ رومی بادشاہ کی دو لاکھ فوج کو شکست فاش دی اور عورت کو آزاد کرالیا اور اس کو ساتھ لاکر اس کے خاندان کے حوالے کر دیا۔ اس واقعہ کو مورخین اسلام کی شان وعظمت کا ترجمان تصور کرتے ہیں کہ اتنے بڑے خلیفہ نے صرف ایک عورت کی خاطر اتنا بڑا جہاد کیا۔

بالکل اسی طرح منصور نے اندلس میں اسلام کی عظمت اور جاہ وجلال کا نقش قائم کیا قشتالہ ایک عیسائی ریاست تھی، منصور کو یہ ریاست خراج ادا کرتی تھی، منصور اپنے قاصدوں کو قشتالہ برابر بھیجتا تھا۔ ایک دن منصور کا قاصد ٹہلتے ٹہلتے ایک چرچ کے پاس چلا گیا وہاں اس کو ایک مسلمان عورت ملی جو بہت زمانہ سے عیسائیوں کی قید وبند میں تھی۔ وہ آگے بڑھ کر بولی کہا منصور کو اپنی عیش وعشرت میں ہماری مصیبت یاد نہیں رہی؟ میں برسوں سے قید میں پڑی ہوں اس نے قسم دلاکر کہا کہ جاکر منصور کو میرا پیغام پہونچا دو۔ قاصد لوٹ کر منصور کے پاس گیا۔ عام حالات اس نے بیان کیے۔ جب وہ خاموش ہوا تو منصور نے پوچھا کہ کوئی چیز تم کو وہاں ایسی بھی نظر آئی جو نامناسب تھی؟ تب قاصد نے اس عورت کا واقعہ سنایا۔ منصور خفا ہوا کہ تم نے یہ بات پہلے کیوں نہ بتائی کہ ایک مسلمان عورت وہاں قید میں پڑی ہے۔ منصور اسی وقت فوراً فوجوں کو تیاری کا حکم دیا جہاد کا اعلان کیا۔ عیسائی بادشاہ کو معلوم ہوا کہ منصور اس کی طرف فوجیں لے کر بڑھ رہا ہے تو وہ متحیر رہ گیا۔ منصور کا لشکر غرسیہ پہونچ گیا تب بادشاہ نے اس کو لکھا کہ اس نے اس کی پوری اطاعت کی ہے جزیہ ادا کیا ہے پھر اس سے کیا خطا سرزد ہوئی ہے۔ تب منصور نے اس کو لکھا کہ تم نے فلاں عورت کو فلاں چرچ میں قید کر رکھا ہے حالانکہ ہمارا معاہدہ تھا کہ کوئی مسلمان تمہاری قید میں باقی نہ رہے گا۔ میں جب تک تمہارے ملک پر قبضہ کرکے اس مسلمان عورت کو قید سے نکال کر آزاد نہ کرالوں گا واپس نہ جاؤں گا۔ اس عیسائی بادشاہ نے فوراً اس عورت کو قید سے نکال کر دو آدمیوں کی معیت میں اس کو منصور کی خدمت میں بھیج دیا اور لکھا کہ اس عورت کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں اور اس چرچ کو میں نے ڈھا دیا ہے جس میں یہ عورت مقید تھی منصور اس عورت کے ساتھ مع لشکر واپس آیا اور اس کو اس کے خاندان کے پاس بھجوا دیا۔ یہ تاریخ کا ایک دلکش باب ہے کہ منصور نے ایک عورت کی وجہ سے جہاد کیا اور لشکر لے کر دشمن کے ملک تک پہونچا اور اس عورت کو آزاد کراکر اس کے گھر پہنچا دیا۔

اسی انداز کا ایک قصہ اور ہے۔ منصور ایک غزوہ سے لوٹا تھا کہ ایک عورت نے کہا کہ اے منصور میری پکار سنو تم تو اپنے عیش میں ہو اور میں اپنا وقت رونے میں گذارتی ہوں منصور نے اس کا حال دریافت کیا تب اس نے سنایا کہ اس کا ایک بیٹا دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہے اور زندگی اس کے لیے اجیرن ہوگئی ہے۔ منصور نے اس کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی فوراً فوج لے کر نکلا اس شہر پر حملہ کیا جہاں اس عورت کا بیٹا تھا۔ اور سارے قیدیوں کو چھڑا لیا۔ ان میں اس عورت کا بیٹا بھی تھا۔ اس طرح منصور نے دو عورتوں کی داد وفریاد سنی اور ان کے لیے جہاد کیا اور ان دونوں قیدیوں

منصور اموی خلیفہ ھشام اندلس کا حاجب و وزیر تھا مگر اس نے خلیفہ کو معطل کرکے خود حکمراں بن گیا۔

کو چھڑا کر ان کے گھر پہونچا دیا۔

اس کی احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ اکثر راتوں کو سوتا نہ تھا۔ ایک رات کو اس کے خادم شعلہ نے کہا آپ نے بیداری اتنی کی ہے کہ اس کا اثر اعصاب پر پڑ جائے گا اس پر منصور نے جواب دیا!

یاشعلۃ: حارس الدنیا لا ینام اذا نامت الرعیۃ ولو استوطیت نومی لما کان فی هذا البلد عین نائمۃ

اے شعلہ، دنیا کی نگہبانی کرنے والا نہیں سوتا جب کہ رعیت سوتی ہے۔ اگر میں اپنی نیند پوری کروں تو اس شہر میں کوئی آنکھ سو نہیں سکتی۔

منصور کا تقویٰ:- منصور نہایت متقی شخص تھا۔ ایک بار وہ صلوٰۃ استسقاء میں حاضر ہوا۔ اس کی نماز کی جگہ پر پہلے سے عمدہ قسم کا مصلیٰ بچھا دیا گیا تھا۔ وہ پہونچا اور اس نے مصلیٰ کو الگ کر دیا اور زمین پر نماز ادا کی اور اس کے چہرے سے آنسو ٹپک رہے تھے وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا تھا۔ وعظ سن کر نصیحت قبول کرتا تھا۔ شراب سے توبہ کر لیا تھا۔ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کا ایک نسخہ نقل کیا تھا۔ اس کو اپنے سفروں میں ساتھ رکھتا تھا اور اس سے برکت حاصل کرتا تھا۔ اس کی اصل تمنا یہ تھی کہ جہاد فی سبیل اللہ میں اس کا انتقال ہو۔ اس نے ۵۰ سے اوپر جہاد کیے اور ہر جہاد میں اس کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی و کامرانی سے نوازا۔ کسی جہاد میں کبھی اس کو شکست نہیں ہوئی۔ یہ جہاد ان عیسائی حکمرانوں سے اس نے کیا جو اندلس میں موجود تھے۔ اس نے سب سے جزیہ وصول کیا۔

غبارِ راہِ جہاد

اس نے شروع سے اس امر کا اہتمام کیا کہ جو غبار اس کے چہرہ پر راہ جہاد میں جمع ہو جائے اس کو پونچھ پونچھ کر اکٹھا کرے۔ خادم ہر منزل پر غبار چہرہ سے جمع کر لیا کرتے تھے یہ غبارِ جہاد ایک تھیلی بھر کر جمع ہو گیا جہاں وہ جاتا۔ یہ تھیلی اور کفن ساتھ جاتا۔ ظاہر ہے کہ جہاد میں کوئی یقین تو نہیں ہوتا کہ انسان لوٹ کر سلامت ہی آئے گا شہادت کا پورا امکان ہوتا ہے۔ وہ غبار جہاد کی تھیلی اور کفن ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا، پوری عمر مستعار اس نے جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کر دی اور اس نے وصیت کی کہ یہ غبار اس کے کفن پر چھڑک دیا جائے تاکہ شاید اس کی برکت سے رحمت الٰہی کا فیضان ہو اور اس کی رحمت کو جوش آ جائے اور اس بندہ کی مغفرت ہو جائے۔ اس کی یہ تمنا تھی کہ اس کی موت راہِ جہاد میں آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ عیسائی سلطنت قشتالہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلا طبیعت بہت خراب تھی۔ حملہ کامیاب رہا ۔۔ شہروں کو اس نے فتح کیا واپسی میں حالت زیادہ خراب ہو گئی، اور اس کو یقین ہو گیا کہ آخری منزل قریب ہے اس نے جو کفن ساتھ لیا تھا وہ اس مال سے تھا جو اس کی لڑکیوں نے سوت کات کر حاصل کیا تھا اور کچھ اس مال سے تھا جو اس کی جائیداد سے حاصل ہوا تھا جو ان کو اپنے والد سے وراثت میں ملی تھی۔

اس نے ۔ ریمیں کہا کہ کاش میں ان حبشی غلاموں کی طرح ہوتا، جو میری چارپائی اٹھائے ہوئے ہیں نہ ان کو کسی سلطنت کا حساب دینا ہے اور نہ ان سے کوئی بازپرس ہوتی ہے۔

اس نے کہا میری حکومت میں ۲۰ ہزار غلام ہیں مگر ان غلاموں سے بھی اپنے کو بدتر پاتا ہوں۔ اگر اتنا بڑا فرمانروا کہتا ہے کہ اس کے حبشی غلام جو اس کی چاکری کرتے ہیں اس سے بہتر ہیں کہ ان کو ملک و ملت کا آخرت میں حساب نہیں دینا پڑے گا۔ حضرت عمر نے بھی ایک بار یہ کہا کہ کاش میرا معاملہ برابر کا ہو جائے کہ مجھے نہ عذاب ملے اور نہ ثواب نہ مجھ سے پورا حساب ہوگا اور نہ مجھ کو اجر دیا جائے گا۔

جو تحفہ خدا کے حضور میں یہ بادشاہ لے کر گیا۔ وہ بڑا قیمتی تھا اور جہاد فی سبیل اللہ کیا اور ساری زندگی کی کمائی ہوئی پاک و صاف حلال کمائی سے خریدا ہوا کفن وہ زندگی جس کو اس نے عیسائی بادشاہوں سے جہاد میں صرف کر دی مگر کسی غزوہ میں بھی اس کو شکست نہیں ہوئی۔ پورا ملک مال و دولت سے پر تھا۔ اور عیسائی غلاموں اور لونڈیوں سے بھر گیا تھا۔ وہ جہاد خالص نیت سے کرتا تھا اور اسلام پر اس کی غیرت کا یہ عالم تھا کہ دو بار جہاد اس نے دو عورتوں کی فریاد پر کیا۔ یہ عظیم حکمراں دربار خداوندی میں غبارِ جہاد لے کر حاضر ہوتا ہے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی۔

دعائے مغفرت

● عبید الرحمٰن متعلم علیا اولیٰ شریعہ کے ماموں محمد علی کا تقریباً ۶۰ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم بڑے خوش اخلاق اور دیندار آدمی تھے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

موجودہ حالات کے پیش نظر مسلم بستیوں میں دینی مکاتب کا چلانا نہایت ضروری ہے اور خوشی کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ جذبہ بھی ہے اور بہت سے مکاتب کام کر رہے ہیں ان کے نظام کو درست کرنے اور بہتر بنانے کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں ڈاکٹر ہارون رشید صاحب نے ایک رہنما مضمون تیار کیا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے خاص طور سے مکاتب چلانے والے حضرات کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ ——— (ادارہ)

جو انسان پیدا ہوا وہ اپنی پائی ہوئی عمر ضرور پوری کرے گا لیکن علم کے بغیر نہ تو وہ مہذب بن سکے گا نہ آرام دہ معاشرتی زندگی گزار سکے گا، پہلے زمانہ میں باقاعدہ علم سیکھے بغیر بھی کام چل جاتا تھا لیکن اب تو دنیا اتنی آگے جا چکی ہے کہ علم کے بغیر زندگی گزارنا دشوار ہے بقول خواجہ حالی کے

گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انساں کا اک زیور
ہوئی ہے زندگی خود منحصر علم و دانش پر
کوئی بے علم روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
نہ زرگر اور نہ آہنگر نہ بازی گر نہ سوداگر

اب سماج میں زندگی گذارنے کے لیے سماجی علوم سے واقفیت از حد ضروری ہے یہ علوم چاہے آدمی معاشرہ سے سیکھے اور چاہے مدرسہ میں پڑھے، ایک گاؤں یا ایک جگہ رہنے والوں پر ایک دوسرے کے کیا حقوق ہیں، گاؤں پنچایت کیا ہے، پردھان کیا ہے، ڈاک خانہ، تھانہ، بینک، اسپتال وغیرہ کیا ہیں، ریل، موٹر، ہوائی جہاز کیا ہیں ان کا انتظام کس طرح ہے، عوام ان سے کس طرح فائدہ اٹھاتے اور اٹھا سکتے ہیں، انسان کی ضرورت کی چیزیں کہاں کہاں بنتی اور کہاں بکتی ہیں، بجلی کے پنکھے، روشنی، ایرکنڈیشن، ٹیلی فون، ٹیلیکس، ٹیلی پرنٹر، فیکس، وائرلیس، ٹیپ ریکارڈر، ریڈیو، ویڈیو، ٹی وی وغیرہ کیا ہیں ان سب چیزوں کے تعارف کے لئے جغرافیہ، تاریخ، حساب اور سائنس کی تعلیم ضروری ہے، ساتھ ہی انسان کو حلال روزی حاصل کرنے کے لئے کسی جائز پیشہ کی بھی تربیت لینا ہے۔

یہ دنیاوی علوم ہر انسان کے لئے ضروری ہیں چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اسی لئے دنیا کی حکومتیں اپنے اپنے ملک کے نونہالوں کے لئے ان علوم کے حصول کی سہولتیں مہیا کرتی ہیں، مسلمان اگر اپنے بچوں کو ان دنیوی علوم سے محروم رکھیں گے تو بڑے خسارہ میں رہیں گے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ حکومت کی طرف سے دی جانے والی اس سہولت سے اپنے بچوں کو محروم نہ کریں، اور جب حکومت خود ان علوم کے سکھانے کا بار اٹھانا اپنے اوپر لازم قرار دیتی ہے تو مسلمان خود اس بار کو بے سبب کیوں اٹھانے کا ارادہ کریں۔ ہاں معقول سبب ہو تو اور بات ہے۔

اس مقصد کے لئے ملک میں بہت سے پرائیویٹ ادارے بھی ہیں جو تجارتی بنیادوں پر چلائے جا رہے ہیں اور وہ پوری طرح کامیاب ہیں سرکاری اسکول اتنی تعداد میں نہیں ہیں کہ ملک کا ہر بچہ ان میں تعلیم پا سکے، دوسرے ان سرکاری مدارس کا نظم بھی کچھ اچھا نہیں ہے، کہیں عمارت ناکافی، کہیں فرنیچر ناکافی، کہیں مدرسین کلاس ہی نہیں لیتے، کورس پورا نہیں کرواتے، کہیں طلبہ کی معاشرت بہت ہی پست ان ہی وجوہ سے تجارتی بنیادوں پر چلائے جانے والے پرائیویٹ اسکول صد فیصد کامیاب ہیں۔

دین کا علم

ضروریات دین کا علم دنیوی علوم سے کہیں زیادہ اہم ہے، دنیوی علوم نہ حاصل ہونے پر صرف یہ نقصان ہوگا کہ ایک انسان اس دنیا میں دنیوی لحاظ سے مہذب اور بہتر معاشرتی زندگی نہ گزار سکے گا لیکن دینی علم نہ ہونے سے اس دنیا میں بھی پرسکون زندگی نہ گزار سکے گا اور مرنے کے بعد جو ہمیشہ والی زندگی شروع ہوگی وہ تو تباہ ہو کر رہ جائے گی پھر اس کے پاس رہ ہی کیا جائے گا مگر یہ بات وہی مانے گا جس کا آخرت کی زندگی پر ایمان ہے، ہم سب مسلمان ہیں ہمارا آخرت کی زندگی پر بھرپور ایمان ہے غیر مسلم حکومتیں ہمارے دین اور دینی علوم کی حفاظت و اشاعت کا کام نہیں کر سکتیں یہ کام ہم کو خود کرنا ہوگا اور الحمد للہ ہم اسے اپنی بساط بھر کر رہے ہیں۔

جو گھرانے دین پر چلتے ہیں اور دین کا علم رکھتے ہیں وہ اپنی اولاد کو گھر میں دین سکھانے کا نظم کرتے ہیں لیکن یہ گھریلو تعلیم بس جزوی طور پر ہو پاتی ہے، اس کام کے لئے افراد ملت نے دینی مدرسے قائم کئے ہیں اور اب تو بفضلہ تعالیٰ شہر، دیہات، قصبات بلکہ گاؤں گاؤں دینی مدارس کام کر رہے ہیں اور یہ سارے مدرسے حسبۃً للہ کام کر رہے ہیں۔

لیکن اس سلسلہ میں کچھ بے اعتدالیاں بھی ہیں ان سطور میں ان ہی کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے۔

ضرورت سے زیادہ مدرسے اور ان پر کنٹرول

بعض جگہوں پر تو یہ مدارس ضرورت سے زیادہ ہیں، ایسے کہ ہر مدرسہ ضرورت بھر کے طلبہ نہیں مہیا کر پاتا، یہ صورت حال ابتدائی مدرسوں میں کم لیکن متوسط میں زیادہ ہے جس میں ابتدائی عربی زبان بھی شروع کروادی جاتی ہے، چاہئے کہ ایسے مدرسوں میں عربی درجات بند کر کے وہاں کے عربی پڑھنے والے طلبہ کو ایسی جگہ منتقل کیا جائے جہاں عربی سیکھنے والے طلبہ بھی زیادہ ہوں اور عربی تعلیم کا معقول انتظام بھی ہو۔

مدرسوں کی کمی یا نایابی اور ان کی فراہمی

بعض مقامات پر دینی مدرسے مسلم بچوں کی تعداد کے لحاظ سے کافی کم ہیں مسلم بچے خاصے موجود ہیں مگر کوئی دینی مدرسہ نہیں، بس قوم کے لوگوں کو چاہئے کہ جہاں بھی کم سے کم تیس مسلم بچے مہیا ہوں وہاں ایک دینی مدرسہ کھول کر کسی عالم یا حافظ یا اچھے ناظرہ خواں مسائل دینیہ سے واقف اردو داں کی خدمات حاصل کریں، اسی لحاظ سے زیادہ بچوں پر ایک سے زیادہ مدرس والا مدرسہ یا ایک سے زیادہ مدرسے حسب ضرورت و مصلحت کھولے جائیں۔

ناقص نصاب اور اس کی اصلاح

بہت سے دینی مدارس ایسے ہیں جن میں قرآن مجید کا ناظرہ کا بھی معقول انتظام نہیں ہوتا، پڑھانے والے صاحب خود ہی قرآن مجید صحیح نہیں پڑھ پاتے اگرچہ انتظام نہ ہوسکنے تک اسے برداشت کرنا ہی مصلحت ہے لیکن جتنی جلدی ممکن ہو اس عیب کو دور کیا جائے، سوال یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی دینی مدارس میں کیا پڑھایا جائے، اس سلسلہ میں بہت سے علم والوں کی رائے یہ ہے کہ اس کے نصاب میں ابتدائی معیار کی دین و دنیا دونوں کی ضروریات کا بھرپور لحاظ ہو، ایک طرف قرآن مجید کا ناظرہ مع آخری پارہ حفظ، عقائد اسلامی، عبادات، اخلاق، خلفائے راشدین کے دور کی مختصر تاریخ اسلامی اور روزمرہ کام آنے والے معاملات کی تعلیم ہو، دینیات کے عملی حصہ کی تربیت ہو تو دوسری طرف حساب، جغرافیہ، عام معلومات، ابتدائی سائنس اور سماجی علوم کی بھی تعلیم ہو، جن کی تقسیم، ۴۰ یا ۴۵، ۴۵ منٹ کے تعلیمی گھنٹوں پر اس طرح کی جاسکتی ہے۔

(۱) قرآن مجید پڑھنے کے لئے کوئی عربی قاعدہ اور بعض سورتوں کا زبانی یاد کرنا۔ (۲) کلمۂ طیبہ، کلمۂ شہادت مع معانی اور بعض اذکار نماز کا زبانی یاد کرانا، وضو اور نماز کا طریقہ سکھانا۔ (۳) سماجی علوم، تربیتی علوم اور ادب وسلیقہ پر بات چیت، (۴) گنتی، پہاڑہ بھرجوڑ وغیرہ۔ (۵) اردو پڑھنا (۶) اردو لکھنا۔ (۷) ورزش و تفریح۔ یہ تقسیم درجہ اطفال و اول میں ہو، دوم میں آٹھ تعلیمی گھنٹے کرکے قرآن مجید کے دو گھنٹے کردیئے جائیں اور کلمہ والا گھنٹہ اب دینیات کے نام سے رکھا جائے، سوم میں اردو کے لکھنے کے گھنٹہ کو کم کردیں اور اردو لکھنے کا کام اردو پڑھنے والے گھنٹہ ہی میں ہو اور اس بچے ہوئے گھنٹہ میں ہندی پڑھائی جائے۔ چوتھے درجے میں سارے مضامین اسی طرح رہیں البتہ ورزش و تفریح والا گھنٹہ انگریزی پڑھانے میں لے لیا جائے۔ پنجم میں اسی طرح سارے مضامین کے گھنٹے ہوں۔ چوتھے گھنٹے کے بعد ان بچوں کو حسب گنجائش وقفہ (انٹرول) ضرور دیا جائے، اس تقسیم کو اس نقشہ سے سمجھا جاسکتا ہے۔

نظام الساعات درجات ابتدائیہ

درجات	پہلا گھنٹہ	دوسرا گھنٹہ	تیسرا گھنٹہ	چوتھا گھنٹہ	وقفہ	پانچواں گھنٹہ	چھٹا گھنٹہ	ساتواں گھنٹہ	آٹھواں گھنٹہ
پنجم	قرآن مجید	قرآن مجید	دینیات	حساب		ہندی	سماجی علوم اور سائنس	اردو	انگریزی
چہارم	قرآن مجید	قرآن مجید	دینیات	حساب		ہندی	سماجی علوم اور سائنس	اردو	انگریزی
سوم	قرآن مجید	قرآن مجید	دینیات	حسب		ہندی	ورزش اور کھیل	اردو	سماجی علوم اور سائنس
دوم	قرآن مجید	قرآن مجید	دینیات	پہاڑہ اور حساب		اردو پڑھنا	اردو لکھنا	ورزش اور کھیل	سماجی و تربیتی علوم پر بات چیت
اول	عربی قاعدہ و حفظ سور	کلمے، اذکار نماز وضو اور نماز کی مشق	سماجی و تربیتی علوم پر بات چیت	گنتی، پہاڑہ جوڑ گھٹاؤ		اردو پڑھنا	اردو لکھنا	ورزش اور کھیل	
اطفال	عربی قاعدہ حفظ الحمد اور قل هو الله	کلمہ اور بعض اذکار نماز	سماجی و تربیتی علوم ادب و سلیقہ پر بات چیت	گنتی پہاڑہ		اردو پڑھنا	اردو لکھنا	ورزش اور کھیل	

یہ نقشہ بڑے سائز پر بنا کر واضح لکھا جائے، ہر مضمون کے نیچے استاد کے نام کا اشاریہ ہو بضرورت کے لحاظ سے مضامین گھنٹوں میں آگے پیچھے کر لئے جائیں، ہر مضمون کے لئے درجہ دار کتابوں کے تعین کے ساتھ ایک الگ نقشہ تیار کیا جائے بہتر ہوگا کہ ہر درجہ کا ایک واضح نقشہ ہو ان نقشوں کو آپ نصاب کا نام بھی دے سکتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے ہم دینی مدارس میں دنیوی علوم کا بار کیوں برداشت کریں اس سلسلہ میں یہ جواب دیا جائے گا کہ اگر ہم کل وقتی مدرسہ کھولیں گے اور اس میں ہندی، حساب وغیرہ نہ پڑھائیں گے تو اول تو اندیشہ ہے کہ حکومت وقت اس میں رکاوٹ ڈالے اور مدرسہ ایک جائز اور مفید چیز کو چھوڑ کر مشکلات میں مبتلا ہو، دوسرے یہ کہ اگر بچہ پرائمری تعلیم کے بعد سرکاری اسکول میں پڑھنا چاہتا ہو جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو ان مضامین کے نہ ہونے کے سبب اس کو داخلہ نہ مل سکے گا۔ تیسرے یہ کہ اگر بچہ پرائمری کے بعد اپنی تعلیم ختم کر دیتا ہے یا دینی لائن کی تعلیم کی تکمیل میں لگ جاتا ہے تو یہی نہیں کہ یہ بچہ ساری عمر ان علوم کی کمی کو محسوس کرے گا بلکہ مشکلات سے دو چار ہوتا رہے گا لہٰذا دینی مدارس میں پرائمری تک ان علوم کو بھی لازمی قرار دینا چاہئے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جہاں ہم سرکاری مدارس میں پڑھنے والے مسلم بچوں کو صرف قرآن مجید اور دینیات پڑھانے کے لئے صباحی و شبینہ یا کسی بھی مناسب وقت میں جز وقتی مدرسہ کھولیں تو یہ دنیوی علوم نہ پڑھائیں، لیکن اگر سرکاری اسکولوں کے کسی مضمون میں منافیِ دین باتیں پڑھائی جاتی ہیں یا تاریخی شخصیات پر الزامات گڑھ کر ان سے تنفر دلایا جاتا ہے تو ان جز وقتی مدرسوں میں ان چیزوں کے ازالہ کے لئے بھی کوئی ٹھوس اور سنجیدہ کوشش ہونا چاہئے۔ دینی مدارس میں یہ دنیوی علوم متوسط تک، نظام الساعات میں گنجائش کے لحاظ سے پڑھائے جا سکتے ہیں لیکن درجات عالیہ میں ان کو شامل کرنا دینی علوم کو نقصان پہنچانا ہوگا۔ ہاں اگر افرادِ ملت اس کی ضرورت سمجھتے ہیں اور وسعت رکھتے ہیں تو ایسے مدارس قائم کریں جن میں دنیوی علوم یعنی سائنس، انجینیرنگ اور ڈاکٹری وغیرہ کی تعلیم کا معقول انتظام ہو اور ساتھ ہی دینیات کی تعلیم و تربیت کا آخری درجات تک نظم ہو لیکن ان مدارس میں مسلم سائنس داں، مسلم انجینیر اور مسلم ڈاکٹر وغیرہ بنانے کی کوشش ہو مفسر، محدث اور مفتی بنانے کی غلطی نہ کی جائے۔

بعض بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح

بعض حضرات اپنے بچوں کو کسی سرکاری اسکول یا پرائیویٹ نرسری اسکول یا انگلش میڈیم اسکول وغیرہ میں داخل کر دیتے ہیں بچہ وہاں اچھا چل پڑتا ہے، پھر اچانک خود سے یا کسی کے سمجھانے سے بچہ کو وہاں سے نکال کر کسی دینی مدرسہ میں داخل کرتے ہیں اس حال میں کہ وہاں کا کوئی مرحلہ طالب علم پورا نہیں کر سکا تھا، ساتھ ہی وہ دینی مدارس کے دو اہم مضمون اردو اور قرآن مجید ناظرہ میں نِل ہوتا ہے اس لئے اس کو دینی مدرسہ میں پہلے درجہ سے چلنا پڑتا ہے جس کا نفسیاتی اثر بچہ پر یہ پڑتا ہے کہ وہ تعلیم سے بددل ہو جاتا ہے اور کبھی تو ذہنی طور پر ڈل ہو جاتا ہے ایسے بچوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ ان کی دینی تعلیم کے لئے صبح و شام کے اوقات میں نظم کیا جائے چاہے یہ نظم ٹیوٹر کے ذریعہ انفرادی ہو اور چاہے صباحی و شبینہ درجات کا نظم کر کے اجتماعی ہو۔ اور چاہے گھر کے افراد یہ ذمہ داری خود لیں لیکن جو کچھ بھی ہو منظم ہو اور ثبات کے ساتھ ہو۔

درس کی جگہوں پر توجہ اس میں شک نہیں کہ اس وقت بعض مدرسوں کے پاس شاندار عمارتیں ہیں مگر طلبہ ندارد، لیکن بہت سے مدرسے ایسے بھی ہیں جن کی عمارتیں ناکافی ہیں، ایسے بھی مدرسے موجود ہیں جن میں معمولی چھپر کے سوا کچھ نہیں، بہت سے مدرسے تو تنگ مسجدوں میں ہیں، ان دینی مدارس کے مقابلہ پرائیویٹ اسکولوں کی شاندار اور تمام سہولیات والی عمارتیں ان دینی مدارس کے طلبہ کو احساس کمتری میں مبتلا کرتی ہیں اس طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، خرچ کرنے والوں کو خود کچھ محنت کرنا چاہئے اور زیادہ ضرورت والوں کو مقدم کرنا چاہئے، اول تو اس توجہ ہی کی امید کم ہے اور اگر توجہ ہو بھی جائے تب بھی عمارتوں اور جگہ کی کمی باقی رہے گی، لہٰذا اس احساس کمتری کو دور کرنے کے لئے ہم کو اصول و ضوابطِ اعلیٰ اخلاق اور استغنا اپنانا ہوگا اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ صاحب اخلاق کبھی بھی صاحب مال کے مقابلہ میں اپنے کو کمتر تصور نہیں کرتا اور نہ مال کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔

اصلاح کا طریقہ

جگہ موجود مگر عمارت نہیں ہے تو اسے سستے سے سستے میٹریل سے منظم کریں، مثلاً پھوس کا چھپر ڈالیں، ٹٹوں سے گھیر دیں، صاف ستھری ٹاٹ پٹیاں بچھائیں، صفائی ستھرائی کا خوب خیال رکھیں، یہ کیا کہ میلی لنگی، میلے پائجامے، میلے کرتے پہنے میلے کچیلے لڑکے تتر بتر بیٹھے چلا چلا کر سبق یاد کر رہے ہیں اور گندی لنگی، میلا کرتا، تیل بھری ٹوپی پہنے منہ میں پان دبائے مولوی صاحب ڈانٹ ڈانٹ کر پڑھا رہے ہیں، ظاہر ہے ایک مہذب آدمی اپنے بچہ کو اس مجمع میں بٹھلانے کے لئے بخوشی تو نہ تیار ہوگا، تھوڑی توجہ کی ضرورت ہے میلے کپڑے اور میلے لڑکے پانی کی مدد سے صاف ہو سکتے ہیں، بچوں کو نظم سے بٹھایا جا سکتا ہے اور نظم و ضبط سے پڑھایا جا سکتا ہے،

(باقی ص ٢٧ پر)

مسلمانوں کی دو ذمہ داریاں ہیں

حضرت مولانا الشاہ محمد ابرار الحق صاحب مدظلہ العالی

(۲)

نصیحت آموز واقعہ

اس سلسلہ میں ایک واقعہ اور یاد آیا۔ چونکہ اس جلسہ میں طلبا کرام اور حضرات مدرسین بھی تشریف فرما ہیں ان سب کے لئے اس میں عبرت و نصیحت کی چیز ہے کہ حضرت شاہ اسحاق صاحب دہلوی محدث تھے۔ ان کے دو شاگرد تھے۔ ایک نواب قطب الدین صاحب دوسرے حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی۔ متقی دونوں تھے لیکن مولانا کاندھلوی کا تقویٰ مشہور تھا۔ ایک مرتبہ نواب صاحب نے اپنے استاذ حضرت شاہ اسحاق صاحب اور علمائے کرام کی دعوت کی۔ اسی کے ساتھ اپنے ساتھی مولانا مظفر حسین صاحب کو بھی دعوت دی۔ تو انھوں نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہ میں تمہاری دعوت قبول نہیں کرتا۔ چونکہ مولانا نواب صاحب کے ساتھ تھے اسی لئے انھوں نے اس واقعہ کی اطلاع شاہ اسحاق صاحب سے کردی کہ حضرت! سب ساتھیوں نے دعوت قبول کر لی مگر بھائی مظفر حسین نے دعوت قبول نہیں کی، جب حضرت کے علم میں یہ بات آئی تو حضرت نے فرمایا کہ مولانا کو بلاؤ تاکہ معلوم کیا جائے کہ کیا بات ہے؟ چنانچہ مولانا خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے پوچھا میاں مظفر حسین! کیا نواب صاحب کی آمدنی میں کچھ شبہ ہے کہ تم نے ان کی دعوت قبول نہیں کی؟ مولانا نے کہا حاشا و کلا ایسا ہرگز نہیں۔ پھر شاہ صاحب نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کیوں نہیں دعوت قبول کرتے؟ کہا حضرت جی نہیں چاہتا۔ پھر حضرت شاہ صاحب نے پوچھا جی کیوں نہیں چاہتا۔ اس کو تو ظاہر کرو؟ اس پر مولانا نے کہا حضرت! میرے علم میں ہے کہ نواب صاحب مقروض ہیں۔ نواب تو پھر بھی نواب ہے اس کی حالت چاہے گر ہی جائے ایسی حالت میں بھی لوگوں کو مدعو کیا ہے تو دعوت پُرتکلف ہوگی۔ مان لو اس وقت کے لحاظ سے پانچ سو خرچ ہوئے تو آج کل کے لحاظ سے پانچ ہزار کے برابر ہو جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتنی رقم جو دعوت میں خرچ ہوگی وہ ضرورت سے زائد ہی ہوئی ہے۔ جب ضرورت سے زائد ہے تو اس کو قرض کی ادائیگی میں دینا چاہئے اب دعوت کی وجہ سے قرض کی ادائیگی میں تاخیر مناسب نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے "مطل الغنی ظلم" کہ جس کو قرض کے ادا کرنے پر قدرت استطاعت ہو پھر بھی وہ بغیر عذر کے تاخیر کرے تو یہ بھی ایک قسم کا ظلم ہے۔ اس دعوت کی وجہ سے چونکہ قرض کی ادائیگی میں دیر ہوگی اسی لئے مجھے اس دعوت کے قبول کرنے میں کراہت معلوم ہوتی ہے۔ جب شاہ صاحب نے اس بات کو سنا تو نواب صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ مقروض ہیں؟ انھوں نے کہا کہ جی ہاں! اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں مظفر حسین سلمہ جو کہتے ہیں ٹھیک ہے۔ اس لئے یہ رقم قرض میں دے دیجئے دعوت نہ کیجئے۔ یہ تھے ہمارے اکابر یہ تھی ان کی شان!۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

مدنظر تو مرضی جاناں چاہیے

اس سے ہم سب کو سبق لینا چاہئے کہ ایک طرف استاذ۔ ان کی کیا شان تھی۔ کیسے علم و فضل والے تھے مگر جہاں دین کا معاملہ آگیا سنت کا معاملہ آگیا پھر کیا کیا؟ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اس کی بالکل کھلی ہوئی مثال ہے کہ افسر نے ایک حکم دے دیا اب اس کے خلاف چھوٹے افسر حکم دیں تو کس پر عمل کریں گے؟ کس کے حکم کی تعمیل کریں گے؟ یہی معاملہ یہاں بھی ہونا چاہئے کہ والدین اعزہ و اقربا ایک کام کا حکم دیتے ہیں اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک کام کا حکم دیں تو کس کی تعمیل کی جائے گی؟ والدین کو اور دیگر لوگوں کو خوش کریں گے یا اللہ اور رسول کی اطاعت کرکے ان کو خوش کریں گے؟ وہ شخص قابل تعریف اور قابل فخر ہے کہ جو کسی کی پرواہ نہیں کرتا صرف اللہ کے حکم کو بجا لاتا ہے۔ قابل تعریف ہے وہ جو خاندان اور برادری کے رسم و رواج کے خلاف سنت کو اپناتا ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

"من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید"۔

صالح بننے کا طریقہ

بات یہ عرض کر رہا تھا کہ ہم میں سے ہر شخص صالح اور نیک بننا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اپنایا جائے اس کو اختیار کیا جائے۔ اس کی سہل صورت یہ ہے کہ اپنی اپنی مسجدوں میں کسی ایک نماز کے بعد ایک ایک سنت سنا دی جائے، بتلا دی جائے، اسی طرح

مدرسوں میں بچوں کو ایک ایک سنت تبلادی جائے اور ان سے کہا جائے کہ اپنے گھروں میں جاکر اپنے گھر والوں کو بھی تبلادیں۔ اسی طرح دھیرے دھیرے سنتوں کا علم ہوگا، سنتیں زندہ ہوں گی۔ اس پر عمل ہونا شروع ہو جائے گا۔ قطرہ قطرہ دریا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے پہلے اپنی مسجدوں کو سنّی بناؤ۔ اپنے مدرسوں کو سنّی بناؤ۔ مسجد کی جو سنتیں ہیں ان پر عمل شروع کرو۔ مدرسہ میں سنت کا مذاکرہ اور بچوں کو یاد کرانے کا سلسلہ شروع کرو۔

مساجد و مدارس کو سنّی بنائیں

آج ہماری اذانیں اور نماز سنت کے موافق نہیں، اذان سنت کے موافق سننے میں نہیں آتی۔ سات برس ہوگئے جہاں کہیں جاتا ہوں اذان غور سے سنتا ہوں، اس مدت میں مختلف جگہوں پر گیا۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اور ہندوستان کے باہر بھی مگر ایک جگہ لکھنؤ میں اذان صحیح ملی اور دوسری اذان یہاں جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں سنت کے موافق اذان ملی، یہی حال نماز کا ہے نماز سنت کے مطابق نہیں، جو جس فقہ پر عمل کرتا ہو اس فقہ میں نماز کا جو مسنون طریقہ ہے اس کے موافق نماز نادر ہے، اہل علم تو پڑھتے پڑھاتے ہیں سیکھتے سکھاتے ہیں ان کے علاوہ جو اور حضرات ہیں ان سے پوچھتا ہوں کہ کسی نے نماز سیکھی ہے؟ کسی نے اگر سیکھی ہو تو تبلائے کہ ہم نے فلاں عالم سے نماز پڑھنا سیکھا ہے۔ میں نے اس سے بڑے بڑے مجمع میں جہاں اہل صلاح تھے ان سے سوال کیا کہ نماز سنت کے مطابق پڑھنا کسی سے سیکھا ہے کہ قیام کیسے کریں، ہاتھ کیسے باندھیں، رکوع کیسے کریں، سجدہ کیسے کریں، قعدہ کیسے کریں؟ جب نماز کا یہ معاملہ ہے تو پھر ختنہ، عقیقہ، شادی غمی وغیرہ میں کس طرح سنت پر عمل ہوتا ہوگا؟ پھر نکاح و طلاق، تجارت، خرید و فروخت، معاملات یہ سب چیزیں سنت کے مطابق کیسے ہوتی ہوں گی؟

اہتمام سنّت کیا جائے

ایک طرف نماز کے فضائل ہیں تو دوسری طرف تارک نماز کے لئے وعیدیں ہیں۔ اسی طرح تاجر کے لئے بھی کتنے فضائل ہیں، فرمایا گیا۔

"التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء" (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ۲ر۲۴۳)

یہ فضیلت اس تاجر کے لئے ہے جو سچا ہو امانتدار ہو اس کا حشر انبیاء اور صدیقین کے ساتھ ہوگا، جس طرح ہماری نماز سنت کے موافق ہو، ہم نماز سنت کے موافق پڑھیں گے تو مقبول ہوگی، اسی طرح اگر ہماری تجارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق ہوگی آپ کی سنت کے مطابق ہوگی تو ایسا تاجر صادق اور امین ہوگا اور اس کا حشر عمدہ ہوگا اور اس کے خلاف ہو تو پھر معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔ اس کا حشر فجار کے ساتھ ہوگا اس لئے ہر معاملہ میں سنت کا اہتمام اور اس پر عمل کیا جائے۔

تین سہل اور اہم سنتیں

اس سلسلہ میں ایک بات اور عرض کئے دیتا ہوں کہ تین سنتیں ایسی ہیں جو عمل کرنے کے لحاظ سے تو سہل اور آسان ہیں لیکن ہیں وہ بڑی اہم کہ ان پر عمل کرنے سے خود ان کی برکات کا مشاہدہ ہوگا۔ سنتوں کا ذوق و شوق پیدا ہوگا اور سنتوں پر عمل کرنا آسان ہوگا۔ ان تین سہل سنتوں میں پہلی یہ ہے کہ سلام کرنے میں کثرت و سبقت۔ کثرت کا مطلب یہ ہے کہ سلام کرنے میں پہل کرے، سلام کرنے میں عموماً لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ سلام کا ہمزہ اور میم کی حرکت کو صاف ظاہر نہیں کرتے، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ السلامُ علیکم کے بجائے سلام علیکم کہہ رہے ہیں اس لئے جب سلام کرے تو اس کے ہمزہ اور میم کی حرکت کو صاف ظاہر کرکے پڑھے یعنی حرکت کو معروف ادا کرے۔ دوسری سہل سنت یہ ہے کہ ہر بڑھیا کام اور جگہ میں داہنی جانب کو مقدم (آگے) کرے اور ہر گھٹیا کام اور جگہ میں بائیں جانب کو مقدم (آگے) کرے۔ مثلاً مسجد میں جانا ہے وہ بڑھیا جگہ ہے۔ اس لئے پہلے داہنا پیر داخل کرے، مسجد سے نکلنا ہے وہ اندر کے لحاظ سے گھٹیا جگہ ہے اس لئے بایاں پیر پہلے نکالیں گے، کپڑا پہنیں گے تو داہنی طرف سے اور اتاریں گے تو بائیں طرف سے۔ بیت الخلاء جائیں گے تو پہلے بایاں پیر رکھیں گے وہاں سے نکلیں گے تو پہلے داہنا پیر نکالیں گے۔ یہ دوسری سنت ہوئی دائیں، بائیں اور گھٹیا بڑھیا کے لحاظ سے۔ تیسری سہل سنت یہ ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرے۔ جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان میں نماز کے فوراً بعد اور جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں سنتوں کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ، چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھے، دن بھر میں ایک تسبیح کلمہ طیبہ، ایک تسبیح درود شریف، ایک تسبیح استغفار کی پڑھے اس نیت کے ساتھ کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھے۔ اور غیر اللہ کی محبت گھٹے اور متفرق اوقات میں بغیر کسی تعداد کے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ کہے۔ اللہ اکبر پڑھے۔ چاہے ملاکر پڑھے، چاہے الگ الگ پڑھے۔ بہتر یہ ہے کہ اوپر چڑھے تو اللہ اکبر پڑھے، نیچے اترے تو سبحان اللہ کہے۔ اور برابر زمین پر چلے تو لا الٰہ الا اللہ کہے۔ تیسری سنت یہ ہوئی کہ ذکر اللہ کی کثرت رکھے۔ یہ تین سہل اور اہم سنتیں ہوئیں کہ ان کو اپنے یہاں کی مسجدوں اور مدرسوں میں سناؤ اور یاد کراؤ، اس کے موافق عمل کرو۔ ہمارے یہاں مدرسہ کی مسجد میں عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر دینی مذاکرہ ہوتا ہے اس میں ہر روز ان سنن ثلاثہ کو سنانے کا معمول ہے۔ پھر اس کے بعد اور معمولات ہوتے ہیں۔ روزانہ سنانے کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ ہر ایک کو یاد ہوگئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی یاد ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ سنن ثلاثہ سناؤ تو وہ سناتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

دارالعلوم ندوۃ الع... ء

ایک تاثر!

ڈاکٹر صفیہ نسیم

عالم آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تونے طلوعِ آفتاب (اقبال)

آج سے تقریباً بیس سال پہلے تعمیر حیات کے ایک شمارہ میں والد محترم جناب سید محمد تونکی صاحب مرحوم پر عمیر الصدیق دریابادی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جو میری بھی نظر سے گزرا۔ مضمون اتنا پُراثر تھا کہ میرے اندر مضمون نگار سے ملنے کی خواہش ہوئی لہٰذا قدم خود بخود ہی ندوہ کی طرف بڑھ گئے۔ دریافت کرنے پر ایک طالب علم نے میری رہنمائی کی اور اس طرح عمیر صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ بات چیت تقریباً پندرہ منٹ تک چلتی رہی۔ موضوع گفتگو والد صاحب سے ہوکر ندوہ کے شب وروز اور اس کی علمی سرگرمیوں کے گرد گھومتا ہوا ختم ہوگیا اور میں گھر آگئی۔ اس گفتگو اور ندوہ کے ماحول نے دل ودماغ پر کچھ ایسا اثر چھوڑا کہ یہ خواہش ہوئی کہ کاش میں بھی علم وادب کے اس کعبہ کا طواف کرسکتی۔

ندوہ میں یہ میرا پہلا داخلہ تھا۔ والد صاحب لکھنؤ میں اپنے قیام کے دوران روز ہی ندوہ تشریف لے جاتے تھے اور تقریباً روز ہی شام کو ندوہ کے کچھ طلباء ان سے ملنے گھر آیا کرتے۔ مختلف موضوع پر تبادلۂ خیال ہوتا اور میں دوسرے کمرے میں بیٹھ کر بڑے انہماک سے ان کی گفتگو سنا کرتی اور سوچا کرتی کہ جب کم عمر طلباء کا یہ حال ہے تو ۔

یا رب اس ساغر لبریز کی مئے کیا ہوگی
(اقبال)

گو ندوہ میرے لئے اجنبی نہ تھا برسوں سے اس کا تذکرہ اپنے بزرگوں سے سنتی آئی تھی مگر کوئی ذاتی تجربہ نہ تھا۔ وقت گزرتا گیا اور حالات کے پیش نظر یہ تمنا دل ہی میں رہ گئی کہ میں بھی اس سے سیراب ہوسکوں۔ مگر نیت میں خلوص تھا اور صدقِ دل سے نکلی ہوئی دعا بارگاہِ خداوندی میں ضرور قبول ہوتی ہے ۔

بیٹھے بیٹھے مجھے آیا ہے گناہوں کا خیال
آج شاید تری رحمت نے مجھے یاد کیا

دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ندوہ جاکر وہاں کی مشہور ومعروف لائبریری میں کتابوں کا مطالعہ کروں تاکہ قرآن وحدیث کی کسوٹی پر سائنس اور اس کے تجربات کو پرکھ سکوں۔ اس سلسلہ میں ایک تعارفی خط جناب افتخار قدوائی صاحب سے کتب خانے کے انچارج صاحب کے لئے لیا اور بسم اللہ کہہ کر کتب خانہ میں قدم رکھا اور تعارفی خط مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا بہت شفقت سے پیش آئے میری ہمت افزائی کی اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا جس سے احساس اجنبیت جاتا رہا۔ کتب خانہ میں ایک جگہ میرے لئے مخصوص کردی گئی جہاں بیٹھ کر میں نے بغور کتب خانہ کا جائزہ لیا۔ وسیع اور پرسکون ہال میں بڑے سلیقے سے کتابیں ریک میں رکھی ہوئی تھیں اور لوگ خاموشی سے مطالعہ میں مصروف تھے۔ اسی اثنا میں ایک نیک صفت مولانا نے (جن کا نام گرامی اس وقت ذہن سے اتر گیا ہے) کتابیں ڈھونڈنے میں میری مدد کی اور بہت سی کتابیں میرے موضوع سے متعلق خود مجھے لاکر دیں۔ اللہ ان کی بھی ہر ہر قدم پہ مدد فرمائے۔ آمین ۔

جیسا کہ اوپر لکھا ہے کتب خانہ کا ماحول نہایت پرسکون پایا حتیٰ کہ طلباء کی کھسر پھسر جو کہ اکثر بڑے بڑے کتب خانوں میں سنی جاتی ہے وہ بھی سننے میں نہیں آئی۔ میں چھٹی کے دنوں میں صبح سات بجے سے ایک بجے تک کتابوں سے نوٹس لینے میں مصروف رہتی اور اس دوران وہاں موجود عملہ میں سے کوئی نیک طینت ٹھنڈے پانی کا گلاس میری میز پر رکھ دیا کرتے۔ جس طرح انھوں نے میری پیاس کا خیال رکھا اللہ انھیں حوضِ کوثر سے پینا نصیب کرے۔ آمین۔

الماریاں مختلف موضوعات پر مشتمل کتابوں سے بھری تھیں جو اردو، انگریزی، ہندی اور عربی زبانوں میں تھیں۔ علم دین کا تو ذکر ہی کیا سائنس کا بھی شاید ہی کوئی موضوع بچا ہو جس میں کتابیں نہ موجود ہوں۔ میں نے زیادہ تر اردو اور انگریزی کتب کا مطالعہ کیا اور ان سے نوٹس بنائے۔ عربی میں لاتعداد کتابیں تھیں جنھیں میں زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے حسرت بھری نظروں سے دیکھا کرتی اور سوچتی کہ یہ زبان جس میں علم ومعرفت کا سرچشمہ اتارا گیا ہے وہ میں نے کیوں نہ سیکھی۔!

وقت اسی طرح گزرتا رہا۔ میں حسب معمول صبح جاتی اور اوراق کی سرگردانی کرتی۔ وقت کا احساس جب ہوتا جب کھڑکیاں بند ہونے کی آواز کانوں میں آتی۔ ایک دفعہ کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ میں پڑھنے میں اس قدر غرق ہوگئی کہ گھڑی کی طرف دیکھنا بھی بھول گئی۔ جب نظر اٹھی تو دیکھا کہ ایک صاحب چابیوں کا گچھا لیے بند کرنے کے انتظار میں کھڑے

کیونکہ وقت کچھ اوپر ہو چکا تھا۔ یہ شائستگی کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ورنہ اکثر اداروں کے کتب خانے وقت سے پہلے ہی بند کر دیئے جاتے ہیں میں اپنے موضوع سے متعلق بہت سی کتابیں میز پر اکٹھی کر لیا کرتی تھی تاکہ بار بار کی زحمت سے بچوں مگر کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ ان کتابوں کو کسی نے بغیر اجازت ہاتھ بھی لگایا ہو۔ طلبا بھی جو کتاب وہاں سے اٹھاتے ٹھیک اسی جگہ پر واپس رکھ دیتے۔

کتب خانہ میں داخل ہوتے اور سیڑھیوں سے اترتے وقت اکثر طلبا میرے چڑھنے اور اتر جانے کے انتظار میں کھڑے رہتے جب میں اتر جاتی تو وہ میرے پیچھے اترتے۔ ادب اور تہذیب کو اس حد تک ملحوظ رکھنا۔ یہ شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے اور وہ بھی خصوصاً آج کل کے دور میں۔ یہ انھیں اساتذہ کی دین ہے جنھوں نے صرف درس و تدریس ہی کا کام انجام نہیں دیا بلکہ سیرت اور کردار کی بھی مکمل آبیاری کی ہے۔ میرا سر عقیدت ان کے لئے خم ہے۔ جہاں تک نظم و نسق کا تعلق ہے آتے اور جاتے کبھی بھی طلبا یا اساتذہ کے جھنڈ گپیں کرتے ہوئے نظر نہیں آئے۔ بڑے سے بڑے ادارے میں چلے جائیے چائے کے دور چلتے ہیں خوش گپیاں ہوتی ہیں جن کو کبھی DISCUSSION کا نام دیا جاتا ہے۔

ندوہ کی اپنی ایک الگ خصوصیت ہے۔ ایک وقار ہے۔ ہر بات سے ایک شان ٹپکتی ہے کیوں نہ ہو؟ مولانا شبلی نعمانیؒ مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا سید عبدالحیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ، کا سینچا ہوا باغ ہے۔ آخر اس کی رگوں میں انھیں بلند پایہ ہستیوں ہی کا تو لہو دوڑ رہا ہے۔ جس کی جیتی جاگتی مثال مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی ذاتِ گرامی ہے۔ اس چمن سے توحید کی وہی جانی پہچانی بو آتی ہے جو اسلام کی اساس ہے۔

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے
(اقبالؒ)

ہر مکتبۂ فکر کے لوگ موجود ہیں مگر کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ برخلاف اس کے آج کل اداروں میں اساتذہ و طلبا کی مختلف گروہ بندیاں ہوتی ہیں جو اکثر و بیشتر اپنے ذاتی مفاد کے لئے آپس میں رسہ کشی کرتے رہتے ہیں۔ آئے دن اداروں میں ہنگامہ آرائیاں ہوتی ہیں اور اخباروں میں جلی حروف میں سرخیاں چھپا کرتی ہیں مگر ندوہ کے بارے میں جہاں تک میری معلومات ساتھ دیتی ہیں کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ سننے میں نہیں آیا کیونکہ یہاں صرف ایک ہی جماعت کام کر رہی ہے۔ خدا کی وحدانیت پر قائم رہنے والی جماعت۔ سنت رسول پر قائم رہنے والی جماعت۔ کیا یہ کم فخر کی بات ہے؟ اس نظم و نسق کی اور اعلیٰ قدروں کی ذمہ دار مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی بابرکت ذات اور بلند پایہ شخصیت ہے نیز وہ اساتذہ جنھوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے اور باہمی اتفاق کو برقرار رکھا ہے میری بارگاہِ ایزدی میں دعا ہے کہ وہ ان بلند پایہ ہستیوں کو اپنی نوازشوں اور بے پایاں رحمتوں سے نوازے۔ آمین۔

دورانِ مطالعہ جن اساتذہ و ذمہ داران سے میرا سابقہ پڑا میں نے انھیں انتہائی ہمدرد اور صادق القول پایا۔ ان حضرات نے اپنے قیمتی وقت میں سے جو لمحات میرے لئے نکالے اور جس طرح اپنے مفید مشوروں اور علمیت سے نوازا میرے پاس ان کے شکریہ کے لئے مناسب الفاظ نہیں ہیں۔ جن حضرات نے وقتاً فوقتاً میری اعانت فرمائی ان کے اسمائے گرامی کا ذکر میرے اوپر لازم ہے۔ مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی۔ مولانا سید سلمان ندوی، مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب افتخار صاحب قدوائی۔ مولانا عبدالقادر اور مولانا سلطان صاحب کی میں از حد مشکور ہوں اللہ ان پر اپنی رحمتوں کا سایہ کرے۔ آمین۔ آج جب میں یہ سطریں لکھ رہی ہوں مجھے اس بات کی انتہائی خوشی ہے کہ اللہ کے فضل و کرم، ندوہ کے ماحول اور کرم فرماؤں کی بدولت میں پچھلے ایک سال سے عربی زبان سیکھ رہی ہوں اور اب اس دور سے گذر رہی ہوں کہ کچھ کچھ سمجھنے بھی لگی ہوں جس کے لئے میں مولانا ڈاکٹر عبداللہ ندوی اور مولانا عبدالقادر صاحبان کی احسان مند ہوں۔ اللہ اپنی رحمتوں کے خزانے ان پر کھولے۔ آمین۔ میں ندوہ کے فارغ التحصیل طالب علم جناب عبدالودود کی بھی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے بڑی محنت، خلوص اور ایمانداری سے اپنے فرض کو انجام دیا اور مجھے فصیح اور بلیغ زبان سکھائی۔ اللہ انھیں بھی اپنے کرم سے نوازے۔ آمین۔

یہ وہ دلی تاثرات ہیں جو میں نے ندوہ کے لیے محسوس کئے اور اس وقت الفاظ کی شکل میں ڈھل کر ان صفحات پر بکھر گئے ہیں میں پورے صدق دل سے دست بدعا ہوں کہ اللہ رب العزت یہاں کے ہر طالب علم کو دین کے افق پر اسی طرح چمکائے جس طرح آسمان میں اندھیری رات میں ستارے چمکتے ہیں۔ اور جو منصب خلافت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا ہے اس کا پورا پورا حق ادا کرے۔ آمین۔

اور دل کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے
(اقبالؒ)

تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم

پروفیسر وصی احمد صدیقی

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے نمایاں صفات اور کمالات (۲)

حافظ ابن تیمیہ کے متعلق ان کے معاصرین اور متاخرین نے نہایت بلند کلمات کہے ہیں ان کو نادرہ روزگار، سرآمد محققین، آخر المجتہدین اور "آیۃ من آیات اللہ" شمار کیا ہے۔ ابن سیدالناس کہتے ہیں اُن کے معاصرین اور دیکھنے والوں نے ان کا جیسا نہیں دیکھا اور نہ انھوں نے خود اپنی نظیر دیکھی۔ حافظ شمس الدین الذہبی جیسے وسیع النظر مورخ اور نقاد مبصر نے یہاں تک فرمایا ہے "اگر رکن و مقام ابراہیم کے درمیان مجھے قسم دیکر پوچھا جائے تو میں حلفیہ کہوں گا کہ نہ میں نے علم میں ان جیسا دیکھا نہ انھوں نے اپنا جیسا دیکھا۔

اللہ تعالیٰ نے ابن تیمیہ کو جو حافظہ اور قوت استحضار عطا فرمائی تھی۔ اس کی مدد سے انھوں نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ علم الخلاف (اختلافات ائمہ) علم کلام، تاریخ، سیرو آثار۔ علم رجال۔ لغت و نحو کے اس وقت تک کے ذخیرہ پر عبور حاصل کر لیا۔ جتنی کتابیں ماخذ اور مواد اس وقت موجود تھی اور جہاں تک ان کی دسترس تھی انھوں نے اس کا مطالعہ کیا اور ان کے قوی اور امانت دار حافظہ نے اس کو محفوظ کر لیا۔

جب ابن تیمیہ مصر گئے تو علامہ ابن دقیق العید سے ملاقات ہوئی۔ ان کا تاثر یہ ہے۔

" مجھے ایسا محسوس ہوا کہ تمام علوم اس شخص کے آنکھوں کے سامنے ہیں جو چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ جو چاہے چھوڑ دیتا ہے۔"

علامہ تقی الدین ابن السبکی ان کے مشہور حریف ہیں لیکن بایں ہمہ حافظ ذہبی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں " وہ علمی کمالات کے ایسے مرتبے پر پہنچ گئے ہیں کہ اُن کی تعریف مشکل ہے۔"

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو ان کی تاریخ دانی وسعت نظر اور حاضر دماغی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

ایک اسلامی ملک میں یہودیوں نے ایک قدیم دستاویز پیش کی جس میں درج تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ معاف کر دیا تھا۔ اس دستاویز پر حضرت علیؓ حضرت سعد بن معاذؓ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کے دستخط تھے۔ جب یہ دستاویز شیخ الاسلام کے سامنے آئی تو انھوں نے اس کو جعلی قرار دیا اور ثبوت میں دس دلیلیں پیش کیں پہلی دلیل یہ کہ اس پر حضرت سعد بن معاذؓ کے دستخط ہیں۔ حالانکہ جنگ خیبر سے پہلے ان کی وفات ہو چکی تھی۔ دوسرے یہ کہ جزیہ ساقط کر دیا گیا حالانکہ جزیہ کا حکم اس وقت تک آیا ہی نہ تھا۔ یہ تو خیبر کے تین سال بعد تبوک کے سال نازل ہوا ہے تیسرا یہ کہ یہودیوں سے بیگار نہیں لیا جائے گا حالانکہ حضور صلعم اور صحابہ کرام اس زبردستی سے پاک تھے۔ غرض اسی نمونہ کی دلیلیں تھیں جس سے اس جعل کی قلعی کھل گئی۔

شجاعت اور فکری استقلال :-

ایک ترک امیر اور فوجی افسر نے لکھا "وہ اس بے تکلفی سے فوج میں گھس جاتے تھے جیسے ان کو موت کا کوئی ڈر نہیں"۔ وہ شجاعت بھی جو علمی معرکوں، علمی میدان اور تحقیق اور اظہار حق میں ان سے ظاہر ہوئی۔ اس کی نظیر نہیں ملے گی۔ ذہبی نے لکھا ہے" وہ وہی سچی کڑوی بات کہتے رہے جو ان کے اپنے اجتہاد۔ غور و فکر۔ ذکاوت اور سنن اور اقوال پر وسیع نظر کے سبب سے سمجھ میں آئی تھی۔ کتنی بار اس کی نوبت آئی کہ سب گروہ ایک طرف تھے اور وہ تنہا ایک طرف۔ ابن تیمیہ کا اصلی امتیاز تنہا ان کا علمی تبحر نہ تھا بلکہ اُن کا ذوق تحقیق اور مجتہدانہ طرز تھا ابوحیان نحوی نے جب الکتاب کا حوالہ دیا تو انھوں نے اس میں ۸۰ مقامات پر غلطی کی نشاندہی کی خود حجۃ الاسلام امام غزالی اپنی مایہ ناز کتاب احیاء العلوم کو یونانی الہیّت سے پوری طور پر محفوظ نہ رکھ سکے مگر ابن تیمیہ نے منطق و فلسفہ کے مسلم الثبوت مسائل پر ناقدانہ بحث کی۔ بہت سے فقہی مسائل پر جو طے شدہ سمجھے جا رہے تھے۔ از سر نو غور کیا۔ ذہبی نے لکھا ہے۔ انھوں نے سنّتِ خالصہ اور طریقۂ سلف کی نصرت میں ایسے دلائل مقدمات اور وجوہ قائم کیے جس میں وہ منفرد ہیں۔

اخلاص و انہماک

وہ علم دین کے لیے ہمہ تن وقف تھے۔ سوائے

درس وتدریس۔ وعظ وارشاد۔ تصنیف وتالیف اور تحقیق اور تدقیق اور کسی مشغلہ سے تعلق نہیں رکھا۔ صاحب الکواکب الدریۃ معتبر لوگوں سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

انھوں نے اپنی ذات کے لیے کوئی دوسرا مشغلہ اختیار نہیں کیا۔

وہ کبھی فتویٰ دینے میں مشغول ہوتے کبھی لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں۔ دن میں بھی اور رات میں بھی برابر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور کلمۂ توحید و استغفار میں مشغول رہتے۔

ابن تیمیہ نے ۶۷ سال کی مصروف اور پر از حوادث واقعات اور تلاطم خیز زندگی میں تصنیفات تحقیقات اور علمی آثار کا ایسا ذخیرہ چھوڑا جو اہل علم کی ایک پوری جماعت کے لیے سرمایۂ فخر بن سکتا ہے وہ بجا طور پر ایک نئے عہد کے بانی اور ایک عہد آفریں شخصیت کے مالک کہے جاسکتے ہیں۔

ابن تیمیہ کی ہر تصنیف کے ناظر پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف مقاصد شریعت اور روح دین کا راز دان ہے۔ ان کی کتابوں میں زندگی نظر آتی ہے۔ یہ کتابیں کسی الگ تھلگ جزیرے میں نہیں لکھی گئیں بلکہ عین زندگی کے میدان اور عوام کے بیچ میں لکھی گئیں۔ ان کے طریقہ تفسیر کی بھی بڑی خصوصیت ہے۔ کہ اس کا زندگی سے ربط ہے وہ آیات الٰہی کو اپنے معاصر انسانوں پر منطبق کرتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب اکثر ایک کتب خانہ کا قائم مقام بن جاتی ہے۔ انھوں نے بہت سے قدیم مواد کو محفوظ کر دیا اور بہت سی آرا وافکار کو اپنی کتابوں میں نقل کرکے ضائع ہونے سے بچا لیا۔ کلامی اور فقہی تصنیفات میں خشکی۔ پیچیدگی اور متون کی شان نہیں ہے وہ دلچسپ۔ جاندار اور پر زور ہیں۔ اُن کے قلم میں اکثر رجز کی شان پیدا ہو جاتی ہے حافظ ابو حفص کہتے ہیں ان کے کلام میں سیلاب کی سی روانی اور سمندر کی سی طغیانی ہوتی ہے اقشہری نے لکھا ہے کہ اُن کا قلم اور ان کی زبان ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں۔ اُن سے مناظرہ کرنے سے لوگ احتراز کرتے تھے۔ ان کے ایک فاضل ہم عصر اور مناظر شیخ صفی الدین الہندی نے لکھا ہے۔

ابن تیمیہ تم ایک چھوٹی چڑیا (کنجشک) کی طرح ہو جب میں اس کو ایک جگہ سے پکڑنا چاہتا ہوں وہ اڑ کر دوسری جگہ پہنچ جاتی ہے

مخالفت کے اسباب:-

ایسے جامع کمالات انسان کی عظمت وقبولیت پر تو سب کا اتفاق ہونا چاہیئے۔ پھر ان کے معاصرین اور بعض متاخرین نے کیوں اس شدت سے اُن کی مخالفت کی اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ وہ اس زمانہ اور اس نسل کی عام ذہنی وعلمی سطح سے بلند تھے۔ اس کمال کی صاحب کمال کو بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے یہ معاصرین اس صاحب کمال کی تازگیِ فکر بلندیِ نظر اور قوت اجتہاد کا ساتھ نہیں دے پاتے مدارک اور استعدادوں کا یہ تفاوت اُس کے اور اس کے معاصر کے درمیان کشمکش پیدا کر دیتا ہے ساتھ ہی ساتھ ابن تیمیہ اپنی شخصیت کی بلندی کی وجہ سے عوام اور خواص میں مقبول اور حکومت پر حاوی ہوتے جارہے تھے۔ ہر زمانہ کے علماء بہر حال بشر تھے۔ ان کی مخالفت کی وجہ احساس کہتری بھی ہوسکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے ایک جگہ لکھا ہے۔

"لیکن فہم ایں معنی بغایت دقیق است۔ جمع کہ سرمایۂ علم ایشاں شرح وقایہ و ہدایہ باشد کجا ادراک ایں سر دقیق توانند کرد۔

(وہ لوگ جن کے علم کا سرمایہ شرح وقایہ اور ہدایہ ہو کہاں اس گہرے بھید کو جان سکتے ہیں) علامہ ذہبی نے لکھا ہے "بحث کے اثناء میں کبھی کبھی ان کی طبیعت میں تیزی اور غصّہ پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے مقابل اور مناظر پر ایسا وار کرتے ہیں جس سے طبیعتوں میں عداوت کا بیج پڑ جاتا ہے" یہ مزاج ان کے لیے تکلیفوں کا باعث بن گیا تھا۔ مسئلہ زیارت میں جب تقی ابن الاخنائی مالکی نے ان کا رد کیا تو امام ابن تیمیہ نے لکھا کہ موصوف نہایت کم علم اور قلیل المعلومات شخص ہیں۔ ظاہر ہے یہ تبصرہ کیوں لطف دیتا اسی طرح ابو حیّان مفسّر جو اپنے زمانے کا امام نحو سمجھا جاتا تھا۔ ان کی تعریف میں قصیدہ لکھ کر لایا۔ گفتگو میں نحو کے کسی مسئلہ پر بات چیت ہوئی۔ ابو حیاں نے سیبویہ کا حوالہ دیا۔ ابن تیمہ نے کہا کہ اس نے الکتاب میں اسّی جگہ غلطی کی ہے جن کو تم سمجھ نہیں سکتے۔ ابو حیّاں کی طبیعت ایسی منغض ہوئی کہ اس نے اس قصیدہ کو اپنے دیوان سے خارج کر دیا۔ اور ہمیشہ کے لیے مخالف بن گیا۔

انھوں نے عقیدہ اشعریت جو عقیدہ اہلسنّت کے نام سے موسوم تھا اس سے پوری جرأت اور قوت کے ساتھ اختلاف کیا۔ انھوں نے صحابہ وتابعین اور اکابرین کے قول سے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کی شان لیس کمثلہ شئی کے لائق اور تشبیہ وتجسیم" نیز نفی وتعطیل سے منزّہ اور پاک ہے اس فیصلہ کو ایک بدعت قرار دیا گیا۔ اور ان پر تجسیم کا الزام لگایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تاویل وتجسیم کے درمیان کا راستہ بہت نازک ہے۔ ابن تیمیہ پر تجسیم کا الزام لگنا خلاف قیاس نہیں مگر واقعہ یہ ہے وہ اس الزام سے بالکل بری ہیں مخالفت کا ایک سبب شیخ محی الدین ابن عربی سے اختلاف بھی تھا۔ جو لوگ تصوف کا مذاق رکھتے تھے وہ مسئلہ وحدت الوجود کی مخالفت کو ان کا سب سے بڑا قصور سمجھتے ہیں۔ مگر اس رائے میں ابن تیمیہ منفرد نہیں ہیں بڑے جلیل القدر عالم ان کے ہم نوا رہے

یں حضرت مولانا نے مجدد الف ثانی کا قول نقل کیا ہے۔

"ہمیں محمد عربی صلعم کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی و صدرالدین قونوی اور عبدالرزاق کاشی کا۔ ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے۔ فتوحات مدینہ نے ہم کو فتوحات مکیہ سے مستغنی کر دیا ہے۔"

بعض لوگوں نے ان کی طرف ایسے اقوال کی نسبت کی تھی جو عام عقیدۂ اہل سنت میں موجب کفر ہیں اور بعض ایسے اقوال بھی اُن سے منسوب کیے گئے ہیں جن سے مقام رسالت میں سوئے ادب کا پہلو نکلتا ہے دوسرا کابرامت بھی دشمنوں کی اس سازش کا شکار ہوئے ہیں۔ ایسے اقوال و عقائد کی نسبت اُن سے کی گئی جس سے وہ بالکل بری تھے۔ امام غزالی کے ساتھ یہی سلوک ہوا۔ معارج القدس، مشکوٰۃ الانوار بے اصل کتابیں ہیں جو امام غزالی کے دشمنوں نے تصنیف کرکے ان کی طرف منسوب کر دی۔ امام شعرانی وغیرہ کا خیال ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابوں میں بھی یہ عمل ہوا ہے۔ خود امام شعرانی کے ساتھ یہی سلوک ہوا

ابن تیمیہ کے ساتھ ان کے معاصرین کا جو معاملہ رہا ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے مخالفین کا ایک گروہ ایسا تھا جو کہتا تھا کہ ابن تیمیہ کو جو شیخ الاسلام کہے وہ کافر ہے۔ ابن حجر مکی نے ابن تیمیہ کے خلاف بہت سخت فیصلہ دیا لیکن خود جا ان کے شاگرد ملا علی قاری کو اس سے اختلاف تھا وہ شرح شمائل ترمذی اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے

ابن تیمیہ اور ابن قیم اہلسنت والجماعت کے اکابر اور امت محمدی کے اولیاء اللہ میں تھے حضرت مولانا نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عربی مکتوب کے ایک حصہ کی نقل کی ہے جو ابن تیمیہ کے لیے بلند توصیفی کلمات پر مشتمل ہے اس کے بعد اب کسی کے قول کی گنجائش نہیں۔

پھولوں کے موسم کے نغمے بلبل ہی اچھا گاتی ہے۔

(جاری)

(بقیہ) مسلم بچوں کی تعلیم

صرف صفائی اور نظم پر توجہ ہو جائے اور اصولوں کی پابندی کی جائے تو اونچی عمارت والے ان چھپر والوں پر رشک کریں۔

اس اصلاح میں بڑی اہم بات مدرس کی اصلاح بھی ہے، پہلی بات تو مدرس طلبہ کو جس طرح کا بنانا چاہتا ہے خود اس کا نمونہ پیش کرے، سستے اور پیوند والے کپڑے پہننے میں کوئی حرج نہیں لیکن گندے اور میلے کپڑوں میں رہنا بڑا عیب ہے، بڑے بڑے بال رکھنا، پان، تمباکو، بیڑی سگریٹ کا استعمال کرنا، انگلیوں میں کئی انگوٹھیوں اور چھلوں کا پہننا نہ دینی مدرسہ کے مدرس کی صفت ہے نہ دنیاوی مدرسہ کے مدرس کی، یہ تو مدرس کی ظاہری صورت کی بات ہوئی، صلاحیت کے سلسلہ میں عرض ہے کہ مدرس جس مضمون یا کتاب کے پڑھانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اسے پڑھانے کی ذمہ داری نہ ساتھ ہی تجربہ کاروں نے اپنے تجربات سے بچوں کی نفسیات اصول تعلیم اور تدریس کے طریقوں پر جو کچھ لکھا ہے مدرس ان کا مطالعہ ضرور کرے اور اگر مدرس کا علمی معیار کم ہو تو کسی صاحب علم سے ان مضامین کو سمجھے اور بہتر ہوگا کہ دینی مدارس کے لوگ مدرسین کے لئے اس کا اجتماعی نظم کریں جس میں ان مضامین پر دروس ہوں، اس سلسلہ میں انگریزی، ہندی اور اردو میں متعدد کتابیں مہیا ہیں لیکن میرے نزدیک دینی تعلیمی کونسل سے شائع شدہ جناب نجم الحق صاحب (ایم ایڈ علیگ) کی کتاب "اصول تعلیم" اور جناب افضل حسین ایم اے ایل ٹی کی کتاب "فن تعلیم و تربیت" (جسے مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی نے چھاپا ہے) بہت اچھی کتابیں ہیں۔

اساتذہ کی مشکلات اور ان کا حل

بعض اساتذہ کہتے ہیں کہ مجھے ملتا ہی کیا ہے کہ میں اتنی محنت کروں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو رزق واسع حلال وطیب عطا فرمائے، ایسے ساتھیوں کی خدمت میں عرض ہے کہ کام میں کوتاہی یا بے سلیقہ کام کرنے سے رزق میں وسعت تو آ نہیں جائے گی تو پھر آپ نے جب تدریس کا شریف پیشہ اپنایا ہے تو اسے سلیقہ اور اصول سے کیجئے ہو سکتا ہے اس کی برکت سے آپ کی روزی میں وسعت آ جائے یا اسی روزی میں برکت پیدا ہو اور سکون حاصل ہو جائے ساتھ ہی منتظمین حضرات سے درخواست ہے کہ وہ مدرسین کے لئے اتنا مہیا کرنے کی کوشش فرمائیں کہ ان کی ضروریات زندگی پوری ہو جایا کریں، اگر اتنا معاوضہ پیش کرنے سے قاصر ہوں تو مدرسہ کا نظام الاوقات اس طرح بنائیں کہ ضروری تعلیم بھی متاثر نہ ہو اور مدرس کا کچھ وقت بھی فارغ ہو جائے تاکہ اگر اس کے لئے ممکن ہو تو کسی اور راستہ سے کچھ کسب کر سکے، یا اپنے ضروری کام خود کرکے کچھ مصارف بچا سکے لیکن جتنا وقت مدرسہ کے لیا جائے اس کا استعمال صحیح ہو۔

دعائے مغفرت

تعمیر حیات کے ایجنٹ جناب عارف علی صاحب (سیتاپور) کے بھانجے محمد ریاض کا ٢٠ مارچ ١٩٩٥ء کو بمبئی میں انتقال ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔



س:۔ کیا اذان کے بعد مسجد سے نکلنا درست ہے؟

ج:۔ اذان کے بعد بغیر عذر کے مسجد سے نکلنا ممنوع اور مکروہ ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب تم مسجد میں موجود ہو اور اذان ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے بغیر مسجد سے نہ نکلے۔ (احمد)۔

س:۔ مہتمم مدرسہ کو ایک شخص نے صرف مسجد کے لئے ایک لاکھ روپئے نقد دیئے جس کو مہتمم صاحب نے بینک میں جمع کر دیا اس رقم پر ہر سال سود ملتا ہے سود کی رقم کو مدرسہ کی مد میں خرچ کرنا کیسا ہے۔؟

ج:۔ مذکور رقم کو سود حاصل کرنے کی غرض سے بینک میں جمع کرنا ہی درست نہیں ہے اصل رقم پر جتنی زائد رقم ملی سب واجب التصدق ہے اس کو مدرسہ کی مد میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

س:۔ میت کے ناخن بڑے ہوں تو کاٹ سکتے ہیں یا نہیں؟

ج:۔ میت کے ناخن وغیرہ کاٹنا منع ہے ہاں اگر ناخن ٹوٹا ہوا ہے تو جدا کر سکتے ہیں۔

س:۔ کیا قبرستان میں جوتے پہن کر جا سکتے ہیں؟

ج:۔ قبروں پر جوتے پہن کر یا بغیر پہنے ہوئے چلنا مکروہ اور ممنوع ہے مگر جس جگہ قبر نہیں ہے وہاں جوتے پہن کر چلنا بلا کراہت جائز ہے۔

س:۔ کیا قبرستان میں مکان بنا سکتے ہیں۔

ج:۔ قبرستان میں مکان وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے اگرچہ تدفین موقوف ہو اور قبریں بوسیدہ ہوچکی ہوں۔

س:۔ کیا سجدہ کرتے وقت بازوؤں کو پہلوؤں سے دور رکھنا چاہیے؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

ج:۔ ہاں بازوؤں کا پہلوؤں سے سجدہ کی حالت میں دور رکھنا مسنون ہے۔

حضرت عبداللہ بن بحینہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو اپنے بازو اپنے پہلو سے دور رکھتے یہاں تک کہ آپ کی بغلیں ظاہر ہو جاتیں۔ (بخاری، مسلم)

س:۔ کیا نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے؟

ج:۔ ہاں نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے

س:۔ کیا موت کی تمنا کرنا مکروہ ہے؟

ج:۔ موت کی تمنا کرنے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کی وجہ سے جو اسے پہنچے، موت کی تمنا کرے۔ اگر وہ تمنا کرنے پر مجبور ہی ہو جائے تو اسے یوں دعا کرنی چاہیئے کہ اے اللہ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب موت میرے لیے بہتر ہو تو مجھے موت دیدے (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر وہ گناہ گار ہوگا تو اپنے گناہوں سے معافی مانگ لے گا۔ اور اگر نیک ہوگا تو مزید نیک اعمال کرے گا۔ (بخاری ومسلم)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا بارھواں اجلاس

احمد آباد میں منعقد ہوگا

آل انڈیا مسلم پرسنل لا، بورڈ کا بارھواں سالانہ اجلاس آئندہ ماہ اکتوبر میں ہوگا جس کی مکمل تیاری کے لیے ایک ورکنگ کمیٹی کی تشکیل دی گئی ہے۔

بورڈ کے جنرل سکریٹری جناب مولانا سید نظام الدین صاحب نے مندرجہ بالا اطلاع دیتے ہوئے کہا ہے کہ ١٩٧٣ء سے مسلم معاشرہ کے مذہبی حقوق اور قانون شریعت کی حفاظت کرنے والے مسلم پرسنل لا بورڈ کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے جس میں کسی طرح کی فرقہ واریت نہیں ہے مسلم معاشرہ کے ہر فرقہ (مسلک) کے ماننے والے بورڈ میں شامل ہیں۔

انھوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ ہندوستان کے دستور میں دفعہ ٢٩ یا ٣٠ کے تحت ملک کے ہر مذہب کو آزادانہ اختیار دیا گیا ہے لیکن دفعہ ١٤٤ کی گنجائش سے صرف سول کوڈ (CIVIL CODE) کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے جس کے لیے مسلم رہنماؤں نے سابق وزیر اعظم جناب جواہر لال نہرو کے زمانہ میں مخالفت بھی کی تھی اور آنجہانی نے مسلمانوں کو یہ کہکر تسلی دی تھی کہ مسلم معاشرہ ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت ہے اور کوئی پاگل حکومت ہی مسلم قانون (شریعت) میں تبدیلی کا سوچے گی۔

اور انھوں نے مزید یہ بھی بتایا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے شرعی قوانین میں دخل اندازی کا یا مسلمانوں کے لیے کامن سول کوڈ (COMMON CIVIL CODE) لاگو کرنے کا کوئی سوال یا اندیشہ رہتا ہی نہیں ہے، ١٩٣٩ء میں انگریزی حکومت کے دور ہی میں مسلم پرسنل لا، بورڈ کو منظوری حاصل ہو چکی ہے اب اس میں ردّو بدل کی کوئی قانونی گنجائش باقی نہیں رہتی،

جناب مولانا سید نظام الدین صاحب نے پورے اعتماد و وثوق کے ساتھ یہ اطلاع دی تھی کہ طلاق، متبنی، وراثت جیسے سنگین حالات میں اور عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے مسلم پرسنل لا میں مکمل گنجائش ہے اور وہ پورے طور پر مکمل ہے۔

طلاق، کفن دفن، ایک سے زیادہ شادی کرنے جیسے امور کے سلسلہ میں اخباروں کے غلط رویہ کی مذمت کرتے ہوئے انھوں نے بتایا تھا کہ طلاق اور ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کے واقعات مسلم معاشرہ میں دوسرے مذاہب کے مقابلے میں بہت کم ہیں اس کے باوجود اخبار والے اس سلسلہ میں بغیر کسی تحقیق کے لوگوں کو غلط راہ پر لے جانے والی خبریں شائع کرکے لوگوں میں غلط فہمی پھیلاتے ہیں جو فی الواقع بہت ہی افسوس کی بات ہے، جبکہ مسلمانوں کی تدفین کے لیے مخالفت کی جاتی ہے اور یوں کہا جاتا ہے کہ قیمتی زمینیں قبرستان کے لیے روکی جا رہی ہیں اور یہ باد ..... ہیں انھوں نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ کروڑ ہا ایکڑ زمین ملک میں بیکار پڑی ہے اس کے مقابلہ میں قبرستانو کے لیے استعمال کی جانیوالی زمینیں آج بھی محدود ہیں اور اس کی وسعت کبھی نہیں ہوئی بلکہ کم ہی ہوتی گئی ہے اس کے باوجود ہندوستان میں یہ سوال کبھی پیچیدہ نہیں بنا ہے۔ انھوں نے مزید یہ بھی تنبیہ کی تھی کہ مسلم معاشرہ ہندوستان کے حق میں ہر معاملہ میں صلح کر سکتا ہے، جانی قربانی بھی دے سکتا ہے لیکن اس کے مذہبی اصول قانون شریعت (مسلم پرسنل لا، بورڈ) اس کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کسی بھی طرح کی گستاخی برداشت نہیں کرے گا، اور اس پیغام کو ایک ایک مسلمان تک پہونچانے اور اس کی ہر حال میں حفاظت مسلم پرسنل لا، بورڈ ہی کریگا اس بات کو جناب مولانا سید نظام الدین صاحب نے پر زور انداز میں کہا۔

سرزمین گجرات کے تاریخی شہر احمد آباد کے مسلمان آل انڈیا مسلم پرسنل لا، بورڈ کے اجلاس کے میزبان بنیں گے اس بات کا فخر محسوس کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ اس سے پہلے مدراس، دہلی، بمبئی، حیدرآباد، کانپور اور جے پور جیسے شہروں میں منعقد ہونے والے اجلاس کو لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے شریک ہوکر کامیاب بنایا ہے۔ اسی طرح احمد آباد کا اجلاس بھی انشاء اللہ کامیاب ہوگا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ملک میں ہر انقلاب کا آغاز کرنے والے شہر احمد آباد میں ہونے والا یہ اجلاس ایک تاریخی اجلاس ہوگا۔ ایسی امید انھوں نے ظاہر کی تھی،

ورکنگ کمیٹی کے ممبران مندرجہ ذیل ہیں۔

١۔ جناب مفتی احمد صاحب خانپوری ۔ صدر ۔

(باقی ص ٩ پر)

بقیہ مطالعہ حدیث کی بنیادی باتیں

اس طریقہ سے (یعنی حدیث اور اتباع سنت کی ضرورت کے انکار سے) ٹوٹ کر اور بکھر کر رہ جائے گا"۔ ؎

حدیث کے حجت اور یقینی طور پر قابل اعتبار ہونے کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے اور سنت کے انکار کی دعوت دینے کے مختلف دوروں میں، مختلف پیمانوں پر اور مختلف مذہبی، سیاسی اور شخصی اغراض و مقاصد سے اور شریعت اسلامی کی تنفیذ اور دینی پابندی کی ذمہ داری سے فرار کی خاطر نا عاقبت اندیشانہ کوششوں کے باوجود ہمیشہ سنت کا علم بلند رہا۔ اور اس کی دعوت جاری رہی اسلامی معاشرہ کا خمیر حدیث پاک سے تیار ہوا ہے اور اس کے رگ و ریشہ میں حدیث سرایت کر چکی ہے اور اس طرح اس کا جزو بدن بن چکی ہے، اس کو اسلامی معاشرہ کے جسم سے الگ کرنا اور محض قرآن کی بنیاد پر کوئی نیا مکمل معاشرہ قائم کرنا ممکن نہیں، خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ اَنزَلنَا اِلَیکَ الذِّکرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیھِم"۔ ؎ (اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ وضاحت کے ساتھ ان لوگوں کے لئے اس کو بیان کر دیں جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے۔)

حدیث نبوی کے ساتھ ہمیشہ مطالعہ، فہم و تحقیق اور اس کے مراجع و ماخذ کی نشر و اشاعت اور اس کے مخطوطات و نوادر کی تحقیق و طباعت وغیرہ جیسی شکلوں میں اہتمام کیا جاتا رہا۔ اور اسلامی معاشرہ کا محاسبہ و جائزہ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، و نہی عن المنکر، بدعتوں اور خرافات کی تردید، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید، عقائدی بے فکری، اور تہذیبی ارتداد اور مغربی تمدن کو اپنی تمام خرابیوں و کمزوریوں اور اسلامی زندگی کے مخالف عادات اور قوانین کے ساتھ اختیار کر لینے پر سخت نکیر کا سلسلہ ہمیشہ جوش و خروش کے ساتھ اس بنیاد پر قائم رہا کہ سنت کو فیصلہ کن حیثیت حاصل رہی اور احادیث نبویہ کو قرآن کے بعد دوسرا بنیادی ماخذ یقین کیا جاتا رہا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہر دور میں حق ثابت ہوتی رہی، "لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ مِن اُمَّتِی ظَاھِرِینَ عَلَی الحَقِّ لَا یَضُرُّھُم مَن خَذَلَھُم حَتّٰی یَاتِیَ اَمرُ اللّٰہِ وَھُم کَذٰلِکَ"۔ ؎ (میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے)۔

حدیث کی حجیت میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والے اور انکار سنت کا علم بلند کرنے والے اس "چراغ مصطفوی" کو اپنی کمزور پھونکوں سے بجھانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

"یُرِیدُونَ لِیُطفِئُوا نُورَ اللّٰہِ بِاَفوَاھِھِم وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُورِہٖ وَلَو کَرِہَ الکَافِرُونَ"۔ ؎

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(باقی آئندہ)

؎ سورۃ الاحزاب آیت ۲۱
؎ سورہ آل عمران آیت ۳۱
؎ ملاحظہ ہو ISLAM AT THE CROSS ROADS
؎ "اسلام دوراہے پر"۔
؎ "اسلام دوراہے پر" ؎ تفصیل کے لئے کتاب السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی کا دوسرا باب ملاحظہ ہو جو مختلف ادوار میں سنت کے بارے میں کیے جانے والے شبہات کے بیان میں ہے ص ۱۲۳-۱۵۲
؎ سورۃ النحل ۴۴
؎ "عن ثوبان و معاویۃ رضی اللہ عنہما" علامہ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے متعدد اسانید و شواہد ہیں۔ ؎ الصف - ۸

اعلان مفقود الخبر

مقدمہ نمبر ۳۴/۲۴۵

خورشید فاطمہ بنت حشمت علی مقام بردلیا، ڈاکخانہ ڈالی گنج ضلع لکھنؤ — مدعیہ

بنام

محمد شمیم ولد حاجی محمد یٰسین، مقام ملیسے مئو گومتی نگر، ضلع لکھنؤ — مدعی علیہ۔

اطلاع بنام مدعی علیہ

مقدمہ ہذا میں مدعیہ مذکورہ نے آپ کے خلاف عدالت ہذا میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میرا نکاح مدعی علیہ سے دو تین سال قبل ہوا۔ میرے شوہر کا ذہنی توازن درست نہیں تھا۔ دھوکہ سے شادی ہوئی۔ جب مجھے علم ہو گیا تو میں اپنے میکہ واپس آگئی۔ تقریباً آٹھ ماہ سے اپنے میکہ میں ہوں میرا ان کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا میرا نکاح شریعت کی رو سے فسخ کر کے اس قید سے چھٹکارا دلایا جائے۔

سات ماہ سے مدعی علیہ لاپتہ بھی ہے۔

لہٰذا اس اعلان کے ذریعہ آپ مدعی علیہ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں مورخہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۹۹۵ء تک مرکزی دار القضاء ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بوقت ۳ بجے دن مع گواہان و ثبوت حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ بصورت عدم پیروی مزید مہلت دیئے بغیر یکطرفہ طور پر مقدمہ فیصل کیا جا سکتا ہے۔

قاضی شریعت

مرکزی دار القضاء، اتر پردیش ندوۃ العلماء لکھنؤ

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ، دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیر حیات
لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵ مئی ۱۹۹۵ء مطابق ۲۴ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

جلد نمبر ۳۲ — شمارہ نمبر ۱۴

سرپرست
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی
مولانا محمود الازہار ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبد الرحمن ندوی
مولانا محمد رضوان ندوی
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زرِ تعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے
فی شمارہ ——— ۵ روپے
——— بیرونی ممالک فضائی ڈاک ———
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک
——— ۲۵ ڈالر
——— بیرونی ممالک بحری ڈاک ———
بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ———

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ——— مینجر

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ
226007 یوپی
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔
اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

پرنٹر پبلشر شاہ حسین نے آزاد پریس میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے شائع کیا

اس شمارے میں

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

ادارتی صفحہ

(مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)

یکساں سول کوڈ اور مسلمان

یکساں سول کوڈ کا حوالہ دے کر مسلمانوں کے پرسنل لا میں تبدیلی کو موضوع بحث عرصہ سے بنایا جاتا رہا ہے، اور یہ سمجھایا جاتا رہا ہے اور پبلک کو بھی باور کرایا جاتا رہا ہے کہ مسلمانوں کا پرسنل لا سول لا بہت ظالمانہ اور فرسودہ ہے، اور یہ زمانہ کے ساتھ نہیں چلتا۔ اس بات کی وضاحت ہے قبل کہ مسلمانوں کا پرسنل لا زمانہ کی ضرورت کے خلاف نہیں ہے۔ یہ توجہ دلانا ضروری ہے کہ خود ملک کے اکثریتی فرقے کے مختلف طبقوں کے اندر متضاد سماجی قوانین رائج ہیں۔ اور ان طبقوں کو ان پر اصرار ہے۔ اور دستور میں ان کی ضمانتیں بھی دیدی گئی ہیں۔ ان کو کوئی نہیں کہتا کہ وہ فرسودہ ہیں، اور وہ ایک دوسرے سے مختلف و متضاد ہیں۔ جب آواز آتی ہے تو مسلمانوں کے حوالہ سے آتی ہے۔ حالانکہ ان کا سماجی ضابطہ اور پرسنل لا بڑا جامع اور سماجی الجھنوں کو دور کرنے والا ہے اور زندگی کی دشواریوں کا حل رکھتا ہے۔ مخالف اسلام دانشور حضرات غیر جانبدارانہ غور نہیں کرتے۔

چند سال قبل مطلقہ کے مسئلہ کو لے کر بات چلائی گئی تھی، دراصل مسلمانوں کے پرسنل لا کی گردن پر تلوار چلادی گئی تھی لیکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی رہنمائی میں مسلمانوں کے جذبات و خیالات جب سامنے آئے تو بالآخر مسلمانوں کی شریعت کے تبدیلی سے محفوظ رہنے کو تسلیم کرلیا گیا۔

اور اب آواز دوسرا نکاح کرنے کے عنوان سے اٹھائی جارہی ہے، یہ بار بار کے تجربے مسلمانوں کے حق میں بے انصافی اور ان کے جمہوری اور سیکولر حقوق کو نظر انداز کرنے کے ہیں۔ حالانکہ وہ اس ملک کی آبادی میں ۲۰، ۲۵ فیصد ہیں ان کے خلاف ہندوستانی دستور میں ان کے مذہبی حق کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے، اس کو نظر انداز کرکے بار بار نئی باتیں کیوں کی جاتی ہیں۔؟

مسلم پرسنل لا کے جو مسئلے خاص طور پر زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ ان میں نکاح، طلاق، اسلامی وراثت اور تعدد ازدواج نمایاں ہیں اور ان میں طلاق اور تعدد ازدواج سرفہرست ہیں۔ جہاں تک طلاق کا تعلق ہے شریعت اسلامی میں اس کو اضطراری صورت حال میں حل کے طور پر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جائز باتوں میں سب سے بُری بات طلاق ہے۔ یہ حل ایسے موقع کے لئے ہے جب شوہر بیوی کا ساتھ رہنا ناقابل برداشت ہوجائے اس صورت میں بیوی کی گلو خلاصی بہتر ہے، یا جذبات، اختلاف و نفرت سے مجبور ہو کر ان کا گلا دبا دینا، آگ لگا دینا بہتر ہے؟ اس کا فیصلہ ہر سمجھدار یہی کرے گا کہ علاحدگی کردینا بہتر ہے، اس کے لئے شریعت اسلامی میں مرد کو علاحدگی کا فیصلہ خود کر دینے کا حق دیا گیا ہے، جو لفظ "طلاق" جس کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں، کے استعمال سے ہوتا ہے۔ اور بیوی کے لئے قاضی کے یہاں شکایت کرکے علاحدگی کروانے سے عمل میں آتا ہے جس کو خلع کہتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک بات نکاح کے سلسلہ میں یہ بھی سمجھ لینے کی ہے کہ ہندو مذہب اور مسلمان مذہب میں نکاح کی حیثیت بہت مختلف ہے۔ ہندو مذہب میں نکاح کے ذریعہ شوہر بیوی میں ایسا جوڑ طے کردیا جاتا ہے جو کسی حالت میں بھی نہیں ٹوٹتا، حتیٰ کہ شوہر کے مرنے پر بھی یہ تعلق نہیں ٹوٹتا۔ ایسے میں ان کے یہاں طلاق نہ ہو تو تعجب نہیں، لیکن مسلمانوں کے مذہب میں نکاح ایک باقاعدہ اور ٹھوس معاہدہ اور پیکٹ ہے جو بعد میں آپس کا جوڑ نہ بنے اور ایک دوسرے کو برداشت نہ کرسکنے کی صورت میں ختم کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ پیکٹ کرنے اور پیکٹ ختم کرنے کے لئے مضبوط ضابطے مقرر ہیں۔ طلاق ہوجانے کے بعد اسلام میں بیوی بیوی نہیں رہتی۔ اسی لئے اس کے نان نفقہ کا بھی سوال نہیں اٹھتا۔ ہاں متاع کا حق ہے۔ یعنی رخصت کرتے وقت اکرامیہ یعنی خوش دلی پیدا کرنے کے لئے کچھ دے کر رخصت کرنا۔ طلاق یا خلع کے بعد بیوی شادی سے قبل کی حالت پر لوٹ جاتی ہے، اور وہ دوبارہ اپنے میکے کی فرد بن جاتی ہے۔ اس لئے طلاق مسلمان معاشرہ میں کوئی معصیت کی بات نہیں ہے۔ البتہ اسلام میں ہر طرح تاکید ہے کہ طلاق مجبوری پر دی جائے اور تین مہینے کے اندر سوچ سمجھ کر دی جائے۔

دوسرا مسئلہ تعدد ازدواج یعنی کئی بیوی رکھنے کا ہے تو اولاً جائزہ لیا جائے تو اس طرح یہ مسلمانوں سے زیادہ دیگر قوموں میں ملے گا۔ ہندو معاشرہ

میں یہ زیادہ ہے مسلمانوں کے یہاں یوں بھی کہ ہے۔ کہ اس کو اسلام نے ضرورت اور مشکلات کا حل بتایا ہے۔ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو اس لائق نہ پائے کہ اس کی توقعات پورا کرتی ہو اور اس سے اس کا جوڑ نہ بنتا ہو اور طلاق دینے میں بیوی کا نقصان ہو یا شریفانہ وضعداری کے خلاف معلوم ہوتا ہو تو اس کو باقی رکھتے ہوئے شوہر کو دوسری بیوی لانے کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن دونوں کے حق کو یکساں ادا کرنے کی شرط رکھ دی گئی ہے۔ اسی طرح بعض وقت ملک میں مردوں کی قلت ہو جاتی ہے جیسا کہ جنگ عظیم کے بعد یورپ میں ہوا۔ عورتیں بڑھ جاتی ہیں ایسے حالات کا حل بھی تعدد ازدواج ہے ورنہ پھر کرپشن سے بچا نہیں جا سکتا ہے۔

سماجی زندگی میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کے لئے اگر شریفانہ حل نہ رکھا جائے تو انسانی کمزوری غیر شریفانہ حل تلاش کرتی ہے اور اس کے نتیجہ میں جنسی بے راہ روی اور ظلم حتیٰ کہ قتل کے واقعات رونما ہوتے ہیں جس کی مثالیں اب کثرت سے سامنے آرہی ہیں، بیوی کو زندہ جلا دینے کے واقعات حیرت انگیز تعداد میں پیش آرہے ہیں کیونکہ شوہر بیوی سے مطمئن نہ ہونے پر جب طلاق نہیں دیتا تو جلا دیتا ہے کبھی تعلقات خراب ہو جانے پر اور کبھی جہیز اور جوڑے گھوڑے نہ لانے پر جس کو اسلام میں منع کیا گیا ہے، اسلام میں نکاح کا بوجھ اصلاً مرد پر ڈالا گیا ہے اس کو مہر دینا پڑتا ہے یعنی ایک وقیع رقم بیوی کو پیش کرنا ہوتی ہے پھر یہاں اسلام نے کچھ لانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں وہ شریعت اسلامی پر عمل کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں، اس میں اسلام کا قصور نہیں ہے، اسلامی شریعت کو اگر مسلم دشمنی کے اثر سے ہٹ کر اور غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھا جائے تو اس میں ایسی مشکلات کے شریفانہ حل رکھے گئے ہیں، بجائے اس کے کہ ان کو بڑھاوا دیا جائے اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے ان پر پابندی لگانے کی بات کرنا حالات کو خرابی کی طرف لے جانے کے مرادف ہے۔

اور جہاں تک اسلامی شریعت کی اہمیت کی بات ہے تو وہ مسلمانوں کے لئے ویسی ہی لازم اور ضروری ہے جیسے ان کا عقیدہ، شریعت میں تبدیلی کرنے یا تبدیلی کو صحیح سمجھنے کے بعد مسلمان مسلمان نہیں رہتا، اس طرح شریعت کی تبدیلی مسلمان کے لئے گویا مذہب کی تبدیلی ہے، اس لئے مسلمانوں نے ہمیشہ اپنی شریعت کی حفاظت کے لئے پورے پورے عزم و ہمت کا ثبوت دیا ہے جیسا کہ مطلقہ کے نان نفقہ کے مسئلہ میں پیش آیا اور مسلمانوں نے متحد ہو کر اس کے خلاف آواز اٹھائی اور پارلیمنٹ کے ارکان کو سمجھایا، وزیر اعظم نے اہمیت کو تسلیم کر کے قانون بنا کر مسلمانوں کو مستثنیٰ کیا، یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی شریعت کا ماننا ویسا ہی ضروری ہے جیسا اپنے مذہب کو ماننا، شریعت میں تبدیلی کو تسلیم کرنا مذہب کو تبدیل کر لینے کی طرح کا عمل قرار پاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو پوری صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اللہ کے رسول کے دیئے ہوئے احکام کی پیروی کریں اور جن باتوں سے انھوں نے منع کیا ہے اس سے باز رہیں۔ "مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" اور ایک دوسری آیت میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ: "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ الخ" تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں۔ اور جو فیصلہ تم کردو ...... اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔ (نساء آیت ۶۵)

قرآن مجید ہی میں ایک جگہ اس بات کی بھی صراحت کر دی گئی جس کو نبی کریم کی حیات طیبہ کے اختتام کے قریب نازل کیا گیا کہ اب دین (یعنی مذہبی احکام) کی تکمیل کر دی گئی ہے یعنی جو احکام آچکے اب اس میں تغیر نہیں ہوگا، فرمایا: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" یعنی آج میں نے تم پر دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو یعنی اسلامی احکام و شریعت کو ہی پسند کیا ہے۔

اور قرآن میں ہی ایک جگہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دین یعنی مذہبی احکام اسلام کے ہی ہیں اور فرمایا کہ جو بھی اسلام یعنی اس کے احکامات سے ہٹ کر دوسرے احکام طلب کرے گا تو خدا کے یہاں اس کی یہ بات قبول نہیں کی جائے گی، فرمایا: "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" اور "وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ"

پھر اس سب سے بڑھ کر یہاں تک ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو بعض وقت میرے پاس دو فریق اپنا قضیہ لاتے ہیں، بعض وقت ایک فریق زیادہ چرب زبان اور دلائل کو عمدہ طریقہ سے پیش کرنے والا ہوتا ہے دوسرا اس معاملہ میں کمزور پڑتا ہے ایسی صورت میں دلائل کو اچھے طریقہ سے پیش کرنے والے کی بات کو ہو سکتا ہے صحیح سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو سن لو کہ میرے فیصلہ سے اس کا حق نہیں بن جائے گا وہ اگر اس سے فائدہ اٹھائے گا تو گویا آگ کے انگارے لے رہا ہے۔ چنانچہ اسلام میں شریعت کے احکام کی پابندی کی اس طرح تاکید کی گئی ہے اور اس کو اسلام کے لئے بنیادی قرار دیا گیا یہ احکام قرآن مجید میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانوں میں اور فیصلوں میں ملتے ہیں ان کو ماننا مسلمان ہونا ہے اور ان کا انکار کرنا یا بدل دینا بلکہ اسلام کے دائرے سے خارج کر دیتا ہے اس لئے مسلمانوں کو اپنی شریعت اسلامی کو قائم رکھنے اور تبدیلی نہ ہونے دینے پر اصرار ہے کیونکہ یہ مسئلہ ان کے مسلمان رہنے نہ رہنے کا بن جاتا ہے۔

ہندوستان کا دستور ہندوستانی عوام کا دستور ہے جس میں ہندو بھی ہیں مسلمان بھی ہیں سکھ بھی ہیں عیسائی بھی ہیں جینی بھی ہیں بدھسٹ بھی ہیں۔ دستور میں اپنے اپنے مذہب کے مطابق زندگی گذارنے کا حق سب کا تسلیم کیا گیا ہے اور یونیفارم سیول کوڈ کی ضرورت بھی بتائی گئی ہے لیکن سب کے مذہبی حق کو بھی تسلیم کیا گیا ہے لہٰذا یونیفارم سیول کوڈ اس حق کو ختم کر کے نہیں ہو سکتا۔ اس کا لحاظ کر کے ہو سکتا ہے۔

الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام

نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر-۸

تعارف: بقلم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

یہ اہم تاریخی کتاب برصغیر ہند کی چودہ سو سالہ عہد کی ممتاز و نامور شخصیتوں کے تعارف پر مشتمل ہے جس سے کسی کتب خانہ کا خالی ہونا یا کسی علمی شخصیت کا اس سے ناواقف ہونا بہت بڑی کمی اور عیب کی بات ہے۔ اس کتاب کے تعارف پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا یہ گرانقدر مضمون ہے اہل علم اور طلبا کی واقفیت کے لیے مناسب معلوم ہوا کہ مضمون قارئین تعمیر حیات تک پہنچا دیا جائے تاکہ اہل ذوق بھی اس علمی خزانہ سے جو ایک کتب خانہ کی حیثیت رکھتا ہے استفادہ کرسکیں۔

—— ادارہ ——

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

ہندوستان کی دینی وعلمی عظمت اور اس کے تاریخی اسباب

اسلامی تاریخ کا ہر شناسا اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ ہندستان عالم اسلام کی طلائی زنجیر میں ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتا ہے اور اسلامی افکار وعلوم میں اپنا خصوصی کردار ادا کرچکا ہے، مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" ایک اجمالی نظر ڈالنے ہی سے اس دعویٰ کی تصدیق ہوجائے گی کہ اسلامی علوم وفنون کی خدمت میں ہندوستان کا حصہ کسی دوسرے ملک سے کم نہیں بلکہ بیشتر ممالک سے زیادہ ہے۔

یوں تو ہندوستان میں اسلامی قافلوں کی آمد کا سلسلہ پہلی صدی ہجری کے وسط ہی سے شروع ہوگیا تھا لیکن ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں عالم اسلام پر تاتاریوں کے حملہ کے بعد یہاں مسلمانوں میں ہندوستان کی طرف ہجرت کا عام رجحان پیدا ہوگیا تھا اور وہ اس عہد میں سب سے مضبوط اسلامی حکومت کا مرکز، عالم اسلام کے ایک سرحد پر واقع ہونے کی وجہ سے اسلام کا سب سے مضبوط قلعہ سمجھا جاتا تھا ہجرت کا یہ رجحان ایران، ترکستان، اور ماوراء النہر میں زیادہ تھا کیوں کہ ساتویں صدی کے آغاز میں یہی علاقے تاتاری یورش کا خاص طور پر نشانہ بنے تھے، ہندوستان کی اسلامی حکومت علم وفن کے ان قافلوں کا بڑی فراخدلی سے استقبال کرتی تھی اور اہل فضل وتقویٰ کے لیے اس کا سینہ ہمیشہ کشادہ رہتا تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ وہ تاتاری جن کو ناقابل شکست سمجھ لیا گیا تھا جب ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تو ان کو منھ کی کھانی پڑی اور ان کا زور ٹوٹ گیا، تاریخ بتاتی ہے کہ صرف سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ تا ۷۱۶ھ) کے عہد میں ہندوستان پر تاتاریوں کے پانچ حملے ہوئے، لیکن علائی فوجوں نے انھیں شکستِ فاش دیکر ان کا منہ پھیر دیا، اور ہمیشہ کے لیے ان کے حوصلے پست ہوگئے۔

اس طرح علمائے اسلام کو اس ملک میں درس وتالیف اور اشاعتِ علم ودین کا پرسکون موقعہ ملا ہندوستان میں اسلامی ثقافت میں اس وقت برگ وبار آئے جب سارا عالم اسلام خزاں کی لپیٹ میں تھا اور علم وادب اور فکر وفن کی دنیا میں ہر طرف انحطاط وزوال چھایا ہوا تھا۔ عالم عربی جس کے ایک بڑے حصہ پر عجمی النسل فرماں رواؤں، اور مصر وشام جن پر ترکی النسل ممالک کی حکومت تھی، ذہنی اضمحلال اور علمی تعطّل کا شکار تھے، ہر طرف تقلید عام تھی، ابداع اور اختراع کا تصور ہی ختم ہوگیا تھا، اس دور خزاں میں اسلام کا درخت ہندوستان میں نئے برگ وبار لا رہا تھا۔ دیہات وقصبات تک میں علما واہل نظر کے بے شمار حلقے قائم تھے، جن میں اہل قلم یکسوئی سے علمی خدمات میں معروف تھے، مشائخ اور صوفیاء زہد وعبادت اور ارشاد وافادہ کے لیے خانقاہوں کو آباد کئے ہوئے تھے ان کی اتنی کثرت تھی کہ اس زمانہ کی تاریخ وتذکرہ پڑھنے والے کو بعض اوقات ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے یہاں علم وتالیف تربیتِ قلب اور تزکیۂ نفس کے سوا کوئی اور مشغلہ ہی نہ تھا، اور علماء وصوفیاء کے علاوہ کوئی بستا ہی نہ تھا۔

ہندوستان کی تاریخ اور مشاہیر رجال کے تذکرہ سے عرب مؤرخین کی بے اعتنائی:-

لیکن متعدد وجوہ سے ہندوستان عرب مؤرخین کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا۔ ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ ہندوستان اس عالمی گذرگاہ سے الگ تھا جس سے علم وفن کے کارواں گزرتے تھے، دوسری وجہ یہ تھی کہ فارسی سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے

تالیف وتصنیف کی زبان بھی بن گئی تھی، خوش قسمتی سے حج کی تقریب سے علمائے ہند کو عرب جانے کا موقع ملتا تھا، اور عقیدت کی کشش ان کو بار بار حجاز کھینچ لے جاتی تھی بہت سے لوگ طویل قیام کرکے وہاں کے مشائخ سے علوم خصوصاً حدیث میں استفادہ کرتے تھے واقعہ یہ ہے کہ اگر حج کی تقریب نہ ہوتی تو عالم عربی کو بھی کسی کولمبس کی ضرورت ہوتی جو اس انوکھی دنیا کا پتہ لگاتا۔

اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حافظ سخاوی نے اپنی مشہور کتاب "الضوء اللامع" (جس کے ۱۲ اجزاء ہیں) جس میں نویں صدی کے علماء کے حالات پر مشتمل ہے، اور اس میں ۱۱۶۹۱ تراجم (تعارف وسوانح) موجود ہیں ہندوستان کے صرف اڑتیس ۳۸ علماء کا ذکر کیا ہے اور علامہ شوکانی یمنی نے ہندوستان سے قریب ہوتے ہوئے بھی "البدر الطالع" میں ساتویں صدی سے لیکر بارہویں صدی تک ہندوستانی علماء میں صرف سات کا ذکر کیا ہے۔ محبّی نے اپنی کتاب "خلاصۃ الأثر" میں گیارہویں صدی کے علماء ہند میں سے ۴۱ کا تذکرہ کیا ہے حالانکہ ان کی کتاب میں جن شخصیات کا تذکرہ آیا ہے، ان کی تعداد بارہ سو نوے ۱۲۹۰ ہے اس طرح مرادی نے "سلک الدرر" میں بارہویں صدی کے صرف سات علماء ہند کا تذکرہ لکھا ہے۔

"نزہۃ الخواطر" کی خصوصیت

مولانا حکیم سید عبد الحی صاحبؒ کی کتاب "نزہۃ الخواطر" اس لحاظ سے اس وقت سب سے بڑا جامع اور وسیع تذکرہ ہے، جو ہندوستان کے کسی مصنف کے قلم سے نکلا ہے، اولاً وہ کسی خاص طبقہ اور صنف کے ساتھ مخصوص نہیں ان میں علماء و مشائخ، سلاطین وامراء، شعراء وادباء، اور ہر صنف وفن کے اہل کمال دوش بدوش اور پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں، ثانیاً اس کا تعلق کسی خاص تاریخی عہد اور صدی سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے داخلۂ ہند سے اپنے عہد (چودہویں صدی ہجری، بیسویں صدی عیسوی) تک کے اعیان ومشاہیر کا تذکرہ ہے، ثالثاً اس کا تعلق کسی خاص خطۂ ملک وولایت یا علاقہ سے نہیں ہے بلکہ درۂ خیبر سے لے کر خلیج بنگال اور بحیرۂ عرب کے ساحل تک، اور کشمیر کی چوٹی سے ہندوستان کی جنوبی سرحد کنیا کماری تک اس کا دامن پھیلا ہوا ہے۔

ہندوستان جیسے وسیع ملک کا (جس کو ایک تحتی برّ اعظم کہنا زیادہ صحیح ہوگا) احاطہ اور اس میں پیدا ہونے والے تمام اہل کمال اور ممتاز شخصیتوں کی نشاندہی اور سوانح نگاری جن میں سے ایک بڑی تعداد گوشۂ گمنامی میں پڑی رہی اور جن میں سے بہت سے اہل کمال کا تعلق قصبات ودیہات سے ہے اور وہ ان مؤرخین کی نظر سے جو بالعموم حکومتوں کے مرکزوں اور نامی گرامی شہروں سے تعلق رکھتے تھے، اوجھل رہے، استیعاب واستقصاء کرنا بڑی عالی ہمتی جانکاہی اور حقیقتاً توفیق خداوندی کا ثمرہ کہا جاسکتا ہے۔

تراجم کی وہ کتابیں جو زمانی لحاظ سے قرن اول سے لیکر مصنف کے زمانہ تک اور مکانی لحاظ سے مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک محیط ہوں اور ان میں ہر صاحب فضل وکمال کا ذکر ہو اور ہر فن کے مشاہیر کا تذکرہ ہو ایسی جامع تصنیفات سے اکثر عربی اور اسلامی ممالک (ترکی اور مراکش سے انڈونیشیا اور ملیشیا تک) خالی نظر آتے ہیں مطالعہ کا ذوق رکھنے والے اور مطلع اشخاص اس سے بخوبی واقف ہیں کہ اسلامی ملکوں میں تراجم وسیر پر جو کتابیں لکھی گئیں، جن میں وہاں کے رجال اور مشہور شخصیات کے احوال وسوانح سامنے آئے وہ یا تو کسی صدی کے ساتھ خاص ہیں جیسا کہ علامہ ابن حجر کی "الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ" جو آٹھویں صدی کے مشاہیر کے حالات پر مشتمل ہے، سخاوی کی "الضوء اللامع فی رجال القرن التاسع" جس میں نویں صدی ہجری کے مشاہیر کا تذکرہ ہے۔ حضرمی کی "النور السافر فی رجال القرن العاشر" جس میں دسویں صدی کے مشاہیر کے حالات ہیں، محبّی کی "خلاصۃ الأثر فی رجال القرن الحادی عشر" جو گیارہویں صدی کے رجال پر لکھی گئی مرادی کی "سلک الدرر" جو بارہویں صدی کے مشاہیر کے حالات پر مشتمل ہے اور "البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع" جو شوکانی کی تصنیف ہے اور اس میں ساتویں صدی کے بعد کے مشاہیر کے حالات ہیں۔

یا وہ کتابیں ہیں جو خاص فن یا موضوع کے ماہرین اور اس کی ممتاز شخصیتوں کے تعارف کے لئے لکھی گئی ہیں، جیسے "طبقات الأطباء" "طبقات النحاۃ" اور "طبقات الأدباء" یا کسی فقہی مسلک کے ماہرین وحاملین کے حالات پر مشتمل ہیں، جیسے "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" "طبقات الحنابلۃ"۔

لیکن مولانا سید عبد الحی صاحبؒ کی کتاب "نزہۃ الخواطر" نہ کسی صدی کے ساتھ مخصوص ہے نہ کسی فن کے ماہرین کے ساتھ، نہ کسی فقہی مسلک ومکتب خیال کے نمائندوں اور ناموروں کے ساتھ، وہ زمانی اعتبار سے بھی، مسلک ومکتب خیال کے اعتبار سے بھی، موضوع اور دائرۂ کمال کے لحاظ سے بھی، عمومی اور ہمہ گیر ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے اپنی علمی وتحریری صلاحیتیں اور خداداد مزاجی وفطری خصوصیات صرف کردی ہیں اور وہ مصنف کے فضل وکمال

کا نچوڑ اور ان کی وسیع النظری اور وسیع القلبی اور خلوص کا مظہر ہے، کتاب میں کسی مسلکی یا جماعتی عصبیت اور جانبداری سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ بے تکلف صاحب ترجمہ کے کمال یا اختصاص کا اظہار کیا گیا ہے اور مؤرخانہ و منصفانہ طریقہ پر کمزوریوں یا افراط و تفریط کی طرف اشارہ بھی، اس میں احساس کی پاکیزگی بھی ہے، شعور کی لطافت بھی جمال و کمال کی صفات کے اظہار میں قلم کی روانی بھی ہے اور صاحب سوانح کے امتیاز و کمال کا بے تکلف اعتراف بھی، مدح و تعریف میں اعتدال، تنقید میں کمزوریوں کی نشاندہی کی گئی ہے، جن سے کوئی فرد بشر خالی نہیں، عبارت میں سلاست و بلاغت ہے، موضوع میں تنوع ہے، نہ اس میں اکتاہٹ ہے نہ پڑھنے والے پر کوئی بار ہوتا ہے، وہ ایک پسندیدہ معلومات افزا قصہ گو اور خوش مزاج ہم نشین کی طرح ہے جس میں لذت و حلاوت بھی ہے، موعظت و بصیرت اور درس و عبرت بھی اس لیے مصنف نے کتاب کا نام " نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر " (دلوں کے لیے سیر اور دیدہ و گوش کے لیے تفریح کا سامان) رکھا۔

کتاب پر ہندوستان کے ممتاز ترین اہل علم و نظر کے تبصرے

ہم یہاں پر دو نامور اہل نظر فضلا کا تبصرہ و تأثر نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، مولانا سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں:-

" اسلامی ہندوستان کے پورے ہزار سالہ عہد میں شعراء و مشائخ و سلاطین کے سیکڑوں تذکرے اور تاریخیں لکھی گئیں، لیکن آزاد بلگرامی کی تصنیفات کو چھوڑ کر کوئی مختصر رسالہ بھی مستقل یہاں کے علماء و فضلاء کے حالات میں نہیں لکھا گیا، مولانا سید عبدالحی مرحوم نے اس نقص کو محسوس کیا اور پورے بیس برس اس کام پر انھوں نے صرف کئے، اس عرصہ میں ہندوستان کی اس سرحد سے اس سرحد تک، کوئی کتب خانہ نہیں چھوڑا جہاں ان کو ذوق طلب کھینچ کر نہ لے گیا ہو اور بالآخر ۸ جلدوں میں علماء ہند کی پوری سوانح عمریاں جمع کیں، اس کا مقدمہ لکھا جس میں ہندوستان کے اسلامی علوم و فنون کی تاریخ مرتب کی ہے عربی میں ہندوستان کی اسلامی تاریخ، سلاطین اسلام، یہاں کے اسلامی تمدن، مساجد، مدارس، عمارات شفاخانے اور دیگر خصوصیات پر ایک پوری کتاب تیار کی ہے"

مشہور فاضل و محقق عالم مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی نے راقم الحروف کے نام اپنے گرامی نامہ میں جو یکم نومبر ۱۹۴۵ء کا لکھا ہوا ہے اپنے اس گہرے تأثر کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:-

" یہ واقعہ ہے کہ آپ کے والد مرحوم کی جبینوں سے یوں تو مجھے بچپن سے ہی خاص دلچسپی رہی ہے، لیکن " نزہۃ الخواطر " کی قدر و قیمت مجھ پر اپنی اس کتاب کے لکھتے وقت جتنی ظاہر ہوئی اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی اللہ کے اس مخلص بندہ نے کمال کر دیا ہے، سمندروں کو کھنگال گئے، لیکن پتہ بھی چلنے نہ دیا، خدا کرے کہ ان کی محنت سے استفادہ کا موقع دنیا کو مل جائے، ایک انقلابی کام ہے جسے وہ کر کے چلے گئے ہیں، اب یہ ہم لوگوں کی توفیق کی بات ہے کہ اس سے خود مستفید ہوں اور دوسروں کو مستفید ہونے کے مواقع پیدا کریں"۔

کتاب کا تاریخی رقبہ اور تراجم کی تعداد

کتاب کی پہلی جلد پہلی صدی ہجری کی نامور شخصیات سے لیکر ساتویں صدی ہجری کی نامور اور قابل ذکر شخصیات کے تراجم اور تذکروں پر مشتمل ہے، دوسری جلد آٹھویں صدی کی، تیسری جلد نویں صدی کی، چوتھی جلد دسویں صدی کی، پانچویں جلد گیارہویں صدی کی، چھٹی جلد بارہویں صدی کی، ساتویں جلد تیرہویں صدی کی اور آٹھویں (آخری جلد) چودھویں صدی ہجری، اور معاصرین کے تذکرے پر مشتمل ہے، تراجم اور تذکروں کی مجموعی تعداد چار ہزار پانچسو چودہ (۴۵۱۴) تراجم سے کچھ زیادہ ہی ہے، یہ پورا سلسلہ (مکمل آٹھ جلدیں) ۴۳۲۲ صفحات میں آیا ہے۔

نئے نام سے کتاب کا جدید ایڈیشن

یہ کتاب اولاً مصنف کے رکھے ہوئے نام " نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر " کے نام سے دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد کی طرف سے شائع ہو کر مقبول ہوئی اور اس کے دو ایڈیشن نکلے، یہ دائرہ اور ریاست حیدرآباد کا بڑا علمی کارنامہ اور علمی و تاریخی احسان سمجھا گیا۔ اور اس کا عام طور پر اہل علم طبقہ نے اعتراف و اظہار کیا۔

پھر بعض وجوہ و مصالح سے اور اس کی بڑھتی ہوئی طلب اور ضرورت کے پیش نظر بالخصوص ممالک عربیہ اور بلاد مغربیہ کے کتب خانوں اور لائبریریوں کو مہیا اور اس سے مزین کرنے کے لیے دارِ عرفات رائے بریلی کی طرف سے (جو مصنف کا وطن اور مدفن بھی ہے) اس کو زیادہ عام فہم اور موضوع کی نوعیت پر روشنی ڈالنے والے نام " الإعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام " (تاریخ ہند کی ممتاز شخصیتوں کے تعارف و واقفیت کا ذریعہ) کے

نام سے اعلیٰ عربی ٹائپ میں شائع کیا گیا ہے۔

بلادِ عربیہ کے ایک ممتاز ناشر کی طرف سے ان شاء اللہ جلد یہ کتاب عربی نشر و اشاعت کے کسی بڑے مرکز سے شائع ہوگی، تاکہ بلادِ عربیہ کے کتب خانے اور اہل ذوق اس سے آسانی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکیں اور اپنی مکتبات اور علمی ذخیروں کو اس سے مزین و مکمل کرسکیں اور برصغیر ہند کے اہل فضل و کمال سے روشناس اور ان کی علمی و دینی کوششوں اور کاوشوں سے واقف ہوسکیں۔

اس علمی خزانہ اور کتاب نہیں بلکہ ایک مستقل کتب خانہ اور ذخیرۂ معلومات سے (جس سے علمی و تحقیقی کام کرنے والے کسی طرح بے نیازی و مستغنی نہیں ہوسکتے) کسی مکتبہ و لائبریری اور تحقیقی ادارہ کا خالی ہونا ایک بڑا علمی خلا اور نقص ہے۔

اسی غرض سے یہ تعارفی مضمون اور رسالہ شائع کیا جارہا ہے، تاکہ عام اہلِ علم، شائقین بحث و تحقیق اور جامعات اور علمی مکتبات اور لائبریریوں کو اس کا علم ہوجائے، اور وہ اس سے اپنے ذخیرۂ کتب کو مکمل کرسکیں۔

۱؎ اس کتاب کے دو ایڈیشن دمشق کی موقر اکیڈمی المجمع العلمی کی طرف سے (جس کا نام اب مجمع اللغۃ العربیۃ ہے) شائع ہوئے ہیں، کتاب کا اردو ترجمہ "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" کے نام سے دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوچکا ہے، یہ علوم اسلامیہ و عربیہ پر ہندوستانی علماء و مصنفین کی تصنیفات کی ڈائرکٹری ہے اور اپنے موضوع پر منفرد ہے۔

۲؎ عرب فضلاء اور اہل نظر نے بھی اس کا اعتراف بلکہ اس پر استعجاب ظاہر کیا ہے، اس سلسلہ میں دو ممتاز ترین ادیب و ناقد اور بصریں کا نام لکھا جاتا ہے، ایک علامہ ڈاکٹر شیخ تقی الدین الہلالی المراکشی، دوسرے علامہ بہجۃ الاثری بغدادی

۳؎ اس سے مراد "معارف العوارف" ہے جو "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" کے نام سے دمشق میں شائع ہوئی

۴؎ "جنۃ المشرق" کی طرف اشارہ ہے جو "الھند فی العھد الاسلامی" کے نام سے دائرۃ المعارف حیدرآباد نے شائع کی،

۵؎ "معارف" ۱۹۲۳ء

۶؎ "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" مراد ہے

حضرت مولانا علی میاں مدظلہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے خلاف

اس سے تنازعہ کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے یہاں دائرہ شاہ علم اللہ میں خبر رساں ایجنسی یو این آئی کے نمائندے سے کہا کہ وہ ملک میں یکساں سول کوڈ کے نافذ کیے جانے کے خلاف ہیں۔

انھوں نے کہا کہ وہ یکساں سول کوڈ کے اس لئے خلاف ہیں کہ ان کے خیال میں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ نئے تنازعے اور نئے احتجاج رونما ہوں گے۔ اور ساری کوشش سے تضیع اوقات و توانائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

وہ سپریم کورٹ کے اس بیان پر تبصرہ کررہے تھے جس میں مرکزی حکومت سے کہا گیا ہے کہ وہ ملک میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے قانون وضع کرے کیونکہ آئین کی دفعہ ۴۴ کے تحت یہ لازمی ہے۔

مولانا نے کہا کہ جرمنی اور برطانیہ میں یکساں سول کوڈ کے باوجود دو جنگیں لڑی گئیں اور اگر آپ ہمارے اپنے ملک کی عدالتوں میں زیر سماعت مقدمات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ جن افراد کے سول کوڈ یکساں ہیں ان میں آپس ہی میں کتنی مقدمہ بازی ہے۔ انھوں نے کہا کہ انھوں نے سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی کو یہ باور کرادیا تھا کہ مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اسی لئے شاہ بانو معاملے میں پارلیمنٹ نے مداخلت کی تھی۔

مولانا نے کہا کہ ان کے خیال میں ملک کے اتحاد اور یک جہتی کے لئے انسانیت دوستی، اخوت اور ایک دوسرے سے محبت کی ضرورت ہے جو صرف تعلیم و تربیت سے مل سکتی ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کا سبب دولت کی ہوس ہے حبّ الوطنی کی کمی ہے اور انسانیت دوستی کا فقدان ہے۔

دعائے مغفرت

دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا فخر الحسن ندوی کے والد ماجد جناب شاکر حسین صاحب گنج ڈونڈوارہ ضلع ایٹہ کا مختصر علالت کے بعد تقریباً ۸۶ برس کی عمر میں مورخہ ۱۶ر اپریل ۱۹۹۵ء کو انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم بڑے نیک، صالح و متقی و پرہیزگار اور صوم صلوٰۃ کے پابند تھے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

دورِ تحقیق میں حقائق کی پامالی

مولانا سید محمد واضح رشید ندوی
ترجمہ: معصوم رضا ابن نورؔ

موجودہ زمانہ درحقیقت تحقیق و تجزیہ، فہم و بصیرت اور علم و دانش کا زمانہ ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مختلف علمی اکیڈمیاں، انجمنیں، اجتماعی و اقتصادی تنظیمیں اور ٹیکنیکل لیبارٹریز سرگرم عمل ہیں۔ ان اداروں کے فیض سے انسانی معرفت و آگہی ترقی کی راہوں پر گامزن ہے، نئی نئی ایجادات و اختراعات وجود میں آرہی ہیں اور محققین و ریسرچ اسکالرز کے درمیان تحقیق و تفتیش کے نئے میدانوں کی دریافت اور نئی نئی معلومات کی فراہمی کے لئے مسابقہ آرائیاں ہو رہی ہیں۔

دنیا کو نئی معلومات سے نوازنے اور تحقیق کے نئے میدانوں کی تلاش و جستجو کی یہ حرص و تمنا ان میدانوں کی دریافت تک متجاوز ہو چکی ہے جن کے تحقیقی و تفتیشی دائرۂ کار ہونے کا تصور بھی قدیم انسانوں کے حاشیۂ خیال میں نہ تھا۔ عصر حاضر میں دنیا میں مختلف ایسی تنظیمیں معرض وجود میں آئی ہیں جو بحث و تحقیق کے میدانوں کے انتخاب میں تعاون و دست گیری کر رہی ہیں اور محققین پہاڑوں کی چوٹیوں کو توکیا، سمندروں کی اتھاہ گہرائیوں کو بھی اپنی جولان گاہ بنائے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ کوہ پیماؤں کی ایک جماعت نے قطب جنوبی میں انٹارکٹیکا کی تسخیر کا کارنامہ انجام دیا۔ بعینہ اسی طرح کوہ پیماؤں کی ایک دوسری جماعت ہمالیہ کی بلند و ارفع ترین چوٹیوں تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ جب کہ دوسری مختلف جماعتیں اور تنظیمیں پہاڑوں کی بلندیوں، گھنے اور گنجان جنگلات کے اندرونی حصوں اور سمندروں کی اتھاہ گہرائیوں میں نامعلوم مقامات کی کھوج میں لگی ہوئی ہیں۔ ان تمام تنظیموں کے جانباز و مرد کار کسی جدید اور انوکھی شئے کے حصول کی خاطر پہاڑوں پر کمندیں ڈال رہے ہیں، سمندروں میں غواصی و غوطہ زنی کر رہے اور جنگلات کے اندرون تک میں جا رہے ہیں۔ اسی طرح آثار قدیمہ کی تحقیقات بھی جاری ہیں جن میں قدیم تہذیب و تمدن اور مردہ ثقافت و کلچر کا سراغ لگایا جاتا ہے۔ اس عمل کے جاری رہنے کے ساتھ ساتھ انسانی علم و معرفت میں ترقی و پیش رفت بھی ہوتی ہے اور ان معلومات کے ذریعہ روشن و تابناک ماضی سے انسان کے ربط و تعلق میں اسی طرح استحکام پیدا ہوتا ہے جس طرح اس کا تعلق اس کائنات فانی سے مضبوط ہوتا ہے جس کی فضاؤں میں وہ سانس لے رہا ہے۔ ایسے طویل تاریخ کے ادوار ماضیہ اور مختلف گوشہائے عالم میں موجود بنی نوع انسان کے حالات و کوائف سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

ریسرچ اسکالرز کی ایک جماعت اپنی تحقیق و جستجو میں عصر حاضر میں انسان کی حالت و کیفیت اس کے حقوق اور اس کی اس آزادی و خودمختاری کو مرکزی حیثیت دے رہی ہے جس سے وہ یا تو فیضیاب ہوتا ہے یا اس سے محروم رہ کر اپنی زندگی گزارتا ہے۔ یہ تنظیم ایسی رپورٹیں تیار کرکے اخبارات میں شائع کرتی ہے جو دنیا کے مختلف علاقوں کی عمومی صورت حال کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔ یہ ادارہ جو مذکورہ انسانی تحقیقات کی نگرانی کرتا اور ہدایات دیتا ہے، ایمنسٹی انٹرنیشنل کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اسی طرح ایک تنظیم وہ ہے جو حیوانوں کے ساتھ نرمی و رواداری اور محبت آمیز سلوک برتنے میں دلچسپی لیتی اور اسے اہمیت دیتی ہے۔ اسی طرح بچوں کی دیکھ بھال اور ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق ایک عالمی ادارہ ہے، تعلیم ثقافت کے لئے بھی ایک تنظیم قائم ہے، کچھ ادارے ایسے بھی ہیں جن کا مقصد اصلی حیوانوں کی زندگی اور جنگلات کی حفاظت و نگہداشت اور درندوں کی بعض اقسام کو ہلاکت و ضیاع سے محفوظ و مامون رکھنا ہے۔

ایک دوسری تنظیم قدیم عبادت گاہوں، کتب خانوں اور تاریخی نقوش و آثار کی حفاظت کے لئے کوشاں ہے اور کچھ تنظیمیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں، جو مختلف طبقات و حالات میں عوام الناس کے رجحانات اور عادات و اطوار کے بارے میں معلومات جمع کرتی ہیں۔

ایک دوسری تنظیم قیدیوں کے ساتھ کئے جانے والے سلوک سے متعلق ہے۔ بعض تحقیق کرنے والے گزشتہ جنگوں کے بارے میں معلومات جمع کرتے ہیں۔ ایسی ہی ایک عالمی تنظیم نے حال میں ایسے مشترکہ قبرستان کا سراغ لگایا ہے جن میں سیکڑوں اور ہزاروں جنگی قیدی یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ ظالمانہ و جابرانہ نظام کے ظلم و استبداد کے شکار ابدی نیند سو رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے کمبوڈیا، سابق یوگوسلاویہ اور سوویت یونین میں مختلف مشترکہ مقبروں کا انکشاف کیا ہے۔ ابھی حال ہی میں اس تنظیم نے جرمنی میں بھی بعض اجتماعی مقابر کے بارے میں تحقیق کی ہے جن کا سلسلۂ ارتباط نازیوں کے عہد اور سوویت یونین اس کے کمیونسٹ اقتدار کے زمانے سے جا کر ملتا ہے۔ سابق یوگوسلاویہ کے علاقے میں بھی ایسی قبریں دریافت

ہیں جن کا تعلق بوسنیا کی جنگ و خونریزی
ے جس میں سربوں نے لاکھوں مسلمانوں اور کروٹوں
تیغ کر ڈالا اور انھیں اجتماعی طور پر دفن کردیا
روانڈا میں بعض غیر مدفون اور منتشر انسانی
بچے گرجا گھروں کے سامنے بھی مجموعی حالت میں
ہیں۔ گرجا گھر کے سامنے پائے گئے ان انسانی
ڈھانچوں کی تصویریں مجلہ "اکنومست" میں شائع
ہیں۔ مذکورہ مجلے نے روانڈا میں ہوئی اس
ریزی و غارت گری کے واقعہ کو بالتفصیل شائع
ہے جس میں پانچ لاکھ افراد قتل کئے گئے اور اس
کے جرم میں گرجا گھر کے ذمہ داران و کارکنان
شریک رہے۔ چند ہفتہ قبل مزید آٹھ ہزار افراد
بہیمانہ قتل کا پتہ چلا ہے۔ متحدہ اقوام کی ایک
نے اس کی اطلاع دی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں نامعلوم احوال
مور مخفیہ کی تفتیش و جستجو کی راہ میں کئے جانے
لے یہ انکشافات انسانیت کی ایک عظیم اور
یل القدر خدمت ہیں، انسان کے علم و دانش
فکر و نظر میں گراں قدر اضافہ کرتے ہیں اور
سانوں کے سامنے ان سے بعض نئی حقیقتیں آئی ہیں۔
ن معلومات و حقائق اور اعداد و شمار کی بنیاد پر
سانی علم و معرفت میں ترقی ہوتی ہے اور بعض
ظریات و تصورات کی تصحیح بھی ہوتی ہے۔ علاوہ
شترکہ مقابر جن کا سراغ بعض جویان حقائق نے
لگایا ہے، دشمنانِ اسلام کے ان دعووں کو مجموعہ
غلاط و اضداد قرار دیتے ہیں کہ مذہب اسلام
جبر و تشدد اور درندگی و بے رحمی سے عبارت ہے
یونکہ یہ تمام مشترکہ مقبرے ان مقتولین کی قبروں
مشتمل ہیں جو غیر مسلم افراد کے ہاتھوں موت کے
گھاٹ اتارے گئے، بلکہ کمبوڈیا، سوویت یونین، روس
ور یوگوسلاویہ میں لاکھوں کی تعداد میں قتل کئے
جانے والے یہ مقتولین مسلمان ہی ہیں جنھیں دشمنانِ
اسلام نے شہید کردیا۔ اور آج بھی یہ وحشیانہ کارروائیاں جاری ہیں جیسا کہ اشتراکی نظام کے متعلق شائع شدہ رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کو ان مقامات کی جانب شہر بدر کردیا گیا جو زندگی کے لئے قطعاً ناسازگار اور ناقابلِ رہائش ہیں۔ اور لاکھوں کی تعداد میں ان کا خون بھی بہایا گیا۔ اسی طرح اشتراکیت کی مخالفت و برگشتگی کی بنا پر انھیں سزائے موت بھی دی گئی۔

جن مشترکہ مقابر کا بعض تحقیقی تنظیموں نے سراغ لگایا ہے اور جن کی خبریں ذہنوں سے اس لئے محو ہوکر رہ گئی ہیں کہ ذرائع ابلاغ نے ان پر اپنا زور صرف نہیں کیا۔ اس طرح کے مقابر کی خبریں ایک بار تو منظر عام پر آئیں لیکن پھر روپوش ہوگئیں۔ جب کہ پوری دنیا میں نظر بند افراد اور ان اشخاص کی تعداد کے بارے میں، جو قید خانوں میں روح فرسا سزاؤں کا سامنا کررہے ہیں، مختلف رپورٹیں اور تجزیئے شائع کئے جاتے ہیں۔ تنظیم حقوق انسانی کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً تیس ہزار اسلام پسند نفوس ایک اسلامی ملک میں صرف اس بنیاد پر قید خانوں میں تکالیف و شدائد اور کرب و اندوہ سے دوچار ہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کے نفاذ یا ملک کی اصلاح حال کا مطالبہ کررہے ہیں۔ ان جانبازوں میں ایسے افراد بھی شامل ہیں جن کا اس تحریک سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ تو صرف ان مردان کار اور صاحبانِ جاں نثار کے تئیں ہمدردی و غمگساری کا جذبہ رکھتے ہیں یا دینی رجحان کے حامل ہیں یا عبادت ربانی کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں یا ان بعض قوانین و ضوابط اور عادات و معمولات کی مخالفت کرتے ہیں جو ان کے عقیدہ کے منافی ہیں۔

اس تنظیم کی پیش کردہ معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف پارٹیاں ممنوع قرار دی گئیں، اخبارات ضبط کئے گئے اور مدیران اعلیٰ کو سزائیں دی گئیں۔ اور یہ سب کچھ محض اس لئے ہوا کہ انھوں نے رہنمایان مملکت میں سے کسی کی شخصیت یا موجودہ نظام پر تنقید و نکتہ چینی کی۔ ان رپورٹوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان ہزاروں قیدیوں کے سلسلہ میں نہ تو کوئی عدالتی فیصلہ لیا گیا اور نہ ہی انھیں اپنے امر واقعہ کے پیش کرنے یا اپنی برأت کے اظہار کا موقع دیا گیا۔

اس قسم کی عالمی تنظیمیں ایسی رپورٹیں بھی تیار کرکے شائع کرتی ہیں جو دنیا میں پناہ گزینوں کی حالت، عورتوں کی اجتماعی عصمت دری اور انھیں زدوکوب کرنے کے واقعات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ یہ خبریں منظر عام پر آنے کو تو آتی ہیں لیکن اس کے بعد نگاہوں سے اوجھل ہوجاتی ہیں۔ کیونکہ یہ خبریں عموماً مشرق و مغرب ہر دو سمت کے یورپین افراد کی وحشیانہ خباثت کا پردہ چاک کرتی ہیں۔ خواہ یہ پناہ گزیں حکومت و پاسبانی کے ان قواعد و ضوابط کی ظالمانہ کارروائیوں اور جابرانہ اقدامات کے ذریعہ جلا وطن کئے گئے ہوں، جو اسلام اور شیدائیان اسلام دونوں کے براہ راست مخالف و دشمن ہیں، یا انہی حکومتوں کی ہدایت پر شہر بدر ہوئے ہوں۔ ان رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ پناہ گزینوں میں پچھتر فیصد سے بھی زائد تعداد مسلمانوں کی ہے۔

اسی طرح اس حقیقت سے سبھی آشنا ہیں کہ غیر اسلامی ممالک میں حجاب و پردہ نشینی اور دعوت اسلامی پر عائد شدہ پابندیوں اور عقیدہ و ثقافت کی بنیاد پر شہریوں کے مابین فرق و امتیاز کرنے کا تسلسل آج بھی برقرار ہے۔ اخبارات کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ایک مسلم ملک میں محض اس بنا پر کہ رائے دہندگان نے اسلام کے حق میں ووٹ ڈالے، انتخابات کے نتائج تبدیل کردیئے گئے اور

فوجی حکومت مسلط کر دی گئی جو شہریوں پہ دست درازی و نیش زنی کر رہی ہے۔ آج بھی ان ممالک میں انتخابات کی کارروائیاں جمود و تعطل کا شکار چل رہی ہیں۔

ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ ایک ملک میں اکثریتی فرقے کی ایک مقدس شخصیت کی توہین کرنے کے الزام میں دو افراد کے خلاف دائر کردہ مقدمے نے پورے یورپ میں ردعمل کے شعلے بھڑکا دیئے اور دنیا میں زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ لیکن آج بھی ہزاروں اسلام پسند محض اس الزام میں قید بامشقت کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں کہ وہ یورپ کی تہذیب و تمدن کی مخالفت کے مرتکب ہیں، جب کہ سیکڑوں قیدیوں کی جانیں ضائع کر دی گئی ہیں لیکن کوئی بھی ملک ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے میدان عمل میں نہیں آیا۔

اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے جس سے قارئین اخبارات بخوبی واقف ہیں کہ مذہب اسلام کی تحقیر و تذلیل کرنے والی کتابوں پہ پابندی عائد کرنے کے مطالبہ کی بنا پر شدید ترین ردعمل سامنے آیا، پورا یورپ مصنف و مصنفہ کی حمایت کے لئے آمادہ ہو گیا اور ان کتابوں کو رواج عام اور عوامی مقبولیت حاصل ہوئی جب کہ سیکڑوں اسلامی کتابیں ایسی ہیں جن پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، جو نہ تو کتب خانوں میں ملتی ہیں اور نہ ہی انھیں کتابوں کی نمائش میں شامل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے۔ ان کتابوں کے مصنفین پر مقدمے چلائے گئے اور انھیں جیلوں میں نظر بند کر دیا گیا لیکن ان تمام چیرہ دستیوں کو آزادئ لوح و قلم اور حریت فن و ادب کے سلب کر لینے سے تعبیر نہیں کیا گیا۔

بلاشبہ یہ حقائق اس بات کے مستحق ہیں کہ جو تنظیم آئندہ نسل کے استفادہ کی غرض سے حقائق و معلومات اور اعداد و شمار جمع کرتی ہے وہ ان حقائق پر بھی اپنی نظر التفات مرکوز کرے تاکہ موجودہ نسل موجودہ یورپ اور عصر حاضر کی زندگی کے متعلق اپنے مطمح نظر کی تصحیح کر سکے۔ کیونکہ یہ وہ حقائق ہیں جنھیں ذرائع ابلاغ ایک بار تو ضرور پیش کرتے ہیں لیکن پھر ان سے چشم پوشی و لاعلمی برتتے ہیں۔ جب کہ یہی ذرائع ابلاغ بعض پارٹیوں یا بعض افراد کی غیر دانشمندانہ کوششوں کی متفرق تفصیلات مسلسل پیش کرتے رہتے ہیں جن کا مقصد محض اسلام و شیدائیان اسلام پر دہشت گردی یا جبر و تشدد کی الزام تراشی و تہمت زنی ہوتا ہے۔

یہ معلومات اور اس کے علاوہ بہت سے دیگر حقائق اور اعداد و شمار ایسے ہیں جو روئے زمین کے حالات کی ترجمانی کرتے ہیں اور جن کے نہ صرف مطالعہ معاینہ بلکہ انھیں بطور ریکارڈ محفوظ رکھنے کی بھی اشد ضرورت ہے تاکہ یہ معلومات امر واقعہ کی حقیقت کو پیش کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکیں کیونکہ انسان کی قوت حافظہ کمزور واقع ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہاں خانۂ ذہن میں صرف وہی معلومات باقی رہتی ہیں جنھیں یکے بعد دیگرے یا پے بہ پے بطور یاددہانی و ذکر کے دہرایا جاتا رہے، جیسا کہ موجودہ ذرائع ابلاغ خود اپنی وضع کردہ تعبیر "اسلامی دہشت پسندی" کے تعلق سے کر رہے ہیں۔

(بقیہ) تاریخ دعوت و عزیمت

.... انھوں نے لکھا کہ ابن المطہر کے کتاب کی زبان سوقیانہ اور عامیانہ ہے ابن تیمیہ نے ان لوگوں کے کام کو جنھوں نے خیار امت کو شرار امت بنانے کی کوشش کی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس مصنف نے خواجہ نصیر الدین طوسی کا جو بغداد کے قتل عام کے ذمہ دار تھے بے حد تعظیم و تقدیس سے نام لیا۔ اس کے ذکر پر ابن تیمیہ کو جوش آ گیا۔ اور انھوں نے لکھا جس شخص کی اسلام دشمنی عالم آشکارا ہے اس کی یہ تعریف کتنی بڑی بے انصافی ہے۔ شیخ الاسلام نے لکھا کہ صحابہ کرام امت کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عادل، خداترس۔ صادق القول۔ امین اور راست باز تھے۔ انبیا علیہ السلام کے علاوہ فرد انسانی کا کوئی مجموعہ اور انسانوں کی کوئی نسل صحابہ کرام سے بہتر سیرت و کردار کی نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں میں جو کچھ خیر ہے صحابہ کرام کی برکت سے ہے۔

حضرت مولانا نے اس پہلو کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے پڑھنے والے اگر اصل کتاب پڑھیں تو بیحد مفید معلومات انھیں حاصل ہوں گی۔ یہ باب ان جملوں پر ختم ہوتا ہے۔

اہلسنت تمام سابقین اولین کے معتقد ہیں اور صحابہ کرام کی قدر و منزلت کے شناسا اور معترف ہیں اور ان کے مناقب کے قائل ہیں اور اس سب کے ساتھ اہل بیت کرام کے حقوق کی ادائیگی ضروری سمجھتے ہیں جو شریعت سے ثابت ہیں (جاری)

ناشر حضرات توجہ دیں

جو ناشر حضرات اشاعتی ادارے یا ادیب و شاعر اپنی کتابیں تبصرہ کے لئے ہمیں روانہ کرتے ہیں وہ اس کا ضرور خیال رکھا کریں۔

(۱) کتاب زیادہ سے زیادہ ایک سال کے عرصہ کے دوران شائع ہوئی ہو، زیادہ پرانی کتابوں پر تبصرہ ممکن نہیں ہے۔

(۲) چند صفحات پر مشتمل پمفلٹ قسم کی کتابیں بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، نہ ہی تبصرہ نگار کے پاس وقت ہے اور نہ ہی تعمیر حیات کے صفحات میں اس کی گنجائش ہے۔

خطابت کی سحر کاریاں

مولانا محمد محب اللہ لاریؒ: جدی۔ ایم اے علیگ (سابق مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

شکسپیر کا ایک مشہور ڈرامہ (جولیس قیصر) ہے یہ افسانہ عقول عوام کی ایک دردناک داستان اور خطباء کی ہوس رانیوں اور فریب کاریوں کی ایک مکمل تصویر ہے۔ تمھیں اس قصہ میں نظر آئے گا کہ جس طرح کھلاڑی فٹبال کو اپنے حسب منشا اوپر پھینکتے نیچے گراتے اور ٹھوکریں دیتے ہیں ٹھیک اسی طرح عوام کے لیڈر بڑے بڑے خطباء اور اچھے سے اچھے مقررین ان کے جذبات، ان کے خیالات اور ان کے احساسات سے کھیلتے ہیں کبھی اپنے قطرہائے اشک کے سیلاب میں انھیں ڈبکیاں دیتے ہیں تو کبھی اپنے برق صفت تبسم سے ان کے خرمن سکون و راحت کو جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں، کبھی اپنی پرجوش تقریروں سے قلب کو گرما اور روح کو تڑپا دیتے ہیں تو کبھی اپنی جادو بیانیوں سے ساری قوم کو اپنی ہوا و ہوس اور ذاتی اغراض و مقاصد کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

بروٹس ایک ہمدرد قوم و ملک اور شریف و معزز رومی تھا اس نے شدت کے ساتھ یہ محسوس کیا جولیس قیصر نے پوری رومی قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ ان کی شرافت نفس فنا کے گھاٹ اتر چکی ہے۔ ابدی ذلت نے ان کے حواس و شعور پر قابو پالیا ہے ان میں اپنی زندگی کی تلخی کا احساس نہیں۔ چندے یہی لیل و نہار رہا تو بحیثیت ایک معزز و خوددار قوم کے ان کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ کافی غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ اس مہلک مرض کا واحد علاج قیصر کا قتل ہے۔

قیصر بروٹس کا نہایت ہی محبوب دوست تھا لیکن قوم و ملک کی خاطر اس نے اپنی محبوب متاع کو اپنی ہی تلوار سے موت کے خوفناک گڑھے میں ڈھکیل دیا

رومی قوم قیصر کے قاتل سے انتقام لینے کے لیے بیتاب ہوگئی۔ لوگوں کا ایک سیلاب امنڈا اور بروٹس کو گھیر لیا۔

بروٹس اس غضبناک مجمع کے سامنے تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہوا۔ یہ نہایت ہی نازک موقع تھا سرفرازی و سربلندی کا تاج یا ذلت و رسوائی کا قعر بے پناہ بہادروں اور جاں نثاروں کا درخشاں تمغہ یا خائن و غدار گروہ کا سا تاریک انجام بظاہر ہے کہ تقریر کی تاثیر و عدم تاثیر پر موقوف تھا۔ مجمع غصے میں بھرا ہوا تھا کسی طرح تقریر سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ زبان پر انتقام انتقام کی رٹ تھی۔ بارے بعض زعماء کی کوششوں سے سکون کی فضا پیدا ہوئی اور بروٹس نے تقریر شروع کی۔

بروٹس کی تقریر

بزرگان قوم کیا میں امید کروں کہ آپ حضرات میری بھلی یا بری، کڑوی یا میٹھی بکواس تھوڑی دیر کے لیے عدل و انصاف کی خاطر صبر و سکون کے ساتھ سنیں گے۔ میں آپ کو دھوکا دینا نہیں چاہتا اور نہ آپ کے جذبات و احساسات کی توہین کرنا اور آپ کے دلوں اور دماغوں سے کھیلنا چاہتا ہوں بلکہ آپ لوگوں سے میری پرزور درخواست ہے کہ واقعہ کا نہایت ہی حزم و احتیاط کے ساتھ مطالعہ فرمائیے میں آپ لوگوں کو کامل صداقت و خلوص سے دعوت دیتا ہوں کہ قضیہ ما بہ النزاع کا فیصلہ متانت و سنجیدگی اور سکون قلب و اطمینان خاطر کے ساتھ عدل و انصاف کی روشنی میں کیجئے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میرا یہ اقدام مبنی بر حق ہے اس کے دامن پر کوئی ایسا داغ نہیں ہے جسے میں آپ لوگوں کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کروں۔

برادران وطن! اگر آپ میں کوئی قیصر کا دوست یہاں موجود ہو اور وہ اس کے قتل پر اپنے جگر کے ٹکڑے کر رہا ہو تو مجھے معاف کرے اگر میں اس سے یہ کہوں کہ اے میرے معزز دوست! قیصر کے قاتل بروٹس کو قیصر تم سے زیادہ محبوب تھا۔ قیصر کی وقعت تمھارے دل میں اتنی نہیں جتنی اس کے دل میں تھی۔

اکابر ملت! میں تمام دنیا کے سامنے جھوٹ بول سکتا ہوں لیکن آپ لوگوں کے سامنے کوئی جھوٹا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ آپ لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے اپنے محبوب دوست قیصر کو کسی ذاتی بغض و عناد کسی شخصی عداوت و دشمنی کی بناء پر قتل نہیں کیا ہے بلکہ اس لیے اور صرف اس لیے قتل کیا ہے کہ روم مجھ کو اس سے کہیں زیادہ محبوب تھا۔

قیصر ایک بڑی شخصیت کا مالک تھا اس لیے مجھے وہ محبوب تھا۔ وہ شجاع اور بہادر تھا اس لیے اس کا احترام کرتا تھا لیکن وہ ظالم و حریص تھا اس لیے میں نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ بس ایک ہی وقت میں میں نے اس پر آنسو بھی بہائے اور خنجر بھی چلایا۔

مجھے یقین نہیں کہ آپ لوگوں میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جسے قیصر کی موت پر حقیقی اور واقعی رنج و غم اور افسوس و حسرت ہو آپ رومی ہیں اور

رومی کبھی ذلت کے ساتھ زندہ رہنا پسند نہیں کرتا۔
آپ لوگوں میں وہ کون ایسا شخص ہے جو رومی کہلایا جانا پسند نہیں کرتا، وہ کون ہے جو آزاد رہنا عیب سمجھتا ہے۔ وہ کون ہے جو اپنے نفس وضمیر کی توہین گوارا کرتا ہے۔ وہ کون ہے جو اپنے وطن عزیز کی ذلت وحقارت کی اپنے اندر تاب رکھتا ہے۔ اگر آپ لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے تو جواب دے وہی اس بات کا حقدار ہے کہ مجھ سے قیصر کے خون کا مطالبہ کرے کیونکہ میں نے اس شخص کے علاوہ کسی کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچایا ہے۔

مجمع۔ نہیں ہم میں کوئی ایسا نہیں۔

بروٹس۔ تو پھر میں نے کسی کو اذیت نہیں دی

بروٹس نے مشکل ہی سے یہ جملہ ختم کیا تھا کہ قیصر کا دوست اور طالبان انتقام کا سرکردہ انٹونیو مع اپنے رفقا کے قیصر کی لاش لیے ہوئے مجمع میں نوحہ و مرثیہ خوانی کے لیے پہونچا۔ بروٹس نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے یہ قیصر کی لاش ہے اور یہ انٹونیو قیصر کا دوست ہے یہاں پر یہ قیصر کے فضائل ومحاسن بیان کرنے آیا ہے آپ لوگ غور سے سنئے مگر اس فرق کو ذہن میں محفوظ رکھئے کہ گنہگار قیصر اور ہے اور نیک وپرہیزگار قیصر اور ہے گنہگار قیصر کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا اسے تو آپ سن چکے اب پرہیزگار قیصر کے متعلق جو کچھ کہا جائے اسے سنئے آخر میں ایک جملہ پر اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

عظمائے روم جس تلوار سے میں نے روم کے لیے قیصر کو قتل کیا ہے وہ تلوار قیصر کی خاطر بروٹس کے قتل کے لیے بھی جب کبھی بھی روم چاہے ہمیشہ محو فکار رہے گی

تقریر کا اثر

مجمع۔ زندہ باد بروٹس

ایک۔ اس جاں نثار ملک وفداکار قوم کا ایک مجسمہ نصب کرنا چاہیئے۔

دوسرا۔ اس لائق فرزند وطن کو قیصر کے تاج تخت کا مالک بنا دیا جائے۔

تیسرا۔ قیصر فضل وکمال اور شرافت نفس میں اس کے پاسنگ بھی نہیں تھا۔

چوتھا۔ قیصر ظالم وجفاکار تھا۔

پانچواں۔ اجی وہ سراپا جور وستم اور ظلم وجفا تھا۔

چھٹا۔ اب روم کو اس ظالم وسفاک سے نجات ملی۔

ساتواں۔ کیا ہمیں انٹونیو کے ساتھ قیصر کے مرثیے میں شرکت کرنا چاہیئے۔

آٹھواں۔ ہاں ضرور کیونکہ بروٹس نے ہم کو حکم دیا ہے۔

بروٹس اب اسٹیج سے اتر پڑا اور مجمع پروانہ وار اس پر ٹوٹ پڑا۔ لوگوں کے دل اس کے قدموں پر ٹوٹ رہے تھے۔ اور آنکھیں اس کے پیچھے بچھی جاتی تھیں انٹونیو اسی عالم میں کھڑا ہوا تھا۔ غضبناک اور خشم آلود آنکھوں نے اس کو گھورا اگر بروٹس نہ روکتا تو مجمع اسے چشم زدن میں فرش زمین پر ڈھیر کر دیتا۔ انٹونیو نے اس غبار آلود فضا میں حسب ذیل معرکۃ الآرا تقریر شروع کی۔

انٹونیو کی تقریر

انٹونیو۔ اے رومیو!

ایک۔ خاموش، سنو، انٹونیو کیا کہتا ہے۔

دوسرا۔ نہیں، ہم نہیں سنیں گے۔ ہم اس کی بات نہیں سنیں گے۔

انٹونیو۔ پیارے بھائیو! سنو بروٹس کے حکم کی عزت کرو۔ بروٹس کی خاطر میری سنو۔

کوئی ایک؛ دیکھو سنو تو سہی کہ بروٹس کے متعلق یہ شخص کیا کہتا ہے

دوسرا۔ اماں۔ کچھ نہیں ہم اس کی بکواس نہیں سنیں گے۔

تیسرا۔ نہیں ہم لوگوں کو سننا چاہیئے، دیکھیں کیا کہتا ہے

انٹونیو۔ دوستو! میں قیصر کا مرثیہ پڑھنے نہیں بلکہ اس کی نعش کو دفن کرنے اور اس کے مردہ جسم کو سپرد خاک کرنے کے لیے آیا ہوں۔

ہر شخص اپنی زندگی میں اچھے اور برے کردار کا مالک ہوتا ہے۔ اس کے اعمال حسنہ تو اس کی موت کے ساتھ مٹ جاتے ہیں، لیکن اس کے افعال سیٔہ قیامت تک باقی رہتے ہیں قیصر بھی انسان تھا اس کے بھی حسنات وسئیات کا یہی حشر ہونا تھا۔ اور ہوا۔

برادران قوم! اگر بروٹس مجھے اسٹیج پر آنے اور کچھ عرض کرنے کا حکم نہ دیتا تو اس وقت میں ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہ نکالتا، اس نے مجھ کو حکم دیا میں نے اس کی اطاعت کی اور اس کے فرمان والا شان کے سامنے سر تسلیم وانقیاد خم کر دیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ ایک شریف ولائق عزت شخص ہے۔

برادران! معزز دوست بروٹس نے کہا کہ قیصر ایک طماع وحریص شخص تھا، میں اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتا کیوں کہ وہ ایک سچا آدمی ہے جھوٹ نہیں بولتا۔

میں ہرگز یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ قیصر قناعت پسند اور بے طمع آدمی تھا کیوں کہ محترم بروٹس نے اس کے خلاف اعلان کیا ہے۔ میں جو کچھ کہہ سکتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ یہی وہ لالچی قیصر تھا جس نے قیدی دشمنوں سے اتنا کثیر زر فدیہ وصول کیا کہ روم کا خزانہ گہر وجواہر سے لبریز ہو گیا اور ملک دولت وثروت کی اس بارش سے سرسبز وشاداب ہو گیا میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میری ان آنکھوں نے قیصر کو غربا کے فقر وفاقے پر اکثر آنسو بہاتے، گریہ وبکا کرتے، آہیں بھرتے اور نالہ وفغاں کرتے دیکھا ہے کہ کتنی ہی ایسی راتیں ہیں جنھیں قیصر نے تنگدستوں کی اصلاح حال اور فراہمی معاش کی فکر میں آنکھوں میں کاٹ ڈالا ہے۔

میں نے خود کئی دفعہ "پورکال" میں تاج وتخت قیصر کی خدمت میں پیش کیا ہے لیکن اس نے ہمیشہ اس سے اعراض وانکار کیا۔ اس کو تاج کا شوق نہیں تھا۔ وہ تو خدمت وطن کا بھوکا تھا۔ اس کو عیش وآرام

الفت نہیں تھی اس کو تو قوم کی خوشحالی کی خاطر ام و مصائب کے برداشت کرنے میں لُطف آتا ہے۔

بروٹس ایک نہایت ہی معزز شخص ہے۔ میں سی حال میں بھی اس کی مخالفت نہیں کر سکتا ورنہ ں تم سے دریافت کرتا کہ کیا حرص و آز کا مسکن ایسا ی قلب ہو سکتا ہے، کیا ایسے پاکیزہ دل میں، کیا یسے خدا ترس قلب میں طمع اور لالچ کے لیے کوئی گوشہ ڈھونڈنے سے بھی مل سکتا ہے۔

رومیو! آج سے پہلے قیصر تمہیں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب تھا تم اس پر نثار ہونے اس کی خاطر اپنا خون بہانے کے لیے تیار رہتے تھے۔ پھر آج تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے کہ آنسو کا ایک قطرہ بھی تمہاری آنکھوں سے نہیں گرتا۔

اگر تم اس عمدہ صفات، بہتر خصائل اور لائق تعریف شمائل پر نہیں روتے تو نہ روؤ لیکن کم از کم اس کے لیے تو روؤ کہ وہ تم کو محبوب تھا، تم کو پیارا تھا دنیا جہاں میں سب سے زیادہ تمہارا چہیتا تھا، تم اس لیے روؤ کہ کل بھی وہ شخص تھا جس کی ایک جنبش لب پر بڑے بڑے بہادروں اور سورماؤں کے دل دہل جاتے تھے جس طرح بجلی کی ایک کڑک سے اس سرے سے لیکر اس سرے تک زمین و آسمان کی ساری فضا لرز جاتی ہے لیکن آج وہی شخص ہے جو ایک دیوار کے کنارے ذلیل و خوار بے یار و مددگار پڑا ہوا ہے، نہ اس کا کوئی نوحہ خواں ہے نہ غمخوار۔ آہ آج اس پر کوئی رونے والا نہیں۔

اے عقل انسانی! آج یہ تجھکو کیا ہو گیا ہے؟ تو کیوں انسانوں کے دلوں سے نکل کر وحشی حیوانوں کے سینوں میں سما گئی ہے؟ تو نے اپنا راستہ کیوں کھو دیا؟ تو کیوں گم کردہ راہ ہو گئی؟ تو مبہوت ہو کر رہ گئی ہے۔ تو نے خیر کو شر اور شر کو خیر قرار دے لیا ہے کیا تجھ سے قوت ممیزہ چھین لی گئی؟ کیا تجھے اب صواب و خطا کھوٹے کھرے میں تمیز نہیں رہی؟ کیا جرائم و محاسن کی پہچان تو عاجز ہو گئی؟

رومیو! میری ژولیدہ بیانی و پریشان گوئی سے اگر تم کو تکلیف ہوتی ہو تو معاف کرنا کہ اس فاجعہ عظمیٰ و حادثہ کبریٰ نے میرے دماغ کو منتشر اور قلب کو پراگندہ کر دیا ہے۔

دوستو! میرے پہلو میں ایک ایسا دل ہے جو تمہاری محبت و الفت میں سرشار، تمہاری خیر اندیشی و نکوکوشی میں غرق تمہاری فلاح و بہبود کے لیے بے چین اور تمہاری آرام و آسائش کے لیے بیتاب ہے۔ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ تمہارے سینے شدت رنج و محن و کثرت حزن و الم سے پھٹ جائیں گے تو میں کہتا قیصر مظلوم ہے وہ بلا قصور قتل کر دیا گیا۔

بروٹس اور اس کے رفقا رکار فخر قوم اور ملک کے مایۂ ناز فرزند ہیں ان کو مجرم و خطا کار کہنے سے پہلے میرے ضمیر کو، روم کو، اور خود قیصر کی پاک روح کو بڑا دکھ ہو رہا ہے۔

اتنا کہہ کر انٹونیو خاموش ہو گیا اور اس کی چشمہائے پرنم سے آنسوؤں کا سیلاب اُبل پڑا۔

انقلاب

ایک (اپنے ہم نشین کی طرف مخاطب ہو کر) مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ یہ شخص نہایت ہی معقول بات کہہ رہا ہے۔

دوسرا۔ یقیناً، اگر تم ذرا غور کرو تو تم پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ قیصر کا قتل سفاکی و بے رحمی کا بدترین نمونہ اور انتہائی بزدلانہ جرم ہے۔

تیسرا۔ قیصر کے تاج و تخت سے استغنا نے تو میرے دل کو اپنا لیا۔ اس کا یہ فعل کتنا مستحسن اور کس قدر مبارک ہے۔

چوتھا۔ وہ کیسا نرم دل، رقیق القلب اور رحم صفت تھا کہ مصیبت زدوں اور فاقہ کشوں کی حالت زار پر رنج و غم کے آنسو بہاتا اور جگر کے ٹکڑے کرتا تھا

پانچواں۔ فقیروں اور آفت رسیدوں کا ایسا مونس و غمخوار ایسا ہمدرد اور غمگسار طماع و ظالم نہیں ہو سکتا۔

چھٹا۔ اب تو جناب! قیصر کی خونریزی نے بڑی اہم نازک صورتحال اختیار کر لی۔

ساتواں۔ قاتل سے ضرور انتقام لینا چاہیئے۔

آٹھواں۔ (اپنے ہم جلیس کی طرف مخاطب ہو کر) دیکھو انٹونیو کس طرح پھوٹ پھوٹ کر روتا اور اور نوحہ کر رہا ہے۔

نواں۔ روم میں انٹونیو سے بڑھ کر ملک کا کوئی سچا بہی خواہ نہیں۔

انٹونیو۔ کیا آپ لوگ مجھے اس بات کی اجازت دیں گے کہ تھوڑی دیر کے لیے میں یہاں سے ہٹ کر جاؤں اور اس بیکس و مظلوم میت پر نذر عقیدت کے چند پھول چڑھاؤں۔

مجمع۔ ضرور۔ ضرور۔

انٹونیو اسٹیج سے اتر آیا اور آہستہ آہستہ قیصر کی لاش کے پاس گیا۔ لاش اب تک انہیں کپڑوں میں لپٹی پڑی ہوئی تھی جس میں کہ وہ قتل کی گئی تھی۔ اور خنجر کے زخم لباس کے اندر سے ظاہر ہو رہے تھے۔

انٹونیو نے مجمع کو پکار کر کہا۔

انٹونیو۔ لوگو! یہی وہ قیصر ہے جس کے ابر کرم کی بارش سے تم بارہا سیراب ہو چکے ہو۔ اس کی لاش زخم و خون میں شرابور ہے آؤ اور اپنے آنسوؤں کی جھڑی سے اس کو غسل دو۔ قیصر کی لاش کا رواں رواں نہایت بے کسی و عاجزی کے ساتھ تم سے اس کا مطالبہ کر رہا ہے۔

تم سب لوگ اس لباس کو دیکھتے ہو مگر شاید اس کی تاریخ و اہمیت سے واقف نہیں ہو۔ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ یہ خون میں لتھڑا ہوا لباس

قیصر نے اس شام کو [illegible] تن کیا تھا جس شام کو قیصر نے وہ شاندار فتحیابی حاصل کی تھی جس پر روم قیامت تک فخر کرے گا۔

اس موقع پر انٹونیو نے قیصر کی عبا کے ایک شگاف کو نمایاں کیا اور کہا)

اسی بڑے سوراخ سے اس فاتح اعظم کے جسم کو چھلنی کیا گیا۔ اسی سوراخ سے ہوکر بروٹس کا خنجر قیصر کے سینے میں پیوست ہوگیا۔ اسی سوراخ سے قیصر کا بے گناہ خون بہایا گیا۔

زخموں نے خنجر کے اس بنائے ہوئے جھروکے سے اپنے قاتل کی خوفناک صورت کو رحم طلب نگاہوں سے دیکھا بلکہ میرا تو خیال ہے کہ قیصر نے بروٹس سے طلب رحم کرنے سے پہلے روم کے ہر ہر فرد کو دادرسی کے لیے آواز دی مگر افسوس صد افسوس کہ کسی نے بھی اس کی دادرسی نہیں کی اور وہ بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔

قیصر نے پہچان لیا کہ میرا قاتل میرا دوست ہے جس کی گردن اس وقت بھی میری عنایتوں اور نوازشوں میری کرم فرمائیوں اور مہربانیوں کے بار گراں سے جھکی ہوئی ہے۔

اس خلاف توقع کمینگی و غداری سے اس کی ہمت ٹوٹ گئی مقابلے کی جرأت نہ رہی اس جانگداز واقعے نے جتنا کاری اثر اس کے دل پر کیا وہ کسی حیثیت سے اس زخم سے جس نے اس لاشے کو ماہی بے آب بنا رہا تھا کم نہ تھا تیغ و خنجر، تیر و سنان کا خوفناک منظر اس کے لیے اتنا بھیانک اور ڈراؤنا نہ تھا جتنی کہ خیانت غداری اور بے وفائی کی مکروہ اور نفرت انگیز صورت اسی لیے قیصر کے لبوں پر مہر لگ گئی اور وہ صرف اتنا الوداعی مختصر جملہ کہہ کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا کہ

اور تو بھی اے بروٹس؟

قیصر مجسمہ پامپی کے نیچے مقتول پایا گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے اپنے چہرہ کو اپنی عبا کی آستین سے چھپا لیا تھا تاکہ اس کی روح ناشکر گذاری، احسان فراموشی اور کفران نعمت کے کریہہ و بدمنظر مجسمہ کے دیکھنے سے دوبارہ منغض رنجیدہ و غمگین نہ ہو۔

قیصر کی موت کے غم میں زمین و آسمان تاریک ہوگئے ہیں، شجر، حجر، بشر سبھی اپنے لخت ہائے جگر اپنی آنکھوں کی راہ سے بہا رہے ہیں مگر مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہو رہی ہے کہ تمہارے دل نہایت ہی غمگین ہیں اور تمہاری آنکھوں سے آنسو کی جھڑی لگ گئی ہے میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ تم اپنے سیلاب اشک سے سفاکانہ خونریزی و بے رحمانہ قتل و غارت کی وہ خونی علامت و نشانی بہا لے گئے جس سے ظالموں کے ہاتھوں نے اس زمین کو ملوث کر دیا تھا۔ تم قیصر کی دریدہ عبا دیکھ کر زار و قطار رو رہے ہو، اگر تم اس کی نعش کے ٹکڑے اور جسم کے شگاف دیکھو تو تمہارا کیا حال ہو۔

(انٹونیو لاش کے قریب آیا اور اس پر سے چادر ہٹا کر مجمع سے یوں مخاطب ہوا)

ہر ہر زخم اپنی زبان حال سے تم سے دادرسی و انصاف کا طالب ہے، غور سے سنو کہ مرثیہ میں اس سے زیادہ گویائی کی قوت نہیں، مرثیے کے جگر پاش و دلگداز واقعہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ سننے میں نہیں آسکتا۔

ایک شخص۔ کیا ہی قیامت آفریں منظر ہے

دوسرا۔ اے لوگو! قیصر پر رحم اور اس کے ساتھ انصاف کرو۔

تیسرا۔ قیصر کا یوم قتل نہایت ہی شر انگیز دن تھا جس کی چنگاریوں نے روم کی شاندار روایتوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

چوتھا۔ یہ دنارت اور سفلہ پن روم کے چہرے پر انتہائی بدنما داغ ہے۔

پانچواں۔ اس خیانت اور غداری نے روم کو دنیا والوں کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا۔

چھٹا۔ انتقام۔ انتقام

مجمع۔ (سخت اشتعال میں) قاتلوں کو جلا ڈالو، انکے جسم کے ٹکڑے فضائے آسمانی میں بکھیر دو، کسی ایک پر بھی ترس نہ کھاؤ یہ رحم کے قابل نہیں۔

انٹونیو۔ ٹھہرو، ٹھہرو، میں تمہارے اشتعال سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ملک میں فتنہ و فساد برپا کرنا نہیں چاہتا کہ قاتلوں سے خون کا مطالبہ کرکے وطن کی فضاء کو تیرہ و تاریک بنا دوں۔ میرا ہمیشہ سے یقین رہا ہے کہ یہ قوم کے بہی خواہ، ملک کے ہمدرد اور ملک کے معزز افراد ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ قیصر کے قتل کے ان کے نزدیک وہ معقول وجوہ موجود ہوں جن کو ہم نہ جانتے ہوں میرا مطلب تو اس وقت صرف یہ ہے کہ قیصر تم کو دل و جان سے پیار کرتا تھا، اس لیے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ تم اس کا مرثیہ بیان کرو، مجلس عزا جماؤ اور اس پر نوحہ کرو۔ اگر مجھکو تمہارے ہاتھ سے عنان صبر کے چھوٹ جانے، تمہارے بے قابو ہونے کا خوف نہ ہوتا اور مجھ کو ڈر نہ ہوتا کہ تمہارے قلوب غم و الم میں اور رنج و محن میں ڈوب جائیں گے تو میں تمھیں اس فقید عصر کی وصیت سناتا پھر تمھیں معلوم ہو جاتا کہ تم قیصر کو کتنے زیادہ محبوب تھے، وہ تمہارا کتنا جاں نثار و فداکار سردار تھا۔ اور وہ ہرگز اس لائق نہ تھا کہ وہ تمہارے سامنے اس بیدردی سے قتل کر دیا جائے درآنحالیکہ تمہاری آنکھیں دیکھتی ہوں اور تمہاری رگوں میں خون کی گردش دوا دوش ہو۔

مجمع۔ وصیت ضرور سنائیے۔

انٹونیو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہارے سینے اس شہید اعظم کے قتل پر بہ شدت حزن و الم سے شق نہ ہو جائیں۔

مجمع۔ نہیں ہم وصیت ضرور سنیں گے۔

انٹونیو۔ قیصر نے وصیت کی ہے کہ رومی کے ہر ہر فرد کو میرے خزانۂ خاص سے ۷۵ فرنک دیئے جائیں، اور تمام رومی قوم کے لیے میرے تمام باغات اور تفریح گاہیں وقف ہیں۔

(باقی صـ ۲۵ پر)

یوم عاشور تاریخ کے آئینہ میں

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

یہ بات عوام تو عوام بلکہ بعض خواص اہلِ علم حضرات میں بہت عام ہے کہ عاشورۂ محرم کا تعلق اور اس کی اہمیت وعظمت صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم شہادت اور کربلا کے ان روح فرسا واقعات سے ہے جسے دنیائے اسلام کبھی بھلا نہیں سکتی ہے۔ یہ مسلم حقیقت ہے کہ شہادتِ حسینؓ اور وقوعِ حادثۂ کربلا تاریخ اسلام کا ایک اہم باب ہے جس سے ہمت وجرأت، جذبۂ جہاد وآزادی ایثار وقربانی اور شہادت وجاں نثاری کی راہوں میں تقویت وجلا ملتی ہے اور ایمان ویقین میں حرارت پیدا ہوتی ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

لیکن اگر عاشورۂ محرم کو صرف واقعۂ شہادت ہی سے متعلق کرکے آنکھیں بند کرلی جائیں تو تاریخ اسلام کے ساتھ ایک زبردست بہتان اور غلط بیانی ہی کہا جاسکتا ہے۔

تاریخ کے اوراق کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عاشورۂ محرم کا بنیادی اور کلیدی رشتہ اسلام اور اس کی تاریخ، انبیاء علیہم السلام کی ذوات قدسیہ اور تخلیق کائنات سے ہے۔

خالق کائنات پروردگار عالم نے سارے جہان کی تخلیق یعنی زمین وآسمان، آفتاب وماہتاب لوح وقلم، عرش وکرسی اسی تاریخ کو (یوم عاشور میں) فرمائی۔

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن پیدا فرمایا۔ اور وہ اسی تاریخ کو جنت میں داخل ہوئے۔ اسی روز جنت سے باہر تشریف لائے۔ اور اسی دن توبہ قبول ہوئی۔

آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کی سفینۂ نجات اسی دن جودی پہاڑ پر ٹھہری۔ اور آپ اور آپ پر ایمان لانے والے اللہ کے نیک بندوں نے اس طوفانِ عظیم سے نجات پائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے نارِ نمرود کو گلزار بناکر (اسی دن) سلامتی عطا کی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام جب اپنے لختِ جگر، نورِ نظر یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے روتے نابینا ہوگئے تھے تو اسی تاریخ کو اللہ رب العزت نے آپ کو یوسفؑ سے ملایا اور دوبارہ بینائی عطا فرمائی۔

حضرت یونس علیہ السلام ایک طویل مدت تک مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے بعد اسی تاریخ کو ذکر اللہ، دعا ومناجات کی برکت سے اس سے نجات پائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو بادشاہِ مصر سرکش فرعون کے پنجۂ استبداد اور غلامی کے طوق سے اسی دن نجات ملی، اسی تاریخ کو آپ مع اپنی قوم کے دریائے نیل عبور کرگئے اور فرعون مع اپنی قوم کے غرق دریائے نیل ہوگیا۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے سوتیلے بھائیوں نے ہلاک کرنے کے لئے گہرے کنویں میں ڈال دیا تو اسی دن اس کنویں سے آپ نکالے گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اسی دن پورے روئے زمین کی ایسی بادشاہت اور حکومت عطا فرمائی جو بعد میں کسی کو بھی نہ مل سکی۔ اور نہ کبھی کسی کو مل سکے گی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو خداوند قدوس نے اسی تاریخ کو مہلک مرض سے شفا بخشی جیسا کہ یہ سب اسرائیلیات میں مذکور ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے اسی دن دشمنوں کے نرغے سے بچاکر......... آسمان پر اٹھا لیا۔ چنانچہ آپ آسمان پر موجود ہیں اور نزد زمانۂ قیامت دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دسِ محرم کا روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ گذشتہ سال کے گناہ معاف فرمادیتا ہے (مسلم) ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا: دسِ محرم کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو۔ ایک دن اس سے پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ رکھو۔ (بیہقی)۔

ان مذہبی اور تاریخی واقعات کے علاوہ اسی تاریخ کو جمعہ کے دن قیامت برپا ہوگی۔ اور دنیا کا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔

اتفاق کی بات ہے کہ اسی تاریخ کو عاشورۂ محرم جمعہ کے دن وہ المناک حادثۂ فاجعہ اور واقعۂ کربلا پیش آیا جب جوانانِ جنت کے سردار، خاندان نبوت کے چشم وچراغ، نواسۂ رسول، فاطمہ زہرا کے نورِ نظر، شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ کے لختِ جگر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں کو شہید کردیا گیا۔

یہ ہیں وہ تاریخی حقائق جن سے بہت کم لوگ واقف ہیں، اور اگر مسلمانوں میں عاشورۂ محرم کا تذکرہ ہوتا بھی ہے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر غلو اور مبالغہ آرائی، تعزیہ داری، ڈھول

تماشہ کی گہما گہمی جھوٹے آنسوؤں اور واویلا کیا کیا جاتا ہے۔ جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ زبردست تمسخر، مذاق اور ان کی عالی مرتبت شخصیت سے ایک بدترین کھیل کھیل کر ڈھونگ رچایا جارہا ہے۔ اور اس کے باوجود دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم اہل بیت سے سچی محبت کرتے ہیں، یہ محبت نہیں، بغاوت ہے۔ اور یہودیت کا مکروفریب ہے۔

درحقیقت سیدنا حسین رضی اللہ کا واقعۂ شہادت تو ہمیں اعلیٰ درجہ کی توحید کا اور احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا درس دیتا ہے۔ مگر افسوس مسلمانوں نے اسے اپنی ضلالت و گمراہی کا ذریعہ بنالیا ہے، ہر سال ان دنوں کاغذ، پھول، ابرک، بادبانس کا ایک ڈھانچہ کھڑا کرتے ہیں جس کا نام تعزیہ رکھ چھوڑا ہے۔ اس دن ہزاروں مردوں اور عورتوں کے جمگھٹے چاروں طرف نظر آتے ہیں۔ نمازیں چاہے نہ پڑھیں، روزہ نہ رکھیں جمعہ و جماعت، عید اور حج چاہے نصیب بھی نہ ہوتا ہو مگر محرم کا مجمع فوت نہ ہو۔ ؎

آجائیں گر حسینؓ محرم کے چاند میں
سمجھیں گے تم کو تم ہو شریرانِ کربلا
ہاں وہ نماز جس کو نہ چھوڑا حسین نے
چھوڑے ہوئے ہیں اس کو فدایانِ کربلا

حدیث مبارکہ سے صرف اتنا ثابت ہے کہ اس روز روزہ رکھنا چاہئے۔ تعزیہ کا حکم نہ تو قرآن کریم میں ہے اور نہ حدیث شریف میں ہے۔ نہ صحابہ نہ تابعین اور نہ چاروں اماموں میں سے کسی امام نے اس کے کرنے کا حکم دیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ۶۱ھ میں ہوئی۔ اس کے انیس برس بعد ۸۰ھ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے ہیں۔ اور ۱۵۰ھ میں انتقال فرماتے ہیں، لیکن ستر سال کی عمر میں کسی محرم میں نہ آپ تعزیہ داری کرتے ہیں اور نہ اس کا حکم دیتے ہیں۔

تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۵۲ھ میں تعزیہ داری اور ماتم کا رواج "معز الدولہ" حاکم عراق کے حکم سے جاری کیا گیا۔ تب سے اب تک یہ رواج ترقی پذیر ہے قرآن کریم میں اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے: "اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ" (کیا تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جس کو خود تراشتے ہو) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار" (دین میں ہر نئی بات بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

یہ تعزیہ داری کی بدعت ہندوستان میں امیر تیمور لنگ (جو مذہباً شیعہ تھا) کے زمانہ میں ۸۰۱ھ سے شروع ہوئی۔ اور ۹۶۲ھ میں ہمایوں بادشاہ بیرم خاں کو بھیج کر چھیالیس تولہ کا زمردیں تعزیہ ہندوستان میں منگوایا، یہ ہے پہلا تعزیہ جو ہندوستان میں آیا۔ پھر یہ رسم چل پڑی اور شیعوں کی اس تعزیہ پرستی میں بھولے بھالے سنی حضرات بھی پھنس گئے۔ بہرحال تعزیہ داری کو شرک و بدعت کہنے اور عاشورۂ محرم کے ساتھ جوڑ کر گمراہ کن مذہبی رسم قرار دینے اور غیر اسلامی طریقہ کہنے میں سارے علمائے اسلام متفق ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

"وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ"
(سورہ آل عمران)

یعنی جو بھی اسلام کے سوا کوئی اور طریقہ اختیار کرے گا اس کو قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

شیخ الحدیث مولانا ابرار احمد صاحب انتقال فرماگئے

شیخ الحدیث دار العلوم فلاح دارین ترکیسر سورت

مولانا ابرار احمد صاحب شیخ الحدیث دار العلوم فلاح دارین ترکیسر، ۱؍ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ کو راندیر میں انتقال فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم ممتاز فاضل خصوصاً حدیث کے استاذ کی حیثیت سے گجرات میں امتیازی شان کے مالک تھے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے بیعت و ارشاد میں مجاز تھے۔

حق تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور دارالعلوم فلاح دارین کو اس کے شایانِ شان جانشین عطا فرمائے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کے لئے ایصال ثواب کیا گیا۔ اور بلندی درجات کے لئے دعا کی گئی۔

قرآنِ کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ، دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

ازل سے ہی مشیت نے اجل کو کام سونپا ہے
چمن سے پھول چننا اور ویرانے میں رکھ دینا

مسلمانوں کی دو ذمہ داریاں ہیں

حضرت مولانا الشاہ محمد ابرار الحق صاحب مدظلہ العالی

(تیسری و آخری قسط)

بمار امت کے لئے نسخۂ شفاء

جس طرح ٹی بی کا مریض روزانہ ایک دوا ،گولی یا ٹکیہ استعمال کرے ایک انجکشن لگواتا رہے .وہ طاقتور ہوجاتا ہے ۔ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح ،امت بھی جو آج غلطی میں مبتلا ہے اگر وہ سنت ،ن گولی استعمال کرے تو وہ بھی صحت مند ہوجائے ں۔ اور ترقی کرنا شروع کر دے گی۔ اور جب ہم سنت پر عمل کریں گے، تو جو کرنے کی چیزیں ہیں اس وکریں گے، ماموارت پر عمل کریں گے اور جو چیزیں بھوڑنے کی ہیں اس سے بچیں گے منہیات کو چھوڑیں لے۔ وہی لال بتی اور ہری بتی والا قانون یہاں بھی ہے۔ لال بتی کیا ہے؟ حرام ناجائز مکروہ۔ ان سے بچنا۔ اور ہری بتی فرض اور واجب وسنت۔ مستحب ں پر عمل کرنا اور اس کا اہتمام کرنے سے انسان نیک ورصالح ہوجائے گا۔ یہ تو مسلمان کا خود صالح بننے کا جو فریضہ تھا اس کے لئے یہ طریقہ ہے۔

صلاح منکرات کا فریضہ پورا کیجئے

لیکن ایک دوسرا بھی اس کا فریضہ ہے کہ خود صالح بننے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی صالح بنانا۔ یہ بھی تو مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اپنی غلطی سے برا کام کرنے لگ گئے ہیں۔ ان کی خبر گیری اور ان کی صلاح کی کوشش کرنا یہ بھی تو ذمہ داری ہے۔

مان لیجئے مدرسہ کے قریب کسی کا مکان یا کوٹھی ہے۔ ہم نماز پڑھ کر آئے تو دیکھا کہ ان کے یہاں سے دھواں نکل رہا ہے۔ آگ کے شعلے اٹھ رہے ہیں تو ایسے موقع پر کیا کریں گے۔ کیا چلتے چلے جائیں گے؟ یا معلوم کریں گے کہ کیا بات ہے؟۔ ظاہر ہے کہ معلومات کریں گے۔ اچھا اب گئے، معلوم ہوا کہ دروازہ بند ہے۔ کھٹکھٹایا۔ گھر والے سو رہے ہیں۔ اب گھنٹی بجا رہے کوئی اٹھتا نہیں۔ تو جلدی سے پڑوس کے مکان میں جاکر فوراً آگ بجھائیں گے۔ اور جو کچھ بھی ہو ہر صورت میں گھر والوں کو باہر نکالنے کی کوشش کریں گے۔ تو جس طرح حسی آگ بجھانے کی فکر اور کوشش ہم کو کرنا چاہئے۔ اسی لئے میں نے جو آیت پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اسی فریضہ کو بیان فرمایا ہے۔

"وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہئے جو اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔

ماشاء اللہ ہمارے اکابر کی طرف سے ایک کام ہو رہا ہے جو سارے عالم میں پھیل چکا ہے۔ اس کے ذریعہ سے اچھی باتوں کو خوب پھیلایا جارہا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ برائیوں کے مٹانے کی بھی جماعتی محنت ہو رہی ہے یا نہیں؟ جس طرح مساجد مدارس اور دیگر کاموں کے لئے کمیٹیاں ہیں اور انتظام کے لئے جماعتیں ہیں اسی طرح برائیوں کے مٹانے کے لئے کوئی جماعت ہے؟ جس طرح اچھائیوں کا پھیلانا فرض کفایہ ہے اسی طرح برائیوں کے مٹانے کے لئے بھی جماعتی اعتبار سے محنت کرانا یہ بھی فرض کفایہ ہے۔ آج اس سلسلہ میں غفلت ہو رہی ہے۔

بے اصولی سے احتیاط کرنا چاہیے

اس سلسلہ میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ منکرات کی اصلاح کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ تو بھائی! بات یہ ہے کہ بے اصولی کرنے سے انتشار پیدا ہوتا ہے امر بالمعروف کا کام بھی بے اصولی سے کیا جائے تو اس میں بھی انتشار ہوگا۔ اگر یہ کام انتشار کا ذریعہ ہوتا تو شریعت میں اس کے کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا۔ حالانکہ فتنہ و فساد شریعت میں ناپسندیدہ ہے تو اصل چیز جو فتنہ کا باعث بنتی ہے وہ بے اصولی اور حدود کی رعایت نہ کرنا، اور میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ آپ لوگ کسی بزرگ کی مجلس میں بیٹھے ہوں مثلاً حضرت مولانا علی میاں صاحب دامت برکاتہم مٹکل تشریف لائے۔ فجر کے بعد ان کے پاس دس بارہ آدمی بیٹھ گئے باتیں ہو رہی ہیں۔ اتنے میں ناشتہ کا انتظام ہوگیا تو اب منتظمین کہنے لگے کہ اچھا صاحب صبح سے آپ بیٹھے ہیں جانے کا نام نہیں لیتے تو آپ لوگ بھی ناشتہ میں شریک ہوجائیں تو آپ بتائیے اس عنوان سے کتنے لوگ ناشتہ میں شریک ہوں گے؟ اگر بھوک بھی لگ رہی ہوگی تو کوئی بھی بیٹھنا گوارہ نہیں کرے گا۔ لیکن اگر اسی بات کو اس طرح کہیں کہ آپ حضرات کو ناشتہ کرنے کا جی چاہتا تھا لیکن موقع نہیں مل رہا تھا۔ خوش قسمتی سے حضرت مولانا تشریف لائے ہیں ان کے ساتھ آپ حضرات بھی ماحضر میں شرکت فرمالیں۔ اب یہ عنوان کتنا

موثر ہوگا کہ اگر اشتہار بھی نہیں ہوگی تو بھی شریک ہو جائے گا۔

حق بات کہے مگر عنوان نرم ہو

تو عنوان کا بڑا اثر پڑتا ہے آدمی حق بات کہے مگر اچھے عنوان سے دین میں جب بھی فتنہ ہوگا تو بے اصولی سے ہوگا۔ اگر آداب کی رعایت رکھی جائے تو پھر فتنہ نہیں ہوگا۔ الحمدللہ دعوت کا کام کرتے ہوئے برسوں ہوگئے مگر ٹکراؤ اور نزاع کی نوبت نہیں آئی۔ بہت سے منکرات کی اصلاح ہوئی۔ ہلکے ہلکے کوشش کی جائے پھر اس کے مفید نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ ہماری عیدگاہ میں دس ہزار کا مجمع ہوتا ہے۔ پہلے عید کی نماز کے بعد سو فی صد مصافحہ کیا کرتے تھے۔ لیکن نرم عنوان سے سمجھایا گیا بار بار بتلایا گیا کہ مصافحہ کرنا ملاقات کی سنت ہے عید کی سنت نہیں۔ اب الحمدللہ جیسے اور جمعوں میں ہوتا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ نہیں کرتے اسی طرح عید کی نماز کے بعد بھی مصافحہ نہیں کرتے۔ اسی طرح خطبے میں پہلے دس فیصد لوگ بیٹھتے تھے محنت کی گئی، کوشش کی گئی تو اب سو فیصد لوگ بیٹھنے لگے۔ حالانکہ پندرہ پندرہ صفیں عیدگاہ کے باہر ہو جاتی ہیں لیکن سارا مجمع سکون کے ساتھ بیٹھا رہتا ہے۔ اور جب تک خطبہ ختم نہیں ہوتا کوئی نہیں اٹھتا ہے۔ تو بات اصل میں یہ ہے کہ کام اصول کے موافق کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مجلس دعوۃ الحق ہردوئی کی طرف سے کچھ رسائل بھی شائع ہوئے ہیں جو لوگ کام کرنا چاہتے ہیں وہ اس کا مطالعہ کریں اور اس کے موافق کام کریں پھر انشاء اللہ دیکھیں کہ اس کے کیا فوائد و نتائج ہوتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

اس وقت بیان کا حاصل یہ ہوا کہ ہر شخص کی دو خواہشیں ہیں ایک یہ کہ خود نیک بنے، دوسرے یہ کہ لوگوں کو بھی نیک بنائے۔ صالح بننا اور صالح بنانا۔ مسلمانوں کے یہ دو کام ہیں۔ ان دونوں کے لئے کوشش کرنا سب کی ذمہ داری ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کے لئے طریقے ہیں۔ خود نیک بننے کے لئے سنت کا اہتمام کیا جائے۔ دوسری چیز یہ کہ اصول و آداب کی رعایت کے ساتھ برائیوں کے مٹانے کی جماعتی حیثیت کے ساتھ محنت کی جائے۔

اب دعا کر لی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کو قبول فرمائیں۔ ہم سب کو نیک اور صالح بنائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

بقیہ: حواشی صفحہ ۳۰

قائم کی جائے یا کوئی سیاسی یا جماعتی نعرہ بلند کیا جائے، اس لئے کہ اس سے ردعمل پیدا ہوگا۔ اور اس کے مقابلے کے لئے دوسری تحریک شروع ہو جائے گی۔ خاص طور سے یہ بات کسی ایسے زمانے میں کہ جب اسلامی وجود، شریعت اسلامی اور اسلامی تشخص ہی کو خطرات درپیش ہوں اور ہر طرف سے یلغار ہو ہرگز امت کے مفاد میں نہیں ہے۔

۵۱ اس تحریک اصلاح و تجدید کی تاریخ اور اس کے امام حضرت سید احمد شہیدؒ کے بارے میں واقفیت کے لئے راقم کی تالیفات (سیرت سید احمد شہیدؒ) دو حصے (جب ایمان کی بہار آئی) (تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ) حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی (تقویۃ الایمان) اور مولانا غلام رسول مہر کی اس سلسلہ کی تصنیفات ملاحظہ ہوں۔ حضرت سید صاحبؒ کے ہاتھ پر چالیس ہزار مشرکین و کفار نے اسلام قبول کیا اور تین لاکھ اشخاص نے براہ راست بیعت توبہ کی۔

(بقیہ ۴۶) اینٹی بایوٹک کا استعمال

میں دی جاتی ہیں۔ یہ دوائیں انسان کی جان بچانے والی دوائیں ہوتی ہیں۔

سب سے زیادہ اور نیا مشکل مسئلہ یہ ہے کہ اکثر دوائیں اب اثر ہی نہیں کرتی ہیں۔ یہ مائکرو آرگینزم اتنے مضبوط اور طاقت ور ہوگئے ہیں کہ ANTIBIOTIC دواؤں کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا ہے۔ کچھ دوائیں جن کا اثر کم ہوگیا ہے وہ ہیں (۱) ISONEX جو ٹی بی کی اہم دوا مانی جاتی تھی (۲) CAMAQUIN اور CHLOROQUINE ملیریا کے لیے استعمال ہونے والی دوائیں ہیں اور (۳) کچھ ANTIFILARIAL دوائیں جو کہ فائلیریا FAILARIA میں استعمال ہوتی تھیں۔ ٹی بی (TUBERCULOSIS) میں دواؤں کے اثر میں کمی، کچھ جسمانی قوت (IMMUNE SYSTEM) میں گڑبڑی سے اور کچھ نئے بیکٹریا کے پیدا ہو جانے سے ہوئی ہے۔ ملیریا میں بھی کچھ نئے اور ضدی قسم کے PARASITE پیدا ہوگئے ہیں اس لئے ان دواؤں کے بجائے نئی دوا دینی چاہئے۔ (راس فینے)

تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم

پروفیسر وصی احمد صدیقی

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ایک عارف باللہ کی حیثیت سے جائزہ

جن لوگوں نے عام سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی مدد سے شیخ الاسلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے وہ ان کو ایک محدثِ خشک اور ایک عالم ظاہر بیں سے زیادہ کا مقام نہیں دے سکے لیکن ابن قیم اور علامہ ذہبی وغیرہ نے جس طرح ان کے صفات کو بیان کیا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شیخ الاسلام کا شمار اس امت کے عارفین اور اہل اللہ میں کیا جانا چاہئے ۔

ذوق و معرفت اور ایمان حقیقی کے حصول کے لیے کوئی ایک وسیلہ نہیں ہے۔ ابتداً میں ان مقاصد کے حصول کے لیے صحبت نبوی سب سے بڑا ذریعہ تھی ۔ آخر میں صحبت اور کثرت ذکر پر زور دیا گیا جس کا مدوّن طریقہ تصوف اور سلوک کے نام سے مشہور ہو گیا ہے ۔ کچھ حالات و علامات ایسی ہوتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے دینی سطح میں عوام سے بلند اور دین کی صحیح کیفیات سے بہرہ مند ہے

ذوق عبودیت

یہ کیفیت اس بات کی شہادت ہوتی ہے کہ اس شخص کا باطن یقین سے معمور اور اللہ تعالی کی عظمت کبریائی سے بھرپور اور اس کے قدرت و جلال کے مشاہدے سے پرنور ہے ۔ ذہبی (۳) کہتے ہیں: " میں نے گریہ وزاری ، اللہ تعالی سے استمداد اور فریاد اور توجہ الی اللہ میں ان کی نظیر نہیں دیکھی ۔ انھوں نے خود لکھا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں ان کی طبیعت بند ہو جاتی ہے تو میں ایک ہزار بار استغفار کرتا ہوں ، یہاں تک کہ اشکال رفع ہو جاتا ہے ان کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کو دولتِ فقر حاصل تھی وہ اکثر شعر پڑھتے جس کا ترجمہ یہ ہے ۔

ہاں میں تیرے در کا بھکاری ہوں اور کوئی نیا بھکاری نہیں خاندانی بھکاری ہوں اور پشتینی سائل ۔ میرا باپ بھی تیرے در کا بھکاری اور میرا دادا بھی ۔

ذوقِ عبادت

الکواکب الدریہ میں ہے " رات میں وہ تمام لوگوں سے علیحدہ رہتے تھے ۔ وہ تھے اور گریہ وزاری ۔ برابر قرآن مجید پڑھتے رہتے ۔ نماز شروع کرتے تو ان کے اعضاء کانپنے لگتے ۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ اپنے اوراد اور اذکار کی پوری پابندی کرتے تھے اور ہر حال میں جمعیت خاطر کے ساتھ ادا کرتے تھے ۔

زہد و تجرید و تحقیر دنیا

شیخ علم الدین البرزالی فرماتے ہیں ۔

" شروع سے آخر تک اُن کی حالت یکساں رہی انھوں نے ہمیشہ فقر کو ترجیح دی ۔ دنیا سے بقدر ضرورت اور برائے نام تعلق رکھا اور جو ملا واپس کر دیا الملک الناصر نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ میں نے سُنا ہے بہت سے لوگ آپ کے مطیع ہو گئے ہیں اور آپ کے دل میں سلطنت پر قبضہ کرنے کا خیال ہے ، جواب میں فرمایا کہ تمھاری اور تاتاریوں کی سلطنت مل کر بھی میری نگاہ میں ایک پیسے کے برابر نہیں ہے ۔

سخاوت و ایثار

حافظ ابن فضل اللہ العمری جو ان کے معاصر ہیں لکھتے ہیں " ان کے پاس ڈھیروں سونا چاندی اعلیٰ اصیل گھوڑے ، جانور املاک و اموال آتے وہ سب کا سب اٹھا کر دیدیتے ۔ یوں بھی عفو و احسان ، اعدا اور مخالفین کے ساتھ شفقت و محبت کا مقام مالی ایثار سے بہت بلند ہوتا ہے ۔ ابن تیمیہ اس مقام پر فائز تھے ۔ اپنے مخالفین اور دشمنوں کو معاف کرنا ان کا مزاج تھا ۔

فروتنی اور بے نفسی

یہ وہ صفت ہے جو ہزار کرامتوں سے بلند اور ہزار فضیلتوں سے بالا ہے ۔ ابن قیم فرماتے ہیں کہ ان کا کہنا تھا " خدا کی قسم میں ابھی تک برابر اپنے اسلام کی تجدید کرتا رہتا ہوں اور ابھی تک نہیں کہہ سکتا کہ کامل طور پر مسلمان ہوں ۔ وہ حدیث دیگراں میں اپنے اپنا ہی حال بیان کرتے تھے ۔

سکینت و سرور

شیخ الاسلام نے فرمایا " دنیا (مومن کیلئے) ایسی جنّت ہے کہ جو اس میں یہاں داخل نہیں ہوا

آخرت کی جنت سے بھی محروم رہے گا۔ پھر فرمایا۔ "میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ میری جنت اور میرا باغ میرے سینے میں ہے، میں جہاں جاؤں وہ میرے ساتھ ہے۔"

کمال اتباعِ سنت

حافظ سراج الدین البزار قسم کھا کر کہتے ہیں "خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا ادب واحترام کرنے والا اور آپ کے اتباع اور آپ کے دین کی نصرت کی حرص رکھنے والا ابن تیمیہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔ علامہ ذہبی کے یہ الفاظ بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں" سنت کے نصرت کے جرم میں ان کو بہت ڈرایا دھمکایا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کو سرخرو اور معزز کیا اور اہل تقوی کے قلوب کو ان کی محبت اور دعا کے لیے مجتمع کر دیا۔

فراست وکرامت

کشف وکرامت بزرگی کی دلیل نہیں مگر۔

"کرامات الاولیا حق" ان واقعات کی شہادت جو بطریق کرامت پیش آئے اس قدر مشہور اور بکثرت منقول ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود فنا، بقا، معرفت وغیرہ پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عملی طور پر بھی ان منازل سے گزرے ہوئے تھے۔ مسائل اور سلوک میں ان کی تحقیقات مجتہدین فن سلوک مثلاً مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰی منیری اور امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی کے کلام اور تحقیقات سے مل جاتی ہیں۔ فنا کے اقسام اور اس کے مراتب ومقامات کی اپنے رسالہ عبودیتہ میں بڑی اچھی تفصیل بیان کی ہے۔ ان کی تصنیفات میں اس طرح کی تحقیقات اور علوم صحیحہ بہت ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا تجدیدی واصلاحی کام

شیخ الاسلام کے کارناموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ عقیدۂ توحید کی تجدید (۲) فلسفہ ومنطق اور علم کلام کی تنقید اور کتاب وسنت کے طرز واسلوب کی ترجیح (۳) غیر اسلامی ملل وفرق کی تردید (۴) فکر اسلامی کا احیاء۔

عقیدہ توحید کی تجدید

بہت سے لوگ مُردے کو خدا کا درجہ اور اُس کی قبر کے مجاور کو پیغمبر کا رتبہ دیتے ہیں۔ ان جہلا میں بہت سے لوگ قبر پرستی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی طرف سے تو بے خوف ہوتے ہیں۔ اور صاحب مزار کے لیے خوف اور خشیت دل میں رکھتے ہیں۔ یہ اللہ اور شعائر اللہ سے استہزا اور استخفاف کرتے ہیں۔ بعض صاف صاف کہتے ہیں کہ ان کے شیخ انبیا اور مرسلین سے افضل تھے۔ اس اولیا پرستی اور قبر پرستی کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ زیارت گاہیں عوام وجہال کی قبلہ حاجات بن جائیں ابن تیمیہ کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فتنہ کتنا جڑ پکڑ چکا تھا۔ مصر کی فاطمی سلطنت ختم ہو چکی تھی مگر اس کے اثرات باقی تھے۔ باوجود اس کے کہ طاقتور اسلامی سلطنتیں باقی تھیں اور بڑے بڑے کبار محدثین وفقہا موجود تھے۔ مگر یہ گمراہیاں عام تھیں۔ امام ابن تیمیہ نے ان مشرکانہ اعمال و رسوم کے خلاف جہاد اور تجدید کا علم بلند کیا۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں صاف صاف لکھا کہ دعا غیر اللہ سے بالکل جائز نہیں اور یہ شرک صریح ہے انھوں نے حضرت ابن عباس کا ارشاد بیان کیا کہ بت پرستی کی ابتدا قبروں سے ہوئی —

امام صاحب نے لکھا کہ ملائکہ اور انبیا سے (اُن کے انتقال کے بعد) دعا کرنا ایک نیا دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے شروع نہیں کیا۔ نہ کسی نبی کو اس کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اور نہ کوئی آسمانی کتاب اس کی تائید میں نازل فرمائی۔ ابن تیمیہ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ لکھا کہ کسی زندہ ہستی سے بھی کسی ایسی چیز کا مطالبہ جو اسباب دنیاوی سے ماورا ہو جائز نہیں ہیں انھوں نے واسطہ کی دو قسمیں بتائیں۔ ایک طرف اللہ نے فرمایا فرشتوں اور آدمیوں میں سے اللہ ہی چن لیتا ہے۔ جو ان واسطوں کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ مگر وہ واسطہ جو رزق۔ نصرت اور بھولے بھٹکے کو راستہ بتلانے کے خدا اور بندوں کے درمیان سمجھا جائے شرک ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ مسجدیں جو قبروں پر بنائی گئی ہیں جن کو مشاہد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ایک بدعت ہے حدیث صحیح کی طرف اشارہ فرمایا "جو لوگ تم سے پیشتر تھے وہ قبور کو مساجد بناتے تھے۔ دیکھو یاد رکھنا قبروں کو مسجد نہ بنانا۔ میں تم کو اس سے روکتا ہوں۔" امام صاحب کا فیصلہ ہے کہ مشاہد کے موجد فرقہ باطنیہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ یہ مشاہد زیادہ تر جعلی ہیں۔

ابن تیمیہ کی کتابوں کے اثر سے ایسے ارباب دعوت وعزیمت پیدا ہوتے رہے جنھوں نے اپنے اپنے زمانہ کے مشرکانہ عقائد ورسوم کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔

فلسفہ ومنطق وعلم کلام کی تنقید

یونانی فلسفہ ومنطق کی کتابوں کا ترجمہ خلیفہ منصور (۱۳۶ھ) سے شروع ہو گیا تھا۔ پھر مامون نے اس کی شاہانہ سرپرستی کی۔

ارسطو کی کتابوں نے عالم اسلامی کے علمی و درسی حلقوں میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل کی اور وہی فلسفۂ یونان کا نشان بن گیا۔ مختلف دور میں علمائے فلسفہ نے اس پر تنقید کی اور امام غزالی تو فلسفہ کے مدمقابل ہوئے اور امام رازی نے بھی اس کو اپنا نشانہ بنایا۔ لیکن عالم اسلام کا وہ حصہ جو فلسفۂ یونان کا علمبردار تھا۔ ارسطو کی شخصیت اور عظمت سے مسحور تھا۔ فارابی نے لکھا ہے کہ افلاطون اور ارسطو فلسفہ کے موجد اور اس کے مبادی اور اصول کے بانی اور مرتب ہیں۔ بو علی سینا نے بھی لکھا ہے کہ آج تک ارسطو کی تحقیقات پر کوئی اضافہ نہیں ہو سکا۔ ابن رشد کو تو ارسطو کی ذات میں فنافی الشیخ کا درجہ حاصل ہے۔ نصیر الدین طوسی جو محقق طوسی کہلاتے ہیں وہ ارسطو کو عقل کل کا درجہ دیتے تھے اور امام رازی کے مقابلہ میں ارسطو کے فلسفہ کی حمایت کرتے تھے۔

ابن تیمیہ نے یونانی فلسفہ و حکمت کی مدلل تنقید کی اور ایک طرح سے ارسطو سے حریفانہ گفتگو اور علمی مناظرہ کیا۔ ابن تیمیہ نے علم طبیعیات و ریاضیات کو الٰہیت سے مختلف گردانا اور اس سلسلے میں علمائے یونان کی ذہانت کا اعتراف کیا۔ ان کا اصلی میدان فلسفۂ الٰہیات تھا اور ان کا خیال تھا کہ فلاسفۂ یونان اس سلسلے میں جہل مرکب میں مبتلا تھے۔ وہ حیرت میں تھے کہ ان اقوال و قیاسات کو لوگ انبیا کے علوم و حقائق کے سامنے لاتے ہیں اور انھوں نے ان فلاسفہ کی بے بضاعتی اور کوتاہی کو اجاگر کیا ابن تیمیہ کی یہ بڑی باریک بینی تھی کہ انھوں نے یونان کے فلاسفہ متقدمین اور متاخرین میں فرق کیا اور کہا کہ ارسطو کے پیشرو غیبی حقائق اور دینی مفاہیم اور تصورات سے زیادہ قریب تھے اس کی وجہ انھوں نے یہ لکھی کہ قدمائے فلاسفہ کو ان ملکوں میں آنے جانے کا اتفاق ہوا۔ جہاں انبیا مبعوث ہوئے تھے لیکن ارسطو کو اس کا موقع نہیں ملا۔

ابن تیمیہ نے لکھا کہ فلاسفۂ اسلام یونان کے مقلد محض ہیں اور ابن سینا حقیقت و منصب نبوت سے نا آشنا ہے۔ ان کے نزدیک متکلمین و فلاسفہ نے ایک ہی طرح کی غلطی کا ارتکاب کیا کہ انھوں نے قیاس سے اس چیز کو حاصل کرنا چاہا جو قیاس سے حاصل نہیں ہو سکتی اور فطرت و نبوت دونوں سے کشمکش اور زور آزمائی کی۔

پھر انھوں نے منطق یونان پر تبصرہ کیا اور کہا کہ منطق علوم عقلیہ کی میزان نہیں اور بہت سے منطقی حدود و تعریفات جامع اور فنی طور پر مکمل نہیں۔ منطق کے لیے انھوں نے لکھا کہ یہ کوہ کندن و کاہ برآوردن کا عمل ہے دین و الٰہی حقائق کے بارے میں منطق بے بس ہے۔

امام ابن تیمیہ کا یہ مجتہدانہ کارنامہ ایک چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

غیر اسلامی ملل و فرق کی تردید

شیخ الاسلام کے زمانے میں مذاہب میں سے صرف عیسائیت اور فرقوں میں سے صرف شیعیت دو زندہ تحریکیں اور طاقت ور مذاہب تھے۔ ابن تیمیہ نے انھیں دونوں کو اپنی مستقل اور منفرد تصانیف کا موضوع بنایا۔ اس وقت عالم عیسائیت کی ایک نئی تحریک شروع ہوئی تھی ۶۸۵ھ میں جب تاتاری دمشق میں فاتحانہ داخل ہوئے تو عیسائیوں نے شہر سے نکل کر ان کا استقبال کیا۔ وہ صلیب کو بلند کیے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یسوع مسیح کا دین غالب آیا۔

سائپرس سے عیسائیوں کی ایک مناظرانہ تصنیف شام پہنچی جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ رسولؐ کی بعثت عمومی نہیں۔ آپ صرف عربوں کے لیے تھے اور مسیحی آپ پر ایمان لانے کے لیے مکلف نہیں۔ ابن تیمیہ نے اس کے رد میں چار جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس میں انھوں صرف صفائی نہیں پیش کی بلکہ مسیحیت کی بنیادوں پر حملہ کیا۔ شیخ محمد ابو زہرہ مصر کے مشہور فاضل نے رائے دی " امام ابو تیمیہ کی مناظرانہ تصنیفات میں یہ کتاب سب سے زیادہ ٹھنڈی اور پرسکون ہے۔ یہ کتاب تنہا ان کو باعمل علماء مجاہدانہ اور غیر فانی مفکرین کا مرتبہ دلانے کے لیے کافی ہے ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ مسیحیت حضرت عیسیٰ کی تعلیم اور رومی بت پرستی کا مجموعہ ہے اور موجودہ مسیحیت عہد قسطنطین کی تصنیف ہے۔ امام ابن تیمیہ کے نزدیک انجیل کے چار صحیفوں کی حیثیت سیرت اور حدیث کی عام کتابوں سے زیادہ نہیں اور ان کتابوں کے معنی تفسیر اور احکام میں تحریف واقع ہوئی ہے ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ نصاریٰ الفاظ انبیا کو سمجھے نہیں اور الفاظ ابن، اور روح القدس مشترک اور عام ہیں۔ اس کتاب میں ابن تیمیہ نے ان علمائے مسیحیت کے اقوال اور کلام نقل کیے ہیں جو توحید اور حضرت مسیح کے عبدیت کے قائل تھے۔ ابن تیمیہ نے ثابت کیا کہ رسولؐ کی بعثت عامہ ہے اور آپ کی نبوت کے اقرار کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی یوں تو اپنی تصنیفات میں شیخ الاسلام نے شیعیت کا جا بجا رد کیا ہے لیکن ایک معاصر شیعی عالم ابن المطہر الحلی کی کتاب اثبات شیعیت و امامت کے جواب منہاج السنۃ النبویہ تصنیف کی۔ (باقی صفحہ ۱۳ پر)

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ جس گھر میں میت ہو جاتی ہے، اس کے پڑوسی اس کے لئے کھانا پکا کر بھیجتے ہیں کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے۔؟

ج:۔ جس گھر میں میت ہو جائے اس کے پڑوسیوں کے لئے مستحب ہے کہ کھانا پکا کر بھیجیں۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ جب (میرے والد) حضرت جعفرؓ کی شہادت کی اطلاع آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا پکواکر بھیجو اس لئے کہ انھیں ایسی مصیبت پہونچی ہے کہ انھیں خود کھانا پکانے اور کھانے کا ہوش نہیں ہے" (ابوداؤد، ترمذی)

س:۔ کیا میت کے کفن کی گرہیں کھول دینا چاہیے؟

ج:۔ ہاں! قبر میں لٹانے کے بعد سر اور پاؤں کی طرف سے میت کے کفن کی گرہیں کھول دینا مستحب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نعیم بن مسعود اشجعیؓ کو قبر میں اتارا تو آپؐ نے اپنے دہن مبارک سے ان کے کفن کی گرہیں کھولیں (المغنی جلد ۲)

س:۔ کیا غیر مسلم کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے؟

ج:۔ ہاں! غیر مسلم کے ساتھ کھانا، پینا جائز ہے مگر ان سے جگری دوستی اور محبت جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی دوستی میں شرک و مشرکانہ امور کی برائی دل سے دور ہو سکتی ہے اور گہری دوستی کی وجہ سے عملی شرک میں تو مبتلا ہو ہی سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

س:۔ غیر مسلم کی امداد کرنا کیسا ہے؟

ج:۔ غیر مسلم اگر مدد کا محتاج ہو اور اپنے اندر مدد کرنے کی استطاعت ہو تو ضرور کرنا چاہیے حسن سلوک تو خواہ کسی کے ساتھ ہو اچھی بات ہے۔

س:۔ غیر مسلم کا ہدیہ قبول کر سکتے ہیں؟

ج:۔ ہاں! غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

س:۔ سجدہ میں جاتے ہوئے پائجامہ کو اوپر کھینچنا کیسا ہے؟

ج:۔ ایسا کرنا مکروہ ہے اس طرح کی عادتوں سے احتراز لازم ہے۔

س:۔ بیماری یا کمزوری کی بنا پر اپنی حیات میں حج بدل کرالے تو معتبر ہے یا نہیں؟

ج:۔ معتبر ہے لیکن اگر اس کا عذر جاتا رہا تو اس کو حج خود کرنا ہوگا۔

س:۔ شوہر کے انتقال کے بعد عورتیں فوراً عورت کے زیور اتار دیتی ہیں اور چوڑیاں توڑ دیتی ہیں اور سرخ کپڑے بھی پہننے نہیں دیتی ہیں یہ کیسا ہے؟

ج:۔ شوہر کے انتقال کے بعد عورت کو زینت ترک کر دینا چاہیے اور چار مہینہ دس دن تک زینت نہیں اختیار کرنا چاہیے، زیور اتار دینا چاہیے اور چوڑیاں بھی اتار دینا چاہیے۔ سرخ کپڑے بھی نہیں پہننا چاہیے، سادہ لباس پہننا چاہیے، چوڑیاں اتاری جائیں گی توڑی نہیں جائیں گی۔

س:۔ شوہر کے انتقال کے بعد میکہ والے عورت کو بیوہ کی صورت میں جوڑا کپڑے بنا کر لاتے ہیں یہ کیسا ہے؟

ج:۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، البتہ اگر میکے والے دلجوئی کی خاطر ہدیۃً کپڑے وغیرہ دیں تو اس کی گنجائش ہے۔

س:۔ میت کے پاس سورہ یٰسین اور تبارک الذی پڑھنا کیسا ہے؟

ج:۔ میت کو غسل دینے سے پہلے اس کے قریب قرآن پاک نہیں پڑھنا چاہیے، دور ہٹ کر پڑھ سکتے ہیں، غسل دینے کے بعد قریب بھی پڑھ سکتے ہیں، مذکورہ سورتوں کو بھی میت کے پاس پڑھ سکتے ہیں۔

بقیہ خطابت کی سحر کاریاں

ایک شخص۔ قیصر کیا ہی فیاض طبع و غریب پرور آدمی تھا۔

دوسرا۔ کیا ہی شریف و کریم تھا۔

تیسرا۔ قاتل تباہ و برباد ہیں۔

چوتھا۔ انتقام! انتقام!

پانچواں۔ ہم بروٹس کا گھر جلا کر رہیں گے۔

اس کے بعد طوفانی مجمع سڑکوں پر لہریں مارتا ہوا نظر آنے لگا ٹھیک اسی طرح جس طرح ذخار سمندر میں موجیں بل کھاتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

انٹونیو۔ (تنہا اپنی جگہ پر) اے تاریک شر! اسے بھیانک فتنہ! میں نے ہی تجھ کو تیری خوابگاہ سے اٹھایا ہے پس تو جا اور اپنا کام کر۔ تو مشتعل ہو جا اور سقف آسمان اور فرش زمین کو جلا کر خاک سیاہ کر دے

دیکھو یہ کس قدر عبرتناک منظر ہے کہ روی قوم نے ابھی قیصر کی غلامی سے پورے طور پر نجات بھی نہیں پائی تھی کہ انٹونیو نے اپنے دام عبودیت میں ان کو جکڑ دیا جاہل و غلام ملک کی یہی حالت ہوتی ہے یا تو وہ صاحب تاج و تخت کے زیرنگیں ہوتا ہے۔ یا کسی جادو بیان خطیب کے دامن سحر کا شکار (ترجمہ)

امرت بھی زہر بھی

اینٹی بایوٹک کا استعمال

ڈاکٹر رعنا سراج

مرض اور انسان کا رشتہ بہت پرانا ہے۔ جب سے انسان نے دنیا میں قدم رکھا ہے اس کو یہاں رہنے میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اسی میں ایک پریشانی بیماری کی بھی ہے۔ ذرا سی لاپرواہی ہوئی نہیں کہ کسی نہ کسی مرض نے اسے آگھیرا۔ ظاہر ہے پھر اس سے نپٹنے کے لیے دوا کی ایجاد بھی بہت ضروری ہوگی۔ قدیم زمانہ میں لوگ زیادہ تر امراض کا علاج جڑی بوٹیوں اور درختوں کی چھال وغیرہ سے کیا کرتے تھے لیکن وقت کے ساتھ امراض کے علاج اور دواؤں کی تحقیق و جستجو میں نئے نئے طریقے اپنائے جانے لگے اب آج کل زیادہ تر دوائیں لیب میں بنائی جاتی ہیں یہ دنیا چھوٹے چھوٹے مائکرو آرگینزم (MICROORGANISM) سے بھری ہوئی ہے۔ جو یوں تو ہمیں نظر نہیں آتے مگر ان کو اگر مائکروسکوپ سے دیکھا جائے تو یہ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں ان میں بھی کچھ اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ وہ خالی (ELECTRONIC MICROSCOPE) میں ہی نظر آتے ہیں لیکن یہ سب بے انتہا خطرناک ہوتے ہیں اور زیادہ تر امراض انہیں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ یہ ہمارے جسم پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اور ہم بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ مائکرو آرگینزم، پروٹوزوا (PROTOZOA) وائرس (VIRUS) فنجائی (FUNGI) اور بیکٹریا (BACTERIA) وغیرہ ہوتے ہیں ان کا اثر ہونے پر فوراً دوا لینی پڑتی ہے یہ دوائیں اس طرح کی ہوتی ہیں کہ یہ مائکرو آرگینزم کو تو ختم کر دیتی ہے لیکن انسانی جسم کو زیادہ نقصان نہیں پہونچاتی ہیں۔

یہ اینٹی بائیوٹک (ANTIBIOTIC) دوائیں انسانی جسم میں دو طرح سے کام کرتی ہیں۔ پہلے گروپ کی دوائیں بیکٹریا (BACTERIA) کو بڑھنے سے روکتی ہیں۔ جس سے وہ دھیرے دھیرے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے گروپ کی دوائیں بیکٹریا کو مار کر انھیں ختم کر دیتی ہیں۔ ان دواؤں کے استعمال کے علاوہ جو بہت اہم بات ہے وہ انسانی جسم کی خود کی طاقت (NATURAL DEFENCE OF BODY) ہوتی ہے اور یہی طاقت انسان کو صحتمند رکھنے میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے

PAUL EHLIRCH نام کے سائنس داں نے سب سے پہلے انیلین (ANLLINE) نام کی دوا کا استعمال اینٹی بایوٹک دوا کے طور پر کیا۔ ١٩٢٨ء میں فلیمنگ (FLEMING) نے پنیسلین (PENICILLIN) نام کی دوا ایک حادثہ کے طور پر ایجاد کی۔ ١٩٣٩ء میں فلوری (FLOREY) اور چین (CHAIN) نے اسے الگ کیا اور بتایا کہ یہ مائکرو آرگینزم (MICRO ORGANISM) سے ہی بنائی گئی دوائیں ہیں جنھیں دوسرے مائکرو آرگینزم پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد (PENICILLIN) میں کچھ تبدیلیاں کر کے بعض دوائیں بنائی گئیں۔ اب (ANTIBIOTIC) دواؤں کا سلسلہ چل پڑا اور اب تو بازار میں ایسی کئی دواؤں کی بھرمار ہے، یہ صحیح ہے کہ ان دواؤں کے ذریعہ انسان کو بہت سی بیماریوں کا علاج مل گیا ہے جس میں ٹی۔بی (TUBERCULOSIS) اور جزام (LEPROCY) جیسے خطرناک مرض بھی شامل ہیں جو MICRO ORGANISM سے ہوتے ہیں۔ لیکن ان دواؤں کے اکثر مضر اثرات بھی ہوتے ہیں PENICILLIN اور دوسری SULPHADRUGS اگر کسی مریض کے جسم کو موافق نہیں آتی ہیں تو اکثر یہ دوائیں بہت خطرناک ثابت ہوتی ہیں ان سے گردوں میں خرابی آسکتی ہے اور وہ کام کرنا بند کر دیتے ہیں۔ دماغی موت بھی (NERVOUS DEATH) ہو سکتی ہے یا پھر دل کا دورہ بھی پڑ سکتا ہے۔ یہ تو بہت تیز قسم کے مضر اثرات ہیں۔ دوسرے اثرات جو زیادہ تر ان دواؤں سے بھی ہوتے ہیں جیسے کہ (١) سارے بدن پر چکتے پڑ جانا (٢) ایکدم شدید کھجلی پورے بدن پر ہونے لگنا (٣) ہونٹوں اور بدن کے دوسرے حصوں پر ورم آجانا (٤) دل کی دھڑکن کا بہت تیز ہو جانا یا پھر بہت کم ہونا (٥) خون کا دباؤ گھٹ جانا (٦) کانوں سے اکثر کم سنائی دینے لگنا جو بڑھ کر بہرا پن بھی ہو جاتا ہے (٧) کچھ دواؤں سے عارضی طور پر پیشاب، تھوک، یہاں تک کہ آنسو بھی سُرخ ہو جاتے ہیں

ان دواؤں کے اتنے مضر اثرات کے باوجود بھی ان کا استعمال بند نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے استعمال سے پہلے احتیاط ضروری ہے۔ سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ زیادہ مضر دواؤں والے گروپ کو دینے سے پہلے TESTDOSE دے کر ان کا اثر دیکھ لیا جائے۔ اگر مضر اثر ہو تو اس کو ختم کرنے والی دوا فوری طور پر مریض کو دینی چاہئے۔ اگر بدن میں کھجلی ہونے لگتی ہے تو AVIL یا PHENARGAN وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ قے ہونے کی صورت میں STEMETIL یا PERINORM وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے۔ CORAMINE, MEFENTINE, ADRENALIN وغیرہ دوائیں زیادہ تر بری ایکشن

(باقی ص ٢١ پر)

مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

شمس الحق ندوی

نام کتاب: اقوالِ سلف حصہ چہارم
مرتب: مولانا محمد قمر الزماں صاحب
ناشر: مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد۔ ۳-۷ بخشی بازار
قیمت: ۹۰ روپیہ

اقوال سلف کے نام سے مولانا محمد قمر الزماں صاحب زید مجدہ کی تین جلدیں شائع ہو چکی تھیں جن پر تعمیر حیات میں تبصرہ بھی شائع ہو چکا ہے، یہ تینوں جلدیں شائع ہو کر مقبول عام ہو چکی ہیں یہ چوتھی جلد اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی ۱۳۱۳ھ سے لے کر ۱۳۷۷ھ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ تک اس صدی کے جو اہم بزرگ و اہل اللہ گزرے ہیں ان میں سے ۸ حضرات کے مختصر حالات زندگی کے ساتھ ساتھ ان کے اقوال زریں آئے ہیں جو اہل علم و معرفت اور طالبین حق کے لئے بے بہا تحفہ ہیں۔ یہ کتاب چودہویں صدی ہجری کی علمی و دعوتی تاریخ کا انمول موتی ہے، چونکہ درد مندان اسلام اور اہل اللہ کے احوال و کوائف کے ساتھ ان کے گراں قدر ملفوظات بھی کتاب میں شامل ہیں اس لئے قاری کو اس کے پڑھنے میں بڑا لطف آتا ہے چونکہ قاری دوران مطالعہ بہاروں کے ایک چمن سے دوسرے چمن میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور نئے نئے گل بوٹوں سے لطف اندوز و سیراب ہوتا ہے اس لئے کتاب ہاتھ میں لینے کے بعد ختم کئے بغیر اس کو چین نہیں آتا اور جب کتاب ختم ہوتی ہے تو اس طرح کہ آتشِ شوق بھڑک چکی ہوتی ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ یہ ملکوتی صفات رکھنے والے حضرات ہماری ہی طرح کے انسان تھے دنیا کے یہ سارے جھمیلے جو ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی لگے تھے پھر انھوں نے کس طرح دنیا کی دلفریبیوں سے دامن بچا کر اپنا مومنانہ و داعیانہ کردار ادا کیا اور اسلاف کے ہم اخلاف کس راہ پر چل رہے ہیں ان بزرگوں کے حالات زندگی کی تصویر کا صحیح خد و خال اقبال کے اس شعر میں آجاتا ہے ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

کتاب کے تبصرہ میں احوال و کوائف اور گرانقدر ملفوظات کے کچھ نمونے بھی پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن ہم تبصرہ کو زیادہ طول نہ دے کر یہی کہیں گے کہ کتاب ہاتھ میں لیجئے اور اپنے ذوق طلب کو شوق کے پانی سے غسل دے کر پڑھنا شروع کر دیجئے پھر دیکھئے کیا ملتا ہے، البتہ ناشر و طابع نے کتابت و طباعت کا وہ معیار نہیں قائم رکھا جو معیار کتاب کا ہے کہیں کہیں حرف اڑے ہوئے ہیں، پروف کی غلطیاں بھی ہیں۔

نام کتاب: گفتار نسیم
مجموعۂ کلام: جناب نسیم بنارسی صاحب
ناشر: ادارہ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ، بنارس۔

شعری مجموعے تو بہت شائع ہوتے رہتے ہیں لیکن حال میں شائع ہونے والے مجموعوں میں جناب نسیم صاحب کے اس مجموعۂ کلام میں جو مقصدیت دینی غیرت و حمیت، مومنانہ فراست و بصیرت، داعیانہ جوش و جذبہ، مردانہ لیکن حکیمانہ حق گوئی و بے باکی اور نعت و مناجات کے عنوان سے اللہ و رسول کی ذات سے والہانہ عشق و محبت کی جو برق تپاں نظر آئی کم مجموعوں میں نظر آتی ہے۔

نسیم صاحب کے اشعار میں جہاں بندۂ مومن کی شان بے نیازی، دنیائے دوں کی بے ثباتی کے ساتھ ساتھ دعوتِ فکر آخرت ہے وہیں ظالم و قسی القلب کو نصیحت و تنبیہ بھی اور بندۂ مومن کو یہ وعظ و تلقین بھی کہ آزمائش سے ارادوں میں قوت و طاقت پیدا ہوتی ہے۔ بقول کسے ؎

آزمائش ہے نشان بندگان محترم
جانچ ہوتی ہے انھیں کی جن پہ ہوتا ہے کرم

نمونہ کے چند اشعار سے پورے مجموعہ کا اندازہ لگا لیجئے۔ غیرت ایمانی ؎

نسیم اپنی غیرت نہ بیچیں گے ہرگز
جو سر چاہتے ہو لے جاؤ سر کو

ظالم کو تنبیہ ؎

نشیمن پھونکنے والے ذرا تو ہوش میں آجا
انھیں شعلوں کی زد میں آئے گا تیرا نشیمن بھی

امتحان باعثِ تقویت ؎

جب جب بھی لگی ٹھوکر ہم کو ترے رستہ میں
واللہ ارادوں کو کچھ اور جواں دیکھا

عشق حقیقی ؎

دل میں تری الفت کی گر شمع فروزاں ہو
یہ تیرگی چھٹ جائے یہ رات گذر جائے

نعت ؎

دیا دل کو کس نے مرے سوز ایماں
مدینہ کی بادِ بہاراں سے پوچھو

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بارہویں اجلاس احمد آباد کے سلسلے میں

ایک اہم میٹنگ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بارہویں اجلاس کی تیاری کے سلسلہ میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں شبلی
نب خانہ کے ناظر مولانا محمد مرتضیٰ مظاہری اور استاذ مولانا عبد القادر صاحب گجراتی احمد آباد گجرات تشریف
ے گئے۔ مولانا کی آمد پر مفتی احمد خانپوری، مفتی عبد السلام، مفتی اسماعیل اور جناب حسن صاحب وغیرہ تشریف
ئے۔ مدرسہ عربیہ فیضان القرآن سرس پور والوں کی دعوت پر خصوصی میٹنگ سے قبل ایک مشورتی میٹنگ
ھی گئی جس میں شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص متبع سید بچو بھائی بھی تشریف لائے اجلاس
ں کامیابی کے لئے ..... مولانا فضل احمد دامت برکاتہم سے دعا کی درخواست بھی کی گئی۔

جامعہ حسینیہ کے مہتمم ..... مولانا اسماعیل صاحب مدظلہ کو اس مجلس کا صدر منتخب کیا گیا۔
جلس کی کارروائی تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی۔ مفتی احمد خانپوری نے مسلم پرسنل لا بورڈ
ی تاریخ، غرض وغایت اہمیت وافادیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اور بورڈ کی خدمات کے موضوع
رمفتی اسمٰعیل کتھاروی نے جامع اور بڑی مؤثر تقریر فرمائی۔ اور نظامت جناب مولانا غلام محمد دستانوی صاحب
نے کی۔ اور جانی ومالی، علمی وقانونی قربانی دینے کے لیے حاضرین مجلس سے اپیل کی تو جملہ حاضرین نے
بیک آواز لبیک کہا اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے دو اہم رسالوں کی اشاعت کی ذمہ داری بھی لی۔ اور
قدر قوم کی پیشکش بھی کی۔ اس سلسلہ میں پریس کمیٹی اور فنڈ کمیٹی کی تشکیل بھی کی گئی۔

صدر جلسہ کی تقریر سے قبل مولانا محمد مرتضیٰ صاحب مظاہری نے مفکر اسلام حضرت مولانا
سید ابو الحسن علی ندوی کا پیغام اپنے لفظوں میں پیش کیا، جلسہ کی کارکردگی کے لئے اطمینان ظاہر کیا
یہ جلسہ صدر مجلس مولانا اسماعیل مدظلہ کی دعا پر اختتام پذیر ہوا۔

مولانا برہان الدین سنبھلی کی ہمشیرہ کا انتقال

دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ تفسیر وحدیث مولانا برہان الدین سنبھلی کی بڑی ہمشیرہ کا مختصر
علالت کے بعد ۱۹ رمئی ۱۹۹۵ء کو انتقال ہوگیا۔ مرحومہ بڑی عابدہ، زاہدہ، خلیق وملنسار ہونے کے ساتھ
فن تجوید سے واقفیت رکھتی تھیں۔ صبر وشکران کا خاص وصف تھا۔ صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں عمر ۸۰ سال تھی۔

قابل افسوس بات یہ ہے کہ مولانا برہان الدین اور ان کے برادر خورد سلطان اللہ صاحبان اپنی
علالت کے سبب تجہیز وتکفین میں شرکت نہ کرسکے۔ لیکن مولانا کی اہلیہ اور ان کے صاحبزادگان اطلاع ملتے
ہی سنبھل کے لئے روانہ ہوگئے۔

تمام قارئین سے دعائے مغفرت اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت

دار العلوم کے طالب علم محمد ثاقب کی پھوپھی کا تقریباً ۶۵ برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کے انتقال کے ایک ہفتہ بعد طالب علم کے چچا کا بھی جو ۵۰ سال کے تھے حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بقیہ مطالعہ حدیث کی بنیادی باتیں

کی کسی بھی کتاب کے لئے یہ بہترین دیباچہ ... اور مقدمہ ہے۔ ۵ے

علم حدیث کے طلبہ اور مطالعہ کرنے والوں کے لئے سب سے ضروری یہ ہے کہ وہ اپنی نیتوں کی تصحیح کریں، اپنے اندر اخلاص و احتساب پیدا کریں، تقرب الی اللہ کا جذبہ بیدار کریں، اس کے ثواب اور توفیق کی امید رکھیں، اور طلب دنیا اور مادی اغراض و مقاصد کو دل سے نکال دیں، شہرت و ناموری اور حصول دنیا کا جذبہ ان کے اندر نہ ہو، اگر بغیر مقصد و ارادہ کے بھی یہ بات دل میں پیدا ہو تو اس کو کھرچ دیں۔

۲۔ ایمان و احتساب اور حدیث نبوی کی قدر و منزلت کی معرفت کے ساتھ ساتھ اس کا وہ ادب و احترام جو اس کے شایانِ شان ہے، تواضع و فروتنی کا اظہار اور پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی توفیق و سعادت پر اس کا شکر بجالانا بھی ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں حدیث کے مدرسین و معلمین اور اس کی قدر پہچاننے والے اور اس توفیق الٰہی پر اس کا شکر کرنے والے طلبۂ حدیث کے عجیب و محیر العقول واقعات تاریخ کی زینت ہیں کہ کس طرح وہ اس کے درس و مطالعہ کے وقت باوضو رہتے اور آداب ملحوظ رکھتے اور انصاف سے کام لیتے، اور جس نے اس کے خلاف کیا، احادیث اور کتب حدیث کے ساتھ سوء ادب اور اہانت کا معاملہ کیا اور سخت تنقیدیں کیں، ان کے بارے میں ایسے واقعات موجود ہیں، جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں کہ کس درجہ وہ الحاد و دہریت کا نشانہ بنے اور غضب الٰہی کا مورد ٹھہرے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں اور طالبانِ علوم دینیہ کو اس دردناک انجام سے محفوظ فرمائے۔

۳۔ قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہے کہ بعثت شریفہ کے بنیادی مقاصد میں تعلیم کتاب و سنت اور تزکیۂ نفوس ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ" ۶ے

جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہیں پاک بناتے اور کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

اور فرماتا ہے:۔

"لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ" ۷ے

خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ" ۸ے

اور وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا، جو ان کے سامنے ان کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور انہیں (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

تو تزکیۂ نفوس ان بنیادی مقاصد میں سے ہے، جن کی وجہ سے بعثت ہوئی، اور ان بڑے مظاہر میں سے ہے کہ جن میں معجزۂ نبوی، شریعت اسلامی اور اسوۂ رسولؐ کا ظہور ہوا اور یہ مسئلہ اخلاق کی تہذیب، فضائل سے آراستہ ہونے اور رذائل سے پاک ہونے کا ہے، کہ وہ مسلمان جو اس نبوی مدرسہ و تربیت گاہ کے تربیت یافتہ ہیں، اخلاق کی بلندی، انسانی اقدار میں کامل نمونہ ہوں اور یہ سب کچھ نور نبوت اور تعلیمات نبوی کا فیضان ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی عملی تفسیر ہوں کہ:۔

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا" ۹ے

اور تم کو پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے لفظ حکمت کو متعدد جگہوں پر ان ہی اخلاق و آداب نبوی کے لئے استعمال فرمایا ہے ۱۰ے

اس مسئلہ (تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفوس) کی اہمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے بھی ظاہر ہوتی ہے، آپ نے فرمایا "انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" ۱۱ے میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر دوں، تو اس کی بہترین مثال اور افضل ترین نمونہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ" ۱۲ے

تو خاص طور سے کتب حدیث و دواوین سنت سے استفادہ کرتے وقت تزکیۂ نفوس، تہذیب اخلاق، اتباع سنت، تعلیمات و آداب نبوی کی پیروی کے پہلو کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، ہر حدیث کا طالب علم چہ جائیکہ معلم و محقق ہو، اس کو لوگوں کے لئے

اخلاق و معاملات میں، طور وطریق میں اسوہ و نمونہ ہونا چاہئے، علم حدیث اور سیرت وسنت سے اشتغال کی تاثیر اس کی زندگی سے نمایاں ہو، اس کا طور وطریق اس کی تاثیر پر ایک روشن دلیل ہو اور یہ لوگوں کو (خاص طور پر ان ممالک میں کہ جن میں اکثریت غیر مسلموں کی ہو یا وہاں مغربی تہذیب کا غلبہ ہو) اس امتیاز و فارق کے اسباب پر غور وفکر پر آمادہ کرے اور اسلام و سیرت نبوی کے مطالعہ پر مجبور کرے۔ یہ دعوت اسلام کا ایک بہترین ذریعہ اور بغیر کسی ذرائع ابلاغ کے دعوت و اشاعت کے متوجہ کرنے کا ایک اچھا راستہ ہے۔

اس مقصد کی تکمیل کے لئے خاص طور پر ان احادیث صحیحہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے جن میں خاص طور پر اس موضوع پر توجہ کی گئی ہے۔

ان اہم ترین کتابوں میں، امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کی "الادب المفرد" ہے دوسری کتاب جو اسی موضوع پر تصنیف کی گئی وہ حافظ کبیر ذکی الدین عبد العظیم منذری دمشقی کی "الترغیب والترہیب" ہے جو چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔ تیسری کتاب جو مشہور و مقبول ہے امام ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی کی ریاض الصالحین ہے [۱۳]

اخیر میں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ وہ مذاہب فقہیہ جن پر زمانہ قدیم سے عمل چلا آرہا ہے، جن میں احکام کے استنباط و استخراج کی بنیاد کتاب پر ہے ان کو ہدف ملامت نہ بنایا جائے اس لئے کہ بے موقع صلاحیتوں کو ضائع کرنا اور دوست سے برسرپیکار ہونا ہے [۱۴] بیشک اجتہادی اختلافات کے اظہار کی گنجائش موجود ہے، بشرطیکہ نیت درست ہو، زہد و تقوی اور اخلاص پایا جاتا ہو، کتاب وسنت کا احترام ہو، اور ان کو اساس اول قرار دیا جائے، اور جن کو اللہ نے قبولیت و مقبولیت فرمائی اور شہرت و عموم سے نوازا اس کا بھی احترام کیا جائے۔

ان تمام چیزوں کے بجائے تمام تر توجہات اور اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں کتاب وسنت کی تحقیق و مطالعہ اور قرآن و حدیث سے استدلال میں صرف کی جائیں اور اللہ تعالیٰ نے جو زور بیان، قوت خطابت و استدلال عطا فرمایا ہے ان کو شرک و بدعات اور ان کے مظاہر کی تردید میں لگایا جائے، خاص طور پر ان ملکوں میں جہاں اسلام عجمی فاتحین کے ذریعہ داخل ہوا۔ اور جہاں اکثریت غیر مسلموں کی ہے اور مسلمان بھی ان ہی کے رسوم و عادات اور عقائد و تقلیدات میں ملوث ہوں اور جہاں طویل طویل وقفے ایسے گذرے ہیں کہ حدیث شریف کے مطالعہ و تحقیق، اس کی نشر و اشاعت قرآن مجید میں غور وفکر اس کی تعلیمات کا علم اور علاقائی زبانوں میں اس کی نشر و اشاعت کا کام بند رہا ہے جیسا کہ ہمارے ملک ہندوستان کا مسئلہ ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے صاحبزادگان و خلفاء، خاص طور پر حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید اور ان کے اصحاب مولانا ولایت علی صادق پوری اور مولانا کرامت علی جونپوری کے طریقہ کار کو اپنایا جائے جن میں آخر الذکر کے ذریعہ بنگلادیش میں لاکھوں اشخاص کے عقائد کی تصحیح ہوئی وہ بدعات سے تائب ہوئے۔ [۱۵]

نوٹ:۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ راقم نے اس رسالہ میں صرف ان کتب حدیث اور شروح کا ذکر کیا ہے جن کا راقم کو علم ہو سکا یا ان سے استفادہ کیا گیا، ممکن ہے کہ بعض اہم شروح کا ذکر اس میں رہ گیا ہو تو یہ کتاب کوئی دائرۃ المعارف یا کتب حدیث کی فہرست نہیں ہے، اس کا اکثر حصہ اہم کتب خانوں سے بعید مقامات پر قیام کے دوران تحریر کیا گیا ہے۔

تو اس کو کسی مذہبی تعصب، خاص فقہی مسلک یا کسی خاص مکتب فکر کی طرف توجہ دلانے پر نہ محمول کیا جائے۔

والقدر عند کرام الناس مقبول

---

[۱] صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من صام رمضان ایماناً واحتساباً۔ [۲] صحیح بخاری۔ کتاب الصوم، باب فضیلۃ لیلۃ القدر [۳] صحیح ترمذی۔ [۴] صحیح بخاری کتاب الایمان۔ [۵] اس میں اس شخص کے لیے بھی جواب موجود ہے جو امام بخاریؒ پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب کی ابتدا حمد و صلاۃ سے نہیں کی اور نہ ہی اس کی غرض و غایت بتائی، اور نہ موضوع کی تحدید کی اس لیے کہ یہ حدیث بجائے خود ایک بہترین دیباچہ اور خطبہ ہے۔ [۶] سورہ بقرہ آیت۔ ۵۔ [۷] سورہ آل عمران آیت۔ ۱۶۴۔ [۸] سورہ جمعہ آیت۔ ۲۔ [۹] سورہ احزاب آیت ۲۱ [۱۰] سورہ لقمان آیت۔ ۱۲۔ [۱۱] امام مالک نے موطا کی بلاغات میں یہ روایت ذکر کی ہے۔ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ روایت مختلف سندوں سے حضرت ابوہریرہؓ اور دوسرے صحابہؓ سے متصل منقول ہے، امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ سے اس کو صحیح سند کے ساتھ مرفوعاً نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں، انما بعثت لاتمم صالح الاخلاق۔
[۱۲] سورہ قلم آیت۔ ۴۔ [۱۳] اس فہرست میں راقم سطور کے والد حضرت مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی صاحبؒ کی تہذیب الاخلاق بھی شامل ہے، جو دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے۔ [۱۴] اس موضوع پر حجۃ اللہ البالغہ و ازالۃ الخفاء کے مصنف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کی کتاب "الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تقابلی مطالعہ نہ کیا جائے اور مذاہب فقہیہ کو احادیث کے سامنے پیش نہ کیا جائے اور احادیث کی معتمد صحیح کتابوں سے دلائل و ملومات سے بحث نہ کی جائے جیسا کہ متقدمین علماء کبار نے بھی کیا ہے، مقصود صرف یہ ہے کہ ان مذاہب فقہیہ کے خلاف جن کی اساس کتاب وسنت پر ہے اور امت کا بڑا طبقہ اس پر عمل کرتا چلا آرہا ہے کہ کوئی ایسی متعصب تحریک یا جماعت د

باقی صفحہ ۲۱ پر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعمیر حیات

لکھنؤ

ہلال روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۰ رجون ۱۹۹۵ء مطابق ۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

جلد نمبر ۳۲

شمارہ نمبر ۱۵

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی

مولانا محمود الازہار ندوی

مولانا سلمان حسینی ندوی

مولانا محمد خالد ندوی

مولانا عبد الرزاق ندوی

مولانا محمد رضوان ندوی

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زر تعاون

سالانہ ۔۔۔۔۔ ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ۔۔۔۔۔ ۵ روپے

۔۔۔ بیرونی ممالک فضائی ڈاک ۔۔۔

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

۲۵ ڈالر

۔۔۔ بیرونی ممالک بحری ڈاک ۔۔۔

بحری ڈاک جملہ ۔۔۔۔۔ ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ۔۔۔ منیجر

حامد

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹3 ندوۃ العلماء لکھنؤ
226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے شائع کیا

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/= روپئے کے حساب سے زرضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/=
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH - K.S.A.

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - UK

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 (U.S.A.)

اس شمارے میں

اداریہ

شمس الحق ندوی

فکرِ مآل

ہر انسان کو اپنی زندگی سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اور وہ اس کی بقا و حفاظت کے لئے ہر جتن کرتا ہے، جسمانی قوت و توانائی کے لئے غذا کی فکر کرتا ہے، سردی گرمی سے بچنے کے لئے لباس کا انتظام کرتا ہے، سکون و اطمینان اور آرام و راحت کے ساتھ رہنے کے لئے مکان بناتا ہے، لذتِ کام و دہن کے لئے ماکولات و مشروبات کی تمام انواع و اقسام کو سمیٹ لینے کا خواہاں رہتا ہے، بیماریوں سے محفوظ رہنے کے لئے صاف ستھری اور جراثیم سے پاک جگہوں کا انتخاب کرتا ہے۔ ان چیزوں کے حصول کو وہ اتنا ضروری سمجھتا ہے کہ ان کے حاصل کرنے میں اکثر حدود و قیود کو پار کر جاتا ہے بلکہ اپنے اور اپنے متعلقین کے سوا سب کو بھول جاتا ہے، خود کو سارے وسائل حاصل ہوں چاہے دوسروں کا خون چوس کر، دوسروں کا گھر بے چراغ کر کے۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کو عالم و جاہل، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سبھی جانتے ہیں اور یہ شب و روز ہم سب کے تجربہ میں آتے رہتے ہیں۔

مگر یہ انسان یہ نہیں سوچتا اور ادھر اس کا ذہن نہیں جاتا کہ یہ چیزیں تو دیگر تمام مخلوقات میں مشترک ہیں اور ہر مخلوق اپنے رہنے کھانے اور اپنی جان کی حفاظت کی فکر کرتی ہے حتیٰ کہ سانپ جس کا ایک قطرۂ لعاب انسان کو موت کی نیند سلا دیتا ہے، وہ بھی اپنی جان کے لئے خائف رہتا ہے اور زندگی کی بقا کے لیے محفوظ مقامات اور اپنے دشمنوں سے حفاظت کی جگہیں تلاش کرتا ہے. یہ ہمارا ہر وقت کا مشاہدہ ہے۔ ہم ہر ذی جان میں یہ بات محسوس کرتے ہیں، لیکن انسان اور دیگر مخلوقات میں وجہ امتیاز کیا ہے؟ اس پر نظر کم جاتی ہے بلکہ بہت کہنے سننے اور توجہ دلانے کے بعد بھی اس پر غور کرنے کی فرصت نہیں ملتی، کہ انسان کے اس جسمانی نظام کے ساتھ اس کا ایک روحانی نظام بھی ہے، جس کو اسی طرح غذا، صاف ستھری فضا اور ساز گار حالات و ماحول کی ضرورت ہے، جس طرح جسم کو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی دوسری چیز وہ جوہر اصلی ہے جس کی وجہ سے انسان کو دیگر تمام مخلوقات پر امتیاز و برتری حاصل ہے، اگر وہ اپنی اس حقیقت کو پہچانتا ہے تو اپنے سر پر "لقد خلقنا الانسان فی أحسن تقویم" کا تاج رکھتا ہے اور پھر صحیح اور حقیقی معنیٰ میں فرشتوں کو بھی اس پر رشک آتا ہے بلکہ وہ اس کے اعزاز و تکریم میں اس کے لئے استغفار کرتے ہیں.

بنی نوع انسان پر اللہ تعالیٰ کا یہ مزید انعام ہے کہ افضل الخلائق بنا کر اس کو اس کے حال پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کے اس امتیازی وصف کے سلسلے میں ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے رسولوں اور آسمانی کتب کا سلسلہ جاری فرمایا۔ جس کی آخری کڑی "فداہ ابی و امی" محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم ہے.

مگر کیا انسان جتنی فکر اپنے فانی اور معدوم ہو جانے والے جسم کے لئے کرتا ہے اس کا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی اپنے دائمی اور ابدی و روحانی نظام کے لئے کرتا ہے؟ یہ کتنی بڑی بھول اور نادانی ہے کہ مسافر اپنی منزل سے غافل و بے خبر ہو کر ساری توانائی و صلاحیت، اسبابِ سفر اکٹھا کرنے میں صرف کر دے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی

آکسفورڈ کی مجلسوں کی گفتگو

محمد اکرم ندوی

مخدوم معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم اور استاد محترم مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ العالی مرکز آکسفورڈ برائے مطالعات اسلامی کے تاسیسی ممبران میں سے ہیں حضرت مولانا دامت برکاتہم روز اول سے مرکز کی مجلس انتظامی کے صدر ہیں، مرکز کی تاسیس کی ابتداء ہی سے حضرت مولانا دامت برکاتہم تقریبًا ہر سال مجلس انتظامی کے اجتماع میں آکسفورڈ تشریف لاتے ہیں میرا قیام یہاں پر جنوری ۱۹۹۱ء سے ہے، میری موجودگی میں حضرت مولانا دامت برکاتہم اور استاد محترم مولانا محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ العالی چار بار یہاں تشریف لاچکے ہیں اور ہر بار مجھے صبح و شام حضرت مولانا دامت برکاتہم کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل رہا، صبح سے شام تک مختلف مجالس میں علمی، ادبی، تحریکی، اجتماعی اور دینی گفتگوئیں ہوتی تھیں ان مجالس میں مشفق محترم پروفیسر خلیق احمد نظامی کے علاوہ مختلف اوقات میں مختلف علمی و دینی معزز شخصیات موجود رہتی تھیں۔ ان گفتگوؤں کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر گذشتہ سال حضرت مولانا دامت برکاتہم اور پروفیسر نظامی صاحب نے متعدد بار اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ باتیں قلمبند کرلی جائیں، اسی وقت میں نے طے کر لیا تھا کہ انشاء اللہ آئندہ مجالس کے نوٹ کرنے کی کوشش کروں گا.

اس سال آکسفورڈ میں دو تقریبیں جمع ہوگئی تھیں پہلی تقریب اگست کی انتیس تاریخ کو بین الاقوامی رابطہ ادب اسلامی کا سیمینار اور دوسری یکم ستمبر کو مرکز آکسفورڈ برائے مطالعات اسلامی کی مجلس انتظامی کی سالانہ میٹنگ۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم ۲۷ راگست کی شام کو پہنچے دوسرے روز صبح میں ناشتہ کے وقت حاضر ہوا اور پوری توجہ سے مولانا کے قیام آکسفورڈ کی ساری مجالس نوٹ کرتا رہا. جو قارئین تعمیر حیات کی خدمت میں پیش ہیں ـــ محمد اکرم ندوی

ی آدم :۔ اس وقت مجلس میں ساؤتھ افریقہ سے
ا در مکرم علی آدم ندوی، اور لسٹر سے حضرت سے
ابستہ ولی آدم بھائی بھی تھے، چائے کے دوران
ن دونوں حضرات کی مناسبت سے آپ نے فرمایا،

یہ علی آدم ہیں، یہ ولی آدم، اور ہم سب بنی آدم.

پروفیسر نظامی صاحب نے اس پر یہ قصہ سنایا کہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک ہندو نے کہا کہ لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم اسلامی حکومت کے ذمی ہو۔ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ کوئی انسان کسی انسان کا ذمی نہیں ہوسکتا۔ ہم سب بنی آدم ہیں۔

اقبال اور عشق رسولؐ :

اقبال کے سامنے مدینہ کا نام لینے سے آنکھ سے آنسو آجاتے، اس پر پروفیسر نظامی صاحب نے فرمایا لگتا تھا کہ دو سسٹم کام کر رہے ہیں. ایک طرف باتیں کر رہے ہیں، دوسری طرف درود شریف چل رہا ہے. حالانکہ وہ فلسفہ کے طالب علم تھے پھر بھی ان کے اندر اس قدر عشق رسول تھا، ایک صاحب نے اقبال کے سامنے مختلف زبانوں پر تبصرہ شروع کر دیا، عربی زبان پر تنقید کی تو کہا کہ میرے آقا کی زبان کی ہجو کرتے ہو، اور اسے فورًا نکال دیا.

مدینہ منورہ میں اقبال پر تقریر

مجھے لوگوں نے مدینہ منورہ میں اقبال کے ادبی فکر پر تبصرہ کرنے کی دعوت دی. اس کے لیے مغرب کے بعد کا وقت طے کیا گیا، ہم نے کہا کہ مسجد نبوی کے قریب اس ذات کے علاوہ کسی اور کا ذکر بڑی بے ادبی ہے لیکن میں اس وقت جس کا تذکرہ کرنے جا رہا ہوں اس کو عشق رسول تھا اس لیے جواز پیدا ہوتا ہے، اس واقعہ کو تقریبًا دس سال ہوگئے ہوں گے۔

ایران اور اقبال

ہم جب ایران گئے تو ہمیں افسوس ہوا کہ اقبال کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں. اقبال نے فارسی میں اس لیے اشعار کہے تھے کہ یہاں ان کا کلام پہونچے، لیکن یہاں ان کا کوئی نام نہیں صرف ایک جگہ ایک قطعہ لگا ہوا تھا، اس میں کوتاہی پاکستان کی ہے ضرورت تھی کہ پاکستان سے ادبا کے وفود جاتے جو اقبال کا کلام پیش کرتے اور وہاں کے لوگوں کو اقبال کی

...ان سے متعارف کراتے، سوائے ضیاء الحق مرحوم کے کسی نے کوئی کام نہیں کیا اس سے زیادہ تو عربوں کو اقبال کے کلام کا ذوق ہے۔

اصلاح معاشرہ کانفرنس

ڈیوز بری سے مولانا یعقوب صاحب اور دوسرے علماء کی آمد پر ندوۃ العلماء میں ہونے والی اصلاح معاشرہ کانفرنس پر گفتگو شروع ہوگئی فرمایا:
یہ کانفرنس بڑی کامیاب ہوئی اس میں میں نے زور دیا کہ کل مسلمان اور کل اسلام؟

اصلاح معاشرہ اور حدیث شریف

حدیث شریف کی تعلیمات نے معاشرہ کی اصلاح میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، مثلاً شادی کے موقع پر ہمارے یہاں کس قدر رسومات ادا کی جاتی ہیں اور کتنی فضول خرچی ہوتی ہے، حدیث شریف میں شادی کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا گیا ہے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے لباس میں زردی کا اثر تھا، آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے شادی کی ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کوئی معذرت نہیں کی اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامت کی کہ مجھے کیوں نہیں بلایا۔

ایک طرح کے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں، یہ بھی یقین ہے کہ ان کے مساکن بھی قریب ہوں گے، اور مدینہ طیبہ اتنا بڑا شہر نہیں تھا، لیکن پھر بھی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ کو شادی میں شرکت کی تکلیف نہیں دی، اور نہ آپ کو شکایت ہوئی۔ جتنا وقت آپ کا اس تقریب میں لگتا اتنی دیر میں کتنے مسلمان ہوتے اور کتنے مستفید ہوتے۔

دعوت و تبلیغ کا تسلسل

ایک سوال کے جواب میں فرمایا:
تبلیغ و دعوت کا کام ہمیشہ رہا ہے، اس کی ابتدا اس صدی میں نہیں ہوئی ہے میں نے اپنی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت میں اسے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جس وقت جو فتنہ تھا اس کے لحاظ سے لوگ سامنے آئے، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سب سے بڑا فتنہ نفاق تھا، ملازمتوں اور عہدوں کے مواقع پیدا ہو رہے تھے اور نفاق کا مرض پھیل رہا تھا، آپ نے پوری توجہ نفاق کو روکنے پر کی، آپ نے فرمایا کہ اگر منافقین بصرہ کی گلیوں سے نکل جائیں تو شہر ویران نظر آئے گا۔

اس کے بعد امام ابوالحسن اشعری کا دور آیا انھوں نے فتنہ اعتزال کے خلاف جہاد کیا، اس طرح امام غزالی نے باطنیت کا مقابلہ کیا، جس دور میں جو فتنہ رونما ہوا اسی کے لحاظ اسلوب دعوت و اصلاح بدلتا رہا۔

اسلام کا امتیاز

سارے مذاہب میں یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے کہ کوئی مختصر سے مختصر وقفہ دعوت و اصلاح کی کوششوں سے کبھی خالی نہیں رہا، دعوت ہمیشہ جاری رہی، طریقۂ کار بدلتا رہا، البتہ دوسروں کی نفی صحیح نہیں ہے، اسلام کے آخری دین ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ کسی وقت خلا نہیں رہا، ہندو مذہب اور عیسائیت دونوں اصلی حالت پر نہیں آسکتے، موجودہ عیسائیت کسی معنی میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کا دین نہیں، یہ صرف اسلام ہے جو آج بھی اسی طرح باقی ہے جیسا کہ روز اول تھا، اور اسی طرح ہمیشہ اس کے حاملین انحراف و تبدیلی سے اسے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

دینی کام کے مختلف میدان

دین کے کام کے مختلف پہلو ہیں اور ہر سمت میں کام کی ضرورت ہے، جو کام ہو رہا ہو اس کی قدر کرنی چاہئے۔

ایک مرتبہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی کام کرنے والوں سے فرمایا کہ مولانا حسین احمد مدنی بخاری نہ پڑھائیں تو کیا تم پڑھاؤگے، خدا کا شکر ادا کرو کہ انھوں نے تمھیں خالی کر دیا۔

سید صاحب کی تجدید

ایک بار میں مرکز میں تھا، شام کی چائے چل رہی تھی، پوچھا مولوی ابوالحسن کہاں ہیں؟ پھر مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ بذات خود چائے کی پیالی لے آئے اور فرمایا کہ حضرت ابھی تک ہم سید صاحب کی تجدید کے سایہ میں ہیں۔

اس پر پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے فرمایا کہ اگرچہ ہکلاتے تھے، مگر ان کی زبان میں تاثیر تھی، مجھ سے ایک بار فرمایا کہ دین کا کام کرو میں نے کہا کہ دعا کیجئے، فرمایا کہ واہ نیت و ارادہ آپ نہ کریں، پھر کہیں کہ میری دعا میں تاثیر نہیں۔

دین کے سارے کاموں کی قدر

پھر مولانا نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ دین کے دوسرے کاموں کی قدر کرتے تھے مولانا تھانوی اور مولانا مدنی کی قدر فرماتے تھے اور بلند الفاظ سے اس کی تعریف کرتے تھے، دین کا جو کام بھی ہو رہا ہو اس کی قدر کرنی چاہئے۔

آبادی سے متعلق مصر کی کانفرنس

چونکہ تحدید آبادی سے متعلق اقوام متحدہ کی کانفرنس جلد ہی مصر میں منعقد ہونے والی تھی

تخریب کاری و بغاوت میں امریکی اسلحہ کا استعمال

نیویارک کے ایک ادارہ کے جائزہ سے انکشاف

واشنگٹن ۲۵/مئی۔ سرحدی تصادمات اور نسلی فسادات کے شکار زیادہ تر ملکوں میں لڑائی امریکی ہتھیاروں سے ہورہی ہے۔ نیویارک نے ورلڈ پالیسی انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے کرائے گئے ایک مطالعہ کی رپورٹ میں جو کل یہاں جاری کی گئی کہا گیا ہے کہ ۵۰ بڑی لڑائیوں میں سے ۴۵ میں کسی نہ کسی فریق کو امریکی اسلحہ یا فوجی ٹکنالوجی حاصل ہوتی رہی ہے۔

یہ مطالعہ امریکہ کی سرکاری ایجنسیوں سے موصولہ اطلاعات پر مبنی ہے اور اسے اسلحہ پر کنٹرول کے نظام کے ماہر ولیم ڈی ہرمگ نے تیار کیا ہے مسٹر ہرمگ نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ ۵۰ میں سے ۱۸ جنگوں میں امریکا متعلقہ گروہ کو متواتر ہتھیار دے رہا ہے۔

یہ رپورٹ ایسے وقت پر جاری کی گئی ہے جب امریکی ایوان نمائندگی میں امریکی اسلحہ کی منتقلی پر کنٹرول کے لیے ایک سخت ضابطۂ اخلاق پر بحث ہورہی ہے۔ لیکن یہ بل ۱۵۰ کے مقابلے ۲۶۲ ووٹوں سے مسترد کردیا گیا۔ سنیٹر مارک ہیٹ فیلڈ نے سینیٹ میں بھی ایسا ہی بل پیش کیا ہے۔

مجوزہ ضابطۂ اخلاق کے تحت امریکا ان ملکوں کو ہتھیاروں کی فراہمی روک دے گا جو اپنے پڑوسیوں پر حملہ کررہے ہیں، غیر جمہوری طریقوں سے اقتدار پر قبضہ کر رکھا ہے یا ہتھیاروں پر کنٹرول کے متحدہ اقوام کے نظام میں شامل ہونے سے انکار کررہے ہیں۔ اس میں اس ملک کے ساتھ رعایت کی بھی گنجائش ہے کہ جس کے بارے میں امریکی صدر کانگریس کو یقین دلائیں کہ امریکی سلامتی کے مفاد میں متعلقہ ملک کو ہتھیاروں کی بہم رسانی ضروری ہے۔

سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد امریکا دنیا میں ہتھیاروں کا خاص برآمد کار بن گیا ہے ۱۹۹۳ء میں اس نے ۲۲ ارب ۳۰ کروڑ ڈالر مالیت کے ہتھیار فروخت کیے۔ جائزے کے مطابق جن لڑائیوں میں امریکی ہتھیاروں کا استعمال ہورہا ہے ان میں مغربی صحرا پر قبضہ کرنے کی مراکش کی کوشش، حال میں شمالی عراق میں ترکی کی دراندازی اور پاکستان، پیرو، انڈونیشیا، ترکی، برازیل، میکسیکو، کولمبیا، کینیا، انگولا، سینیگال، لائبیریا، نائجیریا، چاڈ سوڈان، پناما، فلپائن، عراق، صومالیہ چلی اور ہیتی میں سرکاری کارروائیاں شامل ہیں۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ۱۹۹۳ء تک سابق یوگوسلاویہ میں درآمد ہونے والے تمام ہتھیاروں کا ۱۳ فی صد حصہ امریکا سے آتا تھا، شمالی آئرلینڈ میں برطانی نیم فوجی دستوں اور باغیوں کے گروپوں کو ملنے والے ہتھیاروں میں سے کم سے کم ۹۵ فیصد امریکا سے درآمد ہوئے ہیں۔

۲۶/مئی ۱۹۹۵ء

اس لیے اس کے متعلق گفت گو شروع ہوگئی، فرمایا کہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہودی اور عیسائی دونوں مل گئے ہیں، اسرائیل اور مغرب دونوں نے اتحاد کرلیا ہے۔ اور مصر کو خاص طور سے نشانہ بنایا جارہا ہے کیونکہ مصر کے اندر ہی عالم عرب کی قیادت کی صلاحیت ہے۔

مسئلہ فلسطین

دوسرے روز ادب اسلامی کا سیمینار تھا اس لیے عرب علماء و دانشور حضرت مولانا سے ملنے تشریف لائے، اس میں عبد القدوس ابوصالح، استاذ عبد الباسط بدر اور ڈاکٹر بسام ساعی تھے، ان حضرات کی آمد پر عالم عرب کے مسائل سامنے آئے، فلسطین کا مسئلہ زیر گفتگو آیا۔

فرمایا کہ میں نے رابطہ کے ایک اجلاس میں تقریر کی جس میں یاسر عرفات بھی موجود تھے میں نے زور دیا کہ اس وقت صلاح الدین ایوبی جیسی شخصیت کی ضرورت ہے۔

مرحوم امین حسینی

مرحوم امین حسینی کو مسئلہ کی اہمیت کا صحیح احساس تھا اس پر استاذ عبدالقدوس ابوصالح نے ذکر کیا کہ امین حسینی کی دفات سے دو ہفتے پہلے ہم نے ان سے ملاقات کی ہمارے ساتھ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ بھی تھے، اس موقع پر آپ نے ایسی گفت گو فرمائی جیسے ہم سے جدا ہو رہے ہیں، آپ نے آخری بات یہ فرمائی! "یا إخوانی، مهما اتسعت إسرائیل إیاکم والصلح معها، إسرائیل وإن كانت متفوقة علينا لا يمكن أن تغلب علينا والنصيحة الثانية: اتركوا هذه الشعارات المضللة، لا يحرر فلسطين إلا بالجهاد الإسلامي": کہ اسرائیل سے صلح ہرگز نہ کرنا خواہ اسرائیل کتنا ہی پھیل جائے، اسرائیل کو اگرچہ ہم پر تفوق حاصل ہے لیکن وہ ہم پر غالب نہیں آسکتا اور دوسری نصیحت یہ ہے کہ ان گمراہ کن نعروں سے بچو، فلسطین صرف جہاد کے ذریعہ آزاد ہوسکتا ہے۔

خطرناک یہودی منصوبہ

یہودیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ادب وصحافت کی راہ سے انسانیت کو تباہ کرنے کے لیے یہودیوں کے پاس بہت ہی خطرناک منصوبہ ہے، تاکہ ساری انسانیت ان کے تابع ہوجائے۔ (جاری)

دہشت گردی کا معلم کون ہے؟

مولانا سید محمد واضح رشید ندوی

ترجمہ: معصوم رضا بی نورؔ

بین الاقوامی میگزین "اکونومسٹ" ایک کثیر الاشاعت رسالہ ہے جو پوری دنیا کی سیاسی، اقتصادی اور سماجی صورتحال سے متعلق مضامین اور رپورٹوں پر مشتمل ہوتا ہے انہی مسائل میں وہ مسئلہ بھی شامل ہے جسے مغربی میڈیا "اسلامی بنیاد پرستی" کا نام دیتا ہے چند ماہ پہلے اس مجلّہ نے اسلامی بیداری کے متعلق نظریات و خیالات اور اس پر یورپ کے ردعمل کے موضوع پر مقالات کا ایک سلسلہ شائع کیا تھا. ان تجزیاتی مضامین میں جہاں اسلامی بیداری میں اضافہ اور اس کے ایک جدید قوت ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے وہیں اس کے سدباب کرنے اور یورپ کے لیے اس سے پیدا شدہ خطرات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

مذکورہ مجلہ نے ۱۸-۲۴ رمارچ ۱۹۹۵ء کے شمارے میں اپنے سرورق پر افغانی لباس میں ملبوس ایک مسلم نوجوان کی تصویر شائع کی ہے جو نماز پڑھ رہا ہے، اس کے داہنی جانب طاق پر قرآن کریم کے چند نسخے رکھے ہوئے ہیں اور اس کی جانماز سے کچھ فاصلے پر رائفل نظر آرہی ہے۔

اس تصویر سے یہ تصوّر دینا مقصود ہے کہ بندوق، قرآن اور نماز کے درمیان ایک قسم کا ارتباط ہے گویا یہ تینوں اسلامی ذہن کے عناصر ہیں۔

اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ قرآن کریم مذہب اسلام کا اولین مصدر و منبع ہے، اور نماز ایمان و عقیدہ کے بعد اسلام کا دوسرا رکن ہے، حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اسلامی زندگی ایک فراخ اور کشادہ زندگی ہے۔ جو تعلیمات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا پرتو ہے اور قرآن کریم وہ دستور حیات ہے جو تعلیمات و ہدایات ربانیہ اور احکامات الٰہیہ پر مشتمل ہے جن کا بنیادی موضوع عقیدۂ صادقہ، اعمال صالحہ، اصلاح معاشرہ اور ہدایت عامہ ہیں۔ دراصل یہ قرآن رشد و ہدایت کی وہ عالمگیر اور عظیم بالشان کتاب ہے جو اعلیٰ انسانی اقدار اور اخلاق فاضلہ کی تعلیم دیتی ہے اور اس کائنات ارضی میں انسان کے خلیفۂ ربانی ہونے کی حیثیت سے اس کے فرض منصبی کی تعیین کرتی ہے۔ جہاں تک جہاد کا سوال ہے تو اس کے کچھ آداب، اصول و ضوابط ہیں درحقیقت قرآن کی اثر آفرینی کے خوف اور اسلام کے تئیں بغض و عداوت اور نفرت و حقارت کے جذبات ہی نے کینہ پرور دشمنان اسلام کو ان مصادر پر طعنہ زنی کرنے اور انھیں سرچشمۂ درندگی و حیوانیت قرار دینے پر آمادہ کیا ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کتاب حق و صداقت اور پیغام علم و حکمت ہے۔ جو تلقین حق، رہنمائی صبر اور عمل صالح کی دعوت دیتا ہے۔ علم و دانش، مکارم اخلاق اور کائنات میں پھیلی ہوئی خدا کی نشانیوں پر غور و خوض کرنے پر ابھارتا ہے اور بغاوت و سرکشی اور ناشکری و ناسپاسی سے روکتا ہے اور اس راستہ کو اختیار کرنے والوں کے انجام سے ڈراتا ہے اور یہی اس کا بنیادی مضمون ہے۔

وہ انسان صالح کا تصور پیش کرتا ہے۔ اللہ کے مقبول بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

" وعباد الرحمن الذین یمشون علی الأرض هونا وإذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً": اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں (الفرقان ۲۵: ۶۳)

قرآن کریم نے اس مثالی اور قابل صد رشک انسان کی خصوصیات و علامات بیان کرتے ہوئے مزید کہا کہ یہ مرد مومن امر حق کے علاوہ دیگر امور میں کسی بھی ایسے ذی روح کی جان نہیں لیتا جسے خدائے ذوالجلال والاکرام نے حرام قرار دیا ہے، نہ ہی بہتان تراشی و جعل سازی کرتا ہے اور نہ ہی اسراف و فضول خرچی یا بخل کا مظاہرہ کرتا ہے بلکہ وہ تو صبر جمیل اور اعمال صالحہ کا پیکر ہوتا ہے اسی طرح قرآن کریم نے مثالی زندگی کے آداب و قواعد کو انتہائی شرح و بسط اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے جو انسانیت کی خوش بختی و نصیب آوری کا سبب ہیں اور جن سے خیر و صلاح، محبت و شفقت اور سکون قلب کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ قرآن کریم دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

" ولا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوی": اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے (المائدۃ (۵): ۸)

اسی طرح قرآن کریم میں غیر اللہ کے آستانوں پر جبیں سائی کرنے والوں کو ایذا رسانی و تکلیف دہی سے بھی روکا گیا ہے۔ فرمان باری ہے:

" ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ

فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم":

اور جن لوگوں کو یہ مشرک خدا کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں خدا کو بے ادبی سے بے سمجھے برا (نہ) کہہ بیٹھیں (الانعام (۶) ۱۰۹)

لیکن کینۂ پرور حاسدین اسلام قرآن کے متعلق صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ ایک ایسی کتاب ہے جو جنگ و جدل اور قتل و خونریزی کا حکم دیتی ہے حالانکہ اگر وہ جہاد و قتال کی آیتیں شمار کریں اور ان آیتوں کی بھی تعداد معلوم کریں جو پاکیزہ اخلاق و آداب، عفو و کرم، رحمت و مغفرت، امر بالمعروف، عمل صالح، احسان و خدا ترسی اور ناحق قتل کو نگاہ حقارت و مذمت سے دیکھنے کی دعوت دیتی ہیں تو وہ یقیناً مؤخر الذکر آیتوں کو قتال کا حکم دینے والی آیتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ پائیں گے۔

اسی طرح ظلم و جور اور دست درازی و دراندازی کی تردید کرتے ہوئے بھی قرآن کریم احتیاط و پیش بندی اور اعتدال و میانہ روی کی دعوت دیتا ہے اور صبر و ثبات اور عفو و کرم گستری کو ترجیح اور فوقیت دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

" وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين"

اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی۔ اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے۔ (النحل (۱۶): ۱۲۶)

درحقیقت مسلمانوں کو جہاد و قتال کی جو اجازت دی گئی ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ ان سے جنگیں لڑی گئیں اور ان کے عہد و پیمان کو پامال کیا گیا لیکن اس اجازت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ انھیں جنگ کے حدود و آداب کی رعایت اور پاس و لحاظ کا حکم دیا گیا۔ تاریخ نے بہت سی ایسی جنگوں کو زینت قرطاس بنایا ہے۔ جو ان حقوق و آداب کے پاس و لحاظ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اور جن جنگوں میں ان آداب و ضوابط کی خلاف ورزی کی گئی ہے ان کا تعلق درحقیقت شخصی امور سے ہے، جن کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ موجودہ زمانہ مطلوبہ اغراض و مقاصد کے حصول کی خاطر جملہ حقوق و آداب انسانیت تمام اخلاقی قدروں سے روگردانی کر رہا ہے اور ان تمام وسائل و ذرائع کو حلال اور مباح تصور کرتا ہے جو اپنی مطلوبہ منفعت کے حصول میں معاون ہوں، خواہ یہ منفعت بے شمار انسانوں کی ہلاکت و خونریزی، کھیتوں اور جائدادوں کی تباہی تمام قابل احترام چیزوں کی پامالی و بیخ کنی سے حاصل ہو اور اپنے حقیر ترین نفع کے لیے جنگ کے شعلے بھڑکانے پڑیں لیکن اس پر کوئی احتجاج نہیں احتجاج ہے تو اسلام، قرآن کریم اور دیگر دینی کتابوں پر درندگی و تشدد کا درس دینے کی الزام تراشیاں کی جاتی ہیں تو قرآن کریم پر، اس لیے کہ لوگ قرآن کی اخلاقی تعلیمات سے چشم پوشی کرتے ہیں، قرآن کی تاثیر و دلکشی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جو بھی قرآن پڑھتا ہے اور تعصب کی عینک اتار کر تلاش حق کی نیت سے اس کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس کتاب برحق پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ پاتا نیز اسے یہ دولت عرفان و آگہی بھی نصیب ہوتی ہے کہ قرآن درحقیقت بنی نوع انسان کے لیے مژدۂ ہدایت اور پیغام علم و حکمت ہے، اس کتاب نے جہاں ماضی میں کفار و مشرکین کو اپنے طلسمی شکنجوں کا فدائی و اسیر بنا لیا تھا، وہیں آج بھی یہ کتاب یورپ کی فضاؤں میں پروان چڑھنے والے دانشمندان جہاں اور شیدائیان علم و ثقافت کی ایک معتدبہ تعداد کو مسحور کر رہی ہے، جو حضرات جلیل القدر فلاسفہ اور یوروپین مفکرین کے دخول اسلام کی رپورٹیں پڑھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ انھیں شاہراہ حق پر لانے میں قرآن کریم نے کتنا اہم رول ادا کیا ہے۔

کینہ رکھنے والے حاسدین اسلام کی اسلام کے تئیں دہشت و سراسیمگی اس کے انتہائی سرعت کے ساتھ پھیلنے نیز صاحبان عقل و حکمت کا دل موہ لینے اور تشکیل ذہنی کے سلسلے میں قرآن کریم کے حد درجہ مؤثر ہونے کی بنا پر بدترین اور بھیانک نفرت و حقارت کی صورت اختیار کر گئی ہے جو انکے اسلام کے بالکلیہ انکار کا بنیادی سبب بنی۔ یہی وہ نفسیات تھی جس نے سرزمین ہندوستان میں بعض معاندین اسلام کو قرآن کریم کے خلاف اس الزام کے تحت عدالت میں مقدمہ دائر کرنے پر آمادہ کیا کہ یہ تشدد و بربریت اور قتل و خون آشامی کا درس دیتا ہے ان لوگوں نے ان آیات کا جو حکم قتال پر مشتمل ہیں اور مختلف مقامات پر آئی ہیں انتخاب کیا اور ان کو ان کے سیاق و سباق اور مخصوص پس منظر اور احوال و کوائف سے الگ کر کے ان کی تشریح کی لیکن عدالت کے منصف حضرات ان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دوراندیش و باریک بین تھے۔ لہٰذا انھوں نے اس مقدمہ کو خارج کر دیا۔

اسی خوف نے دنیا کے بعض حلقوں کو دینی کتابوں کے خلاف اعلان جنگ کرنے پر مجبور کیا۔ انھوں نے مدارس اسلامیہ کے متعلق بھی شکوک و شبہات پیدا کیے اور ان پر تشدد اور کٹرپن کی تعلیم دینے کا الزام لگایا اس سے ان کی ناواقفیت اور مغرب کی اندھی تقلید کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ یہ کتابیں عقیدہ کی اصلاح اور اخلاق حسنہ و آداب جمیلہ کی تعلیم دیتی ہیں۔ وہ مروت و انسانیت، خیر و صلاح اور بنی نوع انسان کی بھلائی کے اصول بیان کرتی ہیں جو مغرب کے

مادی اور خود غرضانہ عیاشات اور تمدن سے میل نہیں کھاتیں۔

عصر حاضر میں سامراجیت از سر نو اپنی زندگی کا آغاز کر رہی ہے اور بعض اسلامی ممالک پر دوبارہ اقتدار و تسلط کے حصول کے لیے پر تول رہی ہے۔ بعض مغربی اہل قلم اور مغرب سے مرعوب ذہن قرآن کریم، احادیث نبویہ اور دیگر دینی کتابوں کے بارے میں وقتاً فوقتاً زہر افشانی کرتے رہتے ہیں اور انھیں موجودہ زمانہ میں تشدد و بربریت کے پھیلنے کا ذمہ دار و جوابدہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہی اہل قلم، جب اسلام مخالف عناصر کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف تشدد برتا جاتا ہے تو خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ان اشتعال انگیزیوں اور جارحانہ کارروائیوں سے تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کرتے ہیں جن کا مسلمان مختلف ملکوں میں سامنا کر رہے ہیں۔

مسلمانوں پر تشدد کی تہمت لگائی جاتی ہے لیکن اس حقیقت سے انکار کیا جاتا ہے کہ مسلمان خود تشدد کا شکار ہیں اور ان کو ان کی غلط تصویر پیش کر کے اور ان کے مذہب کی تعلیمات کو بگاڑ کر غلط تصور دیکر ستایا جا رہا ہے۔ بعض جگہوں میں ان کو اپنے دفاع پر مجبور کیا جاتا ہے اور بعض جگہ غلط عناصر کو تربیت دیکر ان کی صفوں میں داخل کیا جاتا ہے تاکہ ان پر الزام لگایا جاسکے۔ اگر تحقیق کی جائے تو ثابت ہوگا کہ اکثر مسلح جدوجہد کرنے یا تشدد اختیار کرنے والے یورپ ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور ان کو اسلحے وہیں سے ملے ہیں یورپ دنیا میں ایک دوسرے سے برسرپیکار گروہوں کو اسلحہ سپلائی کرتا ہے۔ یہ یورپ ہی ہے جو ایسے مسائل پیدا کرتا ہے جن سے جنگ کے شعلے بھڑکیں دو عالمی جنگیں یورپ ہی میں ہوئیں طویل سرد جنگ یورپ ہی کے ملکوں میں جاری رہی۔ اسلام کو زبردستی دشمن قرار دیکر اس کے خلاف جنگ خود یورپ نے چھیڑی۔ ناٹو اور [illegible] نے اپنی طاقت اسلام کے خلاف صرف کرنے کا اعلان کیا۔ افریقہ اور ایشیا میں رونما ہونے والے نسلی تصادم کے واقعات کے پیچھے یورپ ہی کا ہاتھ نظر آئے گا۔ اسی لیے وہ ان اندوہناک واقعات کے سامنے تماشائی کا موقف اختیار کرتا ہے یورپ و امریکہ کے تعلق سے ہم نے جو کچھ کہا اس کی تصدیق ۲۶ رمئی ۱۹۹۶ء کو قومی آواز میں شائع ہونے والے ایک جائزہ سے ہوتی ہے جس کا انکشاف نیویارک کے ایک ادارے کے جائزہ سے ہوا ہے جس میں واشنگٹن۔ ۲۵ رمئی سرحدی تصادمات اور نسلی فسادات زیادہ تر ملکوں میں لڑائی امریکی ہتھیاروں سے ہو رہی ہے صفحہ ۸ پر پوری رپورٹ پڑھ لیں۔

آج دینی کتب، مدارس اسلامیہ اور قرآن کریم کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ اسلامی دہشت پسندی انہی عناصر کا بے توہے۔ لیکن خود مجلہ "اکونومسٹ" نے اپنے اداریئے میں اسلامی تحریکوں کے متعلق یورپ کی پالیسیوں اور طریقہائے کار میں تضاد و تعارض کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے: "یورپ اگر ایک طرف اسلامی تحریکات سے برسرپیکار ہے تو وہیں دوسری طرف اس کی اعانت و دست گیری بھی کر رہا ہے"۔ اسی طرح ایک دوسرے مقالے میں "اسلام کے ساتھ زندگی" کے عنوان کے تحت یوں خامہ فرسائی کی ہے:

آپ کسی بھی ایسے اسلامی انتہاپسند کو لیجیے جو وسیع پیمانے پر دہشت گردی کے منصوبے بناتا ہو، آپ پائیں گے کہ اس نے امریکی سراغ رسانوں کے ہاتھوں ٹریننگ حاصل کی ہے، وہ یا تو روس کے خلاف افغانستان کی جنگ میں لڑنے کے لیے تربیت دیا گیا ہوگا یا آپ اسے حماس کا رکن پائیں گے جسے اسرائیل نے تحریک آزادی فلسطین کا مقابلہ کرنے کے لیے ٹریننگ دی یا آپ سے اخوان المسلمین کا ممبر پائیں گے جنھیں انور سادات نے مصر کے بائیں محاذ کی مخالفت و مزاحمت اور مقابلہ آرائی و ضمیر آزمائی کے لیے تربیت دی تھی"۔

مجلہ نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شدید ترین بنیاد پرستوں اور بنیاد پرستانہ قواعد و طریقہ کار کو امریکا کا قرب حاصل ہے۔ امریکہ ایران کے خلاف محاذ آرائی میں بھی مصروف ہے اور وہ ایرانی تجارت کا سب سے بڑا پارٹنر بھی ہے اسی طرح ایک دوسرے مضمون میں کہا گیا ہے: عراق کا کویت پر قبضہ کرنا در حقیقت امریکی سازش کا ایک جزء ہے

اسلامی دہشت پسندی کے بارے میں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں دنیا کے گوشہ گوشہ سے آنے والی خبریں اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ دھماکوں اور قتل و خونریزی کے بہت سے حوادث و واقعات جن کی ذمہ داری و جوابدہی اسلامی تحریک پر عائد کی جاتی ہے، دراصل امریکی یا صہیونی سراغرسانی کا شاخسانہ ہیں جن کا مقصد محض اسلامی پیش رفت و پیش قدمی کی مخالفت و محاذ آرائی، اسلامی مردان کار اور صاحبان عزم و بصیرت کے خلاف سخت کارروائیوں کا جواز فراہم کرنا اور اسلامی شعور و بیداری کے تین بنیادی مرجع و ماخذ اسلام، قرآن کریم اور دینی کتب کے خلاف نفرتوں کی یورش ہے۔

یورپ اور خاص طور سے امریکہ کے اسلام کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ اور سازشوں کا پردہ فاش کرنے کا یہ مناسب وقت ہے۔ اہل قلم کو اس نئی سامراجی سازش کو بے نقاب کرنا چاہئے۔ ورنہ عالم اسلام کے ساتھ ساری دنیا دوبارہ مغرب کے سامراج میں مبتلا ہو جائے گی۔

دستِ قدرت کا ایک کرشمہ

انسان دوستی کا ایک تجربہ

مولانا عبداللہ عباس ندوی

گزشتہ ماہ ۱۹ مئی ۱۹۹۵ء کو ہمارے استاذ و بزرگ مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ایک انتہائی خطرناک حادثہ سے دوچار ہوئے، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے آپ کو بال بال محفوظ رکھا، اس واقعہ کو قلم بند کرنے کی تکلیف مولانا ہی کو دی گئی۔ جس پر آپ کو بہت تأمل تھا کیونکہ اس طرح ایک "سلف پبلسٹی" کا شبہ ہو سکتا ہے، لیکن ہمارے پیہم اصرار پر نیز دوسرے بزرگوں اور عزیزوں اور احباب کے اصرار پر مولانا نے انتہائی تواضع وانکسار کے ساتھ یہ تحریر رقم فرمائی ہے۔ اس کا مسودہ پڑھ کر جناب پروفیسر وصی احمد صدیقی نے اپنے تأثرات بھی قلم بند فرمائے ہیں جو اس مضمون کے بعد درج کئے جا رہے ہیں۔ ——— (اڈیٹر)

موت و حیات اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، ہزاروں روز پیدا ہوتے ہیں اور سیکڑوں روزانہ لقمۂ اجل بنتے ہیں۔ حوادث کی بھی کمی نہیں ہے روزانہ اخبارات میں اچانک موت کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ ایک شخص جو عمر طبعی کو پہونچ چکا ہے اس کا وقت موعود جب بھی اور جس حال میں آئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ مخدوم و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کے خاندانی بزرگوں میں ایک حضرت خواجگی گزرے ہیں، ان کے دو شعر اکثر و بیشتر پڑھا کرتا ہوں ؎

برائے خدا اے عزیزان من
نویسید بر قبر من ایں سخن
کہ چوں خواجگی در تہہ خاک شد
نکو شد کہ خس کم جہاں پاک شد

دلوں کا حال جاننے والا واقف ہے کہ ان سطور کے لکھنے والے نے جب بھی اپنی موت کا تصور کیا، یہی مصرعہ یاد آگیا کہ "خس کم جہاں پاک شد" سے زیادہ میری حقیقت ہی کیا ہے۔

حال میں ایک واقعہ میرے ساتھ پیش آیا۔ کوئی غیر معمولی نہیں، بہت معمولی، اور اکثر و بیشتر پیش آنے والا واقعہ۔ مگر چونکہ اپنی ذات پر بیتا اس لئے مجھے اور میرے بزرگوں، اعزہ و احباب کو بہت اہم معلوم ہوا۔

۱۹ مئی کو نماز عصر سے پہلے دہلی سے بریلی جانے کے لئے گونڈہ اکسپریس پر سوار ہوا، اس ٹرین میں ایرکنڈیشن کا ڈبہ نہیں ہوتا اس لئے فرسٹ کلاس میں ایک برتھ ریزرو کرالی گئی تھی، گرمی سخت تھی اور پیاس کی شدت، پانی پینے سے آسودگی چند منٹ سے زیادہ نہیں رہتی تھی۔ دہلی اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر فلٹر پانی کی بوتل لینا چاہا مگر پانی گرم تھا، لاچار ڈبہ میں آکر بیٹھ گیا۔ غازی آباد اسٹیشن پر گاڑی رکی تو سامنے چائے پانی کا اسٹال نظر آیا، اتر پڑا کہ ایک بوتل ٹھنڈے پانی کی لے لوں۔ دوکاندار نے دو گاہکوں سے نمٹنے کے بعد میری طرف توجہ کی، پانی لیا، پیسے دیئے اور کہا کہ پلاسٹک سے پیک ہوئی ڈاٹ کھول دو۔ اس نے کہا آپ کیا اسی گاڑی سے جا رہے ہیں؟ یہ تو چل پڑی، مڑ کر دیکھا تو گاڑی (اس علاقہ میں بجلی سے چلتی ہے) بڑھ رہی تھی، لپک کر اپنے ڈبہ (فرسٹ کلاس جو انجن کے بعد پہلا ڈبہ تھا) کا ہینڈل پکڑ لیا، دوسرے ہاتھ میں بوتل تھی، پیر پائدان پر رکھنا چاہا تو پیر جم نہ سکا، کوئی بکس "نیم دروں نیم بروں" رکھا تھا۔ دائیں ہاتھ سے ہینڈل چھوٹ گیا اور اپنے آپ کو نیچے گرتے ہوئے محسوس کیا، اس کے بعد چند سکنڈ تک مجھے ہوش نہیں، کہ کیا ہوا، کچھ ہوش جو آیا تو اپنے آپ کو چت پڑا ہوا پایا، پلیٹ فارم کی دیوار اور ٹرین کی لائن کے درمیان مختصر سی جگہ پر ہم پڑے تھے۔ کان میں آوازیں آنا شروع ہوئیں "ملّا جی کٹ گئے" رن آف، کسی نے زنجیر کھینچ دی ہوگی، مگر گاڑی یک بیک نہیں رکتی، اتنے میں کچھ لوگ جھانک کر دیکھنے لگے اور مجھے ہدایت دینے لگے کہ ذرا حرکت نہ کرنا، میرے دونوں ہاتھ میرے زانوؤں پر تھے جیسے نماز میں ہوتے ہیں۔ یہ خیال یقین بن چکا کہ وقت موعود آچکا اور خالق موت و حیات نے میری اجل اسی وقت اور اسی طرح مقدر فرمائی ہے۔ "اللہ اللہ ربی لا اشرک بہ شیئاً" اور آیت کریمہ "لا الٰہ إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين" اور شہادتین کے کلمے بڑے اطمینان کے ساتھ پورے استحضار ہوش و حواس کے ساتھ دہراتا رہا اور ہر لحظہ یہ خیال رہا کہ آنے والے ڈبہ سے نکلا ہوا کوئی لوہا مجھ کو کئی حصوں میں تقسیم کرتا ہوا گزر جائے گا ———

قلب کا مریض ہوں، بائی پاس آپریشن ہوچکا ہے ایسے موقع پر دل کی دھڑکنوں کا تیز ہوجانا، گھبراہٹ میں ہاتھ پیر ادھر ادھر پھینکنا، بے ہوش ہوجانا قرین قیاس تھا، مگر الحمد للہ ایسی کوئی بات پیش نہیں آئی، دل کی حرکت اسی طرح معمول پر رہی جس طرح اب ہے، یا اس سے پہلے تھی، اللہ تعالیٰ نے حیات کے لمحات مقرر فرمائے ہیں، اسباب ہلاکت سامنے تھے، اور ہر شخص یہ ہی سمجھ رہا تھا مگر:

"وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا"

اور کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں بدون حکم خدا کے، اس طور پر کہ اس کی میعاد معین لکھی ہوئی رہتی ہے۔

مسلمان کے لئے ہر حال میں رضا بالقضاء کا سامان موجود ہے، ہلاکت اگر مقدر ہوتی تو کوئی حیرت وتعجب کی بات نہ ہوتی اور حیات عنصری کے مقررہ لمحات میں امتداد کا ظہور ہوا تو بھی حیرت کی بات نہیں ہے۔ ہاں پہلی صورت میں صبر اور دوسری صورتحال میں شکر بندگی کا تقاضہ ہے۔

ہلاکت سے نجات اور وہ بھی اس طرح کہ جسم پر کوئی چوٹ آئی اور نہ خون بہا، کوئی عضو متاثر نہیں ہوا، ایک ہلکی سی خراش ظہر کف اور رخسار پر نمایاں ہوئی۔

گاڑی کی زنجیر کسی نے کھینچ دی ہوگی، جب آخری ڈبہ بھی گزر گیا اور گاڑی کھڑی ہوگئی تو اپنی موت کا تماشائی اٹھ بیٹھا، اوپر سے لوگ (جس میں کوئی مسلمان نہیں تھا) ہاتھ کا سہارا دے کر اوپر پلیٹ فارم پر لے آئے، اور ایک قافلہ پیچھے چلتا ہوا نظر آیا، یہ سب مجھے میرے ڈبہ تک پہونچانے کیلئے بڑھ رہے تھے کہ گاڑی نے پھر کوچ کی سیٹی دی، اور لوگ اپنے سکنڈ کلاس کے ڈبہ میں لے گئے۔

انسان دوستی کا مظاہرہ

جس ڈبہ میں لوگ مجھے لے گئے وہ بھرا تھا، ایک متوقع ہلاک شدہ کو زندہ چلتا ہوا دیکھ کر لوگوں نے اپنی سیٹ خالی کردی، ایک نے تولیہ بڑھایا کہ منہ پونچھ لیجئے، ایک نے پانی کا گلاس دیا، کسی نے ایک کیلا پیش کیا۔ اور بہ یک زبان سب کہنے لگے "ملاجی تم کو نیا جیون ملا" ایک بھاری بدن کی معمر خاتون کھڑے ہوئے لوگوں کے مجمع کو چیرتی ہوئی سامنے آئیں اور دس روپئے دیئے کہ "میاں جی گھر جاکر کسی کو دان کردینا"

ادھر فرسٹ کلاس کے میرے کوپہ میں جو چار افراد بیٹھے تھے ان میں ایک پولیس کے محکمہ کے ڈی جی آئی تھے، ایک امروہہ کے کسی انڈسٹری کے مالک مسٹر ڈھیوار میش تھے، اور تاجر قسم کے مسافر تھے اور چوتھا یہ راقم تھا۔ ایک گھنٹہ کے بعد جب ٹرین کسی اسٹیشن پر رکی تو وہ نوجوان جنھوں نے مجھے پلیٹ فارم کے اوپر اٹھانے میں مدد کی تھی مجھے لے کر فرسٹ کلاس کے ڈبہ تک پہونچانے آئے۔ اور السلام علیکم، وعلیکم السلام، آداب عرض تینوں لفظ ایک ساتھ دہرا کر مجھے اپنے ڈبہ میں واپس کر گئے۔ افسوس کہ ان کے نام پتے میں نے نہیں لئے، جب اپنے کوپہ (۶) میں پہونچے تو ساتھ کے سب مسافر اٹھ کھڑے ہوئے اور جگہ میں وسعت دے کر بٹھایا، اور کہا کہ پانی تو یہاں موجود تھا آپ مجھ سے مانگ لیتے، یہ لیجئے پانی پیجئے۔ اور یہ ہے آپ کا سامان جس میں آپ کا کوٹ (شیروانی) اور جوتے موزے سب رکھ دیئے ہیں، اور آپ کے سامان کی پوری فہرست بھی بنادی ہے، ڈی جی آئی صاحب نے کہا تھا کہ اگلے اسٹیشن پر گارڈ کے حوالہ کردیا جائے گا اور رسید لے لی جائے گی۔ اس لئے کہ ہم لوگ امروہہ میں اتر جائیں گے۔ میرے مختصر سامان میں ایک خاصی رقم تھی، بیرونی سکے، ریال اور ڈالر بھی تھے۔ پاسپورٹ اور کئی ٹکٹ ریلوے اور ہوائی جہاز کے تھے، (یہ سامان ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا ہوں) سب کی تعداد تفصیل سے ان لوگوں نے تیار کرلی تھی کیونکہ سب کو یقین تھا کہ میرے اجزاء جسم ریل کی پٹری کے دائیں بائیں بکھرے پڑے ہوں گے۔

سکنڈ کلاس کے ڈبہ میں جب تک بیٹھا رہا اور فرسٹ کلاس کے اپنے ڈبہ میں جن سے واسطہ پڑا ان کو انتہائی ہمدرد اور انسان دوست پایا، سوچنے لگا کہ انہی ٹرینوں پر سے مسلمان کاٹ کر کھڑکیوں سے پھینکے جاتے ہیں۔ اور آج یہی لوگ میرے لئے وہ کام کر رہے تھے جو میرا کوئی اپنا عزیز یا رفیق سفر کرتا۔ انسانیت مردہ نہیں ہوئی ہے۔ وہ اور ہی لوگ ہوتے ہیں جن کو فسادی نشہ پلا کر قتل وغارت گری کے لئے لایا کرتے ہیں۔ ورنہ جس خاتون نے مجھے پر دس روپئے کا نوٹ وارا۔ اور جن لوگوں نے مجھے پلیٹ فارم کے نیچے سے اوپر چڑھنے میں مدد کی اور اپنے ساتھ میرے بازو پکڑے ہوئے یہاں تک لائے، اور اس ڈبہ کے انسانوں نے جس طرح میری مدد کی کہ میرے سامان کی فکر کی۔ ان میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں تھا۔

محسوس ہوا۔ بلکہ یقین ہوا کہ انسانیت ابھی زندہ ہے۔ اس کو صرف ایک آواز دینے کی ضرورت ہے وہ آواز نعروں سے اور جلسے جلوس سے نہیں بلکہ محبت واحترام کے جذبہ سے، محبت کی زبان میں دینے کی ضرورت ہے۔

میرا سفر جاری رہا، بریلی پہونچ کر اسٹیشن پر ایک ہوٹل سوان ٹاور میں قیام کیا، صبح حکیم خورشید مراد کے مطب پہونچا جن کے لئے یہ سفر کیا تھا، دوسرے روز دہلی واپس آیا۔ اور تیسرے روز لکھنؤ، جس نے سنا اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم پر اپنے یقین کا اظہار کیا۔ حضرت مخدوم ومربی مدظلہ کو میں نے خود نہیں بتایا، مگر جب اطلاع ملی تو بلوایا۔ معانقہ فرما کر دعائیں دیں اور تفصیل سن کر بے ساختہ ارشاد فرمایا "ولکن اللہ سلّم"۔

اس واقعہ پر ایک تاثر

پروفیسر وصی احمد صدیقی

مولانا عبداللہ عباس صاحب کے اس مضمون متعلق میں صرف یہ کہوں گا کہ قلم مولانا کے ہاتھ میں ہ اور مصنف عالم بالا میں پنہاں ہے۔ وہ مصنف ں نے کائنات بھی تصنیف کی ہے۔ مولانا کو بھی، ں واقعہ کو بھی۔ اس نے آتش میں اپنے خلیل کو ڈالا راسے ٹھنڈا بھی کر دیا، اس دردانگیز اور جانگداز ربے نے مولانا کی شخصیت کے حصار کو توڑ کر ان ، روح کو جو پریوں کی شاہزادی کی طرح ان کے ں میں گرفتار تھی آزاد کر دیا اور ہم ایک ایسی حقیقت ا بیان پڑھتے ہیں جو افسانہ لگتی ہے۔ ایک ایسی بیداری خواب لگتی ہے۔ کیسی نرمی، آہستگی، عاجزی اور بت قدمی کے ساتھ مولانا اس بھیانک تجربے زرے۔ سرہانے آکر کھڑے ہو جانے والی موت ے اس بیان میں زندگی کی رنگارنگی اور بانک پن ہے۔ اس محشر کے اسرافیل نے اپنا صور بجاتے بجاتے وک دیا اور قیامت سے پہلے آنے والی قیامت دٹ گئی۔ متنبی کی زبان میں کہوں ؎

وقفت۔ وما فی الموت شک۔ لواقف
کأنک فی جفن الردیٰ وھو نائم

آپ ایسی جگہ کھڑے تھے جہاں پر کھڑے ہونے والے کی موت پر ذرا بھی شک نہیں تھا، گویا کہ آپ ہلاکت کی پلکوں میں چھپے تھے اور اس کو نیند آگئی تھی۔

زندگی تو اللہ کا انعام ہے۔ دنیا سے گزرنا بغیر ایسا ہے کہاں کا مردانِ خدا اور صوفیا کے احساسات ہیں۔ مولانا بھی اس طبقہ کے ایک فرد ہیں لیکن یہ حقیر تحریر لکھنے والا زندگی سے محبت کرتا ہے۔ اپنی زندگی سے بھی اور اپنے پیاروں کی زندگی سے بھی۔ اس واقعہ کو مولانا کی زبان سے سنا اس مضمون میں پڑھا اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ مولانا ہمارے درمیان ایسے ہی ہنستے ہوئے، محبت سے بات کرتے ہوئے، علمی نکات بیان کرتے ہوئے موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے، سنا ہے ایسے واقعہ سے عمر بڑھتی ہے۔

مولانا نے اس مضمون میں انسانیت کے زندہ رہنے کا جو تجربہ بیان کیا ہے وہ حاصلِ مضمون ہے۔ اس ضعیفہ نے ایک اجنبی کے لئے جس سے وہ کسی طرح کی شناسائی نہیں رکھتی تھی۔ مذہب کی بھی نہیں جان کے صدقے (دان) کے لئے جو روپیہ نکالا وہ بڑے بڑے خزانوں سے زیادہ قیمت رکھتا ہے، ایک انسان کی جان بچنے کی یہ شدت واقعی انسانیت کی معراج ہے۔ اس بوڑھی کے ذہن میں کیا ہوگا وہ سوچتی ہوگی کہ اس شخص کی بیوی ہوگی، بچے ہوں گے، یہ خوش خوش ان کے درمیان جائے گا، در بتائے گا کہ کیا گزری۔ کیسا سب لوگ روئیں گے اور ہنسیں گے۔ کیسا بھگوان کا شکر ادا کریں گے۔

ملا جی ہلنے گا نہیں۔ پلیٹ فارم پر اس وقت موجود سب لوگ مشورہ دے رہے ہیں۔ سب کے دل میں اندیشہ ہوگا کہ ملا جی پر کیا گزرنے والی ہے۔ زندہ سلامت دیکھ کر سب کیا بشاش ہوئے۔ سب نے ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ ڈبے کے ساتھیوں نے کیسے مولانا کے سامان کی حفاظت کی۔ یہ سب پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ دنیا رہنے کی جگہ ہے۔ ان میں سے مشکل ہی سے اب کسی کا مولانا سے آمنا سامنا ہوگا۔ یہ بے غرض تعلق، یہ ہمدردی بتاتی ہے کہ انسانیت زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔

(بقیہ) مستشرقین کی خطرناک سازش

جزیہ اور اسلام

اہل کتاب سے جزیہ لینے پر بھی دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں پر نکتہ چینی کی ہے اور اس جزیہ کو ظلم و زیادتی اور قہر و جبر کے لیے بطور دلیل پیش کیا ہے، مگر یہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ جزیہ کا نظام پوری دنیا میں رائج تھا۔ مغلوب غالب کو اس کی ادائیگی کرتا، لیکن اس میں انسانیت کی جھلک دکھائی نہ دیتی تھی اسلام نے جزیہ کو شریفانہ قیمتی انسانی مفہوم میں منتقل کیا۔ اس نے اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلموں کی جان و مال، عزت و آبرو، اور خون کی حفاظت کی قیمت اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں عدم شرکت کا عوض اور اسکی ضمانت قرار دیا۔ جزیہ کا فائدہ یہ بھی تھا کہ بوڑھے بے روزگار، اپاہج، اور معذور ذمی کو بعینہ مسلمانوں کی طرح اجتماعی اور معاشرتی ضرورت کی تکمیل کا حق حاصل ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عاجز اور معذور یہودی کے لیے اموال مسکین میں سے بقدر کفاف روزینہ فرض کیا، اب اس اسلامی عدل سے ارفع و اعلیٰ کون سا عدل ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جزیہ کی رقم ایک معمولی اور حقیر رقم تھی جو زیادہ سے زیادہ ۴۸ درہم تھی، مگر اس کے عوض اسلام نے اہل کتاب کو انکے مذہبی معاملات اور دینی شعائر کی ادائیگی میں آزادی دی تھی۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہاں یہ بھی جان لیں کہ خود جزیہ کا مطلب ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں نافذ ہوتا تھا۔ ورنہ جن ملکوں اور علاقوں کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا وہاں اہل کتاب کو مذہبی آزادی حاصل نہ ہوتی بلکہ طاقت کے زور پر ان کو مسلمان بنایا جاتا، بصورت دیگر انھیں قتل کر دیا جاتا۔

قرآنی آیات کے ذریعہ گفتگو کرنے والی خاتون

عطاء الرحمن عبدالرؤف ندوی

امت مسلمہ میں فکر آخرت تقویٰ اور خوف خداوندی کی حیرت انگیز و تعجب خیز مثالیں سامنے آتی ہیں جن کو پڑھ کر بڑی روشنی ملتی ہے۔ ایک خاتون پیکر تقویٰ و طہارت ہونے کے ساتھ کف لسان میں اس قدر محتاط تھیں کہ قرآنی الفاظ کے علاوہ بشری الفاظ میں بات ہی نہیں کرتی تھیں یہ خاتون بیوہ تھیں ان کے یحییٰ، ابراہیم اور موسیٰ نامی تین سعادتمند بیٹے تھے جو حاجیوں کی رہنمائی کا کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا سفر حج میں ان سے سابقہ پڑ گیا، انھوں نے ان خاتون سے جو بھی سوال کیا انھوں نے قرآنی آیتوں سے اس کا جواب دیا یہ کف لسان کا سبق آموز واقعہ ہدیۂ ناظرین ہے جو لایعنی سے بچنے کی نرالی مثال ہے۔ (ادارہ)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ میں حج بیت اللہ اور محبوب خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لئے روانہ ہوا، دوران سفر ایک مقام پر مجھے ایک سیاہ چیز نظر آئی میں نے غور سے اسے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک بوڑھی عورت ہے جس کے بدن پر ایک اونی چادر اور دوپٹہ ہے میں نے اس کو سلام کیا تو اس عورت نے جواب ان قرآنی الفاظ میں دیا:۔

"سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ"

پروردگار مہربان کی طرف سے سلام کہا جائے (یٰسین ۵۸)

تو میں نے کہا کہ: خدا تم پر رحم فرمائے، تم اس جگہ کیا کر رہی ہو؟ اس نے جواب دیا:

"مَن يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ"

جس شخص کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ (اعراف ۔ ۱۸۶)۔

اس جواب سے معلوم ہوا کہ وہ راستہ بھٹک گئی ہے تو میں نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں جانا چاہتی ہو؟ تو اس نے جواب دیا:

"سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى"

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا۔ (بنی اسرائیل ۔ ۱)

اس جواب سے معلوم ہوا کہ وہ حج سے فارغ ہو چکی ہے اور بیت المقدس جانا چاہتی ہے، میں نے پوچھا کہ تم کب سے یہاں ہو؟ تو اس نے جواب دیا:

"ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا"

تین رات (دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے (مریم ۱۰)

پھر میں نے پوچھا میں تمہارے پاس کوئی زاد راہ نہیں دیکھ رہا ہوں! اس پر عورت نے جواب دیا:

"هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ"

وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (شعراء ۔ ۷۹)

میں نے اس عورت سے کہا پانی تو ہے نہیں تم وضو کیسے کرتی ہو؟ تو اس عورت نے جواب دیا:

"فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا"

اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور تیمم کر لو۔ (نساء ۴۳)

میں نے اس خاتون سے کہا میرے پاس کچھ کھانا ہے کیا آپ اس میں سے کھانا پسند کریں گی؟ تو اس نے کہا:

"ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ"

پھر روزہ رات تک پورا کرو۔ (البقرہ ۔ ۱۸۷)

یہ جواب سن کر میں نے ان سے کہا کہ یہ رمضان کا مہینہ نہیں تو اس عورت نے جواب دیا:

"وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ"

اور جو کوئی نیک کام کرے تو خدا قدرشناس اور دانا ہے۔ (البقرہ ۔ ۱۵۸)

تو میں نے کہا کہ حالت سفر میں ہمیں روزہ نہ رہنے کی اجازت ہے تو جواب دیا:

"وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ"

اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ (البقرہ ۔ ۱۸۴)

تو پھر میں نے ان سے کہا کہ میری طرح انسانی بول چال میں آپ مجھ سے گفتگو کیوں نہیں کرتیں؟ تو انھوں نے جواب دیا:

"مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ"

کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس رہتا ہے۔ (قٓ ۔ ۱۸)

میں نے کہا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا:

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ"

اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کرو (مریم ۱۶)

تو میں نے پوچھا تم کس قبیلہ سے ہو تو اس نے جواب دیا:

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ، إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا"

اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔ (بنی اسرائیل ۔ ۳۶)

جواب سنکر میں نے معذرت چاہی تو جواب دیا:
"لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ"
آج کے دن (سے) تم پر کچھ عتاب (وملامت) نہیں
ہے خدا تم کو معاف کرے۔ (یوسف۔۹۲)
تو پھر میں نے اس عورت سے کہا کہ آپ ہماری اونٹنی پر
سوار ہونا پسند کریں گی کہ آپ قافلہ والوں کو پالیں؟
تو ان خاتون نے جواب دیا:
"وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ"
اور جو نیک کام تم کروگے وہ خدا کو معلوم ہو
جائے گا۔ (البقرہ۔۱۹۷)
عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے اپنی
اونٹنی کو بٹھا دیا تو اس عورت نے کہا:
"قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ"
مومن مردوں سے کہدو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔
(نور۔۳۰)
یہ سن کر میں نے اپنی نگاہ نیچی کرلی اور اس سے کہا کہ
سوار ہوجاؤ، جب اس نے سوار ہونا چاہا تو اونٹنی
بدک گئی اور اس عورت کے کپڑے جھٹکے سے پھٹ
گئے اس پر عورت نے کہا:
"وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
أَيْدِيكُمْ" (شوریٰ۔۳۰)
اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے
اپنے فعلوں سے۔
میں نے کہا ذرا انتظار کرو میں اونٹنی کو باندھ لوں
تو وہ بولی:
"فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ" (انبیاء۔۷۹)
تو ہم نے فیصلہ کرنے کا طریق سلیمانؑ کو سمجھا دیا۔
اونٹنی بیٹھ گئی تو میں نے خاتون سے سوار ہونے کو
کہا، جب وہ سوار ہوگئی تو اس نے دعا پڑھی:
"سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا
لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ"
وہ پاک ہے جس نے اس کو ہمارے زیر فرمان کردیا
اور ہم میں طاقت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے اور
ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔
(زخرف ۱۳-۱۴)
عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے
اونٹنی کی نکیل پکڑلی اور تیز تیز چلنے لگا اور اونٹنی
کو تیز چلنے پر آمادہ کرنے والی آوازیں زور سے
نکالنے لگا، تو اس عورت نے کہا:
"وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ
صَوْتِكَ" (لقمان۔۱۹)
اور اپنی چال میں اعتدال کئے رہنا اور (بولتے وقت)
آواز نیچی رکھنا۔
یہ سنکر میں آہستہ چلنے لگا اور شعر گنگنانے لگا تو اس
عورت نے کہا:
"فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" (مزمل ۲۰)
پس جتنا آسانی سے ہوسکے (اتنا) قرآن پڑھا کرو۔
یہ سنکر میں نے اس عورت سے کہا کہ یقیناً تمہیں بہت
بڑی دولت عطا ہوئی ہے تو بولی:
"وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ" (بقرہ ۲۶۹)
اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔
ابھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ میں نے اس سے پوچھا
کیا تمہارے شوہر ہیں؟ تو اس نے جواب دیا:
"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ
أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ"
مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت
سوال کرو کہ اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر
کردی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔ (مائدہ۔۱۰۱)
جواب سن کر میں خاموش رہا اور میری باتیں ابھی
پوری بھی نہیں ہوئی تھیں کہ ہم قافلہ والوں تک
پہونچ گئے میں نے اس عورت سے پوچھا کہ یہ قافلہ ہے
اس میں آپ کے گھر والے کون ہیں؟ تو اس نے
جواب دیا:
"الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ
ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا"
مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت
ہیں، اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ ثواب
کے لحاظ سے تمہارے پروردگار کے یہاں بہت
اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں (کہف ۴۶)
اس سے معلوم ہوا کہ اس عورت کے بچے بھی ہیں
تو میں نے اس عورت سے پوچھا کہ ان کا حج سے
کیا سروکار ہے تو اس نے کہا:
"وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ"
اور (راستوں میں) نشانات (بنا دیئے) اور
لوگ ستاروں سے بھی راستے معلوم کرتے ہیں۔
(نحل۔۱۶)
جواب سے معلوم ہوا کہ بچے قافلے کے رہبر ہیں، میں
اس عورت کو لے کر خیموں کی طرف بڑھا اور پوچھا
کہ ان خیموں میں آپ کے گھر والے کون ہیں؟ تو
اس نے جواب دیا:
"وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا" و
"وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا" "يَا يَحْيَىٰ
خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ"
اور خدا نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔
(نساء۔۱۲۵) اور موسیٰؑ سے تو خدا نے باتیں بھی
کیں۔ (نساء۔۱۶۴) اے یحییٰ (ہماری) کتاب
کو زور سے پکڑے رہو۔ (مریم۔۱۲)
یہ سن کر میں نے پکارا ابراہیم، موسیٰ، یحییٰ، دیکھتا
ہوں کہ میرے سامنے چاند جیسے حسین چند نوجوان
کھڑے ہیں وہ آگے بڑھے اور جب اطمینان سے
بیٹھ گئے تو اس عورت نے کہا:
"فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى
الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا
فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ"
تو اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کو

وہ دیکھے کہ نفیس کھانا کون سا ہے تو اس میں سے کھانا لے آئے۔ (کہف۔ ۱۹)

تو ان نوجوانوں میں سے ایک چلا گیا اور کھانے کا کچھ سامان لایا ان لوگوں نے وہ کھانا میرے سامنے پیش کیا تو اس عورت نے کہا:

"کُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ" (حاقۃ۔ ۲۴)

جو (عمل) تم ایام گذشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔

تو میں نے کہا کہ جب تک تم لوگ اس خاتون کے بارے میں نہیں بتاؤ گے تب تک میں تمہارا کھانا ہرگز نہیں کھا سکتا تو وہ سب کہنے لگے کہ یہ ہماری ماں ہیں اور چالیس سال سے قرآن شریف ہی کے الفاظ میں گفتگو کرتی ہیں اس ڈر سے کہ کہیں قدم نہ ڈگمگا جائیں اور رحمٰن کا غضب اس پر نازل ہو پاک و برتر ہے وہ ذات جو سب کچھ کرنے پر قادر ہے، پاک ہے وہ ذات جو شان و شوکت اور طاقت و قوت والی ہے، پاک ہے وہ ذات جو مالک کائنات ہے، پاک ہے وہ ذات جو زندہ و جاوید ہے اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ بہت زیادہ بخشش کرنے والا ہے۔ آج ہمیں حسرت و افسوس ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری زبان ہماری گفتگو اور ہمارے لب و لہجہ میں بے حیائی رچ بس گئی ہے اور وہ نامانوس الفاظ جن کے نہ تو کوئی معنی ہوتے ہیں اور نہ کوئی مقصد ہوتا ہے سوائے اس کے کہ ان لفظوں سے اسلامی شخص کا نقصان ہوتا ہے اور وہ حسین عربی زبان جس میں کلام اللہ کا نزول ہوا ہے اس کو نقصان پہونچتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ" (لقمان۔ ۶)

اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے سمجھے خدا کے رستے سے گمراہ کر دے اور اس سے استہزا کرے یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔

اشکِ غم

محمد وقار الدین متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء

آنکھیں اشکبار، قلب و جگر رنج و غم سے دوچار ہے، قلم سے یہ لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آرہا ہے کہ والد ماجد جناب مولانا محمد علاء الدین ندوی (سابق استاذ جامعہ رحمانی مونگیر) کا انتقال ۲۴ جنوری ۱۹۹۵ء کو ہو گیا۔ اس واقعہ کی اطلاع مجھے اس وقت پیر اسٹیشن پر ملی جب کہ میں سالانہ امتحان دیکر دار العلوم ندوۃ العلماء سے گھر جا رہا تھا۔ یکایک طبیعت پژمردہ سی ہو گئی مگر قضا و قدر کے فیصلے سب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ رحلت کے وقت زبان پر کلمہ طیبہ کا ورد تھا۔ اور تلاوت کلام اللہ کی سماعت فرما رہے تھے۔ خداوند قدوس مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

مرحوم بڑے نیک طینت اور شریف الطبع انسان تھے۔ تواضع ان کا خاص وصف تھا۔ ان کا تعلق تعلیم و تعلم سے بنیادی تھا، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء، مدرسہ عالیہ کلکتہ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، دار العلوم دیوبند وغیرہ میں دینی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد مختلف مدارس میں درس و تدریس کا کام انجام دیا۔ اور اپنے آٹھوں صاحبزادوں کو حصول علم میں لگایا۔ جن میں چار لڑکوں کو دار العلوم ندوۃ العلماء، دار العلوم دیوبند، مدرسۃ الاصلاح اور علی گڈھ سے دینی و دنیاوی تعلیم سے آراستہ کرایا۔

والد محترم کو دار العلوم ندوۃ العلماء سے زبردست لگاؤ اور محبت تھی۔ جس کے سبب راقم الحروف کو یہاں تعلیم کے لئے بھیجا۔

خداوند عالم سے دعا ہے کہ والد ماجد کے درجات بلند فرمائے اور ہم سب بھائیوں کو ان کا جانشین بنائے۔ اور تمام متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت

جناب قاضی جلیل احمد عباسی (سابق ممبر پارلیمنٹ بستی) کی اہلیہ کا ۱۳ مئی ۹۵ء کو ۷۳ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحومہ صوم و صلوٰۃ کی پابند تھیں۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی ...... درخواست ہے۔

تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(چوتھی اور آخری قسط)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے عہد میں بکثرت ایسے عالم موجود تھے جن کو علوم شرعیہ کا دائرۃ المعارف کہنا صحیح ہوگا لیکن علم و معلومات میں جتنی وسعت تھی فکر میں اتنی گہرائی نہ تھی۔ اس عصر کی جو بہترین اور مایہ ناز تصنیفات سمجھی جاتی ہیں ان کا جوہر بھی صرف یہ تھا کہ مصنف نے پہلے کی منتشر معلومات کو یک جا کر کے سلیقہ سے مرتب کر دیا تھا یا وہ کسی سابق فقہی متن کی عمدہ شرح تھی۔ اس کے برخلاف ابن تیمیہ کی کوئی تصنیف ایسی نہ ہوگی جس میں کچھ نئے علمی حقائق، علمی نکتے، ناقدانہ بحثیں اور جدید اصولی مباحث نہ ملیں ان کی کتابیں "الجواب الصحیح، منہاج السنۃ، کتاب النبوات، الرد علی المنطقیین" نہ صرف اپنے موضوع پر کامیاب کتابیں ہیں بلکہ خیال آفریں اور خیال افروز کتابیں ہیں جو سوچنے اور غور کرنے کے لئے نئے نئے مسائل سامنے لاتی ہیں۔

ابن تیمیہ نے تفسیر کو اپنے فکر و تصنیف کا خاص موضوع بنایا۔ انھوں نے جو تفسیری ذخیرہ چھوڑا وہ تیس جلدوں سے زائد ہے مگر تفسیر سورہ اخلاص، تفسیر معوذتین اور تفسیر سورہ نور وغیرہ مصر میں چھپ چکی ہیں۔

حدیث اور شرح حدیث میں ابن تیمیہ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں۔ حدیث کا فن اس صدی میں وسعت و کمال کو پہنچ چکا تھا۔ اصول فقہ میں ان کو ملکہ راسخہ حاصل ہو گیا تھا اور اس میں وہ مجتہدانہ شان رکھتے تھے ان کے فتاویٰ میں اس کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اسی طرح انھوں نے فقہ اور حدیث میں تطبیق کی کوشش کی اور نئے مسائل پر اجتہاد سے کام لیا۔

علم کلام و عقائد پر ان کی تحریریں شاید ان کے پورے کام کے نصف ہوں گی۔

ابن تیمیہ علوم و افکار اسلامیہ کے مجددین کبار میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ ان کا ایک مستقل تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فکر اسلامی کا احیا کیا۔ انھوں نے اس بات کو اجاگر کیا کہ اللہ کی ذات و صفات، حواس و عقل دونوں سے ماورا ہیں اور اس بارے میں انسان کو کوئی مشاہدہ حاصل نہیں اس لئے انسانوں کے اس گروہ پر اعتماد کرنا ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کا علم و یقین خود بخشا ہے۔ یہ ایک ایسی واضح اور روشن حقیقت تھی جس کی موجودگی میں فلسفہ کو ذات و صفات الٰہی کے بارے میں کسی دوسری کی ضرورت نہ تھی، فلسفیوں کو تو اس کے مبادی اور مقدمات بھی حاصل نہیں تھے۔ متکلمین اسلام جو فلسفہ کی تردید کے لئے نکلے تھے وہ بھی فلسفہ کے مفروضات اور اصطلاحات کے جنگل میں گم ہو گئے۔ متکلمانہ عقائد و مباحث کو اصل و معیار قرار دینے کے بعد یہ سوال اٹھتا تھا کہ اگر یہ اصل علوم و معارف ہیں تو آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کا کلام ان سے کیوں خالی ہے۔ دو طرح کے لوگ نظر آتے تھے۔ ایک طرح کے لوگ یہ کہتے تھے کہ وہ زمانہ ابتدائی تھا اس زمانہ کے لوگوں کو ان حقائق اور گہرے علوم کی خبر نہ تھی۔ دوسری طرح کے لوگ جو فلسفہ کی عظمت کے بھی قائل تھے اور صحابہ کرام کی عظمت کے بھی قائل تھے وہ ایک تحیر اور کشمکش کی حالت میں تھے۔ ابن تیمیہؒ نے پوری جرأت کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ عقائد و حقائق کا اصلی ماخذ وحی نبوت اور کتاب و سنت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ رسول پر بلا شرط ایمان ضروری ہے۔ انھوں نے اہل دانش کی بے دانشی دکھائی اور کہا کہ صریح عقل اور صحیح نقل میں کبھی تعارض نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ قرآن میں بہترین عقلی دلائل ہیں اور رسولؐ کی تعلیم میں التباس نہیں۔

غرض امام ابن تیمیہؒ کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ انھوں نے جس طرح کتاب و سنت کو عقائد کا ماخذ بنانے کی پر زور دعوت دی اور خود کامیابی کے ساتھ اس پر عمل کیا، اسی طرح کتاب و سنت کو فقہیات و احکام کا ماخذ بنانے اور اس کو حق کا معیار قرار دینے کی طاقتور دعوت دی۔ براہ راست کتاب و سنت کی طرف رجوع کی تحریک پیدا کی اور اس صحیح اسلامی فکر کا احیا کیا جو قرون اولیٰ میں پائی جاتی تھی اور مسلمانوں کی زندگی کی بنیاد تھی۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے تلمیذ رشید اور جانشین

حافظ ابن قیم۔ ابن تیمیہ کے مایہ ناز شاگرد جو زندگی بھر اپنے استاد کے شریک حال اور آخری لمحہ تک رفیق رہے۔ ان کی علمی خدمات، ان کی جلالت قدر اور ان کے کمالات اس کے مستحق ہیں کہ ان پر ایک مستقل کتاب لکھی جائے لیکن ان کی زندگی کے حالات کم ملتے ہیں۔ ان کے نامور شاگرد حافظ ابن رجب حنبلی نے ان کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ دمشق میں پیدا ہوئے۔ وہیں عمر گزری اور وہیں مدفون ہوئے ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اساتذۂ وقت سے حدیث کی سماعت کی اور مذہب حنبلی کی فقہ میں مہارت

بیدا کی اور فتوی کا کام شروع کیا۔ تمام علوم اسلامیہ میں دخل تھا لیکن تفسیر میں ان کی نظیر نہ تھی، فقہ اور اصول فقہ۔ عربیت اور علم کلام میں بھی کمال حاصل تھا۔ متونِ حدیث و رجالِ حدیث کی طرف بڑی توجہ تھی، وہ کثیر العبادت اور بڑے شب بیدار تھے۔ اپنے شیخ کی طرح وہ بھی ابتلا و آزمائش اور مجاہدات کے منازل سے گزرے، آخری مرتبہ اپنے شیخ کے ساتھ محبوس ہوئے اور ان سے علاحدہ رکھے گئے۔

ان کی تصنیفات حسنِ ترتیب میں اپنے شیخ کی تصنیفات سے بھی ممتاز ہیں۔ ان کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے۔ اہم کتابیں "تہذیب سنن ابی داؤد۔ مدارج السالکین۔ زاد المعاد" وغیرہ ہیں۔

سب سے مشہور کتاب زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ہے اور احیاء العلوم کے بعد شاید کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی۔ کتاب کے شروع میں مصنف نے بہت سے انکسار کے کلمات کہے ہیں مگر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مصنف کو علوم اسلامیہ بالخصوص حدیث و فقہ پر حیرت انگیز عبور حاصل تھا اور علوم دینیہ کا کتب خانہ ان کے سینے میں محفوظ تھا۔ کتاب کا معرکۃ الآرا حصہ اور مصنف کے علمی تبحر، وسعتِ نظر اور استحضار کا روشن ثبوت حج کا باب ہے۔ اس کی بڑی اچھی تفصیل کتاب میں ہے۔ کتاب میں انھوں نے آنحضرت صلعم کے مغازی اور بعوث اور مہمات ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کئے ہیں۔ غزوات کا ذکر کرنے کے بعد ان کا معمول ہے کہ اس غزوہ کے متعلق جتنے فقہی احکام ہوتے ہیں ان سب کا تذکرہ کر دیتے ہیں۔

بعض مواقع پر مشہور باتوں سے اختلاف کیا ہے جیسے "طلع البدر علینا"، کس موقع پر پڑھے گئے۔ کتاب کی جلد ثانی کا ایک بڑا حصہ طب نبوی سے مخصوص ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ اس کی حیثیت تبلیغی اور تشریعی نہیں مگر ان لوگوں کے لئے جو ہر ارشاد نبوی کو عظمت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بیش قیمت مواد یکجا ہو گیا ہے۔

ابن عبد الہادی

انھوں نے چالیس سال سے کم عمر پائی۔ اہل سیر و سوانح کا اندازہ ہے کہ اگر ان کی عمر وفا کرتی تو وہ اکابر اہل عصر میں سے ہوتے۔ صفدی کا قول ہے "اگر زندہ رہتے تو عجائب روزگار میں سے ہوتے" علامہ ذہبی نے لکھا ہے۔ وہ بڑے ماہر فقیہ، بہت اچھے قاری، محدث، حافظ، مبصر، نحوی اور صاحب علوم و فنون ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ انھوں نے وہ علمی درجہ حاصل کیا جس تک بڑے بڑے معمر علما اور اساتذہ عام طور پر نہیں پہنچتے۔

ابن عبد الہادی کے خاندان کا اصلی وطن بیت المقدس تھا۔ پھر وہ دمشق منتقل ہوا ۷۰۴ھ میں پیدائش ہوئی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی صحبت میں عرصہ تک رہے اور ان سے رازی کی کتاب الاربعین فی اصول الدین کا ایک حصہ پڑھا۔

ابن عبد الہادی نے باوجود کم عمر پانے کے تصانیف کی ایک بڑی تعداد یادگار چھوڑی "الاحکام الکبریٰ"، "المحرر فی الاحکام۔ کتاب العمدۃ فی الحفاظ" وغیرہ جو بڑے پایہ کی کتابیں ہیں۔ یہ کتابیں ان کی علمی فضیلت اور حدیث و رجال پر وسعتِ نظر کی گواہ ہیں۔

ابن کثیر

۷۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانہ کے بڑے محدث لوگوں سے حدیث کی سماعت کی۔ فقہ، تفسیر اور نحو میں خاص دستگاہ تھی۔ مدرسہ ام الصالح میں مدرس رہے اور علامہ ذہبی کے انتقال کے بعد مدرسہ تنکزیہ میں درس دیا۔ علامہ ذہبی نے ان کے متعلق لکھا ہے، وہ پختہ کار فقیہ، محقق محدث اور نقاد مفسر ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: بڑے حاضر العلوم، کثیر المحفوظات تھے۔ ان کی تصانیف ان کی زندگی ہی میں ملکوں میں پھیل گئی تھیں۔ یہ تصانیف بے حد علمی ہیں۔ وہ پختہ کار محدث تھے انھوں نے محدثانہ طریق پر تفسیر مرتب کی۔ ان کی کتابوں میں اہم اور مقبول تصنیف "البدایۃ والنہایۃ" ہے جو عرب مؤرخین کے دستور کے مطابق ابتدائے آفرینش سے ۷۶۷ھ تک کے واقعات پر ختم ہوتی ہے۔

شعبان ۷۷۴ھ میں وفات پائی اور دمشق کے مشہور مقبرہ الصوفیہ میں مدفون ہوئے۔

حافظ ابن رجب

عبد الرحمٰن نام۔ والد کا نام احمد بن رجب ۷۴۴ھ میں اپنے والد کے ساتھ صغر سنی میں دمشق آئے۔ دمشق اور مصر میں حدیث کی سماعت کی۔ الشہاب ابن حجی ان کی علمی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "فن حدیث میں بڑے مبصر اور محقق تھے۔ اپنے معاصرین میں علل حدیث اور طرق حدیث کے سب سے زیادہ واقف کار تھے۔ اکثر ہمارے ہم عصر علمائے حنابلہ ان کے شاگرد ہیں اپنی قبر فرمائش کر کے ایک خاص جگہ کھدوائی تھی۔ اس میں اتر کر لیٹتے تھے اور کہا تھا اچھی ہے۔ چند روز بعد انتقال ہوا اور اس میں دفن کئے گئے۔

تصنیفات میں ترمذی کی شرح اور بخاری کے ایک حصہ کی شرح ہے۔ بخاری کی شرح کا نام انھوں نے فتح الباری رکھا تھا۔ یہ شرح مکمل نہیں ہو سکی۔ امام نووی کی اربعین کی شرح کی۔ ایک رسالہ فضل علم السلف علی الخلف ہے۔

ان کے علاوہ آٹھویں اور نویں صدی کے بعض ایسے جلیل القدر علما اور مصلحین ہیں جن کے متعلق یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کو شیخ الاسلام یا ان کے کسی تلمیذ سے تلمذ حاصل ہے (باقی ص ۲۱ پر)

داستانِ عبرت

میں نے امریکہ جا کر کیا پایا کیا کھویا

میں اپنے ہم وطنوں کی رہنمائی کے لیے اپنی آپ بیتی بیان کر رہا ہوں تاکہ وہ عبرت پکڑیں اور پھونک پھونک کر قدم اٹھائیں۔ آج کل لوگوں کو امریکہ فوبیا ہوگیا ہے۔ ہر شخص امریکہ جانے کے لیے پر تول رہا ہے گرین کارڈ "جنت کارڈ" سمجھا جانے لگا ہے یہ بہیٹر چال نہایت خطرناک اور ضرر رساں ہے لوگ اپنی نوخیز اور نوجوان لڑکیوں کو اس آزاد عریاں اور بارونق سرزمین پر لے جاتے ہیں۔ میرے بعض غیر محتاط اہل وطن اپنی بیویوں کو وہاں لے جا کر ان کو نوکریاں کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ان کی بیٹی یا بیوی غلط راہ اختیار کرے تو سر پکڑ کر روتے ہیں یاد رکھیے امریکہ میں ایسی لڑکی یا عورت کا بھٹکنا بہت آسان ہے جس کے ذہن میں تھوڑی سی بھی آزادی یا خود مختاری کی خو ہے۔ میں بھی اسی آزاد معاشرے کا مارا ہوا بدقسمت آدمی ہوں آج میں گرین کارڈ ہولڈر ہوں مگر میرے خسارے اور بدنصیبی کا اندازہ اس سے کریں کہ ایک سال قبل میں اپنی بیوی اور تین بچوں کے ہمراہ امریکہ گیا تھا۔ مگر جنوری ۱۹۹۵ء کے تیسرے ہفتے میں تن تنہا پاکستان لوٹا میرا وہاں دل نہیں لگا اور میں نے محسوس کیا کہ وہاں کا ماحول میرے بچوں کی تربیت سازی میں مانع ہوگا اور خاص طور پر میری بڑی بیٹی جس کی عمر ۱۴ سال ہے اس کے لیے سم قاتل ثابت ہوگا۔ نیز میں نے دیکھا کہ میری بیوی کی فرمانبرداری اور شوہر پرستی میں بھی فرق آرہا ہے میں نے واپسی کے لیے رخت سفر باندھا مگر میرے بیوی بچوں نے واپس پاکستان آنے سے انکار کر دیا میں نے بیوی پر زور دیا تو اس نے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔

میں کراچی میں کمپیوٹر ایجوکیشن کی تدریس اور اردو کمپوزنگ کا ذاتی کاروبار کرتا تھا۔ اپنا مکان تھا اپنی دکان تھی۔ مالی حالت تو بہت زیادہ قابل رشک نہ تھی مگر میں مطمئن تھا۔ دس بارہ ہزار ماہوار آمدنی ہو جایا کرتی تھی میرا چھوٹا بھائی جو پندرہ سال قبل امریکہ گیا تھا امریکی نیشنل ہے اس نے سات آٹھ سال پہلے نقل مکانی (امیگریشن) کے لیے امریکا میں میرا کیس داخل کیا تھا۔ ۱۹۹۳ء میں میرے کاغذات آگئے تھے لیکن میں ذاتی طور پر امریکہ جانے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا جبکہ میری بیوی کو جانے کا انتہائی شوق تھا۔ اسی کشمکش و پنیچ میں میں نے امریکی قونصل خانہ میں ایک سال کی توسیع کی درخواست دے دی۔ ۱۹۹۴ء میں میری بیوی کا اصرار ہوگیا کہ گرین کارڈ کی حصولیابی کے موقع کو ضائع نہ کرو۔ ادھر بھائی کا بھی امریکہ سے خط آیا کہ پاکستان کے سیاسی حالات دن بدن مخدوش و منتشر ہو رہے ہیں نیز یہ کہ بچے کی تعلیم وہاں اچھی ہو جائے گی تم فوراً امریکہ آجاؤ۔ چنانچہ میں نے جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اپنی کار بیچی، چلتا ہوا کاروبار فروخت کیا اور اپریل ۱۹۹۴ء میں امریکہ (نیویارک) کی سرزمین پر قدم رکھا۔ مجھے معاشی طور پر کچھ زیادہ پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ نیویارک میں مجھے ایک اردو اخبار پاکستان پوسٹ میں پونے تین سو ڈالر ہفتے کی نوکری مل گئی بھائی بروکلین کے علاقے کنارسی (CANARSIE) میں رہتا تھا۔ ہم شروع میں اسی کے ساتھ رہائش پذیر ہوئے۔ اس نے ہر طرح ہمارا خیال رکھا مگر اس کی بیوی ڈورین بلیک امریکن ہے اس لیے ہمیں وہاں رہتے ہوئے ایک جھجک اور تکلف سا رہتا تھا لہٰذا ہم نے جلد ہی اپنا کرائے کا ایک چھوٹا مکان کوئنز کے علاقے جیکسن ہائٹس میں لے لیا۔ اس مکان میں آنے کے بعد مالی پریشانی بڑھ گئی کیونکہ امریکہ میں رہائشی مسئلہ سب سے بڑا مالی بوجھ ہوتا ہے مکان کا ماہانہ کرایہ مع بجلی و گیس ۶۲۵ ڈالر تھا، میں نے بیوی کو کفایت شعاری کا درس دیا اور کم میں گذر کرنے کی تلقین کی مگر اس نے ایک نہ مانی۔ نت نئے جوڑے بناتی رہی۔ میک اپ کے سامان کا ڈھیر لگا دیا۔ میرے اوپر اقتصادی بوجھ بڑھا تو ایک دن کہنے لگی۔

میں تمہارا معاشی سہارا بنوں گی

کیا مطلب — ؟

مجھے پسند یہ نہیں کہ عورت نوکری کرے اور وہ بھی امریکہ میں۔

غرض اس کی ضد کے آگے میری ایک نہ چلی۔ مجھے ایک دن معلوم ہوا کہ اس نے میری مرضی کے خلاف ایک ریسٹورنٹ میں جاب کر لی ہے، میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ جاب سے آئی تو میں نے سخت سست کہا۔ اس نے چرب زبانی اختیار کی میری ڈانٹ ڈپٹ کے جواب میں اس نے پولیس کو فون کرنے کی دھمکی دی۔ مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ یہ پاکستان نہیں ہے امریکہ ہے۔ یہاں مرد کی بہ نسبت عورت کو حقوق حاصل ہیں۔ دوسرے دن میں نے سمجھانے کے انداز سے اپنی بیوی سے پاکستان

چلنے کے لیے کہا۔ اس نے کھرا جواب دیا کہ تم کو جانا ہے تو چلے جاؤ میں تو یہیں رہوں گی ...... زیادہ دھونس جماؤ گے تو طلاق لے لوں گی۔"

میرے پیروں تلے زمین نکل گئی حد یہ کہ بچوں نے بھی میرے ساتھ پاکستان جانے سے انکار کر دیا۔ امریکہ میں میرا دل گھٹا جا رہا تھا۔ رہ رہ کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا کہ ناحق امریکہ آیا آخر جنوری ۱۹۹۵ء کے وسط میں تقریباً ایک برس امریکہ رہ کر وطن واپس آ گیا۔ ہماری پندرہ سالہ پرانی شادی کا یہ انجام ہوا۔ امریکہ جا کر وہ آپے سے باہر ہو گئی۔ پرانے رشتے ناطے سب بھلا دیئے اور نئی سرزمین کی مدہوش کن رونقوں میں کھو گئی نسوانی آزادی کی پرفریب کشش نے اس کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ میری روک ٹوک اس کو ناگوار گذرتی لیکن آخر کب تک حقیقت آشنا نہ ہو گی۔ ابھی تو ابتدائی معاملہ ہے۔ نئی زندگی کی نئی روشنیوں میں اس کی چکا چوند آنکھیں سحر زدہ ہو چکی ہیں صرف ظاہری چمک دمک کو دیکھ رہی ہیں۔ اس تہذیب کے پس پردہ چھپی ہوئی غلاظتیں اس کی نظروں سے اوجھل ہیں یا یہ کہئے کہ جان بوجھ کر اس نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ پچھتائے گی سر پکڑ کر روئے گی۔ مگر جب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہو گا۔

مغربی دنیا میں مرد و زن کے مساوات کے نظریئے نے اور وہاں کی نسوانی آزادی نے خاندان کے نظام کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ یورپ و امریکہ کے دانشور اس کے ہولناک نتائج سے نہایت پریشان ہیں وہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگر خاندانی ہیئت (FAMILY STRUCTURE) کے نظام کو انتشار سے نہ بچایا گیا تو اس کا نتیجہ لازماً سلطنت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہو گا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ جس گوشت پوست سے مرد بنا ہے اسی گوشت پوست سے عورت بنی ہے۔ دونوں یکساں قدر و منزلت رکھتے ہیں لیکن طریق پیدائش کی ظاہری یکسانی کے باوجود آخر عورت عورت ہے اور مرد مرد دونوں کے جسم کی ساخت الگ الگ ہے دونوں کے مشاغل اور دلچسپیاں مختلف ہیں دونوں کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں بھی جداگانہ ہیں اور اسی لیے عورت و مرد کے فرائض کا حدود اربعہ بھی الگ الگ ہے، عورت کو دفتروں کلبوں اور ہوٹلوں میں لا کر اور اس پر معاشی ذمہ داری کا بوجھ ڈال کر ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا بلکہ ظلم کیا ہے۔ آپ مغربی عورت کی ظاہری وضع قطع پر نہ جائیں اس کے چہرے پر بکھری میک اپ کی فضولیات کو نہ دیکھیں بلکہ اس کے اندر جھانکنے کی کوشش کریں اس کی معاشرتی زندگی کا تجزیہ کریں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ۵ ،فیصد عورتیں پریشان غیر مطمئن اور عدم تحفظ کے احساس کی ماری ہیں۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے بیشتر پاکستانی بہنیں بھائی وہاں جا کر امریکی معاشرے سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور بغیر نتائج جانے وہاں کی تہذیبی تقلید شروع کر دیتے ہیں۔ (جسارت)

بقیہ: ندوہ کے شب و روز

جمعیۃ الاصلاح سلیمانیہ کا جلسہ

یہ متوسط درجات کے طلبہ کی انجمن ہے جہاں اساتذہ کی نگرانی میں اس کے پروگرام ہوا کرتے ہیں۔ سال رواں اس کا بھی افتتاح حسب سابق سلیمانیہ ہال میں ہوا۔ جلسہ کی صدارت ڈاکٹر مولانا عبد اللہ عباس ندوی نے فرمائی۔ اس موقع پر جناب مہتمم صاحب بھی موجود تھے۔ دونوں بزرگوں نے اپنی قیمتی نصیحتوں سے نوازا۔ ناظم جمعیۃ الاصلاح سلیمانیہ جمیل الرحمن بنگلوری نے اپنا مقالہ پیش کیا۔ اور اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پروگرام کے اختتام کا اعلان کیا۔

تعطیل عید الاضحیٰ

یہ تعلیمی سرگرمیاں پورے انہماک کے ساتھ جاری تھیں کہ ذی الحجہ کا مہینہ آ گیا۔ اور عید قربانی کی یادیں تازہ ہو گئیں اور طلبہ اس مبارک موقع کی چھٹیوں کے دن گننے لگے۔ امسال دار العلوم میں عید الاضحیٰ کی تعطیل صرف پانچ یوم کے لئے کی گئی لیکن پھر بھی اکثر و بیشتر طلبہ اپنے اپنے گھروں پر عید قرباں کی خوشیاں منانے چلے گئے۔ تعطیل ختم ہوتے ہی طلبہ واپس آ گئے اور دار العلوم ندوۃ العلماء کی فضا پھر سے قال اللہ و قال الرسول سے گونجنے لگی۔ اور طلبہ تعلیمی انہماک و مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔

(بقیہ تاریخ دعوت و عزیمت)

...... مگر ان کی تصنیفات میں واضح طور پر شیخ الاسلام کی فکر۔ ان کی روح۔ ان کا علم اور ان کی دعوت نظر آتی ہے۔

تاریخ دعوت و عزیمت کی جلد دوم ختم ہوتی ہے۔ یہ کتاب بھی ہندوستان کے علمی اور دینی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی تھی۔ اس جلیل القدر عالم پر لکھنے کا حق کچھ حضرت مولانا ہی کو تھا اس حقیر مضمون نگار نے اپنی بساط بھر اس کی تلخیص کرنے کی کوشش کی مگر یہ واقعہ ہے کہ حق ادا نہیں ہو سکا۔ اس کی معذرت صرف یہ ہے کہ جو کتاب سراسر مغز ہو اس میں نکالنے کے لئے استخواں کہاں سے پاتا۔

بہر حال قطرہ میں دجلہ اور جزو میں کل دکھانے کی اس کوشش کا خدا کرے دیدۂ بینا سے معاملہ پڑے

اسلامی اقدار کے خلاف مستشرقین کی خطرناک سازش

محمد محسن شمسی :- ترجمہ :- سرفراز احمد ندوی

صلیبی جنگوں میں ناکامی کے بعد منصوبہ بند طریقہ پر اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لیے یورپ نے فکری یلغار کا سلسلہ شروع کیا اور علم و تحقیق کے نام پر کمال ہوشیاری کے ساتھ نہایت بے بنیاد باتیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف منسوب کیں تاکہ مسلمان اس دین سے خود ہی متنفر اور برگشتہ ہو جائے۔ جو اس کی بقا کا ضامن اور دشمنان اسلام کی راہ کا سنگ گراں ہے اور اس طرح وہ اپنا مذموم مقصود حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

ذیل کی سطور میں مضمون نگار نے استعماریوں اور مستشرقین کی بعض خطرناک سازشوں کا ذکر کیا ہے۔ تاکہ ملت اسلامیہ ان سے خود کو محفوظ رکھے اور اپنے دفاع کا نظم کرے (ادارہ)

اسلام

اہل استعمار اور مستشرقین نے عورت کے تئیں اسلام کے موقف کو مسخ کرکے پیش کیا ہے، چنانچہ ان کا دعویٰ ہے کہ اسلام نے عورت کی توہین و تذلیل کی ہے اسے ناقص قرار دیا ہے اور اس کی حق تلفی کی ہے ان کے خیال میں مسلمان عورت بے وقعت اور حقوق سے محروم ہے بعضے تو اس حد تک گستاخ اور بے حیا ہیں کہ لکھتے ہیں کہ اسلام عورت کا جنت میں داخلہ حرام ٹھہراتا ہے۔

یہ لغو اور بے بنیاد باتیں اسلام کے حقائق سے ناواقفیت کا نتیجہ نہیں، بلکہ نئی نسل کے اسلام سے متاثر ہونے کے اندیشے سے انکے سامنے دینی حقائق کو مسخ کرکے پیش کرنے کے لیے خطرناک عصبیت کی کارفرمائی ہے

اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اس وقت اہل مشرق و مغرب کی نگاہ میں عورت ایک حقیر مخلوق تھی، چنانچہ عرب کے لوگ پوری سنگدلی اور قساوت قلبی کے ساتھ بچی کو زندہ درگور کر دیتے تھے، مغرب میں صورتحال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اٹلی میں منعقد ایک عام عیسائی کانفرنس میں ان کے مذہبی رہنما سر جوڑ کر بیٹھے، کانفرنس کا پہلا موضوع تھا: آیا عورت مرد کی طرح ہے یا انسان کے سوا کوئی اور مخلوق؟

اس تاریک دور میں سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے ساتھ مبعوث ہوئے ..... آپ نے عورت کا مرتبہ بلند کیا۔ عورت کو وہی حقوق عطا کئے جو مردوں کو دیئے، البتہ مرد کو عورت پر ایک درجہ زیادہ حاصل تھا۔ اور وہ تھا ریاست و قیادت کا درجہ، جو عورت کے لیے مناسب نہ تھا ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف، وللرجال عليهن درجة." جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "النساء شقائق الرجال" پھر کیونکر اسلام کی یہ فضیلت الٹ گئی اور اس کے حقائق مسخ ہو گئے، اہل استعمار اور مستشرقین نے ایسی خوبیوں والے اسلام کو عورت پر ظلم کرنے والا بنا دیا، حالانکہ صنف نازک پر بہت مہربان اور اس کی عزت پاک دامنی اور شرافت کا محافظ ہے، اسلام ہی نے عورت کو درّ محفوظ بنایا ہے۔

اسلام اور سائنس :-

اہل استعمار کی سب سے بڑی دسیسہ کاری اور خطرناک ترین سازش یہ ہے کہ اس نے دیار غرب میں تعلیم حاصل کرنے والے بہت سے نوجوانوں کے ذہن و دماغ میں یہ بات ڈال دی ہے کہ آج مسلمانوں کے زوال و انحطاط، تہذیب و تمدن کے قافلے سے پیچھے رہ جانے کا سب سے بڑا سبب اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑے رہنا ہے ان کے خیال میں اسلام اپنی مخصوص شکل میں سائنس سے ہم آہنگ اور متفق نہیں اور اسلام پر قائم رہنا ہی تہذیب و ترقی کی راہ کا سنگ گراں ہے۔ لیکن یہ استعماری یہ فراموش کر بیٹھے کہ تہذیب و تمدن کی زندگی کا انحصار چند بنیادوں پر ہے جن میں اول اور اہم ترین باشعور اور نمو پذیر عقیدہ ہے دوم وہ ٹھوس علم جس کے حامل افراد کائنات و حیات کے سربستہ اسرار و رموز کا انکشاف کریں، سوم وہ عظیم اور درست قوم جو تہذیبی ذمہ داریوں کا بار اٹھائے اور اس کے لیے قربانیاں پیش کرے اسلام

ان تینوں بنیادی امور کی بشکل اتم تاکید کے لیے آیا ہے، چنانچہ اسلامی عقیدۂ توحید، توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور عقیدۂ رسالت وحشر ونشر سے بڑھ کر صاف ستھرا اور باقی رہنے والا کوئی اور عقیدہ نہیں. اسلام کی طرح کسی اور مذہب نے حصول علم کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے. اس سلسلے میں بے شمار آیات و احادیث موجود ہیں مثلاً: "أفلا ينظرون إلى الإبل كيف خلقت وإلى السماء كيف رفعت وإلى الجبال كيف نصبت وإلى الأرض كيف سطحت" جہاں تک اخلاقیات کا تعلق ہے جو تمام تہذیبوں کی اساس ہے تو اخلاقی قدروں کی مالک امت، امت اسلام کے بارے میں جتنا عرض کیا جائے کم ہے، ارشاد نبوی ہے: "إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق" اور ارشاد ربانی ہے:

"وإنك لعلى خلق عظيم"

معترضین اس کا ادراک ہی نہ کرسکے کہ علم وتہذیب کے باب میں اسلام کا موقف اور مزاج دیگر تمام مذاہب سے مختلف ہے عیسائیت کو لے لیں. مسیحیت کا وجود یہودیوں کے اس مادہ پرست گمراہ اخلاق کی اصلاح کی خاطر ہوا تھا. جس نے حضرات انبیاء علیہم السلام تک قتل کو جائز قرار دے دیا تھا. ارشاد باری تعالیٰ ہے: "أفكلما جاءكم رسول بما لا تهوى أنفسكم استكبرتم ففريقاً كذبتم وفريقاً تقتلون"

خود مسیحیت ایک کہنوتی مذہب ہے. یعنی اس کے لیے کہنوت افراد ہیں جو اللہ کے باب میں ایسی باتیں کہتے ہیں جن کی خدا کی طرف سے کوئی دلیل و برہان نہیں، چنانچہ یہ لوگ افکار پر پابندی عائد کرتے ہیں، اپنی مرضی سے حلال و حرام ٹھہراتے ہیں اور بزعم خویش لوگوں کے دلوں اور ضمیروں پر ان کو قبضہ حاصل ہے. جبکہ اسلام میں کوئی کہنوت نہیں، اور خواہ کوئی بھی ہو کتاب و سنت کی نص کے بغیر حلال و حرام ٹھہرانے کا اختیار اسے نہیں.

تشکیک فی السنۃ

قرآن کریم کے باب میں شکوک وشبہات پیدا کرنے میں دشمنان اسلام کو جب مایوسی ہوئی، تو سنت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کا ارادہ کیا. چنانچہ جاہل اور کمزور نفوس میں شکوک وشبہات کے بیج انھوں نے بوئے لیکن جس خدا نے اپنی کتاب کی ہر طرح سے حفاظت کی اسی نے اپنے نبی کی سنت کی بھی حفاظت کی ہے اور مستقبل میں بھی حفاظت کرے گا. چنانچہ ہر زمانے میں علماء، دعاۃ اور محافظین اس نے مہیا کیے تاکہ دشمنوں کی چالوں کو ناکام کردیں. انھوں نے جعلی حدیثوں کو الگ کیا، صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع کے مابین امتیاز کرکے اپنی کتابوں کو مدون کیا. سنت کی حفاظت کے لیے مخصوص علوم ایجاد کیے، سنت کے انہدام اس میں شبہات پیدا کرنے کے لیے دشمنوں نے یہ چال چلی کہ اکابر رواۃ، حاملین حدیث اور مدونین کے باب میں شکوک پیدا کیے.

امر [illegible] یہ ہے کہ رسول اللہ کی سنت جسم اسلام کے لیے ایک مضبوط زرہ ہے اور اس کی اتباع ہی مسلمانوں کو انتشار، گمراہی بے راہ روی اور ضیاع سے بچا سکتا ہے، سچ ہی فرمایا ہے جناب رسول اللہ نے: "تركت فيكم ما إن تمسكتم به لن تضلوا بعدي أبدا كتاب الله وسنتي"

اسلام اور تلوار

سب سے زیادہ خطرناک شئی جسے اہل استعمار نے مسخ کرکے پیش کیا ہے وہ ہے اسلام میں جہاد کا مفہوم اور وہ اعلیٰ اغراض ومقاصد جس کے لیے جہاد فرض کیا گیا ہے استعماریوں کا دعویٰ ہے کہ اسلام میں جہاد کا مطلب غیر مسلم اقوام کو جبراً مسلمان بنانے کے لیے تلوار اٹھانا ہے، حالانکہ یہ افتراپردازی ہے صاف صاف اعلان کیا گیا ہے: "أفأنت تكره الناس حتى يكونوا مؤمنين". نیز "فذكر إنما أنت مذكر، لست عليهم بمسيطر، إلا من تولى وكفر، فيعذبه الله العذاب الأكبر"

واقعہ یہ ہے کہ آغاز اسلام میں مسلمانوں نے جتنی جنگیں لڑی ہیں سب دفاعی نوعیت کی ہیں، یہ بات کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے عقل کو نہیں لگتی، کیا یہ قرین عقل ہے کہ محمد جیسا شخص تلوار لیکر لوگوں کو دعوت دینے کے لیے نکلے جبکہ وہ اپنے دشمنوں کے درمیان ہوں؟ اگر بالفعل ایسا ہوتا تو کوئی آپ پر ایمان نہ لاتا صحیح یہ ہے کہ دعوت الی اللہ کا کام حکمت، موعظۂ حسنہ، دلیل و برہان اور بلاغت و فرقان کے ذریعہ انجام پایا.

دنیا بھر میں مسلمانوں کی امیج خراب کرنے اور ہر تخریبی کارروائی کو ان کے سر منڈھنے کی کوشش میں دشمنان اسلام مصروف ہیں جبکہ اسلام ہر اس چیز سے بری ہے جس کی نسبت اس کی طرف کی جارہی ہے.

(باقی ص۱۴ پر)

سوالات وجوابات

محمد طارق ندوی

س:۔ تعزیہ سازی جائز ہے یا نہیں نیز اس سے مرادیں مانگنا کیسا ہے؟

ج:۔ تعزیہ سازی کا ناجائز ہونا، اور اس کا خلاف شرع ہونا ظاہر ہے، قرآن پاک میں ہے :۔ "اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ" (کیا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہو جن کو خود ہی تراشتے اور بناتے ہو)۔ ظاہر ہے انسان اپنے ہاتھوں سے تعزیہ بناتا ہے اور پھر اس سے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ منتیں مانی جاتی ہیں، اس سے اولاد وصحت کی دعا کی جاتی ہے، سجدہ کیا جاتا ہے، اس کی زیارت کو زیارت حسینؓ سمجھا جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں شریعت کے منافی ہیں۔ علامہ سندھیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ رافضیوں کی برائیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ حضرت حسینؓ کی قبر کی تصویر بناتے ہیں اور اس کو مزین کرکے گلی کوچوں میں لے کر گشت کرتے ہیں اور یا حسین یا حسین پکارتے رہتے ہیں اور فضول خرچ کرتے ہیں یہ سب باتیں بدعت وناجائز ہیں اور اس مسئلہ میں اختلاف بھی نہیں ہے۔ احمد رضا خاں صاحب بریلوی فرماتے ہیں کہ تعزیہ داری قطعاً بدعت وناجائز ہے۔

س:۔ ماہ محرم کا تاریخی پس منظر کیا ہے۔ اس کی ابتدا کیسے ہوئی۔ اس کی اہمیت کیا ہے۔ اسی طرح اور دوسرے مہینوں کی اہمیت کیا ہے اور کس لئے معروف ومشہور ہیں؟

ج:۔ عربی سال کا ابتدائی مہینہ محرم ہے اور آخری ذی الحجہ، یہ قدیم زمانہ (زمانہ جاہلیت) سے انھیں ناموں کے ساتھ چلے آرہے ہیں، اہل عرب نے مہینوں کے نام موسم یا کسی اور وجہ سے رکھ لئے تھے مثلاً محرم اس لئے کہ اس میں جنگ کرنا حرام سمجھتے تھے اور ذی قعدہ اس لئے کہ یہ زمانہ فراغت کا ہے مثلاً رجب اس لئے کہ اس کے معنی عظمت کے ہیں، اس ماہ میں ایک خاص قسم کی قربانی فرض کر رکھی تھی، جس کی وجہ سے اس مہینہ کو عظمت حاصل تھی، اس کے ساتھ کبھی اہل عرب اپنی ضرورت کے لحاظ سے مہینوں میں تقدیم وتاخیر کر دیا کرتے تھے مثلاً ان کو محرم میں جنگ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس میں جنگ کر لی اور محرم کو دوسرا مہینہ قرار دے دیا، اسلام نے ان مہینوں کو تو باقی رکھا، مگر حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقدیم وتاخیر سے جو فرق پیدا ہوگیا تھا اس کو ختم کر دیا۔

س:۔ ماہ محرم میں حضرت حسینؓ کی محبت کے گمان میں تعزیہ داری کا شرعاً کیا حکم ہے، اور اس کی کیا اصل ہے؟

ج:۔ ماہ محرم میں حضرت حسینؓ کی محبت کے گمان میں تعزیہ داری بدعت ہے، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ہر سال حضرت حسینؓ کی تعزیت کی جاتی ہے یہ مکروہ تحریمی ہے، اصلاً ماہ محرم میں تعزیہ داری روافض کی ان بدعات میں سے ہے، جو ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں، اس کی اسلام میں کوئی اصل نہیں، خیر القرون میں اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

س:۔ بغیر اعتقاد کے محض تماشائی کی صورت میں تعزیہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ تعزیہ داری بدعت ہے اور بدعت کے کام کو خواہ تماشائی کے طریقہ پر ہو نہ دیکھنا چاہئے بلکہ بدعت کے ہر کام کو اولاً ہاتھ سے روکنا چاہئے نہیں تو زبان سے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل سے نفرت کی جائے اور یہ ایمان سب سے ضعیف درجہ کا ہے، اور حدیث شریف میں یوں آتا ہے:۔ "من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فإن لم یستطع فبلسانہ وإن لم یستطع فبقلبہ وذلک أضعف الایمان"

س:۔ تعزیہ سے مراد مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ جائز نہیں! کیونکہ مراد مانگنا صرف اللہ رب العزت سے درست ہے غیر اللہ سے نہیں بلکہ تعزیہ یا غیر اللہ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ خود مراد پوری کر سکتا ہے، کفر ہے، اور حقیقتاً تعزیہ سے مراد مانگنا جہالت ہے، کیونکہ وہ نہ ہی مانگنے والے کی مراد سن سکتا ہے، اور نہ اس کی حالت دیکھ سکتا ہے اور نہ کوئی فائدہ پہونچا سکتا ہے۔

س:۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ تعزیہ بنانا سنت ہے ایسا شخص شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

ج:۔ وہ شخص جاہل، خطا دار مجرم ہے، تعزیہ سازی بدعت ہے، اور بدعت کے بارے میں صاحب شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح فرمان ہے: "کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار" (ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔)

ندوہ کے شب و روز

محمد شاهد ندوی بارہ بنکوی

بفضلہ تعالیٰ دارالعلوم ندوۃ العلماء رمضان المبارک کی تعطیل کلاں کے بعد ۶ شوال المکرم کو کھل گیا، دارالعلوم کھلتے ہی طلباء کی آمد جوق درجوق شروع ہوگئی اور دفتر دارالعلوم میں جدید وقدیم داخلوں کا ایک ہجوم شروع ہوگیا۔ ۲۰ شوال تک تو بڑی ہما ہمی رہی۔ جب طلبہ کی دفتری کارروائی مکمل ہوگئی تو باقاعدہ درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہوگیا، اور طلبہ کی دیگر تمام سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا خطاب

جب تمام طلباء آگئے اور اسباق جاری ہوگئے تو حسب سابق امسال بھی حضرت مولانا دامت برکاتہم نے دارالعلوم کی وسیع وعریض مسجد میں جدید وقدیم طلباء سے ایک اہم خطاب فرمایا جبکہ اس خطاب سے قبل تربیتی نقطۂ نظر سے مختلف موقعوں پر اساتذۂ کرام کی تقریریں مسجد ہی میں مغرب بعد ہوتی رہی تھیں۔ مولانا مدظلہٗ نے پُراثر لب ولہجہ میں طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ملت اسلامیہ کا مغز ہیں۔ آپ سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ اگر آپ نے اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ علم حاصل کیا، تقویٰ وطہارت، پاکدامنی وپاکبازی اختیار کی، علوم دینیہ کو اپنے سینے سے لگایا، صبر واستقلال، جرأت وہمت سے کام لیا، شکر اور یاد الٰہی میں اپنے اوقات بسر کئے تو ہمیں قوی امید ہے کہ پروردگار عالم آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ بلکہ سرفراز وسربلند کرے گا۔ اور انشاء اللہ عزت وعظمت آپ کے قدم چومے گا۔

حضرت مولانا مدظلہ العالی نے طلبہ کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ تفسیر قرآن وحدیث، علم فقہ اور عربی ادب میں مہارت پیدا کیجئے۔ اور جس فن سے زیادہ لگاؤ ہو اس میں اختصاص پیدا کیجئے اور عصری علوم پر بھی گہری نظر رکھئے یہ جلسہ حضرت مولانا کی دعا پر اختتام پذیر ہوا۔

جمعیۃ الاصلاح کی تشکیل

دارالعلوم ندوۃ العلماء جمعیۃ الاصلاح کے اسٹیج سے طلبہ کی فکری وعلمی ذہن سازی خارجی مطالعہ اور تقریر وتحریر کے ذریعہ کرتا ہے تاکہ انھیں داعی الی اللہ ومبلغ اسلام بنایا جائے۔ جس سے دعوت اسلام کے ساتھ ساتھ اسلام مخالف تحریکوں سے واقفیت اور ان کے مقابلہ کی صلاحیت پیدا ہو۔ اس مقصد کے پیش نظر مورخہ ۵ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ بروز دوشنبہ بعد نماز عشاء جمالیہ ہال میں جمعیۃ الاصلاح کے اراکین اور کابینہ کی تشکیل مربی الاصلاح مولانا شمس الحق ندوی اور مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری کی نگرانی میں ہوئی۔ اور جملہ تمام شعبوں کے اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔

جمعیۃ الاصلاح کا افتتاحی جلسہ

بتاریخ ۷ ذی قعدہ بروز بدھ بعد نماز مغرب جمعیۃ الاصلاح کا افتتاحی جلسہ دارالعلوم کے معتمد تعلیمات جناب مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ تلاوت کے بعد محمد عمران راجستھانی اور ان کے رفقاء نے ندوہ کا ترانہ پیش کیا۔ اس کے بعد ناظم الاصلاح محمد ابوالبقاء نیپالی نے اپنا مختصر مقالہ پڑھتے ہوئے الاصلاح اور اس کے دیگر شعبوں مثلاً بزم خطابت وسلیمانی، دارالاخبار ودارالکتب کا تعارف کرایا۔

جناب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مہتمم دارالعلوم نے جمعیۃ الاصلاح کی قدر ومنزلت اور اس کی افادیت پر مختصر مگر جامع انداز میں روشنی ڈالی۔ اور پھر اخیر میں صدر جلسہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے تفصیل کے ساتھ تقریر وتحریر کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور طلبہ کو اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کرنے کی تلقین کی۔ مولانا کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

النادی العربی کا افتتاح

النادی العربی ندوۃ العلماء کا ایک اہم شعبہ ہے۔ جس کے ذریعہ طلباء کو عربی زبان میں تقریر وتحریر کی مشق کرائی جاتی ہے اس کا افتتاحی جلسہ جمالیہ ہال میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی صدارت میں ہوا۔ امین العام للنادی العربی عامر ظفر نیپالی نے اپنا مقالہ پیش کیا۔ اس موقع پر مہتمم دارالعلوم مولانا سید محمد رابع الحسنی الندوی اور صدر شعبۂ عربی مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے اپنی تقریروں میں عربی زبان وادب کی اہمیت پر بہت زور دیا، صدر جلسہ نے عربی زبان کے سیکھنے پر خصوصی توجہ دلائی اور کہا کہ یہ زبان قرآن وحدیث کی زبان ہے۔ بغیر اس کے سیکھے قرآن فہمی اور حدیث کا صحیح معنوں میں سمجھنا بہت دشوار ہے۔ یہ جلسہ صدر محترم کی دعا پر ختم ہوا۔

باقی ص ۲۱ پر

مطالعے کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

نام کتاب:- کچھ مشرق سے، کچھ مغرب سے
مصنف:- ڈاکٹر سید تقی حسین جعفری
سائز:- کتابی متوسط صفحات:- ۱۶۰
کاغذ و طباعت:- نفیس۔ جلد:- مضبوط و دلآویز
ملنے کا پتہ:- جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی۔ ۲۵

یہ ڈاکٹر تقی حسین جعفری کے علمی و تحقیقی مقالات، غزلوں کے فنی جائزوں، اور تبصروں پر مشتمل مجموعہ ہے جو مختلف علمی مجلات میں وقتاً فوقتاً شائع ہو چکے ہیں علمی و تحقیقی مقالات میں "مغربی یورپ میں فتوت کی روایت اور مآخذ، طوق الحمامہ" پر تحقیقی بحثیں ہیں، اول الذکر (فتوت) اسلامی لٹریچر میں تصوف کی ایک اصطلاح ہے جس میں سالک کے لئے ایثار، سخاوت، تواضع اور خلق خدا کی بے لوث خدمت کا بے پناہ جذبہ فطرتاً اور حسن تربیت و صحبت سے پیدا ہو جاتا ہے، اسی لفظ کے مشابہ "مروّت" بھی ہے۔ لفظی لحاظ سے شہ سواری اور سیر چشمی کے مفہوم پر یہ دونوں لفظ حاوی ہیں، مستشرقین نے کوشش کی ہے کہ یہ دکھائیں کہ اسلام کا ماخذ مروّت ہے جو اسلام سے پہلے عربوں میں موجود تھا، چنانچہ مانٹ گمری واٹ نے اپنی مشہور کتاب "محمد ایٹ مکہ" کے مقدمہ میں اس پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ہے، اور ان کے ایک شاگرد رشید جو میرے نقطۂ نظر سے غیر رشید کہے جانے کے مستحق ہیں، اسلام کا تعارف اس طرح پیش کیا ہے، کتاب کی پہلی فصل "مروہ" دکھایا ہے، ڈاکٹر جعفری کی تحقیق یہ ہے کہ انگریزی ادبیات میں فتوت کے خصائص کا تفصیل سے ذکر ملتا ہے۔

ڈاکٹر جعفری نے عربی ماخذ سے اس کے لفظی معنی سے بحث کی ہے، اور انگریزی لٹریچر نظم و نثر سے متعدد حوالے دیئے ہیں، بہر حال ڈاکٹر صاحب کی تحقیق جاندار اور قابل استفادہ ہے، اس مجموعہ کا دوسرا مقالہ "طوق الحمامہ" پر ہے جو ابن حزم الاندلسی کی تصنیف ہے امید ہے کہ اردو خواں حلقہ جو ابن حزم سے ناواقف ہے اس کے لئے اپنی عام معلومات بڑھانے کا اچھا ذریعہ ثابت ہوگا گلستان سعدی کے منظوم ترجموں میں ڈاکٹر جعفری نے دو ترجموں کا ذکر کیا ہے اور ان کا باہمی تقابل کیا ہے ایک اٹھارہویں صدی کے شاعر میر مشیر علی افسوس کا ترجمہ ہے اور دوسرا جناب شاہ حسن عطا صاحب مرحوم کا ترجمہ ہے، شاہ صاحب حضرت مولانا شاہ حلیم عطا علیہ الرحمہ (شیخ الحدیث ندوہ) کے ہونہار اور بہت ہی ذہین صاحبزادے تھے۔ انگریزی حکایت اور تحریر میں ناموری حاصل کر چکے تھے، اردو ان کی مادری زبان تھی، فارسی، فرنچ اور عربی سے کافی مناسبت رکھتے تھے، "بہدوی" تخلص کرتے تھے، راقم کو خوشی ہے کہ ڈاکٹر جعفری نے اپنے خاندان کے ایک گوہر بے بہا کا تعارف کرایا۔ مقالات میں اقبال کا تصور مرد مومن، فراق اور انگریزی روایت، خواب سے خواب تک، دانشوری اور تصور مذہب، ذاکر صاحب کی کہانیوں کا تمثیلی پہلو، یہ سب مقالات تحقیقی اور وجدانی دونوں رنگ رکھتے ہیں۔

جائزوں میں انھوں نے میر تقی میر، سودا اور ایک معاصر پاکستانی شاعر ناصر کاظمی کی غزلیں اور ان کا فنی تجزیہ کیا ہے، یہ مضامین مختلف اوقات میں ادبی رسالوں کی زینت بنے تھے، مجموعہ میں ایک ساتھ تین نام آگئے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ڈاکٹر جعفری کے نزدیک تینوں ایک ہی صف کے شاعر ہیں۔ ناصر کاظمی کی جو غزل انھوں نے تجزیے کے لئے انتخاب کی ہے وہ ان کی سطحی غزلوں میں ہوگی، کیونکہ تکرار معانی اور تقلیدی تک بندی کے سوا اس میں کوئی جان نہیں ہے۔ اردو کا یہ ایک شعر حافظہ کے کسی کونے میں محفوظ تھا، جو ناصر کاظمی صاحب کی غزل کے پہلے شعروں پر تنہا حاوی ہے اور بھاری بھی ہے

جلوے نئے نئے ہوں نظارے نئے نئے
دل ڈھونڈتا ہے روز سہارے نئے نئے

آخری باب ڈاکٹر جعفری کے چند تبصروں پر مشتمل ہے، تبصرے پر تبصرہ کیا کیا جائے، لیکن اتنا اشارہ ضروری ہے کہ ڈاکٹر تقی حسین جعفری صاحب کا زاویۂ فکر علمی اور ادبی ہے، اور انھوں نے اپنا معیار کہیں گرنے نہیں دیا ہے۔

یہ مجموعہ کچھ کچھ پر مشتمل ہے، مگر سب کچھ نہیں ہے، ڈاکٹر جعفری کے خوان قلم میں اقدامی صلاحیت بہت ہے۔

(مولانا عبد اللہ عباس ندوی)

"گلدستۂ اوّلیات" از مولانا عبد السلام مجو فلاحی
کتابت، کاغذ، طباعت، مناسب صفحات ۶۴+سرورق
سائز ۳۰×۲۰/۱۶، قیمت دس روپیہ
ملنے کا پتہ: جامعہ حسینیہ عربیہ شری وردھن
ادبیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے

اردو میں دلچسپ کتاب ہے جو میرے علم کی حد تک پہلی کتاب ہے، مولف کی محنت قابل داد ہے لیکن تبصرہ نگار کے لئے ایک ابتلاء ہے ان اولیات کی تصدیق اس کے لئے خاصی دشوار ہے۔ حوالہ ہوتا تو سہولت ہوتی، بعض اولیات ضرور کھٹک رہی ہیں جیسے "سب سے پہلے دعائے قنوت کو صبح کی نماز میں حضرت معاویہؓ نے نازل کیا" ص ۵۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت معاویہؓ سے پہلے فجر میں دعائے قنوت کا برابر پڑھا جانا بالاتفاق ثابت ہے؟

"سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عشر وضع کیا" ص ۱۰۔

جب حدیث موجود ہے "فیما سقت السماء والعیون والبعل العشر" تو اس پر عمل پہلے سے رہا ہوگا۔ واللہ اعلم یہاں سب سے پہلے کا کیا مقصد ہے

"سب سے پہلے کفر ابلیس ملعون نے کیا" ص ۱۷۔

کیا انسانوں سے پہلے جو جن اس دنیا میں آباد تھے ان میں سے کسی نے کفر نہیں کیا تھا؟

"سب سے پہلے لواطت شیطان نے کی" ص ۱۷۔

اس اولیت کا کیا فائدہ؟ اور اس غیر مرئی ناری مخلوق کے بارہ میں صحیح حدیث کے بغیر ثبوت کیسے مہیا ہو سکے گا؟

"سب سے پہلے امراء میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے شراب کی محفلیں جمائیں۔ ص ۱۷۔

سب سے پہلے شراب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بنائی گئی۔ ص ۱۹۔

حیرت ہے کہ اتنے طویل زمانہ تک امراء میں شراب کی محفلیں معطل رہیں۔ ص ا پر ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا فرمایا، پھر قلم کے بعد سب سے پہلے لوح محفوظ کو پھر لوح محفوظ کے بعد سب سے پہلے غمام کو۔ وغیرہ۔

اگر اس طرح اولیت ثابت کی جائے تو ہر چیز اول ہی رہے گی، اس طرح کہنے میں کیا حرج کہ اس کے بعد فلاں چیز اس کے بعد فلاں چیز۔

ص ۵۵ پر ہے کہ "سب سے پہلے قیامت کے روز حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حساب لیا جائے گا۔" اب تک یہی سمجھتے تھے کہ فرشتوں سے حساب نہیں لیا جائے گا۔ لیکن اگر کتاب و سنت سے یہ بات ثابت ہے تو بسر و چشم، حوالہ کی تلاش ہے۔

ص ۳ پر ہے کہ "سب سے پہلے مقعدین کو پانی سے عویمر بن ساعدہ نے دھل کر پاک کیا۔" اگر صحیح روایت سے ثابت ہو تو اسے بھی ماننے کے لئے تیار ہوں، حوالہ چاہئے ورنہ اشکال آتا ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ کرام اس وقت تک پانی نہیں استعمال کرتے تھے جب کہ یہ عمل غیر مسلموں میں جاری و ساری چلا آرہا ہے۔ لفظ مقعدین کے بجائے سبیلین یا مخرجین لانا چاہئے تھا۔

کتاب بہت عمدہ ہے، اس سے بڑی اہم اہم اولیات کا علم ہوتا ہے لیکن مؤلف کو چاہئے کہ وہ اولیات جو بھرتی کی ہیں یا غیر مستند ہیں یا جن سے کسی پر زد پڑتی ہے ان کو کتاب سے خارج کردیں۔

"تمباکو نوشی کے نقصانات" از میر واعظ کشمیر مولانا محمد یوسف شاہ۔

ملنے کا پتہ: قاضی پبلشرز، ویج بلڈنگ، نظام الدین نئی دہلی ۔۱۳

$\frac{22\times18}{8}$ سائز کے ۵۶ صفحات پر پھیلے ہوئے اس کتابچہ میں تمباکو کے نقصانات پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر میں ایک فتویٰ بھی نقل کیا گیا ہے۔

قیمت کتاب: ۱۶ روپیہ

"تخلیق انسانی کے مراحل اور قرآن کا سائنسی اعجاز" از ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی۔ ایم ڈی۔

ملنے کا پتہ: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۷۸۱ حوض سوئیوالان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

$\frac{30\times20}{16}$ سائز کے ۵۶ صفحات پر پھیلا ہوا یہ کتابچہ ان حضرات کے لئے مفید ہے جو تفسیر کا بھی علم رکھتے ہوں اور انگریزی زبان بھی جانتے ہوں، ساتھ ہی ان کو سائنس اور طب سے بھی دلچسپی ہو۔ قیمت کتاب آٹھ روپیہ۔

"سیرت ذوالنورین" یعنی امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کے مختصر حالات مولانا محب الحق صاحب شعبۂ تصنیف و تالیف، جامعہ اسلامیہ عربیہ تسہیل العلوم شاہدرہ دہلی ۳۲۔

$\frac{30\times20}{16}$ سائز کے ۴۸ صفحات پر پھیلا ہوا یہ کتابچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مختصر سیرت پیش کرتا ہے۔

قیمت: چھ روپیہ۔

(ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی)

مولانا محمد اللہ صاحب ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور انتقال فرما گئے

۲۰ رمئی ۱۹۹۵ء مطابق ۱۹ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ کو جناب مولانا محمد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور، چند دن کی شدید علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا مرحوم حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب سابق ناظم مظاہر علوم کے صاحبزادے اور رجید عالم دین تھے، صورت شکل اور علم و تقویٰ میں اپنے والد گرامی سے بہت مشابہ تھے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر عطا فرما کر مظاہر علوم کو ان کا صحیح جانشین عطا فرمائے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مولانا مرحوم کے لیے ایصال ثواب و دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا — قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بقیہ: درس حدیث

جو لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور ہوتا ہے اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور! چونکہ منافقین کی یہ چال نہایت خطرناک تھی اس لئے مسلمانوں کو اس سے واقف ہونا ضروری تھا تاکہ ان سے دوستی نہ رکھیں کہ ان کے فریب ہی میں پھنس جائیں اور راہ نجات سے دور جا پڑیں، اسی لئے قرآن پاک نے ان کی بہت سی صفات بیان کیں کہ وہ پہچانے جا سکیں، چنانچہ ایک اور آیت میں فرمایا:

"وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ" (محمد۔ ۳۰)

اور اگر ہم چاہتے تو تم کو ان کا پورا پتہ بتا دیتے اور تم ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیتے اور تم انھیں (ان کے) انداز گفتگو ہی سے پہچان لوگے اور خدا تمہارے اعمال سے واقف ہے۔

منافقین کی باتیں، کرتوت اور حرکتیں ہم کو ان کی سرگرمیوں کا پتہ دیتی ہیں اللہ نے ان کی زبانی باتوں کو قرآن کریم میں بار بار ذکر فرمایا ہے ایسے ان کی کھلی ہوئی پہچان کا بھی ذکر فرمایا ہے اور بہت کھلے ہوئے الفاظ میں بتایا ہے جو ان کے بارے میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور کہیں ان کی ان ناشائستہ حرکتوں اور بزدلانہ صفات کا مذاق اڑاتا ہے۔ چنانچہ ایک آیت میں فرمایا:

"وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ" (منافقون۔ ۴)

اور جب تم ان (کے تناسب اعضا) کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے ہیں اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر توجہ سے سنتے ہو (مگر فہم و ادراک سے خالی) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں۔ (بزدل ایسے کہ) ہر زور کی آواز کو سمجھیں (کہ) ان پر (بلا آئی) یہ (تمہارے) دشمن ہیں۔ ان سے بے خوف نہ رہنا۔ خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

بس وہ صورت ہی صورت ہیں جو دیکھنے میں اچھی لگتی ہے اور ان کے دعوے اور باتیں محض الفاظ اور زبانی جمع خرچ کی آئینہ دار ہیں حقیقت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں جسم صرف دیکھنے کے اور الفاظ بے معنی اور بے شعور۔ تم ان کی باتیں سنوگے تو ایسے ہی جیسے کوئی لکڑی سہارے سے کھڑی کر دی گئی ہو نہ اس میں کوئی جان ہے، نہ ایمان کا کوئی شائبہ ہے، ورنہ اخلاص نام کی کوئی چیز ہے، قرآن کریم ان کی اس طرح تصویر کشی اس لئے کر رہا ہے تاکہ مسلمانوں کو ان کی فریب کاریوں سے باخبر کر دے یہ ان مکارانہ سرگرمیوں کے سبب اللہ اور اس کے رسولؐ اور پھر مسلمانوں کے اولین دشمن ہیں کہ یہ چھپ کر وار کرتے ہیں، یہ وہ دشمن ہیں جو تمہارے لشکر اور صفوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ چھپے ہوئے دشمن کھلے اور علی الاعلان دشمنی کرنے والوں سے زیادہ خطرناک ہیں لہٰذا ان چھپے دشمنوں سے ہوشیار رہو۔

ذرا یہ آیت پڑھئے اللہ تعالیٰ ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے:

"وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ" (بقرہ۔ ۱۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں۔ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

اور بھی ایسی متواتر آیات آتی ہیں جو ان کی مکارانہ صفات کو بہت کھول کر بیان کرتی ہیں، ذیل کی آیت میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی۔

"وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ۔ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ" (بقرہ۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶)

اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اور ہم (پیروان محمدؐ سے) تو ہنسی کیا کرتے ہیں۔ ان (منافقوں) سے خدا ہنسی کرتا ہے اور انھیں مہلت دیئے جاتا ہے کہ شرارت و سرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی خریدی تو نہ تو ان کی تجارت ہی نے کچھ نفع دیا اور نہ وہ ہدایت یاب ہوئے۔

آیات کریمہ منافقین کے اقوال اور سلوک کے نمونے بیان کرتی ہیں، وہ کتاب اللہ کو نہیں اپناتے کہ اصلاح کرنے والے نہیں بلکہ زمین میں فساد و بگاڑ پھیلاتے ہیں۔

اور ستم یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ایمان کا اظہار کرتے ہیں، قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ اللہ پر اور دین اسلام پر ایمان رکھتے ہیں، اور جب گھر جا کر پیشوایان کفر و گمراہی سے ملتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں، ہم ایمان نہیں لائے ہیں بلکہ ہماری یہ باتیں اور ایمان کے الفاظ [illegible] مذاق و استہزا کے طور پر ہوتے ہیں۔

اس تفصیل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ "تجدون شر الناس ذا الوجهين" کے اعجاز بیانی اور اس کے دور رس اثرات و نتائج کا پتہ چلتا ہے۔

تاریخ کے مختلف زمانوں میں ہم بہت سے سیاسی قائدین کے اندر بھی دو رخا پن دیکھتے ہیں جب ووٹ لینا ہوتا ہے تو وہ اسلام کا نام لیتے ہیں اور اسلام سے وفاداری کی رٹ لگاتے ہیں لیکن جب کامیاب ہو جاتے ہیں تو اسلام مخالف سرگرمیاں شروع کر دیتے ہیں۔ انھیں آیات سے ملتی جلتی سورہ نور کی بھی آیتیں ہیں فرمایا:

"یقولون آمنا باللہ وبالرسول واطعنا ثم یتولی فریق منھم من بعد ذلک وما اولئک بالمؤمنین واذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم اذا فریق منھم معرضون" (نور ۔ ۴۷ ۔ ۴۸)

اور (بعض لوگ) کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور رسول پر ایمان لائے اور (ان کا) حکم مان لیا پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فرقہ پھر جاتا ہے اور یہ لوگ صاحب ایمان ہی نہیں ہیں۔ اور جب ان کو خدا اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ (رسول خدا) ان کا قضیہ چکا دیں تو ان میں سے ایک فرقہ منہ پھیر لیتا ہے۔

ان کی ایک نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو روکتے ہیں کہ دیکھو مسلمانوں پر نہ خرچ کرو۔ قرآن کریم ان کی اس خباثت کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"ھم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا" (منافقون)

یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول خدا کے پاس (رہتے) ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو۔ یہاں تک کہ یہ (خود بخود) بھاگ جائیں۔

یہ اہل ایمان کو فقر و فاقہ میں مبتلا رکھنے کی سازش و منصوبہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حق و صداقت دین و ایمان کے دشمن ہیں ایک دوسرے کو اس کی تلقین بھی کرتے ہیں اور اب تک مختلف زمانوں میں یہی ہوتا رہا ہے، اسی دو رُخے پن کا مظاہرہ کیا جاتا رہا ہے خصوصاً ہمارا موجودہ عہد تو اس کی بڑی کھلی ہوئی تصویر پیش کر رہا ہے، ہم اپنے زمانے کی تصویر دیکھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزانہ کلمات کو پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے جیسے آپ نے مشاہدہ کے بعد یہ فرمایا ہو۔

قرطبی اس کی تشریح میں کہتے ہیں کہ دو چہروں والا اس لئے بدترین شخص ہے کہ اس کا حال بالکل منافقوں جیسا ہے کہ وہ غلط اور جھوٹ چاپلوسی کو اپنا شعار بنا کر لوگوں میں فساد و بگاڑ پھیلاتا ہے اصحاب جاہ و منصب کی خوشامد میں اپنی ہی قوم وملت کو نقصان پہونچاتا ہے۔

امام نووی ذوالوجہین کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ دو چہروں والا وہ شخص کہلاتا ہے جو ہر پارٹی و فرقہ کے سامنے اس کی جیسی باتیں کرتا ہے، اور اس کو یہ باور کراتا ہے کہ بالکل اس کے ساتھ ہے اور اس کے مخالف کا یہ بھی مخالف ہے۔ اس کا یہ عمل کھلا ہوا نفاق ہے۔ اور نرا جھوٹ و دغا بازی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جماعتی راز سے واقف ہونے کے لئے یہ حرکت کرنا ناجائز، مداہنت اور منافقی بات ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ رویہ اس لئے اپناتا ہے کہ اپنی اس طرح کی باتوں کے ذریعہ دو جماعتوں کو قریب کرے اور اس طرح اصلاح کا کام انجام دے تو یہ پسندیدہ اور اچھی بات ہے۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اگر ایک جماعت کے کام کی اس کے سامنے تعریف کرتا ہے اور دوسری جماعت کے سامنے اسی کام اور جماعت کی برائی کرتا ہے ایسے ہی ہر جماعت کی دوسری جماعت کے سامنے برائی کرتا ہے تو یہ دو رُخا پن ہے، غلط ہے پسندیدہ بات یہ ہے کہ ہر جماعت کے سامنے ایسی بات کرے جس میں دوسری جماعت کا فائدہ اور بھلائی ہو اور ہر جماعت کے سامنے دوسری جماعت کی خامیوں اور کمزوریوں کی طرف سے صفائی پیش کرے عذر تلاش کرے اس جماعت کی خوبیوں کا دوسری جماعت کے سامنے ذکر کرے اور برائیوں پر پردہ ڈالے۔

حدیث کا فقہی پہلو

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اس میں اصلاح اور بھلائی نہیں ہے غلط اور جھوٹ کے سلسلہ میں جماعت کی بری باتوں کو اس کے سامنے توڑ مروڑ کر بیان کرے اور دوسری جماعت کے سامنے اس کی برائی نہ پراگندہ کرے اور ہر جماعت کی دوسری جماعت کے سامنے مذمت کرے۔ یہ دو رُخا پن اور ناجائز ہے۔

بخلاف اصلاح کے جو درست و پسندیدہ ہے کہ ہر جماعت سے وہ بات کہے جس میں دوسری کی بھلائی ہو اور خامیوں کے سلسلہ میں ہر جماعت کی دوسری جماعت کے سامنے معذرت کرے صفائی دے اور اس کی خوبیوں کا تذکرہ کرے اس سلسلہ میں کچھ مزید کوئی بات کرنی پڑے تو جائز ہے۔

موجودہ زمانے میں حدیث سے کیا رہنمائی حاصل ہوتی ہے

منافقین کا نفاق اور ان کی مکاریاں بڑے دور رس اثرات رکھتی تھیں جس کا مدنی آیات سے اندازہ ہوتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نہایت خطرناک جنگ تھی جو تیر و تفنگ اور نیزہ و تلوار سے کم نہ تھی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ میں برپا تھی گو نتائج وصورت میں فرق تھا، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی برتی اور مسلمانوں کو اس سے ڈرایا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "دو چہروں والا کبھی امانت دار نہیں ہو سکتا"۔ ابوداؤد میں حضرت عمار بن یاسر سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کے دنیا میں دو چہرے رہے ہوں گے قیامت کے دن اس کے آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔

(جاری)

دنیائے اسلام

کیا یاسر عرفات اسرائیلی پولیس کے فرائض انجام دے سکیں گے

پروفیسر محمد یونس نگرامی

اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابین نے اسرائیلی پارلیمنٹ میں کہا ہے کہ اسرائیلی فوجیں اب کبھی بھی غزہ کے علاقہ میں نہیں جائیں گی. کیوں کہ اب یاسر عرفات اور ان کے لوگ وہ کام انجام دیں گے جس کو اسرائیلی فوجیں ۲۵ سال میں بھی انجام نہیں دے پائی ہیں دوسری طرف اسرائیلی وزیر خارجہ شمعون پیریز نے بھی اپنی حکومت کے ناقدوں کو جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ یاسر عرفات دہشت گردی پر جلد ہی قابو پالیں گے .اور وہ بھی بغیر کسی پر مقدمہ چلائے اور عدالت گئے اور نئے مسائل پیدا کئے بغیر، اسرائیلی وزیر خارجہ نے انکشاف کیا ہے کہ انھوں نے امریکہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ یاسر عرفات کی امداد میں اضافہ کر دے تاکہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکیں۔ اور اسرائیلی وزیر خارجہ کی یہ درخواست جلد ہی منظور بھی ہو گی جب کہ امریکی نائب صدر نے اپنے دورہ اریحا کے موقع پر اعلان کر دیا کہ وہ یاسر عرفات کی حکومت کو ۶۵ ملین ڈالر کی امداد دے رہے ہیں تاکہ وہ اسرائیل کے ساتھ امن کے معاہدوں سے جن عناصر کو اختلاف ہے ان سے نپٹ سکیں اس کے علاوہ یہ امداد فلسطینی پولیس کی جدید کاری پر بھی صرف کی جائے گی تاکہ وہ فلسطینیوں کی دہشت گردی کا سامنا کر سکے برطانیہ بھی اس موقع پر پیچھے کیوں رہتا چنانچہ امریکی نائب صدر کے فلسطین کے دورے سے دس دن پہلے ہی برطانیہ کے وزیر اعظم جان میجر نے بھی غزہ کا دورہ کیا اور اعلان کیا کہ وہ حکومت برطانیہ کی طرف سے فلسطینی پولیس کو جدید ساز و سامان سے آراستہ پچاس موٹریں دے رہے ہیں اس کے علاوہ فلسطینی حکومت کو ۱۲۰ ملین ڈالر کی امداد بھی دے رہے ہیں ان امدادوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ فلسطینی عوام اسرائیلی سامراج اور اس کے ظلم و تشدد سے نکل کر یاسر عرفات کی حکومت کے زیر سایہ وہی مصائب پھر جھیل رہے ہیں جو ان کا مقدر بن چکا ہے۔ پچھلے ہفتہ اسرائیلی وزارت دفاع کے ایک ذمہ دار نے برطانیہ کے اخبار آبزرور کو انٹرویو دیتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ یاسر عرفات اس سے کہیں زیادہ کام انجام دے رہے ہیں جتنا کہ اسرائیلی حکومت ان سے چاہتی ہے۔

امریکہ کے اخبار وال اسٹریٹ جنرل کا کہنا ہے کہ یاسر عرفات کے صلاح کاروں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو پہلے اسرائیلی جاسوسی ادارہ موساد کے ایجنٹ رہ چکے ہیں. اس وقت فلسطین کی داخلی صورت حال یہ ہے کہ نو ہزار فلسطینی فوج کے افراد ہمہ وقت تحریک حماس اور جہاد اسلامی سے منسلک اشخاص کا پیچھا کرتے رہتے ہیں اور ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھے رہتے ہیں اور اس طرح یاسر عرفات اوسلو میں ہونے والے اسرائیل کے ساتھ معاہدۂ امن کی حرف بحرف پابندی کر رہے ہیں کہ اسرائیل مامون و محفوظ رہے اور مقبوضہ فلسطین پر اس کا قبضہ و اقتدار اور دہشت باقی رہے یاسر عرفات نے فلسطینیوں پر عرصہ حیات تنگ کر دینے کے لیے متعدد اقدامات اور بھی کیے ہیں انھوں نے مسجدوں میں اسلامی و دینی سرگرمیاں جاری رکھنے پر پابندی لگا دی ہیں اور ایسی امن کمیٹیوں کی تشکیل کی ہے جن میں اسرائیلی مفادات کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور ایسی عدالتوں کو قائم کیا ہے جو اس سے پہلے اسرائیلیوں نے فلسطینیوں کو سزا دینے کے لیے قائم کی تھیں یاسر عرفات نے ایک مؤقر اسرائیلی میگزین کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ اگر تحریک حماس اور جہاد اسلامی کے افراد نے قوانین کی پابندی نہیں کی تو وہ اپنے آدمیوں کو ان پر مسلط کر دیں گے جو ان لوگوں کو کچل ڈالیں گے اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب اسرائیلی نوجوں کے خلاف کچھ دن پہلے غزہ کے علاقہ میں ان دونوں ہی اسلامی تحریکوں سے وابستہ افراد نے کارروائی کی تھی تو فوراً ہی امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر نے یاسر عرفات سے رابطہ قائم کیا اور ان کو ہدایت دی کہ ان تحریکوں سے وابستہ افراد کی گرفتاری کافی نہیں ہے بلکہ ان کے ہتھیار بھی چھین لیے جائیں. یاسر عرفات نے بغیر کسی تاخیر کے احکامات جاری کر دیئے کہ تحریک حماس اور جہاد اسلامی کے افراد فوراً ہی اپنے اپنے اسلحہ جات جمع کر دیں یا پھر نتائج کا سامنا کریں

اس طرح یاسر عرفات نے اپنے تمام وعدوں سے منہ پھیر لیا ہے جو انھوں نے فلسطین میں اپنی حکومت قائم کرتے ہوئے کیے تھے. اور فلسطینی عوام ایک بار پھر سیاست کی چنگاریوں کا شکار ہو گئے ہیں.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

مجلس صحافت ونشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

شمارہ نمبر ۱۶

۲۵ جون ۱۹۹۵ء مطابق ۲۵ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

جلد نمبر ۳۲

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی

مولانا محمود الازہر ندوی

مولانا سلمان حسینی ندوی

مولانا محمد خالد ندوی

مولانا عبد الرشید ندوی

مولانا محمد رضوان ندوی

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ـــــــ

زر تعاون

سالانہ ـــــــ ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ـــــــ ۵ روپے

ـــــ بیرونی ممالک فضائی ڈاک ـــــ

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک

ـــــــ ۲۵ ڈالر

ـــــ بیرونی ممالک بحری ڈاک ـــــ

بحری ڈاک جملہ ـــــ ۱۰ ڈالر

گذارش

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ـــــ مینجر

مینجر تعمیر حیات پوسٹ بکس 93 ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔ اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ـــــــ

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے شائع کیا

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/- روپئے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کالم فی سینٹی میٹر R.20/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینۂ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

سیاسی نظریات کی قیمت

ط۔ ع۔ ص

گرمیوں کا موسم اس سال بہت سخت ہے، زمین تپ رہی ہے اور آسمان آگ برسا رہا ہے، مگر کوئی نئی بات نہیں ہے، ہر سال لو چلتی ہے اور سیکڑوں انسان اور جانور ہلاک ہوا کرتے ہیں، اس کے بعد برسات آتی ہے، اور مختلف مقامات پر سیلاب آجاتا ہے جن کو مرنا ہے وہ مرتے ہی ہیں، جو گرمی کی شدت سے بچ کر نکل گئے اور برستی ہوئی آگ سے جل بھن کر خاک نہیں ہوئے وہ سیلاب کی تباہ کاریوں کا نشانہ بنتے ہیں: "تعددت الاسباب والموت واحد"۔ ذرائع متعدد ہیں اور موت ایک ہی ہے، لیکن موسم کی تپش اور لو کے جھونکوں کے علاوہ بھی ایک آگ ہے، وہ ہے سینوں کے اندر دہکنے والی بھٹی، اس آگ کی کوئی کاٹ نہیں ہے، وہ اپنی حقیقی اور واقعی صورت میں تو اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد ہی نظر آئے گی، اس جسم ناسوتی میں کہاں اس کی برداشت، اس کے تحمل کے لئے کوئی اور ہی جسم چاہئے۔ اس کو قرآن نے "نارُاللہ" اللہ کی لگائی ہوئی آگ کہا ہے، "نَارُاللهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِی تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ"

اس آگ کی تپش کو دنیا کی آگ سے کوئی نسبت نہیں، صرف ایک اندازہ اور علامت کے طور پر دیکھنا چاہیں تو سیاسی جوڑ توڑ کرنے والوں کے سینوں کے اندر دہکتی ہوئی آگ دیکھ لیجئے، اتفاق کہ اسی موسم گرما میں دلوں کو پھونک دینے والی آگ اپنے جلوے دکھا رہی ہے، سیاست کی بساط پر سر جھکائے کھلاڑیوں کی قلا بازیاں دیکھئے، سفید پوش، مہذب، تعلیم یافتہ لاکھوں کی بازی لگا کر الکشن جیتنے والے، سوچ سمجھ کر، رائے مشوروں کے بعد، جیوتشیوں کے زائچوں پر ایمان رکھنے والے طالع آزما جمع ہیں، ایک فریق نے اپنے حریف کا فرزین مار لیا، دوسرا اپنی چال لگا رہا ہے، اس معرکے میں ایک سے ایک بڑھ کر چال چلی جارہی ہے، خبروں پر یقین کیجئے یا نہ کیجئے۔ ایک فریق اپنے حریف کو کن الفاظ میں یاد کرتا ہے، گالی گلوج، فحش گفتاری کی کون سی قسم ہے جن سے ایوانِ حکومت کے در و دیوار نا آشنا ہیں، یہی نہیں مار پیٹ، اغوا حبس بے جا کے واقعات یا الزامات بھی معتبر وسائل اطلاعات کے ذریعہ آتی ہیں اور روزناموں میں شائع ہوتی ہیں تو ہم سوچنے لگتے ہیں کہ کیا یہ خبریں جوا خانوں، شراب خانوں، اور نشہ آور اشیاء کی کمین گاہوں کی ہیں مگر ہم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے کیونکہ یہ باتیں ہماری سوسائٹی کے اعلیٰ ترین نامور، قوم کے نمائندوں کی ہیں، ان میں سے ایک ایک شخص وہ ہے جو ہزاروں کے ووٹ سے جیت کر یہاں تک آیا ہے، اس نے لاکھوں لاکھ روپئے پانی کی طرح بہائے ہیں، مہینوں کی پلاننگ کے بعد الکشن میں کامیابی حاصل کی ہے، ایک ایک پارٹی کو اس نے اچھی طرح دیکھا اور پرکھا ہے، پھر اس نے اس کا انتخاب کیا ہے کہ کس پلیٹ فارم سے اس کو کامیابی حاصل ہوسکتی ہے، اگر اس کو اسمبلی کی سیٹ یا وزارت کی چمک کسی ایسی پارٹی میں نظر آئی جو کہتی ہے کہ حکومت کے حصول کا راستہ مسجدوں سے ہوکر جاتا ہے، غریب کسانوں اور پسماندہ طبقہ کے جھونپڑیوں کے کنارے سے گزرتا ہے تو اس نے ایسے راستے اختیار کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اور اگر اس کا خواب اس طرح پورا ہوتا ہوا نظر آیا کہ مسجدوں کو مسمار کرکے آگے بڑھ سکتا ہے تو اس نے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

سیاسی لوگ سیاسی لوگ ہیں، نہ آپ کے دوست ہیں اور نہ دشمن، ان کی دوستی صرف ایک چیز سے ہے جس کا نام حکومت ہے۔ اور ہاں ہم مسلمان بھی اپنے کردار کے لحاظ سے ان سے پیچھے نہیں ہیں، جو چاہئے لکھوا لیجئے، جس طرح کا چاہئے بیان دلوا لیجئے۔ اسمبلی کی ایک سیٹ یا کوئی چھوٹی موٹی وزارت کا خواب دکھا دیجئے پھر دیکھئے ہماری شوخیٔ گفتار، اور ہمارا اسلامی واخلاقی کردار، ذہن ہمارا ہوگا زبان آقا کی ہوگی، جسم ہمارا ہوگا دماغ اربابِ حکومت کا، مگر شرط صرف اس قدر ہے کہ ؎

رکھ دے کوئی پیمانۂ و صہبا مرے آگے

دعوت کا کام ہی امت مسلمہ کی اصل قدر و قیمت ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

۱۳ ار ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۳ ر جون ۱۹۹۵ء معہد الدعوۃ کے طلبہ و اساتذہ کے سامنے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ نے ذیل کی فکر انگیز تقریر فرمائی جو مدارس عربیہ کے منتھی درجات کے طلبہ اور اساتذۂ کرام کے لئے اپنے اندر بڑے رہنما اصول کی حامل ہے۔ افادۂ عام کی غرض سے تقریر ہدیۂ ناظرین ہے۔ ادارہ مولوی اکرام الحق ندوی کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے ٹیپ کرکے تقریر نقل کی۔ (ادارہ)

اما بعد أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم. وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔

یہ بات معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ اس سال خطبات، مطالعہ اور پڑھنے کے سلسلہ میں مشوروں کا سلسلہ شروع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے، یہ ایک بدیہی حقیقت اور ایک تاریخی واقعہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام مساعی اور ان کی برکات، ان کے فیوض و اصلاحات، اور ان کے ذریعہ سے عالم انسانیت کے اندر جو تعلق مع اللہ اور تعلق باللہ پیدا ہوا اور عقائد کی تصحیح ہوئی اور اصلاح اخلاق کا رجحان پیدا ہوا۔ منکرات اور مظالم کے خلاف جو رجحان پیدا ہوا۔ ان کو ختم کرنے یا ان کو بے اثر بنانے کا، اور پوری انسانیت کے رُخ کو بدلنے کا، تمدن اور معاشرت کے رُخ کو بدلنے کا جو کام شروع ہوا، اور انجام کو پہونچا، جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔ ان سب کی بنیاد دعوت تھی، نہ حکومت تھی، نہ سیاست نہ طاقت تھی، نہ منفعت تھی نہ مصلحت تھی نہ ذاتی اثر و رسوخ تھا، خالص دعوت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ میں خاص طور سے اس حقیقت اور امتیاز کو نمایاں کیا ہے اور جس نبی کے بھی حالات پڑھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ ان کے کام کی بنیاد اور ابتداء اور انتہا بھی اسی دعوت پر ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام فرمایا۔ اور انبیاء کرام نے خاص اس کی جدوجہد کی کہ ان کے تیار کئے ہوئے لوگ بھی اس ذمہ داری کو سنبھالیں اور اس کو اپنا فرض سمجھیں، اس لئے قرآن مجید میں اُمّت کے صیغے کے ساتھ کہا گیا۔ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ..... الی آخرہ۔ تم میں ایک ایسی امت رہنی چاہئے جس کا کام ہی يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ ہو (وہ خیر کی طرف بلاتے ہیں) پھر اس کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب سے بڑے مثالی، مستند اور مقبول داعیوں اور سب سے زیادہ کامیاب داعیوں کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ انبیاء علیہم السلام ہیں اگر آپ ان میں دیکھیں گے تو دعوت کی روح کیا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ دعوت ان کا مزاج تھا، ایک ہوتا ہے کام، ایک ہوتی ہے ضرورت کی تکمیل اور ایک ہوتا ہے وقت کا تقاضا، اور ایک ہوتا ہے مزاج، تو انبیاء کرام کا مزاج بلکہ ادیان کا مزاج دعوت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو جزئیات بیان کئے ہیں، انبیاء کے مکالمے اور ان کی دعوت کے طریقے نقل کئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اولاً و اصلاً وہ داعی تھے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس میں خاص امتیاز رکھنے والے دنیا میں قیامت تک ان سے نسبی و اعتقادی، اور دعوتی انتساب رکھنے والے دنیا میں قیامت تک دعوت الی اللہ، دعوت الی الآخرۃ، دعوت الی الدین، دعوت الی الفضائل، دعوت الی الانسانیۃ! ان سب کے ذمہ دار وہ ہوں گے جو حقیقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو ہیں۔ اس لیے فرمایا مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ، هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ.

مہر لگادی ہے کہ مسلمان جو آخری اُمت ہیں اور جن کے متعلق کہا گیا ہے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ، خیر امت کے اصل مورث اعلیٰ، اور اس کے بانی اور مربی، سرپرست حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، قرآن مجید میں جہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہے اس میں صاف داعیانہ روح جھلکتی ہے اور ان کو سب سے زیادہ داعی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور کسی داعی کو جو

سب سے بڑا خطرہ پیش آسکتا ہے اور بڑی سے بڑی قربانی اس کو دینی پڑتی ہے اس کا نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہی کے تذکرہ میں دو عظیم الشان قربانیاں بیان کی گئی ہیں آپ نے جب عقیدۂ توحید کا اعلان کیا اور بادشاہ وقت کی پرستش سے انکار کیا تو آگ جلائی گئی اور کہا گیا کہ اس کو اس آگ میں ڈال دو،

دیگر انبیاء کرام کے تذکروں میں ایسی کھلی آزمائش کے واقعات تاریخ میں نظر نہیں آتے پھر دوسری آزمائش جس وقت انھوں نے کہا

يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ؟

ترجمہ:۔ ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (بامر الٰہی) ذبح کرتا ہوں سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟

یہ دونوں قربانیاں ایسی ہیں جن کی داعیوں کی زندگی اور تاریخ میں کیا؟ انبیاء کرام کی تاریخوں میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے اور ان دونوں کا تذکرہ کرکے گویا اللہ تعالیٰ نے اشارہ کردیا ہے کہ داعی کو یہ مرحلے پیش آسکتے ہیں تو اسلام کی تاریخ کا، اسلام کی کامیابیوں کا، اور جو انقلاب اسلام لایا ہے اور جو کردار اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ اور جو خلا امت مسلمہ پُر کرتی ہے ان سب کا انحصار دعوت پر ہے امت جب تک دعوت سے منسلک رہے گی دنیا میں خیر کی امید ہے اور دنیا میں خیر پھیلے گی۔ اور خدانخواستہ یہ امت اگر دعوت سے مستغنی اور کنارہ کش اور بے تعلق ہوگئی تو دنیا خطرہ میں پڑ جائے گی اس لئے ضرورت ہے کہ دعوت کے پیغام کو زندہ کیا جائے اور جیسا کہ ربعی بن عامرؓ نے رستم سے کہا۔ تھا۔ جب رستم نے پوچھا تھا مَا الَّذِي جَاءَ بِكُمْ (تم کس غرض سے آئے ہو) رستم کے اس سوال کے دس جواب ہوسکتے تھے۔ اور رستم توقع کرتا تھا کہ اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ آپ لوگ سینکڑوں برس سے عیش کر رہے تھے اور ہم وہاں فاقے کر رہے تھے اور خیموں میں رہتے تھے اونٹ کا گوشت کھاتے تھے اور اس کا دودھ پیتے تھے۔ اور کھجوروں پر ہماری گذر اوقات تھی، ہم اپنا حق لینے کے لیے آئے ہیں، کیا یہ سب آپ ہی کے لیے ہے؟ ہمیں بھی حصہ رسدی ملنا چاہئے بالکل رستم اس کے لیے تیار تھا کہ اگر وہ کہیں تو ان کا جو پیدائشی اور فطری حصہ اور حق ہے ان کو دے دیا جائے اور ان سے چھٹی ملے جہاد کا بھی خطرہ نہیں رہے گا، سب لوگ واپس چلے جائیں گے، اچھا ہم تمہارا وظیفہ مقرر کرتے ہیں، ہر عرب کو اتنا ملے گا، اور تمہارے تمدّن کو بھی داخل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ رستم نے سوال اسی بنا پر کیا تھا اور ہم سمجھتے ہیں وہ ۹۰۔۹۵ فیصدی امید میں رہا ہوگا کہ جواب میں اس سے کہا جائے گا کہ ہم کو فقر و فاقے نے یہاں پہونچایا ہے۔ کیا ظلم ہے کہ آپ لوگ ایک ایک لاکھ کی ٹوپی پہنیں اور ہم بھوکے رہیں یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب رستم شکست کھا کر بھاگا ہے تو اپنے ساتھ ایک ہزار باورچی ایک ہزار گویے، ایک ہزار باز کے پالنے والے لے کر بھاگا تھا۔ اور اس پر کہا تھا کہ کیسے میرا گذارا ہوگا؟ اتنے تھوڑے آدمیوں سے ہمارا کام کیسے چلے گا؟ ساسانی حکومت پر بہت مستند اور پُر از معلومات کتاب جس کا پروفیسر اقبال نے ترجمہ کیا ہے اس کا میں نے اپنی کتاب میں حوالہ بھی دیا ہے، ہم تاریخی چیزیں سرسری طور پر پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ غور نہیں کرتے ربعی بن عامرؓ کا جواب بہترین نمائندگی کرتا ہے، ایک داعی کے جواب کی، اور وہ امت مسلمہ کو بھی اس کا مقام بتلاتا ہے۔ انھوں نے کہا!

مَا الَّذِي جَاءَ بِكُمْ قَالُوا مَا جَاءَ بِنَا شَيْئٌ اَللّٰهُ اِبْتَعَثْنَاهُ۔

(ہم کسی لالچ میں نہیں آئے ہیں ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے اٹھایا ہے)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے سوچ کر آئے تھے۔ "اَللّٰهُ بَعَثَنَا" نہیں کہا تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عسکری تھے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے اس کے لئے ووٹ نہیں لیا تھا۔ اور نہ ہی کسی سے پوچھا تھا۔ اللّٰہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة اللّٰه وحدہٗ،

ترجمہ:۔ ہم کو اللہ تعالیٰ نے نکالا ہے اور اٹھایا ہے کہ جسے اسے منظور ہو بندوں کی عبادت سے نکال کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں داخل کریں۔

فوراً ان کی تربیت سامنے آئی ہم کیا نکال سکتے، ہم کب اپنے ارادہ سے نکلے تھے فرمایا مَنْ شَاءَ جس کو اللہ تعالیٰ چاہے من عبادة العباد یہاں عبادت اصنام (بُت) ہو رہی تھی۔ عبادتِ مال و مادیت، اور جنسی تقاضوں کی ہو رہی تھی، ہر بادشاہ معبود بنا بیٹھا تھا جب وہ رستم کے دربار میں گئے ہیں تو ان کو روکا گیا کہ تم اس طرح نہیں جاسکتے۔ گھوڑا یہاں چھوڑو۔ اور ادب کے ساتھ چلو۔ انھوں نے کہا نہیں، میں بلایا گیا ہوں خود نہیں آیا ہوں، اگر تمھیں منظور نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں رستم نے کہا کہ آنے دو۔ اَللّٰهُ ابتعثنا لنخرج مَنْ شَاءَ من عبادة العباد الى عبادة اللّٰه وحدہٗ۔ ومن ضيق الدنيا الى سعتها (ترجمہ) ہم کو اللہ تعالیٰ نے نکالا ہے اور اٹھایا ہے کہ جسے اسے منظور ہو کہ بندوں کی عبادت سے نکال کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں داخل کریں، اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف نکالیں۔

یہ جملہ تو چونکا دینے والا ہے کہ آپ ضیق دنیا میں ہیں ہم آپ پر رحم کھا کر آئے ہیں، یہ تو ایسا مکالمہ ہے کہ اس کو دنیا کی مختلف زبانوں میں تشریح کے ساتھ پیش کرنا چاہئے۔ ایک ایک لفظ ایسا ہے جس کو کلام نبوت اور الہام خداوندی کہنا چاہئے۔ وہ اگر کہتے کہ "من ضیق الدنیا الی سعۃ الآخرۃ" تو ذرا بھی تعجب نہ ہوتا۔ ہر مسلمان کا ایمان اس پر ہے کہ آخرت زیادہ وسیع ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر رحم کھا کر آئے ہیں کہ تم دنیا کے ایک پنجرے میں گرفتار ہو، تم ایک بلبل کی طرح ہو کہ جس کو پانی اور دانہ ڈال دیا جاتا ہے اور اس کو وہ کھا لیتا ہے اس سے آگے وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ ایسا ہی آپ کا حال ہے کہ اگر غلام آپ کے سامنے نہ ہوں تو آپ بھوکے رہ جائیں، وہی پکاتے ہیں، وہی کھلاتے ہیں۔ وہی آپ کو پانی پلاتے ہیں۔ اور آپ کوئی جنبش نہیں کر سکتے۔ ہم آپ کو اس تنگنائے اور اس پنجرے سے نکال کر دنیا کی ہوا کھلانا چاہتے ہیں اور آزاد بنانا چاہتے ہیں۔ جو مل گیا کھا لیا، جیسے مل گیا کھا لیا، جہاں مل گیا، کھا لیا لیکن آپ اپنے غلاموں کے غلام ہیں، اپنے باورچیوں کے غلام ہیں، اپنے محافظوں اور دستے کے غلام ہیں اور ان برتنوں اور ظروف کے غلام ہیں تاریخ کا یہ واقعہ ہے کہ جب کسریٰ نکلا، راستے میں اس کو پیاس لگی، کسی نے بتایا کہ یہاں پانی مل جائے گا، جب وہ وہاں گیا تو جس برتن میں پانی لایا گیا اس کو دیکھ کر اس نے کہا کہ میں مر جاؤں گا تب بھی اس برتن میں پانی نہیں پی سکتا" من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ وحدہ، ومن ضیق الدنیا الی سعتها، ومن جور الادیان الی عدل الاسلام"

ہم مذاہب کے ظلم و جور سے آپ کو نکال کر اسلام کے عدل کے سائے میں لانا چاہتے ہیں۔

بہرحال یہ دعوت ہی اس امت کی قدر و قیمت ہے اس کے وجود کی اصل علت ہے۔ اللہ پاک نے اس کو باقی رکھا ہے اور اس کے سرچشمے قرآن کو بھی باقی رکھا ہے سیرت نبوی اور سنتِ داعی، عربوں اور داعیان اولین کی تاریخ، بلکہ پوری تاریخ داعیوں سے بھری ہوئی ہے، تاریخ دعوت و عزیمت میں کہا گیا ہے کہ کوئی دور خالی نہیں رہا۔ کہ وقت اور تقاضے کے مطابق داعی نہ پیدا ہوا ہو، وقت پر فتنوں کا مقابلہ کرنے والا دنیا کے اسٹیج پر ظاہر نہ ہوا ہو۔ اس کی مثال کسی غیر مذہب میں نہیں ملتی ہے، ہم نے دعوت و عزیمت میں غیروں کے بعض اعترافات کو نقل کیا ہے۔ شنکر آچاریہ سے پہلے صدیاں گذر گئیں شنکر آچاریہ نے کیا اصلاح کا کام کیا۔ انھوں نے تو بُت پرستی کی حمایت کی اور عیسائیت کا حال تو یہ ہے کہ سینٹ پال جو ستر برس کے بعد پیدا ہوا۔ اس نے تو عیسائیت کو دوسری پٹری پر ڈال دیا۔ بالکل ضلال پر، جس کے معنی ہم اردو میں سمجھ نہیں پاتے ہیں۔ گمراہی یہ ہے کہ مثلاً مشرق کی طرف جانا ہو اور مغرب کی طرف پلٹ جائے۔ یہ معنی ولا الضآلین میں بھی سمجھنا چاہئے۔ اصل ضلال یہ ہے کہ راستہ اور رُخ بدل جائے۔ مشرق کے بجائے مغرب کی طرف چلے۔ اس کے لئے اس سنت کو باقی رکھا گیا ہے، اور قرآن مجید اس کے ہاتھ میں دیا گیا ہے سیرت نبوی موجود ہے داعیوں کے واقعات و حالات موجود ہیں کوئی بھی دور و وقت کے مخلص داعی سے خالی نہیں رہا۔ اگر کوئی دعویٰ کے ساتھ کہے کہ اس امت میں دس سال تک کوئی داعی نہیں پیدا ہوا تو یہ سراسر غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر زمانہ اور ہر دور میں داعی پیدا کرتا رہا ہے ہم بہت خوش ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور در حقیقت ندوۃ العلماء کی بنیاد دعوت ہی پر پڑی ہے۔ مدارس بہت تھے لیکن اس عہد کے تعلیم یافتہ لوگوں کو اس دین کی اہمیت اور ضرورت سمجھانے اور وقت کے فتنوں کے مقابلہ کی صلاحیت پیدا کرنے والی چیز تقریباً مفقود اور ثانوی درجہ میں تھی۔ ندوۃ العلماء کی تحریک کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ عہد کے مطابق اور مزاج کے مطابق اس کی کمزوریوں اور فتنوں کے مطابق اور چیلنجوں کے مطابق لوگ تیار کئے جائیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور یہاں ایسے داعی پیدا ہوں۔ ہم علامہ شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کی "سیرت النبیؐ" کو، اور سید صاحب کے "خطبات مدراس" کو، مولانا شبلی کی کتاب "الفاروق" کو اور دار المصنفین کے کام کو یہاں تک کہ ندوۃ العلماء کے نصاب کو بھی دعوت کا جزء سمجھتے ہیں جب ان کتابوں کا ذکر آ گیا تو ہم عرض کرتے ہیں کہ جب ہم نے یہ سوال اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے پاس بھیجا کہ آپ کی محسن کتابیں کیا ہیں؟ ان کو لکھئے تو میاں بشیر احمد نے لکھا کہ جب میں آکسفورڈ میں پڑھتا تھا تو کئی بار مجھ پر الحاد کے حملے ہوئے۔ جب کبھی حملہ ہوتا تو "الفاروق" میرے سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی تھی کہ جس کی یہ سیرت ہے وہ گمراہی پر نہیں ہو سکتا یہ سارا علمی کام جو کچھ ہوا ہے دار المصنفین، ندوۃ العلماء یا اس سے استفادہ کرنے والے کے ذریعہ یا شعبہ کے ذریعہ ہوا۔ اور ان سب کی قدر مشترک دعوت ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مدارس کے ذمہ داروں اور کارکنوں کے لئے چند اہم ہدایات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

انتخاب: مولوی محمد اسمٰعیل ندوی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی علمی و روحانی شخصیت جو اخلاص، للّٰہیت ایمان و احتساب، اپنے اساتذہ و شیوخ کے معاملہ میں کامل اطاعت و انقیاد، مربیوں اور محسنوں کے سلسلہ میں مکمل تفویض و تسلیم، مقاصد زندگی کے بارے میں توکل و قناعت، اعتماد علی اللہ بلا ایثار و قربانی، محنت و مطالعہ اور حصول کمال کے سلسلہ میں استغراق و خود فراموشی معاصرین کے ساتھ تعلقات میں تواضع و اعتراف، مختلف الخیال عناصر، افراد و جماعتوں کے سلسلہ میں حسن ظن، التماس عذر اور جمع بین الاضداد کی قوت و صلاحیت، کمالات علمی اور مدارج باطنی کے حصول میں علو ہمت و مجاہدہ، لنفقار کا رد شر کا اجابت کے بارے میں اپنے فرائض کی ادائیگی سے سروکار اور اپنے حقوق کے مطالبہ سے خاموشی کا نمونہ تھی وہ عوام و خواص سب میں معروف اور جانی پہچانی شخصیت ہے اگر فن حدیث پر حضرت شیخ کے علمی کام کے ذریعہ عرب و عجم کے علمی حلقے اور خواص واقف ہیں تو فضائل اعمال جیسی کتابوں کے ذریعہ جو دنیا کے کونے کونے میں پڑھی جاتی ہے اور بے شمار مساجد میں کسی نہ کسی نماز کے بعد ان کا درس ہوتا ہے۔ عوام بھی اچھی طرح واقف ہیں۔

حضرت شیخؒ نے اپنی آپ بیتی بھی جو مدرسہ مظاہر العلوم کی ساٹھ سالہ زندگی کے علاوہ دکواللہ دنت کے مشائخ و بزرگوں کے اخلاص و کارناموں پر مشتمل ہے لکھی ہے یہ آپ بیتی اصلاح و تربیت کے بہت سے پہلوؤں پر مشتمل ہے لیکن خاص طور پر مدارس کے ذمہ داروں و اساتذہ و کارکنوں کے لئے جو چیزیں مفید ہیں ان کو ہم ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ خود فرماتے ہیں۔ اپنے ساٹھ سالہ قیام مظاہر العلوم کے دوران جو کچھ دیکھا اور اکابر کے متعلق سنا وہ کچھ حذف و اضافے کے ساتھ اجمالاً دوستوں کے سامنے آجائے.... کہ آئندہ کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ اکابر کا معمول مدارس کے سلسلہ میں کس قدر احتیاط اور شدت کا رہا، دیکھا اور سنا تو بہت کچھ، ان سب کا احصار دشوار بھی ہے اور طویل کتاب چاہتا ہے۔ لیکن نمونے کے طور پر چند واقعات اہل مدارس کی خدمت میں ضرور پیش کرنے کو جی چاہتا ہے کہ کسی اللہ کے بندے کو ان اکابر کے اتباع کی توفیق نصیب ہو جائے۔ ______ (ادارہ)

قدوۃ الاتقیاء حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ، سرپرست دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم سہارنپور کا یہ مقولہ بہت ہی مشہور تھا اور سنا بھی ہے۔ کہ مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی سے نہیں لگتا۔ اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو، وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے، خیانت کرے، کسی قسم کا نقصان پہونچائے۔ ملازمت سے علاحدہ ہوتے ہوئے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے تو معاف ہو سکتا ہے۔ لیکن مدرسوں کا روپیہ جو عام غرباء اور مزدوروں کے دو دو پیسے ایک ایک آنے کا چندہ ہوتا ہے ہم سب سرپرستان مدرسہ اس کے مالک تو ہیں نہیں، امین ہیں۔ اگر اس مال کے اندر افراط و تفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے معاف تو ہو نہیں سکتا، اس لئے کہ دوسرے کے مال میں ہم کو کیا حق ہے اتنا ضرور ہے کہ ہم اگر بہ مصالح مدرسہ چشم پوشی کریں تو اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگذر فرمائے۔ لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک رہے لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہو سکتا کہ حقوق العباد ہے، اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر کہ ان سے معاف نہیں کرایا جا سکتا۔

حضرت اقدس شیخ المشائخ المحدثین مولانا الحاج احمد علی صاحب محدث سہارنپوری بخاری، ترمذی، کتب حدیث کے محشی اور مشہور عالم محدث ہیں۔ جب مظاہر العلوم کی قدیم تعمیر کے چندے کے سلسلے میں کلکتہ تشریف لے گئے کہ وہاں مولانا کا اکثر قیام رہا ہے۔ اور وہاں کے لوگوں سے وسیع تعلقات تھے۔ تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کی آمد و خرچ کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا تو وہ رجسٹر میں نے خود پڑھا۔ اس میں ایک جگہ لکھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا۔ اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا لیکن میری سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی چندے کی نہیں تھی۔

اس لئے وہاں کی آمد و رفت کا اتنا کرایہ حساب سے وضع کر لیا جائے۔

حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہٗ جو گویا مظاہر علوم کے بانی ہیں، کا یہ معمول میری جوانی میں عام طور سے مشہور اور لوگوں کو معلوم تھا کہ مدرسہ کے اوقات میں جب کوئی مولانا قدس سرہٗ کا عزیز ذاتی ملاقات کے لئے آتا، تو اس سے باتیں شروع کرتے وقت گھڑی دیکھ لیتے اور واپسی پر گھڑی دیکھ کر حضرت کی کتاب پر ایک پرچہ رکھا رہتا تھا۔ اس پر تاریخ وار ان وقتوں کا اندراج فرما لیتے تھے اور ماہ کے ختم پر ان کو جمع فرما کر اگر نصف یوم سے کم ہوتا تو آدھ روز کی رخصت اور اگر نصف یوم سے زائد ہوتا تو ایک یوم کی رخصت مدرسے میں لکھوا دیتے، البتہ اگر کوئی فتوہ وغیرہ پوچھنے آتا تھا یا مدرسہ کے کسی کام سے آتا تو اس کا اندراج نہیں فرماتے تھے۔

حضرت اقدس سیدی مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ جب یکسالہ قیام حجاز کے بعد آخر ۳۴ھ میں مظاہر علوم میں واپس تشریف لائے تو میرے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ نور اللہ مرقدہٗ کا شروع ذیقعدہ میں انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت نے مدرسہ سے تنخواہ لینے سے یہ تحریر فرما کر انکار کر دیا تھا کہ میں اپنے ضعف و پیری کی وجہ سے کئی سال سے مدرسہ کا کام پورا نہیں کر سکتا، لیکن اب تک مولانا محمد یحییٰ صاحب میری نیابت میں دورہ کے اسباق پڑھاتے تھے اور تنخواہ نہیں لیتے تھے، وہ میرا ہی کام سمجھ کر کرتے تھے۔ اور میں اور وہ دونوں مل کر ایک مدرس سے زیادہ کام کرتے تھے، اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور میں مدرسہ کی تعلیم کا پورا کام نہیں کر سکتا، اس لئے قبول تنخواہ سے معذور ہوں۔ اس پر حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے بڑی طویل تحریرات ہوئیں۔ حضرت رائے پوری نے لکھا کہ آپ کے وجود کی مدرسے کو سخت ضرورت ہے۔ آپ کے وجود سے مدرسہ کا سارا نظام باحسن وجوہ قائم ہے، اس لئے آپ کو مدرسہ اب تعلیم کی تنخواہ نہیں دے گا بلکہ ناظم مدرسہ کی تنخواہ دے گا، حضرت کے مدرسہ میں تشریف نہ رکھنے سے مدرسہ کا سخت نقصان ہے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت رائے پوری کی بڑی تائید فرمائی۔ حضرت سہارنپوری نے تنخواہ لینی قبول فرمائی۔

اس سے قبل کا قصہ تو بہت ہی مشہور ہے کہ حضرت سہارنپوری کی تنخواہ چالیس تھی اور عرصہ تک یہی رہی اور جب بھی ممبران مدرسہ کی طرف سے حضرت کی ترقی کا مسئلہ پیش ہوتا تو حضرت ارشاد فرماتے کہ میری حیثیت سے یہ بھی زائد ہے، مگر جب ماتحت مدرسین کی تنخواہ چالیس تک پہونچ گئی تو ممبران نے اصرار کیا کہ آپ کی وجہ سے نیچے کے مدرسین کی تنخواہ رک جائے گی کہ صدر مدرس سے دوسروں کی تنخواہ بڑھ جائے۔ اس پر حضرت نے اضافہ قبول فرمایا۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے متعلق بھی اس نوع کا قصہ بھی مشہور ہے کہ حضرت نے پچاس سے زیادہ کے اضافے کو قبول نہیں فرمایا۔ لیکن عرصے بعد اسی اشکال کی وجہ سے حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے اضافہ قبول فرمایا۔

میں نے خود تو یہ واقعہ نہیں دیکھا، مگر دو واسطوں سے سنا ہے کہ حضرت اقدس سہارنپوری کی خدمت میں ایک صاحب عزیزوں میں سے جو بڑے رتبے کے آدمیوں میں سے تھے، ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ حضرت سبق پڑھا رہے تھے اختتام سبق تک تو حضرت نے توجہ بھی نہ فرمائی۔ ختم سبق کے بعد حضرت ان کے پاس تشریف لائے۔ انھوں نے اصرار کیا کہ حضرت اسی جگہ تشریف رکھیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مدرسہ نے یہ قالین اسباق پڑھانے کے لئے دیا ہے ذاتی استعمال کے لئے نہیں دیا اس لئے اس قالین سے علاحدہ بیٹھ گئے۔ البتہ یہ واقعہ میرا ہمیشہ کا دیکھا ہوا ہے کہ مدرسہ قدیم (دفتر مدرسہ) میں حضرت کی ہمیشہ دو چارپائی رہتی تھیں انھیں پر حضرت آرام فرماتے تھے، انھیں پر بیٹھتے تھے۔ مدرسہ کی اشیاء کو میں نے استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مظاہر علوم کا جب سالانہ جلسہ ہوتا تھا میں نے اکابر مدرسین و ملازمین میں سے کبھی کسی کو جلسہ کے کھانے یا چائے یا پان کو کھاتے نہیں دیکھا۔ جملہ حضرات اپنا اپنا کھانا کھاتے تھے، جب بھی وقت ملے، البتہ حضرت قدس سرہٗ مدرسہ کے خصوصی مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے۔ لیکن حضرت کے مکان سے دس بارہ آدمیوں کا کھانا آتا تھا جو متفرق مہمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے، مدرسہ کی کوئی چیز کھاتے نہیں دیکھا۔ مولانا عنایت الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ دو شب و روز مدرسہ کے اندر رہتے اور ظہر کے وقت یا رات کے بارہ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر ٹھنڈا اور معمولی کھانا تنہا کھا لیتے تھے۔ مولانا ظہور الحسن صاحب مدرس مدرسہ اس زمانہ میں مطبخ طعام کے منتظم ہوتے تھے اور چوبیس گھنٹہ مطبخ کے اندر رہتے تھے، لیکن سالن چاول وغیرہ کا نمک کسی طالب علم سے چکھواتے تھے خود نہیں چکھتے تھے۔ جب وقت ملتا اپنے گھر جا کر کھانا کھا آتے۔ اسی طرح سے دیگر اکابر مدرسین کو میں نے کوئی شے مدرسہ کی چکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان سب احتیاط کے باوجود حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ ۴۴ھ میں مستقل قیام کے ارادے سے جب حجاز تشریف لے گئے تو اپنا ذاتی کتب خانہ یہ فرما کر مدرسہ کے اندر وقف کر گئے تھے کہ نہ معلوم مدرسہ کے کتنے حقوق ذمہ رہ گئے ہوں گے۔ (جاری)

ہم حق پر ہیں اور فتح ہماری ہوگی!

علی عزت بیگوویچ (صدر بوسنیا) — ترجمہ:۔ سید مسعود حسنی

بوسنیا کے صدر "علی عزت بیگوویچ" نے کویت سے شائع ہونے والے ایک ہفتہ وار میگزین "الخیریہ" کو انٹرویو دیتے ہوئے زور دے کر یہ بات کہی کہ بوسنیائی عوام مسلسل تین سال سے سربوں کے ظلم وستم کا سامنا کر رہے ہیں، اور بوسنیائی مسلمانوں پر یہ جنگ تھوپی گئی ہے، اور ان کو اپنی عزت وآبرو اور اپنے دین کے دفاع کی خاطر ہتھیار اٹھانے پر مجبور کیا گیا ہے اور اب وہ دن دور نہیں جب بوسنیائی فوج کے ہاتھ میں فتح کا پرچم ہوگا، اور ان کے دشمنوں کو ذلت ورسوائی اٹھانی پڑے گی، اس لئے کہ جس جھنڈے تلے وہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر رہے ہیں، وہ جھنڈا ہے، ایمان ویقین کا، اور جو دل ایمان ویقین سے معمور ہوتے ہیں وہ کبھی شکست نہیں کھاتے۔

بوسنیا کے صدر نے اسلامی ملکوں سے اپیل کی ہے کہ وہ بوسنیا وہرزےگووینا میں اپنے مجاہد بھائیوں کی ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کریں۔

بوسنیا کی موجودہ صورتحال کے بارے میں انھوں نے کہا کہ بوسنیا میں جنگ برابر جاری ہے، اور جنگ کا مقصد جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کی واپسی اور اپنے اسلامی تشخص کی حفاظت ہے، ہماری کوشش ہے کہ ہمارے ملک کی سالمیت برقرار رہے، اور اس کی تقسیم کا جو خواب دیکھا جا رہا ہے وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے اس کے لئے ہم سرب اور کروٹشیوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ اس ملک میں مل جل کر رہیں، یہاں ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو ہم کو حاصل ہو سکتے ہیں۔

بوسنیا میں ہماری اکثریت ہے، دو لاکھ فوجیوں پر مشتمل ایک فوج ہم نے یہاں تیار کر لی ہے اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمکو یہاں سے بے دخل کر کے حکومت کی باگ ڈور خود سنبھالیں تو یہ ناممکن ہے، کیونکہ ہماری فوج میں برابر اضافہ ہو رہا ہے، جب اپریل ۱۹۹۲ء میں جنگ شروع ہوئی تھی تو اس وقت ہمارے پاس صرف پندرہ ہزار افراد مسلح تھے اور سب کے سب غیر تربیت یافتہ تھے، لیکن اپریل کا مہینہ ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ہمارے فوجیوں کی تعداد پچاس ہزار تک پہونچ چکی تھی، اور وہ سب کے سب تربیت کے مراحل سے گزر چکے تھے ۱۹۹۴ء کے اخیر میں ہماری فوج کی نفری طاقت دو لاکھ تربیت یافتہ مسلم افراد ہوگئی، ملک میں امن وسلامتی کا قیام اس کا اولین مقصد ہے، تاکہ کشمکش ختم ہو، دلوں کی نفرت دور ہو، اتفاق کا ماحول ہو، یہ اس کا پیغام ہے، اور اس کے لئے گفتگو کا سلسلہ بھی جاری ہے، نتیجہ کیا نکلے گا، آئندہ کیا ہوگا اس کا علم صرف خدا کو ہے، لیکن ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم جہاد کرتے رہیں، اپنی کوشش کرتے رہیں، بہتر سے بہتر طریقے اختیار کرتے رہیں۔ اور ہر معاملہ میں اللہ ہی سے امید رکھیں، انجام اسی کے ہاتھ میں ہے، اور مستقبل اسی کے قبضہ میں ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس ملک کی سالمیت برقرار رکھنے میں انشاء اللہ ہم کامیاب ہوں گے، لیکن یہ مقابلہ ایک طویل مقابلہ ہے، اتنی بات ہے کہ تھکن کے آثار سب پر ظاہر ہیں، ان پر بھی اور ہم پر بھی، کیونکہ تین سال گذر چکے ہیں اور جنگ کا سلسلہ جاری ہے لیکن ہمیں خدا پر بھروسہ ہے، اور دل کو یقین ہے کہ اگر اللہ رب العزت نے چاہا تو ہم کامیاب ہوں گے۔

س:۔ جناب صدر! اپنی قوم کو اسلام سے متعارف کرانے کے لئے آپ نے کیا پروگرام بنایا ہے؟

ج:۔ بوسنیا میں تعلیم عام ہے، ہماری ۹۸ فیصد آبادی تعلیم یافتہ ہے، اب ہماری پہلی کوشش یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کے لئے ایسی تعلیم کا نظم کریں کہ وہ اپنے دین سے واقف ہوں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل پیرا ہوں۔ میری کوششوں کے دو محور ہیں ایک دین دوسرا علم،

س:۔ جناب صدر! بوسنیا میں جہاد کی ابتدا کیسے ہوئی؟

ج:۔ میں زراعت کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا، لیکن بعض اسباب کی بنا پر میں نے لا کالج میں داخلہ لے لیا، اور ۱۹۵۰ء میں فارغ ہوا، اور ۱۹۶۰ء میں وکالت کے پیشہ سے منسلک ہوگیا، اور میں نے (الاسلام مشرق اور مغرب کے درمیان) ۲۵ سال کی عمر میں تصنیف کی، اسی وقت سے میرا ارادہ اس کو طبع کرانے کا تھا، لیکن اس کی نوبت کتاب لکھنے کے بیس سال کے بعد آئی اور اس طرح یہ کتاب ۱۹۷۵ء میں منظر عام پر آئی، اس دوران میں نے بعض مضامین اور مقالات بعض دوسرے ناموں سے لکھے جو اخبارات ورسائل میں شائع ہوئے، لیکن کسی نہ کسی طرح کمیونسٹوں کو ان مضامین کے لکھے جانے کا علم ہوگیا اس طرح ۱۹۸۳ء میں مجھ کو دوسری مرتبہ قید خانہ میں پہونچا دیا گیا میں نے ابھی چھ ہی سال قید میں گزارے تھے کہ کمیونسٹ حکومت کا زوال ہوگیا، میں جیل سے نکلا، جیل سے نکلنے کے بعد میں نے ایک پارٹی کی

تشکیل کی جس کا نام بوسنیائی مسلم پارٹی رکھا، ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں ہماری پارٹی کو بڑی کامیابی حاصل کی۔

مسلمان اور کروشس

س:۔ جناب صدر! جب ہم آپ سے بوسنیا کی عوام اور کروشیوں کے تعلقات کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں تو ہم یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ موجودہ صورتحال میں ان کا موقف اس سلسلہ میں کیا ہے؟

ج:۔ کروشین ہمارے موقف کی تائید کرتے ہیں، لیکن جہاں تک سربوں کا تعلق ہے تو وہ کروشیوں کو ہمارا حلیف مانتے ہیں۔ بوسنیا میں مسلمانوں اور کروشیوں کے درمیان فیڈرل اتحاد قائم ہو چکا ہے، مگر سربوں کو اس اتحاد پر اعتراض ہے اور اسی کو بہانہ بنا کر انھوں نے تقسیم کے سب سے پہلے نقشہ کو رد کر دیا ہے، لیکن ان حادثات پر کتنا افسوس کیا جا سکتا ہے، جو مغربی سیاست میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ بوسنیا میں اب جو کچھ پیش آ رہا ہے آپ اس کو دیکھ رہے ہیں یہ موقف اس بات کی صریح دلیل ہے کہ یورپ اپنے درمیان سے اسلامی سلطنت کو مٹا کر یوری سلطنت قائم کرنا چاہتا ہے، اور اس کی تصدیق چیچنیا کی صورت حال کرتی ہے، جہاں تک یورپ کا تعلق تو وہ اس وقت اسلام سے بہت زیادہ خائف ہے، اور اس بات کی پوری کوشش کر رہا ہے کہ کسی طرح یورپ اور بعض دوسرے ممالک میں اسلامی طاقت کو ابھرنے کا موقع نہ دے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، چنانچہ اسلام کو پھیلنا ہے وہ پھیل کر رہے گا۔ جو اسلام کے مقابلہ میں آئے گا انشاء اللہ وہ خود بکھر جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے،

"وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ"

س:۔ جناب صدر! جو جنگ بوسنیا میں ہو رہی ہے، اس کے سلسلہ میں اسلامی ممالک کا کیا موقف ہے، اور آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

ج:۔ میں پورے وثوق کے ساتھ یہ کہوں گا کہ ایک حد تک یہ موقف ایجابی ہے، لیکن اب تک کسی نے بھی مطلوبہ کردار نہیں ادا کیا ہے، اور میں تمام مسلمانوں تک آپ کے جریدے کے ذریعہ اس پیغام کو پہونچانے کے لئے اس موقع کو غنیمت جانتا ہوں کہ وہ بوسنیا کے مسلمانوں کی مادی اور معنوی بلکہ ہر طرح کی مدد کریں اور ان کی مدد کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں، تاکہ وہ سرب درندوں سے اپنی کھوئی ہوئی زمین کو واپس لے سکیں، اور ان حملوں کو روکیں جو وہ ہماری قوم پر کر رہے ہیں، یہاں قتل و غارتگری کا بازار گرم ہے، مساجد کی بے حرمتی کی جا رہی ہے خواتین کے ساتھ بدسلوکی کی جا رہی ہے، گھروں سے ان کو اغوا کیا جا رہا ہے، ان کی عزتوں کو پامال کیا جا رہا ہے، انسانیت کو کچلا جا رہا ہے اس کے چہرے کو داغدار بنایا جا رہا ہے۔ ہم کو اپنے ملک میں مجاہدین تک اسلحہ پہونچانے میں متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہتھیار کا ایک ذخیرہ ہم اپنے ہی ملک کے بعض فوجی کارخانوں سے حاصل کرتے ہیں، جس کا تناسب ۵۰ فیصد ہے، اور یہ کارخانے خود بوسنیا میں موجود ہیں، اور ہتھیار کا دوسرا حصہ دشمن کے ساتھ ان معرکوں میں مال غنیمت کے طور پر حاصل کرتے ہیں، جس میں وہ شکست کھا کر اپنے ہتھیار چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے تیسرا حصہ ہم کروشیوں کے اسلحوں سے حاصل کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ہم سربوں کے ساتھ ان کی جنگ میں ان مدد کرتے ہیں، کچھ ہتھیار ہم سرب تاجروں سے بھی خریدتے ہیں لیکن ہمیں اس کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت پڑتی ہے، اور یہ ہمارے لئے مشکل کام ہے، اسی لئے ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہتھیار کی فراہمی میں ہماری مدد کریں۔

جہاں تک سربوں پر کئے گئے ناٹو کے ان فضائی حملوں کا تعلق ہے، تو یہ حملے اس انتقامی کارروائی کا نتیجہ تھے، جو شہر بیہاتش کے محاصرہ کے دوران سربوں نے اس کے باشندوں پر کئے تھے، یہ حملے اقوام متحدہ کے اشارہ پر راکٹ کے ان ٹھکانوں پر کئے گئے جنا ٹو کے جہازوں پر راکٹ داغتے تھے اور اس کی پلاننگ بہت باریکی سے طے کی گئی تھی، تاکہ اقوام متحدہ کو بہت ہی کم نقصان پہونچے، اور یہ سارے امور اس امریکی کارروائی کے نتیجہ میں سامنے آتے ہیں جس کا سامنا بوسنیائی کر رہے ہیں، اس سیاست کا بنیادی ہدف اقوام متحدہ اور اس کی سرپرستی میں کام کرنے والی طاقتوں کی حمایت ہے انسانیت کی مدد کرنے کے نام سے۔

س:۔ بوسنیا میں کشمکش کا ختم ہونا کیسے ممکن ہے، اور دوسری طاقتوں پر اسلامی طاقت کا غلبہ حاصل کرنا کیسے ممکن ہے؟

صدر نے جواب دیا! میں سمجھتا ہوں کہ میں نے کوئی حل چھوڑا نہیں جس کو ہم نے پیش نہ کیا ہو، ہم شروع میں عالمی تنظیموں کی بنائی ہوئی اسکیم کو قبول کر چکے تھے اور بوسنیا کی (۵۰ فیصد) زمین مسلمانوں اور کروشیوں کو ان کے غلبہ کی وجہ سے دے دی گئی تھی، جب کہ بوسنیا کے سربوں کو تنہا (۴۹ فیصد) زمین دی گئی، لیکن ہماری اس اسکیم کے قبول کرنے سے پہلے ہی سربوں نے اس کو رد کرنے کا اعلان کر دیا، اسی وجہ سے جب ہمیں سربوں کے اس معاندانہ رویہ کا علم ہوا تو ہم نے تقسیم کی بنیاد پر قائم ہونے والے ہر معاہدہ کا انکار کر دیا، سربوں نے بوسنیا کی زمین میں سے مسلمانوں کو صرف پندرہ ۱۵ فیصد حصہ دینے کی تجویز پیش کی،

باقی صفحہ ۲۴ پر

حضرت جی، مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال پر ندوۃ العلماء کی

وسیع و عریض مسجد میں تعزیتی جلسہ

شیخ ابرار احمد۔ علیا ثانیہ شریعہ

عالم انسانی میں یوں تو آنے اور جانے کا سلسلہ قائم ہے۔ اور جو آیا ہے اس کو جانا ہے کل نفس ذائقۃ الموت، لیکن بعض نفوس ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے رخت سفر پر عالم انسانی کو دھچکا لگتا ہے۔ زمین اس پر کف افسوس ملتی ہے اور آسمان نوحہ خواں ہوتا ہے، گردش لیل و نہار پر اداسی چھا جاتی ہے اور ساری دنیا غم میں ڈوب جاتی ہے۔

یہی کچھ حال حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی امیر تبلیغ اور جانشین حضرت مولانا الیاس بانی تبلیغ علیہ الرحمۃ کا نظروں کے سامنے آیا"۔ ۱۱ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ کی صبح جب ندوۃ العلماء کی پرسکون علمی و ثقافتی فضا میں یہ خبر پر ملال، باد نسیم کے جھونکوں کی سنسناہٹ کے ساتھ جس کان سے ٹکراتی اس پر ایک سکتہ طاری ہو جاتا۔ تمام طلباء و اساتذہ پر حزن و ملال، رنج و غم کے آثار نمایاں تھے۔ اور جیسا کہ وقت کا تقاضا تھا، معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی کے ایماء پر تعزیتی جلسہ کا انعقاد ہوا"۔ جلسہ کا آغاز برادرم محمد عمران راجستھانی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، پھر دارالعلوم کے استاذ مولانا عبدالقادر صاحب ندوی نے مولانا انعام الحسنؒ کی حیات پر مختصر روشنی ڈالی، طلباء کو صبر و سکون کی تلقین کی اور طلباء کی توجہ کو دو اہم امور کی طرف مبذول کرایا۔

۱۔ مولانا مرحوم کے کام کو اپنا کام بنائیں۔

۲۔ ایصال ثواب کی ترغیب دی۔

پھر معتمد تعلیمات استاذ الاساتذہ مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی نے طلباء و اساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ طالب علمی سے ہی مجھے اس کام سے تعلق ہے اور جماعتوں میں بھی گیا ہوں اور مولانا الیاس صاحبؒ و مولانا یوسف صاحبؒ کے محاسن و اوصاف حمیدہ اور ان کی مسلسل قربانیوں کا ذکر کیا اور آپ نے فرمایا، مولانا انعام الحسن صاحبؒ اگرچہ تقریر کے عادی نہیں تھے لیکن جب بولتے تو دل سے بولتے تھے اس لئے ان کی بات دل پر ہی اثر کرتی تھی، لیکن زبان سے بڑھ کر سیرت مؤثر ہوتی ہے، حقیقتاً آپ کی سیرت بولتی ہوئی زبان تھی، اور آپ کی لسان ساکت وہ کام کر جاتی تھی جو لسان ناطق نہیں کر پاتی۔ دعائے نیم شبی اور آہ سحر گاہی سے زبان میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، اور انابت الی اللہ کی دولت جب حاصل ہو جاتی ہے تو سیرت کی تعمیر ہوتی ہے اس وقت بے زبانی زبان بن جاتی ہے، اس میں وہ طاقت آجاتی ہے جو پتھر کو موم کر دے، ایمان و تقوی کا حصار قائم ہو جاتا ہے۔ مولانا انعام الحسن علیہ الرحمۃ علم و وقار، انابت الی اللہ کے پیکر اور خلوت کے خوگر تھے اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی فکر اور آپ کے مزاج شناس تھے اصابت رائے میں ممتاز تھے، آپ کی بات مختصر لیکن جاندار اور پختہ ہوتی تھی جس کو قرآن نے قول سدید کہا ہے لہٰذا آج سب سے بڑی تعزیت یہ ہے کہ جو کام میں لگے ہوئے ہیں وہ اعتماد کے ساتھ اس میں وقت لگاتے رہیں۔ اور جو نہیں لگے ہیں وہ بھی لگیں۔

آپ کے بعد استاذ تفسیر و حدیث مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب نے خطاب کیا۔ آپ نے ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا کہ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ تبلیغ میں لگنے والے علم سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے، لہٰذا آپ نے مولانا یوسف صاحبؒ کی علمی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی تصانیف (۱) طحاوی کی شرح، (۲) حیاۃ الصحابہ کے مقام اور اس کی مقبولیت کو بتایا۔

آخر میں مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تیقظ و قوت حافظہ کا واقعہ سنایا اور بتایا کہ مولانا مرحوم اس پیرانہ سالی میں بھی حاضر دماغ، قوی الحافظہ اور بیدار مغز تھے۔ اس کے بعد ناظر کتب خانہ شبلی، استاذ و بزرگ، مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب مظاہری نے دعائے مغفرت فرمائی۔ اساتذہ و طلباء نے بھی دعاؤں اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا۔

(بقیہ)

حضرت شیخ شرف الدین منیریؒ

"توبہ تو اس طرح ہوتی ہے اور مرید اس موقع پر تائب ہوتا ہے اس کو گردش کہتے ہیں، یعنی پلیدگی و آلودگی کی حالت سے پاکی کی حالت میں وہ تبدیل ہو گیا، کلیسا تھا مسجد ہو گیا، بت خانہ تھا عبادت گاہ بن گیا، سرکش تھا انسان بن گیا، مٹی تھا سونا بن گیا، اندھیری رات تھی روز روشن ہو گیا،

حضرت جی کے حادثہ وفات پر

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کا تعزیتی بیان

ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے امیر جماعت تبلیغ دہلی مولانا انعام الحسن کاندھلوی کے سانحہ ارتحال پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے انھیں ایک ممتاز عالم دین قرار دیا اپنے تعزیتی بیان میں ان کی مغفرت اور رفع درجات کی دعا کرتے ہوئے مولانا نے کہا کہ تفسیر وحدیث و فقہ کے علاوہ نصابی کتابوں اور دینی ماخذ پر مرحوم کی گہری نظر تھی اور ایک عرصے تک وہ درس و تدریس میں مصروف رہے۔

انھوں نے کہا کہ مولانا انعام الحسنؒ اس وقت عالم اسلام کی سب سے وسیع، مقبول، مؤثر دعوتی تحریک کے امیر و قائد تھے۔ حضرت مولانا مدظلہٗ حضرت جی کے انتقال کے وقت اپنے علمی کاموں کی وجہ سے بمبئی میں تھے۔ حادثے کا علم ہوتے ہی اخبارات کے لئے مذکورہ تعزیتی بیان جاری کیا۔ اور بعد میں دہلی تشریف لے گئے ان کی معیت میں نائب ناظم مولانا معین اللہ ندوی، معتمد تعلیمات مولانا عبداللہ عباس ندوی اور مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء بھی تشریف لے گئے۔

حضرت جی کی وفات ایک بڑا سانحہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم کا تعزیتی بیان

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے ایک تعزیتی بیان میں امیر جماعت مولانا انعام الحسن صاحب کی وفات کو ایک بہت بڑا سانحہ قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کا صدمہ دنیا کے ان کروڑوں مسلمانوں نے محسوس کیا ہوگا جن کو مولانا کی دعوت و اصلاح کا فیض پہنچتا رہا ہے بیان میں کہا ہے کہ مولانا مرحوم علوم دین کے ایک عظیم المرتبت استاذ اور زہد و تقویٰ میں بلند پایہ شخصیت ہونے کے علاوہ دعوت و تبلیغ کے کام میں جماعت کے امیر اور رہنما رہے۔ اور ان کے وعظ و نصیحت سے اور صحبت سے ہزاروں مسلمانوں کی اصلاح ہوئی۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

ائمہ و موذنوں کو سرکاری ملازم بنانے کا مسلم پرسنل لا بورڈ مخالف

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارت میں بورڈ کی میٹنگ میں یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ حکومت کی جانب سے اماموں اور مؤذنوں کو تنخواہوں کی ادائی غلط ہے بورڈ کا خیال ہے کہ اس طرح مدارس اور مساجد میں حکومت کی مداخلت بڑھے گی، اماموں، مؤذنوں کی تقرری، تبادلے اور برخاستگی کا حکومت کو اختیار حاصل ہو جائے گا، اور حکومت اماموں کو دوسرے سرکاری کام کاج میں ڈیوٹی پر لگائے گی، مسلم پرسنل لا بورڈ کی عاملہ کی میٹنگ میں تقریباً ۵۰ ممبران اور خصوصی مدعوئین نے شرکت کی شرکت کرنے والے سرکردہ مسلم رہنماؤں میں بورڈ کے جنرل سکریٹری نظام الدین صاحب، سید شہاب الدین صاحب، ابراہیم سلیمان سیٹھ، مولانا سراج الحسن صاحب، مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب، ظفریاب جیلانی اور عبدالمنان ایڈوکیٹ شامل ہیں۔ احمدآباد میں ۷، اور ۸ راکتوبر ۱۹۹۵ء کو مسلم پرسنل لا بورڈ کے ہونے والے عمومی اجلاس کے بارے میں بھی میٹنگ میں تبادلۂ خیال کیا گیا۔

(بقیہ)

بہار کے مدارس

علمی مذاکرہ کے ذریعہ اساتذہ کی اصلاح کا کام شروع کیا تھا۔ طلبا کے وظائف میں اضافہ کی اسکیم حکومت کو بھیجی گئی تھی اور چند دیگر اصلاحی ذمہ داریوں کو گلے لگایا گیا تھا۔ یہاں سوال مالی دشواریوں سے زیادہ ہمارے سوچ کی جہتوں کا ہے، سرکار جہاں ایک ارب کا چوتھائی مدرسوں پر خرچ کر رہی ہے۔ وہاں ایک دو کروڑ مزید خرچ کرنے سے بھلا کیونکر پہلو تہی کر سکتی ہے۔ تعلیم میں اصلاح تو سبھی چاہتے ہیں۔ سرکار کے عین مقصد و منشور میں اس کی پوری گنجائش ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ بہار کے مدارس ملحقہ دینیہ کے درد کو ایک صحیح پس منظر میں سمجھا جائے۔ اس کام کے لیے علما و دانشور خود کو فارغ کریں۔ اگر مدرسوں کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالنے کی کوئی مثبت تجویز اختیار نہ کی گئی۔ تو مدرسوں سے جو سیاہی پھیلے گی وہ پوری فضا کو اپنی آغوش میں لے لے گی۔

مغرب پرستی کا خطرہ

جناب وثیق احمد صاحب علیگ

یہ دنیا خدانے امتحان کی دنیا بنائی ہے اس لیے آزمائش کے لیے اس میں خیر اور شر کی قوتیں موجود ہیں۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے "فبعزتك لاغوينهم اجمعين۔" (سورہ ص) یعنی شیطان نے حق تعالیٰ سے کہا "مجھے آپ کی عزت کی قسم میں سب کو کو گمراہ کر دوں گا" (یا کوشش کروں گا) موجودہ صدی میں شیطان کے لاتعداد حربوں میں سب سے بڑا حربہ مغرب پرستی کی شکل میں ظاہر ہوا ہے

آخر یہ مغربی تہذیب ہے کیا؟ اگر مغربی معاشرہ پر نظر ڈالیں تو اس کو صرف دو لفظوں میں اسے جنس زدہ معاشرہ (SEX HunGRY SOCIETY) کا نام دیا جاسکتا ہے اور یہ سب کچھ انسانی حقوق (HUMAN RIGHLS) یا شخصی آزادی کے نام پر کیا جا رہا ہے اسی نعرہ کے ذریعہ عورت کو برہنہ (NAKED) یا نیم برہنہ (SCMi NAKED) کیا گیا اور اسے عورت کی آزادی کا نام دیا گیا۔ آج کسی بھی مغرب پرست عورت کو پورے کپڑے پہنے دیکھنا تقریب تقریب ناممکن ہے۔ ایسی تہذیب پر فخر کرنا یا اس کا اتباع کرنا یقیناً حیرت انگیز ہے اور احساس کمتری کی نشانی ہے۔

اسلام نے عورت اور مرد کے لیے الگ الگ میدان عمل (DUTIES) تجویز کئے ہیں۔ روزی کا ذمہ دار عام حالات میں مرد کو بنایا گیا ہے۔ اور عورت کے لیے حجاب فرض کے درجہ میں ہے قرآن شریف میں ارشاد ہے "وقرن فی بیوتکن" (اپنے گھروں میں رہو) (سورۂ احزاب) اسی سورہ کی ایک اور آیت "یدنین علیهن جلابیبهن" (چادرے اپنے چہرہ اور ٹھوڑی کو چھپائیں) اب اگر کوئی نام نہاد ترقی پسند یہ کہنے لگے کہ موجودہ دور میں ایسا کرنا مشکل ہے اور عورتوں کی آزادی اور ترقی کے لیے پردہ چھوڑنا اور عورت، مرد، کا آزادانہ اختلاط ضروری ہے تو یہ صرف اس کے احساس کمتری اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ انسانی ذہن سے بنائے ہوئے قوانین خدائی احکام سے ہر حالت میں کمتر ہوں گے۔

موجودہ صدی میں مسلم ممالک کے لیے بہترین نمونہ (MODEL) خلفائے راشدین کا دور حکومت ہونا چاہیئے تھا جہاں تقویٰ کے اعتبار سے خلیفہ کا انتخاب بیعت (REFREUDUM) کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ خلفائے راشدین کے دور تک خاندانی خلافت یا بادشاہت نہیں تھی ان حکومتوں کا کام قرآن احکام کے مطابق تھا؟ موجودہ دور میں زیادہ تر مسلم ممالک کا المیہ یہ ہے کہ ان کی حکومت مغرب پرست اور دین سے بے بہرہ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور ان کی مغرب پرستی کی وجہ سے ان ممالک کی معاشرتی زندگی اتنی خراب ہو چکی ہے کہ ان کو اسلامی ملک کہنا مشکل ہے۔

اسلام میں عورت اور مرد کے معاشرہ میں الگ الگ مقام اور ذمہ داریاں ہیں (DUTIES) سورۂ نساء (۳۴) میں ارشاد تعالیٰ ہے "الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضهم علی بعض" (مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا گیا ہے کیونکہ اللہ بعض کو بعض پر فضیلت دیتا ہے)۔ اس آیت سے اور بعض دوسری احادیث سے واضح رہے کہ عورت کی حکومت اسلام میں جائز نہیں ہے۔ بعض اس آیت کا مطلب گھما پھرا کر بتاتے ہیں لیکن علماء کی رائے اس معاملہ میں سہی اور قطعی ہے۔ امت مسلمہ کے لیے عبرت کا مقام ہے کہ کچھ مسلم ممالک میں خواتین کے ہاتھوں میں حکومت ہے اور اس کے بدترین نتائج ان ممالک میں بے دینی بے شرمی اور بے حیائی پھیلنے سے لگائے جاسکتے ہیں۔

بہرحال ہم کم از کم خدائے برتر سے دعا تو کرسکتے ہیں کہ امت کو اس تباہ کن مغرب پرستی سے نجات دے

ترقی کا معیار:

آج کسی بھی اخبار یا میگزین پر نظر ڈال لئے تو وہ ہندوستانی مسلمانوں کی خراب حالت اور زبوں حالی پر نوحہ کناں نظر آئے گا ان سب کو پڑھ کر ایک ایسا تصور ابھرتا ہے کہ ہندوستانی مسلمان ایک بے حد پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ قوم ہیں اس طرح کا احساس کمتری پیدا کرنے کی کوشش ایسے نام نہاد دانش ور طبقہ کے ذریعہ کی جا رہی ہے جو اسلامی تعلیمات سے شاید کم ہی واقف ہے اور جسے قرآن و حدیث کا صحیح ادراک (COMCEPT) نہیں ہے۔

اسلام میں دین اور دنیا دو الگ الگ چیزیں نہیں اور دنیا دی ترقی کی تعریف (DEFENITION) بھی قرآن حدیث سے ہی حاصل ہو سکتی ہے یہاں پر واضح کر دینا ضروری ہے کہ قرآن حدیث کے

احکام قیامت تک اور ہر زمانہ کے لیے ہیں اور اس کے کسی حکم میں کوئی تبدیلی زمانہ کے حساب سے ممکن نہیں جیسا کہ بعض نام نہاد مغرب پرست دانش ور چاہتے ہیں مسلمانوں کی پسماندگی کی دو وجوہات عام طور سے بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ مادی وسائل اور دولت کی کمی۔

۲۔ جدید تعلیم میں مسلمانوں کی پسماندگی۔

سرسری طور سے نظر ڈالنے پر دونوں وجوہات صحیح نظر آتی ہیں لیکن قرآن نے مادی ترقی میں مسلمان اور غیر مسلم کے لیے الگ الگ معیار مقرر کیے ہیں ملاحظہ ہو آیت (سورۂ زخرف ۳۳)

"لولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتھم سقفا من فضۃ ومعارج علیھا یظھرون" (اگر یہ خواہش نہ ہوتا کہ سبھی انسان ایک ہی جماعت (یعنی کافر) ہو جائیں گے۔ تو ہم رحمٰن سے کفر کرنے والوں کے لیے (سونے کے) گھر چاندی کی چھت اور سیڑھیاں بنا دیتے) اس سے ظاہر ہے کہ اللہ کو کافروں یا غیر مسلموں کو دنیا میں زیادہ مادی وسائل اور دولت دینا مقصود ہے کیوں کہ ان کے لیے آخرت میں صرف عذاب ہے۔ اسی سلسلہ میں بخاری شریف کی ایک حدیث بروایت حضرت سہلؓ جس کے آخری حصہ کے الفاظ ہیں" ایک غریب مسلمان تمام زمین کے مالدار آدمی سے کہیں افضل ہے" اس سلسلہ میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام میں بھی مالدار حضرات تھے مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ، لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ان حضرات نے اپنی دولت اسلام اور جہاد کے لیے وقف کر رکھی تھی یہ دولت رہن سہن (SLAUDARD OF LVING) کے معیار میں کام نہیں آتی تھی۔

ارشاد الٰہی ہے" وانتم الاعلون ان کنتم مومنین" (سورۂ آل عمران: ۱۳۹) "تم ہی اعلیٰ ہو اگر تم مومن ہو" مسلمان کا اعلیٰ ہونا صرف اس کے ایمان کی پختگی سے ہے۔ اور وہ ہر حال میں غیر مومن سے اعلیٰ اور برتر ہے اور یہ سب خدا کی ہدایت اور کرم کی وجہ سے ہے۔

دوسرا نکتہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمان سائنس اور جدید علوم میں بہت پچھڑے ہوئے ہیں۔ اور یہی ان کے پس ماندہ قوم ہونے کا سبب ہے۔ بظاہر یہ صحیح نظر آتا ہے لیکن یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ قرآن اور احادیث میں جس جس علم کی فضیلت کا بیان ہے وہ دینی علم یا حقیقی علم ہے۔ یہی علم انسان کو اس کی پیدائش کا مقصد بتاتا ہے اور زندگی کے ہر مرحلہ پر اس کی رہنمائی کرتا ہے باقی جدید علوم کو علم کے دوسرے درجہ میں رکھنا بہتر ہوگا ایسے علم کے کچھ شعبوں کی حیثیت جیسے طب انجینئرنگ وغیرہ کی حیثیت فن کی ہے۔ جدید علوم اگر خدمت خلق اور اسلام کی اشاعت کے لیے حاصل کیے جا رہے تو ایسی محنت عبادت کے درجہ میں مانی جاسکتی ہے۔ صرف ذاتی مفاد یا سربلندی کے لیے اس طرح کا علم حاصل کرنا کوئی خاص اہمیت کا حامل نہیں۔

یہاں پر کچھ لوگ حدیث "لا رھبانیۃ فی الاسلام" کے ذریعہ مادی ترقی کی اہمیت پر زور دے سکتے ہیں لیکن اس حدیث کا مقصد دیکھا جائے تو مسلمانوں کو معاشرتی زندگی میں رہتے ہوئے خدائی احکام کا پابند رہنے کی تلقین ہے یہ رسول اکرمؐ اور صحابہ کی سادہ زندگی پر نظر ڈالیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے، مادی ترقی ان کا مقصد نہ تھی۔

ایک مسلمان کی ترقی کا معیار اس کا اسلامی زندگی اور معاشرت اختیار کرنے پر ہے نہ کہ دوسری قوموں کی طرح مادیت کے پیچھے دوڑنے میں کیونکہ مسلمان کو یہ معلوم ہے کہ اس دنیا میں اس کا قیام بہت مختصر ہے اور اس کے لیے یہ صرف امتحان کی جگہ ہے نہ کہ قیام کی۔

حقیقتاً پچھڑے (پس ماندہ) ہوئے لوگ وہ ہیں جو مغربی معاشرت سے مرعوب ہو کر اسے اپنائے ہیں۔ ایسے لوگ ذہنی مفلسی کا شکار ہیں

ہندستانی مسلمانوں کے لیے عزت اور سربلندی حاصل کرنے کا راستہ دینی علوم کو حاصل کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے، خدا وسیلوں کا محتاج نہیں بلکہ وسیلہ پیدا کرنے والا ہے۔ مسلمانوں پر جو بھی سختیاں یا مصائب آرہے ہیں وہ صرف آزمائش ہے اور آزمائش مومن کی ہی ہوتی ہے (آیت "ولنبلونکم" تا آخر (سورۂ بقرہ ۱۵۵)

جن مسلم ممالک میں دولت کی افراط ہے۔ وہاں اس کے منفی اثرات دیکھے جاسکتے ہیں اور اور حالت یہ کہ جذبۂ جہاد کا فقدان ہے اور اپنی حفاظت کے لیے یہ ممالک غیروں کے کرائے کی فوجی بلانے پر مجبور ہیں۔

ہمارے ملک میں دین اور ایمان کی روشنی علمائے کرام کے ذریعہ قائم ہے دینی مدارس اور قرآن و حدیث کی مختلف زبانوں میں اشاعت کا کام علمائے کرام کے ذریعہ جاری ہے۔ ان ہی علماء کا فیض ہے کہ راقم الحروف اور اس جیسے لاتعداد مسلمان اس روشنی کی کچھ کرنیں حاصل کر سکے۔

دعائے مغفرت

بھارت میڈیکل اسٹور سندیلہ کے مالک نقی احمد گڈو کے خسر حاجی معین الدین کا ۸؍جون ۱۹۹۵ء کو اچانک انتقال ہوگیا

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔



حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بیویوں کے نفقہ کے سلسلہ میں برابر کہا سنا جاتا رہتا ہے مطالبہ اور چرچا بھی رہتا ہے لیکن روحانی طور پر ان کو کیا غذا مہیا کرنی چاہئے اس طرف سے بالعموم غفلت برتی جاتی ہے حالانکہ اس کی باز پرس بالکل اسی طرح ہوگی جس طرح مادی اور ضروریات زندگی کے نفقات میں کوتاہی پر ہوگی۔

جس طرح بیوی اور اولاد اور متعلقین کی جسمانی تربیت ضروری ہے جس کو بیان کیا جاتا رہتا ہے۔ اسی طرح علم و اصلاح کے ذریعہ سے ان کی روحانی تربیت اس سے زیادہ ضروری ہے۔ قرآن مجید میں نص صریح ہے۔

"قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا"

یعنی اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو یعنی اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اور حدیث پاک میں ہے:۔

"كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"

تم میں سے ہر ایک حاکم (نگہبان و ذمہ دار) ہے اور قیامت کے روز تم میں سے ہر ایک سے اپنے محکوم (ماتحتوں) کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ؎

نفقاتِ روحانیہ میں عام کوتاہی

اس میں بھی قسم قسم کی کوتاہیاں کی جاتی ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلی اور بڑی کوتاہی تو یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے یعنی اپنے گھر والوں کو نہ کبھی دین کی بات تبلاتے ہیں نہ کسی امر منکر (غلط اور برے کام) پر ان کو روک ٹوک کرتے ہیں۔ بس ان کا حق صرف اتنا ہی سمجھتے ہیں کہ ان کو ضروریات کے مطابق خرچ دیدیا اور سبکدوش (بری) ہو گئے۔ ؎

مردوں کو عورتوں کے حقوق میں سے صرف بعض دنیوی امور کا اہتمام یعنی زیور کپڑے کا یا کھانے پہننے کا ہوتا ہے۔

مردوں نے تو اپنے ذمہ عورتوں کے یہ حقوق سمجھ رکھے ہیں کہ کھانے کو دے دیا، کپڑا دے دیا، زیور دے دیا، گھر دے دیا، اور کبھی بیمار ہوئیں تو علاج کرا دیا، کبھی کوئی فرمائش کی تو اس کو پورا کر دیا (یعنی) اپنے ذمہ صرف دنیوی حقوق سمجھتے ہیں دینی حقوق اپنے ذمہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے ذمہ ان کے دین کا بھی کوئی حق ہے۔ مثلاً گھر میں آکر یہ تو پوچھتے ہیں کہ کھانا تیار ہوا یا نہیں۔ مگر یہ کبھی نہیں پوچھتے کہ تم نے نماز بھی پڑھی یا نہیں۔ اور اگر کھانا کھانے کے واسطے گھر میں آئے اور معلوم ہوا کہ ابھی تیار نہیں ہوا ہے تو خفا ہوتے ہیں۔ یا تیار تو ہو گیا مگر مرضی کے موافق تیار نہیں ہوا تب بھی خفا ہوتے ہیں۔

اور اگر کبھی یہ معلوم ہوا کہ بیوی نے اس وقت نماز اب تک نہیں پڑھی (یا اپنے زیور کی اس سال اب تک زکوٰۃ نہیں دی) تو ان کو ذرا بھی ناگواری نہیں ہوتی۔ نہ بیوی پر خفا ہوتے ہیں۔ بلکہ اگر کسی کی بیوی عمر بھر نماز نہ پڑھے (اور کبھی زکوٰۃ نہ دے) تو بہت سے مردوں کو اس کی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔

روحانی نفقہ کی اہمیت اور اس کی ادائیگی کا طریقہ

افسوس کہ ہم کو دینی حقوق پر کچھ توجہ نہیں نہ بیوی کی نماز پر توجہ ہے نہ روزہ پر۔ ان باتوں کو ان کے کانوں میں ڈالتے ہی نہیں۔ یاد رکھو قیامت میں تم سے اس کی باز پرس ہوگی کہ تم نے بیوی بچوں کو دیندار بنانے کی کتنی کوششیں کی تھیں۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز کے لئے ان پر حد سے زیادہ سختی کرو۔ ہر وقت ہاتھ میں لٹھ ہی لئے رہو۔ بلکہ پہلے نرمی سے سمجھاؤ۔ پھر برتاؤ میں ذرا ناراضگی اور رنج ظاہر کرو۔ انشاء اللہ اس کا اچھا اثر ہوگا۔

اور ان کو اردو میں دینی رسالے پڑھاؤ، لکھاؤ، سناؤ۔ اس سے ان کے اخلاق بھی درست ہو جائیں گے اور دین کا خیال خود بخود ہوگا۔ اور اگر پڑھنے پر آمادہ نہ ہوں تو اس صورت کے لئے میں نے بہت جگہ یہ طریقہ بتلایا ہے کہ تم ایک وقت مقرر کرکے اول سے آخر تک بہشتی زیور پوری یا اور کوئی اس جیسی مفید کتاب اہل علم کے مشورہ سے) سنا دو۔ اور پہلے پہل بیوی سے بھی نہ کہو کہ یہاں بیٹھ کر سنو بلکہ خود بلند آواز سے پڑھنا شروع کردو انشاء اللہ وہ خود شوق سے آکر سننے گی۔ چنانچہ اس طرح عمل کرنے سے فوراً ساری شکایتیں جاتی رہیں گی۔

عورتوں کے دل پر بہت جلد اثر ہوتا ہے اگر ان کو دین کی کتابیں سنائی جائیں گی تو انشاء اللہ بہت جلد اصلاح ہو جائے گی۔

مرد اپنی بیویوں کی شکایتیں تو کرتے ہیں

کہ ایسی بدتمیز اور ایسی جاہل ہیں مگر وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھیں کہ انھوں نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ بس یہ اپنی راحت ہی کے ان سے طالب رہے اور ان کے دین کا ذرا بھی خیال نہیں کیا۔ عورتوں کی تو خطا ہے ہی مگر ان کی بے تمیزی میں مردوں کی بھی خطا ہے کہ یہ ان کے دین کی درستی کا اہتمام نہیں کرتے۔ اور ان کے دینی حقوق کو ضائع کرتے ہیں۔[۱]

نفقاتِ روحانیہ میں دینداروں کی کوتاہی اور عورتوں کو دیندار بنانے کا طریقہ

جو لوگ دیندار کہلاتے ہیں اور کچھ خیال ہوتا ہے تو وہ بھی یوں ہی چلتی سی بات کہہ دیتے ہیں کہ بیوی نماز پڑھا کرو۔ نماز کا ترک کرنا بڑا گناہ ہے۔ بس اتنا کہہ کر اپنے نزدیک یہ سبکدوش (بری) ہو گئے اور جب کسی نے ان سے کہا کہ تم اپنی بیوی کو نماز کے لئے تنبیہ کیوں نہیں کرتے؟ تو یہ جواب دیتے ہیں کہ کہہ تو دیا اب وہ نہیں پڑھتی تو میں کیا کروں؟

لیکن میں کہتا ہوں کہ انصاف سے بتایئے کہ آپ نے نماز (اور زکوٰۃ و قربانی) کے لئے بھی اسی طرح کہا تھا جیسے نمک کے تیز ہونے پر کہا تھا؟ اور اگر ایک دو دفعہ کے کہنے سے اس نے نمک کی درستگی کا اہتمام نہیں کیا تو وہاں بھی آپ ایسے ہی خاموش ہو جاتے ہیں جیسے نماز کے لئے ایک دو دفعہ کہہ کر خاموش ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ نمک تیز ہو جانے پر تو آپ سر توڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ایسی بری طرح ناراضگی ظاہر کرتے ہیں کہ بیوی سمجھ جاتی ہے کہ میاں بہت ناراض ہو گئے ہیں۔ اس لئے وہ بہت جلد نمک کی اصلاح کا اہتمام کرتی ہے۔

صاحبو! نماز کے لئے آپ نے اس طرح کبھی نہیں کہا جس سے بیوی سمجھ جائے کہ میاں ناراض ہو گئے ہیں اگر یہاں بھی اس طرح ناراضگی ظاہر کرتے تو وہ بھی ضرور اہتمام کرتی، اور اگر ایک دفعہ کے کہنے سے نہ پڑھتی تو دوسرے وقت پھر خفا ہوتے۔ پھر نہ پڑھتی تو تیسرے وقت پھر کہتے اور جب تک وہ نماز نہ پڑھتی برابر کہتے رہتے۔ اور مختلف طریقوں سے اپنی ناراضگی ظاہر کرتے۔ مثلاً پاس لیٹنا ترک کر دیتے، یا اس کے ہاتھ کا پکا ہوا نہ کھاتے جیسا کہ نمک کی تیزی پر ایک بار خفا ہونے سے اثر نہ ہوا تو آپ خاموش نہیں ہو جاتے بلکہ برابر کہتے رہتے ہیں۔ اور وہاں کبھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اتنی دفعہ تو کہہ دیا ہے اب بھی وہ نہیں مانتی تو میں کیا کروں بس خاموش ہو جاؤں۔

انصاف سے بتایئے کہ ہم نے کھانے کے بارے میں بھی اپنے جی کو اسی طرح سمجھا لیا ہے جیسا کہ نماز کے بارے میں سمجھا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو سراسر کوتاہی ہے۔ اگر آپ بیوی کو نمازی بنانا چاہیں تو کچھ دشوار نہیں۔ کیونکہ عورت حاکم نہیں بلکہ محکوم (ماتحت و تابع) ہے۔ چنانچہ اپنی اغراض کے لئے ان پر حکومت بھی کی جاتی ہے مگر دین کے لئے اس حکومت سے ذرا بھی کام نہیں لیا جاتا۔ یہ تو کوتاہی ہے۔[۴]

---

[۱] اصلاح انقلاب۔ ص ۱۹۴۔ [۲] اصلاح انقلاب ص ۱۹۵/۲

[۳] حقوق البیت ص ۲۶۔ [۴] حقوق البیت ص ۲۔

[۵] حقوق البیت ص ۲۔

(بقیہ تاریخ دعوت و عزیمت)

اہل شہر معہ سلطان کے شہر سے نکل کر پیچھے ہو لیے۔ جہاں حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا پاؤں پڑتا تھا۔ لوگ خاک پا کو تبرک بنا کر اٹھا لیتے تھے، یہ دیکھ کر مرشد نے مرید رشید کو اجمیر لے جانے کا ارادہ فسخ کر دیا۔ فرمایا کہ میں اسے جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل دکھائے اور جلائے جائیں۔ جاؤ اس شہر کو ہم نے تمہاری پناہ میں دے دیا۔ خواجہ دہلی واپس تشریف لائے۔

ابھی ان کی عمر ۵۰ سال یا اس سے کچھ اوپر ہوئی تھی کہ وہ آگ جسے انہوں نے صبر و ضبط کے فانوس میں مقید کر رکھا تھا۔ بھڑکی اور جذبِ الٰہی کا غلبہ ہوا۔ شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں مجلسِ سماع گرم تھی۔ قوال نے شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

حضرت پر وجد طاری ہو گیا۔ اسی شعر کی فرمائش تھی۔ چار شبانہ روز عالم تحیر میں رہے۔ نماز کے وقت ہوش آ جاتا۔ ادا کرتے اور پھر اسی عالم میں چلے جاتے۔ پانچویں رات کو انتقال کیا۔ حضرت خواجہ کے خلفاء کی تعداد نو یا دس سے کم نہیں لیکن آپ کی جانشینی حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے حصے میں آئی۔

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ

جس طرح حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے بانی اور مؤسس ہیں، خواجہ فریدالدینؒ اس کے مجدد ہیں۔ آپ ہی کے دو خلفا سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت شیخ علاء الدین علی صابر پیراں کلیریؒ کے ذریعہ یہ سلسلہ ہندوستان میں پھیلا اور ان کے خلفاء و اہل سلسلہ کے ذریعہ اب بھی زندہ و قائم ہے

خم و خمخانہ با مہر و نشان است۔

(جاری)

امیر تبلیغی جماعت

حضرت مولانا انعام الحسن (رحمۃ اللہ علیہ)

منصور آغا

دراز قد، گداز بدن، گول چہرہ بھری ہوئی سفید داڑھی، بلند پیشانی، فکر میں ڈوبی ہوئی بڑی بڑی روشن آنکھیں گورا چٹا رنگ، گفتگو میں تواضع متانت، رصانت اور ٹھہراؤ، بدھر سے جس شہر جس بستی سے گزر رہے ہوں ہزارہا افراد عقیدت و احترام سے آنکھیں بچھا دیں، عمر تقریباً ،، برس حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی، تبلیغی کارکنوں کے لیے حضرت جی، اور اپنے ہمعصر اور خاندان کے بزرگوں کے لیے مولوی انعام۔ ۱۰ جون ۱۹۹۵، مطابق ۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ یوم عاشورہ بروز ہفتہ رات تقریباً ڈیڑھ بجے اس جہان فانی سے رخصت ہوئے اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پسماندگان میں دو بیٹے، ایک بیٹی اور لاکھوں عقیدت مند شامل ہیں۔

مولانا اپریل ۱۹۶۵ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ سے تبلیغی جماعت کے امیر مقرر ہوئے، تبلیغی جماعت ایک ایسی عالمی اصلاحی دینی تحریک ہے جس کی ہم پلہ باعتبار وسعت نہ مسلمانوں کی کوئی تحریک ہے اور نہ دیگر کسی مذہب کی۔ تبلیغی کام کا آغاز میوات کے قصبہ فیروز پور نمک سے ۲۷-۱۹۲۶ء میں ہوا اور اسی وقت حضرت شاہ مولانا الیاسؒ نے گشت و تبلیغ کے ضابطے امیر متکلم اور ذکر وغیرہ سے متعلق متعین فرمائے۔ فیروز پور میں جو کام مقامی طور پر ہو رہا تھا حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اس کو پھیلانا شروع کیا۔ پہلی جماعت فیروز پور نمک سے ہی نکلی جس میں حافظ محمد اسحاق نمبردار محراب خاں اور چودھری نماز خاں تین نفر تھے۔ ایک بیان کے مطابق اس جماعت میں تین لڑکے بھی تھے جن میں ایک میانجی عیسیٰ فیروز پوری اور ایک کا نام عبدالغفور تھا بعد میں اس میں کچھ اور لوگ بھی شامل ہوئے یہ جماعت سہنہ، گھاسیڑہ، ہوتی ہوئی کاندھلہ پہنچی جہاں مولانا الیاسؒ کی تقریر سننے کے لیے میوات سے بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوئے۔

جس کام کا آغاز ایسے چھوٹے سے پیمانے پر میوات کے گمنام علاقے سے ہوا تھا وہ ستر برس کی مختصر سی مدت میں اس پیمانے پر پہنچ چکا ہے کہ ہندستان تو کیا یورپ، امریکا، افریقہ، آسٹریلیا تک میں شاید ہی مسلمانوں کی کوئی چھوٹی موٹی بستی ایسی ہو جہاں تبلیغی کام نہ پہنچا ہو اور نہ ہو رہا ہو۔ مولانا انعام الحسن صاحب مرحوم اس جماعت کے تیسرے امیر تھے۔ آپ کے انتقال کی اطلاع سن کر قرب و جوار سے تقریباً دو ڈھائی لاکھ افراد چند گھنٹوں میں بغیر سفر کے خصوصی انتظامات کے نظام الدین پہنچ گئے اور نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔

نماز جنازہ میں شرکت کے لیے افریقہ، برطانیہ اور عرب ممالک سے بھی کئی سو افراد خصوصی طیاروں کے ذریعہ دہلی پہنچے جن میں قطر کے ولی عہد بھی شامل تھے، ایسے ایسے لوگ جو اپنے ذاتی طیاروں سے دہلی پہنچے۔ مرکز کی چٹائی پر لیٹ کر آرام کرتے ہوئے دیکھے گئے۔ یہ عجز و انکساری حضرت مرحوم سے عقیدت و احترام اور تبلیغی تحریک سے وابستگی کا ہی نتیجہ ہے۔

مولانا انعام الحسن رحؒ کا تعلق کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے ایک دینی اور علمی خانوادے سے تھا۔ ان کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش رحؒ سے جا کر ملتا ہے جنھوں نے مثنوی مولانا روم کا ساتواں دفتر لکھا اور پورے عالم اسلام میں خاتم مثنوی مولانا روم کی عرفیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ نسب اس طرح ہے: مولانا انعام الحسن ولد مولوی اکرام الحسن ولد مولوی حکیم رضی الحسن ولد مولانا حکیم محمد ابراہیم، ولد مولانا نور الحسن ولد مولانا ابو الحسن ولد حضرت مفتی الٰہی بخش رحؒ۔

مولانا کا حضرت مولانا الیاسؒ سے بھی قریبی رشتہ تھا مولانا الیاس صاحبؒ کی ہمشیرہ بی حمیدہ حکیم رضی الحسن مرحوم سے منسوب تھیں اور مولانا انعامؒ کی حقیقی دادی تھیں۔ علاوہ ازیں شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے والد مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ حضرت مولانا الیاس صاحب کے بڑے بھائی تھے۔

اور مولانا زکریا صاحب کی صاحبزادی مولانا انعام الحسن سے بیاہی تھیں، مولانا انعام صاحب کا خاندانی سلسلہ نامور عالم دین حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب، حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب مرحوم اور جید حافظ حدیث مفسر قرآن بزرگ صوفی حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی سے بھی ملتا ہے۔ یہ تینوں بزرگ حقیقی بھائی ہیں ان کے والد کا نام مولانا رؤف الحسن تھا جو مولانا نور الحسن کے پوتے

تھے اور مولانا نورالحسن مولانا انعام صاحب کے چوتھی پشت کے دادا ہیں۔

مولانا انعام الحسن رح کی ولادت ۱۹۱۸ء میں کاندھلہ میں ہوئی ابتدائی تعلیم قرآن حفظ مکتب سے اور اردو فارسی وغیرہ اپنے نانا حکیم عبدالحمید رح سے حاصل کی۔ تقریباً نو برس کی عمر میں انعام صاحب کو ان کے والد کے ماموں مولانا الیاس رح اپنے ساتھ دہلی لے آئے اور باقی تعلیم بنگلے والی مسجد کے مدرسہ میں (جہاں تبلیغی جماعت کا مرکز ہے) حاصل کی۔ حدیث کی کچھ تعلیم مظاہر العلوم سہارنپور میں بھی حاصل کی۔ لیکن مولانا الیاس صاحب رح نے ان کو جلد ہی واپس اپنے پاس بلا لیا۔ علمی استعداد بہت اچھی تھی، حافظہ غضب کا تھا۔ چنانچہ جو کچھ پڑھتے وہ حافظہ میں محفوظ رہتا۔ اسی مدرسہ میں حدیث کی کتابیں پڑھاتے بھی تھے۔

مولانا انعام الحسن صاحب رح کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ مولانا الیاس رح نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں جن چند افراد کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ ان میں سے جس پر اتفاق ہو امیر چن لیا جائے، ان میں مولانا انعام الحسن رح کا نام بھی شامل تھا۔

۱۹۴۴ء مطابق ۱۳۶۳ھ میں حضرت مولانا الیاس صاحب کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رح امیر مقرر ہوئے اور مولانا انعام الحسن صاحب اس کام میں ان کے ساتھ پورے انہماک کے ساتھ خاموشی سے لگے رہے جو افراد تبلیغ کے مرکزی نظم سے وابستہ تھے۔ مولانا کے کام کی اہمیت کا ان کو بہرحال احساس تھا اور یہ کہا جاتا تھا کہ مولانا یوسف اگر اس کام کے وجود میں ایک دھڑکتے ہوئے دل کا مقام رکھتے ہیں تو مولوی انعام الحسن اس کے دماغ ہیں۔ مولانا انعام الحسن صاحب اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے اور ہر شخص کا اس کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق استعمال کرنا بخوبی جانتے تھے۔

مزاج میں انکساری اور تواضع، دوسرے کی بات کو توجہ سے سننا اور صلاحیت، نرمی اور حکمت سے معاملہ کو سمجھانا ان کی ایسی خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے ان کے دور امارت میں تقریباً ۳۰ برس سے تبلیغی کام نے بے پناہ فروغ حاصل کیا۔ یہ دور اس تحریک کی ستر سالہ زندگی میں نصف کے قریب ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب رح کے انتقال کے بعد اپریل ۱۹۶۵ء میں مرکزی ذمہ داروں سے مشورے کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رح نے جب یہ اعلان کیا کہ مولوی انعام الحسن کو امیر مقرر کیا گیا ہے تو مولانا کی خاموش طبعی اور منظر عام پر سے الگ رہ کر کام کرنے کی انکساری کی وجہ سے اکثر لوگوں کو حیرت ہوئی تھی اور بعض لوگوں نے تو اس فیصلے کو تبلیغی کام کے لیے نامناسب فیصلہ تک قرار دیا لیکن بعد کے حالات نے اور مولانا کے کام نے سب پر روشن کر دیا کہ واقف حال حضرات کا یہ فیصلہ کس قدر مناسب اور بابرکت تھا۔ گزشتہ ۳۰ برس میں یہ کام دنیا بھر میں پھیلا ہے ایسے بڑے کام کو چلانے کے لیے نہ تو کوئی سیکریٹریٹ ہے اور نہ دفاتر۔ بس لے دے کر ڈاک کی آمد اور خاص خاص خطوں کا جواب لکھے جانے تک کاروبار تحریر محدود ہے۔ باقی سارے کام کا نظم اور وسعت اس طور پر قائم ہے کہ ہر شہر میں ایک بڑی مسجد کو مرکز کا درجہ حاصل ہے۔ مقامی امیر مقرر ہیں۔ روزمرہ سیکڑوں جماعتیں نکلتی ہیں اور ہزارہا افراد اپنے گھر بار اور کاروبار سے یکسو ہو کر اپنی نماز کو درست کرنے اور نیکی پر دلجمعی حاصل کرنے نیز دوسروں کو نماز و کلمہ کی دعوت دینے کے کام میں معروف رہتے ہیں۔ تبلیغ کے کام سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ اس کے محدود مقاصد اور اس کے نصاب پر اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا جس قدر اخلاص اور للہیت کے ساتھ اور جتنی بڑی تعداد میں افراد اس کام میں مشغول ہیں اور ستر برس کی مختصر سی مدت میں جس قدر یہ کام پھیلا ہے وہ غیر معمولی اور حیرت انگیز ہے۔

تبلیغی کام کے سلسلہ میں مولانا انعام الحسن رح نے دور دراز ممالک کے بے شمار سفر کیے اور دنیا بھر کے لوگ مرکز جماعت میں آتے اور ان سے ملتے۔ پوری دنیا کے حال اور ماحول پر ان کی نظر تھی اور حکومتوں کی اعلیٰ ترین سطحوں تک ان کے لیے عقیدت و احترام کے جذبات موجود تھے۔ جن کا کچھ اندازہ تو ان تعزیتی پیغامات اور بیانات سے ہوتا ہے جو مولانا کی وفات پر سامنے آئے۔ اس کے علاوہ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہندستانی سفارت خانوں نے عاشورہ کی چھٹی کے باوجود اور دفتر کے عام اوقات نہ ہونے کے باوجود صبح سویرے ہی دنیا بھر میں ان افراد کو آناً فاناً ویزے جاری کر دیے جو نماز جنازہ میں شریک ہونا چاہتے تھے چنانچہ دنیا بھر سے ہزاروں افراد دہلی پہنچ گئے۔ ہجوم کا یہ عالم تھا کہ نظام الدین کی سڑکیں حد نظر تک انسانوں سے پٹی پڑی تھیں۔ شدید گرمی، پیاس اور پانی کی عدم دستیابی کے باوجود انسانوں کا ایک جم غفیر گھنٹوں نماز جنازہ کے انتظار میں ہمایوں مقبرے کے قریب نرسری پارک میں موجود رہا۔ ہجوم کی زیادتی اور کچھ ناعاقبت اندیش افراد کی مداخلت بیجا کی وجہ سے نماز جنازہ میں کوئی ڈیڑھ گھنٹہ کی تاخیر بھی ہوئی جس کی وجہ سے بدنظمی پیدا ہوئی۔

بہرحال مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا زبیر الحسن

صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی میت کے وارث کا یہ حق ہوتا ہے کہ وہ نماز جنازہ خود پڑھائے یا جس کو وہ اجازت دے وہ پڑھائے، بعد نماز مغرب بنگلہ والی مسجد میں حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے پہلو میں مولانا کو سپرد خاک کیا گیا مولانا کے صاحبزادے مولانا زبیر، مولوی محمد سعد خلف مولانا ہارون کاندھلوی مرحوم، شیخ عبداللہ ریوعی (سعودی) اور مولانا محمد حلیم خلف، مولانا محمد شمیم مرحوم ناظم مدرسہ صولیتہ مکہ مکرمہ نے مولانا کو قبر میں اتارا مولانا کا انتقال اچانک ہوا، ۱۰ رجون شنبہ کی رات تقریباً ۹ بجے طبیعت خراب ہوئی فوراً ہی ہینت اسپتال میں داخل کرایا گیا جہاں مشہور ماہر امراض قلب ڈاکٹر خلیل اللہ کی نگرانی میں بحالی صحت کی تدابیر کی گئیں مگر کامیاب نہ ہوئیں اور ملت کا یہ عظیم غمگسار دین کا خادم رات کے ڈیڑھ بجے ابدی نیند سو گیا اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔ اور ان کے جانثاروں پرستاروں اور تبلیغی کام کے شیدائیوں کو انکی وہ ایمانی اور اسلامی خصوصیات وفضائل اختیار کرنے کی رغبت دے جو مولانا کی شان امتیاز تھے

ہم بزرگوں کے معجزوں کے قصے کہانیوں کے قائل نہیں لیکن یہ واقعہ کسی معجزہ سے کم نہیں کہ جس شخص کا نام کبھی ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کی سرخیوں میں نہ آتا ہو وہ جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو لاکھوں افراد اس کے لئے اشکبار ہوں اور دنیا کے ہر خطے میں اس کی مغفرت کے لئے دعا کے ہاتھ اٹھے ہوں۔ اور چند گھنٹوں کے اندر اندر لاکھوں افراد اس کی میت میں شرکت کے لئے گھروں سے نکل پڑے کسی جبر اور لالچ میں نہیں بلکہ عقیدت اور احترام کے ساتھ سر جھکائے اور غم میں ڈوبے ہوئے یہ خاصیت انسان میں اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ دنیاوی جاہ وحشم کے لالچ کو تیاگ کر سچے دل سے خدمت خلق کو اپنا شیوہ بنالے۔ (بشکریہ قومی آواز دہلی)

مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس

سپریم کورٹ کا ۱۰ رمئی ۱۹۹۵ء کو دیا گیا فیصلہ جس میں یونیفارم سول کوڈ کے تعلق سے مرکزی حکومت کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کے لئے اقدامات کرے اور اگست ۱۹۹۶ء میں سپریم کورٹ کو ان اقدامات سے واقف کرائے یہ فیصلہ انتہائی نامناسب اور افسوسناک ہے اس فیصلہ سے شریعت اسلامی میں مداخلت کا راستہ کھلتا ہے جس کو مسلمان قبول نہیں کریں گے، یہ فیصلہ مذہبی عمل کی آزادی کے بارے میں سپریم کورٹ کے سابقہ کئی اہم فیصلوں کے خلاف ہے۔ اس نقطۂ نظر کا اظہار آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے کیا جس کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۱۸ رجون کو دہلی میں صدر بورڈ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارت میں منعقد ہوا اس اجلاس میں ارکان کے علاوہ دیگر علماء اور ماہرین قانون کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی، اور مسٹر سرلا مدگل کیس میں جسٹس کلونت سنگھ اور جسٹس سہائے کے فیصلہ کا تفصیل سے جائزہ لیا، جس کے بعد ایک قرارداد کے ذریعہ بورڈ نے اپنے اس موقف کو دہرایا کہ یکساں سول کوڈ کا نفاذ مسلمانوں کی شریعت اور دین میں مداخلت ہے اس کو مسلمان قبول نہیں کریں گے، کیونکہ وہ نکاح، طلاق وراثت، وصیت وغیرہ کے معاملات میں قرآن وحدیث کے احکامات پر چلنے کے پابند ہیں۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ اس فیصلہ سے پیدا شدہ بے چینی کو دور کرنے کے لئے حکومت اعلان کرے کہ وہ یکساں سول کوڈ کی تدوین اور اس کے نفاذ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی، سابقہ مرکزی حکومتیں جب بھی موقع اور ضرورت ہوئی یہ اعلان کرتی رہی ہیں اور یہی مرکزی حکومتوں کی پالیسی رہی ہے۔ بورڈ نے سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کے تعلق سے قانونی اقدامات کے جائزہ کے لئے ایک سات رکنی کمیٹی تشکیل دی ہے اور طے کیا ہے کہ یونیفارم سول کوڈ کے ملک اور عوام پر مضر اثرات کی وضاحت کے ساتھ ارکان پارلیمنٹ اور سیاسی جماعتوں کے قائدین کے سامنے بورڈ کے موقف کو واضح انداز میں رکھا جائے۔ اس کے لئے بورڈ نے ایک نو رکنی کمیٹی تشکیل دی۔

بورڈ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ لٹریچر، سمپوزیم، سیمنارس اور اجتماعات کے ذریعہ ملک کے اصحاب فہم کے آگے اسلام کے عادلانہ اور فطری نظام قانون کو پیش کیا جائے، بورڈ نے ملک کے بڑے شہروں میں اجتماعات کے انعقاد کا فیصلہ کرنے کے ساتھ مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنی مختلف انجمنوں تنظیموں اور اداروں کے ذریعہ اور مختلف اجتماعات کے موقع پر حکومت ہند سے مطالبہ کریں کہ وہ اپنے سابقہ موقف کا اعلان کرے اور صاف کہدے کہ حکومت یکساں سول کوڈ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی بورڈ نے مسلمانوں سے یہ بھی کہا ہے کہ مسلم پرسنل لاء کی برقراری کے لئے بورڈ کی جانب سے جو بھی اقدامات آئندہ کئے جائیں گے، مسلمان اس کی بر زور تائید وحمایت کے لئے تیار رہیں۔

(نیاز احمد رحمانی آفس سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

ایک مطالعہ

پروفیسر وصی احمد صدیقی

سپاہِ تازہ برانگیزم از ولایتِ عشق
کہ در حرم خطر از بغاوتِ خرد است (اقبال)

تاریخ دعوت و عزیمت کی دوسری جلد شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کے ذکر پر تھی۔ یہ تیسری جلد مشائخ چشتیہ بالخصوص حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے حالات صفات اور افادات پر ہے۔ اس حقیر مضمون نگار کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ جیسے ایک عظیم الشان بلند و بالا، سربفلک پہاڑ کی چوٹی سے ایک ایسی خنک وادی میں داخل ہوگیا ہے جہاں ہر طرف سبزہ ہے۔ گھنے سایہ دار درخت ہیں شفاف پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ گنہگار پر اللہ کی رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔

یہ کتاب ان بزرگوں کے ذکر پر ہے جنھوں نے ہمارے مذہب کے شیرازے کو مربوط کیا جن کے دل کی خلوتیں محفل کا چراغ بنیں جنھوں نے ابدیت کا پیغام دیا جن کا پیغام عمومی اور خصوصی دونوں تھا جو ہمہ گیر کے ساتھ عدیم النظیر تھے۔

زندگی کے کاروبار میں مشغول معمولی علم رکھنے والے اُن کے دربار میں بار یاب تھے اُن کی پذیرائی کلاہ تتری پہننے والوں سے کہیں زائد تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ حضرات درویش صفت ہوں۔

بڑے بڑے محدثین، مفسرین، فقیہہ کلامی اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے ان کو سمجھنے کے لئے، جاننے کے لیے ایک خاص قسم کے علم اور استعداد کی ضرورت ہوتی ہے، جو صرف ایک محدود طبقہ کو نصیب ہے، لیکن ان بزرگوں نے ہر طرح کے انسان کو پیچھے کی طرف نظر دوڑا کر اپنے گزرے ہوئے سنہرے عہد کو دکھایا ہے۔ ایک سیدھی سادی فطری زندگی گزارنے کی تعلیم دی ہے اور ایک شاندار مستقبل کی بشارت دی۔ ضروری نہیں کہ یہ مستقبل صرف اس مادّی دنیا سے وابستہ ہو، وہ اس سے ماورا بھی ہے۔

کسی اچھے شعر کی طرح جو تشریح کا محتاج نہ ہو۔ ان حضرات کے کارناموں کا بیان ہے۔ پائے استدلال کہیں بیچ میں نہیں آتا۔ ایک وسیع عالمگیر اور ہمیشہ قائم رہنے والی دلچسپی اور دل پذیری ہے جنھیں فرصتِ نظارہ ہے ان کے لیے نظارہ ہی نظارہ ہے۔

یہ حضرات جہاں چلے تجلّی کی گھٹائیں ان کے ساتھ چلیں۔ انھوں نے ایسا گیت گایا جس میں ساری نوعِ انسانی ان کے ساتھ ہم آواز ہوئی انھوں نے ہمارے مذہب کے روح کے مطابق اس مادّی کائنات کے ساتھ پوری رسم و راہ رکھنے کی اجازت دی

زندگی میں تو بڑی تلخیاں بھی ہوتی ہیں درد و کرب سے کون روح خالی ہے اور انسانی زندگی کی خوشیاں تو بقول ایک فلسفی کے بجلی کا ایک کوندا ہے جو دکھ درد اور مصائب کو یکدم روشن کر دیتا ہے۔

ان قدسی صفات بزرگوں نے جینے کا سلیقہ سکھایا، صبر و رضا کی تلقین مشینی انداز میں نہیں کی بلکہ مردہ دلوں کی مسیحائی کی، زخم پر مرہم رکھے سفلی خواہشات سے بیگانہ کرنے کی کوشش کی محبت اور اخوت کا پیغام دیا۔ ایمان اور مذہب کے سرچشموں کو کھول دیا۔

ٹی ایس ایلیٹ کی نظم ویرانہ (THE WASTE LAND) جو دنیا کی مشہور ترین نظموں میں ہے۔ اس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ آزادی اور انسانیت کی تکمیل محض ایمان اور ایثار نفس کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے مذہبی بصیرت اور اسکی مسلسل ترقی ہمارے لیے امید کا واحد سہارا ہے یہ پیغام ان بزرگوں میں سے ہر ایک نے دیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ خیال ایلیٹ نے ان ہی حضرات سے لیا ہے۔

حضرت مولانا نے اس کتاب سے دنیا کی حسین ترین چیزوں کو بقائے دوام بخشا ہے۔ حضرت مولانا کی الفت ان شخصیتوں سے پہلی نظر کی محبت نہیں۔ یہ ایک زبردست عالم دین کی پختہ کار محبت ہے۔ حضرت مولانا نے کئی کتابوں میں امام غزالی کی اس رائے کو نقل کیا ہے۔

"مجھے یقین ہوگیا کہ صوفیا ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں۔ اُن کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ ان کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے بڑھکر روئے زمین پر کوئی نور نہیں۔"

بے مثال علم و فضل اسی نتیجہ پر لاتا ہے۔ حضرت مولانا امام غزالی سے پوری طور پر متفق نظر آتے ہیں۔ ان بوریہ نشین بادشاہوں کے ذکر

میں حضرت مولانا نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے

ان بزرگوں کی سوانح حیات پر اکثر کتابیں مل جائیں گی مگر ان کا بیشتر حصہ کراماتوں کے بیان میں ہوتا ہے۔ کوئی شک نہیں اولیاء کی کرامات ایک حق بات ہے مگر بزرگی اور خدارسیدی کا تعلق کرامات سے نہیں۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے کہ کتاب کا مصنف اساطیر کو زیبِ داستان کے لیے بیان کر رہا ہے اور بقول حضرت مولانا عبدالحئیؒ کوئی کتاب تاریخ نویسی کے صحیح معیار پر پوری نہیں اترتی۔ بزرگوں کے کشف و کرامات کا جو بیان ہوتا ہے اس سے وہ بنی نوع انسان کے ماورا کوئی اور ہستی نظر آتے ہیں، وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ سوتے ہیں نہ خصائص انسانی سے ان کو کوئی سروکار ہے نہ علمی مشاغل سے ان کو کچھ واسطہ ہے۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ قانونِ فطرت کو ہمیشہ توڑتے رہیں اور موالیدِ ثلاثہ (معدنیات و نباتات و حیوانات) اور عناصر اربعہ پر اپنی حکومت اور خودمختاری کو قائم رکھیں۔

ابنِ بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اہل ہند کو تاریخ سے کوئی مس نہیں۔ ان سے کوئی تاریخی بات پوچھئے تو یہ فوراً قصہ کہانی شروع کر دیتے ہیں۔

حضرت مولانا کو بھی خواجہ معین الدین چشتیؒ اور شیخ الاسلام بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ جو سہروردی سلسلے کے تھے کی سوانح اور کارنامے لکھنے میں زحمت پیش آئی کیونکہ کتابیں صرف خوارق و تصرفات اور کشف و کرامات کے ذکر سے بھری ملیں حالانکہ اس وقت تک منہاج السراج کی کتاب طبقاتِ ناصری اور نورالدین محمد عوفی کی کتاب لباب الالباب لکھی جا چکی تھی۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحیٰی منیری اس لحاظ سے اور مشائخ سے مختلف ہیں کہ خود ان کے ملفوظات اور مکتوبات سے کافی مواد مل جاتا ہے۔

ہندوستان میں چشتی سلسلہ اور اسکے اکابر شیوخ

قدرت الٰہی نے ہندوستان میں اسلام کے تعارف اور اشاعت کے لیے اس سلسلے کو انتخاب کیا۔ سب سے پہلے جس شیخ کی ہندوستان آمد ہوئی وہ خواجہ ابو محمد چشتی تھے جو ستر برس کی عمر میں سلطان محمود غزنوی کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے حضرت شیخ الشیوخ خواجہ معین الدینؒ سنجری سلطان شہاب الدین کے اس لشکر کے ساتھ تشریف لائے جس نے والیِ اجمیر رائے پتھورا کو شکست دی اس زمانہ میں اجمیر راجپوت طاقت و حکومت اور ہندو مذہب اور روحانیت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں حضرت خواجہؒ نے قیام اختیار فرمایا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا تھا کہ ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے (محمد غوری کو) دیدیا۔ ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا اور اسلام کا کام کیا گیا وہ بانیِ سلسلہ حضرت خواجہؒ کے حسنات اور کارناموں میں شامل کیے جانے کے قابل ہے۔

حضرتؒ کے حیات ہی میں سیاسی مرکزیت اور اقتدار اجمیر سے دہلی منتقل ہو گیا تھا۔ خواجہ بزرگ نے دہلی میں اپنے جانشین خواجہ بختیار کاکیؒ کو بٹھایا اور خود اجمیر ہی میں مقیم رہے۔ عظیم تعداد میں بندگانِ خدا نے ان سے ایمان اور احسان کی دولت پائی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔ ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں لکھا ہے "اجمیر میں عزلت گزیں ہوئے اور اسلام کا چراغ بڑے آب و تاب سے روشن کیا۔ اُن کے انفاس قدسیہ سے جوق در جوق انسانوں نے ایمان کی دولت پائی۔

حضرت خواجہؒ نے ۹۰ سال کی عمر میں ۶۳۲ھ میں رحلت فرمائی اس وقت دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ارشاد و ہدایت کے کام میں منہمک تھے اور ان کا عقیدت مند حلقہ بگوش سلطان شمس الدین التمش اسلامی حکومت کی توسیع اور استحکام۔ عدل گستری اور خلق پروری میں مشغول تھا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

حضرت خواجہ قصبہ اوش (ماوراء النہر) میں پیدا ہوئے۔ ڈیڑھ سال کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ماں نے تربیت کی۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے مولانا ابو حفص اوشیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر بغداد کا سفر کیا وہاں اس خضرِ طریقت سے ملاقات ہوئی جس کی رہبری سے کمال و تکمیل کے مدارج تک پہنچنا مقدر تھا۔ فقیہہ ابواللیث سمرقندیؒ کی تاریخی مسجد میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ ہندوستان تشریف لائے اور شیخ کے حکم و ہدایت سے دہلی کو اپنا مستقر بنایا۔

سلطان شمس الدین نے شایانِ شان پذیرائی کی مگر سلطان کی کسی پیش کش کو قبول نہیں کیا اور ملک عزالدین کے مسجد کے قریب ایک مکان میں درویشانہ زندگی اختیار کی۔ سلطان برابر حاضر ہوتا رہا۔ اور اس کی عقیدت بڑھتی گئی۔ دہلی شہر کا ایسا رجوع عام ہوا کہ شیخ الاسلام وقت شیخ نجم الدین صغراؒ کو شکایت پیدا ہو گئی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جب اپنے خلیفہ سے ملنے دہلی تشریف لائے تو شیخ نجم الدین نے شکایت کی۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا "بابا بختیارؒ اتنی جلدی ایسے مشہور ہو گئے کہ بندگانِ خدا کو تم سے شکایت پیدا ہونے لگی۔ یہاں سے چلو اور اجمیر آؤ۔ وہاں قیام اختیار کرو۔ میں تمہارے سامنے (خادمانہ) کھڑا رہوں گا" خواجہ کاکیؒ نے جواب دیا "مخدوما میں تو آپ کے سامنے کھڑے ہونے کا بھی اہل نہیں۔ بیٹھنے کی کیا مجال"۔ حضرت کے ساتھ چل دیے۔ شہر دہلی میں ایک شور مچ گیا۔ (باقی صفحہ ۱۸ پر)

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ ہندو غیر اللہ کے نام پر بکروں اور مرغوں کو چھوڑ دیتے ہیں کیا ایسے بکروں اور مرغوں کو شرعی طریقہ پر ذبح کر کے کھانا جائز ہے؟

ج:۔ مذکورہ صورت میں غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا مسلمانوں کے لئے استعمال کرنا ذبح کر کے کھانا جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ۔ سورہ بقرہ۔

س:۔ عقیقہ کرنے کے بعد نام میں تبدیلی ممکن ہے کہ نہیں۔ نیز کیا لڑکے کے عقیقہ میں ایک بکرا بھی کافی ہے؟

ج:۔ ہاں عقیقہ کرنے کے بعد نام میں اگر ضرورت ہو یا لفظی اور معنوی کوئی خرابی ہو تو تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے ذبح کرنا بہتر ہے لیکن اگر وسعت نہ ہو تو ایک بکرہ بھی کافی ہے۔

س:۔ کیا وضو کرنے میں داڑھی کو اندر اور باہر سے تر کرنا ضروری ہے؟

ج:۔ داڑھی اگر گھنی ہو کہ اندر کی جلد نظر نہ آئے تو اس کو اوپر سے دھونا فرض ہے، اور خلال کرنا سنت ہے اور اگر ہلکی ہو تو پوری داڑھی کو پانی سے تر کرنا ضروری ہے

س:۔ مصنوعی دانت لگا کر وضو ہو جاتا ہے یا ان کا نکالنا ضروری ہے؟

ج:۔ دانت نکالنے کی ضرورت نہیں ہے ان کے ساتھ وضو درست ہے۔

س:۔ بارش کا وہ پانی جو سڑکوں پر جمع ہو جاتا ہے کیا یہ نجاست غلیظہ ہے یا خفیفہ، اگر نمازی کے کپڑوں پر لگ جائے تو کتنی مقدار کے موجود ہوتے ہوئے نمازی نماز پڑھ سکتا ہے۔

ج:۔ بارش کا پانی جو سڑکوں پر ہوتا ہے اس کے چھینٹے پڑ جائیں تو ان کو دھو لینا چاہئے تاہم بضرورت ان کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

س:۔ کیا حالت جنابت میں تلاوت کر سکتے ہیں؟

ج:۔ قرآن مجید کی تلاوت نہیں کر سکتے، ذکر کر سکتے ہیں

س:۔ برتن پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

ج:۔ تین مرتبہ دھونے سے برتن پاک ہو جاتا ہے۔

س:۔ اگر کتے کی زبان کپڑے پر لگ جائے تو کیا کپڑا ناپاک ہو جائے گا؟

ج:۔ کتے کا لعاب ناپاک ہے اس کے کپڑے میں لگ جانے سے کپڑا ناپاک ہو جائے گا

س:۔ ایک امام قرأت میں اعرابی غلطی کرتا ہے تو کیا نماز صحیح ہو جائے گی؟

ج:۔ اعراب کی سہواً غلطی ہوگی تو نماز ہو جائے گی۔

(بقیہ) ہم حق پر ہیں

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جنگ ابھی جاری رکھنا چاہتے ہیں، لیکن میں ہر حال میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم اللہ رب العزت کے دشمنوں کے خلاف انشاء اللہ جنگ جاری رکھیں گے۔ حتیٰ کہ بوسنیا ہرزے گووینا میں مسلمانوں کی فتح مکمل ہو جائے، اور انشاء اللہ ہم شکست سے ہرگز دوچار نہیں ہوں گے، کیونکہ لوگ پختہ عقیدہ اور قوی ایمان کے ساتھ اللہ رب العزت سے جڑے ہوئے ہیں، وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل پیرا ہیں اور وہ اسی کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں وہ فخر محسوس کرتے ہیں، اور برابر ان کے ایمان میں اضافہ ہو رہا ہے۔

طلبہ کا صفحہ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

شاہ معروف عثمانی۔ متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ تاریخ دعوت و عزیمت کی ایسی کڑی ہے جن کے ذکر کے بغیر عزیمت کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی، بہار میں ایمان و یقین کی وہ روشنی اور حرارت پیدا کی جس کا اثر بہار کے ہر گوشے میں محسوس کیا جاتا ہے، آپ علماء ربانی اور نائبین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ تھے، مکتوبات و ملفوظات کے علاوہ مختصر رسالوں تصنیفات کے مطالعہ سے آپ کے تبحر علمی دقت نظر اور وسعت خیال کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے علم کی شاید ہی کوئی ایسی شاخ ہوگی جس سے آپکا کوئی تعلق نہ ہو، تفسیر، حدیث، ادب، منطق فلسفہ، علم کلام، ریاضی اور ہیئت و ہندسہ جیسے فنون میں پوری دست گاہ تھی،

فلسفہ و حکمت پر گہری نظر رکھتے تھے مغربی مفکرین جن کو فلسفہ و حکمت پر ناز ہے انھیں کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں، جیساکہ مولانا عبدالباری ندوی اپنی کتاب "نظام تعلیم و تربیت" میں لکھتے ہیں۔

"حیرت ہوتی ہے اس شخص (شیخ شرف الدین) کے کلام میں سطر دو سطر نہیں صفحے کے صفحے نظر آتے ہیں کہ گویا موجودہ زمانہ کے مفکرین کا لفظی ترجمہ ہے، کانٹ ہیگل، برکلے اور ہیوم از یں قبیل فلاسفہ جدید کے نظریات جن پر موجودہ فلسفہ کو ناز ہے شاہ صاحب کے کتابوں میں بھرے پڑے ہیں"

آپ نے دعوت و تبلیغ کے لیے خطوط لکھے جس کا ایک مجموعہ مکتوبات صدی کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں اسلامی تصوف کے اہم مسائل زیر بحث لائے گئے، اور دلائل و امثال کے ساتھ بڑے محققانہ انداز میں سمجھائے گئے ہیں، زبان بے تکلف ہے، محاورات کا برمحل استعمال اشارات و تمثیلات سے نہایت حسن کے ساتھ کام لیا گیا ہے، جا بجا فارسی اشعار کے استعمال نے حسن میں مزید نکھار پیدا کر دیا ہے جو بلاشبہ ادب کا گنج گرامایہ ہے

مکتوبات میں توحید و معرفت، توبہ و انابت عشق و محبت سلوک و طریقت جیسے اہم موضوعات پر ضرورت کے مطابق تحریر کیا گیا ہے۔ لیکن ان مضامین میں توبہ کی اہمیت پر خاصا زور دیا گیا ہے، چنانچہ توبہ کے معنی اور اس کے مدارج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں'

"توبہ کے اصلی معنی رجوع کرنے کے ہیں رہا یہ کہ صفت رجوع مختلف ہوا کرتی ہے، جس حال جس معاملہ جس مقام کا آدمی ہوگا اسی لحاظ سے توبہ ہوگی، عوام کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے نافرمانی کی ہے، اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کرے تاکہ عذاب سے بچیں، خاص لوگوں کی اس لیے ہوتی ہے کہ جس قدر نعمتیں عطا ہوئیں اور جس قدر رحم و کرم ہوا او[...] ہو رہا ہے اس اعتبار سے مطلق خدمت نہ ہو[...] خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہ[...] کہ ہم نے اپنے کو صاحب قوت و طاقت کیو[ں] سمجھا، ہم نے اپنے کو موجود کیوں خیال کیا ع[...] و نیست کیوں نہ سمجھا تو ہی ہے تو ہی ہے، موجو[د] تو ہی ہے۔

ایک دوسری جگہ توبہ کی حقیقت بیان کرتے[...] "اب یہ بھی سن لو کہ توبہ کی حقیقت کیا ہے، اسک[ی] حقیقت یہی ہے کہ طالب علم کے صفات ذمیمہ صفات حمیدہ میں بدل جائیں۔

علماء ربانیین اور نائبین رسولؐ ب[...] کا نمونہ ہوتے ہیں۔ بندگان خدا کو خدا کی رحمت سے مایوس نہیں کرتے، بلکہ ان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور یہی ان کی دعوت کا مقصد ہے، چنانچ[ہ] توبہ کے باب میں حوصلہ افزائی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں.....

"بھائی میرے ہر چند تم گناہ سے آلودہ[...] ملوث ہو رہے ہو توبہ کر دو تو سہی دیکھو تو کیما کیسی امید افزا ہوتی ہے تم کو جاننا چاہیئے ک[ہ] ساحران فرعون سے تم زیادہ تو آلودہ نہی[ں] سگ اصحاب کہف سے تم زیادہ ناپاک تو نہ[یں] سنگ طور سینا سے تم زیادہ جامد نہیں چوب حنانہ سے زیادہ تم بے قیمت نہیں"

ایک دوسری جگہ ہمت افزائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"یہ مسئلہ تان کی جان ہے مسئلہ تو[بہ] کے لیے ہمیشگی شرط نہیں، یعنی جب گناہ سے آدمی توبہ کرے تو اس کے یہ معن[ی] نہیں ہوئے کہ وہ گناہ اس سے عمر بھر سرز[د] نہ ہو، نیت البتہ صحیح ہونی چاہیئے جب توبہ کرے تو سچے دل سے قصد رکھے کہ اب

یہ گناہ ہم نہ کریں گے، تو بہ ہو جائے گی اور وہ شخص ماجور ہوگا........ ایک بزرگ کا قول ہے "رحمۃ اللہ علیہ" کہ میں نے ستر مرتبہ توبہ کی اور برابر گناہ ہوتے رہے یہاں تک کہ اکہترویں مرتبہ جب توبہ کی تو استقامت نصیب ہوئی"

گناہ کی شناعت اور توبہ کی دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں

"بھائی جان بندے کے لیے گناہ ایک بلا ہے، خدا کی پناہ اس کی ابتدا سختی دل اور آخر کفر کی بدبختیاں، ابلیس اور بلعم باعور کے قصوں کو نہ بھولنا چاہیئے، دیکھو اول اول دونوں سے گناہ ہی سرزد ہوئے آخر کفر کی نوبت آپہنچی، صلحاء کہتے ہیں کہ گناہ کا خوف دل سے جاتا رہے، طاعت وعبادت میں لذت نہ ملے کسی کی اچھی باتیں دل کو بری لگیں، اسلئے غفلت کا مطلق موقع نہیں ہے جس قدر جلد سے جلد ممکن ہو توبہ کرنا چاہیئے کیوں کہ موت کا وقت مقرر ہے وہ گھات میں لگی بیٹھی ہے۔ میں نے مانا کہ تم توبہ کے بعد پھر گناہ کر دگے تو اس میں مضائقہ ہی کیا پھر توبہ کرلینا اور دل سے کیونکہ ممکن ہے گناہ بیشتر ہی تجھے موت آدبوچے اس طرح پر بار بار جب گناہ سرزد ہوں توبہ کرتے چلے جاؤ کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ جتنی طاقت گناہ کرنے میں خرچ کرتے ہو، اتنی ہمت توبہ کرنے میں خرچ کرو۔ آخر اس کے کیا معنی کہ توبہ کرنے میں عاجز اور گناہ کرنے میں مستعد توبہ سے رکنا شیطانی اغوا ہے۔

توبہ کرنے کے دو فائدے تھے ایک تو گناہ گذشتہ کی معافی دوسرے آئندہ گناہ سے باز رہنا توبہ کے بعد بفرض محال اگر تم آئندہ گناہ سے باز نہ رہے تو کم از کم اتنا تو ہوا کہ گناہ گذشتہ معاف ہوگئے۔"

توبہ سے جو تغیر وتبدل اور ترقی وکمال حاصل ہوتا ہے اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

باقی صـ۳۱ پر

یکساں سول کوڈ مسلمانوں کو ناقابل قبول

غازی پور کے نمائندہ اجتماع کا اعلان

۵ جون ۱۹۹۵ء کو غازی پور کے دینی ادارہ مدرسہ دینیہ میں جناب مرزا اشفاق بیگ کی صدارت میں یکساں سول کوڈ کے خلاف مسلمانوں کا ایک ہنگامی جلسہ منعقد ہوا جس میں سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ (یکساں سول کوڈ) کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا، اور حکومت ہند سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے پرسنل لاء میں دخل اندازی نہ کرے

اس جلسہ میں حسب ذیل تجاویز متفقہ طور پر پاس ہوئی۔

۱۔ مسلمانان غازی پور کا یہ جلسہ سپریم کورٹ کے مطالبہ پر کہ حکومت ہند یکساں سول کوڈ نافذ کرے سخت احتجاج کرتا ہے۔ اور اس کو شریعت اسلامی اور دستور ہند کی دفعہ ۲۵ کے خلاف تصور کرتا ہے۔ درحقیقت اسلامی شریعت قرآن وسنت سے ماخوذ ہے اور قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اس لئے کسی حکومت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مسلمانوں کو قرآن وسنت کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کرے۔ نیز دفعہ ۴۴ ایسی دفعہ ہے جو دستور ہند کی ان دفعات سے متصادم ہے جن کے اندر ملک کے ہر شہری کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی دی گئی ہے۔ لہٰذا ہمارا مطالبہ ہے کہ حکومت دستور سے دفعہ ۴۴ کو بالکل حذف کردے، جب تک ایسا نہیں ہوگا ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔ کیونکہ مسلمان ہر نقصان کو برداشت کرسکتا ہے مگر اپنے دین و مذہب کا سودا نہیں کرسکتا ہے۔

۲۔ یہ جلسہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے اس بیان کا خیر مقدم کرتا ہے جس میں انھوں نے یکساں سول کوڈ کی سختی کے ساتھ تردید کی اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذریعہ اس کو ختم کرانے کی سعی وکوشش کریں گے۔

۳۔ یہ جلسہ مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اشتعال انگیزی سے گریز کریں اور حکمت عملی کے ساتھ اپنے علماء کرام و قائدین ملت اسلامیہ کے ساتھ ایک جماعت ہو کر حق وانصاف کی لڑائی میں ان کا ساتھ دیں۔ اور ببانگ دہل اعلان کریں کہ مسلمانوں کے پاس مضبوط شرعی نظام اور الٰہی قانون موجود ہے۔ ان کو غیروں کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۔ یہ جلسہ مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ شریعت الٰہی کو مضبوطی سے تھام لیں اور اپنے معاملات بالخصوص نکاح، طلاق، خلع، وراثت جیسے معاملات میں اپنے نزاعات کو اسلامی دارالقضاء میں ہی حل کرائیں اور اس خطرناک موڑ پر بیدار رہوں۔ اپنی دینی ذمہ داری کو پورا کریں، اور اپنا جائز مطالبہ حکومت کے سامنے پیش کریں اور معقول دلائل کے ساتھ عوام کو بھی اپنا ہمنوا بنائیں۔

جلدی میں ترجمہ کو آخری غائرانہ نظر ڈالنے کا موقع نہیں ملا ورنہ ترجمہ میں مزید سلاست و روانی پیدا ہوجاتی۔

ڈاکٹر سید محمد لقمان ندوی قابل مبارکباد ہیں کہ ایسی مفید و اہم کتاب تیار کر دی۔ کتاب اصلاً عربی میں ہے، ڈاکٹر رضی الاسلام صاحب ندوی نے اس کو اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ اور خوب پہنایا۔

کتابت و طباعت کا معیار مع جلد و شاندار گردپوش بہت اعلیٰ ہے، کتاب سات سو صفحات پر مشتمل ہے قیمت /١٥٠ روپئے اور سائز ١٨×٢٢/٨ ہے۔ ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز دہلی ہے۔

مطالعے کی میز

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

عہدِ نبوی کا مدنی معاشرہ قرآن کی روشنی میں

ڈاکٹر سید محمد لقمان ندوی

کتاب میں دراصل دعوت اسلامی کے وہ پورے خدو خال سامنے آگئے ہیں جن سے اس پیغام رحمت کو گذرنا پڑا مدنی معاشرہ کیوں کر وجود میں آیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کو کیوں ہجرت کرنی پڑی؟ ہجرت حبشہ کے بعد پھر ہجرت مدینہ کیوں پیش آئی؟ مخالفین رسولؐ نے کیا کیا منصوبے بنائے؟ کن کن مرحلوں سے گذر کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہونچے، وہاں حضرات انصار نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کس طرح استقبال کیا اور پھر انصار اور مہاجرین کے مابین مواخات کے بعد انصارؓ نے کس حوصلہ مندی کے ساتھ اپنا سب کچھ حضرات مہاجرین اور خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیا، اور مہاجرین نے اللہ و رسول کے نام پر حضرات انصار کے ایثار بے مثال کی قدردانی کرتے ہوئے کس استغناء و خود اعتمادی کا ثبوت پیش کیا ہے اس کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، کچھ ہی مدت کے بعد بدر و احد کی معرکہ آرائی کس طرح پیش آئی اس میں اصحاب کرام نے کس جوش و جذبہ کا مظاہرہ کیا جس سے اسلام کے قدم جم گئے اور قدم کا یہ جمنا یہود و نصاریٰ کو کتنا ناگوار ہوا، انھوں نے کیا کیا سازشیں کیں کیسے مکر و فریب سے کام لیا، منافقین کی ایک بڑی تعداد نے اپنے اسلام کا زبانی اعلان کرکے اندر سے مسلمانوں کو کیا کیا نقصان پہنچانے کا منصوبہ بنایا قبائل عرب اور یہود و نصاریٰ سے مل کر کیا کیا سازشیں کیں مسلمانوں اور اللہ کے رسول کی کردار کشی کے لئے کیا منصوبے بنائے اور سازشیں کیں۔ ان ساری آزمائشوں سے مدنی معاشرہ کس طرح عہدہ برآ ہو سکا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سوجھ بوجھ حکمت و تدبر، فراست و دور اندیشی سے کام لیا یہ نبوت محمدیؐ کا معجزہ اور دین اسلام کی صداقت کا بین ثبوت ہے۔

مدنی معاشرہ مذکورہ جن مراحل سے گذرا ہے کتاب میں ان سب کو وحی ربانی کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اور سیرت و سوانح اور فرمان رسول سے اس کو مدلل و مزین کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بھرپور کتاب ہے، کتاب سے قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے کو کافی فائدہ پہونچتا ہے اور بعض آیات کو سمجھنے میں اس کے سیاق و سباق اور شان نزول کو معلوم کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

اس آزمائشی دور سے گذرتے ہوئے مسلمانوں کو کیا آداب زندگی سکھائے گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے کو ان آداب کے سانچہ میں کس طرح ڈھال لیا کہ مدینہ کا مسلم معاشرہ رہتی دنیا تک کے لئے مثالی معاشرہ بن گیا اس سب کی تفصیل قرآنی آیات کی روشنی میں آگئی ہے کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ البتہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ طباعت کی

قصص و مسائل:-

مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی بعض قرآنی مضامین پر مشتمل یہ مشہور کتاب ہے جس کے دو ایڈیشن مولانا مرحوم کی زندگی میں نکل چکے تھے کتاب میں بعض اہم مسائل مثلاً قرآن مجید اور علوم حاضرہ۔ قوم اور اُمت کا فرق۔ "اَلَّذِیْنَ ھَادُوْا" کی تفسیر۔ نصاریٰ کی تحقیق۔ صابی کون تھے۔ کفر سلیمانی سے انکار پر زور وصفائی۔ ہاروت و ماروت ۔ مسیحؑ عدالت میں۔ سمت پرستی۔ مشرق پرستی۔ مغرب پرستی۔ اس طرح کے اور بعض نازک و پیچیدہ مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ یہ نازک مسائل اور مولانا دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کا قلم، جو اپنی تحقیق کے ساتھ زبان و ادب کی بھی چاشنی لئے ہوئے ہے۔ اس کا مطالعہ بہت مفید ہے خصوصاً قرآن مجید سے شغف و مطالعہ رکھنے والوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ کتاب نایاب تھی یہ اس کا نیا ایڈیشن ہے اس نئے ایڈیشن میں مولانا کا ایک اور محققانہ مقالہ "تفسیر قرآن کے جدید تقاضے" بھی شامل ہے جو مولانا نے بمبئی میں سنایا تھا اور مضمون بہت پسند کیا گیا تھا۔ مولانا مرحوم کے نواسے حافظ نعیم الرحمن ندوی

قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے یہ نیا ایڈیشن شائع کرکے بڑا کام انجام دیا۔ وہ مولانا کی دیگر تصانیف کے شائع کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔

کتاب مکتبہ ندویہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، مکتبہ الفرقان۔ ۳۱۔ نیا گاؤں مغربی۔ نظیر آباد لکھنؤ اور مکتبۃ الشباب۔ بردیاندوہ روڈ لکھنؤ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ (شمس الحق ندوی)

نام کتاب: "شبہات اور حقائق" از مولانا محمد سعد اسماعیلی
سائز ۲۲×۱۸، کاغذ، کتابت وطباعت معیاری
صفحات ۹۲ کور زائد، قیمت ۱۹ روپیہ
ملنے کا پتہ: ادارہ شعور حق ململ سرائے سنبھل مرادآباد یوپی

جیساکہ نام سے ظاہر ہے کتاب میں کچھ شبہات ظاہر کرکے حقائق سے آگاہ کیا گیا ہے، یہ وہ شبہات ہیں جو عموماً غیر مسلموں اور کبھی جدید تہذیب وتعلیم کے مارے مسلمانوں کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر پیدا کیے جاتے رہے ہیں۔ مؤلف نے ۹۴ شبہات پر سوالات قائم کرکے ہر سوال کا مناسب جواب تحریر کیا ہے، بعض مشہور شبہات کے عناوین یہ ہیں۔

اسلام اور دہشت گردی، کافر اور کفر، جہاد، کینز، ذمی، جزیہ، گاؤ کشی، تعدد ازدواج، ضبط ولادت، پردہ، چار بیویاں، پرسنل لا، وغیرہ

بعض مثالیں:۔ "اسلام اور دہشت گردی" پر سوال کرکے جواب میں دہشت گردی کی رد میں متعدد آیات پیش کی ہیں جیسے "إن الله يأمر بالعدل والإحسان" ۔ "الفتنة أكبر من القتل" "لا تستوي الحسنة ولا السيئة ادفع بالتي هي أحسن"

"تعدد ازدواج" پر جواب دیتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں: تعدد ازدواج کی اجازت کی بنا پر بیوہ، غریب، بے سہارا اور یتیم عورت کو بھی یہ موقع مل جاتا ہے کہ اسے دوسری بیوی کے طور پر قبول کرلیا جائے۔

یہ صحیح ہے کہ جو اسلام کا مخالف ہے اس کے شبہات کا ازالہ دلائل اور گفتگو سے ممکن نہیں، جب اس کو اسلام ہی کے حق ہونے میں شبہ ہے تو اسلام کی جزئیات کو وہ دل سے حق کہاں مان سکتا ہے۔ لیکن معقول بات سے مخالف کو خاموش کردینا بھی ایک اہم ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ خاص طور سے دینی مدارس کے اونچے درجات کے طلبہ اور نوجوان نئے فارغ شدہ علماء جو اس طرح کے مسائل سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کے لیے یہ کتاب اچھی رہنما ثابت ہوگی۔ یہ صحیح ہے کہ اس طرح کے متعدد عناوین پر علماء نے بہت کچھ اور بہت اچھا لکھا ہے جیسے علامہ شبلی کی کتاب "الجزیہ" مولانا مودودی کی کتابیں "الجہاد فی الاسلام" "پردہ" اور "ضبط ولادت" اور مولانا عبدالکریم پاریکھ کا کتابچہ "گاؤکشی" وغیرہ ہے۔ اور دہشت گردی کے خلاف حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کی مشہور تحریک "پیام انسانیت" کا وسیع لٹریچر موجود ہے پھر بھی یہ کتاب جدید شبہات پر مناسب ومعقول جوابات کی رہنمائی کرتی ہے۔ اس کتاب کا ہندی ترجمہ شائع کرنا زیادہ مفید ہوگا۔ دوسرے ایڈیشن سے صفحہ ۴۴ کی ساتویں سطر نکال دینا بہتر ہوگی۔

"بوسنیا وہرزے گووینا" از مولانا محمد عارف عمری۔
سائز ۲۲×۱۸، صفحات ۲۵، قیمت تین روپیہ
ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۶

ہر پڑھا لکھا مسلمان "بوسنیا" کے حالات جاننے سے دلچسپی رکھتا ہے۔ یہ کتابچہ "بوسنیا" سے متعلق اہم اور معتبر معلومات مہیا کرتا ہے۔

(ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی)

بقیہ: درس حدیث

دنیا کی زندگی کو بچانا چاہتے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ خدا کی راہ میں جنگ کریں۔

دوسری جگہ فرمایا:

"انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ" (توبہ۔ ۴۱)

تم سبکبار ہو یا گراں بار (یعنی مال واسباب تھوڑا رکھتے ہو یا بہت گھروں سے) نکل آؤ۔ اور خدا کے راستے میں مال اور جان سے لڑو یہی تمہارے حق میں اچھا ہے۔ بشرطیکہ سمجھو۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ زندگی کی تربیت طاقتور بندۂ مومن کو ایک نئی طاقت عطا کرتی ہے اور اس کی فائدہ پہونچانے والی صلاحیتوں کو چار چاند لگادیتی ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود مجاہد کے لئے قوت وجوانمردی میں بہترین نمونہ تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے حسین، سب سے زیادہ سخی اور سب سے بڑھ کر جری و بہادر تھے، ایک رات مدینہ کے لوگ گھبرا گئے سب پر خوف طاری ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہ کے گھوڑے پر ننگی پیٹھ بلا زین کے سوار ہوکر اس سمت کو نکل پڑے جدھر سے آواز آئی تھی، دوسرے لوگ بھی نکلے تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس سمت کو پہونچ چکے ہیں جدھر سے آواز آئی تھی اور آواز کا سبب معلوم کیا۔ (جاری)

بہار کے مدارس اور ہماری ذمہ داری

شاہ نواز احمد خاں

آج مختلف گوشوں سے مدرسوں کی کھوئی ہوئی بہار کو واپس لانے کے لیے ہر سطح پر کوششیں کی جا رہی ہیں. یقیناً اہل علم و بصیرت کی وہ تمام کوششیں اور اس کی راہ کی گرد اٹھانے کی محنتیں جو مدرسوں کی سربلندی کے لیے کی جا رہی ہیں مبارکباد کی مستحق ہیں۔ مدرسے ہمارے دین کے قلعے ہیں یہ قلعہ جس قدر مضبوط ہوگا دین کی اساس اسی مناسبت سے مضبوط ہوگی۔ تعداد میں بہار کے مدرسے دوسرے صوبوں سے کہیں زیادہ ہیں ان میں نوّے فیصد مدارس دیگر گورنمنٹ سے ایڈ لیتے ہیں جن کی مجموعی تعداد چار ہزار سے متجاوز ہے ان میں تقریباً ساڑھے بارہ سو مدرسوں کے اساتذہ کی تنخواہ حکومت ادا کرتی ہے، واسطہ بورڈ ہوتا ہے. اس مد میں تقریباً ۲۴ کروڑ روپئے حکومت سے ملتے ہیں. ہر سال پہلے کی بہ نسبت رقم میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔

آج سے کوئی پچیس سال پہلے جب طلبائے مدارس کی تحریک اپنے شباب پر تھی یہ نظر استوار ہوا تھا کہ اگر مدارس کے اساتذہ کی تنخواہ، حکومت کے تعاون سے ادا ہو جاتی ہے تو قوم کے سر سے چندے کا بار جاتا رہے گا اور اساتذہ یکسوئی کے ساتھ تعلیم و تعلم میں مصروف ہو جائیں گے اور مدرسوں کی اجمالی رونق دو بالا ہو جائے گی. لیکن بعد کے بدلتے حالات نے اس مفروضے پر صاد نہیں کیا مفروضے حقیقت کے عکس میں نہ ڈھل سکے. قوم کے سر سے چندے کا بار ضرور کم ہوا مگر مدارس شتر بے مہار ہو گئے تعلیم و تعلم سے انھیں دور کا بھی واسطہ نہیں رہا سرکاری تحویل کے نقرئی عکس نے مدرسوں کے روایتی رخ روشن کو پھیکا کر دیا. مدرسوں کی دینی حدت سرد پڑ گئی مدرسے صرف جسم کے اعتبار سے زندہ رہے ان سے ان کی روح چھن گئی. یہ تاریخ کا ایسا المیہ ہے۔ جس پر ہر صاحب نظر مہر بہ لب ہے، یہ ایک نظریئے کی کھلی موت ہے اور علمی دنیا کا افسوسناک خسارہ.

کرشن میموریل ہال پٹنہ میں بہار مدرسہ کنونشن کے موقع پر نومبر ۱۹۸۰ء میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے پوری ملت اسلامیہ کو گواہ بنا کر اس خطرے کی نشاندہی کی تھی. انھوں نے فرمایا تھا کہ علم دین کو جاب منفعت کے محنتوں سے ہرگز جوڑا نہیں جا سکتا. ان کا کہنا تھا کہ تحصیل علم ایک مسلسل عمل ہے اس کی راہ میں مالی پریشانیاں اور جسمانی کلفتیں دونوں آتی ہیں لیکن ایک سچے طالب علم کو اسے بخوشی گلے لگانا چاہیئے کیونکہ علم میں نکھار انھیں راہوں سے گذر کر پیدا ہوتا ہے. انھوں نے بطور مثال محب اللہ بہاریؒ، شوق نیمویؒ اور محمد علی مونگیری کا نام پیش کیا تھا. یہ ایسے لوگ تھے جنھوں نے علم کو علم کے لیے حاصل کیا اور پھر ان کی شہرتوں کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا

مجھے کہنے دیجئے کہ مولانا علی میاں کی قبل از وقت پیش گوئی آج حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی سوال یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ اس کے اسباب کیا ہیں یہ ایک مذاکرہ کا کھلا موضوع ہے جس پر ہر صاحب علم کو پوری بصیرت کے ساتھ غور کرنا چاہیئے. گو پانی بہت بہ چکا ہے پھر بھی امید کا دامن ہم سے رجائیت کا طالب ہے۔

میں نے اگلی سطور میں مدرسوں پر سرکاری التفات کی بات کہی ہے. مدرسہ تاہنوز سرکاری تحویل میں لیتی ہیں. قانونی طور پر مدرسہ ابھی بھی قوم و ملت کے زیر انتظام ہی ہیں صرف تنخواہ کا ایک سرا سرکاری تجوری سے جا ملا ہے. لیکن حقیقت ثابتہ ہے کہ جو نان نفقہ کا مالک ہوتا ہے بات اسی کی چلتی ہے صرف ایک تنخواہ کا معاملہ سرکار کے حوالے ہو جانے سے مدرسوں کی انتظامیہ بالاستیعاب غیر منفعل ہو کر رہ گئی اساتذہ خود کو انتظامیہ کے بجائے سرکاری عاملین کے سامنے جوابدہ سمجھنے لگے جوابدہی ایک بڑی خیر کی چیز ہوتی ہے. صرف ایک جوابدہی میں فرق آ جانے سے پورا اصولی نظام متاثر ہو گیا. آج انتظامیہ میں اتنا دم خم کہاں کہ وہ پڑھنے پڑھانے کے سلسلے میں کوئی صریحی حکم دے سکے. اساتذہ کے کان ایسے حکم صریحی سے مدت ہوا آشنا ہوئے. ان واردات کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ مدرسوں کی انتظامیہ (جو نو افراد پر مشتمل ہوتی ہے) کی منظوری بورڈ ہی دیتی ہے گویا انتظامیہ بورڈ کی منظور نظر ہے. آپ غور فرمائیے کہ انتظامیہ کی یہ کیسی خود مختاری ہے جو خود فریبی میں جلوہ گر ہے. اس کی خود مختاری ایک بے معنی سی چیز ہو کر رہ گئی ہے وہ کچھ کرنے سے پہلے بورڈ کا اشارہ سمجھنا چاہتی ہے. گویا اس کے حلق میں ایک کانٹا پھنس کر رہ گیا ہے۔

اساتذہ جو مدرسوں کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہیں. عمارت کی بنیادی اینٹ ہیں تو ان کی تقرری کا سارا دکھاوا انتظامیہ کے ماتحت ہے مگر بالفعل بغیر بورڈ کے صاد کئے تقرری کا عمل مکمل نہیں ہوتا انٹرویو کی ساری کارروائی بورڈ کے فرستادہ اکسپرٹ

کی موجودگی میں انجام پاتا ہے۔ یہاں بھی انتظامیہ بورڈ کی رہین منت ہے۔ عام طور پر اساتذہ کی تقرری علمی صلاحیت سے زیادہ "عصری صلاحیت" پر ہوتی ہے ایسے عصری صلاحیت کے حاملین مدرسوں کو رفتہ رفتہ کاروباری ادارے میں تبدیل کر دیتے ہیں جس کی تدریجی اثرات سے پورا علمی و تدریسی نظام زمین بوس ہو کر رہ جاتا ہے۔

مجھے یاد آتا ہے کہ اپنے سکریٹری شپ کے زمانہ میں دوران ملاحظہ کچھ حفاظ سے میں نے قرآن کی کچھ سورتیں تلاوت کرنے کو کہا تھا۔ کچھ اساتذہ سے عربی کی تحریر پڑھوائی اور اس کا ترجمہ کرنے کو کہا۔ کچھ سے صرف و نحو پر باتیں ہوئیں کچھ خاتون معلمات سے اردو میں چند جملے لکھوائے۔ ان میں سبھی اپنی اپنی درسی ذمہ داریوں میں ماخوذ ہوئے۔ میں نے اپنے ان دونوں کتابچوں میں ان احساسات کو قلم بند کرنے کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ یہ سب اس لیے وقوع پذیر ہو رہا ہے کہ اساتذہ کی تقرریاں علمی صلاحیت کی بنیاد پر نہ کر کے دوسری مفروضات پر کی جا رہی ہیں

کچھ پرانے با صلاحیت اساتذہ جو بقیۃ السلف ہیں وہ بھی خربوزہ کو دیکھکر خربوزہ کی مثل رنگ پکڑتے جا رہے ہیں۔ ان کی دلیل ہے کہ جب اساتذہ کی معتد بہ تعداد تعلیم و تعلم سے عاری ہو چکی ہے تو وہ پڑھانے کی بلا وجہ زحمت کیونکر برداشت کریں کیا اس سے انھیں کوئی اضافی تنخواہ مل جائے گی یا ان کے حالیہ عہدے میں ترقی ہو جائے گی۔ یہاں بھی دنیا طلبی کے احساس نے اساتذہ کی روح کو پژمردہ کر دیا وہ یہ قطعی بھول بیٹھے کہ علم دین کا پڑھنا پڑھانا ان کے لیے فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے وہ یہ بھی فراموش کر چکے کہ جو رزق انھیں سرکاری تحویل سے حاصل ہو رہا ہے اس کے ساتھ ان کا کیا ردّ عمل ہونا چاہیئے۔ گویا سرکاری رزق ان کے لیے اس شعر کے مصداق بن چکا ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

حیرت و استعجاب سے کیا یہ کم ہے کہ بورڈ کے مختلف سالانہ امتحانات میں وسطانیہ تا فاضل تقریباً پچاس ہزار طلبا و طالبات شریک ہوتے ہیں، ان میں فاضل کے درجہ میں، علوم دینیہ جیسے علم تفسیر، حدیث، فقہ، عربی ادب وغیرہ کے مضامین میں فضیلت پانے والے خوش نصیب طلبا و طالبات کی تعداد ایک عشیر سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ان میں بھی نصف تعداد آزاد امیدوار کی ہوتی ہے۔ اب جوع البقر کی داستان سنئے۔ حکومت اقل مدت نو ماہ کے بعد اساتذہ کی تنخواہ جاری کرنے کا حکم نافذ کرتی ہے۔ ان ایام میں اساتذہ گور و کفن کی تیاری کر چکے ہوتے ہیں، مقامی اخبارات ان کے استغاثوں سے پٹے ہوئے ہیں جوع البقر کی ہر قسط کو ان کے لیے ابر نیساں کا کام کرتی ہے مگر اس سے کسی گہر کی امید نہیں کی جا سکتی۔

اس حقیقت سے باخبر حضرات واقف ہیں کہ حکومت اور مدرسین کے مابین بورڈ ایک بے جان واسطہ ہے میں اسے پوسٹ آفس کے نام سے موسوم کرتا ہوں اس کی بے بسی قابل رحم ہے یہ نہ سرکار سے حال درد کہہ سکتا ہے اور نہ اساتذہ کی حالت زار سن سکتا ہے۔ طلبا کی ذہنی ساخت اور اس کی تعمیر و تشکیل، مدرسوں کی اصلاح، اساتذہ کی تربیت، اُمت مرحومہ سے ربط و ضبط اور اسی قبیل کی دوسری اصلاحی، تعلیمی و تنظیمی ضرورتوں کی منشا کو پورا کرنے میں بورڈ چند وجوہات کی بنیاد پر صرف نظر سے کام لیتا ہے۔ بلکہ ان کاموں کو وہ اپنے حیطۂ اختیار سے باہر جانتا ہے۔ ان مدات پر خرچ کرنے کے لیے بورڈ کے پاس کوئی تحویل نہیں ہوتی۔ حکومت صرف اساتذہ کی تنخواہ ادا کرتی ہے۔

دیگر امور جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ حکومت و بورڈ دونوں کے لیے عقدہ لاینحل جیسے ہیں۔ آخر اس ضمن میں کہیں سے کوئی پیش رفت تو ہونی ہی چاہیئے۔ مالی دشواریاں ایک حقیقت ہیں لیکن صرف اسی کو عذر میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ حکومت سے اصلاح مدارس پر صاف گوئی سے اگر کلام کیا جائے تو باتیں بڑھ سکتی ہیں۔ راقم سطور نے انھیں مالی دشواریوں کے گرداب میں رہ کر، دار العلوم سلفیہ بنارس کے تعاون سے اساتذہ کی تربیت کا خاکہ تیار کیا تھا۔

باقی صـ۱۲ـ پر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰ر جولائی ۱۹۹۵ء مطابق ۱۰ر صفر المظفر ۱۴۱۶ھ

شمارہ نمبر ۱۷

جلد نمبر ۳۲

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسؤل

شمس الحق ندوی

مشاورت

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی
مولانا محمد رضوان ندوی
مولانا عبدالسبحٰن ندوی
مولانا محمد خالد ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمود الازہار ندوی
مولانا نذر الحفیظ ندوی

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ——— ۵ روپے

— بیرونی ممالک فضائی ڈاک —

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

۲۵ ڈالر ———

— بیرونی ممالک بحری ڈاک —

بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ——— منیجر

حامد

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ یوپی 226007

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں۔

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے شائع کیا

اس شمارے میں

۱	درس حدیث	ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی	۲
۲	یکساں سول کوڈ کہاں ہے	ع ۔ ح ۔ ن	۵
۳	دردمندانہ اپیل	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۷
۴	مغربی سازش	مولانا واضح رشید ندوی	۸
۵	سول کوڈ اور پرسنل لار	مولانا برہان الدین سنبھلی	۱۲
۶	مدارس کے ذمہ داروں	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ	۱۷
۷	یونیفارم سول کوڈ	سید غلام محی الدین	۱۹
۸	تاریخ دعوت وعزیمت ۔۳	پروفیسر وصی احمد صدیقی	۲۲
۹	صفر المظفر	محمد شاہد ندوی	۲۵
۱۰	مطالعہ کی میز پر	ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی	۲۸
۱۱	نظمیں	جگن ناتھ آزاد	۳۱

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔

۲۔ فی کاپی ۱۰/- روپئے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔

۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/-

۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔

۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

یکساں سول کوڈ کہاں ہے؟

امریکہ میں کیا کرسچین اور جیوش (یہودی) دونوں یکساں سول کوڈ پر عمل کرتے ہیں؟ اور وہاں جو کئی لاکھ کی تعداد میں برصغیر کے ہندو اور مسلمان آباد ہیں کیا سب ایک ہی عائلی قانون کے پابند ہیں؟ برطانیہ، فرانس، سوئٹزرلینڈ میں کہیں یکساں سول کوڈ نافذ ہے؟ ان ممالک میں بسنے والے یہود اتوار کے بجائے سنیچر کو مقدس دن مانتے ہیں، عیسائیوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے، ان کے شادی بیاہ، اور میراث کے قوانین علاحدہ ہیں، ان ممالک میں کبھی یکساں سول کوڈ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

شرق اوسط میں آئیے مصر مسلمانوں کا ملک ہے، مسلمانوں کی اکثریت ہے اور اسٹیٹ کا مذہب اسلام ہے مگر وہاں قبطی (نصاریٰ) بھی رہتے ہیں، جن کی سب سے بڑی اقلیت ہے ان کے عائلی قوانین مختلف ہیں، مسلمان جج ان کے مقدمات کا فیصلہ ان کے سول کوڈ کے مطابق کرتا ہے، اور جہاں وہ جج ہیں مسلمانوں کے عائلی قوانین کا فیصلہ اسلامی فقہ کے مطابق کرتے ہیں۔

شام میں سُنّی مسلمانوں کے قوانین عائلی علاحدہ ہیں اور نُصَیری شیعہ (جن میں موجودہ فوجی حکمراں بھی ہیں)، عیسائیوں میں کیتھولکس اور پروٹسٹنٹ سب ہی ہیں اور سب کے اپنے رسم و رواج ہیں، اور ہر فرقہ اپنے عائلی قوانین میں آزاد ہے، برصغیر میں جب تک انگریز حکمراں تھے، مسلمانوں کے خاص طور پر خون کے پیاسے تھے، اور ظلم و انتقام کی کوئی صنف ایسی نہیں ہے جو مسلمانوں پر انھوں نے نہ آزمائی ہو، ان کو تعلیمی و اقتصادی طور پر تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور بہت دور بینی کے ساتھ ان پر عمل کیا، مسلمانوں کے اس احساس کو کہ وہ "اللہ کے شیر ہیں، جن کو روباہی زیب نہیں دیتی"، انگریز حکمرانوں نے پوری قوت سے کچلنے کی کوشش کی تھی۔ مگر بایں ہمہ ان کے عائلی قوانین پر حملہ نہیں کیا تھا۔

ملیشیا اور انڈونیشیا مسلمان ملک ہیں، مگر ان ممالک میں بدھسٹ، شنٹو، اور دوسرے مذاہب کے مجموعے بھی موجود ہیں، ان پر یکساں اسلامی کوڈ مسلط نہیں کیا گیا ہے۔

سعودی عرب اگر آنکھوں میں کھٹکتا ہے تو وہاں کی نوعیت مختلف ہے، وہاں غیر مسلم کمیونٹی سرے سے موجود ہی نہیں ہے، جس طرح اسرائیل میں یہودیوں کے علاوہ کچھ کرسچین ضرور ہیں مگر ان کی کوئی کمیونٹی نہیں ہے، پاکستان کا نام ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کے لئے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، وہاں اسلامی شریعت کا نفاذ اقلیتوں پر نہیں کیا گیا، قادیانی، عیسائی اور شیعہ سکھوں کے اپنے عائلی قوانین ہیں، چنانچہ مرحوم صدر ضیاء الحق نے جب زکوٰۃ کی تنظیم اس طرح کی کہ بنک سے براہ راست حکومت زکوٰۃ وصول کرے تو شیعوں نے اپنے آپ کو مستثنیٰ کرا لیا کہ ان کی فقہ جعفری کا اصول مختلف ہے، یہ بھی سننے میں آیا کہ بعض شوریدہ بخت ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنا نام یوسف سے جوزیف کرا لیا تاکہ زکاۃ سے بچ سکیں۔

بدامنی، کثرت آبادی، بیکاری اور اقتصادی بدحالی کا علاج یکساں سول کوڈ سے ممکن ہوتا تو دنیا کے تمام ملک اس کو اپنے باشندوں پر نافذ کر چکے ہوتے۔ اور یونیفارم سول کوڈ کا نتیجہ یکساں معاشرت کا پیدا کرنا اور تجارتی و سفارتی اصول و آداب کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے، تو بغیر یونیفارم سول کوڈ کے یورپ و امریکہ، نیز چین و جاپان میں بھی موجود ہے۔ خود روس کے اندر بھی یہی معاشرت رائج ہے، لیکن ان کی وجہ سے کبھی جنگیں نہیں ہوئیں۔ اور آج بھی ان ممالک کے درمیان اعصابی جنگ کا سلسلہ جاری ہے۔

البتہ ایک مثال ایسی ضرور ملتی ہے جہاں کی پوری آبادی پر ایک ہی کوڈ نافذ تھا وہ ہے سوویت یونین جہاں ستر سال انسانی آبادی آہنی سلاخوں کے پیچھے

اس طرح بند تھی جس طرح گلے بھینس اور دوسرے پالتو جانور بند ہوں۔ ایک وسیع جیل خانہ تھا۔

مگر جیل خانہ کا کوڈ ایک آزاد سیکولر دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت پر نافذ کیا جائے گا؟ مسلمانوں کی زبانیں تو ٹاڈا اور اس کے مماثل دوسرے ایم جنسی قوانین کی قینچی سے کاٹی جاسکتی ہیں، ان کے درمیان سے ایسے دانشور بھی حکومتیں حاصل کرسکتی ہیں اور کرتی رہی ہیں جو مسلمانوں کو مشورہ دیں گے کہ ہزیمت اور اعتراف شکست ان کا مقدر ہے۔ ذلت و رسوائی ان کا نوشتۂ تقدیر ہے، حاکم وقت کو اپنا معبود برحق جانو، اور جو وہ کہیں اسی کو قرآن کا حکم اور رسول کی سنت باور کرو، لیکن یہاں کی دوسری آبادیاں جن میں جین بھی ہیں (جن کے اندر تعدد ازدواج کی کثرت ہے) سکھ بھی ہیں۔ پارسی اور عیسائی بھی ہیں، سب کے لئے یکساں سول کوڈ قابل تسلیم ہوگا؟ اور کیا ایسا کرنے سے یہاں کی پیداوار بڑھ جائے گی، اقتصادی حالت درست ہوجائے گی، ہر شہری کو اس کا حق ملنے لگے گا، قتل و غارت گری، رشوت، خیانت، ڈکیتی اور چوری کی وارداتیں ختم ہوجائیں گی، اور تمام باشندگان ملک یکساں سول کوڈ کی چھتری کے سایہ میں گاتے رہیں گے ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

مگر محشر میں کل جب تم کو احساس گنہ ہوگا

خلیل بیتاب گڈھی

پریشاں ہم رہیں ہر دم یہی تم چاہتے ہوگے
سکونِ دل رہے برہم یہی تم چاہتے ہوگے
نگاہوں میں تمہاری اور پھر دنیا کی نظروں میں
ذلیل و خوار ہوں ہر دم یہی تم چاہتے ہوگے
تمہارے حکم کی تعمیل ہو بے حیل و حجت ہی
تمہارے ڈر سے ہو سر خم یہی تم چاہتے ہوگے
تمہارے سب ارادے، سازشیں اور طاقتیں ساری
رہیں ہر طرح سے محکم یہی تم چاہتے ہوگے
یہ طنز آمیز باتیں، سخت نفرت، یہ دل آزاری
کریں سب کچھ گوارا ہم یہی تم چاہتے ہوگے
تمہارے قہقہے ہوں، زیر لب ہو اک تبسم بھی
ہماری چشم ہو پُر نم یہی تم چاہتے ہوگے
تمہارے گھر میں امن و عافیت جشنِ بہاراں ہو
ہمارے گھر ہو رنج و غم یہی تم چاہتے ہوگے
ہماری زندگی کے تار ٹوٹے اور بکھرے ہوں
تمہارے خواب ہوں محکم یہی تم چاہتے ہوگے
یہ ساری خواہشیں پوری جو ہوں پھر بعد مرنے کے
رہو جنت میں تم پیہم یہی تم چاہتے ہوگے
مگر محشر میں کل جب تم کو احساسِ گنہ ہوگا
"نہ کرتے کاش یہ سب ہم" یہی تم چاہتے ہوگے

خلیل اب توڑ دو اس وقت سے جو آنے والا ہے
گناہوں سے نہ ہو سر خم یہی تم چاہتے ہوگے

ماں کی خدمت کی برکتیں

حضرت بایزید بسطامی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جتنے بھی مراتب حاصل ہوئے وہ سب والدہ کی اطاعت سے حاصل ہوئے، ایک مرتبہ میری والدہ نے رات کو پانی مانگا لیکن اتفاق سے اس وقت گھر میں قطعاً پانی نہیں تھا چنانچہ میں گھڑا لے کر نہر سے پانی لاتا مگر میری آمد و رفت کی تاخیر کی وجہ سے والدہ کو پھر نیند آگئی اور میں رات بھر پانی لئے کھڑا رہا، حتی کہ شدید سردی کی وجہ سے وہ پانی آبخورے میں منجمد ہوگیا اور جب والدہ کی بیداری کے بعد میں نے انھیں پانی پیش کیا تو انھوں نے فرمایا کہ تم نے پانی رکھ دیا ہوتا اتنی دیر کھڑے رہنے کی کیا ضرورت تھی میں نے عرض کیا محض اس خوف سے کھڑا رہا کہ مبادا آپ بیدار ہوکر پانی نہ پائیں اور آپ کو تکلیف پہونچے، یہ سن کر انھوں نے مجھے دعائیں دیں۔ اسی طرح ایک رات والدہ نے فرمایا دروازے کا ایک پٹ کھول دو لیکن میں رات بھر اسی پریشانی میں کھڑا رہا کہ نہ معلوم داہنا پٹ کھولوں یا بایاں کیونکہ اگر ان کی مرضی کے خلاف پٹ کھل گیا تو حکم عدولی میں شمار ہوگا چنانچہ انھیں خدمتوں کی برکت سے یہ مراتب مجھ کو حاصل ہوئے۔

مساجد و مدارس کی حفاظت کے لئے

دردمندانہ اپیل

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس منعقدہ ۱۸ر جون ۱۹۹۵ء میں ائمہ مساجد کے محکمۂ اوقاف گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے تقرر اور مشاہرہ ملنے کی جو تجویز بحث و فکر کے لئے شرکائے مجلس کے سامنے آئی اس پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جو تقریر فرمائی اور اپنے تجربہ و مطالعہ کی روشنی میں اس اقدام پر جن خطرات کا اظہار فرمایا وہ ہدیۂ ناظرین ہے تاکہ ہماری دینی اور ملی غیرت کو غذا پہنچے اور امت کا شعور بیدار ہو۔ ــــــــــ (ادارہ)

۱۸ر جون ۱۹۹۵ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا جو جلسہ یونیفارم سول کوڈ نفاذ کے مسئلہ پر (جس کی طرف سپریم کورٹ نے حکومت کو توجہ دلائی) غور کرنے کے لئے منعقد ہوا، اور جس میں نہ صرف پرسنل لا بورڈ کے اہم ارکان اور ذمہ داروں کا بلکہ ملک کے ممتاز علماء، قانون دانوں اور دانشوروں کا بھی ایک اچھا اجتماع تھا، ایک اور مسئلہ سامنے آیا اور وہ ائمہ مساجد کے گورنمنٹ آف انڈیا کے وقف بورڈ سے مشاہرہ (تنخواہ) دینے کا مسئلہ جس کی بعض ائمہ مساجد اور اس تحریک کے خاص داعی اور ذمہ دار مولوی جمیل الیاسی صاحب کی طرف سے پرزور تحریک چل رہی ہے۔

راقم سطور اپنے وسیع تاریخی مطالعہ، امت اسلامیہ کے امتحانات اور آزمائشوں کی منزلوں اور دین کے مسخ و تحریف کے خطرات اور امت میں غلط رجحانات خاص طور پر حکومت و اقتدار پرستی کے جذبہ کے حامل ہونے کے امکانات و مظاہر کی تاریخ سے نہ صرف مطلع ہونے بلکہ اس موضوع پر خصوصی طور پر تحقیق و تصنیف کے مرحلے سے گزرنے کی بناء پر (جس کا ایک نمونہ اس کی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ ہے) اس مطالعہ و تحریک کا نہ صرف مخالف بلکہ اس سے سخت خائف تھا، اس کے مطالعہ کا ماحصل اور نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں جو واحد دین مسخ و تحریف، اقتدار وقت کا آلۂ کار بننے اور "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" کے اصول پر عمل کرنے سے محفوظ رہا، اس کی ایک بڑی وجہ مساجد اور مدارس کی آزادی، حکومتوں سے بے نیازی اور خود کفالتی اور ان کا مسلمانوں کے جذبۂ ایثار و اعانت اور ائمہ مساجد اور ذمہ داران و اساتذۂ مدارس کے ایثار و قربانی و زہد و استغناء ہے، جس کا ثبوت ہر دور میں ملتا رہا اور اس کی ایسی تابناک مثالیں ہیں جن کی نظیر دوسری ملتوں اور مذاہب میں تقریباً ناپید ہیں، اب اگر مساجد و مدارس کی یہ آزادی، خود کفالتی اور ائمہ و علماء کے ایثار و استغناء کا سدِباب کردیا گیا اور وہ حکومت کے حاشیہ بردار اور اس کے براہِ راست یا اس کے صیغہ و شعبہ کے نمک خوار بن گئے تو پھر اس حق گوئی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ردِّ منکرات و بدعات اور جہر و اعلان بالحق کا سلسلہ مسدود ہو جائے گا، اور ان مساجد و مدارس سے الکشنوں میں بھی کام لیا جائے گا اور حکومت کی تائید و حمایت کا بھی۔

اس سلسلہ میں راقم نے ہندوستان کے چند نامی گرامی مدارس عربیہ دینیہ کے کردار و ایثار اور استغناء و قربانی کے واقعات بیان کئے، جن کی وجہ سے ابھی تک دین میں کوئی تحریف واقع نہیں ہونے پائی اور اعلان حق اور انکار منکر کرنے والے ابھی تک موجود ہیں۔

اس سلسلہ میں مولوی محمد رابع ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے بڑے کام کی بات کہی کہ ایک مقتدر اسلامی ملک میں کچھ عرصے سے یہ معمول ہو گیا ہے کہ خطبۂ جمعہ حکومت کی طرف سے لکھ کر دیا جاتا ہے اور وہی مرکزی مساجد میں پڑھا جاتا ہے، اس پر راقم نے یہ اضافہ کیا کہ ابھی بلادِ عربیہ کے ایک سفر میں معلوم ہوا کہ ایک قابلِ اعزاز و احترام ملک میں یہ ہدایت جاری کی گئی ہے کہ سورۂ فاتحہ کی اخیر آیت "غیر المغضوب علیھم" کی تفسیر میں "مغضوب علیہم" کا مصداق بتاتے ہوئے یہود کی تصریح نہ کی جائے، جب ان بعض عرب اسلامی ملکوں میں خطبات جمعہ اور وعظ و بیان میں یہ مداخلت و پابندیاں شروع ہو گئی ہیں تو پھر ہندوستان جیسے غیر مسلم اکثریت کے ملک اور "ہندو احیائیت" کے دور میں کیا اطمینان کیا جا سکتا ہے۔

الحمدللہ اس تقریر و مخالفت کے بعد (جس میں تقریباً تمام حاضرین کی ترجمانی تھی) اس کے خلاف تجویز پاس کر لی گئی اور اس سے مجلس کے اختلاف کا اعلان کر دیا گیا۔

مسلمانوں کو علمی اور فکری طور پر

دین سے دور کرنے کی مغربی سازش

مولانا سیّد محمد واضح رشید ندوی ــــــ ترجمہ: معصوم رضا ابن نور

عالم اسلام پر فکری اور تہذیبی یلغار کا خیال تیرہویں صدی میں یورپ کو صدیوں کی فوجی محاذ آرائی اور ناکامی کے بعد پیدا ہوا۔ اس کا خیال ۱۲۷۰ء میں تونس میں ناکامی کے ساتھ انتقال کے وقت فرانس کے حکمراں لوئیس ۱۹ کو ہوا۔ اس نے مرتے وقت اپنی وصیت میں اس کا اعتراف کیا کہ فوجی محاذ پر مسلمانوں کو شکست دینا ممکن نہیں ہے۔ ان کی تسخیر کے لئے ان کی ذہنی تسخیر کی ضرورت ہے قسطنطنیہ کی شکست سے اس خیال کو تقویت پہنچی۔ اٹلی اور فرانس میں جنم لینے والی علمی تحریکیں مسلمانوں پر علمی و فکری یلغار میں تبدیل ہوگئیں اور سترہویں صدی میں اس کے نتائج سامنے آنے شروع ہوئے جب مشنری اسکولوں (MISSIONARY) سے علماء اور محققین پیدا ہونے شروع ہوئے جو اٹھارہویں صدی کی ابتدا میں عالم اسلام کے مختلف ملکوں میں پھیل گئے۔

۱۸۳۱ء میں پاپائے روم نے عالم اسلام پر علمی و فکری جنگ کے نقشے کو منظوری دی۔ اور عام تعلیمی اداروں کو احکامات جاری کر دیئے انھوں نے تعلیم کو مسیحی تبلیغ کے وسیلہ کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور مسلمانوں کو نصرانی بنانے یا اسلام سے متنفر کرنے کا کام شروع ہوا۔ یہ زمانہ کلیسا کے لئے اضطراب و ناصبوری اور سورش و مجبوری کا زمانہ تھا۔ لہٰذا یہ فکری جنگ کلیسا کو درپیش علاقائی مسائل سے صرف نظر کا باعث بنی جیسا کہ گیارہویں صدی عیسوی میں پاپائے روم کے ایما پر لڑی جانے والی صلیبی جنگیں کلیسا کی طرف سے عوام الناس کی ناگواری و دل برداشتگی کو ختم کرنے اور صرف نظر کا وسیلہ ثابت ہوئی تھیں۔

ذہنوں کی تبدیلی کے لئے مغرب نے جن اہم ترین وسائل کو اختیار کیا، ان میں ایک اہم وسیلہ غیر عیسائیوں کو اپنے عقائد کے بارے میں تشکوک و شبہات میں مبتلا کرنا ہے تاکہ وہ نئی دعوت اور طریق زندگی کو گلے لگا سکیں اور اپنے آباؤ اسلاف کی اقدار و روایات اور وراثتی خصوصیات سے اجنبیت و نامانوسیت محسوس کریں۔ چنانچہ مغرب نے اپنی زبان و ثقافت کی نشر و اشاعت کے لئے اسکیمیں تیار کیں اور تعلیم کے شعبہ میں رہنمائی کے نام سے مدارس قائم کئے اور ابتدائی تعلیم کے مرحلے ہی سے ذہن سازی کا کام شروع کیا۔ اس کا اندازہ ایک معلم کی اس ہدایت سے ہو سکتا ہے کہ ابتدائی انگریزی کی تعلیم بھی اس طرح دی جائے کہ بچے اپنی قوم اور اپنی تہذیب سے متنفر ہو جائیں اور عیسائیت اور یورپ کو اپنے سے اچھا تصور کریں اس طرح یہ مسلم طلبہ اپنی تاریخ اور اسلامی تشخص کے اہم ترین اجزائے ترکیبی سے غیر مانوس ہو جائیں گے۔ ان کا تربیتی نظام، تفریحی پروگرام اسی مقصد کے حصول کے لئے مرتب کیا گیا۔ اس نظام سے مغرب کو دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو تعلیم یافتہ نسل اپنی تہذیب اور عقائد سے متنفر ہوئی، دوسرے مغرب کو خود انہی مسلمانوں میں ایسے افراد مل گئے جو اس کے سامراجی عزائم کی اعانت و پشت پناہی کرنے لگے اور مغرب کو سامراجی طاقت کے بجائے معلم اور مربی انسانیت تصور کرنے لگے۔

مغرب کے اختیار کردہ وسائل و ذرائع میں اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت، دوسرے ادیان یا تہذیبوں کے خلاف نفرت و کراہیت اور اپنے عقائد کے سلسلے میں تشکوک و شبہات میں مبتلا کرنا ہے تاکہ یہ قومیں مغربی عقائد و نظریات کے دباؤ میں آکر سراپا اس کے سامنے جھک جائیں اور اپنے تہذیبی و ثقافتی ماضی کو نظر انداز کر دیں بلکہ حقارت کی نگاہ سے دیکھیں تاکہ وہ خود مغرب کی سرپرستی کو قبول کر لیں اور سرپرستی قائم ہونے کے بعد اپنے آزاد ہونے کا تصور بھی ذہن میں نہ لائیں۔

سامراجیت کی اس ثقافتی یلغار میں تمام ممالک یکساں ہیں۔ چنانچہ فرانس نے الجزائر مالی اور سنغال وغیرہ جیسے افریقی ممالک میں، جن پر اس نے انیسویں صدی میں قبضہ کیا تھا، اس تہذیبی تسخیر کا عمل کیا اور بہت سے ایشیائی ممالک میں بھی اس یلغار کے لئے جدوجہد کی۔ اسی طرح برطانیہ نے ایشیا میں اس عمل کو دہرایا۔ اگر بعض اقوام کی توانائی و روئیدگی اور فعالیت و قوت حیات شامل حال نہ ہوتی تو فرانس اس سامراجی چال کو بحسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتا۔ تاہم فرانس نے خاص طور سے اپنی نو آبادیات میں قومی و دینی تشخص کو ختم کرنے کے لئے آخری حد تک انتظامات کئے۔ الجزائر کو عربی خاندان سے نکال کر فرانس سے جوڑنے کی بھرپور کوشش کی، اور اسے عربی زبان کے خلاف محاذ آرائی میں کامیابی بھی حاصل ہوئی اور اس نے نئی نسل کو اپنی حقیقی زبان سے برگشتہ و بیگانہ بنا دیا۔

اس تمدنی حملہ کو برطانیہ نے مصر میں خاص طور پر عملی جامہ پہنایا۔ اور وہاں کی تعلیم گاہوں میں تمدنی امور کی تعلیم و تشریح اور افہام و تفہیم کے لیے

اپنی زبان کو لازمی ولابدی قرار دیا اور اسلام کے خلاف کھلی جنگ جاری رکھی۔

اسی طرح ہندوستان میں بھی اس یلغار کا عملی مشاہدہ کیا گیا اور انگریزی زبان کو باشندگان ہند کی آپسی گفتگو و اظہارِ خیال اور تمدن وثقافت کی زبان بنانے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی۔ سامراج نے جہاں مسیحیت کی تبلیغ کو شہ دی، وہیں اس نے مبلغین کے میدان کار کو مزید فراخ اور کشادہ کیا اور انھیں علاقائی عقائد کے خلاف حملہ آوری اور تیشہ زنی کی سرگرمیوں کو ہمیشگی و تسلسل کے ساتھ جاری رکھنے کے لئے بہت سی خصوصی مراعات سے بھی نوازا۔

ابراہیم پاشا وہ پہلا شخص ہے جس نے غیر ملکی وفود اور نمائندوں کو ملک شام میں تجارت کرنے کی اجازت دی، اس نے فرانس کی جزویت پارٹی کو ۱۸۳۱ء میں ملک شام میں دوبارہ داخل ہونے کا موقع فراہم کیا چنانچہ اس پارٹی نے انتہائی سرعت کے ساتھ مدارس قائم کرنے شروع کردیئے اور اپنی کوششیں مسلسل جاری رکھیں یہاں تک کہ اسے ۱۸۷۵ء میں بیروت میں سینٹ جوزف یونیورسٹی قائم کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی ۱۸۳۴ء میں ٹنگ پریس کا قیام بھی عمل میں آیا ۱۸۶۰ء کے اختتام تک پارٹی کے قائم کردہ مدارس کی تعداد ۳۵ تک پہونچ چکی تھی جن میں ایک ہزار طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے ۱۸۶۶ء میں پارٹی نے سیرین پروٹسٹنٹ کالج کی بنیاد رکھی جو بعد میں بیروت امریکی یونیورسٹی کے نام سے موسوم ہوا، تیونس میں لوییس ۹ اکی موت جہاں واقع ہوئی وہیں اس کی شاندار یادگار قائم کی گئی۔

نصرانیت کے مبلغین وداعیان مسلمانوں کی مختلف زبانوں کا علم رکھنے کے ساتھ ساتھ فارسی ترکی اور عربی آداب ورسوم سے بھی واقف ہوتے تھے اس کے علاوہ مسلمانوں کی ہم مشربی و ہم نشینی کی غرض سے ملکی لہجوں اور علاقائی طرز تکلم میں مہارت رکھتے تھے۔ جب مغربی ممالک کی حکومتیں وجود میں آئیں تو ان کی ان تنظیموں کی سرکاری پیمانے پر تائید وحمایت اور حوصلہ افزائی کی گئی۔

تعلیم کے میدان میں اولین تجربہ مسلم طلبہ کو یورپین تعلیم گاہوں میں بھیج کر کیا گیا لیکن یہ تجربہ مکمل طور پر نفع بخش اور سودمند ثابت نہیں ہوا۔ چنانچہ مسیحی مبلغین کے ذہن میں ممالک اسلامیہ میں مدارس کے قیام کا تصور پیدا ہوا تاکہ ان میں زیادہ بڑی تعداد تعلیم حاصل کرسکے۔ یہ فکر دانیال بلس اور ڈاکٹر ولیم طوسون کے ذہن کی پیداوار تھی جنھوں نے ۱۸۶۱ء-۱۸۶۲ء میں خود مسلمانوں ہی میں سے مسیحی مبلغین وواعظین کی فراہمی اور آن واحد میں ہزاروں مسلمانوں کے اذہان وقلوب کو اپنی اثر آفرینی کے سحر کا شکار بنانے کے لئے ممالک اسلامیہ میں اسکولوں کے قیام کے سلسلے میں اقدامات کئے۔ ان کو اس بات پر اصرار تھا کہ اساتذہ دعوتی ذہن رکھنے والے ہونے چاہئیں۔

یہ مدارس استنبول، شام، مصر لبنان اور عراق میں کھولے گئے اور ان پر غیر معمولی توجہ صرف کی گئی۔ مسیحی مبلغین نے زیادہ توجہ اعلیٰ اور معزز خاندانوں پر صرف کی کیونکہ زعماء وقائدین انھیں خاندانوں سے وجود میں آتے ہیں، اس جانفشانی اور سعی پیہم کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف ملک شام میں مسیحی تبلیغی اداروں کی تعداد ۱۹۱۲ء میں ۴۸ تک پہونچ چکی تھی جن کی زیر نگرانی مختلف مدارس قائم تھے جب کہ شام ہی میں صرف امریکہ کے ۱۷۴ مدارس قائم تھے۔

تعلیم کے ذریعہ ذہن سازی کو اور مسلم نوجوانوں کے ذہنوں میں تغیر وتبدل پیدا کرنے میں افادیت کو سمجھنے کے لئے مغربی پیشواؤں کے مندرجہ ذیل بیانات سے مدد ملے گی اور اس کے حصول کے لئے مسیحی مبلغین ومصلحین کا کردار بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتا ہے

ZWEMER

امریکی قومیت رکھنے والا ہمویل زویمر (۱۹۵۲ء-۱۸۶۱ء) اپنی ایک تقریر میں جو اس نے ۱۹۱۲ء میں (مسیحی مبلغین کانفرنس) میں کی تھی کہتا ہے:

"ہر میدانِ عمل میں ہماری سرگرمیاں ایسی ہونی چاہئیں جن کا اصل نشانہ نوخیز مسلم نسل ہو اور جو مسلمانوں کے باہمی روابط میں انتشار پیدا کردیں تاکہ ان کارروائیوں کے شکنجے میں مسلمان جکڑ کر رہ جائیں اور ہماری یہ کوششیں انھیں لخت لخت اور پارہ پارہ کردیں نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی ممالک میں اس عمل کو دیگر امور پر مقدم رکھا جائے کیونکہ اگر نسلِ جدید کے سینوں میں اسلام کی روح پیدا ہوگئی تو اسلام ایک بار پھر اپنے عنفوان شباب کے ساتھ منصۂ شہود پر جلوہ آرا ہوگا لہٰذا اس نازک صورت حال میں ضروری ہے کہ نوخیز مسلم نسل کو اس کے نقطۂ اعتقاد وارتکاز سے بعید سے بعید تر بنا دیا جائے قبل اس کے کہ اس کی عقلی وفکری بالیدگی تکمیل کے مرحلہ میں داخل ہو۔"

اس کانفرنس میں کئے گئے ایک دوسرے خطاب میں ہمویل زویمر اپنے مشن کی وضاحت کرتا ہے:

"تمہارا فرض منصبی دراصل مسلمانوں کو عیسائی بنانا نہیں ہے کیونکہ یہ عمل تو ان کی ہدایت و رہنمائی اور توقیر وتعظیم کا سبب ہے بلکہ تمہارا حقیقی فریضہ مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنا ہے تاکہ ان کا خالقِ ارض وسما سے کسی قسم کا کوئی ربط باقی نہ رہے نتیجتاً ان کا سلسلۂ ارتباط ان پُراز تقدیس وتطہیر اخلاق وآداب سے بھی منقطع ہوکر رہ جائے گا جن پر اقوام وملل کی زندگیوں کا دارومدار ہوتا ہے۔"

(TAKLE) مسٹر ٹاکلی یوں وضاحت کرتا ہے:

"ہمارے لئے بے حد ضروری ہے کہ ہم اسکولوں کے قیام اور خصوصاً مغربی تعلیم و تربیت کی حوصلہ افزائی و ہمنوائی کریں کیونکہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں جن کے عقائد انگریزی زبان سے آشنا ہونے کے بعد متزلزل ہوگئے۔ یہ حقیقت ہے کہ مغرب کی نصابی کتابیں مشرق کی مقدس اور جلیل القدر کتاب پر اعتقاد و اعتماد کو دشوار بنا کے رکھ دیتی ہیں۔"

ماسینون کا قول ہے:

"سرزمین فرانس پر قدم رکھنے والے مشرقی طلبہ کے لئے ضروری ہے کہ انھیں عیسائی تمدن کے رنگ میں رنگ دیا جائے۔"

مسیجی میلو انا ملیگان اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھنے والی مسلمان لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی اہمیت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہیں:

"یہاں اسلام کے مضبوط قلعہ میں گھسنے کے لئے تعلیم و تربیت سے مختصر راستہ نہیں ہے دراصل مسیحیت کی تاثیر کے سائے میں جنم لینے والوں کی نسل کے لئے تعلیم گاہ ایک قوت غیر متزلزل اور طاقت لازوال کی حیثیت رکھتی ہے، یہ تاثیر مسلسل جاری رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی اثر آفرینیاں ان افراد کو بھی اپنا گرویدہ بنالیتی ہیں جو اپنے ملک کے مستقبل کے لیڈر اور پیشوا ہونے والے ہیں۔"

تعلیم کے عواقب و نتائج کے بارے میں ہیملٹن گب کا کہنا ہے:

"ان اسکولوں نے طلبہ کے اخلاق و آداب کو اپنے قالب میں ڈھالا اور ان کے ذوق و وجدان کو جلا بخشی، سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ انھیں اسکولوں میں طلبہ کو ان یوروپین زبانوں کا علم عطا کیا جنھوں نے ان کو اپنی زندگی کی راہوں میں یوروپین افکار و نظریات سے براہ راست اتصال و انضمام پر قدرت عطا کی اور انہیں اس کی صلاحیت پیدا کی کہ وہ ان اثرات کو جو بچپن ہی میں ان کے ذہنوں میں پیدا کئے گئے تھے وہ دوسروں میں پھیلائیں"

وہ مزید کہتا ہے:

ہماری تعلیمی و ثقافتی سرگرمیاں عصری تعلیم اور صحافت کے توسط سے بآسانی مسلمانوں پر ایک ایسا تأثر قائم کرنے کی اہلیت رکھتی ہیں جو انھیں ظاہری طور پر کافی حد تک لادین اور خدا بیزار بنا دے گا۔

یہ کام اس طرح انجام دیا گیا کہ خود تعلیم یافتہ افراد کو اس کا احساس بھی نہیں ہوا۔ اور ان میں مغرب کی برتری اور مشرق کی کمتری کا داخلی شعور بیدار ہوگیا۔

چند سالوں میں یہ کوششیں اعلانیہ طور پر اسلام کے مصادر و مراجع کو اپنا نشانہ بنانے لگیں چنانچہ گلاڈسٹن نے برطانوی پارلیمنٹ میں انتہائی جرأت و بے باکی اور دلیری و بےخوفی کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں قرآن لے کر کہا:

"جب تک یہ کتاب اس دھرتی پر موجود رہے گی اس وقت تک مسلمانوں پر ہماری حکمرانی و فرمانروائی کے خواب کا شرمندۂ تعبیر ہونا ممکن نہیں ہے۔"

کرومر (۱۸۴۱ء۔۱۹۱۷ء) جو کہ مصر میں برطانیہ کا نمائندہ تھا، کہتا ہے:-

"میری آمد کا مقصد صرف یہ ہے کہ میں تین اشیاء یعنی قرآن، کعبہ اور جامعہ ازہر کے اثر کو ختم کردوں۔"

ڈاکٹر زویمر کا کہنا ہے جو مشرقی ممالک میں عیسائی مبلغین کا پیشوا اور رہنما ہے:

"سامراجی سیاست نے نصف صدی یعنی تقریباً ۱۸۸۲ء میں ابتدائی مدارس کے نصاب ہائے تعلیم کو منسوخ کرتے ہوئے سب سے پہلے قرآن اور پھر تاریخ کو خارج از نصاب قرار دیا۔ اس طرح اس سیاست کو ایک ایسی مادہ پرست نسل کو وجود بخشنے میں کامیابی حاصل ہوئی جو نہ تو اپنے عقائد و افکار خاصہ کو قابل اعتنا سمجھتی ہے، نہ پاسداری حقوق و تکمیل وفا کی قائل ہے، نہ ہی مذہب کی تعظیم و جلالت قدر کی ہمنوا ہے اور نہ ہی آزادی وطن و حریت مسکن کی رجز خواں۔"

اسی مفہوم کو ڈاکٹر وطسن نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

"جب ہم مدارس اسلامیہ میں قرآنی مشن کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان مدارس سے یکبارگی خطرے کا سیلاب امنڈتا ہوا نظر آتا ہے کیونکہ قرآن اور تاریخ اسلام، یہ وہ دو عظیم اور انقلاب انگیز خطرے ہیں جو تبلیغ عیسائیت کی سیاست کے لئے خوف و دل گرفتگی اور دہشت و سراسیمگی کا باعث ہیں۔"

ایک جزائری عالم دین نے یہ رپورٹ پیش کی کہ علوم دینیہ کی تدریس و تعلیم کی اجازت کے ساتھ ساتھ یہ قید بھی لگادی گئی ہے کہ استاذ کسی بھی ایسی آیت یا حدیث کی تفسیر و تشریح نہیں کرسکتا جو جہاد و قتال اور سرفروشی و جاں فشانی کی تعلیم دیتی ہو۔ نیز یہ کہ وہ فقہی کتابوں کے ابواب جہاد کے ادنیٰ سے ادنیٰ حصہ کی تعلیم و تدریس کا بھی مجاز نہیں ہے۔ دشمنان اسلام کے اسی پروپگنڈے کے مشرقی ممالک میں پھیل جانے اور شدت اختیار کرلینے کی بنا پر مسلمان لفظ جہاد سے بدکنے لگے اور بےگانگی و کشیدگی پر اتر آئے۔

ان مغربی قائدین کو اس حقیقت کا ادراک ہوا کہ ان اغراض و مقاصد کا حصول اس رسی کے انقطاع کے سوا کسی طور پر ممکن نہیں جو مسلمانوں کو ان مصادر و مراجع سے مربوط و منسلک رکھتی ہے۔ اور وہ پاکیزگی و نزاہت اور عمدگی و اصالت کا احساس و عرفان ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے مختلف طریقوں سے کوششیں کیں جن میں فصیح عربی

زبان کی مخالفت ورزم آرائی، مصادر اسلام کے ہم تک پہونچنے میں تشکیک ووساوس کی دراندازی، ان مصادر کے علمی وتاریخی مسائل کی برانگیختگی وشعلہ آفرینی اور رحمۃ للعالمین، صحابہ کرامؓ، اسلامی تاریخ اور اس کی عظمتوں کے خلاف اعلان جنگ وغیرہ کی کوششیں سرفہرست ہیں۔

مغربی اشاعتی اداروں نے قرآن کریم، احادیث نبویہ اسلامی تاریخ، اسلامی دعوت، اسلامی تہذیب وثقافت اور مسلمانوں کی زندگی کے سلسلہ میں اصول پسندانہ اور مقصدی تحقیق وتفتیش کے دعوی کے ساتھ مختلف علمی مقالات اور مضامین شائع کئے جو دلوں میں ان مصادر وآثار حیات کے خلاف نفرت وناپسندیدگی کے جذبات پیدا کرتے ہیں اور ذہنوں میں شکوک وشبہات کی چنگاریوں کو ہوا دیتے ہیں، یہ مقالات ومضامین صرف یورپ کی یونیورسٹیوں ہی میں نہیں بلکہ ممالک اسلامیہ کے مدارس کے نصاب ہائے تعلیم میں بھی شامل کئے گئے۔

مغرب تبلیغ عیسائیت اور مغربیت کے لئے اس وسیلہ تعلیم وتربیت کو استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ، جس سے مغرب ممالک اسلامیہ خصوصاً ہندوستان، بلاد عربیہ اور مسلم اکثریت والے افریقی ممالک میں اپنے اقتدار ونفوذ کی فضا ہموار ہونے سے پہلے ہی اٹھارہویں صدی سے مسلسل ناجائز فائدہ اٹھاتا رہا، علمی مذاکرات اور زبانی دعوت کی صورت میں نصرانی دعوت کے وسیلہ کو بھی آزماتا رہا۔ چنانچہ عیسائیت کے مبلغین ومصلحین یورپین تاجروں، سفر کرنے والوں اور شعراء کے ہمدم وہم مشرب اور ہم جلیس وہم نشیں ہوا کرتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ چند عیسائی مبلغین ہندوستان کے ساحل تک پہنچے اور پھر انھوں نے پرتگالیوں کے قافلوں کے ساتھ سولہویں صدی عیسوی میں سرزمین ہندوستان میں داخل ہو جانے میں کامیابی حاصل کرلی۔ اسی طرح یہ مبلغین خلافت عثمانیہ کے عہد میں بھی عرب ممالک میں ان خصوصی مراعات کے پس پردہ پرجوش وفعال اور سرگرم وچاق وچوبند رہے جن سے یورپی ممالک کو اسلامی ممالک میں عیسائیوں کی حمایت ومدافعت کی وجہ سے نوازا گیا تھا، یہ مبلغین وداعیان مسیحیت لغت، ادب اور علوم اسلامیہ کی علمی تحقیق کے میدانوں میں غالب وفائق رہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنے تحقیقی مقالات ومضامین شائع کئے۔ وہ مہنگے سے مہنگے داموں پر اسلامی کتابیں خریدتے اور یورپی ممالک کو علمی ذخائر وجواہر منتقل کرتے تھے۔

اس فکری یلغار کو جملہ ممالک اسلامیہ پر غالب سامراج سے مؤثر ترین اور زبردست تائید وحمایت حاصل ہوئی چنانچہ سامراجیوں نے اسلامی مدارس بند کر دیئے اور مذہب اسلام، علماء، وفقہاء، اور صالحین واتقیاء پر تنقید ونکتہ چینی کے کیچڑ اچھالنے، ان کی شہرت وناموری اور ہر دلعزیزی وپذیرائی کو بٹہ لگانے اور سرمایۂ اسلامی کی حامل کتابوں پر نہ صرف نقد وتبصرہ کرنے بلکہ ان میں تحریف وتنسیخ کرنے اور اسلام وشیدائیان اسلام کے بارے میں رائے عامہ کو گم کردہ راہ اور ضلالت فکر کا شکار بنانے کے لئے ہر قسم کی آزادی وخود مختاری روا رکھی۔ اگر ایک طرف سرکاری یونیورسٹیاں اور سرکاری ریسرچ اکیڈمیاں دین اسلام کو نیست ونابود کر دینے والی ان کارروائیوں کے لئے آشیانہ اور جائے پناہ کا کام دے رہی تھیں تو وہیں دوسری طرف مغرب نے عالم اسلام کو دینی یلغار کی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے مبلغین وداعیان مسیحیت کی فوجیں روانہ کیں۔

آزادی ملنے کے بعد مقامی حکومتیں قائم ہوئیں اور مسلمانوں نے تھوڑی دیر کے لئے اطمینان کی سانس لی۔ لیکن مغرب کے اشارات وفرمودات کی بناپر سابقہ حالات ایک بار پھر لوٹ آئے اور مصلحین ومومنین کی شہرت وناموری پر کیچڑ اچھالنے اور انھیں تحریک اصلاح ومعاشرہ کے سیل رواں کے آگے بند باندھنے کی غرض سے ایسے مسائل میں پھنسا دینے کے لئے سازشیں رچی گئیں جن سے ان بندگان خدا کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن یہ تمام کارروائیاں اور ناپاک کوششیں اسلامی تشخص کے از سر نو حصول کے رجحان کو روکنے میں نامراد وتشنہ کام رہیں۔ اس ناکامی کے بعد یورپ کے ذہن میں فکر اسلامی کے سرچشموں اور دینی شعور وبیداری کے مراکز کے بند کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے اپنے ہمنوا ملکوں کو اس شاہراہ اور صراط مستقیم کے بند کرنے کے احکامات جاری کر دیئے لیکن یہ تجربہ اب پرانا ہو چکا ہے اور انشاء اللہ العزیز، یہ بھی سامراج کے آزمودہ تجربہ کی مانند ناکام ہو کر رہے گا۔

یورپ کے ملکوں نے یہ سارے اقدامات اس خیال سے کئے کہ ان کو اسلامی ملکوں میں اپنے قدم جمانے اور اپنا اقتدار قائم رکھنے کا موقع ملے اور وہاں کے عوام کے ذہن میں سے آزادی حاصل کرنے کا تصور اور خیال نکل جائے۔ وہ یورپ ہی کو اپنا معلم اور مربی سمجھیں لیکن یورپ کو اپنی ساری نوآبادیات سے نکلنا پڑا۔ یورپ نے اسلام کی شمع کو بجھانا چاہا وہاں کی زبان، ثقافت اور اسلامی تشخص کو ختم کرنا چاہا لیکن اس وقت ان ساری کوششوں کے باوجود علمی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی وسائل کے باوجود اور اس سلسلے میں استعماری اور مسخ شدہ ذہن رکھنے والے ایک طبقہ کے باوجود عالم اسلام ہی میں نہیں خود یورپ میں اسلام ایک طاقتور چیلنج کی حیثیت سے یورپ کو للکار رہا ہے۔ (باقی صـ۱۸ پر)

ایک جائزہ

یونیفارم سول کوڈ اور مسلم پرسنل لاء

از: مولانا برہان الدین سنبھلی، استاذ تفسیر وحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء

ملکی قانون سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ ملک میں رائج قوانین کی دو اہم قسمیں سول کوڈ (CIVIL CODE) اور کریمنل کوڈ (CRIMINAL CODE) کہلاتی ہیں جس کے لیے اردو زبان میں بالترتیب ضابطۂ "دیوانی" اور "فوجداری" کی اصطلاحیں استعمال ہوتی رہی ہیں

دوسری قسم (CRIMINAL CODE) ضابطۂ فوجداری کے اندر جرائم کی سزائیں اور بعض انتظامی امور سے متعلق قوانین آتے ہیں مثلاً کسی جرم پر کیا سزا دی جائے گی؟ اور مجرم کی ضمانت کے لئے کیا اصول وضوابط ہوں گے. اور انتظامی طور پر کس قسم کے اقدامات حکومت کرے گی؟

ظاہر ہے کہ اس قسم (CRIMINAL CODE) کے قوانین تمام اہل ملک کے لئے یکساں ہیں ان میں کسی نوعیت کی تفریق. نسل و مذہب وغیرہ کی بنیاد پر از روئے دستور نہیں کی گئی ہے. دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ قسم سارے اہل ملک کے لئے یکساں [UNIFORM] ہے یعنی (UNIFORM CRIMINAL CODE) کی زنجیر میں سارے اہل ملک بندھے ہوئے ہیں.

پہلی قسم "سول کوڈ" (CIVIL CODE) کے دائرہ میں وہ تمام قوانین آتے ہیں جن کا تعلق، معاشرتی، تمدنی، جیسے امور سے ہے. اس قسم کے بیشتر قوانین بھی تمام اہل ملک کے لئے یکساں ہیں. مثلاً خرید وفروخت، معاملات، قرض کے لین دین وغیرہ جیسے امور سے متعلق مقدمات کے فیصلے سرکاری عدالتوں میں بلالحاظ مذہب ونسل تمام اہل ملک کے لئے یکساں طور پر ہوتے ہیں. ایسا نہیں ہوتا کہ مثلاً مسلمان پر "سود" کی ڈگری نہ ہو (حالانکہ مسلمان کے لئے از روئے شریعت سودی لین دین ممنوع ہے) اور غیر مسلم پر ہو بلکہ دونوں کے خلاف. یا موافق ڈگری ہوگی بشرطیکہ اس طرح کا مقدمہ حکومتی عدالت میں جائے، اسی قانون کی ستمرانی سے مسلمان اپنی بڑی بڑی جائدادوں اور قیمتی زیورات سے محروم ہوگئے جس کے نتیجہ میں بڑے بڑے دولت مند، کنگال ونادار بن گئے،

البتہ اس قسم (CIVIL CODE) کے ایک حصہ کو جسے "پرسنل لاء" [PERSONAL LAW] کہا جاتا ہے اس میں ملک کے بعض اقلیتوں کو ان کے مذہب کے لحاظ سے کچھ خصوصی شعبوں میں الگ قوانین پر عمل کرنے کا اختیار دے دیا ہے (ایک ماہر قانون کی رائے کے مطابق عموماً اب اسے ہی "سول کوڈ" کہا جانے لگا ہے)

اسی کو "پرسنل لاء" کی آزادی کا نام دیا جاتا ہے، اسی کے تحت مسلمانوں کو بھی دستور ہند میں آزادی دی گئی ہے. یعنی مسلمانوں کو ملک کے دستور میں یہ حق دیا گیا ہے کہ نکاح، طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، خلع، مبارأۃ (خلع ہی کی ایک قسم) فسخ نکاح، عدۃ، نفقہ، وراثت، وصیت، ھبہ، ولایت، رضاعت، حضانت، وقف (دونوں قسمیں) سے متعلق مقدمات اگر سرکاری عدالتوں میں لے جائے جائیں اور دونوں فریق مسلمان ہوں تو سرکاری عدالتیں اسلامی شریعت کے مطابق ہی مذکورہ معاملات میں فیصلے کریں گی انہی قوانین کا مجموعہ "مسلم پرسنل لاء" کہلاتا ہے اگرچہ "پرسنل لاء" کی تعبیر اسلامی نقطۂ نظر سے محل نظر ہے، کیوں کہ یہ عیسائی نقطۂ نظر کی عکاس ہے، مگر اب چونکہ یہی اصطلاح معروف ورائج ہے اسلئے مسلمانوں نے بھی اسے اختیار کرلیا ہے، حالانکہ اس مجموعۂ قوانین کے لئے مناسب اصطلاح "عائلی قانون" (FAMILY LAW) معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ اس میں زیادہ تر اسی زمرہ کے قوانین ہیں.

مذکورہ جائزہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ رہا ہوگا. کہ ملک کے اندر جاری ہزاروں قوانین میں سے صرف چند میں ہی (جن کا ذکر اوپر آیا). مسلمانوں کو اپنی شریعت پر عمل کرنے کا قانونی و دستوری حق دیا گیا ہے (حالانکہ اسلامی شریعت زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہے اور ہر شعبہ کے لئے اس میں تفصیلی قوانین موجود ہیں مگر ان پر عمل کرنے کا یہ قانونی حق نہیں ہے) اس کتر بیونت. اور کیسی کتر بیونت؟ کہ غالباً ہزاروں حصہ ہی باقی بچ سکا ہے - کے بعد بھی ہر طرف سے یہ شور مچایا جارہا ہے کہ اسے بھی ختم کیا جائے اور اس بچے کھچے حصے میں بھی مسلمان اپنی شریعت کے قوانین جو دراصل خدا کے دیئے ہوئے ہیں. پر عمل کرنے کے بجائے ملک کے غیر مسلم (ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے اور "سلطانی جمہور" کے زمانہ میں اکثریت ہی فیصلہ کن ہوتی ہے) جس طرح کے قوانین بنائیں مسلمان بھی اس پر

بلاچوں وچرا عمل پیرا ہو جائے؟

اگرچہ کہا تو یہ جاتا ہے کہ تمام اہل ملک کے "پرسنل لاء" ختم کر کے سب پر یکساں قوانین نافذ کئے جائیں۔

یعنی یکساں سول کوڈ (UNIFORM CIVIL CODE) عائد ولازم کر دیا جائے لیکن درحقیقت مسلمانوں کا یہ دستوری حق چھین لینا ہی مقصد اصلی معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ حق، غیر ملکی حکومت (انگریزی اقتدار) کے زمانہ میں بھی مسلمانوں کو دستور میں دیا گیا تھا چونکہ جنگ آزادی میں مسلمانوں نے برابر کا حصہ لیا اور مسلم مجاہدین کو برادران وطن (جنگ آزادی کے شرکا) نے یہ اطمینان دلایا تھا کہ آزادی کے بعد بھی یہ حق برقرار رہے، اس لئے دستور ہند میں "مسلم پرسنل لاء" کی آزادی کا حق مسلمانوں کو دیا جانا مسلمانوں پر کوئی احسان نہیں بلکہ پچھلے حق کی بقا، اور جنگ آزادی کے وقت کئے ہوئے وعدہ کا ایفا ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ آزادی کے بعد ہندوستان کے اولین معماروں کو شرم آئی کہ غیر ملکی حکومت کے زمانہ میں مسلمان اہل وطن کو جو حق حاصل تھا اسے "اپنی حکومت" کے اندر چھین لیا جائے، چنانچہ جب تک یہ اولین معمار موجود رہے "یکساں سول کوڈ" نافذ کرنے کی آواز دبی رہی یا دھیمی رہی مگر جیسے ہی وہ لوگ دنیا سے رخصت ہوئے یہ لے تیز تر ہونے لگی۔

تاآنکہ اس صدی کی ساتویں دھائی میں مہاراشٹر کی اسمبلی میں اس مقصد سے ایک بل پیش کر دیا گیا جس سے یہ خطرہ بالکل سامنے آ گیا (آج پھر مہاراشٹر ہی میں یہ خطرہ دوبارہ شدید تر شکل میں سامنے آیا ہے) کہ مسلم پرسنل لاء کے نام سے باقی اسلامی قوانین کے نیچے کچھے حصے کو بھی ختم کر کے رکھ دیا جائے گا۔ اور تمام مسلمانوں کو جمہوری، یا بالفاظ صحیح، اکثریت کے بنائے ہوئے قوانین، کے سیلاب میں بہتے رہنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ تاآں کہ ان کی انفرادیت کے ساتھ احساس زیاں بھی مٹ جائے،

اس صورت حال سے ملت کے بہی خواہ بجا طور پر فکرمند ہوئے چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند سہارن پور) اور مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ) کی زیر قیادت مسلم پرسنل لاء کنونشن کا بمبئی میں ۱۹۷۲ء میں انعقاد ہوا۔ ....

.. جہاں یکساں سول کوڈ بل، پہلی بار اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا) پھر مسلم پرسنل لا بورڈ (۱۹۷۳ء میں) وجود میں آیا، مسلم پرسنل لاء کو ختم کرنے کے لئے اس کے خلاف پروپیگنڈے کی زبردست مہم بھی چلائی گئی۔ اور برابر چلائی جا رہی ہے اسے ظالمانہ، غیر مہذب، رجعت پسندانہ اور عورتوں کے حقوق کو پامال کرنے والا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر سادہ ذہنوں کو مسموم کیا جا رہا ہے، حالانکہ ان میں سے کوئی بھی الزام درست نہیں ہے عورتوں کے حقوق کی رعایت کا جہاں تک تعلق ہے اس کے بارے میں بہت سے منصف مزاج واقف کار غیر مسلموں نے بھی برملا اعتراف کیا ہے کہ اتنے حقوق کسی قانون میں عورتوں کو نہیں دیئے گئے جتنے اسلامی شریعت نے اسے دیئے ہیں اس بات کی تازہ شہادت سابق وزیر اعظم ہند آنجہانی راجیو گاندھی کا وہ اعتراف ہے جو انھوں نے سپریم کورٹ کے شاہ بانو کیس میں نفقہ مطلقہ سے متعلق فیصلہ کے خلاف مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی سرپرستی میں چلائی گئی مہم کے دوران) مسلم علماء کے ذریعہ قانون شریعت سے مطلع ہونے کے بعد جنوری ۱۹۸۶ء میں اپنے ایک اخباری انٹرویو کے اندر یہ کہتے ہوئے کیا کہ "اسلامی قوانین ہمارے قانون سے بڑھ کر عورتوں کے حقوق ومفادات کے ضامن ہیں۔" (بحوالہ کاروان زندگی حصہ ۳، از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

قریب قریب اسی طرح کا عملی اعتراف ان کی والدہ اندرا گاندھی نے اپنے زمانہ وزارت عظمیٰ میں (۱۹۷۳ء یا ۱۹۷۴ء کے اندر) سی آر پی سی کی دفعہ ۱۲۵ میں پارلیمنٹ کے ذریعہ ترمیم کروا کر کیا، جب انہیں مسلم علماء کے ذریعہ معلوم ہوا کہ مسلمان کی بیوی کو شوہر کی طرف سے تمام ضروری اخراجات (کھانا، کپڑا، رہائش وغیرہ) کے علاوہ، مہر، کے نام سے بھی ایک رقم کا حق حاصل ہوتا ہے جو عموماً بڑی اور خطیر ہوتی ہے۔ تو وہ یہ جان کر نہ صرف حیران بلکہ اتنا متأثر ہوئیں کہ انھوں نے مسلمان مطلقہ عورت کو تاحیات (یا نکاح ثانی) نفقہ دلانے والی دفعہ کو مسلمان عورتوں کے حق میں مذکورہ ترمیم سے محدود کروا دیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے "دعوت" دہلی کا مسلم پرسنل لاء نمبر)

لیکن اس ترمیم کی افادیت کو مختلف ہائیکورٹوں کے ججوں نے اپنی تشریحات کے ذریعہ کم بلکہ ختم کر دیا اور رہی سہی کسر سپریم کورٹ کے شاہ بانو کیس کے فیصلہ نے (۱۹۸۵ء میں) پوری کر دی جس کا تدارک کرانے میں مسلم پرسنل لا بورڈ کو بہت محنت کرنا پڑی اس کے بعد پارلیمنٹ سے جو نیا قانون پاس ہوا اس سے بھی بس جزوی ہی تلافی ہو سکی۔ مگر اسے بھی ہائیکورٹ کے متعدد ججوں نے اپنے فیصلوں سے بے اثر بنا دیا۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے یوں تو بہت سے اجزاء پر اعتراضات کئے جاتے ہیں اور انھیں ظالمانہ، اور حقوق نسواں کو پامال کرنے والا بتایا جاتا ہے۔ لیکن ان میں طلاق تعدد ازدواج اور وراثت کے قوانین کو بطور خاص نشانہ بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ جو حقیقت پسند، منصف مزاج، ان کا گہرائی سے مطالعہ کرے گا۔ وہ یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

کہ ان سے زیادہ متوازن، منصفانہ، فطرت انسانی کی رعایت کسی بھی دوسرے قانون میں نہیں ملتی لیکن ناقص مطالعہ یا تعصب کی عینک سے وہ ایسے نظر نہ آئیں تو حیرت کی بات نہیں! غیر جانبدارانہ مگر حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر رکھنے والے لوگوں کے سامنے مسلم پرسنل لا کے اسی حساس حصے کی صحیح تصویر کشی اور عکاسی اسلامی اصول۔ قرآن و سنت وغیرہ۔ کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت راقم بیس سال قبل حاصل کر چکا ہے۔ (وہ کتابی شکل میں "معاشرتی مسائل" کے نام سے ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء میں پہلی بار مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوئی، پھر متعدد ایڈیشن مختلف مقامات سے نکلے) اس بارے میں یہاں بہت مختصر طور پر کچھ باتیں عرض کی جا رہی ہیں [تفصیل کے طالب، مذکورہ کتاب ملاحظہ فرمائیں]

وراثت:- اسلامی قانونِ وراثت کی یہ شق سب سے زیادہ کھٹکتی اور تنقید کا نشانہ بنائی جاتی ہے کہ عورت کو مرد کے مقابلہ میں آدھا حصہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس بات میں صداقت جزوی ہی ہے، کیوں کہ بعض شکلوں میں (مثلاً اخیافی بھائی بہن ہوں) دونوں برابر کا حصہ پاتے ہیں، لیکن اکثر شکلوں میں عورت کو مرد سے آدھا ہی حصہ ملتا ہے، مگر کسی بھی قانون کے صرف ایک پہلو کو سامنے رکھنے سے اس کے درست یا نادرست ہونے کا فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہوتا بلکہ جب تک تمام پہلو سامنے نہ ہوں اس وقت تک صحیح نتیجہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا اس قانون کے ساتھ اسلامی شریعت کے دوسرے قوانین بھی سامنے رہیں تو اعتراض کی گنجائش ختم ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ عورت پر از روئے قانون شریعت اکثر حالات میں، کوئی خرچ حتیٰ کہ اس کا اپنا خرچ بھی لازم نہیں ہوتا کیونکہ شادی سے پہلے والد، یا بھائیوں (یا دوسرے اولیاء) پر شادی کے بعد شوہر پر، شوہر سے علیٰحدگی کے بعد بھی (اگر وہ طلاق کے ذریعہ ہوئی ہے) تو کچھ عرصہ (عدت کے دوران) شوہر پر ہی رہتا ہے۔ اگر طلاق دینے والے شوہر سے مطلقہ عورت کے بچے ہیں تو جب تک بچے دودھ پینے یا پرورش و نگرانی کے لئے ماں کے محتاج رہیں گے اس وقت تک نہ صرف ان بچوں کا بلکہ انھیں دودھ پلانے (اور ان کی نگرانی کی غرض سے پابند رہنے) والی اس مطلقہ کا پورا خرچ بھی اسی پر رہے گا۔ یہیں سے اس پروپیگنڈے کی بھی تردید نکل آتی ہے کہ مطلقہ عورت بچوں کے لئے ماری ماری پھرتی ہے ہاں قانون شرعی سے ناواقفیت یا بے عملی کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو جائے تو اس میں قانون شریعت کو الزام دینا زیادتی ہوگی)، پرورش و نگرانی کی مدت لڑکوں کے لئے تقریباً سات سال اور لڑکیوں کے لئے ان کے بالغ ہونے تک ہے۔ مزید یہ کہ نکاح سے عورت مہر کی حقدار بھی ہوتی ہے، جو بالعموم ایک بڑی رقم ہوتی ہے۔ (مرد پر نکاح کے بعد مہر دوہری تہری مالی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں اور قانون شریعت کی رو سے اسے کچھ ملنا بھی شادی کے وقت ضروری نہیں۔ صورتحال کو سمجھنے کے لئے یہ مثال شاید مفید ہو کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا، اس نے ایک لڑکا، ایک لڑکی وراثت اور تیس ہزار روپئے کا ترکہ چھوڑا، اسلامی قانون وراثت کے مطابق لڑکے کو بیس ہزار اور لڑکی کو دس ہزار روپے ملے۔ اب فرض کیجئے کہ ان دونوں نے شادیاں کیں اور ہر ایک کا مہر دس دس ہزار روپئے مقرر ہوا۔

اس صورت میں لڑکے کے پاس، بیوی کو مہر دینے کے بعد دس ہزار رہ گئے۔ اور لڑکی کے پاس شوہر سے مہر پانے کے بعد بیس ہزار ہو گئے، مزید برآں یہ کہ لڑکی کے پاس کوئی خرچ نہیں کہ جس میں وہ یہ روپئے صرف کرے، اس کے برخلاف لڑکے پر اس کا اپنا خرچ اور اپنی بیوی کے تمام اخراجات (اور پھر بچے ہونے کے بعد ان کے تمام اخراجات) لازم ہوں گے، نتیجتاً وہ باقیماندہ دس ہزار بھی بہت جلد ختم ہو جانے کا امکان ہے، جبکہ لڑکی کے پاس ترکہ سے دوگنی رقم ہو گئی۔ اور بظاہر آئندہ بھی وہ اس کے پاس رکھی ہی رہے گی، (مذکورہ بالا شکلوں کے علاوہ بھی دوسری صورتوں میں) نادار عورت کے اخراجات کسی نہ کسی قریبی عزیز کے ذمہ ہوتے ہیں اگر عزیز نہ ہو تو پھر تمام مسلمانوں پر۔ اس جائزہ کے بعد کون منصف مزاج کہہ سکتا ہے کہ شریعت کے قانونِ وراثت میں عورت کی حق تلفی کی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب بھی کسی جزو کو، کل سے علیٰحدہ کر کے دیکھا جائے گا۔ اسی طرح کی غلط اور بد نما شکل سامنے آئے گی۔ جس طرح کی صرف ترکہ کی یہ شق دیکھ کر کہ عورت کو مرد سے آدھا حصہ ملتا ہے۔ دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دینے سے آ جاتی ہے۔

قانونِ طلاق:- مذکورہ بالا تفصیل سے اسلام کے قانونِ طلاق میں مرد کو ہی طلاق کا اختیار دینے کی حکمت بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ طلاق کے نتیجہ میں سراسر مالی نقصان مرد ہی کا ہوتا ہے عورت کے لئے تو بہت سی شکلیں مالی مدد کی نکل آتی ہیں، پھر صحیح اسلامی معاشرہ میں تو عورت کا خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ، نکاح ثانی بھی آسانی ہو جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات اسے عدت کے دن

ے کرنے مشکل ہوجاتے ہیں کہ دوسرے نکاح کے شمند پیدا ہوجاتے ہیں (غالباً اسی وجہ سے ن مجید میں عورت کو عدت کے درمیان پیغام نے سے بھی منع کیا گیا ہے۔) اور پھر اگر عورت پنے شوہر سے واقعی جائز شکایات ہوں اور ان زالہ کی کوئی سبیل نہ نکل رہی ہو تو اُسے خلع اور ح نکاح جیسے مواقع اسلامی قانون میں دیئے گئے ، جن کے ذریعہ وہ ظالم شوہر سے گلو خلاصی کراسکتی . پھر شوہر کو طلاق کا حق بھی ایسا آزادانہ نہیں گیا ہے جیسا کہ عام طور سے ذہنوں میں غلط تخیل دا ہوگیا ہے (اس تخیل میں مسلمان مردوں کو جا حق طلاق استعمال کرنے کا بھی بڑا دخل ہے) طلاق دینے سے پہلے اور بھی کئی مراحل سے گذرنے لم دیا گیا ہے۔ آخری چارۂ کار کے طور پر طلاق نے کی اجازت دی گئی ہے جبکہ دونوں میں نباہ کی کل ہی نظر نہ آتی ہو اور ان دونوں کا زبردستی نکاح ، بندھن میں بندھے رہنا دونوں۔ بلکہ دونوں خاندانوں کے لئے وبالِ جان بن رہا ہو۔ پھر اس ، ایسی سختی بھی نہیں برتی گئی کہ عدالت کے واسطہ بغیر طلاق واقع ہی نہ کی جاسکتی ہو بلکہ ایسی خوشگوار صورتحال سے نکلنا اور چھٹکارا پانا بھی سان بنا دیا گیا ہے کیوں کہ عدالت میں مقدمات ، چکر میں پڑ کر بسا اوقات طلاق دینا اور لینا ناخرچیلا اور پریشان کن عمل ہوتا ہے کہ انسان س سے بچنے کے لئے بعض اوقات، ناکردنی کر بیٹھتا ہے، جن مذاہب یا ملکوں میں طلاق صرف ذریعہ عدالت ہی دینے لینے پر پابندی ہے وہاں ورتوں کو جلانے، دریا برد کردینے اور دوسرے طریقوں ے ہلاک کردینے کے بکثرت واقعات پیش آئے س پابندی کے خلافِ فطرت ہونے کے واضح دلائل ہیں۔ پھر عدالت کے ذریعہ طلاق دینے میں عموماً عورت ے کیریکٹر میں خرابی کو ثابت کرنا سہل طریقہ سمجھا جاتا ہے

اس سلسلہ میں سچ کم، زیادہ تر جھوٹ الزامات اس صنفِ نازک پر لگائے جاتے اور اس کے ثبوت پیش کئے جاتے ہیں، غور کیا جائے کہ ایسی صورت میں کیا عورت کی بدنامی نہ ہوگی؟ اور کیا ایسی طلاق کے بعد اس سے کوئی دوسرا شریف آدمی نکاح کرنے پر راضی ہوسکے گا؟

سبق آموز :- دنیا کے مشہور مذاہب بشمول

ہندو مذہب میں طلاق کا قانون ہی نہیں ہے (کیونکہ یہ رشتہ پوری عمر کے لئے ہوتا ہے) بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ایک کے مرجانے کے بعد بھی دوسرے کے حق میں (بالخصوص بیوی کے) حق میں باقی رہتا ہے کہ وہ شوہر کی موت کے بعد بھی دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی (یہی وجہ ہے کہ ہندو عورتیں ستی ہوجایا کرتی تھیں، کیونکہ بیوگی کی زندگی، موت سے بدتر ہوجاتی تھی) لیکن یہ ایسی خلافِ فطرت صورتحال تھی جسے بدلنا ناگزیر سمجھا گیا، چنانچہ اب تقریباً تمام قابل ذکر مذاہب کے لوگوں نے کسی نہ کسی شکل میں علیحدگی کے بعد۔ خواہ موت سے ہوئی ہو یا کسی اور طریقہ سے۔ دوسرا نکاح کرنے کا قانونی حق دے دیا ہے۔ اور نہ صرف موت کی وجہ سے بلکہ بعض اور وجوہ سے بھی علیحدگی کا حق تسلیم کرلیا گیا ہے (مگر وہ عدالت کے ذریعہ ہی حاصل کیا جاسکتا ہے) اس میں سب سے زیادہ قابلِ عبرت یہ بات ہے کہ ہندو کوڈ بل مجریہ ۱۹۵۴ء میں پہلے شوہر سے تعلق ختم ہونے کے بعد دوسرے سے نکاح کرنے کے لئے ایک سال کا وقفہ (گویا عدت) رکھا گیا تھا مگر پھر اُسے بہت زیادہ طویل اور ناقابل برداشت سمجھ کر اس قانون کے اندر مئی ۱۹۷۶ء میں ترمیم کرکے یہ مدت چھ مہینے کردی گئی [قومی آواز ۱۳ر مئی ۱۹۷۶ء] اس ترمیم سے پہلے ایک ہندو مرکزی وزیر کا بیان اخبارات میں آچکا تھا کہ یہ مدت تین مہینہ ہونی چاہئے (گویا تقریباً وہی مدت جو اسلامی قانون کے اندر غیر حاملہ مطلقہ کے لئے مقرر کی گئی ہے) کیا اس کے بعد بھی اسلامی قانونِ طلاق وعدت کے بارے میں کسی نکتہ چینی کی گنجائش۔ کسی منصف کے لئے۔ رہ جاتی ہے؟

تعددِ ازدواج :- "مسلم پرسنل لاء" کے

جن اجزاء کو سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور اب بھی بنایا جارہا ہے ان میں تعددِ ازدواج کے جواز کا (چند بیویاں رکھنے کے جواز کا) مسئلہ بھی ہے، حالانکہ زبانِ قال سے تو اگرچہ مانا نہیں جارہا ہے بلکہ سخت تنقید کی جارہی ہے لیکن۔ زبانِ حال سے (یا یوں کہہ لیجئے کہ عملاً تو) سب نے اس کی افادیت تسلیم کرلی ہے بلکہ اس کا فطری ضرورت ہونا مان لیا ہے۔ ثبوت کے لئے وہ اعداد وشمار کافی ہیں جو دنیا بھر کے لوگوں کا جائزہ لے کر آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں یورپ وامریکہ کا تو ذکر چھوڑیئے۔ یہاں ہندوستان میں۔ جو مذہبی ملک کہلاتا ہے اور جہاں مذہبی احکام پر عمل کرنے والوں کا تناسب دوسرے بہت سے ملکوں سے زیادہ ہے۔ وہاں ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے جائزہ کے مطابق غیر مسلم قبائل میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے والوں کا تناسب ۲۵، ۱۵ فیصد۔ بودھوں میں ۷، ۹۷ فیصد۔ جینیوں میں ۲، ۷، ۶ فیصد۔ ہندوؤں میں ۸، ۵ فیصد تھا، جبکہ مسلمانوں میں صرف ۷، ۵ فیصد۔ یعنی سب سے کم تھا۔
(بحوالہ "قومی آواز" لکھنؤ ۱۱ر دسمبر ۱۹۹۱ء)
اور اس کے بعد ۱۹۸۱ء کے سروے کے مطابق بھی مسلمانوں میں بیک وقت ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کا اوسط صرف ۳، ۴ فیصد اور ہندوؤں میں ۶، ۵ فیصد تھا (بحوالہ ہفت روزہ "نئی دنیا" نئی دہلی ۱۱ر ۱۷ر فروری ۱۹۸۶ء) سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ کہ تامل ناڈو کے مشہور سابق وزیر اعلا رام چاندرن

کے کئی بیویاں تھیں جن میں دو سگی بہنیں تھیں۔
(بحوالہ "سالار" بنگلور۔ دسمبر ۱۹۸۵ء)

علاوہ ازیں یہ کہ دنیا کے بیشتر مذاہب و ممالک میں چند بیویاں رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، بلکہ بعض مذاہب میں تو اس کی کوئی حد بھی مقرر نہیں کی گئی ہے۔ چینی مذہب "لیکی" میں ایک سو بیس بیویاں تک رکھنے کی اجازت بھی۔ (ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی کتاب "المرأة" ص۱)

اسلام نے تو اس کی حد بندی کر کے معتدل بنایا ہے مجبوراً یہ بھی کہنا پڑ رہا ہے کہ جن ملکوں یا قوموں (مثلاً یورپ، امریکہ) نے چند بیویاں رکھنے کے خلاف ایسا پروپیگنڈہ کیا ہے کہ اس کے ذکر سے بھی مغرب زدہ لوگ شرمانے لگتے ہیں لیکن انھوں نے جنسی بے راہ روی کو ایسا عام کیا ہے کہ جانوروں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے، کہ وہاں کنواری ماؤں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور ناجائز اولاد کی کثرت اس درجہ ہوگئی ہے کہ بیان کرتے ہوئے انسانیت شرما جائے۔ دل پر پتھر رکھ کر قارئین یہ اعداد و شمار ملاحظہ کریں: آئس لینڈ میں ۶۵ فیصد اور سوئیڈن ڈنمارک میں ۵۰ فیصد اولاد ناجائز ہوتی ہے۔
("قومی آواز" لکھنؤ۔ ۱۸ جون ۱۹۹۲ء)

بہر حال اس سب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات مرد کے لئے ایک سے زیادہ عورت کی طلب ایک فطری تقاضا ہے جسے اگر قانونی اور مہذب طریقہ پر پورا کرنے کے مواقع نہیں فراہم کئے جائیں گے تو ایسا مرد یا تو بے راہ روی کا شکار ہوگا، یا پھر ایسے مذہب یا قانون کا سہارا لے گا جس میں ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی گنجائش ہو۔ اسلام جو کہ دین فطرت ہے۔ نے جہاں مرد کی اس فطری ضرورت کی رعایت رکھی ہے کہ ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت دی ہے۔ (ضروری یا واجب نہیں قرار دیا جیسا کہ غیروں کی طرف سے پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے) وہیں سخت پابندیاں بھی مرد پر عائد کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ تمام بیویوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے۔ اور وہ تمام ذمہ داریاں قبول کرے جو نکاح کے نتیجہ میں شرعی طور پر عائد ہوتی ہیں، مثلاً نئی بیوی اور پہلی بیوی کے تمام واجب حقوق ادا کرنے پھر یہ کہ سب بیویاں اور ان کی اولادیں یکساں طور پر حق پائیں گی۔ (زندگی اور موت دونوں شکل میں)

البتہ اسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ یہ عبرتناک سزا کا مستحق بنانے والا جرم ہے کہ بس خواہش نفس پورا کرنے تک تو مرد کا عورت سے تعلق رہے اس کے بعد اس کی کوئی ذمہ داری اس پر نہ رہے چاہے اس کے نتیجہ میں عورت میں کچھ بھی گذر جائے،

ہاں! اگر کوئی مرد کسی عورت سے جنسی خواہش کی تکمیل چاہتا ہے تو وہ باقاعدہ اس سے شرعی طریقہ پر عمر بھر کے لئے نکاح کا تعلق قائم کرے۔ اور تمام ذمہ داریاں قبول کرے چند بیویاں رکھنے کے جواز میں خود عورت کے لئے بھلائی کے بہت سے پہلو ہیں جن کا ذکر طوالت کا موجب ہوگا، (باقی ص ۲۹ پر)

غازی پور میں تحفظ مدارس کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ

غازی پور .... چند ماہ قبل ملک کی ممتاز دینی درسگاہوں پر پولیس اور سی آئی ڈی کے شکوک و شبہات اور چھاپوں نے پورے ملک کے مسلمانوں کو چونکا دیا تھا اور وہ سوچنے لگے تھے کہ اگر یہ سلسلہ اسی طرح دراز ہوتا چلا گیا تو مدارس اسلامیہ کی روشن تاریخ اور بے داغ کردار مشکوک ہو جائے گا۔ دنیا جانتی ہے کہ مدارس اسلامیہ ہمارا وہ بیش قیمت اثاثہ ہیں جن پر ہمیں ناز ہے اور ہم ان کو جی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ ان کی حفاظت ہمارا دینی فریضہ ہے۔

الحمدللہ غازی پور کے ذمہ داران و بہی خواہان مدارس نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے فیصلوں کی روشنی میں تحفظ مدارس کمیٹی قائم کی ہے جس کے اب تک کئی اجلاس ہو چکے ہیں۔ ۱۸ جون کو اس کا ایک اجلاس دارالعلوم قادریہ میں مولانا جمیل احمد صاحب پرنسپل چشمۂ رحمت کی صدارت میں ہوا جس میں مولانا محمد خالد صاحب ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے خصوصی طور پر شرکت کی۔

اس اجلاس میں طے کیا گیا کہ جلد ہی غازی پور میں تحفظ مدارس کانفرنس طلب کی جائے گی جس میں ملک کے ممتاز علما کو شرکت کی دعوت دی جائے گی۔ مجلس استقبالیہ کی تشکیل اور عہدیداران کا انتخاب عمل میں آچکا ہے اور کانفرنس کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔

صدر مجلس استقبالیہ مرزا اشفاق بیگ، نائب صدر ڈاکٹر حیدر علی خاں و ڈاکٹر رشید شرقی، سکریٹری صاحبان فیروز انصاری، قاری جنید اشرف قادری و حامد علی ایڈوکیٹ۔ خازن محمد یوسف انصاری ــ عزیز الحسن صدیقی۔ کنوینر تحفظ مدارس کمیٹی۔ غازی پور ۲۰/۶/۹۵ء

مدارس کے ذمہ داروں اور کارکنوں کے لیے سبق آموز واقعات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

انتخاب: مولوی محمد اسمٰعیل ندوی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی علمی و روحانی شخصیت جو اخلاص وللّٰہیت، ایمان واحتساب، اپنے اساتذہ وشیوخ کے معاملہ میں کامل اطاعت وانقیاد، مربیوں اور محسنوں کے مسئلہ میں مکمل تفویض وتسلیم، مقاصد زندگی کے بارے میں توکل وقناعت، اعتماد علی اللہ بلکہ ایثار وقربانی، محنت ومطالعہ اور حصول کمال کے سلسلہ میں استغراق وخود فراموشی، معاصرین کے ساتھ تعلقات میں تواضع واعتراف، مختلف الخیال عوام، افراد وجماعتوں کے سلسلے میں حسن ظن، التماس عذر اور جمع بین الاضداد کی قوت وصلاحیت، کمالات علمی اور مدارج باطنی کے حصول میں علوّ ہمت ومجاہدہ، رفقاء کار وشرکاء حیات کے بارے میں اپنے فرائض کی ادائیگی سے سروکار اور اپنے حقوق کے مطالبہ سے خاموشی کا نمونہ تھی وہ عوام وخواص سب میں معروف اور جانی پہچانی شخصیت ہے اگر فن حدیث پر حضرت شیخ کے علمی کام کے ذریعہ عرب وعجم کے علمی حلقے اور خواص واقف ہیں تو فضائل اعمال جیسی کتابوں کے ذریعہ جو دنیا کے کونے کونے میں پڑھی جاتی ہے اور بے شمار مساجد میں کسی نہ کسی نماز کے بعد اس کا درس ہوتا ہے۔ عوام بھی اچھی طرح واقف ہیں۔

حضرت شیخؒ نے اپنی آپ بیتی بھی جو مدرسہ مظاہر العلوم کی ساٹھ سالہ زندگی کے حالات وکوائف وقت کے مشائخ وبزرگوں کے اخلاص وکارناموں پر مشتمل ہے لکھی ہے یہ آپ بیتی اصلاح وتربیت کے بہت سے پہلوؤں پر مشتمل ہے لیکن خاص طور پر مدارس کے ذمہ داروں واساتذہ وکارکنوں کے لئے جو چیزیں مفید ہیں ان کو ہم ہدیۂ ناظرین کررہے ہیں۔ حضرت شیخ خود فرماتے ہیں۔ اپنے ساٹھ سالہ قیام مظاہر العلوم کے دوران جو کچھ دیکھا اور اکابر کے متعلق سنا وہ کچھ حذف واضافہ کے ساتھ اجمالاً دوستوں کے سامنے آجائے.... کہ آئندہ کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ اکابر کا معمول مدارس کے سلسلہ میں کس قدر احتیاط اور شدت کا رہا، دیکھا اور سنا تو بہت کچھ، ان سب کا احصاء دشوار بھی ہے اور طویل کتاب چاہتا ہے۔ لیکن نمونے کے طور پر چند واقعات اہل مدارس کی خدمت میں ضرور پیش کرنے کو جی چاہتا ہے کہ کسی اللہ کے بندے کو ان اکابر کے اتباع کی توفیق نصیب ہوجائے ——— (ادارہ)

مجاہدہ

حضرت اقدس مولانا الحاج شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے اپنی طالب علمی کے واقعات بہت ہی کثرت سے سنائے۔ یہ ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ سردی میں کوئی کپڑا سردی کا نہیں تھا کسی سے اظہار کو غیرت مانع تھی۔ اس کی انتہائی کوشش میں رہتا تھا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ جب تک مسجد کے کواڑ کھلے رہتے، عوام کے سامنے سینکنے کے بہانے سے بیٹھا رہتا اور جب سب چلے جاتے تو مسجد کے اندر زنجیر لگا کر مسجد کی صف کے ایک کونے پر لیٹ کر کروٹیں بدلتا ہوا دوسرے کونے تک پہونچ جاتا۔ وہی صف اوڑھنا بچھونا بن جاتی تھی۔ سر اور پیروں کی طرف سے خوب ہوا لگتی رہتی تھی۔ تہجد کے وقت اسی طرح کروٹیں بدلتا ہوا دوسری جانب آجاتا، صف بچھ جاتی۔ پھر ارشاد فرمایا وہ سردی تو گذرگئی لیکن اللہ کے فضل سے اس کے بعد سے کوئی سال ایسا نہیں گذرا کہ مالک کی طرف سے ایک دو لحاف عمدہ ہدیہ کے اندر نہ آئے ہوں۔ حضرت نور اللہ مرقدہ نے اپنی طالب علمی کی جدوجہد اور رائے پور کی ابتدائی حاضری کے واقعات اتنی کثرت سے سنائے کہ ان کے لکھنے کے واسطے بڑا دفتر چاہئے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ سہارنپور کی طالب علمی کے دور میں داخلہ بند ہوچکا تھا۔ مطبخ تو مدرسہ کے اندر اس وقت تک قائم ہی نہیں ہوا تھا۔ طلبہ کو وظیفہ ملا کرتا تھا۔ دار الطلبہ بھی نہیں بنا تھا۔ اس لئے طلباء کا قیام مساجد میں رہتا تھا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ایک مسجد میں ہمارا پانچ آدمیوں کا قیام تھا۔ ایک طالب علم امام تھا اس کا کھانا محلہ سے آتا تھا، اور دو کا وظیفہ مدرسے سے تھا۔ وہ اسباق سے فارغ ہونے کے بعد اپنی روٹی خود ہی پکایا کرتے تھے۔ کبھی دال بھی پکالی ورنہ چٹنی۔ تین آدمیوں کا کھانا ہم پانچ آدمی کھایا کرتے تھے۔ پیٹ صرف اس دن بھرتا تھا جبکہ محلہ میں کسی جگہ دعوت ہوتی تھی۔ یا جمعرات وغیرہ کو مسجد میں کوئی اور کچھ دے جائے، ورنہ آدھی بھوک ہی اکثر کھانے کی نوبت آتی تھی۔ حضرت نے موجودہ طلبا کے ہنگاموں پر کئی مرتبہ ارشاد فرمایا کہ یہ تم لوگوں نے مطبخ جاری کرکے کیا ہے۔ دونوں وقت پکی پکائی بے فکری سے ملتی ہے۔ اس لئے کبھی روٹی کچی مل جاتی ہے، کبھی سالن ناپسند ہوجاتا ہے۔ ہم لوگوں کو اسباق کے بعد اس زمانے میں اپنی اپنی روٹی پکانے کی فکر پڑجاتی تھی اپنے ہی ہاتھ سے طلبہ عام طور سے پکاتے تھے کچی پکی جیسے پک جاتی تھی، اسی کو غنیمت سمجھتے تھے۔ اپنی پکائی ہوئی ہوتی تھی اس میں عیب نہیں نکلتا تھا۔ اب مطبخ سے پکی پکائی ملے ہے سیکڑوں عیوب اس کے اندر پیدا ہوتے ہیں اور شکم سیر روٹی کھاکر لغویات کی سوجھے ہے ہم لوگوں کو اتنا وقت ہی نہیں ملتا تھا کہ ان خرافات کی سوجھے حدیث پاک کے اندر بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے:

"الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ فما وجدتم فیہ من حرام فحرّموہ وانّما حرّم رسول اللّٰہ کما حرّم اللّٰہ" (الحدیث)

(مشکوٰۃ بروایت ابی داؤد)

(ترجمہ) عنقریب ایک زمانہ آئے گا کہ آدمی پیٹ بھرا اپنے مزین تخت پر بیٹھا ہوا کہے گا کہ بس قرآن پاک کو مضبوط پکڑو، ہم صرف اسی کو مانیں گے جو حلال وحرام قرآن میں ہے حالانکہ اللہ کے رسول نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ ایسی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں۔

یہ ارشاد مبارک ان لوگوں کے بارے میں ہے جو حدیث شریف کا انکار کرتے ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ یہ ساری باتیں پیٹ بھرائی اور پیسے سے پیدا ہوتی ہیں۔ فقر وفاقہ میں لغویات اور خرافات کی نہیں سوجھتی۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ اپنے رائے پور کی حاضری کے ابتدائی دور کے قصے بھی بہت ہی لطف اور مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے کیونکہ اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہٗ کے خادم خاص تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کو لٹانے کے بعد جب دوپہر کو حضرت آرام فرماتے تو میں کواڑ بند کرکے مہمانوں کے کھانا پکنے کی جگہ جاتا۔ معز الدین مرحوم جو بڑے حضرت کے مہمانوں کے کھانے پکانے کے منتظم تھے، وہ سب مہمانوں کو کھلاکر مطبخ بند کرکے اپنے گھر چلے جاتے۔ میں وہاں جاکر دیکھتا، کبھی ایک آدھ روٹی بچی ہوئی ہوتی۔ سالن کی دیگچیوں سے پونچھ کر کھالیتا اور کبھی کچھ بھی بچا ہوا نہیں ہوتا تھا تو سوکھے ہوئے ٹکڑے طاقوں وغیرہ میں رکھے ہوئے مل جاتے تھے۔ ان کو پیالے میں ڈال کر پانی میں بھگو کر نمک ڈال کر، اور اگر نمک نہ ملتا تو بغیر نمک ہی کے کھالیا کرتا تھا۔ کبھی پیٹ بھرتا، کبھی نہ بھرتا کسی دوسرے سے تو کیا کہتا، میں نے کبھی معز الدین مرحوم سے بھی یہ نہیں کہا کہ تم نے میرے واسطے روٹی نہیں رکھی۔ اور بھی اس قسم کے واقعات سنا کر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ آج کل کے خدام کے لئے اگر کھانا نہ بچے تو منتظم کی جان کو آجائیں۔

میرے چچا جان مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے مجھے ایک مرتبہ کارڈ لکھا کہ کئی دن سے تم کو ایک ضروری خط لکھنے کا تقاضا تھا مگر میرے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا قرض لینے کو دل نہ چاہا۔ آج اللہ نے پیسے عطا فرمائے ہیں، تم کو خط لکھ رہا ہوں، اور سید الطائفہ حضرت الحاج مولانا امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا قصہ تو مشہور عالم ہے کہ مکہ مکرمہ میں کئی دنوں کے فاقوں کے بعد ایک ایسے مخلص دوست سے جس سے بڑے تعلقات بھی تھے، دو ہلل[1] قرض مانگے تھے۔ اس نے عذر کردیا۔ اس پر حضرت کو بہت ہی رنج وقلق ہوا کہ کیوں مانگے تھے۔ اس کے بعد حضرت قدس سرہٗ نے خواب میں دیکھا کہ ابتلا کا دور ختم ہوگیا، اب فتوحات کا دور ہے۔ پھر جو فتوحات ہوئیں وہ سب کو معلوم ہیں ہم لوگوں سے ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہیں ہوتی۔

(جاری)

---

[1] ایک سعودی سکے کا نام

(بقیہ) مغربی سازش

.... جس کا اعتراف خود یورپ کے مفکّرین کو ہے اور اس حد تک ہے کہ انھوں نے اپنی ساری توانائی اس وقت اس کے مقابلے پر صرف کررہی ہے اور ہر طرف "اسلام ایک خطرہ" کا نعرہ بلند ہورہا ہے۔ کیا اس میں یہ سبق پنہاں نہیں ہے کہ اسلام کو مٹانے کی ہر کوشش کی ناکامی خدا کی طرف سے مقدر ہے۔ یریدون لیطفئوا نور اللّٰہ بأفواھھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

متحدہ نظام سول کوڈ کیوں ممکن العمل نہیں ہے؟

سید غلام محی الدین

ہندوستان کے دستور میں ریاست کے لئے رہنما اصولوں میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ملک میں یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی سعی کی جائے گی اس ہدایت کا مقصد غالباً یہی رہا ہوگا کہ یکساں سول کوڈ سے سماجی اور قومی یکجہتی کے حصول میں مدد ملے گی۔ اس ہدایت کے دینے والوں کو یہ یقین رہا ہوگا کہ رفتہ رفتہ مذہبی قوانین کی گرفت ڈھیلی پڑتی جائے گی اور اس کی جگہ ایک غیر مذہبی یکساں سول کوڈ کا نفاذ ممکن ہو جائے گا۔

دستور بنانے والوں کی یہ امید کہاں تک بارآور ہوئی ہے اور مختلف عائلی قوانین کی جگہ یکساں سول کوڈ کو نافذ کرنے میں حکومت نے اب تک کیا کوشش کی ہے؟ اس کا جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ اکثریت کے عائلی قوانین کو بڑی حد تک معقول بنایا جا چکا ہے اور اب صرف اقلیتوں کے عائلی قوانین میں ترمیم کرکے انھیں غیر مذہبی سول قوانین سے ہم آہنگ کرنے کا کام باقی رہ گیا ہے، یہی بات سپریم کورٹ کے جسٹس کلدیپ سنگھ نے ایک عالیہ فیصلہ میں کہی ہے لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

دستور ہند کے آرٹیکل ۴۴ کے نفاذ کے بعد پارلیمنٹ نے شادی اور طلاق سے متعلق ایک غیر مذہبی قانون (اسپیشل میرج ایکٹ مجریہ ۱۹۵۴ء) مرتب کیا اور اس کے ساتھ ایک دوسرے سیکولر قانون (انڈین سکسیشن ایکٹ مجریہ ۱۹۲۵ء جس کا تعلق وراثت سے تھا) منسلک کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ جو لوگ اسپیشل میرج ایکٹ کے تحت شادی کریں گے ان پر ۱۹۲۵ء کے غیر مذہبی قانون وراثت کا اطلاق ہوگا، لیکن ان غیر مذہبی قوانین کا اطلاق اکثریتی فرقہ پر کرنے کے بجائے ان کے لئے دو دوسرے قوانین یعنی ہندو میرج ایکٹ مجریہ ۱۹۵۵ء اور ہندو سکسیشن ایکٹ مجریہ ۱۹۵۶ء وضع کئے گئے۔ اس طرح سن بلوغت اور نابالغوں کی ولایت کے قوانین مجریہ ۱۸۷۵ء اور ۱۸۹۰ء کی جگہ ایک نیا ہندو بلوغت و ولایت ایکٹ ۱۹۵۶ء میں بھی وضع کیا گیا۔ مطلقہ عورتوں کے گذارے کے لئے انڈین پینل کوڈ مجریہ ۱۸۹۸ء میں پہلے سے ہی دفعات موجود تھیں جنھیں شاہ بانو کے مقدمے میں سپریم کورٹ نے شرعی قوانین پر اولیت دے کر مسلمانان ہند کے لئے ایک بڑا مسئلہ پیدا کر دیا تھا۔ لیکن اس قانون سے قطع نظر کرتے ہوئے ۱۹۵۶ء میں ہندوؤں کے لئے گذارے اور گود لینے کا ایک الگ قانون بنا دیا گیا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء میں ہندوؤں کے لئے وضع کردہ ان تمام قوانین میں نہ تو پہلے سے موجود سیکولر قوانین کو داخل کیا گیا ہے اور نہ جدید سماجی تصورات کو ہندوؤں کے لئے وضع کردہ ان قوانین سے قبائلی طبقات پر مشتمل ایک بہت بڑی آبادی کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے اور مختلف مقامی رسم و رواج کو بھی قانونی حیثیت دے دی گئی ہے۔

۱۹۶۲ء میں مینو اور ناگا قبائل کے رسم و رواج کو قانونی حیثیت دینے کے لئے دستور ہند میں ترمیم کرکے ایک نئے آرٹیکل ۳۷۱ (الف) کا اضافہ کیا گیا۔ پرتگال کے مقبوضہ علاقوں گوا، ڈامن اور ڈیو کی ۱۹۶۲ء میں آزادی کے بعد ہندوؤں کو چھوڑ کر دوسرے باشندوں پر نافذ پرتگالی سول کوڈ کو بحال رکھا گیا، لیکن اس کے ساتھ ہندو رسوم کے احکام میں ۱۸۸۰ء کو بھی قانونی حیثیت دے دی گئی۔ ان تمام قوانین سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اکثریتی طبقہ کے عائلی قوانین کو ابھی تک ان کی منشاء کے مطابق رہنے دیا گیا ہے اور اس میں اب تک جو تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں وہ غیر مذہبی یا سیکولر قوانین کی روشنی میں نہیں بلکہ اُن کی اپنی مرضی کے مطابق مختلف مسائل و مشکلات کے حل کے لئے ہی کی گئی ہیں۔ لہٰذا جب تک اکثریت اپنے مذہبی قوانین پر عمل کرنے کے لئے آزاد ہے اور جب تک وہ خود کی یکساں سول کوڈ کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہو جاتی اقلیتوں سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اپنے عائلی قوانین سے دستبردار ہو جائیں سراسر ناانصافی ہے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ ایک ہی مذہب کے ماننے والے ملک کے اسّی فیصد باشندے اپنے لئے آج تک کوئی یکساں سول کوڈ نہیں وضع کر سکے ہیں۔ تو پھر پورے ملک کے تمام باشندوں کے لئے جو مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں ایسے کسی سول کوڈ کو قبول کرنے کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔

اقلیتیں خصوصاً مسلمان یکساں سول کوڈ سے متنفر کیوں ہیں؟ یہ سوال بھی گذشتہ سوال کی طرح اہم ہے کیونکہ ڈاکٹر امبیدکر نے دستور کے آرٹیکل ۴۴ پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ مسلمانوں کی مرضی کے خلاف کوئی پاگل حکومت ہی یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی سعی کر سکتی ہے۔ بدقسمتی سے اس وقت کچھ لوگ اس پاگل پن پر مُصر نظر آ رہے ہیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اسلام

معتمد معاشرے کے لئے خاندان کو بنیادی واحدہ تسلیم کرتا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے قرآن وحدیث دونوں کے ذریعہ تفصیلی احکام عطا کرتا ہے اسلام کے ان خاندانی قوانین میں جس کی جڑیں اس کے مذہبی اور اخلاقی نظام میں پیوست ہیں کسی قسم کی تبدیلی نہ صرف خاندان بلکہ پورے معاشرے پر اثر انداز ہو سکتی ہے بلکہ اسے مختلف قسم کے خطرات میں ڈال سکتی ہے دراصل یہی احساس ہے جس کی وجہ سے ہندوستانی مسلمان کسی بھی دوسرے سماجی یا سیاسی مسئلہ کے مقابلہ میں اپنے عائلی قوانین کی حفاظت پر اتنے زیادہ متفق الرائے ہیں لہٰذا جو لوگ یکساں سول کوڈ کی وکالت کرتے ہیں انھیں اس معاملہ میں مسلمانوں کے شدید احساس کا لحاظ رکھنا چاہئے

ہندوستانی مسلمان سیکولر حکومت کے خلاف نہیں ہیں لیکن جمہوری نظام حکومت میں اکثریت کی فیصلہ کن حیثیت ہندوستانی معاشرہ کی مذہبی تقسیم اور اقلیت واکثریت کی غیر مبدل شکل جیسے مسائل ان کے لئے پریشان کن ہیں انھیں خوف ہے کہ اکثریت کسی وقت ان کے عائلی قوانین کی اہمیت کا ادراک نہ کر سکے یا اکثریت کا کوئی طبقہ یا سیاسی جماعت سیاسی فائدہ کے خاطر ان کے مذہبی حقوق میں قطع بُرید کرنا چاہے تو وہ کیا کریں گے، یہ خوف بالکل بے بنیاد نہیں ہے۔ اگر ہندوؤں کے مذہبی تصورات کو غیر مذہبی قوانین میں جگہ دی جا سکتی ہے تو پھر یکساں سول کوڈ کے ذریعہ تو مسلمانوں کے عائلی قوانین میں کیع اور بنیادی تبدیلیاں کرنا مشکل نہ ہوگا کچھ عرصہ قبل پارلیمنٹ نے مسز پھول رینا۔ سمر گوہا کی صدارت میں خواتین کے حقوق سے متعلق ایک کمیٹی کی تشکیل کی تھی اس کمیٹی نے اپنی ضخیم رپورٹ میں جو سفارشات کی تھیں اگر انھیں نافذ کر دیا جاتا تو مسلم پرسنل لا کا نام ونشان ہی باقی نہ رہ جاتا۔ اس کے برعکس ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں سیکولر قوانین کے ذریعہ ہندوؤں کے مذہبی قوانین کو نافذ کر دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اسپیشل میرجز ایکٹ ۱۹۵۴ء ہندوستان کے ان تمام شہریوں پر یکساں طور پر نافذ ہوتا ہے جو اس ایکٹ کے تحت شادی کرتے ہیں لیکن اس میں چچازاد یا خالہ زاد فریقین کے درمیان شادی کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے دوسرے الفاظ میں کوئی مسلمان یا عیسائی عم زاد یا خالہ زاد بھائی بہن اس قانون کے تحت شادی نہیں کر سکتے، ہندوستانی قانون میراث مجریہ ۱۹۲۵ء ان سبھی افراد پر نافذ ہوتا تھا۔ جو اسپیشل میرجز ایکٹ کے تحت شادی کرتے تھے لیکن ۱۹۷۶ء میں ایک ترمیم کے ذریعہ ان ہندوؤں، بودھوں یا جینیوں اور سکھوں کو جو اپنے فرقہ میں ہی شادی کریں ہندوستانی قانونی میراث مجریہ ۱۹۲۵ء سے نکال کر ہندو میراث ایکٹ مجریہ ۱۹۵۶ء کے تحت کر دیا گیا ہے لیکن اس کے برعکس جو مسلمان یا عیسائی اسی ایکٹ کے تحت شادی کریں گے وہ فریقین کے ایک ہی مذہب پر ہونے کے باوجود اپنے مذہب کے میراث کے قانون سے محروم رہیں گے۔ اور ان کی میراث ہندوستانی قانون میراث مجریہ ۱۹۲۵ء کے تحت طے کی جائے گی۔ اسی طرح ہندوستان کے متعدد ٹیکس قوانین میں متحدہ ہندو خاندان کو رعائتیں دی گئی ہیں ان تمام حالات کے پیش نظر جن میں اکثریتی طبقہ کے مذہبی قوانین کو نہ صرف برقرار رکھا گیا ہے بلکہ سیکولر قوانین کے ذریعہ ان کی حفاظت بھی کی گئی ہے۔ یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ دوسری مذہبی اقلیتیں اپنے عائلی قوانین سے دستبردار ہو جائیں گی حقیقت یہ ہے کہ خود اکثریتی طبقہ بھی ان تمام مراعات کو یکساں سول کوڈ کے لئے چھوڑنے پر راضی نہیں ہوگا۔

صنف نازک کے ساتھ بلاشبہ انصاف کا معاملہ کیا جانا چاہئے لیکن مختلف مذہبی قوانین کے علاوہ خود سیکولر قوانین میں اکثر ان کی حق تلفی کو روا رکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر متوفی کی والدہ، بیوہ اور لڑکی کو شرعی قانون کے تحت زرعی زمینوں میں اس کا ترکہ ملنا چاہئے لیکن خاتمہ زمینداری ایکٹ ۱۹۵۰ء نے متوفی کے لڑکے کی موجودگی کی صورت میں اس کا یہ حق سلب کر لیا گیا ہے۔ ان تمام حقائق کے باوجود شاہ بانو مقدمہ میں فیصلہ کے بعد پورے ملک میں یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ مسلم پرسنل لا ملک کی ترقی اور قومی یکجہتی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اس کی موجودگی میں ایک ترقی پذیر معاشرہ کے قیام اور اس کی ضرورتوں کو پورا کرنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ مسلم پرسنل لا اور ہندوستان کے جدید غیر مذہبی ریاست کے تصور میں بعد المشرقین ہے ہندوستان کے انگریزی پریس نے اس پروپیگنڈہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور مسلم پرسنل لا کے متعلق اکثر حقائق کو سامنے آنے نہیں دیا یا آسے غلط انداز سے پیش کیا۔

بہت سی سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں نے اب تک جتنے سروے (جائزے) کئے ہیں ان سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کی بہ نسبت ہندوؤں میں تعداد ازدواج زیادہ رائج ہے، جنوبی ہندوستان کے اکثر ہندو فرقوں مثلاً نائر فرقہ میں دوسری شادی کا عام رواج ہے بلکہ یہ اس قدر عام ہے کہ جتنی پہلی شادی، مسلم پرسنل لا خاندانی تنازعات کو سلجھانے اور کم کرنے میں اپنی مثال آپ ہے ومینس ایکشن گروپ (WOMENS ACTION GRUP) احمد آباد کے ایک جائزے کے مطابق احمد آباد میں ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۳ء تک ہندوؤں اور مسلمانوں کے پینتیس ہزار (۳۵۰۰۰) سول مقدمات عدالتوں میں دائر کئے گئے جن میں مسلم پرسنل لا کے تحت دائر ہونے والے مقدمات کی تعداد اس پوری مدت میں صرف ترپن (۵۳) تھی، ہمارا پریس ایسے تمام حقائق کو شائع کرنے سے اکثر وبیشتر اس لئے گریز کرتا ہے تاکہ عوام میں

یہ غلط فہمی باقی رہے کہ قومی یکجہتی کی راہ میں مسلم پرسنل لاء ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

قوانین کے ذریعہ سماجی سدھار کرنا ممکن بھی نہیں ہے، تعدادِ ازدواج ملکی قوانین کے تحت اس طرح جرم ہے جس طرح عورتوں پر مظالم لیکن لوگ دوسری شادی بھی کرتے رہتے ہیں۔ اور دلہنوں کو جلا کر مارنے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ مانع جہیز قانون مجریہ ۱۹۶۱ء ناقابل العمل ثابت ہو چکا ہے قانون دیوداسی اور ستی کی رسموں کو اجازت نہیں دیتا لیکن انھیں آج تک ختم نہیں کیا جاسکا ہے۔ یکساں سول کوڈ بھی یکجہتی کے لئے ضروری نہیں ہے یوروپین معاشرہ سے تہذیب و تمدن اور مذہبی یکسانیت کی بنا پر ان کے عائلی قوانین بہت حد تک ایک جیسے ہیں لیکن خاندان کی شکست و ریخت اور اخلاقی شعور کی بربادی کے باعث مغربی معاشرہ یکساں سول کوڈ کے ہوتے ہوئے ان تمام ممالک میں روبہ زوال ہے، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ہر ریاست میں الگ الگ عائلی قوانین ہیں چنانچہ اگر ایک ریاست میں طلاق حاصل کرنا مشکل ہے تو دوسری ریاست میں آسانی، امریکہ کے اکثر باشندے ان قوانین سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک ریاست سے دوسری ریاست میں جاکر طلاق حاصل کرلیتے ہیں، لیکن وہاں آج تک کسی نے یہ مطالبہ نہیں کیا ہے کہ سبھی ریاستوں کے عائلی قوانین میں یکسانیت لائی جائے۔

یکساں سول کوڈ مختلف طبقات کے تشخص کی بقاء کے لئے بیحد خطرناک ثابت ہوسکتا ہے، کھاسی قبائل اور کیرالا کے بعض فرقے باپ کے بجائے ماں کو خاندان کا سربراہ تسلیم کرتے ہیں شمال مشرق کے قبائل کے رسم و رواج اور ملک کے دوسرے حصوں کے قبائل کے رسم و رواج میں بعد المشرقین ہے خود ہندوؤں میں ملک کے ایک حصہ میں اگر ایک گوتر کے افراد میں شادی بیاہ کی مخالفت ہے تو ملک کے دوسرے حصہ میں ماموں کا اپنی بھانجی کے ساتھ شادی کرنا افضل سمجھا جاتا ہے۔ ان تمام حیران کن اختلافات میں یکسانیت لانے کی کوشش کرنا سعئی لاحاصل کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ان تمام مذہبی اور تہذیبی طبقات اور خود ہندوؤں کے اکثر فرقے یکساں سول کوڈ کو اپنے مذہبی تشخص کے لئے انتہائی نقصان دہ سمجھیں گے۔ اور اس پر کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ صنف نازک سے انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے یکساں سول کوڈ کے بجائے ان فرقوں کے قوانین میں اس طرح پر تبدیلی کرنا زیادہ مفید ہوگا جو ان فرقوں کے معاشرتی نظام، تصور اخلاق اور مذہبی اور روحانی نظریات سے ہم آہنگ ہو۔

آخر میں اس پر بھی ایک نظر ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یکساں سول کوڈ کا مطالبہ کون کر رہا ہے۔ سرلا مدگل کے مقدمہ میں سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ اور جسٹس کلدیپ سنگھ کی اس ہدایت کے بعد کہ یکساں سول کوڈ مرتب کیا جائے، جدیدیت پسند حلقوں کے چند دانشوروں نے اس کی حمایت کی ہے مگر اس بار ان میں وہ جوش و خروش نہیں ہے جس کا مظاہرہ انھوں نے شاہ بانو کے مقدمہ کے بعد کیا تھا۔ قومی سیاسی جماعتیں مثلاً انڈین نیشنل کانگریس، جنتا دل اور ہندوستانی کمیونسٹ پارٹیوں نے بھی اس معاملے میں کسی خاص دلچسپی کا اظہار نہیں کیا ہے بلکہ بعض نے جس طرح اس مسئلہ کو اٹھایا ہے اس پر ناراضگی کا اظہار بھی کیا ہے۔ یکساں سول کوڈ کے سب سے بڑے مؤید اس وقت بھارتیہ جنتا پارٹی اور شیوسینا ہیں۔ بی جے پی اس معاملہ میں جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اقلیتوں کو یہ یقین دہانی بھی کرا رہی ہے کہ یکساں سول کوڈ کا مطلب ہندو کوڈ کا نفاذ نہیں بلکہ تمام ترقی یافتہ قوانین کو اس میں شامل کرنا ہے، بہرحال ان ہندو احیاء پرست جماعتوں نے اپنے اعلانات و پروگراموں میں اب تک اقلیت دشمنی کے جس رویے کا مظاہرہ کیا ہے اس کے پیش نظر اس میں قطعی شبہ نہیں ہے کہ یکساں سول کوڈ کے ذریعہ وہ قومی یکجہتی یا عورتوں کے ساتھ انصاف کے بجائے مختلف عائلی قوانین کو ہندویت کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ کوئی بھی سمجھدار اور محب وطن ہندوستانی اس قسم کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کرسکتا کیونکہ قومی اتحاد و یکجہتی کا حصول مختلف النوع مذاہب اور تہذیبی اکائیوں کو برزور فسخ کرنے میں نہیں بلکہ ان کے درمیان مشترک عناصر کی تلاش پر مبنی ہے۔

ایک مطالعہ

بابا فرید گنج شکرؒ

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(۲)

حضرت خواجہؒ کا نام مسعود اور لقب فریدالدین تھا اور گنج شکر کے لقب سے مشہور عالم ہیں آپ کے جدّ بزرگوار قاضی شعیب تاتاریوں کے حملہ میں کابل سے لاہور تشریف لائے۔ قصبہ کھتوال کی قضاۃ و جاگیر عطا ہوئی یہیں ۵۶۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ صغر سنی میں ملتان کا سفر کیا اور شہر کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ ۵۸۴ھ میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ مرشد کی ہدایت کے مطابق علوم کی تکمیل کی اور شیخ کے انتخاب کردہ مکان میں غزنیں دروازہ کے قریب قیام فرمایا جہاں وہ ریاضت، مجاہدے میں مشغول ہوگئے سلوک کی تکمیل کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے اور ہانسی میں قیام فرمایا۔ شیخ کے انتقال کے تیسرے روز دہلی پہنچے۔ مزار پر شیخ پر فاتحہ پڑھی۔ قاضی حمیدالدین ناگوری نے وصیت کے مطابق شیخ کا خرقہ اور دوسری امانتیں سپرد کیں، یہ گویا جانشینی کا اعلان تھا دوگانہ پڑھ کر شیخ کی جگہ پر بیٹھے۔

دہلی میں ایک آشنائے قدیم کو اُن سے ملاقات میں وقت لگا۔ وہ رویا۔ شیخ کے دل پر چوٹ لگی۔ شیخ نے فرمایا میں ہانسی جاؤں گا۔ وہاں بھی خلق نے ہجوم کیا۔ آپ نے اجودھن (موجودہ پاک پٹن) کو اپنی قیام کے لئے انتخاب کیا۔ وہاں بھی خلائق نے ہجوم کیا۔ ابتدائے قیام میں عسرت اور فقر و فاقہ کی زندگی گذاری پھر یہ حال ہوا کہ دن و رات مطبخ گرم رہتا اور آدھی رات گئے تک کھانے والوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ لوگوں کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن سلطان ناصرالدین محمود کا پورا لشکر خواجہ کی زیارت کے لئے پہنچا ہجوم قابو سے باہر تھا۔ آخر خدام نے حضرت خواجہ کے پیراہن کی آستین بالاخانہ سے لٹکا دی۔ اہل لشکر آتے تھے اور اس کو بوسہ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ آستین تار تار ہوگئی۔ مجبوراً حضرت مسجد میں تشریف لائے لوگوں نے حلقہ بنا لیا۔ لوگ آتے تھے حلقہ کے باہر کھڑے ہو کر سلام کرتے تھے اور رخصت ہو جاتے تھے۔

سلطان ناصرالدین نے خود حاضری کا قصد کیا۔ نائب السلطنت غیاث الدین بلبن نے سلطان کو روکا اور خود ان کی جگہ پر کچھ نقد اور چار گاؤں کا فرمان لے کر پہنچا اور پیش کیا۔ شیخ نے تبسم فرما کر فرمان واپس کر دیا اور ساری رقم اسی وقت درویشوں میں تقسیم کر دی۔

حضرت شیخ کے اپنے نامور معاصرین اور دوسرے سلسلے کے مشائخ کبار سے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات تھے۔ شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانیؒ سے بے تکلفی کے تعلقات تھے۔

حضرت خواجہ کا اصل جوہر وہ ذوق و شوق درد و عشق اور جذب الٰہی ہے جس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور حضرت علاءالدین علی صابرؒ جیسے عاشقوں اور دردمندوں کی تربیت کی خشیت اور رقت کا بڑا غلبہ تھا کوئی عبرت خیز و رقت خیز بات سنتے تو بے اختیار روتے قرآن مجید کے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کا بڑا ذوق تھا۔

سماع کا بڑا ذوق تھا کسی نے کہا تھا علماء کو اس میں اختلاف ہے۔ فرمایا سبحان اللہ ایک جلا بھی اور راکھ بھی ہوگیا۔ دوسرا ابھی اختلاف ہی کر رہا ہے۔ ساری زندگی اہل دول اور ارباب حکومت سے بے تعلق رہے۔ اپنے مشائخ کرام کے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہے خانقاہ بنوانے اور اس میں بیٹھنے کو بہت ناپسند کرتے تھے۔

اس طبعی ذوق کی وجہ سے باوجود رجوع عام اور امراء اور خواص کی عقیدت کے انتقال سے پہلے عسرت اور تنگی کا دور شروع ہوگیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا۔ "انتقال کا زمانہ قریب تھا حضرت شیخ شیوخ العالم کو تنگی پیش آئی۔ میں ماہ رمضان میں موجود تھا کسی رات بھی میں نے ان دنوں سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا جب رخصت ہونے لگا تو حضرت نے خرچ کے لئے مجھے ایک سلطانی عطا فرمایا اُس دن میں رُکا۔ افطار کے وقت حضرت شیخ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ میں حضرت کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ حضرت کی بارگاہ سے مجھے ایک سلطانی عطا ہوئی ہے اجازت ہو تو اس سے کچھ کھانے کا انتظام کر لیا جائے۔ حضرت نے اجازت مرحمت فرمائی اور بڑی دعائیں دیں۔"

حضرت شیخ کی وفات کا حال حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے بیان کیا ہے۔

"محرم کی پانچ تاریخ کو بیماری میں شدت ہوئی

عشاء کی نماز جماعت سے ادا کی پھر بیہوشی طاری ہوگئی ہوش آیا تو پھر عشاء کی نماز پڑھی پھر بیہوش ہوگئے اب کی بیہوشی لمبی تھی۔ ہوش آیا تو پھر عشاء کی نماز ادا کی، اس کے بعد واصل بہ حق ہوگئے۔"

حضرت خواجہ کے خلفاء میں پانچ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شیخ جمال الدین ہانسوی، شیخ بدرالدین اسحٰق، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ علی احمد صابر اور شیخ عارف۔ ان کی حالات زندگی اور کارناموں پر مشتمل دو کتابیں مستند مانی جاتی ہیں۔ ایک فوائدالفواد جو امیر حسن علا سنجری (م ۷۳۷ھ) کی تالیف ہے جس کو حضرت نظام الدین اولیاء نے لفظاً لفظاً سنا اور تحسین فرمائی دوسری سیرالاولیاء جو امیر خورد سید محمد مبارک علوی کرمانی (م ۷۷۰ھ) کی تصنیف ہے امیر خورد۔ خوردسالگی میں حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے اور ان کی صحبت کی سعادت حاصل کی۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

حضرت کا اسم گرامی محمد لقب وعرف عام نظام الدین۔ والد ماجد کا نام احمد بن علی سادات حسنی میں سے تھے۔ دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں ہم جد تھے دونوں بخارا سے آکر کچھ مدت لاہور میں رہے وہاں سے بدایوں آئے ۶۳۶ھ میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی پانچ برس میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس دُرِ یتیم کی پرورش والدہ نے کی جو ایک بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں۔

کتابیں پڑھنے کی عمر ہوئی تو مولانا علاء الدین اصولی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ قدوری ختم کی تو مولانا نے کہا اب دستار فضیلت باندھو۔ والدہ سے کہا کہ استاد نے دستار بندی کے لئے کہا ہے۔ میں دستار کہاں سے لاؤں۔ والدہ نے روئی خرید کر اس کو کتوایا اور بہت جلد پگڑی تیار کرکے دیدی والدہ نے اس تقریب میں علمائے وقت کی دعوت کی حاضرین مجلس نے علم نافع اور تکمیل کی دعا کی۔ اس چھوٹے سے شریف گھرانہ میں فقر وفاقہ کوئی نئی بات نہیں تھی والدہ فرماتی تھیں کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں اور اس اطلاع سے حضرت کو بے حد سرور حاصل ہوتا تھا۔

حضرت نظام الدین اولیاء کو حضرت شیخ کبیر (خواجہ فریدالدین گنج شکر) سے بیحد مناسبت تھی اور ان کے لئے قلبی کشش محسوس کرتے تھے۔

سولہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ بدایوں سے دہلی آگئے وہاں کے علماء سے تعلق پیدا ہوا لیکن سب سے زیادہ تعلق استاذ الاساتذہ مولانا شمس الدین خوارزمی سے تھا۔ وہ ان کے محبوب ترین شاگرد تھے۔ جب کبھی استاذ کی خدمت میں دیر سے پہنچتے تو بجائے اظہار ناراضگی کے یہ شعر پڑھتے۔

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے۔ آئی و بما کنی نگاہے

اس زمانہ کے نصاب میں مقامات حریری داخل تھی۔ حضرت نے اس کے چالیس مقالے یاد کرلئے تھے۔ بعد میں اُس کے کفارے میں حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار حفظ کی۔

حضرت کے علمی ذوق کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۳۴ سال کی عمر میں حدیث کی اجازت حاصل کی۔ دہلی کے قیام میں حضرت کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ ایک روز عرصہ کے بعد حضرت نے اپنی والدہ کے انتقال کا ذکر کیا۔ ذکر کرتے ہوئے اتنا گریہ طاری ہوا۔ کہ جو فرما رہے تھے وہ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

حضرت جب شیخ کبیر (حضرت گنج شکر) کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

شیخ کبیر سے بیعت کے وقت حضرت کی عمر ۲۰ سال تھی۔ شیخ کبیر نے کچھ کتابیں خود ان کو پڑھائیں جن میں شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف سرفہرست ہے۔ ایک مرتبہ شیخ کبیر کچھ ناراض ہوگئے تھے مگر وہ خودشکنی کی تعلیم کے سلسلے میں تھا۔ جب حاضری کی اجازت ہوئی" بادم سر برقدم مبارک آوردم" ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت نے فرمایا۔ "برو ملک ہندگیر" حضرت نظام الدین اولیاء دہلی تشریف لائے اور اس مزاج کے ساتھ تشریف لائے۔ جامع ملفوظات راوی ہیں کہ مجلس مبارک میں دمشق کے ایک شخص کا ذکر ہو رہا تھا جو شیخ الاسلامی حاصل کرنے کے لئے ساری ساری رات نماز پڑھتا تھا۔ اپنی انھیں نمازوں کو نگاہِ خلق میں حصول عزت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ یہ سُن کر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ پہلے شیخ الاسلامی کو جلاؤ پھر آگ لگاؤ خانقاہ کو اور خود کو جلا کر راکھ کر دو۔

دہلی میں حضرت نے کئی قیام گاہیں بدلیں۔

ابتلاد تربیت کا وہ دور شروع ہوا جو اس راہ کے سالکوں کو جو آگے چل کر مرجع خلائق و سرچشمہ فیوض بنتے ہیں عادتاً پیش آیا کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ ایک طالب علم کو اس کا علم تھا کہ کئی روز سے حضرت کو فاقہ ہے اس نے بعض ہمسایوں کو اس کی اطلاع کردی۔ وہ کھانا تیار کرکے لائے۔ اُن میں سے ایک بولا کہ خدا فلاں طالب علم کا بھلا کرے اس نے بتایا کہ آپ کئی روز سے فاقہ سے ہیں۔ آپ نے باوجود سخت اصرار کے کھانا قبول نہیں کیا۔ اس حقیر مضمون نگار کی سمجھ میں یہ لوگ نہیں آئے کسی قبیلہ ابلہاں سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت شیخ کبیر کے مرض الموت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت نے لکھا کہ رمضان کا مہینہ تھا اور آپ بیماری کے سبب سے روزہ نہیں رکھ رہے تھے۔ ایک روز کہیں سے خربوزہ آیا میں نے کاٹ کر

شیخ کے سامنے رکھا شیخ نے تناول فرمایا اور ایک قاش مجھے عنایت کی۔ میرے دل میں آیا کہ یہ دولت اب کب ملے گی کہ اپنے دست مبارک سے مجھے عنایت فرمارہے ہیں کھالوں اور دو ہفتہ مسلسل روزے رکھ کر کفارہ ادا کردوں۔ فرمایا کہ نہیں نہیں۔ میرے لئے تو شریعت کی اجازت ہے۔ تمہارے لئے جائز نہیں۔

وفات کے بعد آپ اجودھن حاضر ہوئے مولانا بدرالدین اسحٰق نے شیخ کبیرؒ کی وصیت کے مطابق جامہ مصلّے اور عصا سپرد کیا۔

خلق کے ازدہام کے سبب حضرت نے قیامگاہ بدلی۔ غیاث پور تشریف لے گئے۔ جو رجوع عام شروع ہوا۔ اس کے سامنے سلاطینِ دہلی کے درباروں کی عظمت ماند پڑگئی۔ امیر خسرو کے ان اشعار کی تصویر سامنے آگئی

در حجرہ فقر بادشاہی
در عالم دل جہاں پناہی
شاہنشہِ بے سریر و بے تاج
شاہانش بہ خاک پائے محتاج

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغؒ نے فرمایا:۔

"فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا، صبح سے عشا تک لوگ آتے مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے۔ اور جو کچھ کوئی لاتا اس سے زیادہ حضرت کی عنایت سے پاتا۔

حضرت کو دنیا سے بے حد تنفر تھا۔ اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے "کہاں آئے ہیں فقیر کا وقت نارت کرتے ہیں"۔

شیخ کھانے میں خود شریک ہوتے مگر اس شاہی دسترخوان پر ایک یا آدھی روٹی اور کچھ کریلہ وغیرہ کی سبزی یا تھوڑے سے چاول آپ کی غذا ہوتی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے لے کر خواجہ نظام الدین اولیاءؒ تک یہ گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ اُن کو نہ دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطین وقت سے ملاقات کرنی ہے۔ حضرت کے سامنے دہلی کے تخت پر یکے بعد دیگرے پانچ بادشاہ بیٹھے لیکن سوائے ایک موقعہ کے جبکہ دینی ضرورت درپیش تھی (سماع کی حلت وحرمت کی مجلسِ مناظرہ) وہ کبھی نہ دربار میں گئے اور نہ کبھی بادشاہِ وقت کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی۔

سلطان علاءالدین خلجی نے امتحاناً ایک عریضہ آپ کی خدمت میں بھیجا جس میں آپ سے نظام سلطنت کے بارے میں مشورے اور نصائح کی درخواست کی آپ نے خط نہیں پڑھا اور فرمایا درویشوں کا بادشاہوں سے کیا کام بادشاہ اور مسلمان کے لئے دعاگوئی میں مشغول ہوں۔ اگر اس وجہ سے بادشاہ کو مجھ سے کچھ تعرّض کرنا ہے تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ اللہ کی زمین وسیع ہے۔ سلطان اس جواب سے بہت خوش ہوا سلطان نے کہاکہ میں آں مخدوم کا معتقد ہوں۔ قدم بوسی کی اجازت دی جائے حضرت نے فرمایا۔ آنے کی حاجت نہیں۔ میں غائبانہ دعا کرتا ہوں۔ اور غائبانہ دعا بڑی مؤثر ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں۔ بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا تو میں دوسرے دروازے سے نکل جاؤں گا۔ بادشاہ ہمیشہ عقیدت مند رہا۔

سلطان علاءالدین کے بعد اس کا دوسرا بیٹا سلطان قطب الدین غاصبانہ تخت پر بیٹھا سلطان المشائخ سے مختلف وجوہات سے اُس نے دشمنی پر کمر باندھ لی تھی۔ اپنے دربار میں بلایا حضرت تشریف نہیں لے گئے اس نے کہا کہ "هرف شب درمیاں است۔ اگر نیا مد بیارم چنانکہ دانیم" اسی رات خسرو خاں نے اُسے قتل کردیا۔

(جاری)

دعائے مغفرت

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے انگریزی کے سابق استاذ ماسٹر عبدالسمیع صاحب صدیقیؒ کی اہلیہ کا ۳؍جولائی ۱۹۹۵ء کو بعد مغرب لکھنؤ اپنی قیام گاہ جو دارالعلوم سے متصل ہے انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن؛

مرحومہ کی عمر تقریباً نوّے سال تھی عمر کے ساٹھ سال ندوہ ہی کے ماحول میں گذرے، طبیعت میں سادگی اور خوش خلقی رچی بسی تھی، صوم صلوٰۃ کی پابند بڑی نیک خاتون تھیں ان کے بڑے صاحبزادے وصی احمد صاحب (سابق پرنسپل پوسٹ گریجویٹ کالج شاہجہانپور)۔ اس وقت دارالعلوم کے معتمد مال ہیں۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

- مولانا سلطان الہدیٰ ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کی حقیقی خالہ کا ۱۴؍جون ۹۵ء کو تقریباً ۷۵ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون مرحومہ بہت ہی عابدہ وزاہدہ تھیں۔
  قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔
- محمد ادریس سیتاپوری (متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی دادی کا ۱۶؍جون ۱۹۹۵ء کو بعد نماز مغرب انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔
  قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے
- تعمیر حیات کے قاری جناب عبدالباری صاحب (دربھنگہ بہار) کا ۱۷؍جون ۹۵ء کو لو کے اثر سے اچانک انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔
  قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

صفر المظفر

صفر کا مہینہ اسلامی کلینڈر کے لحاظ سے دوسرا مہینہ ہے جس کو اسلام نے مظفر یعنی کامیاب اور مبارک مہینہ سے موسوم کیا ہے اس مہینہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حدیث شریف میں مخصوص انداز میں صفر کا تذکرہ آیا ہے جس کے ذریعہ ایک غلط اور موہوم عقیدہ کا ازالہ کیا گیا اور ماہ صفر سے متعلق برے تصورات اور عقائد کی نفی کرکے ایک صالح عقیدہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دور جاہلیت میں بھی اس ماہ صفر میں فتنوں، وباؤں، امراض، مصائب اور حادثات کا وقوع ہوا تھا، جس کو لوگ نحوست سے تعبیر کرنے لگے اور عقیدہ یہ بنا لیا کہ صفر کا مہینہ منحوس اور رنج و غم کا مہینہ ہے جو اسلامی تعلیم کے خلاف ایک غلط اور فرضی عقیدہ ہے۔

درحقیقت پروردگار عالم نے زمین و آسمان عرش و کرسی، لوح و قلم، جنت و جہنم، چاند و سورج، ستارے و ندی نالے، پہاڑ و سمندر حتیٰ کہ دنیا کی تمام مخلوق کو اپنی مشیت اور مصلحت سے پیدا فرمایا ہے اور اسی کی حکمت و کرشمہ سازی ان چیزوں میں کارفرما ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رات و دن ہفتے اور مہینے اور سال و زمانے کو بھی پیدا فرمایا ہے اور ان کی خصوصیات بھی بیان فرمائی ہیں۔

جہاں تک مہینوں کا تعلق ہے تو اس میں کچھ ایسے مہینے بھی ہیں جن کو دوسرے مہینوں پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح بعض دنوں کو دوسرے دنوں پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ مثلاً جمعہ کے دن کو تمام دنوں پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح سال کے تمام مہینوں پر رمضان المبارک کو بزرگی حاصل ہے اور اسی طرح دیگر مہینوں کے مقابلہ میں رجب المرجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم الحرام کو حرمت و عظمت حاصل ہے لیکن حرمت و عظمت اور فضیلت اور بزرگی حاصل ہونے سے یہ ہرگز نہیں سمجھا جا سکتا ہے کہ دوسرے ایام یا مہینے منحوس، نامقبول اور غیر مسعود ہیں اور نہ ہی کسی دن یا کسی مہینے میں نازیبا واقعات، اور حادثات کے برپا ہونے سے اس میں خیر و فلاح ختم ہو جاتی ہے۔

دور جاہلیت میں ماہ صفر کو ناکامی اور نامرادی کا پیش خیمہ کہا جاتا تھا، لیکن اسلام نے صفر کے ساتھ مظفر کی صفت لگا کر یہ بتا دیا کہ یہ مہینہ ظفر و سعادت اور کامیابی و کامرانی کا مہینہ ہے نہ کہ بدشگونی، و بدفالی کا باعث ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ماہ صفر میں بیماری، بدشگونی، شیطانی گرفت اور نحوست کے اثرات کوئی چیز نہیں ہیں۔

مسلم شریف میں ایک روایت ہے کہ بیماری شیطانی گرفت، ستاروں کی گردش اور نحوست کا ماہ صفر سے کوئی تعلق نہیں اور مسلم شریف ہی کی دوسری حدیث میں ہے کہ بھوت، پریت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں نسئی کا عقیدہ بھی پایا جاتا تھا۔ جس پر قرآن کریم نے اس طرح سخت گرفت فرمائی ہے۔

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِى الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (سورہ توبہ۔۳۷)

ترجمہ:۔ امن کے کسی مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرتا ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں ایک سال تو اس کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام، تاکہ ادب کے مہینوں کی جو خدا نے مقرر کئے ہیں گنتی پوری کر لیں۔ اور جو خدا نے منع کیا ہے اس کو جائز کر لیں۔ ان کے برے اعمال بھلے دکھائی دیتے ہیں۔ اور خدا کافروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

"لفظ نسئی" نسئی کہتے ہیں کسی چیز کے گھٹانے اور بڑھانے کو۔

واقعہ یہ ہے کہ کفار اور مشرکین عام طور پر محرم کے مہینے میں حرمت و عظمت کے پیش نظر جنگ نہیں لڑا کرتے تھے اور اگر پہلے سے جنگ جاری ہوتی تو بند کر دیا کرتے تھے لیکن کبھی کبھی شدت پسندی اور جہالت کے سبب ماہ صفر کو محرم کے مہینے پر مقدم کرکے محرم کو مؤخر کر دیتے اور کہتے کہ امسال صفر کا مہینہ مقدم رہے گا، پھر اس کے بعد کفار و مشرکین خون آشام کارروائیاں جاری کر دیتے تھے اور یہ معاملہ خاص طور پر محرم اور صفر کے ساتھ کیا کرتے تھے، جس کو قرآن کریم نے آیت بالا کے ذریعہ عمل کفر قرار دیا ہے۔ مذہب اسلام نے اس پر سختی کے ساتھ نفی کی ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر واضح انداز میں نکیر فرمائی ہے۔

"نہایہ" میں مذکور ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک صفر سے مراد "نسیئی" ہے، یعنی ماہ محرم کے ایام کو بڑھا کر صفر کا مہینہ اس میں شامل کر لینا اور ماہ صفر کو ماہ محرم ٹھہرا کر اسے ایک معزز مہینہ بنا لینا"۔

یقیناً مہینوں کے ساتھ یہ ایک بے انصافی

اور ظلم ہے جسے اسلام نے باطل قرار دیا ہے۔ امام مغازی محمد بن اسحاق نے فرمایا کہ "وقلمس" کنانی نے سب سے پہلے یہ رسم جاری کی۔ اس کے بعد اس کی نسل میں یہی ہوتا چلا آیا۔ اور اسی کی نسل سے وابستہ ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال ایام حج میں اعلان کیا کرتا کہ اس سال محرم اشہر حج میں داخل رہے گا یا صفر۔

علامہ ابن اثیر نے بھی "نہایہ" میں لکھا ہے "قیل اَرَادَ بِہِ النَّسِیْئَ دَھُوَ تاخیر المحرّم اِلٰی صَفَر" جس کا مطلب ہے محرم کو صفر تک مؤخر کرنا۔ مذہب اسلام نے اس لغو اور باطل عمل کی کھل کر تردید کی ہے۔

اسی طرح صفر کے متعلق ایک یہ بھی عقیدہ پایا جاتا تھا کہ وہ ایک قسم کا سانپ ہے جو انسان کے معدہ میں پرورش پاتا ہے اور بھوک کی شدّت کے وقت جو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کی اصل وجہ وہی سانپ ہے جو انسان کو ڈستا رہتا ہے اور صفر کی آمد سے انسان گھبرا اٹھتا ہے۔ اس کے تخیلات میں ایک ہلچل اور کھلبلی مچ جاتی ہے۔ یہ عقیدہ بھی شریعت اسلامی کے خلاف اور تعلیمات نبوی کے منافی ہے۔ اسی لئے مذکورہ بالا غلط عقیدوں کی نفی وضاحت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لفظ "لَاصَفَرَ" سے فرما دی ہے جس کا مقصد اور مدعا مسلمانوں کو ان بُرے مراسم اور توہّمات وخرافات سے بچا کر ایک صالح معاشرے کی تشکیل دینا تھا تاکہ مسلمان شریعتِ الٰہی اور تعلیمات نبوی کی روشنی میں صحیح اور صالح زندگی گزاریں شرک وبدعت، کفریہ عقائد، بے جا رسموں، توہّمات اور چھوت چھات سے گریز کریں۔

ارشاد نبوی ہے: لَاعَدْوٰی وَلَاطِیَرَ وَلَاھَامَۃَ وَلَاصَفَرَ۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا ہے بلکہ جس طرح پہلے اللہ تعالیٰ کسی کو مریض بناتا ہے اسی طرح دوسرے کو بھی اپنے تصرف اور فیصلہ سے مریض کر دیتا ہے، میل ملاپ آپس میں نشست و برخاست سے کوئی مرض کسی کو نہیں لگ جاتا ہے۔ یہ سب وہم وخیال ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیماری نحوست اور شیطان وغیرہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا یہ سن کر ایک اعرابی نے کہا۔ ریت کے میدان کا وہ اونٹ جو ہرن کی طرح تیز ہے، یہ خارشی اونٹ دوسرے اونٹوں میں گھس کر ان میں خارش پیدا کر دیتا ہے یہ کیا چیز ہے؟ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ یہ بتاؤ کہ پہلے والے اونٹ کو خارش کیسے ہوئی؟ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شگون، تکلیف، ایذا اور چھوت کسی پر اثر انداز نہیں ہوتے نیز کوئی مہینہ کبھی ۶۰ دن کا نہیں ہوتا۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری کے قبول کرنے سے عہد شکنی کرے تو جنّت کی خوشبو اسے میسّر نہ ہوگی۔ (معجم کبیر از طبرانی)

اور نہ جانور و پرندے کے اڑنے اڑانے سے بدشگونی لینے کی کوئی حقیقت ہے جیسا کہ بہت سے لوگوں میں مشہور ہے کہ داہنی طرف سے پرندہ اڑے تو اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور بائیں طرف سے اڑے تو منحوس سمجھتے ہیں جو بالکل بے اصل اور خام خیالی ہے اور نہ اُلّو کی منحوسیت کی کوئی حقیقت ہے۔ جس کو عام طور پر لوگ نحوست سے تعبیر کرتے ہیں اور نہ ماہِ صفر میں کوئی منحوسیت ہے جیسا کہ لوگ صفر کے مہینے کو منحوس تصور کرتے ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً نفی فرمائی۔ اور جس کو لغو اور خرافات سے تعبیر کیا ہے۔

قَالَ مُحَمَّدُ بِنْ رَاشِدٍ یَتَشَاءَمُوْنَ بِدُخُوْلِ صَفَرَ۔ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاصَفَرَ (ابو داؤد)

معلوم ہوا کہ صفر کے مہینے سے بدشگونی لینے سے تعبیر کرنا سراسر غلط اور بے اصل ہے رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تاکیداً تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ۔ بدفالی اور بدشگونی شرک ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ بلاشبہ شرک ظلم عظیم ہے۔

اور فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰالِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِیْدًا۔ (نساء — ۱۱۶)

ترجمہ:۔

خداتعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا (اور گناہ) جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ اور جس نے خداتعالیٰ کے ساتھ شریک بنایا وہ راستے سے دور جا پڑا۔

معلوم ہوا کہ شرک کی معافی ہرگز نہیں ہوگی اور جو دین اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے گا۔ اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہو تو یہ بھی شرک ہے اگرچہ پوجنے میں شرک نہ کرے۔

ارشاد ربّانی ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ۔ (آلِ عمران۔ ۸۵)

ترجمہ:۔ اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا طالب ہوگا۔ وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا

شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

اور فرمایا: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الاِسْلَامُ (آل عمران ۔ ۱۹)

بیشک دین تو خدا تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی (پسندیدہ) ہے۔

بہرکیف قرآن وحدیث کی تصریحات کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ تمام چیزوں کا رُخ مؤثر حقیقی اللہ رب العزت کی جانب ہی کرنا چاہیئے اسلام کی ان روشن تعلیمات کے باوجود مسلمان بالخصوص مسلم خواتین میں جاہلیت کی بہت سی مشرکیہ رسمیں اب بھی پائی جاتی ہیں انھیں رسموں میں سے صفر المظفر میں "تیرہ تیزی" کی ایک وہمی رسم بھی مردوں میں تو کم لیکن عورتوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ یعنی صفر کے شروع کے تیرہ دن انتہائی منحوس خیال کیئے جاتے ہیں جن میں شادی بیاہ کی تقریبیں تک روک دی جاتی ہیں۔ کوئی نیا کام شروع کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ ان ایام میں بچہ کی پیدائش کو بھی بُری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ کوئی غیر مناسب واقعہ پیش آجاتا ہے تو اس کو نُو وارد مہمان سے جوڑ کر اس کو نحوست سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو سراسر جاہلی اور وہمی تصور ہے بلاشبہ سعد ونحس کا تصور قطعاً اسلامی نہیں ہے۔ مسلمانوں کو ایسے تصورات اور وہمی تخیلات سے گریز کرنا چاہیئے اور توبہ کرنا چاہیئے۔ اور یقین کرنا چاہیئے۔ کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے بغیر اس کے حکم ومنشاء کے کوئی چیز کسی کو نفع وضرر نہیں پہونچا سکتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: (باقی ص ۳۰ پر)

ائمہ مساجد کو سرکاری مشاہرہ

کے سلسلہ میں دھلی میں نہضۃ العلماء کے نام سے قائم انجمن کی قرارداد

نہضۃ العلماء کا یہ شدید احساس ہے کہ مرکزی حکومت سے ہندوستان کے ائمہ مساجد کو سرکاری مشاہرہ دینے اور اس کے لئے حکومت کی جانب سے ۳۰۰ کروڑ سالانہ بجٹ مختص کیا جانا ایک سازشی قدم ہے نیز مساجد کو اس کے ذریعہ قومیانے کے لئے تیار کیا گیا ماسٹر پلان (MASTER PLAN) ہے۔

نہضۃ: باطل کی بڑھتی ہوئی یلغار اور علماء سوء کی باطل نوازی پر اپنی تشویش کا اظہار کرتی ہے نیز حکومت کی جانب سے ائمہ کی تنخواہوں کا یہ اعلان مساجد پر بالواسطہ قبضہ کرنے کے مترادف ہے جو امت مسلمہ کے لئے ناقابل قبول ہے۔

علماء وائمہ کا یہ پلیٹ فارم: اچھی طرح محسوس کرتا ہے کہ باطل نے یہ بھانپ لیا ہے کہ مساجد اور مدارس امت مسلمہ کے فکری وتہذیبی قلعے اور سرچشمے ہیں جس کی بدولت یہ امت پوری دنیا میں باطل کے مقابلہ میں سینہ سپر ہے اور حالات کا بڑی جوانمردی سے مقابلہ کر رہی ہے۔

نہضۃ العلماء: حکومت کے اس اقدام کو بدنیتی پر محمول کرتی ہے کہ بابری مسجد کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی کانگریس سے بڑھتی ہوئی بیزاری اور حکومت کا ائمہ مساجد کے لئے یہ اقدام لوک سبھا الیکشن سے قبل مسلم رائے عامہ کو ہموار کرنے کا ایک پرفریب منصوبہ ہے جس کی ہر سطح پر مذمت کیجانی چاہئے۔

نہضۃ: مرکزی حکومت کو متوجہ کرتی ہے کہ اگر مرکزی حکومت کو علماء کرام کی حالت زار پہ افسوس ہے تو حکومت کو چاہئے کہ وہ اوقاف کو مستند اداروں اور قابل اعتماد علماء کرام کے حوالے کردے جس کی حیثیت آزاد اور خودمختار ادارے کی ہو نیز مدارس سے فارغین کی ڈگریوں کو تسلیم کرتے ہوئے انھیں ملازمتوں کی سہولیات فراہم کرے۔

علماء کرام کا یہ گروہ: امت مسلمہ کو آگاہ کرتے ہوئے اپیل کرتا ہے کہ کفر کی بڑھتی ہوئی بالادستی اور دراندازی ہمارے ایمان کے لئے کھلا ہوا چیلنج ہے جس کا مومنانہ بصیرت اور دور اندیشی سے مقابلہ کیا جانا چاہئے۔

والسلام

محمد محفوظ فلاحی

نہضۃ العلماء

۱۔ مولانا عطاء الرحمٰن وحیدی صاحب ۲۔ مولانا عین الحق قاسمی صاحب

۳۔ مولانا محمد اسلام عمری صاحب ۴۔ مولانا اسعد اسرائیلی قاسمی صاحب

۵۔ مولانا رضی الاسلام ندوی صاحب۔ ۶۔ مولانا محمد عمر اسلم اصلاحی صاحب۔ ۷۔ مولانا عبد البر اثری صاحب

۸۔ مولانا عبد العزیز سلفی صاحب۔ ۹۔ مولانا اقبال احمد فلاحی صاحب۔ ۱۰۔ مولانا مفتی عبد الحمید ندوی صاحب

۱۱۔ مولانا محمد نسیم ظہیر اصلاحی صاحب۔

مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

نام کتاب ـ "لولاک لما" از عبدالمجید صاحب
صفحات ـ ۱۵۹ قیمت : پچاس روپے
ملنے کا پتہ :۔ ۳۶ ـ اشوکا گارڈن ـ گومتی نگر ـ گورنمنٹ پالیٹکنک کے سامنے لکھنؤ

کتاب سیرت نبوی پر لکھی گئی ہے۔ زبان آسان شستہ، رواں اور بہت حد تک مقفّیٰ۔ ربط کے لیے انبیائے سابقین کا ذکر خیر بھی اختصار کے ساتھ لایا گیا ہے۔ بعض تکلیف دہ روایات بھی درج کردی گئیں ہیں۔ مثال کے طور پر ص ۲۸ پر جب حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے تو حضرت سارہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

" ہاجرہ جن کی وہ کبھی مالکن تھیں صاحب اولاد ہوگئیں اور وہ خود اس سے محروم رہیں برداشت نہ ہوا غصہ میں ان کے کان چھید دیئے اور بچہ کا ختنہ کردیا"۔ اور آگے لکھتے ہیں :۔

" بی بی سارہ نے اسی پر بس نہ کیا حضرت سے فرمایا : ماں اور بیٹے کو دور بہت دور ایسے ریگزار میں چھوڑ آؤ جہاں پانی ہو نہ ہریالی، تالیف قلب کے لیے سینہ پر پتھر رکھ کر اپنے چہیتوں کو ہمراہ لیے وہاں سے دکھن کی سمت روانہ ہوئے اور مکہ کے ریگزار میں چھوڑ کر واپس چل دیئے"

ہاں اسرائیلیات میں یہ روایتیں موجود ہیں۔ لیکن ایک عالم دین کو یہ دیکھنا چاہئے کہ قرآن کیا کہتا ہے۔ قرآن کریم تو حضرت ابراھیم علیہ السلام کا بیان یوں نقل کرتا ہے :

ربنا إنی أسکنتُ من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتك المحرم ربنا لیقیموا الصلٰوۃ فاجعل أفئدۃ من الناس تهوی الیهم وارزقهم من الثمرات لعلّهم یشکرون ٥ (ابراہیم : ۳۷)

ایک پیغمبر کی اہلیہ جن کی کرامت کا ذکر اسی کتاب میں آچکا ہے ان کی طرف اتنی گھٹیا بات کی نسبت! استغفر اللہ۔

ص ۲۹ پر مقام ابراہیم کے بارہ میں بتایا کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السّلام نے سواری سے اتر کر حضرت ہاجرہ سے پیر دھلوائے تھے اس لیۓ کہ ان کو حضرت سارہ کی جانب سے حکم تھا کہ وہاں زمین پر نہ اتریں گے۔ یہ روایت کہیں نظر سے نہیں گزری۔

ص ۳۰ پر ہے کہ "شیطان کوئی خبیث روح یا بھوت پریت نہ تھا بلکہ بارگاہ رب العزت کا ایک مقرب فرشتہ تھا جسے حکم عدولی کی پاداش میں عرش سے فرش پر پٹخ دیا گیا تھا"۔

یہ بات اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ فرشتے معصوم ہوتے ہیں وہ حکم عدولی نہیں کرتے۔ شیطان کے بارے میں خود قرآن کریم خبر دیتا ہے کہ "کان من الجن ففسق عن امر ربه" (الکهف : ۵۰)

ص ۴۰ پر بنی اسرائیل اپنی کسی سالانہ تقریب کے سلسلہ میں دریائے نیل کے کنارے اکٹھا تھے۔ فرعون اپنی ساری ہی فوج لیکر وہاں پہنچ گیا نہتوں کو مار لینا کتنا آسان تھا..... الی آخرہ

قرآن کریم میں یہ واقعہ ایک سے زیادہ جگہ پر آیا ہے مگر اس طرح کہیں نہیں ہے۔

(دیکھئے سورہ الشعراء آیت ۵۲ تا ۶۷)

اسی طرح اور بھی بعض جگہوں پر غیر معتبر باتیں اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں حد درجہ اقتصاد کے سوا کوئی قابل اعتراض بات نظر سے نہیں گزری لیکن مذکورہ بالا بیانات نے کتاب میں ٹراعیب پیدا کردیا ہے۔

بعض جگہ کتابت کی غلطیاں اور بعض مقامات پر تعبیر کی خامیاں بھی نظر آئیں مگر وہ ناقابل ذکر ہیں۔ کتاب کا نام خود نظر ثانی کا محتاج ہے۔

نام کتاب ـ "کامیابی کا راز" از رسال الدین احمد حقانی
قیمت ۱۵ روپیہ، ملنے کا پتہ : تاج بکڈپو، ہدایت نگر میہونوالہ معافی ـ دہرہ دون (یوپی)
مکتبہ ندویہ ـ پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷

۴۶ صفحات پر پھیلا ہوا یہ کتابچہ اسلام میں اونچ نیچ کی نفی کرتا ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے وہ کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت کیا گیا ہے اعتقاداً تو اسلام میں اونچ نیچ کا کوئی بھی قائل نہیں ہے لیکن عملاً معاشرہ میں یہ تفریق پوری طرح موجود ہے۔ بے شک بقول عزیز مکرم مولوی سید عبداللہ حسنی ندوی " جو بھی مسلمان علم دین حاصل کرلے گا وہ عالم کہلائے گا اور اپنے زہد و تقوی کی بنیاد پر امام و قائد بن جائے گا چاہے وہ دھنیا برادری سے تعلق رکھتا ہو چاہے تیلی برادری سے" لیکن افسوس کہ معاشرہ میں آج بھی اونچ نیچ کا تصور وعمل موجود ہے، ایسے لوگوں کے لیے یہ کتابچہ حد درجہ مفید ہے۔ البتہ کتابچہ کا نام نظر ثانی کا محتاج ہے۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے بڑے صاحبزادہ مولانا اشتیاق احمد صاحب انتقال فرما گئے

یکم صفر ۱۴۱۶ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۹۵ء کو حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے مولانا اشتیاق صاحب کئی ماہ کی مسلسل علالت کے بعد لکھنؤ میں انتقال فرما گئے، مرحوم پر یرقان کا اثر ہوا تھا، کافی عرصہ تک الٰہ آباد میں علاج ہوتا رہا لیکن مرض میں کچھ تخفیف نہیں ہوئی، تین ہفتہ قبل مولانا کے چھوٹے بھائی قاری مشتاق احمد انھیں علاج کے لئے لکھنؤ لائے۔ یہاں معالجین نے بڑی توجہ فرمائی، طبیعت کچھ سنبھلنے لگی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیئت اپنے وقت پر نافذ ہو کر رہی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا اشتیاق صاحب اپنے والدؒ صاحب کے نقش قدم پر تھے اس لیے مولانا کے اہل حلقہ کا انھیں کی طرف رجوع ہو رہا تھا اور توقع تھی کہ ان کے ذریعہ فیض پہنچے گا اور خلا کسی حد تک پُر ہوگا لیکن قضاء قدر کا فیصلہ کچھ اور تھا پہلی نماز جنازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بعد نماز ظہر ادا کی گئی جس میں طلبہ و اساتذہ کے علاوہ شہریوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ نماز جنازہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء جناب مولانا سید محمد رابع صاحب نے پڑھائی۔ جنازہ ۲ بجے الٰہ آباد کے لئے روانہ ہوا راستہ میں رائے بریلی میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے دوسری نماز جنازہ پڑھائی۔ سات بجے جنازہ الٰہ آباد پہنچا جہاں تیسری نماز جنازہ ہوئی نو بجے شب میں تدفین عمل میں آئی۔ اور اپنے والد نامدار کے پہلو میں آسودۂ خواب ہوئے

مدرسہ عرفانیہ کے طلبہ و اساتذہ کے علاوہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی کے متعدد اساتذہ جنازہ کے ساتھ الٰہ آباد تک گئے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو صاحبزادے اور چار شادی شدہ لڑکیاں ہیں۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

تعزیتی جلسہ اسی دن بعد نماز عصر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں تعزیتی جلسہ ہوا جس میں تلاوت کلام پاک کے بعد مولانا سعید الرحمن صاحب صدر شعبۂ عربی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی اور معتمد تعلیمات مولانا عبداللہ عباس صاحب نے تقریر فرمائی اور مرحوم کی خصوصیات پر روشنی ڈالی اور طلبہ کو وہ جوہر پیدا کرنے کی تلقین کی گئی جس سے بندہ محبوب و مقتدا بنتا ہے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت پر جلسہ ختم ہوا۔

(بقیہ) سول کوڈ پرسنل لا

...... تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی کتاب "معاشرتی مسائل" اور مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی کا مضمون شائع شدہ "تعمیر حیات"

آخری بات :- جیسا کہ تمام باخبر جانتے ہیں کہ اس وقت "یکساں سول کوڈ" کا مسئلہ سپریم کورٹ کے ایک جج کے فیصلہ کی وجہ سے ابھرا ہے اس سے پہلے بھی دو مرتبہ اور ججوں کے فیصلوں میں یہ مسئلہ چھیڑا گیا تھا، حالانکہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا مسئلہ عدالتی دائرے سے باہر ہے (جیسا کہ دستور ہند میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے) کیوں کہ یہ "راہنما اصولوں" کی فہرست میں ہے اور "پرسنل لا" پر عمل کرنے کی گارنٹی دستور کی رو سے "بنیادی حقوق" میں ہے پھر بھی عدالتیں اس کی ترتیب الٹنے کی کوشش کر رہی ہیں یہ بہت فکر مند بنانے والی بات ہے کیونکہ اس کا تدارک بہت مشکل ہے، اس سے پہلے یہ مسئلہ صرف سیاسی پلیٹ فارموں سے اٹھتا یا اٹھایا جاتا تھا اور اس کا مقابلہ کرنا الکشنی سیاست کے دور میں نسبتاً آسان تھا اس بنا پر صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ تمام ایسے مذہبی لوگوں کو جنھیں اپنا "پرسنل لا" عزیز ہے۔ چاہئے کہ اس.... تدارک کی راہیں ڈھونڈھیں۔ بظاہر قابل عمل راستہ یہی ہے کہ سب مل کر مرکزی حکومت سے مطالبہ کریں کہ وہ دستور کی دفعہ ۴۴ کو (جس میں یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی تحریک ہوتی ہے) خارج کر دے تاکہ یہ خطرہ ٹل جائے اس کے علاوہ اس کی گنجائش بھی ختم کر دے کہ ریاستی حکومتیں اس.... ترمیم کر سکیں۔ یہاں ایک سوال۔ یکساں سول کوڈ نفاذ کی سفارش کرنے والوں سے۔ کیا جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ آخر ان کے سامنے کون سا وہ آئیڈیل "سول کوڈ" ہے جسے تمام اہل ملک پر نافذ کرنے کو سوچ رہے ہیں؟ سچ پوچھئے۔ اور تعصب کی عینک ہٹا کر دیکھئے تو وہ صرف اسلامی قوانین کا مجموعہ ہی ہو سکتا ہے جس میں انسانی فطرت کی پوری رعایت کی گئی ہے تو کیا یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کے خواہشمند اسے نافذ کرنے پر تیار ہوں گے!!۔

بقیہ: درس حدیث

نیزہ بازی و تیر اندازی شہ سواری ہے میدان جنگ کے لئے، چونکہ صحابہ کرام ان دونوں میدانوں کے ماہر تھے، اس لئے قدرت کلام اور دلائل کے ذریعہ دلوں کو فتح کیا اور تیر و تلوار کے ذریعہ ملکوں کو فتح کیا۔ ان دونوں قسموں کے لوگ ہی اسلام کے صحیح خادم ہیں ان دونوں کے علاوہ لوگ ان کے معاون و سہارا نہیں بلکہ وہ نوع انسانی پر بوجھ ہیں۔[۳]

قرآن کریم مسلمانوں کو طاقت بڑھانے کی دعوت دیتا ہے جسمانی طاقت کو بڑھانے والے اسباب اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ جہاد کی صلاحیت پیدا ہو سکے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ"

اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لئے مستعد رہو کہ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا۔ اور تمہارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا۔ (انفال۔ ۶۰)

مسلم شریف میں حضرت عقبہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ان (دشمن) کے لئے جو بھی طاقت پیدا کر سکتے ہو کرو، یاد رکھو تیر اندازی طاقت ہے، تیر اندازی طاقت ہے۔[۴]

لہٰذا اپنی وسعت بھر تیاری کرنا فرض ہے جو فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے لئے معاون ہے قرآن ہر طرح کی طاقت اور وسائل و اسباب کو تیار کرنے کا حکم دیتا ہے، لفظ "قوۃ" نکرہ استعمال ہوا ہے عربی زبان میں اس طرح کے لفظ کا استعمال وسعت و عموم کو بتانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ "رباط الخیل" کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا کہ قرآن کریم کے مخاطب اول اہل عرب کو گھوڑوں کی سواری اور ان کے پالنے میں خصوصی امتیاز حاصل تھا اگر قرآن کریم ان کو ایسے اسباب تیار کرنے کا حکم دیتا جن سے وہ اس وقت واقف نہیں تھے، اور بعد میں وہ چیزیں وجود میں آسکتی تھیں تو ایسی صورت میں ان کو ناقابل فہم چیزوں کا حکم دیا جاتا۔

اصل چیز یہ ہے کہ "رباط الخیل" کا صحیح مفہوم سمجھا جائے جو حالات و زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدلتا رہتا ہے اس لئے کہ اسلام کو طاقت کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ وہ کمزوروں اور مظلوموں کو ظلم کی چکی میں پسنے سے بچائے اور چھڑائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا"

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا۔ (نساء۔ ۷۵)

مفسر قرآن ابن کثیرؒ "وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مقابلے کے لئے اپنی قدرت بھر ہر قسم کے سامان جنگ کو تیار کرنے کا حکم دیا ہے۔[۵]

۱؎ بیہقی نے بھی اسی طرح کی تخریج کی ہے۔ ۲؎ بیہقی
۳؎ الفروسیۃ لابن القیم الجوزیہ
۴؎ الفروسیۃ لابن القیم۔
۵؎ الفروسیہ لابن القیم الجوزیہ

(بقیہ) صفر المظفر

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا (مائدہ۔ ۷۶)

کہو کہ تم خدا کے سوا ایسی چیز کی کیوں پرستش کرتے ہو جس کو تمہارے نفع اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں۔

بلاشبہ اللہ پاک دنیا کی ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ اس کی قدرت اور کرشمہ سازی و حکمت و مصلحت میں کسی بھی مخلوق کو کوئی دخل نہیں ہے۔ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایک مرد مسلم کی شان یہ ہو کہ اس کا عقیدہ قرآن و حدیث اور اسلامی شریعت کے مطابق ہو۔ مروّجہ وہمی رسم و رواج اور غلط تصورات سے اس کا باطن پاک ہو اور اس کا ظاہر طاعتِ ربانی پر شاہد ہو۔

خداوند قدوس تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہر قسم کے باطل خیالات اور وہمی تصورات سے نکال کر اعمال صالحہ اختیار کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵ر جولائی ۱۹۹۵ء مطابق ۲۵ر صفر ۱۴۱۶ھ

جلد نمبر ۳۲

شمارہ نمبر ۱۸

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا سلمان حسینی ندوی

مولانا محمد رضوان ندوی

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ——— ۵ روپے

——— بیرونی ممالک ———

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

——— ۲۵ ڈالر

——— بیرونی ممالک بحری ڈاک

بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ———

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ——— مینجر

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس 93 ندوۃ العلماء لکھنؤ یوپی 226007

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

پرنٹر پبلشر شاہ حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اس شمارے میں

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

عصر حاضر کے [illegible]

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی وہ رپورٹ ہے جو ۱۶ر صفر ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۶ر جولائی ۱۹۹۵ء کو ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے ارکان انتظامی کے جلسہ میں پیش کی گئی، رپورٹ میں اسلام کے لئے درپیش ان خطرات کی نشاندہی کی گئی جو اس وقت یہودیت و عیسائیت کی متحدہ پلاننگ سے پوری قوت کے ساتھ میدان عمل میں ہیں اور ان کی سنگینی کو پورے طور پر سمجھا نہیں جارہا ہے مکمل رپورٹ ہدیۂ ناظرین ہے تاکہ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ ذمہ داران مدارس اس کی طرف خصوصی توجہ دیں۔

الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم الی یوم الدین، أمّا بعد!

یہ ناچیز اپنے اور اپنے رفقائے کار کی طرف سے حضرات ارکان انتظامی کا جو اپنا قیمتی وقت نکال کر اور سفر کی زحمت برداشت کر کے اس مجلس انتظامی میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں خیر مقدم کرتا ہے، اس چیدہ اور ممتاز و منتخب مجمع کو دیکھ کر آپ سے اجازت چاہوں گا کہ ادارہ کے انتظامی امور اور مشورہ اور فیصلہ طلب انتظامی و تعلیمی معاملات کے محدود دائرہ سے ذرا ہٹ کر ان حقائق اور حالات کی طرف بھی اشارہ کروں اور آپ کی توجہ منعطف کرا دوں جو اس ادارہ کے گرد و پیش اور محل و مقام نہیں ملک و ملت کو بھی درپیش ہیں، اور ان سب پر اثر انداز، اور کوئی ادارہ، تحریک، تنظیم اور کوئی اکائی (UNIT) یا معاشرہ (SOCIETY) حتیٰ کہ دین و ملت بھی ان خارجی اثرات، عوامل و طاقات، خطرات و تحدیات (CHALLENGES) سے آنکھیں نہیں بند کرسکتے۔

حضرات! ہمارے اسلاف کرام اور اپنے وقت کے علمائے عظام نے دین کی تعلیم کے جو ادارے (مدارس دینیہ عربیہ) قائم کئے تھے وہ دراصل اپنے اپنے وقت پر اور اپنی اپنی جگہ پر اسلام کے قلعے تھے اور ان کو انھیں لفظوں اور اسی تعبیر سے یاد کرنا چاہئے سلہ

ان بالغ نظر اور موفق من اللہ بانیان و موسسین مدارس نے (جن میں سر فہرست اور نمایاں تر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ ہیں) اپنی پیش بینی بلکہ فراست ایمانی، اپنے راسخ علم اور گہرے مطالعہ، قوت مشاہدہ اور قیاس و استنتاج کی وہبی صلاحیت سے اپنے ملک و مقام بلکہ گرد و پیش کی دنیا اور زوال و زوال زمانہ اور تاریخ کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا، اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ نہ صرف انقلاب سلطنت بلکہ تمدن و تہذیب، تعلیم و ثقافت کی تبدیلی اور سیاسی و اقتصادی عوامل کے اثر سے ملت کی نئی نسل کو ذہنی و فکری ارتداد بلکہ (خاکم بدہن) دینی و ایمانی ارتداد کا انحراف ہی نہیں، بلکہ تحریف اور دینی حمیت ہی نہیں بلکہ دین و ملت سے انتساب تک سے تبرّی اور شرمندگی، بلکہ جبر و اعلان سے بچانے کے لئے ایسے مراکز کی ضرورت ہے جہاں علم راسخ اور ایمان راسخ بلکہ ان پر فخر و شکر اور دین پر ثبات و استقامت ہی نہیں بلکہ ان کی اعلانیہ دعوت و تبلیغ کا مزاج پیدا ہو اور جہاں تک ملی تشخص اور شریعت پر (عقائد و اصول سے لے کر تہذیب و معاشرت اور عائلی زندگی و قانون تک) ان میں استقامت ہی نہیں بلکہ غیرت و حمیت اور فخر و شکر ہو، اور وہ دین کے ایک نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا تعلق کسی جماعتی عصبیت اور تعلّی سے نہیں کہ ان فضلائے مدارس نے یہ فرض (علی حسب مراتب و توفیق) کامیابی سے

انجام دیا، اور ان کی وجہ سے ابھی تک اس برصغیر ہند میں بڑی حد تک ملی تشخص اور اعتقادی، فکری، تہذیبی اور اخلاقی امتیاز پایا جاتا ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ ایک بڑے دائرہ میں اس کے عقائد محفوظ ہیں، دین کے فرائض و ارکان زندہ ہیں، مسجدیں آباد ہیں اور مرکز اسلام جزیرۃ العرب اور حجاز مقدس سے حج و عمرہ کے ذریعہ، محبت و عقیدت کے ذریعہ (اور ایک خاص دائرہ میں) عربی زبان اور علوم دینیہ کے ذریعہ ربط قائم ہے۔

ان دینی قائدین، اہل غیرت و حمیت مسلمانوں اور علماء و دینی رہنماؤں نے اپنے اس دینی جذبہ، ملی غیرت، اور دینی فراست اور پیش بینی کو ہندوستان ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس سے عالم اسلام کے وسیع دائرہ میں بھی کام لیا، اس سلسلہ میں تحریک خلافت، ترکوں کی حمایت اور جزیرۃ العرب کے تقدس کی حفاظت تک ان کی سعی، دلچسپی اور سرگرمی محدود نہیں تھی، اس کا تفصیل سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس کی تاریخ بہت کچھ محفوظ ہے اور جو حضرات یہاں تشریف رکھتے ہیں ان میں سے بہت سے اس کے شاہد عینی اور معاصر رہ چکے ہیں، اور بہت سے حضرات نے اس کو علی سبیل التواتر سنا ہے اور وہ اس کی طاقت و ہمہ گیری سے واقف ہیں۔

لیکن یہ بات بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ نہیں ہوگی کہ ہندوستان کے علماء اور مدارس کے فضلاء نے علمی و فکری اور تصنیفی طور پر بھی ہندوستان اور بیرون ہند میں اٹھنے والے صلیبی حملوں اور تشکیکی و انتشار انگیز لٹریچر کا ایسا مقابلہ کیا جس کو خالص مسلمان اکثریت کے ملکوں اور علمی و دینی مرکزوں میں بھی جہاں صدیوں کی پرانی اور عالمگیر شہرت رکھنے والی جامعات اور تصنیفی مراکز قائم ہیں اعتراف کیا، اس سلسلہ میں ہم ان نادرۂ روزگار تصنیفات کا ذکر نہیں کریں گے جو ہندوستان کے اسلامی عہد میں وجود میں آئیں اور فضلائے عرب بلکہ اہل ماہرین نے بھی ان کی انفرادیت اور بے نظیری کا اعتراف کیا۔

ان میں ایک حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۱ء) کی بے نظیر کتاب "اظہار حق" ہے جس میں اناجیل اور مذہب عیسوی پر ایسی ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے جو ریاضی کے نتائج کی طرح (کہ دو دو چار ہی ہوتے ہیں اور چار چار آٹھ ہی ہوتے ہیں) اناجیل کے بیانات میں تضاد و تناقض ثابت کیا ہے جن کا جواب ابھی تک مسیحی دنیا اور کلیسا کے فضلا نہیں دے سکے، راقم نے خود انگلستان سے نکلنے والے ایک انگریزی اخبار میں پڑھا کہ "جب تک اس کتاب کی طبع و اشاعت کا کام جاری رہے گا عیسائیت کی تبلیغ نہیں ہو سکے گی"۔

دوسرا کارنامہ مولانا شبلی نعمانی کا ہے کہ جب مشہور مصری مسیحی فاضل مورخ و ادیب جرجی زیدان کی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی نکلی جس میں اسلامی تمدن پر ایسے محتاط اور سلیقہ مندانہ طریقہ پر حملے کئے گئے تھے جن سے پڑھنے والوں کا ذہن اسلام کے دین حق ہونے اور زندگی کا بہترین ڈھانچہ دینے کی صلاحیت سے محروم نظر آنے لگتا ہے، مولانا شبلی علیہ الرحمہ نے اس کا بڑی قابلیت اور سلیقہ مندی سے جواب دیا اور کتاب "الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی" کے نام سے شائع ہوئی، جس کی داد فضلائے عرب حتیٰ کہ علامہ سید رشید رضا مرحوم نے بھی دی۔

ان مدافعانہ اور جوابی علمی کوششوں کے علاوہ ہندوستان کے فضلاء اور محققین کے اور متعدد علمی کارنامے اور تحقیقی و تقابلی مطالعہ کے نمونے ہیں جن کی مثال عالم عربی میں بھی ملنی مشکل ہے، ہم یہاں پر چند کتابوں کے نام پیش کرتے ہیں:-

مولانا شبلی کی "الجزیۃ فی الاسلام" مولانا سید سلیمان ندوی کی "خطبات مدراس" اور "ارض القرآن" مولانا عبدالماجد دریابادی کی انگریزی اور اردو ترجمہ اور تفسیر جن میں جدید ترین معلومات و تحقیقات کی روشنی میں قرآن کا اعجاز اور صحف سماویہ پر تفوق ثابت کیا گیا ہے، ایسے ہی ان کی کتاب مشکلات القرآن مولانا عبدالباری ندوی کی کتاب "مذہب و عقلیت" وغیرہ۔

اب اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ علمائے ہند و فضلائے مدارس نے کبھی بیرونی اسلامی ممالک سے آنکھیں بند نہیں کیں، وہاں اٹھنے والے فتنوں، تشکیکی حملوں اور الحاد و لادینیت اور "قومیت عربیہ" کی خطرناک اور بعید نتائج رکھنے والی مخالف اسلام دعوت کو نظر انداز نہیں کیا، اس سلسلہ میں (معذرت کے ساتھ) لیکن اضطراراً اور ضرورتاً یہ عرض کیا جاتا ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فرزندوں اور فضلاء نے ہمیشہ ان بیرونی فتنوں کا نوٹس لیا، جو مرکز اسلام میں ارتیاب اور تزلزل پیدا کرنے والے بلکہ نصرانیت یہودیت اور لادینیت کے لئے راستہ کھولنے والے تھے، اس سلسلہ میں ندوہ سے نکلنے والے رسالے "البعث الاسلامی" اور "الرائد" کو فراموش اور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جن سے سلیم الطبع، اسلام پسند عرب بڑے متاثر ہوئے ہیں، پھر مرحوم عزیز القدر محمد الحسنی کے رسائل اور کتابیں جن میں "الاسلام الممتحن" اور "الاسلام بین لا و نعم" خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن میں سے بعض کتابوں کو پڑھتے ہوئے راقم نے بعض عرب فضلا اور قائدین کو اشکبار اور ترديده دیکھا ہے، اسی مقصد کے لئے مئی ۱۹۵۹ء میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام دارالعلوم کے احاطہ میں قائم ہوئی اور اس نے عربی، انگریزی، ہندی اور اردو میں وہ لٹریچر شائع کیا جو بہت مؤثر اور اسلام کے بارہ میں غیر مسلموں تک کے دلوں میں وقعت و احترام پیدا کرنے والا ثابت ہوا، ابھی حال میں خاکسار نے ان دعوتی رسائل و خطبات کا جائزہ لیا جو عربی میں لکھے گئے تھے تو ان کی تعداد ۸۷ نکلی، جن میں بہت سے

ممالک عربیہ میں بھی شائع ہوئے ہیں، اور شوق سے پڑھے گئے ہیں۔

اب اس تاریخی جائزہ اور علمائے ہند اور فضلائے مدارس کی وسیع ذمہ داریوں اور کوششوں کے پس منظر اور روشنی میں معتمد اراکین کی خدمت میں ان چند الحادی و ارتدادی کوششوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو مغرب میں اسلامی ممالک کو عمومیت کے ساتھ اور ممالک عربیہ کو (جن کو قیامت تک کے لئے دین کا منبع اور ماویٰ بنایا گیا ہے) نہ صرف اسلامی و دینی حمیت و غیرت سے محروم کرنے بلکہ اسلام سے انتساب تک کے منکر ہونے اور اس کی تحقیر و تذلیل کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے شروع کی گئی ہیں۔

اس سلسلہ میں پہلی حقیقت کا (جو انکشاف کا درجہ نہیں رکھتی بلکہ اب مشاہدہ اور حد تواتر تک پہنچ گئی ہے) ذکر کیا جاتا ہے، وفی ذالك عبرة لأولی الأبصار۔

واقعہ یہ ہے کہ یہودی دماغ اور ذکاوت (جس کو عربی میں شطارت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے) اور مسیحی طاقت و اقتدار اور وسائل اثرات، دونوں اس وقت اسلام کی بیخ کنی اور اس سے ہمیشہ کے لئے چھٹی پانے کی کوشش میں ہمنوا اور دمساز بن گئے ہیں۔

یہودی صدیوں پہلے سے دنیا کو شطرنج کی ایک ایسی بساط بنانا چاہتے ہیں جو بالکل ان کے قابو میں ہو اور جس مہرہ کو چاہیں وہ کہیں سے اٹھا کر کہیں رکھ سکیں، اور ان کی کتابوں صحف تلمود اور "بروتوکولات حکماء صہیون" میں اس کی تصریحات موجود ہیں، اور وہ اس مقصد کو اخلاقی پستی بے ضمیری اور نفس پرستی پیدا کر کے بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

جہاں تک عیسائیوں کا تعلق ہے وہ فلسطین میں اسرائیل کی حکومت قائم کر کے اب مشترک و متحد طریقہ پر اس مقصد کے حصول میں شریک ہیں یہاں پر صرف ایک امریکی فاضل ہویل زویمر ZWEMER (۱۹۵۲ء) کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جو ان کی اس تقریر سے ماخوذ ہے جو مسیحی مبلغین کی کانفرنس میں انھوں نے کی تھی۔

"میدان عمل میں ہماری سرگرمیاں ایسی ہونی چاہئیں کہ جن کا اصل نشانہ نوخیز مسلم نسل ہو اور جو مسلمانوں کے باہمی روابط میں انتشار پیدا کر دے تاکہ ان کارروائیوں کے شکنجہ میں مسلمان جکڑ کر رہ جائیں اور ہماری یہ کوششیں انھیں لخت لخت اور پارہ پارہ کر دیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی ممالک میں اس عمل کو دیگر امور پر مقدم رکھا جائے، کیونکہ اس نسل جدید کے سینوں میں اسلام کی روح پیدا ہو گئی تو اسلام ایک بار پھر اپنے عنفوان شباب کے ساتھ منصۂ شہود پر جلوہ آرا ہوگا، لہٰذا اس نازک صورت حال میں ضروری ہے کہ نوخیز مسلم نسل کو اس کے نقطہ اعتقاد و ارتکاز سے بعید و بیگانہ بنا دیا جائے، قبل اس کے کہ اس کی عقلی و فکری بالیدگی تکمیل کے مرحلہ میں داخل ہو جائے"

حضرات! ان کوششوں کے نتائج ترقی یافتہ ممالک عربیہ میں ظاہر ہو گئے ہیں اور آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں، ان کا اولین اثر یہ ہے کہ دین کی حمیت اور اسلام پر افتخار جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں کمزور و نادر اور صاحب اقتدار طبقہ میں معدوم و مفقود ہے، لادینیت، تشکک و ارتیاب، مغربی تہذیب و اقتدار سے تنفر اور جذبۂ جہاد اور شوق شہادت تو بڑی چیزیں ہیں ان عرب ملکوں میں تو اب ان چیزوں سے استنکاف اور مغربی تہذیب و اقتدار سے بیزاری اور ان سے آزاد ہونے کی سعی و جہد بھی ختم ہوتی جا رہی ہے حکومت کا رخ آزادی و لامذہبیت (SECULARISM) کی طرف ہوتا جا رہا ہے، قرآن مجید کا اعجاز تھا کہ اس نے سورہ فاتحہ ہی میں جو ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے شدید اعتقادی تناقض و تضاد کے باوجود (جو یہودیوں اور عیسائیوں میں پایا جاتا ہے) دونوں کا نام ساتھ لیا ہے اور دونوں کے اثر سے بچنے کی طرف اشارہ کیا ہے، صراط الذین أنعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین۔

بعض عرب ملکوں میں جن میں (تونس و الجزائر پیش پیش ہیں) دین اور اہل دین سے کھلی محاذ آرائی اور دوسرے ترقی یافتہ عرب ملکوں میں صاحب اقتدار طبقے اور جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں ایسے حالات دیکھنے میں اور ایسے اقوال سننے میں آنے لگے ہیں جن سے پیشانی پر پسینہ ہی نہیں آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں ابھی حال میں دارالعلوم کے ایک استاذ ایک تعلیمی اجلاس رابطة الجامعات الاسلامیة کے جلسہ میں شرکت کے لئے راقم کے نمائندہ بن کر گئے تھے انھوں نے اپنے سفر کی جو روداد پیش کی ہے اس کو پڑھ کر خاص طور پر جو مصر کی تاریخ سے واقف ہے یا وہاں جا چکا اور کچھ عرصہ رہ چکا ہے اندوہگین اور لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ وہاں اور دوسرے عرب ملکوں میں بھی اس کا ردعمل پایا جاتا ہے۔ اسلامی اور دعوتی کتابیں کثرت سے مقبول ہو رہی ہیں، انبیاء کے قصص کی کتاب گھروں میں کثرت سے پڑھائی جاتی ہے اور سب کے پیش نظر مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے البتہ دعوتی جد و جہد، فکری انقلاب کی کوشش اور اسلام کی ابدیت اور ہر زمانہ میں اس کی ضرورت پر اعتماد پیدا کرنے کے لئے علمی و دعوتی لٹریچر پیدا کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔

اس صورت حال کو جو سخت دل خراش اور باعث شرم ہے اتنی تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ ہمارے مدارس عربیہ میں جس کے متعدد ذمہ دار اور سرپرست یہاں موجود ہیں عربی زبان کی تعلیم کو اس معیار پر پہنچانے کی ضرورت ہے کہ ممالک عربیہ اور ترقی یافتہ

اسلامی ممالک میں خطابۃً اور کتابۃً دعوت کا کام کر سکیں اور وہ عرب نوجوانوں اور فضلائے اہل فکر و اہل قلم کو بلکہ صاحب اختیار طبقہ کو بھی متاثر کر سکیں، ہمارے عربی مدارس کے ذمہ داروں کو اس مسألہ پر سنجیدگی سے غور کرنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے کہ اب یہ ناپسندیدہ اثرات خلیج کی ریاستوں، کویت، بحرین وغیرہ اور کسی حد تک (خاکم بدہن) سعودی عرب میں بھی پہنچ رہے ہیں۔

دوسرا محاذ جس کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے فضلاء کو تیار ہونا اور رہنا چاہیئے وہ ہندو احیائیت (HINDU REVIVALISM) کی زبردست تحریک ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مختصر لفظوں میں اس ملک کو اسپین بنا دیا جائے جہاں صرف نسلی حیثیت سے مسلمان رہیں باقی ان کی تہذیب و معاشرت اور عائلی قانون اور ہو سکے تو اعتقادی سانچہ بھی بدل دیا جائے اور وہ کسی مرحلہ پر پہنچ کر ہندو دیومالا (HINDU-MITHALOGY) کو قبول کر لیں اس کے لئے نصاب تعلیم، ذرائع ابلاغ اور سیاسی اثرات سے بھی کام لیا جا رہا ہے اور اس کے اثرات بھی نظر آنے لگے ہیں

پہلے پرسنل لا میں مداخلت کے لئے اقدام کیا گیا تھا اور بعض خلاف شرع اور منافی شرع عدالتی فیصلے کئے گئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مولانا سید منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار و فرزند مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے درجے بلند فرمائے کہ انھوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ قائم کرکے اور ایک ہمہ گیر مہم چلا کر اس خطرہ کا فی الحال سدِ باب کر دیا، لیکن ابھی حال میں یونیفارم سول کوڈ کا شگوفہ چھوڑا گیا خدا کا شکر ہے کہ اس کی بھی ملت اسلامیہ ہندیہ نے بالعموم اجتماعی طور پر مخالفت کی اور امید ہے کہ انشاء اللہ وہ عمل میں نہ آسکے گا۔

ان سب حقائق، واقعات، خطرات اور اندازات کو سامنے رکھ کر آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ ہمارے مدارس عربیہ دینیہ میں ان حقائق و خطرات کو سامنے لانے اور مدارس کے فضلاء کو ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار اور سرگرم بنانے کی ضرورت ہے، ندوۃ العلماء کی (جو انھیں حقائق و خطرات کے شعور و علم اور ان کا مقابلہ کرنے کے عزم کے نتیجہ میں وجود میں آیا) مجلس انتظامی میں جس میں منتخب و ممتاز علماء و دانشور شریک ہیں پیش کرنے کی جرأت کی گئی جس کے لئے معافی بھی چاہی جاتی ہے اور توجہ و حسن استماع کا شکریہ بھی ادا کیا جاتا ہے۔ وما النصر الا من عند اللہ

حواشی:- سلہ نامناسب نہ ہوگا اگر یہ ذکر کر دیا جائے کہ ندوۃ العلماء کے ترجمان رسالہ "الندوہ" کے دور سوم میں جو........ مولانا عبد السلام قدوائی ندوی کی ادارت اور حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ کی سرپرستی میں نکلنا شروع ہوا تھا، اس عاجز کے قلم سے اسی عنوان "اسلام کے قلعے" پر ایک سلسلہ مضامین سے شروع ہوا تھا جو متعدد اقساط میں آیا تھا۔

سلہ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کے والد ماجد مولانا حکیم مولانا سید عبد الحیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء کی منفرد کتاب، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، مطبوعہ المجمع العلمی العربی دمشق۔

سلہ یہ کتاب جب لکھی گئی اس وقت نہ صرف اسلامی ممالک بلکہ عرب ممالک پر بھی مشنریوں کے حملے اور مسیحیت کی دعوت شروع ہو گئی تھی اور سلطنت ترکی بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھی اس سلسلہ میں پادری فنڈر بہت زیادہ سرگرم اور فعال تھا سلہ تفصیل اور دلائل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "عرب قومیت اسلامی نقطہ نظر سے خطرناک کیوں؟" شائع کردہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام۔ سلہ اس موضوع پر راقم نے ۲ ستمبر ۱۹۶۲ء کو مکہ معظمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے ایک مؤتمر کے اجلاس میں ایک مقالہ پڑھا تھا، جو قابل ملاحظہ ہے سلہ ترجمہ ماخوذ از مقالہ مولوی سید محمد واضح رشید ندوی مطبوعہ "تعمیر حیات" ۱۰ جولائی ۱۹۹۵ء۔ سلہ مولانا الحفیظ ندوی ازہری سلہ کاروان زندگی حصہ ششم میں آگئی۔

رابطہ ادب اسلامی کی طرف سے

ادبی ترجمہ کا انعامی مقابلہ

عالمی رابطہ ادب اسلامی (برصغیر و ممالک مشرقیہ) نے فیصلہ کیا ہے کہ عربی ادبیات کے اردو ترجمہ کا ایک انعامی مقابلہ منعقد کیا جائے، جس کے انعام کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلا انعام	دس ہزار روپئے	۱۰،۰۰۰/-
دوسرا انعام	ساڑھے سات ہزار روپئے	۷۵۰۰/-
تیسرا انعام	پانچ ہزار روپئے	۵۰۰۰/-

موضوعات:-

۱۔ عربی افسانوں یا ڈراموں کے کسی ایک مجموعہ کا یا کسی ایک عربی ناول کا ترجمہ۔

۲۔ کسی عربی شعری مجموعہ کا ترجمہ۔

شرائط:-

۱۔ جن اہل ادب کی کتابوں یا مجموعوں کا ترجمہ کے لئے انتخاب کیا جائے وہ معروف ادبی حیثیت رکھتے ہوں۔

۲۔ یہ کتابیں یا مجموعے اسلامی روح کے منافی نہ ہوں۔

۳۔ ترجمہ کی زبان ادب کے معیار سے گری ہوئی نہ ہو۔

۴۔ اصل مجموعہ یا کتاب سو صفحات سے کم نہ ہو۔

۵۔ اصل کتاب یا مجموعے کا پہلے ترجمہ نہ کیا گیا ہو۔

۶۔ اس مقابلہ میں مدارس و جامعات کے اساتذہ اور منتہی طلبہ، ریسرچ اسکالرز اور علمی اداروں میں تحقیقی کام کرنے والے حضرات شریک ہو سکتے ہیں، شرکاء کو اپنے اداروں یا شعبوں کا سرٹیفکٹ پیش کرنا لازمی ہے۔

تراجم کے معیار کی جانچ ایک ماہرین کی کمیٹی کریگی جس کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوگا۔

نوٹ:- مسودہ وصول ہونے کی آخری تاریخ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۴ء تک تھی۔ لیکن اب اس تاریخ میں ۳۱ اگست ۱۹۹۵ء تک توسیع کی جا رہی ہے۔ لہٰذا خواہشمند حضرات اب اپنا مسودہ مذکورہ بالا تاریخ تک دستی یا بذریعہ ڈاک ارسال کر سکتے ہیں۔

پتہ:- دفتر رابطہ ادب اسلامی پوسٹ بکس ۹۳ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ

ذکرِ رسولؐ کی بلندی

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

مثلِ آفتاب خادموں کا سرمایۂ ناز

کروڑوں تو شاید، لیکن لکھوکھا بندے اللہ کے یقیناً ایسے ملیں گے، جو اپنی نجات اور اپنی اقبیٰ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات سے وابستہ سمجھ رہے ہیں اور آج ہی نہیں سیکڑوں برس سے سمجھتے چلے آرہے ہیں عقیدہ کی صحت و غلطی سے یہاں بحث نہیں، مقصود نفسِ واقعہ کا اظہار ہے، اس کی زبانوں پر نام ہے تو غوث اعظمؒ کا اور دلوں میں اعتقاد ہے تو محبوب سبحانیؒ کا لیکن ذرا سوچ کر بتائیے کہ شیخ اور ان کے سارے پیش رو اور پس رو، حسن بصریؒ اور جنید بغدادی، خواجہ اجمیری اور سید احمد سرہندی، نظام الدین اور علاء الدینؒ صابر کلیری، نازاں کس شے پر ہیں؟ اپنی سروری و سرداری پر، یا عرب کے امّی کی غلامی اور مکہ کے یتیم کی چاکری پر؟ اللہ اللہ جو خود لاکھوں کے سردار اور کروڑوں کے پیشوا انھیں اگر فخر ہے تو صرف اس کا کہ کسی آستانِ پاک کے جاروب کش ہیں اور بس! ــــ دنیا میں اب تک بڑے بڑے جوگی اور رشی، راہب اور راہل ریاضت گزرے ہیں، یہ امتیاز اور یہ اعزاز کسی اور کے حصہ میں آیا ہے؟ کسی کے خادموں میں بھی ایسے ایسے آفتاب اور ماہتاب اور وہ بھی اس کثرت سے ہوئے ہیں۔

....

بے نظیر خدمت اور خادم

امام بخاریؒ کے مرتبہ و عظمت سے کون ناواقف ہے۔ ان کی کاوش و تحقیق کی نظیر کسی ملک، کسی قوم میں ملتی ہے؟ پھر انھوں نے اور انھیں کی راہ پر دوسرے صدہا چلنے والوں نے امام مسلمؒ نے، امام مالکؒ نے، امام ابو داؤدؒ نے، امام ترمذیؒ نے، امام نسائیؒ نے اپنی ساری ساری عمریں کس شغل کی نذر کر دیں؟ محض ایک امّی ہی کے اعمال و اقوال کے جمع کرنے میں! اور عسقلانی اور عینی، قسطلانی، اور ذہبی، سخاوی اور شوکانی قاضی اور نووی اور ان جیسے سیکڑوں دوسروں نے اپنی زندگیوں کو کس چیز کے لئے وقف کر رکھا ہے؟ اسی امّی کے اقوال کی شرح و تفسیر اور اس کی جانب منسوب الفاظ کی تنقیح و تنقید کے لیے! ابن جوزیؒ اور ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ، (ان کی ساری زندگیوں کی تحقیق و تدقیق کا خلاصہ کیا ہے؟ بس اسی قدر نہ، کہ فلاں فلاں بدعتیں اسی امّی کی سنّت کے مخالف ہیں اور فلاں فلاں اقوال اس کی جانب منسوب کرنا اس پر افترا کرنا ہے) ــ اس پردۂ عالم پر ایک سے بڑھ کر ایک عالم و فاضل، حکیم و فلسفی، ادیب و مہندس، پیدا ہو چکے ہیں، دنیا نے اب تک ان میں سے کسی کے ساتھ، اس کا نصف بھی اعتنا کیا ہے؟ کسی افلاطون، کسی سقراط، کسی ارسطو، کسی نیوٹن کسی کینٹ، کسی ڈارون کے اقوال و ملفوظات اس کاوش کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں؟ کسی کا ایک ایک فقرہ ایک ایک قول، ایک ایک لفظ اتنی سخت جراح اور ایسی ایسی موشگافیوں کے بعد، پاکوں کے واسطہ سے اور سچوں کی شہادت سے یوں سلسلہ بہ سلسلہ منقول ہو کر پہونچا ہے؟

نقوشِ سیرت کی حفاظت

ابن اسحاق اور ابنِ ہشام، سہیلی اور زرقانیؒ ابن سعد اور قاضی عیاض دمیاتی اور مغلطائی اور ان کے صدہا شاگردوں اور رفیقوں کے ضخیم مجلدات آپ کی نظر سے اگر نہیں گزرے نہ سہی ان کے ناموں کی شہرت تو یقیناً آپ کے کانوں تک پہنچ چکی ہوگی۔ ان کا مشغلۂ زندگی کیا رہا؟ یہ کاہے میں جئے اور کاہے میں مرے؟ اسی امّی معلمِ کائنات کی سیرت کا ایک ایک گوشہ محفوظ رکھنے میں، اس کی کتابِ زندگی کی ایک ایک سطر حفظ کرنے میں۔ اور محض یہی نہیں "روشن خیال" میور "علم دوست" مارگولیس "تحقیق پسند" کارلائل اور "حقیقت طراز" ولہاوسن کو کس کے سوانح نویسوں کی صف میں شمار ہونے کی آرزو بیقرار کئے ہوئے ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے گردن کش بادشاہ اور تاجدار ہو چکے ہیں، کسی کی سیرت، اس تحقیق اور اس جزئی تفصیل کے ساتھ تاریخ کے صفحات میں کہیں بھی ملے گی؟ کسی فرعون، کسی نپولین، کسی سکندر، کسی زار کسی قیصر، کسی دارا، کسی فغفور، کسی سلطان، کسی مہاراجہ، کسی ہز مجسٹی کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا سونا، جاگنا، کھانا، پینا، ہنسنا، رونا، لیٹنا، بولنا اس جامعیت، اس استقصاء، اس تاریخیت، اور اس اہتمام کے ساتھ کاغذ کے نقوش پر آج تک

منتقل ہو سکتا ہے؟

اُمّی کی شریعت کے شارح، اس کی وسعت

امام ابوحنیفہؒ کے نام سے بچہ بچہ واقف ہے کون دل ہے، جو آپ کی عظمت سے خالی ہے؟ آپ خود الگ رہے، ان کے شاگرد، بلکہ ان شاگردوں کے شاگرد، اس پایہ کے تھے، کہ معاصرین نے انھیں امام وقت تسلیم کیا، لیکن خود یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور ان کے احباب و رفقاء و تلامذہ، سفیان ثوریؒ اور اوزاعیؒ، ابویوسفؒ اور محمدؒ زفرؒ اور حسنؒ، حمادؒ اور مزنیؒ، طحاویؒ اور سرخسیؒ اور صدہا، ہزارہا فقہاء جو اب تک ہو چکے ہیں، یہ آخر گروہ در گروہ، انبوہ در انبوہ، کرتے کیا رہے ہیں؟ اسی ان پڑھ کے لائے ہوئے قانون کی شرح و تفسیر اور اسی حرف ناشناس کی بتائی ہوئی شریعت کے فروغ کا حل اور جزئیات احکام کا استنباط! دنیا میں آخر اور بڑے بڑے امیر، وزیر، قانون ساز، قانون گر اور بڑی سلطنت گزرے ہیں، کیا ان میں سے کسی کو ایسے اور اتنے شارحین نصیب ہوئے ہیں؟ یونان، ہندوستان مصر وغیرہ کو چھوڑیے، روم کو لیجیے، کہ اس کا "رومن لا" آج خدا معلوم کتنے دماغوں کو مرعوب کیے ہوئے ہے۔ جو بسط و وسعت اسلامی فقہ کو حاصل ہے، "رومن لا" غریب کو اس کا عشر عشیر بھی تو نصیب نہیں ہے۔

نعت گو شعراء

مثنوی شریف آج بھی کتنے دلوں کو مست کیے اور کتنی محفلوں کو گرمائے ہوئے ہے، مولانائے رومیؒ اور خواجہ حافظ، سعدی شیرازی اور نظامی گنجوی، خسرو اور جامی، سنائی اور عطار، صدیوں سے کس کے نام پر نغمہ خواں رہے ہیں؟ کس کے پیام کی ترجمانی کرتے رہے ہیں؟ کس بڑے کا سہارا پکڑ کر خود بھی بڑے بن چکے ہیں؟ وہی بادیہ عرب کا بوریہ نشین، جو شاید شعر موزوں پڑھ بھی نہیں سکتا تھا، اور جس کے لیے شاعری فخر موجب نہیں، باعث ننگ تھی وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۔ دنیا کے بڑے سے بڑے شاعروں نے آج تک کس کا اس طرح استقبال کیا ہے؟ کس بادشاہ کی شان میں اس عقیدت قلب کے ساتھ، اس ارادت و خلوص کے ساتھ، اس سوز و گداز کے ساتھ قصائد لکھے ہیں؟ کیسے یوں بے تاب ہو ہو کر پکارا ہے؟ ہومر کے، امرؤ القیس کے، فردوسی کے، والمیک کے، شیکسپیئر کے، ملٹن کے، گوئٹے کے، کالیداس کے، کس خطہ اور کسی زمانہ کے نام کو، پیام کو، کلام کو، یہ مقبولیت، یہ مرتبہ، نہ سہی، اس کا آدھا، چوتھائی، دسواں حصہ نصیب ہوا ہے؟

کس شمع کے پروانے تھے۔

عمر فاروقؓ اور علی مرتضیٰؓ کے نام سے کیسے کیسے سورماؤں کے کلیجے دہل دہل کر رہ گئے، خالدؓ سیف اللہ کی شمشیر اور ابن عاصؓ کی تدبیروں نے پتھروں کو پانی کر کے بہا دیا، لیکن یہ سب خود، کس شمع کے پروانے تھے؟ کس کے آستانہ پر جبیں سائی سے رفعتیں اور بلندیاں حاصل کرتے رہے؟ ہارون اور مامون، سلجوقی اور غزنوی وغوری، تیمور و بایزید، عثمان و سلیم، طارق و قاسم، لودی وخلجی، تیمور و بابر، ہمایوں و جہانگیر، شاہجہاں و اورنگ زیب، کس کی خاک بوسی کو، سدا اپنے لیے معراج کمال اور وسیلہ نجات سمجھے؟ دکن کا موجودہ صاحب سریر کس کے اشتیاق و تمنا میں گرم آنسو بہاتا اور سرد آہیں بھرتا رہتا ہے؟ بے سرو سامان ریفیوں نے کس کے دین کی غیرت میں اسپین اور فرانس دو دو سلطنتوں کا چیلنج قبول کر لیا؟ انورؒ نے کس کی امت کی خاطر جان تک نذر کر دی؟ محمود الحسنؒ کو کس کے نام کی عزت و ناموس نے دربدر پھرایا؟ گھر سے بے گھر کرایا، نظر بند کرایا؟ محمد علیؒ کس کی امت کے غم میں دیوانہ وار مجنون ہوا، نظر بند ہوا، جیل میں کئی کئی سال کاٹے؟ سب کے جواب میں ایک بار پھر اسی عبداللہ کے لخت جگر اور آمنہ کے نور نظر کا نام لیا جائے گا، یا کسی اور کا؟

بے نظیر علم کلام کس کے پیام کے لیے

غزالیؒ کی تصانیف پر خود انھیں رشک آ گیا ہے، جن پر ہم آپ دن رات رشک کرتے رہتے ہیں۔ یہ قول جارج ہنری لیوس (صاحب تاریخ فلسفہ) کا ہے، "اگر غزالی کی تصانیف کا ڈیکارٹ کے وقت تک ترجمہ ہو گیا ہوتا، تو لوگ ڈیکارٹ کے فلسفہ کو غزالی کا سرقہ ہی سمجھتے۔ یہ غزالی اور ان کے آثار قدم پر چلنے والے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ وغیرہم نے علم اسرار الدین اور معالجہ امراض نفسانی پر جو دفتر کے دفتر تیار کر دیے ہیں، ان کا حاصل اور لب لباب کیا ہے، بس اسی نبی امیؐ کے لائے اور پھیلائے ہوئے دین کی حمایت و نصرت اور اس کی تبلیغ و ترویج۔ ابوالحسن اشعری اور ابوبکر باقلانی، رازی اور آمدی، نسفی اور جرجانی نے عقائد و کلام میں تصانیف کا جو انبار لگا دیا، اور ان کے جانشین جس طرح ہر دور میں پیدا ہوتے رہے، یہاں تک کہ آج چودھویں صدی ہجری کے وسط میں بھی جو کام ہو رہا ہے، اس پایہ کا مسلم کلام کسی شخصیت کے ارد گرد پیدا ہو سکتا ہے؟ کون سی تاریخی ہستی اتنا زبردست اور اس قدر وسیع کلامی لٹریچر پیدا کرا سکی ہے؟

تفسیر کے میدان میں رجعت

مفسرینِ کرام کے نام اور ان کے کارنامے کس پر روشن نہیں؟ تابعین میں ضحاک اور قتادہ، مجاہد اور ابنِ زید نے معانیِ قرآنی کی جو خدمت کی، اس کا صلہ کس کے امکان میں ہے۔ ابنِ جریر کے تیس مجلدات کو کون بھول سکتا ہے۔ ابنِ کثیر کی کاوش و جستجو کی داد کون دے سکتا ہے۔ بیضاوی و زمخشری کی قدر کس کے دل میں نہیں۔ بغوی اور نسفی ابنِ حیان اور ابوسعود نے اپنی عمریں کس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ چشمِ تصور دیکھ رہی ہے، کہ یہ سب کے سب اپنے اپنے مجلدات و اسفار لیے ہوئے، ایک اُمّی کی خدمت میں دست بستہ اس کی نگاہِ کرم کے منتظر کھڑے ہوئے ہیں اور ان کی بڑی سی بڑی آرزو ہے، تو یہ کہ اس کے قدموں پر نثار ہو جائیں!

نحو و لغت، خدمتِ نبیؐ کی ایک صورت

نحو و لغت کی طرف آیئے، تو ایک سے بڑھ کر ایک امامِ فن نظر آئیں گے، ایسے کہ جن پر خود فن کو ناز ہے۔ کسائی اور ابوالاسود دوئلی، خلیل اور سیبویہ، ابنِ مالک اور ابنِ حاجب، ابنِ درید و ابنِ سیدہ زمخشری و مطرزی، جوہری و فیروز آبادی، ابنِ منظور و زبیدی کسی نے صَرف پر لکھا اور کسی نے نحو پر، کسی نے لغت کو اپنا موضوع رکھا لیکن ان تمام پردوں کے پیچھے، مقصود اصلی سب کا کیا رہا؟ وہی دین کی خدمت، اُسیؐ کے لائے اور بتلائے ہوئے دین کی خدمت! کیا دنیا میں اُمّیوں اور اَن پڑھوں کو یہی مرتبے حاصل ہوا کرتے ہیں؟ اُمّیوں کو چھوڑیئے، جو زیادہ سے زیادہ پڑھے لکھے گذرے ہیں ان میں سے کسی کو بھی ایسے شارح، ایسے ایسے خادم نصیب ہوئے ہیں؟ معانی و بیان اور بدیع پر لکھنے والوں کی تعداد، اس فہرست پر مستزاد۔

حکیم اور فلسفی

سب سے آخر میں، فلسفیوں کو لیجئے۔ فلسفی بھی بھلا کسی کے ہوئے ہیں؟ لیکن یہاں کیا ہے۔ کہ ابنِ سینا و ابنِ رشد، طوسی و فارابی، رازی و فیلزی سب کے سب اُسی زلف کے اسیر، سب کی عقیدتوں کے دامن اُمّیؐ کے بندِ نعلین سے وابستہ! کتنے علوم و فنون کے نام گنائے جائیں؟ زندگی کے کن کن شعبوں کو روشنی میں لایا جائے؟ قوت اور صولت کے کن کن پہلوؤں کو شمار کیا جائے؟ سرداروں اور ناموروں کے نام شہادت میں کہاں تک پیش کئے جائیں، کہ

جملہ ترکانِ جہاں ہندوے تو!

مدارس میں ذکر

مصر کے جامع ازہر اور آزاد اسلامی ممالک کے مدرسوں کو چھوڑیئے، غلام او بے نوا ہندوستان میں جہاں عربی کے سکّہ کا چلن کسی بازار میں بھی نہیں یہ آخر ندوہ اور دیوبند کے یہ عظیم الشان مدارس کس کا نام لیے ہوئے چل رہے ہیں؟ جامعہ ملیہ کس کی اُمّت کی خدمت کی خاطر زندہ ہے؟ علیگڑھ، آزادیوں کے دعوے کے باوجود، کس کے دین و آئین کی پابندیوں پر نازاں ہے؟

کس وقت بلندی کا اعلان ہو رہا ہے

ہندوستان کے چھوٹے چھوٹے قریوں اور موضعوں، عرب کے ریگستان اور چٹیل میدان، اور افریقہ کے صحرا و بیابان سے لے کر، لندن اور پیرس اور برلن کے تمدن زاروں تک، ہر دور اور ہر روز میں بھی پانچ پانچ بار کس کے نام کی پکار، اللہ کے نام کے ساتھ ساتھ، بلند ہوتی رہتی ہے؟ اپنی ذاتی عقیدت مندی کو الگ رکھیے، محض ایک خالی الذہن اور ناطرفدار تماشائی کی حیثیت سے محض واقعات پر نظر کر کے، فرمایئے، کہ یہ مرتبہ، یہ اکرام، دنیا کی تاریخ معلوم سے لے کر آج تک کسی ہادی کسی رہبر، کسی مخلوق کو حاصل ہوا ہے؟ جس بے کس اور بے بس سے، عین اس وقت جب کہ اُسے زور اور قوت والے سردارانِ قریش اپنے خیال میں کچل کر اور پیس کر رکھ چکے تھے، اور اس کا نام و نشان تک مٹا چکے تھے، یہ وعدہ ہوا تھا کہ،

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ ہم نے تیرے لیے تیرا ذکر بلند کر رکھا ہے۔ اگر آوازہ اس کا بلند نہ ہوگا تو اور کس کا ہوگا؟ نام اُس کا سرفراز اور سربلند نہ ہوگا تو اور کس کا ہوگا؟ بلندیٔ ذکر کی یہ وہ تفسیر ہے، جو اوراقِ لیل و نہار پر ساڑھے تیرہ سو برس[1] سے ثبت چلی آ رہی ہے، چشمِ روزگار اسے صدیوں پڑھتی چلی آ رہی ہے، اور خدا معلوم کب تک اسی طرح پڑھتی رہے گی!

حشر کے دن عنداللہ، اس بندہؐ کا جو مرتبہ ہوگا، وہ تو ہو ہی گا، اس سے قطع نظر کر کے، ذرا صرف اس مرتبہ کا تصور کیجئے، جو محض اس بلندیٔ ذکر کے لحاظ سے اس روز حاصل ہوگا۔ فوج کی فوج، انبوہ در انبوہ، ادھر سے ملوک و سلاطین چلے آ رہے ہیں، ادھر سے بڑے بڑے نامور جنرل اور سپہ سالار۔ ایک طرف سے محدثینِ کرام جوق در جوق چلے آ رہے ہیں۔ اور دوسری طرف سے مفسرینِ عظام، اہلِ فقہ، اہلِ اصول، اہلِ کلام، اہلِ تصوف، اہلِ لغت، اہلِ سیر، اہلِ رجال، اہلِ نحو، اہلِ معانی، اہلِ بیان، اہلِ فلسفہ، اہلِ منطق، اہلِ اخلاق، جس فن کو بھی لیجئے اس کے ائمہ و ماہرین، ادب سے آنکھیں نیچی کیے، ہاتھ باندھے ہوئے خادمانہ انداز سے گرد و پیش حلقہ کیے ہوئے ہیں۔ ایک اسی انعام کی پوری وسعت کا تصور کس کے بس کی بات ہے؟

---

[1] چودہ سو برس

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

[illegible]

جناب قاضی محمد سلیمان صاحب، سلمان منصور پوری نے رحمۃ للعالمین جلد دوم صفحہ ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷ میں تحریر فرمایا لفظ رحمت ایسا لفظ ہے جس کا استعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ہوا ہے حضور کے سوا کسی دوسرے کے لئے نہیں ہوا، ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ" میری رحمت ہر شے سے زیادہ وسیع ہے۔ پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ عالمین کے لئے رحمت بنایا گیا ہے تو ثابت ہو گیا حضور صلی اللہ وسلم کی نعمت بھی جملہ عالمین کے لئے ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ رحمۃ للعالمین وہی وجود مزکّٰی ٹھہرے گا جس نے اہل عالم بلکہ عالم در عالم کی بہبود و سود، رفاہ و فلاح، خیر و صلاح، عروج و ارتقا، صفا و بہا کے لئے بلا شائبہ غرض اور بلا آمیزش طمع اپنی مقدس ترزندگی کو صرف کیا ہو، جس نے الٰہی جلوہ انسانوں کو دکھایا ہو، جس نے بندوں کو خدا سے ملایا ہو، جس نے دل کو پاک روح کو روشن دماغ کو درست طبع کو ہموار بنایا ہو، جس کی تعلیم نے امن عامہ کو مستحکم اور مصلحت عامہ کو استوار کیا ہو۔ جو غریبی و امیری جوانی و پیری، امن و جنگ، امید اور ترنگ گدائی و بادشاہی، مستی و پارسائی، رنج و راحت، حزن و مسرت کے ہر درجہ ہر پایہ اور ہر مقام پر انسان کی رہبری کرتا ہو۔ جس نے فلک کی بلندی، زمین کی پستی، رات کی تاریکی، دن کی روشنی سورج کی چمک، جگنو کی دمک، ذرہ کی پرواز، قطرہ کی طراوت میں عرفانِ ربانی کی سیر کرائی ہو۔ جس کی تعلیم نے درندوں کو چوپانی، بھیڑیوں کو گلہ بانی، رہزنوں کو جہانبانی، غلاموں کو سلطانی، شاہوں کو اخوانی سکھائی ہو جس نے خشک دریاؤں میں علم و معرفت کے دریا بہائے ہوں، جس نے سنگلاخ زمینوں سے کتاب و حکمت کے چشمے چلائے ہوں۔ جس نے خود غرضوں کو محبت قومی کا دردمند بنایا ہو۔ جس نے دشمنوں کو اپنا جگر بند ٹھہرایا ہو۔ وہ غریب کا محب شاہوں کا تاج، غلاموں کا حسن بے آسروں کا آسرا، دردمندوں کی دوا، مساوات کا حامی، محبت کا جوہری، صدق کا منبع خاکساری کا نمونہ، اوّلین انسان، مسکین کا ساتھی، آقاؤں کا آقا، یتیموں کا سہارا، بے خانماؤں کا ماویٰ، چارہ گروں کا دردمند، اخوت کا بانی، اخلاق کا مشتری، صبر کا معدن رحمتِ ربانی کا پتلا آخری انسان اگر رحمۃ للعٰلمین کے لقب سے ملقب نہ ہوگا تو پھر ان جملہ صفات کے جامع کا اور کیا نام ہوگا ہاں رحمۃ للعٰلمین وہی ہے جس نے ملکوں کی دوری اقوام کی بے گانگی، رنگتوں کا اختلاف، زبانوں کا تباین دور کر کے سب کے دلوں میں ایک ہی ولولہ سب کے دماغوں میں ایک ہی تصور سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ جاری کر دیا ہو ہاں رحمۃ للعٰلمین وہی ہے جو یہودیوں کی طرح نذر منت کی قبولیت کے واسطے نبی لاوی کا واسطہ ضروری نہیں ٹھہراتا جو کاتھولکوں کی طرح آسمان کی کنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا جو روح کو بہشت یا نرک میں ڈھکیل دینے کی طاقت برہمنوں کو ہی عطا نہیں کر دیتا جو خاص رقبہ کے باشندوں کو آسمانی بادشاہت کے فرزند نہیں ٹھہراتا جو نسل واحد کے افراد ہی کو خدا کی برگزیدہ قوم نہیں قرار دیتا جو یہودیوں عیسائیوں، زردشتیوں، برہمنوں، جینیوں اور لاماؤں کی طرح اپنے سوا باقی سب پر رحمت و افضال کے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔ ہاں رحمۃ للعٰلمین وہی ہے جس کے دربار میں عداس نینوائی، صہیب رومی، ذو الکلاع حمیری، ابوسفیان اموی، کرز فہری، بلال حبشی، ضماد زادی، عدی طائی، ابوذر غفاری، ابو حارث مصطلق، سلمان فارسی، طفیل دوسی، ثمامہ نجدی، ابو عامر اشعری، سراقہ مدلجی پہلو بہ پہلو بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اتنی قوموں اور اتنے مختلف الدعاوی سرداروں کا مجمع کسی اور جگہ بھی نظر آتا ہے؟ یہاں ہر شخص اپنے اپنے ملک اور اپنی اپنی قوم کا حق وکالت ادا کر رہا ہے اور ہر شخص اپنے دامانِ دل کی وسعت کے موافق پھولوں سے جھولیاں بھر رہا ہے اور اپنے اپنے ملک کے مشام جان کو ان سے معطر کر رہا ہے۔

آپ مؤمن و کافر ہر ایک کے لئے رحمت تھے

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ یعنی جو چیز تم کو مشقت میں ڈالنے والی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاق و گراں گزرتی ہے، تمہاری تکلیف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور تکلیف ہوتی ہے۔ آپ کی اس صفت میں کفار و مشرکین اور مؤمنین دونوں شریک ہیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب کفار کو کفر و شرک میں مبتلا دیکھتے اور ان کا انجام بد آپ کے سامنے ہوتا تو آپ کے دل رحم پرور کو نہایت شاق ہوتا اور آپ کا یہ صدمہ کبھی تو اتنا بڑھ گیا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی تسکین و سکینہ کے لئے آیات قرآنی کے نزول کے ذریعہ سکون خاطر کا اہتمام کرنا پڑا سورہ آل عمران ۱۷۶ میں ارشاد فرمایا گیا۔ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ۔ یعنی کفر میں بڑھ بڑھ کر حصہ لینے والوں کی حالت سے آپ رنجیدہ نہ ہوں۔

غزوۂ بدر میں ستّر قریشی مشرکین گرفتار ہوئے۔ ان کی مشکیں کس دی گئیں، دن گذرا اور رات کا سناٹا چھایا، مجاہدین اسلام محو خواب ہو گئے مگر رحمۃ للعٰلمین نہیں سو رہے، کوشش کے باوجود نیند

نہیں آرہی تھی آپ کروٹیں بدل رہے ہیں کرب و بے چینی نے آنکھوں کی نیند اڑا دی ہے، ایک انصاری صحابی نے آپ کی اس بے چینی کو دیکھا وہ سمجھے آپ کو کوئی جسمانی تکلیف ہے۔ پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا حضور کو کچھ تکلیف ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر عباس کے کراہنے کی آواز میرے کان میں آرہی ہے اس لیے مجھے چین نہیں ہے۔

صحابی رضی اللہ عنہ چپکے سے اٹھے اور عباس کی مشکیں کھول دی انھیں آرام مل گیا۔ تو وہ فوراً سو گئے انصاری پھر حاضر خدمت ہوئے آپ نے پوچھا اب عباس کی آواز کیوں نہیں آرہی؟ انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے عباس کی مشکیں کھول دی ہیں آپ نے فرمایا جاؤ سب قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی کرو یعنی سب کی مشکیں کھول دو، جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ سب قیدی اب آرام سے ہیں تو آپ کا اضطراب دور ہوا اور اب آپ کو نیند آئی۔

ذرا سوچئے! یہ قیدی وہی تو تھے جنھوں نے تیرہ سال تک مسلسل اہلِ ایمان کو ستایا تھا کسی کو آگ پر لٹایا کسی کو خون میں نہلایا، کسی کو بھاری پتھر کے نیچے دبا دیا، کسی کو سخت اذیتوں کے بعد خاک و خون میں سلایا تھا پھر ان پر یہ نرمی! اور خلقِ عظیم کا یہ سلوک! اے اللہ تو بے شمار رحمتیں نازل فرما رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اور آپ کے اصحاب پر۔

پندرہ روزہ تعمیر حیات ایک تحریک ہے، اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں۔

نعت

شمس واحدی

نازاں ہے جس پہ تاریخ آدم

ذکر اس کا ہے اور با چشم پُر نم — نازاں ہے جس پہ تاریخ آدم
ایمان مطلق ارشادِ محکم — نورِ مجسم جانِ دو عالم

روحِ ہدایت احمد بہ نامے
یثرب مقامے بطحا خرامے

ابھرا ہے جب سے ہستی کا تارا — طوفاں بکف ہے عالم ہی سارا
بے سود کشتی، چھوٹا کنارا — ختم رسل کا بس اک سہارا

ذاتِ رفیقش، خاصے بہ عامے
کہنہ گلیمے، تازہ پیامے

ہوتا نہیں گر فیضِ الٰہی — دنیا اجڑ کر تا یہ نہ بستی
ظلِ نبیؐ سے یہ نور ہستی — جس نے مٹائی باطل پرستی

مہتاب دستے، خورشید گامے
صبحش چہ صبحے، شامش چہ شامے

نغمہ جنوں نے گایا نہیں تھا — رمزِ نبوت پایا نہیں تھا
خلوت میں کوئی آیا نہیں تھا — جلوہ تھا لیکن سایا نہیں تھا

صدیق اکبرؓ قائم مقامے
در دینِ احمد اول تمامے

خاموشیوں میں اعلانِ ایماں — کوئے طلب میں سرو چراغاں
شمشیرِ عریاں، تدبیرِ رخشاں — تقویمِ عالم، قیومِ دوراں

فاروقِ اعظمؓ مردِ عوامے
حرفِ جدیدے نقشِ دوامے

عثمانیت ہے غم کوش رہنا — صبر و رضا میں پُر جوش رہنا
جس نے سکھایا ذی ہوش رہنا — خنجر کے نیچے خاموش رہنا

خوں در گلو و قرآں بہ کامے
محوِ کلامے وخود لا کلامے

جسمِ علیؓ میں تھی اک جانِ کامل — علم و عمل کی اک شانِ کامل
ایمانِ کامل، عرفانِ کامل — نانِ جویں اور انسانِ کامل

جذبِ عظیمے، فکرِ تمامے
طوبیٰ بہ جیب و کوثر بہ جامے

پھر شمعِ ایماں ضو پا رہی ہے — بزمِ سیاست تھرّا رہی ہے
تاریخ ماضی دہرا رہی ہے — کعبے کی جانب خلق آرہی ہے

منزل بہ منزل گامے بہ گامے
عالم مسافر کعبہ مقامے

نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولاتِ یومیہ

ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ

بعد فجر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز فجر پڑھ کر تسبیحات ذکر کے بعد مسجد ہی میں جائے نماز پر آلتی پالتی مار کر چار زانو بیٹھ جاتے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پروانہ وار پاس آکر بیٹھ جاتے یعنی یہی دربارِ نبوت تھا، یہی حلقۂ توجہ تھا۔ یہی درس گاہ ہوتی تھی یہی محفلِ احباب بنتی تھی۔ یہیں آپ نزول شدہ وحی سے صحابہ کو مطلع فرماتے تھے یہیں آپ فیوض باطنی اور برکات روحانی کی بارش ان پر فرماتے۔ یہیں آپ دین کے مسائل، معاشرت کے طریقے، معاملات کے ضابطے، اخلاق کی باریکیاں ان کو تعلیم فرماتے۔ لوگوں کے آپس کے معاملات اور مقدمات فیصل فرماتے۔

اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے، آپ خواب سنتے اور اس کی تعبیر فرماتے۔ کبھی آپ خود ہی فرماتے کہ آج میں نے یہ خواب دیکھا ہے پھر خود ہی اس کی تعبیر بیان فرما دیتے پھر بعد میں آپ نے یہ معمول ترک فرما دیا تھا۔ (مدارج النبوۃ)

کبھی صحابۂ کرام اثنائے گفتگو میں ادب کے ساتھ جاہلیت کے قصے بیان کرتے، قصیدے اور اشعار سناتے یا مزاح کی باتیں کرتے۔ آپ سنتے رہتے کبھی ان پر مسکرا بھی دیتے اس کے بعد آپ اشراق کی نوافل پڑھتے۔

اکثر اسی وقت مالِ غنیمت یا لوگوں کے وظیفے تقسیم فرماتے۔

جب آفتاب نکل کر دن خوب چڑھ جاتا تو آپ صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت) کی نفلیں کبھی چار کبھی آٹھ رکعت پڑھ کر مجلس برخاست فرماتے اور جن بی بی کی باری اس دن ہوتی ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ وہاں گھر کے دھندوں میں لگے رہتے۔ اکثر گھر کے مختلف کام خود ہی انجام دیتے۔ دن میں صرف ایک بار کھانا تناول فرماتے، دوپہر میں آرام فرماتے۔ (سیرۃ النبی)

بعد ظہر

نماز ظہر باجماعت پڑھ کر مدینہ کے بازاروں میں گشت لگاتے، دکانداروں کا معاینہ و احتساب فرماتے۔ ان کا مال ملاحظہ فرماتے۔ ان کی مال کی اچھائی برائی جانچتے۔ ان کے ناپ تول کی نگرانی فرماتے کہ کہیں کم تو نہیں تولتے۔ بستی اور بازار میں کوئی حاجت مند ہوتا تو اس کی حاجت پوری فرماتے۔

بعد عصر

نمازِ عصر باجماعت پڑھ کر ازواجِ مطہراتؓ میں سے ایک ایک کے گھر تشریف لے جاتے۔ حال پوچھتے اور ذرا ذرا دیر ہر ایک کے یہاں ٹھہرتے اور یہ کام اتنی پابندی سے کرتے کہ ہر ایک کے یہاں مقررہ وقت پر پہنچتے اور سب کو معلوم تھا کہ آپ وقت کے بہت قدر شناس اور پابند ہیں۔

بعد مغرب

نمازِ مغرب باجماعت پڑھ کر اور نوافل اوّابین سے فارغ ہو کر جن بی بی کی باری ہوتی آپ شب گذارنے کے لئے وہیں ٹھہر جاتے۔ اکثر تمام ازواجِ مطہرات اسی گھر میں آکر جمع ہو جاتیں۔ مدینہ کی عورتیں بھی اکثر جمع ہوتیں اس لئے کہ آپ اس وقت عورتوں کو دینی مسائل کی تعلیم فرماتے گویا یہ مدرسۂ شبینہ اور مدرسۂ نسواں قائم ہوتا جس میں انتہائی ادب اور پردہ کے ساتھ عورتیں علم دین، حسنِ معاشرت، حسنِ اخلاق کی باتیں اس معلمِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھتیں۔ اللہ کے رسول عورتوں کو (جن کی گودیں بچوں کی پہلی درس گاہ ہوتی ہیں) علم دین سے محروم اور تہذیب اسلامی سے نا آشنا نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ یہیں عورتیں اپنے مقدمات پیش کرتیں آپ ان کا فیصلہ فرماتے۔ وہ اپنی پریشانیاں، شکایتیں، مجبوریاں بیان کرتیں آپ ان کو حل فرماتے۔ اگر کوئی بیعت ہونا چاہتی تو یہیں آپ ان کو بیعت فرماتے ان امور پر کہ "اللہ کا شریک نہ بنائیں گی۔ چوری نہ کریں گی، بدکاری نہ کریں گی، اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی اور کسی کو بہتان نہ لگائیں گی اور نیک کاموں میں رسول کے طریقے کی خلاف ورزی نہ کریں گی۔"

آپؐ ان کو بیعت فرماتے اور ان کے لئے استغفار فرماتے۔ یہ مدرسہ نمازِ عشاء تک قائم رہتا پھر آپ نماز عشاء کیلئے مسجد جاتے۔ عورتیں اپنے گھر واپس ہو جاتیں۔

بعد عشاء

نمازِ عشاء باجماعت پڑھ کر آپؐ اس شب کی قیام گاہ پر جا کر سو رہتے۔ عشاء کے بعد بات چیت کرنا آپ پسند نہ فرماتے۔ آپ ہمیشہ داہنی کروٹ سوتے۔ اکثر داہنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے چہرۂ انور قبلہ کی طرف کر کے مسواک اپنے سرہانے ضرور رکھ لیتے۔

سوتے وقت سورۂ جمعہ، سورۂ تغابن، سورۂ صف کی تلاوت فرماتے پھر جب بیدار ہوتے مسواک سے دانت مانجھتے، وضو کرتے پھر تہجد کی نفلیں پڑھتے۔

باقی ص ۲۷ پر

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی

تبلیغ کی عالمگیر اور انقلاب انگیز تحریک، اس کی عظمت و وسعت اور اس کے محیر العقول نتائج، بانیٔ تحریک اور داعیِ اول حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ (جن کے حالات و سوانح پر خود راقم کی ایک مفصل و مستند "سوانح مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ" کے نام سے موجود ہے) کے نائب و جانشین، ان کے فرزند عالی مرتبت مولانا محمد یوسف صاحبؒ (م ۲ر اپریل ۱۹۶۵ء) ہوئے، جو اپنے جوش و اثر آفرینی اور مقبولیت میں ان کے صحیح جانشین اور آیۃ من آیات اللہ تھے، اور جو اگر اللہ کو منظور ہوتا اور ان کو طویل حیات ملتی تو اس دعوت و تحریک میں مزید ترقیاں اور زمانہ کے جائز اور قدرتی تقاضوں کی تکمیل کا سامان ہوتا، لیکن ۲ر اپریل ۱۹۶۵ء ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ کے بعد جب ان کی لاہور میں وفات ہوئی اور یہ اتفاق آرا حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ، جو ان کے رفیق کار اور داعی اول حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے خاص معتمد علیہ اور تربیت یافتہ تھے، امیر منتخب ہوئے تو ان کے زمانہ امارت اور قیادت میں تحریک نے بڑی وسعت و کامیابی حاصل کی اور وہ دور دراز ملکوں میں پھیلی اور اس نے اپنے اثرات دکھائے، اس میں مولانا انعام الحسن صاحب کی استقامت، روح محافظت اور اس جذبہ کو بہت دخل تھا کہ یہ دعوت اپنے اصل راستہ اور ابتدا کار کے معمول بہ نظام اور حدود سے تجاوز نہ کرنے پائے، اس لئے انھوں نے انھیں حدود اور دائرہ کار میں رکھا، جو ابتدا میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے مقرر کر رکھے تھے، اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ بھی اپنے جوش خطابت اور بعض مرتبہ اتفاقی مضمون اور غیر مسلموں کو بھی خطاب کرنے کے ساتھ بالعموم اس دائرہ میں رہتے تھے۔

مولانا کی سوانح حیات اور خدمات پر مستقل تصانیف اور مضامین لکھے جائیں گے، اس مختصر مضمون میں جو علالت و مصروفیت کی حالت میں لکھا جا رہا ہے اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں اور اس کا حق ادا کرنے کی استطاعت و مہلت نہیں، اور نہ اس سے اس کا حق ادا ہو سکتا ہے، اس لئے یہاں پر اپنی رفاقت اور تعلق کا مختصراً ذکر کر دیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں ۱۹۳۹ء کے آخر سے جب سے حاضری کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کے فرزند گرامی اور بعد میں جانشین اول مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور ان کے تربیت یافتہ مجاز و معتمد اور فرد خاندان مولانا انعام الحسن صاحب سے تعارف حاصل ہوا، کچھ علمی و کتابی ذوق، کچھ عمروں کے تقارب اور کچھ ان دونوں حضرات کی کریم النفسی سے ایک ہی (بالائی) کمرہ میں قیام رہتا تھا، اور علمی ذوق کے اشتراک اور درس و تدریس کی مناسبت کی وجہ سے تبادلۂ خیال، بے تکلف گفتگو اور علمی مذاکرات رہتے تھے، یہ سلسلہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد تک جاری رہا۔ اس قیام اور تبادلۂ خیال اور مذاکرات کی بنا پر اس کا اندازہ ہوا کہ مولانا انعام الحسن صاحب مرحوم کی اچھی علمی نظر اور فنون و درسیات میں ان کو ملکۂ راسخہ حاصل ہے، بعض مرتبہ ان سے بعض علمی مآخذ شروح حدیث کی بعض تحقیقات و معلومات کی نشان دہی بھی ہوئی جن سے فائدہ بھی اٹھایا گیا، اس کے ساتھ ان کی اخلاقی و خاندانی خصوصیات و مکارم اخلاق کا بھی تجربہ ہوا، الحمد للہ ان سے نیازمندانہ اور مخلصانہ تعلقات اخیر تک قائم رہے۔ اور حاضری اور ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا، وہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں کئی بار تشریف لائے اور تبلیغی اجتماعات میں بھی شرکت کی، عام طور سے انھیں کی دعا پر اجتماع کا اختتام ہوتا تھا رحمہ اللہ تعالیٰ و رفع درجاتہ۔

مولانا کے جنازہ پر معتقدین اور محبین، کارکنان تبلیغ اہل شہر، قرب و جوار بلکہ دور دراز کے شہروں (جن میں بمبئی کلکتہ وغیرہ بھی شامل ہیں) کے مخلصین، معتقدین، کارکنان تبلیغ کا ایسا ازدحام ہوا جو برسوں سے نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان کی سرزمین پر بھی نہیں دیکھا گیا، راقم نے بمبئی میں پھر لکھنؤ میں اس ازدحام کے بارے میں تفصیلات سنیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ممالک غیر سے بھی لوگ جہازوں پر بلکہ چارٹر پلین کر کے آئے، لوگ ان کی لاکھوں کی تعداد بتاتے ہیں۔ یہاں پر مولانا مرحوم کے عزیز و قریب اور فرد خاندان مولانا راشد کاندھلوی صاحب کے مضمون کا وہ حصہ نقل کیا جاتا ہے جو ان کے رسالہ "احوال و آثار" کے اس نمبر میں آیا ہے جو حادثہ کے فوراً بعد نکلا وہ ایک طرح سے شہادت عینی ہے۔

"تدفین اور نماز جنازہ میں شرکت کے لئے ہر طرف سے ہجوم امنڈ پڑے، ہمایوں کے مقبرہ کے قریب نرسری پارک کے وسیع میدان میں نماز جنازہ ہوئی، مگر یہ نہایت وسیع میدان بھی آنے والوں کے لئے قطعاً ناکافی ثابت ہوا، چاروں طرف دور دور تک صفیں پھیلی ہوئی تھیں، محتاط اندازوں کے مطابق ڈھائی پونے تین لاکھ افراد جنازہ میں شریک ہوئے، فرط غم سے بے قابو غیر معمولی ہجوم کی وجہ سے تمام انتظامات درہم برہم ہو گئے تھے، جس کی بنا پر کچھ غلط فہمی ہوئی اور جنازہ کی نماز بہت دیر سے مغرب کے بعد ادا کی گئی، اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی کے برابر میں تدفین عمل میں آئی"[1]

باقی ص ۲۵ پر

---

[1] رسالہ "احوال آثار" شمارہ محرم ۱۴۱۶ھ مطابق جون ۱۹۹۵ء

[illegible]

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

انتخاب: مولوی محمد اسمٰعیل ندوی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، حضرت شیخؒ کی علمی و روحانی شخصیت زہد و ورع، صدق و اخلاص، طاعت و عبادت الٰہی میں آپ اپنی مثال ہے۔ اس کے ساتھ حقوق اللہ و حقوق العباد، اپنے اساتذہ و منسوبین، رفقاء و خرکائے حیات کے ساتھ حسن سلوک، فرائض و ذمہ داریوں کو پورا پورا ادا کرنے میں دوسروں کے لئے نمونہ ہے، خصوصاً مدارس اسلامیہ کے کارکنوں اور ذمہ داروں کے لئے عبرت و نصیحت کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت شیخ نے اپنی آپ بیتی میں بڑے سبق آموز واقعات اور تجربات تحریر فرمائے ہیں۔ جو اصلاح حال اور فلاح دارین کی غرض سے ہدیۂ ناظرین کئے جارہے ہیں کہ کسی اللہ کے بندے کو ان اکابر کے اتباع کی توفیق نصیب ہوجائے۔

(ادارہ)

اوقات کی پابندی اور رخصتوں میں احتیاط

مدرسہ کے معاملات میں ایک چیز بڑے تجربہ میں آئی۔ اب تو اس میں کمی ہے جس کی وجہ میں اکابر مدرسہ اور کام کرنے والوں میں اخلاص کی کمی سمجھ رہا ہوں۔ لیکن میری ابتدائی مدرسی بلکہ انتہائی طالب علمی کے زمانے میں ایک چیز کا خوب تجربہ ہوا اور ایسا کہ حد نہیں، مدرسہ کا قانون یہ ہے کہ بیماری کی چھٹی اس وقت لی جاتی ہے جب مدرسہ کا کام کرنے کی طاقت و وسعت نہ رہے اور مدرسے کے کام میں دقت زیادہ ہونے لگے۔ میں نے دیکھا کہ جب کسی بھی ملازم نے معمولی سی بیماری میں چھٹی لی۔ مثلاً سر میں معمولی سا درد یا طبیعت میں کچھ اضمحلال ہوا تو وہ شخص اچھی طرح سے بیمار ہوئے بغیر نہیں رہا میں ہمیشہ سوچتا رہا کہ یہ مدرسہ کی حق تلفی کی سزا ہے یا "لاتتمارضوا فتمرضوا" کا مظہر ہے جو حضورؐ کا ارشاد ہے: کہ بہ تکلف بیمار نہ بنو ورنہ حقیقتاً بیمار بن جاؤگے (الحدیث)

اس قسم کے واقعات بہت مشاہدہ میں آئے نام تو لکھواتا نہیں لیکن میں نے اپنے بے تکلف دوستوں کو ہمیشہ معمولی بیماری میں چھٹی لینے پر ٹوکا بھی اور بعض مرتبہ پیشین گوئی بھی کردی کہ "بالآخر بیمار ہوگا تیار رہو"۔ اسی طرح مدرسہ کے سلسلے میں ایک تجربہ اور ہوا جس کے واقعات تو اس باسٹھ سالہ قیام مدرسہ میں کہ میں رجب ۱۳۲۸ھ میں آیا اور اب شوال ۱۳۹۰ھ ہے۔ بہت کثرت سے دیکھے جن لوگوں نے مدرسہ کے مال میں کوئی خیانت کی یا کوئی مدرسہ کے حقوق میں زیادہ کوتاہی کی وہ یا تو بیماری میں مبتلا ہوا یا کسی مقدمے میں پھنسا یا پھر اس کے یہاں چوری ہوئی۔ میرے ایک بہت ہی مخلص اور بزرگ ایک جگہ ملازم تھے اور ڈیڑھ سو روپے تنخواہ تھی وہ پانچ سو یا سات سو روپے تنخواہ پر دور دراز تشریف لے گئے، ان کی تشریف بری کے تقریباً سال بھر بعد ان کے مکان پر چوری ہوئی اور زبردست نقصان ہوا۔ اللہ مجھے معاف فرمائے میں گستاخ ہوں ہی میں نے ان کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ حادثہ پر بجائے تعزیت کے مبارکباد دوں گا کہ بے ضرورت سے زیادہ تحصیل مال کے لئے اتنی دور کا سفر آپ کی شان کے مناسب نہ تھا آپ دینی حیثیت سے بہت اونچی جگہ تھے جس کی موجودہ جگہ ہرگز مقابلہ نہیں کرسکتی تھی ان کا میرے پاس بڑے عتاب کا خط آیا کہ اس حادثہ فاجعہ پر ہر ایک نے رنج و غم، تعزیت، اظہار ہمدردی اور غم میں شرکت لکھی مگر آپ نے مبارکباد لکھی۔ میں نے پھر لکھا کہ میں نے تو خط کے شروع میں ہی لکھ دیا تھا کہ رنج فطری چیز ہے ہونا ہی چاہئے۔ مگر آپ کی شان کے مناسب نہ تھا کہ اہم دینی خدمت کو آپ نے چھوڑا اور بڑی تنخواہ پر دوسری جگہ تشریف لے گئے۔

فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اپنے عزیزوں کو اپنے دوستوں کو اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو اس کی نصیحت اور وصیت کرتا ہوں کہ مدرسہ کے مال میں بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے مدرسہ کے اوقات کا بڑا ہی اہتمام کریں، یہ نہ سمجھیں کہ مجھے کون ٹوک سکتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے اور اس کا مطالبہ کرنے والا اور اس پر ٹوکنے والا بڑا سخت ہے۔ جس کے یہاں نہ کوئی سفارش چلے گی اور نہ کوئی وکالت، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس سیہ کار نے محض مالک کے فضل سے اوقات اسباق کی وہ پابندی کی جس پر سرپرستوں نے بھی تحریراً

استحباب کیا۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی قدس سرہٗ کے ذمہ ان کی سرپرستی کے زمانہ میں مدرسین کے اسباق اور خواندگی کے نقشوں کی نگرانی تھی ملاحظہ دستخط نگرانی کے تو صدر مدرس کے ہوتے تھے لیکن سال کے درمیان میں اور سال کے ختم پر ایک دو مرتبہ وہ بھی نقشوں کو ملاحظہ فرماتے تھے۔ اور ہر مرتبہ اس سیہ کار کے نقشہ پر نصاب کی ماہانہ پابندی پر پسندیدگی اور مبارکباد لکھ کر جایا کرتے تھے۔ اگر وہ نقشے اب بھی دفتر مدرسہ میں ہوں گے۔ تو ان پر تحریر ضرور ملے گی۔

ماہانہ تعلیم کی پابندی

ماہانہ تعلیم کی پابندی بھی اہم ہے۔ مظاہر علوم کا خصوصی امتیاز حضرت قدس سرہٗ کے زمانے میں اور حضرت کے وصال کے چند سال بعد تک یہ رہا کہ تعلیم میں استواری؟ اعتدال خوب ہوتا تھا۔ حضرت قدس سرہٗ اس کے شدید مخالف تھے کہ شروع سال میں لمبی لمبی تقریروں میں وقت ضائع کیا جائے اور آخر سال میں رمضانی حافظ کی طرح کتاب کو فر فر ختم کرا دیا جائے۔ اس پر متعدد بار میرے حضرت نے اکابر مدرسین کو مجمع میں ڈانٹا کہ مجھے یہ ہرگز پسند نہیں کہ کتاب کے شروع میں طول دیا جائے اور آخر میں دوڑ چلایا جائے۔ حضرت قدس سرہٗ کے زمانے میں کوئی کتاب خارج میں بارات کو نہیں ہوتی تھی اس کے حضرت بہت مخالف تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ طلباء کو مطالعہ کا وقت کیا ملے گا؟ مگر اب تو چشم بد دور مدرسے کے گھنٹوں میں سبق کم ہوتے ہیں اور خارج میں زیادہ۔ اگر کسی کتاب کے متعلق اہتمام سے غور و خوض کیا جائے گا تو ایک تہائی مدرسے کے گھنٹوں میں ملے گی۔ اور دو تہائی خارج اوقات میں پڑھا کر پوری کی گئی ہوگی۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

وصیت

بہر حال میں اپنے دوستوں کو اس کی تاکید کرتا ہوں کہ مدرسہ کا کوئی مالی یا تعلیمی حق تم پر باقی نہ رہے اور تمہارے جتنے حقوق بھی مدرسہ پر رہ جائیں ان کو غنیمت سمجھو کیونکہ مدرسے کے جتنے حقوق تم پر رہ جائیں گے ان کی ادائیگی بڑی مہنگی ہوگی اور تمہارے حقوق جتنے مدرسہ پر رہ جائیں گے اس کا معاوضہ تم کو بڑا قیمتی ملے گا۔

اسی طرح سے حضرت الحاج استاذ المکرم حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب نور اللہ مرقدہٗ ناظم مدرسہ جن کا ذکر خیر میرے اساتذہ میں بھی گذر چکا ہے۔ مجھے ان سے ابتدائی محبت کا تعلق تو اپنے ابتدائی شاگردی کے زمانے میں ہو گیا تھا مگر ۱۳۵۵ھ کے بعد جب یہ ناکارہ مشیرِ ناظم بنا اس وقت سے حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال تک بڑھتا ہی رہا، حتیٰ کہ انتقال کے قریب جب حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قاری سعید مرحوم سے خانگی امور میں ایک وصیت نامہ لکھوایا تو قاری صاحب کے ہاتھ میرے پاس بھیجا کہ اس کو میری زندگی میں کسی پر ظاہر نہ کریں میرے بعد اس وصیت پر عمل کرنا اور کرانا آپ کے ذمہ ہے خانگی امور میں بھی بہت کثرت سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ اور اہلیہ محترمہ کو بھی بعض مرتبہ اس سیہ کار کے واسطے تنبیہ فرمایا کرتے تھے اور اہلیہ محترمہ بھی بعض مرتبہ اس سیہ کار کے واسطے سے بعض امور ناظم صاحب سے منوایا کرتی تھیں، چنانچہ عبد الرؤف کے نکاح کے موقع پر کئی امور اس قسم کے پیش آئے جو اہلیہ محترمہ کو بھی خوب یاد ہوں گے اور اس ناکارہ کے تعلق کا اضافہ مدرسہ ہی کے تعلق کی وجہ سے ہوا تھا کہ ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی بھی یہ خیال نہ ہوا کہ میں ناظم مدرسہ ہوں یا محصل چندہ ہوں، یا دربان ہوں۔ نہ اس کا خیال کبھی ہوا کہ یہ مدرسہ کا وقت ہے یا نہیں۔ طالب علم دوپہر میں، عصر کے بعد، مغرب بعد، عشاء بعد، جب بھی درخواست لے جاتا فوراً اس کو ملاحظہ فرماتے اور حکم تحریر فرماتے تھے اپنی بد خلقی سے بسا اوقات طالب علم سے لڑ پڑتا کہ درخواست کا کوئی وقت بھی ہوتا ہے مگر وہ کبھی بھی پرواہ نہیں فرماتے تھے نہایت اہتمام سے مطبخ میں بہت کثرت سے تشریف لے جاتے اور اکثر ایک خوراک معاینہ کے لئے خرید فرماتے اور وہیں آدھی چوتھائی روٹی کھا کر سالن کا معاینہ فرمانے کے بعد بقیہ وہیں کسی منشی یا طبّاخ کو دیدیتے کبھی یہ نہیں سوچا کہ یہ کام ناظم مطبخ کا ہے۔ روٹی سالن بغیر قیمت کے کبھی نہ چکھتے حالانکہ وہ چکھنا بہ ضرورت مدرسہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھی ناول پر کلونجی اور گڑ کی چاشنی کبھی اپنے پاس سے اور کبھی کسی کو ترغیب دے کر ڈلواتے تھے۔ ڈپٹی عبد الرحیم صاحب ڈپٹی نہر جمن شرقی بڑے ہی مخلص اور بڑے ہی نیک بزرگ حضرت مرشدی قدس سرہٗ کی تعمیل حکم میں وہ ہمارے مطبخ کے آنریری نگراں بھی رہے دونوں وقت مدرسہ میں جا کر حساب کی جانچ کیا کرتے تھے ہر ماہ کے شروع میں جلس اپنے سامنے تلواتے تھے ذرا سی کمی زیادتی پر سخت مطالبہ فرماتے تھے مجال نہ تھی کہ گوشوارہ میں دو دن کی تاخیر ہو جائے۔ مطبخ کا حساب ان کی نگرانی کے زمانے میں اتنا صاف، قابل رشک نہ ان سے پہلے کبھی ہوا اور نہ ان کے بعد اور نہ آئندہ کی امید۔ اس مکان میں کرائے پر رہتے تھے جو میرے مکان کے متصل ہے اور اب کاڑہ بورڈنگ کے نام سے مشہور ہے۔ مجھ پر بھی بہت ہی شفیق اور مہربان تھے اور بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان سے فرمائش کر کے من دو من مچھلیاں منگوایا کرتے تھے اور اس دن مطبخ میں مچھلی اور چاول پکتے تھے۔ حضرت ناظم صاحب کی عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ سردی کے موسم میں شلجم کا میٹھا اچار ڈالتے تھے، بار بار خود ڈالتے اور سب مدرسین کے یہاں تقسیم کرواتے تھے۔ اور کبھی کبھی اس سیہ کار کو بھی حکم فرماتے تھے کہ تمہارے لئے میٹھا اچار ڈالنا ہے

باقی صفحہ ۲۰ پر

ایک مطالعہ

تاریخ دعوت و عزیمت

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(۳)

غیاث الدین تغلق نے خسرو خاں کو قتل کر کے تغلق خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ کچھ مقتدر لوگوں نے جن کو اہلِ درد و محبت سے ایک طرح کی کد تھی انھوں نے بادشاہ کو متوجہ کیا کہ خواجہ نظام الدینؒ مقتدائے زمانہ ہیں اور وہ سماع سنتے ہیں جو امام اعظم کے مذہب میں حرام ہے۔ سلطان سخت حیرت میں مبتلا ہوا اور ایک مجلس منعقد کی تاکہ معلوم ہو جائے کہ حق کیا ہے۔ اس مجلس میں قاضی جلال الدین نائب حاکم نے نامناسب طور پر آپ سے خطاب کیا حضرت نے فرمایا کہ جس منصب کے بھروسے پر تم یہ بات کر رہے ہو اس سے معزول ہو جاؤ گے۔ ٹھیک ۱۲ دن کے بعد قاضی صاحب معزول ہو گئے۔ شیخ زادہ حسام نے بھی بحث کی لیکن علم کم رکھتے تھے۔

اسی دوران شیخ الاسلام شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کے نواسے مولانا علم الدین آ گئے۔ انھوں نے کہا کہ جو دل سے سنتے ہیں ان کے لئے حلال اور جو نفس سے سنتے ہیں ان کے لئے حرام۔ بادشاہ نے پوچھا کہ آپ بغداد و شام و روم ہر جگہ پھر چکے ہیں وہاں کے مشائخ سماع سنتے ہیں کہ نہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ان سب شہروں میں بزرگ و مشائخ سماع سنتے ہیں اور کوئی مانع نہیں ہوتا اور یہ حضرت جنیدؒ و شبلیؒ کے وقت سے مروج چلا آ رہا ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ بادشاہ اس سلسلے میں کوئی فرمان جاری نہ کریں۔ بادشاہ نے اس پر عمل کیا۔ مجلس کے اختتام پر بادشاہ نے حضرت خواجہ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔

اس مجلس میں حدیث رسول کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ حضرت نے حیرت سے فرمایا کہ میں نے کوئی ایسا عالم نہیں دیکھا تھا اور نہ سنا تھا کہ اس کے سامنے احادیث صحیحہ پڑھی جائیں اور وہ کہے کہ میں نہیں سنتا، وہ شہر جہاں ایسی زبردستی روا ہو گیا تعجب ہے کہ اس کی اینٹ سے اینٹ نہ بج جائے۔

اس واقعے کے ٹھیک چھٹے سال حضرت خواجہ کی وفات کے بعد محمد تغلق نے دلی کو بالکل خالی کر دینے اور دیوگیر (دولت آباد) منتقل ہونے کا فرمان جاری کیا اور دلی جیسا گل و گلزار شہر ایسا خالی ہوا کہ سوائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے اور کسی کی شکل نظر نہیں آتی تھی۔ تاریخ فرشتہ میں اس کا بیان ہے اور حضرت خواجہ کی پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ دہلی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔

امیر خسرو کی خصوصیت

عشاء کی نماز کے بعد جب آرام کے لئے چارپائی پر تشریف لے جاتے تھے تو خدام تسبیح آپ کے ہاتھ میں دیتے اس وقت سوائے امیر خسرو کے اور کوئی باریاب نہ ہوتا وہ سامنے بیٹھ کر ہر طرح کے قصے اور باتیں کرتے۔ حضرت پسندیدگی میں سر مبارک کو جنبش دیتے۔ امیر خسرو کا معاملہ اس شعر کا مصداق تھا ؎

بجرنے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از شوقِ حضوری طول دادم داستانے را

رمضان میں سحری کے وقت انتہائی مختصر بلکہ نہیں کھاتے۔ جب خادم اصرار کرتا تو گریہ فرماتے اور کہتے کتنے غریب اور بیکس مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہیں اور فاقہ سے رات گزارتے ہیں، یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اتر سکتا ہے۔

حضرت آنے والے علماء و مشائخ۔ صدور و اکابر وضیع و شریف ہر ایک سے اس کے علم و فن کے مطابق گفتگو فرماتے۔ ظاہری طور پر ان میں مشغول ہوتے اور باطن میں پورے طور پر مشغول بہ حق ہوتے۔

عمر مبارک جب ۸۰ سے متجاوز ہوئی تو سفر آخرت کے آثار نمایاں ہوئے۔ ارشاد فرمایا کہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ فرمایا کہ نظام ہم کو تمہارا بڑا اشتیاق ہے۔

بیماری کے دوران خلفائے کبار کو اجازت نامے بھیجے۔ شیخ نصیر الدین محمود (چراغ دہلی) کو یاد فرمایا گیا ان کو بھی خرقۂ خلافت اور اجازت نامہ عطا ہوا اور وصیت فرمائی گئی۔

حکم دیا کہ ہر چیز تقسیم کر دو۔ غلہ جو موجود تھا اس کے متعلق کہا کہ خلقت کو بلاؤ۔ جب لوگ حاضر ہوئے تو کہا انبار خانے توڑ دو اور تمام غلہ بے تکلف اٹھا لے جاؤ۔ ایسا ہی ہوا۔

آخری چالیس روز میں جس طرح کھانا تناول نہیں فرمایا اس طرح بات بھی کم کی۔ ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو طلوع آفتاب کے بعد زہد و عبادت، حقیقت و معرفت اور ہدایت و ارشاد کا آفتاب غروب ہو گیا۔ نماز جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین نبیرہ شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے اوصاف اور خصوصیات کا خلاصہ اور ان کا صحیح ترین و جامع ترین تعارف ان الفاظ میں ہے جو عطائے خلافت

کے وقت ان کے مرشد شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی زبان سے نکلے۔

"باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق داده است ہر کہ بدیں صفت موصوف باشد از و خلافت مشائخ نکو آید۔"

حضرت سے کسی نے پوچھا کہ مشائخ کی خلافت کا اہل کون ہوتا ہے۔ فرمایا:

"کسے را کہ در خاطر او توقع خلافت نہ باشد۔"

دشمن کو معاف کرنا بلکہ نوازنا حضرت کا شعار تھا ایسے ہی پردہ پوشی دنکتہ نوازی کو عزیز رکھتے تھے ایک مولوی صاحب جو تھوڑی سی مٹی کاغذ میں باندھ کر لائے تھے اس خیال سے کہ تحائف کے انبار میں کون دیکھے گا، خادم جب سب تحائف اٹھانے لگا تو حضرت نے فرمایا کہ اس کو یہیں چھوڑ دو۔ یہ میری آنکھ کا سرمہ ہے۔ حضرت نے فرمایا قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا۔

چھوٹوں سے انتہائی شفقت تھی۔ وہ لباس جو بزرگوں کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہوتا تھا اس کے پہننے والوں کی بھی دلجوئی کرتے تھے سیر الاولیاء کے مصنف امیر خورد لکھتے ہیں کہ میرے چچا سید حسین کرمانی کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ وہ اس زمانہ کے شوقین نوجوانوں کے لباس اور وضع میں ایک روز آئے۔ حضرت خواجہ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: "سید آؤ بیٹھو اور سعادت میں حصہ لو۔"

سماع

مولانا روم جو ایک بڑے صاحب سماع تھے فرماتے ہیں:۔

پس غذائے عاشقاں آمد سماع
کہ ازو باشد خیالِ اجتماع
قوتے گیرد خیالاتِ ضمیر
بلکہ صورت گردد از بانگِ صفیر

تو حضرت نے اپنی زبان سے سماع کی یہی حکمت بیان کی ہے۔ "سماع حق مریداں و معتقداں و اصحابِ ریاضت است۔ چوں نفس و تن ہلاک شود اورا حق الیست" "ان لنفسك عليك حقاً۔"

حضرت مزامیر سے نفرت کرتے تھے اور ممانعت فرماتے تھے۔ سماع کے سلسلے میں بہت سے واقعات حضرت سے منسوب ہیں جن سے حضرت پہ بے حد اثر طاری ہوتا تھا۔

جس شعر پر حضرت کو ذوق آتا تھا دہلی کی محلوں اور شہر کی گلیوں میں عرصہ تک اس کا چرچا رہتا تھا حضرت لوگوں کو بیعت کرنے میں بہت فراخ دل تھے اور اس کی بڑی مصلحتیں حضرت نے بتائی ہیں۔

ایک تلخ حقیقت کی طرح اس کا اظہار ضروری ہے کہ زمانے کے مرور و انقلاب کے ساتھ اس سلسلے اور اس کے بانیانِ کرام اور اسلافِ عظام کی خصوصیتوں میں انحطاط و زوال رونما ہوا۔ اب اس نظام کے تین نمایاں عناصر ترکیبی رہ گئے ہیں۔

(۱) وحدت الوجود کے عقیدہ میں غلو (۲) محافل سماع کی کثرتِ وجد و رقص کا زور (۳) اعراس کا اہتمام اور اس کی رونق و گرم بازاری جو شرعی حدود و قیود سے بے نیاز ہے۔

ان بزرگوں کی ذات انقلابِ زمانہ سے مطلوب و مقصود اور خود ان کا آستانہ مسجود و معبود بن گیا۔

سلسلۂ فردوسیہ

حضرت یحییٰ منیریؒ کے ذکر سے پہلے میں ہندوستان میں سلسلہ فردوسیہ اور اس کے مشائخِ کبار کا تھوڑا بیان کروں گا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی صاحب عوارف المعارف اور امام طریقہ سہروردیہ کے عم معظم اور شیخ طریقت خواجہ ضیاء الدین عبدالقاہر سہروردیؒ کے خلفائے کبار میں ایک خواجہ نجم الدین کبریٰؒ تھے۔ حضرت شیخ شہاب الدین نے عوارف المعارف جب تصنیف فرمائی تو شیخ نجم الدین کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا اور قبولِ عام اور بقائے دوام کی دعا فرمائی۔ حضرت خوارزم میں تاتاریوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ آپ کے خلفاء بڑے بزرگ حضرات تھے اور خواجہ فرید الدین عطار کو بھی آپ سے ارادت تھی۔ آپ کا طریقہ کبرویہ کہلاتا ہے۔

یہ تین طریقوں سے ہندوستان پہنچا۔ (۱) سید علی ہمدانیؒ کے ذریعہ جو ۷۸۰ھ میں کشمیر تشریف لائے۔ (۲) دوسرا ذریعہ سید قطب الدین محمد مدنیؒ تھے جو سلطان قطب الدین ایبک یا شمس الدین التمش کے زمانے میں ہندوستان آئے یہ سلسلہ سلسلۂ جنیدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس سلسلے کی ایک شاخ فردوسی کہلاتی۔ (۳) خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ ہندوستان آئے اور اس سلسلہ کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا آفتابِ ارشاد نصف النہار پر تھا۔ خواجہ بدر الدین سمرقندی کے خلیفہ خواجہ رکن الدین فردوسی تھے ان ہی کے زمانہ سے یہ سلسلہ فردوسیہ کہلایا۔

خواجہ نجیب الدین فردوسی خواجہ رکن الدین فردوسی کے برادر زادہ تھے اور خلیفہ بھی۔ انھوں نے ایک ایسے محقق، مجتہد الفن امام اور بانی طریقہ کی تربیت کی جن کا ذکر آ رہا ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

احمد نام تھا اور شرف الدین لقب۔ مخدوم الملک بہاری خطاب، والد کا نام شیخ یحییٰ تھا جو زبیر بن عبدالمطلب کی اولاد میں تھے۔ آپ کے پردادا مولانا محمد تاج فقیہ اپنے زمانے کے بڑے مشائخ میں تھے اور شام سے آکر بہار کے قصبہ منیر میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ پھر اپنے وطن لوٹ گئے لیکن خاندان منیر ہی میں رہا۔ شیخ احمد شرف الدین کے نانا شیخ شہاب الدین جگ جوتؒ سہروردی سلسلے کے مشائخ میں تھے۔ آپ قصبہ منیر میں شعبان کے آخری جمعہ ۶۶۱ھ میں

پیدا ہوئے۔ جب آپ کی عمر پڑھنے کے قابل ہوئی تو مکتب میں بٹھایا گیا۔ اس زمانے میں بچوں کو رٹانے کا طریقہ بہت رائج تھا۔ آپ نے اس طریقۂ تعلیم پر اپنے افسوس کا اظہار کیا تھا۔

غیاث الدین بلبن کے عہد میں دہلی کے اساتذہ میں ایک مولانا شرف الدین ابو توامہ اشارۂ سلطانی سے ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ آپ سرحدی شہر سنار گاؤں تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ کی ملاقات مولانا ابو توامہ سے منیر میں ہوئی جہاں حضرت نے قیام کیا تھا۔ مولانا سے وہ بہت متاثر ہوئے اور والدین سے اجازت لے کر ان کے ساتھ سنار گاؤں تشریف لے گئے۔

مولانا نے ان کی بڑی قدر کی۔ حضرت شیخ کا یہ زمانہ شدید انہماک اور یکسوئی میں گزرا۔ وطن سے جو خطوط آتے تھے اسے ایک خریطے میں ڈال دیتے تھے پڑھتے نہیں تھے تاکہ یکسوئی میں فرق نہ ہو۔

مولانا شرف الدین نے اس جوہرِ قابل کی پوری قدر دانی کی اور اپنی صاحبزادی کا نکاح ان سے کر دیا، تعلیم سے فراغت کے بعد جب خریطہ کھولا تو جو پہلا خط ہاتھ میں آیا اس میں والد کے انتقال کی خبر تھی۔

آپ نے استاد سے اجازت لی اور صاحبزادے ذکی الدین کے ساتھ منیر تشریف لائے۔ اس واقعہ کی صحت پر شبہ ہے۔ خلافِ واقعہ بات لگتی ہے لیکن کسی تذکرہ نگار نے منیر میں واپسی پر والدہ سے ملاقات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

بہر حال منیر میں یہ گزری کہ آپ نے اپنے کمسن صاحبزادے ذکی الدین کو والدہ کے حوالہ کیا اور عرض کیا کہ اس کو میری یادگار جان کر اپنے پاس رکھئے اور مجھے دہلی جانے کی اجازت دیجئے۔

آپ دہلی میں بزرگانِ دین کے پاس گئے لیکن کوئی جنچا نہیں۔ فرمایا کہ اگر یہی پیری ہے تو ہم بھی پیر ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیا سے علمی گفتگو ہوئی۔ آپ نے سوالات کے معقول جواب دئیے۔ حضرت نے پانوں کی ایک تھال عنایت کی اور فرمایا "سیمرغیست نصیبِ دامِ مانیست" شاہین ہے لیکن ہمارے جال کی قسمت میں نہیں۔ پھر وہ پانی پت شیخ بو علی قلندر کی خدمت میں گئے۔ وہاں بھی اپنا مقصد نہیں پایا فرمایا "شیخ است اما مغلوب حال است بہ تربیتِ دیگرے نمی پرداند" یہ شیخ ہیں لیکن مغلوب الحال۔ دوسروں کی تربیت نہیں کر سکتے۔

پھر منہ میں پان دبائے اور کچھ رومال میں باندھے ہوئے حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی کے دولت خانے کے قریب پہنچے۔ وہاں ایک دہشت سی طاری ہوئی۔ شیخ کی ان پر نظر پڑی تو فرمایا "منہ میں پان اور رومال میں بھی پان کے پتے اور دعویٰ یہ کہ ہم بھی شیخ ہیں" حضرت نے پان منہ سے نکال دیا اور مؤدب بیٹھ گئے۔ بیعت کی درخواست کی جو قبول ہوئی اور داخلِ سلسلہ ہوئے۔

(جاری)

بقیہ :۔ مدارس کے ذمہ داروں

میں اس زمانہ میں میٹھا اچار بالکل نہیں کھاتا تھا اور پانی کا ترش اچار کھاتا تھا ان کی خوشنودی کی وجہ سے میں بھی عرض کرتا کہ پانچ سات دھڑی شلجم کا مصالحہ لکھوا دیجئے اور مولوی نصیر کو پرچہ دے دیا کرتا۔ حضرت ناظم صاحبؒ بہت ہی شوق سے بناتے تھے میں ایک جو تھالی ان کی خدمت میں پیش کرتا اور کچھ گھر بھیجتا تھا۔ اور میرے باقی دوست بھی کچھ کم نہ تھے، اس جگہ تو لکھانا تھا کہ کبھی کبھی سردی کے موسم میں ایک دو دفعہ بلکہ زائد بھی دوستوں سے تحریک کر کے کئی کئی من شلجم منگا کر کئی کئی مٹکوں میں اچار ڈالتے اور جب دس بارہ دن میں تیار ہو جاتا تو سارا دار العلوم مہک جاتا اور اس کی تیاری پر مطبخ سے کھچڑی پکواتے اور سب طلبہ کو کھچڑی کے ساتھ ساتھ دو دو تین تین قتلے اچار کے دیتے۔ مرحوم کو بھنگی کی نگرانی کرنے میں بھی عار نہ آیا، بھنگی کے ساتھ جا کر پاخانہ کملاتے، ہر وقت ڈانٹ پلاتے کہ یہاں پانی نہیں ڈالا۔ یہاں فنائل نہیں ڈالا" کبھی یہ خیال نہیں فرمایا کہ یہ کام دربان کا ہے بھنگی کی نگرانی دربان کے ذمے ہے۔ میرا کام نہیں۔ لوٹے جو مدرسہ میں آتے ان کو اپنے سامنے گنواتے۔ کبھی یہ نہ سوچتے تھے کہ لوٹے گنوانا میرا کام نہیں ناظم صاحب کو بھی اس کا واہمہ تک نہیں گزرا کہ مدرسہ کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور کب ختم۔ صبح کی نماز کے بعد سے رات دس گیارہ بجے تک وہ گویا ہر وقت مدرسہ کے ملازم تھے۔ جہاں تعمیر ہوتی روزانہ وہاں تشریف لے جاتے" کبھی بھی یہ واہمہ نہیں گذرا کہ یہ کام ناظم مالیات کا ہے جب کبھی اپنی ذاتی ضرورت کی وجہ سے کہیں کا سفر فرماتے۔ بڑے اہتمام سے اپنے ساتھ رسید، مدرسہ کے اشتہارات، معائنہ جات ساتھ لے کر جاتے کبھی یہ واہمہ بھی نہیں ہوا کہ میں محصل چندہ نہیں ہوں اور نہ اس کا خیال آیا کہ میں تو رخصت پر جا رہا ہوں۔ جب کسی دعوت یا تقریب میں جاتے تو میرے حضرت مرشدی کے اتباع میں ان کو متوجہ فرماتے کہ بھائی اپنی تقریب میں ہمارے مدرسہ کو ضرور یاد رکھنا، حضرت ناظم صاحب کی ان ہی اداؤں نے مجھے زمانۂ طالب علمی سے اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا کہ وہ اپنے باضابطہ مدرسہ کے ناظم ہونے سے پہلے ہی سے مدرسہ کی خیر خواہی میں منہمک تھے۔

(جاری)

قرآنِ کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ، دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

شکرِ نعمت ایک عبادت

جس سے اکثر لوگ غافل ہیں

شمس الحق ندوی

نعمتِ ایمان

اللہ کے مؤمن بندے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا کارسازِ حقیقی تسلیم کیا اور یہ مانا اور یقین کیا کہ ایک دن اس کے سامنے حاضر ہونا اور اپنے اچھے برُے کا حساب دینا ہے یہ دولت ایمان ان سارے انعاموں میں سب سے بڑا انعام ہے جو انسانوں کو عطا ہوئے ہیں، کیا اس عظیم انعام کا یہ تقاضا نہیں کہ بندۂ مؤمن سراپا شکر و سپاس بن کر اپنے آقا کے اشاروں پر چلے اور اس نعمت کی قدر کو پہچانے؟ اور شکر گذاری کی عبادت، اپنا شعار بنائے۔

فرقِ مراتب میں حکمتِ خداوندی

ربِّ کریم نے بندوں میں فرقِ مراتب رکھا، کسی کو مال و دولت دیا کسی کو فقیر و محتاج کیا۔ کسی کو صحیح سالم بنایا، کسی کو اندھا، لنگڑا اور اپاہج بنایا کہ دیکھے مال والا مال کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے اللہ کے غریب و فقیر بندے کی مدد کرتا ہے کہ نہیں

امیر غریب کو دیکھ کر خدا کی دی ہوئی نعمت، مال پر شکر ادا کرتا ہے یا فقیروں اور غریبوں کو حقیر سمجھتا ہے، فقیر اپنی فقیری پر ماتم کرتا ہے یا اندھے اور لنگڑے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا اور شکر ادا کرتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں نہ سہی لیکن میں آنکھوں سے دیکھ تو سکتا ہوں، پاؤں سے چل تو سکتا ہوں کہ حصولِ رزق کے لیے ہاتھ پاؤں ماروں، یہ بے چارہ اندھا اور لنگڑا تو یہ بھی نہیں کر سکتا۔ پھر اس کی زبان سے بے اختیار نکلے کہ مالک تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھ کو چلنے اور دیکھنے کی نعمت سے نوازا ہے۔ تیرا یہ بندہ تو دیکھنے اور چلنے سے بھی معذور ہے۔

واقعہ مشہور ہے کہ شیخ سعدیؒ کے پاس جوتا نہیں تھا وہ جوتا خریدنے کے لئے نکلے تو ایک لنگڑے پر نظر پڑی تو وہ راستے سے ہی واپس آگئے اور خدا کا شکر ادا کیا کہ میرے مالک میرے پاس جوتا نہیں میں پاؤں سے چل تو سکتا ہوں تیرے اس بندے کے پاس تو پاؤں ہی نہیں وہ تو چلنے سے بھی معذور ہے، کوئی خطرہ ہو، مصیبت و پریشانی، بارش و طوفان آجائے تو بے چارہ بھاگ کر پناہ بھی نہیں لے سکتا، میرے آقا تیرا ہزار ہزار شکر ہے کہ تو نے مجھ کو چلنے کے قابل بنایا۔

ایسے ہی ایک انسان اندھا نہیں تھا اندھا ہوگیا۔ لنگڑا نہیں تھا، لنگڑا ہوگیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو نیک اولاد دے رکھی ہے مال و اسباب کی دولت سے نوازا ہے کیا اس اندھے اور لنگڑے پر شکر واجب نہیں کہ مولیٰ! تو نے آنکھ لے لیا، پاؤں لے لیا مگر مال و اولاد دے رکھا ہے جو ہر طرح ہماری خدمت کرتے ہیں، مالک تیرا شکر ہے تیرے کتنے اندھے اور لنگڑے بندے ہیں جنکو سہارا دینے والا کوئی نہیں۔

اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ دنیا کے معاملہ میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھو تاکہ جو نعمتیں حاصل ہیں ان پر شکر ادا کرو اور دین کے معاملہ میں اپنے سے اونچے والے کو دیکھو تاکہ عبادت اور فکر آخرت کا شوق پیدا ہو۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفہ ڈاکٹر عبدالحیؒ نے حضرت کو خط لکھا، خط میں اپنی کچھ پریشانیوں کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی، حضرت تھانویؒ نے جواب میں تسلّی دینے اور دعا وغیرہ کی بات لکھنے کے بجائے لکھا کہ "تم نے خط میں اپنی پریشانیوں کا تو ذکر کیا مگر یہ نہ ذکر کیا کہ تم پر اللہ تعالیٰ کے کیا کیا انعام ہیں اس جواب کا پڑھنا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور شکر ادا کیا کہ میرے مولیٰ مجھ پر تیرے ایسے انعامات ہیں جو دوسروں پر نہیں ہیں[1]

خط کا مقصد یہ نہیں کہ دعا کی درخواست نہ کی جائے بلکہ یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ شکوہ سے زیادہ شکر کی فکر کرو کہ راضی برضائے مولیٰ رہنا سب سے بڑی عبادت ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل صدقات میں "روض" کے حوالہ سے ایک حیرت انگیز واقعہ نقل فرمایا ہے جس کو پڑھ کر آنکھیں کھل جاتی ہیں اور سر ندامت سے جھک جاتا ہے کہ ہمارا ایمان و توکّل تو محض زبانی ہے۔

قصہ؛ حضرت عتبہ غلامؒ کہتے ہیں کہ میں بصرہ کے جنگل میں جا رہا تھا وہاں کھیتی باڑی کرنے والوں کے خیمے لگے ہوئے تھے۔ ایک خیمہ میں ایک مجنونہ لڑکی تھی، میں نے اس کو سلام کیا اس نے جواب نہ دیا بلکہ عشق خداوندی میں ڈوبے ہوئے چند اشعار پڑھے میں نے اس کے کھیتوں کی طرف اشارہ کرکے پوچھا یہ کھیتی کس کی ہے؟

---

[1] گلستاں [2] وصیۃ العرفان۔ الٰہ آباد۔

کہنے لگی اگر صحیح سالم رہی تو ہماری ہے۔

اس کے بعد میں دوسرے خیموں کی سیر کرتا رہا۔ اتنے میں بہت زوروں کی بارش شروع ہوگئی اور آسمان ایسا ٹوٹ کر برسا کہ کھیتیاں سب ڈوب کر برباد ہوگئیں، اس لڑکی کی کھیتی بھی برباد ہوچکی تھی۔ مجھے خیال ہوا کہ چل کر دیکھوں اس لڑکی پر کیا اثر ہے۔ میں پہونچا تو دیکھا وہ کھڑی کہہ رہی ہے قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے اپنی خالص محبت کا کچھ حصہ میرے دل میں رکھ دیا ہے، میرا دل تجھ سے راضی رہنے میں بالکل پختہ ہے۔ پھر وہ میری طرف متوجہ ہوکر کہنے لگی دیکھو جی اس نے تو یہ کھیتی جمائی، اسی نے اس کو سیدھا کھڑا کیا، اسی نے اُس میں بالیں لگائیں اسی نے ان بالیوں میں غلّہ پیدا کیا اور ہر طرح سے اس کی حفاظت فرمائی، اور جب کاٹنے کا وقت آیا تو اسی نے اس کو ضائع کردیا۔ یہ کہکر اس نے آسمان کی طرف منہ کرکے کہا کہ یہ ساری مخلوق تیرے بندے ہیں اور ان سب کی روزی تیرے ذمہ ہے تو جو چاہے کر مختارِ کل ہے" میں نے اس لڑکی سے پوچھا کہ کھیتی کی بربادی پر تجھے کس طرح صبر آگیا کہنے لگی عتبہ چپ رہو میرا مالک بڑا غنی ہے، بڑا قابل تعریف ہے۔ اس کی طرف سے ہمیشہ نئی روزی ملتی رہی، تمام تعریفیں اس پاک ذات کے لیے ہیں جو میرے ساتھ میری خواہش سے بہت زیادہ انعام فرماتا رہا، عتبہ کہتے ہیں کہ مجھے جب بھی اس کی حالت اور باتیں یاد آتی ہیں بے اختیار رونا آجاتا ہے[1]

اسی طرح ایک اور حیرت انگیز واقعہ ایسی ہی ایک خدا رسیدہ باندی کا مذکور ہے جس کو پڑھکر اللہ کی طرف سے ملنے والی ہر نیک توفیق پر بہت ہی شکرگذار ہونا چاہیے۔

مشہور بزرگ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن بازار میں گیا وہاں ایک باندی فروخت ہورہی تھی جو دیوانی بتائی جاتی تھی۔ میں نے اسکو سات دینار میں خرید لیا اور اپنے گھر لے آیا، جب رات کا کچھ حصہ گذرا تو میں نے دیکھا کہ وہ اٹھی وضو کیا اور نماز شروع کردی اور نماز میں اس کی یہ حالت تھی کہ روتے روتے اس کا دم نکلا جاتا تھا۔ نماز کے بعد اس نے مناجات شروع کی اور یہ کہنے لگی اے میرے معبود آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم مجھ پر رحم فرما۔ میں نے اس سے کہا اس طرح نہ کہو یوں کہو کہ مجھے تجھ سے محبت رکھنے کی قسم، یہ سن کر اس کو غصّہ آگیا اور کہنے لگی قسم ہے اس ذات کی کہ اگر اس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تجھے میٹھی نیند نہ سُلاتا، اور مجھے یوں نہ کھڑا رکھتا، پھر اوندھے منہ گر گئی اور کچھ اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ بے چینی بڑھتی جارہی ہے اور دل جلا جارہا ہے۔ اور صبر جاتا رہا اور آنسو بہہ رہے ہیں، اس شخص کو کس طرح قرار آسکتا ہے جس کو عشق وشوق اور اضطراب سے چین ہی نہیں، اے اللہ اگر کوئی خوشی کی چیز ہو تو۔ اس کو عطا فرماکر مجھ پر احسان فرما اس کے بعد بلند آواز سے یہ دعا کی کہ یا اللہ میرا اور آپ کا معاملہ اب تک پوشیدہ تھا۔ اب مخلوق کو خبر ہوچلی اب مجھے اٹھا لیجئے یہ کہہ کر زور سے ایک چیخ ماری اور مرگئی[2]

ایک شخص بیمار رہتا ہے، اس کو کچھ شکایات رہتی ہیں، نزلہ زکام ہے، معدہ کی شکایت ہے، کبھی کبھی بخار آجاتا ہے۔ کمزوری کا احساس رہتا ہے لیکن یہ چلتا پھرتا رہتا ہے، فرائض وعبادات بھی ادا کرتا ہے، اپنے کام کاج بھی کرلیتا ہے یہی شخص جب اسپتال میں جاکر اس مریض کو دیکھے جس کی ناک میں نلکی لگی ہے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں گلوکوز چڑھ رہا ہے تو بے ساختہ زبان سے نکلے گا میرے مالک تیرا شکر ہے تو نے مجھے اس سخت بیماری سے بچایا۔ اسی وجہ سے بعض اللہ کے نیک بندے جب آخرت سے غفلت اور اعمال میں کوتاہی محسوس کرتے تو وہ اسپتال یا قبرستان چلے جاتے اور وہاں کے مناظر سے آخرت کی یاد تازہ کرکے عمل میں لگ جاتے، بندوں کے مختلف درجات اور امیری غریبی، رنگ ونسل، شکل وصورت، کام اور پیشہ میں فرق اسی لیئے رکھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے صبر وشکر کو جانچے چنانچہ فرمایا۔ ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فی ما آتاکم۔

لوگ اپنے کاروبار میں لگے ہوتے ہیں خرید وفروخت، لین دین جاری ہے، وہ اتنے مشغول ہیں کہ کھانے تک کا ہوش نہیں، اسی حال میں مسجد کے مناروں سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے، اذان سنتے ہی کچھ لوگ مسجد کی طرف چل پڑتے ہیں، اطمینان سے نماز پڑھ کر پھر اپنے کاروبار کی طرف لوٹتے ہیں اور ایسے بے شمار لوگوں پر نظر پڑتی ہے جن پر نہ اذان کا کوئی اثر نہ نماز کا کچھ خیال، کیا ایسے میں مسجد سے لوٹنے والے کو اللہ کا شکر نہ ادا کرنا چاہیئے کہ میرے مالک تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے نماز پڑھنے کی توفیق دی یہ تو اتنی بڑی نعمت ہے کہ دوسری تمام نعمتیں اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں مگر افسوس کہ آج اس نعمت کی طرف سے سب سے زیادہ غفلت برتی جارہی ہے۔ حالانکہ بندۂ مؤمن کو سب سے زیادہ اس نعمت پر شکر ادا کرنا چاہیئے۔

حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ تکیہ کلاں رائے بریلی کے ۲۴ سالہ صاحبزادہ میاں ابوحنیفہ انتقال فرماگئے خاندانی بزرگوں سے سنا ہے کہ تجہیز وتکفین سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شاہ صاحب نے پانچ روپے کی مٹھائی منگائی اور اس خوشی میں تقسیم فرمایا کہ صاحبزادہ کا انتقال

[1] فضائل صدقات ج ۲ ملخصاً
[2] فضائل نماز۔ بحوالہ

ایمان پر ہوا۔

انسان اپنی مرضی اور خواہش کے پورے نہ ہونے پر افسوس کرتا ہے لیکن اگر اسی وقت خدا کے دوسرے ان بندوں کو دیکھے جو نہایت بے چارگی کی زندگی گذار رہے ہیں، دھوپ اور گرمی میں محنت مزدوری کر رہے ہیں، کچھ تو ایسے ہیں کہ ہاتھ پاؤں سے معذور دھوپ میں پڑے بلک رہے ہیں، لوگ دیکھتے اور گذر جاتے ہیں۔ کوئی سائیکل اور کوئی موٹر سائیکل پر گذر جاتا ہے کوئی زناٹے بھرتی ہوئی کار پر گذر جاتا ہے لیکن اس غریب کو دیکھ کر ذرا بھی عبرت نہیں حاصل کرتا۔

بمبئی ہندوستان کا بہت مشہور اور مرکزی شہر ہے اس کو عروس البلاد کہا جاتا ہے اس شہر کے جس راستہ سے بھی آدمی گذرے اونچ نیچ کا ہر نمونہ سامنے آجاتا ہے، اس عروس البلاد میں زندگی اپنے ہر روپ میں دکھائی دیتی ہے، اونچی اونچی کوٹھیوں اور شاندار فلیٹوں کے نیچے جھونپڑیوں کا منظر، پلاسٹک کے ذرا سے سائبان میں پورا خاندان زندگی بسر کر رہا ہے اور کچھ تو ایسے ہیں جن کو یہ بھی نصیب نہیں، دن بھر محنت مزدوری کرنے کے بعد رات کو فٹ پاتھ پر سو رہتے ہیں، یہ سب ہیں تو ایک ہی خدا کے بندے۔ اس عبرتناک منظر کے باوجود جب فلیٹ اور کوٹھی والے سے ملئے تو کچھ شکایتوں اور مشکلات کا ذکر ضرور کرے گا، یہ کوٹھی والا اگر عبرت کی نظر سے دیکھے۔ اور فٹ پاتھ والوں کے حالِ زار پر ذرا غور کرے تو بے اختیار زبان سے نکلے "اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر" مالک تیرا شکر و احسان ہے کہ تو نے ہم کو بڑے مزے کی زندگی نصیب فرمائی، اگر تو مجھے بھی فٹ پاتھ پر رکھتا تو میں کیا کر سکتا تھا۔ "اللّٰھم أعنی علیٰ ذکرک وشکرک وحسن عبادتک (اے ہمارے مالک تو اپنی یاد اپنا شکر اور اچھی عبادت کرنے میں ہماری مدد کر)۔ ایسے ہی جھونپڑی اور فٹ پاتھ والا جب اسپتال میں تڑپتے ہوئے بیمار کا خیال لائے تو بے اختیار بول اٹھے مالک تیرا شکر ہے کہ میں درد و بیماری سے بچا ہوا ہوں، اچھا تندرست ہوں، کھا پی رہا ہوں، ہنس بول رہا ہوں، محنت مزدوری کی قوت حاصل ہے۔ یہ اپنا پسینہ پونچھتا ہوا مسجد جاتا ہے وضو کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ یہ پنج وقتہ نماز شکر ہی کی ایک شکل ہے جس کو سیرت نگارِ نبوی مولانا سید سلیمان ندویؒ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"نماز کی روحانی غرض و غایت یہ ہے کہ اس خالقِ کل، رازقِ عالم، مالک الملک، منعمِ اعظم کی بے غایت بخششوں اور بے پایاں احسانوں کا شکر ہم اپنے دل اور زبان (اور جوارح) سے ادا کریں تاکہ نفس و روح اور دل و دماغ پر اس کی عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی و بیچارگی کا نقش بیٹھ جائے، اس کی محبت کا نشہ رگ رگ میں سرایت کر جائے۔ اس کے حاضر و ناظر ہونے کا تصور ناقابلِ زوال یقین کی صورت میں اس طرح قائم ہو جائے کہ ہم اپنے ہر دلی ارادہ و نیت اور ہر جسمانی فعل و عمل کے وقت اس کی ہوشیار و بیدار آنکھوں کو اپنی طرف اٹھا ہوا دیکھیں جس سے اپنے برے ارادوں پر شرمائیں اور ناپاک کاموں کو کرتے ہوئے جھجکیں، اور بالآخر ان سے بالکل باز آجائیں۔" (خطبات مدراس)

یہ بمبئی ہی کی خصوصیت نہیں کسی بھی شہر میں جائیے تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ سارے نمونے نظر آئیں گے۔ اونچ نیچ، امیر و غریب، تندرست و بیمار نیز دنیا کے مختلف جھمیلوں میں پریشانیوں کی مثالیں بے شمار ہیں۔ جو کچھ اوپر لکھا گیا عبرت و سبق حاصل کرنے کے لئے کافی ہے۔ کُل کا حاصل یہ ہے کہ شکرِ نعمت خود بہت بڑی عبادت ہے جس سے عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے بلکہ اس کو عبادت سمجھا ہی نہیں جاتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے:۔

"لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَأَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ"

اگر شکر کروگے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔ اور اگر ناشکری کروگے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب (بھی) سخت ہے۔

کوئی دوست اپنے محبوب ترین دوست کو جب کوئی ہدیہ اور تحفہ دیتا ہے تو جو سب سے عمدہ چیز ہوتی ہے وہی دیتا ہے۔ نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی۔ ایک دن دونوں حضرات ایک ہی سواری پر سوار کہیں تشریف لے جا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "معاذ میں تم سے محبت کرتا ہوں تم کو کچھ کلمات بتاتا ہوں ان کو پڑھا کرو، وہ کلمات یہ ہیں: اللّٰھم أعنی علیٰ ذکرک وشکرک وحسن عبادتک"

اس دعا میں شکرِ نعمت کی بھی درخواست ہے اس میں بڑی کوتاہی کی جاتی ہے آدمی ہر وقت شکوہ شکایت تو کرتا رہتا ہے اپنی تکلیفیں اور پریشانیاں بیان کرتا رہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے اس پر کیا کیا انعامات ہیں، ان کو بھول جاتا ہے۔ شکر کی عبادت سے اکثر محرومی رہتی ہے حالانکہ شکرِ نعمت خود بہت بڑی عبادت ہے اللہ رب العزت کو خوش کرنے والی چیز ہے۔

یہ بڑی انسانی کمزوری ہے کہ جو چیزیں اور نعمتیں آسانی سے حاصل ہو جاتی ہیں ان پر شکر کے جذبات میں جو کیف ہونا چاہئے وہ نہیں ہوتا شاید اسی انسانی کمزوری کے مدِنظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو شکرِ نعمت کو دھیان میں رکھنے کی یہ دعا بتائی۔

مثال کے طور پر ایک شخص ایر کنڈیشن میں بیٹھا ہوا ہے پانی پینے کا تقاضا ہوتا ہے، ٹھنڈا پانی کولر سے نکالتا ہے، اور پی کر گلاس رکھ دیتا ہے پھر

اپنے کام میں لگ جاتا ہے، خیال بھی نہیں آتا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت سے فائدہ اٹھایا۔ ایک دوسرا شخص دھوپ اور گرمی میں کام کر رہا ہے پسینہ میں شرابور ہے پیاس سے ہونٹ سوکھ گئے ہیں بات کرتا ہے تو زبان تالو سے چپک چپک جاتی ہے بات کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ شخص جب کہیں سایہ میں بیٹھتا ہے اور پانی کا گلاس مل جاتا ہے تو پانی کا پہلا گھونٹ حلق سے نیچے اترتے ہی صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ جسم کے روئیں روئیں سے الحمد للہ نکلتا ہے اور اللہ تیرا شکر ہے کے الفاظ زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے رمضان المبارک کے روزے فرض فرمائے ہیں۔ روزے کی بہت سی حکمتوں مصلحتوں اور فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ غریبوں کا حال امیروں کو معلوم ہو اور وہ غریبوں کا حق پہچاننے کے ساتھ ساتھ اللہ کا شکر ادا کریں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے فقر و فاقہ سے محفوظ رکھا ہے۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام نعمتیں ہیں اگر بندہ ان پر دھیان دے تو شکوہ شکایت کم اور شکر زیادہ ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور نوازشیں بے شمار ہیں جن میں صحت و عافیت مال و دولت علم نافع، نیک توفیق بھی شامل ہیں لہٰذا ہر نعمت اور توفیق خیر کا شکر ادا کرنا اہم عبادت ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلے پہر کی نمازوں میں دیر دیر تک کھڑے رہتے کہ پائے مبارک میں ورم آجاتا اور اس طرح روتے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رہا نہ گیا اور عرض کیا اللہ کے رسول آپ کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف فرما دیئے گئے ہیں پھر آپ اس طرح کیوں مشقت اٹھاتے ہیں۔ جواب میں زبان مبارک اس طرح کھلتی ہے عائشہ کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

اس لئے بندہ کو چاہئے کہ توفیق خیر نصیب ہو تو اس پر شکر ادا کرے اور نعمت کی قدر کو پہچانے، یہ بہت بڑی عبادت ہے، ایسی عبادت ہے کہ اس سے اور بھی عبادتوں کی توفیق ملتی جاتی ہے، اور جب نعمت کی ناقدری ہوتی ہے تو توفیق چھن جاتی ہے۔ اور بہر دو صورت "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" کا ظہور ہوتا ہے۔

شکر نعمت کی عبادت کے سلسلہ میں نیک بندوں کے بے شمار واقعات ہیں، یہاں اب صرف ایک واقعہ نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے کہ بات لمبی نہ ہو تاکہ ذہن میں تازہ رہے "۱۸۷۶ء کی بات ہے دہلی کے باہر حضرت نظام الدین اولیاء کے مرقد کے قریب چونسٹھ کھمبے کے نام سے جو عمارت تھی اس کے سرخ پھاٹک پر ایک عمارت میں حضرت مولانا محمد الیاس کے والد مولانا محمد اسمٰعیل رہا کرتے تھے ذکر و عبادت، آئے گئے مسافروں کی خدمت اور قرآن مجید و دین کی تعلیم شب و روز کا مشغلہ تھا۔ خدمت و تواضع کا یہ عالم تھا کہ جو مزدور بوجھ لادے ہوئے بیلے ادھر آنکلتے ان کا بوجھ اتار کر رکھتے، اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچ کر ان کو پانی پلاتے۔ اور پھر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنے بندوں کی خدمت کی توفیق دی۔ میں اس قابل نہ تھا، عام اجتماع و ہجوم کے زمانہ میں پانی اور لوٹوں کا خاص اہتمام رکھتے اور رضائے الٰہی اور قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خلق خدا کی راحت رسانی اور خدمت میں مشغول رہتے۔" [1]

اچھا ماحول، اچھی تعلیم، اللہ کے نیک بندوں سے ملاقات کا موقع، نیک کاموں میں شرکت کی توفیق، یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کی قدر پہچاننا اور ان سے فائدہ اٹھانا، ناقدری نہ کرنا ہی ان نعمتوں کا شکر ہے۔ اللہ کے شکر کی اس قیمتی عبادت کا ہر وقت خیال رکھنا چاہئے۔ قدر نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو چھین لیتا ہے اور ناشکری کی وجہ سے اچھا بھلا آدمی ملحد و بے دین ہو جاتا ہے

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں بھی حاصل ہیں ان کا شکر ادا کرنا وہ عبادت ہے جو برابر آگے بڑھاتی رہتی ہے اور دل میں اللہ رب العزت کی محبت سماتی چلی جاتی ہے جس کی دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فرمایا کرتے تھے۔

"اللّٰهم اجعل حبك أحبّ إليّ من نفسي وأهلي ومن الماء البارد"

الٰہی! تو اپنی محبت کو میری جان سے، میرے اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب بنادے۔

بندگان خدا کی بھوک پیاس اسی محبت الٰہی کی غذا سے مٹتی ہے اور اسی کے طفیل زندگی کی ہر حالت اور ہر مرحلہ میں ان کے دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی اطاعت کا سودا سمایا رہتا ہے اور شکر گذار بندہ کو تکلیف میں بھی وہ لطف و مزہ آتا ہے جو کسی ناقدرے اور ناشکرے کو عیش و عشرت میں بھی نہیں آتا لوگوں کے دیکھنے میں تو وہ عیش و عشرت ہی ہوتا ہے لیکن اندر سے غیر مرئی عذاب میں مبتلا ہوتا ہے، اسی لئے قرآن کریم میں بار بار شکر کا ذکر کیا گیا ہے اور ایک حدیث میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ شکر نصف ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شکر کی عبادت کا مزہ نصیب فرما کر اپنے نیک اور مقبول بارگاہ بندوں میں شامل فرمائے۔ (آمین)

اس مضمون کے لکھنے کا سبب اور محرک ذیل کا واقعہ ہے جو خود اپنے اندر بڑی تاثیر رکھتا ہے بلکہ شکر نعمت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی اکثر اپنا کوئی علمی کام کرنے کی غرض سے بمبئی میں محمد بھائی کے یہاں سہاگ پیلس میں کچھ دنوں قیام فرماتے ہیں، فارغ اوقات میں اہل تعلق خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں۔ ایک دوست نے جن کے جذبۂ شکر پر رشک آتا ہے لیکن

حضرت مولانا کو اپنے گھر پر مدعو کیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد یا قبل ہی انھوں نے حضرت مولانا سے کچھ ارشاد فرمانے کی درخواست کی، اس لئے کہ اس موقع پر دیگر بہت سے احباب بھی جمع تھے۔ حضرت مولانا نے اس وقت جو تقریر فرمائی اس کا موضوع شکرِ نعمت تھا لوگوں نے اس کا اچھا اثر لیا اور میزبان نے تو اسی دن سے روزانہ دو رکعت شکرانہ ادا کرنے کا معمول بنالیا۔

حضرت مولانا کے دوسرے سفر میں جب وہ بندۂ شکر وسپاس حضرت سے ملنے آئے تو حضرت نے ان کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور ان سے یہ بھی فرمایا کہ آپ ہمارے لئے دعا فرمایا کیجئے، ان دوست نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں حضرت مولانا کی اس تواضع پر حیران رہ گیا اور سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہوں۔ پھر میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے فلاں موقع پر ہمارے مکان پر شکر کے موضوع پر کچھ فرمایا تھا، اس وقت سے میں نے یہ معمول بنالیا ہے کہ روزدو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھتا ہوں اور جب نماز پڑھتا ہوں تو آپ ضرور یاد آجاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرا جواب سن کر حضرت نے بڑھے شفقت کے ساتھ فرمایا: بھائی یہ تو ایک عادت بن گئی، شکر تو اس طرح ہوتا ہے کہ مثلاً آپ نے اپنے لئے کچھ کپڑے بنوائے اور ان کو کسی ضرورت مند کو دے دیئے چونکہ ان دوست کو اللہ تعالیٰ نے مال سے نوازا ہے اس لئے ان کے اعتبار سے حضرت مولانا مدظلہ نے انفاق اور ضرورت مندوں کی خدمت پر آمادہ کرنے والی بات فرمائی اور اللہ کا شکر ہے کہ ان دوست کو اللہ تعالیٰ نے اس کی بڑی توفیق دے رکھی ہے کہ دینی کاموں اور ضرورت مندوں پر اللہ کے دیئے ہوئے میں سے بے تکلف خرچ کرتے ہیں اور ان میں جذبۂ شکر تو ایسا دیکھا کہ اس پر رشک آیا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہر بندۂ مؤمن کو شکرِ نعمت کی دولت سے نوازے جو بہت بڑی عبادت ہے اور اس میں اکثر غفلت ہوتی ہے۔ اور ہر نعمت کا شکر اسی کے اعتبار سے ہوتا ہے صرف زبان سے شکر کا لفظ دہرانے سے شکر نہیں ادا ہوتا ہے۔

مثلاً مال کا شکر اور ہوتا ہے اس کے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، قوت وطاقت کا شکر اور ہوتا ہے علم وحکمت وذہانت کی نعمت کا شکر اور ہوتا ہے، کسی کو منصب واقتدار حاصل ہے تو اس کا شکر اور ہوتا ہے، کوئی فن آتا ہے تو اس کا اور ہوتا ہے۔

لـه مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت مؤلفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ۔

بقیہ:۔ مولانا انعام الحسن صاحب رح

راقم سطور حضرت مولانا کی وفات کے وقت بمبئی میں تھا اور وہیں اچانک آخر شب میں یہ خبر صاعقہ اثر سنی، راقم نے اگلے دن صبح ہی ایک تعزیتی وتعارفی بیان لکھ کر بمبئی دہلی اور لکھنؤ کے اردو اخبارات کو برائے اشاعت بھیجدیا اور وہ شائع ہوا۔ البتہ بعض موانع، صحت کی کمزوری اور دوسرے عوامل کی بنا پر فوری طور پر تعزیت کے لئے نظام الدین حاضر نہیں ہو سکا، ۱۸ر جون کو دہلی میں پرسنل لا بورڈ کا ایک اہم اجلاس تھا جس میں شرکت ضروری تھی، دہلی پہونچ کر پہلی فرصت میں نظام الدین حاضری دی اور ذمہ داران جماعت اور اہل تعلق سے تعزیت کی اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجے بلند فرمائے اور اس کام اور سلسلہ کو جس کے وہ امین اور رکن رکین تھے استقامت واصول اور ترقی کے ساتھ جاری رکھے۔

وما ذلك على الله بعزيز۔

ازل سے ہی مشیت نے اجل کو کام سونپا ہے
چمن سے پھول چننا اور ویرانے میں لکھ دینا

مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

کیرانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد حیدرآباد جاکر شیخ مامون دمشقی سے ادب عربی کی تکمیل کی ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا ۱۹۵۲ء میں فارغ ہوئے کچھ عرصہ تک مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی علیہ الرحمہ کے پرائیویٹ سکریٹری رہے مولانا کے انتقال کے بعد دیوبند آگئے اس زمانہ میں مصر سے دو استاد شیخ عبدالمنعم النمر اور شیخ عبدالعال عقبادی بحیثیت استاد کے دارالعلوم دیوبند آئے ہوئے تھے ان سے ربط وضبط واستفادہ کے نتیجہ میں دارالعلوم دیوبند میں عربی ادب کے جدید اسالیب کے رواج دینے میں حصہ لیا، طلبہ میں عربی ادب کی صلاحیت بڑھانے کی طرف خصوصی توجہ کی جس کے اثرات بہت اچھے ظاہر ہوئے اپنے تلامذہ میں صلاحیت پیدا کی پھر اسی سلسلہ میں عربی اردو کی معروف لغت "القاموس الجدید" شائع کی درس وتدریس کے مشاغل کے ساتھ ساتھ اردو عربی جرائد "الکفاح" "دعوۃ الحق" "آئینۂ دارالعلوم" کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع علیہ الرحمہ کی معروف تفسیر "معارف القرآن" کے بعض اہم مباحث "جواہر المعارف" کے عنوان سے یکجا کئے، آخر عمر میں عربی اردو کی نئی لغت "القاموس المحیط" کی ترتیب وتدوین میں معروف رہے۔

تقریباً چار ماہ سے ذیابیطس کے مرض کے علاج کے سلسلہ میں دہلی میں مقیم تھے ۱۵ر ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ ۱۶ر اپریل ۱۹۹۵ء کی درمیانی شب میں انتقال ہوا رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

ام معبد کی نعت

عربی میں چونکہ "مدح" کا اطلاق نظم و نثر دونوں پر ہوتا ہے، اس لئے ترتیبِ زمانی کے لحاظ سے ام معبد کی مدح کا ذکر بھی مناسب ہوگا جس کی نثر بھی کسی نظم سے کم مرصع اور آب دار نہیں ہے، ابن ہشام "سیرۃ النبی" میں لکھتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما رہے تھے، تو غار ثور سے نکلنے کے بعد پہلے ہی دن آپؐ کا گذر قبیلۂ خزاعہ کی ایک مہمان نواز خاتون اُمّ معبد کے خیمہ کی طرف ہوا، یہ ایک معمّر خاتون تھیں، راہ گیروں کو پانی پلانا اور اگر کچھ کھجور یا دودھ موجود ہوتا تو اس سے ضیافت کرنا ان کا معمول تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس خیمے پہنچے تو اتفاق یہ کہ ام معبد کے پاس کچھ نہ تھا جو پیش کر سکتیں، اور نہ وہ حضور اکرمؐ سے واقف تھیں، ایک عام راہ گیر سمجھا، اور جواب دیا کہ میرے پاس اگر کچھ ہوتا تو بغیر سوال کے حاضر کر دیتی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اس خیمے کے ایک گوشے پر پڑی جس میں ایک کمزور اور نڈھال بکری بندھی تھی، آپؐ نے فرمایا یہ کیسی بکری ہے؟ ام معبد نے عرض کیا کہ یہ کمزور نڈھال بکری ہے، ریوڑ کی دوسری بکریوں کے ساتھ چل نہیں سکتی، اس لئے اس کو باندھ رکھا ہے، آپؐ نے فرمایا: اس کو ادھر لاؤ، بکری حاضر کی گئی، آپ نے اس کے تھن پر بسم اللہ کہہ کر ہاتھ رکھا اور ایک برتن مانگا، وہ برتن دودھ سے لبریز ہوگیا یہاں تک کہ زمین پر گرنے لگا، آپؐ نے خود نوش فرمایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، آپ کے غلام اور آس پاس کے دو آدمی آگئے تھے، ان سب نے سیر ہو کر پیا آپؐ نے دوبارہ اس بکری کو دوہا اور دوہ پیالہ ام معبد کے حوالہ کر کے روانہ ہوگئے۔

کچھ دیر بعد جب ام معبد کا شوہر آیا تو اس نے دریافت کیا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا، ام معبد نے کہا ایک بابرکت شخص ادھر آیا تھا، یہ دودھ اسی کی فیض رسانی کا نتیجہ ہے، شوہر نے دریافت کیا کہ وہ کون تھا، اس کا کیا حلیہ تھا؟ اس پر ام معبد نے کہا:۔

رأیت رجلاً ظاهر الوضاءة ابلج الوجه حسن الخلق، لم تعبه ثجلة ولم تزره صلعة، وسيماً قسيماً في عينيه دعج وفي أشفاره وطف، وفي صوته صحل، وفي لحيته كثاثة أزج، أقرن، ان صمت فعليه الوقار وان تكلم سماه وعلاه البهاء فهو أجل الناس وابهاهم من بعيد، واحسنهم واملحهم من قريب، حلو المنطق فصل، لا نزر ولا هذر، كأن منطقه خرزات نظم يتحدرن، ربعة لا بائن من طول ولا تقتحمه عين من قصر، غصن بين غصنين، فهو انضر الثلاثة منظراً وأحسنهم قدراً، له رفقاء يحفون به، ان قال انصتوا لقوله، وان امر تبادروا الى امره، محفود محشود لا عابس ولا مفند۔

میں نے ایک انسان دیکھا پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، ہموار شکم، سر میں بھرے ہوئے بال، زیبا، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں مردانگی و شیرینی، گردن موزوں، روشن اور چمکتے ہوئے دیدے، سرگیں آنکھیں باریک اور پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریالے گیسو، جب خاموش رہتے تو چہرہ پُر وقار معلوم ہوتا، جب گفتگو فرماتے تو دل ان کی طرف کھنچتا، دور سے دیکھو تو نور کا ٹکڑا، قریب سے دیکھو تو حسن و جمال کا آئینہ، بات میٹھی جیسے موتیوں کی لڑی، قد نہ ایسا پستہ کہ کمتر نظر آئے، نہ اتنا دراز کہ معیوب معلوم ہو، بلکہ ایک شاخ گل ہے، جو دو شاخوں کے درمیان ہیں[1] زیبندہ نظر، والا قدر، ان کے ساتھی ایسے جو ہر وقت ان کے گرد و پیش رہتے ہیں، جب وہ کچھ کہتے ہیں تو یہ خاموش سنتے ہیں۔ جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں[2]، مخدوم و مطاع، نہ کوتاہ سخن اور نہ فضول گو[3]۔

---

[1] ایک فارسی نعت کا یہ شعر شاید اسی مفہوم کا ترجمان ہے

نخلِ قدش کہ از چمنِ جاں بر آمدہ
شاخِ گلے بہ صورتِ انسان بر آمدہ

[2] حسن کا ثانی نہیں ایک ایک مصاحب ایسا
ایسے بندے نہ کہیں ہوں گے نہ صاحب ایسا (انیس)

[3] ابن ہشام ج ۲ ص ۵۵ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۶۵

ماخوذ از "عربی میں نعتیہ کلام" مصنف مولانا عبداللہ عباس ندوی

محمد طارق ندوی

س:۔ آج کل یہ رواج عام ہوگیا ہے کہ نکاح کے بعد دولہا لڑکی کے گھر کے اندر جاتا اور وہاں سلامی کی رسم ادا کرتا ہے، بہت سی نامحرم عورتیں موجود ہوتی ہیں یہ سب اسے کچھ رقم دیتی ہیں کیا ایسا شرعاً کیا جاسکتا ہے؟

ج:۔ سلامی کی رسم غیر شرعی ہے اور چونکہ اس میں پردہ کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا جس سے مذکور رسم کی شدت اور بڑھ جاتی ہے یہ طریقہ ختم کرنا ضروری ہے اس کی کوئی اصل شریعت میں موجود نہیں ہے۔

س:۔ ایک شخص ہے جس کی منکوحہ بے حجاب پھرتی ہے اور خاوند اس کو منع بھی نہیں کرتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے اس لئے اگر کوئی اس سے اچھا دیندار شخص امامت کے لئے مل جائے تو وہ بہتر ہے۔

س:۔ بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

ج:۔ بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "صلوا علیٰ کل بر وفاجر" (الحدیث)

س:۔ کیا بوقت ذبح جانور کا منہ قبلہ رخ کرنا سنت سے ثابت ہے؟

ج:۔ ہاں! بوقت ذبح جانور کا منہ قبلہ رخ کرنا چاہئے یہ حکم سنت سے ثابت ہے۔

س:۔ اگر کوئی شخص خطبہ جمعہ میں اتنی دور بیٹھا ہے کہ اسے خطبہ سنائی نہیں دیتا تو کیا یہ شخص دوران خطبہ بات کرسکتا ہے؟

ج:۔ نہیں! خطبہ شروع ہو جانے کے بعد تمام حاضرین کو خاموش رہنا اور خطبہ سننا واجب ہے خواہ امام کے قریب بیٹھے ہوں یا دور اور اگر خطبہ نہ سنائی دے تب بھی خاموش رہنا ضروری ہے۔

س:۔ کیا قیام صرف فرض وواجب نمازوں میں فرض ہے؟

ج:۔ قیام فرض و واجب اور اسی طرح سنن مؤکدہ میں فرض ہے ان کے علاوہ نوافل میں فرض نہیں ہے۔

س:۔ ایک ہی آیت سجدہ اگر ایک شخص پڑھے اور دوسرا شخص سنے تو ہر ایک کو ایک سجدہ کرنا ہوگا یا دو؟

ج:۔ دونوں پر دو سجدے واجب ہو جائیں گے، ایک خود پڑھنے کا دوسرا سننے کا۔

س:۔ ایک گورنمنٹ ملازم نماز کے اوقات میں نماز کی ادائیگی کے لئے جاتا ہے تو کیا اسے ان اوقات کے بدلے میں زیادہ کام کرنا چاہئے؟

ج:۔ نماز فرض ہے، اتنے وقت کے بدلہ میں زائد کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن نماز سے فارغ ہوتے ہی اپنی ڈیوٹی انجام دے، نماز کے بہانے زائد وقت صرف نہ کرے۔

س:۔ بعض قبرستانوں میں قبریں ملی ملی ہوتی ہیں اور کسی مخصوص قبر تک پہونچنے کے لئے قبروں پر چلنا ناگزیر ہے تو ایسے میں کیا کرے؟

ج:۔ قبروں کو روندنا جائز نہیں ہے بچ بچا کر اس قبر تک جاسکتا ہے تو چلا جائے، ورنہ دور ہی سے فاتحہ پڑھ لے۔

بقیہ:۔ معمولات یومیہ

کبھی نفل نماز کے سجدہ میں دیر تک دعا مانگتے۔ پھر آرام فرماتے۔ جب فجر کی اذان ہوتی تو اٹھتے، حجرۂ شریف ہی میں دو رکعت سنت پڑھ کر وہیں داہنی کروٹ ذرا لیٹ رہتے۔ پھر مسجد میں تشریف لاتے اور باجماعت نماز فجر ادا فرماتے۔

یہ تھے آپ کے معمولاتِ روزانہ۔

(اول تو پانچوں نمازیں خود ہی قدرتی طور پر وقت کی پابندی سکھاتی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اگلی نماز کا وقت آکر مسلمان کو متنبہ کرتا ہے، کہ اتنا وقت گزر گیا اتنا باقی ہے جو کچھ کام کرنا ہو کرلو۔ اس پابندی وقت کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت یہ تھی کہ اپنے ہر کام کے لئے وقت مقرر فرما لیتے اور اس کو پوری پابندی سے نباہتے۔ اسی وجہ سے آپؐ بہت کام کرلیتے تھے۔ آپ نے کبھی وقت کی کمی اور تنگی کی شکایت نہیں کی۔)

(ماخوذ از سیرۃ النبیؐ مولفہ مولانا سید سلیمان ندویؒ)

بقیہ:۔ مطالعہ کی میز پر

یا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا۔ ربنا إنی أسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع الی آخرہٖ یا حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا رب اغفرلی وھب لی ملکا.... الی آخرہ اب یہ دعائیں ہمارے لیے تو نہیں ہیں قرآن مجید میں اخباراً آئی ہیں اور اگر اس مجموعہ کا مقصد قرآن مجید کی دعاؤں کا احاطہ کرنا اور ان کا تعارف کرانا اور ان کی خصوصیات بتانا ہو تو یہ بات بھی اس مجموعہ سے حاصل نہیں لہٰذا ناشر کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اس مجموعہ پر نظر ثانی فرمائیں اور اگر یہ خاص دعائیں بھی مجموعہ میں باقی رکھنا چاہتے ہیں تو ان پر مناسب حواشی لکھے جائیں۔ ورنہ یہ مجموعہ عوام الناس کیلئے غیر مفید رہے گا۔

ندوہ کے شب و روز

شیخ ابرار احمد ندوی علیا ثانیہ

دارالعلوم میں طلبار کی ذہنی وفکری تربیت جمعیۃ الاصلاح کے ذریعہ کی جاتی ہے جس کے تحت خطابت وکتابت، ثقافت وصحافت کے مختلف پروگرام ہوتے ہیں اور حضرات اساتذۂ کرام اپنے خطاب اور مفید مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں اس سلسلہ میں سابقہ روایت کے مطابق ۱۲ اراپریل ۱۴۱۶ھ کو جمعیۃ الاصلاح کے شعبۂ صحافت کا افتتاحیہ جلسہ جمالیہ ہال میں مہتمم دارالعلوم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا پھر معتمد صحافت محمد عرفان صدیقی نے صحافت کی ضرورت واہمیت پر مقالہ پیش کیا آخر میں صدر جلسہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اگر قلم نہ ہوتا تو آج علم کا قافلہ اپنے ماضی سے کٹ جاتا قلم ہی وہ آلہ ہے جس سے آپ علم کو کتاب پر منتقل کرتے ہیں اگر یہ نہ ہوتا تو آج دنیا نے جو سفر طے کیا ہے اس سے ہم بے خبر ہوتے اور ہم پھر سے از سر نو سفر شروع کرتے اور ہماری حیثیت عالم کی نہیں طفل مکتب کی ہوتی، دوران تقریر آپ نے موجودہ صحافت کی جعل سازی اور مکر فریبی کی نشاندہی کی اور بتایا کہ صحافت میں مخاطب کے احساسات وخیالات کا جاننا اور واقعات ومعاملات کا جائزہ لینا ضروری ہے اور وہی صحافت مؤثر صحافت ہوگی جو مخاطب کے جذبات واحساسات کی پوری رعایت رکھتی ہو۔

اسی طرح ۱۹ اراپریل ۱۴۱۶ھ کو بعد نماز مغرب جمالیہ ہال میں شعبۂ ثقافت کا افتتاحیہ جلسہ زیر صدارت مولانا سعید الرحمن الاعظمی منعقد ہوا، اس شعبہ کے تحت طلبار میں سنجیدگی ومتانت، نظافت ونفاست علمی وادبی ذوق پروان چڑھانے کے لیے حضرات اساتذہ کرام اور دیگر اہل علم حضرات کے علمی وتجرباتی محاضرے ہوتے ہیں جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا، محمد ہارون بہار اشرفی نے نعت شریف پیش کی، معتمد بزم ثقافت عامر ظفر نے "ثقافت کیا ہے" کے عنوان سے مختصر وجامع مقالہ پیش کیا، پھر مربی الاصلاح مولانا شمس الحق صاحب ندوی نے طلبار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا! عزیزو! آپ اپنے اندر آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا عزم وارادہ کریں، یہی جذبہ اصل ہے، آپ کی علمی ثقافت معیاری وبلند ہونا چاہئے، یعنی جس درجہ ومقام پر آپ پہونچ چکے ہیں اس کے مطابق آپ کی لیاقت وصلاحیت ہو اور آپ کا رہن سہن بول چال، اساتذہ سے ملنے جلنے کا طریقہ دینی اور مطیع وفرمانبردار طالب علم کا سا ہو، یہی مدرسہ کی تہذیب وثقافت ہے، پھر صدر جلسہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ثقافت اصلاً یہ ہے کہ آپ کے احساسات، آپ کے شعور وجذبات، افکار ونظریات میں وہ بلندی ہو جو آپ کے مقام ومرتبہ سے میل کھاتی ہو۔ آپ کے اخلاق اعلیٰ ہوں، آپ کے آداب زندگی بلند ہوں لیکن قول وعمل میں اعتدال وتوازن ہو، افکار ونظریات میں توازن ہو یہی ثقافت کی حقیقت اور پہچان ہے۔

تیسرا پروگرام ۱۶ اراپریل ۱۴۱۶ھ کو عباسیہ ہال میں استاذ فقہ مولانا عتیق احمد صاحب بستوی کا محاضرہ بعنوان "یکساں سول کوڈ اور ہماری ذمہ داریاں" زیر صدارت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ہوا، آپ نے طالبان علوم نبوت کو ہندوستان کے اس عظیم فتنہ سے آگاہ فرمایا اور بتایا کہ یکساں سول کوڈ تسلیم کر لینا درحقیقت پوری شریعت اسلامی سے ہاتھ دھو بیٹھنا اور ملی تشخص کو قیامت تک کے لیے سپرد خاک کر دینا ہے، اور یکساں سول کوڈ ایک تلوار ہے جو ہمارے سر پر لٹک رہی ہے جو کسی وقت بھی ہمیں خاک وخون میں ملا سکتی ہے، لہٰذا عملی طور پر ہمیں چاہئے کہ ملت اسلامیہ کو نکاح وطلاق اور دیگر معاشرتی مسائل سے واقف کرائیں اور ہندوستان کے مختلف گوشوں میں دارالقضا قائم کریں۔

۲۷ اراپریل ۱۴۱۶ھ کو جمالیہ ہال میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی کا محاضرہ "مسلم نوجوان اور ان کی ذمہ داریاں" کے عنوان سے ہوا، آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا مسلم نوجوان اور طلبائے مدارس اسلامیہ اپنے کردار وعمل سے اسلام کا کامل نمونہ پیش کریں اور دینی اداروں سے قرآن وحدیث کی حقیقی معلومات حاصل کر کے دوسروں تک پہنچائیں، عقائد واعمال کو درست کریں منکرات سے پرہیز کریں اور اعمال صالحہ کو اپنے سینوں سے لگائیں اور معروفات کو عام کریں، حلال وپاکیزہ

باقی ص۳۰ پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

"مکتوبات نعمانی"۔ مرتب: مولانا محب الحق صاحب
ناشر: کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ جامع مسجد دہلی
صفحات: ۱۷۶ علاوہ سرورق، قیمت ۲۵ روپیہ

یہ کتاب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کے مکتوب کا مجموعہ ہے جو الحاج آخون عزیز الٰہی خلف صاحب محسن پوری کے نام ہیں، تقریباً سارے ہی خطوط ملی و دینی کاموں سے متعلق ہیں جو مولانا کے اسفار ملی کانفرنسوں، اور دینی اجتماعات وغیرہ میں شرکت کی اہم معلومات مہیا کرتے ہیں۔ ہر خط دینی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے، جو خط پڑھنا شروع کرو ختم کئے بغیر چھوڑا نہیں جاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی حلقوں میں یہ مجموعہ بہت پسند کیا جائے گا۔

اسپین میں عرب کلچر۔ از: ڈاکٹر اشفاق احمد ندوی
صفحات مع سرورق ۱۸۰، قیمت ۳۵ روپیہ
طابع: آلوک پبلیکیشن، ۱۷۱-۱۵۸ کپا احاطہ امین آباد لکھنؤ۔ (برانچ) ۱۰ اودیکانند مارگ۔ الٰہ آباد۔

اسپین جسے اندلس کہا جاتا تھا ایک عبرت آموز تاریخ رکھتا ہے۔ اس کے مختلف پہلوؤں پر لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے، لیکن تاریخی حیثیت سے اختصار کے ساتھ لکھی جانے والی اردو ہندی میں کوئی اور کتاب نظر سے نہیں گذری۔ ڈاکٹر صاحب نے ۲۴ کتابوں سے مدد لے کر یہ کتاب ہندی میں مرتب کی ہے جو لکھنؤ یونیورسٹی کے بی اے کے دوسرے سال میں عرب کلچر کے مضمون کے لیے ہندی میں لکھی گئی ہے کاش کہ اس کا اردو ایڈیشن بھی آجاتا تو بہتر ہوتا۔

"مسائل قربانی و احکام عیدالاضحیٰ"
مرتب: مفتی حشمت اللہ قاسمی، صفحات ۱۳۲ مع سرورق۔ قیمت: ۱۵ روپیہ
ملنے کا پتہ: شعبہ نشر و اشاعت مدرسہ دینیہ۔ دین بندھی، سوپول ۸۵۲۱۳۹ بہار۔

قربانی اور عیدالاضحیٰ سے متعلق تقریباً تمام اہم مسائل اس کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں ظاہر ہے ایک مفتی کے قلم سے لکھے گئے یہ مسائل سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک مزید پسندیدہ بات یہ ہے کہ کتابت خوب واضح ہے اور طباعت صاف ہے دو ایک جگہ عبارت میں سقم ضرور ہے جو ناقابل التفات ہے۔ یہ کتاب ہر مسلم گھر میں موجود رہنا چاہئے کہ قربانی کے عام اور اہم مسائل کو حاوی ہے

"مکتوبات علم و ادب": مرتب محمد یاسین تلی۔
صفحات مع سرورق ۱۴۳، قیمت: ۲۵ روپئے
ملنے کا پتہ: مولانا محمد یٰسین تلی سنے گاندھی نگر کوپر گاؤں ۴۲۳۶۰۱ ضلع احمد نگر۔

تیس مشاہیر ہند کے یہ مکتوب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے نام ہیں ان مشاہیر میں خواجہ احمد فاروقی کے سوا سبھی مرحوم ہو چکے ہیں۔ ان مرحومین میں ڈاکٹر ذاکر حسین، مولانا عبدالماجد دریا بادی، مولانا عبدالباری ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا قاری محمد طیب دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالقادر رائے پوری مولانا محمد یعقوب مجددیؒ جیسے علماء و بزرگ شامل ہیں طلبا و علماء سبھی سمجھ سکتے ہیں کہ ان مشاہیر کے خطوط میں کیا کچھ ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ یہ مکتوبات بڑے ذوق و شوق سے پڑھے جائیں گے۔

نام کتاب: "قرآنی دعائیں"
مرتب: مولوی محمد فاروق صاحب بی اے۔ ایچ سی ایس
سائز ۲۰×۳۰/۱۶ انچ، صفحات ۸۸
کتابت و طباعت گھٹیا، قیمت درج نہیں۔
پتہ: حضرت صفی الدین ادبی و مذہبی ٹرسٹ ۴۴/۱ اوٹی شوکم روڈ، مدراس ۶۰۰۰۸۶

دعاؤں کے کتنے بہترین مجموعے بہترین کتابت و طباعت کے ساتھ بازار میں موجود ہیں، ان میں حضرت مولانا علی میاں صاحب کی کتاب "دعائیں" سرفہرست ہے۔

مرتب کا مقصد اگر یہ تھا کہ لوگ اپنی ضروریات پر قرآنی دعاؤں کے ذریعہ دعا مانگا کریں اور اس کے لیے وہ کوئی مجموعہ مرتب کرنا چاہتے تھے تو انکو چاہئے تھا کہ نمونے کے لیے دعاؤں کا مجموعہ دیکھ لیتے انھوں نے تو اس مجموعہ میں انبیاء علیہم السلام کی خاص دعائیں بھی نقل کر دی ہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا کہ "ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم" یا جیسے حضرت مریم کی دعا "رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررًا فتقبل منی" یا یہ دعا "ربنا انک آتیت فرعون وملاہ زینۃ و اموالا.... الی آخرہ، یا حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ دعا۔ "رب السجن احب الی.... الی آخرہ یا یہ دعا "رب قد آتیتنی من الملک .... الی آخرہ

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

بقیہ:- درس حدیث

يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم أهلها واجعل لنا من لدنك وليا واجعل لنا من لدنك نصيرا (نساء ۷۵)

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے، جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا، اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات بے ہمتا پر ایمان ہی ہم کو ہر اعتبار سے قوت و طاقت کی جان عطا کرتا ہے، لہٰذا مرد مومن اللہ کے سوا کسی اور کے فضل و نوازش کا امیدوار نہیں ہوتا، اور اللہ کے سامنے کسی اور چیز کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، اس ایمانی طاقت کی مثال حضرت خبیب رضی بن عدی کے قصہ میں آئینہ کی طرح سے سامنے آجاتی ہے، کفار جب ان کو دار پر چڑھانے کے لئے لے تو حضرت خبیب رضی نے کہا اگر تم مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دینا پسند کرو تو دے دو میں دو رکعت پڑھ لوں، ان لوگوں نے نماز کی اجازت دے دی۔ حضرت خبیب رضی نے نہایت ہی خضوع و خشوع کے ساتھ دو رکعتیں ادا فرمائیں، نماز سے فارغ ہو کر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اگر مجھے اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ تم یہ خیال کروگے کہ ہم نے قتل کے خوف سے نماز لمبی کردی ہے تو میں نماز کی لذت میں دیر تک ڈوبا رہتا، اور اس کے بعد چند اشعار پڑھے۔ جن کا ترجمہ ہے مطلع یہ تھا

"مختلف قبائل و جماعتوں کے لوگ جمع ہو گئے ہیں اور وہ سب میرے قتل پر تلے ہوئے ہیں!"

انھیں اشعار میں سے ذیل کے چند اشعار کا ترجمہ دیا جا رہا جان کی قوت ایمانی کی صحیح و سچی تصویر پیش کرتا ہے۔

"وطن سے دور پردیس میں اپنی مصیبت و پریشانی اور دشمنوں کے اس جھگڑے میں جہاں جان کے لالے پڑ گئے ہیں صرف اللہ سے فریاد کرتا ہوں، اور یہ جو کچھ پیش آرہا ہے اللہ کی راہ میں پیش آرہا ہے اور اگر وہ چاہے تو ہمارے جسم کے بکھرے ہوئے جوڑوں اور پاش پاش ٹکڑوں میں برکت دے دے جب میں اسلام کے نام پر قتل کیا جا رہا ہوں تو اس سعادت عظمیٰ کے حصول پر مجھے ذرہ برابر پرواہ نہیں کہ اللہ کے نام پر مجھے کس پہلو گرایا جائے گا"

بندۂ مومن کی طاقت کا یہ اعجاز ہے کہ وہ ہر حال میں حق گوئی سے کام لیتا ہے اور اسی پر قائم رہتا ہے، بندۂ مومن کی قوت ایمان ہی کی یہ دین ہے کہ اس کو ہمیشہ جنت میں رہنے کا یقین حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلہ پر راضی اور خوش رہتا ہے، اس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ جو کچھ پیش آرہا ہے سب محبوب حقیقی کی طرف سے پیش آرہا ہے اس کی نگاہوں میں یہ ارشاد ربانی گھوم رہا ہوتا ہے۔

"قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا"

بندۂ مومن اس عقیدہ پر مطمئن رہتا ہے کہ اس کا رزق متعین ہے، اس کی موت کا دن مقرر ہے کسی اور کی یہ مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ میں رکاوٹ بن سکے، لہٰذا بندۂ مومن حق گوئی ہی کو پورے اعتماد و وثوق کے ساتھ اپنا شعار بناتا ہے اور اپنے ہر قول و عمل میں حسن اخلاق کا لازوال نمونہ پیش کرتا ہے، اور اپنے اس ایمانی کردار کی وجہ سے حرص و ہوس، بخل اور بزدلی جیسی بری خصلتوں سے آزاد ہوتا ہے۔ اور اس کے اندر تمام ایمانی اقدار جمع ہو جاتی ہیں، یہ مومن قوی اپنے ایمان و عقیدہ، اپنے علم و یقین، جسم و جان، مجاہدانہ مشق و تربیت سب میں فائق ہوتا ہے یہی راز ہے کمزور مومن سے اس کے افضل و بہتر ہونے کا۔ اللھم اجعلنا منھم

بقیہ:- ندوہ کے شب و روز

چیزوں کو اختیار کریں حرام و ناجائز مال و اشیاء سے اجتناب کریں یہ ان کی اہم ذمہ داری ہے کیونکہ آج ہندوستان کو قائدین کے سلسلہ میں قحط الرجال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اور مسلمانوں کی حالت دور ماضی سے زیادہ بدتر ہوتی چلی جارہی ہے، ایک طرف قوم کے ہونے والے قائدین سرکار سے تنخواہ کی بھیک مانگ رہے ہیں حکومت کے گداگر و بھکاری بنے ہوئے ہیں تو دوسری طرف یونیفارم یکساں سول کوڈ کی تلوار ان کی گردنوں پر لٹک رہی ہے، لہٰذا ایسے پر آشوب دور میں ملت کے نوجوانوں خصوصاً مدارس اسلامیہ کے فرزندوں کو چاہئے کہ وہ رسوخ فی العلم پیدا کریں، علم دین سے لیس ہوں سنسکرت و انگریزی کے جدید علوم و فنون سے واقفیت حاصل کریں تاکہ ملت پر چھائی ہوئی ذلت و نکبت دور ہو سکے۔

اسی طرح اس ماہ جمعیۃ الاصلاح نے ششماہی انعامی "تقریری و تحریری مقابلوں" کا انعقاد کیا یہ تقریب "تقسیم انعامات" ۱۵ر۳ر۱۴۱۶ھ کو بعد نماز مغرب جمالیہ ہال میں بدست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی عمل میں آئی۔

۱۶ر۳ر۱۶ھ کو مجلس مشاورت کا اجلاس تھا اس لئے مہمانوں کی بڑی تعداد نے بھی اس جلسہ میں شرکت فرمائی جلسہ کا آغاز قاری محمد قاسم صاحب مدراسی نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ "پھر محمد ہارون نہال اشرفی کی نعت شریف کے بعد ناظم جمعیۃ الاصلاح ابو البقار نیپالی نے الاصلاح کا مختصراً تعارف کرایا، تقسیم انعامات کے بعد حضرت مولانا مدظلہ العالی کا اہم خطاب ہوا جس میں آپ نے طلبائے علوم نبوت کو دور حاضر کے فتنوں سے آگاہ کراتے ہوئے نبرد آزما ہونے اور علمی میدان میں اتر کر مسابقت کی دعوت دی اور درسی استعداد کے ساتھ خارجی مطالعہ میں عمق و گہرائی پیدا کرنے پر زور دیا اور اسی کے ساتھ آپ کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکھنؤ

تعمیر حیات

ہلالِ رمضان

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۰ راگست ۱۹۹۵ء مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

شمارہ نمبر ۱۹ | جلد نمبر ۳۲

سرپرست
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی
مولانا محمود الازہار ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبد الرحمٰن ندوی
مولانا محمد رضوان ندوی
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زرِ تعاون

سالانہ ــــــ ۱۰۰ روپے
فی شمارہ ــــــ ۵ روپے
ــ بیرونی ممالک فضائی ڈاک ــ
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک
ــــــ ۲۵ ڈالر
ــ بیرونی ممالک بحری ڈاک ــ
بحری ڈاک جملہ ــــــ ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ــــــ

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ــــ مینجر

حامد

مینجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر 93 ندوۃ العلماء لکھنؤ
یو۔پی 226007
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔
اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ــــــ

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے شائع کیا

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/= روپئے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.25/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.C.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

ادارتیہ

ط ـ ع ـ ع

احتساب نفس

حکیم محمد اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابو الکلام آزاد، شیخ الہند اور حضرت مدنی اور ان کے علاوہ دو چار نام .... رہ گئے ہوں تو ان کا اضافہ کرلیجئے، جنگ آزادی میں ان کے قائدانہ کردار پر فخر کیجئے، علمائے دین نے انگریز حکمرانوں کے ہاتھوں جو ظلم و ستم برداشت کئے، پھانسی پر چڑھے، جیلیں کاٹیں، ذلتیں برداشت کیں، انھیں جتنی بار چاہئے دہرا لیئے، ان کی جفاکشی، صبر و عزیمت کی داستانیں آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ رکھئے، تاریخ کے چوکھٹے میں ان کو مناسب جگہ دیجئے۔

لیکن ان کے کارنامے آپ کے لئے زرِ نقد کا کام نہیں دے سکتے، جن کو آپ سکۂ رائج الوقت کے طور پہ استعمال کریں، برادران وطن یا دوسری قومیں ان بزرگانِ سلف کی خدمات کا عوض موجودہ نسل کو دیں، یہ مطالبہ غلط ہی نہیں مضحکہ خیز اور رسوا کن بھی ہے۔

اصغر علی محمد علی تاجران عطر، لکھنؤ کے بڑے نامور تاجر تھے۔ ان کے کارخانہ کی مہر کسی عطر کی شیشی پر ہو تو وہ خوشبو کی ضمانت سمجھی جاتی تھی، اس کارخانے کے خس، گلاب، سہاگ موتیا کا نام ہی سنتے شامۂ تصور عطر آگیں ہو جایا کرتا تھا۔ وقت کے رؤسا اور جاگیردار ہی نہیں ایک والی سلطنت بھی اس ایوان عطر میں قدم رنجہ فرما چکے تھے۔ لیکن آج اگر وہاں کا کوئی کارندہ آپ کو قرابے اور شیشیاں دکھائے کہ ان میں وہ عطر رکھے گئے تھے جن کی پورے ملک میں بلکہ ملک کے باہر بھی دھوم تھی، اب صرف اتنا فرق آگیا ہے کہ اب وہ عطر تو نہیں رہے پانی رہ گیا ہے۔ بتایئے بازار میں کون ایسا گاہک ہوگا جو اس عطر کے قائم مقام پانی کو کوئی اہمیت دے۔

لیکن ہم مسلمان یہی مطالبہ دنیا سے کر رہے ہیں، ہمارے ہر سیاسی و اجتماعی پلیٹ فارم سے یہی آواز اٹھائی جارہی ہے کہ ہم نے اس ملک کو آزاد کرایا ہے، ہماری قربانیاں کسی سے کم نہیں ہیں۔ اور "ہم" کا مطلب اپنے اجداد کے معاصر مجاہدانِ آزادی۔

اس مادی دنیا میں آپ کا راس المال کیا ہے؟ کوئی خاص ہنر؟ نادر تعلیم؟ بیش بہا عملی تجربہ؟ ایمانداری؟ وقت کی پابندی؟ وعدہ کا پاس؟ حرام حلال کی تمیز؟ یا صرف نعرہ، کھوکھلا بے جان اور بے وقت۔ جواب کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں آئینہ روبرو ہے جدھر چاہئے دیکھ لیجئے۔

یہ سب کچھ نہ سہی صرف اتنا ہوتا کہ تمام کلمہ گو متحد ہوتے، ان کا سیاسی وزن ہوتا، جدھر جھکتے ادھر حکومتیں جھک جاتیں، الکشن ہی کے زمانے میں نہیں بلکہ ہر حکومت اپنے پورے دورِ حکومت میں آپ کا وزن محسوس کرتی، مگر عملاً صورت حال کیا ہے، جتنے سر اس قدر افکار و آراء، اور جتنی رائیں اسی تعداد میں پارٹیاں اور تنظیمیں اور ہر تنظیم میں شگاف، ہر پارٹی کے اندر پاکٹس (POCKITS)۔

آخر سنت الٰہی بھی کوئی چیز ہے؟ قانونِ تکوینی کا بھی کوئی عمل دخل ہے؟ علت و معلول کے ابدی نظام سے انبیائے کرام بھی مستثنیٰ نہیں رہے ہیں۔

"بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ" بلکہ انسان کو اپنی ذات پر آگاہی ہے۔ خواہ وہ کتنے ہی حیلے حوالے کرے۔

پاسبانِ حرم آج بابری مسجد کو رو رہے ہیں، بیت المقدس کی داستان الم سنا رہے ہیں۔ بوسنیا اور ہرسک کی ٹھنڈی لاشوں پر کھڑے تجاویز پاس کر رہے ہیں۔ اور یہ سلسلہ کہاں تک دراز ہوگا، مغضوب قوم کی سازشیں اور گمراہ قوم کے وسائل، اور گرد و پیش کے زہریلے سانپوں اور بچھوؤں کی نیش زنی اور ان کی گھاتیں کیا رنگ لائیں گی ہم سب سے بے فکر ہو کر ایک دھن میں مست ہیں کہ ہم خلاق آئین جہاں بانی تھے ہمارے اسلاف گردوں سے تارے توڑ لاتے تھے اور یہ کہ ؎

وہ کیا گردوں تھا جس کا تو ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

امت کے وفود آقا کے حضور میں!

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مورخین اور مصنفین کو خدا معاف کرے، مقدس سے مقدس مقامات اور افضل سے افضل اوقات میں بھی یہ تاریخی ذوق اور طرزِ فکر ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور وہ چند لمحات کے لیے بھی اس سے آزاد نہیں ہو پاتے، وہ جہاں بھی ہوتے ہیں اپنے علم و مطالعہ کی فضا میں سانس لیتے ہیں۔ اور حال کا رشتہ ہمیشہ ماضی سے جوڑنا چاہتے ہیں، مناظر کو دیکھ کر ان کا ذہن بہت جلد اس تاریخی منظر کی تلاش میں نکل جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں ان مناظر کا وجود اور نمود ہے۔

میں کل مسجد نبوی میں روضۂ جنت میں بیٹھا ہوا تھا، میرے چاروں طرف نمازیوں اور عبادت گذاروں کا کثیر مجمع تھا۔ ان میں کچھ لوگ سجدے میں تھے اور کچھ رکوع میں، تلاوت قرآن کی آوازیں فضا میں اس طرح گونج رہی تھیں، جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتے میں بھنبھنا رہی ہوں، اس وقت کا سماں کچھ ایسا تھا کہ مجھے تاریخ اور تاریخی شخصیات کو تھوڑی دیر کے لیے فراموش کر دینا چاہئے تھا، لیکن تاریخ کی قدیم یادیں بادلوں کی طرح میرے دل و دماغ پر چھا گئیں اور میرا ان پر کوئی زور نہ چل سکا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس امت کی بعض نامور شخصیتوں اور رہنماؤں کو ایک نئی زندگی عطا کی گئی ہے اور وہ وفود کی شکل میں یکے بعد دیگرے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو رہے ہیں اور اسی عظیم مسجد میں فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد اسی عظیم نبیؐ کو ہدیۂ سلام اور خراجِ عقیدت و محبت پیش کر رہے ہیں، اور اس کے احسان کا اعتراف کر رہے ہیں، اور باوجود اس کے کہ وہ مختلف زمانوں، مقامات اور طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، سب یک زبان ہو کر اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ آپؐ ہی وہ نبی ہیں، جنھوں نے اللہ کے حکم سے ان کو ظلمات سے روشنی کی طرف، تیرہ بختی سے خوش بختی کی طرف، مخلوق کی عبادت سے خدائے واحد کی عبادت کی طرف اور مذاہب کے ظلم و استبداد سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی کی طرف منتقل کیا، وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ اسلام ہی کی پیداوار ہیں اور ان کا سارا وجود اور زندگی نبوت کی مرہونِ منت ہے، اگر خدانخواستہ ان سے وہ سب واپس لے لیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نبیؐ کے ذریعہ عطا کیا تھا اور نبوت کے وہ عطیے ان سے چھین لیے جائیں جنھوں نے دنیا میں ان کو عزت و سرفرازی بخشی تھی، تو ان کی حیثیت ایک بے روح اور بے جان ڈھانچے اور چند مبہم اور بے مقصد خطوط و اشکال سے زیادہ نہ رہ جائے گی اور وہ تاریخ کے اس تاریک ترین عہد کی طرف واپس چلے جائیں گے جہاں جنگل کے قانون اور ظلم و استبداد کا دور دورہ تھا اور موجودہ تہذیب و تمدن کا ــــ نام و نشان تک مٹ جائے گا۔

اچانک میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی، میں نے دیکھا کہ بابِ جبرئیل سے (جو مجھ سے زیادہ قریب تھا) ایک جماعت داخل ہو رہی ہے، سکون و وقار میں ڈوبے ہوئے لوگ ان کی پیشانی سے علم کا نور اور ذہانت کا وفور صاف عیاں تھا۔ وہ باب الرحمۃ اور باب جبرئیل کے درمیانی حصہ میں پھیل گئے۔ وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ان کے شمار کا کوئی سوال نہیں تھا، میں نے دربان سے پوچھا کہ:۔ یہ کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا کہ:۔ اس امت کے امام اور رہنما انسانیت کے محسن اور نوعِ انسانی کے ممتاز اور قابلِ فخر نمونے ہیں، ان میں سے ہر ایک پوری پوری قوم کا امام، پورے کتب خانہ اور مکتب فکر کا بانی اور مؤسس، پوری نسل کا مربی اور مستقل علوم و فنون کا موجد ہے ان کے لازوال آثار اور لافانی شاہکار اور نمونے آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں، ان کے علم و اجتہاد اور تحقیق کی روشنی میں کئی کئی نسلوں نے سفرِ زندگی طے کیا ہے اس نے عجلت کے ساتھ چند ہستیوں کے نام بھی مجھے بتا دیئے، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، لیث بن سعد مصری، امام اوزاعی، امام بخاری، امام مسلم تقی الدین بن تیمیہ، ابن قدامہ، ابو اسحاق الشاطبی، کمال بن ہمام، شاہ ولی اللہ دہلوی۔ اگرچہ ان شخصیتوں میں اپنے زمانہ اور اپنے ملک و وطن اور اپنی علمی و دینی حیثیتوں اور مراتب کا بڑا فرق تھا لیکن ان سب نے اس موقع پر بارگاہِ نبویؐ میں خراجِ عقیدت پیش کیا اور اشکِ ندامت نذر کئے۔

میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے انھوں نے تحیۃ المسجد کا دوگانہ بہت خشوع و خضوع اور حضوریِ قلب کے ساتھ ادا کیا، پھر بہت ادب اور تواضع کے ساتھ مرقدِ مبارک کی طرف بڑھے، اور بہت جنچے تلے، مختصر، معانی سے لبریز، گہرے اور پُرمغز کلمات کے ساتھ سلام پیش کیا، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی آواز اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز میں رقت، وہ کہہ رہے تھے۔

"یا رسولؐ اللہ! اگر آپ کی لازوال، وسیع اور جامع، عادلانہ اور کشادہ شریعت نہ ہوتی اور اس کے وہ اصول نہ ہوتے جن سے انسانی ذہن

اور انسانی صلاحیت نے نئے نئے گل بوٹے پیدا کیے اور دنیا کا دامن بیش قیمت اور عطر بیز پھولوں سے بھر دیا اور اس کا وہ حکیمانہ اور معجزانہ نظام نہ ہوتا جس نے انسانی فکر و تدبر اور اخذ و استنباط کی صلاحیت کو پیدا کر دیا اور اگر وہ انسانیت کی ایک اہم ضرورت نہ ہوتی تو نہ اس عظیم فقہ کا کوئی وجود ہوتا نہ یہ عظیم اسلامی قانون وجود میں آتا جس سے اس وقت تک ہر قوم کا دامن خالی ہے، نہ اتنا بڑا اسلامی کتب خانہ پیدا ہوتا، جس کے سامنے دنیا کا سارا مذہبی لٹریچر ہیچ ہے۔ اگر علم کی اشاعت اور خدا کی نشانیوں اور اس کی قدرت کاملہ میں غور و فکر اور عقل سے کام لینے کی آپ نے ایسی پر زور دعوت نہ دی ہوتی تو یہ شجر علم زیادہ دنوں تک برگ و بار نہ لا سکتا اور نہ اس کا سایہ تمام دنیا پر ایسا محیط ہوتا جیسا کہ آج نظر آرہا ہے، عقل انسانی پہلے کی طرح پابہ زنجیر ہوتی اور دنیا روشنی سے محروم"

میں اس جماعت کو جی بھر کر دیکھ نہ سکا تھا کہ میری نظر ایک دوسرے گروہ پر پڑی جو باب الرحمۃ سے ہو کر اندر کی طرف بڑھ رہا تھا، صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادات کے آثار ان کے چہروں سے صاف ظاہر تھے، مجھے بتایا گیا کہ اس جماعت میں حسن بصریؒ عمر بن عبد العزیزؒ، سفیانؒ ثوری، فضیل بن عیاضؒ، داؤد الطائی، ابن السماک، شیخ عبد القادر جیلانی، نظام الدین اولیاء اور عبد الوہاب المتقی جیسے حضرات بھی رونق بخش ہیں جنھوں نے اپنے قابل رشک پیشرؤوں کی یاد تازہ کر دی، نماز کے بعد یہ لوگ بھی قبر مبارک کے سامنے کھڑے ہوئے اور اپنے نبیؐ و پیشوا اور سب سے بڑے معلم اور رہنما کو درود و سلام کا تحفہ پیش کرنے لگے، وہ کہہ رہے تھے۔

"یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے وہ عملی مثال نہ ہوتی جو آپ نے پیش فرمائی تھی، اور وہ ضیائے نور نہ ہوتا جس کو آپ نے بعد کے آنے والوں کے لیے قائم فرمایا تھا، اگر آپ کا یہ قول نہ ہوتا کہ "اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے" اگر آپ کی یہ وصیت نہ ہوتی کہ "دنیا میں اس طرح زندگی گزارو جس طرح کوئی مسافر یا راہی زندگی گزارتا ہے،" اگر زندگی کا وہ طرز نہ ہوتا جس کا ذکر حضرت عائشہؓ نے اس طرح کیا ہے کہ "ایک چاند کے بعد دوسرا چاند اور دوسرے کے بعد تیسرا چاند نکل آتا تھا اور آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی، نہ چولھے پر دیگچی چڑھانے کی نوبت آتی تھی" تو ہم دنیا پر اس طرح آخرت کو ترجیح نہ دے سکتے، اور نہ ہم محض گذارہ پر بسر کر سکتے اور نہ قناعت کو اپنی زندگی کا شعار بنا سکتے، نہ ہم نفس کی ترغیبات پر قابو پا سکتے، اور نہ دنیا کے حسن و جمال اور اس کی رعنائی و زیبائی اور عہدہ و منصب کی طاقت اور کشش کا اس طرح مقابلہ کر سکتے۔"

ان کے حکیمانہ الفاظ ابھی پوری طرح میرے دل و دماغ میں پیوست بھی نہ ہوئے تھے کہ میری نظر ایک اور گروہ پر پڑی جو "باب النساءؑ" سے بہت لحاظ اور ادب کے ساتھ گذر رہا تھا، ظاہری آرائش اور آزادی کے ان مناظر سے جو اسلامی اصول و آداب کے منافی ہیں، یہ گروہ بالکل محفوظ اور خالی تھا، یہ مختلف قوموں اور دور دراز ملکوں کی صالح، عبادت گزار اور عفیف خواتین تھیں جو عرب و عجم اور مشرق و مغرب کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتی تھیں، بہت دبی زبان میں اور پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنے جذبات تشکر و عقیدت کا اظہار اس طرح کر رہی تھیں:-

"ہم آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں، یا رسول اللہ! اس طبقہ کا درود و سلام جس پر آپ کا بہت بڑا احسان ہے، آپ نے ہم کو خدا کی مدد سے جاہلیت کی بیڑیوں اور بندشوں، جاہلی عادات و روایات، سوسائٹی کے ظلم اور مردوں کی زور دستی اور زیادتی سے نجات بخشی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے رواج کو ختم کیا، ماؤں کی نافرمانی پر وعید سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے آپ نے وراثت میں ہم کو شریک کیا اور اس میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے ہم کو حصہ دلایا، یوم عرفہ کے مشہور تاریخی خطبہ میں بھی آپ نے ہمیں فراموش نہیں کیا، اور کہا کہ "عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو، اس لیے کہ تم نے ان کو اللہ کے نام کے واسطے سے حاصل کیا ہے"۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر آپ نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، ادائے حقوق اور بہتر معاشرت کی ترغیب دی، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے طبقہ کی طرف سے وہ بہتر سے بہتر جزا دے جو انبیاء و مرسلین اور اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو دی جا سکتی ہے۔"

یہ نرم آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں کہ ایک اور جماعت نظر آئی جو "باب السلام" کی طرف سے آرہی تھی، میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ علوم و فنون کے موجد اور مرتب ائمہ نحو و لغت و بلاغت کی جماعت تھی۔ اس میں ابو الاسود الدؤلی، خلیل بن احمد، سیبویہ، کسائی، ابو علی الفارسی، عبد القاہر الجرجانی، السکاکی، مجد الدین فیروز آبادی، سید مرتضیٰ بلگرامی..... بھی تھے، جو اپنے علوم کا سلام پیش کر رہے تھے اور اپنی شہرت اور مرتبۂ علمی کا خراج ادا کرنے آئے تھے، میں نے دیکھا وہ بہت بلیغ اور ادبی الفاظ میں اس طرح گویا ہیں۔

"یا رسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے اور یہ مقدس کتاب نہ ہوتی جو آپ پر نازل ہوئی، اگر آپ کی احادیث نہ ہوتیں اور یہ شریعت نہ ہوتی جس کے سامنے ساری دنیا نے سر تسلیم خم کر دیا تھا اور وہ

اس کی وجہ سے عربی زبان سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے پر مجبور تھی تو پھر یہ علوم بھی نہ ہوتے جن میں آج ہم کو امامت و قیادت کا شرف حاصل ہے، نحو، بیان اور بلاغت ان میں سے کسی چیز کا بھی وجود نہ ہوتا، نہ یہ بڑی بڑی معاجم اور لغات نظر آتیں، نہ عربی زبان کے مفردات میں نکتہ آفرینیاں اور دقیقہ سنجیاں ہوتیں، نہ ہم اس راستہ میں اتنی زبردست اور طویل جدوجہد کے لیے تیار ہوتے، (جس کے یہاں زبانوں اور بولیوں کی کوئی کمی نہ تھی) عربی سیکھنے اور اس پر عبور حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہ ہوتی اور نہ ان میں وہ مصنفین اور اہل قلم پیدا ہوتے جن کی ادبیت و زباں دانی کا اہل زبان نے بھی لوہا مان لیا۔ یا رسول اللہ! آپ ہی ہمارے درمیان اور اسلام میں پیدا ہونے والے ان علوم کے درمیان واسطہ اور رابطہ تھے جو آپ کی بعثت کے طفیل وجود میں آئے، درحقیقت صرف آپ ہی عرب وعجم میں رابطہ کا ذریعہ ہیں، آپ ہی کی ذات ہے جس نے اس درمیانی خلا کو پُر کیا اور عرب وعجم اور مشرق ومغرب کو گلے ملا دیا۔ اور شیر وشکر بنا دیا۔ آپ کا کتنا احسان ہے، ہماری اس ذہانت، طباعی اور تبحر علمی پر اور آپ کا کتنا کرم ہے علم کی اس دولت پر، انسانی عقل کی زرخیزی پر، اور قلم کی گلکاری پر۔ یا رسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے تو یہ عربی زبان بہت سی اور زبانوں کی طرح صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جاتی۔ اگر قرآن مجید کا غیر فانی صحیفہ اس کا پاسبان نہ ہوتا تو اس میں اتنا تغیر وتبدل ہو جاتا کہ اس کی صورت ہی مسخ ہو جاتی، اور وہ ایک نئی زبان بن جاتی، جیسا کہ بکثرت دوسری زبانوں کے ساتھ ہوا ہے، عجمی الفاظ اور مقامی زبانیں اس کو جذب کر لیتیں اور اس کی صحت واصلیت یکسر ختم ہو جاتی، یہ آپ کے وجود مبارک کے شریعت اسلامی اور اس کتاب مقدس کا فیض ہے جس نے اس زبان کو فنا کی دستبرد سے محفوظ رکھا ہے اور عالم اسلام کے لیے اس کی عزت ومحبت واجب کر دی ہے اور ہر مسلمان کے دل کو اس کا اسیر محبت بنا دیا ہے۔ آپ ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو دوام بخشا اور اس کے بقا وترقی کی ضمانت کی، اس لئے ہر اس شخص پر جو اس زبان میں بات کرتا ہے یا لکھتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے یا اس کی دعوت دیتا ہے آپ کا احسان ہے۔ اور وہ اس احسان کا کبھی منکر یا اس سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔"

میں ان کے اس تشکر واعتراف اور اظہار حقیقت کو غور سے سن رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ باب عبد العزیز پر جا کر ٹھہر گئی، اس دروازے سے ایک ایسا گروہ داخل ہو رہا تھا، جس پر مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے رنگ نمایاں تھے، اس میں دنیا کے بڑے بڑے سلاطین اور تاریخ کے ممتاز ترین بادشاہ اور فرمانروا شامل تھے، ہارون رشید، ولید بن عبد الملک ملک شاہ سلجوقی، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، الظاہر بیبرس، سلیمان اعظم، اورنگ زیب عالمگیر بھی اس گروہ میں شامل تھے، انھوں نے اردلیوں اور چوبداروں کو دروازہ کے باہر ہی چھوڑ دیا تھا، اور نظریں جھکائے ہوئے تواضع وانکسار کا مجسمہ بنے ہوئے بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہوئے چل رہے تھے۔ میری نظر کے سامنے ان سب کی شخصیتیں اور کارنامے ابھرنے لگے، میری آنکھوں میں اس طویل وعریض دنیا کا نقشہ پھر گیا جس پر ان کا سکہ چلتا، ان کا ڈنکا بجتا تھا، ان کی بادشاہی اور فرمانروائی کی تصویر یکایک میرے سامنے آ گئی جو ان کو دنیا کی بڑی بڑی قوموں، طاقتور سلطنتوں اور جابر بادشاہوں پر حاصل تھی (ان میں وہ ہستی بھی تھی جس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر یہ تاریخی جملہ کہا تھا "تو جہاں چاہے جا کے برس تیرا خراج آخرکار میرے ہی خزانہ میں آئے گا۔" وہ شخص بھی تھا جس کی سلطنت کی وسعت کا عالم یہ تھا کہ اگر سب سے تیز رفتار سانڈنی سوار سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانا چاہتا تو یہ ۱۵ ماہ سے کم میں ناممکن تھا، ان میں وہ فرمانروا بھی تھے جو نصف کرۂ ارضی پر حکومت کرتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہ ان کو خراج پیش کرنے پر مجبور تھے، ایسے فرمانروا بھی تھے، جن کی ہیبت سے سارا یورپ لرزہ براندام تھا، اور جن کے زمانہ میں مسلمانوں کو عزت کا یہ مقام حاصل تھا کہ جب وہ یورپ کے ملکوں میں جاتے تھے تو ان کے دین کے احترام اور ان کے غلبہ وسطوت کے اثر سے گرجوں کے گھنٹے بجنا بند ہو جاتے تھے، غرض اسی طرح کے نہ جانے کتنے بادشاہ اور فرمانروا اس مجمع میں موجود تھے، وہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے لیے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے، اور حضور کو درود وسلام کا ہدیہ پیش کرنا چاہتے تھے، اور اس کو اپنے لیے سب سے بڑا شرف واعزاز اور سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، اور تمنا کرتے تھے کہ کاش ان کی یہ نماز اور یہ درود وسلام قبول ہو جائے، دیکھا کہ وہ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں، ان کے دلوں پر ہیبت طاری تھی، یہاں تک کہ وہ "صفہ" کے نزدیک پہونچ گئے جو فقرائے صحابہ کا مسکن اور جائے قیام تھا، وہ تھوڑی دیر کے لئے وہاں رک گئے اور عزت واحترام اور شرم وحیا کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس جگہ کو دیکھنے لگے جو کبھی ان فقراء ومساکین کا ٹھکانا تھا جن کے قدموں کی خاک کو یہ اپنی آنکھ کا سرمہ بنانے کو تیار ہیں، اس کے قریب ہی انھوں نے تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعتیں پڑھیں اور قبر مبارک کی طرف بڑھے اور پھر ان کی محبت وعقیدت جذبات واحساسات اور علم وایمان نے جو کچھ کہلوایا وہ انھوں نے اس بارگاہ نبوی میں عرض کیا، لیکن

بیت کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے اور توحید ں کو پیش نظر رکھ کر۔

میں نے سنا وہ کہہ رہے تھے :۔

"اے خدا کے رسولؐ! اگر آپ نہ ہوتے اور آپ کا یہ جہاد اور یہ دعوت نہ ہوتی جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور جس نے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کر لیا. اور اگر آپ کا یہ دین نہ ہوتا، جس پر ایمان لانے کے بعد ہمارے آبا و اجداد گوشۂ عزلت اور قعرِ مذلت سے نکل کر عزت و سربلندی، بلند ہمتی و حوصلہ مندی کی وسیع زندگی میں داخل ہوئے، پھر اس کے نتیجہ میں انھوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں، دور دراز ملکوں کو فتح کیا اور ان قوموں سے خراج وصول کیا جو کسی زمانہ میں ان کو اپنی لاٹھی سے ہانکتی تھیں اور بھیڑ بکریوں کے گلہ کی طرح ان کی پاسبانی اور حفاظت کرتی تھیں، اگر جاہلیت سے اسلام کی طرف اور گوشۂ گمنامی اور تنگ و محدود قبائلی زندگی سے تسخیر عالم کی طرف یہ مبارک سفر نہ ہوتا جو آپ کی برکت سے انجام پذیر ہوا تو دنیا میں کسی جگہ بھی ہمارا جھنڈا سربلند نہ ہوتا اور نہ ہماری کہانی کسی جگہ سنائی جاتی، ہم اس طرح عرب کے خشک و ویران صحراؤں اور حقیر وادیوں میں دست و گریبان رہتے، جو طاقتور ہوتا وہ کمزور پر ظلم کرتا بڑا چھوٹے پر زیادتی کرتا، ہماری غذا بہت ہی حقیر اور معیارِ زندگی اتنا پست تھا کہ اس سے زیادہ پست کا تصور مشکل ہے، ہم اس گاؤں یا اپنے محدود قبیلہ سے آگے بڑھ کر کچھ سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے، جس میں ہماری ساری زندگی اور ساری جدوجہد محصور تھی، ہماری مثال تالاب کی مچھلیوں اور کنویں کے مینڈکوں کی سی تھی، ہم اپنے محدود تجربوں کے جال میں گرفتار تھے اور اپنے جاہل اور بے عقل آباواجداد کے گن گاتے تھے۔

"یارسولؐ اللہ! آپ نے ہم کو اپنے دین کی ایسی روشنی عطا کی کہ ہماری آنکھیں کھل گئیں، خیال میں وسعت پیدا ہوئی، نظر کو جلا ہوئی اس کے بعد ہم اس وسیع اور جامع دین اور اس روحانی رشتہ اور رابطہ کو لے کر خدا کی وسیع اور کشادہ زمین میں پھیل گئے، ہماری سوئی و خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوئیں اور ہم نے ان صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے شرک و بت پرستی اور ظلم و جہالت کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور ایسی عظیم الشان حکومتیں قائم کیں جن کے سایہ میں ہم اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی صدیوں تک آرام اور فائدہ اٹھاتے رہے، آج ہم آپ کی خدمت میں غلامانہ نذرِ عقیدت پیش کرنے آئے ہیں اور اپنے جذبۂ محبت اور عزت و احترام کا خراج یا ٹیکس اپنی خوشی و مرضی سے ادا کر رہے ہیں، اور اس کو اپنے لیے باعثِ فخر اور وسیلۂ نجات سمجھتے ہیں، ہمیں پورا اعتراف ہے کہ اس دین کے احکام و قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں (جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سرفراز کیا تھا) ہم سے یقیناً بڑی کوتاہی ہوئی، ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں، بے شک وہ بہت معاف کرنے والا ہے اور رحیم ہے۔"

میں ان بادشاہوں کی طرف متوجہ تھا میری نظریں ان کے خاموش اور باادب چہروں پر مرکوز تھیں، میرے کان ان کے پرخلوص نیازمندانہ الفاظ پر لگے ہوئے تھے جو اس سے قبل میں نے ان سے کسی موقع پر نہیں سنے تھے کہ ایک اور جماعت داخل ہوئی اور ان بادشاہوں اور فرمانرواؤں کی پرواہ کئے بغیر ان کی صفوں سے ہوتی ہوئی سامنے آگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان بادشاہوں کے رعب و دبدبہ اور قوت و اقتدار کا ان پر کوئی اثر نہیں ہے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا تو یہ شاعر ہیں یا انقلابی، یہ اندازہ غلط نہ تھا اس لیے کہ یہ جماعت ان دونوں گروہوں پر مشتمل تھی، اس میں سید جمال الدین افغانی، امیر سعید حلیم، مولانا محمد علی جوہر، شیخ حسن البنا کے پہلو بہ پہلو ترکی کے مشہور شاعر محمد عاکف اور ہندوستان کے ڈاکٹر محمد اقبال بھی موجود تھے، ترجمانی کے لیے ان لوگوں نے آخرالذکر کا انتخاب کیا اور لائق ترجمان نے ان الفاظ میں اپنے جذبات عقیدت کا اظہار کیا :۔

" خواجۂ کونین سالار بدر و حنین، یارسولؐ اللہ! میں آپ سے اس قوم کی شکایت کرنے آیا ہوں جو آج بھی آپ کے خوانِ نعمت کی ریزہ چیں ہے اور آپ کے سایۂ رحمت کے سوا اس کو کہیں پناہ نہیں ملتی، اور آپ ہی کے لگائے ہوئے باغ کے پھل کھا رہی ہے، وہ ان ملکوں میں جن کو آپ نے قفس استبداد سے آزاد کرایا تھا، اور سورج کی روشنی اور کھلی ہوا عطا کی تھی، وہ آج آزادی کے ساتھ اور اپنی مرضی کے مطابق حکومت کر رہی ہے لیکن یہی قوم آج اسی بنیاد کو اکھاڑ رہی ہے جس پر اس عظیم امت کے وجود کا دارومدار ہے اس کے رہنما و لیڈر آج یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس امت واحدہ کو کثیر التعداد قومیتوں میں تقسیم کر دیں وہ اسی چیز کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جس کو آپ نے ختم کیا تھا، اسی چیز کو بگاڑ رہے ہیں جس کو آپ نے بنایا تھا، وہ اس امت کو عہد جاہلیت کی طرف دوبارہ واپس لے جانا چاہتے ہیں جس سے آپ نے ہمیشہ کے لیے نکالا تھا، اور اس معاملہ میں یورپ کی تقلید کر رہے ہیں جو خود زبردست ذہنی افلاس اور انتشار و بے یقینی کا شکار ہے وہ اللہ کی نعمت کو ناشکری سے تبدیل کر کے اپنی قوم کو تباہی کے گھر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں "چراغ مصطفوی" اور "شرار بولہبی" کی معرکہ آرائی آج پھر قائم ہے۔ بدقسمتی سے ابولہب کے کیمپ کی طرف وہ لوگ نظر آ رہے ہیں جو اسلام کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں اور عربی زبان بولتے ہیں، وہ آج اپنے جاہلی کارناموں اور

اصنام پر فخر کرنے لگے ہیں جن کو آپ نے پاش پاش کر دیا تھا، یہ لوگ ان تاجروں میں ہیں جو سودا خریدتے وقت تو زیادہ لینا چاہتے ہیں اور بیچتے وقت کم دیتے ہیں، آپ سے انھوں نے ہر چیز حاصل کی اور ہر طرح کی قوت و عزت سے بہرہ مند ہوئے، اب وہ ان قوموں کے ساتھ جن کے وہ حاکم اور نگراں ہیں یہ سلوک کر رہے ہیں کہ ان کو بالجبر یورپ کے قدموں میں ڈال دینا چاہتے ہیں، اور اس کو جاہلی فلسفوں یا نیشنلزم، کمیونزم کے حوالہ کر رہے ہیں۔

آپ نے جن بتوں سے کعبہ کو پاک کیا تھا، وہ آج مسلمان قوموں کے سروں پر نئے نئے ناموں اور نئے نئے لباسوں میں پھر مسلّط کئے جا رہے ہیں۔ مجھے عالم عربی کے بعض حصوں میں جن کو اسلام کا مرکز اور قلعہ ہونا چاہئے تھا۔ ایک عام بغاوت نظر آرہی ہے لیکن کوئی فاروق (رضی اللہ عنہ) نہیں، نہ کوئی ذہنی ارتداد کی آگ تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے اور کوئی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نہیں جو اس کے لئے مردانہ وار میدان میں آئے اور اس آگ کو بجھائے۔

میری طرف سے اور میرے تمام ساتھیوں کی طرف سے جن کی نمائندگی اور ترجمانی کا فخر مجھے حاصل ہوا...... دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے اور عقیدت و احترام کے جذبات میں ڈوبے ہوئے سلام کا تحفہ قبول ہو، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ہم ان تمام لیڈروں اور رہنماؤں سے بری اور بیزار ہیں جنھوں نے اپنا رُخ اسلام کے قبلہ کی طرف سے پھیر کر مغرب کی طرف کر لیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنھیں آپ سے اور آپ کے دین سے کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ہم آپ کی وفاداری اور اطاعت شعاری کا پھر اعلان کرتے ہیں، اور جب تک زندگی ہے اسلام کی رسی کو انشاء اللہ مضبوطی سے پکڑے رہیں گے۔"

یہ بلیغ اور ایمان و یقین سے لبریز الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ مسجد نبویؐ کے میناروں سے اذان کی دلنواز صدا بلند ہوئی، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، میں یکبارگی ہوشیار ہو گیا اور تخیلات کا یہ حسین سلسلہ جو تاریخ کے سہارے قائم ہوا تھا، ٹوٹ گیا۔ اور میں نے کہا ؎

مؤذن مرحبا بر وقت بولا
تری آواز مکّے اور مدینے

میں اب پھر اسی دنیا میں واپس آگیا تھا جہاں سے چلا تھا، کچھ لوگ نماز میں مشغول تھے، اور کچھ تلاوت کر رہے تھے، عالم اسلام کے مختلف وفود اور جماعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیۂ سلام پیش کر رہی تھیں، زبانوں اور لہجوں کے اختلافات کے ساتھ جذبات و تاثرات کے اتحاد نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔[۱۰]

حواشی:-

۱۔ یہ اس عربی تقریر کا ترجمہ ہے جو ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ میں سعودی ریڈیو اسٹیشن جدہ سے نشر کی گئی تھی، ترجمہ مولوی محمد الحسنی مدیر البعث الاسلامی کے قلم سے ہے جو الفرقان بابت محرم الحرام ۱۳۸۲ھ مطابق جولائی ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا، یہ ترجمہ بھی سعودی ریڈیو اسٹیشن سے بعد میں نشر ہوا، اور فیچر کے طور پر پیش کیا گیا، لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن پر یہ فیچر پیش کیا گیا اور اس کے پیش کرنے پر شجاعت علی صدیقی صاحب کو انعام ملا۔

۲۔ اس سے وہ مقام مراد ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے، بخاری کی حدیث ہے: عن ابی هريرة عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: ما بين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة ومنبري على حوضي (بخاری شریف ج ۱، ص ۲۵۳ باب فضائل المدینہ)

۳۔ باب جبریل مسجد نبوی کے اہم اور قدیم دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جو مرقد نبوی سے سب سے زیادہ قریب ہے۔

۴۔ مسجد نبوی کا قدیم دروازہ جو دور اول میں عورتوں کے ساتھ مخصوص تھا۔

۵۔ مسجد نبوی کا وہ نیا دروازہ جو جدید تعمیر کے بعد باب مجیدی کے پہلو میں بنا دیا گیا ہے اور سلطان عبدالعزیز بن سعود کے نام سے موسوم ہے۔

۶۔ ہارون رشید کی طرف اشارہ ہے۔

۷۔ ولید بن عبدالملک مراد ہیں۔

۸۔ ملک شاہ سلجوقی کی سلطنت کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ترکستان کے مشہور دریا جیحون کے ملاحوں کو جن کی کشتیاں کرایہ پر لی گئی تھیں، کرایہ ادا کرنے کے لئے حاکم انطاکیہ (ملک شام) کے نام فرمان جاری کیا گیا کہ وہ ملاحوں کو یہ رقم خزانہ سے ادا کر دے نیز ۴۸۲ھ میں روم کا سفیر سالانہ خراج لے کر اصفہان حاضر ہوا، ملک شاہ نے کاشغر پہونچ کر اس سے خراج لیا اور سفیر کو یہاں سے رخصت کیا (نظام الملک طوسی۔ ص ۶۲۲)

۹۔ سلیمان اعظم شہنشاہ ترکی کی طرف اشارہ ہے۔

۱۰۔ یہ عربی تقریر جس کا یہ ترجمہ ہے جدہ میں مصنف کے عزیز و محبوب دوست و میزبان حاجی ارشد مرحوم (چیف انجینئر ٹیلیفون سعودی عرب) کے مکان پر لکھی گئی۔

نئی منطق نئی اصطلاحیں

مولانا سید محمد واضح رشید ندوی

ترجمہ: محمد احمد ندوی

ذیل میں ہم مولانا واضح رشید صاحب ندوی کے اہم مضمون کا ترجمہ دینے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جس میں آزادی اور آزادئ رائے کے مکارانہ فریب کو دو دو چار کی طرح پیش کیا گیا ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ ہمارا تجدّد پسند مسلم طبقہ بھی اس کو غور سے پڑھے گا اور مغرب اور اسلام مخالف لوگوں کی مکاری کو سمجھے گا جس کے پیچھے وہ اندھا بن کر دوڑ تا ہے۔

دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمان مختلف نوع کے مسائل کا سامنا کر رہے ہیں، گذشتہ طویل تاریخ میں مسلمانوں کو سخت ترین مسائل کا سامنا کرنا پڑا لیکن موجودہ دور کے مسائل کی نوعیت مختلف ہے، عہد ماضی میں اس نوعیت کے مسائل سے ان کو سابقہ نہیں پڑا، اس دور میں ان پر جو حملہ ہو رہا ہے وہ نئی نوعیت و انداز کا ہے۔ اس میں قوت سے زیادہ ذہانت اور مکر و فریب بلکہ چالبازی شامل ہے اس لئے اس کے مقابلے کے لئے جوش اور قوت سے کام لینے کے بجائے سوجھ بوجھ اور حکمت اور ذہانت سے کام لینے کی ضرورت ہے، موجودہ حملہ فکری اور ذہنی حملہ ہے اس میں مکر و فریب، چالبازی، بہانہ بازی جیسے عناصر غالب ہیں، اس میں دکھائی تو دیتی ہے دوستی لیکن چھپی ہوتی ہے دشمنی، اس کے لئے الفاظ و تعبیرات کا سہارا لیا جاتا ہے، جو ظاہری طور سے اصلاح کے معنی رکھتے ہیں مگر درحقیقت ان کی تہہ میں شر و فساد چھپا ہوتا ہے۔

چنانچہ دشمنان اسلام اس وقت ایسے الفاظ بولتے ہیں جن کے ظاہر سے لگتا ہے کہ اس کا مقصد اصلاح اور حالات کو سدھارنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، یا اس سے یہ تصور قائم ہوتا ہے کہ یہ ایسا قول و عمل ہے جس کے اندر ذرہ برابر نہ شک کی گنجائش ہے اور نہ اس میں کسی قسم کی کوئی کجی ہے، تھوڑے غور و تامل کے بعد اندازہ ہو جاتا ہے کہ صرف حسین جملوں اور خوبصورت تعبیرات سے کام لیا گیا ہے لیکن درپردہ ان الفاظ کے اندر جو فکر و ذہن کام کر رہا ہوتا ہے اس کا مقصد اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوتا کہ ان الفاظ کو سپر بنا کر اسلام اور اس کی پاکیزہ تعلیمات پر حملہ کیا جائے یا اس کے اثر و طاقت کو زک پہونچانے کی تدبیریں اختیار کی جائیں یا اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات کو عام کرکے لوگوں کے ذہنوں کو پراگندہ اور اسلام سے بدگمان کیا جائے۔ مثال کے طور پر شخصی آزادی، آزادی رائے، عورت کی آزادی کے حسین الفاظ ہیں۔ اسلام پر اعتراض کرنے کے لئے ان اصطلاحات کا بہت استعمال ہوتا ہے اور اسلام کو ان کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جاتا ہے اور ان تینوں آزادیوں کو مغرب کی دین اور تمدن کا عطیہ سمجھا جاتا ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مذہب اسلام نے سب سے پہلے شخصی آزادی کا نعرہ بلند کیا۔ اس نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا اور خلیفۃ اللہ کا خطاب عطا فرمایا۔ اس نے فرد و معاشرے کی آزادی کے اندر ایک ایسا حسین و خوشگوار امتزاج و توازن قائم کیا جس کی دوسرے ادیان و مذاہب میں کوئی نظیر نہیں ملتی اسلام نے نہ تو فرد کو مقید کیا نہ معاشرے کو بلکہ اپنی روشن و واضح تعلیمات اور محکم و منضبط قوانین کے آئینہ میں ایسے دلنواز اصول و ضوابط مرتب کر دیئے جن کے ذریعے معاشرے و جماعت کی آزادی کی صورت میں فرد کی آزادی کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے، اسلام نے جماعت کے ایک فرد کے مقام کو فرد ہونے کے ناطے گھٹایا اور گرایا نہیں بلکہ اس کے مقام و مرتبہ کو بہت بلند کیا۔ جبکہ یہی فرد دوسرے ادیان و مذاہب و نظام ہائے حیات میں طوق غلامی سے گرانبار ہوتا ہے۔ اسلام نے اس کو یہ حق عطا کیا کہ وہ جابر اور ظالم کے سامنے اپنی بات کہے "کلمۃ حق عند سلطان جائر" جس کی تاریخ اسلام میں متعدد مثالیں ملتی ہیں اور ان جاہ و جلال کے مالک حاکموں کو اس کا احترام کرنا پڑا ہے۔ حضرت عمرؓ کا وہ جملہ بہت مشہور ہے جس میں انھوں نے مصر کے حاکم حضرت عمرو بن العاص سے ایک عیسائی کی شکایت پر کہا تھا۔ تم نے ان کو غلام کب سے بنا لیا جبکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ لوگو! خوب سمجھ لو تم میں جو سب سے زیادہ طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کے ذمہ جو حق باقی ہے وہ وصول کرلوں اور تمہاری نظر میں جو کمزور ہے۔ وہ میری نگاہ میں طاقتور ہے یہاں تک کہ میں اس کا جو حق ہے وہ اس کو دلا دوں۔

اسلام نے نوع بشری کے تمام افراد کو حقوق میں برابر کا درجہ دیا ہے اور ایسا جیسے کہ ایک کنگھے کے سارے دانت بالکل برابر ہوتے ہیں۔ اسی طرح جہاں کہیں بھی اسلام کی فرماں روائی و حکمرانی رہی اور کلی طور پر اس کے احکامات و قوانین جاری و ساری ہوئے،

اور وہ ایسا ملک بھی تھا جہاں مسلم وغیر مسلم دونوں آباد تھے، اسلام نے قانونی حیثیت سے انسانی حقوق کے سلسلہ میں ان دونوں کے درمیان کبھی کوئی تفریق نہیں کی، اور نہ کسی امتیاز وخصوصیت کو روا رکھا۔

اس طرح کی مثالوں سے تاریخ اسلام کے اوراق بھرے پڑے ہیں اور یہ خصوصیت کوئی عہد اول ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ عہد اخیر میں بھی اس کی صدہا مثالیں ملتی ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی اسلام کو پورے طور پر بالادستی حاصل ہوئی اس طرح کی مثالیں پائی گئیں۔

موجودہ دور میں فرد کی آزادی کا نعرہ ایک ایسا سوچا سمجھا نعرہ اور طاقتور ہتھیار ہے جس کا نشانہ صرف اسلام اور اس کا پاکیزہ معاشرہ ہے۔ اس جدید ہتھیار کا استعمال کچھ وہی لوگ کرتے ہیں جو معنوی وحقیقی طور پر فرد وجماعت کی آزادی کے قاتل اور اس کے دشمن ہیں اس وقت دنیا کے بیشتر ممالک میں اس زہر آلود ہتھیار کی بڑی کھپت اور بڑا رواج ہے، بڑے بڑے روشن خیال اہل قلم آج یہ مطالبہ کررہے ہیں کہ اسی آزادی کے نام پر ان کو اسلام پر تنقید ورائے زنی کرنے کا موقع دیا جائے اور اگر کبھی کوئی گستاخ اسی آزادی کو بہانہ بنا کر اسلام کی شان میں کوئی نازیبا بات کہتا ہے یا اس پر تنقید کرتا ہے، جس پر اس کی گرفت کی جاتی ہے تو ان روشن خیالوں کے منہ پھول جاتے ہیں، جبکہ ان کو اس بات کا پورا پورا علم ہوتا ہے کہ اسی ملک کے اندر ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں جن کے ناتواں پیروں میں زنداں کی مضبوط بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کو محض شبہ وبے بنیاد الزامات کے سبب تختۂ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے، اور اگر بالفرض انہیں آزادئ رائے کا راگ الاپنے والے ممالک میں سے کسی ملک میں کوئی ایسی بات پیش آجاتی ہے جس کا تعلق نظام حکومت سے یا ملک کی اقتصادیات سے یا تعلیم وتربیت کے نظام سے ہوتا ہے تو اس صورت میں سارے عوام کی زبان پر تالا پڑ جاتا ہے، اور وہ آزادئ رائے کے سارے حقوق سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ کسی متنفس کو بھی اس کا حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ زبان کھولے یا اپنے قلم کو حرکت دے۔ ایسے ماحول میں وہی کہا جاتا ہے جو حکومت کی مرضی کے مطابق اور حکمرانوں کی چاہت کے مرادف ہو، اس مسئلہ میں ان کو آزادئ رائے کا ذرا خیال نہیں آتا، اور نہ وہ اس کا مطالبہ کرتے ہیں۔

جہاں تک عورت کی آزادی کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس کے پیچھے بھی سازش کا ایک جال ہے، اور جب اس کی آزادی کے مسئلہ کے بیک گراؤنڈ کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اس کی ناکا کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات اور اس کی اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہو جائے، اور خاندانی اقدار وروایات کو پامال کر کے شتر بے مہار کی طرح من مانی زندگی بسر کرے لیکن اگر کوئی پاک طینت وعفت مآب خاتون اپنے اس حق کا مطالبہ کرتی ہے کہ اس کو ایک مخصوص طریقۂ حیات کے تحت زندگی گذارنے دیا جائے، وہ جس طرح چاہے اپنے پردہ کا نظم کرے۔ اور جیسا چاہے اپنے لئے مخصوص لباس اختیار کرے، اس سلسلہ میں اس پر کوئی دباؤ نہ ڈالا جائے۔ اس کو کسی خاص نظریہ کو اپنانے پر مجبور نہ کیا جائے، تو اس پر آزادی کی تعبیر کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اور یہی عورت کی آزادی کا دم بھرنے والے ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو ایسا کرنے کی اجازت دینے پر تیار نہیں ہوتے۔ ایسی عورت کو وہ اپنی مرضی کے مطابق اور اپنے تصور کے مطابق چلنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی فرد یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایک مخصوص طرز حیات وعقیدہ ولباس اپنانا چاہتا ہے تو اس کو اس کی ان تمناؤں کی تکمیل سے محروم رکھا جاتا ہے اور اس کی شخصی آزادی پر قدغن لگایا جاتا ہے بلکہ اس کو آزادی وحریت کا دشمن گردانا جاتا ہے۔ لیکن یہی فرد اگر عقیدہ کے خلاف اقدام کرے اس کو اپنی تنقیدوں اور تہمتوں کا نشانہ بنائے تو پھر یہ آزادی کا سب سے بڑا علمبردار اور اس کا جان نثار ہے۔ اس کے برعکس اگر یہی فرد رزق طیب وحلال کی جستجو وتلاش کے لئے کوشاں ہو اور مال حرام سے بچنا چاہتا ہو تو گویا یہ حریت وآزادی کا کھلا دشمن ہے لیکن اگر یہی مال حرام سے اپنا پیٹ پالے ناجائز آمدنیوں کے ذریعہ زندگی کے اسباب آرائش وزینت فراہم کرے۔ اور کسی اخلاقی تعلیم کا التزام نہ کرے تو یہ شخص حریت نواز ہے اور متمدن ہے، مذکورہ بالا مثال سے موجودہ وقت میں حریت کے پرچم برداروں کے دورخے پن کی تصویر نکھر کر سامنے آتی ہے اور ان کا نفاق ظاہر ہو جاتا ہے، اور زندگی کے بہت سے میدانوں میں ان کے اس طرز فکر وعمل کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

اگر خیر وصلاح کی نشر واشاعت، کردار سازی مردم گری، انسانی اخلاق کی تعمیر کی غرض سے قوت کا استعمال کیا جائے تو ان علمبرداران حریت کی ڈکشنری میں اس کا نام دہشت گردی، بنیاد پرستی، کٹر پن ہے اور اس سے فرد کی حریت مجروح ہوتی ہے، لیکن اس کے برعکس اگر اسی قوت کا استعمال اچھی باتوں اور تعمیری کام کرنے والے اور برائیوں کا سدباب کرنے والے طریقوں کو روکنے یا ان کو مٹانے کے لئے کیا جائے تو یہ اقدام عین حریت اور ترقی پسندانہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص پر یہ پابندی لگانے کے لئے کہ وہ کسی مخصوص عقیدہ یا تہذیب ومعاشرت کے مطابق زندگی نہیں گذار سکتا قانون بنایا جائے تو یہ عمل عین آزادی ہے لیکن اگر کسی عقیدہ کے احترام کی بات کی جائے تو بنیاد پرستی، تنگ نظری اور حریت دشمنی کا عمل ہے۔

اسی دورخے پن کا ایک نمونہ اور بھی دیکھتے چلئے۔ بعض تنظیموں کی طرف سے یہ سخت پابندی ہے کہ متعدد ایسی تنظیمیں ومعتقدات وتصورات ہیں جن پر کسی کو حرف گیری کرنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن اگر کبھی کوئی ان ممنوعہ امور کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کی خوب مذمت کی جاتی ہے۔ بسا اوقات اس کو زنداں کی سلاخوں کے بیچ جکڑ دیا جاتا ہے یا دردناک سزا دی جاتی ہے۔ اس کی

واضح مثال یہی ہے کہ بعض ممالک میں اگر کسی غیر مسلم پر تنقید کی جائے تو اس کو قابل سزا عمل قرار دیا جاتا ہے اس لئے کہ اس سے اس ملک کے خارجی تعلقات اور اس کی سالمیت متاثر ہوتی ہے اور دوسرے فرقے کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ لیکن انھیں ممالک میں غیر مسلموں کو یا ان کے غلاموں کو مسلمانوں پہ اسلام پر اور اس کی پاکیزہ تاریخ اور اس کے مقدسات پر کیچڑ اچھالنے کی اجازت ہے۔ حکومت اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتی بلکہ اس اقدام کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ یہ آزادیٔ گفتار کا تقاضا ہے، بسااوقات ایسا کرنے والوں کو شہ دی جاتی ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ ترکی کی ایک مثال ہے کہ جن لوگوں نے مصطفی کمال پر تنقید کی ان کو عوالۂ زنداں کر دیا گیا مگر جن لوگوں نے سلمان رشدی کے افکار و نظریات اور اس کی کتاب کی اشاعت کا اہتمام کیا، ان کی پشت پناہی کی گئی۔ ان کی کوششوں کو سراہا گیا۔ بعض ملکوں میں دعوت اسلامی پر مختلف فرقوں میں منافرت کے خوف سے پابندی ہے لیکن ان ہی ملکوں میں عیسائیت کی اشاعت کے وسائل فراہم کئے جاتے ہیں۔

فرانس کے وزیر تعلیم کا ارشاد ہے کہ فرانس کے ہر ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ ملک کے اندر رائج نظام تعلیم کو اختیار کرے، اسی طرح اس پر یہ بھی لازم ہے کہ ملک کے اندر جو تہذیب و ثقافت رائج ہے اس کو اپنائے۔ کسی قیمت پر بھی اس کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ ایک ہی ملک کے اندر مختلف و متعدد تہذیبیں اختیار کی جائیں۔ خود ہندوستان میں مسلمانوں کو قومی دھارے میں ہم آہنگ ہونے کی دعوت دی جا رہی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ اگر وہ اس ملک میں باقی رہنا چاہتے ہیں تو ان کو ملک کے رسم و رواج اور اس کی عادات و اطوار کو اختیار کرنا پڑے گا۔ یہاں کی عظیم ہستیوں کا اعتراف بھی کرنا ہوگا۔

اسی طرح ہندوستانی مسلمانوں کے سروں پر ایک بھیانک خطرہ کی گھنٹی اور بج رہی ہے جس نے ان کو بے چین کر دیا ہے، وہ یکساں سول کوڈ کا مسئلہ ہے۔ حکومت ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو اس ظالمانہ قانون کی زنجیر میں جکڑ کر شریعت اسلامیہ سے بے دخل کر دیا جائے۔

ان سب کے بعد بھی اس کو حریت، آزادی اور رواداری کا سنہرا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر مسلمان اپنے ملک میں حکومت سے یہ مطالبہ کریں کہ ملک کے تمام مسلمانوں کو شریعت اسلامیہ کے مطابق زندگی گزارنا چاہئے اور اسلامی ثقافت کو اختیار کرنا چاہئے تو ان کے اس مطالبہ کو معاندین اسلام بنیاد پرستی اور کٹر پن قرار دیتے ہیں۔

کیا مذکورہ ساری مثالیں دور جدید کے دو رخے پن پر غمازی نہیں کرتی ہیں کہ اگر مسلمان اپنے دینی شعائر کا مطالبہ کریں تو یہ بنیاد پرستی ہے، لیکن اگر مخالفین اور دین کے دشمن ان کے دین کے اندر مداخلت کرنے کی کوشش کریں اور اپنا دین اور اپنی ثقافت نافذ کرنا چاہیں تو یہ آزادی اور رواداری ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس وقت ساری دنیا نے اس طرز حیات کو اختیار کر رکھا ہے خواہ وہ اسلامی ممالک ہوں یا غیر اسلامی ان کے دو رخے پن، نفاق، مکر و فریب کے نمونے ہر جگہ دیکھنے میں آ رہے ہیں اور یہی دو رخا پن ان کی موجودہ سیاست کا طرۂ امتیاز ہے اور مسلمان اس کے شکار ہیں۔

نعت

ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی

کوئی انسان اتنا معتبر ہو ہی نہیں سکتا

رسولؐ اللہ جیسا دیدہ ور ہو ہی نہیں سکتا
کوئی انسان اتنا معتبر ہو ہی نہیں سکتا

وہ کوئی بھی ہو، کیسا بھی ہو کتنی شان والا ہو
نبیؐ محترم سے خوب تر ہو ہی نہیں سکتا

محمد مصطفیٰ خود پرتوِ نورِ الٰہی ہیں
مقابل ان کے ہوں شمس و قمر ہو ہی نہیں سکتا

مدینہ ہاں وہی آرام گاہِ سرورِ عالم
کوئی اس جیسا بارونق نگر ہو ہی نہیں سکتا

یہ طیبہ ہے یہاں سرکار خود تشریف فرما ہیں
یہاں بددین لوگوں کا گذر ہو ہی نہیں سکتا

نہ مل پائی ہوں جس کو صحبتیں اللہ والوں کی
کبھی وہ اہل دل، اہل نظر ہو ہی نہیں سکتا

گناہوں پر ندامت اور حبِ احمدِ مرسل
کوئی اس سے بڑا زادِ سفر ہو ہی نہیں سکتا

تری ہی خستگی میں کوئی خامی رہ گئی ہو گی
نہ ہو ان کا کرم اے چشمِ تر ہو ہی نہیں سکتا

بجز اللہ کے یہ جان لیں سارے جہاں والے
کسی کے سامنے خم اپنا سر ہو ہی نہیں سکتا

طفیلؔ اس شہر میں بس جا اگر موقع ملے تجھ کو
مدینے سے تو بہتر مستقر ہو ہی نہیں سکتا

مدارس کے ذمہ داروں اور کارکنوں کے لئے سبق آموز واقعات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

انتخاب: مولوی محمد اسمٰعیل ندوی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، حضرت شیخؒ کی علمی و روحانی شخصیت، زہد و ورع، صدق و اخلاص، طاعت و عبادتِ الٰہی میں آپ اپنی مثال ہیں۔ اس کے ساتھ حقوق اللہ و حقوق العباد، اپنے اساتذہ و متعلقین، رفقاء و شرکائے حیات کے ساتھ حسنِ سلوک، فرائض و ذمہ داریوں کو پورا پورا ادا کرنے میں دوسروں کے لئے نمونہ ہے، خصوصاً مدارسِ اسلامیہ کے کارکنوں اور ذمہ داروں کے لئے عبرت و نصیحت کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت شیخؒ نے اپنی آپ بیتی میں بڑے سبق آموز واقعات اور تجربات تحریر فرمائے ہیں۔ جو اصلاحِ حال اور فلاحِ دارین کی غرض سے ہدیۂ ناظرین کئے جا رہے ہیں کہ کسی اللہ کے بندے کو ان اکابر کے اتباع کی توفیق نصیب ہو جائے۔

(ادارہ)

عبرت کے لئے یہ کیا کم ہے

میرے ایک ماموں تھے پروفیسر حافظ محمد عثمانؒ میری والدہ کے حقیقی چچا زاد بھائی علی گڑھ میں پروفیسر تھے۔ غالباً ڈیڑھ ہزار تنخواہ تھی یا کچھ کم ہوگی اس کے بعد پشاور منتقل ہو گئے تھے۔ اور ریٹائر ہونے تک وہیں مقیم رہے مرحوم کو مجھ سے بڑی محبت تھی اور ان کے دو چھوٹے بھائی الحاج ماموں داؤد جو آج کل ایبٹ آباد کے مشہور وکیل ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی الحاج ماموں حکیم یامین صاحب جو آج کل مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے ناظم مالیات ہیں یکے بعد دیگرے ہر ایک مظاہر علوم کے فارغ التحصیل ہیں، ماموں عثمان صاحب مرحوم اس سیہ کار اور اپنے بھائیوں کی وجہ سے علی گڑھ کے قیام میں بھی اور پشاور کے قیام میں بھی تقسیم سے پہلے تک کاندھلہ آتے تو سہارنپور ضرور آتے اور چونکہ واقعی مجھ سے بہت محبت اور شفقت فرمایا کرتے اس لئے گھنٹوں مجھ سے مناظرے بھی کرتے رہتے اور ان کا اصرار تھا کہ عربی طلباء کو عربی کے ساتھ انگریزی ضرور پڑھائی جائے تاکہ معاشی مشکلات سے بے فکری رہے صرف عربی پڑھنے سے جو تنخواہیں ملتی ہیں وہ ناکافی ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ ناکارہ اس وقت بھی اور اب تک بھی عربی کے ساتھ انگریزی یا کسی دوسری تعلیم یا دستکاری و صنعت کا بہت سخت مخالف ہے اس لئے کہ یہ تجربہ ہے کہ دوسری چیزوں میں اشتغال کے بعد عربی تعلیم میں بہت نقصان پہونچتا ہے۔ مگر مرحوم عربی پڑھنے والوں کی مالی بدحالی اور انگریزی پڑھنے والوں کی خوش حالی کو خوب بیان کرتے تھے اسی بناء پر انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی ماموں داؤد کو جن کی عربی علمی استعداد بہت ہی عمدہ تھی اور مولانا عبد الرحمان صاحب سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم نے بھی ۴۵ھ میں مجھے مدینہ پاک میں ان کے متعلق لکھا تھا کہ مولوی داؤد بہت ذی استعداد ہیں۔ ان کو مدرسے میں مدرس رکھا جائے مگر ماموں عثمان مرحوم نے ان کو اپنے نظریہ کے موافق انگریزی پڑھا کر ہم سے کھو دیا۔ ماموں عثمان مرحوم ایک مرتبہ جمعہ کے دن تشریف لائے بارہ بجے کے قریب مجھے غسل کرانے کے لئے ایک فوج مجھ پر مسلط ہوگئی وہ بہت غور سے دیکھتے رہے غسل کے بعد کہنے لگے کہ یہ ٹھاٹھ ہیں، میں نے کہا کہ ہم فقیروں کے کیا ٹھاٹھ ہیں، ٹھاٹھ تو آپ رئیسوں کے ہیں جن کی تنخواہ ڈیڑھ ہزار روپئے ہے۔ کہنے لگے ہم کو نہلانے والے دو بھی نہیں ملتے۔ یہاں دس لپٹ رہے ہیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد کھانے میں شرکت ہوئی اتفاق سے اس زمانے میں میرے بائیں ہاتھ کی انگلی میں کچھ نکل رہا تھا، اس پر پھایہ تو لگا ہوا نہیں تھا البتہ مرہم لگا ہوا تھا اس لئے اس زمانے میں میرے دوست احباب کھانے سے فارغ ہوتے ہی پانی کا لوٹا سلفچی وغیرہ لے کر آتے میں ہاتھ پھیلا دیتا ایک آدمی پانی ڈال دیتا اور دوسرا شخص صابن سے ہاتھ دھو دیتا اور تیسرا جلدی سے تولیہ سے ہاتھ پونچھ دیتا۔ کہنے لگے کہ مولوی زکریا خدا کی قسم تنعم کی بھی کوئی حد ہو تم سے اپنا ہاتھ بھی نہیں دھلتا وہ بھی خدام ہی دھوتے ہیں۔ میں نے کہا ماموں جی! میں تو فقیر آدمی ہوں میری تو ڈیڑھ ہزار تنخواہ بھی نہیں۔ آپ انگریزی پڑھے ہوئے ہیں، ڈیڑھ ہزار تنخواہ ہے، میں انگریزی سے ناواقف ہوں۔ بھلا میں آپ کی کیا کیا حرص کر سکتا ہوں فرمانے لگے ایسی تیسی ڈیڑھ ہزار کی یہاں تو دو آدمی بھی ہاتھ دھلانے کو نہیں ملتے۔ کہنے لگے مجھ کو تخلیہ میں کچھ بات کرنی ہے میں نے کہا آج تو موقع نہیں ملے گا۔ کل صبح کو

اوپر کمرہ میں چلیں گے وہاں بات ہو جائے گی۔ وہاں کمرے میں پہونچتے ہی ایک پنجہ لٹکا ہوا ملا جو لکڑی کا بھی ہوتا ہے تانبے پیتل کا بھی ہوتا ہے۔ ایک لانبی سی ڈنڈی اور اس کی جڑ میں ہاتھ کی انگلیوں جیسے نشان ہوتے ہیں۔ کمر وغیرہ کھجانے میں کام آتا ہے۔ حدیث پاک میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ہے۔

"ومع رسول الله صلى الله عليه وسلم مدرى يحك به رأسه كذا فى المشكوٰة عن الصحيحين"

کہ حضورؐ کے ساتھ ایک مدری (پنجہ) تھا جس سے سر مبارک کو کھجا رہے تھے۔

اس کو دیکھتے ہی ماموں عثمان کہنے لگے کہ یہ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا کہ کمر کھجانے کے لئے ہے اگر کوئی خادم نہ ہو اور خود ہی کھجانا پڑ جائے تو اس سے مدد مل جاتی ہے انھوں نے بہت غور سے اس کو اٹھا کر دیکھا میں نے کہا کہ پسند ہو تو آپ کی نذر ہے، کہنے لگے کہ پسند تو بہت ہے واقعی بڑی اچھی چیز ہے اور تم جیسوں کے لئے تو بہت ضروری جن کے پاس خدام نہ ہوں۔ مگر تم سے لیتے ہوئے غیرت آتی ہے میں نے کہا کہ غیرت کی کوئی بات نہیں۔ میری ڈیڑھ ہزار روپے تنخواہ نہیں ہے جس پر میں یہ کہوں کہ میں دوسری خرید لوں گا لیکن یہ قوی امید ہے کہ جس مالک نے یہ دی ہے وہ اور بھی دیدے گا، آپ اسے شوق سے لے جائیں۔ میں نے بہت ہی اصرار کیا۔ مگر وہ اپنے دل چاہنے کے باوجود نہ لے گئے، نہ معلوم کیا غیرت آئی لیکن مرحوم سے یہ مناظرہ آخر تک رہا۔ ان کا وہی فقرہ مختلف عنوانات سے کہ دنیا دار الاسباب ہے، اور میرا وہی ایک جواب کہ مقدر سے زیادہ کہیں نہیں مل سکتا۔ میں نے ان سے بارہا یہ بھی کہا کہ آپ سے کہنے کی تو بات نہیں، اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔ تمہاری ڈیڑھ ہزار تنخواہ اور میری ضابطہ میں صرف ۳۵ روپیہ تنخواہ ہے، وہ بھی کبھی ملتی ہے اور کبھی نہیں۔ مگر آپ خود ہی ملاحظہ فرمائیں کہ انشاء اللہ یہ ناکارہ مالی حیثیت اور راحت و آرام کے اعتبار سے آپ سے کہیں زیادہ ہے۔ کہنے لگے کہ تمہاری اور بات ہے۔ اس پر ہر ایک کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے کہا کہ اور بات ہے اس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا میں نے ان سے کئی مرتبہ یہ بھی کہا کہ آپ ہی سوچئے! کہ ایک کتا آپ کے دروازہ پر پڑ جائے، آپ کے مکان کی حفاظت کرے اور ہر آنے والے پر بھونک کر تنبیہ کرے تو کیا آپ کی غیرت تقاضہ کرے گی کہ اس کو کوئی ٹکڑا نہ ڈالیں۔ آپ مجبور ہوں گے کہ دسترخوان کی بچی ہوئی روٹی، ہڈی اس کو ضرور ڈالیں۔ تو مالک الملک رب العالمین جس کے ایک لفظ کن میں دنیا کے سارے خزانے ہیں اس کے دروازہ پر کوئی شخص اس کے کام کی نیت سے اخلاص سے بغیر خود غرضی کے اس کے دین کی خدمت کے واسطے پڑ جائے تو کیا وہ اپنے خدمت گار کو بھوکا ننگا رکھ سکتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں ساری دنیا سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہیں۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ آپ کی غیرت تو تقاضہ نہ کرے کہ وہ کتا بھوکا رہ جائے اور اللہ جل جلالہٗ کی غیرت اس کا تقاضہ کر سکتی ہے کہ اس کے دین کی خدمت کرنے والا بھوکا رہ جائے؟ یہ ناممکن ہے اور جن اکابر کے یا سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کے واقعات ہوئے ہیں وہ اختیاری خود مانگے ہوئے ہیں اور رئیس محبوب، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات تو خود مصرح ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں ترمذی شریف، مسند احمد کے حوالے سے حضرت امامہ رضی اللہ عنہ کے واسطے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ پیش کش فرمائی کہ اگر تم چاہو تو مکہ کے سارے جنگلوں، سنگستانوں کو سونا بنا دیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ یا اللہ مجھے نہیں چاہئے۔

میں چاہتا ہوں کہ ایک دن شکم سیر ہو کر کھاؤں اور ایک دن فاقہ کروں، تاکہ جس دن بھوکا رہوں آپ کے آگے دست سوال پھیلاؤں عاجزی کروں اور آپ کو یاد کروں۔ حضورؐ کی مشہور دعا ہے: اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتاً۔ اے اللہ میری اولاد کی روزی بقدر کفایت عطا فرما۔ اسی کی وجہ سے سادات عموماً مالدار نہیں ہوتے الا ماشاء اللہ۔ مشکوٰۃ شریف کی ایک دوسری طویل روایت میں نقل کیا گیا ہے کہ اگر میں چاہوں تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ہر جگہ پھرا کریں، اللہ تعالیٰ کی اس میں بڑی ہی حکمتیں ہیں۔

رپورٹ

مولانا عبداللہ عباس صاحب معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت صدر مجلس، حضرات اراکین انتظامیہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مدظلہ کے ایما سے دارالعلوم کی تعلیمی رپورٹ میں آپکی خدمت میں پیش کر رہا ہوں،

اعداد و شمار:۔

اس سال دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا جو اس احاطہ کے اندر پڑھتے ہیں ان کی تعداد دو ہزار ہے۔ ندوہ کا دوسرا کیمپس بہٹ مئو ہے جو یہاں سے گیارہ کیلومیٹر پر واقع ہے، وہاں بھی ایک وسیع مسجد درسگاہ اور دارالاقامہ ہے سردست وہاں ٢١٥ طلبہ کی رہائش اور تعلیم کا انتظام ہے، طلبہ کی مجموعی تعداد پانچ سو ہے اس کے علاوہ ندوہ کے انتظام اور اس کے خرچ پر چلنے والے شہر کے مکاتیب ہیں جن کی تعداد بیس٢٠ کے قریب ہے۔ ملحقہ مدارس جہاں ندوہ کا مکمل نصاب پڑھایا جاتا ہے، اور ندوی فضلا، انتظام و تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں وہ مشرقی مغربی یوپی، راجستھان، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، بہار اور بنگال میں قائم ہیں ان مدارس کی تعداد ٨٦ ہے، ان میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب ہے، ان مدارس میں دارالعلوم تاج المساجد، جامعہ کاشف العلوم اورنگ آباد، جامعہ اسلامیہ بھٹکل، جامعہ ہدایت جے پور میں عالمیت تک مکمل تعلیم ہوتی ہے، تمام ملحقہ مدارس میں امتحانات ندوہ کی سرپرستی میں ہوتے ہیں، اور جہاں تک ان مدارس میں درجات قائم ہیں ان کے آخری درجہ کا امتحان دارالعلوم میں ہوتا ہے، جس کے بعد وہ ندوہ کی اس مرکزی درسگاہ میں قبول کر لئے جاتے ہیں، بیرون ملک میں نیپال میں مدرسہ نور الاسلام میں عالیہ ثالثہ یعنی عالمیت کے ایک درجہ نیچے تک کی تعلیم ہوتی ہے اور رائے بریلی، سیوان، بہار، جودھپور راجستھان اور لکھنؤ میں واقع مدارس میں عالمیت کے دوسرے سال تک کی تعلیم ہوتی ہے، ملیشیا کے صوبہ صباح میں بھی ندوہ کے نصاب و منہج پر ایک مدرسہ اپنا کام کر رہا ہے، اس وقت اس مرکزی احاطہ کے اندر جو طلبہ ہیں وہ اکثر ہندوستان ہی کے تمام صوبوں سے آئے ہوئے ہیں، بیرون ملک کے طلبہ میں نیپال، تھائی لینڈ، ملیشیا، انڈونیشیا، کے طلبہ ہیں، عرب ممالک میں اب صرف یمن و قطر کے طالب علم رہ گئے ہیں، کیوں کہ بعض ممالک نے طلبہ کو طویل المیعاد پاسپورٹ نہیں دیا، اور بعض کو ہندوستانی سفارتخانوں نے ویزے نہیں دیئے، دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرنے کے خواہشمند متعدد عرب ممالک کے طلبہ ہیں مگر قانونی رکاوٹوں سے وہ یہاں آنے سے معذور رہتے ہیں، نیز یہ کہ ندوہ بھی ان کے معیار کے مطابق دارالاقامہ اور مطبخ کا بار نہیں اٹھا سکتا۔

معیار تعلیم:۔ آپ کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ اس وقت دارالعلوم کا معیار تعلیم بہت قابل اطمینان اور لائق شکر ہے، طلبہ میں استعداد بڑھانے کا عام ذوق ہے، مرکزی کتب خانہ جو علامہ شبلی نعمانیؒ کے نام سے موسوم ہے ملک کے بڑے کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے اور اوقات درس کے علاوہ رات میں بھی کئی گھنٹے کھلتا ہے جہاں مطالعہ کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے، اس کے علاوہ طلبہ کی انجمن الاصلاح کے دو بازو ہیں سلیمانی و شبلی دونوں میں عام اسلامی و ادبی ثقافت کو غذا پہنچانے والی کتابوں پر مشتمل کتب خانہ ہیں جن میں تحقیق و بحث کے لئے حدیث، رجال، فقہ و ادب کے نصوص اور ان کے مراجع بھی ہیں، کلیۃ الشریعہ کا اپنا کتب خانہ ہے جس میں تمام مراجع موجود ہیں کلیۃ الادب کا علیحدہ کتب خانہ ہے۔ اس کے علاوہ دارالافتا، والقضاء کا علیحدہ اور عربی انجمن النادی العربی کا علیحدہ کتب خانہ ہے اسی طرح معہد القرآن کے طلبا کی اپنی انجمن الاصلاح اور اس کا اپنا مختصر سا کتب خانہ ہے۔

جگہ کی تنگی:۔ دارالعلوم کی مسجد جو شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے اور جس کی دو مرتبہ توسیع ہو چکی ہے وہ ناکافی ہو گئی ہے اور مجبوراً پنج وقتہ جماعت معہد القرآن کے دونوں ہالوں اور ثانویہ کی عمارت میں ہوتی ہے، جمعہ کو شامیانے لگائے جاتے ہیں کہ تمام طلبہ آسکیں وہ بھی ناکافی ہوتا ہے تو شمال کی جانب فرش پر صفیں بچھا دی جاتی ہیں، تعلیم گاہیں بھی بہت ناکافی ثابت ہو رہی ہیں کیوں کہ ایک ایک درجہ کے متعدد سیکشن قائم ہیں۔

طلبہ مقیمین کی تعداد بڑھانے کے لئے نہ تو درسگاہوں میں گنجائش ہے اور نہ دارالاقاموں میں، ہر سال ایک کثیر تعداد میں درخواستیں

آتی ہیں جن کی معذرت کرنی پڑتی ہے، دوسرے مدارس اور جامعات کے فارغ التحصیل طلبہ جو کلیۃ الادب میں داخلہ چاہتے ہیں، ان کی استعداد کے مطابق اور عام طور پر عالیہ ثانیہ میں ان کو قبول کیا جاتا ہے۔

تعمیرات:۔ تعمیراتی کاموں میں امسال ایک نئے دارالاقامہ کا اضافہ ہوا ہے جو ابھی مکمل طور پر تیار نہیں ہوا ہے، دو منزلیں تیار ہو چکی ہیں اور ان میں طلبہ قیام پذیر ہیں۔ اس کا نام سابق ناظم ندوۃ العلماء مولانا حکیم سید عبدالحی رحمہ اللہ کے نام پر رواق عبدالحیؒ تجویز ہوا ہے، بعض اہل خیر کی مدد سے ایک مستقل عمارت کلیۃ الادب کی زیر تعمیر ہے۔

تالیف و تحقیق:۔ تالیف بحث و تحقیق کے سلسلہ میں یہ بات اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ ادب و تاریخ ادب میں چند سال پہلے تک ندوہ مصر و شام کی تالیفات سے فائدہ اٹھا رہا تھا مگر اب خود ندوہ کے دو فاضل استاد مولانا سید محمد رابع حسنی اور مولانا واضح رشید ندوی نے تمام ادوار پر مشتمل مکمل تاریخ ادب عربی کا نصاب تالیف کر دیا ہے اور ادب کی ابتدائی کتاب قصص النبیین القراءۃ الراشدہ سے لیکر مختارات، منثورات، مختار الشعر العربی اور نحو و انشاء کی اونچی کتابیں ندوہ ہی میں تالیف ہوئیں اور اس سلسلہ میں ندوہ خود کفیل ہے اور عرب ممالک کے فضلاء اور ماہرین فن نے ان کا علمی و ادبی معیار تسلیم کیا ہے، سعودی عرب کی وزارت تعلیم نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی مدظلہ کی تالیف مختارات تدریس و مطالعہ کے لئے منظور کیا ہے

جس طرح السیرۃ النبویہ اور ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین تمام سرکاری اور غیر سرکاری کالجوں میں مطالعہ کے لئے منتخب کی گئیں ہیں اور آخر الذکر کتاب کو اس مرتبہ کی شمار ہوتی ہے جس کو پڑھے بغیر کوئی عرب نوجوان ثقافتِ اسلامیہ سے مکمل طور پر واقفیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ الازھر اور جامعۃ القاہرہ میں اس پر علمی بحثیں اور مذاکرے ہوئے ہیں۔ اس کے بیس سے زیادہ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ دارالعلوم کے اساتذہ جو تحقیقی و علمی کام کر رہے ہیں ان میں سر دست ڈاکٹر محمد لقمان الاعظمی ندوی کی کتاب دراسات فی الحدیث النبوی جو سعودی عرب کی بعض کلیات میں داخل نصاب ہے اور اس کا اردو ترجمہ مولانا شمس الحق ندوی نے کیا ہے اب وہ عنقریب کتابی شکل میں سامنے آجائے گا، اسی طرح مولانا ابوسحبان روح القدس ندوی نے تہذیب الاخلاق مؤلفہ حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کی عربی میں ایک شرح کی ہے جس کا نام روائع الأعلاق فی شرح تہذیب الاخلاق ہے جس کو سعودی عرب کے ایک مؤسسہ نے طباعت کے لئے منظوری دیدی ہے، سطور بالا میں صرف ان علمی خدمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ندوہ کے اندر سال دو سال سے جاری ہیں

انہی میں ابن اثیر کی الطوال الغرائب پر تحقیقی و علمی کام عرصہ سے جاری تھا، امید ہے کہ سال کے اختتام تک مکمل ہو جائے گا۔ اس کتاب سے علاوہ دینی معلومات اضافہ اور حدیث نبوی سے مناسبت کے ساتھ یہ فائدہ بھی ملحوظ ہے کہ عربی کے مفردات و غرائب اور ان کے استعمالات کو بتانے کے لئے ہمارے قدیم نصاب میں مقامات حریری وغیرہ پڑھائی جاتی تھی وہ فائدہ احادیث نبویہ سے اٹھایا جائے جو اصل مقصد اس زبان کو پڑھنے پڑھانے کا ہے۔

ندوہ میں الحمدللہ عربی ادب کو صرف کتاب و سنت کے خادم ہونے کی حیثیت سے داخل نصاب کیا گیا تھا اور اس پر توجہ زیادہ دی گئی تھی وہ اب برگ و بار لا رہی ہے۔

ندوہ نے اصلاح نصاب کی جو تحریک شروع کی تھی اور ایک وقت تک نامانوس رہی اب اس کی افادیت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ اور اس کی قدر دانی اور اعتراف میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے خواہ حوالہ دیکر یا بغیر حوالہ دیئے ہوئے۔

دیگر علمی سرگرمیاں:۔ دارالعلوم کے احاطہ میں تعلیم گاہ اور اقامت گاہوں کے علاوہ اس کے دیگر شعبے بھی اپنا کام کر رہے ہیں جس میں قابل ذکر المجمع العلمی الاسلامی (مجلس تحقیقات و نشریات اسلام) ایک سرگرم ادارہ ہے اس کی مطبوعات کی تعداد ڈھائی سو تک پہنچ چکی ہے جو اردو انگریزی عربی اور ہندی زبانوں میں ہیں، ادارہ صحافت و نشریات سے البعث الاسلامی اور الرائد عربی میں، تعمیر حیات اردو میں وقت کی پابندی کے ساتھ نکل رہے ہیں، البعث الاسلامی ان تمام مجلات و رسائل کے درمیان جو عربی زبان میں برصغیر ہند و پاک سے نکلتے ہیں ایک امتیازی مقام حاصل کر چکا ہے اس کے مقالات و آراء دوسرے علمی و ادبی ماہناموں میں، نقل ہوتے ہیں ان کی تعداد اشاعت اس طرح ہے، ماہنامہ البعث ۳۵۰۰، الرائد پندرہ روزہ ۳۵۰۰، تعمیر حیات پندرہ روزہ اردو ۵۵۰۰ ہے، یہ تعداد اشاعت بہت نہیں ہے۔

لیکن اگر ان کا موازنہ برصغیر اور غیر عرب ملک سے نکلنے والے مجلات سے کیا جائے تو بہت قابل شکر ہے خاص طور پر اس لئے کہ ان کا حلقہ اشاعت مسلسل ترقی پذیر ہے۔ اور تعلیم یافتہ طبقہ کا اس کی طرف رجحان ہے۔

رابطہ الادب الاسلامی اگرچہ ایک عالمی ادارہ ہے اور اس کا آرگن ریاض سے "الادب الاسلامی" اور ترکی سے "ادب اسلام" مراکش سے "المشکاۃ" نکلتے ہیں۔ مگر چونکہ غیر عرب ملک میں اس کا سینٹر لکھنؤ ہے۔ اور اس کے صدر حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء اور سکریٹری مہتمم صاحب دارالعلوم ہیں! اس لئے ندوہ ہی اس کا مستقر ہے اور کاروانِ ادب

کے نام سے ایک معیاری اردو سہ ماہی دوریہ ــــــــــــ نکل رہا ہے۔ اس کے ۴ شمارے اب تک نکل چکے ہیں، جن حضرات کو اسلامی ادب کی ایک عالمی تحریک سے دلچسپی ہے وہ ان مجلات دوریات کے اپنے زمانہ قیام میں ہے ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

مسلم پرسنل لائنے اصلاح معاشرہ کے نام سے جو تحریک شروع کی ہے اس کا دفتر بھی دارالعلوم کے احاطہ میں قائم ہے۔ دارالقضاء الشرعی کلیۃ الشریعہ کے ماتحت مصروف عمل ہے اس کی مستقل عمارت بن چکی ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب تعلیم کی روشنی میں ادب، نحو، انشاء کی جہاں کتابیں اسی نکر کے مطابق تیار ہو چکی ہیں، اسی کے ساتھ یہ بھی قابل شکر بات ہے کہ تمام شعبہ ہائے دارالعلوم کلیۃ الشریعہ، کلیۃ الادب، معہد القرآن معہد الدعوۃ والارشاد اور بھی تمام بڑی اور امہات کتب، فقہ، حدیث، تفسیر کی تدریس بھی ندوی فضلاء انجام دے رہے ہیں۔

ٹیچر ٹریننگ کا نظم:- سال رواں کی تعلیمی پیش رفت میں ایک قابل ذکر بات مدرسہ تربیۃ المعلمین کا قیام ہے عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ دارالعلوم سے فارغ ہونے والے طلبہ کو تدریس کی ٹریننگ دی جائے اور ہر مرحلہ کے استادوں کے لئے ایک نصاب تعلیم ہو۔ اور طلبہ تدریس کی مشق اساتذہ کی نگرانی میں کریں طلبہ کو پڑھانے کی تربیت دی جائے۔ چنانچہ اس سال ۲۳ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ کو اس شعبہ کا افتتاح عمل میں آیا۔ معتمد تعلیم نے ایک مکمل لائحہ عمل اور درسی اور عملی مشقوں کا پروگرام پیش کیا۔ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مدظلہ نے رہنمائی اور آپ کے بتائے ہوئے خطوط میں اور دعا سے اس عملی کام کی ابتدا ہوئی۔

۲۴ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ سے ۹ صفر تک اساتذہ کو تربیتی درس دیئے گئے اور انھوں نے معہد دارالعلوم میں تین ہفتے ایک ہفتہ مہیت مئو میں اور ایک ہفتہ مدرسہ مظہرالاسلام بلوچپورہ میں پڑھانے کی مشق کی ابتدائی مرحلہ کے اسا[illegible]ہ کی ٹریننگ تھی جس میں صرف، نحو، اور [illegible] تھیڈ عربی پڑھانے کی مشق کرائی گئی اور ابتدائی درجات میں تفسیر و فقہ کی کتابوں کے پڑھانے کے اصول بتائے گئے۔ اس تربیتی پروگرام میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ملحقہ مدرسہ جامعہ کاشف العلوم اورنگ آباد کے دو اساتذہ اور ایک استاد مدرسہ مظہرالاسلام کے اور دو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ابتدائی درجات کے مدرسین شریک ہوئے۔ ثانوی درجات کے لئے نصاب چھ ہفتوں میں ختم ہوگا۔ اور اعلیٰ تعلیم کے لئے آٹھ ہفتوں کے پروگرام تیار کئے گئے ہیں جو اس سال انشاء اللہ مکمل ہوں گے۔ یہ ابتدائی کام ہے اور یہ انشاء اللہ آئندہ تعلیمی سال سے یہ ایک مستقل مدرسہ ہوگا جس میں ایک سال کا تربیتی نظام قائم کیا جائے گا، سردست اس کے لئے نہ کوئی دفتر قائم کیا گیا ہے نہ تعلیم کا کوئی حصہ مخصوص ہے۔ حسب ضرورت انتظامات ہوتے رہیں گے۔

تعمیری ضروریات:- تعمیری و ترقیاتی اسکیموں میں ہماری اشد ترین ضرورت ایک قاعۃ المحاضرات (آڈوٹوریم) کی ہے جس میں ایک ہزار نشستوں کا انتظام ہو۔ وہ وسائل کی کمی کی وجہ سے اب تک نہیں تیار ہوا ہے۔ آپ کی دعاؤں اور توجہات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کام اولین فرصت میں انجام دلائے۔

دوسری ضرورت مرکزی مسجد کی مزید توسیع کا کام ہے جس کا نقشہ تیار ہو چکا ہے، مالی وسائل کی کمی پوری ہو جائے تو اس توسیع کا کام شروع کیا جائے۔

مالی وسائل کے ساتھ افراد کی کمی بھی قابل شکوہ ہے اور یہ شکایت ہر جگہ ہے۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ اب تک اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کی سرپرستی میں کام کو جس قدر وسیع کر رہا ہے اسی قدر مزید خدمتوں کے میدان کھل گئے ہیں۔ نت نئے قسم کی ضروریات اور توسیع کے تقاضے سامنے آ رہے ہیں۔ وسائل کی کمی کے باوجود اللہ تعالیٰ حسن نیت اور عزم راسخ کے ساتھ آپ کے خدام کو یہ توفیق دے کہ وہ آگے بڑھیں اور منصوبہ خدمات انجام دیں۔

یہ ایک اجمالی خاکہ ہے جس میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی موجودہ صورتحال کو پیش کیا گیا۔ آخر میں ہم اپنی جانب سے، اساتذہ اور کارکنان کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

موت کی یاد

ابوحامد لفافؒ کہتے ہیں کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد کرے اس کے اوپر تین چیزوں کا اکرام ہوتا ہے (۱) توبہ جلدی نصیب ہوتی ہے (۲) مال میں قناعت میسر ہوتی ہے۔ (۳) عبادت میں نشاط اور دلبستگی پیدا ہوتی ہے اور جو شخص موت سے غافل رہتا ہے اس پر تین عذاب مسلط کئے جاتے ہیں (۱) گناہ سے توبہ میں تاخیر ہوتی رہتی ہے (۲) آمدنی پر راضی نہیں ہوتا (اس کو) کم ہی سمجھتا رہتا ہے چاہے کتنی ہی ہو جائے۔ (۳) عبادت میں سستی پیدا ہوتی ہے۔

(تنبیہ الغافلین)

رپورٹ

دارالعلوم ندوۃ العلماء [illegible]

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مہتمم صاحب دارالعلوم کی رپورٹ جو جلسۂ انتظامی منعقدہ ۱۶ر جولائی ۱۹۹۵ء مطابق ۱۶ر صفر ۱۴۱۶ھ میں پیش کی گئی۔ (ادارہ)

حضرات! گذشتہ جلسہ مجلس انتظامی اور حالیہ جلسہ مجلس انتظامی کی درمیانی مدت میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مرکزی حکومت کے تحقیقاتی ادارہ کی طرف سے ۲۱-۲۲ر نومبر ۱۹۹۴ء کی درمیانی شب میں ۲ بجے دبے پاؤں مسلح چھاپہ کا افسوسناک واقعہ پیش آیا وہ آپ حضرات سے مخفی نہیں ہے، اس کی تفصیلات آپ حضرات کو اخبارات و ریڈیو کے ذریعہ پہونچی ہوں گی، ہم اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار بار شکر ادا کرتے ہیں کہ وہ بدگمانی و الزام جو ہمارے پرامن علمی و تعلیمی ادارہ پر عائد کیا جارہا تھا بے اصل بلکہ بالکل الٹا ثابت ہوا، دشمنوں کی کوشش یہ تھی کہ ندوۃ العلماء کو ایک ملک دشمن اور تشدد پسند ادارہ کی حیثیت سے ظاہر کیا جائے لیکن ثابت یہ ہوا کہ یہ ادارہ جو کہ گہوارۂ علم و دین اور مرکز تحریک انسانیت ہے، اس کے باوجود اس کے پرامن ماحول کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا، سنجیدہ اور معصوم بچوں کو گولیاں لگیں اور طلباء تو طلباء سارے شہر بلکہ صوبہ اور ملک کے مسلمانوں کے جذبات سخت مجروح ہوئے، اور اگر ندوہ کے ذمہ داروں نے مسلمانوں کے جذبات کو قابو میں رکھنے کی تلقین نہ کی ہوتی اور ان کو منضبط رہنے کے لئے بار بار نہ کہا ہوتا تو بات بہت خراب ہو جاتی اور وہ دل جو بابری مسجد کے ظالمانہ انہدام اور حکومت کی ظالمانہ بے توجہی کی وجہ سے بے چین چلے آرہے تھے دینی و اسلامی مدارس کے ساتھ اس سلوک کو برداشت کرنے سے قاصر رہتے، لیکن حکومت نے عقل سے کام لیا اور جلد ہی اس غیر عاقلانہ کارروائی کو سنبھالنے کی کوشش کی، اولاً صوبائی حکومت نے توجہ کی اور صوبہ کے وزیر اعلا ملائم سنگھ یادو صاحب نے فوراً وقت نکال کر ندوہ کے وفد کی بات سنی، اس کارروائی سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے فوراً تلافی کا وعدہ کیا جس کو شام تک عمل میں لے آیا گیا، وعدہ کے تین گھنٹہ کے اندر گرفتار طلبہ چھوٹ کر واپس آگئے شام تک پولیس کے کئی عہدہ دار جو اس واقعہ میں ملوث ثابت ہوئے معطل کر دیئے گئے، اور زخمی طلباء اور ٹوٹ پھوٹ کی تلافی کے لئے رقم کی پیشکش کر دی گئی، صوبائی حکومت نے مرکز سے اس چھاپہ کے سلسلہ میں شکایت بھی کی، دوسری طرف حکومت میں اثر و رسوخ رکھنے والی مسلمان شخصیتوں نے وزیر اعظم اور وزیر داخلہ سے بار بار رابطہ قائم کیا اور ان کو اس زیادتی کے نتائج بد سے آگاہ کیا، کرناٹک اور آندھرا میں الکشن چل رہا تھا، چھاپہ کی خبروں نے وہاں کے مسلمانوں میں بھی بے چینی پیدا کی جس کے نقصان کا احساس مرکزی ذمہ داروں کو بھی ہوا، بہر حال مرکزی حکومت نے اپنے سینیئر داخلہ سکریٹری کو تحقیق کے لئے بھیجا اس کی تحقیق سے مرکزی تحقیقاتی ادارہ کی غلطی ثابت ہوئی، چنانچہ مرکزی حکومت نے بھی کارروائی کی، اور واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا، دارالعلوم ندوۃ العلماء واقعہ کی دھمک سے دو روز بند رہا، پھر حسب معمول اس میں تعلیمی نظام جاری ہو گیا، ذمہ داروں نے محسوس کیا کہ اندھیری رات میں جب کہ عموماً سب سونا پڑا ہوا تھا، پولیس کے اس مسلح حملے کے نتیجہ میں جمع ہو جانے والے طلباء غصہ میں آکر ایک ڈھیلا ہی پولیس پر چلا دیتے یا پولیس کے گھیرے کو توڑنے کی کوشش میں ٹکراؤ کا طریقہ اختیار کرتے جیسا کہ تمام دنیا کے تعلیمی اداروں کا چلن ہے تو پھر پولیس کیا کرتی یہ بتانا مشکل ہے، جبکہ نہ کرنے پر بھی گولی چلائی گئی، خطرہ تھا کہ دوسرے دن اخباروں اور ریڈیو پر موٹی موٹی خبریں ہوتیں کہ ندوہ کے لڑکوں اور پولیس میں لڑائی، پولیس کے اتنے آدمی زخمی ہوئے، اتنے دہشت گرد پکڑے گئے، اور ندوہ کو دہشت گردی کا اڈا قرار دیدیا جاتا اور پھر وہ سب ہوتا جو ٹاڈا اور میسا جیسے ضوابط کے جھنڈے کے نیچے ہوتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا کرم و رحمت تھی کہ اس نے ندوہ کو ظالم و دہشت گرد کے الزام سے بچا دیا، ندوہ تو اپنے ہم مقصد اداروں میں نسبتاً ایک بڑا ادارہ ہے اس کی شہرت بگاڑ دیئے جانے کے بعد، برادری کے چھوٹے ادارے سب خطرہ میں آجاتے۔ اللہ تعالیٰ نے سب پر فضل فرمایا، مسلمانوں کے یہ ادارے دینی و ملی لحاظ سے ملت اسلامیہ ہندیہ کے جسم میں دینی و اسلامی خون دوڑانے کا ذریعہ ہیں، حکومت سیکولر ہونے کے باعث دینی درسگاہوں کی سرپرستی نہیں کر سکتی چنانچہ یہ ادارے ملت اسلامیہ کے اسلامی تشخص و بقاء کے لئے ضروری ہیں اور ان کی تعداد زیادہ بھی نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کے چندوں پر چلنے کی وجہ سے تنگدامانی کے ساتھ چلتے رہیں، ہندوستان کا دستور اس کی اجازت دیتا ہے، مسلمانان ہند کا جمہوری حق ہے کہ ان اداروں

کو باقی رہنے دیا جائے لیکن مسلم دشمن فرقہ پرستی ان کے خلاف سازش کرتی رہتی ہے اور خود اپنے مذہبی ادارے ہندو مذہب کے نام سے اسلامی مدرسوں کے مقابلہ میں کئی گنا قائم کئے ہوئے ہے اور یہ تعداد بڑھتی جاتی ہے

مسلمانوں کے ان اداروں میں سے مشہور ادارے خاص طور پر دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء انگریزوں کی غلامی کے دور میں بدیسی حکومت کے ظالمانہ رویہ کے اثر سے ملک کو بچانے کے لئے اور ملت اسلامیہ کے مذہب اور ثقافت کی حفاظت کے لئے قائم ہوئے تھے، آج ان کو سو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں، ان کی وطن دوستی اور جنگ آزادی میں قیمتی تعاون کوئی مخفی امر نہیں ہے، دارالعلوم دیوبند کے فرزندوں نے آزادی کی لڑائی کے لئے زبردست قربانیاں دیں، ان میں سے متعدد حضرات نے بدیسی طاقت کے ظلم کو اپنے دیگر ہم وطن بھائیوں سے زیادہ جھیلا اور پھر آزادی ملنے پر اس کا صلہ بھی نہیں طلب کیا اور آزاد حکومت سے اپنے تعلیمی نظام کو چلانے کے لئے کوئی مالی مدد لی، ندوۃ العلماء کے فرزندوں اور ذمہ داروں نے بھی برطانی حکومت کی زیادتیوں کو برداشت کیا، اس کے بعض ذمہ داروں کو ہجرت کرکے حجاز چلا جانا پڑا، ۴۲ء کے موومنٹ (۱۹۴۲ء) میں بھی اس کے فرزندوں نے حصہ لیا اور پھر آزادی کے بعد حکومت سے کوئی دنیاوی و مادی فائدہ نہیں حاصل کیا حتی کہ اپنی سند کو بھی تسلیم کرانے کی کوشش نہیں کی، ندوہ کی تعلیم اور معیار کو ملک کے باہر کئی ملکوں کی وزارت تعلیم نے تسلیم کیا وہاں کی یونیورسٹیوں نے اور خود ہندوستان کی متعدد یونیورسٹیوں نے ندوہ کی اسناد کو تسلیم کیا۔ لیکن حکومت نے توجہ نہیں کی ندوہ نے شکایت بھی نہیں کی۔

یہ ادارے اپنی شاندار تاریخ اور بین الاقوامی شہرت کی بناء پر ملک کے لئے فخر و عزت کا باعث تھے لیکن ملک کی مسلم دشمن، فرقہ پرور پارٹیوں کے سیاسی تگ و دو سے حکومت متاثر ہوتی رہی، بابری مسجد کے انہدام کے بعد اسلام دشمن طاقتوں کا نشانہ مسلمانوں کا دینی تعلیمی نظام بنا اور حکومت کے ذمہ داروں کی طرف سے وہ بے توجہی رہی جو بابری مسجد کے انہدام کے موقع پر ہوئی، یوپی کے بے شمار دینی ادارے حکومت کے تحقیقاتی ادارہ کے کارکنوں کی طرف سے پریشان کئے جانے لگے، کسی پر یہ الزام لگایا جاتا کہ یہاں پاکستان کے جاسوس آکر چھپے ہیں، کسی پر یہ الزام لگتا کہ یہاں سے کشمیر کو دہشت گرد بھیجے جاتے ہیں کسی پر یہ الزام لگتا کہ مسلمانوں کو دہشت گردی کی یہاں ٹریننگ دی جاتی ہے، یہاں دہشت گردی کا سامان ہے، پھر چھوٹے اداروں سے بڑھ کر توجہ دیوبند اور ندوہ کی طرف ہوئی، پہلے تو یہ سوال ہوا کہ آپ کے یہاں بنگلہ دیشی جو پڑھنے آتے ہیں وہ کون ہیں کیا ہیں؟ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ باہر سے آپ کے روابط کیا ہیں؟ اسی درمیان میں چند اغوا کاروں نے چار غیر ملکیوں کو دہلی میں اچانک یرغمال بنا لیا، پولیس نے پتہ چلا کر سہارنپور میں ایک مکان پر چھاپہ مارا اور ان کو چھڑا لیا، لیکن اغوا کاروں نے گولی چلا کر ایک پولیس افسر کو ختم کر دیا اور خود بھاگ گئے، پولیس نے چھان بین کرکے بعض کاغذات اور کتابیں پکڑیں، ان پر جو نام دیکھے جو نشان دیکھے اس پر تحقیق شروع کر دی، دیوبند کے بھی بعض طلباء کو تحقیق کے لئے لے گئے، ندوہ بھی تحقیق کے لئے آئے، انھوں نے جو نام بتائے ندوہ کے دفتر نے ان ناموں کو رجسٹروں میں دیکھ کر جو نام ملتے جلتے ملے تحقیقاتی ذمہ داروں کو ان کی حقیقت اور براءت بتائی اور وہ مطمئن ہو کر چلے گئے، وہ ندوہ کے ذمہ داروں کے رویہ سے بظاہر مطمئن ہوئے اور اظہار بھی کیا کہ ان کے لئے یہاں اب کوئی تلاش و شبہ کی بات نہیں ہے، لیکن اس کو دس روز بھی نہیں گذرے تھے کہ رات کو دو بجے چھاپہ ڈالا گیا، جو بعد میں معلوم ہونے والی معلومات کی رو سے تیس چالیس گاڑیوں کے قافلے کے ذریعہ تھا، ندوۃ العلماء کے وسیع خطہ کو گھیر لیا گیا، پھر مرکزی پھاٹک زبردستی کھلوا کر پولیس اور تحقیقاتی افراد چوکیدار کو اپنے ساتھ لے کر ٹھیک ایک کمرہ پر خاموشی سے جا پہنچے وہ کمرہ ۲ اطہر ہاسٹل دوسری منزل میں تھا وہاں دروازہ کھلوانے بلکہ طاقت کے زور سے کھولنے کی کوشش کی، اندر چھ لڑکے تھے، اتنی دیر رات میں دروازہ کھلوانے سے سہم گئے تھے، انھوں نے نہیں کھولا اور خاصی دیر لگائی، لیکن جب پولیس نے دروازہ توڑنے کی کوشش کی اور کھڑکیوں کے شیشے توڑ کر سنگینیں دکھائیں، تو ان بچوں نے دروازہ کھول دیا، دروازہ کھلتے ہی پولیس کے لوگ اندر داخل ہو گئے، کتابیں اور کاغذات سمیٹ کر بوروں میں بھرے اور لڑکوں کو ہتھکڑی لگا کر فوراً لے جانے لگے، اتنی دیر میں دیگر کمروں اور ہوسٹلوں سے طلباء اور نگراں پہونچ گئے جن کو پولیس نے بہت روکا لیکن وہ یہ کہتے رہے کہ ہمارے بھائیوں کو آپ کس جرم میں پکڑ کر لے جا رہے ہیں، ذمہ داروں سے تو پوچھ لیجئے اور راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اس پر پولیس نے گولیاں چلائیں جو عام طور پر دیوار میں لگیں، لیکن بعض گولیاں ایسی چلائی گئیں کہ وہ سیدھی گئیں اور کئی لڑکوں کو لگیں جو زخمی ہو گئے، اس کی وجہ سے لڑکے ذرا ہٹے اور پولیس والے گرفتار لڑکوں کو لے گئے وہاں اپنے خاص دفتر میں صبح تک رکھ کر ہر طرح دریافت کرتے رہے، ان کا کہنا تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی لڑکا خورشید رہتا ہے یا رہتا تھا، انھوں نے بتایا کہ ہمارے کمرے میں برسوں سے اس نام کا کوئی لڑکا نہیں رہا ہے اور ہم لوگ کسی بھی غلط کام سے دور ہیں، مذہبی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ہمارے بڑے ہم کو انسانیت کی خدمت کی تعلیم دیتے ہیں چنانچہ "پیام انسانیت" تحریک کا دفتر بھی یہاں قائم ہے،

جس کے صدر ہمارے ناظم اعلیٰ مولانا علی میاں صاحب ہیں جو جگہ جگہ ہندو مسلم میل ملاپ، ملک کی سالمیت اور امن کے فروغ کی تلقین کے لئے جلسے کرتے ہیں جس میں ہندو مسلم سکھ عیسائی سب شریک ہوتے ہیں آپ لوگ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں اور پریشان کر رہے ہیں، لیکن وہ پوچھتے رہے اور سختی کے بعض اشارے بھی دیئے، لڑکوں نے بتایا کہ اتنے میں آرڈر آگیا اور ہم کو صوبائی پولیس نے ندوہ پہونچا دیا، لڑکے نیند سے اٹھا کر لے جائے گئے تھے، تہمدوں اور بنیائنوں میں تھے، اس حالت میں دوپہر کے وقت واپس آئے، شہر میں خبر چونکہ آگ کی طرح پھیل گئی تھی، اس لئے مسلمان عوام و خواص کثرت سے ندوہ میں جمع ہو چکے تھے، اور مسلمانوں کا اور طلباء کا اشتعال بڑھتا جارہا تھا، جس کو تھامنا مشکل ہو رہا تھا، طلباء کے صحیح و سالم آجانے سے اشتعال میں کمی آئی۔

رات کے واقعہ کے وقت میں اتفاقاً ندوہ کے مہمان خانہ میں تھا، اچانک دروازہ تیز کھٹکھٹانے کی آواز آئی کھولنے پر ایک طالب علم گھبرا گھبرا کر کہہ رہا تھا، پولیس آگئی ہے اور لڑکوں کو مار رہی ہے اور کچھ نہیں بتاتی کہ کیوں؟ میں نے فوراً دیگر رفقاء سے رابطہ قائم کیا، معلوم ہوا کہ معتمد تعلیم صاحب اور نائب مہتمم صاحب کو بھی معلوم ہو گیا ہے اور وہ گھر سے باہر آگئے ہیں، نائب مہتمم صاحب کی رہائش گاہ چونکہ اس کمرے سے قریب تھی وہ شور سنکر اس کے قریب بھی پہونچ گئے تھے، لیکن پولیس نے ان سے بدتمیزی کی اور آگے نہیں جانے دیا، ابھی اتنی ہی بات ہوئی تھی کہ پولیس کی گولیوں کی آوازیں آئیں اور یہ محسوس ہوا کہ یہاں یقیناً کئی لاشیں گر گئی ہوں گی اب ایک ہی تدبیر رہ گئی تھی کہ حکومت سے ربط رکھنے والے جو بھی ہمارے واقف کار ہیں ان سے فوراً رابطہ قائم کیا جائے، چنانچہ اقلیتی کمیشن کے چیرمین احمد حسن صاحب، وزیر اوقاف محمد اعظم خاں صاحب اور شہر کے بعض حکام رس حضرات جیسے ڈاکٹر یونس نگرامی صاحب و دیگر لوگوں کو بتایا گیا اور متوجہ کیا گیا، ان حضرات نے واقعی تعاون کیا، چیرمین صاحب اور وزیر اوقاف صاحب کی کوششوں کے نتیجہ میں وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ صاحب سے ندوہ کے وفد کو ملنے کا وقت مل گیا، جبکہ وہ انتخابی دورے پر کرناٹک جارہے تھے دو گھنٹے رک گئے اور وفد نے ملاقات کی، وفد میں معتمد تعلیم مولانا عبداللہ عباس صاحب اور میں تھا، ڈاکٹر یونس نگرامی بھی ساتھ تھے، ملائم سنگھ صاحب سے میری براہ راست بات ہوئی اور انھوں نے واقعہ کی سنگینی کو بلا تردد تسلیم کیا اور کہا بلا تاخیر جو کیا جا سکتا ہے میں کرتا ہوں، اور بتایا کہ یہ مرکز سے آئی ہوئی پارٹی نے کیا ہے، مجھ سے چھپایا گیا، سکریٹری داخلہ سے انھوں نے میرے سامنے دریافت کیا کہ تمہارے علم سے یہ ہوا انھوں نے کہا کہ مرکز سے تحقیقی ادارہ کے لوگوں کا آنا اور مدد کے لئے پولیس طلب کرنا میرے علم میں آیا تھا اور یہ معمول کے مطابق ہوتا ہے، لیکن یہ کہ کہاں کارروائی کرنا ہے مجھ کو نہیں بتایا گیا، بہرحال ملائم سنگھ صاحب کی طرف سے توجہ کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ مسئلہ کے روک تھام میں جلدی ہو گئی، ملائم سنگھ صاحب نے کہا کہ طلباء کو مرکزی لوگوں نے پکڑا ہے اور وہ ان کو اپنی کسی مخصوص جگہ پر لے گئے ہیں ہم کوشش کرتے ہیں کہ ان سے ان کو واپس حاصل کیا جائے چنانچہ ان کی یہ کوشش بھی موثر ہوئی اور طلباء دوپہر سے قبل ندوہ واپس آگئے، واپسی کے قبل کئی گھنٹہ تک وہ تحقیقی عمل میں رہے تھے، ان کو خوف و دہشت کی آوازیں بھی سنائی گئیں کہ وہ ڈر کر کوئی ایسی بات کہہ دیں جو ان لوگوں کے مطلب کی ہو، لیکن ان کو کوئی ایسی بات نہیں مل سکی، چنانچہ انھوں نے کہا کہ ہم جس کی تلاش میں آئے تھے وہ نہیں ملا، اب تم کسی ایسے لڑکے کا نام بتاؤ جو دہشت گردی کرتا ہو، طلباء نے کہا کہ ایسا کوئی طالب علم ہمارے یہاں نہیں ہے ہم کیسے بتا سکتے ہیں، انھوں نے کہا کچھ تو بتاؤ، بہرحال کسی دوسرے مرحلے کے شروع ہونے سے قبل طلباء کو واپس کرنے کی کوشش کامیاب ہو گئی صوبائی تحقیقی ادارہ کے لوگوں اور مقامی پولیس کے افسروں سے ملاقات پر جب میں نے ان سے کہا کہ ہمارے دفتر نے اور ہم نے آپ کو تحقیق کے موقع پر پورا تعاون دیا، حکومت کی طرف سے اگر کسی بات کی تحقیق جمہوری طریقہ سے ہوتی ہے تو ہم برابر تعاون دیتے ہیں، لیکن آپ لوگوں نے یہ حرکت کیوں کی جو چوروں اور ڈاکوؤں کو پکڑنے کے لئے کی جاتی ہے، انھوں نے کہا کہ مرکزی پارٹی نے ہم کو مجبور کیا، بہرحال جو بھی ہو یہ بات ضرور ہے کہ صوبہ کی حکومت نے اصلاح حال میں تیزی دکھائی اور فوراً ہمدردی کی۔

ندوۃ العلماء کے اس واقعہ کی گونج صرف ہندوستان ہی نہیں ساری دنیا میں ہوئی، کثرت سے فیکس، تار ہمدردی اور غصہ کے وصول ہوئے جو مرکزی حکومت کو بھی بھیجے، ہندوستان اور بیرون ہند کے اخباروں نے بھی لکھا، اور سب نے حکومت کے اس فرقہ وارانہ انداز کی مذمت کی، پارلیمنٹ میں آواز اٹھائی گئی، اس کا یہ اثر ہوا کہ بعض مرکزی وزیر فون پر اور بعض بنفس نفیس آکر حضرت ناظم صاحب مدظلہ سے ملے اور افسوس کا اظہار کیا، اور صوبائی وزیروں میں سے بہت سے وزیروں نے آکر پرسہ دیا اور ہمدردی کی، ملائم سنگھ صاحب بھی کرناٹک کے دورے سے واپسی پر حضرت مولانا سے ملنے آئے، اور انھوں نے یہ بھی بتایا کہ میں نے ہدایت کر دی ہے کہ کسی بھی تعلیمی ادارہ میں پولیس بغیر سربراہ ادارہ کی اجازت کے نہ داخل ہو اور ہمدردی کا اظہار کیا مرکز کے اہم وزیروں نے بھی یقین دہانی کی، ان باتوں کا الحمدللہ یہ اثر ہوا کہ ملک کے وہ چھوٹے چھوٹے ادارے جہاں برابر تحقیق کے لئے حکومتی لوگوں کی آمد ہوتی تھی، اس پریشانی سے محفوظ ہو گئے، اور ندوہ میں بھی تحقیق کے لئے بار بار آنے کا سلسلہ فی الحال موقوف ہوا۔

مسئلہ کے سلسلہ میں ذہنوں کو درست بنانے کے لئے بھی کوشش کی گئی تاکہ مسلم دشمن فرقہ پرور طاقتیں

جو غلط فہمیاں اور جھوٹ پھیلاتی رہتی ہیں، ان کا علاج ہوسکے، اس کے لئے حضرت ناظم صاحب مدظلہ نے پریس کانفرنس بلائی جس میں انھوں نے پہلے تو تقریر فرمائی پھر سوالات کے جواب دیئے، اس سے فائدہ یہ ہوا کہ اخبارات نے دوسرے روز اس کو دیا، اس کے علاوہ سیاسی رہنماؤں اور صحافیوں کا ایک اجتماع کیا جس میں مختلف تقریریں ہوئیں ان تقریروں میں جناب ناظم صاحب مدظلہ کی بنیادی تقریر ہوئی، پھر کانگریس کے لیڈر تیواری صاحب، کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر نیڈا احمد صاحب نے سماج وادی پارٹی کے لیڈر اور وزیر نے اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے مشیر قانونی سید صہد المنان ایڈوکیٹ صاحب نے اور کچھ میں نے عرض کیا، سب نے ندوہ کو سراہا اور واقعہ کی مذمت کی اور معاملہ کی وضاحت کی، اس کی تفصیلات بھی اخبارات میں آئیں، پھر مسلم پرسنل لا بورڈ کے عاملہ کے اجتماع منعقدہ دہلی میں مسئلہ پر بحث ہوئی اور آئندہ کے لئے تدارک اور تدابیر پر غور کرنے اور کام کرنے کے لئے ایک مجلس عمل بنائی گئی، جس کے داعی ندوہ ہی کے استاد مولانا سلمان حسینی ندوی منتخب ہوئے اور تمام بڑے مدارس اسلامیہ دینیہ کے نمائندے اس میں لئے گئے، ملی کونسل کا اجتماع بھی انہی دنوں تھا، اس میں بھی غور ہوا اور کمیٹی کی تائید و توثیق ہوئی۔ پھر کمیٹی نے ایک جلسہ ندوہ میں بلایا، جس میں پروگرام طے ہوا کہ مدرسوں کے ذمہ دار وقتاً فوقتاً ایسے اجتماعات رکھا کریں جن میں اہل شہر کے مختلف طبقات کے سربرآوردہ حضرات کو بلائیں تاکہ مدرسہ کی حقیقت حال اور اہمیت سے وہ واقف ہوں اور کسی بھی خطرے کے موقع پر ان سے تائید و مدد ملے، اور ضرورت پڑنے پر ذمہ داران حکومت کو بتایا کریں کہ کیا صحیح ہے کیا غلط ہے، اس طرح مسلم دشمن، فرقہ پرور طاقتوں کو ناکام بنانا آسان ہوگا، کیونکہ غیر مسلموں میں بھی ایسے حضرات کی کمی نہیں ہے جو حقیقت جاننے کے بعد اچھا رویہ اختیار کرسکتے ہیں۔

اس سے قبل شروع واقعہ ہی میں جب حضرت ناظم صاحب مدظلہ سے مرکزی وزراء نے رابطہ قائم کیا تھا تو انھوں نے جعفر شریف صاحب کو ایک طاقتور اور مؤثر خط لکھا تھا، اور لکھا تھا کہ یہ خط وزیر اعظم صاحب کو دکھادیں، اس کے علاوہ مولانا عبدالکریم ...ب پاریکھ نے براہ راست بھی اور حکومت کے ... اشخاص کے ذریعہ جن میں مہاراشٹر کے سابق وزیر اعلیٰ عبدالرحمٰن انتولے اور مرکزی وزیر جعفر شریف خاص طور پر قابل ذکر ہیں، انھوں نے وزیر اعظم اور وزیر داخلہ کو متوجہ کیا، ان حضرات کی کوششوں کا بھی اچھا اثر پڑا، چنانچہ جناب ناظم صاحب مدظلہ جب مسلم پرسنل لا بورڈ کی عاملہ میں دہلی تشریف لے گئے تھے، وزیر اعظم سے ملاقات کا نظم ہوا اور جناب ناظم صاحب نے صریح اور صاف الفاظ سے اس طرح کی کارروائیوں کی شناعت بتائی اور اپنی اور مسلمانوں کی ناگواری بتائی، وزیر اعظم صاحب نے معذرت اور افسوس کا اظہار کیا اور کارروائی کا وعدہ کیا، انہی دنوں داخلہ سکریٹری وی کے جین صاحب کی بنیادی رپورٹ پہونچ گئی تھی، لہٰذا اسی دن شام تک مرکز نے بھی متعلقہ افسران کے خلاف ایک کارروائی کی۔

واقعہ کے سلسلہ میں بہت سے لوگوں نے ہمدردی اور قیمتی تعاون دیا، ان سب کے نام گنانا مشکل ہے ہم ان سب کے شکرگذار ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا۔ اور ہمارے دلوں میں ان کی قدر و شکر گذاری رہے گی۔

تعمیر حیات میں واقعہ کے سلسلے میں تفصیلات شائع ہوچکی ہیں وہ ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

(بقیہ)

پیام انسانیت فورم کا جلسہ

باہری دنیا کا تأثر بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جب میں پہلے بیرون ملک جاتا تھا تو ہمارے ملک کی تصویر بہت اچھی تھی۔ اور یہاں کے لوگوں سے بیرون ملک کے لوگ متاثر ہوتے تھے، لیکن جب سے ہندو مسلم منافرت، آپسی جھگڑوں کی آگ تیز ہوئی ہے تب سے ہمارے ملک کی روشن تصویر مسخ ہوکر رہ گئی ہے۔ اس بات کو حاضرین جلسہ خصوصیت کے ساتھ بھارتیہ جنتا پارٹی اور وشو ہندو پریشد کے نمائندگان نے سراہا ہے۔ جلسہ کو مولانا سید مرتضیٰ صاحب خطاب کرتے ہوئے اپنی تقریر میں ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت پر زور دیا اور فرمایا کہ آئندہ آپ پیام انسانیت کے سلسلہ میں جو بھی پروگرام کریں گے ہم لوگ یقینی طور سے شریک ہوں گے۔

مولانا محمد اسحاق حسینی ندوی نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ جو ہندو یا مسلمان آپسی نفرت کو بڑھاتا ہے اور انسان انسان میں فرق کرتا ہے وہ پکا مجرم ہے۔ اسے میں نہ تو سچا ہندو سمجھتا ہوں اور نہ سچا مسلمان دراصل ایسے لوگ انسانی شکل میں درندے ہیں، انھیں سزا دینی چاہیئے۔

جلسہ میں سماج وادی پارٹی، کمیونسٹ پارٹی کانگریس، بہوجن سماج پارٹی کے اہم لیڈران اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے سابق ایم۔ ایل۔ اے، وشو ہندو پریشد کے بھی لیڈر شریک ہوئے۔ اور پیام انسانیت کے مشن کو عام کرنے کا عہد کیا۔

جلسہ میں مذکورہ سیاسی جماعتوں کے علاوہ علاقہ کے سبھی شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے حضرات موجود تھے جلسہ کی صدارت سناتن دھرم کے مہنت نے کی، نظامت ڈاکٹر انور حسین خاں نے کی اور جناب اخلاق حسین خاں نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا، یہ جلسہ تبلیغی جماعت کے خاص رکن مولانا محمد شریف صاحب کی پُر اثر دعا پر ختم ہوا۔

عیسائیوں کے مقدس شہر روم میں ایک عظیم اسلامی مرکز کا قیام

رپورٹ : مطیع الرحمٰن عوف ندوی

۱۹ رجون ۱۹۹۵ء کو اٹلی کی راجدھانی روم میں یورپ کے سب سے بڑے اور خوبصورت اسلامی مرکز کا افتتاح ہوا یہ یورپ کے اندر اسلامی ثقافت و تمدن کا سب سے بڑا اور عالیشان مرکز ہے جو تیس ہزار مربع میٹر پر پھیلا ہوا ہے قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس عظیم اسلامی مرکز کے لئے آراضی خود حکومت اٹلی نے خاص طور سے مسجد کے لئے ۱۹۷۵ء میں فراہم کی تھی۔ اس کے علاوہ حکومت نے مسجد اسٹریٹ کے نام سے ۹۰۰ میٹر لمبی سڑک بھی بنوائی ہے، جس کے مصارف کا اندازہ ۱۵ ملین ریال لگایا گیا ہے۔ یہ مرکز ایک مسجد (جو دو ہزار نمازیوں کے لئے کافی ہے اور اس کا وسیع بیرونی صحن بھی دو ہزار نفوس کی گنجائش رکھتا ہے) اور اس کے ساتھ ایک مدرسہ اور لکچر ہال (جس میں پانچ سو افراد کی گنجائش) کے علاوہ دفاتر، مہمان خانہ میوزیم اور پارک وغیرہ پر مشتمل ہے، چونکہ ویٹیکن سٹی عیسائیوں کا مقدس ترین شہر ہے۔ اور عیسائیوں کے سب سے بڑے روحانی پیشوا اور مذہبی رہنما کا مسکن بھی ہے اس شہر کی اس تقدیس کی بنا پر دنیا کے کونے کونے سے ہر سال سیکڑوں لوگ سیاحت کے لئے آتے ہیں۔ اس طرح یہ عظیم مرکز عالمی آبادی کے لئے اسلام کی نشر واشاعت کا ایک اہم ذریعہ ہوگا۔

اٹلی کی راجدھانی روم میں اس مرکز کی افتتاحی تقریب سرکاری انداز میں منائی گئی اور تثلیث کے قلب میں توحید کے مرکز کی افتتاحی تقریب کے موقع پر بذات خود اٹلی کے صدر اوسکر لوجی اسکالوارو اور امیر سلمان بن عبدالعزیز بحیثیت نمائندہ خادم الحرمین شریفین شریک ہوئے

اس مبارک تقریب میں رابطہ عالم اسلامی کا ایک وفد اس کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر احمد محمد علی اور شیخ سلیمان عقیل جنرل سکریٹری مساجد کونسل کی قیادت میں شریک ہوا۔ ایک رپورٹ کے مطابق اس مرکز کی تعمیر میں ۵۰ ملین امریکی ڈالر کا صرفہ آیا ہے جس میں ایک خطیر رقم یعنی ۱۷۰ ملین ریال تنہا سعودی حکومت نے دئے ہیں۔ اس عالی شان مرکز کی تعمیر میں تقریباً بیس سال کا عرصہ لگا ہے۔

اگرچہ اٹلی کی سب سے بڑی آبادی کیتھولک عیسائیوں کی ہے جن کا مرکز روم ہے جو ویٹیکن سٹی کے نام سے مشہور ہے تاہم ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ یہاں کا دوسرا سب سے بڑا مذہب اسلام ہے اور اٹلی کی ۶ کروڑ کی آبادی میں مسلم آبادی چھ لاکھ پچاس ہزار ہے۔ روم کے اندر تعمیر ہونے والا یہ عظیم الشان خوبصورت مرکز ان مرکزوں میں سے ایک ہے جو حکومت سعودی عرب کی تحریک اور مالی تعاون سے دنیا کے مختلف حصوں میں ادھر جلد ہی قائم کئے گئے ہیں اس سے قبل میڈرڈ میں تقریباً ۲۵ ملین امریکی ڈالر کی لاگت سے ایک مرکز اسلامی کا قیام عمل میں آچکا ہے نیز یورپ کے مقدس ترین شہر جنیوا میں بھی ایک مرکز حال ہی میں قائم ہوا ہے امید ہے کہ اس سے مذہبی رواداری کو فروغ ہوگا۔ اور دونوں مذاہب کے ماننے والوں میں مفاہمت اور تعاون کی علامت ثابت ہوگا۔!

نبی اکرمؐ کے بعض عوارضِ بشریتؐ کے ظہور کی حکمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مثل دوسرے انسانوں کے شدائد جھیلنے کا اتفاق ہوا ہے تاکہ آپ کا ثواب بہت زیادہ ہو اور درجات بلند ہوں چنانچہ آپکو مرض بھی لاحق ہوا اور درد وغیرہ کی بھی شکایت ہوئی اور آپ کو گرمی وسردی کا بھی اثر ہوا۔ اور بھوک پیاس بھی لگی۔ اور آپؐ کو (موقع پر) غصہ بھی آیا اور انقباض بھی ہوا اور آپ کو ماندگی و خستگی بھی ہوئی اور کمزوری و بیماری بھی ہوئی اور سواری پر سے گر کر خراش بھی آئی اور جنگ اُحد میں کفار کے ہاتھ سے آپ کے چہرے اور سر مبارک میں زخم بھی ہوا۔ اور کفار طائف نے آپ کے قدم مبارک کو خون آلود بھی کیا، آپ کو زہر بھی کھلایا گیا۔ اور آپؐ پر جادو بھی کیا گیا۔ آپ نے دوا بھی کی۔ پچھنے بھی لگوائے۔ جھاڑ پھونک کا بھی استعمال کیا اور اپنا وقت پورا کر کے عالم بالا سے ملحق ہوگئے۔ اور اس دار الامتحان والبلاء سے آزاد ہو گئے (اگر یہ جسمانی تکلیف نہ ہوتی تو شاید کسی کو آپؐ پر الوہیت کا شبہ ہو جاتا) اس کے علاوہ آپ کے تمام حالات و واقعات زندگی سبق آموز ہیں تاکہ مصائب میں آپ کی اُمت کے لئے تسلّی کا سبب ہو کہ جب سید الانبیاء کو بھی تکلیف پہنچی ہے تو ہم کیا چیز ہیں اور یہ عوارض مذکورہ صرف آپ کے عنصری جسد شریف پر بوجہ مشارکت نوعی کے طاری ہوتے تھے، رہا آپؐ کا قلب مبارک سو وہ تعلق بالخلق سے منزہ و مقدس اور مشاہدہ حق میں مشغول تھا کیونکہ آپؐ ہر آن ہر لحظہ اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے، اللہ تعالیٰ ہی میں مستغرق اور اللہ تعالیٰ ہی کی معیت میں تھے حتیٰ کہ آپؐ کا کھانا پینا پہننا۔ حرکت و سکون۔ بولنا۔ خاموش رہنا سب اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے اور اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے تھا، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وَمَا ينطق عن الهوىٰ إن هُوَ إلا وحيٌ يوحىٰ (اور آپ نفسانی خواہش سے کچھ نہیں بولتے یہ سب وحی ہے جو آپؐ پر نازل کی جاتی ہے)

(نشر الطیب)

ایک مطالعہ

تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم

پروفیسر وصی احمد صدیقی

چوتھی و آخری قسط

حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ نے شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کو بیعت کرنے کے بعد تحریری اجازت نامہ بھی حوالہ کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ اس اہم ذمہ داری سے کیسے عہدہ برآ ہوں گے۔ خواجہ فردوسیؒ نے اطمینان دلایا کہ یہ معاملہ اشارۂ غیبی ہے۔ رخصت کیا اور فرمایا کہ راستہ میں اگر کوئی خبر سننے میں آئے تو واپس نہ ہوں۔ ایک ہی دو منزل طے کی تھی کہ حضرت کے انتقال کی خبر ملی لیکن حسب ہدایت لوٹے نہیں۔ جب آپ بہیا پہنچے اور مور کی آواز سنی تو دل میں ایک ہوک اٹھی، جنگل کی راہ لی اور روپوش ہو گئے۔

آپ ۱۲ برس تک بہیا کے جنگل میں رہے اور آپ کو راجگیر کے جنگل میں بھی دیکھا گیا۔ یہ بارہ برس کا عرصہ ریاضات و مجاہدات و خلوت و مراقبہ، تحیّر و سرگشتگی اور بے خودی اور سرمستی میں کٹا۔

اس زمانہ میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ایک خلیفہ جو بہار میں رہتے تھے ان کو ملاقات کا شوق ہوا۔ وہ اور بہت سے معتقدین جنگل میں جا کر ان سے ملتے تھے مگر جنگل کی خطرناکی سے حضرت کو فکر ہوئی۔ اس کا حل ڈھونڈھا گیا۔ چنانچہ بیرون شہر جہاں آج آپ کی خانقاہ ہے وہاں دو چھپّر ڈالے گئے۔ آپ جمعہ کی نماز پڑھ کر وہاں نشست فرماتے، پھر مولانا نظام الدین (خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ) نے مجد الملک صوبیدار بہار سے اجازت لے کر ایک پختہ عمارت بنوا دی۔ مولانا نظام الدین اور حضرت خواجہ کے مریدین کے اصرار پر سجادہ پر تشریف لائے اور فرمایا:۔

"دوستو! تمہاری نشست و برخاست نے مجھے اس بت خانہ میں بٹھایا۔"

سلطان محمد تغلق نے صوبہ دار بہار کے نام فرمان لکھا کہ شیخ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی جائے اور پرگنہ راجگیر فقراء خانقاہ کے خرچ کے لئے ان کے حوالہ کیا جائے۔ اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی قبول کرایا جائے۔ صوبیدار بہار کی عافیت کی خاطر حضرت نے اس کو قبول کر لیا۔

۷۲۴ھ سے ۷۸۲ھ تک (جس میں آپ کی وفات ہوئی) کا زمانہ خلق خدا کی ہدایت و ارشاد اور طالبین کی تعلیم و تربیت میں گزرا۔ اس کا ذریعہ حضرت کی مجالس ہوتی تھیں اور دوسرا ذریعہ آپ کے مکتوبات تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے علاوہ شاید کسی اور نے اپنے زور قلم سے ایسا عظیم الشان، انقلاب انگیز اور دیرپا کام نہیں کیا۔ خانقاہوں میں ان کا درس دیا گیا اور شیوخ کبار نے ان کی تشریح کی۔ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی ان میں ایسی ہی تاثیر و زندگی موجود ہے۔

صفات و خصوصیات

آپ کی نمایاں صفت جو آپ کا مزاج بن گئی تھی وہ صفت نیستی اور فنائیت ہے۔ آپ کے مکتوبات کے لفظ لفظ سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا تھا:۔

"آخر ما جیب تمنّا نہی"

فرمایا کہ میری آرزو ہے کہ نہ اس دنیا میں میرا نام و نشان رہے نہ اس دنیا میں، ایک مکتوب میں اپنے حال اور کیفیت کا اس طرح اظہار کیا ہے:۔

"اے بھائی جو کوئی ہر لحظہ اپنے آپ پر ماتم اور آہ و فغاں نہیں کرتا وہ ایک مدعی ہے جو قیامت سے غافل ہے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں لکھا ہے:۔

"جب کہ تو نے یا اپنے مولا کے دروازہ پر حلقہ زن ہے تو منی کو منی اور تمام دعاوی سے پاک و صاف ہونا چاہئے۔ اگر تو ہزاروں شاہانہ تاج بھی اپنے سر رکھ لے لیکن جو خاک کی اصلیت ہے یعنی چہرہ گدائی اور رنگ بے نوائی اس کو تو کیا کرے گا۔ گرد پانی سے دھل جایا کرتی ہے لیکن اصلی رنگ و روپ پانی سے نہیں دھلتا۔"

اس فنائیت کا قدرتی اور لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مدح و ذم خلائق آپ کے حق میں یکساں تھے؎

گرفتار کمند خوبرویاں
نہ از مدحت خبردار و نہ از ذم

آپ کرامت کے اظہار سے بیزار تھے، اور شکستگی اور بینوائی ظاہر کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص کسی کام یا کسی حاجت کے لئے مدد طلب کرتا تو اس کو میراں جلال دیوانہ کے سپرد کر دیتے۔

علوئے اخلاق

صاحب مناقب اصفیا نے لکھا ہے: "اخلاق شیخ شرف الدین مانند اخلاق نبی بود"۔ ایک مکتوب میں آپ نے لکھا ہے: "جو کوئی شریعت کی پیروی میں جتنا راسخ زیادہ ہے اتنا ہی خوش خلق زیادہ ہے اور جو جتنا خوش خلق زیادہ ہے بارگاہ خداوند تعالیٰ کا محبوب زیادہ ہے۔"

رحمت و شفقت

آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ خود آپ کی تفسیر ہے: "اس کی رحمت

دشفقت کا آفتاب ہر ایک پر چمکتا ہے۔ خود نہیں کھاتا۔ لوگوں کو کھلاتا ہے۔ خود نہیں پہنتا لوگوں کو پہناتا ہے اپنے اوپر ظلم کرنے والے کا شفیع ہوتا ہے۔ وہ شفقت میں آفتاب کی طرح ہوتا ہے کہ جس طرح دوست پر چمکتا ہے اسی طرح دشمن پر۔ تواضع میں زمین کی طرح ہوتا ہے کہ تمام مخلوق اس پر پیر رکھتی ہے۔

اس مزاج کا یہ نتیجہ تھا کہ اگر کسی کے متعلق گناہ یا کوتاہی کے متعلق اطلاع ملتی تو اس کی تاویل فرماتے ایک دن ایک شخص نے آگے بڑھ کر امامت کی اور آپ نے اس کے پیچھے نماز پڑھی۔ کسی نے آپ سے عرض کیا کہ یہ شخص شرابخوار ہے۔ آپ نے کہا ہر وقت نہیں پیتا۔ لوگوں نے کہا ہر وقت پیتا ہے فرمایا رمضان میں نہیں پیتا ہوگا۔

دنیا سے بے لوثی و بے تعلقی

آپ نے بہار کے صوبیدار کو محمد تغلق کے عتاب سے بچانے کے لئے جو جاگیر بادل ناخواستہ قبول کر لی تھی وہ فیروز تغلق کے عہد میں واپس کر دی۔ پھر خانقاہ کی تعمیر سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔

علوئے ہمت

ایک خط میں بڑے ولولہ انگیز طریقہ پر علوئے ہمت کی تعلیم دیتے ہیں تو کتنا ہی پست ہمتی ہمت کو بلند رکھ بھائی۔ مردوں کی ہمت کے بوجھ کو آسمان و زمین عرش و کرسی، بہشت و دوزخ نہیں اٹھا سکتے۔

امر بالمعروف اور مسلمانوں کے حالات و معاملات کی فکر

آپ شاہان وقت سے کبھی کبھی خط و کتابت فرماتے اور ان کو عدل گستری، مظلوموں کی حمایت اور حفاظت کی طرف متوجہ کرتے۔ ایک شخص کے مال کے تلف ہونے پر آپ نے سلطان اشرف فیروز شاہ کو خط لکھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کبار کی چند حکایتوں اور احادیث نقل کرنے کے بعد جو ظالموں اور مظلوموں کے متعلق ہیں تحریر فرمایا: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک گھڑی کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"

اس راہ کے سالکین اپنے مقامات میں جس قدر ترقی کرتے ہیں ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور اتباع کامل کی اہمیت کا انکشاف اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کہہ دیجئے (اے رسول) کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ بھی تم کو دوست رکھے گا۔"

وفات

چہارشنبہ کا دن تھا اور ۵ رشوال ۷۸۲ھ کی تاریخ میں حاضر خدمت ہوا۔ بہت سے لوگ جمع تھے آپ نے زبان مبارک سے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ لوگوں سے بھی اسے کہلوایا۔ پھر حضرت نے یہی پڑھنا شروع کیا اور حاضرین سے بھی اسے پڑھنے کو کہا۔ چاشت کے بعد اللہ کی حمد و ثنا میں مشغول ہوئے، باآواز بلند الحمد للہ کہنے لگے۔ فرماتے تھے خدا نے کرم کیا۔ پھر حجرے سے صحن میں تشریف لائے پھر حاضرین میں ہر ایک کی طرف اشارہ کیا اور ہر ایک کے ہاتھ اور داڑھی کو بوسہ دیا۔ پھر شعر پڑھا

خدایا رحمتت دریائے عام است

از انجا قطرئے بر ما تمام است

حاضرین سے کہا کل تم سے سوال کریں تو کہنا "لا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰه" لائے ہیں۔ اس اثنا میں بہت سے لوگ آئے۔ ہر ایک سے توجہ اور محبت کا اظہار کیا۔ تین مرتبہ کلمہ طیبہ کا ورد فرمایا پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے۔ دعا پڑھی پھر آواز بند ہو گئی اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔ یہ واقعہ ۶ رشوال ۷۸۲ھ عشاء کی نماز کے وقت کا ہے۔ اگلے روز نماز چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی۔ یہ بیان شیخ زین بدر عربی کا ہے۔ نماز جنازہ شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے پڑھائی۔ قبر کچی ہے اور اس کے اوپر کوئی گنبد نہیں ہے۔

اولاد و اعقاب

مخدوم کی صلبی اولاد کا سلسلہ ایک پوتی سے جاری ہے۔ آپ کے صاحبزادے شاہ ذکی الدین نے آپ کی حیات ہی میں ایک لڑکی بارکہ نام چھوڑ کر قضا کی۔ اس لڑکی کا بیاہ شیخ نجیب الدین فردوسی کے بھتیجے سے ہوا۔ ان کی اولاد اور مخدوم صاحب کے بھائیوں سے خاندانی سلسلہ چلا۔

حضرت کے مریدوں کی تعداد بے حد کثیر تھی حضرت کثیر التصنیف بزرگوں میں تھے لیکن بہت سی تصنیفات ضائع ہو گئیں۔ آپ کی سب سے بڑی یادگار اور آپ کے علوئے مرتبت اور مقام تحقیق و اجتہاد کا سب سے بڑا مظہر آپ کے مکتوبات ہیں۔ ان مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے محققین و عارفین کے علم و فکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہے۔ یہ مکاتیب زور قلم، حسن بیان اور انشاء کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ بعض اہل دل کے کلام میں جو غیر معمولی حلاوت اور قوت ہے وہ ان کے روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اندرونی کیفیت اور سرمستی کا نتیجہ ہے۔ خواجہ میر درد نے اس پورے گروہ کی ترجمانی کی ہے ؎

جائیے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ

کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

مکتوبات

کتاب کا سب سے مشہور اور متداول مجموعہ وہ ہے جو قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسا کے نام کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں ۱۰۰ مکاتیب ہیں اور اس کے مرتب حضرت مخدوم کے معتمد خاص شیخ زین بدر عربی ہیں۔ دوسرا مختصر مجموعہ مکتوبات جوابی

کے نام سے علاحدہ شائع ہوا ہے۔ اس میں ۲۸ مکاتیب ہیں۔ تیسرے مجموعہ کے مکتوب الیہ بہت سے لوگ ہیں۔ اس میں ۱۵۳ مکتوبات ہیں .... یہ مکتوبات صرف ذہانت، وفورِ علم اور غور و مطالعہ کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اس کے ذاتی تجربات اور ذوق ولقین کا نتیجہ ہیں۔

خدا کے علوئے بارگاہ، شانِ بے نیازی، اس کی کبریائی، جلال و جمال، مومن کا خوف ورجا، عارفین اور واصلین بارگاہ کے ناز وگداز، سرور واندوہ، دریائے رحمت کی طغیانی، توبہ وانابت الی اللہ کی ضرورت پر جو کچھ لکھا گیا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی محرمِ راز اور آشنائے حقیقت لکھ رہا ہے۔ اسی طرح مرتبہ انسانیت کی رفعت و بلندی، قلب انسانی کی عظمت محبت کی قدر وقیمت، انسان کی بلند پروازی، دور رسی، مشکل پسندی اور عنقا طلبی کے متعلق جو طاقتور مکتوبات لکھے گئے ہیں وہ اعلیٰ ترین تحریریات میں شامل ہونے کے قابل ہیں۔ اہل طریقت کی جن غلطیوں پر تنبیہ کیا گیا ہے اور شریعت کی ضرورت، تکالیف شرعیہ کے ہمیشہ باقی رہنے، نبوت کی ولایت پر ترجیح اور مقام نبوت کی عظمت کے متعلق جو کچھ تحریر ہوا ہے اس کی قدر وقیمت اور افادیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس عصر اور ماحول کا جاننا ضروری ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کا تمام تر کارنامہ یہی نہیں ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے باشندوں کو خدا کا راستہ دکھایا، معرفتِ الٰہی اور تعلق مع اللہ کی ضرورت واہمیت دل نشیں کی۔ ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشق الٰہی اور خدا طلبی کی حرارت پیدا کر دی اور سلوک ومعرفت کے اسرار ونکات اور لطیف اور بلند علوم کا اظہار فرمایا بلکہ دوسرے مصلحین کی طرح ان کا یہ عظیم وروشن کارنامہ ہے کہ انھوں نے بروقت دین کی حفاظت کا فرض انجام دیا۔ مسلمانوں کے دین وایمان کو غالی صوفیوں کی بے اعتدالیوں، ملحدین کی تحریفات اور باطنیت اور زندقہ کے اثرات سے محفوظ رکھا اور ان مغالطوں کا پردہ چاک کیا جو بداعتقاد صوفیوں، جاہل مشائخ، فلسفہ و باطنیت سے متاثر اشراقیین کی دعوت وتبلیغ سے عوام پر اثر انداز ہوتے تھے۔

اب میں حضرت کے چند ہندی دوہوں پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

شرفا بھنکامت پھرے اور جت مت کرے اداس
سائیں بے سر پیر میں کر جیوں پھولن میں باس

شرفا گور ڈراونی اور تس اندھیاری رات
واں نہ کوئی پوچھے کر کون تو ہاری ذات

جب گتا در در پھرے در در دُر دُر ہوئے
ایک در کو تھام لے کبھی نہ دُر دُر کوئے

حضرت جی حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں

——— وکیل محمد شریف پرتاپ گڈھی

عطا تجھ کو ہوا وہ ذاتِ حق سے بال و پر ساقی
کہ ہے سارے جہاں میں دین کا جاری سفر ساقی

دیارِ بحر و بر اب تیری ضو باری کو ترسے گے
قیامت تک تجھے ڈھونڈیں گے اب شمس و قمر ساقی

ترے دیدار کو امت کی اب آنکھیں ... ہیں
ہماری دسترس سے دور ہے اب تیرا گھر ساقی

گذر جاتے تھے دن دعوت میں راتیں آہ وزاری میں
خوشا وقتیکہ تو عالم کا تھا میرِ سفر ساقی

بظاہر بے خبر تھا شر پسندوں کی شرارت سے
حقیقت ہے کہ رہتا تھا ہر اک سے باخبر ساقی

تو اپنے دوستوں کا دوست دشمن کا بھی شیدائی
تری پاکیزہ سیرت کس قدر تھی بے ضرر ساقی

ترے جانے سے افسردہ ہے امت دیکھئے کیا ہو
اندھیرا چھا گیا، ہے راستہ زیر و زبر ساقی

دعاؤں سے تری دل میں ہمارے کتنی ڈھارس ہے
پھرا کرتا تھا بن کر تیرا منظور نظر ساقی

جہاں کو قوتِ فکر و عمل کی مشعلیں دے کر
سوئے فردوس اعلیٰ ہو گیا تیرا سفر ساقی

نگاہوں سے تری جود و کرم کیسا برستا تھا
جو دل میں تھا، دکھاتی تھی وہی تیری نظر ساقی

تری ہر بات علم و معرفت کا تجربے پایا
تری اک اک ادا گویا تمیزِ خیر و شر ساقی

سبق ذکر الٰہی کا دیا رطب اللساں رہ کر
تری بیعت، ارادت موجبِ خیر بشر ساقی

شہِ الیاسؒ و یوسفؒ کی جہاں میں جانشینی کی
حضورؐ پاک کی دعوت کا تھا پیغامبر ساقی

وکیلِ ناتواں کی ہے دعا اس ذاتِ برحق سے
بنے تیرا، کرم سے، جنت الفردوس گھر ساقی

چیچنیا کے روسی یرغمالی

شعائر اسلام کے ذائقہ شناس

ریاض الدین احمد، نائب صدر دینی تعلیمی کونسل

رہا شدہ روسی یرغمالیوں نے چیچنیوں کے محاصرے میں اسلامی کردار کا مشاہدہ کیا، ۴۸ سالہ خاتون LUBOV NIKOLAEVN. چھ دن بعد جب محاصرے سے آزاد ہوئی تو اسے فاتحانہ استقبال کی توقع تھی لیکن جو لوگ روسی شہر BUDYDNNOVSK کے چوک میں یرغمالیوں کے استقبال اور اپنے اپنے اعزا کی تلاش میں جمع تھے وہ اس پر فقرہ بازی اور لعن طعن کر رہے تھے اس کا قصور یہ تھا کہ وہ اپنے محاصرہ کرنے والوں کی تعریف کر رہی تھی، چیچنیوں نے ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ کیا ہمیں گروزنی (GROZNY) کو آزاد کر دینا چاہیئے" یہ تھا اس کا تاثر جس کو برداشت کرنے کے لئے روسی عوام تیار نہیں تھے۔

لیکن شہر کے چوک میں ہزاروں رہا شدہ یرغمالی بھی ایسا ہی پیغام بلیش کر رہے تھے۔ یہ لوگ صحافیوں کو یہ بتلا رہے تھے کہ چیچینی بندوقچیوں نے ان کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کیا، جبکہ زیادہ تر عورتوں اور بچوں کو انھوں نے پہلے ہی رہا کر دیا تھا۔ جو بچے رہ گئے تھے ان کے ساتھ ان کا برتاؤ رحمدلانہ تھا وہ مجروحوں کی دیکھ بھال کرتے تھے یہاں تک کہ یرغمالیوں کے لیے وہ خود اپنا خون دے رہے تھے" اکثر نے یہ بیان دیا کہ "وقار اور شرافت ان کے کردار سے ظاہر ہوتی تھی مگر وہ اپنے عزم میں سنجیدہ اور مستقل مزاج تھے"

صحافی کہتے ہیں کہ تقریباً سبھی یرغمالی اپنے گرفتار کرنے والوں کی تعریف میں ہم زبان تھے یہ خصوصاً روس کے شدید ناکام حملے کے بعد جب بہت سے یرغمالی زخمی ہوئے تو چیچینی افواج نے ان کی مناسب دیکھ بھال کی اور ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کیا۔

ایک پچاس سالہ یوری (YURI) نامی روسی جس کے ہاتھ میں پٹی بندھی ہوئی تھی اُس وقت زخمی ہوا جبکہ چیچینیوں نے اسے ڈھال بنا کر کھڑکی پر کھڑا کر دیا اور روسی حملہ تیزی پر تھا۔ یوری نے اپنا بیان دیتے ہوئے کہا کہ "اگرچہ اسکو روسی مشین گنوں اور توپوں کے خلاف ڈھال بنایا گیا تھا پھر بھی وہ چیچینی جنگ بازوں کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ محسوس کر رہا تھا کیونکہ اس نے چیچینی جنگ بازوں کو روسی فوجیوں سے زیادہ رحمدل پایا۔ بالآخر حملہ روسیوں نے کیا تھا" اس نے شکایت کی۔

(رپورٹ واشنگٹن پوسٹ نیوز سروس مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۹۵ء)

چیچینی صدر دودایو (DUDAYEV) نے بار بار کہا تھا کہ بالآخر وہ روسی شہروں کو حملے کا نشانہ بنانے کے لئے مجبور ہوں گے۔ روسی شہر BUDYONNOVSK پر چیچینیوں کا حملہ ایسا غیر متوقع اور شر بار تھا جیسا کہ او کلاہاما (OKLAHOMA) کا تباہ کن بم چیچنیا کے اس حملے نے دو ہزار روسیوں کو شہر کے ایک اسپتال میں یرغمالی بنا کر روسی فوجوں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کر دیا اور نو گھنٹے کے ہنگامہ خیز مذاکرے، گفت و شنید کے بعد روسی فوجیوں کو چیچینی شرائط تقریباً بلا کم و کاست منظور کرنا پڑیں اور وہ چیچینی جاں بازوں نے سبھی یرغمالیوں کو رہا کر دیا۔ ان میں ۱۲ روسی صحافی ۴۸ اراکین پارلیمنٹ اور چھ ڈاکٹر صاحبان تھے جو آزاد ہوئے۔

عام طور پر یرغمالی باہر آکر روسی حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے اور چیچینی افواج کے برتاؤ اور عزم سے متاثر

آخر کار روسی وزیر اعظم VIKTUR CHERNOMYROIN کو چیچینی کمانڈو SHAMIL BASSAYEU سے تبادلہ خیالات اور مذاکرہ کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ اور انھوں نے ٹی وی پر ایک خاص نشریہ میں اعلان کیا کہ چیچنیا کا حملہ بند کیا جا رہا ہے ہم چیچنیا کے صدر BUDAYEU سے بات چیت کے لئے تیار ہیں اور چیچنیا افواج کو بلا مزاحمت واپس جانے دیا جائے گا، صدر بابلٹسن کے برخلاف روسی وزیر اعظم کے اس فیصلے سے لوگ بہت خوش ہیں اور اسے کمزوری کے بجائے عقلمندی کا باہمت فیصلہ سمجھتے ہیں۔

چیچینی افواج روسی شہر سے اب فاتحانہ نکل رہی ہیں، ان کے سروں پر سبز پٹیاں بطور اسلامی نشان کے بندھی ہوتی ہیں۔ اس کمانڈو کا ہیرو SHAMIL BASSAYEV ہے۔

(رپورٹ نیویارک ٹائمس سروس، ۲۰ جون ۱۹۹۵ء) (ہندستان ٹائمس)

(بشکریہ ندائے ملت لکھنؤ، ۲ جولائی ۱۹۹۵ء)

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س :۔ وتر کی نماز کو رات کی آخری نماز کہا جاتا ہے اگر کسی نے عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھ لی اور وہ رات کو تہجد کے وقت اٹھ گیا تو کیا اس کو صرف تہجد پڑھنا چاہئے یا وتر دوبارہ پڑھنا چاہئیں۔

جواب :۔ اگر وتر پہلے پڑھ لیا ہے تو تہجد کے وقت دوبارہ وتر نہیں پڑھی جائیں گی. صرف تہجد کے نوافل پڑھیں گے۔

س :۔ ایک طالب علم نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہوگیا تو پچاس رکعتیں نوافل پڑھوں گا تو کیا ان نوافل کی ادائیگی کے لئے کوئی وقت مقرر ہے یا جب چاہے پڑھ سکتا ہے ؟

ج :۔ جب چاہیں ادا کر سکتے ہیں بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو۔

س :۔ کیا وقت زوال قرآن مجید کی تلاوت کی جاسکتی ہے ؟

ج :۔ ہاں وقت زوال نماز اور سجدہ تلاوت تو منع ہے لیکن قرآن مجید کی تلاوت جائز ہے.

س :۔ جب جماعت کھڑی ہوجاتی ہے تو بہت سے لوگ مسجد میں دوڑتے ہوئے جماعت میں شامل ہوتے ہیں کیا یہ درست ہے ؟

ج :۔ ایسا کرنا شرعاً ممنوع اور مکروہ ہے.

س :۔ کیا زرد رنگ کے کپڑے میں کفن دیا جاسکتا ہے !

ج :۔ کفن سفید کپڑے کا شرعاً مطلوب اور مسنون ہے زرد رنگ کے کپڑے میں کفن دینا شرعاً مکروہ ہوگا. زرد رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے پہننے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے لہٰذا اس کا کفن دینا بھی مکروہ ہوگا۔

س :۔ کوئی بیٹھا ہو اور جنازہ گذر رہا ہو تو کیا کھڑا ہو جانا چاہئے ؟

ج :۔ کھڑا ہو جانا بہتر اور کارِ ثواب ہے .

س :۔ عورت کی میت کو محرم کے علاوہ دوسرے لوگ کاندھا دے سکتے ہیں یا نہیں ؟

ج :۔ قبر میں تو صرف محرم مردوں ہی کو اتارنا چاہئے. لیکن کندھا دینے کی سب کو اجازت ہے۔

س :۔ کیا قبر میں چٹائی وغیرہ بچھا سکتے ہیں؟

ج :۔ قبر میں کوئی بھی چیز بچھانا شرعاً درست نہیں ہے .

س :۔ جس گھر میں میت ہو جائے کیا پڑوسیوں کو انھیں کھانا کھلانا چاہئے ؟

ج :۔ میت کے گھر والوں کو ایک دن اور ایک رات کھانا کھلانا مستحب ہے .

س :۔ کیا نماز جنازہ میں دعا پڑھنا فرض ہے؟

ج :۔ نماز جنازہ میں صرف چار تکبیریں فرض ہیں اور دعائیں سنت ہیں اگر کسی کو دعائیں یاد نہ ہوں اور صرف تکبیریں کہہ لیں تب بھی فرض ادا ہو جائیگا.

س :۔ تنخواہ کی کتنی فیصد رقم زکوٰۃ میں دینا چاہئے؟

ج :۔ اگر بچت نصاب کے برابر پہونچ جائے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو ½ ۲ فیصد زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔

س :۔ کیا کھڑے ہو کر استنجاء کیا جاسکتا ہے؟

ج :۔ بلا عذر شرعی کھڑے ہو کر استنجاء کرنا مکروہ ہے.

س :۔ ایک شخص پینٹ پہن کر سروس کرتا ہے، جس کی وجہ سے ٹھیک سے بیٹھ نہیں سکتا، کیا ایسی صورت میں کھڑے ہو کر استنجا کر سکتا ہے ؟

ج :۔ یہ عذر شرعی نہیں ہے. پینٹ اتار کر کسی پردہ والے استنجا خانے میں بیٹھ کر استنجا کرے

س :۔ مردار کے چمڑے ہڈی اور سینگ وغیرہ کا کاروبار کرنا کیسا ہے؟

ج :۔ مردار کے چمڑا کا دباغت دینے کے بعد کاروبار کر سکتے ہیں اور ہڈی اور سینگ وغیرہ نکالکر اس کا کاروبار کر سکتے ہیں۔

جامعہ رحمانیہ عالیپور کے مہتمم مولانا اشرف علی صاحب کار حادثہ میں شہید

۲۵ رجون ۱۹۹۵ء کو جامعہ رحمانیہ (کھانبیہ) ضلع عالیپور کے مہتمم مولانا اشرف علی صاحب ایک کار حادثہ میں شہید ہوگئے. ان کے رفیق سفر حاجی محمد لطیف نے جائے وقوع پر ہی دم توڑ دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون. عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ دم رخصت مولانا کی زبان پر کلمہ شہادت جاری تھا اور وہ ذکر الٰہی میں رطب اللسان تھے. مولانا کی شہادت سے اہل مدرسہ اور منتظمین کو بہت قلق ہوا. وہ ہر وقت مدرسہ کی تعمیر و ترقی کے لئے کوشاں رہتے تھے طلباء کی تعلیم و تربیت پر بہت زیادہ توجہ دیتے، نیز مدرسہ کے تمام امور کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے تھے.

مرحوم نہایت سادہ مزاج، عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار عالم دین تھے خوش اخلاقی اور خوش خوئی ان کی خاص صفت تھی جس کی وجہ سے عوام و خواص میں بہت قدر کی نظر سے دیکھے جاتے تھے .

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت کر کے جنت الفردوس میں جگہ دے، متعلقین کو صبر کی توفیق سے نوازے اور جامعہ رحمانیہ کو مولانا کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

غازی پور میں پیام انسانیت فورم کا جلسہ

غازی پور۔ گذشتہ اتوار کو یہاں ضلع کی مشہور دینی درسگاہ مدرسہ دینیہ کے احاطہ میں "پیام انسانیت فورم" کے اہتمام میں ایک یادگار جلسہ ہوا، جس کی صدارت پی۔ جی کالج کے شعبہ انگلش کے صدر ڈاکٹر پی این سنگھ نے کی۔ مقررین میں خصوصیت کے ساتھ مولانا محمد خالد صاحب ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، ڈاکٹر سرجو تیواری پرنسپل ڈگری کالج، مشہور ہندی لیکھک شری رشی کیش، صدر ضلع کانگریس کمیٹی شری گنگا رائے گرنتھی گردوارہ شری جگپال سنگھ جی، کیتھولک چرچ کے پادری فادر رمین پرکاش اور لوجاری سنگھ ڈی جی سی کریمنل قابل ذکر ہیں۔ جلسہ کا اعلان ایسے وقت میں ہوا تھا جبکہ آسمان آگ برسا رہا تھا، لو اور تپش سے مخلوق تراہ تراہ کر رہی تھی اسپتالوں میں، اسٹیشنوں اور شاہراہوں پر لوگ دم توڑ رہے تھے۔ اندیشہ یہ تھا کہ اگر موسم کا یہی حال رہا تو جلسہ کو ملتوی کرنا پڑے گا مگر جلسہ سے ایک دن قبل اچانک موسم میں خوشگوار تبدیلی آئی، عین جلسہ کے دن صبح میں ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں اور بادل جو کئی دن سے آسمان پر تیر رہے تھے یکایک ٹوٹ کر برسنے لگے۔ اور جل تھل ہو گیا۔ بارش کا ہر قطرہ گویا کہ پیغام سنا رہا تھا کہ حالات کیسے ہی سخت ہوں انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ سے ہی مدد اور پناہ مانگنی چاہئے۔ وہی خشک کھیتوں کو سیراب کرنے والا ہے، وہی حالات کو بدلتا ہے، وہی قوموں کو عروج وزوال سے آشنا کرتا ہے۔

الحمدللہ جلسہ اپنے پروگرام کے مطابق ہوا۔ اور کامیابی سے ہمکنار رہا۔ حاضرین کی تعداد اور ذوق وشوق کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ اس جلسہ کے متمنی ومنتظر تھے اور ان کے ذہنوں میں اپریل ١٩٩٤ء کے اس جلسہ کی یاد اب بھی تازہ تھی جس کو "پیام انسانیت فورم" کے بانی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب نے خطاب فرمایا تھا۔

صدر جلسہ ڈاکٹر پی این سنگھ اور مہمان خصوصی مولانا محمد خالد صاحب ندوی نے "پیام انسانیت" کے موضوع پر اپنے اپنے انداز میں مکمل اور مبسوط تقریر کی۔ مولانا ندوی نے بڑے مؤثر انداز میں قرآن وحدیث کے حوالوں سے اپنی بات پیش کی۔ پی۔ این سنگھ کھل کر فرقہ واریت کے خلاف بولے اور ہندو مسلم اتحاد کو ملک کی بقاء کے لیے ضروری بتایا۔ انھوں نے اپنی تقریر کے دوران حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے اقوال بھی پیش کئے۔ دوسرے مقررین نے بھی مختصر الفاظ میں اپنے خیالات پیش کئے۔ غرضکہ یہ جلسہ سامعین کی تعداد، دلچسپی، موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے ایک یادگار جلسہ بن گیا۔

ایک دینی مدرسہ کے ماحول میں ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں کا ایسا مجمع جس میں علماء بھی تھے، وکلاء بھی تھے اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے بھی تھے اس سے پہلے ایسا مجمع نہیں دیکھا گیا تھا جلسہ میں سیاسی نعرے سُنے گئے نہ کسی کی ہجو سننے میں آئی۔ نہ حکومت سے کچھ طلب کیا گیا۔ کسی فرقہ کو برا بھلا کہا گیا نہ کسی کی بیجا پاسداری کی گئی موضوع اور فکر اگر کچھ پیش کیا گیا تو وہ تھا انسانیت، ظاہر ہے اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سب کے دل کی آواز تھی جو دل ہی سے نکلی تھی۔ سامعین کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جلسہ ختم ہونے پر بھی لوگ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کنوینر پیام انسانیت فورم عزیز الحسن صدیقی نے جوں ہی جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی۔ مؤذن اذان کے کلمات دہرا رہا تھا۔ اور شرکاء جلسہ ایک دوسرے سے گلے مل کر رخصت ہو رہے تھے لوگوں کی زبان پر یہ الفاظ بھی تھے کہ اگر ایسے جلسے ہونے لگیں تو کوئی وجہ نہیں کہ نفرت کے بادل نہ چھٹ جائیں اور یہ ملک درندوں کا بھٹ نہیں انسانوں کا مسکن بن جائے (نامہ نگار)

نیورہ (بارہ بنکی) میں پیام انسانیت فورم کے زیر اہتمام جلسہ

باہمی میل ومحبت اور انسانیت کے جذبہ کو فروغ دینے کے لئے کل ہند پیام انسانیت فورم کے زیر اہتمام ضلع بارہ بنکی کے ایک قصبہ نیورہ میں ٤ر جولائی کو ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا جس میں فورم کے کل ہند سطح کے ایک سرگرم رکن پروفیسر انیس احمد چشتی (پونہ) اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لائبریرین مولانا سید مرتضٰی مظاہری اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے نواسے مولانا محمد اسحاق حسینی ندوی نے اس جلسہ میں شرکت فرما کر ہندو مسلم اتحاد اور باہمی میل ومحبت پر زور دیا۔ مہمان خصوصی پروفیسر انیس احمد چشتی نے ہندوستان کے بارے میں

(باقی ص٢٢ پر)

درس حدیث

کر وہ ہر آن و ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی و مطمئن رہے۔

● حدیث یہ بھی بتاتی ہے کہ اسباب و وسائل میں کوتاہی نہ کرنی چاہئے لیکن اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیصلہ ہو اس پر مطمئن و راضی رہنا چاہیے۔

● حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میدان جہاد کی طرف نکلنے سے پہلے اپنے نفس کے ساتھ جہاد اکبر کرے کہ اس میں کہیں سے شیطان کا دخل نہ ہونے پائے، کہ اس کی خواہش وچاہت میں، شوق و رغبت میں اپنی ذاتی مصلحت، خاندان اور قوم و قبیلہ کے مفاد کا شیطانی وسوسہ شامل ہو، بس جو قدم بھی اٹھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کی نصرت کے لئے اٹھے۔

حدیث کے فقہی پہلو

حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قضاء و قدر پر ایمان رکھنا واجب ہے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ پر مخلوق کی تقدیریں لکھ دی ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا اور اس کو لکھنے کا حکم دیا: قلم نے پوچھا کیا لکھوں؟ اللہ رب العزت نے فرمایا قیامت تک جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کو لکھو، انسان کو جو کچھ اچھا یا برا پیش آتا ہے وہ اس سے بچ نہیں سکتا کہ پہلے سے طے شدہ ہے۔ اور جو چیز مقدر نہیں اچھی ہو یا بری وہ اس کو مل نہیں سکتی۔ [۵]

تقدیر اللہ تعالیٰ کے تابع ہے اس نے جو چاہا لوح محفوظ میں لکھ دیا، ماں کے پیٹ میں جب بچہ کو پیدا فرماتا ہے تو اس میں روح پھونکنے سے پہلے اس کے پاس ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے اور اس کو چار باتوں کا حکم فرماتا ہے: اس کی روزی لکھ دو، اس کی موت لکھ دو، اس کا عمل لکھ دو، بدبخت یا خوش بخت لکھ دو۔ [۶]

اس میں قوی وضعیف سب شامل ہیں قوی اور ضعیف کے اسی اشتباہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی اور یہ فرمایا کہ دونوں میں خیر ہے۔

جنین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نافذ ہونے والے اس حکم میں اور اس کی قدرت قاہرہ ... یان ویقین بھی شامل ہے کہ جو اللہ نے چاہا ... نہ چاہا وہ نہیں ہوا۔ لہٰذا کسی بندۂ مومن کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ یہ کہے کہ اگر ایسا کیا ہوتا تو یہ ہو جاتا وہ ہو جاتا، اس لئے کہ زمین و آسمان کے اندر کسی حرکت و سکون کا وجود اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا، اور جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں پر قادر ہے جو وجود میں آگئی ہیں ان پر بھی اور جو ابھی وجود میں نہیں آئی ہیں ان پر بھی۔

لَوْ یعنی "اگر" کا لفظ اپنے معنی میں بولنے والے کی نیت و ارادہ کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کبھی وہ برے کام کی تمنا و آرزو کے لئے بولا جاتا ہے یہ بھی ناپسندیدہ ہے اور کبھی اچھی تمنا اور آرزو کے لئے بولا جاتا ہے یا علم نافع کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تمنا کی یہ صورت پسندیدہ ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر میں اپنے کام میں لگ جاتا تو پھر نہ چھوڑتا "ایسے ہی پیش آنے والے معاملات جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا" [۳]

یا آپ کا ارشاد کہ: "اگر میں بغیر گواہ کے کسی کو رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کر دیتا"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غار ثور کا یہ قول۔ کہ اگر کوئی شخص ان میں سے .... تو ہم کو دیکھ لیتا۔ (واللہ اعلم)

---

[۱] صحیح مسلم [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] بہجۃ قلوب الابرار [۵] فتاویٰ ابن تیمیہ [۶] ایضاً۔

مدرسہ نور الاسلام نیپال اپنے ایک کامیاب استاد سے محروم

مدرسہ نور الاسلام جلبا پور نیپال جو نیپال میں دار العلوم ندوۃ العلماء کی بڑی شاخ ہے اور علاقہ میں اہم خدمت انجام دے رہا ہے اور ندوی فضلاء پوری تندہی کے ساتھ کام کر رہے ہیں اس مدرسہ کے ایک لائق اور سینیر استاذ مولوی حافظ الدین ندوی کا ایک عرصہ تک علالت کے بعد ۲۲ جولائی ۱۹۹۵ء کو ۵۰ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کے انتقال سے مدرسہ ایک مخلص منتظم اور ذی استعداد استاذ سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خلا کو پر فرمائے۔ قارئین کرام سے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے ادارۂ تعمیر حیات اہل مدرسہ اور مرحوم کے پس ماندگان کو دلی تعزیت پیش کرتا ہے اور صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔

للہ ما أخذ ولہ ما أعطیٰ وکل شئی عندہ بمقدار۔

دُعائے مغفرت

● عطاء الرحمٰن متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء کے دادا جان محمد عدالت (مرحوم) ۲۵ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ بروز سنیچر کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

● محمد اظہر دربھنگوی متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء ... کی والدہ کا مختصر علالت کے بعد ۵ جولائی ۱۹۹۵ء کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵ راگست ۱۹۹۵ء مطابق ۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

جلد نمبر ۳۲

شمارہ نمبر ۲۰

زر تعاون

سالانہ ______ ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ______ ۵ روپے

— بیرونی ممالک فضائی ڈاک —

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

______ ۲۵ ڈالر

— بیرونی ممالک بحری ڈاک —

بحری ڈاک جملہ ______ ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے —— مینجر

حامد

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر 93 ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ پن 226007

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں۔

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے شائع کیا

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/ روپئے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.25/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TH - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

ہماری دینی صحافت

ہمارے دینی مدارس سے جو اصلاحی اور بامقصد رسائل نکلتے ہیں ان کی تعداد ماشاء اللہ خاصی اور روز افزوں ہے، معیار کے اونچ نیچ کا تعلق ذوق سے ہے اور یہ ایک اضافی شے ہے، جو بات دیکھنے کی ہے وہ یہ کہ ہر ایک کا رخ کتاب و سنت کی ترویج کی طرف ہے، بزرگانِ دین کے تذکرے ان کے دینی کارنامے اور ان کے صبر و ثبات کے واقعات تقریباً ہر پرچہ کا خاص موضوع ہوتا ہے، اسی طرح ایک اچھی تعداد عربی میں نکلنے والے رسائل کی ہے، عرب ممالک سے سیکڑوں میل دور رہ کر قرآن کریم کی زبان میں ماہنامے یا سہ ماہی پرچے نکالنا بڑی ہمت کی بات ہے، جب کہ خود اس ملک میں ان سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد ہزار میں ایک بھی نہیں ہے، ایسے ملک میں اس طرح کے رسائل کا نکلنا ہی قرآن کریم کی زندہ کرامت ہے۔ اور یہاں اس زبان میں لکھنے والوں کا پایا جانا اسلام کا کرشمہ ہے۔ کوئی رسالہ یا شمارہ ایسا نہیں ہے جو ہمت افزائی اور تحسین کا مستحق نہ ہو۔ اوّلیت یا اسبقیت یا نسبتاً تعداد اشاعت کا زیادہ ہونا اور علمائے عرب کے درمیان کسی کا قابل اعتناء ہونا بھی ایسی چیز نہیں ہے جس پر کوئی فخر و مباہات کرے۔ یہ سب امت مسلمہ کی مشترک میراث ہیں اور یہ تمام رسائل اور ان کے پشت پناہ ادارے اور اس کے سرپرست اور لکھنے والے سب مسلمانوں کے لئے احترام کے مستحق ہیں۔

یہ بات جو ابھی کہی گئی اس میں کسی ظاہر داری کا دخل نہیں ہے کیونکہ ان سطور کا لکھنے والا، واقف ہے کہ ہمارے یہ تمام رسائل و مجلات اپنے خاص محدود حلقوں میں پڑھے جاتے ہیں، غیر تو غیر ہی ہیں اپنے بھی اپنا اپنا مخصوص حلقہ رکھتے ہیں اور کوئی ایک آواز ایسی نہیں ہے جو دعویٰ کر سکے کہ وہ ہر جگہ سنی جاتی ہے، مقابلہ اپنی جماعت کا اپنی ہم عقیدہ دوسری جماعت سے نہ کیجئے۔ ایک مدرسہ کا مقابلہ دوسرے مدرسہ سے نہ کیجئے، کسی حمائل کا مقابلہ جو بٹ خط میں لکھے ہوئے تاج کمپنی یا نظامی پریس کے مصحف شریف سے نہ کیجئے۔ مقابلہ کا شوق ہے اور زور بازو کی آزمائش مقصود ہے تو ذرا ایک نظر ان رسائل و مجلات کی مقبولیت و عمومیت پر بھی ڈال لیجئے جن کا مقصد آپ کے ملی وجود کو نیست و نابود کرنا ہے، ان کا حملہ کسی حنفی، شافعی، اہل حدیث کے خلاف نہیں ہے ان کا حملہ پوری اس عمارت پر ہے جس پر نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کندہ ہے، وسائل اطلاعات کا وہ طوفان جو سیاہ آندھی سے زیادہ سخت اور سیلاب کی طغیانی سے زیادہ شدید ہے جو ہر طرف سے امت کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور اس کا وار کسی ٹولی یا فرقہ یا کسی مدرسۂ فکر پر نہیں ہے، وہ اس بستی کو غرق کرنا چاہتا ہے جس میں یہ مدرسے یہ دار العلوم یہ جامعات اور یہ مراکز ہیں۔ ہم میں کم لوگ ہوں گے جن کو معلوم ہو کہ وسائل اطلاعات جن کو کہا جاتا ہے، سنیما، ریڈیو، ویڈیو اور اب دور شنیا خانہ آپ کے گھروں میں نہ ہو مگر آپ کے محلہ کی گلیوں، بازاروں اور چائے خانوں، ریستورانوں میں موجود ہیں، آپ اپنی آنکھیں بند کر لیں، کان میں روئی ڈال لیں، نفرت سے رخ پھیر لیں مگر کیا اپنی نسلوں کو بھی اس سے محفوظ کر سکتے ہیں؟۔ اکبر الہ آبادیؒ نے خوب کہا تھا؂

حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک

فواحش و منکرات کے ذرائع اشاعت کو بھی نظر انداز کیجئے (اگرچہ نظر انداز کرنا کوئی علاج نہیں ہے) جن کا مہذب نام انفارمیشن میڈیا ہے، اخبار و رسائل ہی کو دیکھ لیجئے جہاں سے بات شروع کی تھی۔ آپ یہ اندازہ لگائیے کہ صرف آپ کے دار العلوم یا جامعہ کا رسالہ نہیں بلکہ تمام مدارس و جامعات اسلامیہ سے نکلنے والے رسائل کی مجموعی تعداد اشاعت کیا ہو گی؟ امید و حوصلہ اور حسن ظن کو بھی کام میں لائیے جب بھی سوچ لیجئے کہ دس کروڑ مسلمانوں کی آبادی میں یہ سب رسائل و مجلات کتنے لوگوں کے ہاتھوں میں پہونچتے ہیں اور کتنے لوگ ان کو پڑھتے ہیں؟ مجھے نہ بتائیے خود اپنے دل میں کوئی تعداد فرض کر لیجئے، ایسی تعداد جو تمناؤں اور آرزوؤں کی پیدا کردہ نہیں بلکہ حقیقت کے مطابق ہو۔ حقیقت کے مطابق نہ ہو تو بہت دور بھی نہ ہو۔ اس کے بعد آئیے آپ کو بتاؤں کہ یہودیوں کے دو رسالے

جو امریکہ سے نکلتے ہیں "ٹائم" اور "نیوز ویک" ان کی تعداد اشاعت کیا ہے؟ صحیح تعداد نہ آپ کو معلوم ہوگی اور نہ مجھے معلوم ہے مگر آپ کے ملک کا کوئی بڑا ہوٹل ایسا ہے جس کے بک اسٹال پر آپ کو یہ پرچہ نہ ملے؟ کوئی انٹرنیشنل فلائٹ ایسی ہے جہاں آپ کے مطالبہ پر ہوسٹس آپ کو یہ پرچے لاکر نہ دے سکے، کوئی ایسے بین الاقوامی ہوائی اڈہ ایسا ہے جہاں یہ دستیاب نہ ہو، کوئی بڑا ریلوے اسٹیشن، دہلی، لکھنؤ، بمبئی، مدراس ایسا ہے جہاں کتاب و رسائل میں یہ پرچہ آپ کو نہ مل سکے؟ اور یہ بات صرف اسی ملک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جاپان اور کوریا سے لے کر شمالی و جنوبی امریکہ کے کسی شہر میں چلے جائیے، مشرقی و مغربی یورپ سے لے کر افریقہ کے جنوبی شمالی، سنٹرل کسی علاقے کے بڑے شہر یا پایۂ تخت میں جائیے، یہاں تک کہ عربوں کے خاص الخاص علاقے جن کو مسلمانوں کی پناہ گاہ اور اسلام کا قریب ترین وطن کہا جاتا تھا جیسے یمن، عدن، جن کو نسبتاً پسماندہ کہا جاتا ہے۔ خلیج عرب کی ریاستیں، کویت سے عمان تک ہر جگہ یہ زہر، خون پیپ سے آلودہ خوشنما اور دلکش شیشیوں میں مل جائے گا، ممکن ہے بلکہ واقعہ ہے کہ وہاں مصر کا کوئی دینی ماہنامہ نہ ملے، سعودی عرب کا کوئی خالص علمی و تحقیقی مجلہ نہ ملے، مگر نیوز ویک اور ٹائم ضرور مل جائے گا، اور اس میں کیا ہوتا ہے؟ اعداد و شمار، حقائق و واقعات، پس پردہ اور بیرون پردہ سیاسی واقعات اور ان کے تجزیے اور اسلام کے خلاف کسی نہ کسی انداز میں نفرت پیدا کرنے والی خبر، اور اس کا تجزیہ، اس پر تنقید۔ یہ پرچے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں اور ملین در ملین لوگ پڑھتے ہیں اور اس کو پڑھنا فیشن سمجھتے ہیں۔ اور یہ تو دور کی بات ہے، خود آپ کے ملک میں ہمارے وطن کا رخ اور ان کی ترجمانی نگاہوں کو دیکھنا ہو تو "انڈیا ٹوڈے" کو دیکھ لیجئے۔ اس کی تعداد جو بھی ہو مگر ہمارے تمام علمی و دینی و اخلاقی مجلات سب مل کر بھی اتنی تعداد میں نہیں چھپتے جتنا تنہا یہ رسالہ شائع ہوتا ہے۔

شاید آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ انگریزی اور ہندی روزنامے یہاں لاکھوں کے حساب سے شائع ہوتے ہیں جن میں آپ کا مراسلہ بھی مشکل سے شائع ہو سکتا ہے خواہ آپ نے آب زر سے لکھا ہو اور حقائق و واقعات پیش کئے ہوں الا یہ کہ وقت کے سُر سے آپ کی "تان" مل رہی ہو۔ مسلم جمہور، امت اسلام، عقیدۂ اسلامی پر ضرب پڑ رہی ہو۔

شیخ حسن البناء شہید کے داماد

ڈاکٹر سعید رمضان کی وفات

مصر کی تحریک اخوان المسلمین کے بانی شیخ حسن البناءؒ شہید سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے ان کے تعارف پر مختصر مگر مؤثر ترین رسالہ "شیخ حسن البناء شہیدؒ ایک مثالی شخصیت" مکتبہ فردوس سے حاصل کیا جا سکتا ہے یہ رسالہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے اس مقدمہ کے ترجمہ جس کا حضرت مولانا مدظلہ نے اپنے مضمون میں تذکرہ کیا ہے اور ایک امریکی صحافی کے مضمون پر مشتمل ہے جو "مرد قرآنی" کے نام سے لکھا گیا تھا۔

ڈاکٹر سعید رمضان انہیں شیخ حسن البناءؒ کے داماد اور تربیت یافتہ تھے اس لئے ان کے سینے میں دینی غیرت و حمیت کی ایک رگ پھڑک رہی تھی اور اس کے لئے ہر وقت بے کل رہا کرتے تھے، ان کے دار العلوم ندوۃ العلماء آمد کے موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے جو تعارفی تقریر فرمائی تھی اس کا ایک جملہ اب بھی جیسے کانوں میں گونج رہا ہے حضرت مولانا نے دعوت اسلامی کے میدان میں ان کے جوش و جذبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "سعید وہ دلاور ملاح ہے جو سمندر کی موجوں سے کھیل رہا ہے" یہی سعید رمضان اب دنیا میں نہیں رہے۔ اسلام کے ایسے پرزور داعی اور وکیل کا ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں پر یہ حق ہے کہ اس کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کرے۔

قارئین کرام سے اہتمام کے ساتھ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

(ادارہ)

ناشر حضرات توجہ دیں

جو ناشر حضرات اشاعتی ادارے یا ادیب و شاعر اپنی کتابیں تبصرہ کے لئے ہمیں روانہ کرتے ہیں وہ اس کا ضرور خیال رکھا کریں۔

(۱) کتاب زیادہ سے زیادہ ایک سال کے عرصہ کے دوران شائع ہوئی ہو، زیادہ پرانی کتابوں پر تبصرہ ممکن نہیں ہے۔

(۲) چند صفحات پر مشتمل پمفلٹ قسم کی کتابیں بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، نہ ہی تبصرہ نگار کے پاس وقت ہے اور نہ ہی تعمیر حیات کے صفحات میں اس کی گنجائش ہے۔

ایک عزیز ترین دوست اور پُرزور خطیب و داعیِ اسلام
ڈاکٹر سعید رمضان کی وفات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ (۸ راگست ۱۹۹۵ء) سہ شنبہ کو اچانک جنیوا سے ٹیلی فون آیا کہ ۶ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ (۴ راگست ۱۹۹۵ء) کو جمعہ کے دن ڈاکٹر سعید رمضان کا انتقال ہوگیا۔ یہ خبر راقم اور اس کے حلقہ کے ان افراد پر جو مرحوم کی شخصیت، ان کے ممتاز کمالات ان کی دینی خدمات سے واقف تھے۔ پھر راقم سے ان کے برادرانہ اور مخلصانہ تعلقات اور گہرے روابط سے بھی آشنا تھے بجلی بن کر گری۔

واقعہ یہ ہے کہ کم سے کم عالم عربی میں کسی دینی و تحریکی شخصیت، دعوتی میدان میں کام کرنے والے اور خادم اسلام سے راقم کا ایسا برادرانہ تعلق اور عزیزوں اور افراد خاندان کی طرح انس و محبت اور اتحاد و اعتماد اس نصف صدی کے عرصہ میں نہیں رہا جتنا ڈاکٹر سعید رمضان مرحوم سے رہا ہے۔

مرحوم مصر کے رہنے والے تھے، وہ عالم عربی کی عظیم ترین و مؤثر ترین "مرد آزما مرد آفریں" تحریک الاخوان المسلمون کے بانی و قائد الامام الشہید الشیخ حسن البناءؒ کے داماد اور ان کے تربیت یافتہ محبوب معتمد اس جماعت کے رکن اور اس کے ترجمان و کارگذار تھے انھوں نے قانون کی بھی تعلیم حاصل کی اور کامیاب وکیل اور بیرسٹر بھی تھے انھوں نے برلن سے ایک علمی و دینی موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، عالم عربی کے ممتاز ترین اور سحر انگیز خطیبوں میں تھے، قاہرہ سے "المسلمون" کے نام سے ایک مؤقر دینی و دعوتی رسالہ نکالا، جس نے عالم عربی میں اور عالم اسلام کے بعض دور دراز گوشوں (انڈونیشیا وغیرہ) میں ایک مدرسہ فکر، دبستان دعوت کی شکل اختیار کرلی. لوگ اس کو انفرادی اور اجتماعی طور پر پڑھتے تھے اور اس کی فکر کو بھی پھیلاتے تھے، پھر ان کا مصر میں قیام، حکومتی تغیرات اور سیاسی حالات کی وجہ سے ناممکن ہوگیا. تو انھوں نے اس کو کچھ عرصہ دمشق سے جاری رکھا۔ پھر وہ جنیوا منتقل ہوگئے۔ جہاں انھوں نے یورپ میں تعلیم پانے والے طلباء اور مقیم مسلمانوں کی رہنمائی اور دینی غذا رسانی اور اس حریف و ناآشنائے اسلام، بلکہ حریف اسلام خطۂ ارض میں اسلام کے تعارف اور ترجمانی کے لئے ایک دعوتی مرکز (ISLAMIC CENTER) قائم کیا جس کا اپنے قدیم تعارف اور تعلقات کی بنا پر راقم کو مستقل رکن و مشیر بنایا۔ اور راقم نے یورپ کا پہلا سفر اس میں شرکت ہی کے لئے کیا تھا. اور تین مرتبہ اس کی نوبت آئی انھیں کی تحریک اور ایماء پر اس نے اسلام کے "فردوس مفقود و ارضِ مغصوب" اسپین کا سفر کیا.

المسلمون عرصہ تک جنیوا سے بھی نکلتا رہا جس میں راقم کے مضامین نمایاں طریقہ پر شائع ہوتے تھے۔ راقم کا پہلا مضمون جس نے عالم عربی میں وسیع اور مؤثر پیمانہ پر اس کا تعارف کرایا۔ وہ اس کا مقالہ، "ردّة ولا أبا بكر لها" تھا اس مضمون میں بتایا گیا کہ جدید تعلیم یافتہ اور ذہین و مؤثر طبقہ میں دین سے انحراف بلکہ کہیں کہیں فکری و دینی ارتداد بھی پیدا ہو رہا ہے۔ لیکن اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح عزیمت و غیرت والی شخصیت یا ادارہ و تنظیم نہیں ان کی غیرتِ دینی کا اظہار ان کے اس جملہ سے ہوتا ہے جو تاریخ میں محفوظ چلا آرہا ہے۔

أينقص الدين وأنا حيّ (کیا ہمارے جیتے جی دین میں کوئی کمی پیدا کی جاسکتی ہے) یہ مضمون رسالہ کی شکل میں چھپ کر بعض اوقات منیٰ و عرفات میں بھی بانٹا گیا، پھر مرحوم کی فرمائش پر راقم نے حج و صوم پر مقالے لکھے، جن میں بعد میں زکوٰۃ و صلوٰۃ پر مقالے لکھ کر "الأركان الأربعة" کے نام سے ایک پوری کتاب تیار کرلی جس کا اردو انگریزی میں بھی ترجمہ ہوا. اور وہ اس موضوع پر مذاہب کے ایک تقابلی مطالعہ اور اسرارِ شریعت پر ایک وقیع کتاب اور علمی کوشش سمجھی جاتی ہے۔

جب ۱۹۶۶ء میں الامام الشہید شیخ حسن البناء مرحوم کی خود نوشت سوانح یا ڈائری "مذكرات الدعوة والداعية" کے نام سے پریس میں آئی تو ڈاکٹر سعید رمضان مرحوم نے خاکسار ہی سے فرمائش کی کہ میں اس پر مقدمہ یا تعارف لکھدوں، میں نے موضوع اور صاحب موضوع کی عظمت و نزاکت کی وجہ سے معذرت کی، اور کہا کہ کسی اور زیادہ واقفیت اور موزوں شخصیت یا ذاتی شناسا اور رفیق کار سے مقدمہ لکھوالیا جائے، مرحوم نے راقم کو تار دیا کہ کتاب آپ کے مقدمہ کے بغیر چھپ نہیں سکتی چنانچہ مقدمہ لکھا گیا اور کتاب قاہرہ اور بیروت سے ۱۹۶۶ء ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی.

ذیل میں اپنا سفرنامہ مصر "مذكرات سائح في الشرق العربي" اور "کاروان زندگی" سے مرحوم کی ملاقاتیں ان کی سرگرمیوں اور بعض تقریبات

واجتماعات کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں جن سے ان کے امتیازی اوصاف اور کمالات پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ (۲۸ جنوری ۱۹۵۱ء) کو ڈاکٹر سعید رمضان سے قاہرہ میں پہلی ملاقات ہوئی۔ راقم نے ان کا نام سن رکھا تھا اور ان کا تحریک "اخوان المسلمون" اور اس کے بانی "الامام الشہید الشیخ حسن البنّا" سے رشتہ وتعلق معلوم ہو چکا تھا انھوں نے کبھی پاکستان کے قیام کے زمانہ میں (جو ماضی قریب میں ہوا تھا) اس عاجز کا نام وہاں کے ندوی فضلاء واحباب سے سُنا تھا اور بعض عربی رسائل دیکھے تھے۔

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ (۴ فروری ۱۹۵۱ء) کو قاہرہ کی عدالت فوجداری میں اخوان کا مقدمہ پیش تھا۔ اور سعید رمضان صاحب کو وکیل صفائی کی حیثیت سے بحث کرنی تھی راقم نے بھی اپنے رفقاء اور چند مصری احباب کے ساتھ خصوصی اجازت سے عدالت کے کمرہ میں داخل ہونے اور بیٹھنے کا موقع حاصل کر لیا۔ انھوں نے مقدمہ کو بڑی مؤثر تقریر اور بے مثال جرأت کے ساتھ پیش کیا حق و باطل کی قدیم جنگ آزمائی اور نبوی تعلیمات سے شیاطین کی ازلی کشمکش پر روشنی ڈالی آخر میں یہودیوں کے اسلام دشمنی، ان کے منصوبوں اور عالم اسلام کے لئے پیدا ہونے والے خطرات پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے بتلایا کہ ان خطرناک حالات میں تحریک اخوان المسلمین وجود میں آئی اور اس نے اس صورتحال سے نبرد آزمائی کی۔ اس سے عدالت کا ماحول دینی فضا سے بدل گیا۔ اور حاضرین کے دلوں پر رقّت اور خشیت طاری ہو گئی انھوں نے جب اس سلسلہ کی احادیث و آیات پڑھیں تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور عدالت کے گوشوں سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔

۱۹۶۲ء میں ان کی دعوت پر مکّہ معظمہ میں ایک اجتماع ہوا جس میں مختلف ممالک سے آئے ہوئے حجاج اور فضلائے عرب شریک ہوئے وہاں انھوں نے ایک بڑی مؤثر تقریر کی پھر ایک خصوصی اجتماع مکّہ معظمہ ہی میں ایک دوست یا کسی ادارہ کے بالاخانہ پر ہوا۔ وہاں انھوں نے تقریر میں اپنا دل نکال کر رکھ دیا اور حاضرین سخت متاثر ہوئے۔

اسی سال ۱۹۶۲ء کے حج کے موقع پر انھوں نے ذمہ داران حکومت اور سعودی عرب کے اہل الرائے کو ایک ایسے بین الاقوامی اسلامی مرکز کو قائم کرنے کا مشورہ دیا جس سے پورے عالم اسلام تک مسلمانوں کو درپیش مسائل و مصائب کی اطلاع دی جا سکے ان کا تعاون حاصل کیا جا سکے اور ان حملوں اور پروپیگنڈوں کا جواب دیا جا سکے جو مخالف محاذوں، خاص طور پر مصر کی طرف سے پھیلائے جاتے ہیں۔[۳]

چنانچہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ (۱۹۶۲ء) کو رابطۂ عالم اسلامی کا قیام عمل میں آیا جس کے وہ ایک فعال رکن اور کارکن قرار پائے اور کئی سال وہ اس میں شرکت کے لئے مکّہ معظمہ حاضر ہوتے رہے۔[۴]

بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر یا صحت کی خرابی کی وجہ سے جنیوا کا اسلامک سینٹر بھی تعطّل کا شکار ہو گیا اور رسالہ "المسلمون" بھی بند ہو گیا، کئی سال تک ان سے ملاقات کی نوبت نہیں آئی، اکتوبر ۱۹۸۵ء میں جب آکسفورڈ یونیورسٹی کے اسلامک سینٹر کے سلسلہ میں لندن کا سفر ہوا تو ۱۳ اکتوبر کو اسلامک سینٹر بیکر اسٹریٹ لندن میں راقم کی تقریر کا ایک پروگرام تھا وہاں اچانک ڈاکٹر سعید رمضان پر نظر پڑی جو جنیوا سے لندن صرف ملنے کے لئے آئے تھے۔ انھوں نے راقم کو جنیوا آنے کی دعوت دی تھی۔ لیکن جب اس سے (بعض موانع کی بنا پر) معذرت کی گئی تو وہ خود لندن آ گئے۔ دیر تک لپٹ کر روتے رہے پھر قیام گاہ پر آکر ملے اور اگلے دن صبح ایرپورٹ پر آکر رخصت کیا۔

یہ بھی لائق ذکر ہے کہ وہ دو مرتبہ ہندوستان اور بالخصوص لکھنؤ آئے، دہلی کے مختصر قیام میں دفتر جمعیۃ العلماء واقع گلی قاسم جان دہلی میں ان کا ایک پروگرام رکھا گیا وہ زمانہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مرحوم کی نظامت جمعیت کا تھا انھیں نے ڈاکٹر سعید رمضان کے قیام کا انتظام ارکان پارلیمنٹ کی قیام گاہ کے ایک حصّہ میں کیا تھا۔ لکھنؤ سے راقم اور برادر زادۂ عزیز سیّد محمد الحسنیؒ (محمد میاں مرحوم) ان سے ملنے اور ان کو لکھنؤ لانے کے لئے دہلی گئے تھے۔ دفتر جمعیت میں انھوں نے عربی میں تقریر کی اور راقم نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا۔ پھر وہ لکھنؤ آئے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کی تکریم اور استقبال میں جلسہ ہوا اور انھوں نے ایک مؤثر تقریر کی۔[۵]

ان سے آخری ملاقات ستمبر ۱۹۹۳ء میں ہوئی راقم اور اس کے رفقائے سفر عزیز القدر مولوی سید محمد رابع ندوی اور رفیق عزیز محترم محمد عثمان صاحب حیدرآبادی کو نیویارک سے جہاں شکاگو کی ALL RILIGIONS CONFERENCE میں شرکت کے بعد آنا ہوا تھا۔ حجاز مقدس حاضر ہونا تھا۔ معلوم ہوا کہ نیویارک سے اس دن جدّہ کے لئے کوئی ڈائرکٹ فلائٹ نہیں ہے جدّہ کے لئے جہاز جنیوا میں ملے گا، چنانچہ وہاں سے ارادہ کر لیا گیا، عزیزی محمد رابع حسنی کو بہت اچھا خیال آیا کہ ڈاکٹر سعید رمضان کو (جن سے عرصے سے ملاقات نہیں ہوئی تھی) اس کی اطلاع کر دی جائے۔ جہاز کے انتظار میں ۴ گھنٹے جنیوا کے ہوائی اڈہ پر ٹھہرنا تھا، چنانچہ ان کو ٹیلیفون سے اطلاع کر دی گئی

وہ مع اپنے صاحبزادوں کے ہوائی اڈہ پر آگئے مل کر بہت روئے اور روانگی تک بیٹھے رہے ان پر بڑھاپے اور تجربات و واقعات کی بنا پر حزن و ملال کا بڑا اثر تھا جب تک بیٹھے رہے بڑی محبت اور تعلق کا اظہار کرتے رہے۔ افسوس ہے کہ ان کا مصر جانا بھی عرصہ سے قانوناً ممنوع تھا۔ اور سعودی عرب سے بھی اب تعلقات نہیں رہے تھے۔ اسلامک سنٹر بھی تعطّل کا شکار تھا۔ اس طرح وہ ایک طرح کی "جلاوطنی" اور تعطل کی زندگی گذار رہے تھے۔ اس مختصر اور محدود صحبت میں ان کی سرگرمیوں اور مشاغل کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔ کچھ دیر کے بعد جہاز کی روانگی کا وقت ہو گیا۔ اور ہم لوگوں نے جنیوا سے پرواز کی۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ عالم بالا کو پرواز کر جائیں گے اور ان کو پھر اس دنیا میں دیکھنے سننے کا موقع نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس سے بہتر حالات میں بہتر مقام پر ملائے والآخرۃ خیر و أبقیٰ۔ اور ان کی دینی خدمات و مساعی اور ان کے اخلاص و دردمندی اور جہد و مستعدی کی بہترین جزا عطا فرمائے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ

حواشی: ۱ چند عرب ارکان کے علاوہ پاکستان کے ممتاز دینی کارکن و مشیر حکومت و قانون داں مولانا ظفر احمد صاحب انصاری اور ممتاز ہندوستانی فاضل و محقق ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی مصنف INTRODUCTION TO ISLAM مقیم پیرس کو بھی سنٹر کا رکن اور مشیر بنایا گیا

۲ اس کا ترجمہ "مشرق اوسط کی ڈائری" کے نام سے شائع ہوا ہے

۳ یہ ذہن میں رہے کہ یہ زمانہ جمال عبدالناصر کی صدارت حکومت کا تھا جس کا بڑا نشانہ سعودی حکومت اور اسلامی تحریکیں تھیں

۴ افسوس ہے کہ بعض غلط فہمیوں یا ان کی صاف بیانی و صاف گوئی کی وجہ سے وہ اس کی رکنیت سے محروم کر دئے گئے اور ان کا حجاز آنا موقوف ہو گیا۔

۵ ۱۹ اور ۲۰ دسمبر ۱۹۵۵ء کا واقعہ ہے تقریر اور مجلس کی روداد صحیفہ "الرائد" عربی ندوۃ العلماء کے شمارہ جمادی الثانی ۱۳۷۵ھ میں شائع ہوئی۔

گائے کا قاتل — مراٹھی میں

پونہ یکم جولائی: ان دنوں ہر خاص و عام کی زبان پر گائے کے قتل کے چرچے ہیں۔ مہاراشٹر کی شیوسینا، بی جے پی گٹھ جوڑ حکومت گائے کے خاندان کے تحفظ پر کمربستہ ہے۔ ۵ر جولائی سے مہاراشٹر اسمبلی کا بارانی اجلاس شروع ہو رہا ہے۔ اس اجلاس میں حکومتِ مہاراشٹر، ایک سرکاری بل ۱۲ر جولائی کو اسمبلی میں پیش کرنے جا رہی ہے۔ اس بل کے تحت گائے کی پوری نسل کو تحفظ عطا کیا جانے والا ہے۔ جس میں بالترتیب گائے، بیل اور بچھڑا، یہ تینوں افراد شامل ہیں۔ شیوسینا، بی جے پی کے متعدد الکشنی وعدوں میں سے ذبیحہ گاؤ پر پابندی بھی ایک وعدہ ہے۔

پورے ملک میں ایک عمومی غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ گائے کے قتل کے اصل مجرم مسلمان ہیں ہمارے سیاستداں ہندو ذہن کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے کے لئے آئے دن مسلمانوں کے ماتھے سے پہلے اس الزام کو دہرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے مفسر قرآن داعی الی اللہ مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب نے آج سے کئی سال پہلے اس سلسلے میں بڑی تحقیق و کاوش کے بعد ایک کتاب بعنوان "گائے کا قاتل کون اور الزام کس پر؟" اردو میں سپرد قلم کیا تھا جس میں بدیہی حوالوں اور دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ گائے کو کاٹنے اور کھانے والے ایک فیصد سے بھی زیادہ مسلمان نہیں ہیں اس طرح گائے کی چربی، اس کے چمڑے، ہڈی اور دیگر اعضاء سے گائے کی پوجا کرنے والے کیا فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کس خوبصورتی سے مسلمانوں کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے خود دولت سمیٹ رہے ہیں، اخباری تراشوں اور تصاویر نے اس کتاب کو اعداد و شمار سے پر، جامع، ناقابلِ تردید اور ٹھوس بنا دیا ہے۔ مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مقدمے نے اس میں مزید جان پیدا کر دی ہے۔ قرآن و حدیث کے حوالوں نے اس کتاب میں بیک وقت ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے افادیت کا سامان پیدا کر دیا ہے۔

موجودہ حالات کے تحت ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کتاب کو مراٹھی، انگریزی اور ہندی میں بھی طبع کروایا جائے، چنانچہ مشہور اہل قلم جناب انیس چشتی نے فی الفور اس کا مراٹھی اور ہندی ترجمہ "गोहत्या: अपराधी कौन?" کے عنوان سے شائع کروا دیا ہے۔ انھوں نے اپنے ایک بیان میں یہ بھی بتایا کہ مہاراشٹر اسمبلی کے تمام ایم ایل اے صاحبان کی خدمت میں بھی گائے کا "بل" آنے سے پہلے پہلے اس کتاب کی ایک ایک جلد پیش کر دی جائے گی۔ تاکہ وہ بھی اس غلط فہمی میں نہ رہ پائیں کہ گائے کے مسئلے کے نپٹارے میں مسلمان ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اس کتاب کا انگریزی اور ہندی ایڈیشن بھی ۱۰ر جولائی تک طبع ہو جائے گا۔ ایسٹرن بیورو آف بکس کے ایک اعلامیے کے تحت اس اہم اور خوبصورت کتاب کی رعایتی قیمت ان افراد سے صرف ۸ روپے وصول کی جائے گی جو مفت تقسیم کرنے کے خواہشمند ہوں اور کم از کم دس جلدیں خریدیں پتہ یہ ہے۔

ANEES CHISHTI,

EASTERN BUREAU OF BOOKS

425-KEDAY ROAD PUNE - 411001

امریکہ میں اسلام اور مسلمان

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب پاکستان کے ممتاز، وسیع النظر، وسیع الفکر اور حالات حاضرہ کے تقاضوں سے واقف ہونے کے ساتھ اعتدال پسند اور خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کرنے والے کھلے ذہن ودماغ کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ دل میں ملت کا درد رکھنے والے امت مسلمہ کی زبوں حالی پر آٹھ آٹھ آنسو رونے والے لوگوں میں سے ایک ہیں۔

مولانا مختلف ملکوں میں ہونے والی کانفرنسوں میں شرکت کی غرض سے برابر سفر بھی کرتے رہتے ہیں جو ان کے فکر ونظر کی وسعت کو مزید چار چاند لگاتے ہیں۔ آپ کی رودادہائے سفر ہندو پاک کے رسائل میں شائع بھی ہوتی رہتی ہیں، اس وقت ہم اپنے قارئین کو مولانا کے قیام امریکہ کے دوران ان کے ان امید افزا مشاہدات وتاثرات کو پیش کر رہے ہیں جس سے بڑی ڈھارس بندھتی ہے۔ اور اقبال کا شعر اسی حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

(ادارہ)

میں نے شمالی امریکہ کا سفر کیا جس کے دوران کینیڈا کے سب سے بڑے شہر ٹورنٹو اور امریکہ کے سب سے بڑے شہر نیویارک میں تقریباً ایک ہفتہ گذارنے کا موقع ملا۔ میں اس سے پہلے بھی بارہا امریکہ جا چکا ہوں اور ۱۹۷۸ء سے لیکر آج تک جب کبھی امریکہ جانا ہوا تو وہاں کے مسلمانوں کے حالات اور اسلامی سرگرمیوں میں پہلے کی بہ نسبت نمایاں ترقی کا احساس ہوا۔ امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد ان کی دینی سرگرمیاں اور نئے نئے قائم ہونے والے ادارے روز بروز بڑھ رہے ہیں جس روز میں کینیڈا پہنچا اس سے صرف دو روز پہلے (یعنی ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۴ء کو) کیلیفورنیا کے مشہور اخبار "لاس اینجلس ٹائمز" نے مغرب میں مسلمانوں کے حالات پر ایک مفصل سروے رپورٹ شائع کی تھی، جس کی سرخی میں یہ کہا گیا تھا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا میں دین اسلام اور دوسرے مذاہب کے مقابلے میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اب تک امریکہ میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد کے بارے میں لوگ مختلف اندازے لگاتے رہے ہیں اور مسلمانوں کی تعداد عموماً چھ سے آٹھ ملین تک بتائی جاتی ہے لیکن "لاس اینجلس ٹائمز" کا کہنا ہے کہ یہ اندازے کسی سائنٹفک سروے پر مبنی نہیں تھا۔ اس سروے کے مطابق امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد اگرچہ صرف ۵ لاکھ بیان کی گئی ہے۔ لیکن سروے میں صراحت کی گئی ہے کہ یہ صرف ان مسلمانوں کی تعداد ہے جو امریکی مسجدوں میں پابندی سے نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ سروے کرنے والوں نے امریکہ کی ایک ہزار چھیالیس مسجدوں کے منتظمین سے مسجد میں پابندی سے آنے والوں کی تعداد معلوم کی اور ان کو جمع کیا۔ اس حساب کے نتیجے میں یہ بات ظاہر ہوئی کہ ہر مسجد میں باقاعدہ نماز ادا کرنے والوں کی تعداد اوسطاً فی مسجد ۴۸۵ ہے۔ ساتھ ہی سروے میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی مجموعی تعداد کا صرف دس فیصد حصہ باقاعدگی سے مسجدوں میں نماز ادا کرتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی حقیقی تعداد پانچ ملین یعنی پچاس لاکھ سے کم نہیں ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا بھی درست نہیں ہوگا کہ جو نوے فیصد مسلمان باقاعدگی سے مسجدوں میں نہیں جاتے، وہ نماز سے بالکلیہ محروم ہیں۔ اس لئے کہ امریکہ میں مسجدیں بہت طویل فاصلوں پر بنی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے ہر آدمی کے لئے باقاعدگی سے مسجد میں پہونچنا دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے مسلمان یا تو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں یا انہوں نے مختلف محلوں میں ایسی نماز گاہیں بنا رکھی ہیں جو باقاعدہ مسجد نہیں ہیں لیکن محلے کے لوگ وہاں جمع ہوکر باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔

"لاس اینجلس ٹائمز" کے اس سروے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امریکہ میں ہر سال کم از کم ایک لاکھ بچاس ہزار مسلمانوں کا اضافہ ہو رہا ہے جن میں دوسرے ملکوں سے آکر آباد ہونے والے مسلمان بھی شامل ہیں اور وہ امریکی باشندے بھی جو اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اخبار کا کہنا ہے کہ اگر مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کی رفتار یہی رہی تو آئندہ صدی کے آغاز تک امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد امریکی یہودیوں سے بڑھ جائے گی اور عیسائیت کے بعد اسلام امریکہ کا دوسرا سب سے بڑا مذہب ہوگا۔

امریکہ کے بعض مسلم حلقوں نے "لاس اینجلس ٹائمز" میں شائع ہونے والے اس سروے کی صحت پر شک وشبہ کا اظہار کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس سروے میں مسلمانوں کی تعداد حقیقت سے کم دکھائی گئی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی حقیقی تعداد اس وقت بھی یہودیوں سے زیادہ ہے۔ لیکن اگر "لاس اینجلس ٹائمز" کی اس رپورٹ ہی کو درست سمجھا جائے تب بھی یہ بات واضح ہے کہ امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کی ترقی جس رفتار سے ہو رہی ہے۔ وہ مغربی صحافت کو چونکا دینے کے لئے کافی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ گذشتہ ربع صدی میں امریکہ کے تقریباً ہر خطے میں شاندار مسجدیں تعمیر ہوئی ہیں۔ بچوں کی دینی تعلیم کے مراکز قائم ہوئے ہیں اور مختلف اسلامی اداروں کی تعداد میں

روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

یہ ایک مؤقر امریکی جریدے کی رپورٹ تھی۔

اتفاق سے اس رپورٹ کی اشاعت سے ٹھیک ایک سال پہلے لندن کے مشہور روزنامے "ٹائمز" نے اپنی ۹ر نومبر ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں برطانیہ میں اشاعت اسلام کے بارے میں ایک بہت مفصل مضمون شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا "برطانوی خواتین اسلام کیوں قبول کر رہی ہیں؟" اس مضمون پر یہ سرخی بھی لگائی گئی تھی کہ "مغربی میڈیا کی معاندانہ روش کے باوجود اسلام مغربی دلوں کو فتح کر رہا ہے" اس مضمون میں کہا گیا ہے کہ جس بھاری تعداد میں برطانوی باشندے آجکل اسلام قبول کر رہے ہیں اس کی کوئی نظیر ماضی میں نہیں ملتی۔ اگرچہ برطانیہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اپنے وطنوں کو چھوڑ کر برطانیہ میں آباد ہو گئے ہیں لیکن اب اس تعداد میں خود برطانوی نژاد نومسلموں کا بھاری تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اندازہ یہ ہے کہ آئندہ بیس سال کے دوران برطانوی نومسلموں کی تعداد ان تارکین وطن کے مقابلے میں بڑھ جائے گی۔ جو آبائی طور پر مسلمان تھے، اور ترک وطن کر کے برطانیہ میں آباد ہو گئے۔

"لندن ٹائمز" نے لکھا ہے کہ اگرچہ مغربی پریس اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ منفی تصویر پیش کرتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود برطانوی باشندوں میں اسلام قبول کرنے کی رفتار تیزی سے بڑھ رہی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان برطانوی نومسلموں میں بھاری اکثریت خواتین کی ہے۔ اخبار کی اطلاع کے مطابق امریکی نومسلموں میں بھی خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے میں چار گنا زیادہ ہے اور برطانیہ میں بھی نومسلموں میں بھاری اکثریت انہی کی ہے۔ اخبار لکھتا ہے کہ:

It is even more ironic that most British converts should be women, given the widespread view in the West that Islam treats women poorly.

"یہ اور بھی ستم ظریفی کی بات ہے کہ اکثر برطانوی نومسلم عورتیں ہیں حالانکہ مغرب میں یہ نظریہ بہت پھیلا ہوا ہے کہ اسلام عورتوں سے گھٹیا سلوک کرتا ہے۔"

مغرب میں اسلام پھیلنے کی اس تیز رفتاری کی وجوہات پر بھی اخبار نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ جب سے سلمان رشدی کے معاملے نے شہرت پائی اس وقت سے لوگوں میں اسلام کا مطالعہ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ دوسری طرف خلیج کی جنگ اور بوسنیا میں مسلمانوں کی حالت زار بھی اسلام سے ہمدردی کا سبب بنی، نیز مغربی تعلیمی اداروں میں تقابل ادیان کے موضوع پر تعلیم میں بھی اضافہ ہوا ہے اس کے نتیجے میں بھی بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ اس کے علاوہ برطانوی میڈیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو بے تکان پروپیگنڈہ کرتا رہتا ہے اور اس نے ہر اسلامی چیز کو برا کہنے کی جو پالیسی اختیار کئے ہوئے ہے اس کا بھی بہت سے لوگوں پر الٹا اثر ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے ہیں آخر میں اخبار لکھتا ہے کہ:

"Westerners despairing of their own society-rising crime, family breakdown drugs an alcoholism-have come to admire the discipline and security of Islam."

"مغرب کے لوگ خود اپنی سوسائٹی سے مایوس ہو رہے ہیں جس میں بڑھتے ہوئے جرائم، خاندانی نظام کی تباہی، منشیات اور شراب نوشی کا دور دورہ ہے بالآخر وہ اسلام کے دیئے ہوئے نظم و ضبط اور تحفظ کی تعریف کرتے ہیں۔"

بہت سے نومسلم پہلے عیسائی تھے وہ چرچ کی غیر یقینی کیفیت سے برگشتہ اور عقیدۂ تثلیث وغیرہ سے غیر مطمئن تھے۔ بہت سے وہ لوگ ہیں جو بذات خود مذہب پر یقین نہیں رکھتے لیکن انھیں اس تصوف نے اپیل کیا جسے وہ "اسلام کے بم کے خول میں چھپے ہوئے ہیرے" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اخبار نے یہ بھی لکھا ہے کہ نام نہاد آزادی فکر کے اس دور میں بھی اسلام قبول کرنے والوں کو برطانیہ میں اپنی برادری اور اپنے معاشرے کی طرف سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور خواتین کی مدد کے لئے جو ادارہ قائم ہے اس کو ٹیلیفون کر کے فریاد کرنے والی خواتین میں تقریباً ایک چوتھائی خواتین نومسلم ہوتی ہیں۔

"اس کے بعد لندن ٹائمز" نے ایسی بہت سی خواتین کے انٹرویو بھی شائع کئے ہیں جو برطانوی نژاد ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور انھوں نے پوری طرح بصیرت کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ ایک انتالیس سالہ خاتون، جس نے اپنا اسلامی نام میمونہ رکھا ہے شروع میں عیسائی تھی۔ پھر اس نے عیسائیت کے تمام فرقوں پر ریسرچ کیا اور پھر اس نے یہودیت، بدھ مت اور ہری کرشنا کا گہرا مطالعہ کیا بالآخر اس نے اسلام کو منتخب کیا۔ متعدد نومسلم خواتین نے بتایا کہ ہم کلیسا کی رسمی درجہ بندیوں کے خلاف ہیں اور اسلام کی ہمیں یہ ادا پسند آئی ہے۔ کہ ہر مسلمان براہ راست اپنے خدا سے رشتہ قائم کر سکتا ہے۔ ایک اٹھائیس سالہ برطانوی خاتون جو ہدی خطوب کے اسلامی نام سے مشہور ہے اور اس نے مسلم خواتین کے لئے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ دس سال پہلے مسلمان ہوئی تھی۔ اسلام اور عیسائیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتی ہے۔

" عیسائیت ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ مثلاً اب بعض عیسائیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ شادی سے پہلے ہی جنسی تعلقات قائم کرنے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ یہ اس شخص کے ساتھ ہوں جس سے شادی کرنے کا ارادہ ہو یہ بڑا ڈھیلا ڈھالا مذہب ہے۔ اس کے برعکس جنسی تعلقات کے بارے میں اسلام کی تعلیمات ہمیشہ یکساں رہی ہیں۔ اسی طرح دن میں پانچ وقت کی نمازوں کے احکام میں تسلسل ہے۔ نماز کے ذریعہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے وجود کا احساس دل

ہیں رکھتا ہے اور اس طرح آپ کے پاس ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی ایک بنیاد موجود رہتی ہے اگر [illegible] یہ ہے کہ مغربی خواتین مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کو پسند کرتی ہیں اور اپنی اس خواہش سے دست بردار ہونا ان کے لئے مشکل ہے لیکن برطانیہ کی جن نومسلم خواتین سے "لندن ٹائمز" نے گفتگو کی اس میں ان خواتین نے بتایا کہ ہمارے لئے اسلام میں کشش کا سبب ہی یہ ہوا کہ اسلام مرد اور عورت دونوں کے لئے الگ الگ دائرۂ کار تجویز کرتا ہے ۔ جو دونوں کی جسمانی اور حیاتیاتی ساختوں کے عین مطابق ہے ۔ ان کے نزدیک مغرب کی "تحریک نسائیت" (FEMINISM) درحقیقت عورت کے ساتھ بغاوت تھی ۔ "تحریک آزادیٔ نسواں" پر تبصرہ کرتے ہوئے ان خواتین نے کہا کہ اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ:

"Women copying men, and exercise in which womanhood has no intrinsic value."

"عورتیں مردوں کی نقالی کریں اور یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں نسوانیت کی اپنی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔"

اسکاٹ لینڈ کی ایک چھبیس سالہ خاتون کو ۱۹۷۹ء میں قرآن کریم کی بعض آیات العیاذ باللہ ردی کی ٹوکری میں پڑی ہوئی ملیں جنہیں اس نے اٹھایا اور انھیں پڑھ کر اس کے دل میں اسلام کا داعیہ پیدا ہوا، وہ مسلمان ہوئی اور اس نے اپنا اسلامی نام "نوریہ" رکھا ۔ ایک گفتگو کے دوران "نوریہ" نے مغربی خواتین کے طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

"Most of the women in this country are traitors to their sex. It's almost as if we have been defeminised."

"اس ملک میں بیشتر خواتین اپنی صنف سے خلاف بغاوت کر رہی ہیں۔ اور یہ طرز عمل تقریباً ایسا ہے جیسے ہم سے ہماری نسوانیت چھین لی گئی ہے۔"

نوریہ ہی کی ایک سہیلی جس نے اپنا نام "سمانہ" رکھا ہے ۱۹۸۹ء میں مسلمان ہوئی۔ حجاب کے احکام کی پابند ہے اور کہتی ہے کہ:

"کم از کم میں اپنی صنف کی باغی نہیں ہوں۔"

پردہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے کہا کہ اس سے ہمیں تحفظ کا احساس ہوتا ہے اور ہماری خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے۔ نوریہ نے کہا کہ ابھی تک مغرب میں یہ بحث جاری ہے کہ شادی کے موقع پر اور اس کے بعد بھی عورت کا نام تک مرد کے تابع ہوتا ہے۔ حالانکہ ہمیں اسلام میں مردوں سے بالکل الگ حقوق عطا کئے ہیں اس ضمن میں اس نے جائیداد، وراثت، بچوں کی تحویل وغیرہ کے بارے میں اسلامی احکام کا تذکرہ کیا اور کہا کہ "حالات جس طرح جاری ہیں مجھے اس ملک (برطانیہ) میں عورت کا کوئی مستقبل نظر نہیں آتا ۔ انجام آخر عورت کے حق میں برا ہوتا ہے۔

"Scratch any 'new man' and you find an old man trying to get out; men will always be the same. Women are changing much faster, but they are not trying to get that they want. Everything the feminist movement is aiming for, except abortion and lesbianism, we've got."

"کسی بھی 'نئے مرد' کو کھرچ کر دیکھئے، اندر سے ایک پرانا مرد برآمد ہوتا نظر آئے گا ۔ مرد ہمیشہ ایک جیسے ہی رہیں گے ۔ عورتیں کہیں زیادہ تیز رفتاری سے بدل رہی ہیں، لیکن جو کچھ وہ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ اس کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کر رہی ہیں ۔ "نسائیت" (FEMINISM) کی تحریک جن مقاصد کے لیے جد و جہد کر رہی ہے ۔ ان میں سے اسقاط حمل اور ہم جنس پرستی کے سوا سب چیزیں ہم پہلے ہی "اسلام" میں حاصل کر چکی ہیں ۔

"لندن ٹائمز" لکھتا ہے کہ بہت سی نومسلم خواتین نے اسلام اور مغرب کا تقابل کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا کہ اسلامی تعلیمات میں عورت کو زیادہ تقدس اور عظمت حاصل ہے جو مغرب میں عورت کو حاصل نہیں۔ اور ان کے نزدیک مغرب کی "تحریک آزادیٔ نسواں" کا اس کے سوا نتیجہ نہیں ہوا کہ عورت دوہرے بوجھ تلے دب گئی ہے اخبار کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"Many Muslims contrast the status of women in Islam with what they see as the dismal plight of women in the West. They note that here women work full-time out of financial necessity, remaining lumbered with the housework and children care. It is a puzzling version of emancipation."

"بہت سے مسلمان اسلام میں عورت کے رتبے کا مقابلہ مغرب میں نظر آنے والی عورت کی افسوسناک حالت زار سے کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ یہاں (مغرب میں) عورتیں اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہمہ وقتی معاشی پیشے اختیار کرتی ہیں اس کے باوجود خانہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داریوں کے بوجھ میں بدستور دبی ہوئی ہیں۔ یہ "تحریک آزادیٔ نسواں" کا قابل فہم رخ ہے۔"

"لندن ٹائمز" نے اس طرح کے متعدد انٹرویو اپنی اشاعت میں شائع کئے ہیں ۔ جن میں برطانوی نو مسلم خواتین نے مغربی زندگی سے اکتاہٹ اور اس کے مقابلے میں اسلام کے اطمینان و سکون کا اعتراف کیا

ہے۔ان کے تمام اقتباسات پیش کرنا اس مضمون میں ممکن نہیں لیکن اس مضمون کے ساتھ "لندن ٹائمز" نے ایک اداریہ بھی لکھا ہے جس کا عنوان ہے "انتخاب" اس اداریئے کے چند اقتباسات میں طوالت کے خوف کے باوجود اخبار کے اپنے الفاظ میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں ۔

ٹائمز لکھتا ہے :

"As the investigation in The The Times on women and Islam has shown, the intellectual clarity and moral certainty of this 1400 years old faith are proving attractive to many Western women disillusioned with the moral relationism of their own culture. Though some are converting to Islam after marrying Pakistani or Bangladeshi men, others are making the leap of faith as an independent act of spiritual self-improvement.

Inspite of the outrageous indignities which many women suffer in Muslim countries, the principles outlined in the Qur'an are generally sympathetic to their interests, promising them "rights over men similar to those of men over women."

...The separate spheres marked out for the two sexes by Islam certainly bear little relationship to the notions of gender which have been ushered in by the feminist revolution. But what matters is that many of the women in the West who have taken this unexpected path have done so out of choice rather than familial duty or historic obligation. They have been positively attracted by the sense of sisterhood and community they discover in Islam.

This tentative process of spiritual change suggests that increasing numbers of people are questioning the value system of their own culture. It raises important questions about the state of the Western moral tradition and how it might be fortified. Yet the effect of this (still modest) phenomenon is likely to be positive. The presence of Muslim converts in British Society - many of them highly educated can only assist the process of mutual understanding between the two cultures which the Prince of Wales celebrated last month. Only those who have crossed the divide can truly understand what lies on either side."

"ٹائمز" نے عورت اور اسلام کے موضوع پر جو تحقیق کی ہے جیسا کہ اس کے نتائج سے معلوم ہوتا ہے اس چودہ سو سال پرانے دین کا فکری طور پر واضح ہونا اور اخلاقی طور پر حتمی ہونا بہت سی مغربی خواتین کے لئے پرکشش ثابت ہو رہا ہے ۔ یہ وہ خواتین ہیں جو خود اپنے کلچر کی اخلاقی اضافیت کے فریب سے آزاد ہو چکی ہیں۔ (اخلاقی اضافیت سے اداریہ نگار کا مقصد یہ ہے کہ مغرب میں کوئی اخلاقی قدر ابدیت کی حامل نہیں ۔ بلکہ زمان و مکان کے تقاضوں سے بدلتی رہتی ہے)۔ اگرچہ کچھ خواتین پاکستانی یا بنگلہ دیشی مردوں سے شادی کرنے کے بعد اسلام قبول کر رہی ہیں۔ لیکن دوسری خواتین اس لئے اسلام کی طرف چھلانگ لگا کر جا رہی ہیں کہ وہ ان کی طرف سے روحانی طور پر اصلاح ذات کا ایک آزادانہ عمل ہے ۔

مکتوبات

ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ نے اس عالم فانی کو امتحان و آزمائش کا گھر بنایا ہے یہاں بندوں کو مشکلات و مصائب سے دوچار ہونا لازمی ہے تاکہ بندہ کو صبر و شکر اور راضی برضائے مولا رہنے کو جانچا اور پرکھا جا سکے۔ اسی لئے اللہ رب العالمین نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام کو ان سارے مراحل سے گذار کر قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے اس کو باعث تسکین بنا دیا لیکن بہت سے لوگ مشکلات سے گھبرا کر زندگی سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں، بہت تو موت کی تمنا کرنے لگتے ہیں جو بندۂ مومن کی شان کے قطعاً خلاف ہے اس طرح کی مشکلات سے گھبرا کر ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ کے ایک معتقد نے زندگی سے بیزاری کا خط لکھا۔ ڈاکٹر صاحب نے جو جواب لکھا اس میں بہت سے دلوں کی تسکین کا سامان ہے اس لئے ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے ——— (ادارہ)

محب محترم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا خط مورخہ ۳۱؍ جنوری کا ۸؍ فروری کو موصول ہوا! الحمد للہ بہتر ہوں، آنکھ کا حال بھی بہتر ہے نزدیک و دور کا چشمہ مل گیا ہے۔ لیکن ابھی لکھنے پڑھنے کی نہ صلاحیت ہے نہ اجازت ہے، صحت و طاقت جو بہت گر گئی تھی الحمد للہ رفتہ رفتہ عود کر رہی ہے مگر اب بھی کافی اضمحلال ہے مگر مشاغل دیرینہ کے تقاضے بھی عود کر رہے ہیں اور بقدر ہمت ان کا حق ادا کرنا شروع کر دیا ہے۔ دعا فرماتے رہیں۔ آپ نے پچھلے خطوں میں بھی اور اس خط میں بھی پھر اس بات کی تکرار فرمائی ہے کہ "زندہ ہوں مگر زندگی سے بیزار ہوں۔ نیز یہ کہ شاد، باید زیستن ناشاد باید زیستن"۔

آپ کا یہ انقباضِ زندگی میرے مذاقِ حیات پر ہمیشہ گراں گزرتا ہے اس کے متعلق پہلے خطوط میں اظہارِ خیال کر بھی چکا ہوں۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر یہ ایام زندگی شاق ہیں تو پھر اس کا تدارک کیا ہے اگر شاد باید زیستن اپنے اختیار میں نہیں تو ناشاد باید زیستن بھی اپنے اختیار میں نہیں ہے ؎

مرگ بے ہنگام فانی وجہ تسکیں ہو چکی

زندگی سے آپ گھبراتے ہیں گھبرایا کریں، آپ زندگی سے ہزار بیزار رہیں مگر یہ زندگی مستعار اسی وقت ختم ہوگی جو اس کے لئے وقت مقرر ہے لیکن اب سوچنا یہ ہے کہ ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

آخرت میں مرنے کے بعد چین ملنے کا کیا سامان کیا یقین ہے؟ تو اگر یقین ہے تو اس یقین کی بنیاد یہی تو ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں مگر انھوں نے اپنی مغفرت و رحمت کے لئے کچھ شرائط بھی تو مقرر کئے ہیں کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ وہ شرائط آپ نے کما حقہ پورے کر لئے ہیں یا محض گمان ہی گمان ہے اس لئے ان شرائط کو پورا کرنے کے لئے اہتمام بلیغ کی ضرورت ہے اور وہ اہتمام اسی طرح ممکن ہے جیسا کہ ذیل میں مذکور ہے اس لئے اپنی اس ذہنی حالت کو بدلئے اور مہلت یافتہ وقت کو غنیمت سمجھئے اور پھر ؎

گر تو نمی پسندی تغیر کن قضا را

ایک بار لکھنؤ میں واقفؔ لکھنوی سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے فرمائش کی قبلہ کوئی ایسا شعر سنا دیجئے جو آپ کی یاد کے ساتھ ہمیشہ یاد رہے تو انھوں نے یہ شعر سنایا ؎

وابستہ تھے اسی سے بس لطف زندگی کے
رخصت ہوئی جوانی اب کیا کریں گے جی کے

گویا اس شعر نے آپ کے مذاق زندگی کی ترجمانی کی یعنی آپ پیری میں بھی جوانی کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور جب وہ نصیب نہیں تو اس کے فقدان پر زندگی کو قابل عبرت سمجھتے ہیں اور میرا مذاق زندگی یہ ہے ؎

ہر چند پیر خستہ دل بس ناتواں شدم
آنگہ نظر بر روئے تو کردم جواں شدم

میں جو محسوس کرتا ہوں وہی بات عرض کروں گا آپ خواہ سمجھیں یا نہ سمجھیں میرا وجود میرے خالقِ حقیقی کی عطا ہے اور اس کے ساتھ ہر آن ان کی شان ربوبیت متصرف ہے یعنی وہ میرے وجود کے رب ہیں اور میں ہمہ وقت ان کی آغوش رحمت میں پرورش پا رہا ہوں اور اسی عارضی حیات میں حیات آخرت کے لئے جتنے لوازمات بشری ایمانی اور روحانی کی ضرورت ہے میرا رب ہمہ وقت اس سے میری پرورش فرما رہا ہے۔ نابالغی کے زمانے تک اس نے اپنی شان پرورش کو ماں باپ کے ذریعہ سے پورا فرمایا پھر بالغ ہونے سے تا دم آخر براہ راست اپنی پرورش میں لے لیا کیونکہ اب حقیقی پرورش کرنے والے کا علم اور معرفت کے لئے فہم اور قابلیت بالغ ہونے لگتی ہے اور ایسا علم و معرفت حاصل کرنا اس پر واجب ہو جاتا ہے الحمد للہ کھلی آنکھوں سے نظر آتا ہے کہ جسمانی پرورش کے لئے طرح طرح کے سامان مہیا فرما دئیے ہیں راحت، عزت اور عافیت سب کا پورا پورا سرمایہ ہر وقت موجود ہے جب میں اپنی نادانی سے بدپرہیزی کر لیتا ہوں اور صحت کو نقصان پہونچا لیتا ہوں تو اس کے لئے طبیب اور دواؤں کا انتظام موجود رہتا ہے، جب میں اپنے راحت کے سامانوں میں کوئی نقصان پہونچا لیتا ہوں تو اس کی تلافی مافات بحسن و خوبی اپنے وقت پر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب میں اپنی روحانی اور ایمانی صحت کو اپنی غفلت کی وجہ سے نقصان پہونچا لیتا ہوں تو اس کی

تلافی مافات بحسن وخوبی اپنے وقت پر ہو جاتی ہے اسی طرح جب میں اپنی روحانی اور ایمانی صحت کو اپنی غفلت کی وجہ سے نقصان پہونچا لیتا ہوں تو اس کی تلافی کے لئے اپنی شانِ رحمت سے بہت سی تدبیریں بتادی ہیں اور ان پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور اس پر شفا کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی طرح میری پرورشِ روحانی برابر ہو رہی ہے جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی ہے اور فطری وبشری ضعف ونقاہت معذورات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے اندازِ پرورش میں حسب ضرورت تغیر وتبدل بھی ہوتا رہتا ہے۔ یہ جسمانی انحطاط ایک فطری امر ہے اور بشریت کے لوازمات میں ہے اور جو آخر عمر تک اضافہ پذیر ہوتا رہتا ہے لیکن بقائے قوتِ روحانی اور ایمانی جو حیات دنیوی کے لئے بھی ضروری ہے اور حقیقتاً سرمایۂ آخرت ہے اس کے قائم رکھنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ اپنی شانِ ربوبیت سے ہر حال میں ہمارے لئے ضروری چیز مہیا فرمادیتے ہیں چنانچہ جب جسمانی انحطاط پیدا ہوجاتا ہے تو بہت سے ظاہری اعمال یعنی فرائض وواجبات سے بھی ہم کو غیر مکلف بنادیا جاتا ہے مگر باطنی اعمال کا اہتمام اور شدید وقوی کردیا جاتا ہے اس لئے اس حیات دنیوی میں خواہ کتنا ہی انحطاط اور ضعف جسم میں ہوجاتا ہے اعمال باطنی میں قوت پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور وہ اعمال باطنی کیا ہیں؟

یہ وہ اعمال ہیں جن سے روح کو اور ایمان کو قوت پہونچتی ہے اور اپنے رب حقیقی کی ربوبیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اعظم الغایات جنت میں جانے کی صلاحیت اور قابلیت پیدا ہوتی ہے اور اس کا حاصل کرنا ہر مومن پر فرض ہے۔ اعمال باطنی سے قبل یہ بات سمجھئے کہ اس وقت آخر عمر میں حالات زندگی کیا ہیں یہی ہیں کہ دل کمزور، دماغ کمزور، اعصاب کمزور اور باضمہ کمزور غرض کہ تمام اعضاء رئیسہ کمزور، طبیعت میں پستی، ہمت اور فقدان اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف افکار اور پریشانیاں کچھ اپنا وجود قائم رکھنے کے لئے اور اعزہ واحباب کے متعلق فکر واہتمام اس کے علاوہ اپنے اور غیروں سے کچھ تلخیاں کچھ ناگواریاں، کچھ صدمات کچھ سانحات کے اثرات وغیرہ وغیرہ لیکن میری اس زندگی پر متصرف کون ہے، کس کی مشیت میرے ساتھ وابستہ ہے میرے ہی پروردگار کی مشیت کارفرما ہے جو بہت ہی بڑے رحیم ورحمان ہیں اور حکیم علی الاطلاق ہیں جو میرے وجود کی پرورش فرمارہے ہیں۔ اب اس عمر میں جسمانی قویٰ کی پرورش اسی قدر کافی ہے کہ جب تک اس کی مشیت میرے جسمانی وجود کو قائم رکھنے کے لئے ہے لیکن حیات آخرت کے لئے روحانی پرورش نہایت ضروری اور اشد ہے اور یہ میری موجودہ جسمانی انحطاط کی حالت سب اسی روحانی قوت کی پرورش کا ساز وسامان ہے یعنی اسی پر احساس زندگی اور احساس بندگی منحصر ہے اور یہی عالم عجز ونیاز ہے جب کہ مسلمان "ایاک نعبد وایاک نستعین" کا مصداق بنتا ہے۔ ایام جوانی میں جب کہ مجھ کو اپنی حیات روحانی کو قوی بنانے کے امکانات زیادہ تھے اور جسمانی طاعات وعبادات سے روح اور ایمان کو تقویت پہونچائی جاسکتی تھی وہ وقت میں نے بڑی غفلت سے بسر کیا اور نفس وشیطان سے مغلوب ہوکر اپنی روح اور ایمان کو ضعیف اور مضمحل کرڈالا۔ روح اور ایمان کی بقا وقوت سے ناواقف رہا۔ اب میں یہ دیکھتا ہوں کہ میرے پروردگار نے اس حالت ضعیفی میں جن مجبوریوں میں اور معذورات میں مجھ کو مبتلا کیا ہے یہ کس قدر رحمت وشفقت کا معاملہ ہے جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جسمانی انحطاط تو قانونِ قدرت کے مطابق ہونا ہی چاہئے تھا روح میں ترقی وقوت یہ بھی تقاضائے فطرت ہے۔ کیونکہ یہ روح کی قوت وصحت سرمایہ آخرت ہے جو مقصود وغایت حیات انسانی ہے۔ اب یہ اس زمانے میں جبکہ جسم میں انحطاط ہے اور اعمال جسمانی کے لئے معذورات ہیں۔ تو پھر اعمال باطنی ہیں جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں صبر وشکر اور استغفار وغیرہ اب یہی شکر ہے۔ ابتداء ہی سے جس کا ادا کرنا ہم پر واجب ہے اور اس کا ہم نے ایام شباب میں اور آج تک حق ادا نہیں کیا اور ہماری روح اس غذائے خاص سے محروم ہی رہی۔ یہی صبر ہے جس کی اہمیت ہم نے کبھی نہ سمجھی اور ہمیشہ بے صبری اور حالات ابتلا میں شکوہ وشکایت کی عادت رہی یہی استغفار ہے کہ جس کی اہمیت ہماری نظر میں کبھی نہیں ہوئی اور ہماری روح مختلف قسم کے معاصی سے مجروح اور مضمحل ہوتی رہی اب یہ وقت جب کہ ہمارا وجود ابھی قائم ہے ان تمام نقصانات کی تلافی کا ابھی وقت ہے۔ ورنہ یقیناً انجام آخرت کے لحاظ سے خسران عظیم ہے۔ ان تمام امور کی اہمیت اور ضرورت روح کی پرورش کے لئے اس قدر اشد ہے کہ یہ تینوں امور ہم پر واجب کردیئے گئے ہیں ان امور کی تفصیل زیادہ طویل ہوگی اس لئے مختصر بات یہ ہے کہ صبر وشکر اور استغفار کا مراقبہ اور استحضار دائماً والتزاماً کیا جائے۔ تاکہ روح کی پرورش کی تکمیل ہو اور وہ اپنا مقام فطری حاصل کرے اور اگر یہ ہر وقت ممکن نہ ہو تو کچھ وقت مقرر کیا جائے۔ ان امور کا استحضار وتکرار کیا جائے، انشاء اللہ جس قدر بھی اہتمام کیا جائے گا قلب اور روح کی صلاحیتیں اور استعداد درست ہوں گی اور مقصود حیات حاصل ہوگا۔ مثلاً شکر کے مراقبے کے لئے یہ چند امور پیش نظر رکھے جادیں مثلاً بغیر کسی استحقاق کے دولتِ اسلام وایمان کا حاصل ہونا۔ ماں باپ کی آغوش شفقت میں پرورش پانا علوم ظاہری کی تعلیم وتربیت کا ہونا ذریعہ معاش کا بقدر کفایت آسانی سے میسر ہونا پھر اپنے اعضائے جسمانی کا صحیح اور درست ہونا اور اسی طرح ہزاروں نعمتیں جو ہمارے گرد وپیش ہمہ وقت موجود رہی ہیں ان کا استحضار کرنا اور اپنے ماحول زندگی کا اکثر بیشتر حسب دل خواہ ہونا۔ اسی طرح امور صبر پر غور کیا جائے مثلاً اپنے جسم کی غیر اختیاری مجبوریاں، بیماریاں، خواہ مخواہ سامان راحت کا فقدان ماحول کے اثرات،

دوسروں کے معاملات میں ناگوار تلخیاں وغیرہ وغیرہ ان سب کو منجانب اللہ سمجھ کر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا اور صبر کرنے والوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے وعدے فرمائے ہیں اپنی معیت، رحمتوں اور مغفرتوں کی بشارتیں ان کا طلب گار اور امیدوار رہنا ...اور ان امور کو کفارۂ سیات اور رافع درجات ہونے کا یقین رکھنا۔ اسی طرح استغفار کو اپنا شعار زندگی بنانا، اپنی پچھلی زندگی میں جن غفلتوں، معصیتوں کوتاہیوں اور حق تلفیوں کا ارتکاب ہو چکا ہے اس کی تلافی مافات کا اہتمام کرنا اور جس کی تلافی ناممکن ہو اس کے لئے توبۃ النصوح اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت و پناہ مانگنا اور اللہ تعالیٰ سے دین و دنیا کے فتنوں، انقلابات کے نقصانات، ارضی و سماوی آفات و حادثات سانحات اور آفات ناگہانی سے پناہ مانگنا بھی سب عبادت ہے۔ اور یہی سب کچھ سرمایہ آخرت ہے جس کے مہیا کرنے کے لئے ہم مکلف ہیں۔

ان اعمال باطنی کے ساتھ ساتھ اس ضعیفی کی حالت میں جس قدر بھی توفیق ہو اور جس قدر بھی تحمل ہو تو کچھ نوافل اور کچھ ذکر لسانی کا اہتمام رکھنا بھی ضروری ہے۔ مسنون نمازیں تہجد، اشراق، چاشت، اوابین اور صلوٰۃ التسبیح، جس قدر آسانی سے تلاوت کلام اللہ ممکن ہو ورنہ جس قدر آیات قرآنی زبانی یاد ہوں ان کا ورد رکھنا بھی بڑی سعادت کی بات ہے اس کے علاوہ ذکر لسانی تسبیحات مسنونہ کثرت سے استغفار کثرت سے ورد کلمہ طیبہ اور درود شریف اور جب کبھی موقع ملے اپنی ضروریات، اپنی احتیاج اور اپنی مشکلات اور اپنی پریشانیوں کے متعلق دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ اور اپنے والدین، آباء و اجداد اور اپنے دوست احباب جن کا انتقال ہو چکا ہے ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام بھی التزاماً رکھا جائے یہ بھی ادائے حق محبت کے لئے ہم پر واجب ہے اور یہی وقت مہلت جو ہم کو نصیب ہے یہ حق محبت ادا کرکے ہم کو سعادت اخروی حاصل کرنا ہے اور اگر توفیق ہو تو دینی کتابوں کا مطالعہ اور دینداروں کی صحبت بہترین رفیق زندگی ہے۔ ضعیفی اور انحطاط عمر کا زمانہ خود ایک ایسی حالت ہے کہ ایک مومن سراپا مورد رحمت الٰہی بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں کہ جب کچھ نہ بن پڑے صرف معاصی سے بچتا رہے۔ تو اس کا خاموش رہنا معمولی ضروریات کے لئے چلتے پھرتے رہنا۔ یہاں تک کہ سوتے رہنا بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ یہ لمحات بہت ہی مغتنم ہیں اور ہر لمحہ افزائش سرمایہ آخرت ہے۔ گو کہ حقیقتاً پورا زمانہ عمر بھی قابل ہزار شکر ہے۔ اگر اس وقت کی ناقدری کی گئی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بطور مہلت عطا فرمایا ہے۔ حقیقتاً یہ بڑی کفران نعمت ہے اور خسران عظیم ہے۔ کیونکہ سمجھنے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حکیم علی الاطلاق ہیں اور ہمارے رحیم و کریم اور مربی ہیں۔ پھر یہ ہماری حالت شکستہ اور تکالیف جسمانی اور دماغی افکار و پریشانی جس میں ہم مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ مشیت الٰہیہ کا یہ فعل عبث تو نہیں ہے بلکہ یقیناً اور حقیقتاً یہ لمحات زندگی امور مذکرہ بالا ہی کے واسطے ہم کو عطا کئے گئے ہیں تاکہ ہمارا مقصود حیات اور روح کی صلاحیتوں کی تکمیل بدرجہ اتم ہو جائے تاکہ وہ حیات ابدی و سرمدی کے لئے سرمایہ خاص بن جائے اس حقیقت کو جان لینے اور اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہر لمحہ حیات کو غنیمت اور اہم سمجھنا چاہئے اور صبر و شکر کے تقاضوں کو پورا کرتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رحم و کرم سے اس عمر کی اہمیت کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ آخر وقت یعنی نزع کی حالت میں ہوش آنے کے بعد بندہ یوں کہتا ہے کہ "رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین" لیکن اس وقت کہنا بندے کے لئے لاحاصل ہے۔ مگر ہم کو یہ مہلت دی گئی جو قابل ہزار شکر ہے۔ اس کو انعام الٰہی سمجھیں اور اس کا شکر کثرت سے ادا کرتے رہیں۔

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

دعائے مغفرت

مولانا اسمٰعیل مکوریا صاحب کنتھاروی (مقیم حال لندن) اور مولانا اسمٰعیل صاحب اکوبت کنتھاروی (مقیم حال پریسٹن یوکے) یکم و ۲ر صفر ۱۴۱۶ھ مطابق یکم و ۲ر جولائی ۱۹۹۵ء کو یکے بعد دیگرے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دونوں بزرگ نیک اور متقی و پرہیزگار عالم دین تھے۔ قارئین تعمیر حیات سے درخواست ہے کہ دونوں مرحومین کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

● دارالعلوم دیوبند کے موقر استاد مولانا بلال اصغر صاحب کی اہلیہ کا ۹ر ربیع الاول کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

● مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب مظاہری کے بڑے بھائی کی اہلیہ کا ایک طویل علالت کے بعد مورخہ ۲۰ر ربیع الاول ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۸ر اگست ۱۹۹۵ء کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ کے شوہر کا حضرت مولانا مدظلہ سے کافی تعلق تھا۔ شوہر کے انتقال کے بعد مرحومہ نے اپنے دونوں بچوں کو ندوہ میں تعلیم دلائی۔

قارئین حضرات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

● مولوی نثار احمد ندوی جو پنجاب کے ایک دینی ادارہ میں درس و تدریس کا کام انجام دے رہے ہیں، ان کے والد محترم کا ۱۵ر اگست ۱۹۹۵ء کو انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ایک مطالعہ

تاریخ دعوت و عزیمت جلد چہارم

حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ

قسط (۱)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کی نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملّت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار (اقبالؔ)

تاریخ دعوت و عزیمت کی یہ چوتھی جلد ایک ایسے فقیر بے نوا کے ذکر میں ہے جس نے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ایک عظیم الشان سلطنت و ملک کا رخ بدل دیا۔ یہ مجدّد الفِ ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کی سیرت۔ پیغام اور کارناموں کے بیان میں ہے۔ وہ ذات گرامی جس کی تجدید دین نے وہ شہرت اور قبولیت حاصل کی جو کسی داعی اور مصلح کے حصّے میں نہیں آئی۔ یہ کتاب عہد حاضر کے تقاضوں جدید ذہنوں اور بحث و تحقیق کے جدید معیاروں اور پیمانوں کے مطابق ہے۔ یہ قدیم تاریخوں اور تذکروں کی تلخیص اور انتخاب نہیں ہے۔ یہ اس عہد کے علمی اور تاریخی و فکری و سیاسی۔ اخلاقی و اجتماعی اعتقادی اور کلامی ماحول کا مؤرخانہ اور ناقدانہ جائزہ ہے۔ اسلام کی تاریخ کا پہلا ایک ہزار سال تکمیل پر آرہا تھا۔ حوصلہ مندوں اور طالع آزماؤں کے دلوں میں امنگوں کے چراغ روشن ہو رہے تھے۔ ایک طرف فلسفہ اور علوم عقلیہ کا بول بالا تھا۔ دوسری طرف اشراق، باطنیت، رسالت کی عظمت کو گھٹا رہی تھی۔ عقل یا ریاضت و مجاہدہ اور نفس کُشی کو ولد معرفتِ الٰہی۔ نجات اور ترقیِ درجات کا ذریعہ سمجھا جارہا تھا۔ وحدت الوجود کے عقیدہ نے آزادی اور بے قیدی بلکہ الحاد اور زندقہ کا دروازہ کھول دیا تھا۔ سنّت اور شریعت کی اہمیت علماء کی ایک قلیل تعداد تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ عالم اسلام کی یہ دوسری عظیم سلطنت نبوت محمدی کی پیروی اور دین حجازی سے وابستگی کے بجائے ہندی فلسفہ۔ ہندی تہذیب اور وحدت ادیان کی طرف مائل۔ اُس وقت اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش۔ مردہ سنتوں کے احیاء۔ حمایتِ شریعت اور ازالۂ بدعت کا عظیم الشان کام کرنے کے لئے حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی ذات سامنے آئی۔

اس سے پیشتر کہ میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے کارناموں کا تفصیلی ذکر کروں میں اُس عہد کی اسلامی دنیا خاص طور پر ہندوستان کی سیاسی حالت و مذہبی اور روحانی حالت۔ علمی حالت اور ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشارِ خیال کے متعلق اجمال سے بیان کروں گا تاکہ وہ پس منظر سامنے آئے جو حضرت شیخؒ کے جہاد بالقلم اور باللسان کی وجہ بنی۔ اقبال نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اُس دور میں ہندوستان کے سرمایۂ ملّت کے نگہبان بنے اور ان کے نفسِ گرم سے وہ برف پگھلی جو ملک میں شعارِ اسلامی پر جم گئی تھی۔ یہ بیان مختصر ہے کیونکہ ایک چھوٹا سا مضمون تمام حالات کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر پڑھنے والوں کے لئے کتاب موجود ہے جسے بڑی آسانی سے دائرۃ المعارف کہا جاسکتا ہے۔

دسویں صدی کے اوائل میں عالم اسلامی کے مرکزی حصّہ (مشرقِ وسطیٰ) کو سیاسی استحکام حاصل ہوا تھا۔ سلطان سلیم اول بانیِ خلافتِ عثمانیہ نے شام اور مصر فتح کیا اور خلافت اور حرمین شریفین کی تولیت اور خدمت کا اعلان کیا۔ سلطان سلیم اور اس کے جانشین سلیمان اعظم کا زمانہ سلطنت عثمانیہ کے اوج اقبال کا زمانہ ہے۔ مرادِ ثالث کے زمانہ میں تونس سلطنت ایران کے بعض زرخیز صوبے اور یمن دولتِ عثمانیہ میں شامل تھے اور اس کے زمانہ میں حرم مکّی کی تکمیل ہوئی۔ یہ مجدّد صاحب کے شعور کا زمانہ تھا۔

اس صدی کی ابتدا میں ایران و خراسان میں صفوی خاندان کا ظہور رہوا۔ یہ سلطنتِ عثمانیہ کی متوازی سلطنت تھی حکومت کا سرکاری مذہب اثنا عشری تھا اس خاندان کا سب سے باعظمت حکمران شاہ عباس تھا اس نے ترکوں سے لڑ کر نجف اور کربلا کو حاصل کر لیا تھا۔ ترکستان یا ماوراء النہر ازبکوں کے قبضہ و اقتدار میں تھا اس کا دارالسلطنت بخارا تھا۔ افغانستان ترکستان کے ازبکوں اور ایران کے صفویوں کے درمیان مقامی حوصلہ مندوں کے تاخت میں رہا ۹۲۵ھ میں بابر نے قندھار کو فتح کیا اور ہندوستان میں تیموری سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ وہ کابل، بدخشاں اور قندھار تک حکومت کرتا تھا۔ ۱۱۵۱ھ تک افغانستان ہندوستان کی مغل سلطنت کا ایک صوبہ رہا یہاں تک کہ نادر شاہ نے اُس پر قبضہ کر لیا۔

بابر نے ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کی بنیاد ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ڈالی۔ لودھی خاندان اسلام کا حلقہ بگوش اور مذہب حنفی کا پابند تھا۔ ۹۴۶ھ سے ۹۵۲ھ تک شیر شاہ سوری حکومت کی اس سے زیادہ تنظیم اور دستور سازی کی

صلاحیت اور رفاہی کاموں کی توفیق رکھنے والا دین دار بادشاہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں نہیں گزرا ہے بابر کا بیٹا ہمایوں شیر شاہ کے فاتحانہ حملوں اور بھائیوں کی بے وفائی سے پریشان رہا اور جب تک ایران سے شاہ طہماسپ صفوی کی مدد کے لئے نہیں آیا اس کو استقرار نصیب نہیں ہوا۔ ۹۶۳ھ میں اکبر تخت نشین ہوا۔ اور پچاس سال تک ہندوستان میں نہایت شان سے حکومت کی۔

مجدد صاحب کی عمر جب ۴۴ سال کی تھی تب نورالدین جہانگیر ہندوستان کے تخت پر بیٹھا اور اسی کے عہد میں انھوں نے وفات پائی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب پوری دنیائے اسلام کے ذہن پر مذہب کی گرفت مضبوط تھی۔ عوام اگرچہ برائت اور خلافِ اسلام افعال کے مرتکب ہوتے رہتے تھے لیکن کفر والحاد سے بیزار تھے۔ سلاطینِ اسلام جن کی فوجی طاقت بے پناہ تھی ان کو بھی دین کی حمایت اور نصرت کا اعلان کرنا پڑتا تھا۔ سلطان سلیم اول نے خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین شریفین کا لقب اختیار کیا اور پہلی مرتبہ ترکی کے سلطان کی طرف سے بطور ہدیہ غلافِ کعبہ بھیجا گیا۔ ایران کی شیعی سلطنت نے مذہب سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کر کے ملک میں سیاسی استحکام حاصل کیا۔ شاہ عباس اول اصفہان سے ۸۰۰ میل پیدل سفر کر کے مشہد زیارت کے لئے حاضر ہوا۔

ہندوستان میں بھی طریقہ اہلِ سنت اور مذہبِ حنفی کی پابندی رہی۔ یہاں فقہ حنفی کی مشہور کتابیں فتاوی تاتاری اور فتاوی قاضی خاں لکھی گئیں۔ سلطان سکندر لودھی نے بدعت اور خلافِ اسلام رسوم کو سختی سے روکا۔

یہ دور تصوف اور صوفیہ کے انتہائی عروج کا تھا۔ ہر جگہ کوئی نہ کوئی سلسلہ پایا جاتا تھا۔ ترکستان میں بخارا اور سمرقند۔ افغانستان میں ہرات اور بدخشاں مصر میں اسکندریہ اور طنطا۔ یمن میں صنعا علماء اور صوفیہ اور مشائخ کے بڑے مرکز تھے۔ ہندوستان میں اگرچہ سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ کی دونوں شاخیں (نظامیہ اور صابریہ) پھیلی ہوئی تھیں لیکن درحقیقت یہ صدی (دسویں) سلسلۂ عشقیہ شطاریہ کی صدی ہے اس سلسلے کے بانی شیخ عبداللہ شطار خراسانی ہیں۔ اس کی دو شاخیں ہیں ایک شاخ کا تعلق شیخ محمد غوث گوالیاری سے ہے۔ دوسرے کے بانی شیخ علی بن قوام جونپوری ہیں۔ اس سلسلے نے غالباً جوگ کو تصوف کے ساتھ ملایا۔ وحدت الوجود، بت خانہ و مسجد، شیخ و برہمن کی مساوات پر زور رہا۔

شیخ محمد غوث گوالیاری نے اکبر کو اپنا مرید بنالیا تھا۔ لیکن جلد ہی یہ حلقۂ ارادت دور ہو گیا شیخ علی بن قوام جونپوری معروف بہ علی عاشقاں کے متعلق بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بعد کسی سے ایسے کرامات کا ظہور نہیں ہوا جیسا ان سے۔ ان نامور مشائخ کے علاوہ اور بھی جلیل القدر مشائخ تھے۔ ان میں زیادہ تر وحدت الوجود کے قائل اور صاحبِ حال بزرگ تھے۔

پھر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۴ھ) کا آفتابِ ارشاد نصف النہار پر پہنچا۔ وحدت الوجود کے زبردست داعی تھے۔ غرض ہندوستان کے مختلف المشرب شیوخ اور اصحابِ سلسلہ مختلف مقامات پر اپنے روحانی مراکز قائم کئے ہوئے تھے اور عوام الناس ان میں کسی نہ کسی سے وابستہ تھے۔

دسویں صدی زیادہ تر جمع و ترتیب اور تسہیل و تلخیص کی صدی تھی پھر بھی اس کے اوائل میں علامہ شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) اور علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) جیسے علوم دینیہ کے بحر زخار اور مصنفین کبار گزرے ہیں اس صدی میں مصر و شام و عراق میں فن حدیث۔ ایران میں علوم حکمیہ (منطق و فلسفہ) ترکستان اور ہندوستان میں علم فقہ (حنفی) کا زور رہا ہندوستان میں فضلائے ایران کی آمد شروع ہوگئی تھی۔ اکبر کے زمانہ میں حکیم ابوالفتح گیلانی اور ان کے دو بھائی گیلان سے آئے تھے ملا محمد یزدی اور امیر فتح اللہ شیرازی بھی دربارِ اکبری سے وابستہ ہوئے۔ ہندوستان باہر کی اسلامی دنیا سے وابستہ تھا مگر درآمد کا عمل برآمد کے عمل سے بڑھا ہوا تھا۔

اسلام ہندوستان میں ترکستان اور ایران کا چکر لگا کر پہونچا۔ عربی زبان کے رائج نہ ہونے سے علم حدیث تک بہت کم لوگوں کی رسائی تھی۔ اور مسلمان غیر مسلم اکثریت میں گھرے ہوئے تھے۔ ۹۵۰ھ میں فوجی مدد حاصل کرنے کے لئے ہمایوں عازم ایران ہوا۔ شاہ طہماسپ تخت نشیں تھا اس نے ہمایوں سے مذہب تشیع قبول کرنے کی فرمائش کی۔ ہمایوں کے دل میں مذہب اثنا عشری کے لئے نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا ہمایوں کی مدد کے لئے ایران سے امرائے قزلباش آئے اس کے امرائے خاص میں بیرم خاناں تھا جو تفضیلی تھا اس کا مشہور شعر ہے۔

شہے کہ بگذرد از نہ سپہر افسر او
اگر غلام علی نیست خاک بر سر او

اس زمانہ میں دو تحریکیں سخت انتشار انگیز اور اسلامیت کے لئے باعث تخریب تھیں ان میں ایک ذکری عقیدہ اور فرقہ تھا۔ اس کا بانی ملا محمد تھا ذکری اس کو خاتم النبیین اور افضل الرسل اور نور اولیں اور آخریں مانتے تھے۔ نماز پڑھنے والوں کی تضحیک کرتے تھے۔ روزہ، حج اور زکاۃ کے منکر تھے۔ بڑی مشکل سے اس فرقہ کا استیصال ہوا۔

دوسرا فرقہ فرقۂ روشنائیہ تھا۔ اس فرقہ کے عقیدوں میں سیاسی مضرات بھی تھے، اس کے معتقد اور مخالف ایک دوسرے کے بالکل ضد تھے۔ ایک بانی فرقہ کو پیر روشن کہتا تھا۔ دوسرا پیر تاریک۔ انھوں نے پشاور کے علاقہ میں متعدد افغانی قبائل کو اپنا معتقد بنالیا تھا۔ اندرونی اور بیرونی جنگوں سے خستہ حال ہو کر

اور علماء کی شدید مخالفت کے باعث وہ ہندستان کے مختلف حصوں میں بکھر گئے اور بالآخر ناپید ہو گئے

مهدويت :۔ یہ تحریک دسویں صدی کے ابتدا میں شروع ہوئی اور اس کے اثرات اُس صدی کے آخر تک باقی رہے۔ کوئی دینی دعوت اور تحریک اتنے وسیع پیمانے پر مسلم معاشرہ پر اثر انداز نہیں ہوئی جتنی کہ یہ دعوت و تحریک۔ اس کے بانی سید محمد جونپوری اسد العلماء کہلاتے تھے مگر بہک گئے اور اپنے مہدیِ موعود ہونے کا اعلان کیا۔ وہ اعلیٰ درجہ کے صاحبِ تاثیر تھے اور اپنے سامعین پر بے خودی اور خود فراموشی طاری کر دیتے تھے اور وہ سب اپنے کو ان کے حوالے کر دیتے تھے۔ یہی بات غیاث الدین شاہ خلجی اور محمود شاہ گجراتی کے ساتھ پیش آئی۔ حاکم قندھار مرزا شاہ بیگ کا بھی ان کی طرف میلان تھا۔ اُن کی دعوت نے بے لوث اور سر فروش داعی پیدا کئے۔

حالت سکر میں یا مفہوم و مراد صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بنا پر اُن سے ایسے اقوال اور دعاوی صادر ہوئے جن کی تاویل اور توجیہ مشکل ہے۔ یہ فرقہ اہل سُنت والجماعت سے کٹ گیا۔ اس کے غالی معتقدین کے تشدّد سے عقائد میں ایک تزلزل اور مسلم معاشرہ میں انتشار پیدا ہو رہا تھا۔ علامہ محمد طاہر پٹنی (۹۱۳ھ ۹۸۶ھ) مصنف بحار الانوار نے اس کے انسداد کا بیڑا اٹھایا اور عہد کیا کہ جب تک گجرات میں اس کا خاتمہ نہ کر دیں گے پگڑی نہیں باندھیں گے۔ اکبر نے ۹۸۰ھ میں گجرات فتح کیا۔ اپنے ہاتھ سے اُن کے دستار باندھی اور کہا کہ یہ میری ذمہ داری ہے مگر مہدیوں نے انھیں شہید کر دیا

دسویں صدی میں مال و دولت کی فراوانی عہدوں اور منصبوں کی طمع اور مسابقت کے جذبے نے ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا تھا جو دینی اور اخلاقی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ کر ہر طرح کی بے عنوانی اور بے راہ روی اختیار کر رہا تھا۔ سلطنتِ مغلیہ کے قیام کے بعد ہندوستانی معاشرہ کی یہی کیفیت ہو گئی تھی۔

سلطنت اموی اور عباسی میں بھی یہ طبقہ نمایاں طور پر ظاہر ہوا تھا۔ اس کے علاوہ سلاطین اور حکام کا استبداد احکام شریعت سے چشم پوشی اور کھلی ہوئی نفس پرستی بھی دینی حوصلہ مندوں کو انقلابی تحریک اور بغاوت پر آمادہ کرتی تھی۔ ایسی دینی شخصیتوں کی کمی جو عوام سطح سے بلند اور طاقتور روحانیت کے مالک ہوں عوام میں بے چینی اور انتشار خیال کا باعث ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دینی تحریکیں اس صدی میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں۔ (جاری)

عبرت وموعظت کا انوکھا واقعہ

سیر اعلام النبلاء میں علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت حسنؓ سیر و تفریح کے ارادے سے مدینے کے ایک دور دراز باغ میں پہونچے جو کھجوروں سے لدا ہوا باغ تھا۔ اس میں ایک حبشی ملازم تھا جو روٹیاں کھا رہا تھا اور اس کے سامنے ایک کتا بیٹھا ہوا تھا۔ ایک روٹی خود کھاتا، دوسری روٹی کتے کے سامنے پھینک دیتا، جتنا خود کھایا اتنا ہی کتے کو بھی کھلایا۔ حضرت حسنؓ نے پوچھا کہ تو نے کتے کو روٹی کھانے کے درمیان کیوں برابر کھلایا؟ تو اس نے جواب دیا۔ یہ کتا کہیں دور سے آیا ہے اور میں جب روٹی کھا رہا تھا تو اس کی آرزو بھی روٹیوں کو حاصل کرنے پر لگی تھی۔ انسان کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے۔ تو میرا فرض بنتا ہے کہ جتنی روٹیاں میں کھاؤں اتنی ہی روٹی اسے بھی دوں۔ ورنہ میرے اشرف ہونے کا کوئی معنیٰ نہیں۔ حبشی کا یہ جواب حضرت حسنؓ کو بہت پسند آیا، اور پوچھا! اس باغ کا مالک کون ہے؟ تو غلام نے بتلایا کہ اس کے مالک ابانؓ بن عثمان ہیں۔ حضرت حسنؓ ابان بن عثمان کے گھر دوپہر کی گرمی میں پہونچ گئے۔ ابان نے حیرت زدہ ہوکر کہا: اس دھوپ کی سختی میں آپ کہاں اور کیسے آئے؟ ٹھنڈے مکان میں آرام فرمانے کا مشورہ دیا اور کھجور وغیرہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے آنے کا مقصد یہ ہے کہ میں فلاں باغ کو لینا چاہتا ہوں۔ تو ابان نے کہا کہ مجھے اس باغ کو بیچنا نہیں ہے۔ لیکن چونکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں آپ کی بات رد نہیں کی جائے۔ حضرت حسنؓ نے پوچھا: اس کا کتنا دام ہے؟ ابان نے جو دام بتایا اتنے دام کا پرچہ اپنے منیجر کو لکھ دیا۔ اس کے بعد ابان رخصت ہونے لگے تو آپ نے کہا کہ اس غلام کو بھی خریدنا ہے جو اس باغ کا رکھوالا ہے۔ ابان نے کہا: آپ نواسۂ رسول ہیں آپ کی بات کا رد کرنا میری مجال نہیں ہے۔ اس غلام کی اتنی قیمت ہے۔ حضرت حسنؓ نے اس قیمت کو منظور کیا۔ اور خزانچی کو پرچہ لکھ دیا۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ اس باغ میں آئے، جس میں حبشی غلام بیٹھا ہوا تھا۔ تو آپ نے حبشی غلام سے آکر کہا: میں نے یہ باغ خرید لیا ہے اور تم کو اس باغ کا مالک بنا دیا ہے۔ اور تم کو بھی خرید لیا ہے۔ اور آزاد کر دیا ہے۔ جہاں چاہو آجا سکتے ہو، غلام نے خوش ہوکر کہا آپ نے مجھے آزاد کیا مجھ پر کرم فرمایا۔ اب میں آزاد ہوکر حج کو جا سکتا ہوں۔ جہاد وغیرہ میں حصہ لے سکتا ہوں اور دیگر امور خیریہ کی طرف قدم بڑھا سکتا ہوں لیکن جو باغ آپ نے مجھ پر وقف کیا ہے تو اتنا بڑا باغ اپنی ملکیت میں رکھ کر کیا کروں گا؟ اب اس لئے میں بھی اس باغ کو عام مسلمانوں کی ضروریات کے لئے وقف کرتا ہوں۔ تاکہ عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں اور اس کا پھل کھائیں۔ (ماخوذ از:۔ سیر اعلام النبلاء للذہبی)

دینی مدارس کا کام اور مقام

شمس الحق ندوی

مدرسہ انسانیت سازی کا مرکز :-

ہندوستان میں جگہ جگہ دینی مدرسے قائم ہیں جہاں سب سے پہلے یہ بتایا جاتا ہے کہ اس بڑی اور وسیع کائنات کو پیدا کرنے والی ایسی زبردست ذات ہے جو کسی کی محتاج نہیں ہے وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے اور اس کی بے شمار مخلوق کی ایک ایک حرکت اور انسان جو ساری مخلوق میں سب سے افضل و بہتر بنایا گیا ہے۔ اس کے ایک ایک عمل بلکہ دل کے ارادہ اور نیت تک کو وہ جانتا اور اندھیرے، اُجالے رات و دن ہر وقت کے عمل کو دیکھتا ہے۔ پوری کائنات پر اسی کی حکومت ہے۔

شرک سے پاک ہے

وہ اپنی حکومت و فرمانروائی میں کسی ہیر یا ولی یا کسی اور کا محتاج نہیں۔ پورے نظام کائنات کو چلانے میں اس کو کسی شریک یا ساجھے دار یا وزیر وسفارشی کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ ہم انسانوں کے نظام حکومت میں دیکھتے ہیں۔ اگر وہ اپنے ساتھ شریک ٹھہرانے والے یا اپنی ذات بے ہمتا کے منکر کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ جیسا کہ ہمارا دن رات کا مشاہدہ ہے تو اس سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ (نعوذ باللہ) سزا دینے میں کمزور و بے بس ہے ہچکچا رہا ہے کہ اگر سزا دی تو کہیں سب بندے مل کر بغاوت نہ کر دیں جیسا کہ ہم دنیا کی جمہوری یا شاہی حکومتوں کی مصلحتوں اور کمزوریوں کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کی ذات عالی کو اس پر قیاس کرنا بڑی نادانی ہے۔ وہ ہمارے ان تصورات و خیالات سے بہت بلند ہے جس کو حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ایک شعر میں بہت عام فہم طریقہ پر سمجھا دیا ہے ؎

آتے ہو تصور میں پھر پھر کے نئے روپ
ان سب سے ورے سمجھوں تم کو تو یہ ایماں ہے

وہ رحمٰن ہے :-

چونکہ اس کی صفت رحمت سب کے لئے عام ہے اس لئے فوراً سزا نہیں دیتا۔ موقع دیتا ہے۔ مہلت و ڈھیل دیتا ہے کہ شاید بندہ اب سنبھل جائے۔ اب ہماری رحمت و ڈھیل سے فائدہ اٹھائے اس لئے مہلت دیتا رہتا ہے۔ اس حقیقت کو اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ ایک نیک نام اور مدبر حکومت و گورنمنٹ کسی باغیانہ تحریک میں حصہ لینے والے کو باوجود یقینی اطلاع اور کافی قدرت کے پہلے ہی دن پکڑ کر پھانسی نہیں دیتی وہ اس کی حرکات کی نگرانی رکھتی ہے کبھی رویہ درست رکھنے کی ہدایت کرتی ہے اور موقع دیتی ہے کہ آدمی ایسی حرکات کا انجام سوچ کر خود سنبھل جائے کبھی اصلاح سے مایوس ہو کر ڈھیل چھوڑتی ہے کہ اس کی بغاوت کا ایسا باضابطہ اور مکمل مواد فراہم ہو جائے جس کے ذریعہ اس کی انتہائی مجرمانہ غداری قانونی حیثیت سے علی رؤس الاشہاد (بر سر عام) ثابت کی جاسکے۔ ان تمام صورتوں میں مجرم کی باگ ڈھیلی چھوڑنے اور فوراً سزا نہ دینے سے کیا یہ ثابت ہوگا کہ گورنمنٹ کمزور ہے یا اس کی نظر میں یہ بغاوت جرم نہیں ہے۔ گورنمنٹ کی نگاہ میں ان افعال کا جرم ہونا اول تو اس کے شائع کئے ہوئے قانون سے ظاہر ہے دوسرے جب یہ مجرم مہلت پوری ہونے پر عدالت کے کٹہرے میں لایا جائے گا۔ اور باقاعدہ اثبات و اظہار جرم کے بعد پھانسی یا حبس دوام کی سزا بھگتے گا۔ تب کھلے عام لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ موقع اور مہلت دینے والی انصاف پسند حکومت کے نزدیک یہ شخص کتنا بڑا مجرم تھا۔ اس عام فہم مثال سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ نظام کائنات کو بنانے والا اور سارے حاکموں کا حاکم روز اول سے آج تک اپنے سچے نبیوں کے ذریعے ہر قسم کے قوانین و احکام سے بندوں کو مطلع فرماتا رہا اور اپنی کتاب میں اپنے رسول کی زبان میں کھول کھول کر بیان کر دیا کہ کون سی بات اس کے یہاں پسندیدہ اور کون سی ناپسندیدہ ہے۔ یہی نہیں بلکہ اپنی کتاب میں جو اپنے آخری نبی پر اتاری ان سے پہلے آنے والے اپنے پاکباز نبیوں کے حالات اور ان کے ساتھ ان کی قوم نے جو برتاؤ کیا ایک مدت تک ان کو مہلت دیکر بلکہ بعض وقت ان کی مانگیں پوری کر کے جب اچھی طرح ان کو دیکھ لیا تو کس طرح ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور باغیوں کے لئے قید بامشقت اور حبس دوام کی سزا اس دنیا کے لئے اٹھا رکھی ہے جس کو آخرت کہا جاتا ہے اور خطاکار و وفاداروں کی سزا ان کے جرم کے اعتبار سے کچھ مدت کے لئے ہوگی جس سے پھر رہائی مل جائے گی۔ قرآن کی زبان میں باغی اور وفادار کو کافر اور مومن کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے لہٰذا اس زبردست آقا کے ساتھ اس کی قدرت اور صفت میں کسی اور کو ساجھے دار اور شریک یا سفارشی سمجھنا بڑے درجہ کی نادانی ہے جبکہ اس نے اپنے پاک نبیوں کے واسطہ سے اس کو اچھی طرح سمجھا کر حجت بھی قائم کر دی ہے۔

مدرسہ یہ سب سے پہلا سبق اس لئے پڑھاتا ہے

کہ اس بڑی اور قوی ذات کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین انسان کے دل میں اس طرح بیٹھ جائے کہ وہ اپنے ہر دلی ارادہ و نیت اور جسمانی فعل و عمل کے وقت اس کی ہوشیار و بیدار آنکھوں کو اپنی طرف اٹھا ہوا دیکھے جس سے اپنے بُرے ارادوں پر شرمائے اور ظلم و زبردستی کرتے ہوئے ڈرے اور رُکے۔

نبی کی ضرورت :۔ چونکہ انسان کی عقل و سمجھ ناقص اور علم محدود ہے اس لئے اس کو اس لامحدود اور بڑی ذات کی صفات اور اپنے مقصدِ حیات کو سمجھنے کے لئے کسی ایسے واسطے اور ذریعہ کی ضرورت تھی جو بندوں اور بندوں کے پیدا کرنے والے کے درمیان واسطہ اور ذریعہ بن سکے لہٰذا اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کا سلسلہ جاری فرمایا۔ جو ہر وقت اور ہر قوم و زمانہ میں آتے رہے۔ اور انسانوں کو ان ضروری باتوں کی تعلیم دیتے رہے جن کے بغیر ان کا اپنے مالک سے صحیح ربط و تعلق نہیں پیدا ہو سکتا ہے۔ مثلاً تمام نبیوں کو سچ جاننا۔ فرشتوں کا ہونا، دنیا کے مٹنے کا ایک وقت مقرر ہونا، جو قیامت کہلاتا ہے۔ قیامت کے بعد مُردوں کا پھر سے زندہ کیا جانا، حساب دینا۔ اور پھر اپنے اپنے اچھے یا بُرے عمل کے مطابق جنت یا دوزخ میں جانا یہ ساری باتیں نبی ہی کے واسطے سے معلوم ہوتی ہیں جس کی آخری کڑی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو پورے عالم کے لئے رحمت بن کر آئے۔

منصبِ نبوّت کی تشریح :۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اس لئے اس کو دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ لیکن سب صلاحیتیں ہر انسان میں یکساں نہیں ہوتیں۔ بلکہ سب کو الگ الگ صلاحیتیں عطا کی جاتی ہیں، کوئی حکیم و فلسفی بنتا ہے، کوئی ڈاکٹر و طبیب بنتا ہے، کوئی موجد و سائنسداں بنتا ہے، کوئی قانون ساز و قانون داں بنتا ہے اور کسی میں حکومت و فرمانروائی کی صلاحیت رکھی جاتی ہے اور اکثریت کم علم و محنت کش ہوتی ہے، کہ اگر ایسا نہ ہو تو دنیا کا نظام معطل ہو کر رہ جائے۔ ان مختلف صلاحیتوں کے مالک انسانوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور ان پر اعتماد کیا جاتا۔ کیوں اور کیسے نہیں کہا جاتا۔ مثلاً مریض ڈاکٹر سے دوا لیتا ہے لیکن یہ نہیں پوچھتا کہ یہ دوا کیسے بنی۔ اس میں کیا کیا اجزاء شامل ہیں، ہماری آنکھوں میں درد ہے۔ آپ کھانے کی دوائیں دے رہے ہیں تو جو مریض ڈاکٹر پر اعتماد کر کے دوا لیتا ہے وہ خدا کے حکم سے شفا پاتا ہے، جو قیل و قال میں پڑ کر دوا چھوڑ دیتا ہے اس کا مرض بڑھتا جاتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔ یہی صورت دیگر ماہر فنون کی ہے کہ ان پر بھروسہ کر کے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو ایک دیہاتی جہاز پر کبھی نہیں بیٹھے گا کہ یہ اتنا بڑا گھر فضا میں کیسے اُڑے گا۔ ہرگز نہیں وہ گر جائے گا۔ میں مر جاؤں گا۔ لیکن ہمارے دن رات کے تجربہ اور مشاہدہ میں یہ بات ہے کہ ہر ماہر فن پر بھروسہ کیا جاتا ہے، جبھی یہ کاروبارِ عالم چل رہا ہے

ٹھیک اسی طرح سے اللہ تعالیٰ اپنے کچھ خاص بندوں کو اپنا خاص علم اور اپنی طرف سے خاص صلاحیتیں عطا کرتا ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہوتی ہیں۔ اور نہ یہ اپنی کوشش سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس قسم کے انسانوں کو نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے انسانوں کو بچپن ہی سے گھٹیا اور غلط باتوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے وہ کوئی غلط کام نہیں کرتے نہ اُدھر ان کی طبیعت چلتی ہے جس مالک نے انسانوں کو وہ تمام صلاحیتیں دی ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔ وہی ان نبیوں کو وہ صلاحیت و علم عطا کرتا ہے جس کی روشنی میں ساری انسانی صلاحیتیں صحیح رخ پر چلتی ہیں ان کو مالک کی طرف سے وہ علم حاصل ہوتا ہے جو دوسروں کو نہیں حاصل ہوتا۔ یہ نبی خدا اور بندوں کے تعلق کو بتلاتے ہیں اس کی ذات بے ہمتا کی تمام صفات کے ساتھ ایک اور دنیا کی خبر دیتے ہیں جو اس دنیا کے فنا ہونے کے بعد قائم ہوگی اور ہمیشہ کے لئے ہوگی جس کو آخرت کی زندگی کہا جاتا ہے وہاں بندوں کو ان ساری صلاحیتوں کے مالک بندوں کو جن کا ذکر ہوا یہ حساب دینا ہوگا کہ انھوں نے اپنی صلاحیتوں کو نبی کے بتائے ہوئے طریقہ اور خدا کے منشا کے مطابق لگایا، یا اس سے انسانوں کو نقصان پہنچایا۔

جس طرح ہم روزمرہ کی زندگی میں ہر صلاحیت کے آدمی پر بھروسہ کرتے ہیں، اور کیوں اور کیسے نہیں کرتے اسی طرح ان نبیوں میں سے اب آخری نبی کی باتوں پر یقین کر کے اس راستہ پہ چلیں جو وہ بتاتے ہیں تبھی ہم آخرت کی ہمیشہ والی زندگی میں کامیاب ہوں گے۔ اور اس دنیا والی زندگی میں بھی سکون و چین نصیب ہوگا۔ ورنہ وہ سب کچھ ہوتا رہے گا جو ہو رہا ہے۔ اور آخرت کا معاملہ اس سے بھی سخت ہوگا جس کو سوچا نہیں جا سکتا۔

رحمتِ عالم :۔ ان آخری نبی سے پہلے آنے والے نبی مختلف علاقوں اور خطّوں کے لئے آتے تھے۔ بلکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک وقت میں کئی نبی رہے لیکن بزبان مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ جب بزمِ کائنات اپنی ساری دلفریب زینتوں اور دلکش آرائشوں کے ساتھ سج چکی۔ طلسم خانۂ فطرت اپنی تمام ندرتوں اور نیرنگیوں کے ساتھ تیار ہو چکا نگار خانۂ موجودات کا ایک ایک نقش آب و تاب کی جگمگاہٹ سے چمک اٹھا۔ تو اس جامع و کامل ہستی کو بھیجا گیا جس کا پر نور رحمۃ للعالمینی اسوۂ کامل پورے

عالم انسانیت کے لئے ہر ملک و قوم اور ہر طبقۂ انسانی کے لئے کامل نمونہ ہو اور اس کی رحمۃ للعالمینی کا گھنا سایہ اپنے پرائے سب کے لئے عام ہو جس کو بھیجنے والے مالک نے خود اس اعلان کے ساتھ بھیجا
وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اسوۂ کامل :- جب آپ ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے رحمت بن کر آئے تھے جو ضروری تھا کہ پیدائش سے لیکر موت تک کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت و عمل خواہ خلوت میں ہو یا جلوت میں۔ گھر میں ہو یا کوچہ بازار میں، دوستوں کی محفل میں ہو یا دشمنوں کے بحث و مباحثہ کی مجلس میں، امن و صلح میں ہو یا میدانِ کارزار میں، سب ایک ایک کرکے محفوظ رہے، یہ تک محفوظ ہے کہ کھانا کیا مرغوب و پسند تھا۔ کپڑے کیسے پہنتے تھے۔ چوبیس گھنٹے کی زندگی، سفر و حضر کے معمولات کیا ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ زندگی کا کوئی پہلو پردۂ خفا میں نہیں۔ اس پر موافق و مخالف سب متفق ہیں کہ اس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اور نہ ہی آپ کے قول و عمل میں تضاد پایا جاتا ہے۔

اور ایسا ہونا ہی تھا جس ذات عالی نے آپ کو قیامت تک کے لئے انسانیت کی رہبری کے واسطے بھیجا تھا۔ اس کی طرف سے اس کے انتظامات بھی ضروری تھے۔ چنانچہ وہ ہو کے رہے اور اس حد تک ہوئے کہ آپ کے فدائیوں اور شیدائیوں تک کے حالات اس طرح محفوظ ہیں کہ عام انسانوں کا تو ذکر کیا کسی اور نبی کی زندگی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

قرآن کی حفاظت :- آپ کو جو آسمانی کتاب دی گئی اور رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لئے جس کو دستورِ حیات بنایا گیا اس کا نہ صرف یہ کہ ایک ایک نکتہ محفوظ ہے بلکہ وہ انسانوں کی بڑی تعداد میں عملی شکل میں بھی پائی جاتی ہے اور دنیا کے کونے کونے میں حتیٰ کہ ان ملکوں میں بھی جہاں اس کے بے اثر بنانے کی تحریکیں چل رہی ہیں وہاں بھی وہ ذوق و شوق کے عالم میں پڑھی جاتی ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ وہ کتاب رات و دن میں اتنی بار پڑھی جاتی ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ریاضی داں اس کا حساب لگانا چاہے تو اس کے بس میں نہ ہوگا۔ تھوڑی دیر کے لئے دنیا میں پھیلے ہوئے مدارس و مکاتب کا تصور لائیے اور پھر رمضان المبارک میں شوقِ تلاوت و تراویح کا منظر نگاہوں میں گھمائیے دنیا بھر میں کروڑوں مسجدوں کے اندر رات دن میں پانچ مرتبہ نمازوں میں اس کتاب کی تلاوت پر غور کیجئے دنیا کی تاریخ میں اور دنیا کی کسی کتاب کے بارے میں بھی کیا اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے، یہی نہیں بلکہ اس کتاب کی تفسیر و تشریح میں جو کتب خانے کے کتب خانے تیار ہوگئے کیا اس کی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟ یہی راز ہے اس نبی آخر الزماں کے رحمۃ للعالمین ہونے کا آپ پہ نازل ہونے والی کتاب کاغذ کے اوراق ہی میں نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کے سینوں میں بھی محفوظ ہے جس کے غائب اور نایاب ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور نہ کوئی شخص اس میں ردّ و بدل کی ہمت کر سکتا ہے کہ وہ فوراً پکڑ میں آئے گا۔

رحمتِ عالم کون ہو سکتا ہے :-
رحمۃ للعالمین وہی ذات ہو سکتی ہے جس نے عالم بلکہ عالم در عالم کی فلاح و بہبود، بھلائی و بہتری ترقی و کامیابی بغیر کسی ذاتی غرض اور ادنیٰ لالچ و طمع کے چاہی ہو۔ اور بندوں کو خدا سے ملایا ہو۔ جس نے الٰہی جلوہ انسانوں کو دکھایا ہو دل کو پاک، روح کو روشن، دماغ کو درست کیا ہو جس کی تعلیم نے امن عالم کو مستحکم اور مصلحت عامہ کو استوار کیا ہو جس نے امیری و غریبی جوانی و پیری، امن و جنگ، گدائی و بادشاہی، مستی و ہشیاری، رنج و راحت، حزن و مسرت، ہر مقام پر انسانوں کی رہبری کی ہو۔ اس پر عمل کرکے اور اس کو برت کر دکھایا ہو انسانوں کو پیش آنے والی ضروریات و مسائل کا کوئی حصہ تشنہ نہ چھوڑا ہو۔ ہر شعبۂ زندگی کی عملی تفسیر پیش فرما دی ہو۔

ان دینی مدرسوں کا پہلا کام :-

لہٰذا اسوۂ نبوی کی اسی روشنی میں ان دینی مدرسوں کا پہلا کام انسانی آبادی کے لئے ایسے انسان تیار کرنا ہوتا ہے جن کو انسانوں سے محبت ہو وہ انسانوں کی بھلائی اور سکون و اطمینان پیدا کرنے والی باتوں کو رواج دیں۔ ان کے اخلاق اچھے ہوں۔ وہ سچے ہوں، اور سچائی کا سبق سکھاتے ہوں۔ ان کے اندر کمزوروں کی مدد کرنے کا شوق اور جذبہ ہو۔ وہ ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں ان کے ذہنوں میں آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہر وقت تازہ ہو۔ الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (ترمذی و ابوداؤد)

"رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحمت بھیجتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔"

ایسے ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہمیشہ یاد رہے۔ آپ نے فرمایا۔

"الخلق عیال اللہ، فأحب الخلق الی اللہ من أحسن الی عیالہ" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"مخلوق اللہ کی عیال (کنبہ) ہے تو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب مخلوق وہ ہے جو اس کے عیال (کنبہ) کے ساتھ حسن سلوک کرے"

مدارس کے ذمہ داروں کا کام باہمی تعلقات اور صلہ رحمی کی فضا پیدا کرنا بھی ہے کہ قطع تعلق نہایت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی چیز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے :

أنا الله وأنا الرحمن خلقت الرحم وشققت لها من اسمي فمن وصلها وصلته ومن قطعها بتته

میں اللہ ہوں، میں رحمٰن ہوں، میں نے رشتۂ قرابت کو پیدا کیا ہے۔ اور اپنے رحمٰن سے نکال کر اس کو "رحم" کا نام دیا ہے بس جو اسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا، اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔ (سنن ابی داؤد)

ایک اور حدیث میں مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

من أحب أن يبسط له في رزقه وينسأ له في إثره فليصل رحمه (بخاری و مسلم)

جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور برکت دی ہو اور دنیا میں اس کے آثار قدم تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو وہ اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرے

صلہ رحمی میں سب سے پہلا حق ماں باپ کا ہے اور یہ اتنا بڑا اور ضروری حق ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید و عبادت کے فوراً بعد بیان فرمایا ہے کہ ماں باپ کی خدمت و راحت رسانی میں ادنیٰ کوتاہی نہ ہو۔ فرمایا :

وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا

اور تمہارے رب کا قطعی حکم ہے کہ صرف اس کی عبادت اور پرستش کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھے سے اچھا برتاؤ اور ان کی خدمت کرو۔ (بنی اسرائیل)

مسند احمد سنن نسائی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے، یہ تفصیل کا موقع نہیں، ماں باپ کی خدمت کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں اور اس کے برعکس ان کی نافرمانی اور ان کے ستانے کی سخت سے سخت وعید آئی ہے حتیٰ کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں آپ نے یہاں تک فرمایا :

"وہ آدمی ذلیل ہو۔ وہ خوار ہو۔ وہ رسوا ہو، عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون ؟ آپ نے فرمایا وہ بدنصیب جو ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (ان کی خدمت اور ان کا دل خوش کر کے) جنت نہ حاصل کر لے"

اسی طرح سے جو رشتہ دار جتنا قریب کے ہوں گے صلہ رحمی میں ان کا حق پہلے ہوگا۔ اسی بنیاد پر ایک صاف ستھرا اور محبت بھرا معاشرہ وجود میں آتا ہے اور یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔ والمؤمن من أمنه الناس على دمائهم وأموالهم (ترمذی)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنی جانوں اور مالوں کے متعلق اطمینان ہو۔

مدرسہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ لوگ آپس میں اس طرح مل جل کر رہیں کہ پڑوسی کو پڑوسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ حدیث شریف میں تو اس کی اتنی تاکید ہے کہ آپ نے فرمایا :

لا يؤمن (عبد) حتى يأمن جاره بوائقه

کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہ ہو۔ (مسند احمد) ملخصا

پڑوسی کے حق کے بارے میں تو ایک حدیث میں یہاں تک آیا کہ آپ نے فرمایا :

مازال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه (صحیحین، ابو داؤد و ترمذی)

حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑوسی کے بارے میں مجھے اس قدر وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ اس کو وارث بھی بنا دیں گے۔

مدرسہ ظلم سے روکتا ہے :۔ اور اس کے برخلاف لوگوں کی حق تلفی اور ظلم و زیادتی سے مدرسہ روکتا ہے اور اس کے نہایت خطرناک نتائج بتاتا ہے جو انسانوں کی تباہی کا سبب بنتے ہیں بلکہ بعض وقت اس کی وجہ سے حکومتوں تک کا چراغ گل ہو جاتا ہے، مدرسہ دوست تو دوست دشمنوں تک کے ساتھ انصاف کا سبق پڑھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

ولا يجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى

"اور کسی قوم کی عداوت تم کو اس گناہ پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو۔ تم ہر حال میں ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو تقویٰ کی شان کے یہی زیادہ مناسب ہے" (مائدہ)

آپ نے فرمایا ظلم قیامت میں تاریکیوں کی صورت میں سامنے آئے گا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم انسانی پیار و محبت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے آپ کے صحابہ سے نہ رہا گیا۔ عرض کیا اللہ کے رسول مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے ظالم کی مدد کیسے کریں آپ نے فرمایا ظالم کو ظلم سے روکو، یہی اس کی مدد ہے۔ یہ ہے بہت مختصر بلکہ خلاصۃ الخلاصہ مدرسہ کے اس کام کا جس میں پوری انسانیت بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ساری مخلوق کی راحت کا سامان ہے اور آج اسی کے نہ ہونے سے پوری دنیا میں قتل و خونریزی کا بازار گرم ہے اور انسانی جانوں کی قیمت کیڑے مکوڑوں کے برابر نہیں رہ گئی ہے فحش کاری اور بے حیائی نے جانوروں کو بھی مات کر دیا ہے۔

مگر افسوس کہ انسانیت کا سبق پڑھانے والے آج انہیں مدارس کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں اور ان کو بے کار بلکہ انسان کو

ناکارہ بنانے کا مرکز سمجھا اور سمجھایا جا رہا ہے۔ ؎

الٰہی تو بتا یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے مکّاری بھی عیاری

جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کی کوتاہ نظری

مگر یہ کتنے افسوس بلکہ فکر و تشویش کی بات ہے کہ آج کتنے ایسے لوگ ہیں جو اس آخری دین اور آخری کتاب پر اور اس کے حق ہونے پر ایمان رکھنے کے باوجود ان کو خوبی و کمال یورپ کے طور و طریق میں نظر آ رہا ہے۔ قومی تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ یورپ میں اس کا رواج ہے۔ معاشرت کو ماڈرن اور اعلیٰ معیار پر اس لئے لانا چاہتے ہیں کہ یورپ کا طرز یہی ہے۔ سود خوری اس لئے بہتر ہے کہ یورپ اسی کے ذریعہ سے ترقی کر رہا ہے۔ آزادیٔ نسواں کا داعی اس لئے بن رہا ہے کہ میاں بیوی دونوں کمائیں گے تو معیار زندگی بلند کرنے میں آسانی ہوگی۔ ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ یہ دیکھ رہا ہے کہ یورپ اپنے اس فطرت دشمن اور انسانیت دشمن چلن کے سبب بے حیائی و فحش کاری، ظلم و بربریت، خاندانی و معاشرتی بگاڑ کے کس مہیب غار میں جا گرا ہے تاہم ہمارا تجدد پسند طبقہ اس سے کوئی سبق نہیں لیتا اگر ان کے دلوں میں اسم پاک احمدؐ کی ذرا بھی لاج ہوتی تو مغرب کی آلائشوں کی طرف نہ لپکتے۔ بلکہ رسول عربیؐ کے اُسوۂ کامل و مکمل کو اپناتے۔ اور ان کے ذہنوں میں اقبال مرحوم کا یہ شعر گونجتا ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

وہ اقبال کے اس فارسی شعر کو پڑھ کر سر جھکا دیتے ..

بامحمدؐ برسا خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

ترجمہ:۔ اپنا سر رشتۂ تعلیم تعلیم محمدی سے جوڑو اگر یہ نہیں کرتے تو اس کے علاوہ جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ سب ابولہب کا راستہ ہے۔

علم دین کی فضیلت :۔

چونکہ یہ علوم نبوت بندوں کو خدا سے ملانے اور دیگر تمام انسانی علوم و فنون کے محاسب و نگراں ہونے کا کام کرتے ہیں اس لئے ان علوم کی فضیلت اور ان کے حاصل کرنے کا اجر و ثواب بے پناہ ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے:

خیرکم من تعلّم القرآن وعلّمہ

ترجمہ:۔ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے

قرآن کریم کو پوری انسانیت کے لئے دستور حیات بنایا گیا ہے جو دیگر تمام علوم و فنون کی صحیح رہنمائی و نگرانی کا کام کرتا ہے۔ اور خدا اور بندوں کے تعلق کو جوڑتا ہے۔ اسی طرف قرآن کریم کی یہ آیت بھی اشارہ کرتی ہے

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

ترجمہ:۔ کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے ہیں دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

چونکہ علم دین ہی فلاح و کامیابی کے راستہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس لئے علم قرآن پڑھنے والے کو سب پر فضیلت و برتری عطا کی گئی ہے اور قرآن و حدیث کے علم کا حاصل کرنا بڑی فضیلت و اہمیت رکھتا ہے اسی لئے خاص طور پر علم دین کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں علم دین حاصل کرنے والے کی فضیلت میں وارد ہوا ہے کہ۔

(إن الملٰئکۃ لتضع أجنحتها لطالب العلم رضا بما يصنع)

ترجمہ:۔ طالب علم کے لئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں (جس سے مراد طالب علم کا اکرام و اعزاز ہے)

علم کی فضیلت میں یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ طالب علم کے لئے سمندر کی مچھلیاں اور جنگل کے درندے اور چوپائے اور زہریلے جانور (سانپ وغیرہ) تک بھی دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔ اس فضیلت کا راز یہ ہے کہ انھیں علوم کو حرز جان بنانے والے اس کام کو انجام دیتے ہیں جس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر تشریف لے گئے۔

آپ نے فرمایا: العلماء ورثة الانبیاء۔

اس علم اور صاحب علم کی فضیلت میں بہت کچھ بیان ہوا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں خلاصہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دینی مدارس وہ تربیت گاہیں ہیں جن سے انسانی سماج و معاشرہ کو وہ علم حاصل ہوتا ہے جس سے انسان اپنی خوبی و کمال میں فرشتوں سے بھی افضل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے فرشتے ان نیک انسانوں کے لئے دعاء و استغفار کرتے ہیں کہ یہ بندے مقربین بارگاہ خداوندی ہو جاتے ہیں۔

دیگر علوم و فنون :۔

بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے بلکہ ہمارا دانشور طبقہ تو بڑے زور و شور سے یہ سوال اٹھاتا رہتا ہے کہ ان دینی علوم کے علاوہ جو دنیاوی علوم و فنون ہیں کیا ان کی کوئی قیمت نہیں؟ کیا وہ انسانیت کے لئے بے کار و بے سود ہیں، نہیں ایسا نہیں، دین یا دینی علوم ان علوم کو بیکار نہیں بتاتے ہیں بلکہ وہ ان کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔ اور انکو مفید بنانے کا طریقہ سکھاتے ہیں دینی تعلیم کے اندر اس سلسلہ میں بھی بہت سی آیتیں اور احادیث موجود ہیں تفصیل کا یہ موقع نہیں بس اتنا ذہن میں رہے کہ اچھی نیت و ارادہ کے ساتھ انسانوں کو نفع پہنچانے والا جو بھی کام کیا جائے گا وہ عبادت شمار ہوگا۔ اگر شریعت نے اسے روکا نہ ہو، مثلاً شراب بنانے کا علم، ناچ گانے اور ڈانس کا علم اور اسی طرح کے علوم جو انسانوں کو اور

معاشرہ کو بگاڑتے ہیں۔ دینی علم ان سے روکتا ہے۔ اس طرح کے اور جو علوم ہیں ان سے بھی شریعت روکتی ہے۔

اپنا احتساب:۔ دینی مدارس کے کام ومقام کی اس اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے جس کا ذکر ہوا اہل مدارس کو بھی اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ مدارس کا یہ نازک کام جو دنیائے انسانیت کے لئے ہوا اور پانی سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس کو انجام دینے میں ہم کس فرض شناسی اور احساس ذمہ داری کا ثبوت دے رہے ہیں اور جبکہ صورت حال یہ ہے کہ آج کے موجودہ پرفتن دور میں مادہ پرستی اور خدا فراموشی کے طوفانی جھگڑوں میں ذمہ داران مدارس کی مثال اس کشتی کے ملاح کی سی ہے جس پر پورا قافلۂ انسانیت سوار ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی کارکردگی کا برابر جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ اور اپنے اسلاف کرام کی سیرت و کردار کو نمونہ بنا کر اس کی روشنی میں کام کو برابر آگے بڑھانے کی فکر ولگن سوار رہنا چاہیے اس وقت مدارس کی پوزیشن وہ ہوگئی ہے جو وبائی امراض کے زمانہ میں ڈاکٹروں کی ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹروں کو اس وقت کھانے پینے تک کا ہوش نہیں رہ جاتا ہے، دن کا آرام راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔

لیکن کچھ عرصہ سے ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ ان مدارس کی فضا بیرونی ماحول کے اثرات سے متاثر ہو رہی ہے۔ مدارس میں علمی انہماک اور دلجمعی کی وہ صفات کمزور پڑگئی ہیں جو ماضی میں ان مدارس کا طرۂ امتیاز تھیں طلبہ میں بھی یکسوئی اور لگن کی وہ کیفیت نہیں جو عمدہ صلاحیت و کردار کے لئے لازمی شرط ہے۔

لہٰذا جس لگن اور دھن کے ساتھ اپنا فرض انجام دینے کے لئے جو کس ہونا چاہیے اس میں بڑی کمی محسوس ہوتی ہے۔ بے شک اب قویٰ ویسے نہیں رہے کہ فاقہ کر کر کے پڑھایا اور کام کیا جائے لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ اپنا معیار زندگی بلند کرنے کی فکر میں داعی بننے کے بجائے ہم مدعو بن جائیں مُقتدیٰ کے بجائے مُقتدی بن جائیں۔ لہٰذا ہمیں اپنی کارکردگی کا برابر جائزہ لیتے رہنا چاہیے اور طلبہ کی تعلیم و تربیت کی فکر کرنی چاہیے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اصلاح معاشرہ کے جذبہ سے عوام سے رابطہ بھی قائم کرنا بھی اپنا فرض سمجھنا چاہیے۔ کہ اگر ہم اس کی فکر نہ کریں گے تو ہمارا پڑھایا اور تربیت دیا ہوا طالب علم جو ابھی خام عمر اور خام علم رکھتا ہے ماحول میں اس طرح گم ہو جائے گا جیسے نمک کی کان میں گرنے والی چیز گل کر نمک میں شامل ہو جاتی ہے اور اب یہ بات نمایاں طور پر سامنے آنے لگی ہے لہٰذا یہ پہلو خصوصی توجہ کا طالب ہے۔

اور ساتھ ہی ساتھ زمانہ کے تقاضوں پر بھی گہری نظر رکھنے اور باخبر رہنے کی ضرورت ہے اور اپنی صلاحیتوں کو الاہم فالاہم کے اعتبار سے صرف کرنے کی ضرورت ہے اس وقت تو ہماری آنے والی بلکہ موجودہ جدید نسل کے دین و ایمان کے بقاء کا مسئلہ سامنے آگیا ہے لہٰذا اس کی فکر پہلے ہونا چاہیے نہ یہ کہ اس خطرہ سے چشم پوشی کر کے ہماری ساری توانائی برسہا برس سے چلے آتے فقہی مسالک و مذاہب پر بحث و مباحثہ میں صرف ہو اس طرح کہ اس کو عوام میں لا کر باقاعدہ محاذ قائم کر دیا جائے جیسا کہ بعض وقت بہت واضح طریقہ پر یہ بات محسوس ہوتی ہے۔ جب دین و ایمان ہی نہ رہے گا تو یہ بحثیں کس کو فائدہ پہنچائیں گی۔

اس وقت تو پورا میڈیا اور دنیا کی تمام قومیں اسلام سے برسرپیکار ہیں اور اس کو ہماری نئی نسل کے ذہنوں سے نکال دینے کے درپے ہیں اور ہم اس سے غافل رہ کر جزوی اور فرعی مسائل میں اُلجھ کر اختلاف و انتشار کا شکار ہیں جس سے ہم خود مخالف طاقتوں کو مزید کمک پہنچانے کا کام کر رہے اس ناشدنی پر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت ہم اس شعر کا مصداق بنے ہوئے ہیں

بُن رہے ہیں اپنے منقاروں سے پھندا جال کا
طائروں پر سحر ہے صیّاد کے اقبال کا

ایچ۔ ایم۔ سیروائی — ترجمہ: سید غلام محی الدین

یونیفارم سول کوڈ

عدالت نے اپنے اختیار سے تجاوز کیا ہے

یونیفارم سول کوڈ کے مسئلہ نے تین درخواستوں پر جسٹس کلدیپ سنگھ اور جسٹس سہائے کے فیصلوں کی وجہ سے اہمیت اختیار کر لی ہے۔ سرلا مڈگل بنام مرکزی حکومت ہند سپریم کورٹ کیسس ۱۹۹۵، جلد ۳، صفحہ ۶۳۳ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان تینوں درخواستوں میں مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ "کیا ایک ہی مذہب کے فریقین کی شادی ان میں سے کسی ایک فریق کے تبدیلی مذہب سے فسخ ہو جائیگی؟" ظاہر ہے کہ اس کا فیصلہ ہمارے اپنے دستور اور قانون کے تحت ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ کے فیصلہ میں یکساں سول کوڈ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ دونوں ججوں نے یکساں رائے ظاہر کرتے ہوئے ان درخواستوں کو خارج کر دیا ہے۔

بہر حال جسٹس کلدیپ سنگھ نے خواہ مخواہ یہ سوال اٹھا دیا کہ یکساں سول کوڈ نہ ہونے کی وجہ سے ہندو شوہروں کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں تاکہ اپنی پہلی بیوی کی موجودگی میں بغیر اپنی بیوی کو طلاق دیئے ہوئے ایک یا زائد شادیاں کر لیں کیونکہ محمڈن لا بیک وقت چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ یکساں سول کوڈ ہندوستان کے دستور کے آرٹیکل ۲۵، ۲۶ اور ۲۷ میں مخل نہیں ہوتا ہے۔ اسی سوال پر بحث کرتے ہوئے جسٹس سہائے نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے گذشتہ فیصلوں کا حوالہ دیا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ مذہب صرف ایمان اور عقیدہ کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں مذہبی رسوم و شعائر اور مندروں، مسجدوں اور کلیساؤں میں عبادت بھی شامل ہے۔ اگرچہ جسٹس کلدیپ سنگھ نے جسٹس سہائے کے فیصلہ کی تعریف کی ہے مگر جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ یکساں سول کوڈ مذہب میں مداخلت کرتا ہے یا نہیں، جسٹس سہائے ان سے متعلق نہیں ہیں۔ دستور کے آرٹیکل (۵) ۱۴۵ میں یہ مذکور ہے کہ "کسی مقدمہ کا فیصلہ سماعت کرنے والے سپریم کورٹ کے ججوں کی کثرت رائے کے بغیر نہیں کیا جائے گا"۔ چونکہ مذکورہ بالا تنقیح پر دونوں ججوں نے اختلافی رائے ظاہر کی ہے لہٰذا اس مسئلہ پر کہ یکساں سول کوڈ مذہب میں مخل ہوتا ہے یا نہیں، دونوں میں کسی جج کا فیصلہ قابل اعتنا نہیں رہ جاتا ہے۔

دو مذہبی فرقے

بدقسمتی سے یکساں سول کوڈ کی موافقت اور مخالفت کرنے والے دونوں فریق ملک کے دستور اور ہندوؤں اور مسلمانوں پر عائد ہونے والے قوانین کا لحاظ کئے بغیر مہم چلا رہے ہیں۔ یہاں یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جسٹس کلدیپ سنگھ اور ان کی موافقت کرنے والے جسٹس سہائے نے تعجب خیز طریقہ پر یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ "ہم حکومت ہند سے وزیر اعظم کے ذریعہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ آرٹیکل ۴۴ پر دوبارہ غور کرے اس کی کوشش کرے کہ ملک کے طول و عرض میں تمام باشندوں کے لئے یکساں سول کوڈ مہیا کیا جائے گا (ایضاً صفحہ ۶۵۱)۔

چونکہ بظاہر یہ حکم آرٹیکل ۴۴ کی بنا پر صادر کیا گیا ہے لہٰذا یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آرٹیکل ۳۷ اور ۴۴ کا اعادہ کر لیا جائے۔

آرٹیکل ۳۷۔ "اس باب میں مذکور اصولوں کا اطلاق:۔ اس حصہ میں دی گئی دفعات اگرچہ ملکی حکومت کے لئے بنیادی اہمیت کی حامل ہیں اور حکومت کا فرض ہوگا کہ قوانین کے ذریعہ ان کا نفاذ کرے لیکن یہ دفعات عدلیہ کے ذریعہ قابل نفاذ نہیں ہوں گی"۔

آرٹیکل ۴۴۔ "شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ حکومت یہ کوشش کرے گی کہ ہندوستان کے تمام علاقوں میں سبھی شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ مہیا کرے"۔

چونکہ سپریم کورٹ آرٹیکل ۴۴ میں مذکور ہدایت کے نفاذ کا حکم نہیں دے سکتا اس لئے اس کا مذکورہ بالا حکم باطل اور قانوناً بے اثر ہے۔ عدلیہ نہیں بلکہ عاملہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے سامنے قوانین تجویز کرے اور پارلیمنٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس کا فیصلہ کرے کہ مجوزہ قانون کی ضرورت ہے یا نہیں۔

جن لوگوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے عائلی قوانین کا مطالعہ کیا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان دونوں فرقوں کے لئے یکساں سول کوڈ بنانا ناممکن ہے جب ہم ہندو عائلی قوانین کی بات کرتے ہیں تو یہ فرض کر لیتے ہیں کہ تمام ہندوؤں پر ایک ہی قانون کا نفاذ ہوتا ہے لیکن یہ خیال غلط ہے۔ ۱۹۵۴-۵۵ء تک ہندو عائلی قوانین ان کے دو مکاتیب متاکشرا (MITAKSHARA) اور دیا بھاگ (DAYABHAG) پر مشتمل تھا۔

اہم تبدیلیاں

۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء کے درمیان پارلیمنٹ نے ہندو میریجز ایکٹ مجریہ ۱۹۵۵ء، ہندو وراثت ایکٹ مجریہ ۱۹۵۶ء، ہندو نابالغی اور ولایت ایکٹ مجریہ ۱۹۵۶ء اور ہندو لے پالک اور گذارہ ایکٹ مجریہ ۱۹۵۶ء وضع کئے۔ آنند نرائن ملا کی تصنیف "ہندو لا"

کے مطالعے سے یہ معلوم ہوگا کہ ہندؤں کے قوانین میں کچھ اہم تبدیلیاں کی گئی ہیں ۱۹۵۵ء کا قانون نافذ ہونے کے بعد ایک سے زائد شادیوں کا قانونی جواز ختم کر دیا گیا ہے اور ہندو بیوہ اور غیر شادی شدہ عورتوں کو نے بالک ایکٹ کے تحت اس میں مندرجہ شرائط کے تحت کسی بچہ کو گود لینے کا اختیار دے دیا گیا ہے، ہندو میریجز ایکٹ میں دو اقسام کی شادیوں یعنی مذہبی اور سول شادی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر جسٹس کلدیپ سنگھ نے ہندو میریجز ایکٹ کی دفعہ (۱) ۷ا اور (۲) ۷ا کا مطالعہ کیا ہوتا جو اس طرح ہیں ——— (۱) ۷ا فریقین میں سے کسی ایک فریق کے مروجہ رسم ورواج کے مطابق شادی کی جاسکتی ہے اور (۲) جہاں اس رواج میں سپتابدی (SAPTABADI) یعنی دولہا دولہن ایک ساتھ مقدس آگ کے گرد سات پھیرے لیتے ہوں۔ تو ساتویں پھیرے کے ختم ہونے پر شادی مکمل سمجھی جائے گی. تو وہ ہرگز یہ نہ کہتے کہ شادی بیاہ کا تعلق مذہب سے نہیں ہے۔ ہندو میریجز ایکٹ کی دفعہ (۴) ۵ اور (۵) ۵ میں بھی مذکور ہے کہ "(۴) ۵۔ فریقین کے درمیان ایسا رشتہ نہیں ہونا چاہئے جن کے درمیان شادی ممنوع ہو الا اس امر کے کہ ان کا رسم ورواج اس کی اجازت دیتا ہو اور (۵)۔ فریقین کو سپندا (SAPINDAS) نہیں ہونا چاہئے الا اس امر کے کہ ان کا رسم ورواج اس کی اجازت دیتا ہو" ان دفعات سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ تمام ہندوؤں کے لئے شادی بیاہ کا کوئی ایک قانون موجود نہیں ہے۔

مسلم عائلی قانون

مسلمان دو فرقوں اور متعدد ذیلی فرقوں میں منقسم ہیں۔ ان کے دو خاص فرقے شیعہ اور سنّی ہیں۔ سنیوں کے چار فقہی مکاتب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں۔ ان کے کسی مقدمہ کا فیصلہ فریقین کے اپنے فقہی مکتب کے قوانین کے مطابق کیا جاتا ہے۔ (محمڈن لا از مُلّا) ایلویں ایڈیشن ۱۹۹۰ء، صفحہ ۳۰-۳۱)۔ ان قوانین سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ محمڈن لا کے تحت وراثت صرف خاندان کے دو افراد تک محدود نہیں ہے بلکہ متعدد مرد اور عورتیں جو خاندان کا فرد نہ ہوں انھیں بھی ترکہ مل سکتا ہے۔ اس کے برعکس خاندان میں ایسے افراد بھی ہو سکتے ہیں جو وراثت کے حقدار نہ ہوں، جسٹس ملّا کے محمڈن لا (صفحہ ۴۴) میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کسی مسلم خاندان میں ایک ساتھ رہنے والے افراد ہندوؤں کی طرح متحدہ خاندان کی تشکیل نہیں کرتے۔ دوسرے الفاظ میں ہندو میریجز ایکٹ مجریہ ۱۹۵۵ء اور ہندو وراثت ایکٹ مجریہ ۱۹۵۶ء میں متحدہ خاندان اور مشترکہ جائداد کا جو تصور موجود ہے اس کا اطلاق مسلمانوں، عیسائیوں، یہودیوں اور پارسیوں پر نہیں کیا جاسکتا۔

ہندو میریجز ایکٹ اور ہندو وراثت ایکٹ کی دفعہ (۲) ۲ اور ہندو نابالغی اور ولایت ایکٹ کی دفعہ (۲) ۳ میں کہا گیا ہے ان قوانین میں مذکور کسی دفعہ کا اطلاق دستور کے آرٹیکل ۳۶۶ کی ذیلی دفعہ ۲۵ کے تحت مندرجہ فہرست قبائل پر اس وقت تک نہیں کیا جائے گا جب تک کہ مرکزی حکومت سرکاری گزٹ میں اس کے برعکس ہدایت اب تک شائع نہیں کی گئی ہے لہٰذا ملک کے تمام باشندوں کے لئے یکساں سول کوڈ ایک سراب سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

لے ایچ۔ ایم۔ سیرائی ہندوستان میں قانون دستور (CONSTITUTIONAL LAW) کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔

دُعائے مغفرت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہٗ سے خصوصی تعلق وعقیدت رکھنے والے مشہور وکامیاب سرجن ڈاکٹر جناب سید قمرالدین صاحب کے برادر مکرم جناب سید نجم الدین صاحب طویل علالت کے بعد ۱۶ر جولائی ۱۹۹۵ء کو انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم علاقۂ برار کے شہر امراوتی سے تعلق رکھتے تھے اور ایک سرکاری محکمہ سے منسلک تھے۔ انھیں دارالعلوم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا مدظلہٗ سے بڑا تعلق تھا۔ حضرت مولانا کی کتابوں اور رسالہ تعمیر حیات کا بڑے ذوق وشوق سے مطالعہ کرتے تھے۔

موصوف نہایت متقی پرہیزگار، عابد وزاہد، تہجد گذار اور تلاوت کلام پاک کے پابند تھے۔

مرحوم کے پسماندگان میں چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو جنّت الفردوس میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بقیہ: مطالعہ کی میز پر

دوسرے شریف خانوادوں کے موضوع پر لکھنے والوں کے لئے "نشان راہ" بھی ہے۔ کتاب گونا گوں خصوصیات کی حامل اور تاریخی حوالوں سے مزین ہے۔

ملنے کا پتہ:
اردو کمپیوٹر کتابت سنٹر، ندوی منزل، ٹیگور مارگ ندوہ روڈ لکھنؤ۔

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س :۔ ایک شخص کے پاس اتنی رقم ہے کہ وہ یا تو حج کرسکتا ہے یا اپنی جوان بیٹی کی شادی کرسکتا ہے، تو وہ کیا کرے؟

ج :۔ حج کرے، اس پر حج کرنا فرض ہے، اگر نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔

س :۔ کیا عقیقہ کرنا از روئے شرع واجب ہے؟

ج :۔ نہیں عقیقہ واجب نہیں ہے، مسنون ہے، اگر استطاعت ہو تو کر دے ورنہ کوئی گناہ نہیں ہے

س :۔ کیا عقیقہ کے گوشت سے ماں باپ، دادا، دادی کھا سکتے ہیں؟

ج :۔ ماں، باپ، دادا، دادی کھا سکتے ہیں عوام میں بہ غلط مشہور ہے کہ ماں، باپ، وغیرہ نہیں کھا سکتے ہیں

س :۔ کیا نماز جنازہ پڑھنے کے فوراً بعد دعا مانگنی جائز ہے؟

ج :۔ نماز جنازہ خود دعا ہے اس کے بعد دعا کرنا سنت سے ثابت نہیں ہے۔

س :۔ مؤذن کا بلند آواز سے درود شریف پڑھنا پھر بسم اللہ پڑھنا، پھر اذان پوری ہونے پر راگ کے ساتھ سلام پڑھنا کہاں تک درست ہے؟

ج :۔ یہ مروجہ طریقہ شرعاً بے اصل اور بدعت ہے اس کو ترک کرنا لازم ہے۔

س :۔ کیا شرعاً یوم عاشورہ میں کوئی اور نماز باجماعت پڑھنے کا حکم ہے، اگر ہے تو کتنی رکعت؟

ج :۔ یوم عاشورہ میں نماز پنجگانہ کے علاوہ کوئی نماز باجماعت پڑھنے کا حکم شرعاً نہیں دیا گیا ہے

س :۔ خطبہ جمعہ کے لئے سورۃ قٓ کی تلاوت مسنون ہے لیکن سنت پر عمل کرنے کے لئے پوری سورۃ کی تلاوت ضروری ہے یا اس کے بعض حصوں پر اکتفا کرنے سے بھی سنت پر عمل ہو جائے گا۔

ج :۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ سورۃ قٓ کی تلاوت خطبہ جمعہ میں فرماتے تھے لہٰذا خطبۂ جمعہ میں سورۂ قٓ کی تلاوت مسنون ہوگئی۔ اگر بعض حصہ کو پڑھ لے تب بھی سنت پر عمل ہو جائے گا لیکن خطبۂ جمعہ میں مذکورہ صورت کا پڑھنا لازم نہیں ہے۔ آپؐ کسی سورۃ یا آیت کو لازمی طور پر ہر جمعہ میں نہیں پڑھا کرتے تھے

(عن ام هشام بنت حارثة بن النعمان قال ما أخذت قٓ والقرآن المجيد الا من لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأها كل جمعة على المنبر إذا خطب الناس

(رواه مسلم) (مشكوٰة ص۱۲۳)

(مزید تفصیل کے لئے فتح الملہم شرح مسلم جلد دوم ص۲۱۴ ملاحظہ ہو)

س :۔ کیا کسی کافر کے یہاں کی حلال چیزیں کھا سکتے ہیں؟

ج :۔ کافر کے یہاں کی حلال چیزیں کھا سکتے ہیں۔

س :۔ کیا کوئی کافر اگر نیک عمل کرے تو اس کو اس کا ثواب ملے گا؟

ج :۔ نیک عمل کے ثواب کے لئے ایمان لازم ہے کافر جب تک ایمان نہ لے آئے اسے اس کے نیک عمل کا ثواب نہیں ملے گا، دنیا میں اس کا بدلہ ملتا ہے۔

مفتی محمد واصف عثمانی کی شہادت

معروف عالم دین، مشہور مقرر اور دار العلوم دیوبند (وقف) کے استاد مولانا مفتی محمد واصف عثمانی صاحب اور مولانا کے ساتھ کانپور کے حاجی مختار الٰہی اور ان کے صاحبزادے صادق الٰہی ایک سڑک حادثہ میں شہید ہو گئے اور دیگر پانچ افراد شدید زخمی ہو گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ المناک حادثہ ۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۹۹۵ء کو کانپور اور لکھنؤ کے درمیان واقع بشیرت گنج شاہراہ پر اس وقت ہوا جب کہ مولانا اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک جیپ کے ذریعہ بارہ بنکی سے کانپور جا رہے تھے۔ مولانا عثمانی اور دیگر مرحومین کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں دعائے مغفرت اور زخمیوں کے لئے دعائے صحت کی گئی۔

قارئین کرام سے مرحومین کے لئے دعائے مغفرت اور زخمیوں کے لئے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

نام کتاب : لَو
رشحات فکر : تسنیم فاروقی
صفحات : دو سو بتیس ۲۳۲
قیمت مجلد : سو روپے
پتہ : ۱۔ فن کدہ ۸۴/۱۸ اسی تلسی داس مارگ
نزد سول اسپتال لکھنؤ۔ 226004
۲۔ دار المعارف۔ ۱۳ محمد علی بلڈنگ۔ محمد علی
روڈ۔ بمبئی۔ 400003

سنجیدہ، متین اور مقصدی شاعری کی دنیا میں تسنیم فاروقی کا نام روشن و تابناک ہے۔ وہ فن کدے کی آبرو اور مشاعروں کی زینت ہیں، عروس سخن کی مشاطگی کا فن انھیں خوب آتا ہے۔ پیش نظر کلام بلاغت نظام "لَو"، اپنی صوری اور معنوی خوبیوں کے ساتھ ان کے ادراکات، احساسات، تعقل و تفکر کے ارتعاشات، اور موئے قلم کے دلآویز نگارشات کا آئینہ دار ہے۔ وہ منفرد مزاج شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں عوامی نفسیات کو مہمیز کرنے والے نعرے نہیں، افکار کی بلندی انھیں پستیوں سے دور رکھتی ہے۔ البتہ ان کے کلام میں تہذیب کے گرتے ہوئے قلعوں پر نوحہ ضرور ملتا ہے۔ اور اضطراب گھٹن کی کیفیت کا احساس بھی ہوتا ہے۔ اپنوں کی طوطا چشمی اور نفاق و عناد کے ماحول کو بڑے خوبصورت پیرائے میں یوں ادا کرتے ہیں۔

دشمن آئے تھے جو کل گھر کو جلانے میرے
ان کے ہمراہ تھے کچھ دوست پرانے میرے

اب بھی تسنیم اکیلے ہیں پڑھے جاتے ہیں
ان کے پاس آج بھی کچھ خط ہیں پرانے میرے

تسنیم کی شاعری ہر جگہ حقیقت کا رنگ و آہنگ لئے ہوئے ہے وہ حقائق کا تجزیہ بڑی نزاکت و باریکی سے شاعری کے پیکر میں پیش کرتے ہیں۔ جس میں نہ زبان کی بے عنانی ہوتی ہے، اور نہ لہجے کی بے استواری جو کچھ کہتے ہیں شواہد اور مطالعہ کے بعد اس منظر نامے کو دیدۂ دل میں محفوظ کر کے ہی کہتے ہیں، لہٰذا ان کی شاعری میں زندگی ہے۔ تابندگی ہے، حسن ہے خوبصورتی ہے، دلآویزی ہے۔ دلکشی ہے، گویا مجموعہ محاسن ہے، جس کی ضرورت اس کے نام سے خود واضح ہے۔ کون ہے جسے زبان و فن کی تاریک راہوں میں اس "لو" کی ضرورت نہیں۔

چاہتا یہ ہوں کہ دنیا میں اجالا ہو جائے
ہر اندھیرے کو جلا دے مری تخلیق کی لو

مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

نام کتاب :۔ "قصبہ کوڑہ تاریخ و شخصیات"
مرتب :۔ محمد عبد السمیع ندوی
سائز :۔ ۲۲×۱۸/۸ صفحات :۔ ۴۵۶
قیمت :۔ ۱۰۰ روپیہ

فاضل مرتب علمی اور صحافتی حلقہ میں معروف، جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کانپور کے اعزازی معتمد عمومی، جمعیۃ کے ماہنامہ "محکمات" کے مدیر، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شعبۂ مالیات کے معاون ناظر، قصبہ کوڑہ ضلع فتح پور کے جعفری عریضی خانوادہ کے ایک فرد ہیں۔

فاضل مرتب نے اپنی کتاب کا انتساب خالق کائنات کے نام نامی پر کیا ہے جو چونکا دینے والا اور موثر ہے، ملاحظہ ہو!۔

اس "وحدہٗ لاشریک لہٗ" کے نام جس نے ہم حقیر و ناتواں انسانوں کو باحسن تقویم پیدا فرما کر خلافتِ ارضی کے شرف سے نوازا پھر ایمان و عمل اور کفر و شرک کی بنیاد پر "خیر البریۃ اور شر البریۃ" میں تقسیم فرمایا۔

اسی خالق وحدہٗ لاشریک لہٗ کے نام جس نے مجھ کمزور و ناتواں کو یہ سعادت مرحمت فرمائی کہ اپنے بزرگوں کے "آثار اور حیات دینی" کے مستور گوشے اپنے جیسے انسانوں کے سامنے پیش کروں شاید کہ عبرت و بصیرت کا یہ مرقع کسی قلب سلیم کو متاثر کردے اور میرے لئے اجر آخرت کا سامان ہو جائے۔

کتاب کا پہلا حصہ "کوڑہ تاریخ کے آئینہ میں" کوڑہ کی تاریخی حیثیت اس کے عروج و زوال کی داستان سناتا ہے، دوسرے حصہ میں "تہذیبی و ثقافتی ورثے" کے زیر عنوان کوڑہ کی مشہور و معروف مساجد، مدارس خانقاہوں اور درگاہوں نیز قلعوں و دیگر عمارات کا تعارف کرایا گیا ہے۔

کتاب کے تیسرے حصہ میں "شخصیات" کے زیر عنوان تقریباً ایک سو افراد کے سوانحی خاکے ہیں۔

فاضل مرتب نے "سوانح نویسی" کے سلسلے میں پوری کوشش کی ہے کہ تاریخ کا دامن ہاتھ سے نہ جائے، سوانح نویسی کے موقع پر بعض مفروضات بھی سوانح نگاروں کے زیر قلم آجاتے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کسی شخصیت کی مدح و ستائش میں مبالغہ بھی ہو جاتا ہے لیکن زیر نظر کتاب میں لائق مرتب کا قلم بہت محتاط ہے، انھوں نے بعض قدیم تذکروں کی فروگذاشتوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔

لیتھو کی کتابت و طباعت کا رواج ختم ہو گیا ہے زیر نظر کتاب لیتھو پر چھپی ہے جس کی وجہ سے سنگ سازی اور طباعت کی خامیاں کتاب میں موجود ہیں۔

غرض کہ کتاب نہ صرف یہ کہ لائق مطالعہ بلکہ

(باقی ص ۲۷ پر)

بقیہ: درس حدیث

آپ نے فرمایا خیر! کوئی بات نہیں، پھر نصیحت فرمائی دیکھو بھائی آدمی کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہئے خواہ ظالم ہو یا مظلوم، اگر ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روکے، یہ اس کی مدد ہے اور مظلوم ہو تو اس کی مدد کرے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بڑی فکر رہتی تھی کہ باہمی اخوت و بھائی چارہ برابر باقی رہے اور مزید ترقی کرتا رہے چنانچہ آپ فوراً اس جگہ پہونچے اور یہ فرماتے ہوئے ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ "یہ کیا جاہلیت کی بات ہو رہی ہے" جب معلوم ہوا کہ یہ دو غلاموں کا جھگڑا ہے تو آپ کو قدرے اطمینان ہوا اور ایک مربی کی طرح نصیحت شروع فرمادی اور ان طریقوں کی رہنمائی فرمانے لگے جو اس طرح کے معمولی قصوں کو دفع کرنے میں معاون ہوتے ہیں تاکہ معمولی بات بڑھ کر خطرہ کی صورت نہ اختیار کرلے اور مسلمانوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کو بڑھاوا دے۔ آپ نے فرمایا، اچھا اچھا! کوئی بات نہیں۔ دیکھو بھائی! آدمی کو چاہئے کہ اپنے بھائی کی مدد کرے اگر وہ ظالم ہو، (یعنی اس کو ظلم سے روکے) اور مظلوم ہو تو اس کی طرف سے بیچ بچاؤ کرے، اس خوبصورت انداز سے آپ نے حق کی طرف سے دفاع کا ایک اچھا ڈھنگ بتادیا۔

انھیں مربیانہ طریقوں میں سے آپ کا یہ ارشاد بھی کہ (سچا) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، یہاں ہاتھ کے لفظ کا استعمال گویا پیچھے سے مارنے کی تصویر کشی کررہا ہے خواہ ہاتھ سے ہو یا کسی اور چیز ڈنڈے وغیرہ سے مقصود مسلمان کی طرف اس کو تکلیف پہونچانے کے لئے ہاتھ کا چلانا ہے اس ہاتھ چلانے کے ساتھ زبان سے سخت الفاظ بھی نکلتے ہیں، اسی فطرت کو ذہن میں رکھ کر آپ نے اپنے ارشاد میں لسان (زبان) کا لفظ استعمال فرمایا،

اس طرح کے واقعات وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے تھے جو معاشرہ کی ہمادرانہ فضا کو مکدر کردیتے تھے، اور اس کے متقاضی ہوتے تھے کہ اس کا فوراً مداوا کیا جائے اور ایسے موقعوں پر مناسب حل اختیار کیا جائے۔

سفیان بن عیینہ نے روایت کیا ہے کہ عمرو نے جابر بن عبداللہ کو کہتے ہوئے سنا، ایک دن صبح کو ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو پشت کی طرف سے ماردیا اس انصاری نے انصار کی دہائی دی، اس پر مہاجر نے مہاجرین کو پکارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا جاہلیت کی باتیں ہو رہی ہیں؟۔ چھوڑو یہ بڑی گندی بات ہے۔

(منافق عبداللہ بن اُبی نے سن لیا اس نے کہا اب تو بات ہوچکی، خدا کی قسم جب ہم مدینہ پہونچیں گے تو وہاں کا معزز شخص ذلیل شخص کو ضرور نکال دے گا[۲] حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کے رسولؐ آپ اجازت دیں میں اس منافق کی گردن ماردوں، آپؐ نے فرمایا یہ نہ کرو کہ لوگ یہ کہنے لگیں کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کردیا کرتے ہیں[۳]، آیت قرآنی اسی واقعہ کی طرف اشارہ کررہی ہے: "یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ" کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہونچے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔

کبھی کبھار یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات پیش آتے رہتے تھے جس سے مدینہ منورہ کا پرسکون ماحول مکدر ہوجاتا تھا، اور اس کے متعدد اسباب ہوتے تھے۔

۱۔ ایک بڑا سبب تو مدینہ منورہ میں منافقین اور یہود کا وجود تھا جو اسلامی اُخوت و اتحاد کی اہمیت و خطرہ کو جانتے تھے کہ یہ ان کے حق میں کیا ثابت ہوگا۔

۲۔ اسلام سے قبل گذشتہ زمانہ میں اوس و خزرج کے درمیان ہونے والی جنگوں کے اثرات بھی باقی تھے۔

۳۔ تمام عرب کے لوگ دین و عقیدہ میں قریش اور اہل مکہ کے تابع تھے، وہ قریش کو بیت اللہ شریف کے متولی اور دین و عقیدہ میں نمونہ ہونے کی نظر سے دیکھتے تھے، اور قریش اوس و خزرج کے معترف تھے جن کا تعلق عرب عاربہ بنو قحطان سے تھا، ان کی باہم شادیاں بھی ہوا کرتی تھیں، مگر وہ اپنے کو ان سے افضل سمجھتے تھے، چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب انصار کے کچھ نوجوان مقابلہ کے لئے نکلے تو عتبہ بن ربیعہ نے کہا: اے محمد! ہمارے مقابلے میں ہمارے ہمسر لوگوں کو اتارو جو ہماری قوم سے ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ بن حارث، حضرت حمزہ اور حضرت علی کو مقابلہ میں آنے کی دعوت دی، جب یہ حضرات آئے تب انھوں نے کہا ہاں یہ ہیں ہمارے جوڑ کے معزز لوگ[۴] اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش کے لوگ مدینہ منورہ کے لوگوں کو کھیتی باڑی کے کام کی وجہ سے جس کے لئے مدینہ کی زمین سازگار تھی اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے[۵] ان وجوہات کی وجہ سے اس طرح کے واقعات کئی مرتبہ پیش آئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک مہاجر نے پیچھے سے ایک انصاری کو ماردیا انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر بدلہ کا مطالبہ کیا، آپ نے فرمایا چھوڑو یہ گندی بات ہے۔[۶]

(جاری)

---

[۱] ابن ہشام ص۵۵ [۲] صحیح مسلم۔ شرح نووی۔
[۳] یہ واقعہ ایک سفر میں پیش آیا تھا۔
[۴] صحیح مسلم باب تحریم الظلم
[۵] نبی رحمت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
[۶] صحیح مسلم باب نصر الاخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵ ستمبر ۱۹۹۵ء مطابق ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

جلد نمبر ۳۲

شمارہ نمبر ۲۲

نگران اعلیٰ

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی

مولانا محمود الازہار ندوی

مولانا سلمان حسینی ندوی

مولانا محمد خالد ندوی

مولانا عبد الرحمٰن ندوی

مولانا محمد رضوان ندوی

ہارون رشید صدیقی

زر تعاون

سالانہ ———— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ———— ۵ روپے

— بیرونی ممالک فضائی ڈاک —

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

———— ۲۵ ڈالر

— بیرونی ممالک بحری ڈاک —

بحری ڈاک جملہ ———— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ——— مینیجر

مینیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر 93 ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ یوپی 226007

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔
اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

پرنٹر پبلشر شاہ حسین نے پاکیزہ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے شائع کیا

اس شمارے میں

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O:Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

(مولانا) السید محمد رابع حسنی ندوی

عورت کی صحت کے نام پر دھوکہ

اس وقت یورپ اسلام کو مطعون کرنے پر تلا ہوا ہے حالانکہ اسلام نے انسانی زندگی کے لئے جو شریعت دی ہے، وہ اتنی مرتب، جامع اور انسانی زندگی کے فطری حالات کی رعایت رکھنے والی ہے کہ دنیا میں دیگر قوموں کے پاس موجود قوانین جیسے بھی ہوں، اس کی مثال نہیں پیش کر سکتے، دیگر قوموں کو خواہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب، جو مذاہب ان کے اولین رہنماؤں سے ملے تھے، وہ اب اپنی اصلی اور سابقہ شکلوں میں نہیں ہیں۔ وہ یوں بھی اپنے زمانوں کے لئے اور اس وقت کے لوگوں کے اعتبار سے دیئے گئے تھے۔ لیکن اسلام ایک ابدی مذہب کے طور پر آیا اور جب سے آیا، اس وقت سے برابر محفوظ اور بلا تغیر باقی ہے۔

وہ اولاً اپنی آسمانی کتاب کے بالکل محفوظ ہونے کی وجہ سے پھر اپنے نبی کی تعلیمات کے محفوظ رہنے کی وجہ سے آج بھی اپنی اصلی حالت کے مطابق ہے، پھر اس کی مزید یہ خصوصیت ہے کہ اس پر شریعت کو مکمل کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "آج میں نے تمہارا مذہب مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا":

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔" (المائدہ)

چنانچہ یہ مذہب انسان کی زندگی کے لئے تا حیات دستور حیات ہے اور اس میں انسانی فطرت کے ہر طرح کے حالات کی پوری رعایت ہے۔ اس طرح اس پر عمل انسانی اختیار سے باہر نہیں، اور اس کے فطری حالات سے سازگار بھی ہے اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط بھی ہے، چنانچہ عبادت سے لے کر روزی کمانے تک، اخلاقی و دینی ضابطوں سے لے کر فطری اور ذاتی تقاضوں تک، خود اپنی ذات کی فکر رکھنے سے لے کر دیگر اردگرد اور اہل تعلق کے معاملات تک، سب موقعوں کے لئے اس میں رہنمائی ہے۔ اس میں مرد کے لئے مرد کی ضرورت و عزت کے لحاظ سے اور عورت کے لئے عورت کی ضرورت و عزت کے لحاظ سے قاعدے اور طریقے بتلائے گئے ہیں۔ اس طرح مرد کو عورت کی ضرورت اور اس کی عزت کے مطابق حقوق پورے کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور عورت کو مرد کی ضرورت اور اس کی عزت کا خیال رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ماں باپ کو اپنی اولاد کی ضروریات اور مصالح کی فکر کرنے اور ان کی دلداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اولاد کو اپنے ماں باپ کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مسلمانوں میں جو لوگ اسلامی احکام پر عمل نہیں کرتے اور اپنی زندگیوں میں ان کا اظہار نہیں کرتے، اسلام کو سمجھنے میں وہ معیار نہیں ہو سکتے، اسلام کو اس کی شریعت پر عمل کرنے والوں کو دیکھنے سے ہی سمجھا جا سکتا ہے یا اس کی کتابوں میں دیکھا جائے، لیکن افسوس یہ ہے کہ دوسری قوموں کے لوگ اپنی نظر بڑھا کر اسلامی احکام کو ٹھیک سے نہیں دیکھتے اور ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، لہٰذا ان کو غلط فہمی ہوتی ہے اور ان کے ماحول میں زندگی کے جو طریقے ہیں وہ انہی کو مسلمانوں کے بھی طریقے سمجھ کر تنقید و تبصرہ کرنے لگتے ہیں اور مشورہ دیتے دیتے ایسا مشورہ دینے لگتے ہیں کہ جو نہ صرف یہ کہ اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہوتا ہے بلکہ انسان کی فطری ضرورت اور اس کی اشرف المخلوقات ہونے کی عزت کے بھی خلاف ہوتا ہے۔

یہ بات سمجھنے کے لئے کہ اسلام میں بنی نوع انسان کی فطری ضرورت اور اس کے فطری مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے حقوق طے کئے گئے ہیں۔ آپ بطور مثال عورت ہی کو لیجئے، چونکہ وہ مرد کے مقابلہ میں کمزور ہے اس لئے اسلام میں اس کی حفاظت، راحت اور اس کی عزت کے لئے مرد سے زیادہ اہتمام کیا گیا ہے اور چونکہ عام طور پر مختلف سوسائٹیوں میں لڑکی کی پیدائش پر خوشی نہیں محسوس کی جاتی تھی بلکہ بعض موقعوں پر اس کے پالنے سے بچنے کے لئے اس کو ختم کر دیا جاتا تھا اس لئے اسلام میں بچوں کے مقابلہ میں بچیوں کی پرورش کی فکر و اہتمام کرنے پر زیادہ ثواب بتایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ جو دو بچیوں کی پرورش کرے گا،

جنت میں [illegible] اور وہ اتنے قریب ہوں گے، اور آپؐ نے یہ [illegible] ہوتا اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی اٹھا کر دکھاتے ہوئے بتایا جب کہ یہ بات آپؐ نے بچوں کے لئے نہیں بتائی۔ پھر یہ بچیاں بڑی ہونے پر جب شادی کی عمر تک پہونچ جائیں تو ان کی شادی کے سلسلہ میں ان پر اسلام میں کسی طرح کا بوجھ نہیں ڈالا گیا ہے، چنانچہ ان کو یا ان کے ماں باپ کو جہیز میں کچھ دینا نہیں بتایا ہے اور نہ شوہر کو راضی کرنے یا خوش کرنے کے لئے کوئی خرچہ کرنا بتایا ہے، آپؐ نے جو بتایا ہے اس سے وہ بغیر کسی خرچے کے مرد کی زوجیت میں داخل ہوتی ہے بالغ ہونے پر شوہر کے انتخاب میں اس کی منظوری لینا لازم رکھا گیا ہے، اگر کسی شادی کے لائق لڑکی کی شادی کسی ایسے مرد کے ساتھ کی گئی جس کو اس نے منظور نہیں کیا تو وہ شادی اسلام میں صحیح نہیں مانی جاتی، وہ شوہر کے یہاں اپنی جو چیزیں لے کر جاتی ہے اور جن جائیداد یا اشیاء کی مالک ہوتی ہے، وہ شادی کے بعد بھی ان کی بدستور مالک رہتی ہے، شوہر کا اس کے مال وسامان پر کوئی اختیار نہیں ہوتا، اس کے برخلاف مرد پر ہی سب خرچہ کی ذمہ داری ہوتی ہے، شوہر شادی کرنے کا نذرانہ بصورت مہر اتنی رقم کی صورت میں دینے کا ذمہ دار بنایا گیا ہے، جو دونوں فریقوں میں طے ہو جائے، یہ طے کئے بغیر شادی اسلام میں صحیح نہیں مانی جاتی، پھر شادی کے بعد شوہر کے ذمہ بیوی کو اسی معیار سے رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جس معیار سے وہ خود رہتا ہے اور جب اولاد ہو جائے تو اولاد کی دیکھ ریکھ کے اخراجات سب مرد کے ذمہ رکھے گئے ہیں، بیوی کے ذمہ صرف گھر کے اندر کے انتظام کی ذمہ داری اپنے چھوٹے بچوں کی بچیوں کی فکر کرنے اور اپنے شوہر کے لئے ایک مونس اور معاون کی حیثیت سے آرام پہونچانے کی ہوتی ہے، اس سب کے اور گھر کے انتظام کے سلسلہ میں تمام مصارف۔ شوہر کے ہی ذمہ ہوتے ہیں۔ مرد اگر کسی ناگزیر وجہ سے اپنی بیوی

کو طلاق دینے پر اپنے کو مجبور پائے تو اس کو اختیار ہے کہ وہ دے سکتا ہے لیکن اس کے ذمہ اس کی بیوی کے جو مالی حقوق باقی ہوں گے وہ سب ادا کرنا ہوگا اور اگر بچے بچیاں ہیں تو بچوں بچیوں کی پرورش ماں کے ذمہ ہے لیکن اس کے مصارف شوہر کے ذمہ رکھے گئے ہیں اور اگر بچہ پیٹ میں ہے تو ولادت تک باوجود طلاق کے، عورت کے مصارف شوہر کے ذمہ ہی رکھے گئے ہیں طلاق دینے پر عدت ہے تاکہ اگر پیٹ میں بچہ ہے تو اس کی تحقیق ہو جائے لیکن عدت کے دوران خرچہ شوہر کے ذمہ ہے، ظاہر ہے کہ شادی سے لے کر طلاق تک اتنے سارے خرچوں اور مالی بوجھ کے بعد مرد کے لئے طلاق دینا سخت مشکل کی بات اور نقصان دہ بن جاتی ہے اس کے برعکس عورت کے لئے یہ نقصان کی بات نہیں ثابت ہوتی ہے کیونکہ طلاق وعدت کے بعد وہ دوسرے مرد سے بآسانی اور بغیر کسی خرچہ کے شادی کر سکتی ہے، اور اس نئی شادی سے اس کو از سر نو وہ سارے فائدے حاصل ہو جاتے ہیں جو پہلی شادی سے حاصل ہوتے تھے، پھر مہر کی رقم ملے گی پھر شوہر سے اس کو خرچہ وغیرہ کے مصارف ملنا شروع ہو جائیں گے اور دوسری شادی میں بھی اس کا کوئی صرفہ نہیں ہوگا جیسا کہ پہلی شادی میں بھی نہیں ہوا تھا، ان سب باتوں کے بعد یہ کہنا کہ اسلام میں طلاق بہت دی جاتی ہے، غلط پروپیگنڈہ ہے۔ طلاق دینے سے مرد پر جو زحمتیں اور مالی خسارہ ہوتا ہے اس کو کوئی سمجھدار شوہر آسانی سے کہاں جھیل سکتا ہے طلاق آسانی سے وہی لوگ دیتے ہیں جو شریعت کے مطابق شادی نہیں کرتے اور نہ ہی شریعت کے مطابق عمل کرتے ہیں یا وہ شادی کے سبب ایسی کسی پریشانی میں پڑے ہوتے ہیں کہ وہ اس سے نجات پانے کے لئے ہر طرح کی زحمت برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

اسلام کا طریقہ اختیار کرنے میں عورت کو کوئی زحمت نہیں ہوتی، اس پر کوئی ظلم نہیں ہوتا، ظلم تو اس وقت ہوتا ہے جب اسلام کے قاعدہ کے خلاف شادی کی گئی ہو، ظلم تو وہاں ہوتا ہے جہاں شادی میں عورت نے بڑا صرفہ کیا ہو اور طلاق کے بعد وہ سب سے محروم ہو جائے، اس کا کوئی سہارا نہ ہو جیسا کہ دوسروں کی سوسائٹی میں ہوتا ہے کہ لڑکی کی شادی پر بہت خرچ کرنا پڑتا ہے اور شوہر کے مرنے یا طلاق دینے پر وہ بے سہارا ہو جاتی ہے اور سارا وہ صرفہ جو اس نے کیا تھا وہ بے کار ہو جاتا ہے۔ اسلام میں عورت اپنے سارے مال ومتاع کی مالک اسی طرح رہتی ہے جیسے وہ شادی سے قبل تھی، اس کا مال اسی کا رہتا ہے، پھر مزید یہ کہ وہ اپنے ماں باپ کے مرنے پر ان کے مال کی وراثت میں حصہ بھی پاتی ہے اور بعض موقعوں پر وہ اپنے بھائی بہنوں کے مرنے پر ان کے مال میں بھی وراثت کا حق پاتی ہے، وہ شوہر کے مرنے یا طلاق دینے پر اپنے ماں باپ کے پاس عزت کے ساتھ واپس آجاتی ہے، ماں باپ نہ ہوں تو اس کے بھائی اس کی فکر کرتے اور ذمہ داری اٹھاتے ہیں، وہ طلاق کے بعد حتیٰ کہ شوہر کے مرنے کے بعد بھی شوہر کے گھر میں رہنے پر مجبور نہیں ہوتی اور نہ مادی کسب سہارے کے لئے آوارگی کا سہارا لیتی ہے۔ لیکن اسلام پر عمل نہ کرنے والوں میں طلاق کے بعد عورت کی وہ عزت اور حیثیت باقی نہیں رہتی جو اس کو پہلے حاصل تھی، وہاں عورت کمتری کا شکار بنتی ہے اور اس کے حقوق اور حیثیت کو کوئی مقام حاصل نہیں ہوتا، یورپ میں تو عورت کی آبرو وعزت کھلونا بنی ہوئی ہے، اس سے فائدہ ہر طرح کا اٹھایا جاتا ہے لیکن اس کے جسم کی کمزوری اور اس کی عفت وآبرو کو تحفظ نہیں دیا جاتا، مشکل اور محنت کے کاموں میں مرد ہی کی طرح لگایا جاتا ہے جبکہ اسلام میں اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ قہرمانہ نہیں ہے بلکہ ریحانہ ہے یعنی سخت کوشی کے لئے نہیں ہے وہ تو پھول ہے، لہٰذا تلقین کی گئی ہے کہ اس کی نزاکت اور کمزوری کا خیال رکھتے ہوئے، اس پر بوجھ ڈالا جائے، ایک بار اونٹ کو لے چلنے والے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذرا احتیاط سے اونٹ

اٹھاؤ بٹھاؤ، اس میں بیٹھنے والے شیشے کی طرح نازک ہیں، عورت کی نزاکت جسم کا لحاظ رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی فطرت کے مطابق اس کو کام کا موقع بھی دیا گیا ہے مریضوں کی تیمارداری خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار عورتوں کے سپرد کی، اس کو گھر میں بالکل قید نہیں کیا گیا ہے، صرف یہ کہا گیا ہے کہ بے ضرورت گھر سے نہ نکلیں اور جب نکلیں اپنے جسم کو بری نظروں سے بچانے کے لئے حجاب کے ساتھ نکلیں، یہ ہے اسلام کا طریقہ جس میں عورت کو جتنی عزت حاصل ہے کسی اور جگہ نہیں ہے

اس کے برعکس یورپ میں عورت کی آزادی اور عزت کا نام تو بہت لیا جاتا ہے لیکن اس کو ایسی صورت حال میں رکھا جاتا ہے کہ وہ خطرات میں گھری رہتی ہے، آزادی کے نام پر کسی بھی عورت کو خراب کرکے مرد اس سے بے تعلق بن جاتا ہے اور اس کو اس کی پریشانی میں چھوڑ جاتا ہے، اس سے محنت کے کام مردوں کی طرح لئے جاتے ہیں اور اس کو اس کی کمزوری کا حق نہیں دیا جاتا، اس کے حسن کی نمائش کرکے اس کو فتنہ میں ڈالا جاتا ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ پروپیگنڈہ سے اور خوبصورت الفاظ کے ساتھ یورپ میں عورت سے ہمدردی جتائی جاتی ہے اور دلکش الفاظ کے ذریعہ اس کو آسمان پر چڑھایا جاتا ہے اور اسلام کو الٹا الزام دیا جاتا ہے کہ اس میں عورت کے ساتھ بڑا ظلم ہے ذرا عورت کی مظلومیت کے صرف اعداد و شمار دیکھ لئے جائیں کہ یورپ کی سوسائٹی میں کیا ہیں اور مسلم سوسائٹی میں کیا ہیں اور اسلام کی تعلیمات کا ذرا مطالعہ ہی کرلیا جائے تو حقیقت واضح ہو جائے گی۔

یورپ میں انقلاب فرانس کے بعد چونکہ مذہب کو عام زندگی میں قبول کرنے سے دست برداری اختیار کرلی گئی ہے اس لئے وہاں کی زندگی مذہب کی دی ہوئی قدروں اور ضابطوں سے آزاد ہو چکی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ آزادی کا جو نظریہ یورپ نے اپنایا ہے۔ اس میں ہر فرد کو اپنی انفرادی زندگی میں ہر طرح کی آزادی کا حق دیا گیا ہے، چنانچہ انفرادی آزادی کا جو مطلب یورپ میں رائج ہوتا چلا گیا ہے اس میں کسی ایک فرد کو کسی دوسرے فرد پر اپنی رائے چلانے کا بالکل حق نہیں ہے خواہ ایک طرف بڑی عمر کا اور تجربہ کار ہو اور دوسری طرف کم عمر اور ناپختہ شخص ہو اور خواہ باپ بیٹے کا معاملہ ہو یا ماں بیٹی کا معاملہ ہو، وہاں تو فون کا ایک نمبر بتلا دیا گیا ہے جو تمام لڑکوں اور لڑکیوں کو بتایا جاتا ہے کہ کسی وقت اگر باپ یا ماں سختی کرے تو لڑکا یا لڑکی اس نمبر پر پولیس کو باخبر کردے، اس بات پر پولیس بلا تاخیر پہونچ کر ماں یا باپ کو سختی کرنے کے الزام میں گرفتار کرکے لیجاتی ہے اور عدالت سے سزا دلوا دیتی ہے، وہاں جب باپ ماں کو اپنی اولاد پر اپنی رائے چلانے کا حق حاصل نہیں ہے تو بھائی کو بھائی پر، پڑوسی کو پڑوسی پر، دوست کو دوست پر اپنی رائے چلانے کا کیا حق حاصل ہو سکتا ہے۔ لہذا انفرادی طور پر جس کا جو جی چاہے کرے کون روک سکتا ہے، چنانچہ لڑکیاں اور لڑکے آپس میں جس طرح چاہیں، روابط قائم کرتے ہیں، دوستی کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو خراب کرکے علاحدہ ہو جاتے ہیں یا شادی کرتے ہیں تو اس میں بھی خود غرضی کارفرما رہتی ہے۔ کسی کو بولنے کا حق نہیں ہوتا۔ عموماً شادی سے قبل ہی شادی کے فائدے حاصل کرنا شروع کردیتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں اولاد کا مسئلہ کھڑا ہو جائے تو بچہ والی کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرلے، اس کے طریقے مقرر ہیں اور اگر چھٹکارا حاصل نہ کرسکے تو حکومت کی مدد سے اپنے بچہ کو پروان چڑھا سکتی ہے اور بے باپ کے بچہ کی ماں کی حیثیت سے اس کا بوجھ اٹھا سکتی ہے اور جو اس کا سبب بنا اور جو باپ بن سکتا تھا وہ اس زحمت کے معلوم ہوتے ہی اپنا دامن جھٹک کر الگ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امریکہ کی ایک تازہ رپورٹ ہے اس میں ان بچوں کی تعداد جن کے باپوں کا علم نہیں، کل موجود بچوں کی تعداد کا پچاس فیصد ہو چکا ہے اور یہی تقریباً سارے یورپ کا حال ہے اس لئے اب یورپ و امریکہ میں خانہ ولدیت میں باپ کے بجائے ماں کا نام لکھنے کا رواج ہوگیا ہے۔

وہاں ہر فرد کو آزادی کا جو حق دیا گیا ہے وہ ان حالات کو روکنے سے مانع ہے لہذا قانوناً بھی اس صورت حال کو قابل قبول قرار دیدیا گیا ہے اور اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضروری سہولتوں کا نظم کیا گیا ہے، لہذا ناجائز حمل کو برا نہیں سمجھا جاتا اور اس کے لائق سہولت دی جاتی ہے، کوئی اس کو ضائع کرنا چاہے تو ضائع کروالے، اس کے لئے اس کا انتظام ہوتا ہے اور متعدد ملکوں میں یہاں تک سہولت دیدی گئی ہے کہ مرد کو مرد سے شادی جیسا تعلق قائم کرنے کا حق ہے تاکہ اولاد کا قصہ ہی نہ رہے، اور کئی ملکوں میں قانوناً اس کو جائز اور انسان کا حق تسلیم کرلیا گیا ہے، پھر یورپ نے مزید ایک قدم یہ اٹھایا کہ جن ملکوں میں عورت مرد کی یہ آزادیاں نہیں ہیں، وہاں بھی اس کا رواج ڈالا جائے تاکہ آزادی اور جی چاہی زندگی جو ایک جگہ ہے سب جگہ ہو جائے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ انسان جیسے اشرف المخلوقات سے کہا جائے کہ تم شریفانہ ضابطہ کے مطابق مرد و عورت کا رشتہ زوجیت اختیار کرکے آپس میں اختلاط قائم کرنے کے بجائے کتے کی طرح من مانے طریقے سے اپنا کام کرو، بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ کہا جائے کہ اس کی بھی اجازت دی جائے کہ مرد مرد سے اپنی ضرورت پوری کرے، اور عورت عورت سے اپنی ضرورت پوری کرے جو کتیا و کتے میں بھی نہیں ہوتا، اور اس کی دلیل یہ دی جائے کہ مرد و عورت کو اگر پورا اختیار اور من مانی کی اجازت نہ دی جائے گی تو ان کی صحت پر برا اثر پڑے گا، ان کو اپنا جی دبانا پڑے گا اور جی دبانے سے صحت پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔

صحت کا عذر بیان کرکے کھلے فسق و فجور اور لواطت کو قانون کی حمایت دے کر اجازت دلوانے کی بات، میں یہاں طنزاً نہیں کہہ رہا ہوں۔ یہ متحدہ اقوام

کے تحت بیجنگ میں کی جانے والی چوتھی عورتوں کی
بین الاقوامی کانفرنس میں دی جانے والی اولین دلیل ہے
جو بانگ دہل دی گئی ہے اور اسی کے نام پر فسق
وفجور اور لواطت کے جواز کا قانون بنانے پر زور
دیا گیا ہے اور مذہب، اخلاق اور تسلیم شدہ انسانی
قدروں کو نظر انداز کر دینے پر اصرار کیا گیا ہے، یہ
کانفرنس اقوام متحدہ کی انجمن کی طرف سے کی گئی ہیں
گذشتہ تین کانفرنسوں میں کامیابی نہیں ہوئی لہٰذا اب
چوتھی کانفرنس میں پھر یہ کوشش کی گئی ہے، اس کانفرنس
کے پاس کردہ ضوابط کو تمام دنیا کے ملکوں پر لاگو کرنا
طے کیا گیا ہے اور جو ملک عمل نہ کرے تو اس کی معاشی
امداد بند کر دینے کی اور مختلف طریقوں سے اس پر عمل
کرنے پر مجبور کرنے کی تدبیریں طے کی گئی ہیں۔ یہ
کانفرنس دنیا کے ۱۸۵ ملکوں سے دسیوں ہزار عورتوں
کو ان ملکوں کی نمائندہ کی حیثیت سے جمع کرکے منعقد
کی گئی ہے اور عورت کی آزادی اور صحت کے نام
سے ہر طرح کی بے راہ روی اور قدروں اور مذہب
کی اخلاقی ہدایات سے گلو خلاصی طلب کرنے کی بات
خواتین عورتوں سے کہلوائی گئی ہے۔ یہ وہ بات ہے جس
سے اخلاقی قدریں تو بڑی بات ہے مذہب کی پابندی
سے بھی گلو خلاصی کا بہانہ بڑے ماہرانہ طریقہ سے اختیار
کیا گیا ہے اور یہ سب امریکہ کی سرپرستی میں متحدہ اقوام
کی طرف سے کی جانے والی کوششیں ہیں جن کی کامیابی
کا مطلب یہ ہے کہ انسان انسان نہ رہے، رذیل جانور
بن جائے۔ یہ درحقیقت ساری انسانیت کو بگاڑ کے
غار میں پہونچانے کا یہودی منصوبہ کا جزء ہے جس کو
گذشتہ صدی سے نافذ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس
کو ناکام کرے۔ آمین۔

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی، دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

(بقیہ)

امیر جماعت تبلیغ..........کام و مقام

جو مرکز جماعت کے کاموں میں مولانا انعام الحسن
صاحب کے معاون خصوصی تھے، مشترکہ امارت کے
ذمہ دار طے ہوئے ان کے ساتھ دیگر اہم حضرات
کو ایک مشاورتی کمیٹی کے طور پر شریک کیا گیا جن میں
سر فہرست تبلیغ کے عظیم خطیب مولانا محمد عمر
پالن پوری ہیں۔

یہ جماعت تبلیغ، ایمان و تقویٰ کی مخلص
جماعت ہے۔ اس نے اپنے بہت محدود وسائل و ذرائع
کے باوجود اتنے وسیع پیمانہ پر امت کے بے شمار
افراد کی سیرت و کردار میں تبدیلی پیدا کی
اور بکثرت افراد کی زندگیوں پر اثر ڈالا کہ دیکھ کر
تعجب ہوتا ہے اس کے اہم قائدین کے اٹھ جانے
پر اس کے کام پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ اللہ
تعالیٰ کی یہ خاص رحمت و مدد ہے کہ مولانا انعام الحسن
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وفات کے بعد بھی یہ کام اپنی
خصوصیات اور صحیح جذبہ کے ساتھ جاری و ساری
ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جماعت کی موجودہ
قیادت اگرچہ اصلاً نوجوان عنصر کے ہاتھ میں آئی
ہے لیکن اخلاص عمل کے ساتھ اور جماعت کے
اہم معاونین کے مشورہ و تعاون کے ذریعہ امید ہے
کہ یہ نوجوان اپنے مرحوم بڑوں کی جگہ بخوبی پُر کریں گے

گذارش: خط و کتابت نیز منی آرڈر کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں، خریداری نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں کم سے کم جس نام سے آپ کا رسالہ جاری ہے اس کی وضاحت ضرور فرمائیں منی آرڈر کوپن پر صاف صاف خوشخط پتہ لکھیں، اگر جدید خریدار ہوں تو اس کی صراحت ضرور کر دیں جواب طلب امور کے لئے جوابی خطوط ارسال کریں۔ شکریہ۔

منیجر

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ذیل میں ہم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی وہ فکر انگیز، بصیرت افروز، چشم کشا تقریر پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں جو مولانا مدظلہ نے ۱۶ رجولائی ۱۹۹۵ء کو دارالعلوم میں مجلس شوریٰ کے موقع پر علماء و مفکرین اور دیگر بہت سے جدید تعلیم یافتہ حضرات کی موجودگی میں طلباء دارالعلوم کی انجمن میں طلبہ کی دعوت پر جمالیہ ہال میں فرمائی تھی۔ تقریر میں جس اہم خطرہ کی طرف نشاندہی کی گئی ہے علماء و مفکرین نیز جدید تعلیم یافتہ حضرات کو غور و فکر کے ساتھ پڑھنے کے بارے میں ہم مولانا سید سلیمان ندوی کی زبان میں بس اتنا ہی کہنے کی جرأت کرسکتے ہیں کہ رب کریم پڑھنے والوں کو

دلِ دانا دلِ بینا دلِ شنوا دیدے

ادارہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِإِحْسَانٍ وَدَعَا بِدَعْوَتِھِمْ إِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ أَمَّا بَعْدُ۔ فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: "وَوَصّٰی بِھَا إِبْرَاھِیْمُ بَنِیْہِ وَیَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ إِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ":

میرے مکرم احباب، مہمانان کرام اور طلباء عزیز اس وقت میں ایسے جسمانی عوارض اور ذہنی مشغولیتوں اور تفکرات اور بعض ایسی کشمکش کی چیزوں میں مبتلا تھا کہ میرے لئے مناسب تھا کہ میں معذرت کردیتا کہ یہ اپنا گھر ہے کسی وقت بھی خطاب ہوسکتا ہے طلبہ بھی یہیں ہیں لیکن میں نے اس وقت وعدہ کرلیا تھا اور موضوع کی اہمیت بھی ایسی تھی کہ اس بارے میں کچھ کہوں، میں آپ سے بے تکلف اس وقت بات کرنا چاہتا ہوں میرے سامنے عزیز نوجوان طلبہ ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میرے طبقے اور میرے ماحول اور گرد و پیش کے لوگوں میں بہت کم لوگوں کو ایسا موقع ملا ہوگا، دنیا کی سیاحت خاص طور پر عالم اسلام کی سیاحت کا جو اس ناچیز کو ملا، یہ فخر کی بات نہیں ایک آزمائش کی بات تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیبی اور تقدیری سامان تھا کہ جہاں تک عالم اسلام کا تعلق ہے مراکش سے لے کر اور اسپین کو اگر شامل کیا جائے تو، وہ بھی بہت بڑا اسلامی تہذیب کا مرکز رہا ہے وہاں بھی جانا ہوا اور اسپین سے لے کر یہاں جنوبی ایشیا کے مسلم ممالک تک مجھے جانا ہوا اور کئی بار جانا ہوا۔ عرب ممالک میں سے کوئی اہم ملک چھوٹا نہیں، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب فراہم کئے کہ مجھے یورپ کے سفروں کا اور یورپ کو بہت قریب سے دیکھنے کا اور وہاں بار بار جانے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ، فرانس، جرمنی، اور، ترکی، سوئٹزرلینڈ بھی گیا، آخر میں روس جانا ہوا اس کے علاوہ جہاں تک عربی اور اسلامی ممالک کا تعلق ہے وہاں صرف جانا ہی نہیں بلکہ رہنا بھی ہوا بعض جگہ کئی کئی مہینے رہنا ہوا اور وہاں کی زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر صنف اور ہر ذوق اور ہر فن کے لوگوں سے ملنا ہوا، ان میں بڑے بڑے دانشور بھی تھے، ادیب بھی تھے، مصنف بھی تھے اور مفکر بھی تھے، قائد بھی تھے، انشاء پرداز بھی تھے، صحافی بھی تھے سب سے ملنا ہوا۔

خاص طور پر مصر میں جو کہ عالم عربی کے لئے وہ درجہ رکھتا ہے جو کبھی ولایت کا درجہ تھا ہندوستان میں جب اسلامی حکومت تھی تو ولایت، افغانستان اور ایران وغیرہ کو کہتے تھے اور شمالی ہندوستان اور اس کے بعد جب انگریز ہندوستان میں آگئے تو ولایت انگلستان کو کہتے تھے تو وہ (مصر) بھی صرف عالم عربی کے لئے ایک رہنما اور ایک معلم، مربی، مفکر اور ایک نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے وہاں ہفتوں نہیں مہینوں رہنا ہوا۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس وقت عالم اسلام کا سب سے اہم مسئلہ، سب سے نازک مسئلہ، سب سے فکر اور آزمائش کا فکر و تردد کا مسئلہ، اور سب سے زیادہ قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ عالم اسلام کی فکری، علمی، تصنیفی، اخلاقی اور اخیر میں سیاسی قیادت اس طبقے کے ہاتھ میں آگئی ہے کہ جو اسلام کی ابدیت کا تقریباً منکر ہے، اور اسلام کے بارے میں وہ صرف احساس کمتری ہی میں مبتلا نہیں بلکہ مایوس ہے اور اس کے دل میں یہ احساس بیٹھ گیا ہے، اور اس نے ایک فکر اور ایک فلسفہ اور دعوت کی حیثیت اختیار کرلی ہے کہ اسلام اس زمانے میں، اس جدید دور میں، اس ترقی یافتہ دور میں قیادت کی صلاحیت نہیں رکھتا، یہ ایک تعصب کی بات ہے اور ایک قدامت

پر سخت کی بات ہے کہ دیندار طبقہ بار بار مطالبہ کرتا ہے احکام شرعی کے نفاذ کا، اور تنقید کرتا ہے جدید تعلیم یافتہ طبقے پر، اور وہ مطمئن نہیں ہے زندگی سے، ورنہ اصل یہ ہے کہ اسلام اپنا کام ختم کر چکا ہے، اس کو تاریخ جنھوں نے پڑھی ہے اس کا انکار نہیں کرسکتے کہ یہ بدیہی حقیقت ہے کہ جس وقت اسلام کا ظہور ہوا، دنیا اس وقت بہت ہی پسماندہ تھی اور بر سر انحطاط نہیں بلکہ بر سر تنزل بھی نہیں بلکہ وہ بالکل ایک رکاوٹ ذہنی و عقلی اور تسفل کی حالت میں تھی جس کو اسلام نے اور قرآن مجید کے اعجاز نے قرآن مجید کی بلیغ زبان نے جس سے زیادہ بلیغ زبان ہو نہیں سکتی، جاہلیت کا نام دیا ہے، اور عربی زبان ہی نہیں کسی زبان کو کھنگالیے، میں ایک عربی زبان کے طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں مختلف زبانوں سے جو آشنائی رکھتا ہے ان سے کچھ اس کا اشتغال رہا ہے کہ بڑے بڑے ادباء بھی دنیا کے جمع ہو جائیں تو اس کے لئے جاہلیت سے زیادہ بلیغ، وسیع، عمیق، کثیر المعانی اور اس سے زیادہ صحیح تعبیر کرنے والا لفظ ملے گا نہیں۔

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ اس نے اس کو عہد جاہلیت سے تعبیر کیا ہے تو جب جاہلیت کا دور تھا، دنیا میں اس وقت اسلام آیا، اور اس نے مفید کام کیا اس نے کچھ انسانیت کی خدمت کی، کچھ ایسے غلط کام ہو رہے تھے، انسانیت خودکشی پر آمادہ تھی اس نے اس کو خودکشی سے بچایا، لڑکیوں کو دفن کرنے والی عادت سے، جاہلیت کی رسم سے بچایا، عورتوں کو کچھ حقوق دلائے، کچھ مساوات کا سبق پڑھایا اور کچھ اخلاق کی تعلیم دی اور توحید کا بھی پیغام دیا اور توحید کا قائل بنایا، اسلام نے اپنا کام ختم کر لیا وہ تاریخ کی نظر میں اور حقیقت پسندوں کی نظر میں قابل تعریف بلکہ مستحق شکر ہے یہاں تک تو وہ طبقہ مانتا ہے۔ لیکن اب اس ترقی یافتہ دور میں جب سائنس ٹیکنالوجی اور پولیٹکس اور ممالک کے باہمی تعلقات اور پھر اس کے ساتھ ساتھ انسانی دماغ اور پھر آلات ان انسانوں کو نئے عقائد تک پہونچانے میں معاون ہیں، خواہ سائنس کی کتنی شاخیں ہوں سب اس میں شامل ہیں، کیمسٹری تک شامل ہے، ٹیکنالوجی شامل ہے سب کچھ شامل ہے، ان کی ترقی کے بعد اب اسلام کے لئے منصب قیادت پر فائز ہونے اور اس ترقی یافتہ زمانے کی رہنمائی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور یہ بہت ہی افسردہ اور ایک تعجب کی بات ہے جو کہی جا رہی ہے۔ یہ میں آپ کو بتاتا ہوں کوئی راز نہیں ہے یہ عالم آشکار حقیقت ہے کہ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ پورے عالم اسلام کی فکری، اخلاقی اور آخری درجے میں سیاسی اور انتظامی قیادت بھی خود مسلمانوں کے اس طبقے کے ہاتھ میں آگئی ہے جو اسلام کے مستقبل سے مایوس ہے اور اسلام کو اس زمانے میں رہنمائی کے قابل نہیں سمجھتا اور وہ یورپ کی ترقیات اور یورپ کے علوم و فنون اور یورپین مصنفین کی کتابوں سے اور ان کی تصنیفات اور تحقیقات سے اور ان کے ذرائع ابلاغ سے جن چیزوں کو نشر کرتے رہتے ہیں ان سے اتنا متاثر ہے کہ جیسے کوئی کسی چیز پہ ایمان لاتا ہے وہ اس پر ایمان لے آیا ہے اور وہ ایمان کچھ متزلزل نہیں ہوتا ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں اور یہ اس وقت بہت بڑی چال (حکمت) تھی، بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ جب یورپ نے مشرق میں اپنا اقتدار قائم کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور ممالک فتح کرنا شروع کئے تو ان کے دانشوروں نے یہ ضروری سمجھا کہ ایک طبقہ یہاں ایسا ہونا چاہئے جو ہراول دستے کا کام دے اور وہ جن ملکوں پر اپنا سیاسی اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں ان ملکوں کے ذہین INTELLECTUAL CLASS جو اثر انداز ہوتا ہے اور زندگی کو ڈھالتا ہے معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے اور دماغوں کو ڈھالتا ہے وہ اس میں اپنے دین کے بارے میں، اپنے دین کے ماخذ کے بارے میں شک کا شکار ہو جائے اور وہ ان کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہو کر ان لوگوں نے بہت ہی پسماندہ دور میں کچھ کام کیا تھا، کوشش کی تھی اور کوشش جاری ہے، اب ان کتابوں کی تصنیفات کی شکل میں۔

لیکن وہ اس وقت دنیا کی رہبری نہیں کرسکتے اس لئے انھوں نے مستشرقین کا ایک طبقہ پیدا کیا بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہے۔ یہ محض اتفاقی واقعہ نہیں تھا بلکہ ایک اسکیم کے ماتحت ہوا، یہ ایک پلاننگ تھی نہایت حکیمانہ اور دانشورانہ پلاننگ تھی ایک طرف تو ان کی فوجیں مشرقی ملکوں کی طرف بڑھ رہی تھیں اور ملک فتح کر رہی تھیں لیکن وہ جانتے تھے کہ ملک فتح ہونے کے ساتھ اگر دماغ فتح نہ ہو۔ اور اگر وہ انسان کے پیمانوں کو تعین کرنے کی جو صلاحیت ہے کہ یہ اچھا ہے یہ برا ہے یہ بلند ہے یہ پست ہے اور یہ قدیم ہے یہ جدید ہے اور یہ قابل عمل ہے اور یہ ناقابل عمل ہے، جب تک اس میں اس کے بارے میں وہ ہمنوا نہ ہو جائے اس وقت تک کسی سیاسی فتح پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے اور یہ ان کی ذہانت کی بات تھی کہ انھوں نے اسلام کو مشرق کی سیاسی فتح اور اس پر اقتدار قائم کرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے ذریعے، اور اپنے یہاں کے مصنفین کے ذریعے وہ لٹریچر پیدا کیا کہ جس کے پڑھنے سے اسلام کے بارے میں اسلامی تعلیمات کے بارے میں، اسلامی ثقافت کے بارے میں اور آخری درجہ یہ ہے کہ فقہ اور حدیث کے بارے میں قرآن مجید کے اعجاز اور قرآن کے کلام اللہ اور وحی الٰہی ہونے کے بارے میں شکوک پیدا کر دے، اضطراب پیدا کر دے اور کم از کم ایک ندامت کا جذبہ اور خجالت کا احساس پیدا کر دے، وہ فتح ناقابل اعتبار ہے جس کے ساتھ دماغی فتح نہ ہو اور جس کے ساتھ ذہنی تسخیر بھی ہو، میں تسخیر کا لفظ خاص طور پر بولتا ہوں، تو آج سارے عالم کا جو اصل مسئلہ ہے اور اس کی طرف بہت کم لوگوں کو توجہ ہے، میں بہت معذرت کے ساتھ کہتا ہوں، ہمارے بڑے بڑے دعوتی اداروں

کو تنظیموں اور تحریکوں کو بھی پورے طور پر اس مسئلہ کی سنگینی کا احساس نہیں کہ اس وقت سب سے بڑا جو ارتداد کا سامنا ہے وہ یہ کہ عالم اسلام کے ترقی یافتہ ممالک بلکہ اب تو ترقی یافتہ غیر ترقی یافتہ تک یہ بات پہونچ رہی ہے کہ ان ممالک کی قیادت اس طبقے کے ہاتھ میں ہے جو اسلام کی قیادت کی صلاحیت سے مایوس ہے اور اسلام کو اس زمانے کے مسائل کا حل نہیں سمجھتا، اس زمانے کے تقاضوں اور ضروریات کا حل نہیں سمجھتا اور وہ اس پر یقین رکھتا ہے کہ جو قیادت اسلام کی تعلیمات پر مبنی ہوگی اور جو فرائض پر پابندی کرائے گی اور ایمانیات پر اصرار کرے گی، اس پر ایمان لانا ضروری ہے، وہ قیادت چل نہیں سکتی۔

پشت پناہ طاقت

اور اب آگے اضافہ یہ ہوا ہے کہ اس کو امریکہ اور اسرائیل چلنے بھی نہیں دیں گے، پہلے صرف اتنا تھا کہ ان کے اندر احساس کمتری خود موجود تھا، اپنے اپنے ملکوں میں اور تعلیم یافتہ طبقوں میں۔ لیکن اب اسے بہت بڑی پشت پناہ طاقت مل گئی ہے بلکہ سرپرست طاقت مل گئی ہے وہ ہے اسرائیل اور امریکہ، یہ بات بالکل کھل کر سامنے آگئی ہے اور ہم نے یہ بات عربوں کے اجتماع میں اور رابطۂ عالم اسلامی کے مؤقر ترین جلسے میں جس میں ممتاز ترین فضلاء موجود تھے، یہ بات کھل کر کہی کہ اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اسرائیل اور امریکہ دونوں متحد ہوگئے ہیں جن کے اندر مذہبی طور پر سب سے بڑا تضاد ہے کہ ایک حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ مانتا ہے اور ایک ان کے نسب اور ان کی شرافت پر الزام لگاتا ہے تہمتیں لگاتا ہے، یہ دونوں اس نقطے پر متحد ہوگئے ہیں کہ دنیا سے اسلام کی برتری کو اور اسلام میں جو کشش ہے اور اسلام کی جو روحانی طاقت ہے اور اسلام جو نئی نسل کو کھینچ لیتا ہے اور جس اسلام کو امریکہ اور یورپ میں بھی لوگ قبول کرتے ہیں اور قبول کر رہے ہیں ان کی تعداد بڑھ رہی ہے اس کو کسی طریقے سے ختم کیا جائے، جہاں تک یہود کا تعلق ہے انھوں نے یہ سمجھا ہے کہ اس وقت اگر مغربی اقتدار کو خطرہ ہے تو صرف مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ سے ہے اور اسلام کے عروج اور نئی بیداری سے ہے اور کسی سے نہیں۔ ان کے صحیفوں کا براہ راست مطالعہ ہے اس میں صاف صاف یہ تصریحات دیکھی جاسکتی ہیں کہ دنیا کو اخلاقی طور پر اتنا پست بنا دیا جائے اور دیوالیہ بنا دیا جائے یہاں تک (EUNIFOURD) کی کتاب جو انگریزی میں نکلتی تھی یہودیوں نے اس کو چلنے نہیں دیا، اس میں صاف صاف تھا کہ ناولوں کے ذریعہ سنیما کے ذریعہ، ٹی۔ وی کے ذریعہ، نغموں کے ذریعہ، ہر ذریعے سے انسانی اخلاق کو یعنی انسانی (CHARACTER) کو یعنی ایک انسان کو جو ایک کردار عطا ہوا ہے فطرت کی طرف سے بہر حال اس میں خیر و شر کی جو تمیز اللہ تعالیٰ نے فطرتاً رکھی ہے اس کو ختم کر دیا جائے اور پوری دنیا کو ایسا بنا دیا جائے کہ جیسے شطرنج کی ایک بساط ہوتی ہے جو اس میں ہے ہمارے قبضے میں ہو، ہم جس مہرہ کو جہاں چاہیں اٹھائیں اور جہاں چاہیں بٹھائیں، اس پر اس وقت اسرائیل اور امریکہ کا ایسا اتحاد ہوا ہے جو اب راز کی بات نہیں رہی اور یہ حقیقت بالکل عیاں ہوگئی ہے۔

تو اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ طبقہ جس کے ہاتھ میں نہ صرف سیاسی قیادت ہے سیاسی قیادت اپنے اندر وہ نتائج اور مضرات رکھتی ہے، وہ اثرات رکھتی ہے، وہ وسعت رکھتی ہے اور وہ عمق اور قبول کرنے کی کشش وصلاحیت رکھتی ہے جو کسی چیز میں نہیں ہے۔ اس لئے اس کو مذاہب تک نے اہمیت دی ہے اور اس کے لئے خلافت اسلامی کا نظام بتایا گیا ہے اور اس کے لئے مسلمانوں کو دعوت دی گئی کہ وہ نسلِ انسانی کی رہبری قبول کرے، اور وہ قانون بنائے اور اس کو خدا کے بتائے ہوئے اور رسولؐ کے سکھائے ہوئے راستے پر چلائے تو بہر حال سیاسی اقتدار محض دو لفظ نہیں کہ جو چیز بار بار کہی جاتی ہے اس کا وزن کم ہو جاتا ہے، جن لوگوں کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار ہے پھر اس کے بعد وہ لوگ جن کے ہاتھ میں فکری اقتدار ہے اور ذہنی اقتدار ہے، ذہن کی تشکیل کا سامان ہے اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ طبقہ تقریباً کہا جاسکتا ہے کہ نوّے فیصد نہیں شاید ۹۵ فیصد وہ اسلام کی افضلیت سے اسلام کے مطابق فطرت ہونے کی حقیقت سے اور اسلام کا واحد اور صحیح اور صادق مذہب ہونے سے اور اسلام ہی کے ذریعہ نجات اور دنیا کی زندگی میں سلامتی کا ذریعہ، اعتدال کا ذریعہ اور امن وامان کا ذریعہ اور اتفاق کا ذریعہ ہونے کا منکر ہے، ہوسکتا ہے بہت سے لوگوں کے لئے ایک انکشاف ہو لیکن میں یہ بات علیٰ وجہ البصیرۃ کہہ رہا ہوں اور مطالعہ کی بنا پر کہہ رہا ہوں، اس کے تجربہ میں اگر آپ جائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی یونیورسٹیوں اور ان کے کورس کو یہاں تک کہ گھر کے ماحول کو بھی اتنا دخل نہیں جتنا ان کو تاریخ میں دخل ہے کہ انھوں نے وہ کتابیں پڑھیں اور ان کو وہ کتابیں مہیا کی گئی ہیں اور اس کے لئے حکومتوں میں اور امریکہ اور یورپ کے تربیتی اداروں میں، جن کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے جن کی منظم کوشش ہے، کہ ایسا لٹریچر ان کے ہاتھ تک پہنچے جس سے کہ وہ مذاہب کے اثر سے مایوس ہو جائے بالعموم اور خاص طور پر اسلام کی صلاحیت بقاء سے مایوس ہو جائے اور یہ اس کے دل میں بیٹھ جائے کہ اب اسلام اس وقت دنیا کی رہنمائی نہیں کرسکتا، کوئی حکومت اور کوئی سوسائٹی کوئی معاشرہ بھی محض اسلام کی تعلیمات پر قائم نہیں رہ سکتا۔

یہ اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ (PROBLEM) ہے بہت کم لوگوں نے جس کی اہمیت سمجھی ہے کہ آج ساری کوششیں جو کی جارہی ہیں وہ، وہ نتائج پیدا کر رہی ہیں، مجھے معاف کیا جائے میں ناقدری نہیں کرتا۔

باقی صلا۱۳ پر

ایک اعلان و تنبیہات باہم

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

یہ ایک حقیقت اور مشاہدہ ہے کہ تبلیغی جماعت (جس کا مرکز نظام الدین دہلی ہے) اس زمانہ کی ایک سرگرم، متحرک اور محرک، متعلم اور معلّم، داعی دین جماعت ہے، جس کے ایک وقت میں مجموعی طور پر ہزاروں افراد ایک بستی سے دوسری بستی، ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ملک سے دوسرے ملک، اور ایک برِّاعظم سے دوسرے برِّاعظم میں، (جس میں کسی تعداد میں بھی مسلمان پائے جاتے ہیں) تبلیغی و دعوتی نقل وحرکت اور تبلیغی سفروں اور دوروں میں مصروف اور سرگرم نظر آتے ہیں، یہ اپنے دعوتی اصولوں اور ضابطوں کے دائرے میں رہ کر (جو بانی جماعت اور داعیِ اوّل حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کاندھلوی م ۱۳۶۳ھ) نے توفیق الٰہی کی مدد سے اور اپنے علم و تجربہ کی روشنی میں بنایا تھا، دین کے مبادی کی تعلیم، ایمان کی تجدید اور استحکام، فرائض شرعیہ کی پابندی، مسلمان کے اکرام و احترام، ذکر الٰہی و یادِ خداوندی اور ترک مالایعنی (فضول اور زائد کاموں سے احتراز) کی تلقین کرتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس فی سبیل اللہ نقل و حرکت، قربانی و جفاکشی اور اخلاص و توکل کی برکت سے خود انھوں نے دینی ترقی کی اور دین سے ضروری واقفیت پیدا کی، اور ان کی دعوت و تبلیغ اور عزیمت و نقل و حرکت سے ہزاروں ...گی میں ایک دینی انقلاب آگیا، مسجدیں آباد ہوئیں، تعلیم کے حلقے قائم ہوئے، اخلاق و معاشرہ کی بھی اصلاح ہوئی، دین کی تعلیم اور دین میں مزید ترقی کا جذبہ پیدا ہوا۔ جماعت کے قابل قدر اثرات و نتائج کا اعتراف کرتے ہوئے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زمانہ کی تبدیلی، نئے خطرات اور چیلنجوں اور نئی سازشوں اور منصوبوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو تاریخ کے ہر دور میں اسلام اور مسلمانوں کو کم و بیش پیش آئے ہیں اور اس زمانہ میں وہ کہیں زیادہ سنگین، مہیب، اور عمیق و دوررس ہیں، جماعت کے اصولوں اور بنیادی ہدایات کے دائرہ میں رہتے ہوئے اُن کی طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے، اور اس دعوت سے جو قوّتِ ایمانی اور جذبۂ دینی پیدا ہوتا ہے وہ ان کے دوررس اثرات اور خطرناک نتائج سے ملّت کو محفوظ رکھنے میں معین و مددگار ہو سکتا ہے۔

جہاں تک اس دعوت و جماعت کے بنیادی عقیدہ اور مسلک کا تعلق ہے وہ توحید خالص، شرک و بدعت سے احتراز، پابندیِ شریعت اور اتباعِ سُنّت ہے اس کی حقیقت اور وجہ جاننے کے لئے اس دعوت کے داعیِ اوّل اور جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے خاندانی و روحانی اور ذاتی تعلیم و تربیت اور نشو و نما کے ماحول سے (اجمالی سہی) واقفیت کی ضرورت ہے کہ جس طرح ایک نسبی اور نسلی تعلق اور نسبت، عقائد و اخلاق پر اثر انداز ہوتی ہے، بلکہ ان کا سرچشمہ قرار دی جاسکتی ہے، اسی طرح (بلکہ اس سے زیادہ) روحانی تعلیمی و تربیتی نشو و نما اور سلسلۂ طریقت، اثر انداز بلکہ ذہن و فکر ساز ہوتا ہے،

اس سلسلہ میں پہلی تاریخی کڑی یہ ہے کہ مولانا کے مادری جدِّ امجد اور خاندان کاندھلہ کے مورثِ اعلیٰ حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی (م ۱۲۴۵ھ) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ کے ممتاز ترین تلامذہ میں تھے وہ شیخ وقت ہونے کے باوجود ۶۰، ۶۵ برس کی عمر میں اپنے شیخ کے جواں سال خلیفہ حضرت سید احمد شہید (ق ۱۲۴۶ھ) سے بیعت ہوتے اور اپنے علمی و دینی کمالات اور سلوک و تصوف کے منازل طے کرنے کے باوجود حضرت سید صاحب کی محبت آپ کے فضل و کمال کے اعتراف اور آپ کی تعلیمات اور دعوت کے اثر میں (جس کا سب سے بڑا اصول اور جزوِ اعظم توحید خالص کی دعوت و تعلیم اور شرک و بدعت سے نفور و احتراز تھا) ڈوب گئے اور خود اس کے داعی بن گئے۔

پھر اس خاندان کا روحانی تعلق حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور ان کے خلیفۂ اعظم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے رہا، یہ سب حضرات توحید اور اتباع سنت میں حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے مسلک پر تھے اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "تقویۃ الایمان" کے (جو توحید اور ردِّ شرک کے باب میں ایک بے نظیر کتاب ہے) حامی و مؤید اور انتہائی مدّاح اور معترف تھے اس کا نتیجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حقیقی برادر زادہ خویش، اور محبوب فرد خاندان، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کاندھلوی نے راقم کو اس کو عربی میں منتقل کرنے کی دعوت دی اور ایماء فرمایا، اور ان کی طرف سے اس کے لیے بار بار یاددہانی اور اصرار ہوا، اس عاجز نے مدینہ طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام)

میں اس کام کی ابتدا کی، اور ہندوستان آکر اس کو پورا کیا، اور اس پر مفید حواشی اور مسلم اور بلند پایہ مشائخ و علماء کے تائیدی اقوال حاشیہ میں درج کیے، یہ کتاب جب طبع ہوگئی تو اس کا ایک نسخہ راقم نے جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے ایک سلفی العقیدہ عرب فاضل اور استاد جامعہ کو پیش کیا انھوں نے پڑھنے کے بعد اپنے گہرے تاثر کا اظہار کیا، اور فرمایا کہ "یہ تو توحید کا منجنیق (مشین گن) ہے"

یہ عقیدہ و مسلک آخر وقت تک اس جماعت کے ذمہ داروں، مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے خاندان کے ارکان و افراد، اور مرکز نظام الدین میں رہا اور ہے، ایک دفعہ مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے راقم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ مولوی ابوالحسن! ہم لوگ ابھی تک حضرت سید صاحب کی تجدید کے سایہ میں ہیں راقم کی کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ پڑھ کر فرمایا کہ میری معلومات میں اس سے کچھ اضافہ نہیں ہوا ہم نے اپنی دادیوں اور نانیوں سے یہ سب سُن رکھا ہے،

اس تاریخی پس منظر میں اور اس نسبی و نسبتی توارث اور تسلسل کے بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ اس دعوت کے فکر و مزاج اور اس دعوت کے بانی اور ذمہ داروں کے عقیدہ و مسلک میں توحید خالص اتباع سنت و ردّ بدعت، اور دین خالص کی تعلیم و دعوت خمیر و خمیرہ میں شامل ہے اور اس کی طرف کسی ایسے عقیدہ و مسلک اور کسی ایسے قول و عمل کی نسبت نہیں کی جا سکتی جو اس کے منافی اور اس کے متعارض ہو اور ان لوگوں کو جو اس جماعت و دعوت کو ان چیزوں سے متہم کرکے صحیح العقیدہ اہل علم و دین کی نظر میں مشکوک بنانا چاہتے ہیں، خدا سے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے ڈرنا اور یوم الحساب کا خیال رکھنا چاہیئے

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ ۔

(بقیہ) عالم کا سب سے بڑا مسئلہ

میرا ایسی تحریکوں سے الحمد للہ فکری تعلق بھی ہے اور جسمانی تعلق بھی لیکن میں یہ بتاتا ہوں کہ بہت سے لوگ ہیں کہ ابھی تک یہ نکتہ ان کے ذہن میں پورے طور پر نہیں آیا ہے ذہن نے گرفت نہیں کی ہے کہ وہ ساری تبلیغی اور دعوتی کوششیں وہ اثرات اور وہ نتائج پیدا نہیں کر رہی ہیں جو قرون اولیٰ میں دعوتوں نے پیدا کیا، اس لئے کہ ان دعوتوں کے ساتھ کوئی ایسی تضاد کی چیز نہیں تھی اور ان کا مقابلہ کسی ایسے لٹریچر سے نہیں تھا، ان کا مقابلہ ان فکری تعبیرات، فکری تعینات اور فکری دلائل سے بھی نہیں تھا، اس لئے ان کے لئے راستہ صاف تھا اور وہ دعوت صرف دماغوں ہی تک نہیں پہونچی بلکہ دلوں کی گہرائی میں پہنچ گئی اور ان کے پورے قویٰ پر حاوی ہوگئی آج یہ نہیں ہو رہا ہے، اس کی بڑی وجہ یہی طبقہ ہے جو نہ صرف سیاسی قیادت کر رہا ہے بلکہ وہ اسلام کی فکری قیادت بھی کر رہا ہے اور احساس فکر کا وہ محافظ اور مدافع بھی ہے اور اس میں بہت دخل ان کے مطالعہ کو ہے۔ وہ مطالعہ جس کے بارے میں میں آپ سے کہہ دیتا ہوں ایک تعلیم کا کام کرنے والے، ایک مدرس کی حیثیت سے بھی کہتا ہوں، تجربہ کار آدمی کی حیثیت سے بھی اگر کورس جو پڑھا جاتا ہے اور جن چیزوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے ان میں ایک فرق ہے یہ فرق بتانا اگرچہ نازک کام ہے اور ایک ذمہ داری کی بات ہے اس سے غلط نتیجہ نکالا جائے، مگر ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ کورس پر ایک طرح جیسے کوئی سرکاری مہر ہوتی ہے، کورس پر اس ادارے کی اور اس نصاب تعلیم کی اور اس نگراں جماعت کی، ایک خاص انتساب کی مہر لگی ہوتی ہے اس لئے وہ ایک طرح سے حجاب بن جاتا ہے لیکن مطالعہ کی کتابوں پر یہ نہیں ہوتا ۔ ذاکر حسین بھٹکلی متعلم فرقانی

(بقیہ) اسلامی اور مسیحی دنیا کا ردِّ عمل

عورتوں کے حقوق کا عادلانہ نظام موجود ہے اور وہ مردوں کی طرح ہی اسلامی سماج میں معزز و محترم ہیں جبکہ ماں، بہن اور بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کو مزید احترام اور حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر احمد محمد علی نے کانفرنس کی کنوینر کو یاد دلایا ہے کہ اسلام عورتوں کے حقوق اور ان کی ضرورتوں کا پورا پورا خیال رکھتا ہے خاندان اور سماج میں اسلامی تعلیمات کے مطابق عورت کا جو مؤثر اور اہم کردار ہے اس سے سب ہی واقف ہیں۔ اس لئے کانفرنس میں ایسے فیصلے ہونے چاہئیں جس میں خاندانی نظام کا پورا خیال رکھا جائے اور اس کو مضبوط بنایا جائے ساتھ ہی ساتھ سماجی، دینی، روحانی اقدار کے خلاف ایسا کوئی بھی فیصلہ نہ کیا جائے جو انسانی زندگی میں پاکیزگی اور احیاء کے خلاف ہو۔

ڈاکٹر احمد محمد علی نے اپنے خط میں مزید لکھا ہے کہ کانفرنس کی بعض دفعات پر اگر عمل کیا گیا تو نکاح کا رشتہ بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گا نوخیز لڑکے اور لڑکیاں جنسی اعتبار سے گمراہ ہو جائیں گے، اسقاط حمل کو فروغ حاصل ہوگا، مانع حمل اسالیب کا استعمال کثرت سے ہونے لگے گا اور جسم فروشی کے پیشہ کو اور بھی بڑھاوا ملے گا۔

چین کی اس کانفرنس میں پوری دنیا سے پچاس ہزار سے زیادہ افراد شریک ہوئے ہیں۔ جن میں خواتین کی بڑی تعداد شامل ہے۔

امیر جماعت تبلیغ

مولانا محمد رابع حسنی ندوی

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو تبلیغ و دعوت کے عالمگیر کام کے تیسرے رہنما و امیر تھے، ان کا انتقال نئے ہجری سال کے آغاز میں ہوا۔ ایک بڑی اور غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے، ایک طرف علوم دینیہ میں واقفیت و قابلیت کا بڑا مقام رکھتے تھے جس کی وجہ سے ان کی وفات ایک بڑے عالم دین کی وفات سمجھی گئی، دوسری طرف وہ تبلیغی جماعت کی خصوصیات اور اس کے کام کے جذبہ و نظریہ کے بڑے محافظ اور اس کے روح رواں تھے، جس کی وجہ سے اس کام کے لئے آپ کی وفات ایک بڑا خسارہ بنی، تیسری طرف وہ جماعت کے امیر اور اس کے اعلیٰ منتظم تھے اس کی بنا پر آپ کی وفات جماعت کی قیادت کے لئے بڑا سانحہ ہوئی، لیکن ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ پر کرنے کے لئے جماعت کی امارت کا جو نظم بحسن و خوبی کیا گیا ہے۔ اس سے جماعت کو نئی روح اور نیا جذبہ حاصل ہوا۔ جو جماعت کے لئے فال نیک ہے، اس بنا پر اس بات کے پورے پورے آثار ہیں کہ یہ عظیم کام اپنے معیار کے مطابق جاری رہے گا۔ اور ترقی کرتا رہے گا۔ یہ کام ایک بڑا عظیم دعوتی کام ہے۔ اور یہ اپنی الگ خصوصیت رکھتا ہے۔

اس وقت دنیا میں اسلامی زندگی کو استوار کرنے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے اعمال اختیار کرنے اور ایمان و عقیدہ پر خصوصی دھیان دینے کے لئے جو بھی کام کئے جا رہے ہیں ان میں تبلیغ و دعوت کا کام جو نظام الدین دہلی کے تبلیغی مرکز کے زیر سرکردگی کیا جا رہا ہے، نہ صرف یہ کہ بہت نمایاں اور ممتاز ہے بلکہ اس کے اثرات بہت وسیع دائرے میں پڑے ہیں اور پڑ رہے ہیں، ہزاروں کی زندگیوں میں غیر معمولی تبدیلیاں آئی ہیں اور برابر آ رہی ہیں ان میں سے بہت سے وہ لوگ جو پہلے دین اور ایمان و عبادت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے، وہ جب اس کام سے وابستہ ہوئے تو یکسر بدل گئے، ان میں ایسے ایسے لوگ جو اپنی سابقہ زندگی میں یہ بھی محسوس نہیں کئے جاتے تھے کہ وہ مسلمان ہوں گے لیکن بدل کر ایسے ہو گئے، جیسے اب دنیا اور دنیا کے معاملات سے ان کا کوئی تعلق نہیں، اور نہ وہ جدید تعلیم و ثقافت سے واقف ہیں، بلکہ ان میں بہت سے لوگ دیکھنے میں مولوی اور عالم معلوم ہونے لگے،

تبلیغی جماعت کے کام میں منہمک ہو جانے والوں میں یہ بات عام طور پر ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ ظاہر داری نہیں ہوتی بلکہ ان پر پڑنے والے اثرات کا نتیجہ ہوتی ہے ان کا کثرت سے اللہ اور اس کے رسول کی باتیں سننا، ان میں ایسا ایمان و یقین پیدا کر دیتا ہے کہ ان کی نظر میں اصل اہمیت اللہ کی رضا اور اس کے رسول کی سنت کی ہو جاتی ہے وہ کہنے لگتے ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے اور ہر کام میں صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے، صرف اسی سے لو لگانا چاہئے، اس تحریک دعوت کے بانی مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے شروع سے ہی ایمان بڑھانے اور اپنی اور دوسروں کی اصلاح کرنے کے کام پر زور دیا، انھوں نے اس کے لئے اپنی دعوت کے یہ اصول مقرر کئے جن میں خاص طور پر کلمہ، نماز، علم، ذکر، اکرام مسلم وغیرہ پر زور دیا، چنانچہ اس کام کے کرنے والوں کی تمام محنت ان اصولوں کے محوروں پر چلتی ہے سب سے پہلے وہ کلمۂ توحید پر زور دیتے ہیں کلمۂ شہادت کی تصحیح کرتے ہیں اور اس کے سلسلہ میں اس بات کو سمجھاتے ہیں کہ ساری عظمت، ساری قدرت، سارا اختیار خدائے واحد کا ہے اور تنہا وہی لائق عبادت ہے اور اس کی عبادت کے سب سے بنیادی رکن نماز پر زور دیتے ہیں پھر ذکرِ الٰہی، اکرامِ مسلم اور حصولِ علم کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا آغاز شمالی ہند کے علاقہ "میوات" سے کیا تھا کیوں کہ وہاں کے مسلمانوں کی زندگیاں اتنی بگڑ گئی تھیں کہ ان کو مسلمان سمجھنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ بت پرستانہ رسوم تک ان کی زندگیوں میں سرایت کر گئی تھیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اس کو دیکھ کر بہت بے چین ہوئے اور انھوں نے والہانہ جذبہ سے ان میں کام شروع کیا اور ایسے اخلاص و بے نفسی کے ساتھ کام کیا کہ وہاں کے لوگ ان سے متاثر ہوتے اور ان کی زندگیاں بدلنا شروع ہوئیں اور پھر دعوتی کام میں ان کے لگنے سے وہ اپنے داعی کے انداز و اخلاق کا حامل بنتے چلے گئے، پھر حضرت مولانا ان کو

لے کر میوات سے باہر نکلے، دوسرے علاقوں میں کام پھیلانا شروع کیا، آہستہ آہستہ بڑے اچھے آثار پیدا ہونے لگے اور کام کا تعارف بڑھتا گیا اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ لوگوں کی ایک کامیاب داعیانہ جماعت تیار ہوگئی جن میں سر فہرست ان کے صاحبزادے اور متعدد عزیز اور مریدین تھے۔

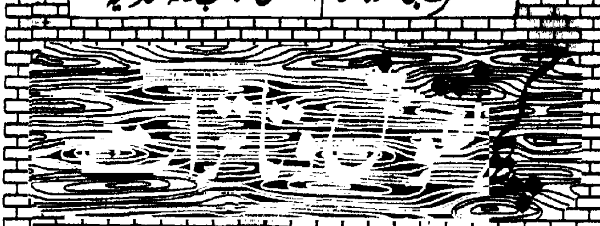
مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ۱۹۴۴ء میں وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے اسی رنگ و ڈھنگ اور جذبہ سے کام کو آگے بڑھایا اور کام ہندوستان سے باہر ملکوں تک پہونچا اور اس کی بڑی وسعت ہوئی، مولانا محمد یوسف صاحب بھی اپنے والد صاحب کی طرح کام میں بالکل مستغرق اور ہمہ وقت اس میں مشغول تھے۔ ان کی تقریروں میں بڑے ایمانی نکتے ہوتے تھے اور ان کی تقریروں کا دلوں پر بے حد اثر پڑتا تھا۔ وہ ایمان و یقین کی باتوں سے بھرپور ہوتی تھیں، ان کے متعدد رفقاء بھی کام میں ان کے شریک تھے اور یہ سب رفقاء کام کے رئیس اول مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی تربیت یافتہ تھے ان میں مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ کی شخصیت سب سے ممتاز تھی، وہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عزیز قریب اور ہم وطن بھی تھے، اور انھوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت میں گذارا تھا، چنانچہ مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات پر جوان کی نسبتاً کم عمری میں ۱۹۶۵ء ہی میں پیش آئی، ان کا انتخاب امیر کی حیثیت سے ہوا۔ اس وقت سے ۱۹۹۵ء تک انھوں نے تیس سال جماعت کی قیادت کی، اس تیس سال کی مدت میں تبلیغی کام دنیا کے بیشتر ملکوں میں پھیل گیا اور ہر جگہ سے وفود آنے لگے، اور نظام الدین کے مرکز میں رہ کر کام کا طریقہ سیکھنے اور پھر اپنے ملکوں میں پھیلانے لگے۔ اسی طرح لاکھوں افراد جو دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں اس کام سے وابستہ ہوگئے۔

اس کام کے بانیوں نے اس کام کا مزاج ایسا رکھا کہ وہ اہل حکومت و سیاست کی نظر میں بے ضرر تھا کیونکہ انھوں نے دعوت کے صرف مثبت اور تعمیری پہلو کو اختیار کیا۔ اور وہ بھی انسانوں کی اصلاح اور ان کو اسلام کی اور ایمان و عمل صالح کی تعلیمات سے وابستہ کرنے کا کام، اس طرح اس جماعت کا کسی پارٹی سے یا کسی سیاست سے کوئی تعلق یا ٹکراؤ نہیں ہوا۔ اسی طرح اس سے دلچسپی لینے والوں میں تقریباً ہر سطح کے اور ہر طبقے کے لوگ شریک ہوتے ان میں یونی ورسٹیوں کے پروفیسران، تجارت پیشہ و صنعت پیشہ حضرات، دولتمند اور غریب علماء دین اور کم پڑھے لوگ، اصحاب وجاہت اور عام لوگ شریک ہوتے ہیں، جماعت کی ناجانبداری کے سبب اس کے کام سے کسی کو بدگمانی یا مخالفت نہیں پیدا ہوئی۔ البتہ فکری و نظریاتی سطح پر جائزہ لینے والے اہل علم نظری سطح پر اس میں بعض وقت کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہیں لیکن جماعت کے اہل نظر یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ کام عوامی پیمانہ کا ہے، اور اس میں نظری سے زیادہ عملی کی ضرورت ہے اور کسی مخصوص نظریہ کو اپنا کر یہ اس کام کو خود کسی جماعت یا نظریہ کے ساتھ جانبدارانہ بنانا اس کا طریقہ نہیں ہے۔

مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ۳۰ سالہ امارت کا زمانہ کام کی وسعت، یکسوئی اور وقار کا حامل ہے! اس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت و تحمل، انہماک اور اصولوں کی پابندی پھر مولانا کا علمی وزن اور دینی مقام اور زمانہ کے حالات سے واقفیت کو بڑا دخل رہا ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے جو لوگ بھی ملتے ان کے اعلیٰ صفات اور گہرے داعیانہ انداز سے متاثر ہوتے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ امیر منتخب ہونے سے قبل ایک طرف تو سابق امیر کے ہمہ وقتی رفیق اور تمام امور میں مشیر تھے اور دوسری طرف مرکز نظام الدین میں قائم دینی درسگاہ کے ممتاز استاذ و مدرس تھے، وہ اپنے علم میں ہمہ وقت اضافہ کے شائق رہتے، نئی طبع ہونے والی کتابوں اور علمی مضامین کے مطالعہ کا بھی اشتغال رکھتے تھے، اسی طرح وہ مختلف النوع امور سے واقف ہوتے رہتے تھے اور ان کا علمی پایہ بھی بلند ہوتا تھا، جماعت کے کام سے انتہائی قرب، بانی جماعت کی تربیت اور امیر ثانی سے ہر وقت کی رفاقت کی وجہ سے کام کے نشیب و فراز سے بھرپور واقفیت حاصل ہوئی تھی۔ یہ دونوں خصوصیات ان کے امیر منتخب ہونے کے بعد ان کی شخصیت کی وقعت اور صلاحیت عمل کی اہم بنیادیں بنیں، اور ان کے امیر منتخب کئے جانے کی وجہ بنیں، پھر ان کی جیسی عظیم شخصیت کے نہ رہنے کی وجہ سے یہ مسئلہ سب کے ذہن کے سامنے ابھر کر آیا کہ ان کی جانشینی کس کے حصہ میں آتی ہے کیونکہ کوئی ایسی قائدانہ شخصیت سامنے نہ تھی جس میں ایسی ہمہ جہتی خصوصیات ہوں جو مولانا انعام الحسن صاحبؒ میں تھیں۔ تبلیغی کام کے کورس سے تربیت و استفادہ اور پھر ان سے عزیزانہ و رفیقانہ تعلق، پھر علمی وزن اور وقار، یہ صفات کسی ایک فرد میں نظر نہیں آتے تھے چنانچہ جماعت کی شوریٰ نے امارت کا بوجھ کسی ایک فرد کے بجائے متعدد افراد پر اجتماعی طور پر ڈالا۔ ان میں خود مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا زبیر الحسن صاحب جو خاص ان کے تربیت یافتہ ہیں اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بعض کاموں میں معاون رہے، پھر مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مولانا محمد سعد جنہوں نے اپنے والد مولانا محمد ہارون صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دادا مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور پردادا سے بعض صفات وراثۃً میں پائی ہیں اور دونوں نوجوانوں کے خاندان کے بزرگ و بڑے مولانا محمد اظہار الحسن صاحب کاندھلوی

(باقی صفحہ ۔۔)

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ



شمس الحق ندوی

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حادثۂ وفات یقیناً ایک جانکاہ حادثہ ہے حادثہ ہی نہیں بلکہ ان کے انتقال سے ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا کوئی بدل نظر نہیں آتا ہے، لیکن اللہ رب العزت کی ذات بہت غنی اور بڑی بے نیاز ہے، وہ بے سان وگمان اسباب و وسائل پیدا فرماتا رہتا ہے۔ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہت کم عمری اور عین تحریک کے شباب اور ان کی ایمان افروز اور اجتماعات کے اختتام پر آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگا دینے والی گھنٹہ بھر اس انداز کی دعا، کہ معلوم ہوتا تھا جیسے "واعبد ربك كانك تراه" کے استحضار نے ذات باری کو مجسم کرکے سامنے کر دیا ہے اور مولانا لپٹ لپٹ کر مچل مچل کر مانگ رہے ہیں اور مجمع کی آہ و بکا کو اس کا لطف و عنایت سمجھ کر کہہ رہے ہیں ؎

تیرا فضل و کرم تیری عنایت دیکھ کر اس دم
رہیں گے پھر نہ ہم چپ بول کہیں گم ہم ابھی لیں گے

دعا کی اس کیفیت کا نقشہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سوانح یوسفی کے مقدمہ میں اس طرح کھینچتے ہیں:

"مولانا کی دعا کی کیفیت، اس کے مضامین، اس کی آمد اور جوش و خروش، اس کی رقت انگیزی اور اس کی تاثیر مولانا کے ان خصائص میں سے ہے جن کی مثال دور دور دیکھنے میں نہیں آئی۔ جب دعا کرتے حاضرین کا عجیب حال ہوتا خاص طور سے جب اردو میں دعا کے الفاظ فرماتے تو آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آتا۔ دور دور سے رونے والوں کی ہچکیاں سننے میں آتیں۔"

مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کیمیا اثر صحبت اور ان کی انقلاب انگیز تقریروں نے اتنی زندگیوں میں تبدیلیاں پیدا کیں اور اتنے دلوں اور دماغوں کو متاثر کیا کہ جن کا شمار کرنا ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کی تقریروں میں جادو کا اثر بھر دیا تھا بعض وقت تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سامعین زہد و عبادت ترکِ دنیا کے غلبہ حال میں کہیں رہبانیت کے رخ پر نہ چل پڑیں جیسا کہ کبھی کبھی شدتِ تاثر میں صحابہ کرام کو یہ بات پیش آتی تھی اور اللہ تعالیٰ کے رسول اصلاح و تقویم فرماتے تھے۔

معاشرہ میں اس وقت جتنا فساد اور خدا کے حکم سے دوری پیدا ہوگئی ہے اور آخرت کا تصور جتنا بھلا دیا گیا ہے بغیر اتنے سخت اور تیز اسلوب کے اثر پڑنا مشکل ہوتا ہے، تمدن کے غلبہ کے ہر دور میں علماء امت کے متعدد افراد نے اس طرح کا اسلوب اختیار کیا ہے جس کی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں۔ حضرت مولانا الیاسؒ اور مولانا یوسفؒ اور حضرت مولانا انعام الحسنؒ نے عام بد دینی کے حالات کے پیش نظر اس اسلوب کو اپنایا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہئے کہ واقعتاً اسباب کو بالکل ترک کر دیا جائے، ان حضرات کا بھی اپنے اس اسلوب سے یہ مطلب نہیں ہوتا، یہ سوتے دلوں کو بیدار کرنے اور دنیا کے غلبہ میں د... لئے یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ ورنہ ان کا خود یہ مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کا جو نظام بنایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اس کو شریعت کے بیان کئے ہوئے طریقے کے مطابق اختیار کرنا چاہئے اس کو ترک کرنا مقصود نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسباب کو اختیار کرنے کی واضح مثالیں ہیں اور حالات پر نظر رکھتے ہوئے تدابیر اختیار کرنے کا اہتمام بھی ملتا ہے۔ اور اسی کو یہ حضرات باوجود اپنے اس اسلوبِ نصیحت و دعوت کے سمجھتے ہیں۔

سطور بالا کا مقصد یہ تھا کہ ایسے وقت میں جب مولانا یوسف صاحب کے تبلیغی اسفار کثرت سے جاری تھے اور اجتماعات میں لوگوں کا والہانہ اور عاشقانہ انداز میں شرکت کا عین شباب تھا۔ اور دعوت کا کام بنگلے والی مسجد، میوات، اور ہندوستان کے طول و عرض سے نکل کر بیرونِ ہند ممالک میں تبلیغی جماعت کا غلغلہ تھا۔ اور مولانا یوسف صاحبؒ کی جادو بیانی سے لوگ مسحور ہو رہے تھے، اور وہ اپنی روحانی ترقی اور دعوت کی تڑپ و بے کلی کے اس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ جیسے شیخ وقت نے فرمایا: "كان مملوكى فاضحىٰ مالكى" وہ تو میرا غلام تھا لیکن ترقی کرکے میرا آقا بن گیا۔

عین اس حال میں جب حضرت مولانا محمد یوسفؒ کا اچانک حادثۂ وفات پیش آیا ہے تو پورے عالم کے مسلمانوں پر کیا گذری ہے، اور دعوت کے کام کے سلسلہ سے کتنا نازک اور اہم موڑ آ گیا تھا کہ بیان سے باہر ہے کچھ نہیں سمجھ میں آ رہا تھا کہ اب مولانا کی جگہ کون لے گا اور کام کیسے چلے گا، کارکنوں میں انتشار و اختلاف سے بچنے اور خدا نخواستہ طلب امارت کے شوق میں کیا ناخوشگوار صورت حال پیش آ جائے گی جس کی تلاش میں لشکر ابلیس ہمہ وقت مستعد رہتا ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا اللہ کی ذات بے نیاز اپنے د... چلانے میں افراد و اشخاص سے مستغنی

دیے بنانے ہے جس سے چاہتی ہے کام لیتی ہے اور اپنی قدرت کاملہ کا ظہور فرماتی ہے، دنیائے انسانیت اور ادیان کی تاریخ میں اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بڑھ کر نہ کوئی اور حادثہ ہوسکتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی کا انسانی دنیا میں ایسا بڑا مظاہرہ سامنے آیا، اللہ کے رسول کی وفات عین اس وقت ہوئی ہے جب "إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا" کا ظہور ہو رہا ہے اور ممالک فتح ہوتے چلے جا رہے ہیں، اس حادثۂ وفات پر صحابۂ کرام کا کیا حال ہوا تھا وہ تصور و خیال سے ماوراء ہے عین اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا اور ان کے ذریعہ اس دین متین کا باغ جس کے سوکھ جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا (بلکہ بعض قبائل مرتد ہو چکے تھے) ہرا بھرا اور شاداب ہی رہا اور بعد کی تاریخ میں اسلام میں برابر ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ ... کے بعد کام جاری رہا اور بڑھا

لہٰذا کام میں لگے ہوئے لوگوں کو ہمت نہ ہارنی چاہئے۔ یہ تو اللہ رب العزت کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ اب جن حضرات کو مختلف مصالح کی بنا پر مشترکہ طور پر کارِ امارت کو چلانے کا ذمہ دار بنایا گیا ہے، ان کے سن و سال کے بہت تفاوت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا فیضان ہو کر ان کے اندر سے وہ شخصیت یا جوہر سامنے آجائے جو لوگوں کے سان و گمان میں بھی نہ ہو، ہم نے پڑھا اور سنا ہے کہ بانیٔ جماعت حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حادثۂ وفات کے بعد جب ان کے جواں سال فرزند مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو امیر بنایا گیا تو عوام نہیں بعض چوٹی کے علماء کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ کیا یہاں بھی صاحبزادگی چلے گی. لیکن پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ انھیں جواں سال مولانا یوسف صاحبؒ کے اندر سے وہ شخصیت ... [illegible]

تجربات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے کام میں اور ترقی ہو، بڑھے اور بڑھتا ہی جائے جیسا کہ مولانا یوسف صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کے دور امارت میں ہوا اور اس کا انحصار کام میں لگے ہوئے لوگوں کو حضرت خالد بن ولید کے اس جملہ کو اسوہ بنانے پر ہے کہ عین میدان کارزار میں جب ان کو لشکر اسلام کی کمانڈری و امارت سے معزول کر دیا گیا تب بھی وہ اسی جوش و ولولہ کے ساتھ لڑتے رہے جس طرح پہلے لڑ رہے تھے کسی نے جب کہا کہ آپ کو تو معزول کر دیا گیا پھر بھی اسی جوش و خروش کے ساتھ لڑ رہے ہیں تو حضرت خالدؓ نے جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے فرمایا "میں عمر کے لئے نہیں لڑ رہا تھا میں تو اللہ کے لئے لڑ رہا تھا لہٰذا اب بھی اسی طرح لڑ رہا ہوں، معزولی و امارت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

جب تک جماعت کے کارکنوں میں یہ بات باقی رہے گی، کام بڑھتا رہے گا اور جس دن طلب جاہ و امارت کے شوق میں کام کرنے کے جذبات پیدا ہوں گے وہی وہ منحوس دن ہوگا جس دن سے زوال شروع ہو جائے گا۔ جو تحریکوں، جماعتوں اور اداروں کی تاریخ میں برابر ہوتا آیا ہے کہ جب کسی جماعت و تحریک میں اخلاص و للہیت کے ساتھ کام کرنے کی جگہ طلبِ جاہ و امارت کے جذبات نے لی ہے تو جماعت پر زوال آگیا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں قیمت اخلاص کی ہے ہوا و ہوس کی نہیں۔ بقول ایک بزرگ کے کہ اخلاص کا سفینہ ڈوب ڈوب کر ابھر آتا ہے اور طلب جاہ و منصب کا سفینہ ساحل سے ہمکنار ہو کر ڈوب جاتا ہے۔

نظام الدین کی پہلی حاضری

غالباً فروری ۱۹۵۸ء میں رمضان المبارک کی چھٹیوں میں جب دار العلوم ندوۃ العلماء سے چالیس سے زائد طلبہ پر مشتمل ایک جماعت دو استاذوں کی نگرانی (جس میں ایک موجودہ امام جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی..... قاری رشید الحسن صاحب زید مجدہٗ اور دوسرے وجیہ الدین صاحب مرحوم تھے) میں

نظام الدین پہونچی زندگی کے وہ دن یادگار دن تھے، نظام الدین کا دعوتی ماحول رمضان المبارک کی روح پرور فضا اور نظام الدین کے دوسرے تمام معمولات کے ساتھ تراویح کے بعد حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا حیاۃ الصحابہ کا درس جو اس وقت زیر تالیف تھی کچھ عجب کیف ہوتا تھا، طلبہ پر حضرت جی کی شفقت کا یہ عالم کہ سحری کے وقت کوئی خاص چیز اکثر بھیجا کرتے تھے۔ کبھی کبھی حضرت جی کا بدن دبانے کا موقع بھی مل جاتا ایک دن میں بدن دبا رہا تھا اور حضرت دعوت کی باتیں کرتے جاتے تھے جو ان کا حال بن چکا تھا باتوں کے دوران اپنی کتاب "امانی الاحبار شرح معانی الآثار" دیا کہ تم ندوی طالب علم ہو تم لوگوں کی عربی تو اچھی ہوتی ہے، دیکھو ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں بھی وہی لکھا ہے جو دعوت میں کہتے ہیں۔

ہم چالیس طلبہ کی جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک تو میوات کے لئے روانہ ہوگئی جس میں راقم سطور بھی شامل تھا اور سرپرستی مولانا وجیہ الدین صاحبؒ کی تھی، دوسری جماعت مولانا قاری رشید الحسن صاحب کی سرپرستی میں سہارنپور کے اطراف کے لئے روانہ ہوگئی تھی، ہمارے رہبر و امیر بڑے حضرت جی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے کام میں لگے ہوئے ایک بے پڑھے لکھے عمر رسیدہ میواتی تھے، عمر ساٹھ کے قریب رہی ہوگی بڑے تن ومند تھے، نام یاد نہ رہا، خدا معلوم ہیں یا اللہ کو پیارے ہوگئے، میوات کے وہ دن بھی یادگار دن تھے، وہاں کے تاثرات اور موثر قصوں کا سنانا باعث طوالت ہوگا۔ ہمارے میواتی امیر چونکہ شروع سے کام میں لگے ہوئے تھے، بہت عجیب عجیب قصے جماعت کے بارے میں سنایا کرتے تھے انھیں قصوں میں تھانہ بھون اور حضرت تھانویؒ کا جماعت کے ساتھ برتاؤ کا وہ قصہ بھی تھا جو چند ماہ قبل حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب دامت برکاتہم کے مدرسہ گرینی جونپور سے نکلنے والے رسالہ "ریاض الجنۃ" میں شائع ہوا تھا۔

میوات سے واپسی کے بعد کچھ دنوں نظام الدین کی انھیں بہاروں کے ساتھ قیام رہا جن کا اوپر ذکر ہوا۔ میوات سے واپسی کے بعد پھر کچھ دن اور نظام الدین کی اسی پربہار، روح پرور فضا میں گذرے۔

انھیں دنوں کی بات ہے کہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب عصر بعد صحن مسجد میں چہل قدمی فرماتے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، مولانا کی وہ خاص ادا اور ہونٹوں کی حرکت اب بھی نگاہوں میں سمائی ہوئی ہے اور یاد کرکے لطف آتا ہے۔ اسی حال میں حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ بھی تشریف لائے، دونوں بزرگوں کا سامنا ہوا تو مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے فرمایا، حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اس سے اندازہ [illegible] ان پر یہی ذکر جاری تھا، یہ وہ پہلا [illegible] رتھا جو حضرت جی مولانا انعام الحسن کا دل پر نقش ہوا۔ اس کے بعد مختلف بڑے اجتماعات میں مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ندوۃ العلماء میں بار بار ملنے کی سعادت حاصل ہوتی رہی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے زمانہ میں مولانا مرحوم کو ہم نے کبھی تقریر کرتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ یہ دیکھتا کہ جب مولانا محمد یوسفؒ تقریر شروع فرماتے تو مولانا انعام الحسن صاحب اسٹیج پر مولانا محمد یوسفؒ صاحب کے پیچھے بیٹھے سر جھکائے ہوئے متوجہ الی اللہ ہوتے۔

پھر جب مولانا خود امیر بنائے گئے تو تقریر فرمانے لگے، مگر جامع و مختصر جو تقریروں کا لب لباب ہوتی۔ بڑے اجتماعات میں تقریریں حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری دامت برکاتہم اور مولانا احمد لارڈ صاحب وغیرہم کی ہوتیں۔ پھر اخیر میں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی مختصر تقریر اور دعا پر جلسہ کا اختتام ہوتا۔ اتنی وسیع اور عالمگیر جماعت کے امیر کا اس طرح مختصر تقریر کرنا دل میں ذرا بھی وسوسہ نہ ڈالتا کہ لوگ کیا کہیں گے، حضرت جی کی تقریر تو بہت مختصر ہوئی۔ یہ ان کے اخلاص کی دلیل تھی کہ جب بات پوری ہوگئی تو محض زور خطابت دکھانے کے لئے کیوں وقت ضائع کیا جائے حالانکہ مولانا بڑے صاحب علم تھے، وہ چاہتے تو طویل ومفصل تقریر فرماسکتے تھے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے ان کے علم ومطالعہ پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

"مولانا انعام الحسن صاحب مرحوم کی اچھی علمی نظر اور فنون ودرسیات میں ان کو ملکۂ راسخہ حاصل ہے، بعض مرتبہ ان سے بعض علمی مآخذ وشروح حدیث کی بعض تحقیقات ومعلومات کی نشان دہی بھی ہوئی جن سے فائدہ اٹھایا گیا۔"

حضرت مولانا کا یہ مضمون ۲۵ رجولائی ۱۹۹۵ء کے تعمیر حیات میں پڑھا جاسکتا ہے۔

مولانا مرحوم کی اس ماقلّ ودلّ تقریر کا بہت کھلا ہوا مشاہدہ اس وقت ہوا جب کئی سال قبل نظام الدین میں جماعت تبلیغ کے پرانے کارکنوں کا جوڑ تھا اور مجھے بھی اتفاق سے حاضری کی سعادت نصیب ہوگئی تھی، ساری تقریروں کے اختتام پر حضرت جی کی تقریر ہوئی۔ حضرت جی نے اپنی تقریر آیت "وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھادیں گے)۔ پڑھ کر چند منٹ میں وہ سب کچھ فرمادیا جو پرانے کارکنوں کے لئے ضروری تھا۔ حضرت جی نے فرمایا! "جس کا وعدہ ہے اس کی کوشش نہیں کرتے اور جس کا وعدہ نہیں اس کی کوشش کرتے ہیں۔"

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہماری رضا کی خاطر جو لوگ کوشش کریں گے ہم ان کو اپنے راستہ کی ہدایت دیں گے۔ اس کا وعدہ نہیں فرمایا کہ جن پر کوشش کریں گے ان کو ہدایت دیں گے۔ لہٰذا کام میں لگنے والے اور نکلنے والے لوگوں کو اپنی اصلاح کی فکر مقدم رکھنی چاہئے کہ گھروں سے نکلنے اور نکالنے کا مقصود یہی ہے، تقریر سے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے حضرت جی کو بعض کارکنوں کے غلو وبے اعتدالی اور معاملات میں کمزوری اور ادائیگی فرائض میں کوتاہی کی اطلاعات پہونچی ہوں، اس لئے ان خواص کو اسی پہلو کی طرف متوجہ فرمایا کہ اس دعوت وتبلیغ کا اصل مقصد شریعت کے سانچہ میں ڈھل جانا ہے۔ لہٰذا اخلاق ومعاملات، کاروبار اور ادائیگی فرض ہر چیز میں اس کا مظاہرہ ہونا چاہئے۔

حضرت جی کے اسی اخلاص کا نتیجہ تھا کہ ان کے زمانۂ امارت میں کام بہت بڑھا اور ان کے اس اخلاص اور مقبولیت ومحبوبیت کا اندازہ ان کے جنازہ کے ہجوم سے ہوا کہ دور دور ملکوں سے چارٹر طیین کے ذریعہ لوگ جنازہ میں شرکت کے لئے آئے اور ہمارے ملک کے سفارت خانوں نے بھی فوری طور پر ویزے دیئے اس طرح جیسے کسی سربراہ مملکت کے حادثہ پر کیا جاتا ہے۔ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے انھیں خیالات کی تائید میں حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا ایک اقتباس سوانح یوسفی سے پیش کرکے بات ختم کرتا ہوں جو دعوت کے کام میں لگے ہوئے بھائیوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے، مولانا فرماتے ہیں:

"دیکھئے! خوب سمجھ لیجئے ہم اکابر علماء کے ہر وقت محتاج ہیں، ان کے بغیر چارہ کار نہیں، ان کے دامن کے ساتھ وابستگی ہماری سعادت ہے، یہ حضرات بہت سی خوبیوں اور علوم نبویہ کے انوارات کے حامل ہیں، ان کی قدردانی علوم نبوت کی قدردانی ہے، جس قدر ہم ان کی خدمت میں حاضری کو بڑی عبادت سمجھ کر ان کے ارشادات ونصائح سے مستفید ہوتے ہوئے ان سے مفید مشورے حاصل کرتے رہیں گے، اسی قدر علوم نبویہ کے انوارات سے منور ہوتے رہیں گے۔

میرے دوستو! خالی نقل وحرکت اور لوگوں کے اٹھنے اور ملکوں میں نکل جانے کا نام

باقی ص۳۲ پر

بیجنگ میں خواتین کانفرنس

نذرالحفیظ ندوی ازہری

• بیجنگ دستاویز:۔ نیا جال لائے پرانے شکاری
• اقوام متحدہ یا یہودیوں کا اڈہ؟
• مغربی سوسائٹی کی اجتماعی خودکشی (اعداد و شمار کی روشنی میں)

گذشتہ سال قاہرہ میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام آبادی سے متعلق جو بدنام زمانہ کانفرنس ہوئی اس کی ناکامی کے بعد بیجنگ میں اس توقع کے ساتھ خواتین کانفرنس منعقد کی گئی کہ یہاں تو ضرور ہی کامیابی ان کے قدم چومے گی لیکن غیر متوقع طور پر کھسیانی بلی کو نوچنے کے لیے کھمبا تک نہیں ملا۔ اس کی ایک بنیادی وجہ تو یہ تھی کہ جو شراب قاہرہ میں پیش کی گئی تھی وہی یہاں بھی نئی بوتل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، دوسری بنیادی وجہ یہ تھی کہ قاہرہ کانفرنس کے برعکس اس کانفرنس میں ان غیر سرکاری اداروں اور تنظیموں کو شرکت کی قطعی اجازت نہیں دی گئی جو پوری دنیا میں عموماً اور یورپ وامریکہ میں خصوصاً مغربی قوموں کے مفادات کے لیے مختلف ناموں سے سرگرم عمل رہتی ہیں

قاہرہ کانفرنس ہو یا بیجنگ کانفرنس، جو بنیادی سوالات اٹھائے جا رہے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس طرح کی کانفرنسیں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام کیوں کی جا رہی ہیں، ان کے مقاصد کیا ہیں کروڑوں ڈالر کیوں اس کانفرنس پر خرچ کئے جا رہے ہیں جن کا اولین مقصد بے حیائی اور بدکاری کو پھیلانا ہے پھر اقوام متحدہ کو ذریعہ بنا کر جنسی اباحیت اور بداخلاقی کو قانونی صورت میں بزور و زر تمام دنیا پر کیوں مسلط کیا جا رہا ہے؟

ان سوالوں کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ایک بڑی بی بیماری کی وجہ سے کبڑی ہو گئی تھیں ان کے بچوں نے سوال کیا کہ کیا اس کا علاج کیا جائے یا آپ کبڑی رہنا پسند کریں گی، ان بڑی بی نے جواب دیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ساری دنیا ہماری طرح کبڑی ہو جائے۔

صہیونی دانشوروں نے اپنے مشہور عالم دستاویز میں غیر یہودی قوموں کو تباہ کرنے کے لیے جو منصوبے تیار کئے تھے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ "دنیا پر ہم یہودی حکمرانی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ساری دنیا کے مال و دولت پر دوسرے قابض ہیں ہم ایسا مالی اور اقتصادی نظام بنائیں گے کہ ہماری ساری دولت ہمارے پاس واپس آ جائے ہم میڈیا کے ذریعہ اور مال و دولت کے سہارے ساری دنیا پر حکومت کریں گے۔ تمام قومیں شطرنج کے مہرے کی طرح ہوں گی، ہم جن مہرے کو جہاں چاہیں گے رکھیں گے، میڈیا کے ذریعہ غیر یہودی معاشرہ کو بد اخلاقی میں مبتلا کر دیں گے" اس کتاب کے دسویں دستاویز میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ "غیر یہودی قوموں کے خاندانی شیرازہ کو ہم بکھیر کر رکھ دیں گے اور ان کے تربیتی نظام کو برباد کر دیں گے"

قرآن مجید نے یہودیوں کو ان کی بدکرداری کی وجہ سے مغضوب علیہم سے تعبیر کیا ہے اللہ تعالیٰ کی اس لعنت اور غضب نے پوری قوم کو دشمن انسانیت بنا دیا ہے۔ ان کی اس مسخ فطرت اور انسانیت دشمنی کا اظہار تاریخ کے ہر دور میں ہوتا رہا۔ لیکن اس دستاویز کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صدی سے زائد سے بدکاری و اخلاقی انحراف، سیاسی اقتصادی انتشار اور سماجی اضطراب و فکری بے چینی اور تباہ کن اسلحوں اور ہولناک جنگوں کا جو سامنا پوری انسانیت کو کرنا پڑ رہا ہے۔ ان کے پس پردہ یہی دشمن انسانیت یہودی قوم ہے جس کو امریکہ جیسی دولت مند قوم کے وسائل حاصل ہیں۔

یہودیوں نے اپنے اولین دشمن عیسائیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے پہلے انتخاب کیا، دو بڑی جنگوں کو بھڑکانے والے یہی یہودی تھے، ان جنگوں سے سب سے زیادہ فائدہ اسلحہ کی فروخت سے حاصل ہوا اور ان کا ایک قطرہ خون تک نہیں بہا اسی کے ساتھ میڈیا کے تمام ذرائع پر قبضہ کر کے بداخلاقی و بے حیائی کو پورے مغربی معاشرہ میں اس طرح پھیلا دیا کہ تاریخ میں جنسی انارکی و بے راہ روی اور تشدد کی ایسی نظیر نہیں ملتی۔

یہودیوں نے میڈیا کے علاوہ اقوام متحدہ کو تشکیل پیش کیا تاکہ اس کے ذریعہ غیر یہودی قوموں پر ہر طرح کا تسلط اور غلبہ حاصل کیا جائے اس وقت اقوام متحدہ کے تمام مرکزی شعبوں اور ذیلی اداروں پر یہودیوں کی اجارہ داری ہے۔

اقوام متحدہ سکریٹریٹ میں آٹھ شعبے ہیں جن میں شعبۂ اسلحہ سازی، حقوق انسانی، شعبۂ اقتصادیات، بجٹ کا شعبہ، اقوام متحدہ کے کارکنوں کا شعبہ، ترقی پذیر ملکوں کا شعبہ، دستاویزات اور معلومات کا شعبہ اقوام متحدہ کے ماتحت غذا و زراعت کا شعبہ ہے جس میں چھ شعبے ہیں۔

اقوام متحدہ کے داخلی شعبے تین ہیں۔

بین الاقوامی بینک برائے تعمیر کے شعبوں کی تعداد آٹھ ہے۔

اقوام متحدہ اور اس کے ماتحت ثقافتی، سیاسی اقتصادی، مالیاتی اور انتظامی شعبوں کی تعداد اکتالیس ہے ان تمام شعبوں کے صدر، نائب صدر سکریٹری یہودی ہیں ایسی صورت میں اقوام متحدہ سے امن وسلامتی کی امید رکھنا ایسا ہی ہے جیسا بھیڑیئے سے یہ توقع کرو وہ بھیڑ کی حفاظت کرے گا۔

پناہ گزینوں کے دو شعبے ہیں، عالمی تجارتی شعبہ کے دو صدر۔ یونسکو کے پانچ شعبے اور ان کے صدر، انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ کے پانچ صدر عالمی ادارہ صحت کے چار صدر۔

مندرجہ بالا مرکزی اداروں اور ان کے ماتحت مختلف شعبوں میں ہر جگہ یہودی صدر اور سکریٹری بلکہ اکثر ان کے نائب بھی یہودی ہیں ان عہدیداروں کے نام اور عہدوں کی تفصیل کو ہم نے نظر انداز کر دیا۔

یہ اس عالمی ادارہ کا حال ہے جس کو ہم آپ اقوام متحدہ کہتے ہیں جو حقیقت میں یہودیوں کا اڈہ یا یہودی مرکز ہے اور نیویارک جیسے شہر میں ہے جس کو یہودیوں کا شہر بھی کہتے ہیں اس اقوام متحدہ کے ذریعہ غیر یہودی قوموں پر حکمرانی کے خواب کو عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے اس ادارہ کے قیام کے بعد سے اب تک اس کی کارکردگی کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ غیر یہودی قوموں کے مسائل و مشکلات میں روز بروز اضافے اور پیچیدگی کا سبب یہی ادارہ ہے۔ صومالیہ اور بوسنیا میں مسلمانوں کی خونریزی اور خلیجی جنگ کے ذریعہ مال و دولت پر یہودی قبضہ، یہ سب یہودی سازشوں کا ایک حصہ ہیں۔

گذشتہ سال کانفرنس کے موقع پر ہم نے ان ہی صفحات میں لکھا تھا کہ قاہرہ میں اس کانفرنس کے انعقاد کا مقصد عربوں کی غیرت وحمیت کا امتحان لینا ہے کہ وہ اس معاملہ میں انتہائی ذکی الحس واقع ہوئے ہیں، کانفرنس کے مغربی شرکا نے علمی دلائل کے بجائے اپنی بات دھن اور دھونس کے ذریعہ منوانے کی کوشش کی روایتی طور پر ایک اسلام پسند ملک نے امریکی عتاب کے ڈر سے بیس ملین ڈالر کی رقم اس کانفرنس کو فراہم کی۔ دوسری طرف اس نے ائمہ مساجد کو اس موضوع پر تنقید کرنے سے منع کر دیا۔ اس طرح چوں کفر از ...... کی مثال عملی طور پر سامنے آگئی۔ لیکن مصری و پاکستانی وفود نے بہت جم کر کانفرنس کی تجاویز کی مخالفت کی، عالم اسلام کے طاقتور غیر سرکاری اداروں (ازہر و رابطہ عالم اسلامی) کے دباؤ اور عوامی احتجاج کی وجہ سے کانفرنس ناکامی سے دوچار ہوگئی اور بڑی ذلت وخفت مغربی شرکار کو اٹھانی پڑی۔

بیجنگ کانفرنس کی تیاری بیس سال سے کی جا رہی تھی۔ اس مقصد سے پہلی کانفرنس میکسیکو سٹی میں ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھی۔ یہیں یہ فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ دس سالوں میں اقوام متحدہ صنف نازک کو پوری دنیا میں مساویانہ حقوق دلانے کے لئے سارے وسائل اختیار کرے گا۔ چنانچہ دوسری کانفرنس ڈنمارک میں ۱۹۸۰ء میں پھر تیسری کانفرنس نیروبی میں ۱۹۸۵ء میں منعقد کی گئی۔ ان تینوں کانفرنسوں کا بنیادی مقصد "امن، خوشحالی، اور مرد وعورتوں کے درمیان مساوات" قرار پایا۔

ایک سو ستّر صفحے کے بڑے سائز میں بیجنگ کانفرنس میں پیش کرنے کے لیے جو دستاویز تیار کی گئی ہے اس کے سرسری مطالعہ ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قاہرہ کانفرنس میں پیش کئے گئے دستاویز کی فوٹو کاپی یا اس کا چربہ ہے جو نئے اسلوب میں پیش کیا گیا ہے، بیجنگ کانفرنس میں بھی جنسی اختلاط کو عام کرنے اور انسانوں اور جانوروں کے درمیان فرق وامتیاز کو ختم کرنے کی یہ دوسری منحوس کوشش ہے جس پر دنیا کے ایک سو نواسی ملکوں کا پیسہ پانی کی طرح خرچ کیا جا رہا ہے۔

● بیجنگ دستاویز کے مطالعہ سے پہلا تاثر یہی ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ یہودیوں کے ہاتھ کا کھلونا ہے جو اول وآخر اپنے وجود کے لئے امن اور خوش حالی چاہتا ہے اور غیر یہودی قوموں کو ان پرفریب نعروں کے ذریعہ تباہ و برباد اور پوری انسانیت کا قتل عام اور اس کی عزت کو پامال بلکہ سر بازار نیلام اور رسوا کرنے کا کام کر رہا ہے یہودی بازی گروں نے صومالیہ اور بوسنیا میں مغربی قوموں کو جس طرح پوری دنیا میں ذلیل ورسوا کیا ہے اس کی مثال غلامی کی تاریخ میں شاید ہی ملے۔

● دوسرا تاثر یہ ہوتا ہے کہ یہودی پوری دنیا کو اپنی زندگی کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تمام غیر یہودی قومیں ان ہی کی طرح شکل وصورت، چال ڈھال، وضع قطع، طرز زندگی، طرز فکر، عادات واطوار اور روح میں بھی یکساں ایک یہودی کارخانے کی مصنوعات معلوم ہوں یعنی پوری دنیا ان ہی کی طرح بگڑی اور بدکردار ومنحرف ہو جائے۔

● تیسرا تاثر یہ ہوتا ہے کہ یہودیوں نے ہمیشہ کی طرح اپنی روایتی قومی چالاکی ومکاری، دھوکے بازی اور فراڈ (یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ) سے کام لیا ہے اور پورے دستاویز میں زہر ہلاہل کو خوبصورت پیکنگ میں آب حیات بنا کر پیش کیا ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ پوری دنیا کی غیر مسلم خواتین کی اکثریت کو تباہ و برباد کیا جا چکا ہے۔ عالم اسلام کے معاشرہ کا ایک بڑا حصہ بکھرنے کے لئے تیار ہے۔ لیکن اسلام مانع ہے، اس رکاوٹ کو دھونس اور دھمکی کے ذریعہ دور کیا جا رہا ہے۔

بیجنگ دستاویز یا "مرگ امومت" کا پروانہ:

مغرب کے اداشناس اقبال نے کہا تھا ؂

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرت انساں کے لئے اس کا ثمر موت

بیجنگ دستاویز دراصل مرگ امومت کی دستاویز ہے جس پر دستخط کر کے تمام غیر یہودی قوموں کو حوالے کیا جائے گا۔

اس دستاویز کے صفحہ ۴۴ اور فقرہ ۹۲ میں کہا گیا ہے:۔ "خواتین کو پورے طور پر اس بات کی ضمانت ملنی چاہئے کہ وہ مردوں کے شانہ بشانہ زندگی بھر صحت کے اعلیٰ معیار اور تمام مادی سہولتوں سے مستفید ہو سکیں، اگرچہ مردوں کی صحت بھی بعض اوقات متاثر ہو جاتی ہے لیکن صنف نازک کو فقر و فاقہ، اقتصادی بدحالی و پسماندگی، مردوں کی طرف سے تشدد، باہمی معاملے میں ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے، اس کا اثر عورتوں کی جنسی زندگی اور اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت پر پڑتا ہے، اس سے ان کی صحت متاثر ہوتی ہے۔

دوسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں کے مقابلہ میں کھانے پینے اور عیش و تنعم کے زیادہ مواقع حاصل ہوتے ہیں، اس کے برعکس خواتین کو کم عمری میں شادی، حمل اور ولادت کے مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے۔

لڑکیوں کو بالغ ہوتے ہی یہ حق ملنا چاہئے کہ جنسی اختلاط کے طریقوں، اور ناپسندیدہ حمل سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیروں سے واقف ہوں، تعلیمی اداروں میں عملی طور پر نوجوانوں کو جنس کی تعلیم دی جائے، دوسرا بنیادی حق ان کو یہ ملنا چاہئے کہ ناپسندیدہ حمل یا اسقاط حمل، یا ناجائز اولاد کی صورت میں والدین اور سماج کی نگاہ میں ان کو تمام حقوق دیئے جائیں اور ان کا ویسا ہی احترام کیا جائے جیسے ایک شادی شدہ عورت کا کیا جاتا ہے۔

غیر قانونی اولاد کا تصور ختم ہونا چاہئے، سماج اور حکومت کو چاہئے کہ ان کی مکمل سرپرستی کریں۔

والدین، سماجی اداروں اور تعلیمی مراکز کو چاہئے کہ وہ نوجوانوں کو ایڈز سے بچنے کے طریقے بتائیں، انھیں محفوظ و مامون جنسی اختلاط کی تدبیر سے آگاہ کریں اور مواقع فراہم کریں۔

دفعہ ۵۷ میں یہ بات کھل کر کہی گئی ہے کہ سماج ... وہ مرد ہو یا عورت، یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ جنسی اختلاط میں ان کو مکمل آزادی ہو، وہ والدین، سماج اور دین و اخلاق کے بندھنوں اور دباؤ سے آزاد ہو کر فیصلہ کریں کہ کب اور کس سے وہ جنسی تعلقات قائم کریں، کس حمل کو ساقط کرائیں اور کب بچے پیدا کریں۔

ص۴۲ پر کہا گیا ہے کہ نفسیاتی اور جسمانی صحت کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو آزادانہ جنسی اختلاط اور اس کو راز میں رکھنے کا حق ہے۔

ایک بنیادی حق یہ بھی دیئے جانے کی سفارش ہے کہ مرد و زن کے درمیان مکمل مساوات ہو جائے، اور وہ یہ کہ جس طرح خواتین کو وضع حمل کی رخصت اور سہولت دی جاتی ہے اسی طرح مردوں کو بھی اس طرح کی رخصت اور سہولت دی جائے۔

شاعر مشرق نے مغربی تہذیب کو فساد قلب و نظر سے تعبیر کر کے مغرب میں کارفرما آزادیٔ افکار کو اس کی تباہی و بربادی کا سبب قرار دیا ہے اور لکھا ہے ؂

ہو اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

آزادیٔ فکر کے داعیوں نے اس دستاویز میں ایک طرف تو ایڈز کو برا کہا ہے، اور اس کے خلاف دلائل و شواہد کا انبار لگا دیا ہے۔ دوسری طرف اس سے بچنے کے بجائے ایسا طریقہ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے کہ محفوظ و مامون رہے، یعنی "دامن تر مکن ہوشیار باش"۔

عالمی ادارۂ صحت کے اعداد و شمار کے مطابق اس سال تک ایڈز میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد پوری دنیا میں پینتالیس لاکھ ہو جائے گی۔ جب سے اس مرض کا انکشاف ہوا ہے اس وقت سے اب تک ساڑھے انیس ملین مرد و عورت اس میں مبتلا ہو چکے ہیں، اس صدی کے آخر تک یہ تعداد بڑھ کر اکیس ملین ہو جائے گی۔

اس دستاویز میں جگہ جگہ ذمہ دارانہ جنسی تعلقات کا ذکر تو کیا گیا ہے لیکن یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ آزادانہ جنسی اختلاط صحت کے لئے مضر ہے اور نہ ہی اشارے کنائے میں یہ کہا گیا ہے کہ صرف شادی ہی کے ذریعہ اس موذی مرض (ایڈز) سے بچا جا سکتا ہے۔

تیسری بات اس دستاویز میں یہ کہی گئی ہے کہ تنہائی کی زندگی گزارنے والی خواتین کو سرکاری، سماجی سرپرستی حاصل ہونی چاہئے۔ لیکن ذمہ دارانہ زندگی شوہر کے ساتھ زندگی گذارنے کا قطعی تذکرہ نہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اولاد پیدا کرنے کو عورت کی صحت کے لئے مضر کہا گیا ہے لیکن اسقاط کے مضر صحت ہونے کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ بلوغ کے بعد کمسنی میں شادی کو تمام مشکلات کا سبب تو قرار دیا گیا ہے لیکن لڑکیوں کو عفت و عصمت کی زندگی گذارنے میں دین و اخلاق کے رول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ پوری دنیا میں صنف نازک کے ساتھ جنسی استحصال اور تشدد اور عدم مساوات کا اس انداز میں ذکر ہے کہ گویا یہ سارے امراض اور خرابیاں ترقی پذیر ملکوں میں عموماً اور مسلم معاشرہ میں خصوصاً پائے جاتے ہیں، لیکن مغربی ملکوں میں عورتوں کے ساتھ جو ظلم و زیادتی ہو رہی ہے اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا۔

سب سے عجیب اور ناقابل فہم تضاد یہ ہے کہ مغربی میڈیا اور یورپ و امریکہ کے سماجی ادارے اور خود

اقوام متحدہ کی کانفرنسیں ایک طرف تو عورتوں کو جبرو استحصال سے بچانے اور ان کو تمام جنسی حقوق دینے کی زبردست وکالت کرتی ہیں، دوسری طرف میڈیا کی تمام طاقت کو عورتوں کے جنسی استحصال اور تجارتی پروپیگنڈہ کے لئے مسخر کردیا گیا ہے۔

یہودیوں نے مغربی معاشرہ کو جس طرح مکمل تباہی و بربادی سے دوچار اور اس کو جس طرح کھوکھلا کردیا ہے وہ اقبال کے الفاظ میں فساد قلب و نظر اور عصمت پیر کشت، حرف غلط بن گئی ہے اور جس کے وجود سے تصویر کائنات میں رنگ تھا اس کے بنیادی رول کو نظر انداز کرکے یا "مرگ امومت" سے خود مغربی سوسائٹی کس طرح مادی و معنوی خسارے سے دوچار ہورہی ہے اس کا اندازہ مغربی ماہرین کے پیش کئے ہوئے اعداد و شمار سے لگایا جاسکتا ہے۔

مغربی سوسائٹی۔ اعداد و شمار کی روشنی میں

• امریکی سوسائٹی میں ہر دس منٹ پر ایک عورت کی آبروریزی کی جاتی ہے۔

• امریکی معاشرہ میں خاندانی شیرازہ بکھرنے کی وجہ سے صرف ۱۵٪ بچوں کو والدین کی سرپرستی حاصل ہے۔

• ڈنمارک، برطانیہ اور فرانس و امریکہ میں ناجائز بچوں کا تناسب ۷۰٪ ہے۔

• جرمنی میں ایک کروڑ بیس لاکھ افراد تنہا زندگی گذارتے ہیں ان میں سے ۴۳٪ نے شادی ہی نہیں کی، شادی کے بغیر مرد و عورت کے اکٹھا ہوکر زندگی گذارنے والوں کا تناسب ۷٪ رہا ہے، دو کروڑ تیس لاکھ شادی شدہ جوڑوں کے ساتھ ایک کروڑ بیس لاکھ جوڑے ایسے بھی ہیں جو بغیر شادی کے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔

• ایک سال میں ہونے والی چار لاکھ چار ہزار شادیوں میں سے ۳۴٪ کا انجام طلاق کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ۱۹۹۴ء میں ۹ر۱۵٪ کا اضافہ ہوا۔

• ایک جرمن بچے کو ۲۴ گھنٹے میں ماں باپ کے اوقات میں سے اوسطاً صرف آدھا گھنٹہ ملتا ہے جس میں کھانے کا وقت بھی شامل ہے، جبکہ ایک جرمن ماں روزانہ اوسطاً آدھا گھنٹہ اپنے دوستوں سے فون پر گپ شپ اور پانچ گھنٹے ٹی وی اور سنیما اور دوسرے تفریحی پروگرام میں گذارتی ہے، ایک جرمن بچہ روزانہ اوسطاً ڈھائی گھنٹے ٹی وی کے سامنے گذارتا ہے جہاں پچاس مناظر قتل اور جنسی عمل کے دیکھتا ہے۔

جرمنی میں ۲۶ لاکھ خواتین ایسی ہیں جو بچے کے باپ کے بغیر ایک ایک بچے کی پرورش کررہی ہیں، ان بچوں سے محروم جرمن جوڑوں کی تعداد ۸۶ لاکھ ہے۔

• امریکہ کی مرکزی حکومت کے دفاتر میں کام کرنے والی خواتین کی تقریباً ۴۲٪ تعداد کو جنسی طور پر پریشان کیا جاتا ہے۔

ریاستی حکومتوں کے دفاتر میں کام کرنے والی خواتین کی ۸۵٪ خواتین نے بتایا کہ ان کے لئے جنسی بدسلوکی ایک عام تجربہ بن چکا ہے۔

• امریکہ میں نکاح و طلاق کا تناسب برابر ہوچکا ہے۔

• امریکہ میں کام کرنے والے مردوں کے درمیان عورتوں کا تناسب پہلے ۴۰٪ تھا، اب یہ تناسب گھٹ کر ۲۵٪ ہوگیا ہے، مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی تنخواہ ۴۰٪ کم ہوتی ہے۔

دوسرے ملکوں میں یہ تناسب اس طرح ہے:

فرانس میں ۳۱٪ کم، ڈنمارک میں ۶۵٪ کم، برطانیہ میں ۴۲٪ کم، اٹلی میں ۳۵٪ کم، جرمنی میں ۴۴٪ کم۔

جہاں تک سیاسی اور سماجی زندگی میں خواتین کی شمولیت اور شہرت و ناموری حاصل کرنے کا تعلق ہے تو امریکہ کے سماجی کارکن بتاتے ہیں کہ ۹۹٪ عورتوں کو گھر سے باہر رہ کر مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے میں جنسی استحصال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کے بغیر وہ ترقی نہیں کرسکتیں۔

مختلف مغربی ملکوں میں سیاسی میدانوں میں عورتوں کی شمولیت کا تناسب مردوں کے مقابلہ میں حسب ذیل ہے۔

فن لینڈ ۳۸٪، ناروے ۳۵٪، سویڈن ۳۴٪، جرمنی ۲۰٪، اسپین ۱۴٪، پرتگال ۶٪، امریکہ ۶٪، فرانس ۵٪، برطانیہ ۵٪۔

یہ ہے مغربی سوسائٹی کا وہ آئینہ جس کو دیکھ کر وہاں کے دانشور بوکھلا گئے ہیں، اور اسقاط حمل اور جنسی آزادی کے خلاف تحریکیں چل رہی ہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مسیحی دنیا کے مذہبی پیشوا بھی یہودیوں کے دباؤ میں آکر بدکاری اور جنسی آزادی کو فروغ دینے میں تعاون پیش کررہے ہیں، اس لئے کہ خود مسیحی پادریوں کی اکثریت گلے گلے اس دلدل میں پھنس چکی ہے۔ (باقی صفحہ پر)

بقیہ:- کچھ نقوش و تاثرات

کام نہیں ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ خود کام کرنے والوں کے قلوب میں اللہ رب العزت کا یقین ترقی کررہا ہو اور غیر اللہ کی نفرت پیدا ہورہی ہو، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اتباع کا ذوق ابھر رہا ہو، نمازوں میں ترقی ہو، علم دین سے اپنے کو سیراب کیا ہو، ذکر میں کثرت کی جارہی ہو اور اس سے نورانیت محسوس ہورہی ہو، اکرام مسلم کی مشق اس قدر بڑھ رہی ہو کہ مسلم تو مسلم غیر انسان تک کو اپنے سے بہتر سمجھ کر خدمت کا مادہ بڑھ رہا ہو، ان سب اعمال کا مقصد اللہ کی رضا جوئی ہو، پھر ان کو پیداوار کے لئے اللہ رب العزت کے بندوں میں اپنی جان کھپائی جارہی ہو، اس کے لئے جو کچھ برداشت کرنا پڑے کرجائیں۔ نہیں بلکہ اس پر دل میں خوشی ہوں۔ اگر یہ حالت کارکنوں کی ترقی پر ہو تو سمجھو یہ کام ہورہا ہے ورنہ میرے دوست! دنیا میں بہترین تقریر کرنے والے موجود ہیں، اگر نہیں ہیں تو اللہ رب العزت کے دین کو مقصد بناکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر جان کی بازی تو درکنار اوقات تک لگانے والوں کی کمی ہے۔

مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

دعوت اسلامی کے چند اہم اصول

ترجمہ از عربی:۔ بلال عبدالحی حسنی ندوی

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دعوت و تبلیغ کی راہ میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان میں سب سے بڑی رکاوٹ اس وقت درپیش ہوتی ہے جب مختلف طبقات اور جماعتوں کے اتحاد اور ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا مرحلہ آتا ہے، اس لئے کہ یہ دین اسلام کسی خاص طبقہ یا جماعت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ یہ دین مسلمانوں کے تمام طبقات اور جماعتوں کے لئے ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ پورے عالم انسانیت کے لئے ہے، اس میں تڑپتی ہوئی انسانیت کے درد کا درماں اور زخم کا مرہم ہے، اسلام میں تمام طبقوں کے لئے مخصوص تعلیمات ہیں خواہ وہ کسی بھی حیثیت کے ہوں، جاہل ہوں یا تعلیم یافتہ، نوجوان ہوں یا عمر دراز، مرد، بچہ یا عورت، وہ ان سے ان ہی کی زبان اور مروجہ اسلوب بیان میں خطاب کرتا ہے، ان کے شعور و احساس کو بیدار کرتا ہے اور خوابیدہ صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے، اور پھر ان سب کو ساتھ لے کر منزلِ مقصود اور مقصد عظیم کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔

مختلف طبقوں اور جماعتوں کے سلسلہ میں یہ اسلامی انداز فکر ہے، اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ ان کے مسائل اور مشکلات کا علاج اور حل ہے۔ یہ ایک طبعی بات ہے کہ اس کی آفاقیت اور وسعت کو سامنے رکھتے ہوئے اس قسم کی مشکلات و مصائب سامنے آتے ہیں لیکن دعوت و تبلیغ میں کامیابی کا سب سے اہم راز یہ ہے کہ ان پر قابو پا لیا جائے، اور ان کا حل تلاش کر لیا جائے اور اسلامی نظام و اسلامی فکر کو جدید اسلوب میں مخاطب کی نفسیات اور سطح کا خیال رکھتے ہوئے اس طرح پیش کیا جائے کہ وہ اس کو ہضم کر سکے اور کشادہ قلبی کے ساتھ قبول کر سکے، اسی حکمت دعوت کو حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے اپنے اس حکیمانہ قول میں بیان فرمایا ہے کہ۔ "کلموا الناس علی قدر عقولهم أتريدون أن يكذب الله ورسوله" (لوگوں سے ان کی عقلی سطح کے مطابق گفتگو کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔)

اسلامی دعوت و فکر کو کیسے پیش کیا جائے ایک سوالیہ نشان ابھر کر سامنے آتا ہے جو ایک حقیقت ہے، اس کی ابتدا کہاں سے کی جائے، سب سے پہلے اس کا مخاطب کس جماعت اور کس طبقہ کو بنایا جائے، اور اس سلسلہ کی محنتوں اور جانفشانیوں کا محور کس قوم کو بنایا جائے، عام طور پر جو طبقہ یا جو جماعت اس سے ہم آہنگ اور اس کی نفسیات سے قریب تر نظر آتی ہے اسی پر ساری محنتیں صرف کر دی جاتی ہیں، اور بغیر کسی تنظیم اور فکر و تدبر کے کام شروع کر دیا جاتا ہے، یا صرف ایک ہی اسلوب اور طرز دعوت کو اختیار کر لیا جاتا ہے یہ ایک محدود اور ناقص نظریۂ دعوت ہے، جامع اور مکمل اسلامی دعوت و تبلیغ کا نہ یہ اسلوب ہے اور نہ ہی اس کی آفاقیت اس محدود طرز و انداز میں سما سکتی ہے، اس کا نظریہ تو یہ ہے کہ یہ دعوت ہر ہر فرد کے لئے ہے، خواہ وہ کسی بھی طبقہ یا خاندان یا جماعت سے منسلک ہو، کسی بھی ملک کا باشندہ ہو، اور یہ دین اسلام پوری انسانیت کے لئے ہے، اس کو طبقاتی نظام میں جکڑنے اور کسی جماعت کے ساتھ مخصوص کرنے کا کوئی جواز نہیں اس کے اجزائے ترکیبی میں تمام طبقات شامل ہیں، اس میں حصہ لینے کی دعوت عام ہے، نوجوان طبقہ، علمائے دین، صحافی، تجار، مزدور پیشہ، انجینیر، جامعات و مدارس کے اساتذہ و پروفیسروں سے اس کا مطالبہ ہے کہ وہ اپنے مسائل و مشکلات کو سمجھیں اور پھر ان کو اسلامی اصولوں کے مطابق جو ان سے متعلق ہیں ان مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

میں یہاں بعض ان اہم طبقات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو معاشرہ میں ایک مقام رکھتے ہیں۔

(١) یونیورسٹیوں اور کالجوں کے نوجوان طلبہ اور اساتذہ۔ (٢) ملازم پیشہ لوگ۔ (٣) تجارت پیشہ لوگ (٤) تعلیم یافتہ خواتین جو آنے والی نئی نسل کی مائیں ہیں۔

(٥) محنت کش لوگ اور انجینیر وغیرہ

اس مختصر فہرست سے ہم آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک زبان اور ایک ہی اسلوب دعوت ان کیلئے کافی نہیں اور نہ ہی اس سے وہ مطمئن ہو سکتے ہیں تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے اسلوب دعوت کچھ اور ہوگا، اور مزدور پیشہ حضرات کے سامنے اس کو دوسرے انداز سے پیش کیا جائے گا، دین سے وابستگی رکھنے والوں کے لئے طرز کچھ اور ہوگا اور وہ لوگ کہ جن کا رشتہ دین سے منقطع ہو چکا ہے، اور ان کی عقلیت و ثقافت تبدیل ہو چکی ہے خواہ انھوں نے اس کا اظہار و اعلان نہ کیا ان کی تفہیم کے لئے دوسرا اسلوب اختیار کرنا ہوگا۔ اسی طرح اختلافِ طبقات کے ساتھ ساتھ اسلوب بھی بدلتا رہے گا۔

مثال کے طور پر آپ ایک تعلیم یافتہ نوجوان کو لے لیجئے، آپ واقف ہیں کہ وہ مغربی فلسفہ و اقدار اور طرز فکر سے متاثر ہے۔ اسی کے نظریۂ حیات کو وہ سب کچھ سمجھتا ہے۔ مغربی فلاسفر اور مفکرین کی تعظیم و احترام اس کے دل میں ہے، ایسے نوجوان کے لئے وہ اسلوب دعوت جو عام مسلمانوں کے لئے ہے بالکل ناکافی اور غیر مؤثر ہوگا۔ اس کے لئے ٹھوس اور حقائق سے بھرپور لٹریچر اور ان

علمی کتابوں کی ضرورت پڑے گی جن کی سطح بلند ہو اور وہ اس مادی طرز فکر کی بنیادی کمزوریوں کی نشاندہی کریں اور اس کی شوکت و عظمت جو دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے اس کو زائل کرسکیں، کثیر تعداد میں ایسی کتابوں اور مقالات ولٹریچر اور رسالوں کی ضرورت ہے، صرف وعظ و پند اور عام دینی کتابیں ان پر اثر انداز نہیں ہوسکتیں اور نہ ہی ان کی عقلیت اور طرز فکر میں تبدیلی لاسکتی ہیں۔ مغربی تہذیب وثقافت کے دلدادہ ان نوجوانوں کے لئے اصل اور ضروری مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ تہذیب کا ہوّا ان کے دل ودماغ سے نکل جائے۔ اس لئے ہر داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام جائز وسائل واسباب اور اسالیب کو اختیار کرے جو اس خلا کو پر کرسکیں اور مقصد کو پورا کرسکیں۔

اسی طرح دینی مدارس کے طلبہ کے لئے دوسرا طریق دعوت اور اسلوب اختیار کرنا ہوگا، وہ یہ ہے کہ ان کے نفوس کی تربیت ہو، ان کا تزکیہ ہو، اور نت نئے جاہلی رجحانات وخیالات اور ملحدانہ افکار ونظریات سے نبرد آزمائی کے لئے ان کو تیار کیا جائے، مغربی فلسفہ وفکر اور اشتراکی نظام سے ان کو پورے طور پر واقف کرایا جائے اس لئے کہ ان فلسفوں اور فکروں سے واقفیت کے بغیر ان سے مقابلہ اور ان پر غلبہ ناممکن ہے، ورنہ مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی شخص خیالی پلاؤ پکائے اور ہوا میں محل تعمیر کرے۔

اسی طرح مزدور پیشہ اور ملازم پیشہ حضرات کے الگ مسائل ہیں۔ اور ان کی مخصوص مشکلات ومصائب ہیں، اور ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ ان کی مشکلات ومسائل کا حل تلاش کئے بغیر اور پریشانیوں کو سمجھے بغیر ان کو ساتھ لے کر چل سکیں پھر عورتوں کے اپنے مسائل الگ ہیں جو ان کی خانگی زندگی اور اولاد کی تعلیم وتربیت سے متعلق ہیں اور دعوت اسلامی کے میدان میں صنف نازک سے تغافل برتنا ناممکن ہے اس لئے کہ خواتین کا نئی نسل کی تربیت اور سوسائٹی کی اصلاح میں اہم کردار رہا ہے اجبکہ خواتین بھی بغیر ہمارے تعاون کے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتیں۔

اگر معاشرے سے دعوت وتبلیغ کو علاحدہ کردیا جائے تو زندگی سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے گا، اور اس کی حیثیت ایک لاشۂ بے جان کی ہوکر رہ جائے گی۔

یہ ایک اہم اور بنیادی بات ہے جو پیش کی گئی، اس کے علاوہ دوسری بات اس کے مختلف اسالیب وانداز سے متعلق ہے تو اس سلسلہ میں صرف اتنی بات کافی ہے کہ اس میں تفریق کرنا درست نہیں اور نہ ہی کسی ایک اسلوب وطریقہ کو علی الاطلاق فوقیت دی جاسکتی ہے بلکہ وقت اور ماحول کے مناسب جو بھی اسلوب ہو اس کو اختیار کرلینا بہتر ہے۔

ندوہ کے وفد کا دورۂ گجرات

(گجرات) احمد آباد میں گذشتہ ماہ ۲۶، ۲۷؍ اگست ۱۹۹۵ء کو ایک جلسۂ "مسلم پرسنل لا میں مداخلت اور یکساں سول کوڈ کا نفاذ" کے عنوان سے ہوا جس میں ملک کے موقر علماء کرام اور دانشوران ملت نے خطاب کیا یہ جلسہ آئندہ ۲۸، ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں ہونے والے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس عام کی تمہید اور تیاریوں اور زمین کو ہموار کرنے کے سلسلے میں منعقد ہوا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے مولانا سید سلمان الحسینی ندوی، مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری، مولانا عبدالقادر ندوی اور مقامی علماء میں مولانا سید عابد حسین۔ مولانا غلام اشرفی اور دیگر حضرات اہل علم نے اس تقریب میں شرکت کی۔ اور شریعت اسلامی کی عظمت، اسلامی تشخص کی اہمیت اور مسلم پرسنل لا کی انفرادیت کو موضوع سخن بناکر احکام ربانی اور اطاعت مصطفوی کو اپنانے پر زور دیا۔ اور کہا کہ جو دنیاوی قانون شریعت الٰہی سے ٹکرائے گا اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

مولانا سید سلمان الحسینی ندوی نے اسلامی تعلیم اور شریعت الٰہی کی روحانی افادیت وقدر وقیمت بیان کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا لازمی ہے اگر کوئی مسلمان اس کو اسلامی حکم نہ سمجھ کر اس سے انکار کرتا ہے تو وہ کافروں کے زمرے میں شمار ہوگا۔ اور کہا کہ تعلیم ہی قرآن کا سب سے پہلا سبق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر گئے۔ لیکن آج ہم مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ان کے اندر تعلیم کا معیار بہت کم ہوتا جارہا ہے جس کے سبب مسلمان گمراہی میں مبتلا اور شریعت سے دور ہیں اور ان کی بے عملی غیروں کو قانون اسلامی کی طرف سے بدگمان کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ذلت ونکبت مسلمانوں پر چھاتی چلی جارہی ہے —— اور آج اسلام مخالف طاقتیں مسلم پرسنل لا اور اسلامی تشخص پر روز بروز حملے کرتی رہتی ہیں۔ اگر مسلمان پکے مومن بن جائیں تو اسلام دوسروں کے لیے کشش کا سبب بن جائے تو وہ اسلام پر اعتراض کرنے کے بجائے اس کو گلے سے لگائیں اور دنیا امن وامان کا مرکز بن جائے۔

جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری نے اسلامی اصولوں کو نجات انسانیت کا سبب بتاتے ہوئے جو مطابق فطرت انسانی ہے اس میں ترمیم کو ناقابل قبول بتایا اور فرمایا کہ مسلم پرسنل لا میں ذرہ برابر بھی تبدیلی ممکن نہیں۔

اسی طرح دیگر مقررین حضرات نے اسلام کی بالادستی کی بات کرتے ہوئے یکساں سول کوڈ کے نفاذ پر سخت نکتہ چینی کی۔

اس جلسہ میں تقریباً پندرہ ہزار افراد نے شرکت کی اور آئندہ اکتوبر میں ہونے والے مسلم پرسنل لا کے اجلاس عام کے سلسلہ میں ہر طرح کا تعاون دینے کا وعدہ کیا۔ واضح ہو کہ اس اجلاس عام کی صدارت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی فرمائیں گے اور ملک کے نامور علماء واکابرین خطاب کریں گے۔

چین میں خواتین کی عالمی کانفرنس اور اسلامی دنیا کا ردعمل

پروفیسر محمد یونس نگرامی

اقوام متحدہ کے زیر اہتمام چین کی راجدھانی بیجنگ میں خواتین کے مسائل سے متعلق چوتھی عالمی کانفرنس ۴؍ستمبر ۱۹۹۵ء سے شروع ہوئی۔ جو ۱۵؍ستمبر ۹۵ء تک جاری رہی۔ اس سے پہلے ایک ایسی ہی تیسری کانفرنس مصر کی راجدھانی قاہرہ میں ۵؍ستمبر ۱۹۹۴ء سے ۱۳؍ستمبر ۱۹۹۴ء میں منعقد کی جا چکی ہے۔

کانفرنس کے اغراض ومقاصد وموضوعات اتنے مختلف فیہ ہوتے ہیں کہ وہ شروع ہونے سے پہلے ہی اپنی اہمیت وافادیت کھو دیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خواتین کے کچھ بنیادی مسائل ہیں ان کا حل ہونا ضروری ہے اس وقت پوری دنیا میں جو انسانی آبادی فقر وغربت کی شکار ہے اس میں ۶۰ فیصدی خواتین ہیں امریکا جیسے ملک میں ۲۳ فیصد سے زیادہ خواتین غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزار رہی ہیں اور ۵ر۹ ملین کی آبادی میں ۶۵ فیصد خواتین ناخواندہ ہیں اور ۴۰ فیصد ایڈز کے مرض میں گرفتار ہیں انگلینڈ میں ہر اٹھارہویں منٹ پر کوئی نہ کوئی عورت تشدد کا شکار ہوتی ہے۔ دنیا بھر میں اس وقت جتنے بھی پناہ گزیں پائے جاتے ہیں ان میں بھی خواتین کی تعداد ۸۰ فیصد ہے، خود ہندوستان میں کم جہیز لانے پر خواتین پر تشدد میں اضافہ ہو رہا ہے اور ان کو جلائے جانے کی خبروں سے اخبارات بھرے رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا مسائل ایسے ہیں جن کے پائیدار حل کے لئے ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے اور ان سماجی برائیوں کے خلاف عالمی رائے عامہ کو بھی بیدار ہونا چاہئے اور اقوام متحدہ کو بھی ان امراض کی بیخ کنی میں اپنا مؤثر کردار ادا کرنا چاہئے۔ (مضمون نگار کے اقوام متحدہ سے اس حسن ظن اور ناصحانہ عبارت پر میر کا یہ شعر بے ساختہ زبان پر آگیا ؎

میرؔ کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ اقوام متحدہ ہی اتحاد وانسانیت دوستی کا جو غازہ ہے کہ ساری دنیا میں فساد کا سبب بنی ہوئی ہے صرف ذرائع ابلاغ میں شور مچاتی ہے، کرتی کچھ نہیں۔ "عیاں را چہ بیاں"! جو بات ہر زبان پر اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔) اختلاف کی حدیں اس وقت شروع ہوتی ہیں جب کانفرنس اپنے حقیقی اغراض ومقاصد سے ہٹتے ہوئے اباحیت، شذوذ جنسی کی نقیب بن جاتی ہے، خاندانی رشتوں کے استحکام پر ضرب کاری لگانے کا ذریعہ اور اسقاط حمل کی داعی بن جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ پوری اسلامی دنیا میں اس کے خلاف ردعمل ہوتا ہے کیونکہ کانفرنس کے مسودہ کی بعض دفعات نہ صرف اسلام بلکہ تمام ہی آسمانی مذاہب کی اخلاقی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

پاپائے روم نے بھی اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ معصوم روحوں کو زندگی سے محروم کر دینا انتہائی گھناؤنی بات ہے اس کے اسباب خواہ کتنے ہی اہم اور ناگزیر ہوں۔

شیخ الازہر شیخ جاد الحق نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ چین کی یہ کانفرنس غالباً قاہرہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد غیر مکمل مقاصد کو پورا کرنے کے لئے بلائی گئی ہے اور اگر کانفرنس کی قراردادوں پر عمل کی اجازت دے دی گئی تو ایک پاکیزہ سماج ومعاشرہ کا تصور ہی ختم ہو جائے گا، کیونکہ کانفرنس کے مسودہ کی بعض دفعات میں والدین سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی غیر شادی شدہ اولاد کی جنسی سرگرمیوں سے چشم پوشی اختیار کریں کہ یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے اور کسی کو بھی اس میں دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ اور یہ کہ خاندان کا جو موجودہ تصور ہے وہ اپنی اہمیت وافادیت کھو چکا ہے اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ وہ جنسی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہے اور اس سے بھی آگے موجودہ خاندانی قواعد وضوابط جنسی سرگرمیوں کو صرف مردوں اور عورتوں کے درمیان ہی محدود رکھتے ہیں حالانکہ اس کا دائرہ وسیع ہونا چاہئے۔ کانفرنس کا ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ ہر عورت کو اس بات کا پورا پورا حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ جس مرد یا عورت کے ساتھ چاہے جنسی تعلقات قائم کرے اور حکومت یا کسی بھی دوسرے ادارہ کو اس آزادی کو سلب کرنے کا حق نہیں ہے۔ کانفرنس کا مطالبہ یہ بھی ہے کہ مردوں کو بھی ملازمت پیشہ خواتین کی طرح وضع حمل کی چھٹی دی جایا کرے۔ (زوال انسانیت کہاں تک جا پہونچا ہے ؟؟ ؎

بیٹوں میں اپنے سر کو کہ روؤں جگر کو میں)

اور عورتوں کو میراث میں برابر ومساوی حصہ ملا کرے اور اگر کوئی قانون یا شریعت اس راہ میں حائل ہو تو اس کو رد کر دیا جائے۔

کانفرنس کے انھیں قراردادوں اور مسودات پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے حرم مکہ کے امام شیخ صالح بن حمید نے کہا ہے کہ چین میں خواتین سے متعلق کانفرنس شریعت، اخلاق، مذہب، خاندانی ضوابط اور فطرت کے خلاف اعلان جنگ ہے۔

مسلمانوں کی سب سے بڑی اسلامی تنظیم رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر احمد محمد علی نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اسلامی شریعت اور تعلیمات میں

باقی ص۱۳ پر

ایک مطالعہ

تاریخ دعوت و عزیمت جلد چہارم

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ

قسط (۳)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

حضرت مجدد بڑے عزت و احترام کے قلعہ گوالیار سے باہر آئے اور جہانگیر کی فرمائش پر چند دن لشکر کے ساتھ رہے۔ اس رفاقت سے بادشاہ اور اہل لشکر کو بہت نفع پہونچا۔ جہانگیر کا حضرت کے ساتھ کسی گہری عقیدت کا کوئی مستند ثبوت نہیں ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ بادشاہ کے اندر دینی رجحان گہرا ہوا اور اس نے شعائر اسلام کا اجرا کرایا۔

حضرت مجدد کا قیام لشکر سے واپسی پر سرہند میں دس ماہ آٹھ یا نو دن رہا۔ حضرت نے تمام تعلقات سے انقطاع فرمالیا، صرف نماز پنجگانہ اور جمعہ کے لئے باہر تشریف لاتے تھے۔ سارا وقت ذکر و استغفار میں گزرتا صاحبزادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم ساتھ تھے، ایک دن انھوں نے دیکھا کہ آپ پر گریہ غالب ہے۔ انھوں نے پوچھا تو فرمایا شوقِ وصال۔ وسط ذی الحجہ سے طبیعت خراب ہونی شروع ہوئی تھی۔ ۲۳ صفر کو اپنی تمام پوشاکیں اور کپڑے خدام کو تقسیم کر دیئے۔ جسم مبارک پر چونکہ کوئی روئی دار کپڑا نہ تھا اس لئے سردی کا اثر ہوا اور دوبارہ بخار ہوگیا۔ ایسی ہی کیفیت میں ایک رات ثلث اخیر میں اٹھ کر وضو فرمایا۔ تہجد کھڑے ہوکر پڑھی اور فرمایا کہ یہ ہماری آخری تہجد کی نماز ہے۔ اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میرے کفن کا سامان مہر سے کرنا۔ سہ شنبہ کی شب اور ۲۸ صفر کی تاریخ تھی جس کے اگلے روز سفر آخرت تھا۔ جب بستر پر لٹایا گیا تو ذکر میں مشغول ہوگئے۔ پھر وصال ہوگیا۔ غسل سے پہلے اور غسل کے بعد بھی نماز کے طریقے پر ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ فرزند کلاں خواجہ محمد سعید نے نماز جنازہ کی امامت کی۔

عادات و معمولات

سنت کے آداب اور اس کی باریک باتوں میں سے کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی فروگزاشت نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی سے لونگیں مانگیں۔ وہ ۶ لایا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ تم نہیں جانتے "اللہ وتر یحب الوتر" اپنے خدام اور رفقاء کو بھی بکثرت دوام ذکر حضور اور مراقبہ کی تاکید فرماتے تھے۔ مذاہب کو جمع کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرات شافعیہ و مالکیہ کے یہاں قرأتِ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن حضرت امام ابوحنیفہ کے یہاں مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں اس لئے وہ خود امامت فرماتے تھے۔ فجر کی نماز آخر اندھیرے اور اول روشنی میں ادا کرتے اور طوال مفصل (سورہ حجرات سے سورۃ البروج تک کی سورتیں) پڑھتے تھے۔ فجر کی نماز کے بعد سے اشراق کے وقت تک حلقہ فرماتے۔ پھر طویل نماز اشراق پڑھ کر گھر کے اندر تشریف لے جاتے پھر خلوت میں جاکر پوری توجہ کے ساتھ تلاوتِ قرآن میں مشغول ہوجاتے۔ تلاوت کے بعد طالبین کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور خاص اصحاب کو بلاکر مضامین و علوم خاصہ سے مستفید فرماتے۔ دن ایسا ہی عبادت یا درس میں گزر جاتا۔ مریضوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے اور زیارتِ قبور کے لئے بھی تشریف لے جاتے۔ اخلاق اور تواضع اور خلق اللہ پر شفقت، رضا و تسلیم کی خو انتہا درجہ پر پہونچی ہوئی تھی۔ کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آتا تو تعظیماً کھڑے ہوجاتے۔ ہر شخص سے اس کے ذوق اور مناسبت کی بات کرتے۔

حضرت مجددؒ کو اللہ نے سات فرزند عطا کئے تھے۔ تین صاحبزادگان عالی قدر خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد یحییٰ رونق بخش حیات رہے باقی جلد جلد ختم ہوگئے۔

حضرت خواجہ معصوم اپنے والد کے علوم کے حامل و شارح رازدار اور امین اور خلیفہ اور جانشین تھے آپ سے طریقہ مجددیہ کی عالمگیر اشاعت ہوئی۔ لکھنے والے نے صحیح لکھا ہے؎

چراغ ہفت کشور خواجہ معصوم
منور از فروغش ہند تا روم

حضرت مجددؒ کے دائرہ تجدید کا مرکزی نقطہ

شیخ احمد سرہندیؒ کے تجدید کا کام کیا تھا روح و فکر اسلامی کی جلا و تازگی، نبوت اور شریعت کی صداقت و ابدیت پر از سر نو اعتقاد و اعتماد بحال کرنا۔ ریاضت و اشراقیت پر مبنی تلاش حقیقت کی کوشش کی طلسم شکنی، ہمہ اوست اور وحدت الوجود کے عقیدہ اور نظریہ کی پردہ کشائی جو اشاعت و مقبولیت کے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تھا۔ اس کے متوازی "وحدت الشہود" کے مسلک و نظریہ کو مدلل و مرتب شکل میں پیش کرنا۔ بدعات کی کھلی تردید حتیٰ کہ "بدعتِ حسنہ" کے وجود سے بھی انکار۔ حضرت کے لائے ہوئے دینی انقلاب سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خلفاء و تلامذہ کا وہ سلسلہ وجود میں آتا ہے جو روحانی اور باطنی طور پر اسی سلسلے سے وابستہ اور منسوب ہے۔ یہ سب کچھ سہی حضرت مجددؒ کا وہ اصلی تجدیدی کارنامہ کیا تھا جس کو سب پر اولیت و فوقیت حاصل ہے۔ اس سلسلے میں تین گروہوں کی رائے میں لکھتا ہوں۔

۱۔ انھوں نے ہندوستان کو اسلام کے لیے دوبارہ بازیاب کیا اور اس کو برہمنیت یا وحدتِ ادیان کی گود میں جانے کے بجائے دوبارہ محمد عربی صلعم اور دینِ حجازی کی تولیت اور نگرانی میں دیا ملت اسلامیہ کو اس اعتقادی ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے فوری خطرہ سے محفوظ کیا جو اکبر کی شخصیت اور اس کے یگانہ روزگار مشیروں (ابوالفضل فیضی) کی ذہانت سے ایک امرِ واقعہ بن کر سامنے آگیا

۲۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ انھوں نے طریقت پر شریعت کی فوقیت و بالادستی کو اس انداز سے پیش جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ کسی کو کھل کر یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ شریعت اور طریقت کے کوچے الگ الگ ہیں۔

۳۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ ان کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے وحدت الوجود کے عقیدہ اور نظریہ پہ وہ کاری ضرب لگائی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لگائی تھی اس کے محتاط و متقی قائل صوفیہ و مشائخ شریعت کے کتنے ہی پابند ہوں لیکن وہ عقیدہ نبوت کی تعلیمات کا حریف بنتا جا رہا تھا۔

حضرت مجددؒ صاحب کا زبردست کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عقل اور کشف دونوں کو ماورائے عقل علوم۔ ذات و صفات الٰہی کی صحیح معرفت لاریبی علوم کے یقینی ادراک سے عاجز اور قاصر ثابت کیا اللہ کی معرفت صحیح انبیاء کے ہی ذریعہ حاصل ہوتی ہے عقل کا خالص اور بے آموز ہونا ممکن نہیں حجتِ کامل انبیاء کی بعثت ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے۔

"عقل ایک صحیح ترازو ہے۔ اُس کے فیصلے یقینی ہیں جن میں کوئی دروغ نہیں لیکن ہاں اس ترازو میں امور توحید، امور آخرت، حقیقتِ نبوت، حقائق صفات الٰہی اور وہ تمام امور و حقائق جو ماورائے عقل ہیں نہیں تول سکتے یہ لاحاصل کوشش ہوگی اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ترازو دیکھی جو سونے کو وزن کرنے کے لیے ہے اس کو ترازو میں پہاڑوں کو تولنے کا شوق ہوا جو ناممکن ہے۔ ترازو کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر قدم نہیں نکالا جاسکتا۔

وہ اللہ اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کرسکتی کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے۔ اس عقلیت اور فلسفہ کے مقابلہ میں ایک دوسری کوشش ہے جس کا نام "اشراق" ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ حق اور یقین کی دریافت کے لیے عقل و علم، صداقت و حقیقت کے یقینی حصول کے لیے مشاہدہ شرط ہے اور یہ مشاہدہ صرف نور باطن۔ صفائی نفس اور ایک اندرونی حاسّہ کو بیدار کرنے سے ممکن ہے یہ حاسّہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب مادیت کو بالکل فنا اور حواس ظاہری کو مردہ کر دیا جائے۔ حقائق کی تحقیق اس نور باطن سے ممکن ہے جو ریاضتوں۔ نفس کشی، مراقبہ اور تفکر سے پیدا ہوتی ہے۔ درحقیقت فلسفہ اور اشراق میں ایک ہی روح اور ایک ہی ذہنیت کام کرتی ہے دونوں حقیقت کو اپنی کوشش سے پیغمبروں کے واسطے کے بغیر معلوم کرنا چاہتے ہیں، منزل دونوں کی ایک ہے ایک خیالی پرواز سے وہاں پہنچنا چاہتا ہے اور ایک زمین دوز راستہ سے۔ فلاسفہ اور حکماء اس نعمتِ نبوت کی ناقدری و ناشکری کرتے ہیں۔ وہ خدا سے قریب اور متعلق کرنے کے بجائے اس سے دور اُس کی ذات اور صفات سے ناآشنا اور بیگانہ کر دیتے ہیں اس سلسلے میں حضرت مجددؒ صاحب کے قلم سے جو نادر تحقیقات اور اعلیٰ علوم و معارف نکلے ہیں وہ ان کے مکتوبات کے ضخیم دفتر میں منتشر ہیں۔ میں اُن کا ترجمہ مختلف عنوانوں کے تحت پیش کرتا ہوں۔

عقل کا عجز صانع عالم کے اثبات اور اس کے کمالات کی معرفت میں

اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اسلام کی طرف رہنمائی کی اور محمد صلعم کی امت میں بنایا۔ انبیاء دنیا والوں کے لیے رحمت ہیں کیوں کہ اللہ نے ان حضرات کی بعثت کے ذریعہ ہم ناقص عقل والوں اور عاجز فہم والوں کو اپنی ذات صفات کی خبر دی ہے۔ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو انسانی عقلیں کارخانہ عالم کے بنانے والے کے ثابت کرنے میں درماندہ ہوتیں۔ قدیم فلاسفہ اپنی عقل کی کوتاہی سے اشیاء کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ معرفتِ الٰہی میں عقلائے یونان نے نہایت بے عقلیاں کی ہیں انھوں نے اپنے علم الاصنام کا نام فلسفہ اور الٰہیت رکھ دیا۔ کلام پاک میں اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ان کو آسمان اور زمین کی پیدائش پر اور خود ان کی پیدائش پر گواہ بنایا اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بنانے والا نہیں ہوں۔

ان بدعقل فلاسفہ کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی کچھ احتیاج نہیں نہ ان کے سامنے کچھ عجز و نیاز ہے مجبوری اور ضرورت کے وقت چاہیے کہ یہ اپنی "عقل فعال" کی طرف رجوع کریں اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل اسی سے چاہیں۔

حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ وہ کوئی احمق ہوگا جو اشیاء کو قادر و مختار جل شانہٗ سے ہٹا کر اسے محض ایک فرضی اور موہوم چیز کی طرف منسوب کرے گا۔

عقل حقائق دینی کے ادراک میں ناکافی ہے اور نبوت کا طور عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے

عقل اگرچہ حجت ہے مگر حجت بالغہ نہیں، حجت بالغہ انبیاء کی بعثت سے ثابت ہوتی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے: پیغمبر جو بشارت دینے والے ہیں اور

ڈرانے والے ہیں تاکہ لوگوں کے لیے اللہ کے اوپر کوئی حجت باقی نہ رہے۔ انبیاء کی بعثت کے بعد اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ عقل کا خالص اور بے آمیز ہونا ممکن نہیں اور وہ حقائق الٰہیہ کی دریافت کے لیے خواہ اس کو اشراق اور صفائی نفس کی مدد حاصل ہو مفید نہیں۔

عجب توارد اور حیرت انگیز بات ہے کہ مجدد صاحب سے تقریباً دو سو سال بعد جرمنی کے مشہور فلسفی کانٹ نے عقل کے خالص اور مجرد ہونے اور اس کے ماحول ورثہ اور عادات اور معتقدات سے آزاد ہو کر بے لاگ فیصلہ کرنے کی صلاحیت پر علمی اور تحقیقی بحث کا آغاز کیا اس نے عقل کے حدود کی تعین کی اس کی کتاب "تنقید عقل محض"
(CRITIQUE OF PURE REASON)'
نے دنیائے فکر و فلسفہ میں ہلچل ڈال دی اور اقبال کے الفاظ میں روشن خیالوں کے کارناموں کو خاک کا ڈھیر کر دیا۔ ڈاکٹر ہیرالڈ نے لکھا ہے کہ یہ کتاب فلسفہ کا ایک غیر فانی کمال پارہ ہے جس نے فکر انسانی کی ہرزہ گردیوں میں انگشت رہنما کا کام کیا۔ مجدد صاحب نے فرمایا عقل اعتماد کے لائق نہیں اور اس کے اخذ کئے ہوئے احکام وہم و تصرف اور خیال کے اثر و اعتقاد سے آزاد نہیں۔

اہل اشراق و صفائی نفس

اس فلسفہ کے داعیوں اور پیروؤں کا کہنا یہ ہے کہ حصول یقین اور علم صحیح کا سب سے بڑا ذریعہ مشاہدہ ہے اور وہ نور باطن۔ صفائی نفس اور باطنی حاسہ کو بیدار کرنے سے حاصل ہوتا ہے حقائق کا ادراک اسی خالص و بے آمیز عقل (حکمت اشراق) اور اس نور باطن سے ممکن ہے جو ریاضت مخالفت نفس اور مراقبہ سے پیدا ہوتی ہے، ظاہر ہے اس کا مطلب ہے کہ انسان کے اندر حواس خمسہ کے علاوہ ایک چھٹی حس بھی پیدا ہو جاتی ہے جس سے غیر مرئی انوار، غیر مسموع اصوات اور پہلے سے غیر معلوم حقائق ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ مگر یہ دیکھا گیا کہ ایک صاحب کشف دوسرے صاحب کشف سے اختلاف کرتا ہے اور اس کو سُکر اور غلبہ حال پر محمول کرتا ہے۔ اس فلسفہ سے بے حد انتشار انگیز عقائد و خیالات پیدا ہوئے ہیں جو عام طور پر گمراہ کرتے ہیں۔ شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی کی کتاب حکمت الاشراق علمی اور درسی حلقوں میں خاصی مقبول ہے۔ اس ممتاز اشراقی حکیم کی ذہانت۔ تبحر علمی اور زہد و تجرد اس کے معاصرین کو بھی تسلیم ہے مگر وہ یونانی مفروضات اور ایرانی اور مجوسی خرافات سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ وہ معرفت صحیحہ سے محروم رہا اُس نے ایک غیر متوازن انتشار سے بھری ہوئی زندگی گذاری اور ملک الظاہر کے حکم سے قتل کیا گیا۔

مجدد صاحب نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ اشراق اور صفائی نفس کے ذریعہ بھی ان غیبی حقائق اور لاریبی علوم تک رسائی ممکن نہیں جو انبیاء علیہم السلام اور ان کی بعثت کے راستہ سے عوام اور خواص کو حاصل ہوتے ہیں، شیخ سعدی نے سچ کہا ہے ؎

محالست سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفٰے

حضرت نے فرمایا کہ بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن نہیں، بعثت ہی اللہ کی ذات و صفات و احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے۔ انبیاء کی رسالت کا تصدیق کرنے والا اصحاب استدلال میں سے ہے انبیاء کی اطلاعات کو اپنی عقل کا پابند بنانا طریق نبوت کا انکار ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نبوت کا طریق عقل کے طریق کے خلاف ہے۔ نہیں مگر یہ عقل کی رسائی سے ماوراء بھی ہے جس طرح عقل کا مرتبہ حواس سے ماوراء ہے اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے

انبیاء بہترین موجودات ہیں اور بہترین دولت ان کے سپرد کی گئی ہے۔ انشراح صدر کی وجہ سے انبیاء کی توجہ خلق توجہ حق سے مانع نہیں ہوتی۔ نبی کا باطن حق کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق کے ساتھ یہ کہنا انتہائی غلط ہے کہ اولیا کی ابتدا انبیاء کی انتہا ہے۔ انبیا نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر کیا ہے اور صرف قلب سے بحث کی ہے۔

نبوت کے پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے۔ کمالات ولایت، کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، انبیاء کی عظمت نبوت کے سبب سے ہے ایمان بالغیب انبیاء ان کے اصحاب۔ علماء و عام مومنین کا حصہ ہے۔ انبیا کی بازگشت کامل نہایت النہایۃ تک پہنچ جانے کی علامت ہے۔

مشائخ طریقت وائمہ حقیقت میں شریعت کے سب سے بڑے حامی و ناصر سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ ہوئے ہیں۔ ان کی تعلیمات میں سب سے زیادہ زور پابندی سنت و اتباع شریعت پر تھا اور ان کی پوری زندگی اسی کا جلوہ اور نمود تھی۔ وہ پہلے فرائض پھر سنن پھر نوافل سے مشغول ہونے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ اور اول کو چھوڑ کر دوسرے سے مشغول ہونے کو حمق اور رعونت بتاتے ہیں۔ اسی طرح شیخ شہاب الدین سہروردی نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تصوف نام ہے قولاً فعلاً حالاً ہر حیثیت سے اتباع رسول صلعم کا اور اسی پر مداومت رکھنے سے اہل تصوف کے نفوس مقدس ہو جاتے ہیں۔

(باقی ص ۳۰ پر)

ندوہ کے شب و روز

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

الحمدللہ مادرِ علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیمی، ترقیاتی اور تعمیری سرگرمیاں حسب دستور جاری ہیں، طلباء اپنی درسیاتی اور مطالعاتی سرگرمیوں میں مشغول ہیں اور اساتذہ کرام اپنے فرائضِ منصبی میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ معمول کے مطابق ششماہی امتحان ربیع الاول میں ہوا۔

چنانچہ صفر کا مہینہ شروع ہوتے ہی طلباء کی علمی تیاریوں میں تیزی آگئی۔ تمام دلچسپیوں سے بے نیاز ہوکر طلباء یکسوئی کے ساتھ امتحان کی تیاری میں لگ گئے۔ طلباء اپنے اپنے کمروں اور مسجد کے صحن میں کتابوں کے مطالعہ اور مذاکرہ میں ہمہ تن منہمک نظر آنے لگے۔ ادھر طلباء کو امتحان کی تاریخ کا بےچینی سے انتظار تھا کہ جناب مہتمم صاحب کی طرف سے اعلان آگیا کہ ۸ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ سے امتحان شروع ہوگا تو طلباء نے اپنی تیاریاں مزید تیز تر کردیں۔ رات دن مطالعہ و مذاکرہ اور اساتذۂ کرام سے ضروری مسائل و معلومات اور استفادہ کے سلسلے میں رجوع کرنے لگے۔

بفضلہ تعالیٰ ۸ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ کو اساتذۂ کرام اور ندوہ کے ذمہ داروں کی نگرانی میں امتحان شروع ہوا۔ امسال تحریری امتحان کے ساتھ کچھ اہم کتابوں کا شفوی (زبانی) امتحان بھی ہوا، انتہائی خوش اسلوبی اور اطمینان کے ساتھ ندوہ کی خوشگوار فضا میں یہ امتحان ۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ بروز جمعرات مکمل ہوا۔ اور پانچ یوم کی تعطیل کا اعلان کردیا گیا۔ طلباء خوشی خوشی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

طلباء دارالعلوم اپنے گھروں پر چند یوم گذارنے کے بعد چھٹی ختم ہوتے ہی واپس آگئے۔ اور دارالعلوم کی روحانی و علمی فضا قال اللہ اور قال الرسول سے پھر گونج اٹھی۔ اور طلباء اپنی تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں میں مشغول ہوگئے اور باقاعدہ تعلیم اور درس و تدریس کے سلسلہ کا آغاز ہوگیا۔

حضرت مولانا مدظلہ العالی کا قیام

حضرت مولانا دامت برکاتہم نے اس دوران کافی دنوں تک یہاں قیام فرمایا اور اپنے علمی، تصنیفی اور تالیفی کام بھی برابر کرتے رہے۔ آپ کی مجلسوں، ملفوظات و فرمودات سے اساتذہ و طلباء نے بہت استفادہ کیا۔ اور آپ کے ارشادات و خطابات سے مستفیض ہوئے۔ اسی مہینے میں حضرت مولانا مدظلہ آکسفورڈ اسلامک اسٹڈیز سنٹر کے جلسہ میں شرکت کے لئے لندن تشریف لے جانے والے تھے، لیکن طبیعت کی ناسازی اور دوسرے اہم امور کے سبب سفر ملتوی کردیا۔

مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی کا سفرِ حجاز

دارالعلوم کے معتمد تعلیمات مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی امسال ندوہ میں تقریباً چھ ماہ تک قیام کرکے حجاز مقدس کے لئے روانہ ہوگئے۔ قیام کے دوران جناب معتمد صاحب نے مختلف موقعوں پر متعدد بار طلباء کو خطاب فرمایا۔ جس میں انھوں نے اپنی زندگی کے بیش قیمت تجربات، دلچسپ واقعات، طلبِ علم کی فضیلت اور اس کے آداب بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قیمتی و کارآمد نصیحتوں سے بھی نوازا۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

پاریکھ آفسیٹ پریس کا افتتاح

دارالعلوم کی کتابیں، پمفلٹ، رسائل اور دیگر چیزوں کی طباعت کے لئے حال ہی میں "پاریکھ آفسیٹ پریس" کا افتتاح عمل میں آیا۔ یہ پریس مفسر قرآن مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کی توجہ اور ندوہ کے تعاون سے عاشقانہ تعلق کی بنیاد پر قائم ہوا تاکہ یہاں کی مطبوعات اور نکلنے والے جرائد و رسائل کو سہولت ہو۔

اللہ تعالیٰ ان کو اجر جزیل سے نوازے اور ان کی عمر میں برکت دے۔ پاریکھ صاحب کو حضرت مولانا دامت برکاتہم سے نہایت عقیدتمندانہ تعلق ہے، اور اکثر و بیشتر سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے دارالعلوم تشریف لاتے رہتے ہیں، اور اپنے مواعظِ حسنہ سے دارالعلوم کے طلباء اور شہر کے افراد کو مختلف پروگراموں میں شریک ہوکر فائدہ پہونچاتے رہتے ہیں۔

بقیہ: درس حدیث

اس لئے اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے (أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ)[11] (بھلا یہ) کیا (بات ہے کہ) جب (احد کے دن کفار کے ہاتھ سے) تم پر مصیبت واقع ہوئی حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دو چند مصیبت تمہارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے تو تم چلا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آپڑی کہہ دو کہ یہ تمہاری ہی شامت اعمال ہے (کہ تم نے پیغمبر کے حکم کے خلاف کیا)۔

امت مسلمہ نے اسباب اختیار کرنے کی اہمیت کو صرف الفاظ و زبان یا ملامت کرنے کی وجہ سے نہیں سیکھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تکلیفیں اٹھا کر اور اپنا خون بہا کر اور غلبہ اور فتحیابی کے بعد شکست کی قیمت ادا کر کے سیکھا ہے، مالِ غنیمت جمع کرنے کے بعد نقصان اٹھا کر اس کا سبق یاد کیا ہے، اور بہت سے شہیدوں کی لاشیں گر جانے کے بعد جن میں سید الشہدا عم رسولؐ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اسباب و وسائل اپنانے کا سبق پڑھا ہے۔

حضرت سہل تستری فرماتے ہیں، جس نے کسب معاش اور حوائج زندگی کے حصول کی فکر و کوشش پر ملامت اور طعن کیا اس نے اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سنت پر طعن کیا، اور جس نے خدا پر توکل و بھروسہ پر ملامت و طعن کیا اس نے ایمان پر طعن و ملامت کیا۔ توکل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا اور کسب معاش اور ضروریات زندگی کے حصول کی فکر و کوشش یہ آپؐ کی سنت تھی، جو شخص آپ کے حال پر عمل کرے وہ آپ کی سنت مبارکہ نہ چھوڑے۔ دکہ اس کے خلاف عمل کرنے کا نام غلو اور بے اعتدالی ہے اور یہ بات ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو دین کی روح کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، بقول مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اب نہ افراط باقی نہ تفریط ہے
عشق کامل ہوا معتدل ہو گیا

---

[1] ترمذی شریف کتاب الزہد۔ [2] طلاق ۲۔۳
[3] جامع العلوم۔ [4] نساء۔ ۷۱ [5] انفال۔ ۶۰
[6] جمعہ۔ ۱۰ [7] آل عمران۔ ۱۶۵

(بقیہ) تاریخ دعوت و عزیمت

نویں صدی ہجری میں ابن عربی اور ان کے تلامذہ کے برقی اثر سے تصوف ایک فلسفہ بن گیا تھا وحدت الوجود اہل تصوف کا شعار اور سرمایۂ افتخار بن گیا تھا۔ خانقاہیں ایسے عقائد و اعمال کی آماجگاہیں جن کی سند دین کے اصلی ماخذوں سے ملنا مشکل اور قرون اولیٰ کے مسلمان یکسر ناآشنا تھے۔

پھر ان صوفیہ حضرات کا واسطہ مرتاض جوگیوں سے پڑا جنھوں نے اپنے خیال اور نفس کی قوت حبس دم اور آسنوں کے ذریعہ بہت بڑھالی تھی سنت و بدعت، شریعت و فلسفہ اور تصوف اور جوگ کے اس اختلاط کے زمانہ میں حضرت مجدد الف ثانی کا تعمیری کام شروع ہوا۔ انھوں نے پوری بلند نگاہی سے آواز لگائی کہ طریقت تابع و خادم شریعت ہے۔ کمالات شریعت حالات و مشاہدات پر مقدم ہیں۔ ایک حکم شرعی پر عمل ہزار سالہ ریاضت سے زیادہ نافع ہے اتباع سنت میں دن کا سونا شب بیداری سے افضل ہے۔

(جاری)

بقیہ:۔ فساد قلب و نظر ہے

قندیل رہبانی

اس تاریک صورت حال میں اسلام ہی ہے جو ناصح بن کر مغربی سماج کو ڈوبنے سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ خبر تو آپ کے علم میں ہو گی کہ برطانیہ اور جرمنی میں مجموعی طور پر بیس ہزار سے زیادہ خواتین اسلام قبول کر چکی ہیں، سماجی سروے میں یہ بات آ چکی ہے کہ مغربی سوسائٹی کی خواتین نے اسلام کے حقوق نسواں کو سب سے بہتر اور محفوظ ضمانت قرار دیا ہے۔ اب وہاں مقیم داعیوں کا کام ہے کہ وہ اس صورت حال کو اسلامی دعوت کے فروغ کے لئے کام میں لائیں ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰؍اکتوبر ۱۹۹۵ء مطابق ۱۴؍جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ

جلد نمبر ۳۲

شمارہ نمبر ۲۳

نگران اعلیٰ

مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی
مولانا محمود الازہار ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبد اللہ حسنی ندوی
مولانا محمد رضوان ندوی
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ——— ۵ روپے

——— بیرونی ممالک فضائی ڈاک ———

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

——— ۲۵ ڈالر

——— بیرونی ممالک بحری ڈاک ———

بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ——— مینیجر

مینیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ
226007 یو۔پی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔
اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

پرنٹر پبلشر شاہ حسین نے پاکیزہ آفسیٹ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اس شمارے میں

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship, Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

شمس الحق ندوی

ملک کے بنیادی مسائل اور سیاسی مفادات

ہمارے ملک میں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اخبارات و رسائل میں یکساں سول کوڈ جیسے ناممکن العمل مسئلہ پر بحث چھڑتی رہتی ہے. مسلمان اسلامی قانون یعنی مسلم پرسنل لا کی وضاحت و دفاع میں اپنی توانائی اور زور قلم صرف کر رہے ہیں اور کرنا ہی چاہئے اس لئے ان کے پرسنل لا کا مسئلہ ان کے دین وعقیدہ سے اس طرح جڑا ہوا ہے جیسے ایک انسان کے تمام اعضائے جسمانی کہ ان میں سے کسی عضو کو زائد از ضرورت سمجھ کر علاحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرے لوگ اس غلط مفروضہ پر یا محض تعصب کی وجہ سے اپنا سارا زور یکساں سول کوڈ جاری کرنے کی تائید میں صرف کرتے ہیں کہ اگر یکساں سول کوڈ نافذ ہو جائے تو ملک میں امن وسکون کا دور دورہ ہو جائے، ساری بے چینی اور مار دھاڑ ختم ہو جائے دونوں طرف کی بحثوں سے ہم بحث کرنا نہیں چاہتے. ہمارے ذہن میں تو ایک سادہ سا سیدھا سادھا سوال ابھر رہا ہے اور ہماری طرح بہتوں کے ذہنوں میں وہ سوال گردش کر رہا ہوگا کہ اس وقت ہمارے ملک میں جو نراج و بے چینی کی صورت بڑھتی جا رہی ہے کیا یہ یکساں سول کوڈ نہ ہونے کی وجہ سے ہے؟

یہ جمہوریت کو بروئے کار لانے کے لئے الکشنوں میں حتیٰ کہ اب پنچایت الکشنوں میں بھی جو سیکڑوں لوگ قتل کر دیئے جاتے ہیں کیا اس کا سبب یکساں سول کوڈ کا نہ ہونا ہے یہ جو اخبارات میں روزانہ قتل وغارت گری، آبرو ریزی کی خبریں شائع ہوتی ہیں. یہ جو ایک ہی فرقہ کے لوگ اونچی ذات والے نیچی ذات والوں پر دھاوا بول دیتے، عزتوں کو لوٹتے، حتیٰ کہ عورتوں کو برہنہ کرکے گلیوں میں گھماتے ہیں گھروں کو آگ لگا دیتے ہیں یہ جو ہم کچہریوں کو کھچا کھچ بھری ہوئی دیکھتے ہیں. ہندو ہندو کے خلاف مقدمہ لڑ رہا ہے. مسلمان مسلمان کے خلاف مقدمہ لڑ رہا ہے، اور یہی نہیں کہ دونوں فریق ایک برادری اور ایک قوم کے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر ایک ہی خاندان کے ہیں. کیا اس کا بھی سبب وہی یکساں سول کوڈ کا نہ ہونا ہے۔

اور یہ جو اخبارات میں بار بار "تمسکات گھپلا" کی سرخی لگتی رہتی ہے ایک وزیر دوسرے وزیر پر کچھ الزامات لگاتا رہتا ہے بعض وقت گنڈوں اور قاتلوں جیسا الزام لگایا جاتا ہے کیا اس کا بھی سبب وہی یکساں سول کوڈ کا نہ ہونا ہے۔ یہ جو جہیز نہ لانے کی وجہ سے سیکڑوں نئی نویلی دلہنوں کے جلانے اور آبرو ریزی کے اعداد وشمار شائع ہوتے رہتے ہیں، یہ جو عوام کے محافظ پولیس والوں کے ظلم وجور کی خبریں آتی رہتی ہیں اور یہ جو نت نئی اسٹرائیکس اور ان میں جلاؤ بھاؤ کا شور سنائی دیتا ہے. اور حد یہ ہے کہ ہمارے ملک کے منتخب ترین لوگ جو ہمارے ملک کی آبادی کے گویا اہم ترین لوگ ہوتے ہیں اسلئے کہ عوام نے ان کو سب سے بہتر سمجھ کر چنا ہے. یہ منتخب لوگ تو گویا ملک کے سب سے اچھے اور باکردار لوگ ہوتے ہیں پھر جو یہ اسمبلیوں میں ایک دوسرے پر کرسیاں تک اٹھا کر مارتے، بازاری گنڈوں کی طرح وہاں جوتے چپل چلتے ہیں اور حد یہ ہے کہ اب یہ منظر پارلیمنٹ میں بھی سامنے آنے لگا ہے اور ایک دوسرے پر جرائم کے ایسے سنگین الزامات لگائے جا رہے ہیں کہ وہ ہوش والوں کے ہوش اڑا دینے کے لئے کافی ہیں اس سارے فساد کے اسباب و محرکات اصلاً کیا ہیں؟ یہ قوم پرستی و فرقہ پرستی اور پارٹی پرستی کی متعصبانہ عینک اتار کر ایک سچے محب وطن کی طرح ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچنے کی بات ہے. اگر ہم ان حقائق سے چشم پوشی کریں گے تو یہ خودکشی کے مترادف ہوگا. ہم اگر

بیٹھے دل سے غور کریں اور سوچیں تو اندازہ ہوگا کہ ہمارا ملک اس وقت بہت تیزی کے ساتھ خودکشی کی طرف جا رہا ہے ہم اپنے ملک کے حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہمارے ملک کے تمام شعبوں اور سماج و معاشرہ میں بگاڑ کا اصل سبب ہر قید و بند سے آزاد ہو کر مال و دولت اور جاہ و منصب کی طلب ہے، وہ چاہے جس قیمت پر حاصل ہو۔ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

لہٰذا غیر ضروری مسائل پیدا کرنے کے بجائے جو اکثر سیاسی فائدہ اٹھانے کے لئے پیدا کئے جاتے ہیں ضرورت اس کی ہے کہ مال و دولت اور جاہ و منصب کی طلب و چاہت میں دیوانہ ہو کر انسانیت کا جامہ اتار پھینکنے والے انسانوں کو انسانیت کا سبق پڑھایا جائے، دلوں میں انسانوں سے پیار محبت کا بیج بویا جائے اور جو فطری اصول ہیں انکو پھر سے زندہ کیا جائے۔ دنیا کتنی ہی بدل جائے فطری اصول نہیں بدلا کرتے، نیکی بدی نہیں بنتی بدی نیکی نہیں، سچ جھوٹ نہیں ہو جاتا، جھوٹ سچ نہیں، ظلم انصاف کا نام نہیں پاتا، اور انصاف ظلم کا نہیں، دوسروں کے حقوق کو غصب کرنا دوسروں کی چیز ناحق لینا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، دوسروں کی عزت و آبرو کو داغ لگانا ہمیشہ غلط اور غیر انسانی فعل سمجھا گیا ہے اور سمجھا جائے گا، اخلاق سوز حرکات پر بندش، فتنہ و فساد کی روک تھام، ہر زمانہ میں، ہر قانون میں، متفقہ دفعہ رہی ہے۔ جب بھی کبھی کوئی قانون بنا ہے یہی فطری دفعات قانون کے ضروری اجزاء رہے ہیں اور اب بھی قانون کی حد تک ان اجزاء کو باقی رکھا جاتا ہے۔

فطری قوانین و دفعات دنیا کے سارے انسانوں کے لئے یکساں ہیں۔ خواہ اونچی ذات کے ہوں یا نیچی ذات کے، امیر ہوں یا غریب، اقلیتی فرقہ کے ہوں یا اکثریتی، کالے ہوں یا گورے، حاکم ہوں یا محکوم، ہندو ہوں یا مسلمان۔ یہ کتنی خطرناک اور حیرت و تعجب کی بات ہے کہ اصل مرض کا علاج کرنے کے بجائے فرضی اور خیالی بیماری کا علاج شروع کر دیا جائے۔

ہماری کوتاہ نظری نے یہ ستم ڈھایا ہے کہ جب کوئی تجویز و قانون معرض بحث میں آتا ہے تو انسانیت کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ قوم و جماعت، طبقہ اور پارٹی کے نقطۂ نگاہ سے اس کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے جو قانون بنتا ہے یا جو تجویز منظور ہوتی ہے وہ حکومت و پارٹی کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے، اور اس کا سبب قومی و جماعتی، اور شخصی مفاد کا ٹکراؤ ہے۔ ایک راہ سے جب کسی پارٹی کو فائدہ نہیں پہونچتا تو وہ دوسری راہ سے اس کو حاصل کرنا چاہتی ہے۔ غرض یہ کہ جو قانون بھی بنتا ہے۔ چونکہ اس میں مفاد عامہ سامنے نہیں ہوتا اس لئے اس کے چلانے والوں کے ذاتی مفاد سے وہ ٹکراتا ہے اور حرص و طمع، غرور و تکبر، ہوا و ہوس، رشوت اور ناجائز نفع خوری، مکر و حیلہ، کے غلط طریقوں سے فائدہ اٹھانے کے بے شمار خلاف انسانیت واقعات [illegible] سے ٹکرا کر بے جوڑ ہو جاتا ہے اور شور و شر کا ایسا دروازہ کھول دیتا ہے کہ عدل و انصاف کو منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔

ہمارا ملک ابھی بالکل دیوالیہ نہیں ہوا ہے یہاں پڑھے لکھوں، پروفیسروں، دانشوروں، ججوں اور وکیلوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے، سلجھے ہوئے دماغ اور انسانیت دوستی اور انسانی حمیت رکھنے والے صاحب قلم اور صحافی بھی موجود ہیں، ان کو غور کرنا چاہئے۔ کہ چند مفاد پرست اور خود غرض لوگ مال و دولت اور حصول اقتدار کے نشہ میں ملک کی اخلاقیات اور انسانی قدروں کو کس تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ان کی طرف ان چیزوں کے خلاف کیوں کوئی آواز نہیں اٹھتی۔

کبھی خاص فرقہ سے تعلق رکھنے والے کبھی کبھار پیش آجانے والے یا بنا کر پیش کئے جانے والے واقعہ پر تو ہماری صحافت ایسا طوفان کھڑا کر دیتی ہے جیسے ملک جنگی حالات سے گذر رہا ہو۔

لیکن تباہ کن حالات پر جو ملک کو ہر لمحہ تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں، ملک کے عوام کا چین و سکون دن بدن خوف و دہشت میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے، اس پر کوئی آواز کیوں نہیں اٹھائی جاتی، کوئی باحمیت اور غیرت رکھنے والا کچھ بولتا بھی ہے تو اس کا بول۔ نقارخانہ میں طوطی کی آواز بن کر رہ جاتی ہے۔

چند مہینوں قبل ایک جج کے غیر متعلق فیصلہ یا اپیل پر تو دنیائے صحافت میں بھونچال آگیا تھا۔ جیسے ملک جنگی حالات سے دوچار ہو، لیکن جب ملک کے اندر جرائم کو جنم دینے والی اور ہماری مشرقی شرم و حیا کو مٹا دینے والی فلموں اور ٹیلی ویژن کیسٹوں کے بارے میں ہمارے ملک کے ایک باحیا اور غیرت مند دہلی کے میٹرو پولیٹن مجسٹریٹ مسٹر کے چترویدی" نے پولیس کے ایک اعلا افسر کو حکم دیا کہ ایسی تمام فلموں اور ٹیلی ویژن سیریلوں کے کیسٹ جمع کرکے ان کے سامنے پیش کئے جائیں جن میں پر تشدد، فحش، ناشائستہ اور مخرب اخلاق مناظر دکھائے گئے ہوں، نیز فلم اور دوردرشن۔ کے ان حکام کا بھی پتہ لگایا جائے جن کی اجازت سے یہ چیزیں سینما گھروں اور ٹیلی ویژن کے مختلف چینلوں پر دکھائی جا رہی ہیں" تاکہ ان کے خلاف ضابطہ فوجداری کی متعلقہ دفعات کے تحت کارروائی کی جاسکے۔

۱۴ر اگست ۱۹۹۵ء کو ایک اپیل پر فیصلہ دیتے ہوئے مسٹر چترویدی نے حکومت کی اس

پالیسی کی شدید نکتہ چینی کی جس کے تحت یہ فحش اور اخلاق کش چیزیں بڑے پیمانے پر دکھانے کی اجازت دی گئی ہے مجسٹریٹ نے ڈپٹی پولیس کمشنر (کرائم) سے کہا ہے کہ اس پوری صورتحال کی تحقیق کی جائے۔ پندرہ صفحات کے اپنے حکم نامہ میں مجسٹریٹ نے عام لوگوں سے بھی کہا ہے کہ ایسی بیہودہ فلموں اور سیریلوں کے بارے میں اپنی معلومات وشکایات سے متعلقہ پولیس افسران کو مطلع کریں۔[1]

ہمارے جج صاحب کتنے قابل قدر ہیں جنھوں نے اپنی مشرقی شرم وحیا، انسانی حمیت وغیرت اور ملک واہل ملک کی بھلائی اور حالات کے سدھار کے لئے یہ فیصلہ دیا ہے اس فیصلہ کا تعلق کسی خاص فرقہ یا جماعت سے نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے اس قدیم وقدیمی روایت کی ریت رکھنے والے ملک کے ہر باشندے سے ہے۔

لیکن کیا ہماری صحافت نے کچھ بھی اس کی طرف توجہ دی اور اس مثبت وتعمیری اور ملک کو مصیبتوں کی دلدل سے نکالنے والے فیصلہ کو بنیاد بنا کر ملک کے عوام کے اندر حیا وشرم، جرائم سے بچنے اور بچانے کی کچھ بھی تلقین کی کوئی مؤثر اور انسانیت کا سبق پڑھانے والا مضمون لکھا؟ ایسا کیوں؟ یا ہمارے عوام نے کوئی ریلی اور جلوس نکالا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا ملک اب مغرب کے اس اصول پر چل پڑا ہے کہ وہ سب کچھ کرنا درست ہے جس میں اپنا فائدہ ہو، ملک کو اخلاقی گراوٹ، تشدد ودہشت گردی، آوارگی وبے حیائی کی طرف لے جانے والی فلموں پر پابندی نہ لگانے میں بھی یہی اصول کام کرتا ہے۔

اس لئے کہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ اشتہارات کی تقریباً چار ارب روپئے سالانہ آمدنی ہو رہی ہے اس آمدنی کے اضافہ کے جنون میں تمام ملکی اخلاقی اقدار کو بھلا دیا گیا ہے اور ملک کے پورے معاشرہ کو بربادی کے غار کی طرف ڈھکیلا جارہا ہے۔

اسی طرح سے جو نجی زمرہ کی فلمیں تیار ہوتی ہیں ان کے ٹیکس کی آمدنی سے ریاستی حکومتوں کو بھاری نفع ہوتا ہے لہٰذا ملک کی اخلاقیات تباہ ہوتی ہیں تو ہوں ان پر پابندی کیسے لگائی جائے۔ اس غلط پالیسی کا نتیجہ کسی اخلاق سوز واقعہ، کسی قتل یا ڈاکہ کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے جس کو ہم روز دیکھتے رہتے ہیں۔ اور یہ نتیجہ تو نکلنا ہی چاہیئے۔ کانٹے بو کر پھولوں کی امید کیسے کی جاسکتی ہے۔

مذکورہ ساری تفصیلات کے نتیجہ میں جو حالات پیدا ہوگئے ہیں وہ ہمارے ملک کو ہر لمحہ تباہی کی طرف لے جارہے ہیں اور اہل ملک اس سے بالکل غافل ہیں کہ ہمارے ملک کا مستقبل کتنا تاریک سے تاریک تر ہوتا جارہا ہے۔

انسانیت کا پودا سوکھ رہا ہے۔ کوئی اس میں پانی ڈالنے والا نہیں۔ اس میں پانی ڈالنے کے لئے کچھ لوگوں کو میدان میں آنے کی ضرورت ہے اور اس طرح اٹھ کھڑے ہونے کی ضرورت ہے جس طرح بدیسیوں کو ملک سے نکالنے کے لئے آزادی کی جنگ لڑی گئی تھی اور آخر ملک کو آزاد کرالیا تھا، کاش ہماری مشرقی شرم وحیا پھر سے جاگ اٹھتی، اور ہم مغرب سے آئی ہوئی بے حیائی کی چیزوں کو اس طرح چھوڑ دیتے ہیں، اور اس کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرتے جو ترک موالات کے زمانہ میں بدیسی مال کے ساتھ معاملہ کیا تھا اور اس میں آگ لگائی تھی، ہم مغرب سے آئے ہوئے علوم وفنون میں ضرور ترقی کریں لیکن ان کی بے حیائی اور فحش کاری پھیلانے والی چیزوں سے اس طرح دور بھاگیں جیسے شنودی مرض یا آج کی ایڈز کی بیماری کے مریض سے بھاگا جاتا ہے ہم جب یہ ہمت کریں گے تبھی ہمارا ملک تباہی سے بچ سکتا ہے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا اور کچھ نہ کر دکھایا جس پر ہمارے بعد آنے والی نسلوں کا آشیرواد ملے، بلکہ ان کے لئے جنگل کا قانون چھوڑ کر چلے گئے۔ تو وہ ہمیں کوسیں گی گالیاں دیں گی۔ کہ دنیا کے علوم وفنون کو ترقی کے بام عروج تک پہنچنے کے بعد ہمارے نادان بڑوں نے ہم کو پھر جنگل کے جانوروں جیسا بنادیا۔ اور ہم سے انسانیت کا جامہ اتروا کر چلے گئے۔

---

[1] سہ روزہ دعوت دہلی ۲۰ر ستمبر ۱۹۹۵ء

خطبۂ صدارت

اجلاس دوازدہم (۱۲)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ احمد آباد۔ گجرات

منعقدہ ۷، ۸ ؍اکتوبر ۱۹۹۵ء میں پڑھا گیا۔

از:۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم إلی يوم الدين۔

حضرات علمائے کرام، برادران اسلام وحاضرین جلسہ!

اہل عرب جب کسی عمل یا کارروائی کے متعلق یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ برمحل اور برموقع ہوئی تو کہتے ہیں "جاء فی مکانہ وفی أوانہ" یہ اپنے صحیح محل ومقام اور مناسب موقع اور وقت پر پیش آئی (یا پیش کی گئی)

اس حقیقت پسندانہ جملہ کی روشنی میں پہلے اس حقیقت اور واقعہ کا اعتراف و اعلان کیا جاتا ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ بارہواں (۱۲) اجلاس اپنے صحیح محل ومقام پر ہورہا ہے، اور پھر عرض کیا جائے گا کہ وقت اور ضرورت کے تقاضہ کی بنا پر منعقد کیا جارہا ہے اور وہ ایک فریضہ کی ادائیگی اور حقیقت پسندی اور فرض شناسی کا ثبوت ہے۔

جہاں تک اجلاس کے محل ومقام کی مناسبت اور اس اہم اجلاس کے یہاں منعقد کرنے کے جواز بلکہ معقولیت اور صحیح انتخاب کا سوال ہے صوبۂ گجرات (جو اس صوبہ کا قدیم تاریخی اور علمی دنیا میں معروف نام ہے) کے بارے میں ہندوستان کے اسلامی عہد کے سب سے بڑے مؤرخ وسوانح نگار پدر بزرگوار مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء[1] کی کتاب کے چند اقتباسات پیش کرنے پر قناعت کی جائے گی، جو گجرات کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔

"علوم وفنون میں اگر گجرات خیر زا تھا۔ تو حدیث کی خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت رکھتا تھا، علم حدیث کی سرگرمی کے ساتھ ساتھ یہاں فقہ میں بھی شاندار کارنامے انجام پائے تھے، ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ کی علمی اور تمدنی سرگرمیوں کی تاریخ اتنی مسلسل اور طویل نہیں ہے جتنی گجرات کی"

اس اجلاس وموضوع کی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ گجرات کا فقہ حنفی اور اصول فقہ میں بھی امتیازی حصہ ہے، یہاں مفتی رکن الدین ناگوری نے جو نہر والہ کے مفتی تھے، فقہ حنفی کی دو سو چار (۲۰۴) کتابوں کو پیش نظر رکھ کر فتاویٰ حمادیہ تصنیف کی، جس کے حوالے فتاویٰ عالمگیری میں جا بجا ملتے ہیں۔

اسی طرح مفتی قطب الدین (م ۹۹۹ھ) کا ذکر کئے بغیر بھی رہا نہیں جاتا جن کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا۔ علامہ قاضی شوکانی صاحب نیل الاوطار نے اپنی کتاب "البدر الطالع" میں بڑے بلند الفاظ میں انکا ذکر کیا ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حرمین شریفین اور دیار عرب میں، جن کے فضل وکمال کا سب سے زیادہ اعتراف کیا گیا اور جن سے استفادہ کو باعث فخر وشرف سمجھا گیا، وہ زیادہ تر علمائے گجرات تھے۔ وکفی بہ فخرا وشرفا۔

اس سلسلہ میں وزیر آصف خان کا نام لینا کافی ہوگا۔ جن کو یہ شرف وخصوصیت حاصل ہے کہ علامہ ابن حجر مکی نے ان کے حالات پر مستقل رسالہ لکھا، جس میں وہ لکھتے ہیں

"جس زمانہ میں آصف خاں مکہ معظمہ میں آکر رہے تھے عجیب طرح کی رونق مکہ معظمہ میں پیدا ہوگئی تھی، علماء وفقہاء ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے، گھر گھر علم کا چرچا ہوگیا تھا، مکہ والوں نے تحصیل علم میں پوری کوشش کی تھی، انھوں نے اہل علم پر اپنے احسان وکرم کے دائرہ کو اس قدر وسیع کر دیا تھا جس کی نظیر ان کے معاصرین میں بلکہ ایک مدت سے مفقود تھی، علامہ عزالدین عبدالعزیز زمزمی نے آصف خاں کی مدح میں چھیاسی (۸۶) شعر کا قصیدہ لکھا"

---

[1] متوفی ۱۳۴۱ھ - ۱۹۲۳ء مصنف نزہۃ الخواطر الإعلام بمن فی تاریخ الهند (۱-۸) الثقافة الاسلامية في الهند، الهند في العهد الإسلامي - (عربی) یاد ایام، تاریخ گجرات گل رعنا (اردو)

علوم دینیہ بالخصوص فقہ وقضاء وافتاء کی صلاحیت میں علمائے گجرات کے امتیاز واختصاص کا نتیجہ تھا کہ سلطنت دہلی نے بھی ان کے اس امتیاز واختصاص سے فائدہ اٹھایا، اور ان کو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز کیا، قاضی شیخ الاسلام گجراتی دار الملک دہلی کے قاضی تھے ۱۰۸۶ھ میں عالمگیر نے اُن کو مجبور کر کے "أقضیٰ القضاۃ" کے عہدہ عنایت کیا، اس عہدۂ جلیلہ کے فرائض انہوں نے نہایت آزادی اور راست بازی کے ساتھ انجام دیئے اور حق بات کے ظاہر کرنے میں کسی بادشاہ کے سامنے بھی نہیں چوکے، ان کے بعد ان ہی کے داماد قاضی ابوسعید ۱۰۹۴ء میں ان کی جگہ "أقضیٰ القضاۃ" کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے، عہد عالمگیری میں دہلی کے اقضیٰ القضاۃ کے عہدہ کے لئے گجرات ہی کے علماء کا منتخب ہونا اس کے علمی وفنی امتیاز کا کھلا ثبوت ہے۔

شخصی، خاندانی وموروثی سلطنت کے دور میں والیانِ سلطنت اور ان کے وزراء کا نہ صرف متبع شریعت وسنت ہونا، بلکہ صلاح وتقویٰ میں اور شرع ودین کی واقفیت میں ممتاز ہونا پوری قلمرو، زیر حکومت علاقہ اور خواص وعوام کے طبقہ پر اثر انداز ہوتا ہے، اور اس سے پوری قلمرو میں دین کا احترام اور شریعت پر عمل کرنے کا جذبہ اور رُجحان پیدا ہو جاتا ہے، اس سلسلہ میں بھی گجرات کو ایک محدود لیکن طویل مدت تک) یہ امتیاز حاصل رہا ہے، کہ یہاں بعض ایسے سلاطین صاحب اقتدار اور فرمانروائے ملک رہے ہیں جن کی نظیر کم سے کم ہندوستان کے صوبوں کی تاریخ اور سلاطین وقت کی سوانح (سلطان محی الدین اورنگ زیب کو مستثنیٰ کر کے، جن کو بعض فضلائے عرب نے "سادس الخلفاء الراشدین" کا لقب[1] دیا ہے) میں مشکل سے ملتی ہے، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نمایاں مظفر شاہ حلیم گجراتی (م ۹۳۲ھ) کی ذات ہے، مولانا سید عبدالحی صاحبؒ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"فضل وکمال کے ساتھ تقویٰ وعزیمت کی دولت بھی اس نے خداداد پائی تھی، تمام عمر نصوص احادیث پر عمل رہا، ہمیشہ با وضو رہتا، نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا، روزے عمر بھر نہیں چھوٹے۔"

ان سلاطین میں بعض ایسے سلاطین گزرے ہیں، جن کی خدمتِ دین، اشاعتِ علم اور اس کی سرپرستی کا دائرہ گجرات کے حدود سے نہیں بلکہ ہندوستان کے حدود سے بھی نکل کر مرکز ومصدرِ علم دین، حجاز مقدس تک وسیع تھا، دکفیٰ بہ فخرا وشرفا۔

مولانا سید عبدالحی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"محمود شاہ دوم (م ۹۶۱ھ) کی توجہ وسرپرستی سے مکہ معظمہ میں ایک عظیم الشان مدرسہ باب عُمرہ سے متصل قائم کیا گیا جس میں علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی اور عز الدین عبدالعزیز زمزمی وغیرہ علمائے مکہ تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے، علاوہ اس کے کئی رباط اور مکتب مکہ معظمہ میں تعمیر کئے گئے۔"

محمود شاہ نے اس پر قناعت نہیں کی بلکہ اس نے خلیج کنبایہ (کھمبایت) میں ایک بندرگاہ کی آمدنی محض حرمین محترمین میں رہنے والوں کے واسطے وقف کر دی تھی، یہاں سے ایک لاکھ اشرفیوں کی قیمت کا مال جدہ بھیجا جاتا تھا۔ اور اس کے بھیجنے میں جو کچھ صرف ہوتا تھا، وہ خزانۂ شاہی سے دیا جاتا تھا۔ اس مال کے فروخت سے جو کچھ آمدنی ہوتی تھی۔ وہ سب اہل حرمین محترمین پر تقسیم کر دی جاتی تھی۔[1]"

حضرات! ان قابلِ فخر تاریخی حقائق اور گجرات کے شاندار علمی ودینی دور کا تقاضہ ہے کہ حفاظت وحمایت شریعت بلکہ غیرت دینی وحمیّت اسلامی کا جو قدم ہندوستان بلکہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں اٹھایا جائے، اور مسلمانوں کو پوری شریعت پر عمل کرنے، جس میں وہ عائلی قانون (پرسنل لا) بھی داخل ہے، جس کی بنیاد کتاب وسنّت کے نصوص، آیاتِ قرآنی اور احادیث صحیحہ پر ہے اور اپنے معاشرتی معاملات، ازدواجی وعائلی زندگی کے مختلف مراحل اور تقاضوں کے سلسلہ میں شرعی وقانونی طور پر خود کفیل ہونے اور اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کی دعوت دی جائے تو اہلِ گجرات اس پر لبیک کہیں اور اس کے لئے اپنے صوبہ کی فضا کو موافق ومعاون بنائیں، بلکہ اس کی کامیابی اور نفاذ کے لئے اگر ہندوستان کے کسی گوشہ سے بھی صدا لگائی گئی ہے اور اس کے لئے جد وجہد شروع کی گئی ہے تو اس کے ساتھ پورا تعاون واشتراک کریں۔

حضرات! اب جب اسلام کے عائلی قانون کا تذکرہ آگیا ہے تو مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عائلی قانون کی بلندی وبرتری، اس کے انسانیت کے احترام، فطرت انسانی سے مطابقت، عورت کے اسلام میں مرتبہ اور

---

[1] نامور عرب ادیب ومصنف علامہ علی الطنطاوی مرحوم

[1] یاد ایام ص۵۶ بحوالہ ظفر الوالہ مصنفہ محمد بن عمر الآصفی

اس کے حقوق کے اعتراف، اسکے ساتھ انصاف بلکہ رعایت و فیاضی کے بارے میں بھی کچھ عرض کیا جائے، اور قوانینِ عام مروّجہ دنیا کے مختلف مذاہب و تہذیبوں، اور معاشرتی و ازدواجی زندگی کے رائج الوقت نمونوں اور مناظر کو سامنے رکھ کر، تقابلی مطالعہ (COMPARATIVE STUDY) کی روشنی میں کچھ غیر مسلم مفکرین، ماہرین قانون، تمدن و تہذیب عالم کے مؤرخین اور فضلاء کے اقوال پیش کئے جائیں، جنہوں نے اسلام کے عائلی قانون کی برتری، انصاف پروری، احترام انسانی نہیں بلکہ احترام نسوانی کا برملا اعتراف کیا ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے بھی محسوس کی جاتی ہے کہ عام طور پر غیر اسلامی ذرائع ابلاغ، پریس۔ اور یک طرفہ ناقدین نے اس کے بارے میں عام طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کا عائلی قانون، طبقہ نسواں کیساتھ انصاف پر مبنی نہیں ہے، وہ قدیم تہذیب و معاشرت اور اس عہد کی یادگار ہے جب عورت کو وہ درجہ نہیں دیا جاتا تھا جس کی وہ مستحق ہے، اور یہ قانون اب اس ترقی یافتہ دور میں باقی رہنے اور چلنے کے قابل نہیں ہے، جب حقائق سے پردہ اٹھ گیا ہے، قدیم رسم و رواج داستان پارینہ بن گئے ہیں، عورت زندگی میں برابر کی شریک ہے، اور اب ترقی یافتہ مغرب ہی اس سلسلہ میں قابلِ تقلید و استفادہ ہے۔

اس پروپیگنڈہ کا کچھ اثر مسلمان بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر پڑا ہے اور وہ ایک طرح کے احساس کہتری (INFERIORITY COMPLEX) میں مبتلا ہو گیا ہے اور اس میں اپنے عائلی قانون پر افتخار ہی نہیں اعتماد و اطمینان اور دفاع کا جذبہ بہت جگہ سرد پڑ گیا ہے۔ ہم اس موقع پر چند مغربی ماہرین قانون، مؤرخین تمدن و تہذیب اور مغربی دانشوروں کے اقوال پیش کرتے ہیں، جنہوں نے صاف اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام کا عائلی قانون دوسرے قوانین کے مقابلہ میں کہیں زیادہ منصفانہ، حقیقت پسندانہ اور کہیں زیادہ طبقۂ نسواں کے احترام اور اس کے ساتھ انصاف و مراعات پر مبنی ہے، یہ بیانات ہمارے مرعوب تعلیم یافتہ طبقہ کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دینے کے لئے کافی ہیں۔ جس نے آزاد تقابلی مطالعہ کی زحمت گوارہ نہیں کی، اور وہ یک طرفہ سطحی بیانات سے متاثر ہے۔

اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے ایک مغربی فاضلہ کا بیان پیش کرتے ہیں اس لئے کہ اس سلسلہ میں خواتین زیادہ حساس (SENSITIVE) جذباتی، زود احساس اور رقیق الشعور (SENTIMENTAL) واقع ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ ان کے طبقہ کا قضیہ ہے اور وہ اپنے طبقہ کی طرف سے دفاع اور اس کی حمایت اپنا فرض سمجھتی ہیں۔

مسز اینی بسنٹ (MRS. ANNIE BESANT)

ہندوستان میں ایک تربیتی اصلاحی تحریک کی قائد اور جنوبی ہند کے ایک ثقافتی ادارہ (تھیاسوفیکل سوسائٹی) کی صدر رہی ہیں، انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا تھا، وہ اپنی کتاب "ہندوستان کے عظیم مذاہب" میں لکھتی ہیں:۔

"قرآن مجید کی آیت ہے وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا (النساء ۱۲۴) (اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے گا (خواہ) مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا) پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات عام اخلاقی ہدایات میں محدود نہیں، بلکہ عورتوں کی وراثت کیلئے پورا قانون قرآن میں موجود ہے، اور وہ قانون اپنے عدل و انصاف اور آزادی کی وسعت اور کارفرمائی میں اس مسیحی و انگریزی قانون سے کہیں زیادہ فائق ہے جس پر اب سے بیس سال پہلے تک برطانیہ میں عمل ہوتا رہا ہے۔ اسلام نے عورت کے لئے جو قانون بنایا ہے وہ ایک مثالی قانون کا درجہ رکھتا ہے، اس نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت، اور امکانی حد تک ان کی مدد کا ذمہ لیا ہے اور ان کے کسی ایسے حصہ پر (جو وہ اپنے اعزاء و بھائیوں اور شوہروں سے پائیں) دست درازی کا سدّ باب کر دیا ہے۔[۱]"

ایک دوسری جگہ لکھتی ہیں:۔

"ایک زوجگی و تعدد ازدواج کے الفاظ نے لوگوں کو مسحور کر دیا ہے، اور وہ مغرب میں عورت کی اس ذلت پر نظر ڈالنا نہیں چاہتے جس سے اس کے اولین محافظ سڑکوں پر صرف اس لئے پھینک دیتے ہیں کہ اس سے ان کا دل بھر جاتا ہے، اور پھر وہ ان کی کوئی مدد نہیں کرتا۔[۲]"

عظیم و نامور فرنچ مصنف و دانشور گستاؤلیبان اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تمدن عرب" میں لکھتا ہے:۔

"میراث کے وہ اصول جو قرآن میں صراحت کے ساتھ آئے ہیں، وہ عدل و انصاف کا ایک واضح مظہر ہیں، ان کے اور ان حقوق و قوانین کے درمیان مقابلہ کرنے سے جو فرانس و انگلستان میں عورت کے بارے میں ہیں، صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی نے شادی شدہ خواتین کو (جن کے بارے میں مغرب میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مسلمان ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے)

---

[۱] کتاب، ہندوستان کے عظیم مذاہب ۱۱

[۲] (Annie Besant "The life and teachings of Muhammad, Madras-1932 P. 3)

میراث کے وہ حقوق دیتے ہیں جنکی نظیر ہمارے قوانین میں نہیں ملتی، اسلام کا اثر مشرق میں عورت کی پوزیشن پر بہت گہرا اور وسیع تھا، اس نے عورت کی معاشرتی پوزیشن کو گھٹانے کے بجائے بہت بلند کردیا ان تمام دعاوی و مزعومات کے خلاف، جو بغیر کسی دلیل و مطالعہ کے یورپ میں دہرائے جاتے ہیں، قرآن نے عورت کو وہ وراثتی حقوق عطا کئے ہیں، جو ہمارے مغربی قوانین سے کہیں بہتر ہیں، اسلام میں عورتوں کے مرتبہ و اہمیت پر اس سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ عربوں کے تمدن کے عروج کے زمانہ میں ان میں کثرت سے ایسی خواتین نظر آتی ہیں جو بڑا بلند علمی و ادبی مقام رکھتی تھیں[۱] عہد عباسی میں ان کی ایک بڑی تعداد مشرق میں اور عہد اموی میں اسپین (اندلس) میں پائی جاتی تھی[۲]"

[۱] ان باکمال و بافیض خواتین کی فہرست بہت طویل ہے اور اس کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا، جن میں ان فاضلات و معلمات، ادیبات و شاعرات اور صالحات و عابدات خواتین کے تراجم ہیں، یہاں پر صرف ایک نام لینا کافی ہوگا، جن کا نام کریمہ بنت احمد بن محمد المروزیہ (م ۴۶۳ھ) تھا اور جو صحیح بخاری (جو اصح کتاب بعد کتاب اللہ کہی جاتی ہے) کی راویہ تھیں اور ان سے کثیر التعداد طالبان علم حدیث اور محدثین نے سند لی ہے، اور وہ اس بارے میں بہت سے مرد شیوخ حدیث سے زیادہ تلامذہ و مستفیدین کی تعداد رکھتی ہیں۔

[۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تمدن عرب" کا باب چہارم "مشرقی عورتوں کی حالت، ترجمہ شمس العلماء سید علی بلگرامی مطبوعہ اترپردیش اردو اکیڈمی ص ۳۶۵-۳۶۸

والٹیر (VOLTAIRE) اپنے مضمون میں، جو فلسفۂ قرآن کے عنوان سے ہے، ڈکشنری آف فلاسفی (DICTIONARY OF PHILOSOPHY) میں لکھتا ہے۔

"ہم اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ قرآن، عورت کا وہ امتیاز مانتا اور بیان کرتا ہے، جو اس کو فطرت کی طرف سے ملا ہے لیکن قرآن اس بارے میں تورات سے مختلف نظر آتا ہے کہ وہ عورت کی فطری کمزوری کو "خدائی سزا" نہیں مانتا، جیسا کہ سفر التکوین الاصحاح الثالث نمبر ۱۶ میں ہے۔

یہ غلط بیانی اور تلبیس کی بات ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عظیم شارح کی طرف عورتوں کے حق میں زیادتی و ناانصافی منسوب کی جائے، حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ:۔

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝ (النساء ۱۹)

اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں، تو عجب کیا کہ تم ایک شئی کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی رکھ دے۔

نیز

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (الروم ۲۱)

اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کردی، بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے رہتے ہیں۔

ایک دوسرا مغربی مصنف اپنی کتاب (DEFENCE OF ISLAM) میں لکھتا ہے۔

"اگر معاشرتی نقطۂ نظر سے یورپ میں عورت ایک بلند مرتبہ و مقام پر پہنچ گئی ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کی پوزیشن مذہبی و قانونی حیثیت سے چند سال پہلے تک (اور بعض مقامات پر اب تک) اپنے مرتبہ و مقام میں اس سے کم ہے، جو مسلمان خاتون کو عالم اسلامی میں حاصل ہے"[۱]

مسٹر (N. J. COULSON) لکھتے ہیں

"بلاشبہ عورتوں کی حیثیت کے بارے میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملہ میں قرآنی قوانین افضلیت کا مقام رکھتے ہیں، نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں، جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مظہر ہیں۔۔ اسے قانونی شخصیت عطا کی گئی جو اس سے پہلے حاصل نہیں تھی، طلاق کے قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی تبدیلی جو کی ہے وہ عدت کو ان میں شامل کرنا ہے"[۲]

حضرات! ان نقول و اقتباسات کے جو اسلام کے عائلی قانون کی نہ صرف معقولیت، انصاف پسندی بلکہ امتیاز و برتری کی شہادتوں پر مشتمل تھے، پیش کرنے

[۱] (SPIRIT OF CIVILISATION P. 268)

[۲] (Islamic Surveys: A History of Islamic Law, Edinburg 1971 — P. 14)

کے بعد اہل دین و اہل دانش کے اس تاریخی اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ حقیقت بھی پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات اور فلسفۂ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت و تہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر و محفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے، اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اپنے عائلی و خاندانی روابط و تعلقات میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائیگی اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں۔

اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں، اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوت ارتداد کا کرنا چاہئے، اور یہ ہمارا شہری، آئینی، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور، اور اس جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اسکی اجازت دیتاہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقا اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی، ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون و اطمینان میں مضمر ہے۔

مگر ابھی آئینی اور حکومتی سطح پر کوئی ایسا اقدام یا خطرہ سامنے نہیں آیا تھا، جس کا کھلے طور پر نوٹس لیا جائے، اور اس خطرہ کو دفاع کرنے، یا اس سے محفوظ رہنے کی منظم اور جمہوری طریقے پر کوشش کی جائے کہ اچانک سپریم کورٹ کی طرف سے یکساں عائلی قانون کے نفاذ کا مطالبہ کیا گیا، اور حکومت کو توجہ دلائی گئی کہ وہ دستور ہند کے اس رہنما اصول کو نافذ کرے، کہ اس سے ملک میں اتحاد، معاشرت میں یکسانی اور وحدت پیدا ہوتی ہے اور اس سے ملک بعض خطرات کا ازالہ ہوتا ہے، جو بعض فرقوں (بلکہ صحیح معنی میں اکثریت) کو پیش آرہے ہیں[1]۔

سپریم کورٹ کے اس شگوفہ کو چھوڑنے سے جو دستور ہند کے بنیادی اصول اور دفعہ "مذہب میں عدم مداخلت" کے بالکل منافی اور اقلیت کے لئے ایک چیلنج ہے، مسلمانوں کو اور خاص طور پر دین کا علم اور ملی غیرت رکھنے والوں اور ان میں بھی خصوصی طور پر مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں کو چونکا بلکہ لرزا دیا، جنہوں نے مطلقہ کو دائمی نفقہ دینے کے خلاف مہم چلائی تھی، اور سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کو منسوخ کرانے میں جو اس نے شاہ بانو کیس میں کیا تھا، غیر معمولی اور تاریخی کامیابی حاصل کی تھی۔

سپریم کورٹ کی حکومت کو اس توجہ دہانی اور پریس میں اس کے آجانے کے بعد سے مسلمانوں میں (بلا اختلاف فرقہ واریت، حلقۂ خیال اور سیاسی تنظیم و پارٹی) ایک کھلبلی سی مچ گئی، اور شاہ بانو کیس سے بھی زیادہ اس سے مذہب میں صریح مداخلت کے خطرات پیدا ہوگئے اس لئے کہ شاہ بانو کیس صرف ایک جزئیہ سے تعلق رکھتا تھا، اور وہ مطلقہ کو دائمی نفقہ دینے کا مسئلہ تھا، جس کی شریعت اسلامی میں کوئی قید و شرط نہ تھی، لیکن یونیفارم سول کوڈ پوری شریعت اسلامی، نکاح وطلاق تعدد ازدواج کی اجازت، نفقہ و میراث سب کے لئے ایک چیلنج اور ان کے ازالہ اور سد باب کے لئے دروازہ کھولتا تھا، اور مسلمانوں کے لئے (جو ایک مکمل آسمانی شریعت مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰہ کتاب اور عادلانہ و مطابق فطرت معاشرتی قانون رکھتے ہیں) خطرہ کی ایک گھنٹی بلکہ زندگی کی پوری چلتی ہوئی گاڑی کے لئے خطرہ کا اور روکنے کا ایک سگنل تھا۔

پھر سپریم کورٹ کی یہ توجہ دہانی بالکل ایک بے وقت، بے ضرورت اور بے فائدہ کام تھا کہ اس سے ملک کے حالات میں کوئی بہتری، باہمی اعتماد کی فضا اور ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے کوئی جذبہ اور جوش نہیں پیدا ہوتا تھا، بلکہ ملک میں ایک نئے انتشار کا اندیشہ اور صف آرائی کا خطرہ تھا اس لئے کہ مسلمان اپنے عائلی قانون کو (بجا طور پر) عقائد و فرائض کی طرح دین کا ایک جزء اور قرآن کا ایک حصہ سمجھتے ہیں، اس عائلی قانون کی بنیادیں، اس کے اہم اجزاء قرآن مجید میں (نصوص کی صورت میں) صراحۃً موجود ہیں، پھر اس سے ملک کے مختلف فرقوں اور مذہبوں میں کسی طرح بھی اتحاد اور وحدت نہیں پیدا ہوسکتی کہ اس کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں، اور دن رات اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ ایک ہی عائلی قانون رکھنے والے ایک دوسرے سے برسرپیکار اور دست و گریباں ہیں[2]۔

---

[1] ان میں سب سے زیادہ اہمیت دوسری شادی کرنے کے لئے اکثریت کے بعض افراد کے قبول اسلام کے معدودے چند واقعات کو دی گئی۔

[2] اگرچہ وزیر قانون نے اس کا اعلان کردیا اور اطمینان دلا دیا ہے کہ بعض ہندو احیاء پرست (جماعتوں) کے اس مطالبہ کو منظور نہیں کیا جائے گا، اور قانون کی صورتحال جو ابھی تک تھی باقی رہے گی اور مرکزی حکومت کی طرف سے بھی بعض ایسے اشارے دیئے گئے ہیں، لیکن مسلمانوں کو بحیثیت ملت اور مسلمانوں کے عائلی قانون کے تحفظ کے مقصد کے لئے قائم ہونے والی جماعتوں بالخصوص آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو اس سلسلہ میں بیدار اور چوکنا رہنا چاہئے کہ کسی وقت بھی ہندو احیاء پرستی کے جوش میں یا سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے یہ مطالبہ زندہ ہوسکتا ہے، اور اس کے لئے کوششیں پھر سرگرم ہوسکتی ہیں، اسلامی حمیت اور خطرات کا شعور رکھنے والی جماعتوں کے لئے حکیم شاعر کا پیغام ہے۔

ع

مکتب عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

اس سلسلہ میں کچھ فیصلے اور اقدامات ضروری ہیں، جو اس ملک میں جو آئینی حیثیت سے اور اعلان کی حد تک سیکولر (SECULAR) ہے لیکن عملی اور واقعاتی طور پر وہ اکثریت کے مذہب، تہذیب ومعاشرت اور رجحانات کے تابع ہوتا جارہا ہے، اور یہاں تدریجی طور پر ملک کا رُخ اکثریت کے ترجمان وپسندیدہ نظام تعلیم، طرز عمل اور عائلی قوانین ورسوم کی طرف پھیرا جارہا ہے۔

۱۔ پہلا ضروری اقدام وفیصلہ یہ ہے کہ اس ملک میں جا بجا شرعی دارالقضاء قائم ہوں۔ جہاں سے عائلی اختلافات وتنازعات اور واقعات وحوادث کا شرعی فیصلہ معلوم کیا جائے اور اس پر عزم وخلوص اور دیانتداری کے ساتھ عمل کیا جائے اس سے مسلمان خاندان اس طوالت، مصارف کثیرہ اور سب سے بڑھ کر شریعت کی مخالفت کے امکان وخطرہ سے بچ جائیں گے، جس کا عدالتی فیصلوں سے خطرہ ہے اور اسکے بار بار تجربے ہوچکے ہیں، پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شرعی فیصلہ پر فریقین اکثر راضی ہوگئے ہیں اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے ہیں، اور وہ محاذ آرائی ختم ہوگئی ہے، جو اس سے پہلے موجود تھی، پھر اس سے ان کو وہ اجر وثواب ہوتا ہے، جو حکم خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم جھکا دینے سے حاصل ہوتا ہے، اور وہ خدا کے حکم سے اس سرتابی اور بغاوت سے بچ جاتے ہیں، جس کے بارہ میں قرآن مجید کے صاف الفاظ ہیں:۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (المائدہ ۴۷)

اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔

اس سلسلہ میں اسلام کے عائلی قانون پر کتاب کی تدوین مکمل ہوچکی ہے اور ضرورت ہے کہ وہ جلد زیور طبع سے آراستہ ہو اور اس کا انگریزی وہندی میں ترجمہ بھی ہوجائے اور اسی کی روشنی میں ایسی شرعی عدالتوں "اسلامی دارالقضاء" میں فیصلے ہوں۔

۲۔ دوسرا کام "اصلاح معاشرہ" کا کام ہے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اسلام صرف چند عقائد وفرائض اور عبادات مفروضہ کی ادائیگی میں محدود نہیں، وہ ایک پورا نظام حیات ومعاشرہ ہے، جس کا تعلق دونوں انسانی جنسوں (ذکور واناث) اور ہر عہد اور ہر ملک کے مسلمانوں سے ہے، مسلمانوں کی زندگی اور معاشرت اپنے تمام اقسام ومراحل کے ساتھ) شریعت کے اس سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہونی چاہئے، جو اللہ کے آخری رسولؐ قیامت تک کے لئے لے کر آئے اور جس کے بارے میں واضح الفاظ میں اعلان کردیا گیا کہ:۔

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ ۔ ۳)

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کردی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کرلیا۔

اور اسی حکمت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہر نبی کو انسانی لباس میں (بشری حیثیت سے) بھیجا تاکہ وہ اپنی امت متبعین، اور اپنے ملک ومعاشرہ اور اپنے عہد کے زندہ انسانوں اور مختلف الانواع طبقات کے لئے نمونہ اور مثالی وقابل تقلید ہستی بنے، خود سید المرسلین وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نوع بشر کے لئے اسوۂ کامل بنا کر بھیجا، اور آپ کو ان تمام مراحل اور زندگی کے شعبوں سے گزارا، جو انسانی زندگی کے فطری وضروری شعبے ہیں، یعنی صحت ومرض، شباب وکہولت، فراغت ومجاہدہ، صلح وجنگ، ازدواجی زندگی، اولاد کی پیدائش بھی اور ان میں سے بعض کی وفات بھی، پھر بعض دختران خاندان نبوت کے فریضۂ ازدواج کی ادائیگی، پھر ان سب مراحل وشعبوں کے بارے میں (حدیث وسیرت کے ذریعہ) مستند ترین معلومات مہیا کرنے اور محفوظ رکھنے کا غیبی انتظام فرمایا، جس کی مثال صالحین ومتقین، مصلحین ومعلمین کا کیا ذکر، گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی نہیں ملتی، اور پھر اس سب کے بعد فرمایا:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب۔ ۲۱)

رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لئے یعنی اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روزِ آخرت سے اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔

پھر اس کے بعد آپ ہی کی حیات طیبہ مبارکہ میں دارالہجرہ مدینہ میں وہ اسلامی معاشرہ قائم کیا، جو زندگی، قدرت واستطاعت، فراغت وعسرت، شباب وکہولت، خاندانی وقبائلی اختلافات، ذوق وصلاحیت کے تنوع کے ساتھ ایک زندہ، متحرک، حساس، عمل واختیار کی صلاحیتوں کے تنوع کے ساتھ آپ کی حیات طیبہ میں دس سال تک اور آپ کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کے عہد میں ایک مثالی معاشرہ تھا، اس میں قدرۃً وفطرۃً شادیاں بھی ہوتی تھیں، نکاح بھی ہوتے تھے، اور طلاق بھی، بیٹی کو نکاح کے بعد رخصت بھی کیا جاتا تھا، اور بہو کو بیاہ کر گھر بھی لایا جاتا تھا، مہر بھی معین ہوتا تھا، اور کسی نہ کسی شکل ومقدار میں جہیز بھی دیا جاتا تھا، والدین کے انتقال کے بعد میراث بھی تقسیم ہوتی تھی، اور املاک وجائداد میں حصہ بھی دیا جاتا تھا۔ تجارت، زراعت اور انواع معیشت میں مشارکت وحصہ داری بھی ہوتی تھی، غرض زندگی اپنی پوری تنوع کے ساتھ موجود تھی اور مستند ترین تاریخی ذرائع (تاریخ ومستند ومتواتر

روایات کے ذریعہ) ہمیں ایسی تصویر محفوظ ہے، جس میں ان سب کے نمونے انواع و الوان، مظاہر و مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، جو عشرۂ مبشرہ میں ہیں، مہاجر ہیں اور قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے ہیں، اور اس کا پورا امکان ہے کہ اوپر ان کے خاندان کے اور بنی ہاشم (خاندان رسالت) کے رشتے بھی ہوئے ہوں، ایک دن معمول کے مطابق آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو آپؐ ان کے لباس میں عطر کی ایسی خوشبو پاتے ہیں، جو عام طور پر اس سے پہلے نہیں ہوتی تھی، آپؐ سوال فرماتے ہیں کہ عبد الرحمٰن! کیا بات ہے، آج تمہارے کپڑوں میں بہت عطر لگا ہوا ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ یا رسول اللہؐ! میں نے نکاح کیا ہے، اس پر حدیث و روایات کی کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا کہ آپؐ نے شکایت و استعجاب کا کوئی لفظ فرمایا ہو کہ عبد الرحمٰن! اتنی جلدی یہ بے تعلقی یا بے مروّتی، تم نے ہمیں خبر بھی نہیں کی اور نہ دعوت دی، اور نہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف سے معذرت و شرمندگی کا کوئی جواب منقول ہے، حالانکہ یہ مسلّم ہے اور تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ یثرب (جو اب مدینہ طیبہ ہے) کوئی ایسا بڑا شہر نہیں تھا، جہاں اطلاع دینے کے لئے کوئی بڑا فاصلہ طے کرنا پڑتا اور یہ بھی ایک تجربہ اور مشاہدہ کی بات ہے کہ ایک شہر یا ایک نسل و پیشہ کے لوگ جب ترک وطن کر کے کسی دوسرے ملک یا شہر میں جاتے ہیں تو عام طور پر قریب ہی رہتے ہیں، اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے مزاج اور روایات سے واقف ہوتے ہیں، اور خواتین کو بھی ایک دوسرے سے ملنے جلنے میں آسانی ہوتی ہے، آپؐ یہ سننے کے بعد کہ عبد الرحمٰن بن عوف نے نکاح کیا، صرف یہ فرماتے ہیں کہ "اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ" (دیکھو ولیمہ ضرور کرنا، چاہے ایک بکری کا ہو)

یہ واقعہ اور روایت اس پر پوری روشنی ڈالتی ہے کہ عقد و نکاح کوئی ایسی ہنگامہ خیز اور زلزلہ انگیز تقریب یا واقعہ نہیں ہے کہ سارے شہر کو، پوری برادری کو، اور اہل تعلق کو اس کی خبر کی جائے اور ان کو مدعو کرنا ضروری سمجھا جائے ورنہ یہ سخت قابل شکایات بات ہوگی اور پھر اس میں ایسے اہتمام اور دھوم دھام سے کام لیا جائے، جس سے نکاح کرنے والے یا اس کے سرپرست یا خاندان کی حیثیت عرفی (SOCIAL POSITION) کا اظہار و تعیین ہو۔

مدینہ طیبہ کی اس مثالی اور معیاری معاشرہ اور طرزِ زندگی کے بعد عرصۂ دراز تک (جب تک مسلمان بیرونی تمدنوں اور طرزِ معاشرت سے متاثر نہیں ہوئے اور ان میں اظہارِ شان و شوکت کی بیماری نہیں آئی) یہی طرزِ نکاح و ازدواج اور اس کی سادگی اور محدودیت قائم رہی، عام طور پر مساجد میں نکاح ہوتے تھے، بعض مرتبہ کسی نماز کے بعد اچانک اعلان کر دیا جاتا تھا کہ نماز کے بعد حاضرین تشریف رکھیں، فلاں کا نکاح ہوگا، اکثر خاندان کے تمام افراد کو بھی اس کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی تھی[1]

لیکن جب مسلمان ان ملکوں میں جا کر بسے، جہاں دوسرا نظامِ معاشرت، طریقۂ شادی و غمی اور طرزِ زندگی رائج تھا، جس میں عزت و افتخار، شہرت و ناموری اور حبّ جاہ کا جذبہ کام کر رہا تھا، یا وہ اس ملک کے قدیم روایات کے مطابق تھا، جس میں دین و مذہب کا کم اور رسم و رواج کا زیادہ دخل تھا، اور جو وہاں کے مذہبی علم برداروں اور اجارہ داروں کے تساہل و تغافل اور ایک حد تک تعاون کا نتیجہ تھا تو مسلمان جن کو اس معاشرہ و ماحول پر اثر ڈالنا چاہئے تھا اور اس کی اصلاح کرنی چاہئے تھی، وہ لٹے اس معاشرہ و ماحول اور طرزِ زندگی سے متاثر ہوئے اور انہوں نے نکاح کے اس مسنون فریضہ کو، جو نہایت سادگی اور سہولت سے ادا کیا جا سکتا تھا، ایک "ہفتخواں" سر کرنے کے مرادف بنا دیا جس کے لئے بعض اوقات سودی قرض لینے، املاک کو فروخت کرنے یا رہن رکھنے کی نوبت بھی آجاتی ہے" اور وہ تمام قبائح و منکرات اس میں شامل ہو جاتے ہیں جن سے شریعت نے روکا ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین و شریعت کے صحیح ترجمانوں نے ان کی مذمت کی ہے،

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل مذمت اور لائق توجہ مسئلہ زیادہ سے زیادہ جہیز دینے کے مطالبہ کا ہے جس کو خود مسلمانوں نے اختیار کر لیا ہے، کہیں اس کا نام "تلک" ہے، کہیں "گھوڑا جوڑا" اس کے سلسلے میں وہ قابل مذمت اور لائق نفرت اقدامات بھی پیش آنے لگے ہیں اور بیاہی خاتون کے تشدد، احتجاج اور مطالبہ کے وہ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جو نہ صرف شرعاً و اخلاقاً مذموم ہیں بلکہ وہ وحشت و جاہلیت کی یادگار ہیں، جب دولت کی معبود کی طرح پرستش ہوتی ہے، اور اس کے حصول کے لئے سب کچھ جائز سمجھا جاتا تھا۔

پھر اسی طرح طلاق کے بارے میں، ترکہ کی تقسیم و میراث کے بارے میں، رفیقۂ حیات کے حقوق کی ادائیگی اور معاشرت کے بارے میں بہت سی کوتاہیاں مسلمانوں کے معاشرہ اور عائلی زندگی میں ایسی داخل ہوگئی ہیں، جنہوں نے اسلامی معاشرہ کا امتیاز اور وقار کھو دیا ہے، اور کثیر التعداد مشکلات پیدا کر دی ہیں، جو محض اس شریعت سے روگردانی اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے، جو ایک نعمتِ خداوندی

---

[1] ریاست ٹونک میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان کے وہ لوگ، جو صوبۂ سرحد سے زندہ سلامت واپس آئے تھے اور دیگر افراد خاندان، ان کے وطن رائے بریلی سے آکر بس گئے تھے اور اسی وجہ سے اس محلہ کا نام "قافلہ" پڑ گیا، یہی دستور تھا۔
معذرت کے ساتھ بطور لطیفہ لکھا جاتا ہے کہ ابھی حال میں راقم سطور نے لکھنؤ کی ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد نماز جمعہ ختم ہونے پر وہیں منبر پر بیٹھ کر بیٹی کا نکاح پڑھائے اور یہ سب کام بغیر کسی شور و ہنگامہ کے ایک گھنٹے کے اندر ختم ہو گیا۔

کے طور پر انسانوں کو دی گئی تھی۔

ان حقائق کے پیشِ نظر جنھوں نے اسلام کی عمومیت، ابدیت، مطابقِ فطرت ہونے اور نعمتِ خداوندی ہونے پر پردہ ڈال دیا ہے، اور مسلمان معاشرہ کو صدہا مشکلات میں اور قبائح میں مبتلا کر دیا ہے، ایک عالمگیر تو نہیں، لیکن ہندگیر مہم چلانے کی ضرورت ہے، یہ کام "اصلاح معاشرہ" کے عنوان سے مسلم پرسنل لا بورڈ نے شروع سے اپنے پروگرام میں داخل اور اپنے فرائض میں شامل کیا تھا۔ اس سلسلہ میں پٹنہ میں، لکھنؤ میں، میرٹھ میں اور بستی میں اور بعض دوسرے مقامات پر "اصلاحِ معاشرہ" کے نام سے کامیاب اور کثیر الازدحام کانفرنسیں ہوئیں، جن میں پوری طاقت و تاثیر کے ساتھ عقائد و فرائضِ اسلام کی پابندی کے ساتھ، اس کے معاشرتی نظام اور عائلی زندگی کے احکام کو قبول کرنے اور ان پر پورے عزم و قوت کے ساتھ عمل کرنے کی دعوت دی گئی، اور صفائی کے ساتھ اس آیت کی روشنی میں مکمل اور مسلمانوں کو کامل اسلام کے قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (البقرہ ۲۰۸)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

ضرورت ہے کہ یہ کام ہندگیر پیمانہ پر ہو، جابجا "اصلاحِ معاشرہ" کے وسیع و مؤثر جلسے ہوں اس میں صوبۂ گجرات کے، جس کی شاندار علمی و دینی تاریخ اور اس کے اس امتیاز و تفوق کا ذکر، خطبہ کی ابتدا میں آ چکا ہے، جو اس کو صرف اس برصغیر میں نہیں بلکہ (ایک طویل عرصہ تک) عالمِ عربی و اسلامی میں حاصل رہا ہے، ہر طرح شایانِ شان قرینِ قیاس اور حسبِ توقع ہے، وَاللہُ الموفق والمعین۔

آخر میں اس اعزاز کے لئے، جو صدارت کی شکل میں ناچیز کو حاصل ہوا۔ اور اس توجہ والتفات اور حسنِ استماع کے لئے جس کا مظاہرہ حاضرینِ جلسہ نے اظہار کیا، اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

(بقیہ) تاریخ دعوت و عزیمت

جہانگیر نے حضرت مجدد کی دینی صلابت اور استقامت کا نمونہ سجدۂ تعظیمی اور آدابِ شاہی سے انکار اور گوالیار کی اسیری میں پوری عزتِ نفس اور معافی نہ مانگنے کی شکل میں دیکھا۔ حضرت مجدد کے روحانی فیوض و برکات اور ان کی صحبت کی تاثیر کو سیکڑوں غیر مسلموں کے قبولِ اسلام کی شکل میں دیکھا پھر لشکرِ شاہی کی طویل رفاقت میں ان کے زہد و استغنا اور ان کی عبادت اور معمولات کی پابندی کو بھی دیکھا مجلس کی گفتگو میں ان کے رسوخ فی العلم کا بھی تجربہ کیا۔ جہانگیر اس سے بہت متاثر ہوا۔ قلعہ کانگڑہ جو مسلمان سپہ سالاروں کے بجائے راجہ بکرماجیت کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ اس سے متعلق جہانگیر نے لکھا ہے۔

"ماہ مذکور (ذی) کی ۲۴ تاریخ کو قلعہ کانگڑہ کی سیر کے ارادہ سے نکلا میں نے حکم دیا کہ قاضی و میرِ عدل اور دوسرے علمائے اسلام ہمرکاب ہوں جو اسلامی شعائر اور دینِ محمدی کے شرائط ہیں وہ اس قلعہ مذکور میں لائیں۔ توفیقِ الٰہی سے اپنی موجودگی میں اذان دلوائی خطبہ پڑھا۔ ذبیحہ گاؤ بر اپنے سامنے عمل کرایا۔ شکر کا سجدہ ادا کیا اور حکم دیا کہ ایک بلند و بالا مسجد قلعہ کے اندر تعمیر کی جائے"

حضرت مجدد صاحب نے بدعتِ حسنہ کے خلاف جو قلمی جہاد شروع کیا۔ مشائخ کے لئے سجدۂ تعظیمی و جد و سماع، نفلی طور پر نماز کی نیت کرنے۔ جماعت کے ساتھ نماز تہجد ادا کرنے اور محفل میلاد کی مخالفت کی یا مکاشفات کے حجت نہ ہونے اور مشائخ طریق و اولیائے کبار کے بجائے ائمہ مجتہدین کے قول کے حجت ہونے کو ثابت کیا اور کشف کی صحت و قطعیت میں کلام کیا پھر اس سب سے بڑھ کر وحدت الوجود سے اور شیخ اکبر کے علوم و تحقیقات سے جن کو علم و معرفت کا سدرۃ المنتہیٰ قرار دیا گیا تھا۔ قدم آگے بڑھایا اور اس کے متوازی وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا۔ ان باتوں نے حضرت کے مخالفین بھی پیدا کیے۔ یہ مخالفت غلط بیانی یا غلط فہمی کے سبب سے بھی ہوئی اور عصبیت اور ذاتی عناد کے سبب سے بھی حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے حضرت مجدد سے اختلاف کیا ان کے بعض اقوال و تحقیقات پر سخت حیرت و وحشت کا اظہار کیا اور مجدد صاحب کو اس سلسلہ میں خط لکھا۔ ان کو خیال گزرا کہ حضرت مجدد نے سیدنا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی پر اپنے کو افضل لکھا ہے حضرت شیخ کی یہ غلط فہمی رفع ہوئی اور انھوں نے بلند الفاظ میں حضرت مجدد کے ساتھ خلوص اور محبت کا اظہار کیا ایسے ہی اور لوگوں کا معاملہ رہا۔

تاریخ دعوت و عزیمت کی چوتھی جلد اس جلیل القدر عالمِ دین کے کارناموں کے بیان پر مشتمل تھی یہ ختم ہوتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ یہ حقیر مضمون نگار نہ صاحبِ کتاب اور مصنفِ کتاب کے ساتھ انصاف کر سکا۔ نہ لیاقت، نہ قلم میں طاقت مگر ہے تو ظلوماً جہولاً میں، یہی اس کی معذرت ہے خدا کرے یہ طلباء کے لئے سودمند ہو۔

— ختم شد —

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

فنڈامنٹلزم اور مسلمان

فنڈامنٹلزم، جس کو اردو میں بنیاد پرستی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، دراصل مسلمانوں کی دینی بیداری کو برا نام دینے کی ایک ترکیب ہے۔ اس اصطلاح کے ذریعہ مسلمانوں کے ذہن کو مذہب پسندی سے یا مذہب کو سماجی زندگی سے علاحدہ رکھنے کی تدبیر کی گئی ہے اس کے ذریعہ مسلمانوں کی مذہب پسندی کو بری شکل میں پیش کرنا مقصود ہے تاکہ ان کی وہ طاقت جو مذہب کی بنیاد پر ان کو حاصل ہوتی ہے، وہ کمزور پڑ جائے اور وہ اپنا کوئی ذاتی دھارا نہ بنائیں بلکہ وہ تقسیم ہو کر دوسروں کے دھاروں میں بہتے رہیں۔

فنڈامنٹلزم کی اصطلاح کو مسلمانوں کے خلاف ایک تخریبی ہتھیار دراصل یورپ نے بنایا ہے۔ اس کو مسلمانوں میں مذہبی بیداری کو دیکھ کر سخت تشویش ہو گئی ہے۔ یورپ یہ ڈر رہا ہے کہ دنیا پر اس کی جو اجارہ داری دو صدیوں سے ہو گئی ہے، اس کو کہیں مسلمانوں کی بیداری چیلنج نہ کرنے لگے، لہٰذا مسلمانوں میں کسی بھی موثر قومی و ملی طاقت کو ابھرنے سے روک دیا جائے۔ اور چونکہ بیداری کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جو حکومتی طاقت یا اسلحہ سے رد کی جا سکے لہٰذا اس کے لئے پروپیگنڈا اور اصطلاحات کی جنگ سے کام لیا جائے، اصطلاحات کی اسی تدبیر سے نصف صدی قبل روس نواز لیڈروں اور کمیونسٹوں نے بھی کام لیا تھا، اور کئی سوسائٹیوں میں انھوں نے اسی سے فتح حاصل کی، کسان مزدور، غریب امیر، مساوات اور امن کے الفاظ سے جو پروپیگنڈا کیا گیا، اس سے ملک کے ملک فتح کر لئے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ اکثر ایسا نعرہ لگانے والے خود اپنے ماحول میں اس پر عمل نہیں کرتے، یہ صرف عوام کے ذہنوں کو متاثر کرنے کے لئے بطور ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ متعدد روسی قائدین غیر معمولی سرمایہ داری بلکہ ظالمانہ دولتمندی کا شکار رہے۔ ان میں خاص طور پر برزنیف جو کمیونسٹوں کے بڑے کامیاب لیڈر رہے ہیں اور دنیا پر ان کا بڑا رعب داب رہا، شخصی طور پر سخت دولتمندانہ اور عیش پسند زندگی رکھتے تھے لیکن پھر بھی غریب نواز اور مزدور مزاج اور ہمدرد عوام سمجھے جاتے رہے کیونکہ دھوکہ دینے والی اصطلاحات استعمال کرتے تھے، اسی طرح یورپ کے بڑے بڑے بظاہر سیکولر لیڈر جو اسلامی مذہبیت کی مخالفت کرتے ہیں اور مذہب کو برا کہتے ہیں۔ اپنے عیسائی مذہب کے داعی اور حامی ہیں، ان سب کے یہ خوشنما نعرے غیروں کو ان کی راہ سے ہٹانے کے لئے اور اپنا تابع بنانے کے لئے ہیں۔

یورپ جس کو بنیاد پرستی اور فنڈامنٹلزم کہتا ہے، وہ اس کو صرف مسلمانوں میں نظر آتی ہے، خود اپنی سوسائٹی میں اور دوسرے مذاہب کی سوسائٹیوں میں نظر نہیں آتی، انڈونیشیا میں عیسائی بنانے والی مشنریوں کو کیا کیا اختیارات حاصل ہیں اور وہ کس طرح مسلمانوں کو ان کے اپنے مذہب کی ترویج سے روکے ہیں لیکن خود عیسائیت کی ترویج کرتے ہیں، ہزاروں تو ان کے ادارے ہیں، ان کے پادریوں کے پاس ہوائی جہاز ہیں، ہیلی کاپٹر ہیں، جن سے جہاں چاہیں، پہونچ جاتے ہیں اور عیسائیت کی تبلیغ کا کام کرتے ہیں، بے تحاشہ پیسہ خرچ کرتے ہیں اس کے باوجود یورپ اس کو ایک مرتبہ بھی فنڈامنٹلزم نہیں کہتا بلکہ اسی ملک میں جو مسلمان اکثریت کا ملک ہے اسلامی دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کو فنڈامنٹل کہتا ہے۔ یہودیوں نے مذہب کے نام پر فلسطین پر قبضہ کر لیا اور مذہبی بنیاد پر اسرائیل نام کی حکومت بنا لی، اصل باشندوں کو ان کے علاقوں سے بے دخل کیا لیکن ان کو یورپ نے اس کام سے نہیں روکا اور نہ اس کو کوئی برا نام دیا اور فنڈامنٹلزم کی اصطلاح کا ان کے لئے استعمال بھی نہیں کیا، لیکن الجزائر میں اسلامی بیداری پسند کرنے والوں نے جب جمہوری طریقہ سے الیکشن جیت لیا تو الیکشن کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ اسلامی فنڈامنٹلزم آرہا ہے اور اس کو ہر قیمت پر روکنا ہے، یہودیوں کی مذہب پرستی جارحیت اور ظلم کی حد تک پہونچ جائے تو بھی وہ فنڈامنٹلزم یا برا کام نہیں ہے لیکن، مسلمانوں کے مذہبی بیداری کی فکر رکھنے والے حضرات اگر جمہوری طریقہ سے الیکشن جیت جائیں تو ان کو اس کامیابی کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ یہ عجیب منطق ہے پھر مستزاد یہ کہ اپنا جمہوری حق مانگنے پر اسلام کے اثر بڑھنے سے ڈر کر سختی کے ساتھ روکا جاتا ہے حتیٰ کہ ظلم و تعدی کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا ہے اس سے اگر مظلوموں کے دلوں میں غصہ بڑھے اور مظلوم لوگ بے قابو ہو کر انتقامی کیفیت میں مبتلا ہو جائیں تو ان کو قصوروار کہا جاتا ہے سبب پر نظر نہیں ڈالی جاتی۔ یورپ خود مسلمانوں کی پر امن مذہبیت کو روکتا ہے اور زبردستی کرتا ہے اور جب مسلمان اس ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں تو ان پر تشدد پسندی اور اصول پرستی کا الزام لگا کر بدنام کرتا ہے۔

اور ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں مذہب پسندی کی شدت اور ناگواری کی یہ تیز لہر کس نے پیدا کی، اس پر بھی غور کرنا چاہئے، یہ صرف علماء، فقہاء

اور اسلامی تحریکوں نے نہیں پیدا کی، یہ دراصل ان حق تلفیوں، زیادتیوں اور سیاسی مظالم سے بھی پیدا ہوئی بلکہ بڑھی ہے جو ساری دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ عراق نے کویت پر حملہ کیا تو اس کو متحدہ اقوام نے فوجیں بھیج کر امریکہ کی سرکردگی میں چند مہینوں کے اندر سخت سزا دی گئی اور اس کی طاقت توڑ دی گئی لیکن بوسنیا پر سربوں کا ظلم و سفاکی تو مدت دراز سے جاری ہے لیکن متحدہ اقوام گومگو میں ہے کہ ظالم عیسائی ہیں، کیسے روکے۔

جہاں جہاں مسلمان ہیں اور وہ مسلمان بن کر رہنا چاہتے ہیں، مسلمان رہنے کے لئے ان کی کوشش کو فنڈامنٹلزم کہہ کر ان کو کیوں مطعون کیا جاتا ہے، ان کے مذہبی حق کو کیوں چھینا جاتا ہے اور پھر اس کو چھیننے میں کیوں ہر طرح کا ظلم کیا جاتا ہے، بوسنیا میں، چیچنیا میں، صومال میں اور اس طرح کے دوسرے علاقوں میں جس طرح اصلی باشندوں کے جمہوری حق کو چھینا جا رہا ہے۔ اس سے وہاں کی آبادی میں غصہ پیدا ہونا اور اپنی مذہبی آزادی کے چھینے جانے پر اس کے دفاع میں لگ جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جب کسی پر ظلم ہوتا ہو، اس کو اس کے مذہب سے روکا جاتا ہو تو اس میں غصہ اور انتقام کا جذبہ پیدا ہوگا، اپنے مذہب کی حالت میں وہ کیفیت اور جذبہ بڑھے گا جس کو یورپ فنڈامنٹلزم کا نام دیتا ہے اور ظلم پر غصہ آئے تو اس کو دہشت گردی کہتا ہے، اس کو یہ سمجھنا چاہئے کہ غصہ طاقت کے استعمال سے کم نہیں ہوتا، چنانچہ اس وقت مسلمانوں کو یورپ سے ناگواری ہے۔ بدنام کرنے سے مسلمانوں کے دلوں سے اپنے مذہب سے وفاداری کا جذبہ اور ناانصافی کے ہتھیار کے ذریعہ سے دبانے سے، بجائے گھٹنے کے، بڑھے گا۔

فنڈامنٹلزم ایک دھوکے کی اصطلاح کے علاوہ کچھ نہیں اور اس کا پروپیگنڈا محض ایک سیاسی تدبیر ہے۔ جو ناکامی پر ہی ختم ہوگی کیونکہ مسلمانوں کی اسلامی بیداری کسی قوم کے خلاف نہیں ہے وہ اپنی سوئی ہوئی کیفیتوں کو بیدار کرنے کا نام ہے اگر اس کے ساتھ جمہوری رویہ اختیار کیا جائے تو دوستی اور باہمی رواداری کی فضا بنے گی اور اگر اس کو کچلنے اور دبانے کا رویہ اختیار کیا جائے گا تو اس میں کامیابی کا امکان نہیں ہے۔

سوال و جواب

* محمد طارق ندوی *

س:۔ کیا ہر نماز کے بعد روزانہ دعا میں فاتحہ پڑھنا سنت یا واجب ہے؟

ج:۔ نماز کے بعد روزانہ دعا میں فاتحہ پڑھنا نہ سنت ہے اور نہ واجب بلکہ اسے اگر ضروری سمجھ کر پڑھے گا تو از روئے شرع یہ بدعت ہے۔

س:۔ میت کو دفن کرنے کے بعد جب لوگ چالیس قدم پر ہوتے ہیں تو ایک آدمی قبلہ رخ ہو کر اذان کہتا ہے کیا یہ حضورؐ سے ثابت ہے کیا کسی صحابی نے قبر اطہر پر اذان دی ہے؟

ج:۔ مذکورہ طریقہ پر اذان دینا از روئے شرع بدعت ہے، اس کا سنت مطہرہ سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

س:۔ جماعت کی نماز میں جب امام سورۂ فاتحہ ختم کر چکے تو کیا مقتدی کو دھیمی آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے۔؟

ج:۔ مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھے گا۔

س:۔ ایک بلی نے مرغی کو پکڑا اور اس کا سر کاٹ کر لیکر بھاگ گئی، بقیہ حصہ کو ذبح کر ڈالا گیا، آیا یہ ذبح شرعاً درست ہے یا نہیں؟۔

ج:۔ بقیہ حصہ کا ذبح کرنا شرعاً غیر معتبر ہے مذکورہ مرغی کا کھانا جائز نہیں ہے۔

س:۔ غیر مسلم سیاسی لیڈر کے انتقال پر اس کے جنازے کے قریب قرآن پاک کی تلاوت کرنا کیسا ہے؟۔ عموماً ہندوستان میں ایسا ہوتا آیا ہے؟۔

ج:۔ غیر مسلم کے لئے قرآن مجید کی تلاوت کرنا نیز اس کے لئے جنت کی دعا کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

س:۔ میں جس آفس میں کام کرتا ہوں وہاں کبھی کام بالکل نہیں ہوتا ہے کیا فارغ وقت میں، میں تلاوت کر سکتا ہوں؟

ج:۔ ہاں آپ فارغ وقت میں جب کہ آفس میں کام نہ ہو ذکر و تلاوت کر سکتے ہیں۔

س:۔ قبرستان میں جنازہ کو زمین پر رکھنے سے پہلے آدمیوں کا بیٹھنا کیسا ہے؟

ج:۔ ادب کے خلاف ہے، جنازہ کو رکھنے کے بعد بیٹھنا چاہئے۔

س:۔ ایک شخص کا انتقال ہو گیا ہے اس کے ذمہ ایک دوست کی کچھ رقم باقی ہے لیکن اب وہ اس رقم کو لینے کے لئے تیار نہیں ہے تو اب کیا کریں۔؟

ج:۔ اس مرحوم شخص سے بقایا ساقط ہو گیا، اب ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا واضح رشید ندوی

جرم کی بالادستی

ترجمہ:۔ محمد احمد ندوی

ملکی اور بین الاقوامی سطح کے اخبارات و رسائل کے اہم موضوعات میں جرائم کا بھی شمار ہوتا ہے، جرائم کے متعلق رپورٹیں اور تفصیلات بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کی جاتی ہیں چاہے جرائم اخلاقی اور جنسی ہوں یا لوٹ مار قتل اور ڈکیتی سے متعلق ہوں بعض اخبارات میں کچھ صفحات خاص ہوتے ہیں اور بعض تو پورے کے پورے جرائم ہی سے متعلق ہوتے ہیں، ان رپورٹوں کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے اور آنکھیں کھلتی ہیں کہ اس وقت پورے عالم میں سماجی جرائم اور اخلاقی گراوٹ کا تناسب کس تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے اس کے لئے کیسے کیسے نت نئے طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں۔

سب سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ اس اخلاقی انارکی اور جرائم کا تناسب ان ملکوں میں بڑھا ہوا ہے۔ جو زیادہ متمدن و ترقی یافتہ کہلاتے ہیں۔ ان میں سرفہرست امریکہ ہے جہاں اس کثرت و زیادتی کے ساتھ جرائم پیش آتے ہیں کہ حکومت بھی جرائم کے اس سیل تند و تیز کو روکنے سے عاجز و درماندہ ہے سماجی جرائم کا رجحان وہاں کے معاشرہ میں اس قدر رچ بس گیا ہے کہ اب اس کو تفریح طبع و تسلیۂ قلب کا ایک مفید ذریعہ سمجھا جاتا ہے چنانچہ بغیر کسی فائدہ و منفعت کے ایک دوسرے کو قتل کر دینا اب وہاں کے لئے کوئی بڑی بات نہیں رہی بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی معمولی تجربہ کے لئے یا محض تفریح طبع کے لئے کسی کو قتل کر دیا گیا یا کوئی اور غیر انسانی حرکت کی گئی۔

امریکہ کے سلسلہ میں جو رپورٹیں شائع ہوتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکی دارالسلطنت میں اس طرح کے وحشیانہ اور غیر انسانی اعمال کا ارتکاب دنیا کے دوسرے ممالک اور شہروں سے بڑھا ہوا ہے اعداد و شمار کے مطابق امریکہ کے اس شہر میں ہر سال اس طرح سے قتل کئے جانے والوں کی تعداد چار ہزار تک پہونچتی ہے، بلکہ ماہر جرائم جیمس فوکس کے قول کے مطابق یہ تعداد آنے والے سالوں میں بڑھتے بڑھتے مزید چھ ہزار تک پہونچ جائے گی یہ ایک ایسا معاشرتی اور سماجی بگاڑ ہے جس نے امریکی سوسائٹی کے در و بام کو لرزہ براندام کر رکھا ہے۔ ان وبائی جرائم کے خطرناک و مہلک اثر سے نہ کوئی گھر محفوظ ہے اور نہ کوئی ریسٹورنٹ ان خطرات کے پیش نظر امریکہ کے بعض ہوٹلوں میں ٹھہرنے والوں کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد وہ اپنے کمروں سے باہر نہ نکلیں، گلی کوچوں میں چلنے پھرنے سے بھی احتیاط کریں۔ حتی کہ دن میں بھی وہ اس سے بچیں اور اس کی بھی تاکید کی جاتی ہے کہ ہر کس و ناکس کی دستک پر وہ دروازہ نہ کھولیں جب تک کہ ان کو پورا اطمینان اور کامل یقین نہ ہو جائے کہ دستک دینے والا شخص اس ہوٹل سے متعلق ہے یا یہاں کا ملازم ہے کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا کوئی مجرم اور انسانیت کا قاتل ہو۔ جو اس پر اچانک حملہ کر بیٹھے۔

جرائم کا وقوع موجودہ زندگی کا طرۂ امتیاز اور جزء لازم بن گیا ہے اس کی لپیٹ سے نہ انفرادی زندگی محفوظ ہے نہ اجتماعی، عام طور پر اس طرح کے جرائم دوستوں، خاندانوں، میاں، بیوی، والدین اور بچوں کے درمیان قتل، بدسلوکی، زیادتی لوٹ کھسوٹ کی صورت میں پیش آتے ہیں اور اس کثرت سے پیش آتے ہیں کہ لوگ ان اخلاقی برائیوں کو اپنی آنکھوں سے ہوتا ہوا دیکھتے ہیں مگر ان کے اندر اس پر نکیر کی جرأت نہیں پیدا ہوتی بلکہ رفتہ رفتہ وہ ان جرائم کے ایسے عادی ہو جاتے ہیں کہ ان کو اس کی فکر و پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ ان کا معاشرہ کدھر جا رہا ہے۔

ارتکاب جرائم میں امریکا کے بعد روس ہے جہاں اس وقت جرائم کا تناسب بہت بڑھا ہوا ہے روس کے اخبار ازویستیا نے وہاں کے جرائم کے متعلق حال میں جو تفصیلات پیش کی ہیں وہ بہت ہی دلدوز ہیں جن کو پڑھ کر ایک شریف طبیعت رکھنے والے انسان کو گھن آنے لگے۔ اس نے اپنے رپورٹ میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس وقت حکومتِ روس پر جرائم پیشہ لوگوں کا تسلط ہے، اس کی سیاست میں وہی دخیل ہیں یہاں کا معاشرہ بھیانک جرائم کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ خاص طور سے اشتراکی نظام کے سقوط و زوال کے بعد رجحان نے اور زور پکڑا اس کا سبب یہ ہے کہ اس نظام سے قبل وہاں کی زندگی قید و بند میں جکڑی ہوئی تھی اور لوگ دولت سے واقف نہ تھے۔ لوگوں کو اپنی ذاتی ملکیت و مال میں تصرف کرنے کا کوئی حق بھی حاصل نہیں تھا بلکہ ان کو ان کی کمائی سے ایک محدود و متعین رقم دی جاتی تھی جس پر وہ گذارا کرتے تھے۔ لیکن جب کمیونزم کے ظالمانہ نظام پر زوال آیا۔ آزادی کے دروازے کھلے اور لوگوں کو اس کا موقع ملا کہ وہ جس طرح چاہیں اور جیسا چاہیں تصرف کریں تو اس کے نتیجہ میں اسیری کی زندگی گذارنے والوں کی ہوس کی آگ ایسی بھڑکی کہ قتل و غارت گری لوٹ کھسوٹ

آبرو ریزی وعصمت دری کا بازار گرم ہوگیا۔ جرائم کے سوتے ابل پڑے، ہر طرف ظلم و زیادتی کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اس رجحان سے اہل سیاست نے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا اپنے مخالفین کے زور و قوت کو توڑنے و مٹانے کے لئے ان جرائم پیشہ اور انسانیت کے دشمن عناصر کی خدمات حاصل کیں بلکہ بعض اخباری رپورٹوں میں یہاں تک ذکر ملتا ہے کہ روس کے اکثر بڑے بڑے لیڈر "مافیا گروپ" سے تعاون لیتے رہیں۔ خود روس کے صدر بورس یلتسن نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ ماسکو کے اقتصادی، انتظامی اور سیاسی شعبوں پر مافیا گروپ کے لوگ حاوی و مستولی ہیں،

یہ موجودہ روس کا دلخراش نقشہ ہے اور جو جمہوریتیں اس کے زیر نگیں ہیں ان کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ روس اس بارے میں پیش پیش ہے دیگر ترقی یافتہ و متمدن ممالک میں بھی سماجی جرائم کا یہ رجحان روز افزوں ہے اس سلسلہ میں امریکا و روس کے بعد جو ممالک سرفہرست ہیں وہ برطانیہ، فرانس، پرتگال، اسپین، اور اٹلی ہیں ان میں بھی اٹلی کو اس اعتبار سے تفوق حاصل ہے کہ یہاں دہشت گردوں اور مافیا گروہوں کو تربیت دی جاتی ہے۔ ان کو جرائم دہشت گردی اور تشدد کے گر و ہنر سکھائے و بتائے جاتے ہیں اس بناء پر اٹلی تخریب پسند عناصر کا سب سے بڑا گڑھ اور اڈا ہے

اٹلی میں اس قسم کے لوگوں یا رجحان کا وجود کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اس کے سرشت میں داخل ہے کیونکہ اٹلی ہی وہ ملک ہے جس میں منظم دہشت گردی جو مافیا کے نام سے موسوم ہے وجود میں آئی۔ وہیں سے یورپ وامریکا کے دیگر ممالک میں منظم مجرمانہ رجحان کو فروغ ہوا۔ "مافیا" کے متعلق آکسفورڈ ریفرنس ڈکشنری میں تحریر ہے "کہ" مافیا ایک خفیہ تنظیم ہے۔ حکومتوں کی مخالفت اور ان سے تعارض کرنا اس کا بہترین مشغلہ ہے مقصد براری کے لئے جرائم کے اسباب و وسائل کو اختیار کرنا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے اس کی ابتدا تیرھویں صدی میں سسیلی میں ہوئی مگر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا دائرۂ اثر شمالی وجنوبی امریکا کے ان اطالوی تارکین وطن کے اندر پھیل گیا۔ جو اپنے آپ کو COSANASTRA کہتے ہیں پھر رفتہ رفتہ اقوام متحدہ امریکا کی مجرمانہ زندگی کے اندر اس کی جڑیں پیوست ہوتی چلی گئیں۔ اور ایسی راسخ ہوئیں کہ اب صورتحال یہ ہے کہ یہ رجحان امریکی زندگی و معاشرہ کا ایک جزء لازم بن گیا ہے،، مقاصد کے حصول کے لئے جائز و ناجائز وسائل اختیار کرنے کا فلسفہ جو اس وقت سیاست عالم کا اہم عنصر ہے خود اطالوی مفکر میکیاویلی کا پیش کردہ ہے۔ مذکورہ ممالک صرف یہی نہیں کرتے کہ وہ انفرادی و اجتماعی، دہشت گردی و اخلاقی برائیوں کے جراثیم کو لوگوں کے اندر عام کریں بلکہ ملکی و حکومتی پیمانے پر بھی معاشرہ میں اس قسم کے رجحان کو فروغ دینے کے لئے کوشاں رہتے ہیں، اگر اس کی نظیر دیکھنی ہو تو سامراج کی طویل تاریخ اٹھا کے دیکھئے جب یورپ نے دوسری قوموں کو محکوم وغلام بنانے کے لئے ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے مغلوب قوموں کو طرح طرح کی اذیتیں پہونچائیں اس سے بڑھ کر انسانی آبادیوں کو تہس نہس کر کے رکھدیا ان کا تمدن، کلچر، زبان و ادب، ان کے قومی اطوار و عادات کو پامال کرنے کے لئے خدا معلوم کتنے طریقے اپنائے۔ ان قوموں اور ملکوں کو اپنی خواہشات کے سامنے سرنگوں ہونے اور اپنی مرضیات کے مطابق چلنے پر مجبور کیا۔ اس کے عہد سامراج میں جو جنگیں ہوئیں ان میں طرح طرح کے ظلم و سرکشی کے ذلت آمیز انسانیت سوز حربے اختیار کئے گئے۔

ظاہری اعتبار سے سامراج کا دور اگرچہ ختم ہوگیا مگر اب تک اس کا ظالمانہ و مستبدانہ سلسلہ اسی زور و قوت کے ساتھ جاری ہے جو پہلے تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس جنگی آلات اور ساز و سامان کا بے پناہ خزانہ ہے۔ مادی وسائل کی اس کے پاس کمی نہیں ہے۔ میڈیا پر جو عصر حاضر کا سب سے طاقتور و کامیاب ہتھیار ہے اس کا تسلط ہے اسی قوت و تفوق کے پیش نظر چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بھی یہ شعور پیدا ہو چلا ہے کہ جب تک مغرب کی نقالی و تقلید نہیں کی جائے گی اس وقت تک ترقی کی راہیں ہموار نہیں ہو سکتیں اس لئے انھوں نے رطب و یابس اچھی یا بری ہر چیز میں اس کی نقالی شروع کردی ہے حتٰی کہ جرائم جیسی گھناؤنی شئی میں بھی وہ یورپ کے پورے مقلد ہیں اور ان کو اس بات کا شدید احساس ہے کہ انفرادی، اجتماعی و ملکی سطح پر کامیابی کے لئے یورپ کی تقلید سے زیادہ کامیاب اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ یورپ کا مرد بیمار و مریض نیم جان بھی دل کھول کر ان ممالک کا تعاون کرتا ہے اخلاقی انارکی سماجی برائیوں کی تعلیم دیتا ہے۔ تاہم اس سلسلہ میں یہ ضرور ہے کہ جو ممالک تہذیبی اور تمدنی اعتبار سے یورپ کو اپنا امام و مقتدا گردانتے ہیں بعض ان میں پورے طور پر یورپ کی تقلید کرتے ہیں اور بعض کچھ چیزوں میں لیکن، سب اسی کے دام فریب میں مبتلا اور اس کی زلفوں کے اسیر ہیں۔ مثال کے طور پر برصغیر کے ممالک کو لے لیجئے ان میں ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور سری لنکا وغیرہ۔ ہیں یہ وہ ممالک ہیں جو فی الوقت یورپ کے ڈائرکٹ اثر سے اگرچہ بہت دور ہیں لیکن ایک عرصۂ دراز تک اسی کی آغوش تربیت و سرپرستی میں رہ چکے ہیں اس لئے طبعی طور پر ان کے اندر یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ تمدنی ترقی میں وہ یورپ کی تقلید کریں یہی وجہ ہے کہ اگر یورپ میں کوئی نئی چیز پیش آتی ہے تو اس کا پرتو یہاں بھی محسوس کیا جاتا ہے۔

طرفہ تماشا یہ کہ جرائم زدہ عناصر فن جرم میں مہارت پیدا کرنے کے لئے یورپ کی مجرمانہ تعلیمات کو اپناتے ہیں۔ اور اسی سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ تعلیمی، ثقافتی اور اقتصادی حیثیت سے جو ممالک پس ماندہ ہیں ان کی پوری

کوشش ہوتی ہے کہ اگر وہ علم صنعت کے میدان میں یورپ سے آگے نہیں بڑھ سکے تو کم از کم جرائم ہی کے میدان میں یورپ پر اپنی برتری و تفوق ثابت کر دکھائیں اور اس سلسلہ میں وہ کام کر دکھائیں جو یورپ سے بھی نہیں ہو سکا۔

پاکستان کی سیاسی و اخلاقی حالت کا وہاں پیش آنے والے واقعات سے جنہیں ہر طرح کے جرائم ہیں انداز ہ کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور سے اس وقت کراچی میں جنگ و جدال کا جو لاوا پھوٹ پڑا ہے اور جو دردناک و المناک حادثات پیش آرہے ہیں دین و مذہب کے نام پر قائم ہونے والے مسلم ملک کی پیشانی پر یہ کلنک کا ٹیکہ ہے۔ اور اس کے لئے ایسا باعث ننگ و عار ہے کہ سیکڑوں سال میں بھی جس کی شناعت کا ازالہ نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں وہاں کی معاشرتی زندگی نہ معلوم کن کن اخلاقی برائیوں آلائشوں سے آلودہ ہے۔ اسمگلنگ منشیات کی تجارت قبائلی خونریزیاں، خانہ جنگیاں، ملکی سیاست میں جرائم زدہ عناصر کا اثر و رسوخ یہ وہ امور ہیں جو ایک مسلم ملک کے لئے صد بار باعث ذلت و عار ہیں۔

بڑے افسوس و درد کی بات ہے کہ پاکستان کا پورا سیاسی نظام یورپ کے تصور پر قائم ہے۔ کبھی کچھ لوگوں نے اس ملک کے بارے میں یہ خواب دیکھا تھا کہ یہاں اسلامی تعلیمات و قوانین کا نفاذ ہوگا، اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کئے جائیں گے، مگر اسلامی شریعت کا نفاذ کجا اب یہاں کی جو صورت حال ہے اس سے آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں کہ حکومت کے تمام سیاسی و انتظامی شعبوں میں ایسے لوگ گھس گئے ہیں جو قانونی مجرم ہیں ان کے جرم کا ریکارڈ بھی موجود ہے مگر جب احساس زیاں جاتا رہے تو پھر نہ اسکا کوئی علاج ہے نہ کوئی تدبیر۔

ھندوستان :۔ حکومت ہند نے ملک میں جرائم کے بڑھتے ہوئے رجحان کے اسباب کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کی کمیٹی کے سربراہ مسٹر دورائے پارلیمنٹ کے ایوان میں جب جرائم کی رپورٹ پیش کی تو لوگ مبہوت ہو گئے، ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور اس وقت ان کو اندازہ ہوا کہ ملک کی باگ ڈور جرائم زدہ عناصر کے ہاتھوں میں ہے۔ اور ان لوگوں نے حکومت کے اندر ایک اور حکومت قائم کر رکھی ہے نیز بہت سی حکومتی کارروائیاں ان مجرم گروپ کے اشارے اور ایما ہی سے کی جاتی ہیں ملک کی اسی صورتحال سے متعلق الیکشن کمیشن کے صدر مسٹر شیشن نے یہ کہتے ہوئے اپنی رائے ظاہر کی کہ اگر الیکشن کے نظام کو درست کرنے کے لئے کوئی مثبت کارروائی و اقدام نہیں کیا گیا تو ملک مجرموں کے ہاتھوں میں ہوگا۔ اور وہی یہاں کے سیاہ و سفید کے مالک ہوں گے۔

ایک اخباری رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک کے اندر انتخابات میں منتخب ہونے والوں کی ایک تہائی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو جرائم زدہ ہوتے ہیں ان میں ایسے وزراء بھی ہوتے ہیں جو قانونی حیثیت سے مجرم ہوتے ہیں، اور ان پر قتل وغیرہ کے کیس و مقدمات عائد ہوتے ہیں اسی طرح دورا کمیٹی نے ایک اور ایسی رپورٹ پیش کی جس نے ہندوستان کے سیاسی حلقوں میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ کہ مافیا گروہوں کو ملک کے سیاسی حلقوں کی تائید حاصل ہے جس سے ملک کی سلامتی خطرہ میں پڑ گئی ہے بلکہ اس کا انتظامی ڈھانچہ و نظام بھی درہم برہم ہوتا نظر آرہا ہے۔ کیوں کہ ان جرائم پیشہ قوموں نے ملک کے نظام قانون کے متوازی اپنی طرف سے ایک نیا قانون وضع کر رکھا ہے جس سے ملک کا قانونی نظام معطل اور غیر مؤثر ہوتا جا رہا ہے۔

ہندوستان کی سینٹرل انٹیلیجنس کی ایک رپورٹ میں مزید کچھ اضافہ کے ساتھ اسی طرح کی تفصیل مذکور ہے جرائم زدہ لوگوں کو سیاسی لیڈروں کی حمایت و تائید حاصل ہے، حکومت کی طرف سے ان کو وسائل فراہم کئے جاتے ہیں ان کے پاس مادی وسائل کی کمی نہیں پولیس ان کی زیر فرمان ہے۔ ارباب قلم و اہل صحافت ان کے خلاف لکھنے سے لرزتے ہیں، کسی کو ہمت نہیں ہوتی کہ وہ ان کے خلاف ایک فقرہ لکھ دے۔ اس مجرمانہ رجحان کو سب سے زیادہ غذا و تقویت جس چیز سے مل رہی ہے وہ میڈیا اور ذرائع اشاعت ہیں ان کی ساری تگ و دو صرف دو چیزوں کے اندر منحصر ہو کر رہ گئی ہے، ایک تو مجرمانہ رجحان کو پروان چڑھانا اور دوسرے جنسی جذبہ کو فروغ دینا اس کی تائید و توثیق ہندوستان کے اس انگریزی اخبار سے بھی ہوتی ہے جس نے حال ہی میں فلموں کا ایک جائزہ شائع کیا جس میں اس نے صاف صاف لکھا کہ اس وقت فلموں کا مقصد اس نقطہ کے اندر سمٹ کر رہ گیا ہے کہ لوگوں کے اندر مجرمانہ، جنسی و شہوانی میلان و رجحان کو عام کیا جائے، وہ اخبار مزید لکھتا ہے کہ اس وقت ان فلموں کی حیثیت ایک تربیت گاہ کی ہے جس کی چہار دیواری میں خون پسینے آلودہ عریاں فلموں کے ذریعہ نوخیز نسلوں کو مجرمانہ کارروائی و جنسیات کی نئے نئے انداز سے تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کے اندر شہوانی جذبات کو ابھار کر ان کے کردار کو مجروح کیا جاتا ہے۔

پہلے ارتکاب جرم کے دو بنیادی سبب قرار دیئے جاتے تھے، جہالت اور فقر و فاقہ، لیکن موجودہ دور میں اس کے برعکس ہو رہا ہے، اب علم و ہنر جرائم کے سرچشمہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ جو ممالک جتنے زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ ہیں وہاں اتنے ہی زیادہ جرائم رونما ہو رہے ہیں، خاص طور سے تعلیم یافتہ اور مالدار طبقہ اس کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے اور انھیں گھرانوں و خاندانوں کے نوجوان زیادہ تر اس میں ملوث ہوتے ہیں۔

فن جرم میں کمال و مہارت پیدا کر لینا موجودہ دنیا میں حصول شہرت کا سب سے آسان و کامیاب طریقہ ہے بسا اوقات ایسے شخص کی شہرت ملک کے بڑے بڑے علماء و لیڈران کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی شہرت و اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جبکہ وہ اسلام اور اس کے مقدسات کو اپنی تنقیدوں کا نشانہ بنائے اور اس پر کیچڑ اچھالے۔ اس دور میں بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ ایک شخص جس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ گوشۂ گمنامی میں وہ اپنی زندگی کے لمحات بسر کرتا ہے مگر جب وہ اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا ہے تو پھر اس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل جاتی ہے۔

اس کی شخصیت بین اقوامی، اس کا ادب، عالمی ادب قرار پاتا ہے، ہر طرف سے اس پر انعامات کی بارش ہوتی ہے، نوبل پرائز اس کو دیا جاتا ہے نیشنلٹی اس کو ملتی ہے، سفر کی تمام سہولیات اس کو فراہم کی جاتی ہیں، دنیا کے بڑے بڑے قائدین و لیڈران اس کو مہمان بنانے پر فخر و سعادت محسوس کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس وقت پورے عالم کا معاشرہ کرپشن، سماجی برائیوں، مجرمانہ رجحان کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ چاروں طرف سے اس کو خطرہ لاحق ہے کیوں کہ موجودہ معاشرہ کا کوئی شعبہ جرائم پیشہ عناصر کے وجود سے خالی نہیں ہے چاہے وہ تعلیم و تربیت کے مرکز ہوں یا سیاست کے وسیع حلقے یونیورسٹیاں ہوں یا سرکاری دفاتر و کارخانے اب یہ سارے کے سارے فساد و بگاڑ کے اڈوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ مردم گری انسان دوستی کے بجائے اب یہاں تخریب کاری و بد دیانتی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس سے بھی افسوسناک و خطرناک پہلو یہ ہے کہ بہت سی اصلاحی و تعمیری کام کرنے والی تحریکوں و تنظیموں نے زمانے کے بدلتے ہوئے تیور و رجحان سے متاثر ہو کر بلکہ مجبور ہو کر اپنے صالح مقاصد کی تکمیل کے لئے دہشت گرد تنظیموں سے پینگ بڑھانا اور تعاون لینا شروع کر دیا ہے جبکہ ان کا شعار تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ان کی ذات سے کسی متنفس کو اذیت تو کیا پہونچتی ان کے ذہن میں اس کا وسوسہ تک نہ گذرتا چہ جائے کہ وہ ان کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے، ان کے ہاتھوں بے گناہ انسانوں کا خون پانی کی طرح بہے، امن و اطمینان کی زندگی بسر کرنے والی بستیوں کو ذرا دیر میں بم کے دھماکوں سے کھنڈرات میں تبدیل کر دیا جائے ان کی وحشت و بربریت و خونریزی سے راہ گیروں دفتری کام کرنے والوں نہتوں کی جانیں آبروئیں محفوظ نہ رہ سکیں اس طرح کے اعمال و افعال کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں تاکہ ہم کسی بھی صورت میں اخلاق و دینی تعلیمات سے میل نہیں کھاتے اس لئے کہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات جنگ و قتال کی حالت میں بھی آداب کی رعایت حقوق کی پاسداری کی تلقین کرتی ہیں۔

مغربی تہذیب کا خمیر جن عناصر سے مرکب ہے وہ جرم و تشدد مقاصد کی تکمیل کے لئے جائز و ناجائز وسائل کو اختیار کرنا ہے، خاص طور سے جرم و تشدد اس کی زندگی کا ایک اہم عنصر و حصہ ہو گیا ہے۔ جس کا طبعی اثر یہ ہوا کہ اس مرد بیمار کی تقلید و نقالی میں بہت سی موجودہ تحریکیں بھی اسی روش پر گامزن ہیں۔

موجودہ خطرناک صورتحال سے معاشرۂ انسانی کے پورے ڈھانچے کو صرف ایک طریقہ سے بچایا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسانی اقدار، اخلاق کریمانہ، دینی تعلیمات کی طرف بازگشت کی دعوت دی جائے تاکہ ایک انسان اپنے انسانی تشخص و وجود کو برقرار رکھتے ہوئے پر سکون زندگی گزار سکے وہ خود بھی محفوظ ہو اور دوسرے بھی اس کے شر سے محفوظ رہیں۔ معاشرت کے آداب و قوانین سے واقف ہو، ایسا نہ ہو کہ وہ جانوروں کا لباس اختیار کر لے پھر ہر ایک دوسرے سے وحشت و خوف محسوس کرنے لگے۔ اعتماد و اعتبار بالکل پارہ پارہ ہو جائے۔ کہ پھر نہ پڑوسی کو اپنے پڑوسی پر کوئی اعتماد ہو نہ بچوں کا ماں باپ پر نہ ماں باپ کا بچوں پر کوئی بھروسہ رہ جائے، ظاہر ہے جب کوئی معاشرہ اس مرحلہ تک پہونچ جائے تو کیا اخلاق و انسانیت نام کی کوئی چیز وہاں زندہ رہ سکتی ہے۔

یورپ اس وقت اسی وبائی مرحلہ سے گذر رہا ہے۔ اخلاق و کردار کی ساری عمارتیں بالکل منہدم ہو گئی ہیں اور یہ حال ہو گیا ہے کہ اگر والدین کسی وجہ سے اپنے بچوں کو کچھ کہہ دیتے ہیں یا مار دیتے ہیں تو بچے اپنی مدد کے لئے پولیس کو بلوا کر ان کے ہاتھوں اپنے والدین کو زدوکوب کراتے ہیں۔ دیار مغرب اور اس کی تہذیب کی آغوش میں پلنے والے بچوں کا یہ حال ہے، اسی کے ساتھ ساتھ وہاں کی ماؤں کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ ان کی سنگدلی و کٹھورپن کا یہ عالم ہے کہ وہ بے محابا اپنی اولاد کو خطرات کے منہ میں جھونک دیتی ہیں۔ اور اپنی ادنیٰ راحت بلکہ تفریح کو قربان کرنے کے لیئے تیار نہیں ہوتی چاہے اس کی وجہ سے ان کے بچوں کی جان چلی جائے۔

یورپ کے فکری حملہ کے نتیجہ میں تیزی کے ساتھ بڑھتے ہوئے مجرمانہ رجحان کے سدباب کے لئے اگر وہ صالح طاقتیں جن کی بنیاد آسمانی تعلیمات و پیغامات پر ہے آگے نہیں بڑھتیں تو انسان انسانی خصوصیات کے ساتھ ناپید ہو جائے گا۔

دعائے مغفرت

مولانا محمد عون صاحب مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن پیتے پور (سیتاپور) کی والدہ محترمہ کا ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ اور قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری

ان دنوں ائمہ کی تنخواہ ..... حکومت سے لینے اور ایک خاص پلاننگ کے تحت حکومت کو اس میں دلچسپی کے مسئلہ پر بحث جاری ہے۔ حیرت ہے کہ ہمارے بہت سے پڑھے لکھے خصوصاً بعض جدید تعلیم یافتہ اور صاحب ثروت حضرات بھی ائمہ کے بڑے ہمدرد نظر آتے ہیں لیکن ائمہ کے احترام اور ان کے اونچے مقام کی تعظیم میں اپنی جیب سے کچھ نکالنے کے روادار نہیں ہوتے۔ اس مسئلہ کے سلسلہ میں حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے۔ اس فتویٰ کے بعد تحریک ائمہ کے سربراہ مولوی جمیل الیاس صاحب براہ راست مفتی صاحب سے ملے اور گفتگو کی، دیگر علماء کرام بھی اس وقت موجود تھے۔ مفتی صاحب نے جمیل الیاس صاحب کو دو ٹوک جواب دیا کہ ہم اپنے موقف پر قائم ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ کے ساتھ جس میں امامت کے منصب بلند کی وضاحت بھی ہے اور مقتدیوں کی ذمہ داری کا بھی احساس دلایا گیا ہے خصوصاً مساجد کے متولیوں کے بارے میں بڑی وضاحت سے بات کی گئی ہے۔ اس فتویٰ کے بعد ایک قیمتی مضمون بھی شامل کر دیا گیا ہے، اس فتویٰ اور مضمون سے بات ایسی واضح اور کھل کر سامنے آگئی کہ اس کے بعد اماموں کا حکومت کا دست نگر بننا اور متولیان مساجد کا غفلت برتنا اور وہ انداز اپنائے رہنا جس کی مضمون میں وضاحت کی گئی اس کو دین و عبادت کی ناقدری کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا جو امت مسلمہ کے لئے باعث شرم بھی ہے اور باعث بے برکتی و نحوست بھی، اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمدردان ائمہ کی غیرت ایمانی کو جگائے اور جھنجھوڑے۔ واللہ ھوالموفق للصواب۔

اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْہُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَکَرِّہْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ مضمون پمفلٹ کی شکل میں شائع کرکے ائمہ مساجد و متولیان کو تقسیم کر دیا جاتا۔

(ادارہ)

سوال:۔ امام مسجد کے لئے امامت کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر لینا جائز ہو تو اس کا معیار کیا ہونا چاہئے؟ آج کل ائمہ مساجد کو تنخواہ بہت کم دی جاتی ہے مساجد کے متولی اور ذمہ داروں کو اس پر توجہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟

ائمہ مساجد کا معقول مشاہرہ کے مطالبہ کے لئے تنظیم بنا کر تحریک چلانا اور اس سلسلہ میں حکومت سے تعاون حاصل کرنا کیسا ہے؟ شرعاً اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اسلام میں منصب امامت کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ ایک باعزت، باوقار اور باعظمت اہم دینی شعبہ ہے یہ مصلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلیٰ ہے امام نائب رسول ہوتا ہے، اور امام اللہ رب العزت اور مقتدیوں کے درمیان قاصد اور ایلچی ہوتا ہے اس لئے جو سب سے بہتر ہو اسے امام بنانا چاہئے، حدیث میں ہے: اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری نماز درجہ مقبولیت کو پہنچے تو تم میں جو بہتر اور نیک ہو وہ تمہاری امامت کرے کہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے مابین قاصد ہے۔ ان سرکم ان تقبل صلوٰتکم فلیؤمکم علماؤکم فانہم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم رواہ الطبرانی وفی روایۃ الحاکم فلیؤمکم خیارکم وسکت عنہ (شرح نقایہ ص ۸۶ ج ۱) دوسری حدیث میں ہے کہ تم میں جو سب سے بہتر ہو اس کو امام بناؤ کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان ایلچی ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

فقہ کی مشہور کتاب "نور الایضاح" میں ہے: فالاعلم احق بالامامۃ ثم الاقرأ ثم الاورع ثم الاسن ثم الاحسن خلقاً ثم الاحسن وجہاً ثم الاشرف نسباً ثم الاحسن صوتاً ثم الانظف ثوباً (ص ۸۱،۸۰) امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو دین کے امور کا زیادہ جاننے والا ہو (خصوصاً نماز سے متعلق مسائل سے سب سے زیادہ واقف ہو) پھر وہ شخص جو تجوید سے پڑھنے میں زیادہ ماہر ہو۔ پھر جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو۔ پھر وہ جو عمر میں بڑا ہو، پھر وہ جو اچھے اخلاق والا ہو، پھر وہ جو خوبصورت اور باوجاہت ہو، پھر وہ جو نسباً زیادہ شریف ہو، پھر وہ جس کی آواز اچھی ہو، پھر وہ جو زیادہ پاکیزہ کپڑے پہنتا ہو۔

اصلاً تو امامت پر اجرت اور تنخواہ (مشاہرہ) لینا جائز نہیں ہے کہ یہ طاعت ہے اور طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے مگر متاخرین فقہاء نے ضرورت کے پیش نظر اجرت اور مشاہرہ لینے اور دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ درمختار میں ہے: ولا لاجل الطاعات مثل الاذان والحج والامامۃ وتعلیم القرآن والفقہ و یفتی الیوم بصحتہا لتعلیم القرآن والفقہ والامامۃ والاذان۔ (درمختار مع رد المحتار ص ۴۶ ج ۵ باب الاجارۃ الفاسدۃ)۔

خادمان مساجد (امام وغیرہ) ومدارس کو ان کی حاجت، علمی قابلیت اور تقویٰ وصلاح کو ملحوظ رکھتے

ہوئے مشاہرہ دینا چاہئے۔ مسجد سے متعلق وقف کی آمدنی میں گنجائش ہو تو اس میں سے، اور اگر گنجائش نہ ہو تو مسلمانوں سے چندہ کرکے ان کی ضرورت کے مطابق مشاہرہ کا انتظام کرنا چاہئے۔

درمختار میں ہے :۔ ویعطی بقدر الحاجۃ و الفقہ والفضل فان قصر کان اللّٰہ علیہ حسیبًا زیلعی وفی الحاوی المراد بالحافظ فی حدیث لحافظ القرآن ما تُسادرھم ھو المفتی الیوم۔ ردالمختار میں ہے (قولہ ویعطی بقدر الحاجۃ) الذی فی الزیلعی ھکذا و یجب علی الامام ان یتق اللّٰہ تعالیٰ ویصرف الیٰ کل مستحق قدر حاجتہ من غیر زیادۃ فان قصر فی ذٰلک کان اللّٰہ علیہ حسیبًا اھ وفی البحر عن القنیۃ کان ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ یسوی فی العطاء من بیت المال وکان عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ یعطیھم علیٰ قدر الحاجۃ والفقہ والفضل والاخذ بھٰذا فی زماننا احسن فتعتبر الامور الثلاثۃ اھ اُی فلہ أن یعطی الاحوج اکثر من غیر الاحوج وکذا الافقہ والافضل اکثر من غیرھا و ظاھرہ انہ لاتراعی الحاجۃ فی الافقہ و الافضل والا فلا فائدۃ فی ذکرھا ویؤیدہ ان عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کان یعطی من کان لہ زیادۃ فضیلۃ من علم اُو نسب اُو نحو ذلک اکثر من غیرہ وفی البحر ایضًا عن المحیط والرأی الی الإمام من تفضیل و تسویۃ من غیر ان یمیل فی ذٰلک الیٰ ھوی وفیہ عن القنیۃ وللإمام الخیار فی المنع و الاعطاء فی الحکم اھ (درمختار وردالمختار ۳۸۹/۳ مطلب فی مصارف بیت المال قبیل باب المرتد)

فی زماننا یہ ذمہ داری متولیانِ مساجد اور محلہ وبستی کے بااثر لوگوں کی ہے۔ ان کو اس اہم مسئلہ پر توجہ دینا بہت ضروری ہے، ائمہ مساجد کے ساتھ اعزاز و احترام کا معاملہ کریں، ان کو اپنا مذہبی پیشوا اور سردار سمجھیں ان کو دیگر ملازمین اور نوکروں کی طرح سمجھنا منصبِ امامت کی سخت توہین ہے۔ یہ بہت ہی اہم دینی منصب ہے، پیشہ ور ملازمتوں کی طرح کوئی ملازمت نہیں ہے۔ جانبین سے اس عظیم منصب کے احترام، وقار، عزت اور عظمت کی حفاظت کی ضرورت ہے۔

متولی اور مہتمم عالم باعمل ہونا ضروری ہے۔ اگر ایسا میسر نہ ہوسکے تو صوم وصلوٰۃ کا پابند، امانتدار، مسائلِ وقف کا جاننے والا، خوش اخلاق، رحمدل، منصف مزاج، علم دوست، اہلِ علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو، جس میں یہ اوصاف زیادہ ہوں اسی کو متولی اور مہتمم بنانا چاہئے۔ ان اوصاف کے حامل اگر متولی ہوں گے تو اچھے اور قابل اماموں کا انتخاب کریں گے اور مساجد کا نظام بھی بہتر سے بہتر ہوگا آج کل نااہل متولیوں کی وجہ سے نااہل اماموں کی بھرمار نظر آرہی ہے اور مساجد میں بدنظمی ظاہر ہو رہی ہے۔

امام مسجد اگر حقیقتاً ضرورت مند اور معقول مشاہرہ کے بغیر اس کا گذر بسر مشکل ہو رہا ہو تو مناسب انداز سے متولیانِ مساجد اور محلے کے بااثر لوگوں کے سامنے اپنا مطالبہ بھی پیش کرسکتا ہے اور ذمہ داران مساجد اور بااثر لوگوں پر ہمدردی اور شفقت کے ساتھ اس طرف توجہ دینا بھی ضروری ہے۔ اس صورت میں اماموں کو ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے منصبِ امامت کی توہین لازم آتی ہو ہرگز جائز نہ ہوگا۔ امام منصبِ امامت کے وقار، عظمت اور قدر وقیمت کا محافظ اور امین ہے ایسا طریقہ جس سے منصب امامت کی تذلیل، تنقیص لازم آتی ہو ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

لہٰذا معقول مشاہرہ کی درخواست کے لئے اپنا معاملہ عدالت اور حکومت کے حوالہ کردینا اور اس مقصد کے لئے ائمہ مساجد کی تنظیم (یونین) بنانا اور اس کا ممبر بننا کسی حال میں بھی قابلِ مدح نہیں بلکہ قابلِ مذمت اور لائقِ ترک ہے۔ اس سے دور رس غلط نتائج پیدا ہونے کے شدید خطرات ہیں اور بہت سی خرابیوں کا دروازہ کھلے گا، اماموں کے تقرر کے سلسلہ میں ہمیں پابند ہو جانا پڑے گا اور ائمہ کے تقرر کے سلسلہ میں جو شرائط اور معیار ہے اس کی پابندی نہ ہوسکے گی وغیرہ وغیرہ...

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں غیروں کا چندہ لینے کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے وہ لائقِ عمل ہے۔ فرماتے ہیں "یہ حکم تو نفسِ عطا کا ہے لیکن نظراً الیٰ بعض العوارض الخارجیۃ کالامتنان علیٰ أہل الاسلام من اہل الکفر قبول کرنا مناسب نہیں فإنّ للإسلام یعلو ولا یعلیٰ والید العلیا المعطیۃ والسفلیٰ السائلۃ ھٰذا ما عندی واللّٰہ تعالیٰ عندہ علم الصواب۔ (امداد الفتاویٰ ۱۹۲/۲ مطبوعہ دیوبند)۔ اسی اصول کو اس وقت بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

نیز یہ عبارت بھی پیش نظر رہے۔ درمختار باب العاشر میں ہے (ھو أی العاشر حر مسلم) بھٰذا العلو حرمۃ تولیۃ الیہود علی الأعمال۔ ردالمختار میں ہے (قولہ ھو حر مسلم) ولا یصح ان یکون کافراً لأنہ لا یلی علی المسلم بالآیۃ بحر والمراد بالآیۃ قولہ تعالیٰ: ولن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً۔ (درمختار وردالمختار ۲/۵۱۔ باب العاشر)۔

لہٰذا از خود اپنا معاملہ ان کے حوالہ کرکے دخل دینے کا موقع ہرگز فراہم نہ کیا جائے۔ فقط واللّٰہ اعلم بالصواب

احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری غفرلہٗ

۱۲ر شوال المکرم ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح

(مفتی) عارف حسن خان

۱۲ر شوال ۱۴۱۵ھ

(استاذ حدیث وفقہ

دارالعلوم اشرفیہ راندیر)

اضافہ اس فتوی کا اہم پہلو یہ ہے کہ ائمہ مساجد کی تنخواہ کے اضافہ کے سلسلہ میں حکومت سے تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ دوراندیشی اور غلط نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ بالا فتوی لکھا گیا ہے۔ اور یہ بلا دلیل نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

"إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ"۔

اللہ کی مسجدوں کو صرف وہی آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں۔ اور زکوٰۃ ادا کریں اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں تو امید ہے کہ یہ لوگ (فلاح و کامیابی کی) راہ پانے والے ہوں گے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ تحریر فرماتے ہیں:۔ نیز یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ خدائے پاک کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہونچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہوسکتے ہیں یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہوسکتا کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی بلکہ متضاد باتیں جمع ہوجاتی ہیں (وہ یہ کہ) مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور؟ (ترجمان القرآن۔ بحوالہ فتاوی رحیمیہ ص۱۶۵ جلد سوم)

جب فاسق فاجر مسلمان تولیت کا اہل نہیں تو غیروں کی تولیت اور مساجد پر ان کی بالادستی کا عدم جواز ظاہر ہے۔

امام کیسا ہونا چاہئے اس کے متعلق بھی جو لکھا گیا ہے یہ پہلو بھی بہت ہی زیادہ قابل توجہ اور لائق اصلاح ہے۔ اس سلسلہ میں احقر کے برادر خورد مولوی سید عبدالاحد مرحوم نے اپنی مشہور کتاب "مسلمان کی ڈائری" میں اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

"مسجد کا امام عالم باعمل بزرگ ہونا چاہئے اگر ایسا نہ ملے تو جسے قرآن زیادہ یاد ہو اور اچھا پڑھتا ہو ایسا امام رکھا جائے۔ آج کل ایسے امام ملنا چنداں مشکل نہیں لیکن اب ایسے امام کی تلاش زیادہ ہے جو متولی کے اشاروں پر چلے اور متولی ایسے ہوتے ہیں جو کسی طرح مسجد کے اہتمام کے اہل نہیں۔

آخر یہ کیا بات ہے کہ ہمیں اپنے معمولی سے کام کے لئے ملازم کی تلاش ہوتی ہے تو ہم بڑی احتیاط برتتے ہیں اور ہر طرح دیکھ بھال کر اپنی پسند کا ملازم رکھتے ہیں لیکن جب مسجد کے لئے امام کی ضرورت و تلاش ہوتی ہے تب ہم مسجد کے لائق نہیں بلکہ اپنے مطلب کا امام ڈھونڈتے ہیں۔ اس وقت نہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ امام سند یافتہ عالم نہ سہی ضروری مسائل سے واقف بھی ہے یا نہیں، قاری اور حافظ نہ سہی لیکن کم از کم قرآن بھی صحیح پڑھتا ہے یا نہیں کس عقیدہ کا پیرو ہے اور کون سے مسلک کا حامی ہے متقد بھی ہے یا فتریے بہار۔ نہ تحقیق ہے نہ تفتیش نتیجہ یہ کہ جو مؤذن بنانے کا اہل نہیں وہ امام بن جاتا ہے اور جو دنیا میں کسی مصرف کا نہ ہو وہ مؤذن بنتا ہے۔

جب متولی مسجد کی ذمہ داری اٹھانے کا اہل نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی مرضی کا نااہل امام ہی تلاش کرے گا۔ گھوم پھر کر دیکھ لیجئے تو نااہل متولی اور نااہل امام کی جوڑی آپ کو اکثر جگہ نظر آئے گی۔ (مسلمان کی ڈائری ص۱۸۱)

اسلام میں مساجد کی بہت ہی اہمیت اور بہت ہی عظیم حیثیت ہے، مساجد مراکز اسلام اور شعائر اسلام ہیں، مساجد روئے زمین پر سب سے مقدس، سب سے پاکیزہ اور سب سے بہترین جگہ ہیں، اللہ تعالی کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، دنیا میں جنت کے باغ ہیں، اسلام کے قلعے اور اہل اسلام کے اجتماعی نظام کے لئے مراکز ہیں، لہذا مساجد کا نظام جس قدر بہتر ہوگا مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی پر اس کے نہایت خوشنما اثرات مرتب ہوں گے، مسلمانوں کا معاشرہ پاکیزہ بنے گا اور اسلام کی روح ان کی زندگیوں میں جلوہ گر نظر آئے گی۔

مساجد کا نظام اور آبادی صرف اس کی ظاہری تعمیر و تزئین، اس کے نقش و نگار اور اس کے فلک بوس مناروں سے نہیں ہے اس کی صحیح آبادی عبادت الہی اور ذکر الہی اور اعمال مساجد سے ہے، ان امور کے پیش نظر مساجد کا صحیح نظام خدا ترس امام، صالح مؤذن اور باصلاحیت و اہل متولیوں پر ہے۔

امام حقیقت میں پورے محلہ، پوری بستی اور پوری قوم کا پیشوا ہوتا ہے لہذا امام بہترین عالم باعمل، مسائل و احکام نماز سے خوب واقف، قرآن مجید باتجوید اور صحیح پڑھنے والا، خوش الحان، سب سے زیادہ متقی پرہیزگار، خدا ترس، خوش اخلاق اور ملنسار ہونا چاہئے، امام ایسا ہو کہ اس کے اندر دین کا درد اور امت کا غم ہو اپنی اور قوم کی اصلاح کی فکر ہو اور اپنے دلسوز بیانات، مواعظ حسنہ اور تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ مسلمانوں میں دین کا شوق، خوف خدا، انابت الی اللہ، عبادت کا ذوق و شوق اور عبادت صحیح و سنت طریقہ کے مطابق ادا کرنے کا جذبہ دنیا کی بے ثباتی اور فکر آخرت، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی فکر پیدا کردے۔ بلاخوف لومۃ لائم معروف (نیکی) کا حکم کرے اور نواہی و منکرات پر نکیر کرے، غمی کا موقع ہو یا خوشی کی تقریبات ہر موقع پر قوم کی صحیح رہنمائی اور اسلامی تعلیمات سے واقف کرائے بدعات اور رسومات کی نشاندہی اور برملا ان پر روک ٹوک کرے۔ خود بھی اسلامی احکامات اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور نورانی سنتوں پر سختی سے عمل کرے اور مسلمانوں کو بھی عمل کرنے کا عادی بنائے، مسلمانوں اور لوگوں کے ساتھ ایسی ہمدردی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے کہ چھوٹے بڑے، مرد عورتیں، اپنے اور پرائے سب اس کے دلدادہ اور دل و جان سے اس پر قربان ہوجائیں حتی کہ اپنے نجی معاملات میں بھی اس سے مشورہ اور رہنمائی حاصل کرکے اس کے مطابق عمل کرنے لگیں، اپنے اعمال و اقوال سے لوگوں میں اسلام کی محبت اور دین کی ایسی عظمت پیدا

کردے کہ ان کو اپنی اور اپنے اہل وعیال اور مسلمانوں کی اصلاح کی فکر پیدا ہو جائے، خود بھی دینی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی فکر کریں اور ان میں اپنی اولاد کو بھی دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ وپیراستہ کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہو جائے اور قوم کے بچے بچیوں کی بھی دینی تعلیم کی فکر پیدا ہو اور اس کا انتظام کریں عورتوں میں بھی دین پر عمل کرنے، نماز، قرآن کی تلاوت اور عبادت کا شوق اور پردہ کی اہمیت پیدا ہو جائے اور ہر مسلمان اپنے گھر سے برائیوں، ناچ گانے، ٹی وی اور وی، سی، آر کی نحوست کو ختم اور دور کرنے کی فکر اور کوشش کرنے لگے، غرض کہ امام کو اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہئے اور اپنی ذمہ داری سمجھ کر محض رضائے الٰہی کے لئے (نہ کہ دنیا کے بے حیثیت چند ٹکوں کے لئے) ان تمام خدمات کو انجام دے، ہر مسجد میں اگر ایسے امام ہوں گے تو انشاء اللہ مسلمانوں کے معاشرہ میں اس کے بہترین اثرات آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

اسی طرح مؤذن دیندار اور صالح ہونا چاہئے جو شخص پابند شرع نہ ہو، فاسق ہو اس کو مؤذن بنانا درست نہیں ہے، خدا کے گھر کا مؤذن دیندار، اسلامی تعلیم احکام دینیہ خصوصاً اذان ونماز کے مسائل سے واقف، اوقاتِ نماز، صبحِ کاذب، صبحِ صادق، زوال، سایۂ اصلی ایک مثل، دو مثل، شفق احمر وابیض وغیرہ کا جاننے والا، بلند آواز، خوش الحان، اذان کے کلمات صحیح ادا کرنے والا ہونا چاہئے، حدیث شریف میں ہے "لیؤذن لکم خیارکم" یعنی تم میں جو صالح ہو وہ اذان کہے۔

(ابوداؤد شریف ص۱۴۲ ج۔۱)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ وینبغی أن یکون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقیاً عالماً بالسنة۔ یعنی مؤذن عاقل سمجھدار، نیک، متقی اور طریقہ سنت سے واقف ہونا چاہئے۔ (ص۵۳ ج۱) اور کبیری میں ہے:۔ واذا ھذا أن الأولی ان یتولیٰ العلماء الاذان لانہ من باب الجماعة والدعاء الیھا فلا یفوضون الی غیرھم علی ما مر وفی الخلاصة عن واقعات الناطفی المؤذن اذا لم یکن عالماً بالأوقات لا یستحق ثواب المؤذنین انتھیٰ (کبیری ص۳۶۲) ..

(نور الایضاح ص۵۹)۔

فی زماننا مؤذنوں میں یہ اوصاف مفقود ہیں، ارزاں اور کم سے کم تنخواہ والا مؤذن تلاش کیا جاتا ہے خواہ اذان صحیح نہ پڑھ سکتا ہو، اذان کے کلمات کہیں دراز اور کہیں مختصر کرکے اذان کی روح ہی کو فنا کر دیتا ہو جس کی وجہ سے اعادہ ضروری ہو جاتا ہے مثلاً اَشْهَدُ کو اَشْدُ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوة کو حَیَّ لَلصَّلٰوة، یا حَیَّا لَلصَّلٰوة، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کو حَیَّ لَلْفَلَاح یا حَیَّا لَلْفَلَاح، اللّٰہ کی جگہ آللّٰہ، اَکْبَرُ کی جگہ آکْبَر اور اَکْبَار اور اسی طرح حَیَّ میں بڑی ح کی جگہ چھوٹی ہ پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سی غلطیاں کی جاتی ہیں، امام وغیرہ جاننے والے حضرات بھی اصلاح نہیں کرتے، اماموں پر اس کی بڑی ذمہ داری ہے، اذان صرف اعلان ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اذان عبادت بھی ہے یہ ہتم بالشان اسلامی شعار بھی ہے اس کو اسی کے شایانِ شان طریقہ سے ادا کیا جائے کہ اسلامی شان معلوم ہو اور سامعین کے قلوب متاثر اور متوجہ ہوں اور اس کی برکتیں ظاہر ہوں۔ "ان الاذان شعار الاسلام"۔ (فتح الباری ص۱۶ ج۱) اور فتح القدیر میں ہے "لأن الاذان من اعلام الدین"۔ (ص۱۹۳ ج۲) اذان دین کی علامتوں میں سے ہے۔ حق تعالیٰ متولیوں کو توفیق دے کہ اس کی اہمیت کو سمجھیں۔

مساجد کا نظام صحیح اور بہتر سے بہتر ہونے کا زیادہ تر دار ومدار عام طور پر متولیوں پر ہوتا ہے اس لئے متولی بہت ہی باصلاحیت ہونا چاہئے اور اس کے لئے سب سے بہتر عالم باعمل شخص ہے، اگر ایسا متولی میسر نہ ہو سکے تو کم از کم دیندار، صوم وصلوٰۃ کا پابند، امانتدار، مسائل وقف کا جاننے والا، خوش اخلاق، منصف مزاج علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم اور ان سے مشورہ کرکے کام کرنے والا، دین اور اہل دین سے محبت اور دین کی فکر رکھنے والا ہونا چاہئے، اگر ایسا متولی ہوگا تو مندرجہ بالا اوصاف سے متصف امام ومؤذن تلاش کرکے ان کا تقرر کرے گا اور پھر ان کی صحیح قدر اور ان کو خدمت کرنے کا موقع فراہم کرے گا اور دینی کاموں کی انجام دہی میں ان کا معین ومددگار بنے گا۔ (مزید تفصیل فتاویٰ رحیمیہ اردو ص۱۶۲ تا ص۱۶۹ ج۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مندرجہ بالا اضافہ کا مضمون احقر کے دردِ دل کی آواز ہے اور دیرینہ تمنا ہے اور یہ صرف پڑھنے پڑھانے کے لئے نہیں بلکہ عمل کے لئے ہے اگر عمل کیا گیا تو انشاء اللہ اس کی نورانیت اور...... برکات آپ خود دیکھیں گے، اللہ تعالیٰ ہماری مساجد کا نظام بہتر سے بہتر بنا دے اور ہر مسجد میں ایسے امام، مؤذن اور متولیوں کا تقرر ہو کہ جن سے مساجد کا نظام صحیح اور بہتر سے بہتر ہو اور مساجد سے مسلمانوں کو صحیح رہنمائی مل سکے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ اللّٰھم آمین بحرمة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

اقبال

ایک مطالعہ

تاریخ دعوت و عزیمت جلد چہارم

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ

قسط (۴) آخری

پروفیسر وصی احمد صدیقی

مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ صوفیا کا عمل حلت وحرمت میں سند نہیں اس معاملہ میں تو امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی ابوالحسن نوری کا عمل اس زمانہ کے صوفیائے خام نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سرود ورقص کو اپنے دین وملت کے طور پر اختیار کیا ہے اور اس کو طاعت اور عبادت بنالیا ہے۔

یہ حمایت شریعت حمیت کی حد تک پہنچ گئی تھی جب کتاب وسنت کے خلاف کسی بات کی سند تصوف کے کسی کتاب یا بزرگوں کے احوال و واقعات سے لائی جاتی تو ان کے قلم سے حمایت شریعت اور غیرت سنت کا طوفان امنڈ پڑتا۔ کسی خادم نے کسی بزرگ (شیخ عبدالکبیر یمنی) کا کوئی ایسا ہی شاذ اور وحشت انگیز قول نقل کیا تھا۔ مجدد صاحب اس کی تاب نہیں لاسکے اور ان کے قلم سے بے اختیار یہ فقرے نکل گئے۔

مخدوما فقیر کو ایسی بات سننے کی تاب نہیں۔ بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل اور توجیہہ کا موقع نہیں دیتی ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی ہمیں کلام محمد صلعم درکار ہے نہ کہ کلام محی الدین بن عربی۔ صدرالدین قونوی اور شیخ عبدالرزاق کاشی۔ ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے۔ فتوحات مدینہ نے فتوحات مکیہ سے مستغنی بنادیا ہے۔

(فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ شیخ محی الدین ابن العربی کی مشہور کتابیں ہیں۔)

اس طرح حضرت نے بدعت حسنہ کی تردید کی ہے۔ فرمایا کہ میں کسی بدعت کو حسنہ نہیں سمجھتا، ہر بدعت گمراہی ہے کسی بدعت میں حسن پائے جانے کا کیا مطلب۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ اگر محفل میلاد منکرات سے خالی ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ جواب میں ارشاد ہوا۔ "مخدوما اس فقیر کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ جب تک اس کا دروازہ مطلقاً بند نہ کردیا جائے گا اہل ہوس اس سے باز نہیں رہیں گے اگر ذرا بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا تو رفتہ رفتہ بات کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔

وحدت الوجود:۔

حضرت بایزید بسطامی کے اقوال ہیں "سبحانی ما اعظم شانی" "لیس فی جبتی الا اللہ" اسی طرح حسین بن منصور حلاج کا نعرہ "انا الحق" خاص طور پر مشہور رہے۔ لیکن شیخ محی الدین بن عربی اس ذوق ومسلک کے مجدد وخاتم اور علمی طور پر بانی اور سرپرست ہیں۔ اس نے ایک مستقل فلسفہ اور "مدرسہ" کی شکل اختیار کرلی۔ چونکہ یہ فلسفہ اور تصوف دونوں کا دقیق ترین مسئلہ ہے اور اس کے سمجھنے کے لئے فلسفہ اور تصوف کی اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے اس لئے میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ میں اس مسلک کے بہت بڑے داعی علامہ عبدالعلی بحر العلوم کی ایک تحریر نقل کرتا ہوں:

حافظ شیرازی کا شعر ہے ؎

"پرتو معشوق گرافتاد بر عاشق چہ شد
ما بدو محتاج بودیم او بہ ما مشتاق بود"

اور حدیث قدسی ہے جس کا ترجمہ ہے میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا پہچان لیا جاؤں لہٰذا خلق کو میں نے پیدا کیا تاکہ میرا ظہور ہو اور مخلوقات مظہر ہو میرا اور میرے اسماء کا پھر ہو دیکھا۔ "لا موجود الا الہ الا اللہ۔ اللہ کے سوا نہ کوئی موجود ہے نہ معبود ہے"!

صوفیاء۔ فلاسفہ اور شعراء میں ۹۰ فیصد اس مسئلہ کے قائل یا اس سے مرعوب ہو کر ہمنوا بنے رہے ہیں۔ شیخ اکبر سے اختلاف کرنے والے زیادہ تر محدثین۔ فقہا اور علماء تھے۔ مگر اہل تصوف و حقائق نے کہا "الناس اعداء ما جھلو" لوگ جس کو جانتے نہیں اس کے دشمن ہوجاتے ہیں۔

اس عقیدہ کی مخالفت کے سب سے بڑے علمبردار ابن تیمیہ تھے مگر ابن عربی کے متعلق اچھی رائے رکھتے تھے۔ انھوں نے تلمسانی اور وحدت الوجود کے داعیوں کے بے باکانہ اقوال نقل کئے۔ یہ اقوال ایسے ہیں جو ہرگز شیخ اکبر جیسے عارف ومحقق سے منظور نہیں پاسکتے تھے۔

ہندوستان آکر اس فلسفہ کے مزاج سے ہم آہنگ ہو کر ایک نیا مکتب خیال پیدا کیا۔ یہاں کے مشائخ میں ایک بڑی تعداد اس مشرب کی حامی اور مبلغ نظر آتی ہے ان میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کے نامی وگرامی شیخ شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں۔

وحدت الشہود:۔

دو نامور شخصیتیں جن کے یہاں وحدت الوجود کے متوازی وحدت الشہود کا ذکر اور اشارات ملتے ہیں۔ وہ حافظ ابن تیمیہ جو اصلاً محدث، متکلم اور فقیہہ تھے۔ اور دوسرے مخدوم الملک شیخ شرف الدین

یحییٰ منیریؒ جو عارف و محقق اور امام تصوف و حقیقت تھے انھوں نے لکھا کہ عام طور پر جس کو وحدت الوجود اور غیر حق کا عدم محض اور فنائے کامل سمجھا جاتا ہے وہ دراصل وجود حقیقی کے سامنے دوسری موجودات کا اس طرح ماند پڑ جانا اور مغلوب ہو جانا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی روشنی ماند ہو جاتی ہے۔ "نابودن دیگر و نادیدن دیگر"۔ کسی چیز کا معدوم اور نابود ہو جانا اور چیز ہے اور نظر نہ آنا اور چیز ہے

مجدّد صاحب کا تجدیدی کارنامہ

مجدد صاحب نے فرمایا کہ وحدت الوجود سالک کے سیر و سلوک کی ایک منزل ہے اس کو عیاناً و مشاہدۃً نظر آتا ہے کہ وجود حقیقی و کامل کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہیں۔ جو کچھ ہے وہ سب ایک ہی وجود ہے باقی سب تلوینات و تنوعات ہیں یا شیخ اکبر اور اس مشرب وجودی کے عارفین کے قول تنزلات ہیں لیکن اگر توفیق الٰہی شامل حال ہو اور شریعت کا چراغ رہنما ہو اور سالک کی ہمّت بلند ہو۔ تو دوسری منزل بھی سامنے آتی ہے اور وہ وحدت الشہود کی منزل ہے مجدد صاحب نے فرمایا کہ عالم اگرچہ اللہ تعالیٰ کے کمالات صفاتی کے لئے آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن آئینہ میں جو عکس پڑ رہا ہے وہ صاحب عکس نہیں سایہ اپنے اصل کا عین نہیں ہو سکتا۔

بہرحال حضرت کا فیصلہ یہ ہے کہ توحید شہودی نام ہے ایک دیکھنے کا یعنی سالک کا مشہود سوائے ایک کے نہ ہو۔ اور توحید وجودی نام ہے ایک کو موجود جاننے کا۔ اور غیر کو معدوم سمجھنے کا۔ مجدد صاحب کے بعد اگر کسی شیخ طریقت اور عارف و محقق کے یہاں وحدت الشہود کا واضح اور بے آمیز نظریہ اور تلقین پائی جاتی ہے تو وہ حضرت سید احمد شہید ہیں ان کے یہاں وحدت الوجود کی پرچھائیں بھی نظر نہیں آتی۔

اب میں ماضی کی طرف پھر جاتا ہوں مجدد صاحب کا ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ انھوں نے ارکان سلطنت سے رابطہ قائم کیا وہ ارکان سلطنت جو بہرحال مسلمان تھے ان کو اپنی گہری واقفیت اور خداداد ذہانت سے معلوم ہوتا تھا کہ دورِ اکبری کے مخالف اسلام منصوبہ میں وہ شریک نہیں تھے۔ وہ اکبر کے بہت سے اقدامات کو ناپسند کرتے تھے لیکن مجبور تھے ان میں متعدد اسلام کی محبّت اور دین کی حمیت سے بھی خالی نہیں تھے۔ ان میں سے کئی ان کے مرشد خواجہ باقی اللہ اور خود ان سے اگر ارادت کا نہیں تو محبت اور عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ مجدد صاحب نے انھیں اپنا مخاطب بنایا۔ ان سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا اور صفحۂ قرطاس پر اپنے دل کے ٹکڑے اتار کر رکھ دیئے یہ خطوط اپنے درد و اخلاص جوش و تاثیر، زورِ قلم اور قوتِ انشائے کے لحاظ سے دینی و اصلاحی تحریک کا ایک بے حد اثر انگیز جزو بن گئے اور سیکڑوں برس بعد بھی آج بھی ان میں اثر و دل آویزی پائی جاتی ہے

اپنے ایک خط میں انھوں نے لکھا ہے کہ قرنِ ماضی میں جو مصیبت بھی سر پر آئی وہ علمائے سوٗ کی جماعت کی نحوست سے پیش آئی، بادشاہ کو یہی لوگ راہ راست سے ہٹا دیتے ہیں۔ ملّت میں جو بہتّر فرقے بنے اور انھوں نے جو راہِ ضلالت اختیار کی ان کے مقتدی بھی علمائے سوٗ تھے۔ یہ حقیر قلیل البضاعت بھی چاہتا ہے کہ وہ سلطنتِ اسلام کے مدد کرنے والوں کے جرگہ میں شامل ہو کر "من کثّر سواد قوم فھو منھم"۔ سیّد فرید کے نام ایک دوسرے خط میں تحریر کرتے ہیں:

اس وقت غریب اہل اسلام جو اس گرداب میں مبتلا ہیں نجات کی امید اہل بیت ہی کے سفینہ سے لگائے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے "مثل اهل بيتي كمثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها هلك"

ایک تیسرے خط میں لکھا۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ اوامر و نواہی کا دسواں حصّہ چھوڑ دو تو ہلاک ہو جاؤ۔ تمھارے بعد ایک گروہ ایسا آئے گا کہ اگر اوامر و نواہی کے دسویں حصہ پر عمل کریں گے تو نجات پائیں گے یہ وقت وہی وقت ہے اور یہ گروہ وہی گروہ ہے خان اعظم کو لکھا۔ اسلام کی بے کسی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمّت کرتے ہیں اور مسلمان احکام اسلام کے اجرا سے مجبور ہیں۔

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

خان جہاں کے نام لکھتے ہیں۔ آپ جس خدمت پر فائز ہیں اگر اس کو شریعتِ مصطفوی پر عمل کرنے کے ساتھ جمع کر لیں تو انبیاء علیہم السّلام والا کام کریں گے اور دین متعین کو منوّر اور معمور کر دیں گے۔ ہم غریبوں اگر سالہا سال جان کھپائیں تو اس عمل میں آپ جیسے شہبازوں کی گرد کو نہیں پہونچ سکتے۔

اِن خطوط سے یہ امراء متأثر ہوئے تھے اور جہانگیر کو غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے یہ چاہا کہ علماء کی ایک جماعت دینی امور میں مشورہ دینے اور غلطیوں سے بچانے کے لئے دربار میں موجود رہے۔ اس نے دیندار اراکینِ سلطنت سے فرمائش کی کہ چار دیندار علماء کو تلاش کر کے دربار میں ہر وقت حاضر رہنے پر آمادہ کریں جو مسائل شرعیہ کو واضح کریں اور ان سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ حضرت مجدد کو اکبر کے دور کے علماء یاد تھے۔ انھوں نے صدر جہاں اور شیخ فرید کو اس مضمون کا خط لکھا۔

خدارا ایسی غلطی نہ کریں۔ بجائے متعدد علمائے ظاہر کے ایک مخلص اور بے لوث عالم ربانی کا انتخاب کریں۔ (باقی صفحہ ۱۵ پر)

مختصر عالمی خبریں

سعید اشرف ندوی

● موجودہ اسلامی مملکت سعودی عربیہ کی تاریخ اٹھارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے اور ١٩٣٢ء میں اس ملک کا نام مملکت سعودی عربیہ رکھا گیا ٢٣ ستمبر کو اس کا قومی دن اسلام کو قومی مذہب قرآن و حدیث پر مبنی قانون کو ملکی قانون، عربی کو قومی زبان، اور ہجری کلینڈر کو قومی کلینڈر قرار دیا۔ ساٹھ سال کی مختصر مدت کے بعد ملک گیر تعلیمی نظام نے مملکت سعودی عربیہ میں شاندار انقلاب برپا کردیا جس کے تحت پرائمری کی سطح سے لیکر یونیورسٹی کی سطح تک اسلامیات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری و سائنس کے مختلف میدانوں میں مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ اور انجام کار گذشتہ چند دہائیوں کے دوران اس مملکت کی تیز رفتار ترقی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اعلا تعلیم یافتہ شہری تیار ہوگئے ہیں، خادم الحرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کا کہنا ہے کہ ہمارے ملک کے نوجوان ہی ہمارا بیش قیمت سرمایہ ہیں ملک کے کل بجٹ کا انیسواں فیصد حصہ تعلیم پر خرچ ہوتا ہے اس وقت سعودی عرب میں سات یونیورسٹیاں اور ۸۳ ٹیکنیکی کالج ہیں جن میں ایک لاکھ ۴۵ ہزار طلباء زیر تعلیم ہیں۔ اور ساٹھ ہزار سے زیادہ طالبات صرف یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کررہی ہیں۔ جبکہ سعودی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں دس ہزار دو سو سے زائد اساتذہ تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں حکومت سعودی عربیہ بیرون ملک میں تحقیق کے لئے جانے والے طلباء کو اسکالرشپ بھی دیتی ہے جس کا فائدہ اٹھاکر ہزاروں طلباء امریکا سمیت دنیا کے بہت سے ملکوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں اس کے علاوہ تریپن لاکھ امریکی ڈالر کی لاگت والا شاہ فہد میڈیکل سٹی خصوصی طور سے میں طبی سہولیات کا سب سے بڑا مرکز ہے جو پانچ اسپتالوں پر مشتمل ہے اس ملک میں دنیا کا سب سے زیادہ اور سب سے بڑا آئی اسپتال شاہ خالد آئی اسپیشلسٹ ١٩٨٣ء میں قائم ہوا۔ جہاں ١٩٩٣ء تک ۵ لاکھ ۹۰ ہزار آؤٹ پیشنٹ اور ساٹھ لاکھ سے زیادہ ان پیشنٹ کا علاج ہوا۔ جو ایک ریکارڈ ہے۔ اور حکومت سعودیہ کا صحت کے میدان میں اچھا کام گردانا جاتا ہے۔ سعودی عرب نے گذشتہ دو دہائیوں میں زرعی میدان اور خوردنی اشیا کی پیداوار کے میدان میں زبردست پیش رفت حاصل کی ہے چنانچہ اس ملک کے ایگریکلچر ڈیولپمنٹ کو مشرق وسطیٰ کی ماڈرن ایگریکلچر میں زبردست مقام دیا جاتا ہے۔ جبکہ ملک کا بیشتر حصہ کسی مستقل ندی سے محروم ہے اور اس کی دو فیصد سے بھی کم زمین کو قدرتی آبپاشی کی سہولت میسر ہے لیکن آج سعودی عربیہ میں ہر قسم کے اناج، پھل پھول اور سبزیاں اگائے جارہے ہیں۔ ڈیری اور مرغی فارم بھی ہر جگہ نظر آتے ہیں موسمی سیلابوں کے پانی کو کام میں لانے کے لئے حکومت نے خاص توجہ دیکر ڈیم بنائے ہیں۔ اور گہرے کنوؤں کے ذریعہ زمین کا پانی بھی کھینچا ہے۔ سمندر کے کنارے میٹھا پانی پینے کے قابل اور آبپاشی کے قابل پلانٹ قائم کئے گئے ہیں اور اس طرح ملک کے بہت بڑے خطے کو قابل زراعت بنالیا گیا ہے ١٩٧٦ء میں ۴ لاکھ ایکڑ صحرا کو قابل کاشت بنایا گیا ہے۔ لیکن ١٩٩٣ء میں یہ رقبہ بڑھکر ۸۰ لاکھ ایکڑ سے زیادہ ہوگیا ہے۔ حکومت نے زراعت کی ترقی کے لئے زرعی ریسرچ اور ٹریننگ کے انسٹی ٹیوٹ قائم کئے ہیں حکومت کی ان کوششوں کا یہ نتیجہ ہے کہ خوردنی اشیاء کی پیداوار ١٩٧٠ء میں ١٧ لاکھ ۹۰ ہزار ٹن تھی۔ ١٩٨١ء میں یہ پیداوار ٢٣ لاکھ ۹۰ ہزار ٹن ہوگئی اور ١٩٩٢ء تک ۷۰ لاکھ ٹن ہوگئی ہے اس وقت سعودی عرب دنیا بھر کی مارکیٹوں کو گیہوں، کھجور، ڈیری مصنوعات، انڈوں، مچھلی، مرغی، سبزیوں اور پھلوں کی اکسپورٹ کرنے والا ملک بن گیا ہے یہ سب نتیجہ ہے مضبوط اور مستحکم سیاسی نظام، تعلیم پر مکمل توجہ، قدرتی وسائل کو کارآمد بنانا اور سب سے بڑھ کر اللہ کے قانون کا نفاذ ہے

بہت ہے عورت کا مقام بلند
جو اس کو قرآن کریم نے دیا ہے

مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب

(پہلی قسط)

فصل میں ہم مفسر قرآن مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کے ایک کتابچہ "مومن خواتین اور قرآن مجید" کا کسی قدر لفظی ترمیم کے ساتھ خلاصہ ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ خالق کائنات نے خود اپنی کتاب میں عورتوں کو کتنا اونچا مقام عطا فرما دیا ہے اور اس کو کیسی عزت و سربلندی عطا کی ہے کسی دوسرے مذہب یا قانون میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے پھر بھی ایک شور ہے کہ اسلام نے عورت کو مظلوم بنا رکھا ہے۔ یہاں صرف قرآنی آیات میں عورتوں کو جو اعزاز بخشا گیا ہے اور ان کو مرتبہ دیا گیا ہے ان کا تذکرہ ہے۔ دیگر تفصیلات و تعلیمات جو حدیث و فقہ میں آئی ہیں وہ الگ ہیں امید ہے کہ یہ مضمون غور سے پڑھا جائے گا اور خصوصاً ہماری خواتین کے اندر احساس عزت و خود اعتمادی پیدا کرے گا اور ان چیزوں سے بچنے کا حوصلہ عطا کرے گا جن سے ان کی بلندی اور عنداللہ مرتبہ اور مقبولیت پر بٹہ لگتا ہے۔
یہ کتابچہ مولانا کی ایک تقریر ہے جو عورتوں کے اجتماع میں کی گئی۔

ادارہ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ
وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ
الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى ۖ وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَآتِينَ الزَّكٰوةَ
وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ
لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
تَطْهِيرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ
مِنْ آيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ
لَطِيفًا خَبِيرًا ۝ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمٰتِ
وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِينَ
وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِينَ وَالصّٰدِقٰتِ
وَالصّٰبِرِينَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِينَ
وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ
وَالصّٰئِمِينَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِينَ
فُرُوجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِينَ اللّٰهَ
كَثِيرًا وَالذّٰكِرٰتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُم
مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (الاحزاب آیت ۳۳، ۳۴، ۳۵)

"اپنے گھروں میں وقار سے قیام کرو دکھاوے کا بناؤ سنگھار جاہلیت کے دور میں ہوتا تھا۔ اسے چھوڑ دیا جائے نماز کو قائم رکھو زکوٰۃ ادا کرتی رہو اللہ اور اس کے رسول کی تابع فرمانی اختیار کرو نبی کے گھرانے والو اللہ نے ارادہ فرمالیا ہے کہ تم کو گندگی سے دور رکھے گا اور خوب پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی تم کو عطا فرمائے گا، یاد رکھو اور تذکرہ کرو اللہ کی ان آیات کا جو حکمت اور دانائی سے بھرپور ہیں جو تمہارے گھروں میں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں بیشک اللہ تعالیٰ بڑا ہی باریک بین بھید جاننے والا ہے اور خبر رکھنے والا ہے بے شک باتحقیق کہ اسلام لانے والے مرد اور اسلام لانے والی عورتیں، ایمان لانے والے اور ایمان لانے والیاں اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے مرد اور عورتیں سچ بولنے والے اور سچ بولنے والیاں صبر سے جی کو تھام لینے والے مرد اور عورتیں اللہ کے ڈر سے پگھل جانے والے مرد اور اللہ کے ڈر سے پگھل جانے والی خواتین صدقہ اور خیرات کرنے والے اور صدقہ و خیرات کرنے والیاں روزہ دار مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے پاک دامن مرد اور پاک دامن پارسا عورتیں اللہ کا بہت بہت کثرت سے ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اللہ نے عزت بخشی

اہلِ ایمان مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لئے بڑی بشارت کی بات ہے کہ تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ رب العزت نے قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ نزولِ قرآن کے وقت مکی زندگی میں قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ نازل ہوا اور مدنی زندگی میں بقیہ قرآن پاک نازل ہوا۔ قرآن مجید میں مردوں اور عورتوں کے ملے جلے مسائل پر آیات نازل فرمائی گئیں معاشرتی اور سماجی ڈھانچے کے اعتبار سے مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں یکساں طور پر بیان کی گئی ہیں لیکن ان آیات میں بڑی بھاری تعداد اُن آیات کی ہے جن میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو!) کہہ کر مردوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کا یہ اسلوب اور طرز اگرچہ خود ایک بڑی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے پھر بھی عورتوں کے دل میں اس کا خیال گذرنا ایک فطری بات ہے دورِ اول میں اہل ایمان عورتیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس

میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اے کائنات کے پیغمبر آپ کی تشریف آوری سے دنیا اس وقت بقعہ نور ہے اور پورا عالم منور ہے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں مردوں سے خطاب کیا اگر کبھی ان کنیزوں کی طرف بھی نگاہِ رحمت ہو جائے تو ہم کنیزیں بھی سمجھیں کہ ہمارا بھی مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں کچھ ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنی ان بندیوں کے اس احساس کو ایسی عزت بخشی کہ اس نے سورۂ احزاب میں بڑے اعزاز سے خواتین سے خطاب فرمایا جبکہ عورت اس دور میں بے قیمت تھی۔ مذہبی اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ سلام ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ تشریف لائے تو جس طرح سب چیزوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت تھی ویسے ہی عورت کو بھی اپنی جگہ اہمیت قائم ہوگئی چنانچہ اس وقت جو آیات پڑھی گئی ہیں صرف اتنی ہی آیات نہیں ہیں جن میں مردوں کے علاوہ عورتوں سے بھی خطاب کیا گیا ہو بلکہ سورۂ نساء، سورۂ نور، سورۂ ممتحنہ، سورۂ مجادلہ، سورۂ بقرہ اور سورۂ مریم اس طرح کی اور بھی سورتیں گنائی جا سکتی ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے خواتینِ اسلام کے بڑے بڑے بہادرانہ دلیرانہ کارناموں کا بھی ذکر فرمایا ہے اور ان کی جواب داریوں اور ذمہ داریوں کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ یہ کام اور فلاں فلاں ذمہ داریاں خواتین اسلام کو کرنا ہی چاہئے۔

آدھی سے زیادہ ناکامی کا خطرہ

قرآن اور احادیث کے احکامات کے مطابق انسانی معاشرہ میں عورت کی جو اہمیت ہے اور عورت کی جو ذمہ داریاں اور فرائض ہیں نیز عالمی اور ملکی حالات اور تقاضوں کی بنا پر موجودہ زمانہ میں عورت کی جو ذمہ داری ہے اس رُخ پر اگر ہم کام نہیں کرتے ہیں تو ہمیں آدھی سے زیادہ ناکامی کا ڈر ہے۔ اس خطرہ سے بچاؤ کے لئے ہمارے دوستوں نے بہت اچھا فیصلہ کیا کہ خواتین اسلام کو ان کی ذمہ داری اور ان کے فرائض سے آگاہ کیا جائے اور انھیں ان کے مرتبے کا احساس دلایا جائے نیز ان کو اس بات پر ابھارا جائے کہ اسلامی پردے کا خیال رکھتے ہوئے اور اپنی گھریلو ذمہ داری کے اندر رہتے ہوئے دین اسلام کی خدمت اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے کیا کچھ کر سکتی ہیں اس کے لئے کچھ نقشہ بنائیں اس کے لئے کچھ باتیں ہم بھی گوش گذار کریں گے اور قرآن مجید کا وہ تحفہ انھیں دیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے نام قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے۔ پہلی بات جو ان آیات میں فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے (جاری)

(بقیہ) درسِ حدیث

مسلمان کے نزدیک توکل کا لب لباب یہ نکلا کہ دل کے سکون و اطمینان کے ساتھ کام میں لگا رہے اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے اور یقین کامل رکھے کہ جو اللہ چاہے گا وہ ہوگا، جو نہ چاہے گا وہ نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اچھا عمل کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ لہٰذا مسلمان اپنے رزق کے معاملے میں مطمئن ہو کر زندگی گذارتا ہے اس لئے کہ روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے جو وعدہ خلافی نہیں کرتا اور نہ اپنے بندہ کو ضائع کرتا ہے اس نے زمین کو گہوارہ اور فرش بنایا ہے اس کو پھیلایا ہے۔ اس میں برکت رکھی ہے اور اسی میں اس کی ضروریات مقدر فرما رکھی ہیں اس کے ذرائع معاش بھی اسی میں رکھے ہیں۔ اور بندوں سے روزی پوری کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس کی ذمہ داری لی ہے بار بار اس کا یقین دلایا ہے اور تاکید فرمائی ہے اس کی قسم کھائی ہے۔ فرمایا۔

"وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا" [۱]

اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمہ ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ [۳]

اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے خدا ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ان خدائی وعدوں پر بندۂ مؤمن اپنے رزق کے معاملہ میں امن و اطمینان سے زندگی گذارتا ہے اسے یقین رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھوکوں نہ مارے گا اللہ تعالیٰ تو پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں اور درندوں کو جنگلوں میں رزق عطا کرتا ہے، سمندر کی تہہ میں مچھلیوں کو غذا فراہم کرتا ہے، کیڑوں مکوڑوں کو پہاڑوں کی چٹانوں کے اندر کھلاتا ہے۔

مناوی نے حدیث توکل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: کہ صبح پرندے بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس آتے ہیں، دوڑ دھوپ سے رزق نہیں ملتا۔ رزق تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ توکل کا مطلب ہاتھ باندھ کر بیکار بیٹھ رہنا نہیں ہے بلکہ حدیث پاک کے اندر لام کا لفظ کوئی وسیلہ اپنانے کے مفہوم پر مشتمل ہے اس لئے کہ پرندہ کو کوشش کے بعد صبح کو نکلنے اور ادھر ادھر اڑنے ہی سے رزق میسر آتا ہے۔ اس لئے امام احمدؒ نے فرمایا: حدیث کے اندر ایسے الفاظ یا معانی نہیں ہیں جو روزی کے لئے کوشش کرنے کے چھوڑنے کا مفہوم رکھتے ہوں بلکہ اس میں تو طلب رزق کے فکر کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔

---

[۱] جامع العلوم والحکم ص ۵۲۰ و ص ۵۲۱

[۲] الذاریات۔ ۲۲، ۲۳، [۳] ھود - ۶

[۴] عنکبوت ـ ۶۰ [۵] تحفۃ الاحوذی

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵؍ اکتوبر ۱۹۹۵ء مطابق ۲۱ ؍جمادی الاوّل ۱۴۱۶ھ

شمارہ نمبر ۲۴

جلد نمبر ۳۲

زیر نگرانی
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی
مولانا محمود الازہار ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبد الرحمن ندوی
مولانا محمد رضوان ندوی
ہارون رشید ندوی

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ——— ۵ روپے

——— بیرونی ممالک فضائی ڈاک ———

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

——— ۲۵ ڈالر

——— بیرونی ممالک بحری ڈاک ———

بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں ———

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے ——— منیجر

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ یوپی 226007

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔ اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں ———

پرنٹر پبلشر شاہ حسین نے ... پریس میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰ روپے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/=
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

فکر و دعوت

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

دعوتی کام امت مسلمہ کے تحفظ و بقاء کا ضامن

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنے سے پہلے کی مسلمان امتوں پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ سابقہ امتوں میں انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے کا سلسلہ قائم تھا۔ اللہ تعالیٰ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی بھیجتا تھا جو دین صحیح کی دعوت کا کام کرتا تھا۔ ہر نبی کے امتی اپنے نبی کے کام میں ہاتھ بٹاتے تھے اور دعوت دین کے کام میں شرکت کرتے تھے۔ لیکن حضور مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبیوں کا بھیجا جانا موقوف کیا گیا۔ اور وہ کام جو پے بہ پے نبی بھیج کر کرایا جاتا تھا، چونکہ آخری نبی کے آجانے سے دین مکمل ہوگیا اس کی رو سے آخری نبی کے لائے ہوئے آخری مقام خداوندی کو قیامت تک جاری رہنا ہے اس لئے اب جو کام ہونا تھا وہ اسی دین کے اندر ہونا تھا لہٰذا اس کے لئے اب آپ کے بعد قیامت تک کی نیابت آپ کی امت کے سپرد کی گئی، قرآن مجید میں حکم آیا۔

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

تم میں ضرور ایک امت یعنی ایک بڑی تعداد میں لوگ ہونے چاہئیں جو دعوت الی الحق کا کام کریں۔ اچھی بات کا حکم دیں، بری بات سے منع کریں۔ اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔ (آل عمران۔ ۱۰۴)

اور فرمایا:۔ "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" فرمایا تم واقعۃً بہترین امت ہو جو لوگوں یعنی سب انسانوں کے لئے بھیجی گئی ہو۔ تم اچھی بات کا حکم دیتے ہو اور بری بات سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران۔ ۱۱۰)

اس آیت میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس کام پر امت کے افراد کو باقاعدہ مامور کیا گیا ہے نیز فرمایا کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور فرمایا تم بہترین امت ہو اور تمام انسانوں کے لئے مامور کئے گئے ہو، اس سے ظاہر ہوا کہ اس کام پر امت کا مامور ہونا پھر بہترین جماعت و امت ہونا پھر ایمان کی صفت سے متصف ہونا تین خاص پہلو ہیں جن کو نمایاں فرمایا گیا ہے۔

یہ وہ ذمہ داری ہے جو امت محمدیہ کے لئے بڑا تحفہ امتیاز ہے۔ لیکن یہ اسی وقت صحیح اور مطابق واقعہ ہوگا جب مسلمان اپنی ذمہ داری کو پورا کریں اور یہ ذمہ داری دینی دعوت کے کام کے انجام دینے کی ہے۔ الحمدللہ مسلمانوں کے ہر دور میں اور ہر ملک میں یہ کام کسی نہ کسی مقدار میں انجام دیا جاتا رہا ہے۔ بس فرق اگر کوئی ملے گا تو اس کی کمی و بیشی کا اور قرآنی اشاروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کام میں کمی و بیشی کی بنیاد پر اس امت کے فروغ و عزت میں کمی و بیشی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ جب اور جہاں دعوت کا کام ڈھیلا پڑا اور کم ہوا یا متروک ہوا وہاں اسی کے اعتبار سے مسلمانوں کی عزت و مقام کا حال بنا۔

اندلس جو ایک جنت ارضی کے مانند تھا اور جہاں مسلمانوں کی علمی و دعوتی ترقی اس معیار کو پہونچی تھی کہ اس وقت کی ساری دنیا اس کو دیکھ کر مرعوب و متاثر تھی اور یورپ کی موجودہ علمی و مادی ترقیات کا آغاز وہیں کی خوشہ چینی سے ہوا۔ جس کو تمام ماہرین تاریخ علم و تمدن مانتے ہیں۔ وہاں کے مسلمانوں نے سب کچھ کیا تھا۔ لیکن دعوتی فریضہ انجام دینے میں کمی کی تھی۔ چنانچہ وہ وہاں آخر تک اپنی چھوٹی تعداد میں رہے اور جب اکثریت و اقلیت کے اصول کے دائرہ اثر میں آئے تو اولاً مجبور و مقہور ہوئے پھر بالآخر ملک سے ہجرت کرنا پڑی۔ لیکن برصغیر ہند و پاک میں اگرچہ اندلس ہی کی طرح مسلمانوں کی حکومت سات سو سال رہی اور یہاں حکمرانوں نے عوام کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے طرح طرح کے سیکولر طریقے بھی اختیار کئے حتیٰ کہ بعض بادشاہوں نے یہاں اکثریتی عوام کے مشرکانہ مذہب کی متعدد باتوں کو اسلام میں ملا کر ایک مخلوط مذہب بھی بنایا مزید یہ کہ یہاں کی اکثریتی مذہب کے اہم لوگوں میں خسر داماد کے رشتے بھی قائم کئے لیکن اس کا نتیجہ غیروں کی طرف سے بجائے قدر دانی کے آج یہ ہے کہ خوب گالیاں مل رہی ہیں اور مسلمان بادشاہوں کو ہندوؤں پر ظلم و تعدی کا مرتکب بتایا جا رہا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ

یہاں اللہ تعالیٰ کے برعکس دین کے علمبرداروں اور داعیوں نے اپنی اپنی جگہ ملک میں پھیل پھیل کر دنیاوی اور سیاسی منافع سے الگ رہتے ہوئے جم کے دعوت کا کام کیا۔ آج انہی کی برکت ہے کہ اس برصغیر میں مسلمانوں کی اچھی پوزیشن ہے اور دینی و علمی کام ہے اور انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جبکہ اس برصغیر میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کی تعداد کل ملا کر چالیس ہزار سے زیادہ نہیں بنتی لیکن ان کی اب اس برصغیر میں تعداد چالیس بیالیس کروڑ ہے۔ ۱۳ یا ۱۴ کروڑ ہندوستان میں ۲۶ ۔ ۲۷ کروڑ پاکستان و بنگلا دیش میں یعنی باہر سے آنے والوں کو دیکھتے ہوئے ایک اور دس ہزار کا فرق رکھتی ہے یعنی ایک آدمی اگر باہر سے آیا ہوا ہوگا تو ۹ ہزار ۹ سو ۹۹ یہیں اسی ملک کے ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہوں گے جو باہر سے آنے والوں کی نسل سے ہیں لیکن اکثر و بیشتر وہ لوگ ہیں جو اسلام کی محبت و انسانیت نوازی کی اداؤں کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی اولاد ہیں دین کے علمبرداروں اور داعیوں کی بے غرض کوششوں کے اثر سے آج اس برصغیر میں مسجدوں کی تعداد لاکھوں کی ہو چکی ہے اور مدرسے و مکاتب ہزاروں کی تعداد میں ہیں جن سے علم و دین کی شعاعیں قریب و دور پھیلتی رہی ہیں حتیٰ کہ ان کا فیض برصغیر سے نکل کر ایشیا کے شمالی و وسطی و مشرقی ملکوں تک پہونچتی رہی ہیں. اور امت اسلامیہ کے علوم دینیہ و ثقافیہ میں ان مسلمانوں کا جو وقیع حصہ ہے وہ بھی قابل فخر ہے دعوت کا کام مسلمانوں کا اصل امتیاز اور اہم ترین فریضہ ہے اور اس کام سے وابستگی سے ان کی بقاء و ترقی وابستہ ہے اس امتیازی خصوصیت میں جب بھی کمی ہوگی وہ نقصان کا باعث ہوگی.

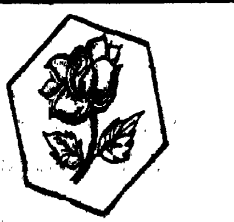
یہ خوش آئند بات ہے کہ برصغیر میں الحمد للہ دعوت کے کام میں اب بھی مسلمانوں کی ایک تعداد معروف ہے. ان کے میدان عمل اور طریقہ کار میں تنوع ہے ان کے ذریعہ دین کے تعارف، ایمان و عمل صالح کی تلقین کا کام انجام دیا جارہا ہے اس میں سے زیادہ وسیع اور عوامی کام جماعت تبلیغ کا ہے جو شہروں، دیہاتوں اور کوردہ سے کوردہ مقام تک پہونچا ہوا ہے ملک سے باہر دنیا کے بیشتر ملکوں تک سفر کرکے اس کے داعی پہونچتے ہیں خود اپنا خرچ کرتے ہیں، محبت و ہمدردی کے ساتھ لوگوں سے ملتے اور بے غرض رویہ کے ساتھ کام کرتے ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے کام کے اثرات بھی اب غیر معمولی ظاہر ہو رہے ہیں نہ معلوم کتنے ایسے افراد ہیں کہ دعوت کے ان تک پہونچنے سے قبل مختلف قسم کے حرام کاموں میں اور خدا بیزار زندگی میں مبتلا تھے وہ دعوت کا اثر قبول کرنے کے بعد نہ صرف یہ کہ نہایت صالح مسلمان بنے بلکہ پرہمت اور منہمک داعی بنے ہوئے ہیں۔ لاکھوں آدمی جو آزادانہ زندگی میں مبتلا رہ چکے ہیں وہ اب دیکھنے میں مولوی ملّا اور عملی طور پر دینی زندگی میں سرشار نظر آتے ہیں۔

یہ سب نتیجہ ہے دعوتی زندگی اختیار کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کے حکم دعوت کی تعمیل کا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دعوت کی یہ کوششیں جو بے غرض طریقہ سے کی جا رہی ہیں. خواہ جماعت تبلیغ کی ہوں خواہ دوسری دعوتی عمل رکھنے والی جماعتوں کی ہوں امت مسلمہ کی حفاظت و ترقی کے بہترین نتائج پیدا کریں گی. اور کم از کم اس امت کے بقاء و تحفظ کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔

آگے چلنا ذرا دیکھ کر

آرزوئیں رہیں کس قدر
زندگی تھی مگر مختصر
راہ سیدھی جو تھی چھوڑ کر
کیا ہوا جارہے ہو کدھر
جو ہوا اس کا کچھ غم نہ کر
آگے چلنا ذرا دیکھ کر
منحصر تیری ہمت پہ ہے
صاف آتی ہے منزل نظر
مردِ میداں نہیں بن سکا
موت کا جس کے دل میں ہو ڈر
کوئی ہمدرد و منصف نہیں
راہزن ہوگئے راہبر
جو کہیں کرکے دکھلایئے
ورنہ ہر قول ہے بے اثر
ہوگئی ختم یہ زندگی
ڈھونڈھتے خوب سے خوب تر
راہِ حق سے ہمیں ہٹ گئے
بڑھ گئی خواہشِ سیم و زر
جیسا ماحول تھا ڈھل گئے
وہ نہ جو پاسکے راہبر
آج کا کام کرلیں گے کل
سوچتے رہ گئے عمر بھر
وہ خلیلؔ اور تھے جن پہ تھی
آگ میں بھی کرم کی نظر

خلیل پرتاپ گڈھی



قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

دعوتی ذہن و مزاج کی تشکیل کے لئے

متنوع اور گہرے مطالعہ کی ضرورت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی اس طویل تقریر کا ہے جس کو آپ تعمیر حیات کے ۲۵ر ستمبر ۱۹۹۵ء کے شمارہ میں پڑھ چکے ہیں۔ دوسرا جز ہے جس میں طلبہ کو مطالعہ بڑھانے اور حالات و زمانہ کی نبض پہچاننے اور اس کے مطابق دعوتی کام کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

(ادارہ)

عزیز طلبہ!

عالم اسلام کی جس صورتحال کی تصویر ہم نے پیش کی ہے اس نے ہمارے لئے ایک زبردست چیلنج کھڑا کر دیا ہے۔ وہ چیلنج یہ ہے کہ ہم کیسے اس کا مقابلہ کریں اور ان چیلنجوں کا جواب کیسے دیں ظاہر ہے اس کے لئے بڑی تیاری کی ضرورت ہوگی۔ اس سلسلہ میں ایک باخبر تعلیم و تدریس کا کام کرنے والے تجربہ کار کی حیثیت سے آپ کو علمی تیاری کے سلسلے میں مطالعہ کا مشورہ دوں گا۔

عزیز دوستو! یہ بات یاد رکھئے کہ کورس کی کتابوں اور مطالعہ کی کتابوں کے درمیان ایک نازک فرق ہے وہ یہ کہ کورس کی کتابوں اور نصاب تعلیم پر ایک خاص قسم کی سرکاری مہر یا کسی خاص جماعت کی اور اس کے انتساب کی مہر لگی ہوتی ہے اس لئے وہ ایک طرح سے حجاب بن جاتا ہے۔ لیکن مطالعہ کی کتابوں میں ایسا نہیں ہوتا مطالعہ کی کتابیں اپنے شوق و رغبت سے خریدی جاتی ہیں اور ان کا انتخاب مرضی کے مطابق کیا جاتا ہے اور آزادی کے ساتھ وہ پڑھی جاتی ہیں۔

اس لئے ہم مطالعہ کی کتابوں اور ان کے مواد کے نتائج کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کورس کی کتابوں کی تنقیص یا اس کی تحقیر کوئی کیسے کر سکتا ہے۔ کورس بہرحال کورس ہے اس پر محنت کرنی چاہئے۔ وہی کامیابی و ناکامی کا امتحان اور پیمانہ ہے۔

غلط کتابوں کے مطالعہ سے جو ذہن تیار ہو رہے ہیں اور جو طبقہ اس وقت دانشور کہلاتا ہے وہ اس بات کا قائل نہیں کہ اسلام ایک زندہ اور ابدی مذہب ہے اور وہ ہر زمانہ میں اور تغیر پذیر دنیا میں قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ اس کا عقیدہ اور خیال یہ ہے کہ بانی اسلام ایک اچھا مذہب تھا۔ اس نے آج سے چودہ سو سال پہلے اچھا کام کیا تھا، اس نے زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو مزید زندہ درگور ہونے سے بچایا تھا۔ علم کو اس نے عام کیا تھا۔ لیکن اس جدید دور اور سائنس و ٹکنالوجی کے اس عہد میں اس کا کوئی کام صحیح نہیں ہے اس زمانہ میں بار بار اسلام کا نام لینا اور شریعت پر عمل کرنے کی تلقین کرنا صحیح نہیں ہے اس طرح کی دعوت گویا زمانہ سے ناواقفیت کی بات ہے ایسی کتابوں کے مطالعہ کے برعکس ایک صالح و مصلح اور ایک ایمان افروز اور یقین آفریں ادب اور انسانیت ساز اور اخلاق ساز ادب کا مطالعہ اور اس کے نتائج کو دیکھئے کہ ایسے ادب کا مطالعہ اتنا ہی مؤثر اور مفید ہے جتنا وہ مضر اور نقصان دہ ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ جن سے کام لے رہا ہے اور جن سے اس نے کام لیا ہے ان میں صلاحیت اور استعداد پیدا ہونے اور ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں بہت دخل اس صالح ادب کے مطالعہ کو تھا جس نے ہمیشہ آڑے وقتوں میں ہلاکت کے غار میں گرنے سے بچایا ہے اس کی میں چھوٹی سی مثال دیتا ہوں۔

جس زمانہ میں الندوہ، مولانا عبدالسلام قدوائی اور ہماری ادارت میں نکل رہا تھا ہم نے مشاہیر اہل علم سے درخواست کی تھی کہ آپ حضرات ایک مضمون لکھ کر یہ بتائیں کہ آپ کی محسن کتابیں کون سی ہیں تاکہ ہمارے رسالہ کے پڑھنے والے اور طلبہ اس سے فائدہ اٹھائیں چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی، مولانا مناظر احسن گیلانی مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا اعزاز علی صاحب جیسے علماء و ادباء کے ساتھ جدید طبقہ کے بعض اہل علم اور فضلاء کے مضامین اس موضوع پر آئے۔ یہ تمام مضامین بعد میں الگ سے بھی کتابی صورت میں شائع کر دیئے گئے تھے۔

ان تمام مضامین میں ایک مضمون لاہور کے مشہور فاضل بشیر احمد (آکسن) کا بھی تھا۔ انھوں نے لکھا کہ جب میں آکسفورڈ میں پڑھتا تھا تو مجھ پر بار بار تشکیک اور الحاد کا حملہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھی نزم کا حملہ ہوتا تھا۔ ایسے موقع پر علامہ شبلی کی کتاب الفاروق ہمارے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی تھی کہ وہ شخصیت جس کے بارے میں یہ کتاب لکھی گئی ہے وہ گمراہ نہیں ہو سکتی

وہ شخصیت جس دین پرستی اور حب کے قلم سے یہ لکھی گئی ہے اس کو ہم گمراہ نہیں مان سکتے، حق اس کے ساتھ ہے ہم کو تو اس کی زندگی کے مطابق اپنی زندگی گذارنی چاہیئے۔ اور اس پر مرنا چاہیئے۔ ایسے ہزاروں اور لاکھوں واقعات ملیں گے کہ صحیح مطالعہ بلکہ ربان وعلم افروز مطالعہ نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا۔

میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بعض اوقات تنہا ایمانی طاقت کو غذا پہنچانے والی اور ایمان کے نام سے اپیل اور مطالعہ کرنے والی چیزیں کافی نہیں ہوتیں اس کے ساتھ علمی وزن اور طرز نگارش اور نفسیات شناسی بھی چاہیئے۔ جن کتابوں میں ان امور کا لحاظ رکھا گیا۔ انھوں نے زندگیوں کو بنادیا اور اپنی زندگیوں کے ذریعہ انھوں نے پورے معاشرہ پر اثر ڈالا۔

میں دوسروں کے سنے سنائے واقعات کے بجائے خود اپنا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ جب میں اردو پڑھنے کے قابل ہوگیا تو سب سے پہلے جس کتاب نے مجھے متاثر کیا وہ سیرت خیر البشر تھی۔

میں چونکہ مکتبات کی فہرست دیکھنے کا عادی تھا لکھنؤ میں شبلی بکڈپو اور بمبئی میں عربی کتب کا واحد مکتبہ تیمہ تھا میں نے فہرست میں رحمۃ للعالمین نامی کتاب کا اشتہار دیکھا جو قاضی سلیمان منصور پوریؒ کے قلم سے لکھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کتاب کا آرڈر دیدیا جب وہاں سے کتاب کی وی پی آئی تو میرے پاس اس کے چھڑانے کے لئے پیسے نہیں تھے۔ والد صاحب کا انتقال ہوچکا تھا۔ والدہ صاحبہ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ دیتیں۔ حالانکہ اس زمانہ میں کتابوں کی قیمت بہت کم ہوا کرتی تھی۔ والدہ صاحبہ نے قیمت دینے سے معذرت کردی۔ اب کیا کروں۔ اس نازک صورتحال کو دیکھ کر میں بھی ان خورد سال صحابہ کرام کی طرح رونے لگا جو جہاد میں شامل نہ کئے جانے پر رو رہے تھے۔ والدہ صاحبہ نے مجبور ہوکر کہیں سے اس کا انتظام کیا اور وہ وی پی ہم نے چھڑالی۔ ہم نے اس کتاب کو پڑھا، بلکہ ہم اس کتاب میں ڈوب گئے۔ اس زمانہ میں ہمارے ایک عزیز میڈیکل کالج میں داخل تھے۔ ہم وہاں رہتے تھے۔ ایک استغراق کا عالم تھا۔ کالج کی شاندار عمارت کے نیچے اور سڑکوں پر آنے جانے والوں کی ہمیں کوئی خبر نہیں ہوتی تھی، ہماری آنکھیں ان کے بجائے بدر واحد کے میدانوں کو زیادہ دیکھتی تھیں اور وہاں کی شہادت گاہوں کو دیکھتی تھیں، پروفیسروں، اور طلبہ کو دیکھنے کے بجائے ہماری آنکھوں میں بدر واحد کے مجاہدین اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا تصور بسا ہوا تھا۔ ایک طرح سے میں اس کتاب میں فنا ہوگیا تھا۔

یہ بھی ایک معمہ ہے جو ابھی تک سمجھ نہیں سکے کہ کانپور میں ۱۹۲۶ء میں ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ تھا اس میں مولانا سلیمان منصور پوریؒ بھی آئے تھے۔ انھوں نے ہمارے بھائی صاحب مرحوم سے پوچھا کہ ہم نے آپ کے چھوٹے بھائی ابوالحسن کو کتاب رحمۃ للعالمین بھیجی تھی وہ ملی یا نہیں ان کے دل میں یہ کیسے خیال آیا کہ ان کا چھوٹا بھائی اس کتاب کو پڑھے گا اور اسے فائدہ ہوگا۔

ہمارے گھر پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ ہمارے چچا سید فاروق صاحب کے گھر میں مولانا شبلیؒ مولانا سید سلیمانؒ ندوی اور مولانا حالیؒ وغیرہ کی کتابیں تھیں، ان میں الفاروق اور الغزالی، بھی تھی، اور حیات سعدی بھی، ایک اور کتاب تھی ارشاد رحمانی جو مولانا سید محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء کی کتاب تھی۔ جس میں انھوں نے اولیں زمانہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں اپنی حاضری، ان کی نگاہ شفقت اور ان کی تاثیر اور برکتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب نے بھی مجھ پر بڑا اثر ڈالا پھر اور کتابیں دیکھنے میں آئیں۔ اس کے بعد وہ زمانہ آیا جب ہم نے انگریزی اتنی پڑھ لی کہ جدید مغربی مصنفین کی کتابوں سے استفادہ کرسکیں۔

ہم یہاں آپ کو ایک حقیقت سے باخبر کرنا چاہتے ہیں۔ ایک چیز ہوتی ہے فیکٹر FACTOR اور دوسری چیز ہوتی ہے ایکٹر ACTOR، ہم نے اپنی کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ مسلمان خربوزہ کی طرح ہے وہ چھری پر گرے تو اس کا نقصان اور چھری اس پر گرے تو خربوزے کا نقصان یعنی مسلمانوں میں صرف اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہے اثر ڈالنے کی نہیں۔ ہمارے گھر میں جو ماحول تھا وہ اعتدال اور توازن اور حقیقت پسندی کا تھا ایک طرف ہمارے بھائی صاحب تھے جو ندوہ کے فاضل، دیوبند کے فاضل، دوسری طرف سائنس کے بہترین طالب علم میڈیکل کالج میں امتیاز کے ساتھ انھوں نے امتحانات پاس کئے اور انھیں سونے کا تمغہ بھی ملا تھا۔ دوسری شخصیت ہمارے پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب کی تھی جو ایک طرف ایم اے تھے تو دوسری طرف مشرقی علوم کے فاضل ان دونوں کی گفتگو میں بڑا توازن اور حقیقت پسندی تھی۔

یہ نکتہ آپ یاد رکھئے کہ محض مبالغہ اور ادعا سے کام نہیں چلتا۔ یہ چیز اکثر مضر ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ مغربی تہذیب کچھ نہیں۔ اس میں کوئی چیز قابل استفادہ نہیں، ٹھوکر مارنے کی چیز ہے لیکن جب آدمی کو اس کے خلاف کوئی ثبوت ملے گا یا اس کو تجربہ ہوگا سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد کا تو وہ پھر منکر ہو جائے گا۔ اور صرف منکر ہی نہیں بیزار ہو جائے گا۔ اس لئے یہ حقیقت ان لوگوں کو سامنے رکھنی چاہئے جو دعوت و تربیت کا کام کرتے ہیں کہ انھیں توازن و اعتدال اور حقیقت پسندی سے کام لینا چاہئے نہ یہ کہ انکار پر آئے تو سو فیصدی انکار کہ اس مغربی علوم میں کوئی خوبی نہیں؟ مغربی علوم میں بہت سی چیزیں قابل استفادہ ہیں اور قابل قدر ہیں۔ ان کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ انسانیت کی

رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہیں ان میں اخلاقی عنصر اور ان کے اندر تربیتی صلاحیت، خوف خدا پیدا کرنے اور ضمیر کو بیدار کرنے کی صلاحیت نہیں ہے یہ حقیقت بھی یاد رکھئے کہ عدم توازن بعض اوقات ارتداد تک پہونچا دیتا ہے اور آدمی کا رُخ بدل دیتا ہے ان دونوں حضرات کی صحبت اور گفت گو سے حقیقت پسندی پیدا ہوئی۔ میں نے امریکی مصنف ڈریپر کی مشہور کتاب "معرکۂ مذہب و سائنس" اور لیکی کی "تاریخ اخلاق یورپ" پڑھی ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے یورپ کے ذہن کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی مغربی تہذیب اور اس کے عوامل و محرکات کو سمجھنے کے لئے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے مذہب و سیاست کے درمیان کشمکش کے موضوع پر علامہ اقبال نے کہا ہے۔

خصومت تھی سلطانی و راہبی میں
کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا
بشیری ہے آئینہ دار نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

مسیحی مذہب اور اس کے اجارہ دار کلیسا کے اندر یہ صلاحیت ہی نہیں تھی کہ وہ زندگی کی رہنمائی کرتا اس کی وجہ سے کلیسا اور سیاست کے درمیان ایک رقابت بلکہ محاذ آرائی ہونے لگی۔ کلیسا میں کیا کمزوریاں تھیں اور سیاست کیا چاہتی تھی اور اس دور میں سیاست تھی کیا اس کتاب معرکۂ مذہب و سائنس سے ہمیں بڑا فائدہ پہونچا۔

دوسری کتاب تاریخ اخلاق یورپ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوا کہ یورپ کے اخلاق اور اس کے معاشرہ کی تشکیل میں مادہ پرستی کا جو کردار رہا اس کے اسباب و عوامل کیا ہیں، وہ اس کتاب سے معلوم ہوا۔

پھر ایک تیسری کتاب لندن یونیورسٹی میں شعبۂ فلسفہ کے صدر کی کتاب AGUIDTO MODERN WICKEDNESS پڑھنے کو ملی جس میں اس نے یہ بتایا ہے کہ اس وقت کی خباثت کیا ہے دوسری کتاب۔ A NEW PHILOSOPHY FOR OUR TIMES پڑھنے کو ملی جس سے بڑا فائدہ ہوا۔

یہ دونوں کتابیں مولانا عبدالماجد دریابادی کے ذریعہ ملیں۔

یہ تو جملۂ معترضہ تھا۔ بتانا آپ کو یہ ہے کہ ان کتابوں کے مطالعہ نے یہ صلاحیت ہی نہیں بلکہ داعیہ اور داعیہ ہی نہیں بلکہ ایک اضطرابی کیفیت پیدا کی ہم ایسی کتاب لکھیں جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ مسلمانوں کا ارتقاء اور عروج کا ــــ اور مسلمانوں کا انحطاط دنیا کے اخلاقی، انسانی، معنوی، ذہنی، مذہبی، معاشرتی اجتماعی اور سیاسی ہر طرح کے انحطاط کا سبب ہے۔ یہ موضوع بالکل نیا تھا۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ القاء تھا اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے اس کو ہماری حقیر ذات سے کچھ کام لینا تھا۔ ممالک عربیہ میں ــــ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے لکھوائی۔ عرب نوجوانوں اور دانشوروں اور مفکرین نے پڑھا سید قطب جیسے چوٹی کے لوگ جو وہاں تھے انھوں نے جس نظر سے دیکھا پھر اس کتاب سے نئے طبقہ پر جو اثر پڑا جس احساس کمتری میں عرب ممالک کے نوجوان، ادیب اور اہل قلم مبتلا ہو رہے تھے اس میں فرق پڑا اس کے بعد اور کتابوں کے لکھنے کی توفیق ہوئی۔

اب میں چند کتابوں کے نام لیتا ہوں۔ آپ ان کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں۔ ایک تو آپ سیرت کے موضوع پر علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی کتابیں ہیں۔ اس کتاب "سیرۃ النبیؐ" کو اول درجہ کی کتاب عرب ممالک میں مانا گیا ہے۔ سید صاحب کی کتاب خطبات مدراس کا ضرور مطالعہ کریں اس کے ساتھ صحابہ کرام، خلفائے راشدین کی سیرت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں انہیں اپنے مطالعہ میں رکھیں، علامہ شبلی کی الفاروق، مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی کی سیرۃ الصدیق، اور ہماری حقیر تصنیفات میں المرتضیٰ، ماذا خسر العالم اور اس کا ترجمہ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش ضرور پڑھیں، یہ وہ بنیادی کتابیں ہیں جو آپ کے ذہن سے اپنے نظام تعلیم نظام فکر اور اس سے آگے بڑھ کر اسلامی تعلیمات اور اسلامی ہدایات کے بارے میں اگر احساس کمتری ہے اس کو دور کریں گی۔ تاریخ دعوت و عزیمت کے پانچوں حصے بھی آپ پڑھیں میں بغیر کسی تواضع اور معذرت کے کہتا ہوں کہ یہ اپنے موضوع پر بالکل منفرد کتاب ہے، ابھی تک کسی اسلامی زبان میں اس طرح تاریخی تسلسل، دینی و تاریخی نقطۂ نظر اور بحث و تحقیق کے ذریعے بھرپور مؤثر طریقے سے مصلحین امت اور مجددین ملت کا تذکرہ نہیں لکھا گیا۔ اس کا انگریزی، عربی، ترکی و فارسی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

نقوش اقبال یا روائع اقبال بھی آپ پڑھیں ابھی جو نظم پڑھی گئی، اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اقبال کو عشق رسول سے حصہ وافر ملا تھا میں دو مرتبہ ان سے ملا ہوں اس وقت بہت کم لوگ زندہ ہوں گے جو اقبال سے ملے ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا۔ میں ان کی مجلس میں بیٹھا۔ ان کی باتیں سنیں۔ ان کے انتقال سے چند مہینے پہلے ان کے

ملا تھا۔ مدینہ منورہ کا نام سن کر ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔

ایک بار مدینہ منورہ میں مجھے بعد نماز مغرب تقریر کے لئے مدعو کیا گیا۔ مجھے شرم آئی کہ میں اللہ کے محبوب رسول کے علاوہ اگر کسی اور شخصیت کے بارے میں یہاں تقریر کروں تو یہ زمین میں گڑ جانے کی بات ہے اور سخت شرمندگی اور تائب ہونے کی بات ہے۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ جوار رسول میں غیر رسول پر تقریر کرنے کا اگر جواز ہے تو یہ کہ جس شخصیت (اقبال) کے بارے میں میں تقریر کرنے جا رہا ہوں وہ عاشق رسول تھے۔ پھر میں نے دو شعر ان کے فارسی کے پڑھے ؎

بایں پیری رہ یثرب گرفتم
نوا خواں از سرور عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام
کشاید پر بہ فکر آشیانہ

میں بڑھاپے میں مدینہ کی طرف چلا تو لوگوں نے کہا کہ یہ عمر اور مدینہ کا سفر، یہ عمر اور عرب کا سفر کہاں جا رہے ہو اور کیا سوچ رہے ہو۔ میں نے کہا کہ پرندہ دن بھر اڑتا رہتا ہے مارا مارا پھرتا ہے لیکن شام ہوتے ہی وہ تیر کی طرح اپنے آشیانہ کی طرف جاتا ہے میں بھی اپنے آشیانہ کی طرف جا رہا ہوں۔

—— مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ مہاراجہ کپور تھلہ نے فارسی میں کسی قانونی دستاویز کا انگریزی میں ترجمہ کرانے کے لئے ڈاکٹر اقبال کو بلایا ان کی رہائش کے سارے انتظامات کئے۔ رات کو اچانک مہاراجہ کو خیال آیا کہ کہیں ڈاکٹر صاحب کو کوئی ضرورت نہ ہو یہ دیکھنے کے لئے جب گئے تو دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب مسہری پر آرام کرنے کے بجائے زمین پر لیٹے ہوئے ہیں مہاراجہ نے کئی بار پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مجھے خیال آیا کہ میرے آقا تو زمین پر لیٹے تھے میں چارپائی پر لیٹوں۔ مجھ سے لیٹا نہیں گیا۔

اس لئے آپ کو مشورہ دوں گا کہ کلام اقبال میں بال جبرئیل اور ضرب کلیم ضرور پڑھئے۔ فکر کا بھی فائدہ ہوگا اور ادبی فائدہ بھی ہوگا۔ ہم نے بعض عرب فضلاء کو دیکھا ہے کہ وہ روائع اقبال کے صفحے کے صفحے زبانی پڑھتے تھے ان میں عمان کے مفتی خلیلی بھی ہیں۔

مولانا یوسف صاحب کی مقبول ترین کتاب حیاۃ الصحابہ آپ ضرور پڑھیں اس میں صحابہ کرام کے مؤثر اور طاقتور ترین واقعات ہیں اس کتاب کے پڑھنے سے احساس کمتری کے دور کرنے میں مدد ملے گی۔

ہمارا رسالہ اسلامی بیداری کی لہر یا عربی تحریر ترشید الصحوۃ الاسلامیہ ضرور پڑھیں۔ اس وقت دینی جماعتوں میں کیا کمزوریاں ہیں مسلمانوں کے کیا طبقات ہیں اور ان کی ضرورتیں کیا ہیں، ان کے عقلی مدارک کیا ہیں اور کس زبان اور کس مواد کی روشنی میں ان سے بات کرنی چاہیئے۔ اور کس لہجہ میں ان سے خطاب کرنا چاہیئے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ بہت سی تحریکیں جمود توڑنے کے لئے پیدا ہوئی ہیں لیکن وہ خود جمود کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ان پر کائی جم جاتی ہے جیسے ساحل پر کائی جم جاتی ہے۔ اس کائی کو ایک مرتبہ ہٹانا کافی نہیں ہوتا بلکہ بار بار دیکھنا چاہئے۔ آپ کو چونکہ دعوتی کام کرنا ہے اس لئے ان کتابوں کو پڑھنے سے آپ کی ذہن سازی ہوگی اور آپ کو فکری غذا فراہم ہوگی۔ دعوت کے موضوع اور مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ اور نشأۃ اسلامیہ پر ہمارے مقالات اور تقریروں کا مطالعہ کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(بقیہ) سوال وجواب

ج:۔ مذکور شخص سورتیں یاد کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہے جب تک کوئی سورۃ نہیں یاد ہوتی اس وقت تک تسبیحات اور دعائیں پڑھے۔

ندوہ میں تبلیغی اجتماع

شمس الحق ندوی

انسان بننے اور انسان بنانے کا مبارک کام

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

موجودہ مادی زندگی میں جہاں اخلاق بگاڑنے کے لئے عالمی پیمانہ پر جدوجہد کی جارہی ہو انسان بننے اور بنانے کا خیال حیرت انگیز سا معلوم ہوگا، اس لئے کہ ان کے ذہن میں تو انسانوں کے صرف مادی تقاضے ہیں، لہٰذا یہ بات بہت سے لوگوں کے لئے ناقابل فہم ہوگی۔ یہاں انسان بننے اور بنانے سے وہ انسان مراد نہیں جن سے دنیا بھری ہوئی ہے اور جو انسانیت کا خول اور صورت ہی صورت ہیں، جو اپنے نفس کے مارے ہوئے اور خواہشاتِ نفس کے قتیل ہیں یہ آدمی نہیں ہیں، آدمی کی بے جان تصویریں ہیں۔ حقیقی انسان تو کمیاب اور عنقا صفت ہو رہے ہیں، اس وقت تو انسانوں کی وہی بھیڑ نظر آتی ہے جو چوپایوں اور درندوں کے اخلاق رکھتی ہے، کچھ اسی طرح کی صورتحال کی حکایت مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی میں اس طرح بیان کی ہے کہ:

"ایک بزرگ ہاتھ میں چراغ لئے شہر میں گھوم رہے تھے اور اندھیری رات میں کچھ تلاش کر رہے تھے میں نے پوچھا آپ کیا تلاش کر رہے ہیں؟ فرمایا مجھے انسان کی تلاش ہے، میں چوپایوں اور درندوں کے ساتھ رہتے رہتے عاجز آگیا ہوں میرا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے اب مجھے ایک ایسے انسان کی تلاش ہے جو خدا کا شیر اور مرد کامل ہو۔

میں نے کہا بزرگوار اب آپ کا آخری وقت ہے انسان کو آپ کہاں تک ڈھونڈیں گے یہ عنقا کا مصداق انسان نہیں ملے گا میں نے بھی بہت ڈھونڈا ہے لیکن نہیں پایا، ان بزرگ نے جواب دیا کہ میری ساری عمر کی عادت ہے کہ جب کسی چیز کو سنتا ہوں کہ وہ نہیں ملتی تو اس کو اور زیادہ تلاش کرتا ہوں، تم نے مجھے اس بات پر آمادہ کر دیا کہ میں اس گم شدہ انسان کو اور زیادہ تلاش کروں اور اس کی تلاش سے کبھی باز نہ آؤں۔"

آج جب ہم اپنے گردوپیش کی دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو کیا نظر آتا ہے، ہم روز صبح اٹھتے ہی اخبار میں کس طرح کے انسانوں کی خبریں پڑھتے ہیں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر کیا سنتے اور دیکھتے ہیں؟ اکثر وہ خبریں سننے یا پڑھنے کو ملتی ہیں جن سے انسانیت کی پیشانی شرم سے پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے۔ مگر ہمارے ماحول میں کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو انسانیت کی اس زبوں حالی پر فکر مند، رنجیدہ و نم دیدہ رہا کرتے ہیں، اور اس فکر میں ایسے بے کل و بے چین ہوتے ہیں کہ ان میں سے بہتوں کی نیند اڑ جاتی ہے انسانیت کا درد رکھنے والے اسی قسم کے لوگوں اور کاموں میں سے دعوت و تبلیغ بھی ہے۔ اس تحریک کا نہ کوئی بجٹ ہے نہ یہ لوگ کسی سے چندہ مانگتے ہیں۔ بس ان کی ایک ہی صدا ہے کہ بھائیو! انسانیت مر رہی ہے اس کو زندہ کرنے کی فکر کرو۔ اور اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ اپنے بگڑے ہوئے ماحول سے اپنی ان مشغولیتوں سے جو تم کو اپنے اشرف المخلوقات ہونے کے بارے میں اور اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتی ہیں۔ اپنے خرچ کرایہ سے نکلو انسانی باتوں کو سیکھو اور عمل کرنے کی مشق کرو جن سے انسان بنتا ہے، نکل کر اپنے بننے کی فکر کرو اور دوسروں کو بھی مشاغل سے نکالنے اور یکسو کر کے انسان بننے کی دعوت دو۔

اس طرح سے یہ لوگ اپنے خرچ کرایہ پر گاؤں گاؤں شہر شہر جاتے ہیں اور سب سے کہتے ہیں بھائیو تم دنیاوی جھمیلوں میں پڑ کر اپنے مقام انسانیت سے بہت نیچے اتر آئے ہو، اخلاق بگڑ گئے، آپس کے لڑائی جھگڑے بڑھ گئے ہیں، رسم و رواج اور اوہام پرستی نے تم کو پریشانیوں میں ڈال رکھا ہے، اپنی ان بری عادتوں کو چھوڑ دو سچائی اور ایمانداری کا بول بولو اور بالا۔ اس پر چلو اور چلاؤ۔ اگر یہ نہ کرو گے تو تم اس دنیا میں بھی بے چینی اور مار دھاڑ، لڑائی جھگڑے، قتل و خونریزی، ایک دوسرے کا حق مارنے، کبھی ظالم کبھی مظلوم بننے کی زندگی گذارو گے، جو اس وقت کھلی آنکھوں نظر آرہا ہے اور ہر ایک دیکھ رہا ہے اور مرنے کے بعد والی زندگی کا معاملہ تو اس سے بھی بہت کٹھن ہوگا۔

اس لئے کہ جس مالک نے یہ دنیا بنائی ہے محض کھیل و تفریح کے طور پر نہیں بنائی، بلکہ یہ دیکھنے کے لئے بنائی اور اس میں طرح طرح کی دلکش چیزیں بھی رکھی ہیں کہ دیکھیں کون ان میں پڑ کر انسانیت کا جامہ اتار پھینکتا ہے اور کون ہمارے بتائے ہوئے قانون کے مطابق ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ہمارے حکموں پر چلتا ہے۔ ایک مدت مقررہ تک دنیا کا یہ پورا نظام چلتا رہے گا پھر ہم اس کو توڑ پھوڑ دیں گے اور ہر ایک کو ہمارے پاس حاضر ہونا پڑے گا، اور پھر ہم اس کے سامنے اس کے دنیا کے کرتوتوں کی فائل رکھ دیں گے، جو ہمارے حکموں کو مان کر اس پر چل کر آیا ہوگا اس کو ہم ہمیشہ کے لئے بہاروں کی زندگی عطا کریں گے اور جو ہمارے حکموں کو توڑ کر ہماری کتاب اور ہمارے نبیوں کو جھٹلا کر اسے قصہ کہانی بتا کر آئے گا، دنیا میں فساد و بگاڑ مچا کر آئے گا

اس کو آگ کے [illegible] ہوئے شعلوں میں ڈال دیں گے ہماری عدالت [illegible] الت ہوگی جہاں نہ کسی کی سفارش کام دے سکے گی نہ کوئی رشوت و تحفہ قبول کیا جائے گا، اس لئے کہ ہماری ذات ان سب باتوں سے ماورا غنی اور بے نیاز ہے۔

یہ دعوت و تبلیغ کے نام سے چلنے پھرنے والے لوگ یہی باتیں سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ وہ امیروں کے پاس بھی جاتے ہیں، غریبوں کے پاس بھی جاتے ہیں کوئی امیر اگر ان کو کچھ دینا اور ان کی خدمت کرنا چاہتا ہے تو وہ یہ کہہ کر صاف انکار کر دیتے ہیں کہ ہم کو آپ کے پیسے کی نہیں آپ کی ضرورت ہے آپ بھی ہمارے ساتھ نکلئے اور اپنی زندگی اور کاروبار کو صحیح ڈھنگ سے گذارنے اور کرنے کا طریقہ سیکھئے اور سکھائیے۔ نکلنے اور نکالنے سے ان کا مقصد ترکِ دنیا اور رہبانیت ہرگز نہیں ہوتا بلکہ ایسی تربیت اور ایسا سبق پڑھانا مقصود ہوتا ہے کہ اس کو پڑھ اور سیکھ کر انسانی زندگی کے جس شعبہ میں وہ پہونچے اس میں چار چاند لگا دے اور جو کچھ کرے اپنے فرض کی ادائیگی اور انسانوں کی خدمت کے جذبے سے کرے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے مولانا ماہر القادری مرحوم نے اس جماعت کے بارے میں لکھا ہے:۔

"کوئی شک نہیں تبلیغی جماعت کی جدوجہد سے لاکھوں مسلمانوں کی دینی اصلاح و تربیت ہوئی ہے۔ دنیا کے گوشوں میں ان کے وفود جاتے ہیں اور اچھے اثرات چھوڑ کر آتے ہیں ان کے دینی عقائد بھی صحیح ہیں۔ مشرکانہ رسوم و بدعات جن کا مسلمانوں میں خاصا چلن ہے ان سے کوسوں دور ہے نمازیوں کو نمازی بنا دینا، اور جو نمازی ہیں ان کی نماز درست کر دینا۔ اس معصیت زدہ دور میں یہ عظیم الشان کارنامہ تبلیغی جماعت کی کوششوں سے انجام دیا جا رہا ہے اسلام کا جامع تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہے جس میں سیاست و حکومت بھی شامل ہے۔ تبلیغی جماعت سیاست و حکومت کے مسائل سے عملاً کوئی سروکار نہیں رکھتی اس معاملے میں ان حضرات سے الجھنا نہیں چاہئے۔ دنیا کے پردے پر جہاں کہیں اور جب بھی اسلامی نظام برپا ہوگا۔ اس کی مشین کے لئے اچھے پرزے بے نمازیوں اور فاسقوں اور فاجروں کی ٹولیوں سے نہیں۔ انھیں مبلغینِ صلوٰۃ و تقویٰ سے لئے جائیں گے۔" ؎

اسی طرح کی انسانی فکر اور درد رکھنے والوں کا اجتماع ۳۔۴۔۵ ر اکتوبر ۱۹۹۵ء کو لکھنؤ میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں ہوا۔ دار العلوم کی کئی عمارتیں ان انسانیت دوست اور انسانیت کا سبق پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے خالی کر دی گئی تھیں۔ اور کام سے جڑے ہوئے اور اس سے تعلق رکھنے والے لکھنؤ کے احباب نے ہر طرح کے مکمل انتظامات کئے تھے، دار العلوم کی مرکزی عمارت اور مسجد کے درمیان کے وسیع میدان میں جلسۂ عام کے لئے تقریباً پورے ہی میدان پر محیط پنڈال بنا دیا گیا تھا اور رواق سلیمانی و شبلی کے درمیان خالی جگہوں میں ہوٹلوں اور چائے خانوں سے کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ آنے والوں کی تعداد تصور و خیال سے بہت زیادہ ہو گئی تھی اس لئے کہ یہ اجتماع خصوصی لوگوں کا تھا مگر اس نام میں اب اللہ تعالیٰ نے ایسی کشش فرما دی ہے کہ اس نام سے قافلے چل پڑتے ہیں اور ہر طرح کی تکلیف برداشت کرتے ہیں، گرمی سخت تھی تاہم کوئی شکوہ نہ شکایت جس کو جہاں جگہ ملی بیٹھ گیا، پنڈال میں گو گرمی زیادہ تھی لیکن لوگوں سے بھرا رہتا تھا آنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ پنڈال کے علاوہ سارے پارکوں اور درختوں کے سائے میں بیٹھے ہوئے لوگ انسانیت کا پیغام شوق و دلچسپی کے ساتھ سن رہے تھے، لاؤڈ اسپیکر کا انتظام ایسا منظم تھا کہ جو جہاں تھا مسجد میں مختلف ہالوں میں ہر جگہ آواز بہت صاف پہونچ رہی تھی۔ ہجوم ایسا کہ پورا احاطہ دار العلوم اس طرح بھرا ہوا تھا کہ جس کو کہتے ہیں "تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی"، انسانوں کی ایک بھیڑ تھی مگر کہیں کوئی شور نہ لڑائی جھگڑا، سب کو ایک ہی شوق اور ایک ہی دھن، ہر ایک دوسرے کو آرام پہنچانے کی فکر کرتا تھا۔ پورے دار العلوم پر روحانیت و سکینہ کا ایک شامیانہ سا تنا ہوا تھا، عجب روح پرور منظر تھا

جب انسانوں کی اتنی بڑی بھیڑ جمع تھی تو ضرورت کی چیزوں کے لئے کھانے سے لے کر چائے پان اور مشروبات و آئس کریم، کتب خانوں غرض یہ کہ ہر طرح کی دوکانوں کا لگ جانا بھی لازمی تھا۔ غرض یہ کہ ندوہ کے احاطہ میں محتاط اندازہ کے مطابق تیس چالیس ہزار کی آبادی کا شہر مع اپنے پورے لوازماتِ زندگی کے آباد ہو گیا تھا، بہت پُرسکون نہ کہیں تو تو میں میں۔ نہ کوئی لڑائی جھگڑا۔ خریدنے والا بھی اخلاق سے بات کر رہا ہے بیچنے والا بھی۔ ایسا تو نہ تھا کہ یہاں پہونچ کر سب فرشتہ بن گئے تھے، یقیناً خلافِ مزاج و طبیعت باتیں بھی پیش آئی ہوں گی لیکن صبر و تحمل اور شوقِ خدمت کے سبب کوئی ناگوار بات نہیں پیش آئی، انسانیت کو زندہ کرنے کی دعوت دینے والوں کا مقصد یہی ہے کہ انسانوں میں ایسا سدھار پیدا ہو جائے کہ ہمارے شہروں، بازاروں، گاؤں اور قصبوں، سب جگہ کا یہی ماحول بن جائے اس کے سوا وہ اور کچھ نہیں چاہتے، نہ ان کی کوئی سیاست ہے نہ پارٹی۔ بس وہ سب انسانوں کو اچھا، با اخلاق، انصاف پسند، انسانوں سے محبت کرنے والا اور اس دنیا کے مالک کے حکموں پر چلنے والا انسان بنانا چاہتے ہیں۔ کتنے اچھے ہیں یہ لوگ اور کتنا مبارک ہے ان کا یہ مقصد زندگی۔ ان میں بڑے بڑے مالدار لوگ بھی تھے جو اپنے گھروں پر بڑی امیرانہ اور آرام کی زندگی گذارتے ہیں مگر یہاں آکر کوئی پارک میں لیٹ رہا کوئی برآمدہ میں پڑ رہا لیکن زبان پر کوئی حرفِ شکایت نہ آیا۔ اکثر دیر گئے رات تک جلسہ جاری رہتا۔ مسجد کی نماز تو اپنے وقت پر ہوا کرتی تھی کہ معذورین کو زحمت نہ ہو، پنڈال

کی نماز پروگرام کے خاتمہ پر ہوتی تھی، یہ بھی عجیب پرکشش منظر ہوتا تھا، گیارہ بارہ بجے تک کی چہل پہل کے بعد بھی تھکے تھکائے ہونے کے باوجود سات ڈھلے پنڈال میں مسجد میں ندوہ کے پارکوں میں جدھر نظر ڈالئے کچھ لوگ تہجد پڑھتے، رکوع، سجدہ کرتے اور پوری انسانیت کے لئے رو رو کر دعا کرتے دکھائی دیتے تھے۔

پورا اجتماع اپنے نظام کے مطابق چلا اور چلتا رہا۔ اس اجتماع میں دوسرے دن صبح کو مولانا قاری صدیق صاحب باندوی اور مغرب بعد حضرت مولانا سید ابو الحسن ندوی مدظلہ کی بھی تقریریں ہوئیں۔

نظام الدین کے سارے ذمہ دار حضرات موجود تھے اور انھیں حضرات کی مفصل تقریریں تبلیغی نظام کے مطابق ہوتی رہیں۔ ان دور دور سے آئے ہوئے لوگوں میں سے بہت سے لوگ جو کئی سو کی تعداد میں تھے اپنے گھروں کو واپس جانے کے بجائے، اپنے کو بنانے اور دوسروں کو بننے کی دعوت دینے کے لئے مختلف علاقوں کے لئے روانہ ہو گئے اور سب کے سب اپنے ذاتی خرچ سے۔ جماعتوں کی روانگی سے پہلے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے صاحبزادہ مولانا زبیر صاحب کی مختصر تقریر پھر طویل و پر اثر دعا پر اس مبارک جلسہ کا اختتام ہوا، تقریر اور دعا دونوں ہی کا لب و لہجہ بالکل حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ ہی جیسا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مولانا کی روح واپس آ گئی ہو، دعا کے وقت کا منظر بھی دیدنی تھا جیسے پورا لکھنؤ امنڈ آیا ہو، مرد، عورتیں سبھی دعا کے لئے جمع ہو گئے تھے دار العلوم کے اندر و باہر جو جہاں تھا سر جھکائے ہاتھ اٹھائے آمین کہہ رہا تھا اور جب اردو میں دعا شروع ہوئی تو آمین کی ایک خاص و پر کیف آواز سے فضا گونج اٹھتی تھی۔

کتنے قابل قدر ہیں یہ لوگ جو انسانوں کو انسانیت کا سبق یاد دلانے اور ان کو ان کے مقام بلند پر پہنچانے کے لئے اپنے تن، من، دھن کی بازی لگا رکھی ہے کہ انسان ہوا و ہوس کی دنیا سے آزاد ہو کر پستی و گراوٹ کے غار سے نکل کر پھر اپنی اصلی شکل میں آ جائے تاکہ اس کی بے چینی دور ہو اور اس کو سکون نصیب ہو جائے دو دن کے اس پر اثر اجتماع میں جو کچھ کہا گیا اور جو پیغام دیا گیا اس کا خلاصہ اقبالؔ کے درج ذیل اشعار میں بیان کر کے بات ختم کرتا ہوں ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

من کی دنیا؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا؟ تن کی دنیا سود و سودا، مکر و فن

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

جامعۃ المومنات میں عورتوں کا اجتماع

لکھنؤ میں تبلیغی اجتماع کے موقع پر مولانا احمد لاٹ ندوی صاحب نے جامعۃ المومنات الإسلامیۃ لکھنؤ میں مستورات کے ایک بڑے اجتماع سے بھی خطاب فرمایا۔ مولانا نے اپنے خطاب میں عورت کی بنیادی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت اگر ٹھیک ہو جائے تو پورا انسانی معاشرہ ٹھیک ہو جائے گا، عورت کا رخ صحیح ہو جائے، وہ ایمان کی طرف، اخلاق کی طرف، نمازوں کی طرف، روزوں کی طرف تسبیح و تلاوت کی طرف، فکر آخرت کی طرف آ جائے تو اس کی گود میں پرورش پانے والے بچوں کا بھی یہی رخ ہو جائے گا اور پھر نیکی پھیلے گی۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ جیسے بزرگوں سے دنیا واقف ہو گی۔ ایمان کی ہوائیں چلیں گی۔ اور انسانیت کو امن و سکون نصیب ہو گا۔ آخر میں مولانا موصوف ہی کی دعا پر اجتماع ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ جامعۃ المومنات کی طالبات و معلمات اور تمام ماؤں اور بہنوں کو اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین۔

جامعہ گلزار حسینیہ میں ندوۃ العلماء کے اساتذہ کی آمد پر اعزازی جلسہ

جامعہ اسلامیہ عربیہ گلزار حسینیہ ایک قدیم اسلامی ادارہ ہے جو مغربی اتر پردیش کے مردم خیز قصبہ اجراڑہ ضلع میرٹھ میں زبردست دینی و اصلاحی خدمات انجام دے رہا ہے، یہ قصبہ بزرگوں اور اکابرین کا ہمیشہ مسکن رہا ہے۔

جامعہ کے سربراہ مولانا عبد اللہ مغیثی صاحب کی خصوصی دعوت پر مولانا عبد اللہ عباس ندوی، مولانا عبد اللہ حسنی ندوی، مولانا عبد العزیز بھٹکلی ندوی ۵ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ کو جامعہ گلزار حسینیہ (اجراڑہ) تشریف لے گئے۔

مہمانوں کے اعزاز میں اساتذہ و طلبۂ جامعہ نے ایک خصوصی پروگرام منعقد کر کے ان کا استقبال کیا۔ اس موقع پر مولانا عبد اللہ عباس ندوی صاحب نے حالات حاضرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس وقت اسلام مخالف طاقتیں مسلمانوں کے خلاف برابر سازشیں اٹھا رہی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآنی اور اسلامی تعلیمات کو عام کیا جائے کیوں کہ یہی چیز فوز و فلاح کی ضامن ہے۔

مولانا عبد اللہ حسنی ندوی صاحب نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ احکام الٰہی اور اطاعت محمدی کو اپنا کر ہی لوگ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ آخر میں دونوں حضرات نے طلباء کو مفید مشوروں اور بہترین نصیحتوں سے نوازا۔ اس موقع پر مولانا عبد العزیز ندوی اور دیگر علماء کرام نے بھی تقریریں کیں۔ یہ جلسہ ادارہ کے مہتمم مولانا عبد اللہ مغیثی کی دعا پر اختتام پذیر ہوا۔

امریکہ میں مسلم معاشرہ

ریاض الدین احمد صاحب۔ حال مقیم رچمنڈ (ورجینیا)

امریکی سماج کی ایک جھلک

امریکن بنیادی طور پر اہل جستجو ہیں ان کی جستجو نے آج سے تقریباً پانچ سو سال قبل امریکہ کو دریافت کیا، وہ اب تک پابند جستجو ہیں۔ وہ کسی مقام پر ٹھہرنا نہیں جانتے۔ زندگی کے ہر موڑ پر وہ آگے بڑھنے کے راستے تلاش کرتے رہتے ہیں۔

اس مزاج نے ان کو ایک طرف خلا میں پہونچا دیا تو دوسری طرف اخلاقیات کے قعر مذلت میں ڈھکیل دیا۔ عین اسوقت جب کہ وہ خلا میں راکٹ کا اسٹیشن تعمیر کر رہے ہیں، دوسری طرف گرلی فیلے (GIRLIE FAIR) میں ننگا ناچ نچا رہے ہیں۔ یک نفری خاندان کے لئے مراکز کھول رہے ہیں۔ بے باپ کے ناجائز بچوں کے لئے پناہ گاہیں تیار کر رہے ہیں۔ آوارہ گرد خواتین کے لئے استقاط حمل کے مراکز کھول رہے ہیں۔ لواطت پرست مرد (GAYS) اور لواطت پرست خواتین (LASBIAN) کے لئے دستوری مراعات کی راہ نکال رہے ہیں۔ عریانیت مائل بہ برہنگی ہے۔ ۸۰ فیصدی اسکولی لڑکے اور لڑکیاں منشیات کی عادی ہیں۔ ۵۰ فیصدی طلبا اور طالبات جنسیات میں ملوث ہیں۔

امریکی مسلمانوں کی امید افزا تصویر

اس ماحول میں امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں کو چیلنج ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے علوم کی دوڑ میں وہ ان کے شانہ بشانہ کام کر رہے ہیں سائنس کے میدان میں انھوں نے اپنا خاصا وقار پیدا کر لیا ہے اور ناسا (NASA) جیسے خلائی مرکز پر یا یو۔ این۔ او (U.N.O.) کے اداروں میں یا یونیورسٹیوں میں ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ ایک صاحب مجھے ملے جو کسی زمانے میں ہندوستان کے کسی اسکول میں ٹیچر تھے اس وقت ایک امریکن یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی کے صدر ہیں۔ اس کے علاوہ حافظ اور قاری بھی ہیں۔ کھیل کے میدان میں باسکٹ بال کا مقبول ترین کھلاڑی حکیم علاجوان اور کئی یونیورسٹیوں کے ٹاپر (TOPER) کھلاڑی ہیں، ہیوی ویٹ (HEAVY WEIGHT) کا قومی چیمپین ٹائی سن (TYSON) بھی مسلمان ہو گیا ہے۔

منشیات کے انسداد میں حکومت ناکام رہی ہے۔ لیکن مسلمانوں نے بڑا کردار ادا کیا۔ اور سابق صدر بش (BUSH) نے اس کی تعریف کی اور مسلمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ میرے سب سے چھوٹے پوتے کو (عمر ۸ سال) درجہ ۵ کے اختتام پر انسداد منشیات کی مہم میں حصہ لینے کے لئے اعلیٰ سرٹیفکٹ ملا ہے۔

امریکی معاشرے میں رہنے سہنے کے باوجود مسلم خواتین میں عریانیت کا لباس کہیں خال خال بھی نہیں نظر آیا۔ پردہ نہ کرنے کے باوجود وہ لباس کے معاملے میں کافی محتاط ہیں، اگرچہ حدود شرعی میں نہ ہوں۔ نیویارک میں کچھ خواتین نے شرعی تقاضے کو پورا کرنے کے لئے اپنے لباس میں یہ تبدیلی کی ہے شلوار پر کافی لمبا کرتا اور پورے سر کو ڈھانکنے کے لئے ایک بڑا رومال۔ ایک شہر میں ایک طالبہ کو کالج میں نقاب پہن کر جانے پر پولیس کارروائی کی نوبت آئی مگر اس نے مقدمہ لڑ کر اپنا حق حاصل کیا۔ یہ نادر مثالیں کم سہی مگر رجحان کا پتہ دیتی ہیں اور اخبارات انھیں شاہ سرخیوں سے شائع کرتے ہیں۔ ابھرتی ہوئی نسل پر ان کی زبردست چھاپ پڑتی ہے۔ ایک لڑکی نے رچمنڈ یونیورسٹی میں پردے پر اپنا ایک امتحانی مقالہ (DESERTATION) پیش کرتے ہوئے اس کی افادیت پر اظہار خیال کیا اس کو اس مضمون پر "A" ملا۔ مسلمان لڑکیاں جو کار چلاتی ہیں انھوں نے اپنی گاڑی پر کوئی اسلامی نشان لگا رکھا ہے۔ مثلاً ایک کار پر جو تختی لگی ہوئی ہے اس پر لکھا ہے (ALLAH IS ONLY A PRAYS AWAY) یعنی تمہارے اور اللہ کے درمیان صرف ایک نماز کا فاصلہ ہے۔

حرام کھانوں منشیات اور شراب سے عام مسلمان پرہیز کرتا ہے خواہ وہ دینداری میں آزاد منش ہی کیوں نہ ہو۔ بڑے بڑے شہروں میں حلال گوشت اور حلال کھانوں کی دکانیں موجود ہیں۔ واشنگٹن میں ایک کمپنی ہے جس کا نام ہی حلال کو (HALAL CO) ہے۔ چھوٹے شہروں میں حلال گوشت وین (VAN) پر لاکر تقسیم کرتے ہیں۔ لوگ اپنی ضروریات کی اطلاع ان کو قبل از وقت بذریعہ فون کر دیتے ہیں، قربانی کے لئے بھی حلال دکانوں پر انتظام رہتا ہے۔ لوگ جانور پسند کر کے انھیں قربانی کا آرڈر دیتے ہیں۔ ہوسٹن میں ایک اسلامی مرکز شہر سے تقریباً ۶۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں ایک بار میرا جانا ہوا۔ طریقہ یہ تھا کہ ایک ٹریلر (TRAILER) پر دو تین سو کے قریب بکرے لائے گئے۔ لوگوں نے وہیں خریدا۔ قربانی وہیں ہوئی اور دن بھر گوشت کے پیکٹ بنتے رہے۔ شام کو لوگ واپس گئے۔

بازاروں میں ہر کھانے کی چیز پر غذا کے اجزا کا لیبل لگا ہوتا ہے اس لئے لوگ آسانی سے معلوم کر لیتے ہیں کہ اس میں حرام چیز کا جزا تو نہیں ہے۔ ایک چھوٹے سے شہر وسٹن (WESTON) میں ہماری شرکت ایک شادی میں ہوئی تو معلوم ہوا کہ گوشت باہر سے منگانے کا اہتمام کیا تھا حالانکہ وہ لوگ نسبتاً آزاد خیال مسلمان تھے۔

عام طور پر وہاں مسلمانوں میں نماز کا چرچا ہے دعوتوں میں نماز باجماعت کا انتظام ایک لازمہ ہے، سبھی مہمان جماعت میں شریک ہوتے ہیں۔ خواتین اپنی نمازیں الگ پڑھتی ہیں مگر مسجدوں میں خصوصاً جمعہ اور عیدین میں خواتین کی تعداد نصف کے قریب ہوتی ہے۔ نیویارک، واشنگٹن، ہوسٹن، رچمنڈ وغیرہ شہروں میں مرکز اسلامی بڑے عالی شان ہیں، ان مراکز پر مدرسے اور لائبریریاں بھی ہیں۔ واشنگٹن میں ایک کمپیوٹر سافٹ ویئر (SOFT WARE) کا مرکز بھی ہے جہاں ایک ڈسک (DISC) عالم کے نام سے تیار ہوا ہے۔ یہ علوم قرآنی کا انسائیکلوپیڈیا ہے اور منٹوں میں قرآنی معلومات فراہم کر سکتا ہے۔

مراکز پر اسلامی تعلیمات کا کام زیادہ تر خواتین کے ہاتھ میں ہے۔ رچمنڈ میں سبھی خواتین اعزازی طور پر کام کرتی ہیں۔ مگر اپنا کام بڑی محنت، شوق اور پابندی اوقات کے ساتھ کرتی ہیں۔ خواتین اپنے اپنے گھروں پر طلبا، اور طالبات کے اجتماعات کرتی رہتی ہیں۔ یہ اجتماعات کسی نہ کسی کے گھر باری باری مگر بڑی پابندی سے ہوتے ہیں۔ اس موقع پر بچوں کو سوالات کرنے کی پوری آزادی ہے۔ امریکی ماحول جس میں وہ گزر بسر کرتے ہیں ان کے دلوں میں بچپن ہی سے شکوک پیدا کر دیتا ہے۔ اجتماعات میں ان کے شکوک کو رفع کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ ہوسٹن کے ایک خاندان میں میں نے دیکھا کہ بچوں نے نماز کا ایک کمرہ الگ بنا لیا ہے اور وہ خود ہی جماعت کرتے ہیں اور ان کے دوست احباب جو بروقت موجود ہوتے ہیں سب کے سب شریک ہوتے ہیں۔

رچمنڈ کے اسلامی مرکز پر ماہ رمضان میں ہر سنیچر کو افطار، ڈنر اور تراویح کی دعوت ہوتی ہے دو تین سو کے قریب مرد اور عورتیں اکٹھا ہوتے ہیں۔ خواتین اپنے گھروں سے کچھ نہ کچھ کھانا پکا کر لاتی ہیں۔ اس طرح کھانے کا کافی انبار لگ جاتا ہے۔ عشاء سے پہلے کھانا ختم ہو جاتا ہے مگر تراویح کے بعد میٹھا چلتا ہے۔ کئی قسم کی ڈشیں میٹھے کی ہوتی ہیں اور آئس کریم بھی۔ اس سال تراویح کے لئے ایک مصری حافظ بلائے گئے تھے۔ دس رکعت وہ پڑھاتے تھے اور دس رکعت ایک ۱۷ سالہ امریکن سیاہ حافظ (حرمین شریفین میں بھی اسی طرح قرآن سنایا جاتا ہے)

جمعہ کی نماز کے مناظر

جمعہ کی نماز میں بعض لوگ اپنے شیر خوار بچوں کو بھی لے کر آتے ہیں کیونکہ اس وقت خاتون خانہ جاب پر ہوتی ہیں۔ بچے کو ایک چھوٹے سے بستر میں محفوظ کر کے اپنے قریب ہی صف کے کنارے لگا دیتے ہیں، بڑے بچے بھی نماز کی صف میں اپنے باپ کے برابر ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ ان پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے ایسے نظارے ہمارے ملک کی مسجدوں میں نہیں ملتے خواتین مردوں کی صفوں سے ہٹ کر کافی پیچھے کی طرف اپنی صفیں بنا لیتی ہیں۔ مردوں اور خواتین کے وضو خانے اور غسل خانے الگ الگ ہیں، نہایت صاف ستھرے۔ ہر وضو خانے میں کاغذی تولئے اور پاخانوں میں ٹشو پیپر (TISSUE PAPER) اور لوٹے موجود رہتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ مسجد کی حاضری نے مسلم خواتین میں دینی رجحان اور فحش باتوں سے اجتناب کی بہت افزائی کی ہے۔ (واللہ اعلم)

مگر ایک افسوسناک صورت یہیں ہوسٹن (TEXAS) میں نظر آئی۔ وہاں ایک بڑا اسلامی مرکز ہے اور حال ہی میں ایک عالی شان مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ مگر جب ہم نومبر ۱۹۹۴ء میں وہاں گئے تو مسجد بند پڑی تھی، کیونکہ لوگوں میں نظریاتی اختلافات تھے۔ لیکن جب مئی ۱۹۹۵ء میں گئے تو بحمد اللہ مسجد کھل گئی تھی اور وہیں نماز ادا کی۔

جمعہ اور جمعہ کا خطبہ

امریکہ کی مساجد میں جمعہ کا خطبہ سعودیہ کی طرح طویل ہوتا ہے۔ پہلے حصہ میں چند آیات قرآنی کی تلاوت اور تشریح ہوتی ہے۔ اور اسی سے متعلق حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ موضوع اکثر حالات حاضرہ پر روشنی ڈالنے والا ہوتا ہے۔ رچمنڈ کے امام ایک فلسطینی ہیں اور وہ ایک حلال غذائی دوکان کے مالک ہیں۔ اور امامت اعزازی طور پر کرتے ہیں۔ ان کا تبصرہ انگریزی زبان میں کافی مقبول ہے، مگر ایک مستقل امام کی تلاش ہو رہی ہے۔ اب امام کے لئے ایک وسیع دو منزلہ مکان تعمیر ہو گیا ہے۔ اس مکان کو آراستہ کرنے کے لئے ۷۰ ہزار ڈالر کی اپیل کی گئی ہے۔

عید کے دن کا ماحول

عید کی نماز میں رچمنڈ کے اسلامی مرکز پر تقریباً دو ہزار مسلمانوں نے نماز ادا کی۔ نماز کے وقت وہاں برف باری ہو رہی تھی۔ مگر یہاں بارش یا برف باری سے زندگی کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آتا کہ تعطل میں کہیں کچھ پراگندگی ہوتی، نماز کے بعد کسی نہ کسی کے یہاں دعوت عام (OPER HOUSE) کا نظم ہوتا ہے۔ لوگ ملتے ملاتے گھر جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ کئی دن چلتا ہے۔ ہمارے یہاں بھی ایک دن رچمنڈ میں دعوت عام (OPERHOUSE) تھا۔ پڑوسی امریکن خاندانوں کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ ان لوگوں نے عید کے کھانے بڑے ذوق و شوق سے

کھائے۔ ہمارے پڑوس کے … مکانات تقریباً ۸ گھروں کے ہیں۔ مگر عموماً ان کی آبادی ایک میاں ایک بیوی اور ایک کتے پر مشتمل ہے۔ اگر چھوٹا بچہ ہے تو ایک وہ بھی سہی۔ لیکن ہم لوگ جب ٹہلنے نکلتے تھے اور یہ لوگ بھی کسی وجہ سے باہر ہوتے تو سلام میں سبقت لے جاتے۔ پاس سے موٹر میں گزرنے والے بھی سلام کرجاتے۔

بات یوں شروع کی "میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ تمہارے دادا دادی ہیں۔" نصرت نے اثبات میں جواب دیا، تو انھوں نے کہا: "تم کیسی خوش قسمت ہو کہ اپنے دادا دادی کے ساتھ ہو۔ ہم ایسی زندگی کے لئے ترستے ہیں۔"

عریانیت سے عاجز

وہ اپنے ملک میں پھیلی ہوئی عریانیت سے بھی عاجز ہوگئے ہیں۔ اس کا ایک مظاہرہ یہ ہوا کہ ہم لوگ ایک

موٹر تک قرآن پاک کا سایہ کئے ہوئے چل رہے تھے۔ اور خواتین اسی طرح رو رہی تھیں جیسے ہندوستان میں رواج ہے۔ دلہن کے والدین کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹپک رہے تھے۔

کھلاڑیوں میں نماز کا شوق

مگر کھلاڑیوں میں نماز اور دعاؤں کا چرچا ہم نے پہلی بار امریکہ میں دیکھا۔ باسکٹ بال قومی چیمپین شپ (NATIONAL CHAMPIONSHIP) کا ہیرو حکیم علاجوان

مگر عموماً ان کی آبادی ایک میاں بیوی اور کتے پر مشتمل ہے

ضعیف اور معذوروں کا یہ لوگ بہت خیال کرتے۔ دکانوں پر معذوروں کے لئے مخصوص پارکنگ لاٹ دروازے کے قریب ہوتے ہیں۔ مسجدوں میں بھی ان کے لئے مخصوص پارکنگ لاٹ ہوتے ہیں۔ ہم جب کسی بازار میں داخل ہوتے تو ہم سے پہلے جانے والا مرد یا خاتون خود کار دروازوں کو روک کر کھڑے ہوجاتے تاکہ ہم اندر داخل ہوجائیں۔ دوکانوں کے اندر معذوروں کے لئے موٹر سے چلنے والی کرسیاں ہیں۔ اسے لے کر وہ بازار میں گھوم سکتے ہیں۔ ہم ایک بار ہوسٹن میں اپنی پوتی صوفیہ کمال کا گریجویشن دیکھنے گئے۔ وہاں موٹروں کی لائن اتنی لمبی تھی کہ ہمیں تقریباً آدھا میل پیدل چلنا پڑا۔ مگر ہمارے ایک عزیز شاہد میاں جو کار چلا رہے تھے۔ انھوں نے پولیس کنٹرول والوں سے کہا کہ ہمارے ساتھ کچھ ضعیف لوگ ہیں انھیں ہال کے دروازے پر اتارنا ہے۔ ایک پولیس والا ہمارے ساتھ ہولیا اور ہماری کار گیٹ پر پہونچا دیا۔

ہم ایسی زندگی کو ترستے ہیں

آج کل امریکہ میں فیملی لائف پر واپس لانے کا بڑا چرچا ہے۔ ایک بار ہم ایک بڑے مارٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہماری چھوٹی پوتی آئس کریم لا لا کر ہمیں دے رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر ایک امریکن جوڑا ہمیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے اشارہ کرکے ہماری پوتی کو بلایا۔ اور

پارک میں ٹہل رہے تھے۔ میری اہلیہ سر سے پیر تک چادر میں لپٹی ہوئی تھیں۔ چند امریکی خواتین ایک بنچ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہمیں ضعیف دیکھ کر انھوں نے پیش کش کی کہ ہم بنچ پر بیٹھ جائیں وہ کہیں اور چلی جائیں گی۔ ہم نے معذرت کی۔ تو چلتے چلتے انھوں نے میری اہلیہ کو روک کر کہا: "اپنے قومی لباس میں تم کتنی اچھی معلوم ہوتی ہو۔"

میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ تمہارے دادا دادی ہیں۔ نصرت نے اثبات میں جواب دیا تو انھوں نے کہا "تم کتنی خوش قسمت ہو کر اپنے دادا دادی کے ساتھ ہو۔ ہم ایسی زندگی کے لئے ترستے ہیں۔"

ایک بار رچمنڈ میں شادی کی ایک تقریب میں ہم شریک ہوئے۔ نکاح ہوچکا تھا اور اس دن دلہن رخصت ہونے کی تقریب تھی۔ چھپے ہوئے پروگرام میں پہلے نماز مغرب۔ پھر زوجین کی ذمہ داریوں پر قرآنی احکام کے پیش نظر ایک تقریر، پھر ڈنر، ڈنر کے بعد نماز عشاء، عشاء کے بعد کیک کاٹا گیا اور تمام مہمانوں میں تقسیم ہوا دعا کے بعد دلہن سسرال کے لئے روانہ ہوئی۔ ڈانس سے

مغرب کی نماز کے وقت کھیل کے میدان سے چلا گیا اور نماز ادا کی۔ اس وقت علاجوان کی پرانی تصویر چار چار سوڈالر میں بک رہی ہے، بچے اور نوجوان علاجوان کی تصویر والی ٹی شرٹ (T. SHIRT) پہنتے ہیں۔ فائنل میچ کے دن ایک گھر میں میرا گزر ہوا تو دیکھا کہ بچے اور نوجوان ٹی۔ وی پر جھکے ہوئے ہیں۔ شکست اور فتح کے درمیان چند سکنڈ کا فاصلہ ہے۔ مشاہدین یا فتاح یا فتاح کا ورد زور زور سے کر رہے تھے۔

اپنے قومی لباس میں تم [redacted] ہو تی ہو۔

بالآخر میچ ختم ہونے سے پانچ سکنڈ پہلے آخری گول نٹ (NET) میں ڈال کر میچ جیت لیا۔ آخری لمحے میں میچ جیتنا اس کی روایات میں ہے۔ اور اخبارات اس کا چرچا کرتے ہیں۔ علاجوان کی اسلامی زندگی پر CONTINANTAL AIRWAYS کے رسالے میں ایک مصور مقالہ درج ہے۔ اور سرورق پر اس کی ایک بڑی تصویر ہے۔



حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ

تلخیص :- محمد شاہد ندوی، بارہ بنکوی

اخلاص وللّہیت اور حسنِ نیت کو اعمالِ دینیہ
ختیار کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے اور مقبول
اللہ ہونے میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہی وہ
اف ہیں جن کے سبب تھوڑا سا عمل بھی خداوند
ں کے نزدیک بہت زیادہ قدر وقیمت رکھتا ہے،
وجہ سے قرآن وحدیث میں اخلاص اور حسنِ نیت
صوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:
وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ
لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاۗءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا
الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ " (سورہ بینہ۔۵)
ور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ خدا کی
بادت کریں (اور) یکسو ہو کر۔ اور نماز پڑھیں۔
ور زکوٰۃ دیں۔ اور یہی سچا دین ہے۔
ری جگہ فرمایا:
لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَ
لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (سورہ حج۔۳۷)
دا تک نہ ان کا گوشت پہونچتا ہے اور نہ خون بلکہ
ں تک تمہاری پرہیزگاری پہونچتی ہے۔
اس آیت کی تفسیر سید المفسرین حضرت عبداللہ
باس رضی اللہ عنہ نے یہ فرمائی ہے کہ " ولکن
ہ النیات " یعنی اللہ تعالیٰ تک تمہاری قربانیوں
ت اور خون تو پہونچتا نہیں۔ البتہ اس تک جو
ونچتی ہے وہ تمہاری نیت ہے۔ غرض صحیح نیت
چیز ہے۔ نیت اگر اچھی ہے تو تھوڑا عمل بھی
اللہ کے نزدیک مقبول ہوگا اور اگر نیت ہی درست

نہیں تو سب بے کار ہے، حدیث " انما الاعمال بالنیات "
(اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے) کی شرح کرتے ہوئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی ہجرت ایک عورت سے تعلق کے بناء پر کی تھی یعنی دیگر صحابۂ کرام تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہجرت کر رہے تھے، اور ان کا مقصود رضائے الٰہی تھا۔ لیکن ان صاحب کی غرض محض عورت تھی۔ جس کا نام امّ قیس تھا۔ جس کے سبب ان کا لقب ہی مہاجر اُمّ قیس پڑ گیا۔ صحیح نیت نہ ہونے کی یہ دنیوی سزا ملی۔ کہ کوئی مہاجر الی اللہ ہوتا ہے، کوئی مہاجر الی الرسول کہلاتا ہے، اور یہ مہاجر ام قیس کہلائے۔ ساری عمران کو اس کی ندامت رہی ہوگی کہ نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے کیسا دھبہ لگا کہ لقب ہی بن گیا، اور ان صحابی کا یہ واقعہ تمام امت کے لئے تازیانۂ عبرت بن گیا۔ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب ہمارے سامنے حدیث " انما الاعمال بالنیات " پڑھی جاتی تو ہم ڈر جاتے اور اپنی نیت درست کر لیتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اور تو اور ہمارے طالب علموں کی بھی نیت طلبِ علم میں صحیح نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ لوگ پڑھنے کے زمانے میں بہت محنت بھی کرتے ہیں۔ مگر نیت ٹھیک نہیں ہوتی، اس لئے ویسا ہی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور پھر یہی طالب علم پڑھنے کے بعد عالم اور پیشوا بن جاتے ہیں تو جیسے خود ہوتے ہیں ویسا ہی اپنا فیض دوسروں کو پہونچاتے ہیں۔ میرے قول کی تصدیق آپ کو موجودہ زمانے کی جلسہ بازی سے بخوبی ہو جائے گی کہ تمام رات

تقریر کرتے ہیں اور وعظ کہتے ہیں اور فجر کی نماز غائب۔

"وبلغنا عن ابن عباس انه قال انما
يحفظ الرجل على قدر نيته وقال غيره
انما يعطى الناس على قدر نياتهم"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ کیسا عمدہ معیار صحت نیت پر مبنی ہے کہ انسان کو جو باتیں یاد ہوتی ہیں اس میں اس کی نیت کو دخل ہوتا ہے۔ یعنی نیت جب صحیح ہوتی ہے تو باتیں سمجھ میں بھی آتی ہیں۔ اور یاد بھی رہتی ہیں، ورنہ اگر کسی علم میں داخل ہونے کے بعد اس کی سمجھ نہ کھلے یا وہ باتیں یاد نہ رہیں تو دلیل اس بات کی ہے کہ اس شخص کی نیت ہی صحیح نہیں ہے، لہٰذا اس کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنی نیت صحیح کرے، کیونکہ اگر نیت ہی صحیح نہ ہوگی تو آگلی سب منزلیں ناقص ہی رہیں گی ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

شیخ المحدثین امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی جامع صحیح بخاری کی ابتداء حدیث " انما الأعمال بالنیات " سے ہی کر کے اعمال دینیہ میں نیت کی اہمیت وقدر وقیمت واضح کر دیا ہے کہ اللہ کے نزدیک حسن نیت اعمال کے مقبول ہونے کی دلیل ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر دینی ودنیوی کام مثلاً تالیف وتصنیف، وعظ ونصیحت، تقریر وتحریر، عبادت واذکار، علم وعمل، دعوت وتبلیغ میں حسن نیت، اخلاص وللّہیت اور مطلوب رضائے الٰہی کا ہونا لازم وضروری ہے۔

علامہ نووی ؒ نے اپنی کتاب " الأذکار " کی شروعات بھی اس طرح کی ہے۔ " فصل فی الأمر بالإخلاص وحسن النیات فی جمیع الأعمال الظاهرات والخفیات " یہاں علامہ کے اخلاص کے ساتھ حسن نیت کے ذکر کرنے کا منشا یہ ہے کہ تمام ظاہری اور باطنی اعمال میں اخلاص اور حسن نیت کا پایا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ اخلاص حسن نیت ہی کا نام

جس کے ذریعہ اعمال میں جان اور جلا پیدا ہوتی ہے، اور قربِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

ایک شخص نے اپنے مکان میں روشندان کھولا۔ ایک بزرگ نے ان سے پوچھا کہ یہ روشندان کیوں کھولا ہے؟ جواب میں اس نے کہا کہ ہوا اور روشنی آوے۔ اس پر وہ بزرگ بولے کہ ارے اللہ کے بندے یہ نیت کی ہوتی کہ اذان کی آواز آوے گی تو کیا ہی بہتر ہوتا۔ روشنی اور ہوا تو بہرحال آتی ہی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی کام دین کا ایسا نہیں رکھا ہے کہ اس میں دنیا کا بھی نفع نہ ہو۔ مگر یہ کہ تم کو دین کی نیت کرنے کی وجہ سے حسن نیت کا ثواب مل جاتا ہے۔ (اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِص)۔

ایک مرتبہ صوفیوں کی ایک جماعت کھانا کھا رہی تھی۔ کوئی شخص آیا اور سلام کیا لیکن کسی نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو اس شخص سے سلام کا جواب نہ دینے کا عذر بیان کیا۔ لیکن یہ نہیں کہا کہ فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ کھانا کھانے والوں کو سلام نہیں کرنا چاہئے۔ اور کھانے والے پر جواب دینا واجب نہیں۔ اس لئے ہم نے جواب نہیں دیا، بلکہ یہ کہا کہ بھائی ہم صوفی لوگ ہیں، ہمارا یہ طریقہ ہے کہ جو کام بھی کرتے ہیں۔ وہ اللہ پاک کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم لوگ کھانا بھی حق تعالیٰ کی رضا اور قربِ الٰہی ہی کی نیت سے کھا رہے تھے۔ اس نیت کی وجہ سے ہمارا یہ کھانا بھی گویا عبادت تھی۔ اور عبادت کی حالت میں سلام کا جواب دینا منع ہے، اسی لئے ہم نے جواب نہیں دیا۔ سبحان اللہ کیسا عمدہ جواب طریق کے مطابق دیا۔ واقعی اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات یہ انھیں حضرات کا عمل تھا اور اتباع سنت انھیں کا حصہ تھا۔

(گو اس واقعہ میں ہمارے بہت سے قارئین کو غلو اور تعرف نظر آئے لیکن بات یہ بہت ہی قابلِ غور جب باطن کا صحیح تزکیہ ہو جاتا ہے تو بندۂ مومن کا یہی حال ہو جاتا ہے، حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے تھے کہ جب سے ہم نے شعور کی آنکھیں کھولیں اللہ کی رضا کی نیت کے بغیر کوئی کام نہیں کیا، اولیاء اللہ کی سیرتوں میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں)۔

حسن نیت اور صدق واخلاص گویا قلب کا ایک حال ہے۔ لہٰذا جب نیت صادق ہوگی تو پھر اس کا قول و عمل اور حال سب صادق ہوگا۔ اور اعمال میں جان پیدا ہوگی۔ تو مراتب بلند ہوں گے اور عرفانِ خداوندی حاصل ہوگا چنانچہ اہل اللہ نے جو مراتب پائے ہیں وہ اپنے صدقِ نیت ہی کی وجہ سے پائے ہیں۔ ہمارے اسلاف کا یہی طور و طریقہ رہا ہے۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص سب کے لئے ضروری ہے، خواہ وہ سالک و طالب ہو یا طالب علم ہو۔ مگر اس وقت روئے سخن خاص کر طالب علموں کی طرف ہے، کیونکہ دیکھتا ہوں کہ آج علم دین کو بھی اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں پڑھا جاتا ہے۔ بلکہ اس میں دوسری اغراض فاسدہ ملا لیتے ہیں۔ اسی لئے اس کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔ اسی نیت کی خرابی سے آج ہمارے دونوں مراکز خراب ہوئے۔ یعنی مدارس میں اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھنے پڑھانے والے نہیں رہے۔ اور خانقاہوں کے طالبین میں صدق و خلوص نہیں رہا۔ اب تحصیلِ علم سے غرض استعداد کا بڑھانا اور تقریر کرنا رہ گیا ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی طالب علم اگر استعداد بڑھانے کے لئے پڑھے تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی استعداد درست ہو جائے۔ مگر توفیقِ عمل نہ ہوگی اور دوسرے کی نیت تحصیلِ علم سے اگر عمل کرنے کی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کو عمل کی توفیق ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ استعداد بھی اس کی درست ہو جائے۔ دیکھئے تصحیحِ نیت میں کتنا فائدہ ہے لیکن اس سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ یا کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے خسارے میں پڑ جاتے ہیں۔

اب تو لوگ مشائخ کے یہاں بھی جاتے ہیں ادب و اخلاص سے خالی ہو کر اور ان کے علم و عمل مستغنی ہو کر۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہاں کا پائیں گے۔ اور بزرگوں کو صرف تبرک بنانے کا نہیں چلتا۔ تبرک بنانے کی چیزیں دراصل کتاب و ہیں۔ اب کسی کا علم و عمل تو تبرک نہ ہو؟ محض اس جسم کو تبرک بنالی یہ کونسی روحانیت ہے؟ اور کس نزدیک یہ مطلوب ہے؟ یہ تو محض جسمانیت یا نفسانیت ہوئی۔

افسوس کہ آج مسلمانوں کے دلوں سے اخلا للّٰہیت اور صدق نیت کی دولت اٹھتی چلی جار اور ہر شخص ناموری، ریاکاری کے مرض میں مبتلا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ہماری عبادتیں بے م ہوتی جا رہی ہیں، نمازوں میں دل نہیں لگتا ہے، ہو سے غفلت برتی جا رہی ہے، حصولِ تعلیم میں عد کے سبب طلباء دینیہ قرآن و حدیث کے علوم و معا سے محروم ہو رہے ہیں۔ عمل میں کوتاہی کی جا رہی ہے روزہ، زکوٰۃ، حج اور قربانی کے فریضہ کو بھی م برائے نام رسم و رواج کی طرح ادا کیا جا رہا ہے میں نہ روح ہے، اور نہ جان باقی رہی ہے، اور نہ اخلاص اور صدق نیت پائی جا رہی ہے۔

بندگانِ خدا کو چاہئے کہ وہ اپنی تمام عبا میں اخلاص و للّٰہیت، اور صدق نیت پیدا کریں عبادت کر کے وہ یہ محسوس کر رہے ہوں کہ ہم اللہ سے قریب ہو رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم کی زبان مبارک پر آخرت کے اجر و ثواب کا جو فرمایا ہے اس کی کامل تصدیق اپنے قلب میں پا۔ ہوں، پس جب مومنوں کے قلوب و اذہان میں ان چیزوں میں سے کوئی ایک چیز آ جائے گی یعنی قرب تصور یا وعدۂ خداوندی کی تصدیق تو پھر اب ا کسی عمل کو ریاء و سمعۃ یا دنیا و عادۃً نہیں کیا کیونکہ قربِ حق اور اجرِ آخرت یہ اعلیٰ مقاصد ہیں

(باقی صفحہ ۲ پر)

مجرمانہ سیاست

جناب کلدیپ نیئر

جناب کلدیپ نیئر صاحب ان صاحب قلم لوگوں میں ہیں جو تعمیری اور مثبت مضامین بھی لکھا کرتے ہیں چنانچہ انھوں نے اپنے مضمون "مجرمانہ سیاست" میں پوری جرأت و حق گوئی سے کام لیتے ہوئے ہمارا ملک حب مال و جاہ کے جس کینسر میں مبتلا ہے اس کی ایسی تصویر کشی کی ہے وہ ملک کے ہر ذی شعور کی نیند اڑا دینے کے لیئے کافی ہے جس کو ملک اور اہل ملک سے ذرا بھی تعلق و محبت ہے۔ اگر ہمارے ملک کے یہی لیل و نہار رہے تو ہمارے ملک کا انجام کیا ہوگا۔ اور ہماری آنے والی نسل ہم کو کن الفاظ میں یاد کرے گی۔ کلدیپ نیئر صاحب کے اس مضمون کے بعد من موہن شرما کا بھی مضمون قابل غور ہے جس میں ہماری شاہانہ جمہوریت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

(ادارہ)

مرکزی وزارت داخلہ اب ملک میں جرائم سے کے اعداد و شمار شائع کرنے سے گریز کر رہی ہے کچھ دیر پہلے تک وزارت کی سالانہ رپورٹ میں یہ اعداد و شمار ہوا کرتے تھے حتیٰ کہ وزارت داخلہ کے کسی ضرورت سے زیادہ سرگرم سکریٹری نے یہ سوچا کہ ان اعداد کا جاری کرنا حکومت کی تشہیر کے لیئے درست نہیں ہے چونکہ حکومت کے دائیں ہاتھ کو علم نہیں ہے کہ بایاں ہاتھ کیا کر رہا ہے۔

اس لیئے وزارت کے پولیس ریسرچ کے ادارے نے ملک میں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۹۲ء تک کے چار دہائیوں کے اعداد و شمار کے تجزیہ پر مبنی ایک مطالعہ شائع کر دیا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کا جائزہ لینے کے لیئے ۱۹۹۲ء میں جب بابری مسجد مسمار کی گئی تھی خاص طور پر اس مطالعہ میں شامل کیا گیا ہے۔

مطالعہ سے جو نتائج اخذ کیئے گئے ہیں وہ انتہائی پریشان کن ہیں جرائم کی تعداد میں چار اعشاریہ ۶ فیصد کی شرح سے اضافہ ہوتا رہا ہے۔ جب کہ آبادی میں اضافے کا تناسب 3.2 فی صد رہا ہے فرقہ وارانہ منظم فسادات اور دہشت گردی کی سرگرمیوں پر مبنی تشدد کی منظم وارداتوں میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔

جرم کرنے کے طریقوں میں بھی تبدیلی آئی ہے سفید پوش لوگوں کی طرف سے کیئے جانے والے جرائم میں ماضی کی نسبت اضافہ ہوا ہے کم عمر لوگوں کی طرف سے آتشیں اسلحہ اور دھماکہ خیز مادے استعمال کیئے جانے کی وارداتیں بڑھی ہیں اور خواتین کی طرف سے کیئے جانے والے جرائم کی تعداد میں مردوں کی طرف سے کیئے جانے والے جرائم کی شرح میں تناسب میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔

مطالعہ میں کہا گیا ہے کہ حالیہ برسوں میں جو فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں ان میں انسانی پہلو کے احساس کا قطعاً خیال نہیں رکھا گیا۔ سب سے زیادہ یعنی 63 ٪ فرقہ وارانہ فسادات 1992 میں ہوئے جو بابری مسجد کے انہدام کے بعد واقع ہوئے جن میں تقریباً دو ہزار افراد ہلاک اور 135000 زخمی ہوئے۔

فرقہ وارانہ فسادات کے لیئے مشہور علاقوں کے علاوہ اتر پردیش، کرناٹک، مہاراشٹر، تامل ناڈو اور آسام میں فرقہ وارانہ تشدد کے کئی نئے گڑھ بن گئے ہیں فرقہ وارانہ تشدد اب دیہات میں بھی پھیل گیا ہے جو قبل ازیں اس تشدد سے متاثر نہیں ہوتے تھے رپورٹ میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ دیہی علاقوں میں پولیس کا بندوبست بہت کم ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جہاں تک فرقہ وارانہ تشدد کا تعلق ہے 1970ء کے دس برس مقابلتاً پرامن تھے۔ فرقہ وارانہ فسادات کی سالانہ تعداد 250 کے قریب تھی جن میں ہلاک ہونے والے افراد کی اوسطاً تعداد 110 تھی لیکن 1980ء کے دہائی میں اس تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا واقعات کی سالانہ اوسط بڑھ کر 665 اور مرنے والوں کی تعداد 451 ہو گئی گذشتہ کچھ برسوں میں ہی ملک میں فرقہ وارانہ صورت حال ابتر ہوئی ہے۔

1988 کے شروع سے 1992 کے خاتمہ تک 5 برس کی مدت کے دوران جرائم میں لگاتار اضافہ ہوتا گیا۔ صرف تین صوبوں اور ایک مرکزی علاقہ یعنی گجرات، راجستھان، اتر پردیش اور دہلی میں یہ حالت تھی 1988 میں گجرات میں 87732 سے بڑھ کر 1992 میں جرائم کی تعداد 128155 پر جا پہنچی یعنی 46 فیصد کا اضافہ ہوا راجستھان میں 88146 سے یہ 123426 پر جا پہونچے (40 فی صد اضافہ) اتر پردیش میں 160253 سے 210739 پر پہونچ گئے (35 فیصد اضافہ) اور دلی میں اس مدت کے دوران جرائم کی تعداد 28103 سے بڑھ کر 36302 (29٪) فیصد ہو گئی۔

اکثر تمام تشدد آمیز جرائم میں اضافہ کا یہی رخ رہا مثال کے طور پر 1988 میں قتلوں کی 28771 وارداتیں ہوئی تھیں تو 1992 میں ان کی تعداد 40105 پر جا پہونچی (یعنی 39.4 فیصد اضافہ)، ڈکیتیوں میں 21.5 فیصد لوٹ مار میں 22.4 فیصد اغوا سے متعلقہ وارداتیں 30.1 اور زنا بالجبر کے واقعات 28.7 فیصد بڑھے۔ سب سے زیادہ اضافہ قتل کی کوششوں سے متعلقہ معاملوں میں ہوا (50.8) فیصد۔

وہائٹ کالر یعنی سفید پوش جرائم میں اضافہ کیساں طور پر تشویشناک رہا قابل ذکر اضافہ 1991 سے ہوا۔ جب سے شری نرسمہا راؤ سرکار نے اپنی اقتصادی پالیسی کے کھلے پن کا شری گنیش کیا 1991 میں دھوکہ دھڑی اور جعلسازی کے کیسوں کی تعداد 90000 کے قریب تھی جو کہ

192 میں چھلانگ لگاکر 52500 پر جا پہونچی، گجرات ... پر دیش، مہاراشٹر، اور راجستھان میں ہی ایسی کل وارداتوں میں سے دو تہائی ہوئیں

سفید پوش جرائم کا شاید نکسلیوں سے کسی طرح سے ایم پی بدران کی آرام و آسائش مہیا کرنے پر غریب عوام کے خون پسینے کی کمائی کا ایک لاکھ روپیہ ماہوار پھونک ڈالا جاتا ہے۔ ہاؤس کی کارروائی میں حصہ لینے کا انہیں 200 روپیہ یومیہ الاؤنس ملتا ہے۔ بیشتر ایم پی صرف حاضری رجسٹر پر دستخط کرنے کے بعد ہاؤس سے غائب ہو جاتے ہیں۔ گذشتہ روز ہاؤس میں یہ زوردار مانگ کی گئی کہ ممبران پارلیمنٹ کے لئے حاضری رجسٹر پر دستخط کرنے کی شرط نہیں ہونی چاہئے اور انھیں گھر میں بیٹھے بیٹھے ہی 200 روپے کا الاؤنس مل جانا چاہیئے۔ جب بھی ایم پی چاہیں وہ تمام ملک کی ریلوں میں اپنی بیوی کے ساتھ من چاہے فاصلے تک ایئر کنڈیشنڈ کوچ میں سفر کر سکتے ہیں حالانکہ انھیں ریل کے سفر کی مفت سہولت ہے پھر بھی کئی ایم پی اپنے دورے کا ٹی اے وصول کر لیتے ہیں۔ ایم پی بغیر سود کے کار خریدنے کے لئے قرض لے سکتے ہیں اور قرضہ لینے والے ممبران پارلیمنٹ کی ایک بڑی تعداد اسے بینک کو لوٹائے بغیر واپس چلی آتی ہے اور کسی کو بھی اسے وصول کرنے کی ہمت نہیں ہوتی ہر ایم پی کو پریوار سمیت مفت ہوائی سفر کرنے کی سہولت حاصل ہے انہیں دلی اور ان کے مستقل گھر پر ایک ٹیلی فون مفت دیئے جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ محکمہ ٹیلی فون کو ڈیڑھ کروڑ روپئے کے پچھلے کئی دہائیوں سے ممبران پارلیمنٹ کے ذمے بقایا چلے آرہے ہیں ممبران پارلیمنٹ کو بجلی اور پانی نئی دلی میونسپل کمیٹی کی طرف سے سپلائی کئے جاتے ہیں اس مد میں 52 لاکھ روپئے کی رقم پرانے ممبران پارلیمنٹ کے ذمہ بقایا چلی آرہی ہے اب نئی دلی میونسپل کمیٹی نے تنگ آکر اسے بٹے کھاتے میں ڈال دیا ہے۔ این ایم سی ڈی کے ایک اعلیٰ افسر تسلیم کرتے ہیں کہ نئے پرانے ممبران پارلیمنٹ سے پنگہ مول لیکر اپنی نوکری کو خطرے میں کون ڈالے۔

پارلیمنٹ ہاؤس میں ریلوے کی کینٹین کو 25 لاکھ روپے کی گرانٹ اس لئے ہی دی جاتی ہے تاکہ وہ ملک کے ان ناخداؤں کو کوڑیوں کے مول شاہی کھانا کھلاسکے ویجیٹیرین کھانا ۶ روپئے تھالی ملتا ہے، اس میں دو سبزیاں، دال، سلاد، پاپڑ، ایک بڑی پلیٹ باسمتی چاول اور من چاہی تعداد میں روٹیاں شامل ہوتی ہیں۔ اور گوشت والا کھانا ۱۱ روپے میں ہے۔ مغربی ڈھنگ کا کھانا ۱۶ روپئے میں دستیاب ہے۔ اس میں ایک پلیٹ مرغا یا گوشت۔ دو سبزیاں، سوپ، دالیں سلاد، چاول، روٹیاں۔ فروٹ۔ سلاد کافی شامل ہوتی ہیں ملک شیک ایک روپے میں۔ چائے۔ ایک روپئے میں دو کپ۔ ایک روپئے میں لسی اور بازار کے ریٹوں سے آدھے سے بھی کم ریٹوں پر آئس کریم ملتی ہے۔ دوسرے کھانے کی چیزوں کے ریٹ بھی برائے نام ہیں جیسے ڈوسا ایک روپے میں۔ دو اڈلی ایک روپے میں کھیر دو روپے میں۔ کافی ایک روپے میں

حال ہی میں ٹیلیفون اور رسوئی گیس کا کوٹہ بھی ممبران پارلیمنٹ کو دیا گیا ان سے بھی کئی ایم پی موٹی کمائی کر رہے ہیں۔ جب بھی ممبران پارلیمنٹ کی تنخواہ بڑھانے کا بل ہاؤس میں پیش کیا جاتا ہے تو اسے بغیر بحث کے ہی منٹوں میں لوک سبھا راجیہ سبھا دونوں میں پاس کر دیا جاتا ہے۔ سب سے خاص بات تو یہ ہے کہ اس کی مخالفت کمیونسٹ اور مارکسی بھی نہیں کرتے۔ حال ہی میں ممبران پارلیمنٹ نے اپنی پنشن کی رقم 750 سے بڑھا کر 1500 روپئے ماہوار کروالی ہے اس کے علاوہ جو کوئی خوش قسمت ایک مرتبہ ایم پی بن جائے وہ تمام عمر اپنی بیوی کے ساتھ تمام بھارت کی ریلوں میں من مرضی کے فاصلے تک فرسٹ کلاس میں سفر کر سکتا ہے

یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بھارتیہ ممبران پارلیمنٹ میں بڑے بڑے صنعتی گھرانوں کا اثر بڑھ رہا ہے۔ پارلیمنٹ کے حالیہ اجلاس میں یہ شکایت راجیہ سبھا میں ممبران نے کی کہ پارلیمنٹ کمپلکس میں بڑی بڑی فرموں کے دلال منڈلاتے رہتے ہیں۔ یہ ممبران پارلیمنٹ کو شیشے میں اتار کر ان سے من چاہے کام کرواتے ہیں۔ راجیہ سبھا کی ڈپٹی چیئرمین ڈاکٹر نجمہ ہبت اللہ نے ممبران کو ہدایت کی کہ وہ مشکوک افراد کو پارلیمنٹ میں آنے کے لئے پاس جاری نہ کریں۔

یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ پارلیمنٹ میں بھارت کے ہر بڑے سرمایہ کار گھرانے کی لابی ہے۔ ہر ایک گھرانا اپنی اپنی لابی کے ایم پی کی ہر طرح سے مدد کرتا ہے اس کے عوض میں ایم پی اس صنعت کار گھرانے کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے گذشتہ دنوں جاسوسی کے الزام میں پکڑے گئے ایک غیر ملکی جاسوس رام سروپ نے یہ انکشاف کیا وہ مختلف پارٹیوں کے ممبران کو قیمتی تحائف دیکر ان سے اپنے مفاد سے متعلقہ سوالات ہاؤس میں کروایا کرتا تھا۔ 1952 میں کرنال سے منتخب لوک سبھا کے ایک ممبر کو اس لئے لوک سبھا کی ممبر شپ سے ہاتھ دھونا پڑا تھا کیونکہ اس نے ایک کمپنی سے 20 ہزار روپئے تحفے کے طور پر حاصل کئے تھے۔

دعائے مغفرت

● محمد طاہر صاحب (حسین گنج لکھنؤ) کے صاحبزادے مولوی ابو محمد عاصم ندوی کا مختصر علالت کے بعد اچانک ۱۶ر اکتوبر ۱۹۹۵ء کو انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم ندوۃ العلماء سے گذشتہ سال عالمیت سے فراغت کے بعد امسال عربی میں ڈپلوما کر رہے تھے۔ نماز جنازہ اور تدفین میں ندوۃ العلماء کے اساتذہ اور طلباء نے بھی شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت کرکے جنت الفردوس عطا فرمائے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بیس ہزار روپے فی منٹ

من موہن شرما

ملک کے ممبران پارلیمنٹ کی دلچسپی ہر روز پارلیمانی امور میں کم ہو رہی ہے حالانکہ بھارتی پارلیمنٹ کے دونوں ہاؤس ایئر کنڈیشنڈ ہیں پھر بھی ان میں بیٹھ کر لیجسلیٹو کام کاج نپٹانے میں ممبران پارلیمنٹ کی دلچسپی کم ہو رہی ہے پارلیمنٹ کی ایک منٹ کی کارروائی چلانے پر ملک کے عوام پر 20 ہزار روپے کا بوجھ پڑتا ہے مگر ہمارے ممبران پارلیمنٹ غیر اہم مدعے اٹھا کر ہاؤس کا بیش قیمت وقت برباد کرتے رہتے ہیں۔

سرکاری ذرائع کے مطابق لوک سبھا کے پچھلے اجلاس میں کورم کے فقدان سے 35 مرتبہ لوک سبھا کی کارروائی شروع ہی نہیں ہوسکی، بجٹ اجلاس کے دوران لوک سبھا کی کل 24 میٹنگیں ہوئیں۔ 22 مرتبہ لنچ ٹائم کے بعد ہاؤس کی کارروائی مقررہ وقت پر شروع کرنے میں تاخیر ہوئی اور 13 مرتبہ صبح کی کارروائی تاخیر سے شروع ہوئی۔ 3 دن ہاؤس کی میٹنگ مقررہ وقت سے پہلے ہی ملتوی کرنی پڑی اس کی وجہ یہ تھی کہ ہاؤس میں کورم کا فقدان تھا۔

لوک سبھا کے اصول کے مطابق ہاؤس میں کم از کم 55 سے زیادہ ممبر موجود رہنا چاہئیں ہاؤس کی کل تعداد 542 ممبران ہیں ہاؤس کی کارروائی تبھی شروع کی جاسکتی ہے جبکہ ہاؤس میں موجود ممبران پارلیمنٹ کی تعداد 55 سے زیادہ ہو۔ اس کے علاوہ جب کبھی ہاؤس کی کارروائی چل رہی ہو تو ہاؤس میں موجود کوئی بھی ممبر کورم کا سوال اٹھا سکتا ہے۔

اگر اس وقت ہاؤس میں 55 سے کم ممبر موجود ہوں تو ہاؤس کی کارروائی کو بند کر کے کورم کی گھنٹی بجائی جاتی ہے اور جب تک ہاؤس میں 55 سے زیادہ ممبر نہ آجائیں تو ہاؤس کی کارروائی پھر شروع نہیں کی جاسکتی۔ اگر 15 منٹ تک کورم کی گھنٹی بجنے کے باوجود بھی ہاؤس میں مقررہ تعداد میں ممبر موجود نہیں رہتے تو اسپیکر یا چیرمین ہاؤس کی کارروائی پھر شروع نہیں کر سکتا۔ اگر 15 منٹ تک کورم کی گھنٹی بجنے کے باوجود ہاؤس میں مقررہ تعداد میں ممبر موجود نہیں ہوتے تو اسپیکر یا چیرمین ہاؤس کی کارروائی کو اگلے دن کے لئے ملتوی کر سکتا ہے ویسے عام طور پر ممبران میں اتنا بھائی چارہ ضرور ہے کہ وہ ہاؤس میں کورم نہ ہونے کا سوال عام طور پر اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے۔

ویسے ہاؤس کے تین پرانے ممبر ایسے تھے جو کہ کورم کا سوال اٹھانے کے اہل تھے ان میں مدھیہ پردیش کے حکم چند کچھواہا، سوامی رامیشور آنند اور منی رام باگڑی شامل ہیں۔ آج کے ممبران پارلیمنٹ میں سے بیشتر ہاؤس کی کارروائی کو چلانے کے اصولوں کے بارے میں نہیں جانتے۔

پارلیمنٹ کی خبریں کور کرنے والے اخبار نویس اس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں کہ ہاؤس میں بے حد اہم بلوں پر جب بحث ہوتی ہے تو وہاں پر صرف 5 سے 7 ایم پی ہی بیٹھے ہوتے ہیں کثیر الذکر دلی کرایہ ایکٹ پر جب ہاؤس میں بحث ہوئی تو 20 کے قریب ہی ممبر موجود تھے۔ اب اس بل پر راجدھانی میں ہنگامہ شروع ہوا ہے۔ بیوپاری طبقہ ہڑتال پر ہے۔ ہر پارٹی کرایہ داروں کے ووٹ بٹورنے کے لئے اس بل کے خلاف عوامی جذبات بھڑکا رہی ہے پچھلے دہائی کا سب سے متنازعہ ڈاک بل جب ہاؤس نے پاس کیا تو ہاؤس میں صرف 32 ممبر ہی موجود تھے اس بل کے خلاف جب اخبارات میں گرما گرم بحث شروع ہوئی تو تب کے راشٹرپتی گیانی ذیل سنگھ نے اس کی منظوری دینے سے انکار کر دیا۔

پارلیمنٹ کے خرچے کے بارے میں سرکاری طور پر دیئے جانے والے اعداد و شمار ادھورا سچ ہی پیش کرتے ہیں چالو بجٹ میں لوک سبھا کے خرچے پر صرف 61 کروڑ کی رقم کی دیو ستھا دکھائی گئی جو کہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ ممبران پارلیمنٹ کی سہولیات اور آرام پر جو کہ بھاری خرچہ ہوتا ہے وہ وزارت پارلیمانی امور یا لوک سبھا کی طرف سے کئے جانے کے بجائے مختلف وزارتوں کی طرف سے الگ الگ مدعوں میں کیا جاتا ہے مثال کے طور پر پارلیمنٹ اور اس کے ممبران کی سیکورٹی پر وزارت داخلہ جو بھاری رقم خرچ کرتی ہے وہ اس وزارت کے بجٹ کا حصہ ہوتی ہے اس طرح سے ممبران پارلیمنٹ کے بنگلوں میں باغات پر خرچ ہونے والی رقم مرکزی وزارت پبلک ورکس کے بجٹ سے خرچ ہوتی ہے

ملک کے 40 کروڑ لوگ پہلے ہی غریبی کی لائن سے نیچے زندگی گذاریں مگر ہمارے ممبران پارلیمنٹ کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر اودھ کے شاہ خرچ نوابوں کو بھی حسد ہوگا۔ اور کوئی سروکار نہیں ہے پھر بھی شدید بایاں بازو آندولن میں بھی کثیر پہلو توسیع ہوئی 1988 کے برس سے یہ آندھرا پردیش، بہار، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش اور اڑیسہ جیسے صوبوں کے کئی اضلاع میں پھیلا۔

1989 میں ایسی کل وارداتوں کی تعداد 90 تھی تو 1990 میں ان کی تعداد 682 اور 1991 میں 876 ہو گئی ایسے معاملوں میں سے 80 فیصد آندھرا پردیش اور بہار میں ہوئے۔ ایسی وارداتوں کے بطور نتیجہ ہلاک اور زخمی لوگوں کی تعداد ہر برس بڑھتی گئی۔

کوئی بھی یہ سوچ سکتا ہے کہ ان برسوں میں سرکار نے ایسے جرائم کے خلاف اپنی جد و جہد یقیناً ہی دوگنی کی ہوگی لیکن یہ سوچنا صحیح نہیں ہے بھائیو سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ جرائم کا پتہ لگنے اور انہیں نپٹانے

کے معاملہ میں پولیس اور عدالتوں کا کام کاج مایوس کن رہا ہے جانچ کے لئے پینڈنگ پڑے معاملوں میں سے قتل کے کیسوں میں 2، 36 فیصد کا اضافہ ہوا۔ ڈکیتی کی جانچ سے متعلق کیس 3، 15 فیصد اور بلاتکار کے 0، 3 فیصد اور فسادات کی جانچ کے لئے پینڈنگ پڑے کیسوں کی تعداد 72615 تھی جن کے بارے میں پولیس نے ابھی جانچ کرنی تھی یہ فیصد 9، 73 تھا۔

جرائم سے متعلق جانچ کے لئے پینڈنگ پڑے کیسوں اور زیر سماعت کیسوں میں تو اضافہ ہوا ہی۔ جرائم کے کئی کیس ایسے بھی ہیں جو بغیر نشاندہی کے ہی رہ گئے۔ ساتھ ہی سزا پانے والوں کے تناسب میں بھی گراوٹ آئی ہے جائزہ میں کہا گیا ہے کہ کئی لوگوں کو جن میں سے کئی کے خلاف مذموم جرائم کے کیس ہیں۔ ضمانت پر رہائی حاصل کی گئی

جرائم کی جانچ کے معیار میں آ رہی گراوٹ کی وجوہات میں سے ایک مؤثر نگرانی کا فقدان بھی ہے نیشنل پولیس کمیشن کی سفارشات کو شریمتی اندرا گاندھی نے اس آدھار پر خارج کر دیا تھا۔ کہ کمیشن کی تشکیل جنتا سرکار نے ایمرجنسی کی زیادتیوں کے پس منظر میں کی تھی۔ کمیشن کی رپورٹ میں یہ بھی اشارہ کیا گیا تھا کہ جانچ پڑتال میں مناسب دلچسپی سے عوام میں اطمینان کے لحاظ سے حالت میں سدھار ہوگا۔ اس میں یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ افسر کی ترقی پڑتال کے کام کی مقدار اور خوبیوں پر منحصر ہو۔

اگر پولیس کی تربیت ٹھیک کی جائے عدالتی نظام کی تشکیل نو کی جائے اور سیاسی مداخلت کو روکا جائے تو صورتحال کو بہتر بنانے میں مدد مل سکتی ہے مگر عوام کے اشتراک اور تعاون کے بغیر جرائم پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ لیکن یہ اشتراک اور تعاون حاصل نہیں ہو پا رہا ہے کیوں کہ یہ احساس بڑھ رہا ہے کہ خود حکومت جرائم میں اضافہ کے لئے ذمہ دار ہے۔ اور غنڈہ عناصر و ٹھگوں کا استعمال سیاسی مقاصد کے لئے کرتی ہے۔ حکمرانوں اور جرائم کی روک تھام پر مامور پولیس دونوں پر اعتبار نہیں کیا جا رہا ہے۔

مذکورہ صورتحال میں امن و قانون کو قائم رکھنے والے سرکاری عملہ پر عوام کا اعتماد اٹھ جانا ایک قدرتی امر ہے۔ جرائم کو روکنے میں ناکامی ایک بری چیز ہے لیکن اس کام کے لئے ذمہ دار سرکاری اداروں کا غیر مؤثر ہو جانا مرکز اور ریاستوں کی سرکاروں کے کام کاج پر ایک افسوسناک تبصرہ ہے، فوجداری واقعات میں انصاف دلانے والا نظام تو قریب قریب ختم ہوتا دکھائی دے رہا ہے لیکن اس سے بھی بری بات یہ ہے کہ یہ احساس صرف عوام اور ماہرین میں ہی نہیں پایا جاتا بلکہ مختلف سطحوں پر اس نظام میں کام کرنے والے افراد بھی اسے محسوس کر رہے ہیں۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ سماج اور اختیارات کا استعمال کرنے والے سبھی لوگ ان معیاروں پر پورے نہیں اترے جو ان کے لئے مقرر تھے یا جن کو پورا کرنے کی توقع ان سے کی جاتی تھی امید کی جاتی تھی کہ ایک بار جب جدید اور آزاد خیال ادارے اور قدریں ملک میں جڑ پکڑ لیں گی تو فرقہ داری اور ذات پرستی کی بیماری ختم ہو جائے گی۔ جس نے بھارتی سماج کو تقسیم کر رکھا ہے لیکن اب سیاست داں اور ان کے ساتھی معاشرے پر غالب آ گئے ہیں مذہب اور ذات پات سماج کو تقسیم کرنے والی اور بھی زوردار طاقتیں بن گئی ہیں۔

مطالعہ میں کہا گیا ہے کہ ووٹ بینکوں کی سیاست کی وجہ سے سیاسی زندگی میں بھی جرم کا رجحان شامل ہو رہا ہے اقتدار حاصل کرنے اور اس پر قابض رہنے کے لئے روقوم اور جسمانی طاقت کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ سیاست میں مجرمانہ ذہنیت کا شامل ہونا ہی بہت حد تک تشدد میں اضافہ اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرنے والے نظام کے غیر مؤثر ہونے کا سبب ہے۔ سیاست دانوں کی اس نظام میں مداخلت بھی نظام میں کمزوری کا سبب ہے۔

اس صورتحال سے ہم کیسے چھٹکارا پائیں؟ 1996 کے پارلیمنٹ کے چناؤ اتنی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں کہ انہیں مافیا۔ دولت اور دھاندلی والے لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ چناؤ کمیشن کس حد تک مدد کر سکتا ہے۔

ایک مطالعہ

تاریخ دعوت و عزیمت جلد پنجم

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

قسط (۱)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

حضرت شاہ ولی اللہؒ اس دور کے مجدد ہیں جب ہندوستان سیاسی، انتظامی، اخلاقی، اور بہت حد تک اعتقادی حیثیت سے انحطاط و پستی کے اس نقطہ پر پہنچ گیا تھا جو اسلامی ملکوں کے زوال اور مسلم معاشرہ کی پستی کا افسوسناک اور خطرناک مرحلہ ہوتا ہے، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اس مجموعی صورت حال کا نقشہ اپنے ایک مضمون میں بڑی بلاغت و اختصار کے ساتھ کھینچا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا۔ جھوٹے فقرا اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزار پر چراغ جلائے بیٹھے تھے۔ مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ہنگاموں سے پرشور تھا۔ فقہ اور فتاویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی۔ مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا۔ عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکامات و ارشادات اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے۔"

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اصلاح و تجدید کا دائرہ اپنے اندر بڑی وسعت اور تنوع رکھتا تھا اور اس میں علمی اور فکری رنگ غالب تھا۔ اس کے حدود میں تدریس و تصنیف۔ اشاعت کتاب و سنت، اسرار و مقاصد شریعت کی توضیح۔ آنے والے عقلی دور کی رعایت۔ تربیت و ارشاد۔ ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت، سیاسی تبدیلیوں اور ابھرتی ہوئی طاقتوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ۔ اور ان میں ملت کے تحفظ اور تشخص کے بقا کی ممکنہ تدبیریں علوم اسلامیہ میں مجتہدانہ فکر و نظر اور اس کی طبقۂ علماء کی طرف منتقلی کی کوششیں سب شامل تھیں۔

آیئے ہم دیکھیں کہ عالم اسلام بارہویں صدی ہجری میں کس حال میں تھا۔ ایک عہد اور اس عہد کی دنیا اور انسانی معاشرہ ایک بہتے ہوئے دریا کی طرح ہوتا ہے جس کی ہر موج دوسری ہر موج سے مربوط اور متصل ہوتی ہے۔ کوئی ملک گرد و پیش کی دنیا میں پیش آنے والے اہم واقعات، انقلابات باہم نبرد آزما طاقتوں اور طاقتور تحریک سے یکسر غیر متعلق نہیں رہ سکتا۔

سلطنت عثمانیہ بارہویں صدی میں

شاہ صاحب کے عہد شباب میں سلطنت عثمانیہ میں مطبعوں کا رواج ہوا۔ اور پہلا مطبع قسطنطنیہ میں قائم ہوا۔ اسی عہد میں نجد و حجاز میں شیخ محمد بن عبد الوہاب (۱۱۱۵ھ ..... ۱۲۰۶ھ) کی تحریک نے فروغ پایا۔ عثمان ثالث کے زمانہ میں علی بے مصر کی حکومت پر پوری طور پر حاوی ہوگئے مصر میں محرم ۱۱۸۷ھ میں علی بے اور محمد بے (مشہور بابی الذہب) کی فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ علی بے گرفتار ہوا۔ اور مصر دوبارہ سلطنت عثمانیہ کی مکمل قبضہ میں آگیا۔

حجاز کی صورتِ حال

شاہ صاحب نے جب حجاز کا سفر کیا اور حرمین شریفین میں طویل قیام کیا اس وقت حجاز میں سلطنت عثمانیہ کے نائب اور نمائندہ امیر حجاز (جو شریف مکہ کہلاتے تھے) محمد بن عبد اللہ والی حجاز تھے ان کا زمانہ خانہ جنگیوں اور خاندانی کشاکش کا زمانہ تھا، بارہویں صدی کے وسط میں راستوں کی بدامنی۔ بدوؤں کی غارت گری اور بدانتظامی کی شکایت تاریخ کی کتابوں اور حج کے سفرناموں میں اکثر ملتی ہے۔ ترک عام طور پر بربنائے احترام یہاں کے معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے۔ شاہ صاحب نے ان غیر اطمینان بخش حالات کو اپنی چشم بصیرت سے دیکھا۔

یمن:- یہاں بھی تقریباً وہی نظام تھا مگر امامت کا نظام نافذ تھا۔ اس پر نسباً سادات اور مذہباً زیدی حضرات فائز ہوتے تھے مذہب زیدی کی حکومت اور فروغ کے باوجود رعایا زیادہ تر سنی اور مذہباً شافعی تھی۔

ایران:- خاندانِ صفوی کی سلطنت پر دو صدیاں گذر چکی تھیں اور اضمحلال کا دور آگیا تھا۔ افغانستان نے اپنے حوصلہ مند حکمران محمود خاں غلزئی کی قیادت میں ایران پر حملہ کیا۔ اور اصفہان کو فتح کرلیا۔ روس کے فرمانروا پیٹر اعظم نے ایران کے شمالی اضلاع پر حملہ کیا اور ایران کو اپنے بہت سے اہم اضلاع سے دست بردار ہونا پڑا۔ شاہ ایران قید میں تھا اس کے شہزادے طہماسپ کو ایک لائق صاحب عزم و نظم قائد مل گیا۔ جو اس گروہ میں شامل تھا جو نئی سلطنتوں کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یہ نادر شاہ افشار تھا۔ وہ آندھی پانی

کی طرح اٹھا اور سارے ملک پر چھا گیا۔ اس نے افغانوں کو ایران سے بے دخل کر دیا اور روسیوں سے باعزت صلح کی۔ اہل عرب کو ملک کے مغربی حدود پر روک دیا اور سلطان روم کو شمال کی طرف پسپا کیا ایران نے اپنی قدیم سرحدیں پھر سے حاصل کر لیں۔

نادر نے کوشش کی کہ ایرانی شیعیت سے دست بردار ہو جائیں وہ نسلاً ترک اور مذہباً سنی تھا لیکن اس میں وہ کامیاب نہیں ہوا۔ اس نے بلوچستان۔ بلخ اور قندھار پر قبضہ کیا۔ وہاں سے تسخیر ہند کے لئے روانہ ہو کر کابل۔ پشاور اور لاہور کو تسخیر کیا۔ کرنال میں مغل شہنشاہ کی بڑی فوج کو شکست دی اور دہلی میں خوفناک قتل عام کرایا۔ اس نے مغل بادشاہ سے تخت نہیں لیا مگر پچاس کروڑ ڈالر کی مالیت کا تاوان وصول کیا۔ یہ ایک بڑا زبردست سالار تھا لیکن حقیقی تدبر سے ناواقف تھا اور انتظامی قابلیت نہیں رکھتا تھا ۱۷۴۷ء میں اپنے ہی قبیلہ کے ایک آدمی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

اس کی موت سے ایران میں ابتری پھیل گئی۔ بڑے ہی خونریز جنگوں کے بعد ایران کا تخت خاندان قاچار کے لئے خالی ہوا۔ مگر یہ عہد شاہ صاحب کے بعد کا ہے۔

افغانستان اور احمد شاہ ابدالی

احمد خاں نام کا ایک جنگی قیدی نادر شاہ کے سامنے لایا گیا۔ نادر شاہ اس سے متاثر ہوا اور اپنے ذاتی ملازموں میں شامل کیا وہ ترقی کرتا گیا اور نادر کے قتل کے بعد اس نے افغانی صوبوں کی عنانِ حکومت سنبھالی۔ وہ ابدالی قبیلہ کی درانی شاخ سے تعلق رکھتا تھا اس نے درانی سلطنت کی بنیاد رکھی، یہ شخص عبقری (GENIUS) شخصیتوں میں شمار کئے جانے کا مستحق ہے اس نے ۱۱۸۶ھ میں قندھار میں وفات پائی۔ اورنگ زیب کی طرح اس کے جانشین بھی کمزور اور نااہل تھے، کچھ عرصہ اس خاندان کی حکومت کے بعد سلطنت بارک زئی خاندان میں منتقل ہو گئی جو انقلاب افغانستان ۱۹۷۵ء تک افغانستان میں حکمراں رہا۔

بارہویں صدی کے اہل کمال

مسلمانوں کی علمی و فکری تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا یہ پہلو سیاسی عروج اور سلطنت کی ترقی سے وابستہ نہیں رہا۔ ان کے سیاسی زوال اور اندرونی انتشار کے زمانے میں ایسے ممتاز اہل کمال پیدا ہوئے جو دورِ زوال کی پیداوار نہیں معلوم ہوتے۔ سقوطِ بغداد اور تاتاریوں کے حملے کے بعد وہاں ماہر فن علماء نظر آتے ہیں اسی طرح انحطاط کے دور میں بھی مصر و شام و عراق و حجاز، یمن، ایران اور ہندستان میں ہر جگہ علماء، درس و تدریس میں مشغول۔ علمی ذوق رکھنے والے تصنیف و تالیف میں سرگرم اور مشائخ طریقت، تزکیۂ نفس و اصلاح باطن میں منہمک اور کمالات روحانی اور ترقیات باطنی سے آراستہ و متصف تھے۔ اس زمانہ کے اہل علم پر غالب ذوق ادب، شاعری، علم مجلسی کا رہا ہے۔ مسجع اور قوافی کی کثرت اور تکلفات عام تھے ترک علماء کی ایک بڑی تعداد فصیح عربی بولتی تھی۔ جامع اموی دمشق میں مسندِ درس پر بیٹھنا بڑے فخر کی بات تھی، بعض مشائخ فتوحات مکیہ فصوص الحکم کا درس دیتے تھے اور لوگ وحدت الوجود کا ذوق رکھتے تھے۔

ایران میں دسویں صدی ہجری میں شاہ اسمٰعیل صفوی نے شیعیت کو ملکی مذہب بنایا اور سنی مذہب کو تقریباً ایران سے نکال دیا۔ وہ ایران جس نے امام مسلم۔ امام ابوداؤد امام نسائی۔ امام ابن ماجہ۔ علامہ ابو اسحٰق شیرازی اور امام غزالی جیسی سرآمد روزگار شخصیتیں پیدا کیں اس کا رابطہ حدیث و فقہ سے منقطع ہو گیا۔

شاہانِ ایران کا رجحان فلسفہ و حکمت کی طرف زیادہ تھا کیونکہ شیعیت کو شروع ہی سے اعتزال و عقلیت اور فلسفہ سے مناسبت رہی ہے، شاہ طہماسپ کے زمانے میں میر غیاث الدین منصور کا ستارۂ اقبال بلند ہوا جو اشراقی حکیم اور فلسفی اور شیراز کے مدرسہ منصوریہ کے بانی تھے۔ انھیں کے شاگرد امیر فتح اللہ شیرازی دسویں صدی کے آخر میں ہندوستان آئے انھوں نے ہندستان کے نصابِ درس اور طریق تعلیم پر عقلیت کی ایسی گہری چھاپ لگائی جو تیرھویں صدی ہجری تک باقی رہی۔ گیارہویں صدی کے وسط میں میر باقر داماد کی شخصیت ابھری ان کی کتاب "الافق المبین" درسی حلقوں کی بلند پروازی کا منتہیٰ سمجھی جانے لگی، علامہ صدر الدین شیرازی کی شخصیت نمایاں ہوئی جو اشراقی حکیم اور آزاد خیال فلسفی تھے۔ ان کی دو کتابیں "الاسفار الاربعہ" اور شرح ہدایۃ الحکمۃ" معروف بہ صدرا عالمگیر شہرت رکھتی ہیں۔

ایران کا اثر پڑوسی ملکوں پر پڑا۔ ہرات کے ایک عالم قاضی محمد اسلم ہروی کابلی منطق و حکمت میں اساتذہ ایران کے سفیر تھے۔ ان کے صاحبزادہ قاضی محمد زاہد مشہور بہ میر زاہد۔ نے اس کمال میں اور چار چاند لگا دیئے "شرح مواقف"، "شرح تہذیب"۔ اور رسالہ قطبیہ" پر ان کے تین حواشی نے "زواہد ثلاثہ" کے نام سے مشہور رہیں۔ ہندوستان کے درس و تدریس کے حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی لیکن فقہ و حدیث اور علوم دینیہ میں پایہ بلند نہیں رکھتے تھے۔

ہندوستان: حضرت شاہ ولی اللہ کی ولادت اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار سال پہلے (۱۱۱۴ھ) میں ہوئی اورنگ زیب نے زمام حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد اپنی پوری توجہ مخالفِ اسلام اثرات کو مٹانے اور شیعیت کے اثر کو کم کرنے میں لگائی۔ پوری سلطنت میں شرعی قوانین جاری کئے اس کے عہد میں "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا، جو اسلامی دنیا میں قانون اسلامی کا ایک بڑا مستند ماخذ سمجھا گیا۔ یہ ایک زبردست

عالی شان بادشاہ تھا۔ مگر اس کے جانشین بہت کمزور تھے۔ تخت سلطنت پر یکے بعد دیگرے کمزور وناا ہل حکمراں آتے رہے۔ پہلا ہی جانشین شاہ عالم بہادر شاہ اول اپنے نامور باپ کا بالکل ضد تھا اس نے شیعی مسلک اختیار کرلیا تھا عوام اور فوج میں بددلی پیدا ہوئی۔ ظریف شوخ طبع لوگوں نے اس کی تاریخ جلوس "شہ بے خبر" کہی ہے۔ مزاج پر خفقان کا غلبہ تھا۔

اس کے بعد فرخ سیر تخت نشین ہوا جو دو بھائیوں حسین علی خاں (امیر الامرا) اور عبد اللہ خاں (قطب الملک) کے ہاتھوں میں کھلونا بن گیا۔ انھوں نے بادشاہ کی آنکھوں میں سلائی پھیری قید کیا اور ۶ سال چار ماہ کی حکومت کے بعد دنیا سے رخصت ہوا۔

پھر محمد شاہ بادشاہ ہوئے۔ یہ دونوں بھائی اور رتن چند اس پر چھائے رہے۔ اس بادشاہ پر تعیش کا وہ غلبہ ہوا کہ اس نے سارے عیش پسندوں کو مات کردیا۔

گو سادات بارہہ کے اقتدار کا خاتمہ ہوگیا مگر مغلیہ کی قسمت نہیں بدلی ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ نے دہلی کا رخ کیا۔ قتل عام ہوا۔ (شاہ صاحب کی عمر اس وقت ۲۷ سال تھی) لوٹ مار کرکے نادر شاہ لوٹ گیا۔ سلطنت دہلی سے بنگال، بہار، اڑیسہ، الگ ہوگئے۔

۱۱۶۱ھ میں محمد شاہ مرگیا اور مرنے سے پہلے خاندانِ تیموریہ کو تباہی کے کنارہ پر پہنچا گیا۔ محمد شاہ کے بعد شاہ عالم ثانی تخت نشین ہوا اپنے ۴۸ سالہ عہد حکومت میں دوسروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہا ۱۷۶۵ء میں اس نے انگریزوں کی اطاعت قبول کرلی اس نے انگریزوں سے معاہدہ کیا جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے اختیارات تقریباً مکمل کردیئے خود کو مرہٹوں کے پناہ میں دے دیا۔ شاہ عالم ثانی سے پہلے ہی پورا ملک مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کے رحم وکرم پر ہوگیا تھا

احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دی اور شاہ عالم کو دہلی بلانے کی بہت کوشش کی۔ شاہ عالم اس جیت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ غلام قادر روہیلہ نے دہلی پر قبضہ کرلیا اور بادشاہ کی آنکھیں نوک خنجر سے نکلوالیں ۱۷۸۹ء میں سندھیا نے غلام قادر کو بڑے دردناک طریقہ سے قتل کیا اور شاہ عالم کو دوبارہ تخت پر بٹھایا ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک انگریزی فوج کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا مرہٹوں کو نکال دیا۔ اور بادشاہ کی پنشن ایک لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کردی۔

علمی اور روحانی حالت

اس ساری بدنظمی اور انتشار کے باوجود یہ دور انفرادی طور پر علمی کمالات کا دور تھا۔ ایسی باکمال اور ممتاز شخصیتیں پیدا ہوئیں جو اسلام کی مردآفرینی اور آدم سازی کی دلیل ہیں، ملا جیون اور ملا نظام الدین جیسے بے مثال عالم اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں جیسے سلوک وطریقت کے بحر کے شناور ان حضرات میں ہیں ان باکمال عالموں اور مشائخ کے نام اگر گنائے جائیں تو بڑی لمبی فہرست تیار ہوگی (جاری)

(بقیہ)
یہ ہے عورت کا مقام

ہوئے اترتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ شراب پی ہے۔

چنانچہ اللہ کی مار پڑی ایسے معاشرہ پر جس نے عورت کی بے عزتی کی اور

ان کی عصمت پر ڈاکہ ڈالا اور اس کی اہمیت کو بھی گرایا۔ اور اس کو ایسی لتواللہ بدفعلیوں میں مبتلا کردیا کہ سماج میں ان عورتوں کی کوئی عزت نہ رہی۔ دارو اور شراب پینے والی عورت کیا

کسی کی مقدس ماں بن سکتی ہے کسی کی پاکدامن بیٹی بن سکتی ہے کیا ایسی عورت کسی بھائی کی ایسی بہن بن سکتی ہے کہ بھائی اس کی عصمت کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کردے کیا دارو پینے والی عورت کسی انسان کا نصف الایمان بن سکتی ہے، یہ وہ عورتیں ہیں جنھیں یورپین مردوں نے تیار کیا ہے بلکہ اس کی وبائیں اب مسلم معاشرہ میں بھی داخل ہونے لگی ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ یعنی اپنے گھروں میں قرار سے جمی رہو۔

گھر میں اگر گھر والی ہی نہ ہو تو گھر گرہستی چل ہی نہیں سکتی جیسے کارخانے مردوں کے بغیر چل نہیں سکتے دنیا کا انتظام مردوں کے بغیر انجام نہیں پا سکتا ویسے ہی گھر کا انتظام عورتوں کے بغیر چل ہی نہیں سکتا۔ (جاری)

(بقیہ)
اخلاص کی اہمیت

کو چھوڑ کر نیک اور صالح بندے ادنیٰ اور ارذل امور اپنے اخلاص کی وجہ سے اختیار نہیں کریں گے۔ بلکہ اب انھیں ریا ورسم سے سخت نفرت ہوجائے گی اور عبادت ومعاملات اور دیگر امور دنیہ کو اختیار کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مؤثر حقیقی سمجھیں گے۔ تاکہ دنیا میں سرخروئی اور آخرت میں رضائے الٰہی حاصل ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل اخلاص ہے۔ یہی خدا تعالیٰ تک پہونچتا ہے اور یہی مقبول ہوتا ہے۔ اور اعمال جو مقبول ہوتے ہیں تو اخلاص ہی کے مقرون ہونے کی وجہ سے مقبول ہوتے ہیں۔ بغیر اخلاص کے اعمال کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔

رپورٹ

مولانا عتیق احمد بستوی

پورے ہندوستان میں تحفظ شریعت ہفتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس احمد آباد کا اہم فیصلہ

۷، ۸ر اکتوبر ۱۹۹۵ء کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا بارہواں اجلاس صوبہ گجرات کے تاریخی شہر احمد آباد میں پوری آب و تاب کے ساتھ منعقد ہوا، بورڈ کے اس اجلاس پر پورے ملک کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں، کیونکہ یہ اجلاس ان حالات میں ہوا جب کہ ایک طرف سپریم کورٹ کے ایک فیصلہ میں مسلم پرسنل لا پر نارو تنقید کے ساتھ حکومت ہند کو یکساں سول کوڈ مرتب اور نافذ کرنے کی ہدایت دی گئی ہے دوسری طرف بھاجپا اپنے زیر اقتدار صوبوں میں اسلام کے عائلی قوانین میں مداخلت کرنے والے قوانین نافذ کرنے پر بضد ہے چنانچہ مہاراشٹر اسمبلی میں ایسے متعدد قوانین پاس کیے جاچکے ہیں۔

مسلم پرسنل لا بورڈ مسلمانان ہند کا سب سے زیادہ باوقار اور متفقہ پلیٹ فارم ہے، مسالک اور فرقوں سے بلند ہوکر تمام علماء، قائدین، ماہرین قانون اس پلیٹ فارم پر جمع ہوکر ہندوستان میں اسلام کے عائلی قوانین کے تحفظ کی تدبیریں سوچتے ہیں، مشترکہ لائحہ عمل اور منصوبے تیار کرتے ہیں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی کی قیادت میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر سایہ امت مسلمہ ہندیہ کا کارواں رواں دواں ہے اور کامیابی کی منزلیں طے کررہا ہے۔

بورڈ کے اس اجلاس کی تیاریاں مہینوں سے چل رہی تھیں، بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا نظام الدین صاحب تیاریوں کا جائزہ لینے کے لئے متعدد بار احمد آباد تشریف لے جاچکے تھے مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب نقوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے بھی اجلاس کے حق میں فضا سازگار بنانے کے لئے گجرات کے کئی سفر کیے۔ گجرات کے مرکزی شہروں اور اہم مقامات پر بڑے بڑے جلسے کئے گئے جس میں مقامی علماء واعیان کے علاوہ مولانا سلیمان سکندر صاحب (حیدرآباد) مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا محمد خالد ندوی، مولانا عبدالقادر ندوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری نے حصہ لیا، ان جلسوں کی وجہ سے فضا ہموار ہوئی اور پورا صوبہ گجرات آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس کے لئے چشم براہ ہوگیا۔

بورڈ کے اجلاس احمد آباد میں ملک کے تمام صوبوں اور اطراف واکناف سے بورڈ کے تاسیسی اور میقاتی ارکان کے علاوہ بڑی تعداد میں مدعوئین خصوصی نے شرکت کی، گجرات کے علماء، عمائدین، تجار اور اصحاب علم ودانش نے اجلاس کی تمام نشستوں میں پوری دلچسپی سے حصہ لیا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس احمد آباد میں اس بات پر تشویش ظاہر کی گئی کہ یکساں سول کوڈ کا فتنہ بار بار جگایا جارہا ہے اور مسلم پرسنل لا کو سبوتاژ کرنے کے لئے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی کوششیں برابر جاری ہیں، مہاراشٹر اسمبلی نے نکاح ثانی پر پابندی اور تبنیت کے بارے میں جو بل انتہائی عجلت سے پاس کئے ہیں، جن کی زد اسلام کے عائلی قوانین پر پڑتی ہے، بورڈ اجلاس احمد آباد نے ان کا بھی پوری سنجیدگی سے نوٹس لیا اور صدر جمہوریہ ہند سے مطالبہ کیا کہ ان بلوں پر دستخط نہ کریں کیونکہ ان سے دستور میں دیا ہوا مذہبی آزادی کا حق (دفعہ ۲۵) بری طرح مجروح ہوتا ہے، اس سلسلے میں اجلاس احمد آباد نے بورڈ کی مجلس عاملہ کے اس فیصلہ کی توثیق کی کہ بورڈ کا ایک موقر وفد جلد از جلد صدر جمہوریہ ہند سے ملاقات کرکے مذکورہ بالا مطالبہ پیش کرے۔

بورڈ کی مجلس عاملہ کے مذکورہ بالا مطالبہ پر زور دیا

بورڈ کے اجلاس احمد آباد نے سب سے اہم فیصلہ یہ کیا کہ ماہ نومبر کے آخر میں (۲۴ تا ۳۰ نومبر ۱۹۹۵ء) پورے ملک میں تحفظ شریعت ہفتہ منایا جائے، اس ہفتہ میں مختلف پروگرام کئے جائیں، ایک دن اصلاح معاشرہ کا پروگرام ہو جس میں سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کی نشاندہی کی جائے، ان کے نقصانات بیان کئے جائیں، شادی بیاہ کی ناجائز رسموں کی مذمت کی جائے، طلاق کے بے جا استعمال سے روکا جائے، ایک دن خواتین کا پروگرام کیا جائے، جس میں واضح کیا جائے کہ اسلام کے عائلی قوانین عورتوں کے لئے سراپا رحمت ہیں، اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں اس کی مثال کسی دوسرے مذہب اور قانون میں نہیں ملتی، ایک دن نوجوانوں کا پروگرام کیا جائے، نوجوانوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائی جائیں، ایک دن غیر مسلموں کا پروگرام رکھا جائے، انھیں اسلام کے عائلی قوانین سے واقف کرایا جائے اور بتایا جائے کہ یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی کوشش ملک کے لئے انتہائی مہلک اور نقصان دہ ہے، ملک کی سالمیت اور رنگا رنگی اسی میں ہے کہ تمام مذاہب کے لوگوں کو ان کے مذاہب پر عمل کرنے کی آزادی دی جائے، تحفظ شریعت ہفتہ" کا مفصل خاکہ بورڈ کا سکریٹریٹ مرتب کرکے ہر صوبہ کے ذمہ داروں کے پاس بھیجے گا اور اخبارات کے ذریعہ بھی اس کا اعلان کرے گا

بورڈ کے اجلاس احمد آباد نے بابری مسجد کے بارے میں اس فیصلہ اور مطالبہ کا اعادہ کیا کہ بابری مسجد کی عمارت جس خطۂ زمین پر قائم تھی وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہے، مسجد کی عمارت منہدم کر دینے اور وہاں مورتیاں نصب کرنے سے اس کی مسجدیت ختم نہیں ہوتی، بورڈ کا مطالبہ ہے کہ مسلمانوں کو اسی مقام پر بابری مسجد تعمیر کرنے دیا جائے۔

ہر تین سال پر مسلم پرسنل لا بورڈ کا انتخابی اجلاس ہوتا ہے، اجلاس احمد آباد انتخابی اجلاس تھا، اس لئے اس میں آئندہ میقات (سہ سالہ) کے لئے صدر بورڈ اور دیگر ذمہ داران کا انتخاب ہوا، ۷ر اکتوبر ۱۹۹۵ء کی پہلی نشست میں ـــــ مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی نے آئندہ میقات میں بورڈ کی صدارت کے لئے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کا نام اس تمہید کے ساتھ پیش کیا کہ طوفان میں ناخدا نہیں بدلے جاتے، اس تحریک صدارت کی تمام شرکاء نے بہ یک زبان تائید کی، بورڈ کے دوسرے عہدہ داران بھی وہی حضرات رہے جو پہلے سے چلے آ رہے تھے۔

اجلاس احمد آباد کا اجلاس عام ۸ر اکتوبر ۱۹۹۵ء کو بعد نماز عشاء ملک شعبان اسٹیڈیم میں ہوا، اجلاس عام میں لاکھوں کا مجمع تھا، تا حد نظر انسان ہی انسان نظر آ رہے تھے مجمع کا جوش و خروش بتا رہا تھا کہ مسلمانان ہند کو اسلامی شریعت میں مداخلت کسی حال میں برداشت نہیں، مسلمانوں نے عہد کر رکھا ہے کہ وہ ہندوستان میں اسلامی تشخص اور اسلامی شریعت پر عمل آوری کے ساتھ زندہ رہیں گے، اجلاس عام کو خطاب کرنے والے چند حضرات یہ ہیں (۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (۲) جناب مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل (۳) جناب مولانا سراج الحسن صاحب امیر جماعت اسلامی ہند (۴) جناب مولانا مختار احمد ندوی صدر جمعیۃ اہل حدیث ہند، (۵) جناب محمود بنات والا (مسلم لیگ) (۶) مولانا حمید الدین عاقل حسامی حیدر آباد (۷) جناب مولانا سید محمد علی رحمانی خانقاہ رحمانیہ مونگیر (۸) مولانا سلیمان سکندر حیدر آباد (۹) مولانا سید سلمان حسینی ندوی (دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) (۱۰) مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری (۱۱) مولانا ذوالفقار اللہ صاحب قاسمی ترکیسر گجرات، جناب مولانا نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی دعا پر اجلاس عام چار بجے رات میں ختم ہوا، اناؤنسری کے فرائض جناب مولانا رضوان القاسمی (حیدر آباد) نے انجام دیئے۔

اجلاس احمد آباد کے موقع پر اہالیان احمد آباد نے مہمانوں کی ضیافت اور راحت رسانی کا بے مثال نمونہ پیش کیا، اپنے فلیٹ اور مکانات خالی کر کے ان میں مہمانوں کو ٹھہرایا، انھیں گھر جیسا آرام پہونچایا۔ احمد آباد کے دو نوعمر مدارس جامعہ فیضان القرآن سرسپور احمد آباد، مدرسہ اسلامیہ عربیہ الفضل مسجد جوہا پورہ احمد آباد کے اساتذہ اور طلبہ نے اجلاس کی تیاریوں اور انتظامات میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا، جامعہ فیضان القرآن میں مجلس استقبالیہ کا دفتر تھا اور مدرسہ اسلامیہ عربیہ جوہاپورہ کے احاطہ میں اجلاس عام کے علاوہ تمام اجلاس منعقد ہوئے، جناب مولانا مفتی احمد خانپوری صدر مجلس استقبالیہ، جناب مولانا غلام محمد صاحب وستانوی جنرل سکریٹری مجلس استقبالیہ کی مسلسل جد و جہد اور کوششوں سے اجلاس کامیابی سے ہمکنار رہا، احمد آباد کے جواں سال اور جواں ہمت تاجر جناب ظفر بھائی سرسیں والا، ان کے رفقاء اور اہل خانہ نے اس اجلاس کے انعقاد میں بہت نمایاں حصہ لیا، اجلاس کی تاریخیں طے ہونے کے بعد سے اس کی کامیابی کے لئے فکر مند اور ساعی رہے، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم اور ان کے رفقاء کو بااصرار اپنے بنگلہ میں ٹھہرایا اور گھر سے بڑھ کر آرام پہونچایا، اجلاس احمد آباد کی کامیابی میں حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کی دعاؤں اور توجہات کا بڑا حصہ ہے، موصوف اپنے اعذار و امراض کے باعث اجلاس میں تشریف نہیں لا سکے لیکن غائبانہ انتظامات کی سرپرستی فرماتے رہے، اللہ تعالیٰ تمام حضرات کی ساعی کو قبول فرمائے اور اجلاس احمد آباد کو تمام امت مسلمہ خصوصاً اہالیان احمد آباد و گجرات کے لئے خیر و برکت کا باعث بنائے۔

گجرات کا ایک دعوتی سفر

ـــــ مولانا سید محمد مرتضیٰ نقوی

۸ر اکتوبر ۱۹۹۵ء کی رات کو ساڑھے ۳ بجے اجلاس عام ختم ہوا۔ حضرت مولانا دامت برکاتہم ۹ر اکتوبر کی صبح ۹ بجے احمد آباد سے ڈیڑھ سو کیلومیٹر دور قصبہ لونا واڑہ ضلع پنچ محل کے مدرسہ عربیہ دار العلوم تعلیم المسلمین کے لئے روانہ ہوئے اس مدرسہ کے مہتمم اور قصبہ کے ایک رئیس عبدالرحمان خاں صاحب عرصہ سے دعوت دے رہے تھے۔ مدرسہ کے دار الاقامہ اور ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھنا تھا۔ ایک بڑے مجمع نے پر جوش استقبال کیا مسجد میں طلباء کے حفظ قرآن کے کئی طلباء کا ختم کرایا۔ اور حضرت نے خطاب بھی فرمایا۔ مسجد سے نکل کر اسپتال، مسجد اور دار العلوم کے دار الاقامہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور دعا فرمائی۔

مسلسل سفر اور شدید تکان کے باعث حضرت سخت علیل ہو گئے۔ اس لئے رات کو وہیں آرام فرمایا۔ صبح ۱۰ر اکتوبر کو جمبوسر کے لئے روانہ ہوئے۔ ساڑھے ۲ بجے دن میں جمبوسر جامعہ علوم قرآن پہونچے جامعہ کے بانی ناظم مولانا احمد دیولوی صاحب ساتھ تھے۔ مولانا عبداللہ سابق رئیس جامعہ فلاح دارین ترکیسر بھی تشریف لے آئے۔ یہاں بہت بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا۔ مولانا عبداللہ صاحب نے حضرت کی شدید علالت کا اعلان کر کے مجمع کو خطاب کیا تھا۔ اور لوگ خوش ہو کر چلے گئے تھے۔

جامعہ کی شاندار مسجد میں حضرت مولانا نے خطاب فرمایا اور دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

صبح ۱۱ر اکتوبر کو جامعہ علوم قرآن جمبوسر کے دارالاقامہ کا افتتاح فرمایا اور درجہ حفظ سے فارغ ہونے والے طلباء کا ختم کرا کے دعا فرمائی۔ اس کے بعد بھروچ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں لب سڑک احمد عمرجی صاحب کا مدرسہ "بچوں کا گھر" ہے، جس میں کئی سو بچے تعلیم و تربیت پاتے ہیں۔ سڑک ہی پر احمد عمرجی صاحب اپنے عملے اور طلباء کے ساتھ خیر مقدم کے لئے کھڑے تھے۔ گاڑی میں بیٹھے ہوئے حضرت نے دعا فرمائی اور مدرسہ کی عمارت ملاحظہ فرمائی اور روانہ ہوئے۔

بھروچ کے قریب عالمی تبلیغی اجتماع ہونے والا ہے۔ وہاں ہزاروں لوگ تیاری میں مشغول ہیں حضرت مولانا وہاں کچھ دیر ٹھہرے اور گاڑی میں بیٹھ کر ان حضرات کی محنت و کوشش کی ستائش فرمائی اور تھوڑی دیر خطاب فرما کر دعا فرمائی۔

بھروچ کے مدرسہ دارالعلوم کنتھاریہ محمود نگر تشریف لے گئے۔ وہاں دو ہزار سے زائد طلباء زیر تعلیم ہیں۔ مسجد میں جلسہ ہوا وہاں کے ذمہ داروں نے سپاس نامہ پیش کیا۔ حضرت نے خطاب فرمایا اور طلباء کو نصیحت فرمائی، بھروچ کے دوسرے مدرسہ دارالعلوم مانلی والا تشریف لے گئے وہاں بھی سپاس نامہ پیش ہوا حضرت نے دعا فرمائی اور وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے دارالاقامہ کے سنگ بنیاد کے لئے دعا فرمائی اور مدرسہ کے احاطہ میں ایک دورہ کیا، افسوس ہے کہ یہاں طلباء و علماء میں علالت کی بنا پر خطاب نہ ہوسکا حالانکہ وہ سب حضرات خطاب کے آرزومند تھے۔

بھروچ سے سورت کے لئے روانگی ہوئی راستہ میں مولانا عبداللہ صاحب کے وطن کابودرہ تشریف لے گئے، دوپہر کا قیام وہاں ہوا، پانچ بجے عصر کی نماز پڑھ کر مولانا غلام محمد نورگت ترکیسری مرحوم کے مدرسہ تجوید القرآن نور نگر کیم چار رستہ جانا ہوا۔ وہاں جامعہ فلاح دارین ترکیسر تمام اساتذہ طلباء اور ذمہ داران جمع تھے۔ مولانا نورگت مرحوم کا ذکر فرماتے ہوئے خیر مقدم کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا اور خطاب فرمایا۔ وہاں سے روانہ ہو کر سورت مغرب کے وقت پہونچ گئے چونکہ پہلے ڈابھیل جانے کا پروگرام تھا لیکن علالت کے باعث ملتوی ہوگیا۔ اس لئے ڈابھیل اور سملک کے سبھی حضرات سورت حضرت سے ملاقات کے لئے تشریف لے آئے۔ مولانا احمد بزرگ اور مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب اپنے ساتھ بہت لوگوں کو لائے۔ مفتی احمد خانپوری صاحب نے قیام فرمایا اور دیگر رخصت ہو گئے۔ ۱۲ر اکتوبر کی صبح کو حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری سے ملاقات اور عیادت کے لئے حضرت مولانا تشریف لے گئے۔ ہم خدام دونوں بزرگوں کی ملاقات اور گفتگو کا منظر دیکھ وہاں سے واپس ہو کر شیخ محمود منہار کے یہاں قیام ہوا اور شام کو ۶ بجے کی ٹرین سے بمبئی واپسی

جناب سید ہدایت حسین صاحب اپنے مالک حقیقی سے جا ملے

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق معتمد مالیات جناب سید ہدایت حسین صاحب ۲۸ر فروری ۱۹۹۶ء کو ایک مختصر علالت کے بعد بلرامپور اسپتال میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ زمانہ دفتر تعمیر حیات میں چھٹی کا تھا، دفتر کھلنے کے بعد بات ذہن سے نکل گئی لہٰذا مرحوم کا حق ادا کرنے میں بڑی کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ مرحوم کا تعلق الٰہ آباد میں واقع تحصیل چائل سے تھا۔ ان کی پیدائش ۸ر ستمبر ۱۹۱۱ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی اسی کے ساتھ انھوں نے دینی و اسلامی تعلیم بھی گھر کے ماحول میں سیکھی۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم کے سلسلہ میں مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے الٰہ آباد یونیورسٹی سے گریجویشن کیا، چنانچہ اسی سال انہیں دہلی ریلوے بورڈ میں ملازمت مل گئی۔

انتہائی ایمانداری کے ساتھ اپنی ملازمت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۷۱ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد وہ ندوۃ العلماء کے معتمد مالیات مقرر ہوئے۔ انھوں نے یہ اہم ذمہ داری سنبھالنے پر کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ بلکہ پوری دیانتداری اور امانتداری کے ساتھ یہ فریضہ محض رضائے الٰہی کی خاطر ادا کیا تغمدہ اللہ برحمتہ۔

مرحوم کی طبیعت میں بے انتہا استغنا تھا، وہ توکل، قناعت، دیانت، امانت اور انکسار و تواضع میں مثالی کردار کے حامل تھے۔ وہ خوش اخلاق، خوش مزاج، خوش گفتار، ملنسار ہونے کے ساتھ متقی پرہیزگار، عبادت گذار، صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔

موصوف دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بڑا گہرا اور عاشقانہ تعلق رکھتے تھے۔ انھیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے بڑی محبت تھی۔ ان کی تصانیف اور لٹریچر اور تعمیر حیات کو بے حد شوق و ذوق کے ساتھ مطالعہ کرتے تھے۔ حضرت مولانا مدظلہ کے سفر امریکہ میں ان کے امریکہ میں مقیم صاحبزادگان نے بڑا اکرام کیا، نہایت عقیدت مندی و محبت کا برتاؤ رکھا۔ ایک موقع پر حضرت مولانا مدظلہ نے سید صاحب کے مکان پر سورۃ العصر کی چشم کشا تفسیر بیان فرمائی جس کو مرحوم نے چھپوا کر تقسیم فرمایا، امریکہ بھیجا، تعمیر حیات نے بھی اس تقریر کو شائع کیا۔ توقع ہے کہ قارئین کرام مرحوم کے لئے اہتمام سے دعا مغفرت فرمائیں گے۔

(محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی)

عورت کا مقام بلند جو اسے قرآن کریم نے دیا ہے

مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب

(قسط)

گھر گھر والیوں کا ہے

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ۔

(الاحزاب آیت ۳۳)

" اپنے گھروں میں وقار سے قیام کرو دکھاوے کا بناؤ سنگھار جاہلیت کے دور میں ہوتا تھا اسے چھوڑ دیا جائے نماز کو قائم رکھو زکوٰۃ ادا کرتی رہو اللہ اور اس کے رسول کی تابع فرمانی اختیار کرو اے گھر والو اللہ نے ارادہ فرمالیا ہے کہ تم کو گندگی سے دور رکھے گا اور خوب پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی تم کو عطا فرمائیگا۔"

گھر ہے گھر والیوں کا۔ گھر والی اگر گھر میں نہیں ہے تو اس گھر کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ گھر گھر والیوں کی یہ بات ہم نے اس لئے عرض کی ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں گھر (بیت) کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے، حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اہلیہ کے تعلق سے وہ آیات آپ نے پڑھی ہوگی کہ حضرت ابراہیمؑ کی اہلیہ محترمہ کو بیٹے کی ولادت کی خوش خبری سنانے کے لئے فرشتے آئے، مہمان جان کر ابراہیمؑ نے گھر میں کھانا تیار کرنے کی اطلاع دی اور اہلیہ صاحبہ نے کھانا تیار کیا۔ کھانا مہمانوں کے سامنے پیش ہوا لیکن وہ تو فرشتے تھے انھوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو معلوم ہوا کہ یہ فرشتے ہیں کھانا نہیں کھائیں گے اس وقت فرشتوں نے کہا کہ ابراہیمؑ ڈرو نہیں ہم تو فرشتے ہیں ہم کو قوم لوط کی تباہی و بربادی کے لئے بھیجا گیا ہے اور ہم تمہیں اسحاقؑ جیسے بیٹے کے پیدا ہونے کی اور ان کے بعد یعقوبؑ جیسے پوتے کی پیدائش کی خوشخبری سناتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کی اہلیہ صاحبہ جو مہمانوں کی خدمت گذاری اور کھانے پینے کی چیزیں حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ ان تک پہنچانے کے لئے پردہ کی اوٹ میں کھڑی ہو کر ابراہیمؑ اور فرشتوں کی گفتگو سن رہی تھیں، بچہ کے ولادت کی بشارت سن کر تعجب سے بول پڑیں کیا اس بڑھاپے میں مجھ بڑھیا بانجھ کو بچہ کی ولادت ہوگی؟ اس وقت فرشتوں نے براہ راست بیگم ابراہیمؑ کو خطاب کیا اور فرمایا:

اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (ہود آیت ۷۳)

کیا تم کو اللہ کے حکم میں تعجب ہو رہا ہے، اے گھر والو تم پر اللہ کی بڑی رحمت و برکت ہے بیشک اللہ بہت تعریف کے لائق اور بڑی بزرگی والا ہے۔

اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی اہلیہ کو اہل البیت (گھر والو) فرمایا گیا ہے اسی طرح سورۂ یوسف میں بیت (گھر) کو زلیخا کی طرف منسوب کرتے ہوئے ارشاد ہے وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا (جس عورت کے گھر میں یوسف کو رکھا گیا تھا وہی ان کو پھسلانے لگی) سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ و ۳۴ میں بُیُوْتِکُنَّ ارشاد فرماکر گھر اور بیت کی نسبت خواتین کی ہی طرف کی گئی ہے، سورۂ طلاق میں بھی فرمایا گیا ہے۔ وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُیُوْتِهِنَّ یعنی طلاق پائی ہوئی عورتوں کو تم ان کے گھروں سے نہ نکالو جب تک ان کی عدت پوری نہ ہو۔ حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں جو خواتین آئیں وہ اُمہات المومنین (ایمان والوں کی مائیں) کہلائیں اور رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُنَّ کا بھی خطاب ملا اور وہ اہل بیت بھی کہلائیں

مگر کیا ستم ہے کہ گھر کی مالکہ کو بازار کی زینت بنا دیا گیا

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ "اپنے گھروں میں وقار سے قیام کرو۔

گھر گھر والیوں کا ہے، گھر پر اگر عورتوں کا قبضہ نہ ہو تو گھر گرہستی چل ہی نہیں سکتی۔ یورپ کے معاشرہ نے عورت کو گھر سے باہر نکال کر اس کو منڈی اور بازار کی زینت بنا دیا ہے۔ عورت کو بس کنڈکٹر بنا دیا، ڈرائیور بنا دیا، سیلس مین بنا دیا، عورت کے بدن اور جسم کے مختلف حصوں کو عریاں و عیاں کرا کے پیسے کمانے شروع کر دیے۔ لعنت ہو ایسے معاشرہ پر جنھوں نے شراب و منشیات کی لت و لعنت عورتوں کو بھی لگا دی، کبھی کبھی ہوائی جہاز میں ہمیں بھی سفر کے مواقع ملتے ہیں، ہوائی جہاز میں اکثر کھاتا پیتا طبقہ ہی سفر کرتا ہے اور کبھی کبھی ضرورت کے تحت ہم جیسے اوسط درجہ کے لوگ بھی چلے جاتے ہیں ہم نے دیکھا کہ بعض خواتین جہاز سے اترتی ہیں تو لڑکھڑاتے

(باقی ص ۲۵ پر)

بقیہ: درسِ حدیث

"هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون ولا يكتوون وعلى ربهم يتوكلون۔"

وہ، وہ بندگانِ خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے اور شگون بد نہیں لیتے اور نہ داغتے ہیں اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔

صحیحین ہی کی ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"اللهم لك أسلمت وبك آمنت وعليك توكلت وإليك أنبت وبك خاصمت"

اے اللہ میں نے تیری اطاعت کے لئے سر جھکایا اور میں تجھ پر ایمان لایا۔ اور میں نے تجھ پر بھروسہ کیا۔ اور میں تیری طرف رجوع ہوا۔ اور تیری قوت سے میں نے (دشمنوں سے) جھگڑا کیا۔

سنن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ الفاظ کہے "بسم الله توكلت على الله ولا حول ولا قوة إلا بالله يقال له هديت ووقيت وكفيت" (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے، کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہو سکتی ہے) تو عالم غیب میں اس آدمی سے کہا جاتا ہے (یعنی فرشتے کہتے ہیں) اللہ کے بندے تیرا یہ عرض کرنا تیرے لئے کافی ہے، تجھے پوری رہنمائی مل گئی اور تیری حفاظت کا فیصلہ ہو گیا۔"

توکل نصف (آدھا) دین ہے دوسرا نصف دعا وانابت (یعنی اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور رو رو کر گڑگڑانا) دین اللہ سے مدد طلب کرنے اور عبادت کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ تو کل مدد طلب کرنے ہی کے مترادف ہے اور انابت و توجہ الی اللہ تو عبادت ہے ہی، اولیاء اللہ بالخصوص ایمان باللہ، اس کے دین کی مدد اور اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد میں اس کے حکموں کو نافذ کرنے میں، غرض ہر چیز میں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں یعنی ان کی نظر اسباب سے زیادہ نصرت خداوندی اور غیبی مدد پر ہوتی ہے۔

توکل کی بہترین صورت واجبات و حقوق کی ادائیگی کی فکر ہے۔ یعنی حقوق اللہ، حقوق العباد، خود اپنے نفس و ذات کے حقوق۔

کسی دینی یا دین سے کسی خرابی کو دور کرنے کے سلسلے میں ظاہری و خارجی طور پر اپنا اثر دکھانے کے اعتبار سے سب سے زیادہ وسیع اور نفع بخش توکل انبیاء کرام کا توکل ہوتا ہے جس کو وہ دین کو قائم کرنے، زمین سے فسادیوں کے فساد کو دور کرنے کے سلسلے میں ذات باری پر اعتماد و بھروسہ کر کے انجام دیتے ہیں یہ اعلیٰ درجہ کا توکل انھیں حضرات کی شان ہے (انبیاء کرام) اور رسولوں کے بعد مومن بندوں کا توکل ان کی ہمت و مقاصد عمل کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ کوئی حصول ملک کے لئے توکل سے کام لیتا ہے، کوئی حصول رزق میں توکل اپناتا ہے۔

توکل کے معنی اور اس کے درجات

امام احمدؒ فرماتے ہیں توکل قلب کی کیفیت عمل سے تعلق رکھتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ احساس و شعور قلب سے تعلق رکھتا ہے اس کا زبان سے تعلق نہیں کہ زبان سے توکل کا لفظ ادا کر دیا جائے، نہ ہی اس کا تعلق اعضاء انسانی سے ہے، نہ یہ علم و ادراک سے تعلق رکھتا ہے۔

بعض حضرات توکل کا تعلق حصول معرفت سے جوڑتے ہیں کہ دل کا یہ جان لینا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی کفایت کرے گا (یعنی ہر طرح سے بندہ اس کی نگہبانی میں ہوگا)۔

یحییٰ بن معاذ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص متوکل (یعنی اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھنے والا) کب ہو سکتا ہے؟ انھوں نے جواب میں فرمایا جب بندہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا کارساز سمجھ لے اور اسی پر یقین رکھے۔ بعض توکل کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد و اطمینان اور اسی پر سکون قلب کا ہونا توکل ہے۔

ابن عطا فرماتے ہیں کہ جب شدید فاقہ کی حالت میں بھی دل کا سکون برقرار رہے اور اسباب اختیار کرنے میں گھبراہٹ سے کام نہ لو تو یہی توکل کہلائے گا۔

(جاری)

دعائے مغفرت

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درجہ عالیہ ثانیہ کے طالب علم محمد انظر کے والد حاجی جمیل احمد (پورنیہ) ۱۹ ستمبر ۱۹۹۵ء کو انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم صوم و صلوٰۃ کے پابند، متقی و پرہیزگار تھے۔ موصوف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تصانیف اور دیگر کتابوں کا بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کرتے تھے۔ وہ مولانا منت اللہ رحمانی کے خلیفہ بھی تھے۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

● دارالعلوم میں درجہ عالیہ رابعہ شریعہ کے طالب علم بدر جمیل دہلوی کے والد کے بڑے بھائی حاجی مصطفیٰ انصاری کا حرکت قلب بند ہو جانے سے ۲۳ ستمبر ۱۹۹۵ء کو انتقال ہو گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

● محترم الحاج عبدالعزیز صاحب (بنارس) کا ۱۰ اگست ۱۹۹۵ء کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم عابد، زاہد اور صاحب خیر تھے۔ اور مساجد، مدارس اور دوسرے دینی اداروں اور رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت فرما کر ان کے درجات بلند کرے۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سوال و جواب

✻ محمد طارق ندوی ✻

۔ اسکولوں اور کالجوں میں بے پردہ عورتیں پڑھاتی
اور لڑکے پڑھتے ہیں اور وہ ان نامحرم عورتوں سے
ھنے پر مجبور بھی ہیں تو گنہگار کون ہوگا وہ عورتیں
لڑکے؟

۔ جو بے پردہ عورتیں تعلیم دے رہی ہیں وہ ہوں گی
وہ لڑکے بھی جن کی نظریں نامحرم عورتوں پر پڑ
ہیں لڑکوں کو چاہیئے کہ نگاہ نیچی رکھیں ورنہ وہ بھی
ہگار ہوں گے۔

۔ میرے یہاں لوگ قرآن کریم کی تلاوت سے
اسے غلاف سے نکال کر چومتے اور سینے سے
اتے ہیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

۔ قرآن کریم کو چومنا اور اسے سینے سے لگانا
تعالیٰ کے کلام سے تعلق ظاہر کرتا ہے یہ عقیدت کا
ہار ہے شرعاً یہ جائز ہے۔

۔ اسلم نے ایک نوعمر بیوہ سے دوران عدت
اح کر لیا یہ نکاح معتبر ہوا یا نہیں؟

۔ مذکورہ نکاح جو عدت کے اندر ہوا ہے فاسد ہے
ت گزرنے کے بعد پھر سے نکاح کرنا ہوگا کیا
وا نکاح شرعاً غیر معتبر ہے ولا تعزموا عقدة
نکاح حتیٰ یبلغ الکتاب اجلہ (سورۃ بقرہ)

۔ اگر مجھے آئے دن بذریعہ ٹرین یا بس سفر کرنا
پڑتا ہے اور کبھی بذریعہ ہوائی جہاز سفر کرنا پڑتا
ہے اور دوران سفر اکثر دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے
کیا ایسی صورت میں گھر پہونچ کر فرض ادا کرے
یا قضا ہی کی شکل میں ہو یا کیا کرے؟

ج:۔ دوران سفر نماز کے اوقات ہی کے اندر نماز پڑھنا از روئے شرع مطلوب ہے۔ شرعی رخصتوں پر عمل کرتے ہوئے نماز ادا کرے۔ گھر جا کر نمازوں کو قضا کرنے پر عنداللہ ماخوذ ہوگا۔

س:۔ زید جمڑہ کا کاروبار کرتا ہے اور اپنے گاہکوں سے اس شرط پر چمڑہ لیتا ہے کہ اگر آج روپے لوگے تو ایک چمڑہ کی قیمت پچاس روپے دوں گا، اور دو مہینے بعد لوگے تو ساٹھ روپے، کیا یہ درست ہے۔

ج:۔ مذکورہ طریقہ پر بیع کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ اس میں مدت کا معاوضہ لیا جا رہا ہے جو جائز نہیں ہے۔

س:۔ کسی شخص نے کچھ پیسے گر گئے، کئی بار اعلان کیا گیا لیکن کوئی مالک نہ ملا۔ اب جب کہ اس کا کوئی مالک نہیں مل پا رہا ہے تو کیا ان پیسوں کو مسجد کے اخراجات کے لئے صرف کر سکتے ہیں؟

ج:۔ مالک کے پتہ نہ چلنے پر مذکورہ رقم فقراء و مساکین کو دے دینا چاہیئے، مسجد میں صرف نہیں کر سکتے ہیں۔

س:۔ زید نے عبدالکریم کو بیس ہزار روپئے قرض دیئے اور عبدالکریم کی زمین اس بات پر کھیتی کرنے کے لئے لی کہ پیداوار میں سے کچھ تم کو بھی دونگا کچھ کی تعیین نہیں کی گئی ہے۔ بلا تعیین کچھ حصہ پر کسی کی زمین کو کھیتی کے لئے لینا جائز ہے؟

ج:۔ بلا تعیین کچھ حصہ پر کسی کی زمین کو کھیتی کرنے کے لئے لینا جائز نہیں ہے۔

س:۔ ایک شخص کوشش کرتا ہے کہ اس کو قرآن کی کچھ سورتیں یاد ہو جائیں لیکن باوجود سخت محنت اور کوشش کے اب تک کوئی سورت یاد نہ کر سکا، اب ایسا شخص نماز میں کیا کرے؟

(باقی صفحہ پر)

Regd No. LW/NP56
Fax No. : (0522) 380570

Office : 380035
Principal : 372336
Guest House : 73864 Ext. 20

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY
NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)
Rs. 5/-

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

کردار کے جوہر چمکائیے

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انسانی کمالات اور صفات حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی۔ اور یہ سب ان ہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں جو کبھی صدیقؓ وفاروقؓ ہو کر چمکتی تھیں، کبھی ذی النورینؓ اور مرتضیٰؓ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں۔ کبھی خالدؓ اور ابو عبیدہؓ اور کبھی سعدؓ و جعفر طیارؓ ہو کر سامنے آتی تھیں۔ کبھی ابن عمرؓ، ابوذرؓ، سلمانؓ اور ابو درداءؓ ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں، کبھی ابن عباسؓ اور ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کی صورت میں علم وفن کی درس گاہ اور عقل و حکمت کا دبستان بن جاتی تھیں، اور کبھی بلال و صہیبؓ اور عمارؓ و خبیبؓ کی امتحان گاہوں میں تسلی کی روح اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں۔ گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک آفتاب عالم تاب تھا۔ جس سے اونچے پہاڑ، ریتلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق، تابش اور نور حاصل کرتے تھے یا ابر باراں تھا، جو پہاڑ اور جنگل میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا۔ اور رنگارنگ پھول اور پتے جم رہے تھے اور اگ رہے تھے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ
(خطبات مدراس)



درس حدیث

مومن کامل

یہ حدیث بہت ہی قابل غور ہے اور مختلف (۲) پہلوؤں سے اس پر مطالعہ کرنا چاہئے۔ جن صاحب نے مارا وہ مہاجر تھے اور انصاری کو یہ حق ہو جاتا تھا کہ وہ بدلہ کا مطالبہ کرے مگر بدلہ کی خواہش اور اس کا مطالبہ بھائی چارہ کے خلاف تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے کوشاں تھے کہ تعصب اور نسلی امتیاز کا خاتمہ فرمادیں اور جاہلیت کے اثرات مٹاکر اس کی جگہ بھائی چارہ کا جذبہ پیدا فرمادیں اس لئے آپ بدلہ دلانے کے بجائے انصاری کے اندر بھائی چارہ کے پوشیدہ جذبات کو ابھارتے ہوئے اس کو معافی اور درگذر کرنے کی نصیحت فرماتے ہیں۔" فرماتے ہیں چھوڑو یہ بڑی گندی بات ہے" واقعہ کو پڑھنے والا ہر شخص یہ محسوس کرے گا کہ اس طرح کے واقعات جو معمولی سمجھے جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت فکرمند بنادیتے تھے، اور آپ ان کے لئے فکرمند ہو جاتے تھے اسی فکر کے نتیجہ میں آپ نے ارشاد فرمایا!" سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں" یہ حدیث صحاح ستہ میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ متعدد روایتوں سے بیان ہوئی ہے، چنانچہ صحیح ابن حبان میں "المهاجر من هجر السيئات والمسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" یعنی المهاجر من هجر السيئات کے الفاظ کا اضافہ ہے جس کے معنیٰ ہیں مہاجر وہ ہے جس نے برائیوں کو چھوڑ دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معمولی بات کی نزاکت اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے خطرات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا، اور اس کو بار بار دہرانے اور مختلف انداز و اسلوب کے ذریعہ صحابہ کرام کے دل میں بٹھا دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ نہایت لطیف انداز میں فرمایا: مہاجر تو حقیقتاً وہ ہے جو برائیوں کو چھوڑ دے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار اس صورت حال سے سابقہ پڑا اور متعدد بار آپ کو نصیحت کرنا پڑی اور نصیحت کے الفاظ میں اضافہ فرمایا:

چنانچہ سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے کہ جس کی طرف سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں مامون ہوں کوئی خطرہ نہ محسوس کریں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بات بڑھ کر کبھی طنز وتعریض، مار پیٹ اور قتل ولوٹ مار تک پہونچ جاتی تھی اور لوگ بے چینی و بے اطمینانی کی کیفیت سے دوچار تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا! اسلام کا کون سا عمل وطریقہ پسندیدہ ہے، گویا سائل یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کس طرح کا طرز زندگی ایک اچھا اور ایک دوسرے سے محبت کرنے والا معاشرہ تیار کرسکتا ہے، چنانچہ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہم محبت اور انس پیدا کرنے والی چیزیں بیان فرمائیں آپ نے فرمایا: "دوسروں کو کھانا کھلاؤ، سلام کو عام کرو اور اس کو رواج دو، جس کو پہچانو اس کو بھی سلام کرو اور جس کو نہ پہچانو اس کو بھی سلام کرو۔ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ دل کے میل اور کھوٹ کو دور کرتی ہیں، کھانا کھلانا ہاتھ کی ایذارسانی سے روکتا ہے اور سلام زبان کی ایذارسانی سے روکتا ہے۔"

اس عملی اور مؤثر تربیت کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا اسلامی معاشرہ قائم فرمانا چاہتے تھے، جو باوقار ومحترم منظم وعملی ہو اس کی اپنی اقدار ہوں انسانی بستی کا حسین گلدستہ ہو۔

باہمی محبت وتعلقات وروابط کھانا کھلانے اور سلام کو عام کرنے سے زیادہ پختہ ومضبوط ہوتے ہیں۔ حدیث پاک کے اندر مسلم کا لفظ عام ہے مرد وعورت دونوں ہی اس سے مراد ہیں یعنی کھانا کھلانے اور دعائے سلامتی کا جذبہ وعمل دونوں میں ہونا چاہئے۔ ایک اور دوسری روایت ہے جو اسلامی معاشرہ کے دائرہ کو وسیع تر کرتی ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ: "جس نے ہماری طرح سے نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا، اور ہمارے ذبح کئے ہوئے جانور کو کھایا وہ مسلمان ہے"، اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ اہل ذمہ بھی اچھے برتاؤ اور سلوک کے اعتبار سے اس میں شامل ہوں گے۔

یہ حدیث قابل غور ہے اس کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر سوچا اور غور کیا جائے تو اس سے محبت وتعلق کی مہک محسوس ہوتی ہے۔ مارنے والا شخص پردیسی اور مہاجر تھا، انصاری کو یہ پورا حق تھا کہ بدلہ کا مطالبہ کرے مگر بدلہ کا مطالبہ برادرانہ اور محبانہ جذبہ کے خلاف تھا۔ دوست ومحبوب کی غلطی کو محبت وتعلق کی نظر بھلا دیتی ہے، برداشت کر جاتی ہے، اس کو پی جاتی ہے، بدلہ لے لیا تو پھر وہ بات کہاں رہ جاتی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس فکر وکوشش میں تھے کہ نسلی اور قبائلی تعصب کو مٹاکر اس کی جگہ مسلمانوں کے دلوں میں

باقی ص ۲۷ پر

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰ ستمبر ۱۹۹۵ء مطابق ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

جلد نمبر ۳۲

شمارہ نمبر

نگران اعلیٰ

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی

مولانا محمود الازہار ندوی

مولانا سلمان حسینی ندوی

مولانا محمد خالد ندوی

مولانا عبد الرزاق ندوی

مولانا محمد رضوان ندوی

مولانا ہارون رشید ندوی

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ——— ۵ روپے

— بیرونی ممالک فضائی ڈاک —

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک

——— ۲۵ ڈالر

— بیرونی ممالک بحری ڈاک —

بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں سہولت اور جلدی ہوتی ہے ——— منیجر

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر 93 ندوۃ العلماء لکھنؤ پن 226007

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

اس شمارے میں

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/ روپئے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan-)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

شمس الحق ندوی

انسان سے زیادہ انسانیت کی موت پر ماتم کیجئے اور...

۲۰ راگست ۱۹۹۵ء کو جو المناک حادثہ پیش آیا ہے اس کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ شاید ریلوے کی تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ ہے۔ سب سے بڑا حادثہ ہے یا بڑا حادثہ، اس بحث سے نفس واقعہ کی المناکی پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، حادثہ کی تفصیلات ایسی دلدوز و اندوہناک ہیں کہ تصور و خیال سے دل دہل جاتا ہے۔

ذرا تصور و خیال فرمایئے کہ ٹرین میں کیسے کیسے لوگ سوار تھے، کوئی گھر سے نکلا ہوگا ڈیوٹی پر جانے کے لئے بال بچوں، عزیزوں اور رشتہ داروں سے اس رنج و غم کے ساتھ کہ اب سال چھ مہینہ ملاقات نہ ہوگی۔ رخصت ہونے والا رومال سے آنسو پونچھ رہا ہوگا، رخصت کرنے والے ماں باپ، بیوی بچے ہچکیاں لے لے کر رو رہے ہوں گے، کوئی بڑا کاروباری و تاجر ہوگا، نفع اور فائدہ کا کیا کیا خواب دیکھتا ہوا گھر سے نکلا ہوگا کہ دو چار دن میں واپس آجاؤں گا، اور پھر زندگی کے وہی لیل و نہار ہوں گے، کوئی لڑکی کچھ عرصے کے بعد اپنے پیارے معصوم بچوں کے ساتھ میکے جا رہی ہوگی، بچے خوشی سے چہک رہے ہوں گے کہ ہم نانی کے یہاں جا رہے ہیں، ماموں جان سے ملیں گے، خالہ دوڑ کر ہم کو گود میں اٹھا لیں گی، نانی جھپٹ کر لپٹا لیں گی، اچھے اچھے کھانے پکائیں گی، کھلائیں گی اور خوشی سے پھولے نہ سمائیں گی۔

ایسے بھی لوگ ہوں گے جو مدت کے بعد پردیس سے دیس کو آرہے ہوں گے۔ ساتھ میں تحفہ تحائف اور دل میں گھر والوں اور عزیزوں سے لپک لپک کر ملنے کے حسین خواب انگڑائیاں لے رہے ہوں گے، ادھر گھر والے ان کی آمد کے دن و گھنٹے نہ الگ منٹ و سکنڈ گن رہے ہوں گے، ان انسانی احساسات کو ذکر کیا گیا ابھی تک کوئی ایسا طاقت ور کیمرہ نہیں ایجاد ہو سکا ہے جو اس کی اصل اور حقیقت نما تصویر لے سکے۔

مگر جس نے انتظار کی یہ گھڑیاں گنی ہوں، اور جو امنگوں اور آرزوؤں کی بارات لئے ہوئے پردیس سے دیس کو آیا ہو اور گھر والوں، بال بچوں اور عزیزوں کو دیکھ کر باچھیں کھل کھل گئی ہوں، گھر میں جشن کا سماں سا بندھ گیا ہو اس کو ضرور اس کا کچھ احساس ہوگا۔

انہی امنگوں، خوشیوں، مسرتوں اور حسین خوابوں کے ساتھ بوڑھے، جوان، مرد و عورت، معصوم بچے محو خواب تھے، رات ڈھل چکی تھی، ستارے رخت سفر باندھنے کو تھے کہ یکایک ایک زوردار دھماکے نے کتنوں کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا، اور قرآن کریم کی آیت "فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ" پھر نہ تو وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں میں واپس جا سکیں گے، کی ہلکی سی جھلک جو قرآن میں انسانوں کو بیدار کرنے کے لئے بیان کی گئی ہے، اس نے نصیحت و عبرت کا ایک ورق پلٹ دیا۔ کتنوں کی آہ و بکا اور چیخ پکار نے قیامت کا سماں پیدا کر دیا۔ جس نے اور جہاں سے آواز سنی ہندو ہو کہ مسلمان بے تحاشہ جائے حادثہ کی طرف دوڑا، جس سے جو کچھ بن پڑا ان مصیبت کے ماروں کی مدد میں لگ گیا۔ ایسا کیوں نہ ہو انسان بہرحال انسان ہے، اس کو انسانوں سے پیار ہے خواہ وہ کسی بھی دین و مذہب، قوم و فرقے سے تعلق رکھتے ہوں، امیر ہوں کہ غریب، اونچی ذات کے ہوں کہ نیچی ذات کے، وہ کچھ بھی ہوں۔ کسی فرقے کے ہوں، آخر ہیں تو ایک ہی ماں باپ آدم و حوا کی اولاد۔ اس دلدوز حادثہ پر جو دل نہ تڑپے اور جس آنکھ سے آنسو نہ ٹپکے وہ کسی آنکھ نہیں پتھر ہی کا دل ہو سکتا ہے جو انسانی لاش کو حرص سے نوچ نوچ کر کھاتا ہے۔

مگر افسوس ہزار افسوس کہ اس قیامت کی گھڑی میں بھی معلوم ہوا کہ کچھ ایسے بھی پتھر دل انسان ہی نہیں بلکہ انسانوں کے محافظ جوان تڑپنے والوں کی داد و فریاد سننے کے بجائے ان کے سامانوں کے لوٹنے میں لگ گئے تھے۔ زخموں سے چور چور زندہ بچ رہنے والا چلا رہا ہے کہ مجھے بچاؤ مجھے بچاؤ، اور لاشوں کا ڈھیر پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ تم اس نگاہ سے دیکھو جو تمہیں درد آشنا کر دے۔ مگر جن کے دل مردہ تھے اور آنکھوں کا پانی مر چکا تھا وہ درد آشنا ہونے اور بچانے کے بجائے لوٹنے میں لگے ہوئے تھے، حادثہ اتنا سخت اور اندوہناک ہے کہ اس پر جتنا بھی غم کیا جائے کم ہے، لیکن اس سے کہیں زیادہ افسوس اور فکر و تشویش کی بات یہ ہے کہ ہمارے سماج و معاشرہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو غم کے آنسو بہانے اور داد و فریاد سننے کے بجائے ان دکھ کے ماروں کا سامان لوٹنے لگیں اور زندہ کو مار کر بے ہوش کر دیں۔

۔۔۔ ۵ ۔۔۔ کے گھر ۔۔۔ کی ۔۔۔ دیکھئے ہائی ۔۔۔ ۱۹۹۵ء مضمون کنہیا لال ۔۔۔۔

یہ کوئی ایک مثال نہیں بلکہ جب بھی ایسی کسی آفتِ ناگہانی سے ہمارے یہاں کچھ بھائی بہن دو چار ہوتے ہیں تو ایسے لٹیروں کی لوٹ کھسوٹ کی خبریں ملی ہیں۔ آہ کہاں کھو گئی ان جاہل ہیٹ لوگوں کی انسانیت اور آہ ہم کتنے غافل ہیں، دلوں میں محبت و پیار کا جذبہ پیدا کرنے سے۔

خدا ان بھلے انسانوں کو اپنی رحمت و محبت کے سایے میں رکھے جنھوں نے اپنے ان دکھی بھائیوں کی مدد کی۔ اور لوٹنے والے پتھر دلوں میں یہ احساس پیدا کرے اور یاد دلائے کہ اگر تم اس مصیبت میں پڑے ہوتے تمہارے بال بچے، بھائی بہن، ماں باپ اس حادثہ کا شکار ہوتے تو تمہارے پتھر دل کا حال کیا ہوتا اور تمہاری بے رحم سوکھی آنکھوں میں کیسا سیلاب آجاتا؟

ہیں! ہمارے ملک میں کچھ ایسے لوگ جو اس حادثہ سے زیادہ اس انسانیت دشمن طبقہ اور گروہ پر آنسو بہائیں اور ان کو انسانیت کا سبق پڑھانے کے لئے میدان میں آئیں۔

دیکھنے والوں نے تو وہ دیکھا جو اسٹیشن پر پیش آیا اور اسپتالوں میں لکڑی کی ٹال کی طرح لاشوں کا ڈھیر دیکھا، ہمارے اخبارات و رسائل نے بھی اسی کو لکھا اور بیان کیا لیکن جب ملک کے دور دراز حصوں میں جہاں سے اور جن جن گھروں سے یہ مسافر نکلے تھے جب وہاں خبر پہونچی ہوگی تو ہر گھر کا کیا حال ہوا ہوگا، گھروں میں کیسا کہرام مچ گیا ہوگا۔ جس بیوی کا شوہر حادثہ کا شکار ہوا ہوگا اس کا کلیجہ کس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہوا ہوگا اور عجب نہیں کہ بے ہوش ہو گئی ہو اور جب ہوش آیا ہو تو اپنے معصوم بچوں کو لپٹا لپٹا کر روئی ہو، جن بوڑھے ماں باپ کا بیٹا جو گھر کا سہارا تھا اس کے بوڑھے ماں باپ کے بڑھاپے پر کیا گذری ہوگی، ایک نہیں ہزاروں گھروں میں کہرام مچ گیا ہوگا اور ایک گھر ہی نہیں پورے گاؤں اور محلہ میں غم کی فضا چھا گئی ہوگی۔ آہ اور آہ خدا پھر یہ دن کبھی نہ دکھائے۔

محترم قاری! جو کچھ آپ نے پڑھا عجب نہیں کہ اس کو پڑھ کر آپ کا دل بھر آیا ہو اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ہوں۔ مگر یہ جو کچھ ہوا ہمارے آپ کے اختیار سے باہر تھا، ہمارے آپ ہی نہیں ملک کے محافظ فوجیوں اور ملک کے اندرونی انتظام کو سنبھالنے والے پولیس و پی اے سی اور سی آر پی کے جوانوں اور افسران کے بس سے بھی باہر تھا۔ اس قدرتی آفت کے سامنے کسی کا بھی کس بس نہیں چل سکتا تھا۔

لیکن ہماری گستاخی کو معاف فرماتے ہوئے ذرا اپنے دل کو سنبھالئے آنکھوں کے آنسوؤں کو سکھائیے اور ایک دوسرے انداز سے بھی ذرا سوچئے اور غور کیجئے اپنے پیارے وطن، اس کی رنگا رنگ تہذیب اور اس کے بھانت بھانت کے پھولوں اور ان کی مہک کا منظر نگاہوں میں لائیے اور پھر سوچئے کہ جب ہم خود اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو آگ لگاتے ہیں اپنے ہم وطنوں کو مارتے اور جلاتے ہیں، ٹائروں تک میں باندھ کر جلاتے ہیں۔ آرے کی مشینوں سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ بوڑھوں، عورتوں، معصوم بچوں کو تڑپا تڑپا کر مارتے ہیں۔ تو کیا اس وقت ان جلنے مرنے والوں کے دلوں سے کوئی آہ نہ نکلتی ہوگی؟ کیا یہ حادثہ جو قدرتی طور پر پیش آیا ہم کو کوئی سبق نہیں دیتا؟ کیا اس وقت کی سوگوار فضا جو پورے ملک پر چھا گئی ہے ہم سے یہ سوال نہیں کرتی کہ جب تم خود سے اپنے بھائیوں کا گلا کاٹتے مارتے اور جلاتے ہو تو اس وقت بھی تم کو ایسا ہی غم کیوں نہیں ہوتا۔؟

اس حادثہ میں تو پولیس اور فوج دونوں بے بس تھیں بلکہ ہمارے بہت سے فوجی جوان بھی اس حادثہ سے اپنے کو نہ بچا سکے۔ ہمارے ایسے کھلاڑی بھی نہ بچ سکے جن کا میچ شروع ہوتا ہے تو گویا کاروبارِ زندگی ہی ٹھپ ہو جاتا ہے۔ تفصیل ص۱۶ کالم ۲ پیرا ۲ پر دیکھیں۔ لیکن جب ہم خود مارتے کاٹتے ہیں تو اس وقت ملک کی محافظ طاقت بہت کچھ کر سکتی ہے مگر کتنا کرتی ہے اور کیسے کرتی ہے آپ سب جانتے ہیں۔ ہم اس وقت کیوں اپنے ہی بھائیوں کا خون کرتے ہیں، اور کیوں نہیں ہم کو یہ خیال آتا کہ اگر ہمارے ساتھ اور ہماری عورتوں بچوں کے ساتھ پیش آئے تو ہم پر کیا گزرے گی۔

تمام انسان خدا کا کنبہ ہیں اور ساری مخلوق میں خدا کو وہی انسان پسند و محبوب ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔ مگر ہماری حفاظت کے ذمہ دار لوگوں نے خدا کے کنبہ کے ساتھ کیا کیا اس کی ایک جھلک ص۲۵ پر دیکھ لیجئے۔

ہم آپ سب سوچیں کہ اپنے ملک کو پیار بھرا ملک کیسے بنا سکتے ہیں۔ سوچیں اور ضرور سوچیں ورنہ ہمیں ایک "مرد درویش" کے ان الفاظ سے بہت ڈر لگتا ہے کہ۔ "جب آگ کو کچھ نہیں ملتا تو وہ اپنے آپ کو کھاتی ہے۔"

ع قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

انسانوں کا مرجانا اور کسی حادثہ کا شکار ہو جانا یقیناً بہت افسوسناک اور دلوں کو تڑپانے والا ہے مگر ایسا خطرناک نہیں جتنا انسانیت کا مر جانا۔ اس وقت ہمارے ملک میں انسانیت مر رہی ہے اس کو زندہ کرنے کی فکر کیجئے۔ فکر کیجئے اور جلد فکر کیجئے کہ حالات کے تیور یہ بتا رہے ہیں کہ ہمارا ملک بہت تیزی کے ساتھ بلکہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ ملک طوفان کی سی تیزی کے ساتھ تباہی کی طرف جا رہا ہے۔ ؎

سونے کا نہیں وقت تو ہشیار ہو غافل
رنگِ فلک پیر زمانہ کی ہوا دیکھ

آدمی کی اصل قدر و قیمت اس کا کمال فن ہے

حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی حسنی ندوی

ذیل میں ہم حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی وہ تقریر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو مولانا نے یکم مئی ۱۹۹۵ء مطابق ۳۰ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ کو جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ میں طلبہ و اساتذہ کے سامنے فرمائی تھی۔ اس موقع پر مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی، معتمد تعلیمات مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی بھی موجود تھے۔ یہ تقریر خصوصاً طلبائے مدارس اور اساتذۂ کرام کے لئے نہایت مفید ہے امید ہے کہ غور سے پڑھی جائے گی اور پڑھنے پڑھانے والوں کے اندر طلب علم کی حرارت و گرمی پیدا کرے گی۔ مولوی محمد نسیم الدین ندوی استاذ جامعہ اسلامیہ نے ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ اس تقریر کو نقل کرکے ادارہ کو بھیجا، ادارہ ان کا شکر گزار ہے۔ (ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلی یوم الدین

أما بعد!

میرے بھائیو اور عزیزو! میرے لئے خوشی کی بات ہے کہ مجھے ایک بار پھر آپ عزیزوں سے، بھائیوں سے خطاب کرنے کا موقع ملا، میں جب یہاں آتا ہوں تو مجھے محسوس نہیں ہوتا کہ میں کسی اجنبی جگہ گیا ہوں یا کسی دوسرے حلقۂ خیال اور مکتبۂ فکر میں ہوں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں اپنے دار العلوم ہی کے طلبہ سے خطاب کر رہا ہوں، وقت تھوڑا ہے باتیں کہنے کی بہت ہیں، اور آپ کو سننے کا بھی موقع ملتا رہتا ہے، میں چھوٹا سا جملہ آپ کے سامنے عربی کا دہرا کر تھوڑی سی اس پر روشنی ڈالوں گا، روشنی ڈالنا تو خیر بڑی چیز ہے، آپ کو متوجہ کروں گا کہ بہت سے جملے کلمات ماثورہ اور بہت سے وصایا، توجیہات اور تجربے زندگی کے، وہ کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں، اور ان پر نظر پڑتی رہتی ہے، اور ان کو لوگ زبان سے بھی دہراتے ہیں، تو پھر ان میں کوئی ندرت باقی نہیں رہتی، ایک جملہ ہے، بہت ہی مختصر لیکن بہت پر از معانی ہے، اور بہت وسیع ہے، اور زندگی کے صرف ایک ہی موضوع پر وہ منطبق نہیں، بلکہ پوری زندگی پر منطبق ہوتا ہے، "قیمۃ کل امرئ ما یحسنہ" ہر شخص کی اصلی قدر و قیمت یہ ہے کہ جس کام کو وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر جانتا اور کر سکتا ہو، اس وقت ہمارے مدارس میں خدا کے فضل و کرم سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں نوجوان لاکھوں طلبہ تعلیم پا رہے ہیں، موجودہ نصاب پڑھایا جاتا ہے مفید نصاب ہے وہ۔ تھوڑی ترمیم کے ساتھ اور تحفظ کے ساتھ، اور پڑھانے والے بھی خدا کے فضل سے ذی استعداد ہیں مخلص ہیں، لیکن جو امتیاز پیدا ہونا چاہئے کسی فن میں میں امتیاز خصوصی ہونا چاہئے، جس سے اس کی طرف انگلیاں اٹھیں اور اشارے کئے جائیں اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی قدر ہو، اور اس کی طلب ہو اور اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری جد و جہد کی جائے اور وہ اپنے اپنے درجے اور زمانے اور حالات کے مطابق ایک اچھے اور قابل ذکر حلقہ میں، موثر حلقہ میں کام کر سکے، اس کا بڑا فقدان ہے، اور بہت دن سے یہ کمی محسوس کی جا رہی ہے، ہمارے علمی حلقوں میں، تدریسی حلقوں میں تصنیفی حلقوں میں اور تحقیقی حلقوں میں اور پھر تعلیم و تعلّم کے حلقوں کا کیا ذکر ہے کہ سب کچھ پڑھا جاتا ہے، اور علم سے واقفیت پیدا کی جاتی ہے، لیکن وہ جس کو عربی زبان میں ہر زبان کا ایک مزاج ہوتا ہے ایک ڈگری ہوتی ہے، اس کی حرارت اور برودت کا ایک ٹمپریچر ہوتا ہے ایک ڈگری ہوتی ہے، جو لفظ اردو میں عربی کے مستعمل ہوں ضروری نہیں کہ وہ عربی کے الفاظ کی طاقت کو پوری طرح منتقل کر سکیں، منتقل کر سکنا تو ان سے تعلق رکھتا ہے لیکن سمجھا سکے اسی کو، اور خاص طور سے جو چیزیں ایک زبان سے منتقل ہو کر دوسری زبان میں رائج ہوتی ہیں اور زبان زد عوام و خواص ہو جاتی ہیں، ان کا تو درجۂ حرارت اور درجۂ برودت اور ان کی ڈگری جو ہے ان کا جو پوائنٹ ہے وہ نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے، تو عربی میں جب کسی چیز میں کہتے ہیں کہ اس میں درجۂ کمال پیدا کیا جائے اور اس میں امتیاز پیدا کیا جائے تو اس کے لئے عربی میں "الإحسان" کا لفظ آتا ہے، یہاں تک کہ حدیث شریف میں بھی یہ لفظ بڑے خاص موقع پر آیا ہے، "ما الإحسان" فرشتہ پوچھتا ہے کہ احسان کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں کہ "الإحسان أن تعبد اللہ کأنک تراہ فإن لم تکن تراہ فإنہ یراک"

احسان کا لفظ اردو میں آکر بہت ہی معمولی معنوں میں محدود ہو گیا ہے کہ احسان یہ ہے کہ فقیر کو کچھ بھیج

دے دیجئے کسی کو کھانا کھلا دیجئے، کسی سے بات کر لیجئے، لیکن عربی میں وہ اب بھی، جو لوگ عربی زبان کا ذوق رکھتے ہیں اور خدا کے فضل سے یہاں ایسے حضرات موجود ہیں میں نام نہیں لوں گا، وہ سمجھتے ہیں کہ عربی کا ایک سادہ لفظ جو ہے، جو زبان زد عوام و خواص ہو گیا ہے وہ اپنے اندر اصل میں کیا طاقت رکھتا تھا، اور اہل زبان اس کے سننے سے کتنا متأثر ہوتے تھے اس لئے کہ لفظ میں بھی پارے کی طرح حرارت اور برودت ہوتی ہے، جیسے آپ کسی چیز کو چھوئیں تو ایک درجہ کی حرارت ہوگی اور آپ کو محسوس ہوگی، تھوڑی سی حرارت ہوگی تو آپ ہاتھ رکھ دیں گے لیکن اگر زیادہ ہوگی تو آپ ہاتھ رکھ نہیں سکیں گے اور ہاتھ اٹھالیں گے، تو بڑی مشکل یہ پیش آگئی ہے، ایسی مشکل ہے کہ اس کو مشکل کہنا بھی مشکل ہے، اس لئے کہ یہ تو فیضان بھی ہے اور احسان بھی ہے کہ عربی کے الفاظ جو بہت طاقتور تھے وہ اردو میں عام استعمال ہونے لگے ہیں، اور انھوں نے اپنی طاقت کھو دی اردو میں اگر، انھیں میں ایک لفظ "الاحسان" ہے الاحسان کے معنیٰ ہیں کسی کام کو بہت بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دینا اور اس میں امتیاز پیدا کرنا۔ تو کہنے والے نے یہ کہا "قیمۃ کل امرئ ما یحسنہ" ہر شخص کی قیمت وہ ہے، اس کا درجہ اور اس کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ اور اس کا معیار ہر شخص کا جو بلند معیار ہے وہ رہین منت ہے وہ موقوف ہے "ما یحسنہ" پر، تو انسان دوسروں کے مقابلہ میں دو چار کے مقابلہ میں بعض مرتبہ بیس پچیس کے مقابلہ میں بعض مرتبہ سیکڑوں کے مقابلہ میں بعض مرتبہ ہزاروں کے مقابلہ میں اس کو اچھا کر سکتا ہے، اس چیز کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے، ہمارے مدارس میں اس کی طرف سے توجہ ہٹتی چلی جارہی ہے، یعنی اس کو عربی میں "مشارکۃ" کہتے ہیں یہ لفظ بھی استعمال ہوتا ہے، ہم نے اپنے عرب استاذوں اور ادیبوں سے بولتے سنا ہے کہ "فلان مشارکۃ فی ذٰلک الحین"۔ "فلان مشارکۃ طیبۃ فی ھٰذا الفن"، کسی چیز سے واقفیت رکھنا اور اس سے کام لے سکنا، اس سے فائدہ اٹھا سکنا اس کو مشارکت کہتے ہیں، یہ بھی تعریفی لفظ ہے، عرب اہل زبان سے ہم نے سنا ہے کہ "فلان مشارکۃ فی کذا"، لیکن ایک ہے مشارکت اور ایک ہے احسان، احسان یہ ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں دس بیس کے مقابلہ میں سو پچاس کے مقابلہ میں بعض مرتبہ، مبالغہ نہیں ہے ایسے بہت سے لوگ گذرے ہیں جو ہزاروں کے مقابلہ اور بعض لوگ ایسے گذرے ہیں جو لاکھوں کے مقابلہ میں وہ امتیاز کا درجہ رکھتے تھے، مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں، اصحاب صحاح ہیں، امام بخاری ہیں، یا ائمۂ اربعہ ہیں، یا شارحین حدیث ہیں، اب آپ ایک "فتح الباری" کو لے لیجئے کہ ہم کہا کرتے ہیں کسی ملت میں بھی کسی مصنف کی کتاب اس طرح پیش نہیں کی جا سکتی جو بالکل دائرۃ المعارف ہو، اور حاوی ہو، اور ایسے ہی "لسان العرب" کو لے لیجئے، ایک سمندر ہے، "قصیدہ بردہ" کو لے لیجئے اور ایسی ہی کتنی چیزیں ہیں کہ جو پورے اس موضوع پر وہ ایک امتیازی درجہ رکھتی ہیں، تو "الاحسان" کے معنیٰ یہی ہیں کہ آپ کو چند فنون پر عبور کامل ہو، اور آپ کی دسترس میں ہوں، اور لوگوں کو اس کے بارے میں نفع پہونچتا ہو، کھلا ہوا نفع پہونچتا ہو، اور افسوس ہے کہ یہ چیزیں بھی ہمارے تعلیمی حلقوں سے ختم ہوتی جارہی ہیں، مشارکت ہے، کام چلاؤ جس کو کہتے ہیں، اہل عرب کے محاورہ میں کام چلاؤ چیز تو ہے، تو پڑھالیں گے سمجھ بھی لیں گے، سمجھا بھی دیں گے، کتابوں سے فائدہ بھی اٹھالیں گے، لیکن جس کو کہتے ہیں شان امتیازی اور کہتے ہیں شان اجتہادی اور شان امتیازی سے بڑھ کر ایک شان ہے، شان اجتہادی اس میں آدمی کو ایسا ملکہ ہو کہ جیسے ملبوسات، مذوقات اور ایسی چیزیں جو استلذاذ سے تعلق رکھتی ہیں ویسے ہی جیسے میں کہا کرتا ہوں کہ ایک ہوتا ہے زبان کا ذوق اور ایک ہوتا ہے زبان کا ذائقہ۔ بعض لوگوں کو زبان کا ذوق ہوتا ہے، اور ذائقہ نہیں ہوتا، اب میں اپنی زبان کے بارے میں کہتا ہوں، فخر کی بات نہیں ہے کہ میرے بڑے بھائی صاحب نے میرے لئے ایسے استاذ کا انتخاب کیا جن کے لئے زبان ذوق کا درجہ نہیں ذائقہ کا درجہ رکھتی تھی، یعنی جب وہ اس لفظ کو کہتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان پر ایک کیفیت طاری ہوگئی، اور وہ کیفیت منتقل ہوئی دوسروں کی طرف یعنی وہ اپنے کو قابو میں نہیں رکھ سکتے تھے جھومنے لگتے تھے اور کہتے تھے، کیا غضب کیا، کیا غضب کیا، کیا غضب کیا، ہمیں یاد ہے کہ ہم کراچی اسکول میں تقریر کرنے گئے شعبہ عربی ادب میں، تو حسن اتفاق کہ اس شعبہ کی جو صدر تھیں وہ ہمارے استاذ کی صاحبزادی تھیں، شیخ خلیل بن محمد عرب صاحب... جن سے ہماری عربی کی اصل بنیاد اور عربی میں خدمت کر سکنے کی صلاحیت زیادہ تر ان ہی کی رہین منت ہے، ہم تقریر کر رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ اس طرح ہمیں ہمارے استاذ نے عربی پڑھائی تو انھوں نے وہیں سے آواز دی کہ علی بھائی، والد صاحب کا کوئی پسندیدہ شعر سنایئے جس سے ان پر کیفیت طاری ہو جاتی ہو تو ہمیں یاد تھا کہ وہ بحتری کے بڑے قائل تھے، متنبی کے مقابلہ میں بحتری کو بہت ترجیح دیتے تھے، اور ہم نے یہ شعر پڑھے۔

ملونا ضرائب من قد نری

فما ان رأینا لفتح ضریبا

ھو المرء أبدت لہ الحادثا

ت عزما وشیکا ورأیا صلیبا

فکالسیف إن جئتہ صارخا

وکالبحر إن جئتہ مستثیبا

تنقل فی خلقی سوددٍ

سماحا مرجی وبأسا مھیبا

ارے غضب، ارے غضب، ارے غضب کیا ارے ظالم

سماحا مرجی وبأسا مهیبا، سماحا مرجی وبأسا مهیبا، سماحا مرجی وبأسا مهیباً سماحا کے لئے مرجی کا لفظ لانا اور بأس کے لئے مہیب کا لفظ لانا، ایسے جھومتے تھے کہ بعض مرتبہ باہر سے دیکھنے والا ڈر جاتا اور بعض مرتبہ کہتا قصہ کیا ہے؟ یہ تو عربی زبان کے متعلق کہہ دیا۔

آپ صرف اس فقرہ کو میری آج کی اس حاضری کی قیمت سمجھیں، آج کل کسی مدرسہ کے خادم اور ناظم سے تقریر کی فرمائش کرنا بڑی خطرناک بات ہے، معلوم نہیں کیا کیا کہے گا کن کن چیزوں پر تنقید کرے گا اور کیسے حرف گیری کرے گا، اور ہم سب ایک برادری ہیں، ہم سب کو معلوم ہے کہ کیا کمزوریاں آگئی ہیں مدرسہ میں۔ اس لئے آپ نے خطرناک کام کیا، میں اس خطرہ سے اپنے کو بچاتا ہوں اور آپ کو بھی محفوظ رکھتا ہوں، کہ آپ صرف اتنی بات میری یاد رکھیں کہ "قیمۃ کل امرئ ما یحسنہ"، ہر شخص کی قیمت اصل جو ہے اور قیمت کا لفظ عربی میں بڑا قیمتی ہے، یہ بھی بتا دوں آپ کو قیمت یہ نہیں ہے کہ اس کی یہ قیمت (بلکہ جس کی طرف امید واس کی نگاہیں اٹھتی ہوں یہ ہے اپنے فن میں سونے کے بھاؤ تولنے کے قابل) اور جس سے اس کو سر پر بٹھایا جائے اور جس سے اس کو آنکھوں میں جگہ دی جائے اس سب کے لئے اگر منفرد لفظ کہا جائے، عربی داں یہاں موجود ہیں مولوی عبد اللہ عباس صاحب ندوی ہیں یہ سالہا سال سے عربوں میں رہتے ہیں اور عربی زبان کا بڑا اچھا ذوق رکھتے ہیں کہ قیمت کا لفظ جس کا ترجمہ اردو میں ہو نہیں سکتا، دار و مدار کہہ لیجئے، اصل سند فضیلت کہہ لیجئے، احترام کی وجہ کہہ لیجئے اور جس سے سہارا ہو زندگی کا، اس کا ایک مقام ہے، قام یقوم سے یہ لفظ بنا ہے، کہ "قیمۃ کل امرئ" یہ نہیں کہ جو اس کو تنخواہ ملتی ہو وہ قیمت ہے اس کی نہیں، اس کی تو جو اصل قدر و قیمت ہے اور اصل جو اس کے اعزاز اور احترام کا باعث ہے وہ "ما یحسنہ" ہے، جو کام دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ بہتر جانتا ہو جس میں اس کو کمال اور دسترس حاصل ہو، جس میں شان امتیازی حاصل ہو، آج ہم ڈھونڈھتے ہیں کہ فقہ میں کسی کو امتیاز حاصل ہو ملنا مشکل ہوتا ہے، اور حدیث میں اور زیادہ ملنا مشکل ہوتا ہے، تفسیر میں اور تدبر قرآن میں اور زیادہ ملنا مشکل ہوتا ہے، اور معمولی صرف و نحو پڑھانے میں، ایسا ملکہ ہو کہ وہ بالکل اس کو پڑھ لینے کے بعد خالی ہو جائے اس سے آدمی چاہے ازہر میں جائے چاہے کہیں جائے، کوئی اس کو پکڑ نہیں سکتا، لیکن ہم ہندوستانیوں میں یہ نقائص رہتے ہیں، ہم سنایا کرتے ہیں کہ علامہ بہجۃ البیطار نے ہم سے کہا، مجھے ایک مضمون پڑھنا تھا، مجھے دعوت دی گئی، پہلی مرتبہ ۱۹۵۱ء سے پہلے کی بات ہے کہ دمشق گیا تھا پہلی مرتبہ وہاں ہمارے جاننے والوں میں مصطفیٰ بہا الامیری مرحوم ..... تو ہم سے کہا آپ کی یونیورسٹی میں تقریر ہونی چاہئے اور اس زمانہ میں یونیورسٹی کا وائس چانسلر ایک عیسائی تھا اور بڑا فاضل تھا، اور مسئلہ فلسطین کے اسباب کے بارے میں (مقالہ پڑھنا تھا)۔ خیر ہم نے اس کی تیاری کی از سر نو مطالعہ کیا فلسطین پر، اور صلاح الدین ایوبی کی تاریخ پڑھی۔ اور اس کے بعد فلسطین کے بارے میں جو کچھ تھا لکھا، جب مضمون لکھنے بیٹھا ہوں تو بتاتا ہوں کہ آپ کے لئے مفید ہو۔ اگرچہ عربوں سے پڑھ چکا تھا اور عرب بھی کیسے عرب علامہ دکتور تقی الدین ہلالی مراکشی کی نظیر نہیں تھی، ہم نے ان کی نظیر کہیں پائی نہیں، الفاظ کی صحت کے بارے میں کہ علامہ امیر شکیب ارسلان اور علامہ رشید رضا میں جب کسی لفظ کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا کہ عرب اس معنی میں اس لفظ کو بولتے تھے کہ نہیں تو کہتے تھے کہ دکتور تقی الدین ہلالی بتائیں گے، تو شیخ تقی الدین ہلالی سے ہم پڑھ چکے تھے، لیکن جب ہم نے مضمون لکھا تو ہم نے مناسب سمجھا کہ بڑے عرب عالم اور نقاد کو پہلے سنا دیں، میں آپ کو بتاتا ہوں آپ کے کام کی بات ہے، کیا تھا میں مضمون پڑھ دیتا، نہ مجھے کوئی اجرت ملنی تھی اور نہ مجھے تعریف چاہئے تھی، نہ ہی وہاں ملازمت کرنی تھی کہ اس کا ذریعہ بنتا ہے کہ نہیں، لیکن ہم ان کے پاس گئے اور اول سے آخر تک ان کو سنایا کہ اعراب بھی ہم صحیح پڑھیں اور لفظ بھی، آپ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ عربی میں صرف اعراب ہی پڑھنا نہیں ہے، بلکہ درمیانی جو حرکات ہیں۔ مثلاً آپ فَقْر کو اگر وہ اعراب کی حیثیت سے مرفوع ہے تو مرفوع کہیں گے اور منصوب ہے تو منصوب کہیں گے، لیکن قاف کا بھی ایک اعراب ہے، اگر آپ قاف کو متحرک پڑھیں گے تو سب پر پانی پھر جائے گا، "فقر" کہیں گے، فَقْر کو فَقَر کہہ دیں گے آپ شَرْف کو شَرَف کہہ دیں گے تو متحرک کو ساکن پڑھیں گے اور ساکن کو متحرک پڑھیں گے تو سب پر پانی پھر جائے گا۔

آپ کو بتاتا ہوں کہ زبان بہت ہی حساس چیز ہے، اس کی طرح حساس چیزیں بہت کم ہوتی ہیں، ایک ہلکی سی غلطی سے بالکل نظر سے گر جاتا ہے، خواہ اول سے آخر تک سنیں، مجھے بھی احساس تھا، کہنے لگے آپ "الف لام" کا استعمال بہت صحیح کرتے ہیں ناموں پر، اعلام پر، اس میں بڑی غلطی کرتے ہیں ہندوستانی مکہ مکرمہ میں ایک ہندوستانی عالم تھے ایک عرب عالم کے پاس گئے ہوئے تھے، انھوں نے کہا، "أنا ذاهب یا أنا أذهب من المكة إلى مدينة فهل لكم حاجة" تو کہا "حاجتي الوحيدة أن تأخذ الالف واللام من مكة وتضعهما على المدينة" مجھے اسی کی ضرورت ہے کہ آپ مکہ سے الف لام نکال لیجئے گا، اٹھا لیجئے گا اور مدینہ کو ڈال دیجئے گا، اس لئے کہ مکہ بغیر الف لام کے ہے اور مدینہ الف لام کے ساتھ۔ اور یہ سماعی ہے عرب میں، خود ہندوستان میں کئی صوبے ایسے ہیں جو الف لام کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، جیسے السندھ غالباً۔ الملتان بھی کہتے ہیں۔ لیکن

اور کسی ملک یا شہر پر الف لام داخل نہیں کرتے کیونکہ قاعدہ نہیں ہے، ملک شام۔ الشام، العراق، لیکن مصر کیوں نہیں ہے المصر، ہمیں نہیں معلوم عرب ول سے پوچھئے، تو مصر پر الف لام نہیں آئے گا، الایران نہیں آئے گا، لیکن العراق پر آئے گا، الفارس آجائے گا، تو زبان کا مسئلہ ایسے ہی تھا جیسے علوم کا، یہ بھی آپ کو بتاتا ہوں اس میں اگر ذرا سی غلطی آپ سے ہوگئی کہ فقہ ہی میں سہی، فقہ میں، حدیث میں اور کلام وغیرہ میں اور جو درس دیا جاتا ہے اس میں تو ایک غلطی سے سب پر پانی پھر جاتا ہے پھر وہ نظر سے گر جاتا ہے اور کسی اور ذریعہ سے وہ اپنا کلام ظاہر کرنا چاہے تو اس کلام کا اثر نہیں ہوتا، بڑی نازک چیز ہے، خاص طور پر اہل زبان کے اس معاملہ میں۔

اسی لئے ندوۃ العلماء کے بانیوں نے اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائے انھوں نے عربی زبان کو عربی زبان کی حیثیت سے پڑھنے کی پہلی مرتبہ دعوت دی ہندوستان میں، ورنہ عربی زبان کو ذریعہ کے طور پر مجھ سے خود کہا ایک بڑے عالم نے، مستند عالم نے نام نہیں لوں گا کہ عربی زبان کی قدر و قیمت اتنی ہے کہ فقہ و حدیث کی کتابیں سمجھ لی جائیں، بس اتنا کافی ہے، لیکن حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ جیسے عارف باللہ، ان کا خط ہے میرے والد صاحبؒ کے نام، محفوظ ہے خطوط میں کہ یہاں ایک عرب عالم ہیں بہت اچھی تقریر کرتے ہیں، ہم ان کو تیار کر رہے ہیں کہ وہ جائیں اور ندوہ میں پڑھائیں اور دیکھئے اس کا خیال رکھئے گا کہ لڑکے عربی میں تقریر کرسکیں، اور اظہار خیال کرسکیں، اس وقت ان کو خیال تھا تو کہنے کی بات یہ ہے کہ صرف اتنا جملہ آپ کے لئے چھوڑتا ہوں بطور نصیحت کے یا بطور ودیعت کے کہ "قیمۃ کل امرئ ما یحسنہ" ہر شخص کی قیمت وہ ہے جس کو وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر اور کامیاب طریقہ پر جانتا ہو اور کرسکتا ہو، تو آپ کے لئے اتنا کافی نہیں ہے کہ آپ فقہ سمجھنے لگیں، مطلب نکالنے لگیں، مسئلہ پھل جائیں تو آپ کو معلوم ہو کہ یہاں سے نکال لائیں گے، یہاں ملے گا، وہ سب کرسکتے ہیں، لیکن کسی ایک فن میں آپ کو امتیاز خصوصی حاصل ہونا چاہئے اور ہمارے مدارس کا تو پیغام یہ ہے اور ان کی بنیاد اس پہ ہے کہ ایک فن میں نہیں بلکہ تمام فنون جو درس میں ہیں ان سب میں آپ کو رسوخ ہونا چاہئے۔ "قیمۃ کل امرئ ما یحسنہ" کا مطلب رسوخ بھی ہے، یعنی آپ کو صرف علم حاصل نہ ہو بلکہ رسوخ فی العلم بھی حاصل ہو، اور یہ ایسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف کی ہے، "والراسخون فی العلم" یعنی اللہ تعالیٰ جب فرمائیں اور وہ کیا ہے، الراسخون فی العلم تو رسوخ بھی کم سے کم علماء کے لئے جو دین کی خدمت کریں مدارس قائم کریں، مجالس میں تدریس کا فرض انجام دیں، یا فتاوی کا فرض انجام دیں، ان سب کے لئے "قیمۃ کل امرئ ما یحسنہ" بھی ان کے سامنے رہنا چاہئے، اور "الراسخون فی العلم" بھی رہنا چاہئے، بس اس کی آپ کوشش کیجئے، اس میں بڑا زوال تیزی سے آرہا ہے، اور سطحیت پیدا ہورہی ہے، کسی ایک فن میں بھی کوئی جس کو کہتے ہیں استقرار اور تعمق پیدا نہیں ہوتا، اس تعمق کو پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور خاص طور پر ایسے مدارس میں جو ہنگاموں سے ہٹا ہوا ہے، اور بڑے سیاسی میدانوں سے اور آج کل کے جو مشاغل ہیں، آج کل کی تحریکیں ہیں، ان سب سے دور ہیں، وہاں یہ کام زیادہ آسان ہے بہ نسبت بڑے بڑے مدارس کے، یہاں تیاری کرلیجئے پھر آپ کو اختیار ہے۔ آپ دیوبند جائیے، ندوہ جائیے، یا آپ عرب چلے جائیے، یا جزیرۃ العرب کے کسی مدرسہ میں چلے جائیے، مگر صرف نحو کی بنیاد اور ابتدائی جو مقدمات ہیں علم کے ان میں آپ کو پختگی ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سب کو توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

لے استاذ محترم جناب مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ، مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء اور استاذ محترم جناب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی مدظلہ معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء۔

ٹہ ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کے تعارف میں فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی تقریر

ڈاکٹر یوسف القرضاوی — ترجمہ: محمد نظیم الدین ہاشمی ندوی

عالم عرب کی عبقری شخصیت (ڈاکٹر یوسف القرضاوی) کا عالم اسلام کی نادر روزگار ہستی (مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم) کے تعارف میں ایک تاریخی، ادبی و علمی تقریر۔ (ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعالمین، والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ونبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعھم ودعا بدعوتھم الی یوم الدین۔

برادران اسلام! یہ خداوند عالم کا مجھ پر ایک عظیم احسان ہے کہ میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم سے ۴۴ سال سے متعارف ہوں وہ مولانا کا دور شباب تھا یہ ۱۹۵۰ء کی بات ہے جب مولانا قاہرہ تشریف لائے ہوئے تھے موصوف کی معرکۃ الآراء تصنیف "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر)" آپ کی قاہرہ آمد سے چند ہی ماہ قبل مطالعہ سے گذری تھی، اور یہ وہ اہم کتاب ہے کہ ہر مسلمان کو ضرور اس کا مطالعہ کرنا چاہئے، بڑی قیمتی اور نادر کتاب ہے جس سے میں نے اپنی تالیفی زندگی میں بہت استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح سید قطب شہیدؒ نے بھی جا بجا اس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ محمد الغزالی جیسے نابغۂ روزگار نے اس سے فائدہ اٹھانے کی سعادت حاصل کی ہے جیسے ہی میں نے اس کتاب کو پڑھا مصنف سے بے ساختہ قلبی تعلق قائم ہو گیا۔ اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد میری مصر میں زیر تعلیم کچھ ہندوستانی بھائیوں سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھے یہ مژدۂ جاں فزا سنایا کہ بہت جلد مولانا علی میاں ندوی دامت برکاتہم قاہرہ تشریف لا رہے ہیں میں نے کہا کہ میں تو موصوف کی زیارت کا عرصہ سے مشتاق ہوں۔ سچ مچ شیخ قاہرہ وارد ہوئے اور ملاقات و دیدار سے اپنی نیک صحبت اور ساتھ بیٹھنے کی سعادت سے ہمیں مشرف فرمایا۔ ہماری یہ مبارک ملاقات ازہر سے قریب شارع مصر کی ایک تنگ گلی میں مقدر تھی کیوں کہ موصوف گرامی نے کسی امیرزادہ کی طرح فائیو اسٹار ہوٹل میں قیام کرنا نہیں پسند فرمایا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ ٹیڑھی میڑھی گلی میں واقع ایک عمارت کے چھوٹے سے فلیٹ کو ترجیح دی میں حضرت برکاتہم سے بار بار ملا اور ملاقات کے بعد مزید ملاقاتوں کا شوق بڑھتا رہا ہم سب کی خواہش اور اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا کبھی کسی گھر میں ملاقات رہی تو کبھی کوئی رات ہمارے ساتھ گذاری اور ہم لوگوں کی خاطر آپ نے تمام رات بسر کر دی۔ ہم شیخ کے ساتھ رہ کر بڑا کیف محسوس کرتے رہے بڑے یادگار لمحات تھے شیخ ہمارے ساتھ بہت سے شہروں اور دیہاتوں میں ساتھ رہے، اس دوران عظیم داعیوں سے تعارف و ملاقاتیں ہوئیں۔ خاص طور پر سید قطب شہید، ڈاکٹر احمد امین مصری وغیرہ سے، اول الذکر نے "ماذا خسر العالم ..." کا مقدمہ لکھا۔ ثانی الذکر نے "ادارہ تالیف و نشر" کے صدر کی حیثیت سے کتاب پر کچھ لکھا تھا۔ وہ کچھ ایسا طاقتور اور جاندار نہیں تھا، بلکہ صاف کیوں نہ عرض کردوں انھوں نے حضرت شیخ مدظلہ کے حق میں کوتاہ بینی کا معاملہ کیا تھا تب اس سے متاثر ہو کر اس کی تلافی میں سید قطب شہیدؒ نے شاندار مقدمہ لکھا، یوسف موسیٰ اور علامہ شرباصی جیسے حضرات نے بھی مقدمہ تحریر کرنے کی سعادت حاصل کی پھر ان اہم ترین شخصیات نے خود بہت سارے محاضرات (لیکچرز) اور موقعوں پر شیخ سے ملاقاتیں کیں، علامہ بہی الخولی رحمۃ اللہ علیہ نے شرف دیدار حاصل کیا۔ اور بہت سے دیگر بھائیوں نے والہانہ عقیدت کے ساتھ لطف صحبت اٹھایا۔ "اپنے بھائیوں سے دل کی بات" کے موضوع پر حضرت نے ان تمام حضرات کو انمول نصائح سے نوازا اسی طرح "پھر سے اسلام کے سایہ میں" کے عنوان پر شیخ مدظلہ نے چند رسائل مرتب کئے جن میں "عالم کا گلہ جزیرۃ العرب سے عالم کو جزیرۃ العرب کا جواب انسانیت کے نام" رکھا اس بیش قیمت رسالہ میں موصوف گرامی نے پیش کیا کہ ساری دنیا جزیرۃ العرب سے سوال کر رہی ہے کہ اے جزیرۃ العرب تیرا وہ (زندگی، امن، عدل و اخوت کا) پیغام رحمت کہاں ہے؟ کیا تو وہی جزیرۃ العرب نہیں جس نے دنیا کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی سے ہمکنار کیا تھا، تو وہی ہے جس نے ایسے مردان کار جنھوں نے لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی تک پہونچایا۔ اور وہ پہلا موقع تھا جب

ہم نے ربعی بن عامرؓ کا وہ الہامی تاریخی جملہ پڑھا اس سے پہلے ہم اس کی قیمت و اہمیت سے ناواقف تھے شیخ محترم نے اس کی اہمیت کو اجاگر فرمایا اور اس کو اپنی تحریروں اور رسائل میں بار بار اظہار کرکے اس کی واقعیت و اہمیت سے واقف کرایا اور اب یہ کیفیت ہے کہ ہم سب ہی ربعی بن عامرؓ کے متعلق تذکرہ کرتے رہتے ہیں اور ان کے مشہور تاریخی مقولہ "اللہ نے ہمیں برپا کیا ہے تاکہ ہم وہ جس کو چاہے بندوں کی غلامی سے نکالیں اور اللہ کی غلامی میں داخل کریں" ایک دفعہ علامہ شیخ الغزالی (جو مشہور ادیب ہیں) نے اس کو پڑھا اور فرمایا تھا "اس دین کی خدمت شاعر کا دل ہی کرسکتا ہے حالانکہ حضرت ربعیؓ کا کلام شاعرانہ نہیں مگر اسلوب شاعری کی سحر انگیزی سے خالی بھی نہیں جس نے سارے جزیرۃ العرب کو پیغام اسلام کا گرویدہ بنادیا" اسی طرح آپ نے اسمعی یا مصر کے نام سے اپنا وہ مشہور رسالہ تحریر فرمایا جس میں وضاحت فرمائی کہ نہر سوئز کی ایجاد عصر حاضر کا ایک زبردست "حادثہ" تھا جس نے تاریخ کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا اور تجارت و سیاست کی دنیا میں انقلاب تو برپا کردیا لیکن اس حقیقت سے کس کو انکار ہے کہ مشرقی قوموں کی بدنصیبی اس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھی اور نہر سوئز نے سوائے غلامی اور استعمار کے کچھ نہیں دیا، اب دنیا کو کسی دوسری نہر سوئز کی پیاس ہے اور وہ نہر ہے صحیح تعارف اور سنجیدہ میل ملاپ کی، اس لیئے ملک مصر پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ جغرافیائی محل وقوع، سیاسی اہمیت اور ثقافتی بے نیازی اور روحانی مرکزیت کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس عظیم الشان کام کو انجام دے۔ شیخ نے "اسمعیات" کے عنوان سے متعدد رسالے ہیں جن میں اسمعی یا مصر، اسمعی یا سوریہ، اسمعی یا ایران، اسمعی یا زھرۃ الصحراء، ہم نے ان کو پڑھا بھی اور محاضرات کی شکل میں ان کو سن کر مستفید بھی ہوئے ہیں اس میں کہا گیا ہے کہ اسلام محض جوش کا نام نہیں، اسلام صرف مظاہرہ کو نہیں کہتے اسلام نام ہے دھڑکتے دل کا، اس روح کا جو ایمان کے ذریعہ جوش مارتی ہے۔ اسلام ہی نے صحابہ کرامؓ کو دنیا فتح کردینے کے لئے تربیت دی جنھوں نے اس دل سے نکلنے والے ایمان کے ذریعہ لازوال عظیم تہذیب کی بنیاد قائم کردی، میں نے شیخ کو مصر میں دیکھا۔ اس کے بعد ندوہ حاضری پر بھی جب انھوں نے ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن عظیم کی مناسبت سے ہمیں مدعو فرمایا تو مجھے اور قریب سے دیکھنے کا موقع ہاتھ آیا، میں بہت سارے عرب علماء و شیوخ کے ساتھ حاضر ہوا۔ الشیخ عبدالمعز عبدالستار، ڈاکٹر شیخ عبدالہادی محمودؒ الشیخ ذھبی، الشیخ حلبی اور علامہ انصاریؒ، شیخ احمد عبدالعزیز المبارک اور دیگر بہت سے داعیان اسلام اس مبارک موقع سے ندوۃ العلماء کی سرزمین میں اکٹھا ہوئے۔

ندوۃ العلماء:-

برادران اسلام! ندوۃ العلماء وہ عظیم تحریک ہے جس کا قیام علماء ربانیین کے مبارک ہاتھوں "قدیم صالح و جدید نافع" اور "ایمان راسخ و علم وسیع" جیسی بنیادوں پر عمل میں آیا۔ اس وقت مدارس دینیہ اور دینی جامعات کے لئے ساری دنیا میں بڑے ہی مشکل مسائل تھے اور وہ قدیم و جدید کی پریشانیوں اور الجھنوں کا شکار تھے، راہ اعتدال کا خاکہ تیار کرنا دشوار ہو رہا تھا مگر ندوۃ العلماء کا معاملہ بالکل الگ ہے وہ ہر صالح قدیم اور نافع جدید کو خوش آمدید کہتا ہے، وہ مستحکم ایمان اور ٹھوس علم کا جامع دبستان فکر ہے اس کی بنیاد ہی "خذ ما صفا ودع ما کدر" پر رکھی گئی ہے۔ اور یہی وہ امتیازی وصف ہے جس کی وجہ سے فرزندان ندوہ اپنا ایک امتیاز رکھتے ہیں۔ اور ندوۃ العلماء پر فخر کرتے ہوئے اپنے علمی انتساب اور استفادہ و فراغت پر ناز کرتے ہیں کیوں کہ اس ندوہ ہی نے ان کے اعمال اور تعلق مع باللہ و تعلق مع الخلائق پر خاص اثر ڈالا ہے، بلاشبہ ندوۃ العلماء میں بڑی قابل قدر شخصیات پیدا ہوئیں۔ جنھوں نے ہمارے محترم شیخ سے فیض تربیت حاصل کیا۔ اور بہت سوں نے شیخ کے اساتذہ علامہ سید سلیمان ندویؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ اور ان کے برادر معظم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ نیز والد مکرم حضرت سید عبدالحی حسنی رحمہم اللہ سے تربیت پائی شیخ کے فرزندوں اور تلامذہ نے علم و ایمان کی بنیاد پر نشوونما پائی ہے، اور ہم سب کو بھی اسی کی ضرورت ہے کیونکہ ایمان صرف کہا جانے والا قول، پیش کئے جانے والا دعوی نہیں ہوسکتا بلکہ ایمان تو وہ حقیقت ہے جو دل میں جم جائے اور عمل اس کی دلیل بن جائے، جس وقت ہم نے ندوۃ العلماء کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تب آنکھیں کھلیں اور ہمیں داعئ عظیم شیخ علی طنطاویؒ کے اس تاریخی جملہ کی قدر و قیمت معلوم ہوئی جس کو انھوں نے ندوۃ العلماء کی زیارت کے بعد ندوہ سے متأثر ہوکر تأثرات حاضری" میں تحریر کیا تھا کہ "میرے اندر یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش زمانہ واپس لوٹ آئے اور میں نوجوانی اور طالب علمی کے دور کو دوبارہ حاصل کرسکوں تو اس عظیم و روح پرور ادارہ میں زانوئے علم و ادب طے کرلوں، اور اس کے اساتذۂ گرامی اور بزرگوں سے خوب خوب فائدہ اٹھاؤں" اس میں کچھ بھی مبالغہ آرائی نہیں کہ علی طنطاویؒ نے بالکل سچ فرمایا کیونکہ ندوہ وہ کردار ادا کر رہا ہے جو علم و ایمان کو جلا بخشتا اور روح کو بیدار کرتا ہے اس عظیم

دبستانِ علم میں میری حاضری ۱۹۷۵ء سالہ جشن تقاریب کے سلسلے میں ہوئی تھی جس میں مسلم و غیر مسلم سبھی والہانہ شوق لیکر شریک ہوئے تھے اس موقعہ پر مجھے شیخ گرامی سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ اس کے بعد مجھے ندوہ کو بارہا دیکھنے کی سعادت ملتی رہی ایک دفعہ میں بہت سارے علمائے کرام کے ساتھ "الاسلام والمستشرقون" کے موضوع پر منعقدہ دار المصنفین اعظم گڑھ کے سیمینار میں شرکت کی غرض سے حاضر ہوا پھر دوسری مرتبہ حضرت شیخ محترم کے ندوہ میں لیکچرز کے لئے مدعو فرمانے پر دو ہفتوں کے لئے حاضری کا موقع نصیب ہوا اس بہانہ ندوہ کی روحانی اور علمی فضا میں وقت گذارنے کی سعادت حاصل ہوئی ہمیں اس بات پر برملا فخر ہے کہ ہمیں ندوہ اور شیخ دامت برکاتہم کی انمول تصنیفات کے درمیان زندگی کے بہترین و قیمتی اوقات بسر کرنے کا موقع نصیب ہوا، میں اپنے ان بھائیوں سے جو میری بات سن رہے ہیں صاف صاف کہتا ہوں کہ وہ شیخ کی تمام تصانیف کو اہتمام سے پڑھیں وہ بے حد قیمتی اور وسیع و عمیق مطالعوں کا خلاصہ ہیں ایک طرف اپنے اسلامی ورثہ کی تحصیل میں کدو کاوش کا نتیجہ ہیں تو دوسری جانب عالمی پیمانہ پر سوچ و فکر کا خزانہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت کو کئی زبانوں میں مہارت عطا فرمائی ہے، لہٰذا وہ صرف انگریزی، عربی اور اردو میں پڑھ لینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ اسلاف کی قدیم ترین کتابوں کو کھنگالنے کے ساتھ ساتھ جدید ترین لٹریچر پر بھی نظر رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں عجیب بصیرت و دور بینی سے نوازا ہے حالاتِ حاضرہ کے مسائل پر گہری نظر ہے جس کی تصویر "ماذا خسر العالم ......" اور نقوش اقبال جیسی مایۂ ناز تصنیفات میں بہت صاف نظر آتی ہے۔ دار العلوم قاہرہ کے کالج میں جب حضرت علامہ اقبالؒ پر تاریخ ساز خطبات پیش فرمائے تھے تو ہمیں بذات خود حاضر و موجود رہنے کا موقع ملا تھا۔ انھوں نے ایک عظیم و بیش بہا کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" کے نام سے (جو کئی جلدوں میں ہے) تصنیف فرمائی ہے یہ کتاب اپنے مضمون، موضوع اور زبان ہر اعتبار سے ایک انمول موتی ہے اس کی پہلی جلد میں حضرت نے اس حقیقت سے واقف کرایا ہے کہ دین اسلام نے ہر زمانے میں ایسی طاقتور و مؤثر شخصیات پیدا کی (اور کرتا رہے گا) جنھوں نے سرحد اسلام کی حفاظت کا فریضہ پورے حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا اور امت مسلمہ کی ضرورت کو پورا کیا مطلب یہ ہے کہ امت مسلمہ کو ہر دور میں جس طرح کی شخصیت کی ضرورت پیش آئی اس طرح کی شخصیت وجود میں آئی اور اس نے حالات کا مقابلہ کیا جیسے صلاح الدین ایوبیؒ۔ اسی طرح ہر وقت کوئی نہ کوئی مناسب شخصیت ابھرتی رہی اور وقت کے صحیح تقاضے کو پورا کر کے امت اسلامیہ کے اجڑے ہوئے باغ کو پر بہار بناتی رہی، تاریخ دعوت و عزیمت کے سنہرے سلسلے میں حضرت امام غزالیؒ، حضرت عبد القادر جیلانیؒ اور دوسرے بہت سارے علمائے ربانی و راسخ فی العلم والایمان شخصیتوں کا دل نواز، ایمان افروز تذکرہ فرمایا گیا ہے اس سنہرے سلسلے کے پانچ حصے شائع ہو کر مقبول عام و خاص ہو چکے ہیں فن تاریخ کے خاص اہتمام و شغف کی بنا پر آپ نے بہت ساری کتابیں تصنیف فرمائی "ارکان اربعہ" نامی کتاب میں نماز، روزہ، زکاۃ اور حج پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ارکان اسلام کے رموز و نکات بیان فرمائے "اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" "کاروانِ مدینہ" "تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک" میں رہبانیت (تصوف) اور اس کے اصلاح و تزکیہ میں بنیادی کردار پر قابل مطالعہ تذکرہ چھیڑا ہے انھوں نے تصوف حقیقی کو ربانیت کا نام دیا ہے اور رہبانیت سے اس کا کوئی تعلق ہونے کی تردید فرمائی ہے۔

حاضرین کرام میری بڑی مخلصانہ نصیحت ہے آپ حضرات کی خدمت میں کہ آپ تمام حضرات شیخ محترم کی جملہ کتابوں کو اہتمام سے پڑھیں اور مطالعہ کریں، سمجھنے کی کوشش کریں اور کتب خانے والے حضرات کو کہتا ہوں کہ وہ ان گراں قدر تصانیف کو خاص طور پر اہتمام کے ساتھ مہیا کریں اور عوام و خواص کی خدمت میں ان کو پیش کریں۔

حضرت علامہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی ذات گرامی اس وقت نابغۂ روزگار شخصیت ہے ان کا عقیدہ اس امت کے اسلاف کرام کا عقیدہ ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک خاص ربانی روحانی زندگی کے مالک ہیں،

وہ ایسی ہستی ہیں کہ جن کی زندگی اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ کے ساتھ (خاص تعلق والی) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ساتھ ہر ملک کے مسلمانوں کو خاص محبت ہے حضرت مفکر اسلام علامہ سید ابو الحسن علی میاں ندوی حفظہم اللہ کی شخصیت کے معترف ہر ملک کے مسلمان رہے ہیں اور ہیں ہر وہ مسلمان جو صاف اور پاک ذہن رکھتا ہے وہ علامہ ندوی سے بے ساختہ محبت کرتا ہے کیونکہ وہ اس امت کے زبردست عالم ربانی ہیں اور اسی لئے مسلمانوں نے آپ کو کئی یونیورسٹیوں، علمی انجمنوں اور فقہی اکیڈمیوں کا سرپرست منتخب کیا ہے

ایک گمراہ کن کتاب

مسائل اور ان کا قرآنی حل

حکیم مسیح الدین کے قلم سے سامنے آئی ہے، کتاب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ شخص منکر حدیث ہے اور قرآنی آیات کی من مانی اور شیطانی تشریح کرکے پورے دین کو مسخ کر رہا ہے موجودہ نماز، روزہ، زکاۃ کی شکلیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ امت کو ملیں ان سب کو یکسر بدل کر ایک نیا دین پیش کر رہا ہے۔ یہ شخص ناگپور سے "حق و باطل" نام کا ایک رسالہ بھی نکالتا ہے جس کا مقصد ہی کتاب و سنت کی مخالفت ہے۔

یہ شخص بظاہر قرآنی آیات سے استدلال کرتا ہے لیکن جو ثابت کرتا ہے وہ قرآنی تعلیمات سے الگ، شریعت اسلامی کے خلاف باتیں ہوتی ہیں۔ ایک عالم دین جس کا علم پختہ ہو وہ تو اس کی گمراہیوں کا رد کر سکتا ہے لیکن عوام الناس خصوصاً طلبہ اس سے بہک سکتے ہیں لہٰذا اس کتاب اور اس پرچہ سے عوام الناس خصوصاً طلبہ کو بچانا بہت ضروری ہے۔ من یہدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔"

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

آکسفورڈ یونیورسٹی نے اسلامی مرکز کا صدر آپ کو چنا ہے آپ نے حال ہی میں آکسفورڈ کے اسلامی مرکز میں "اسلام اور مغرب" کے متعلق بعنوان ولی عہد کے ساتھ اہم تبادلۂ خیال فرمایا جس کی بازگشت ساری دنیا میں سنائی دے رہی ہے۔

اسی طرح رابطۂ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے اہم ممبر اور "رابطہ ادب اسلامی" کے عالمی صدر بھی ہیں۔ آپ یہ عہد کر چکے ہیں کہ اس امت کے رخ کو صحیح سمت میں کر کے رہیں گے اس کے ایمان کی تجدید کر کے دم لیں گے اور امت کو اعتماد علی اللہ اور دین اسلام کو سربلند کر کے ہی چین لیں گے۔

آں محترم ایک مورخ بھی ہیں لیکن عام مورخوں کی طرح نہیں بلکہ وہ نہ دنیا سے کچھ چاہتے ہیں اور نہ اس کا تصور کر سکتے ہیں اور وہ اخلاص کے ایسے عظیم مقام پر فائز ہیں جیسے وہ کرنیں اور شعاعیں جو ساری دنیا کو روشن و منور کر رہی ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے شیخ علامہ سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کو وہ بہتر سے بہتر جزاء اور عمدہ سے عمدہ صلہ عطا فرمائے جو پیشوایانِ دین علمائے حق اور مخلصین کو داعیان ربانی کو وہ عطا فرماتا ہے اور آپ کو اور آپ کے ساتھ ہم سب کو جنت رضوان میں جمع فرمائے کہ خود خداوند کریم کا ارشاد ہے:

(فأولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقا)

(ترجمہ از مجلہ البعث الاسلامی، ماہ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ مطابق اگست ۱۹۹۶ء)

> جب تک انساں پاک طینت ہی نہیں
> علم و حکمت، علم و حکمت ہی نہیں

یورپ کا معیارِ تفریح اور اس کے نتائج

مولانا سید واضح رشید ندوی
ترجمہ: مطیع الرحمان عوف ندوی

کھیل تماشے۔ تفریح اور دل لگی کا بہترین اور مؤثر ذریعہ ہیں جن کا مقصد اپنے غموں کو غلط کرنا اور تھکے ماندے جسم میں تازگی اور نشاط پیدا کرنا ہوتا ہے۔ تھکے اور بجھے دلوں کو بہلانے اور غموں کو غلط کرنے کے لئے لوگوں نے جدا جدا اسباب و وسائل اپنا رکھے ہیں یہ تنوع اور تفریح کے الگ الگ طریقے ہر دور میں پائے جاتے رہے ہیں۔ چونکہ تفریح اور دل بستگی ایک انسانی ضرورت ہے خصوصاً ان لوگوں کے لئے یہ ضرورت اور بڑھ جاتی ہے جو محنت و مشقت والے امور و خدمات انجام دیتے ہیں اور انجام دیکر تھک جاتے ہیں۔ معاشرہ میں اس طرح کے لوگوں کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے جن میں علما ردادبار دانشور اور اسکالرس اور ملازمین و مزدور پیشہ افراد بھی شامل ہیں جن میں تقریباً سبھی لوگ ذہنی وجسمانی محنت ومشقت والے امور انجام دیتے ہیں۔

تفریح تھکاوٹ دور کرنے کے سلسلہ میں اسلام کا موقف ایجابی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیل کود کے ذریعہ نشاط حاصل کرنے کے سلسلہ میں فرمایا کہ" اپنے دلوں کو وقفہ وقفہ سے فرحت بخشو" اس بنا پر کہ جب دل تھک جاتا ہے تو زنگ آلود ہوجاتا ہے۔ اسلام نے دلوں کو فرحت ومسرت بخشنے کے لئے جائز امور و وسائل کو اپنانے کی دعوت دی۔

اسلام نے تیراندازی، جہاز رانی اور گھوڑ دوڑ کو خاص اہمیت دی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تم اپنی اولاد کو تیر اندازی، تیراکی، اور گھوڑوں کی سواری سکھاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے ذکر سے جو چیز خالی ہو وہ یا تو لہو ہے یا سہو۔ البتہ چار چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں تیراندازی کے وقت دوڑنا، گھوڑے کی پرورش و پرداخت اپنے خاندان کے ساتھ ہنسی مذاق کھیل کود اور دل لگی کرنا اور تیراکی سیکھنا،

قدیم زمانے میں خوشی حاصل کرنے اور دل بہلانے کے لئے جو وسائل عام تھے ان میں شکار، کثرتِ ورزش اور داستان گوئی، شعر وادب اور سیر و تفریح شامل تھیں ان کے علاوہ بعض فنی کام مثلاً سنگ تراشی تصویر کشی، نغمہ سنجی، موسیقی نیز ذہنی وجسمانی تکان کو دور کرنے والی دیگر چیزیں رائج تھیں جن سے ذہنی تکان دور ہوتا ہے اور انسان فرحت وسکون محسوس کرتا ہے۔ ان وسائل اور تفریح کا مقصد کام میں تسلسل پیدا کرنا اور اس میں مزید اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ اور کتاب البخلاء کے مصنف مشہور عربی ادیب جاحظ نے اپنی کتاب میں اس جانب اشارہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔" آپ نے مجھ سے بخیلوں کے نادر واقعات حریصوں کی حیلہ بازیاں، نیز مزاح ہزل اور سنجیدگی کے باب میں کچھ بیان کرنے کی فرمائش کی ہے تاکہ اس کے ذریعہ آپ جی بہلائیں اور جی بھر کر سکون و آرام حاصل کریں۔ اس لیے کہ مسلسل محنت تکان پیدا کردیتی ہے ایسے شخص کے لیے طنز و مزاح اور تفریح کا مشغلہ ضروری ہوجاتا ہے۔ سہل بن ہارون کا قول ہے کہ مزاح کا ایک وقت اور محل ہوتا ہے اور سنجیدگی اور محنت ومشقت کا وقت اور محل ان دونوں میں افراط و تفریط ہوجائے تو اگر زیادتی ہو تو فساد پیدا ہوجاتا ہے اور اگر کمی ہو تو اس سے عیب پیدا ہوجاتا ہے، امام غزالی علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور کتاب احیاء علوم الدین میں مزاح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مزاح پر مداومت یا اس سے یکسر احتراز دونوں باتیں قابل مذمت ہیں تاہم جو مزاح ان دونوں امور سے خالی ہو وہ قابل مذمت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قالوا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم انك تداعبنا قال إني لا اقول إلا حقا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہم سے مذاق بھی فرمالیتے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں ہاں، مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا۔ (شمائل ترمذی مشا)

بھلا اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ تفریح و مزاح پیہم مشغول اور مسلسل جدو جہد کرنے والے انسان کے اندر نشاط اور تازگی پیدا کرنے کے لیے ایک لازمی عنصر ہے گذشتہ دور میں تفریح طبع کے وسائل نہ صرف یہ کہ دل لگی اور تفریح طبع کا باعث ہوا کرتے تھے بلکہ اس سے جسمانی ورزش جیسے اور بھی بہت سے فوائد حاصل ہوتے تھے اس وقت انسان جو کھیل پسند کرتا تھا اس سے جسم انسانی کو قوت اور جلا ملتی تھی، اس میں محنت ومشقت کی ضرورت ہوتی تھی مثلاً دوڑ، تیراکی، تیر اندازی، نیز ذکاوت و فطانت جیسی چیزیں اور انسان کو تقویت بخشنے والے دیگر وسائل و ذرائع اس کے لئے ایسے کھیلوں کا انتخاب کیا جاتا تھا جن سے ذہانت و فطانت بڑھتی ہے اور علم وادب میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس میں داستان گوئی روایات و مقامات، الف لیلہ اور دیگر وہ کتابیں جو حکمت اور لطف سے پُر ہوتی تھیں جیسے کلیلہ ودمنہ ثعلبہ دعوا اور کتاب البخلاء ان کتابوں کو عظیم عالموں اور ادیبوں نے انھیں مقاصد کے لئے تالیف کیا

دربہت سے نیک طینت مصنفین نے ایسی کہانیاں
ھیں جو بیک وقت تربیت اور تفریح دونوں
ام کرتی تھیں، ہر زبان وادب میں خصوصاً عربی، اردو
ں اس قسم کی کہانیوں اور داستانوں کا بیش بہا
زانہ موجود ہے۔

شعر وادب کی محفلیں بھی اس مقصد کے لئے
بکثرت قائم ہوتیں، طرحی مشاعرے اور شعری
شستیں ہوتی تھیں نیز پہیلیاں بوجھنے اور پیچیدہ
لتوں کو حل کرنے اور داستان گوئی جس میں
فیلاقی، طلائی اور جانبازی کی داستانیں و
کایتیں اور سیر وسیاحت کے دلچسپ مناظر و
شاہد کے بیان کی مجلسیں و نشستیں ہوتی تھیں۔

لیکن اس دور میں یورپی تہذیب
ثقافت کے اثر سے تفریح و مزاح کا طریقہ یکسر
بدل گیا ہے اب یہ وسائل اور سرگرمیاں علمی فکری
ور جسمانی فوائد سے خالی ہوگئیں ہیں۔ اب ان کا مقصد
نفس دل لگی رہ گیا ہے۔ اور وہ چیزیں جو گذشتہ
زمانے میں چند لوگوں کے ساتھ خاص تھیں اب وہ
عام ہوچکی ہیں اور سوسائٹی کا ہر فرد اس کی زد میں
آگیا ہے اب صورتحال یہ ہے کہ مزدور پیشہ اور محنت
مشقت کرنے والے جن کو محنت و جانفشانی کی
ضرورت تھی ان کے فارغ اوقات کا بجا استعمال
بھی ہوتا جب وہ اسے تعلیم وتعلم اور محنت ومشقت
ں صرف کرتے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ تفریح کے یہ
سامان ان کے لئے کام چوری، سستی اور کاہلی
کے ذرائع بن گئے جبکہ انھیں ذہن ودماغ کو
، توجہی سے ہٹاکر محنت ومشقت اور جانفشانی
کی جانب رغبت کا ذریعہ ہونا چاہئے تھا۔

فنون لطیفہ اور طنز ومزاح کے فروغ
کے سلسلے میں یورپ کا یہ اہتمام اس کی
قدیم تاریخ اور روایات کی جانب سے متوجہ کرتا ہے
چنانچہ روم اور یونان (GREEK) دل لگی
اور تفریح طبع کے میدان میں پیش پیش تھے
خواہ وہ انسان کی بدبختی وبیہودگی پر ہی
کیوں نہ مبنی ہوں۔ روم اور یونان نے اس
سلسلہ میں وحشیانہ طریقے اپنا رکھے تھے۔ جو
انسان کے تعاون سے انجام پاتے تھے جیسے
انسان و جانور کی کشتی، جسم انسانی میں
آتش زنی اور اس کی موت سے لطف اندوز
ہونا اور انسان کو موت کے منہ میں ڈال کر
اس کے تڑپنے اور موت سے مقابلہ آرائی
کے مناظر سے دل بہلانا۔ یہ لوگ ایسے مقابلے
منعقد کرتے تھے جس کے نتیجہ میں خونریزی
جنگ وجدال اور ظلم وزیادتی پورے
معاشرے میں عام ہوگئی اور اسی کا بول بالا
ہوگیا۔

ہمارے زمانہ میں جب کھیلوں
(SPORTS) کا ایک لامتناہی سلسلہ
چل پڑا ہے اور متعدد شہروں میں مقابلے
اور میچ منعقد ہوتے ہیں جن میں دوسرے
ممالک کی ٹیمیں حصہ لیتی ہیں جیسے
اولمپک، ورلڈ کپ اور نیشنل کپ وغیرہ،
ان میچوں کی کمنٹری ریڈیو اور ٹی وی
سے نشر ہوتی ہیں اور شہر و دیہات کے لوگ
ان پروگراموں کو دیکھ کر لطف اندوز ہوتے
ہیں انھیں اسکولوں، لائبریریوں اور کارخانوں
میں دکھایا جاتا ہے، میچ کے دوران عموماً کام
ٹھپ ہوجاتا ہے اکثر و بیشتر ان میچوں کا انعقاد
دن میں ہوتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ
پیشہ ور ملازم اپنے کاموں سے، اور طلبا تعلیم وتعلم
سے بے اعتنائی برتتے ہیں اور سارے کام
تعطل کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ان مقابلوں اور میچوں سے بھی ایک قدم آگے ہیں
ٹی وی کے پروگرام اور فلمیں، ویڈیو، ویڈیو گیمس یہ
نہ صرف اخلاق وکردار پر اثرانداز ہوتے ہیں بلکہ
ان کے ذریعہ علمی استعداد اور خداداد استفادہ
کی صلاحیت بھی مفقود ہوجاتی ہے، موجودہ دور میں
ان وسائل کی اشاعت اتنے زوروں پر ہے کہ
ہوائی اڈوں، پلیٹ فارموں، سڑکوں، پارکوں
اور مدارس وکالجز وغیرہ میں ٹی وی سیٹ لگا
دیئے گئے ہیں، ہوٹلوں اور کلبوں کا تو کہنا ہی کیا
یہ سارے ہی نشری ادارے جذبات واحساسات
کو برانگیختہ کرنے والے پروگرام پیش کرتے ہیں
خواہ وہ انسان کو غیر انسانی حرکتوں، جرائم، ظلم اور
زیادتی پر ابھارتے ہوں اور انسان کی قوت عمل
کو بڑھانے کے بجائے اس کی کارکردگی یکسوئی
کو کم کرتے ہیں بلکہ معطل کر دیتے ہوں۔

ان مذکور سامان تفریحات کے علاوہ
وہ شبینہ کلب اور لہو ولعب بھی ہیں جو رقص
وسرور اور نغمہ وبربط پر مشتمل انتہائی نازیبا
پروگرام پیش کرتے ہیں ان میں مرد وعورت
جوان وبوڑھے اور عیش پسند ناجائز پیشہ
افراد جن میں نہ کوئی پردہ ہوتا ہے اور نہ تکلف
وحیا سبھی شامل ہوتے ہیں۔

اسی طرح شب باشی کے پروگرام اور
سپر اسٹار وفائیو اسٹار ہوٹل ہیں جو ہیجان انگیزی
اور غیر فطری جذبات ابھارنے کا کام انجام دیتے
ہیں اور ایسے اداکاروں اور شائقین کے بے جا
اختلاط کا موقع فراہم کرتے ہیں جو غیر فطری ماحول
کے پروردہ ہوجاتے ہیں۔ آج ان اداکاروں
کی نقالی کا نشہ اس طرح زوروں پر ہے کہ لباس
اور کھانے پینے حتیٰ کہ زندگی کے بیشتر معاملات
میں ان کی نقل کی جاتی ہے اور ان کو اپنا آئیڈیل
بنایا جاتا ہے۔ نوجوان ان پر فریفتہ ہوتے ہیں۔
اور ان سے اس قدر محبت وعشق کرتے ہیں کہ ان کے
ذکر سے قلم کو حجاب ہوتا ہے۔ ان کے ذہن ودماغ پر

اس درجہ اداکار اور فلمی ستارے چھائے رہتے ہیں کہ حال ہی میں اخبارات میں یہ نشر ہوئی کہ ایک ہندوستانی اداکار ... جب مصر پہونچا، تو نوجوان اس پر بے تحاشہ ٹوٹ پڑے۔ یہ کوئی تنہا واقعہ نہیں اسطرح کے سیکڑوں واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ صحافت نے بھی اس کو بڑی اہمیت دی ہے اور اس وقت اخبارات کے پورے پورے کالم بلکہ صفحات ان اداکاروں کے لئے وقف ہوتے ہیں جن میں ان کی زندگی اور فن کے متعلق مضامین شائع ہوتے ہیں

ان اخبارات و رسائل میں فلمی ستاروں کی زندگی کو بڑی دلفریبی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ آج فلمی ستارے نوجوانوں کے لئے آئیڈیل اور مثالی بنے ہوتے ہیں، جس کا اثر براہ راست ذہن و دماغ کے نشاط اور اسکی دلچسپیوں پر پڑ رہا ہے۔ ہر وقت انھیں کی باتیں اور وہی موضوع اور ان کی عریاں پرستی اور غیر اخلاقی کرداروں کو بڑے ذوق و شوق سے عام کیا جاتا ہے۔

اس وقت دل بستگی کے کلب اور سوسائٹیاں پوری دنیا میں قائم ہیں جن میں کچھ عیش پسندوں اہل ثروت اور اعلیٰ افسران کے لئے خاص ہیں اور کچھ عام۔ یہ سرگرمیاں عالم اسلام کے اندر بھی ریاضت و ثقافت اور فنون لطیفہ کے نام سے زوروں پر ہیں، تفریح خاطر کے یہ کلب اور سوسائٹیاں عالمی پیمانے پر قائم ہیں جن میں نوجوانوں اور سادہ لوح نوخیزوں کو ہدف بنایا جاتا ہے اور وہ ان پروگراموں میں پوری دلچسپی لیتے ہیں۔ جوان کے ذہن و دماغ پر چھا جاتے ہیں اس کے ذریعہ ان کے اندر مغربی افکار پرورش پاتے ہیں جن میں روٹری کلب (ROTARY CLUB) لائنس کلب اور ان کے علاوہ دیگر کلب ہیں جن کی زمام کار صیہونیت اور عیسائیت اور عیسائیت کے ہاتھوں میں ہے اور ہر ملک میں ان کے NET WORK ہیں جن میں پروگرام منعقد ہوتے ہیں اور ان میں مختلف افراد کو مدعو کیا جاتا ہے یہ موقع افکار و خیالات کی اشاعت اور ترویج کا اہم ذریعہ ہوتے ہیں جن سے بہتر موقع شاید ہی انھیں میسر آتا ہو۔

اس سے کسی کو اختلاف نہیں کہ تفریح ایک انسانی ضرورت ہے لیکن بس ایک محدود دائرے میں اور بقدر ضرورت اور کچھ آداب و شرائط کی رعایت کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ تفریح تو محض دل لگی اور دلچسپی کی خاطر ہے نہ کہ مقصد حیات ہے۔ یہ زندگی کا ایک جزو ہے۔ اصل زندگی نہیں آج تہذیب نو نے تفریح و مزاح کو حد سے زیادہ اہمیت دے رکھی ہے اور یہ اعلیٰ طبقہ کا ایک فیشن بن گیا ہے۔ ساتھ ہی اب یہ اپنی افادیت اور اہمیت سے بھی عاری ہو گیا ہے۔ آج ان وسائل پر ایسے افراد اور اداروں کا تسلط ہے جو نہ تو اعلیٰ اور مثالی اخلاق و کردار کے حامل ہیں اور نہ ہی وہ حرمات پر کان دھرتے ہیں۔ سوسائٹی میں بھی ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

ان وسائل کے نقصانات میں اس وقت مزید وسعت پیدا ہو گئی جب اس کا تعلق میڈیا سے ہو گیا۔ اور گھر گھر سامان تفریح پہنچ گئے اور مہذب اور غیر مہذب، امیر و غریب سبھی ان وسائل کے استعمال پر قادر ہو گئے، حتی کہ مزدور پیشہ بھی اپنے گھروں میں اس آفت جان کو لے آئے جوان کے لئے بظاہر کسی "عظیم نعمت" سے کم نہیں، دیکھتے ہی دیکھتے یہ وسائل معاشرہ کی ایک ایسی ضرورت بن گئے کہ ان کے بغیر جینا مشکل سمجھا جانے لگا۔ اور ان کو تہذیب و تمدن کا معیار اور پیمانہ سمجھا جانے لگا انجام کار یہ وسائل جو ٹی، وی، ریڈیو اور ڈش کی صورت میں موجود ہیں اخلاق و کردار کو بگاڑتے اور انہیں موجودہ تہذیب کی ظاہری چمک دمک سے متاثر کرتے ہیں اہم رول انجام دینے لگے، انہوں نے زندگی کے اعلیٰ معیار کو پست کرنے اور اس کے عمل کو بے اثر کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا، اور ان وسائل نے دریازدہ سوسائٹی کی تہذیب و ثقافت کو معاشرہ میں منتقل کرنے میں اہم خدمات انجام دیں۔

گزشتہ زمانہ میں ہمت اور جرأت، دیانت اور مروت و صداقت، قربانی اور ایثار، علم کی تلاش و جستجو۔ اہل ہنر کی قدر و منزلت اور تلاش میں جانفشانی سیاحت اور جفاکشی، اصول پسندی اور اصولوں کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کی مثالیں اور واقعات بیان کئے جاتے تھے اور بچپن ہی سے ذہنوں کی تشکیل کی جاتی تھی۔ اس کے مقابلہ میں موجودہ زمانہ میں ایسی مثالیں اور نمونے پیش کئے جاتے ہیں جو ان ساری خصوصیات سے عاری ہوتے ہیں بلکہ ان کی زندگی میں اس کے مخالف رجحانات اور اقدامات پائے جاتے ہیں، تعلیم و تربیت سے جس ذہن کی تشکیل ہوتی ہے تفریح کے وسائل سے اس تشکیل کو بدل دیا جاتا ہے اور اس میں فاسد عناصر داخل کر دیئے جاتے ہیں اسطرح معاشرہ کے صالح عناصر کم اور کمزور ہوتے جاتے ہیں اور فاسد عناصر طاقتور ہوتے رہتے ہیں۔

(اس وقت پورا عالم انسانیت یورپ کی اس تفریح کی بھینٹ چڑھ رہا ہے اور دنیا اس کے کڑوے پھل سے بیزار اور زار و نزار ہے مگر پھر بھی ؎

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔

ایک مطالعہ

تاریخ دعوت وعزیمت جلد چہارم

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ

قسط (۲)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

الفِ ثانی:۔ اسلامی تقویم کے ایک ہزار سال کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور دوسرے ہزار سال (الفِ ثانی) کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اہلِ یونان کے علوم کو عقلِ انسانی کی آخری منزل قرار دیدی گئی تھی اور انھیں کا نام حکمت قرار پایا تھا نظامِ تعلیم۔ نصابِ درس اور علمی حلقوں کا کمال بات کو پھیلانا اور رائی کو پربت بنانا ہوگیا تھا ایسے لوگ سامنے تھے جو علومِ نبوت۔ صحفِ آسمانی کی تحقیر کر رہے تھے اور اُن پر ایمان لانے کو جہل کورانہ تقلید اور عقل دشمنی کا مترادف سمجھ رہے تھے ایسے طالع آزما لوگ پیدا ہوگئے تھے جو ذہانت اور علم وحکمت سے مسلح تھے۔ الفِ ثانی کا شروع ہونا اُن کو ایک زریں موقع لگ رہا تھا۔ وہ مجدد سے زیادہ دینِ جدید کے موسس اور نئے دور کے فاتح بننے کی کوشش کر رہے تھے ایران جس نے امام غزالی۔ شیخ فریدالدین عطار۔ مولانا رومی۔ مولانا جامی جیسے عارف اور محقق پیدا کئے تھے۔

اور جہاں سے بغداد۔ دہلی اور اجمیر کو پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی خواجہ بزرگ شیخ معین الدین چشتی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی میسر آئے تھے وہاں تصوف کا چراغ بالکل گل ہوگیا تھا اب وہ کتاب وسنت اور علمِ حدیث سے بالکل تہی دامن تھا۔ اگر اہلِ بیت کرام سے عقیدت اور نسبت نہ ہوتی تو زمانہ ماقبلِ اسلام کی طرف لوٹ چکا ہوتا۔ یہاں نقطوی تحریک کی داغ بیل پڑی جس نے کبھی مزدک۔ کبھی مانی اور کبھی حسن بن صباح کے لباس میں ظہور کیا اس تحریک کے داعیوں کا خیال تھا کہ حشر ونشر کچھ نہیں ہونا ہے۔ اعمال کی جزا اور سزا دنیا ہی میں راحت وذلت کی شکل میں مل جاتی ہے، سب کچھ جائز ہے اور سب کچھ صحیح ہے۔ وہ نظریۂ ارتقاء کے قائل تھے۔ وہ قرآن پاک کو حضور کی تصنیف سمجھتے تھے، نماز۔ حج اور قربانی کا مذاق اڑاتے تھے۔ ماہِ رمضان کا نام انھوں نے ماہ گرسنگی وتشنگی رکھا تھا اس فرقہ کا بانی محمود بسیخوانی تھا اس نے کہا کہ اب عربوں کی سیادت ختم ہوگئی اور آئندہ آٹھ ہزار سال تک پیغمبر عجمیوں میں پیدا ہوں گے۔ شاہ عباس صفوی نے بڑی سختی سے ان کا نوٹس لیا اور بڑے پیمانے پر ان کا قتل عام کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ بھاگ کر ہندوستان آگئے۔ جن میں شریف آملی بھی تھا۔ دکن میں لوگوں نے اسے شیعہ عالم سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا مگر جب اس کے عقائد معلوم ہوئے تو سخت توہین اور تحقیر کی۔ وہ دہلی آیا۔ اکبر نے اسے ہزاری منصب دیا اور دینِ الٰہی کا داعی مقرر کیا۔ ابوالفضل بھی اس سے بہت متاثر تھا۔

اکبری عہدِ حکومت:۔ اکبر ابتدائی عہدِ حکومت میں ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی کی کتاب منتخب التواریخ اس پر گواہ ہے اجمیر میں پیادہ پا حاضر ہوا۔ اجودھن میں شیخ فریدالدین گنج شکر کی زیارت کی۔ عبادت خانہ میں سادات، مشائخ اور علماء سے ملتا تھا۔ جب ایک دشمن کی تیر سے زخمی ہوا تو اپنے بچ نکلنے کو اولیائے دہلی کی کرامت سمجھا۔ شیخ سلیم چشتی کا روضہ بڑے اہتمام سے تعمیر کرایا۔ شہزادہ سلیم کی پیدائش کو انھیں کی دعا کے اثر سے سمجھتا تھا۔ شیخ عبدالنبی (نبیرہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ) سے بے پناہ عقیدت تھی۔ بہرحال احکام شرعیہ کے اجراء امر معروف ونہی منکر کے سلسلے میں بڑی کوشش کرتا تھا۔

اکبر کے مزاج میں تغیر:۔ لیکن اکبر کی دینداری اور مذہبی شغف سطحی اور عامیانہ تھی۔ وہ تعلیمی لحاظ سے بالکل بے سواد تھا مگر طبیعت بے چین اور دماغ متجسس پایا تھا۔ مسلسل فتوحات اور اقبال مندی نے اپنے بارے میں غلط فہمی پیدا کر دی تھی۔ بعض شاطر ارکانِ دربار نے مختلف مذاہب اور فرقوں کے علماء کے دنگل قائم کئے صرف اسلام اور ہندو مذہب ہی نہیں بلکہ عیسائیت کے نام لیوا بھی دربار میں حاضر ہوئے اور عقیدۂ تثلیث اور عیسائیت کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اکبر کو اس سے بڑی دلچسپی پیدا ہوئی۔ نتیجہ سب کا یہ نکلا کہ شریعت کا بندھ ٹوٹ گیا اور پانچ چھ سال کے بعد اسلام کا کوئی اثر نہیں رہ گیا اور معاملہ بالکل الٹ گیا۔ نبوت۔ دیدارِ الٰہی۔ انسان کا مکلف ہونا، حشر ونشر سب مضحکہ کی باتیں بن گئیں علمائے دربار نے اس سلسلے میں بڑا ہلکا پن دکھایا۔ ان کی نفسانیت بہت بڑھ گئی تھی۔ ہر ایک ممتاز جگہ پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ ایک دوسرے کی تکفیر اور تضلیل پر اُتر آئے تھے۔

ایک انتہائی اہم دربار کے رکن جن کا خطاب مخدوم الملک تھا۔ انھوں نے حج سے بچنے کے لئے فریضۂ حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا۔ دوسرے اسی درجہ کے درباری صدر الصدور مولانا عبد النبی تھے اکبر ان کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔ یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے حریف اور رقیب ہوگئے تھے اکبر نے جب ان کی انتہائی ناپسندیدہ حرکتیں دیکھیں تو علمائے سلف کو بھی ان ہی پر قیاس کرکے سرے سے علماء ہی کا منکر ہوگیا۔ دربار میں ایران سے آئے ہوئے لوگوں نے جیسے حکیم ابو الفتح گیلانی۔ حکیم ہمام۔ ملا یزدی شریف آملی وغیرہ نے اپنے رنگ میں رنگنا چاہا۔ راجہ بیربل نے سکۂ رائج الوقت دیکھکر اسلامی عقائد اور مسائل میں استہزائی رویّہ اختیار کیا اور خوب داد پائی۔

ملا مبارک اور ان کے دونوں بیٹے ابو الفضل اور فیضی نے بادشاہ کے مزاج میں ایسا درخور اور دربار میں ایسا اعزاز پایا جو اس سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ یہ لوگ انتہائی ذکی۔ اعلیٰ علمی استعداد اور تبحر رکھنے والے علوم عقلیہ اور ادبیہ پر حاوی اور صحیح معنوں میں فاضل اور دانشمند تھے مگر ان کی ساری صفات اسلام کے خلاف استعمال ہوئیں۔ شیخ مبارک کو مخدوم الملک اور ملا عبد النبی نے بے حد ستایا تھا اس کا بھی ردّ عمل تھا ابو الفضل اور فیضی نے اپنی غیر معمولی ذہانت کو اس بات سے ثابت کرنے میں لگادیا کہ ان علماء کے پاس لعن و تکفیر کے علاوہ کچھ نہیں۔ ابو الفضل نے اکبر کو بہت گمراہ کیا۔

جہانگیر نے لکھا ہے کہ میں نے اسی الحاد کے سبب سے بیر سنگھ دیو سے کہا کہ وہ اس کو قتل کردے۔ شیخ مبارک نے محضر تیار کیا تھا جس کی رو سے بادشاہ امام مجتہد واجب الاطاعت اور خلیفۃ اللہ قرار پایا۔ راجپوت رانیوں نے بھی اکبر کو اسلام سے متنفر کیا۔

مخدوم الملک اور صدر الصدور کا زوال ہوا۔ ٹوڈر مل اور ابو الفضل نے ان کا خاتمہ کرادیا۔

الف ثانی کی تیاری اور دینِ الٰہی کا اجراء

اب اکبر کو یہ سمجھایا گیا کہ ظہور اسلام پر ایک ہزار سال گزر گئے اور دوسرے ہزار سال کا آغاز ہولہے اب ایک نئے دین۔ ایک نیا آئین۔ ایک نیا شارع اور ایک نیا حاکم چاہئے۔ اور اس کے لئے اکبر جیسا صاحبِ تاج و نگیں اور امام عادل اور عاقل سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ اسی سے دینِ الٰہی اکبر شاہی کا آغاز ہوا۔ جس میں توحید کے بجائے آفتاب اور کواکب پرستی اور تناسخ کا عقیدہ جزو ایمان بنا۔ اکبر باقاعدہ بیعت لیتا تھا۔ آتش پرستی بھی شامل ہوئی۔ گنگا جل کو تقدّس ملا۔ تصویر کشی کو پسندیدہ امر قرار دیا گیا سجدۂ تعظیمی کا چلن ہوا۔ تاریخ ہجری سے تنفر پیدا کیا گیا۔ غیر اسلامی تہواروں کو منایا جانے لگا زکاۃ منع کی گئی۔ ہندؤں کو موحّد قرار دیا گیا۔ شراب نوشی میں مفتی اور میر عدل وغیرہ شریک ہوئے۔ بادشاہ کی زبان پر یہ شعر تھا۔ ؎

دردورِ بادشاہ خطا بخش و جرم پوش
قاضی قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش

ملّتِ اسلامی کا سارا سرمایہ حادث اور بدعقلی کا مجموعہ ٹھہرایا گیا۔ غرض ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سنگین اور خطرناک موڑ آگیا۔ اب سرہند سے فاروقی شان کے ساتھ ایک فاروقی مجدّد احمد سرہندی سامنے آئے۔

حضرت مجدّد الف ثانی:

حضرت مجدد کے والد حضرت مخدوم شیخ عبد الاحد عنفوانِ شباب میں اُس عہد کے شہرۂ آفاق چشتی (صابری) شیخ حضرت عبد القدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور ان سے ذکر و اذکار کی تلقین اور سلوک کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت نے ان کو علومِ دین و شریعت کی تحصیل و تکمیل کی تاکید کی اور فرمایا بغیر علم کی درویشی میں آب و نمک نہیں ہوتا۔ حضرت حصولِ علم کے لئے سفر فرما کے مختلف اکابر کی خدمت میں پہنچتے تھے اور تمام علوم میں دستگاہِ کامل حاصل کی۔ شیخ اکبر کے مشرب پر تھے مگر بے حد محتاط۔ فرماتے تھے کہ اہلِ بیت کرام کی محبت کو ایمان کی حفاظت اور حسنِ خاتمہ میں بڑا دخل ہے۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۱۷ رجب ۱۰۰۷ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

حضرت شیخ احمد شبِ جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی ہی سے آپ میں رشد و سعادت کے آثار نمایاں تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

تعلیم کی ابتدا حفظ قرآن سے ہوئی۔ بیشتر علم کی والد بزرگوار سے اور چند کی اپنے عہد کے بعض علمائے کبار سے تحصیل کی۔ سترہ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہوگئے۔ پھر آپ نے درس و تدریس کے کام کا آغاز کیا۔ آپ آگرہ بھی گئے۔ اور وہاں ابو الفضل اور فیضی سے صحبتیں رہیں۔ فیضی کو آپ کے طبع رسا اور وفورِ علم کا اعتراف تھا۔

اس دور میں تصوف اسلامی معاشرہ اور ماحول میں اس طرح گھل مل گیا تھا کہ وہ اس کا مزاج و مذاق بن گیا تھا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی اصلاح وانقلاب کے میدان میں اُترنے سے پہلے تصوف اور سلوک کے رمز آشنا اور محرم راز ہوگئے تھے بلکہ درجۂ امامت اور اجتہاد تک پہنچ گئے تھے۔ ... کے لئے جب نکلے اور سرہند سے کوچ کرکے د[ہلی] پہنچے تو وہاں حضرت خواجہ باقی اللہ کے علو مرتبہ اور قوت باطنی کا تذکرہ سُنا۔ آپ مولانا حسن کے ساتھ حاضر ہوئے۔ ؎

آمد آں یار کہ ما می خواستیم

حضرت شیخ عبد الباقی نقشبندی دہلوی

(خواجہ باقی اللہ) علم و معرفت میں اللہ کی کھلی نشانی اور ولایت و روحانیت کے منارۂ نورانی تھے حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی روح نے ظاہر ہوکر آپ کو نقشبندی طریقہ کی تعلیم دی تھی۔ آپ کو عجیب و غریب کیفیتِ روحانی اور قوتِ تاثیر حاصل تھی، جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی اُس کے حالات بدل جاتے۔ چالیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

حضرت مجدد حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے چند دن اپنے خدمت میں رہنے کی فرمائش کی۔ بیعت کی درخواست کو فوراً قبول کیا۔ خلعت خلافت بھی حاصل ہوا۔ حضرت شیخ فرماتے تھے "شیخ احمد آفتاب است کہ مثل ما ہزار سیارگاں درضمن ایشاں گم اند"

حضرت مجدد نے کچھ عرصہ سرہند میں رہ کر شیخ کے اشارہ پر لاہور کا سفر اختیار کیا۔ حضرت کے ذکر و مراقبہ کے حلقہ میں جید علماء شریک ہوتے اور مجالس صحبت گرم رہتیں۔

آپ نے اپنے بہت سے خلفا تبلیغ و ہدایت کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے۔ ترکستان۔ عرب یمن۔ شام۔ روم۔ کاشغر۔ توران۔ بدخشاں ہر جگہ یہ حضرات پہنچے اور بندگانِ خدا نے ان سے فائدہ اٹھایا بہت سے نامی گرامی علماء و مشائخ جو اپنے مقام پر بڑے عزت و احترام کے نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ سرہند حاضر ہوتے اور بیعت اور استفادہ سے مشرف ہوتے ہندوستان میں بھی جا بجا آپ نے اپنے خلفاء کو دعوت و ارشاد پر معمور کیا۔ اس قدر لوگ حضرت کے مرید ہوئے اور ہجوم اس قدر زیادہ ہوتا تھا کہ بڑے بڑے اُمراء کو بڑی مشکل سے زیارت کی نوبت آتی۔

۱۰۱۴ھ میں اکبر کا انتقال ہوا۔ اور نور الدین جہانگیر تخت سلطنت پر بیٹھا۔ جہانگیر کو اسلام سے کوئی عناد نہیں تھا بلکہ مزاج میں ایک طرح کی سلامت روی اور حسن اعتقاد تھا۔ جدِ امجد کا یہ مصرعہ اس کے حسب حال تھا۔

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔

آپ نے چاہا کہ بادشاہ کی سادہ طبیعت سے فائدہ اٹھا کر اصلاح کا کام شروع کریں مگر گوالیار کی اسیری کا واقعہ پیش آ گیا۔

جہانگیر کے سامنے مکتوب کے وہ نازک مضامین پیش کئے گئے جو درحقیقت عبوری مکشوفات و محسوسات تھے جو سالک کو اپنے سیر و سلوک میں عارضی طور پر پیش آتے ہیں جہانگیر کے لئے اس میں وحشت کا پورا سامان تھا اُس نے بڑے حیرت و استعجاب کا اظہار کیا۔ ان کو مسلّمہ عقائد کے خلاف سمجھا اور خود پرستی پر محمول کیا۔ لوگوں نے یہ خطرہ بھی ظاہر کیا کہ حضرت مجدد شیخ بدیع الدین سہارنپوری کے ذریعہ فوج سے ساز باز کر رہے ہیں اور بغاوت کا منصوبہ تیار کر رہے ہیں۔ چونکہ شیخ عقائد اہلسنت کی صاف صاف تلقین فرماتے تھے اس سے دربار کے ایرانی عنصر نے بھی فائدہ اٹھایا مگر یہ سب باتیں ایسی نہ تھیں کہ جہانگیر اس کا زیادہ نوٹس لیتا۔ مگر جہانگیر کو اُن مؤثر اور ولولہ انگیز خطوط کا بھی علم ہو گیا جو حضرت مجدد نے ارکانِ سلطنت کو اصلاح حال اور حکومت کو اسلام کی حمایت اور دین کی حمیت کے سلسلے میں تحریر کیے۔

مغل سلاطین یوں بھی مشائخ سے عوام کی حد سے بڑھی ہوئی عقیدت اور رجوعِ عام سے خائف رہتے تھے۔ جہانگیر نے حضرت مجدد کو اپنے مستقر پر طلب کیا۔ آپ پانچ مریدوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ نے دربار آدابِ شاہی جو خلافِ شرع تھے ادا نہیں کیے۔ بادشاہ نے سجدہ کے لئے کہا آپ نے فرمایا کہ میں نے سوائے خدا کے اور کسی کو سجدہ نہیں کیا ہے اور نہ کروں گا۔ بادشاہ اس پر ناراض ہوا اور قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا۔

گوالیار کے اس قلعہ میں اس یوسف زندانی نے اپنے رفقائے زنداں میں تبلیغ و ارشاد کا کام پوری سرگرمی سے شروع کر دیا۔ کئی ہزار غیر مسلم قیدی آپ کے دعوت و تبلیغ سے مسلمان ہو گئے۔

زندانِ گوالیار میں حضرت مجدد پر انعاماتِ الٰہیہ کی جو بارش ہوئی اور آپ کو جو باطنی ترقیات اور وارفتگی کی لذت نصیب ہوئی اس کو حضرت نے اپنے خاص خدام کے نام بڑے لطف سے لکھا ہے۔

کچھ دنوں کے بعد بادشاہ کو اپنے اس اقدام پر ندامت ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کو خواب میں زیارت نبوی ہوئی اور اُس نے دیکھا کہ حضور صلعم بطور تأسف اپنی انگلی دانتوں میں دباتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا۔ (جاری)

اتباعِ سُنت

رہے رسولؐ کے قدموں پہ سر خدا کے لئے

محمد رضوان القاسمی

ایک رسول کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معرفتِ الٰہی کا جو عکس انسان کی زندگی پر پڑنا چاہئے اس کو رسول کی روزمرہ کی زندگی میں مشاہدہ کرا دیا جائے، اگر باطن میں معرفت کا نور جلوہ گر ہو تو ظاہر کی ایک ایک چیز میں جو نورانیت ہونی چاہئے پیغمبرکی زندگی اس کا کامل نمونہ ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس کی زندگی کی ایک ایک ادا کو پیروی کے لئے اسوۂ حسنہ کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اور جو اس اسوۂ حسنہ کی پیروی میں جتنی ترقی کرتا ہے وہ خدا کی محبت اور اس کی محبوبیت میں اتنی ہی ترقی کرتا ہے عام رسولوں کی طرح خدا کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بھی یہی مقصد تھا بلکہ آپ کے ذریعہ اس مقصد کی تکمیل کمال درجہ میں ہوئی ہے. اسی لئے قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، (آل عمران: ۳۱) (اے محمدؐ) آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا. دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا (الاحزاب: ۲۱) تمہارے لئے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے (یعنی) اس شخص کے لئے جو اللہ سے ملنے) اور قیامت (کے آنے) کی امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔"

یہ آیت بتا رہی ہے کہ ہر معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور زندگی لوگوں کے لئے نمونہ ہے لیکن اس بات کو ماننے والے اور اس پر عمل کرنے والے وہی لوگ ہیں جو قیامت کا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا یقین رکھتے ہیں اور بہت کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں.

اسوۂ رسولؐ کا عکس اصحابِ رسولؐ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی لوگوں کے لئے کس طرح نمونہ ہے اور کیسے لوگوں کے لئے نمونہ ہے؟ - صحابۂ کرامؓ نے اس پر عمل کر کے بتا دیا. یہ حضرات آپؐ کی ایک ایک ادا کو دیکھتے اس کو نگاہوں میں رکھتے اور پھر اس کی تقلید کرتے تھے. آپؐ کس طرح اٹھتے ہیں، کس طرح بیٹھتے ہیں، کس طرح سوتے ہیں، کس طرح جاگتے ہیں، کس طرح چلتے ہیں، کس طرح گفتگو کرتے ہیں، کس طرح کھانا کھاتے ہیں. کس طرح ہاتھ دھوتے ہیں، کس طرح وضو کرتے ہیں کس طرح نماز پڑھتے ہیں. کس طرح سفر کرتے ہیں، کس طرح سفر سے واپس آتے ہیں، کس طرح ملاقات کرتے ہیں، کس طرح کسی سے اجازت چاہتے ہیں؟ غرض یہ حضرات صحابہؓ آپؐ کی تمام حرکات و سکنات پوری طرح نظر میں رکھتے اور پھر ان میں سے ہر شخص کی یہ دلی خواہش ہوتی کہ وہ اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سانچے میں ڈھالے اور یہ اہتمام کسی خارجی دباؤ کے تحت نہیں بلکہ محبت وعقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر، حصولِ رضاءِ الٰہی کی خاطر اور اجرِ آخرت کی بنیاد پر کرتے تھے۔ آج کے خدا بیزار، آخرت فراموش اور اخلاق سوز ماحول میں بھی حضرات صحابہؓ جیسی قلبی کیفیات ہی کے ذریعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور عمل کو اپنا سکتے ہیں' اسی کا نام دراصل "اتباعِ سنت" ہے، جس کا مومن سے مطالبہ ہے.

یہاں اس کا تذکرہ بے جا نہیں ہوگا کہ ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب حقی مدظلہ کو سنتوں کے تاکیدی بیان میں امتیاز حاصل ہے. مولانا موصوف اپنے مواعظ میں سنتوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے مختلف انداز اور اسلوب سے بڑے سوز وگداز اور خاص کیفیت کے ساتھ زور دیتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں کہ روزآنہ کم از کم ایک سنت یاد کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے، دینی مدارس ومکاتب میں اس کا خاص اہتمام ہو. اس سے سنتوں کا چلن عام ہوگا۔ مولانا نے ایک دفعہ سنت کی اہمیت پر وعظ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ سنت کا مطلب "اکمل" ہے، یعنی اس سے زیادہ کامل طریقہ اور راستہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، "اجمل" ہے یعنی اس سے زیادہ کوئی طریقہ اور راستہ جمیل، پرکشش اور جاذبِ نظر نہیں ہو سکتا، "اسہل" ہے یعنی کوئی بھی طریقہ اور راستہ اس سے زیادہ سہولت بخش اور آسان نہیں ہو سکتا، بغیر بار، پریشانی اور وقت کے انسان کا کام طریقۂ سنت سے انجام پاتا ہے".

انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں مہد سے لے کر لحد تک یا دوسرے لفظوں میں گود سے لے کر گور تک جو مسائل پیش آتے ہیں ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جو ہدایت و رہنمائی کرتی ہے اسے آپ بغور دیکھ جائیے، ہر ہر قدم پر آپ کو مولانا کی بات میں کامل صداقت محسوس ہوگی، اس کے برخلاف عادت، طبیعت، مزاج، رسوم و رواج اور بدعات کا سکہ جو چلن رہا ہے اس میں طرح طرح کی پیچیدگیاں، کٹھنائیاں اور پریشانیاں نظر آئیں گی۔ اس لئے کسی بھی عمل کو کرنے سے پہلے یہ دیکھئے کہ اس پر مہر محمدی ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیجئے ورنہ ردی کی ٹوکری میں ڈال دیجئے۔

ایک سنت کو زندہ کرنے کا ثواب
سو شہیدوں کے برابر

آپ اپنی نظر اس حقیقت پر جمائے رکھئے کہ فتنہ و فساد اور بدعات و خرافات کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا گیا تو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، آپ سے محبت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپ کی سنتوں پر عمل کیا جائے، اس سلسلہ میں آپ کا یہ کتنا واضح ارشاد ہے:

من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ (ترمذی) جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

سنت کے تعلق سے اس حقیقت پر نظر رہے کہ ہر سنت میں بظاہر ایک قدر نظر آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اس میں کئی قدریں مقدر کر رکھی ہیں جن کا ظہور خاص مواقع اور حالات میں ہوتا رہتا ہے مثلاً مسواک کی سنت کی ظاہری قدر تو یہ ہے کہ وہ منہ کی صفائی کا کام کرتی ہے مگر ایک جنگ کے موقعہ پر اس سنت پر اخلاص سے عمل کیا گیا تو تلوار کی بھی قدر پیدا ہو گئی ـــ

یہ وہ وقت تھا جب کہ اسلامی فوج دشمنوں کے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھی اور کئی ہفتے گذر چکے تھے، جب اسلامی فوج کو جائزے کے بعد معلوم ہوا کہ ہم سے کئی دن سے مسواک کی سنت متروک ہو گئی ہے اور شاید اسی پاداش میں قلعہ فتح نہیں ہو رہا ہے تو اس احساس کے بعد بیک وقت سب مسواک کرنے لگے تو دشمنوں نے قلعہ کی برجیوں سے دیکھ کر یہ تاثر لیا کہ مسلمان واپس جانے والے نہیں، یہ زچ آ گئے ہیں اور دانت تیز کر رہے ہیں تاکہ ہمیں کچا چبا جائیں، خیریت اسی میں ہے کہ قلعہ کا دروازہ کھول دیا جائے چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، گویا تلوار جہاں فیل ہو رہی تھی وہاں مسواک نے تلوار سے بڑھ کر کام کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اپنے محبوب کی مسواک کی سنت میں منہ کی صفائی کے ساتھ جنگ کے اس خاص موقع پر تلوار اور طاقت کی قدر پیدا فرما دی کاش دلِ حساس اس کو محسوس کر سکتا اور چشم بینا اسے دیکھ سکتی۔

آج مسلمانوں میں اس حوصلے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے کہ زمانہ اور ماحول سے متاثر ہوئے بغیر سنت کی اہمیت اور عظمت کو محسوس کرتے ہوئے اس پر عمل کرے اور مستانہ وار یہ کہہ سکے ؎

گو ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں
دیکھنا یہ ہے مزاج یار تو برہم نہیں

یہ دیکھئے صحابی رسول حضرت حذیفہ بن یمانؓ ہیں خادم ساتھ ہے، ملک عجمی ہے، دسترخوان پر کھانا کھا رہے ہیں لقمہ گر پڑا ہے گرے ہوئے لقمہ کو صاف کر کے منہ میں ڈال رہے ہیں، خادم اشاروں میں یہ پیغام دے رہا ہے کہ عجمیوں میں یہ طریقہ معیوب ہے وہ ایسے شخص کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، حضرت حذیفہؓ برہم ہو کر عشق رسولؐ سے سرشار فرماتے ہیں: ءاترک سنۃ حبیبی لھؤلاء الحمقاء، کیا میں اپنے محبوب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت ان احمقوں (اور دین ناآشناؤں) کی وجہ سے چھوڑ دوں؟ ـــ تاریخ بتاتی ہے کہ لوگوں کے طعن و تشنیع سے کسی سچائی اور پاکبازی کو چھوڑ دینا ابو طالب کا شیوہ ہے اور ساری ملامتوں کی جھرمٹ میں حق کے سامنے گردن ڈال دینا حضرت حذیفہؓ کی سنت۔ اور ظاہر ہے ایک مومن کے لئے حضرت حذیفہؓ کا اسوہ تو قابل تقلید ہو سکتا ہے لیکن ابو طالب کا نقش قدم کسی طرح نشان راہ نہیں بن سکتا۔

ذرا دوسری طرف نظر ڈالئے، یہ بزرگان دین کے سرخیل حضرت شبلیؒ ہیں آخری وقت ہے، بے ہوشی کی کیفیت طاری ہے مگر اس کے باوجود وضو کے لئے اصرار کر رہے ہیں متوسلین اور مریدین کہہ رہے ہیں کہ حضرت! اس حالت میں وضو سے آپ کو تکلیف ہوگی مگر ماننے کے لئے تیار نہیں، وضو کرا دیا گیا۔ پھر فرما رہے ہیں کہ وضو کراؤ، مریدین کہہ رہے ہیں کہ حضرت! ابھی تو آپ کو وضو کرایا گیا ہے، فرماتے ہیں وضو کراؤ کیونکہ وضو میں حضورؐ کی سنت انگلیوں کے خلال کی بھی ہے۔ تم نے مجھے خلال نہیں کرایا۔ میں دنیا سے اس حال میں جاؤں اور قبر میں حضورؐ کا سامنا اس طرح کروں کہ آپؐ کی ایک سنت کو چھوڑنے کا الزام ہو۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا جب دوبارہ انگلیوں کے خلال کی رعایت کے ساتھ وضو کرایا گیا تو وضو کی تکمیل کے ساتھ ہی ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی گویا ؎

دی کس طرح سے جان تہ تیغ داغ نے
لب پر تبسم اور نظر یار کی طرف

اتباع سنت کی حیرت انگیز مثال

دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ملئے، انگریز کا زمانہ ہے، مولانا کے نام گرفتاری کا

وارنٹ جاری ہے۔ احباب واعزہ کی خواہش اور اصرار پر مصلحتاً چھپ جاتے ہیں۔ تین دن کے بعد پھر باہر آجاتے ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ حالات ابھی ٹھیک نہیں ہوئے ہیں۔ پولیس آپ کی تلاش میں پھر رہی ہے۔ کچھ دنوں چھپے رہیں۔ مولانا نے نظر دور کی پائی تھی، کیا عجیب وغریب استدلال کرتے ہیں۔ اتباع رسولؐ کے جذبے سے کس قدر سرشار ہیں فرماتے ہیں "حالات جو بھی ہوں مگر میں تین دن سے زیادہ چھپا نہیں رہ سکتا، ہمارے آقا (سلام ہو ان پر درود ہو ان پر) ہجرت کے موقع پر دشمنوں کے تعاقب سے غارِ ثور میں تین ہی دن چھپے رہے تھے، اس سے زیادہ دن چھپ کر میں سنت کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔"

فقیر مسکین احمد کو حاضر کرو

دیوبند کے بعد علیگڈھ آئیے اور سرسید احمد خاںؒ بانی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ (یہ حسن اتفاق ہے کہ بانی دارالعلوم دیوبند اور بانی مسلم یونیورسٹی دونوں ایک ہی استاذ مولانا مملوک علیؒ کے شاگرد رہے ہیں) کا ایک مثالی حال مولانا حالیؔ کی زبانی سنیئے، وہ "حیات جاوید" (صفحہ ۹۷) میں لکھتے ہیں کہ "جس زمانے میں سرسید، سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد" کا جواب لکھنے کی تیاری کر رہے تھے انھوں نے ولایت سے مولوی سید مہدی علی خاں کو ایک خط میں یہ الفاظ لکھے تھے: "مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا، کتاب لکھی جائے اگر تمام روپیہ خرچ ہوجائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہوجاؤں تو بلا سے قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاؤں گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فقیر ہو کر مرگیا، حاضر کرو۔ ع

مارا ہمیں نغمۂ شاہنشاہی بس ست"

کاشانۂ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے

آئیے اب علیگڈھ سے رائے بریلی چلیں حضرت سید احمد شہیدؒ کے جدِ اعلیٰ اور عہد عالمگیری کے ممتاز شیخ اور عارف باللہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ (۱۰۳۳-۱۰۹۶ھ) سے ملیں، دیکھئے اس ملاقات کا نظم انھیں کے خاندان کے چشم و چراغ مولانا محمد الحسنیؒ (جو مخلص داعی اور عربی و اردو کے معروف صاحب قلم اور ممتاز ادیب ہیں) کر رہے ہیں ذرا قریب آئیے، اور مولانا محمد الحسنیؒ کی ان باتوں کو توجہ سے سنیئے، وہ فرما رہے ہیں: "مولانا شاہ علم اللہ کی سیرت کا سب سے جلی عنوان اتباع سنت اور عزیمت ہے۔ اس باب میں انھوں نے جو انتہائی کمالات حاصل کئے اور اس میں جن لطافتوں اور نزاکتوں کو ملحوظ رکھا اور زندگی بھر جس ثابت قدمی کے ساتھ اس پر عمل پیرا رہے اس کی نظیر نہ صرف عہد عالمگیر میں بلکہ اس کے بعد کی صدیوں میں بھی نہیں ملے گی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ سنت میں جو انوار و برکات ہیں اور سنت کے ذریعہ آدمی جو کمال اور تقرب حاصل کرسکتا ہے وہ کسی اور ریاضت، مجاہدہ، سلوک اور تربیت سے ممکن نہیں، ان کا مسلک اس عقیدہ کے عین مطابق اور ان کی پوری زندگی اس بات کی مجسم اور ناقابل انکار شہادت تھی کہ اس بازار میں سب سے قیمتی جنس اور وصول الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہر وقت، ہر عہد اور ہر ملک میں اور عبادات و معاملات سے لے کر روزمرہ کی زندگی کی تفصیلات تک میں اتباع سنت اور عزیمت پر عمل ہے۔ اور اس کے ذریعہ سالوں کی مسافت مہینوں میں، مہینوں کی دنوں میں اور دنوں کی لمحوں میں طے ہوسکتی ہے۔

سید شاہ علم اللہؒ نے خاندانی معاملات و تعلقات اور نکاح، ولیمہ، عقیقہ وغیرہ میں بھی رسم و رواج اور دستور کے برعکس احیاء سنت پر عمل کیا اور کسی ملامت کی پرواہ نہ کی اور باوجود اس کے کہ ہندوستان کے بڑے بڑے علمی و دینی گھرانوں میں بھی یہ رسوم و خاندانی روایات گھر کر چکی تھیں اور بڑے بڑے اہل علم و اہل زہد بھی اس کو گوارا کر رہے تھے یا فتنہ اور انتشار کے خوف اور کسی وقتی مصلحت کی وجہ سے چشم پوشی سے کام لے رہے تھے۔ انھوں نے اس اہم شعبہ میں بھی عزیمت اور اتباع سنت کی وہی شان برقرار رکھی جو ان کا سب سے بڑا وصف اور ان کی زندگی کا سب سے بڑا پیغام ہے، اور خواص و عوام دونوں کے لئے روشنی کا مینار رہے ہے۔ "تذکرۃ الابرار میں ہے کہ ان کی لڑکی ان کے بھتیجے سید عبدالرحیم فرزند مولانا سید ہدایت اللہ سے منسوب تھیں، سید شاہ علم اللہؒ اچانک نصیرآباد پہنچے، بھائیوں سے ملاقات کی، سید عبدالرحیم بھی وہاں پر موجود تھے، اس زمانہ میں دستور تھا کہ لڑکا شادی سے پہلے اپنے خسر کے سامنے نہیں آتا تھا، سید عبدالرحیم جانے کے لئے اٹھنے لگے۔ شاہ صاحب نے دیکھ کر فرمایا کہ میاں عبدالرحیم وضو کرکے آجاؤ اس وقت تمہارا عقد ہے مولانا سید ہدایت اللہ نے یہ عذر کیا کہ اس قدر اچانک عقد مناسب نہیں کچھ مہلت ہونی چاہیئے کچھ دیر کے بعد وہ بھی آمادہ ہوگئے اور اسی مجلس میں ان کا عقد ہوگیا، جہیز بھی سنت کے مطابق تھا، سیدہ بی بی حنیفہ کی شادی میں سنت کے مطابق پیدل چل کر ان کو ان کی سسرال تک پہونچایا۔۔۔۔۔۔ جہیز میں ان کو چکی بھی دی تاکہ اتباع سنت میں کوئی کمی نہ رہ جائے (یہ چکی بہت عرصہ تک بی بی حنیفہ کے فرزندوں کے پاس محفوظ رہی)" "مہر جہاں تاب" کے مصنف نے لکھا ہے کہ دیوان سید خواجہ احمدؒ

دایک نقشبندی شیخ اور متبع سنت بزرگ
ی روایت ہے کہ سید شاہ علم اللہؒ کی خواہش
شش تھی کہ جہیز میں جو سامان دیا جائے اس
نت سے سر مو تجاوز نہ ہو، چنانچہ چکی کا پاٹ
بق کرکے اسی طرح دیا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
ؓ حضرت فاطمہؓ کے جہیز میں دیا تھا۔ اس واقعہ
نا محمد الحسنیؒ کا یہ تبصرہ بھی سنئے کہ "ظاہر ہے کہ یہ
رض و واجب چیز نہیں لیکن مطابق سنت ہونے
ی کلام ہوسکتا ہے اور اصل بات یہ ہے کہ یہ سب
ی کی کارفرمائی اور کرشمہ سازی ہے یہ نہ ہو تو نماز
لئے سویرے اٹھنا مشکل اور یہ ہو تو پوری پوری
ں عبادت میں گذار دینا ایک معمولی سنت کی
وی میں ہر قسم کی ملامت سننا آسان و خوشگوار ہے"

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

مولانا محمد الحسنیؒ اپنے خاندان کے ان مثالی بزرگ
ملاقات کے اس سلسلہ کو یہ فرماتے ہوئے ختم کرتے ہے
ی کہ "سنت اور اسوۂ صحابہ کی پیروی میں حضرت سید
اہ علم اللہؒ اس قدر جان و دل سے کوشاں تھے کہ جس
ں اور جس راستہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ لکڑیاں
پنے سر پر لائے تھے اور جس بازار میں ان کو فروخت
یا تھا اسی جگہ سے لکڑیاں لائے اور اسی بازار میں
روخت کیا، اسی طرح جس بازار میں حضرت ابوبکر
ضی اللہ عنہ نے کپڑے فروخت کئے تھے ان کی اتباع
یں تھوڑے سے کپڑے حاصل کئے اور برکت کے
لئے اسی بازار میں جاکر فروخت کیا۔" (بحوالہ تذکرہ
سید شاہ علم اللہ رائے بریلیؒ)

مگر شریعت جوان ہے

یہ دیکھئے حیدر آباد ہے، محلہ کا نام گھانسی بازار
ہے یہاں ایک بزرگ حضرت مسکین شاہ صاحبؒ
تشریف فرما ہیں (مقبرہ ان کا علی آباد حیدر آباد میں ہے)
عمر ان کی کافی ہو چکی ہے، بالکل بوڑھے ہوگئے ہیں
آپ کی خدمت میں ایک خاتون آئی ہوئی ہیں،
یہ بھی بہت بوڑھی ہیں حضرت شاہ صاحبؒ سے
اپنے حلقۂ ارادت میں لینے کی خواہش کرتے ہوئے
ہاتھ بڑھاتی ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ ہاتھ کھینچ
لیتے ہیں کیوں کہ مرد کے لئے جائز نہیں کہ وہ اجنبی
عورت کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے، اسی لئے عورت
کو بیعت کرنے میں حضورؐ کی سنت یہ ملتی ہے کہ
کپڑے کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں تھاما، دوسرا ان
کے ہاتھ میں دیا حضرت مسکین شاہ صاحبؒ ایسا
ہی کرنا چاہتے تھے، خاتون بول پڑتی ہیں: "حضرت
میں بھی بوڑھی، آپ بھی بوڑھے، پھر ہاتھ میں ہاتھ
لے کر بیعت کرنے میں کیا حرج ہے؟" حضرت
شاہ صاحبؒ جواب دیتے ہیں ایسا جواب جس
میں ان کی بصیرت، فراست، اور تعلق شریعت
و سنت پورے طور پر جلوہ گر ہے فرماتے ہیں:
"یہ صحیح ہے کہ میں بھی بوڑھا ہوں، تم بھی بوڑھی
ہو، مگر خدا کی شریعت اور اس کے رسولؐ کی
سنت تو جوان ہے۔"

ان کا حکم بجالانا ہمارا فرض ہے

اس باشندے کی طرف بھی دیکھئے، لوگ
کہتے ہیں کہ یہ انگریز ہے، اسلام کا مطالعہ کرنے
کے بعد مسلمان ہوگیا ہے۔ اسلام قبول کرتے ہی
اس نے داڑھی مونڈنی چھوڑ دی، کچھ لوگ اس سے
کہہ رہے ہیں کہ داڑھی رکھنا اسلام میں کچھ ضروری
نہیں ہے، آپ نے خواہ مخواہ داڑھی مونڈنی
چھوڑ دی؟ اس سوال پر نومسلم انگریز کی حمیتِ
اسلامی بھڑک اٹھتی ہے، اطاعتِ رسول کا جذبہ
جوش میں آتا ہے، اب اس کی زبان سے بڑے پتے
اور حکمت کی بات نکل رہی ہے:
"جناب والا میں ضروری اور غیر ضروری کی تقسیم
نہیں جانتا، میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ہمارے
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھنے کا حکم دیا
ہے اور جب میں نے ان کی اطاعت قبول کرلی تو اب
ان کا حکم بجالانا میرا فرض ہے، کسی ماتحت کا یہ کام
نہیں ہے کہ افسر بالا کے احکام میں سے کسی کو "ضروری"
اور کسی کو "غیر ضروری" قرار دے۔"

بات صرف حضرت حذیفہؓ، شبلیؒ، مولانا محمد قاسمؒ
سرسیدؒ، سید شاہ علم اللہؒ، مسکین شاہ صاحبؒ
اور نومسلم انگریز ہی کی نہیں، تاریخ کے
اوراق اس طرح کی شخصیتوں کے کردار سے روشن
ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم نے ان واقعات سے کہاں
تک سبق لیا اور سنت کے نور سے اپنی خلوت و
جلوت اور رزم و بزم کو کہاں تک منور کیا ہے؟
جس نے کہا سچ کہا ؎

کافی نہیں کہ بیٹھ کے مدح و ثنا کریں
اٹھو کہ آج حقِ محبت ادا کریں

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب مدظلہٗ
کی یہ بات بھی کس قدر صداقت لئے ہوئے ہے ؎

خدا شاہد کہ ہم سارے جہاں پر حکمراں ہوتے
رسول پاکؐ کی سنت اگر اپنا چلن ہوتا

بہر حال اپنی زندگی کے شب و روز کو سنتِ
نبویؐ کے سانچے میں ڈھالئے اور حکیم شاعر
اکبر الٰہ آبادی کے اس حکیمانہ اور ناصحانہ
شعر کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھئے کہ ؎

قدم بڑھاؤ، ترقی کرو ضرور و لے
رہے رسولؐ کے قدموں پہ سر خدا کے لئے

جس کے ذکر سے انسانیت کو عار آئے

فیروز آباد کے المناک ریلوے حادثے سے پورا ملک تڑپ اٹھا اور قرب وجوار کے لوگ خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں مدد کو دوڑ پڑے۔ لیکن وہ لوگ جو محافظ کہلاتے ہیں انھوں نے کیا کیا، دل پر پتھر رکھ کر اس کو نمائندہ نئی دنیا دہلی ۵ تا ۱۱ ستمبر ۱۹۹۵ء کی رپورٹ میں پڑھ لیجئے اور کچھ دیگر اخبارات کی خبریں بھی۔ (ادارہ)

ٹرین حادثہ کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن اس حادثے کے بعد اس شہر کی فضا انسانیت کی دردناک چیخوں سے گونج رہی تھی۔ کیونکہ جائے حادثہ پر خاکی وردی والے (پولیس) گدھوں کی طرح لاشوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ خاکی وردی والے گدھ لاشوں سے نقدی اور زیورات تلاش کر رہے تھے انہوں نے مردہ مسافروں کی انگوٹھیاں لینے کے لئے ان کی انگلیاں تک کاٹ ڈالیں اور نقدی لوٹ لی۔ زخمیوں کو ملبے سے نکالنے کی بجائے نقدی اور زیورات کے لالچ میں انہیں بھی موت کی نیند سلا دیا۔ جس زخمی نے خاکی وردی والے سے مدد کی درخواست کی اس کے سر پر خاکی وردی والے کی لاٹھی پڑی اور اس کو صرف یہ محسوس ہو سکا کہ کوئی اس کی جیبوں کو خالی کر رہا ہے۔ پولیس والوں کی اس گھناؤنی حرکت سے فیروز آباد میں انسانیت بھی لرز گئی اور شاید بڑے بڑے ہٹلروں کی روحیں بھی شرمندہ ہو گئی ہوں گی۔

ایک کتے کی وفاداری

جب حادثے کے بعد مقامی پولیس نے زخمی مسافروں کو بچانے کی بجائے لوٹ مار شروع کی تو انسانیت لرز گئی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب دنیا میں جذبہ ترحم کی کوئی جگہ نہیں رہی ہے لیکن جب مقامی لوگوں نے ملبے سے زخمی مسافروں کو نکالنے کے ساتھ لالچی اور بے ضمیر پولیس والوں کو پکڑا تو انسانیت کی جان میں جان آئی۔ ان پولیس والوں سے بہتر تو وہ کتا تھا جو جائے حادثہ پر خاموش بیٹھا تھا اور ملبے سے اپنے مالک کے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا جس نے اپنے مالک کے غم میں تین دنوں تک کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ اس کا مالک ٹرین حادثے میں مر چکا تھا لیکن اس جانور نے امید کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔

حادثے کے بعد تین ہزار افراد جائے وقوع پر پہنچ گئے تھے لیکن لاشوں کی سڑن اور بدبو کے سبب ہر کوئی دور ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ تین سالہ ایک بچی ملبے میں اپنی ماں کو تلاش کر رہی تھی۔ ایک تباہ حال بوگی کی جانب اشارہ کر کے بچی کہہ رہی تھی کہ میری ممی اس میں سو رہی ہیں ان کو بلا دو —— تین دن بعد بھی اس بچی کی شناخت نہیں ہو سکی تھی —— ایک خاتون اپنے شوہر کی تلاش میں دیوانہ وار دوڑ رہی تھی اور چلا رہی تھی کہ "نہیں وہ نہیں مر سکتے" یہ منظر دیکھ کر ہر شخص کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

مجھے لگا کہ میری بینائی چلی گئی

"میں نے جب اپنے بھائی کو مرا ہوا پایا تو اس کی لاش کو ملبے سے نکالنے کی کوشش کی لیکن اسی دوران ایک پولیس والے نے میرے سر پر کسی بھاری چیز سے وار کیا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا مجھے لگا کہ میری بینائی چلی گئی۔ جب میں نے اپنی آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کی تو پولیس والے کو اپنے مردہ بھائی کی جیب سے روپئے نکالتے دیکھا جس کے بعد وہ فرار ہو گیا۔ نصف گھنٹے کے بعد جب فوجی جوانوں نے مجھ کو اٹھایا تو مجھ کو وہ پولیس والا نظر آیا میں نے فوراً ایک بڑے صاحب (افسر) کو اس کے بارے میں بتایا تو اس پولیس والے کو پکڑنے کی بجائے اس کو جائے وقوع سے بھاگ جانے کی ہدایت کی گئی۔"

پولیس والوں کی مہربانی تھی کہ اب اسپتال میں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں ایک خاتون کی مدد کر رہا تھا جس کا لڑکا سامان کے نیچے دب گیا تھا اسی دوران چند پولیس والے نظر آئے مجھ کو لگا کہ وہ مدد کریں گے لیکن ایک پولیس والے نے لاٹھی سے حملہ کر کے مجھے لہولہان کر دیا۔ میں درد سے تڑپ رہا تھا لیکن پولیس والے میری جیب سے چار سو روپئے نکال کر چلے گئے۔ اس طرح نہ جانے کتنے مسافروں نے حادثے میں بچ جانے کے بعد پولیس والوں کے اس گھناؤنے روپ کو دیکھا۔ فیروز آباد کے ایک مقامی شخص بلو ذکشت نے کہا کہ ٹرین کے ملبے میں ایک پولیس کانسٹبل لاشوں سے سونے کے زیورات تلاش کر رہا تھا اور جب اس کو پکڑا گیا تو اس کے پاس سے سونے کی دس چین برآمد ہوئیں۔ جب کہ مقامی لوگوں نے چار پولیس والوں کو بری طرح زدوکوب کیا جو ہلاک ہونے والے مسافروں کی نقدی اور قیمتی سامان چرا رہے تھے۔ ایک کانسٹبل کے پاس سے ۳۵ ہزار روپئے برآمد ہوئے۔ مقامی لوگوں کے اس رویے کے سبب پولیس والوں کے حوصلے پست ہو گئے اور پھر مسافروں کے سامانوں کی دیکھ ریکھ کا کام مقامی لوگوں نے کیا۔ پولیس نے مسافروں کا نصف سامان غائب کر دیا تھا اور قیمتی سامان اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔

سماجی تنظیموں کے رضاکاروں نے ریلیف کا کام شروع کرنے کے بعد الزام لگایا کہ حادثے کے چار گھنٹے کے بعد بھی لوٹ مار جاری تھی۔ پولیس والوں کو لوٹ مار کرتے دیکھ کر آس پاس کے گاؤں والے بھی اس میں جٹ گئے۔ اسپتال میں پولیس والے لاشوں کی شناخت کے کام میں بھی بے دردی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ایک خاتون کی لاش کا معائنہ کرنے کے بعد ایک افسر نے کہا کہ اس کے ہاتھ کی چوڑی اتار کر بستر کی چادر سے باندھ دو' جب ایک پولیس والے نے چوڑی اتارنے کی کوشش کی تو ہاتھ میں سوجن کے سبب وہ نہیں اتر سکی۔ پولیس والے کو افسر نے حکم دیا کہ چوڑی کو کاٹ دو۔ ہر کام بے دردی کے ساتھ ہو رہا تھا۔

ہندی انگریزی اخبارات نے بھی مجرموں کی مذمت کی ہے۔

● دامودر اگر دال ریل حادثہ کے بارے میں ۲۹ر اگست کو راشٹریہ سہارا میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ ہماری کیسی قومی پہچان ہے کہ کچھ لوگ مرنے والوں کی جیبیں تلاش کرتے رہے ڈاکٹروں نے مریضوں کو نیند کی گولیاں اور انجکشن دیکر سلادیا جس سے وہ ڈاکٹروں کے بارے میں کچھ کہہ نہ سکیں۔

● ایک اخبار اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے "ریل میں .... جناب کرشن رستوگی اپنی اہلیہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے دونوں اس حادثہ کے شکار ہوئے انکے پاس ۶۸ ہزار روپیہ تھے جو پولیس کے کچھ لوگوں نے اڑا لئے، وہاں مدد کر رہے کچھ لوگوں نے دیکھ لیا۔ اور پولیس والوں سے روپیہ لے کر اعلیٰ افسران کو دے دیا۔ اسی طرح مدن سنگھ کے ۱۰ ہزار روپیہ پولیس والوں نے لے لئے۔ کچھ لوگوں نے پولیس والوں کو روکنا چاہا۔ اس سے برہم ہو کر پولیس والوں نے انکی پٹائی کر دی۔ مدن جو معمولی زخمی تھا۔ پولیس والوں کی مار سے اسکی ہڈی ٹوٹ گئی۔

● لوگوں نے لاکھوں روپیوں کے نقدی سامان زیورات لوٹ لئے۔ ایک پولیس والا جس کا نام پریم ویر سنگھ تھا۔ چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ اس کے پاس ۵۴ ہزار روپیہ۔ سونے کی ایک چین اور بہت سے قیمتی سامان تھے۔ لیکن وہیں کچھ لوگوں نے یہ سامان پولیس والے سے لے کر اعلیٰ افسران کو سونپ دیا۔

اتر پردیش قانون ساز کونسل کے قائم مقام چیرمین مسٹر نتیا نند سوامی نے ممبران کی شکایات سننے کے بعد آج ریاستی حکومت کو ہدایت کی ہے کہ فیروزآباد میں ٹرین حادثے کے بعد پولیس والوں کے خلاف لوٹ کھسوٹ کی جو شکایات ملی ہیں اُن کی جانچ کرائی جائے۔

چیرمین نے اس بات پر ناراضگی ظاہر کی کہ انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت جب فیروزآباد اور دیگر جگہوں کے افراد مرنے والوں کی لاشیں نکالنے اور زخمیوں کی امداد کر رہے تھے اُس وقت پولیس کا رویہ نامناسب بتایا گیا ہے اور لوٹ کھسوٹ کی شکایتیں کی گئیں۔

ایوان کے ممبران نے پولیس کے رویئے کی مذمت کی اور کہا کہ پولیس نے مُردوں کا سامان اور زخمیوں کا سامان لوٹا، یہ معاملہ آج ایوان میں مسٹر پرتھوی سنگھ چوہان نے التوا کی ایک تحریک کے ذریعہ اٹھایا، ممبران نے اس بات کی بھی شکایت کی کہ سرکاری ڈاکٹروں نے بھی بے دلی کے ساتھ زخمیوں کو دیکھا۔

(روزنامہ قومی آواز لکھنؤ۔ ۲۲ر اگست ۱۹۹۵ء)

ہمارے عوام انسانیت دوست ہیں اسکی حفاظت کی فکر کرنی چاہئے۔

اور دوسری طرف ہزاروں لوگ۔ ان لوگوں کی خدمت جی جان سے کرتے رہے۔ اسکول کالج بند ہو گئے دوکانیں نہیں کھلیں۔ لوگ دفتر نہ جاکر ان سب کی مرہم پٹی کرتے رہے۔ دور سے آئے لوگوں کو اپنے گھر میں ٹھہرایا جن کا تعلق حادثہ کے شکار لوگوں سے تھا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں نے بچوں اور عورتوں کو باہر نکالا۔ سچ پوچھئے تو یہی سچی پہچان ہے ہندوستان کے لوگوں کی۔

> کہتے ہیں بھائی بھائی ہیں اہل وطن تمام
> پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے
>
> جگر مرادآبادی

سابق گورنر اتر پردیش محمد عثمان عارف انتقال فرماگیے

ممتاز سیاست داں، علم دوست، غریب پرور، سابق گورنر اتر پردیش جناب محمد عثمان عارف نقشبندی ۷۳ سال کی عمر میں ۲۱ر اگست ۱۹۹۵ء کو انتقال فرماگیے۔

مرحوم مجاہد آزادی اور اردو شاعر بھی تھے، اُن کا نعتیہ کلام بہت مقبول ہوا، صلوٰۃ وصوم کے پابند ہونے کے ساتھ عوام وخواص کے نزدیک محبوب تھے، انھوں نے تقریباً پوری زندگی عوام کی خدمت میں گذار دی، مرحوم ادبی حلقوں میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے بڑا گہرا تعلق تھا انھیں ندوۃ العلماء سے بڑی محبت تھی اور تعمیر حیات بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے۔ اور اُن کے درجات بلند کرے (آمین)

○ محمد عباس صاحب امپریل ٹی کمپنی (بمبئی) کے والد جناب حاجی عبدالغنی صاحب کا ۱۲ر اگست ۹۵ء کو انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے رسالہ تعمیر حیات بڑے ذوق وشوق سے پڑھا کرتے تھے اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے جماعت تبلیغ سے خصوصی تعلق تھا قارئین حضرات سے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

● علم کو فقر سے مناسبت ہے، غنیٰ سے نفرت ہے۔ طالب علم معمولی کھانا کھاتا ہو، معمولی کپڑے پہنتا ہو تو اس کے علم میں برکت ہوتی ہے۔ کالج والے طالب علم کو دیکھو وہ علم سے کورا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بڑی ٹھاٹھ باٹ سے رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ نبوت کی وراثت ہے اس لئے جتنی مناسبت طریقۂ نبوی سے ہوگی اتنا زیادہ علم ہوگا۔

بقیہ: درس حدیث

محبت بھردیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصاری کے دل میں موجود برادرانہ محبت کو ابھارتے ہوئے معاف ودرگذر کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ فرمایا: "چھوڑو یہ گندی بات ہے"۔ حدیث پر غور کرنے والے اور اس کے اثرات کی تہہ میں جانے والے کو محسوس ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات کے سلسلہ میں بڑی فکر فرماتے تھے اور یہ کوشش ہوتی تھی، اس طرح کی چیزیں مسلم معاشرہ میں نہ داخل ہونے پائیں کہ یہی بڑے فتنہ اور انتشار کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں (جیسا کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ اور اس کی آگ میں جل رہے ہیں) لہٰذا آپ بہت فکر واہتمام کے ساتھ اس کو ختم کرنے کی کوشش فرماتے تھے اور بہتر سے بہتر طریقہ پر عمل فرمانے کا طریقہ اپناتے تھے، اسی لئے مذکورہ بالا حدیث جس پر یہ بحث چل رہی ہے۔ تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحاح ستہ ودیگر کتب کی بہت سی روایتوں میں بیان ہوئی ہے کہ یہ بات مسلمانوں کے دلوں میں رچ رچ بس جائے، اور زبان یا ہاتھ کسی بھی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کا دل نہ دکھے، صحیح ابن حبان میں حدیث اس طرح آئی ہے۔" المهاجر من هجر السيئات والمسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده"۔ یعنی صحیح معنوں میں مہاجر وہ ہے جو برائیوں اور گناہوں کو چھوڑ دے اور کامل مومن وہ ہے جس کی زبان وہاتھ کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس فرمالیا ہو کہ مہاجر اس غلطی کا ارتکاب دوبارہ بھی کرسکتا ہے لہٰذا فرمایا بھائی مہاجر تو وہ ہے جو برائیوں کو چھوڑ دے، یہ فرما کر گویا اس کو تاکید فرمادی کہ دیکھو آئندہ ایسا نہ کرنا یہ نہایت نامناسب بات ہے کہ مسلمان مسلمان کو تکلیف پہونچائے۔

روایتوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ واقعات متعدد بار پیش آئے ہیں اور آپ کو اس معاشرتی مشکل کو حل کرنا پڑا ہے چنانچہ وقت ونزاکت کی مناسبت سے روایتوں کے الفاظ میں کمی زیادتی فرمائی ہے۔ چنانچہ سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا:

" المسلم من سلم المسلمون من لسانه والمؤمن مَنْ اَمنه الناس على دمائهم و أموالهم"۔ اس حدیث میں سچا مومن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنے جان ومال کا خطرہ نہ ہو' کا اضافہ ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بات طنز وتعریض اور معمولی ایذا رسانی سے بڑھ کر کبھی کبھی لوٹ مار اور قتل تک پہنچ جاتی تھی' اور معاشرہ میں بے چینی اور نفسیاتی فکر وتشویش پیدا ہوگئی تھی۔

لہٰذا صحابۂ کرامؓ نے سوال کیا: اللہ کے رسولؐ! "أی الاسلام خیر" اسلام کی سب سے بہتر حالت کیا ہے؟ جیسے سائل یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ ایک محبت بھرا اور باہم میل جول اور ایک دوسرے کی فکر رکھنے والا معاشرہ کس طرح وجود میں آسکتا ہے' لہٰذا جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (تطعم الطعام وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف) کھانا کھلاؤ (یعنی باہم میل محبت میں ایک دوسرے کی دعوت کرو) (جو مسلمان بھی ملے) اس کو سلام کرو چاہے اس کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو یہ وہ شرعی ذرائع اور صفات وعادات ہیں جو دل کے اندر سے حسد وبغض، بدخواہی اور دھوکہ دہی کے میل کو نکال کر اپنے بھائی کے لئے دل کو،، جذبات خیر سے بھر دیتے ہیں ان کی خوشی سے خوشی اور ان کے غم سے غم محسوس کرتے ہیں جو بھائی اپنے بھائی کو کھانا کھلائے گا بھلا وہ اس پر ہاتھ کیسے اٹھائے گا اور جو سلامتی کی دعا دے گا وہ اپنی اسی زبان سے اپنے اسی بھائی کو برا بھلا کیسے کہے گا، طعنہ زنی کے لئے زبان کیونکر کھولے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان حکیمانہ عملی اور موثر تعلیمات کے ذریعہ ایک ایسا اسلامی معاشرہ قائم فرمانا چاہتے ہیں جس کی فضا میں ایک دوسرے کا ادب واحترام سمایا ہوا ہو، معاشرہ کا نظام طور وطریقہ اور رہن سہن ایک امتیازی شان رکھتا ہو۔ اسلامی معاشرہ ایک ایسی دنیا ہو جس میں ایک دوسرے کے بارے میں نرالے جذبات واحساسات ہوں، دوسروں سے ملنے جلنے کی ایسی پرخلوص ومحبت سے لبریز اور چھلکتی ہوئی ادائیں ہوں کہ پورے ماحول پر سکون وسکینہ کی چادر تنی ہوئی ہو' ایک دوسرے کی دعوت کرنے کھانے کھلانے اور سلام ودعا سے یہ تعلقات برابر بڑھتے ہی جائیں گے اور ان میں مضبوطی وپختگی بڑھ کر عادت ثانیہ بن جائے گی (جس کو مدینۂ منورہ کے پاکیزہ ماحول میں برتا اور دیکھا جاچکا' جو چاہے تاریخ میں دیکھ لے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (من یسلم المسلمون) کا لفظ استعمال فرمایا ہے "مسلمات" یعنی مسلمان عورتوں کا ذکر نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں اس میں شامل نہیں بلکہ چونکہ مرد کو اولیت حاصل ہے تربیت، تعلیم اسی کے ذمہ ہے' معاشرہ پر وہی موثر ہوتا ہے اس لئے اکثر مومن ومسلم مذکر کا لفظ بولا جاتا ہے مراد دونوں ہی ہوتے ہیں' عورت چونکہ مرد کے تابع بنائی گئی ہے اس لئے مرد کے ذکر کے بعد وہ بھی اس میں شامل ہوجاتی ہے۔ کہیں کہیں عورت کی فضیلت کو بیان کرنے کے لئے علاحدہ ذکر کردیا جاتا ہے اس لئے عورت بھی اس میں شامل ہے۔

ایک اور روایت بھی ہے جو اسلامی معاشرہ کے دائرہ کو مزید وسیع کرتی ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فذلك المسلم) جس نے ہماری نماز پڑھ لی اور ہمارا ذبیحہ کھالیا اس کا شمار مسلمانوں میں ہے۔

اسی لئے علماء کہتے ہیں کہ حسن سلوک اور معاملات میں اہل ذمہ بھی مسلمانوں ہی کے حکم میں ہوں گے ان کو بھی حق وانصاف کا پورا حق حاصل ہوگا۔

ان ہدایات وتعلیمات کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا عظیم الشان معاشرہ قائم کرنا چاہتے تھے جس میں ہر فرد بشر سکون وچین اور پیار ومحبت کی فضا میں بے خوف وخطر زندگی گذار رہا ہو گھر میں ہو تو باہر سفر میں ہو تو ہر حال میں اس کی عزت وناموس اور جان ومال محفوظ ہو، نہ کسی سے کوئی بدگمانی ہو اور نہ کسی کی عیب جوئی وٹوہ میں لگا جائے، اور نہ ہی کسی کی عزت وشرافت اور آزادی میں کوئی ادنیٰ خلل پڑنے پائے، وہ ایسا مثالی معاشرہ ہو جس میں انسانوں کے باہم اتحاد ومیل ملاپ کا اسے ایسے اونچا نمونہ پایا جاتا ہو، خواہ ان کے قبائل اور قومیتیں مختلف ہی کیوں نہ ہوں، اس معاشرہ کا بس ایک ہی معیار وپیمانہ ہو اور سب اسی کو مانتے اور تسلیم کرتے ہوں، وہ پیمانہ اس خالق کا بنایا ہوا ضابطۂ حیات ہو جو اپنے بندوں کے مزاج ضروریات، خصوصیات اور الگ الگ صلاحیتوں اور صفات سے خوب واقف ہے اس لئے معاشرہ میں ہوائے نفسانی کا گذر نہ ہو، اس معاشرہ کا معیار وپیمانہ اخوت وبھائی چارگی اور اپنے پر دوسرے بھائی کو مقدم رکھنا ہے، (جہاں کی فضا ایسی ہو کہ ایک بھائی اپنے بھائی کے یہاں ہدیہ کا پیالہ بھیجے تو وہ محلہ بھر میں گھومتے ہوئے پھر اسی کے پاس آجائے)۔

اس اعتبار سے یہ حدیث پاک ایک شریفانہ وکریمانہ اور پاکیزہ کردار معاشرہ کے نقوش قائم کرتی ہے اور ایمان کے وہ سنگ میل قائم کرتی ہے جس کی بنیاد پر ایسے معاشرہ کے قیام کی دعوت دی گئی ہے اس مثالی ماحول میں بندۂ مومن پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ عملی اور تعمیری زندگی گذارے، بھائی چارہ اور مل جل کر رہنے کا شعار اپنائے، اور اس کی انجام دہی میں خست وناگواری سے سابقہ پڑے تو پیشانی پر شکن لائے بغیر اس کو برداشت کرے، جس بات کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو اس سے چشم پوشی سے کام لے اور اس کی عادت ڈالے کہ کوئی چبھتا ہوا اور چڑھانے والا لفظ زبان سے نہ نکلے، اپنی زبان سے کوئی دل دکھانے والا لفظ نہ نکالے کہ مسلمان ذکی الحس ہوتا ہے اس لئے کہ نیزہ کا زخم تو بُر ہو جاتا ہے لیکن زبان کا زخم باقی رہتا ہے جس کو عرب شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے ؎

جراحات السنان لها التئام
ولا یلتام ما جرح اللسان

جب اسلامی معاشرہ اس طرح کا اتحاد ومحبت برادرانہ برتاؤ اور بھائی چارگی کا جیتا جاگتا معاشرہ ہوگا۔ تو امت مسلمہ اعداء اسلام کی سرکشی اور دراز دستی کو کچلنے کی اہل ثابت ہوگی، اس معاشرہ میں سوچ سمجھ کر موقع ومحل کو دیکھ کر ہوشیاری وچالاکی سے اقدام کرنے کی سوجھ بوجھ ہوگی وہ جذباتیت سے مغلوب ہو کر کوئی قدم نہ اٹھائے گا۔ اور آپس میں محبت وخوش خلقی، ایک دوسرے کی مدد وتعاون، ہمدردی وبہی خواہی کے جذبات سے دل لبریز ہوں گے جس کی تصویر کشی قرآن کریم نے ان الفاظ میں کی ہے "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کبھی کبھار اگر باہم اختلاف ولڑائی کی نوبت آجائے تو فوراً کتاب وسنت کی طرف رجوع کرکے معاملہ کو جلد ختم کر دیا جائے، آپ کے ارشاد کا کہ پکا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور سچا مہاجر وہ ہے جو ان تمام باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

موجودہ حالات میں اس حدیث سے کیا رہنمائی ملتی ہے

۱۔ حدیث سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ صحیح معنیٰ میں اسلام اسی وقت کامل ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں دونوں کے حقوق ادا کئے جائیں کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو خود کے لئے پسند کرتا ہے، ان کو اپنی زبان وہاتھ کسی بھی ذریعہ سے تکلیف نہ پہونچائے۔

۲۔ حدیث بتاتی ہے کہ حقیقی مسلمان تو وہی ہے جس کے دل میں ایمان رچ بس گیا ہو، ایسا کہ مسلمانوں کی ضروریات ومفاد کا پورا خیال رکھے ان کی امانتوں کی حفاظت کرے قتل وخونریزی سے تو کوسوں دور رہے۔

۳۔ حدیث نے یہ بھی تعلیم دی کہ مسلمانوں کو تکلیف پہونچانے والی ہر بات سے پرہیز کرے خواہ زبان سے ہو یا قلم ونیزہ سے ہو جس بات سے بھی مسلمانوں کو تکلیف پہونچے اس سے مسلمان کو بچنا چاہئے۔

۴۔ حدیث نے واضح کر دیا کہ ایمان بندۂ مومن کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کو اپنی زیادتیوں سے محفوظ رکھے۔

۵۔ مسلمانوں کو تکلیف پہونچانا تو اتنی سخت بات ہے کہ فرمایا گیا کہ جس سے لوگ مامون نہ ہوں گویا وہ ایمان سے عاری ہے۔

۶۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اپنے دین وایمان کی حفاظت کی غرض سے آدمی اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ دے یہ تو خصوصی ہجرت ہے جس کی فضیلت میں بہت کچھ بیان ہوا ہے۔ دوسری قسم کی ہجرت جو عام ہے، یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دے۔

حدیث کا فقہی پہلو

حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کا جان ومال، عزت وآبرو حرام ہے، اس پر زیادتی ظلم عظیم ہے۔ الا یہ کہ شریعت نے اللہ اور اللہ کے رسول نے حلال کیا ہو، حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو فرمایا:
"آج تمہاری جان اور مال اور عزت تم پر اسی طرح

ہے جس طرح آج کے دن اور اس شہر اور اس مہینہ میں حرام ہے۔

آپ نے فرمایا: "جس نے ہماری طرح نماز پڑھی ہمارے قبلہ کو قبلہ بنایا ہمارے ذبح کئے ہوئے جانور کو کھایا وہ مسلمان ہے اس کے بارے میں اللہ اور اللہ کے رسول کے حقوق ہیں۔

فرمایا: "اگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو جائے اور دونوں اپنی اپنی تلواریں لے کر مقابلہ میں آجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے، لوگوں نے سوال کیا، اللہ کے رسول قاتل کا تو جہنم میں جانا سمجھ میں آتا ہے، مقتول کیوں جہنم میں جائے گا؟ آپ نے فرمایا وہ بھی تو اپنے مدمقابل کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

آپ نے فرمایا: "میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارو۔

---

۱ فتح الباری۔ باب المسلم من سلم المسلمون۔
۲ سنن نسائی۔ ۳ فتح الباری
۴ فتاوی ابن تیمیہ۔ فصل لایجوز تکفیر المسلم۔

کسی میکدہ میں چلئے جو بچی ہو عمر فانی

یہ فضائے نالۂ غم یہ فغانِ ناتوانی
سبھی سن رہے ہیں اے دل نئے دور کی کہانی
کوئی سانس لے تو کیسے کہ فضا ہی دل شکن ہے
نہ وہ شام ہی منور نہ وہ رات ہی سہانی
کبھی برق آہِ سوزاں کہیں اشک چشم باراں
کہیں ٹھہر جا مسافر کہ برس رہا ہے پانی
سفرِ حیات مبہم ہے عبورِ سنگ و آہن
کہ قدم قدم تھکاوٹ کہ نفس نفس گرانی
کہیں اک نفس کی قیمت ہے ہزار زخم کاری
کہیں مفت بٹ رہی ہے یہ متاعِ زندگانی
وہیں دور ہو سکے گی غم و درد کی گرانی
کسی میکدہ میں چلئے جو بچی ہو عمر فانی
یہ ہجوم لفظ و معنٰی ہے نشورؔ اک اشارہ
جسے کہئے فکر شاعر ہے زبانِ بے زبانی

نشورؔ واحدی

بقیہ:۔ مطالعہ کی میز پر

دیتے ہوئے عبرت کی آنکھیں کھولنے اور فکر آخرت کرنے کی دعوت دی ہے۔ اور اس نشہ کے نتیجے میں بے حجابی و دین سے غفلت کا جو ماحول بن گیا ہے اس کو بیان کرکے زمانہ کی بے وفائی سے سبق حاصل کرنے کی دعوت دی ہے۔ اور یہ واضح کیا ہے کہ اسلامی تمدن مسرفانہ تعمیرات و ترقی کا نام نہیں ہے بلکہ اسلامی اخلاقیات و اقدار ہی اسلامی تمدن کی خصوصیات ہیں اس کی وضاحت میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی کتاب "مذہب و تمدن" سے ایک بڑا مؤثر اقتباس پیش کیا ہے جگہ جگہ علماء کی حق گوئی کے نمونے بھی دیئے ہیں جن میں حضرت حسن بصریؒ کی ایک تقریر ہے جو انھوں نے بھرے دربار میں حجاج جیسے ظالم پر تنقید کرتے ہوئے کی ہے اور حجاج ان کی شان میں گستاخی کرنے کی جرأت نہیں کر سکا بلکہ اس کی زبان سے "اے ابوسعید آپ تو علماء کے سردار ہیں" جیسے الفاظ نکلے اور ایک خاص قسم کی خوشبو منگا کر ان کی داڑھی میں ملا اور رخصت کیا۔

کتاب کا مطالعہ بہت مفید اور آخرت کو یاد دلانے والا ہے کتاب "اذکروا ھاذم اللذات" کی تصویر آنکھوں میں بھر دیتی ہے۔

۱۸۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھانے کا بڑا صاف شفاف آئینہ ہے۔
ملنے کا پتہ:۔ مؤتمر المؤلفین جامعہ اشرفیہ علامہ عبدالودود قریشی روڈ۔ پشاور۔ قیمت پچاس روپیہ۔

● حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ علم کا مقام دل ہے جو دل سے پھوٹے وہ کنواں ہے۔ جب چاہو اس سے پانی نکال لو۔ لیکن مقالے کا علم کوئی علم نہیں اس کی مثال مٹکے کی سی ہے۔ مٹکے کا پانی پینے سے ختم ہو جاتا ہے۔

الحق مبین

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے !

— شمس الحق ندوی

نوادرات سیرت صلی اللہ علیہ وسلم

کتب سیر میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب جن کو خود زبانِ نبوت نے "اصحابی کالنجوم" فرماکر آسمان کے تاروں سے تشبیہ دی ہے بدرکامل اور اس کے گرد ستاروں کے ہجوم کے دلکش منظر کی تشبیہ اگر کوئی دینا چاہے تو اب کس چیز سے تشبیہ دے گا۔

جو رحمت عالم ہیں وہ آئے تو سب کے بعد لیکن سارے آنے والوں کے امام ہیں۔ ان کے اعمال و اطوار اخلاق کریمانہ اور کردارِ دلبرانہ کا صاف شفاف آئینہ ہر فرد بشر کو جس کی فطرت مسخ نہ ہو چکی ہو اپنی طرف کھینچتا ہے اور تصویر یار دکھا کر سرمست و سرشار بنا دیتا ہے اور دیکھنے والا مستی میں جھوم جھوم کر عالم دو گیتی کے الجھے ہوئے گیسوؤں کو سنوارنے والے اس رحم مجسم کو عقیدت و محبت میں ڈوب کر اس طرح یاد کرتا ہے ؎

سر سبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

اور جیسے جیسے مستی بڑھتی جاتی ہے اس کی نوا سرائی کی لَے بھی تیز ہوتی جاتی ہے۔ کہتا ہے ؎

بہ رفتار صحرا گلستاں کنی
بہ گفتار کافر مسلماں کنی

شاعروں اور ادیبوں کے قلم بھی جب اس کی تصویر کا کوئی خاکہ تیار کرنے لگتے ہیں تو قلم کو تھامنا مشکل ہو جاتا ہے چلتے ہیں تو چلتے ہی چلے جاتے ہیں یاد دلانے کو تو بہت کچھ یاد دلایا جا سکتا ہے لیکن چونکہ قاری کو شکوہ ہے وقت کی تنگ دامانی کا، اسی لئے جلدی میں دو چار نام لئے دیتا ہوں ان کو پڑھ کر دیکھیں کہ ہم نے جو یہ کہا کہ "قلم تھامنا مشکل ہو جاتا ہے" سچ ہے یا جھوٹ، مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی "خطبات مدراس" مولانا عبد الماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ کی "ذکرِ رسول" مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی "کاروانِ مدینہ"۔

نوادرات سیرت میں انہیں امام الانبیاء اور آپ کے اصحاب کرام کے ان واقعات زندگی کو جو ایمان کو تازگی بخشتے ہیں اور عشق رسول کی آگ لگاتے اور بھڑکاتے ہیں، زندگی کے اندھیروں میں اجالا کرتے ہیں اور جو سیرت کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ جمع کر دیا گیا ہے، قند کی کتنی تعریف کی جائے لیکن کام و دہن کو لطف اس وقت تک نہ آئے گا جب تک اس کا کوئی ٹکڑا آپ کے منہ میں نہ پہونچے۔ کتاب "نوادرات سیرت" جب آپ پڑھیں گے جبھی اس کی ندرت کا اندازہ ہوگا۔

مصنف ہیں مولانا قاری محمد انس صاحب قاسمی فتح پوری، کتاب کی ضخامت مشتمل ہے ۳۸۰ صفحات پر، کتابت و طباعت بھی اچھی ہے قیمت لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا، اس گلدستۂ سیرت کا ہدیہ صرف ۷۵ روپیہ ہے۔ ملنے کا پتہ: مرکز اسلامی الٰہ آباد ۲۶/۱ سی۔ کریلی۔ الٰہ آباد۔ کتاب کا ناشر بھی یہی مکتبہ ہے۔

نشۂ محلات

"اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا"

جو چیز زمین پر ہے۔ ہم نے اس کو زمین کے لئے آرائش بنایا ہے تاکہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے۔ (کہف)

اللہ رب العزت نے اپنی کتاب پاک میں ہر طرح سے پھیر پھیر کر، انداز بدل بدل کر ہر انداز و طریقہ سے اپنے ظلوم و جہول بندوں کو سمجھایا اور متنبہ کیا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اس میں ہم نے جو کشش و رعنائی رکھی ہے اس لئے نہیں کہ یہ قیمتی ہے بلکہ اس لئے کہ دیکھیں تم کدھر کھنچتے ہو، اس عارضی حسن و جمال اور لذت نفس کی طرف یا ہماری اطاعت شعاری، فکر آخرت اور جنت کی طرف جو تمہارا وطن اصلی ہے، یا ہماری اطاعت و عبادت سے روگردانی کرکے ہمارے غضب کی آگ کو بھڑکا کر اپنے کو سزا اور جہنم بناتے ہو۔

پرچہ آؤٹ کر دینے کے بعد بھی جو طالب علم فیل ہو جائے اس سے زیادہ بدنصیب کون ہو سکتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود انسان دنیا کی زیب و زینت اور خواہشات نفسانی کا شکار ہو کر اس قدر غافل ہو جاتا ہے کہ کہاں جانا ہے اس کو بالکل بھول جاتا ہے۔

مصنف کتاب مولانا محمد یوسف قریشی صاحب نے انسان کی اسی بھول و غفلت کو سامنے رکھ کر وہ عبرتناک داستانیں کتاب میں جمع کر دی ہیں جو ہوش والوں کے لئے تازیانۂ عبرت کا کام کرتی ہیں۔

کتاب میں جنت شداد، قصۂ نمرود و فرعون اور انبیاء سابقین کی منکر امتوں کے برے انجام اور پھر مسلمانوں کے عہد کی مسرفانہ اور محض تعیش و نام و نمود کی خاطر تعمیرات پر بے تحاشہ رقم خرچ کرنے اور علماء کی اس پر تنقید پھر اس کے عبرتناک انجام کی تصویر کشی کرتے ہوئے اپنے اہل زمانہ کی تعمیرات سے غیر معمولی دلچسپی اور اس کے برے انجام کی مثالیں

باقی ص ۲۹ پر

مختصر عالمی خبریں

عمید اشرف ندوی

● جاپان کے شہر ٹوکیو میں امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی ریاض کے زیر اہتمام قائم معہد جامعۃ الامام سعود کے ڈائرکٹر کے لیکچر سے متاثر ہوکر ۹ جاپانیوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ لیکچر ٹوکیو کے اسلامی سنٹر میں توحید کے موضوع پر دیا گیا تھا۔

● ملیشیا اسلامی دنیا کا ایک ایسا جمہوری ملک ہے جس نے بیسویں صدی کے اختتام تک نمایاں ترقی کی ہے اگر امریکہ، برطانیہ، جرمنی، فرانس اور جاپان جیسے ترقی یافتہ ممالک کی ترقی کا جائزہ لیا جائے تو ان ممالک میں ترقی کا عمل ایک عرصہ کے بعد ہوا لیکن ملیشیا نے ترقی کی یہ منزلیں بہت ہی قلیل عرصہ میں طے کی ہیں اس کی ترقی میں کئی راز پنہاں ہیں یعنی مضبوط اور مستحکم سیاسی نظام، تعلیم پر زبردست توجہ، قدرتی وسائل کو کارآمد بنانا، امن عامہ پر زور اور محنتی پیشہ ور کارکنوں کی خدمات شامل ہیں۔

● پاکستان کی وزیر اعظم اسلامی ممالک کی پارلیمنٹوں کی خواتین کی ارکان سے اسلام آباد میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسلام خواتین پر پابندیاں نہیں لگاتا بلکہ ان پابندیوں کو ختم کیا ہے اور اس نے ۱۴سو سال پہلے خواتین کو جو حقوق دیئے ہیں یورپ نے خواتین کو یہ حقوق بیسویں صدی میں بھی نہیں دیئے

● برطانیہ کے شہر برمنگھم میں منعقد دسویں عالمی ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے امام حرم کعبہ شیخ عبداللہ السبیل نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت قادیانی فتنہ کی سرکوبی کے لئے جد و جہد جاری رکھے گی اور عالم اسلام کا ایک ایک فرد عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کی سرگرمیوں کو روکنے کے لئے مذہبی فریضہ کے طور پر کوشش کرتا رہے گا۔ اس کانفرنس میں برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ قادیانیوں کی تبلیغی اور سازشی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرے۔

● ملیشیا کی حکومت نے بوسنیا ہرزے گووینا پر اقوام متحدہ کی جانب سے عائد اسلحہ کی پابندی توڑنے اور بوسنیا کی مسلم افواج کو ہتھیار فراہم کرنے کا فیصلہ کیا ہے' یہ اعلان جنیوا میں اسلامی رابطہ گروپ کے فیصلہ پر ردعمل کے جواب میں کیا ہے۔ ملیشیا کے وزیر اعظم نے کہا ہے کہ اس پابندی نے بوسنیا کو اپنا دفاع کرنے کے حق سے محروم کر رکھا ہے۔ انھوں نے اقوام متحدہ پر دوہرا معیار رکھنے کا الزام عاید کیا۔

● بی بی سی کے مشرق وسطیٰ کے نامہ نگار راجر ہارڈی جو ایک زمانے سے وہاں رہ رہے ہیں اور مشرق وسطیٰ کے امور کے ماہر گردانے جاتے ہیں انھوں نے "اسلام عقیدہ اور قوت" کے نام سے بی بی سی ریڈیو سے آٹھ قسطوں پر مشتمل ایک پروگرام شروع کیا ہے جس میں انھوں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ آج دنیا کا سب سے زیادہ غلط سمجھا جانے والا اور توڑ مروڑ کر پیش کیا جانے والا مذہب اسلام ہے۔ راجر کا کہنا ہے کہ یہ پروگرام انھوں نے مسلم ملکوں کی مسجدوں، تعلیمی اداروں اور سرکاری اداروں کا دورہ کرنے اور مختلف افراد سے گفتگو کرنے کے بعد تیار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ پروگرام اسلام اور اس کے مسائل کو سمجھنے کی پہلی سنجیدہ کوشش ہو گی، اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے درمیان غلط فہمیوں کو دور کرنے میں اس سے مدد ملے گی۔

Regd No. LW/NP56
Fax No (0522) 380570

Office 300538
Principal 372336
Guest House 73864 Ext. 20

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY
NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)